2ND EDITION

ہماری ویب ڈیجیٹل بک

سلیم اللہ شیخ

SALEEM ULLAH SHAIKH

ہماری ویب پر شائع شدہ تحریروں کا مجموعہ

HAMARI WEB .com

E-BOOK SERVICES

Collection of Published Articles
By "Saleem Ullah Shaikh "
at Hamariweb.com

پاکستان کا درست فیصلہ اور بھارت کی قلابازی

گزشتہ روز جب ٹی وی پر یہ خبر سنی کہ بھارتی وزیر خارجہ پرناب مکھر جی نے کہا ہے کہ پاکستان کو کبھی دھمکی نہیں دی اور پاکستان کو الٹی میٹم دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا یہ خبر سنتے ہی بے ساختہ پہلے تو خوب ہنسی آئی اور اس کے بعد میں یہ سوچنے لگا کہ یہ" ہندو بنیا کتنا بزدل ہے کہ پاکستان کی جانب سے صرف فوج کی نقل و حرکت سے ہی اسکے غبارے سے ہوا نکل گئی اور دراصل یہی بات ہمارے حکمرانوں اور دانشوروں کو سمجھنی چاہیے کہ بھارت کبھی بھی پاکستنان سے خوش نہیں ہوگا اور بھارت کی دھکمیوں کا علاج صرف یہی ہے کہ اس کو اسکی اوقات میں رکھا جائے۔ یہاں میں پاکستان کے حکمرانوں کی غیر ذمہ داری کا بھی تذکرہ کرونگا کہ اول روز سے بھارت کا رویہ جارحانہ تھا اور ہمارا رویہ فدویانہ ایک حدتک تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ دنیا کے سامنے اپنا ایک سافٹ امیج بنانے کے لیے یہ بات ٹھیک تھی۔ مگر بھارت کی ہٹ دھرمی، دھکمیوں، جارحانہ رویوں کے باوجود نہ تو اس کے ساتھ تجارت بند کی گئی نہ اس کی فلموں کی نمائش روکی گئی اور نہ ہی بھارت کی زہریلی نشریات کو پاکستان میں بند کیا گیا اس کے برعکس بھارت نے پہلے آزاد کشمیر کے راستے تجارت بند کی اور اس کے بعد آئندہ فلموں کا لائسنس روک دیا گیا۔ ہمارے ادبی وفد کو بھارت آنے سے روکا گیا، اور ہمارے وزیر خارجہ کے تمام طے شدہ پرگرامات کو منسوخ کیا گیا مگر

پاکستان کی جانب سے ایسا کوئی رد عمل سامنے نہیں آیا بہر حال دیر آید درست آید کے مصداق آخر کار حکمرانوں نے ایک بہت اچھا فیصلہ کیا اور مغربی سرحدوں سے اپنی فوج کو ہٹانا شروع کر دیا ہے اس کے لیے موجودہ حکومت اور آرمی چیف مبارکباد کے مستحق ہیں۔اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اللہ سے کبھی آزمائش نہ مانگی جائے لیکن اگر آزمائش درپیش ہو تو پھر پیچھے نہیں ہٹنا چاہیے۔ ہماری بھی اللہ سے یہی دعا ہے کہ اللہ ارض وطن کو اور اہل وطن کو کسی بھی آزمائش سے محفوظ رکھے اور اگر اللہ کی مرضی سے آزمائش ہے تو پھر پوری قوم انشا اللہ کی اس آزمائش میں سرخرو ہوگی۔آمین آخر میں ایک بار پھر ہمارے حکمرانوں اور پاک افواج کے ذمہ داران کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں انہوں نے ایک مشکل وقت میں بہت اچھا اور بروقت فیصلہ کیا۔اللہ ان کو استقامت عطا فرمائے:آمین

Saleem Ullah Shaikh

کیا بھارت کو پاکستان سے جنگ کی ضرورت ہے؟

گذشتہ ماہ کے آخر میں ممبئی میں ہونے والے دہشت گرد حملوں کے بعد اچانک بھارت کا لہجہ تبدیل ہوگیا تھا اور بھارت نے جنگی جنون میں مبتلا ہو کر نہ صرف پاکستان کو جنگ کی دھمکی دیدی تھی بلکہ اس نے انتہائی رعونت بھرے انداز میں پاکستان کے خلاف از خود کاروائی کو عندیہ بھی دیدیا تھا۔ لیکن حکومت پاکستان اور افواج پاکستان کے جرات مندانہ اور دانشمندانہ فیصلے نے بھارت کو واضح پیغام دیا کہ نہ تو بھارت امریکہ ہے اور نہ ہی پاکستان افغانستان ہے۔ کسی بھی قسم کی مہم جوئی کا جواب موثر طور پر دیا جائے گا۔ اس کے بعد بھارت کا لہجہ بالکل بدل گیا اور وہ بھارتی وزیر خارجہ جو بلند و بانگ لہجے میں دھمکیاں دے رہا تھا اچانک بکری کی طرح ممیانے لگا بقول شاعر۔ یہ وقت کس کی رعونت پر خاک ڈال گیا۔ یہ کون بول رہا تھا خدا کے لہجے میں۔ بہرحال فوری جنگ کا خطرہ تو ٹل گیا ہے لیکن اگر ہم ٹھنڈے دل سے اپنا جائزہ لیں تو اور پھر فیصلہ کریں کہ کیا واقعی بھارت کو ہم سے جنگ کی ضرورت ہے۔ کیوں کہ گذشتہ ایک ماہ میں بھارت کے طوفانِ بد تمیزی اور جنگ کی دھمکی کے باوجود ہم نے غیرتِ ملی کا کماحقہ ثبوت نہیں دیا ہمارے گھروں میں کیبل کے ذریعے بھارت کی نشریات جاری رہیں، ہمارے سینما گھروں میں بھارتی فلمیں نمائش پذیر رہیں، سی ڈیز پر بھارتی فلموں کی آمد جاری رہی، بھارت کے ساتھ تجارت مکمل طور پر جاری رہی

تاوقتیکہ اس نے خود اس سلسلہ کو بند نہ کردیا۔ ان سب چیزوں کے بعد بھارت کو ہم سے جنگ لڑنے کی کیا ضرورت ہے جبکہ اس نے ہمارے ذہنوں کے مسخر کرنے کا کام شروع کردیا ہے۔کیا بھارت کی جنگ کی واضح دھمکی کے بعد ہمیں بھارت کی تمام مصنوعات کا بائیکات نہیں کر دینا چاہیے تھا۔کیا ہم بھارت کی فلمیں اور ڈرامے دیکھے بغیر نہیں رہ سکتے۔بھارت نے اپنی تہذیبی یلغار کے ذریعے ہمارے ذہنوں کو بدلنا شروع کردیا ہے۔آج یہ عالم ہے کہ ہمارے نوجوانوں اور نوعمر بچوں کے اتنے انبیائے کرام اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسم مبارک نہیں یاد ہونگے جتنے ہندوئوں کے دیوی اور دیوتاوں کے نام یاد ہونگے۔اسلامی شعار اور اسلامی تہذیب کے رسم رواج کا پتہ نہیں مگر دیوالی، ہولی، بیساکھی کا اچھی طرح علم ہے۔اردو زبان سے واقفیت نہیں ہے مگر ہندی زبان کے الفاظ ہمارے گھروں میں غیر محسوس انداز میں جگہ بنا رہے ہیں مثلا بیواہ کی جگہ ودواہ، عظیم کی جگہ مہان، حل کی جگی اپائے، سمت یا رستہ کے بجائے دِشا، معافی کی جگہ شما اور اسی طرح کے کئی الفاظ ہمارے روز مرہ کی گفتگو میں مستعمل ہیں۔کیا اس سب کے بعد بھی بھارت کو ہم سے جنگ کی ضرورت ہے اپنی تہذیب اور تمدن سے دور رہ کر نہ تو کوئی قوم ترقی کر سکتی ہے اور نہ ہی اسے کسی مزید دشمن کی ضرورت ہوتی ہے۔زبان کے حوالے سے چین کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ چین کے لوگ بہترین انگریزی بولتے ہیں مگر جب وہ کسی ملک کا دورہ کرتے ہیں یا ان کے ملک میں کسی ملک کا وفد آتا ہے تو وہ انگریزی کے بجائے چائینز میں ترجمان کے زریعے بات چیت کرتے ہیں اور اس سلسلے میں ایک واقعہ مشہور

ہے کہ عظیم چینی رہنما چو این لائی ایک دفعہ ایک ملک کے سفیر سے ملاقات کے دوران جب ان کے ترجمان نے ان کے ایک جملے کا انگریزی میں غلط ترجمہ کیا تو انہوں نے اس کو روک کر اس کی تصحیح کی اسپر مہمان نے حیرانگی سے پوچھا کہ جب آپ اتنی اچھی انگریزی بول سکتے ہیں تو پھر مترجم کی کیا ضرورت ہے اس پر انہوں نے جواب دیا کہ جناب چین گونگا نہیں ہے۔اب میرا اپنے ہموطنوں سے سوال ہے کہ کیا پاکستان گونگا ہے؟ میری اپنے تمام ہم وطنوں سے دردمندانہ گزارش ہے کہ اپنی تہذیب اور ثقافت کو چھوڑ کر پرائی تہذیب اور ثقافت کو خدارانہ اپنائیں۔اور میں ان سے یہی اقبال عظیم کی اس نظم کے ذریعے التجا کرونگا کہ

اپنے مرکز سے اگر دور نکل جاؤگے
فنا ہوجاؤگے افسانوں میں ڈھل جاؤگے
اپنی ہی مٹی پہ چلنے کا سلیقہ سیکھو
سنگ مرمر پر چلوگے تو پھسل جاؤگے

Saleem Ullah Shaikh

کیا یہ انتہا پسندی نہیں ہے؟

سابق صدر پرویز مشرف کے دور میں ایک اصطلاح "انتہا پسندی" کے نام سے متعارف کرائی گئی جو کہ آج بھی استعمال کی جاتی ہے۔انتہا پسندی کی تعریف یہ بیان کی جاتی ہے کہ کسی فرد یا گروہ کی جانب سے کسی فرد یا معاشرے کی اجتماعی سوچ اور نظریات اور مرضی کے خلاف اپنے نظریات مسلط کرنا اور جو لوگ ان نظریات کے خلاف آواز اٹھائیں یا مزاحمت کریں تو ان کو تشدد کا نشانہ بنانہ، اس وقت ہمارے معاشرے میں انتہا پسندی کی یہی تعریف بیان کی جاتی ہے۔ اگر اس مروجہ تعرف سے رو دیکھا جائے تو ہمارے معاشرے کے کئی طبقات اس کی زد میں آتے ہیں، اس میں ہر حکومت بھی شامل ہوتی ہے کہ پاکستان میں اکثر حکومتیں عوام اور معاشرے کی مرضی کے بر خلاف فیصلے مسلط کرتی ہیں اور اس وقت بھی اس کا سلسلہ جاری ہے اگر یقین نہ ہو تو عوام کے مسائل کا جائزہ لیکر دیکھا جاسکتا ہے کہ عوام کے مسائل کیا ہیں اور حکومت کی ترجیحات کیا ہیں۔اس تعریف کی زد میں خود سابق صدر جنرل (ر) پرویز مشرف بھی آتے ہیں کہ انہوں نے اپنے آٹھ سالہ آمرانہ دور میں عوام کی اکثریت کی رائےاور مرضی کے برخلاف شعائر اسلام کا مذاق اڑایا، خلاف اسلام قوانین کا نفاذ کیا، اور ملک کو دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر ایک نہ ختم ہونے والی آگ کا ایندھن بنا دیا کہ جس آگ کی تپش آج ہمارے اپنے ملک میں محسوس کی جارہی ہے اور اس تعریف کی زد میں وہ نام نہاد دانشور

حضرات بھی آتے ہیں جو کہ اپنے قلم کی طاقت کا غلط استعمال کرتے ہوئے کسی بھی مذہبی جماعت یا مذہبی رجحان والے فرد کے انفرادی فعل کی آڑ میں تمام لوگوں اور اسلام کو ہدفِ تنقید بناتے ہیں المیہ یہ ہے کہ یہ انتہا پسندی کسی کے لیے باعث تشویش نہیں ہے اور انتہا پسندی کو اسلام کے ساتھ نتھی کر دیا گیا ہے اور جو لوگ جہاد یا اسلام پسندی کی بات کرتے ہیں یا وہ صرف انفرادی طور پر ہی اسلام کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرتے ہیں تو ان پر انتہا پسندی کا لیبل لگا دیا جاتا ہے۔ اگر کوئی ڈاڑھی والا یا مذہبی رجحان رکھنے والا یا کسی مدرسہ کا فارغ التحصیل فرد اگر کوئی جرم کرتا ہے تو اس کے ذاتی فعل کو بنیاد بنا کر نام نہاد دانشور حضرات اسلام پر حملے شروع کر دیتے ہیں۔ اس کو انتہا پسند قرار دیکر اس کی ذات کے بجائے مدارس کے نظام پر تنقید شروع کر دی جاتی ہے اور مدارس کو انتہا پسندی کے مرکز قرار دے کر ان پر پابندی عائد کرنے کی بات کی جاتی ہے۔

دیکھیں اچھے۔برے لوگ ہر معاشرے اور معاشرے کے ہر طبقہ میں پائے جاتے ہیں اور مجرم کوئی بھی ہو اس کو اس کے جرم کی سزا ملنی چاہیے لیکن اس کی آڑ میں پوری کمیونٹی کو بد نام نہ کیا جائے مثال کے طور پر اگر ہم اپنے معاشرے کا جائزہ لیں تو ایک ہولناک حقیقت ہمارے سامنے آتی ہے کہ اس وقت معاشرے میں اکثر جرائم (سگنل توڑنے سے لیکر قتل تک) میں جدید تعلیمی اداروں سے تعلیم یافتہ افراد ملوث ہوتے ہیں۔ کسی بھی کالج یا یونیورسٹی کا طالبعلم سگنل کی لال بتی پر رکنا اپنی شان

کے خلاف سمجھتا ہے اور عمومی طور پر یہ نوجوان سگنل توڑتے رہتے ہیں، گرلز اسکول اور کالجز کے باہر طالبات کو تنگ کرنے والے، لڑکیوں کو موبائل پر فحش ایس ایم ایس بھیجنے والے، بھولی بھالی معصوم لڑکیوں کو ورغلا کر ان کی فحش تصاویر اور ویڈیو بنا کر نیٹ پر جاری کرنے والے، اکثریت میں انہی جدید تعلیمی اداروں کے فارغ التحصیل نوجوان ہوتے ہیں، موبائل چوری کرنے اور موبائل چھیننے کی اسی فیصد وارداتوں میں یہی تعلیم یافتہ نوجوان ملوث ہوتے ہیں۔ اسی طرح ڈکیتی کی پچاس سے ساٹھ فیصد واداتوں میں تعلیم یافتہ نوجوان ملوث ہوتے ہیں۔ اسی طرح غیرت کے نام پر بے گناہ اور معصوم عورتوں کو قتل کرنے والے، ڈاکٹر شازیہ اور مختار مائی جیسی خواتین کو بے آبرو کرنے والے، اپنی زمینوں پر نجی جیلیں قائم کرنے والے، ملک کی دولت اور زرِ مبادلہ لوٹنے والے ان میں سے کسی کا بھی تعلق کسی مذہبی جماعت، گروہ یا مدرسے سے تعلق نہیں ہے۔ اب اگر ان تمام حقائق کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اگر کوئی شخص یہ مطالبہ کرے کہ جناب چونکہ جدید تعیلمی اداروں سے وابستہ افراد ان سرگرمیوں میں ملوث ہیں لہٰذا تمام جدید تعلیمی اداروں پر پابندی لگا دی جائے تو کوئی بھی ذی الشعور شخص اس کی حمایت نہیں کرے گا بلکہ ایسا مطالبہ کرنے والے کی عقل پر ماتم کرے گا۔ اور ہونا بھی یہی چاہیے کہ جس فرد نے بھی جرم کیا ہو اس کو اس جرم کی سزا ملنی چاہیے اور اس کے فعل کی مذمت کرنی چاہیے لیکن اس کی آڑ میں پوری کمیونٹی کو بدنام نہ کیا جائے اور کسی فرد واحد کے انفرادی فعل کی بنیاد پر پوری کمیونٹی کو نشانہ بنانا ہی دراصل انتہا پسندی ہے

عورتوں کے متعلق غلط سوچ کا خاتمہ کریں

گذشتہ روز انہی صفحات پر ایک بھائی محمد نعمان گل کا مضمون " ایمان والی عورت " پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ اس مضمون میں نعمان صاحب نے بہت ہی انتہا پسندانہ سوچ کا اظہار کیا ہے جو کہ میرے نزدیک غلط بات ہے اور اس سوچ کی اصلاح ضروری ہے کیوں کہ اسلام سے متنفر اور مغربی آزاد خیالی کے دلدادہ لوگ ایسی باتوں کو اسلام کے خلاف پیش کرتے ہیں اور ایسی انفرادی سوچ کو اسلامی معاشرے کی اجتماعی سوچ قرار دیتے ہیں اور ایسی باتوں سے اسلام دشمنوں کے عزائم کی تکمیل ہوتی ہے اس لیے میرے نزدیک ایسی باتوں اور سوچ کی اصلاح اور تردید لازم ہے۔

نعمان صاحب نے سب سے پہلے لکھا ہے کہ (آج کل کی عورت اسلام کو بھلا بیٹھی ہے اور اپنے آپ کو دنیا کے دھوکے میں مگن کرلیا اور دنیا کے مال اور آرام کی طالب ہو گئی ہے)۔

میں ان سے سوال کرتا ہوں کہ کیا آج کے مرد حضرات بالکل دیندار بن گئے ہیں ؟کیا انہوں نے اپنے آپ کو دنیا کے دھوکے سے آزاد کرلیا ہے ؟اور کیا وہ دنیا کے آرام اور مال سے بے نیاز ہو کر تارک الدنیا ہو گئے ہیں ؟یقیناً خود ان کا جواب نفی میں

ہوگا۔ دراصل یہ تو اس وقت معاشرے کا ایک عمومی رجحان بن گیا ہے اور اس کے اسباب کیا ہیں اس کے بارے میں میں آخر میں بات کرونگا۔

اس کے بعد انہوں نے حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہ کی سیرت سے ایک مثال دیگر خواتین کو شرمندہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ جناب نعمان صاحب آپ نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی کی مثال تو پیش کردی لیکن خود اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا طرز عمل تھا؟اس کی طرف روشنی ڈالنے کی آپ نے کوشش نہیں کی۔ایک بار اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے حجرہ میں آرام کر رہے تھے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ ملنے کے لئے آئے انہوں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اطہر پر چٹائی یا چارپائی کے نشانات بن گئے تھے حضرت عمر رضیٰ اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا اے اللہ کے رسول قیصر وکسریٰ تو اپنے محلوں میں ٹھاٹ سے رہیں اور اللہ کا رسول اس طرح رہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے عمران کے لیے دنیا ہے اور ہمارے لیے آخرت، (اللہ اس حدیث نبوی میں میری کمی بیشی کو معاف فرمائے)۔

خود صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کا طرز عمل یہ تھا کہ اللہ کے رسول کے مدنی دور میں اور خلفائے راشدین کے دور میں سرکاری عامل زکوۃ دینے کے لیے کسی

مستحق کو ڈھونڈتے تھے اور کوئی فرد زکوۃ نہیں لیتا تھا۔ اسکی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ تمام لوگ مالدار اور صاحب حیثیت تھے بلکہ دراصل جب کسی صحابی کو دو وقت کا کھانا مل جاتا تھا یا وہ کتنی ہی کسمپرسی اور تنگی ترشی میں گزارہ کرتا تھا وہ اس مال پر اپنا حق نہیں سمجھتا تھا۔ کیا آج کے مردوں میں یہ قلندرانہ صفت اور مال سے بے نیازی کی یہ کیفیت پیدا ہو گئی ہے؟ محترم! اپنا جائزہ لیں۔

آخر میں نعمان صاحب نے خواتین کو خدا کا خوف دلاتے ہوئے پوچھا ہے کہ اس دنیا کی چمک دمک کے پیچھے نہ بھاگو کب تک اس دنیا میں رہو گی کتنے ناچ گانے سن لو گی؟ ذرا سوچو۔

میرا نعمان صاحب سے یہ سوال ہے کہ کیا دنیا کے پیچھے نہ بھاگنے کا درس صرف عورت کے لیے اور مرد جو چاہے عیاشیاں کرتا رہے۔ عورت دنیا کی تمام لذات سے کنارہ کر لے اور مرد جی بھر کے سیراب ہو اور آخر عمر میں جب اعضاء مضمحل ہو جائیں، جب آنکھوں میں بد نگاہی کی طاقت نہ رہے، جب کمر جھکنے لگے اس وقت مسجد کا رخ کرے۔ کیا ہم نے آپ نے یہ سمجھ لیا ہے کہ دنیا کے ساتھ ساتھ اللہ کو بھی نعوذ باللہ دھوکا دے دیں گے بقول شاعر

ساقی تیری محفل میں ہم جام اچھالیں گے

جب کعبے میں جائیں گے زم زم سے نہا لیں گے

اللہ نے اس دنیا میں عورت اور مرد کو برابر کے حقوق دیے ہیں اور اسی طرح گناہ سے بچنا جس طرح عورت کے لیے لازم ہے اسی طرح مرد کے لیے بھی لازم ہے عورت کو پردے کا حکم ہے تو مرد کو غضِ بصر یعنی نگاہ نیچی رکھنے کا حکم ہے۔ اگر عورت اور مرد بد کاری کریں تو دونوں کے لیے ایک ہی سزا ہے البتہ ایک چیز میں خالق کائنات نے عورت کو مرد پر فضیلت دی ہے تاکہ اس کی عزت و عفت پر کوئی بھی بغیر سوچے سمجھے حملہ نہ کرے کہ اگر کوئی فرد کسی پاک باز عورت پر بد کاری کی تہمت لگائے اور پھر اس پر گواہ نہ لائے تو پھر اس فرد کو کوڑوں کے سزا دی جائے گی اور آئندہ اس فرد کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

اب ہم ان اسباب کا جائزہ لیں کہ وہ کیا اسباب ہیں جن کے باعث آج ہمارے معاشرے میں یہ بے راہ روی، یہ دین سے دوری، اور یہ بے چینی اور خلفشار پھیلا ہوا ہے۔اس میں تو کوئی شک نہیں کہ یہ سب دین سے دوری کا نتیجہ ہے اور دین سے دوری دراصل میڈیا کے ذریعے پھیل رہی ہے۔ کیوں کہ مغرب زدہ سرمایہ دار طبقہ نے عورت کو جنس بازار بنا دیا ہے اور عورت کو شو پیس بنا کر پیش کر دیا ہے۔ مثال کے طور پر اگر ایک سگریٹ کا اشتہار ہوگا تو اس میں لازمی کسی خاتون کو دکھایا جائے گا حالاں کہ اس اشتہار میں بھی اس کو سگریٹ نوشی کرتے ہوئے نہیں دکھایا جاتا تو پھر

سگریٹ کے اشتہار میں خاتون کا کیا کام؟ موبائل کمپنی کے ہر اشتہار میں موبائل نیٹ ورک کی خوبی صرف یہی بتائی جاتی ہے کہ اس کے ذریعے زیادہ سے زیادہ لڑکیوں کو متاثر کیا جائے، کیا موبائل فون صرف اسی کام کے لیے ہے۔؟ اور یہ تو صرف چند مثالیں ہیں ورنہ یہ چیز تو ہر فرد کو نظر آرہی ہے کہ کس طرح خواتین کا استحصال کی جارہا ہے۔
بہر حال اس وقت یہ میرا موضوع نہیں ہے اس پر پھر کبھی بات کریں گے

اس وقت جو بات سمجھنے کی ہے وہ یہ کہ اگر آج ہمارا معاشرہ بے راہ روی کی طرف جارہا ہے تو چاہے مرد ہو یا عورت وہ غلط کر رہا ہے مگر معاشرے کے اس بگاڑ پر صرف صنفِ نازک کو نشانہ بنانا۔ان کو لعن طعن کرنا کسی بھی طرح درست نہیں ہے بلکہ نعمان صاحب نے جو لب و لہجہ اپنی تحریر میں اختیار کیا تھا کیا ان کے خیال میں خواتین ان کے اس لہجے سے متاثر ہوجائیں گی اور اور کیا آپ نے اس طرح اسلام کی کوئی خدمت کی ہے جی نہیں آپ کی تحریر پڑھ کر اکثریت نے اسے انتہا پسندی یا ملا ازم کا نام دیا ہوگا اور یہ اسلام کی کوئی خدمت نہیں ہے۔اس سے گریز کرنا چاہیے۔

آخر میں میری خواتین سے بھی یہ گزارش ہے کہ اسلام نے عورت کو بہت بڑا مقام دیا ہے۔اگر وہ ماں ہے تو اس کے قدموں کے نیچے جنت رکھی گئی ہے،اگر وہ بیٹی ہے تو اس کو رحمت قرار دیا ہے،اگر بیوی ہے تو نیک بیوی اور پاک باز بیوی کو جنت کی

بشارت دی گئی ہے۔اور یاد رکھیں کہ ایک مرد کی بے راہ روی صرف اس کی ذات ہی کو خراب کرتی ہے مگر ایک عورت کی بے راہ روی پورے خاندان اور پورے معاشرے کو بگاڑ سکتی ہے۔اسلام سے خوفزدہ مغرب اس حقیقت کو اچھی طرح جانتا ہے کہ جب تک اس معاشرے میں اچھی ماں موجود ہے وہ اسلام کے نظام میں بگاڑ نہیں پیدا کر سکتا اور مسلمانوں کو شکست نہیں دے سکتا اسی لیے آج مغرب کی ابلیسی تہذیب کہیں عورت کو جنسِ بازار بنا کر اور کہیں نام نہاد حقوقِ نسواں کے نام پر بے راہ روی کی جانب مائل کرنے کی کوشش کر رہی ہے اور اب یہ خواتین کا فرض ہے کہ وہ اس سازش کو سمجھیں کیوں کہ جتنے حقوق اور جتنی عزت اسلام نے عورت کو دی ہے وہ کسی بھی اور مذہب یا تہذیب نے نہیں دی ہے۔اسلام نے عورتوں کو جو حقوق دیے ہیں اگر زندگی رہی تو انہی صفحات پر پھر کبھی اس کا ذکر کریں گے۔

Saleem Ullah Shaikh

شکر ایک مکالمہ

دلاور = ارے بھئی بابر صاحب بڑے خوش نظر آرہے ہیں؟

عبداللہ = ہاں الحمد للہ میں بہت خوش ہوں اللہ کا بڑا کرم ہے

دلاور = کیوں کیا کوئی لاٹری نکل آئی ہے؟

عبداللہ = نہیں میری کوئی لاٹری نکلی ہے مگر الحمد للہ کا بڑا کرم ہے۔

دلاور = اچھا تو کیا آپ کی ترقی ہو گئی ہے۔

عبداللہ = نہیں میری ترقی تو نہیں ہوئی ہے۔ لیکن الحمد للہ کی بڑی نوازش ہے اس نے بہت نوازا ہے

دلاور = اچھا تو پھر ضرور آپ کو کہیں دوسری جگہ اچھی اور زیادہ تنخواہ کی نوکری مل گئی ہے؟

عبداللہ = نہیں مجھے کوئی دوسری نوکری بھی نہیں ملی ہے لیکن میں پھر بھی بہت خوش ہوں۔ الحمد للہ

دلاور = اچھا تو آپ کی خوشی کا سبب آپ کے امتحان میں کامیابی ہو گی

عبداللہ = نہیں میری خوشی کا سبب امتحان میں کامیابی بھی نہیں۔

دلاور = بھائی میں نے ہار مان لی آپ ہی بتادیں کہ آپ کی بے انتہا خوشی کا سبب

کیا ہے جو آپ بار بار اللہ کا
شکر ادا کر رہے ہیں۔ ہمیں تو اس مہنگائی نے مار کر ادھ موا کر دیا ہے۔بڑی مشکل سے
گزار ہوتا ہے پھر بال بچوں کی تعلیم کا خرچہ، کل والد صاحب کی طبیعت خراب ہو گئی
تھی ان کو دوائی دلائی تھی پورے ایک سو پچاس روپے کی دوائی آئی تھی، ان سب
چیزوں نے تو ہماری زندگی اجیرن کر دی ہے، ہماری زندگی سے
خوشیوں کے لمحات رخصت ہو گئے ہیں اور آپ بہت خوش اور مطمئین نظر آ رہے ہیں
میری تو عقل کام نہیں کر رہی ہی آپ خود ہی بتا دیں
عبداللہ = دیکھو بھائی یہ سب چیزیں تو زندگی کا حصہ ہیں اور زندگی میں دکھ بھی ہوتے
ہیں اور سکھ بھی
ہوتے ہیں لیکن ہم لوگ تصویر کا ایک رخ دیکھتے ہیں،آپ نے جو مسائل بتائے ہیں یہ
سب مسائل تو آج کل ہر فرد کے ساتھ ہیں اور میں بھی ان تمام مسائل کا سامنا کرتا
ہوں، ہمیں ہر حال میں اللہ رب العالمین کا شکر ادا کرنے چاہیے کیوں کہ وہ رب ہے
اور ہم اس کے بندے ہیں، اور بندے کا مطلب ہوتا ہے غلام،ایک غلام کی کیا مجال جو
وہ اپنے آقا سے شکواہ کرے۔
میرے بھائی آپ نے مجھ سے پوچھا ہے کہ میں کیوں خوش ہوں اور کیوں بار بار اللہ کا
شکر ادا کر رہا ہوں

تو سنو، اللہ نے مجھے ہر قسم کی بیماری سے محفوظ رکھا ہوا ہے ورنہ اس وقت ہزاروں لوگ ہسپتالوں کے چکر لگا رہے ہیں اللہ کا بڑا کرم ہے کہ میں ان میں شامل نہیں ہوں۔آج صبح جب میں گھر سے نکلا تو میں نے ایک اندھا فقیر دیکھا اور میں اللہ کا شکر ادا کیا اللہ نے مجھے ایک مکمل جسم دیا اور میرے جسمانی اعضاء بالکل ٹھیک ہیں۔ کل شہر میں ایک بم دھماکہ ہوا اوراس میں پچھتّر افراد ہلاک ہو گئے لیکن الحمد للہ میں ان پچھتّر میں شامل نہیں ہوں ملک میں اسوقت لاکھوں لوگ بے روزگار ہیں اللہ کا شکر ہے کہ میں ان میں شامل نہیں ہوں، کل ہی کی ایک خبر اور سناتا ہوں کہ ہمارے بابر والی گلی میں دو بھائیوں کا جھگڑا ہو گیا اور چھوٹے بھائی نے بڑے بھائی کو قتل کر دیا اللہ کا بڑا کرم ہے کہ میرا چھوٹا بھائی میری بہت عزت کرتا ہے۔ ہزاروں لوگ ماں باپ کے سائے سے محروم ہیں مگر اللہ نے ان کا سایہ میرے سر پر سلامت رکھا ہے۔

اس وقت ہمارے شہر میں لاکھوں لوگ فاقے کرتے ہیں اور خالی پیٹ سو جاتے ہیں لیکن میرے رب نے مجھے اس سے محفوظ رکھا ہے اور میں پورے تین وقت کا کھانا پیٹ بھر کر کھاتا ہوں۔ کیا یہ بات ایسی نہیں ہے کہ میں اپنے رب کا شکر ادا کروں

دلاور = ہاں آپ نے بالکل ٹھیک کہا ہے کہ اللہ نے ہم پر بڑا کرم کیا ہے

عبداللہ = میں جب یہ دیکھتا ہوں کہ افغانستان، عراق، فلسطین، اور آزاد کشمیر کفار، یہود و ہنود کے قبضے میں ہیں اور ارض فلسطین میں تو اس دفعہ بیت المقدس

میں یہودیوں نے مسلمانوں کو نماز عید بھی ادا کرنے نہیں دی اور میرا وطن ان سے محفوظ ہے تو بے اختیار میں اپنے رب کا شکرادا کرتا ہوں اس نے مجھے ایک آزاد وطن میں پیدا کیا، جہاں میں اپنی مرضی سے اپنے دین پر عمل کر سکتا ہوں۔

دلاور = عبداللہ بھائی آپ نے مجھے یہ بہت اچھی بات سمجھا دی ہے کہ واقعی ہم اپنے آزاد ملک میں آزاد فضائوں میں سانس لے رہے ہیں

عبداللہ = دیکھو بھائی آج کل ہم لوگ ناشکرا پن کرتے ہیں اور ہم سمجھتے ہیں کہ اگر ہمارے پاس گاڑی، بنگلہ، بینک بیلنس،اور سوسائٹی میں ایک اونچا مقام ہو تو ہی اللہ کا شکرادا کرنا چاہئے جب کہ اللہ کا شکر تو ہر حال میں واجب ہے چاہے وہ جس حال میں بھی رکھے

دلاور = ہاں ہمیں کہنا چاہیے کہ مسائل تو ہیں پھر بھی اللہ کا چکر ہے کہ اس نے ہمیں اچھا رکھا ہوا ہے

عبداللہ = نہیں میرے بھائی یہ جو لفظ ہے نا پھر بھی اس کا مطلب ہے کہ ہم خوش تو نہیں ہیں لیکن پھر بھی اللہ کا شکر ہے، ایسا نہیں کہنا چاہیے۔ صرف اللہ کا شکرادا کرنا چاہئے۔

دلاور = سوری میں اب ایسا ہی کروں گا اور چاہے میرا رب مجھے جس حال میں رکھے میں اس کا شکرادا کروں گا

عبداللہ = بالکل ٹھیک لیکن ایک بات اور اللہ کا شکر صرف زبان سے ہی نہیں بلکہ

عمل سے بھی کرنا چاہیے اور جب ہم اسلامی تعلیمات پر عمل کریں گے تو اس کا مطلب ہے کہ ہم اپنے رب کا شکر ادا کر رہے ہیں،اور عمل سے شکر ادا کرنے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ہم پنج وقتہ نماز باقاعدگی سے ادا کریں۔ یہ دراصل اپنے عمل سے اللہ کا شکر ادا کرنا ہوگا

دلاور = عبد اللہ بھائی میں آپ کی باتوں سے متفق ہوں اور میں ایسا ہی کرونگا

عبداللہ = تو پھر آیئے نمازِ مغرب کا وقت ہوگیا ہے اور مسجد بھی سامنے ہے

دلاور = چلیں

دونوں مسجد کی طرف جاتے ہیں اور فضاؤں میں مؤذن کی صدا گونج رہی ہے اللہ اکبر اللہ اکبر

بُش کو تمغہ کب دیا جائے گا؟

ایک خبر کے مطابق امریکی نائب وزیر خارجہ رچرڈ باؤچر کو صدر آصف علی زرداری نے ہلال قائدِ اعظم کا تمغہ عطا کیا ہے اور یہ تمغہ ان کو پاکستان کے لیے خدمات اور استحکام کے لیے ان کو عطا کیا گیا، اگر جناب رچرڈ باؤچر کا تمغہ دیا جاسکتا ہے تو پھر جناب بش صاحب نے کیا قصور کیا ہے جبکہ وہ توزیادہ میڈل کے حق دار ہیں اسلیے کہ جس جس خطے میں بد امنی، شورش، عدم استحکام، دہشت گردی، آزاد قبائل اور شمالی اور جنوبی وزیرستان میں ڈرون حملوں اور بھارت کی جانب جنگ کی دھمکی کو پاکستان یا خطے میں استحکام اور پاکستان کی خدمت کہا جاسکتا ہے تو پھر سابق امریکی صدر بش تو اس کے سرخیل ہیں انھوں نے نہ صرف اس خطے بلکہ مشرقِ وسطیٰ اور بالخصوص فلسطین کے لیے بے انتہا خدمات انجام دی ہیں (اور اس کا پھل آج کل بھی اہل فسطین اسرائیلی جارحیت کی صورت میں بھگت رہے ہیں) تو پھر ہم یہ بات پوچھنے میں حق بجانب ہیں کہ جناب بش کو کوئی تمغہ کب دیا جارہا ہے اور ان کو نہ صرف ہلال قائد سے نوازا جائے بلکہ ان کو تو پاکستان کا سب سے بڑا سول اعزاز تمغہ امتیاز عطا کردیا جائے ویسے ہمارے حکمرانوں کے نزدیک تو وہ اس سے بھی زیادہ کے مستحق ہیں لیکن وہ اس سے آگے کچھ دے نہیں سکتے (البتہ عراق کے بہادر صحافی منتظر الزیدی نے بش کو اس کی شان کے شایان تحفہ دیدیاہے) اور جس طرح بھارت کی ساٹھ سالہ پاکستان دشمنی،

تین جنگوں، اعلانیہ سازشوں، کے باوجود جناب صدر آصف علی زرداری صاحب نے جب یہ کہا ہے کہ پاکستان کو بھارت سے کبھی کوئی خطرہ نہیں رہا تو پھر یہ بھی لازم ہوجاتا ہے کہ پاک بھارت جنگوں میں جن جوانوں نے ارضِ وطن کا دفاع کرتے ہوئے اپنی جان قربان کردیں اور جام شہادت نوش کیا ہے ان سب کو دہشت گرد قرار دیدیا جائے اور بھارت کے جہنم واصل ہونے والے سپاہیوں کے شہید قراد دے کر نشان حیدر بھی عطا کردیں۔ عوام یہ پوچھنے میں حق بجانب ہیں کہ آخر رچرڈ باؤچر کی ایسی کیا خدمات ہیں کہ ان کو پاکستان کا ایک اعلیٰ اعزاز دیا گیا۔ کیا پاکستان اور مسلم دشمنی ان کا اتنا شاندار کارنامہ ہے کہ ان کو اعزاز سے نوازا جائے

ہماری اربابِ اختیار سے یہ گزارش ہے کہ دنیاکے اس چند روزہ اقتدار کی خاطر اپنے ایمان کا سودا نہ کریں اور نہ ہی محب وطن عوام کے جذبات کو ٹھیس پہنچائیں۔ اللہ نے آپ کو جو وقت دیا ہے وہ ایک مہلت ہے اور کل اس کا حساب دینا ہوگا۔ اگر آپ تاریخ میں اپنا نام اچھے الفاظ میں لکھوانا چاہتے ہیں تو ملک و قوم کے مفاد میں فیصلے کریں نہ کہ اس کے دشمنوں کے مفاد میں

آج موجودہ حکومت کی جو پالیسی ہے اس میں عوام کے لیے کچھ بھی نہیں ہے اور لگ ایسا رہا کہ لوگوں کو کفن چور کی مثال یاد آنے لگی ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک شہر میں ایک کفن چور تھا ساری زندگی کفن چوری میں گزری آخری عمر یں اس نے اپنے بیٹے سے

کہا بیٹا ساری زندگی میں نے کفن چوری میں گزاری ہے اور لوگوں کی گالیاں سنی ہیں
لیکن تم میرے مرنے کے بعد ایسا کام کرنا کہ لوگ مجھے اچھے نام سے یاد کریں
سعادت مند بیٹے نے باپ سے وعدہ کیا کہ ایسا ہی ہوگا، اور باپ کے انتقال کے بعد اس
نے بھی کفن چوری کا پیشہ اپنایا البتہ اس نے یہ اضافہ کیا کہ کفن چوری کرنے کے بعد
لاش کی بے حرمتی کرکے قبر سے باہر پھینک دیتا تھا یہ دیکھ کر لوگوں نے کہنا شروع
کردیا کہ اس سے اچھا تو اس کا باپ ہی تھا کم از کم لاش کی بے حرمتی تو نہیں کرتا تھا۔

فلسطینی مسلمانوں کی وقعت گدِھ سے بھی کم

ایک خبر کے مطابق اقوام متحدہ کے ایک ادارےUNDP نے پاکستان میں گدھ کی تیزی سے ختم ہونے والی نسل کو بچانے کے لیے اقدامات شروع کیے ہیں، گدھ کی تیزی سے ختم ہونے والی نسل کے تحفظ کے لیے سندھ کے صحرائی علاقے ننگر ہار میں ایک گدھ ریسٹورنٹ قائم کیا جارہا ہے جہاں ان گدِھوں کو آلودگی سے پاک گوشت فراہم کیا جائے گاتاکہ ان کی شرح اموات میں کمی کی جاسکے۔اس ادارے کے مقامی سربراہ کے مطابق پاکستان میں سفید پشت گدھ کی نسل ختم ہونے پر اس ادارے کو تشویش ہے، خبر میں یہ بھی بتایاگیا ہے کہ گدھ رسٹورنٹ کا تجربہ یو این ڈی پی نے پہلے نیپال اور ہندوستان میں کیااور اب اس کا تجربہ پاکستان میں کی کیا جارہا ہے، خبر میں اس بات پر بھی تشویش ظاہر کی گئ ہے کہ میونسپل انتظامیہ ننگر ہار نے حالیہ کتا مار مہم میں ڈی ڈی ٹی کو بطور زہر کا استعمال کیااور ان مردہ کتوں کا گوشت کھانے سے بڑے پیمانے پر سفید پشت گدھ ہلاک ہوئے ہیں۔

یہ ایک خبر ہے اور اس خبر سے ظاہر ہوتا ہے کہ اقوام متحدہ جانوروں کے لیے کتنا درد رکھتی ہے لیکن اسی اقوام متحدہ کو ارضِ فلسطین پر گذشتہ دس روز سے جاری

اسرائیلی جارحیت نظر نہیں آرہی ہے اور اطلاع کے مطابق اب تک اسرائیلی جارحیت کے نتیجے میں دو سو بچوں سمیت سات سو فلسطینی مسلمان شہید ہو چکے ہیں، غزہ کی آبادی کو ملیا میٹ کر دیا گیا اور صرف سات اور آٹھ جنوری کی درمیانی شب میں چالیس فضائی حملے کیے ہیں اور اسرائیل کے صرف چھ فوجی ہلاک ہوئے ہیں۔ اسرائیل نے تمام حملے شہری آبادی پر کیے اور یہاں تک بربریت کا مظاہرہ کیا کہ ایک اسکول میں پناہ گزین بچوں پر بھی بمباری کی جس کے نتیجے میں چالیس سے زائد بچے شہید ہو گئے۔

اس کھلی جارحیت کے باوجود اور نو عمر بچوں کی شہادتوں کے باوجود اقوام متحدہ اور اسلامی ممالک سوائے مذمت کے کچھ نہیں کر سکے ہیں۔ الٹا اقوام متحدہ اور امریکہ نے حماس کو اس صورتحال کا ذمہ دار قرار دیا کہ وہ اپنے راکٹ حملے بند کر دے۔

اوپر دیے گئے اعداد و شمار ظاہر کرتے ہیں کہ صرف چھ اسرائیلی فوجی ہلاک ہوئے ہیں وہ بھی جب زمینی حملہ ہوا اور دو بدو لڑائی میں یہ اسرائیلی جہنم واصل ہوئے، دو سال تک غزہ کا محاصرہ کیا گیا اور اب اس جارحیت کے باوجود حماس پر الزم عالمی ضمیر کے منہ پر ایک طمانچہ ہے۔ امریکہ کے نو منتخب مرتد صدر بارک اوبامہ نے پہلے تو اقوام متحدہ میں اسرائیل کے خلاف قرار داد پیش نہیں ہونے دی بلکہ حماس کو مجرم ٹھہرایا، اور اب بھی صرف اسرائیل کر مشورے دیے جارہے ہیں کہ وہ جنگ

بند کر دے اور امریکہ نے واضح طور پر اس حیوانیت اور جارحیت کے خلاف مداخلت سے انکار کر دیا ہے جبکہ اسی امریکہ بہادر نے ایک غلط اطلاع پر عراق کی اینٹ سے اینٹ بجا دی ہے، اور امریکہ پر مبینہ حملے کے الزام میں افغانستان کی طالبان حکومت کو ختم کر کے قبضہ کر لیا ہے۔ اور جو جارحیت اسرائیل نے کیے اگر کسی مسلم ملک نے کی ہوتی تو اب تک اس کا تیا پانچہ کیا جا چکا ہوتا اور امریکہ بڑھ کر اس ملک پر قبضہ کر چکا ہوتا (بہت سے لوگ امریکی صدر کا نام بارک حسین اوبامہ لکھتے ہیں جو کہ غلط ہے کیوں کہ اس مرتد نے واضح طور پر اسلام سے بیزاری کا اعلان کیا ہے اس لیے اسے بارک حسین اوبامہ نہ کہا جائے صرف بارک اوبامہ کہا جائے)۔ یہاں ہم نے غیر مسم ممالک کا تذکرہ جان بوجھ کر نہیں کیا ہے کہ ان سے ہمیں یہ امید ہی نہیں ہے کہ وہ کچھ کریں گے ہمیں تو ان مسلم ممالک کے حکمرانوں سے شکایت ہے کہ وہ بھی اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد کے بجائے صرف مذمت ہی کر رہے ہیں اور اطلاعات کے مطابق مصر اور لبنان تو مذمت بھی نہیں کر رہے بلکہ اس جارحیت کی انہوں نے باقاعدہ اسرائیل کو اجازت بھی دی ہے اور یہ جارحیت ان ممالک کے سربراہان سے مشاورت کے بعد کی گئی ہے

اور ابھی یہ مسلم دنیا کے عوام اپنے حکمرانوں کا دو رخہ پن اور منافقت بھی دیکھیں گے کہ ابھی کل ہی عاشورہ کا دن گزراہ ہے تمام مسلم ممالک کے دوغلے، بزدل اور امریکہ کے کاسہ لیس حکمران حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ کی قربانی کی

مثال پیش کریں گے اور اپنے اپنے بیانات میں ان کو زبردست خراج تحسین پیش کریں گے اور کہیں کہ حضرت امام حسین نے حق اور سچ کی سربلندی اور دین اسلام کی سربلندی کے لیے شہادت قبول کی مگر باطل کی غلامی قبول نہیں کی اور خود ان تمام منافق حکمرانوں نے اسرائیلی جارحیت کے خلاف صرف مذمت ہی کی ہے اور یہ بھی ایک المیہ ہے کہ یہ مذمت بھی انفرادی طور پر پیش کی گئی اور او آئی سی کے پلیٹ فارم سے کوئی مذمت بھی نہیں کی گئی اور او آئی سی صرف

Oh I See کہہ کر رہ گئی

ایک بات یاد رکھیں تمام مسلمان صرف مذمت یا مظاہروں سے کسی بھی جارح قوت کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے اس لیے کہ یہ تمام چیزیں تو باضمیر یا باقاعدہ حکومتوں کے لیے ہوتی ہیں بے ضمیر اور عالمی بدمعاشوں اور غنڈوں کا حل صرف جہاد ہی میں ہے۔اور مسمانوں سے زیادہ مغرب اس بات کو جانتا ہے اس لیے اس نے ایک سہہ جہت پالیسی شروع کردی ہے کہ ایک طرف مسلم نوجوانوں کو راگ ورنگ، لہو لعب اور عیاشی میں مگن کردیا ہے اور یہ کیبل نیٹ فحش سی ڈیز،اور آج کل سب سے بڑھ کر موبائل فون کے ذریعے بے مقصد مصروفیت میں مبتلا کردیا ہے دوسری طرف جہاد کو دہشت گردی قرار دیدیا ہے اور مجاہدین کو دہشت گرد بنا دیا ہے تاکہ اس کی آڑ میں مجاہدین کے ٹھکانوں کو ختم کردیا جائے افسوناک اور خطرناک بات یہ ہے اس کی یہ چال حد سے

زیادہ کامیاب رہی ہے اور آج عالمی طور پر مجاہدین کو دہشت گرد قرار دیا جاتا ہے اور مسلم ممالک کے عوام کی اکثریت اس پروپگینڈے کا شکار ہو چکی ہے اور تیسری طرف اس نے تمام عالم اسلام میں اپنے ایجنٹوں کے ہاتھوں میں حکومتیں دیدیں ہیں تاکہ اپنے عزائم کو بہ آسانی تکمیل تک پہنچا سکے اور یہ ایجنٹ عالم اسلام کے اوپر ہونے والی جارحیت پر اول تو کوئی ردِ عمل نہیں دکھاتے اور اگر مارے باندھے کچھ کرنا بھی پڑے تو ایک مذمتی بیان جاری کرکے مطمئین ہو جاتے ہیں اور ان کی کوشش ہوتی ہے کہ کسی بھی اجتماعی معاملے پر عوام کو تقسیم کیا جائے اور ان کو یہ باور کرایا جائے کہ ہمیں تو دراصل اپنی فکر کرنی چاہیے نہ کہ تمام دنیا کی فکر کریں اور اس کام میں ان کا ہاتھ وہ نام نہاد دانشور بٹاتے ہیں جو اٹھتے بیٹھتے مسلمانوں کو امریکہ اور اسرائیل اور عالمی طاقتوں سے ڈراتے رہتے ہیں۔اب یہ ہمارا اور آپ کا کام ہے کہ ہم اپنے دشمن کو پہچانیں۔

کیا ہم اب بھی اپنے دشمن کو نہیں پہچانیں گے؟کیا ہم اب بھی اسی بے حسی کا شکار رہیں گے کہ یہ ہمارا مسئلہ نہیں ہے؟میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ سنا کر اپنی بات ختم کرونگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مسلمان امت کی مثال ایک جسم کی سی ہے کہ اگر جسم کے کسی ایک حصے کو تکلیف پہنچتی ہے تو پورا جسم کا درد محسوس کرتا ہے۔

کیا ہم نے اور آپ نے فلسطین کا درد محسوس کیا؟

چند اصلاح طلب غلطیاں

ہمارے معاشرے اور ادب میں چند ایسی اصلاحات رائج ہو گئی ہیں جو کہ غلط ہیں لیکن آج کل وہ ضرب المثل بن چکی ہیں اور کوئی ان کی گہرائی میں جا کر نہیں سوچتا کہ یہ ہم کیا کہہ رہے ہیں۔

سب سے پہلی چیز اس وقت اسرائیل کی مظلوم اور نہتے فلسطینی مسلمانوں پر جارحیت پوری دنیا میں موضوع بحث ہے اور اس میں اسرائیلی جارحیت اور ظلم کے لیے ایک لفظ بربریت استعمال کیا جاتا ہے۔ کبھی ہم نے غور کیا ہے کہ یہ لفظ بربریت کیا ہے اور کہاں سے نکلا ہے۔ یہ لفظ یا اصطلاح دراصل متعصب عیسائیوں کی ایجاد کردہ ہے۔

بربریت کا لفظ دراصل بربر سے نکلا ہے اور بربر ایک افریقی قبیلہ ہے اور عظیم مسلمان سپہ سالار طارق بن زیاد جنہوں نے اسپین فتح کیا ان کا تعلق بربر قبیلے سے تھا، متعصب عیسائیوں نے کبھی بھی اس بات کو برداشت نہیں کیا اور متعصب عیسائی مورخین نے اپنی کتب میں مسلمانوں کو ظالم اور جابر کے روپ میں پیش کیا اور طارق بن زیاد کی شخصیت اور ذات کو خاص طور سے نشانہ بنایا گیا۔ اور بربر قبیلے کی نسبت سے ان کے فرضی مظالم کو بربریت یا باربیرین کے نام سے موسوم کیا اور یہ اتنے تواتر سے کیا گیا کہ یہ باقاعدہ ایک اصطلاح بن گی اور اب جب کسی کے

ظلم کو بیان کرنا ہوتا ہے تو اس کے لیے بربریت کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ کم از کم ہم لوگوں کو اس لفظ کے استعمال سے گریز کرنا چاہیے اور اس کے لیے زیادہ مناسب لفظ چنگیزیت بلکہ اسرائیلی مظالم اور حیوانیت کی نسبت سے صہونیت کا لفظ استعمال کرنا چاہیے۔

دوسری چیز اردو زبان میں ایک مشہور مثال ہے کہ نو سو چوہے کھا کر بلی حج کو چلی ہمیں نہیں پتہ کہ یہ مثال اردو میں کب اور کیسے رائج ہوئی البتہ یہ مثال اس وقت استعمال کی جاتی جب کوئی شخص اپنی برائیوں اور گناہ سے توبہ کرکے نیکی کے راستے پر چلنے کی کوشش کرتا ہے، یا لوگوں کو برائی سے بچنے کی ترغیب دیتا ہے تو اسوقت اس فرد پر طنز کے طور پر کہا جاتا ہے کہ نو سو چوہے کھا کر بلی حج کو چلی، اس مثال میں دو باتیں قابل غور ہیں پہلی بات کہ اس میں یہ ظاہر ہوتا کہ حج کرنے والا ہر مسلمان حج سے پہلے گناہ اور معصیت میں بری طرح مبتلا تھا اور اب جب کہ اس میں گناہ کی طاقت نہ رہی تو وہ حج کرنے چلا جاتا ہے اور اس طرح ہم نادانستگی میں ان مسلمانوں کے بارے میں بدگمانی کرتے ہیں جو کہ حج کی سعادت حاصل کرتے ہیں ۔اور دوسری چیز یہ ہوتی ہے کہ اس مثال کے ذریعے ایک فرد جو کہ گناہ اور برائی کے راستے سے توبہ کرکے پلٹنا چاہتا ہے تو بجائے اس کی حوصلہ افزائی کے الٹا اس کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے۔ ہمیں اس عمل سے گریز کرنا چاہیے

اسی طرح اردو میں ایک اور مثال بھی عام ہے کہ عیسٰی کا گواہ موسیٰ یہ مثال اسوقت دی جاتی ہے کہ جب کسی فرد کی گواہی پر اعتبار نہ کیا جائے یا اگر کوئی جرائم پیشہ فرد کوئی فراڈیا یا کوئی دھوکہ باز اپنے ساتھی کے جرم کو چھپانے کے لیے جھوٹی گواہی دے تو کہا جاتا ہے کہ عیسٰی کا گواہ موسیٰ (استغفر اللہ) کہاں وہ اللہ کے رسول جو معصوم عن الخطاء ہوتے ہیں اور کہاں یہ گناہ گار اور مجرم لوگ لیکن ہم اپنی گفتگو میں بغیر سوچ سمجھے ان اصطلاحات کا استعمال کرتے ہیں اور معاذ اللہ نادانستگی میں میرے منہ میں خاک اللہ کے ان برگزیدہ انبیاء کی شان میں گستاخی کرتے ہیں اور نعوذ باللہ ان کو جھوٹا کہتے ہیں۔ میری اپنے تمام مسلمان بھائیوں اور بہنوں سے گزارش ہے کہ وہ اپنی گفتگو میں ایسے محاورات اور اصطلاحات کے استعمال سے گریز کریں۔ اور دیگر افراد کو بھی اس بات کی ترغیب دیں تاکہ یہ غلط العام اصطلاحات ختم ہوجائیں۔اور آخر میں ایک بار پھر یہ اپیل کرونگا کہ بالخصوص بربریت کی جگہ صہونیت کا لفظ استعمال کریں تاکہ اسرائیلی دہشت گردی اور مظالم زبان زد عام ہوجائیں

خبروں پر شیخو کا تبصرہ

دنیا پاکستان کی مشکلات اور زمینی حقائق کو سمجھے۔ صدر زرداری
البتہ آپ صرف اپنی مشکلات کو دیکھیں گے۔
ممبئی حملوں پر شور مچانے والے فلسطین اور کشمیر کے معاملے پر خاموش کیوں؟ وزیر اعظم گیلانی
یہ سب آپ جیسے بے حس حکمرانوں کی وجہ سے ہے جناب
واشنگٹن میں حقارت کا نشانہ بننا پڑا، ٹیکساس میں ایسا نہیں ہوگا: بش
انشاء اللہ وہاں اس سے بھی زیادہ ذلت اٹھانی پڑے گی۔
ممبئی حملوں میں پاکستانی ادارے ملوث نہیں ہیں: امریکی سفیر
اس کے باوجود امریکہ کی طرف سے پاکستان پر دباؤ کیوں؟
پاکستان دہشت گردوں کے خلاف کاروائی کرے ورنہ ہم کریں گے: بھارت
جو گرجتے ہیں وہ برستے نہیں، جو بھونکتے ہیں وہ کاٹتے نہیں
کچرے سے بجلی تیار کرنے کا منصوبہ، امریکی کمپنی اور شہری حکومت میں معاہدہ: ایک خبر
پہلی کے ای ایس سی کو نجکاری کرکے کچرا کیا گیا اور اب کچرے سے بجلی بنے گی
نیو کراچی میں آوارہ کتوں کے خلاف مہم شروع: ایک خبر

خبر میں واضح نہیں کیا گیا کہ چار ٹانگوں والے کتے یا دو ٹانگوں والے

خبروں پر شیخو کا تبصرہ 2

پرویز مشرف کی وردی کسی سیاسی جماعت نے نہیں بلکہ جوزف بائیڈن نے اتروائی: وزیر اعظم گیلانی۔

اب پیپلز پارٹی اخلاقی جرائت کا مظاہرہ کرتے ہوئے محترمہ کے شہید جمہوریت ہونے سے بھی انکار کردے

من موہن نے زرداری کو فاختہ کی تصویر والا نیو ائر کارڈ ارسال کیا: ایک خبر

اسے کہتے ہیں بغل میں چھری منہ میں رام رام

نواز شریف کی پارٹی بڑی ہے وہ دل بھی بڑا کریں: چوہدری شجاعت

گزشتہ آٹھ سالہ دور میں آپ کو اپنا دل بڑا کرنے کا خیال نہیں آیا

مالی سال کی پہلی ششماہی (جولائی تا دسمبر) میں قیمتوں میں اٹھائیس فیصد اضافہ ہوا: ادارہ شماریات کی رپورٹ

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا۔آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

حکومت پیٹرول کی قیمت تیس روپے فی لیٹر مقرر کرے:چیئرمین قائمہ کمیٹی

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے

لینڈ مافیا کے سرپرست تھانیداروں کو گھر بھجوادونگا: سٹی ناظم کراچی

اور لینڈ مافیا کے سرپرست ارکان صوبائی اسمبلی کا کیا ہوگا

عالم اسلام صیہونی جارحیت کے خلاف بھرپور کردار ادا کرے اور اسرائیل کے حملے بند کرائے : قومی اسمبلی میں قرارداد

ہم کو ان سے ہے وفا کی امید۔ جو نہیں جانتے وفا کیا ہے

محترمہ کا نام۔ بس بہت ہوگیا

آج ہم جس موضوع پر گفتگو کرنے کی جسارت کر رہے ہیں وہ بڑا حساس موضوع ہے اور ہم اس موضوع پر بات کرنے سے ڈرتے تھے اس لیے کہ ہماری سیاست اور سیاست دانوں میں برداشت کا مادہ بہت کم ہی ہوتا ہے اور مخالفت اور سچ کا سامنا کرنے کے بجائے مخالفین کو سبق سکھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ہم آج بھی اس موضوع پر گفتگو نہیں کرتے لیکن وزیر اعظم گیلانی کے بیان کے بعد ہم اس موضوع پر بات کرنے کے لیے آزاد ہیں کیوں کہ وزیر اعظم گیلانی کا بیان دراصل گھر کی گواہی کے مترادف ہے۔

جناب گیلانی صاحب نے گزشتہ روز یعنی بارہ جنوری کو کراچی میں ایک تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کہا ہے کہ مشرف کی وردی کسی سیاسی جماعت نے نہیں بلکہ جوزف بائیڈن نے اتروائی ہے۔ یہ بات عوام کو پہلے ہی معلوم تھی کہ ہماری سیاست میں امریکی عمل دخل بہت زیادہ ہے اور پاکستان میں حکومتیں بنانے اور گرانے میں امریکی ایجنسیوں اور مقامی ایجنٹوں کا بہات بڑا ہاتھ ہوتا ہے۔ یہ کوئی راز بات نہیں تھیی البتہ اس کا اعتراف کوئی نہیں کرتا تھا لیکن گیلانی صاحب نے اس کا اعترف کرکے سرکاری طور پر اس کی توثیق کردی ہے۔ اب ہم اپنے موضوع کی طرف آتے ہیں

ستائیس دسمبر کو محترمہ بے نظیر بھٹو کے قتل کے بعد سے لیکر آج تک پیپلز پارٹی پر قابض گروپ نے محترمہ کے نام اور نظریات کا نام لیکر ایک شور مچایا ہوا تھا۔اور ان کو شہید جمہوریت کا خطاب دیا گیا، بات بات میں ان کا نام استعمال کیا گیا،اور ان کی شخصیت کو ایک طلسماتی شخصیت کے طور نمایاں کیا گیا۔اور ایک بات کا خاص طور پر ذکر کیا گیا کہ پیپلز پارٹی اور محترمہ کی جدو جہد کے باعث ملک سے آمریت کا خاتمہ ہوا اگرچہ اس بات کا حقیقی کریڈٹ جسٹس افتخار کے انکار،اور اس کے بعد وکلاء کی جدوجہد نے جنرل مشرف کی اقتدار پر گرفت کمزور کردی،اور بعض اطلاعات کے مطابق چیف آف آرمی اسٹاف اور سینئر فوجی حکام نے فوج کی گرتی ہوئی ساکھ کو بچانے کے لیے جنرل مشرف کو اقتدار چھوڑنے پر مجبور کیا۔اور یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں کہ اس دوران پیپلز پارٹی کا کردار کیا رہا ہے۔اس پورے عرصے میں پیپلز پارٹی جنرل مشرف سے رابطے میں رہی اسکی پالیسیوں کی خاموش تائید کرتی رہی۔پیپلز پارٹی اور محترمہ یہ کام کیوں کرتی رہیں اس کا جواب ابھی آپ کو مل جاتا ہے۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ محترمہ بے نظیر صاحبہ ایک بہت ذہین، قابل، حوصلہ مند، بہادر،اور زیرک سیاستدان تھیں،اور ان کا دامن بھی ہر قسم کی کرپشن سے پاک رہا ہے اگر ہم پیپلز پارٹی کے گزشتہ دو ادوار کا جائزہ لیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ پیپلز پارٹی کے دور میں جتنی بھی کرپشن ہوئی ان میں محترمہ کا دامن صاف

رہا ہے۔

محترمہ بے نظیر بھٹو صاحبہ کی ساکھ کو متاثر کرنے میں سب سے بڑا ہاتھ ان کے شوہر نامدار موجودہ صدر جناب آصف علی زرداری کا ہے کہ محترمہ بے نظیر بھٹو صاحبہ کے دونوں ادوار میں ان کی کرپشن کے قصے زبان زد عام رہے، مسٹر ٹین پرسنٹ کا خطاب دیا گیا، ان کی شاہ خرچیاں اور شاہانہ ٹھاٹھ باٹ، سیب کا مربہ کھانے والے ان کے گھوڑے، اور سرے محل کا اسکینڈل قومی اخبارات کی سرخیوں میں رہا، اور ان کے ان تمام اقدامات کا نتیجہ پاکستان پیپلز پارٹی اور محترمہ بے.بنظیر بھٹو صاحبہ کو بھگتنا پڑا۔ انیس سو چھیانوے میں جب محترمہ کی حکومت ان کے اپنے کارکن جناب فاروق احمد لغاری کے ہاتھوں برطرف کی گئی اور اس کے بعد انتخابات میں نواز شریف بھاری مینڈیٹ لیکر اقتدار میں آئے تو انہوں نے مندرجہ بالا الزامات کے تحت جناب آصف علی زرداری کو حراست میں لے لیا اور ان پر مقدمات قائم کیے گئے۔ اکتوبر انیس سو ننانوے میں جنرل پرویز مشرف نے اقتدار پر قبضہ کرلیا۔ نواز شریف کی حکومت ختم ہونے کے باوجود جناب آصف علی زرداری کی حالت میں کوئی فرق نہیں آیا اور مشرف حکومت نے بدستور ان کے مقدمات قائم اور ان کو حراست میں رکھا۔ جنرل پرویز مشرف تمام سیاست دانوں سے الرجک تھے۔ اور وہ کسی بھی سیاستدان کو کئی نرمی دینے کو تیار نہ تھے۔ بالخصوس مسلم لیگ ن اور پیپلز پارٹی ان کا نشانہ تھی۔ ان حالات میں محترمہ نے ملک سے باہر رہ کر پارٹی کی قیادت کی اور ان کی اس وقت کی سیاست کا

بنیادی نکتہ صرف یہ تھا کہ کسی طرح وہ آصف علی زرداری کو رہا کرا دیں۔اس مقصد کے لیے انہوں مشرف سے ڈیل بھی کی،امریکہ سے رابطہ بھی کیا،اور تمام سیاسی پارٹیوں سے بھی معاملات نبھائے رکھے۔اسوقت جناب آصف علی زرداری محترمہ پاؤں کی زنجیر بن چکے تھے کیوں کہ محترمہ کے کسی بھی اقدام کی صورت میں آصف علی زرداری کے لیے مشکلات پیدا ہو سکتیں تھی اس لیے محترمہ کی زندگی کے آخری نو سال کی جو جد جہد گزری ہے وہ جمہوریت کے لیے نہیں تھیں بلکہ صرف آصف علی زرداری صاحب کی رہائی کے لیے تھیں اس لیے کہ جب تک زرداری صاحب قید میں تھے محترمہ کھل کر کوئی سیاست نہیں کر سکتی تھیں۔(اور یہ بات بھی ریکارڈ پر ہے کہ جناب آصف علی زرداری کی رہائی سے پہلے اور رہائی کے بعد محترمہ کے لہجے میں ایک واضح فرق آیا۔) محترمہ کی اس دور کی سیاست کا دوسرا اہم ترین نکتہ زرداری صاحب کو ملکی سیاست سے بے تعلق کرنا تھا،اور ان کی کوشش تھی کی آصف علی زرداری صاحب ملکی سیاست میں دخل نہ دیں اسی لیے محترمہ نے آخری دنوں میں زرداری صاحب کو دوبئ میں شفٹ کیا اور پھر سیاست میں بھر پور حصہ لیا،البتہ اس وقت تک جنرل مشرف کے غبارے سے ہوا نکل چکی تھی، ان کی وردی اتر چکی تھی اور ان کے ستارے گردش میں آگئے تھے۔

اس سارے پس منظر کو بیان کرنے کا مقصد یہ اس بات کو واضح کیا جائے کہ مشرف دور میں محترمہ بے نظیر بھٹو صاحبہ کی سیاست کا مقصد بحالی جمہوریت نہیں بلکہ بحالی

زرداری صاحب تھا۔

لیکن ان تمام حقائق کو جاننے کے باوجود محترمہ کی ناگہانی موت نے ان کے مخالفین کو اشکبار کردیا،اور پورے ملک کا ماحول سوگوار ہوگیا۔ پیپلز پارٹی کی موجودہ قیادت نے محترمہ کی موت کو کیش کرنا شروع کیا اور ان کو شہید جمہوریت کہنا شروع کیا اگرچہ عوم کو اسپر پہلے ہی تحفظات تھے مگر کوئی بول نہیں سکتا تھا۔ لیکن اب وزیر اعظم صاحب کے بیان کے بعد پیپلز پارٹی کی قیادت کے لیے یہ لازم ہوجاتا ہے کہ وہ محترمہ کے لیے شہید جمہوریت کا لفظ استعمال نہ کرے بلکہ اخلاقی جرائت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کو ملنے والا عالمی اعزاز بھی واپس کردے کہ جناب جمہوریت کی بحالی میں کسی سیاسی پارٹی کا ہاتھ نہیں بلکہ نو منتخب نائب امریکی صدر عزت مآب جناب جوزف بائیڈن کا ہاتھ ہے اور ہم اس اعزاز کو لینے کا استحقاق نہیں رکھتے اس لیے یہ اعزاز واپس لیا جائے۔

کیا پاکستان پیپلز پارٹی کی موجودہ قیادت یہ کرسکے گی یقیناً نہیں بلکہ ہمارا اندازہ ہے کہ بدھ چودہ جنوری کے اخبارات میں جناب یوسف رضا گیلانی صاحب اس کی تردید کردیں گے۔

ہم اس بیان پر یہ ضرور کہیں گے کہ بحالی جمہوریت میں ایم کیو ایم، پیپلز پارٹی،اور ق لیگ کا ہاتھ نہیں ہے البتہ باقی پارٹیوں اور سول سوسائیٹی نے بحالی جمہوریت کے لیے قربانیاں دیں ہیں

اب ہمارا پیپلز پارٹی کی قیادت کو صرف یہی مشورہ کہ جب آپ نے اعتراف کرلیا کہ بحالی جمہوریت میں محترمہ کا ہاتھ نہیں تھا تو پھر محترمہ کے نام پر اب سیاست کرنا چھوڑ دیں، بس بہت ہوگیا

آج کے نوجواں سن لے میری فغاں

یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ جس معاشرے میں انصاف، ایمان، پارسائی، اخلاقیات کا بنیادی اوراعلیٰ جذبہ نہیں ہوتا وہ معاشرہ خیر سے خالی ہوجاتا ہے اس معاشرے میں صرف خرابیوں کا جنم ہوتا ہے اور معاشرہ طرح طرح کے جرائم کے بھنور میں پھنس جاتا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کسی بھی معاشرے کی ترقی یا تنزلی میں نوجوان نسل کا ایک بہے اہم کردار ہوتا ہے اور نوجوان نسل کسی قوم کا سرمایہ ہوتی ہے۔اور اگر یہ نوجوان نسل ذہنی غلامی میں مبتلا ہوجائے تو پوری قوم تباہی اور بربادی کے اندھیرے میں گم ہوجاتی ہے، آج جب ہم اپنے معاشرے پر نظر ڈالتے ہیں تو حد درجہ بگڑی ہوئی صورتحال کو دیکھ کر دل کڑھ کر رہ جاتا ہےاور انتہائی رنج ہوتا ہے۔آج کیبل کلچر کی بدولت ہماری نوجوان نسل نہ صرف مختلف برائیوں کا شکار ہوچکی ہے بلکہ اس نے تہزیب مغرب سے متاثر ہوکر متعدد ایسی عادات اپنا لی ہیں جو ہماری تہذیب و رمدن اور روایات کے منافی ہیں۔آج ہمارا نوجوان ابلیسی تہذیب کی چکا چوند کا شکار ہوکر بے راہ روی میں مبتلا ہوگیا ہے،اس مغربی ابلیسی کلچر کے باعث اخلاق سوز رجحانات روز بروز فروغ پا رہے ہیں شرافت اورحیاداری کو خیر باد کہہ کر اخلاقی قدرونکو پائمال کیا جارہا ہے۔آج ہمارے محلوں، گھروں، تعلیمی اداروں، پارکوں، تفریح گاہوں، یہاں تک کہ سڑک اور

بس اسٹاپز تک بے راہ روی اور حیا سوز حرکات کا چلن عام ہوگیا ہے،آج کوئی دیندار گھرانہ، یا شریف آدمی اپنی فیملی اور بچوں کے ساتھ کسی تفریح گاہ میں نہیں جاسکتا،اور یہ چیز اتنی عام ہو گئی ہے کہ اب لوگوں نے اس کا نوٹس بھی لینا چھوڑ دیا ہے۔ اور عالم لوگوں میں بے حسی اور بے عملی اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ وہ کھلے بندوں بے حیائی کو ارتکاب ہوتا دیکھتے ہیں اور اپنی آنکھیں بند کرلیتے ہیں۔

ہمارے نوجوانوں کے بے راہ روی کی طرف پوری پلاننگ کے ساتھ دھکیلا جارہا ہے۔اس سلسلے میں کیبل کلچر، سی ڈیز، کے ساتھ ساتھ اس وقت سب سے بڑی برائی موبائل فون کا غلط استعمال ہے۔اور پوری منصوبہ بندی کے ساتھ موبائل فون کو عام کیا جارہا ہے، اس کے کال ریٹس کم کیے جارہے ہیں اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ رات بارہ بجے سے لیکر صبح سات تک موبائل کمپنیوں نے مختلف پیکجز کے نام پر کال ریٹ تقریباً مفت کردیے ہیں۔اس کے ساتھ ساتھ ان موبائل فون کمپنیوں کے اشتہارات بھی انتہائی بے ہودہ، لچر، اور ہماری تہذیب اور ثقافت سے متصادم ہیں،اور ہم یہ بھی کہیں گے کہ اس میں سب سے زیادہ ہاتھ ٹیلی نور کمپنی کا ہے اس کے اشتہارات میں سوائے لڑکا لڑکی کے ناجائز تعلقات کو فروغ دینے کے کوئی اور بات نہیں ہوتی ہے اور قارئین کو یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ یہ وہی ناروے کی کمپنی ہے کہ جس ملک نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاکے شائع کیے تھے۔

جس طرح ٹیلی نور نے سوائے جنسیت کو فروغ دینے کے کچھ اور نہیں کیا اسی طرح کا حا ل دوسری موبائل کمپنیوں کا بھی ہے نوجوانوں کے اخلاق کی دشمن دوسری چیز نیٹ کیفے ہیں۔ راقم الحروف ذاتی طور پر ایسے کئی نیٹ کیفز سے واقف ہے کہ جہاں نیٹ کے علاوہ سب کچھ ہوتا ہے۔نیٹ کیفے اور سی ڈیز سے پہلے فحش فلمیں اتنی عام نہیں تھیں لیکن اب کھلے عام اور ٹھیلوں پر فحش سی ڈیز بکتی ہیں۔اور نیٹ کیفیز میں تو یہ حال ہے کہ نیٹ کیفے مالکان سرور پر فلمیں کاپی کرکے رکھتے ہیں،اور گھنٹے کے حساب سے یہ فلمیں دکھائی جاتی ہیں۔اگر ایک کیبن میں صرف ایک ہی فرد بیٹھ کر فلم دیکھے گا تو اس کے چارجز تیس روپے گھنٹہ ہوتے ہیں اور اگر دو یا تین افراد ملکر بیٹھیں گے تو اس کے چارجز چالیس تا پچاس روپے گھنٹہ تک لیے جاتے ہیں۔انتظامیہ اس ساری صورتحال سے چشم پوشی اختیار کیے ہوئے ہے اور نوجوانوں کے اخلاق کا بیڑا غرق ہو رہا ہے۔ لیاقت آباد سی ایریا میں مین روڈ کی طرف آمنے سامنے واقع دو کیفیز میں سوائے نیٹ کے سبھی کچھ ہوتا ہے اور راقم الحروف کو کئی بار ضرورت کے باعث وہاں جانے کا اتفاق ہوا اور ہر دفعہ یہی جواب ملا کہ نیٹ کی سہولت دستیاب نہیں ہے تو پھر نیٹ کیفے کا کیا مقصد ہے؟ مغربی ابلیسی تہذیب کے زیر اثر آج کا نوجوان دین سے دور ہوگیا ہے،اسے جہاد اور دہشت گردی کا فرق نہیں معلوم اسے بزرگوں کا احترام کرنا نہیں آتا، وہ اخلاقیات

سے دور ہے، رات ہوتے ہی نوجوانوں کی اکثریت موبائل فون کانوں سے لگائے کسی عزیز ہستی سے راز و نیاز میں مشغول ہوجاتے ہیں اور ان کی یہ مشغولیت فجر کی اذانوں تک جاری رہتی ہے۔ میں اپنے نوجوانوں کی خدمت میں یہ اشعار پیش کرنے کے بعد اجازت چاہوں گا۔

آج کے نوجوان سن لے میری فغاں
آج کے نوجوان سن لے میری فغاں
میں نے مانا کہ گانوں میں بھی ہے کشش
عاشقی کے فسانوں میں بھی ہے کشش
پر بتا کیا اذانوں میں بھی ہے کشش
یاد کرتا ہے تجھ کو مالکِ دو جہاں
آج کے نوجوان سن لے میری فغاں
تُو جو حیلہ بناتا ہے حالات کا
میں تو قائل نہیں ان خیالات کا
تجھ کو علم نہیں شاید اس بات کا
اہلِ دل خود بناتے ہیں اپنا جہاں
آج کے نوجوان سن لے میری فغاں

اداکار شکیل صدیقی پر تشدد

نجی ٹی وی کی رپورٹ کے مطابق اداکار شکیل صدیقی عرف تیلی پر بھارت میں دورانِ شوٹنگ تشدد کیا گیا اور ان کے ساتھ نازیبا سلوک کیا گیا۔انتہا پسندوں نے شوٹنگ کے دوران ان پر تشدد کیا،اور کہا کہ ممبئ حملوں میں پاکستان ملوث ہے اور شکیل صدیقی کا تعلق بھی پاکستان سے ہے۔اس خبر کے ساتھ ساتھ اس واقعے کی وڈیو بھی دکھائی گئ جس میں شکیل صدیقی کو سہمے ہوئے انداز میں گاڑی کی طرف جاتے ہوئے دکھایا گیا ہے اور پس منظر میں نازیبا کلمات کی آوازیں بھی سنائی دے رہی ہیں۔
اگر عام حالات میں دیکھا جائے تو یہ ایک افسوس ناک واقعہ ہے کہ ہمارے ملک کے ایک فنکار کی توہین کی گئ ہے۔اور مہمان کے ساتھ بد سلوکی کرکے بھارت نے انتہائی بد تہذیبی کا ثبوت دیا ہے اور اس عمل کی جتنی بھی مذمت کی جائے وہ کم ہے۔،لیکن--
ذرا ایک لمحے کو رکیے،ذرا غور کیجیے،اور کچھ دیر کے لیے یہ بات اپنے ذہن سے----
نکال دیں کہ یہ ایک پاکستانی باشندے کی توہین کی گئ ہے اور بالخصوص پیارے کراچی کے بھائی کچھ دیر کے لیے یہ بھول جائیں کہ اس فنکار کا تعلق کراچی سے ہے

ذرا ٹھنڈے دل سے غور کیجیے کہ بھارت کے پاکستان کے بارے میں توہین آمیز لہجے اختیار کرنے کے بعد، پاکستان کو جنگ کی دھمکی دینے کے بعد، پاکستان کے خلاف خود کسی بھی کاروائی کرنے کے اعلان کے بعد اور پاکستان کو دہشت گردی کو مرکز قرار دینے کے بعد، پاکستان کو دہشت گردوں کا سرپرست قرار دینے کے بعد کیا کسی خوددار انسان کی غیرت یہ گوارہ کرتی ہے کہ وہ اس جگہ جائے جہاں اسکے وطن کی توہین کی گئی ہو،اسکے بھائیوں کو دہشت گرد کہا گیا ہو

یہ تمام فنکار لوگ بھارت کی تمام تر پاکستان دشمنی کے باوجود صرف اسکی انڈسٹری،اور پیسہ کمانے کی خاطر میڈیا پر آکر بھارت کے راگ گاتے تھے،ان کو بھارت اور انڈین عوام بہت محبت کرنے والے نظر آتے تھے اور ان کے خیال میں پاک بھارت دشمنی کا سبب بھارت نہیں بلکہ پاکستان کی پالیسیاں ہیں اور بھارت تو بہت اچھا ملک ہے، بلکہ بعض فنکاروں کو بھارت اور پاکستان میں کوئی فرق ہی نظر نہیں آتا تھا اور یہ لوگ کھلم کھلا نظریہ پاکستان کی دھجیاں اڑاتے رہے ہیں۔ لیکن اب ایک حدتک ان کے دماغ سے بھارت کے سیکولرازم ،اور خبط کافی حدتک کم ہوجائے گا۔

میری اپنے تمام قارئین سے یہ گزارش ہے کہ اس واقعے کو عام حالات میں محسوس نہ کریں بلکہ اس فنکار نے بھارت جاکر دراصل تمام پاکستانیوں کی توہین کی تھی،اور اپنے عمل سے بھارت کو یہ پیغام دیا تھا کہ ہم تو اتنے بے غیرت ہیں کہ تم ہمیں

جوتے بھی مارو گے تو ہم کھائیں،ان کے اس حرکت سے بھارت نے بھی یہی سوچا ہو گا کہ میں چاہے پاکستان کو کچھ بھی کہوں گا مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا،ہم نے اپنے آرٹیکل (کیا بھارت کو پاکستان سے جنگ کی ضرورت ہے؟) میں اسی بات کی طرف نشاندہی کی تھی

مندرجہ بالا حقائق کے بعد یہ فنکار اسی بات کا مستحق تھا کہ اس کے ساتھ بدسلوکی کی جاتی۔کیوں کہ جو لوگ اپنے ملک و قوم کے حوالے سے غیرتِ ملی کا مظاہرہ نہیں کرتے ان کی کہیں بھی عزت نہیں ہوتی ہے

کیا یہ مسئلہ کبھی حل ہوگا؟

ہمارے معاشرے میں جو ایک اخلاقی زوال آیا ہوا ہے اور اقدار بدل گئی ہیں، معاشرہ میں بے راہ روی، اخلاقی گراوٹ، اور کرپشن عام ہو گئی ہے، اور اس اخلاقی انحطاط نے جہاں سب تمام شعبہ ہائے زندگی کو متاثر کیا ہے وہاں محکمہ پولیس کا نام کرپشن میں سر فہرست ہے اور عام پولیس اور ٹریفک پولیس دونوں ہی اس معاملے میں ایک دوسرے کو پیچھے چھوڑنے کی دوڑ میں لگے ہوئے ہیں۔ فی الحال ہم اپنے آپ کو صرف ٹریفک پولیس تک محدود رکھتے ہوئے اس کے کردار پر بات کریں گے۔

کراچی پاکستان کا سب سے بڑا اور گنجان آبادی والا شہر ہے جس کی آبادی کم و بیش ڈیڑھ کروڑ سے تجاوز کر گئی ہے، اور آبادی کے پھیلاؤ کے ساتھ ساتھ ٹریفک میں بھی اسی حساب سے اضافہ ہوتا گیا۔ آج کراچی کی سڑکوں پر لاکھوں گاڑیاں رواں دواں ہیں۔ ٹریفک پولیس کا کام ان گاڑیوں کے فٹنس سرٹیفکیٹ جاری کرنا اور چیک کرنا، دورانِ سفر ٹریفک کر کنٹرول کرنا تاکہ ٹریفک کی روانی میں خلل واقع نہ ہو،اور سڑک پر گاڑیاں رواں دواں رہیں۔ الغرض ٹریفک اور روڈ سیفٹی کے حلوالے سے تمام اصول ضوابط پر عمل درآمد کی ذمہ داری ٹریفک پولیس پر عائد ہوتی ہے

لیکن افسوس کا مقام ہے کہ آج ٹریفک پولیس کے اہلکار اپنے فرائض کی بجاآوری کے بجائے صرف اپنی جیبیں گرم کرنے میں مشغول ہوتے ہیں ان کو اس بات سے کوئی غرض نہیں ہوتی کہ ٹریفک کی کیا صورتحال ہے، جو بسیں، کوچز، مزدا روڈ پر چل رہی ہیں، کیا ان کے حالت تسلی بخش ہے؟ان تمام گاڑیوں کے ڈرائیورز کے پاس لائسنس بھی ہے یا نہیں؟اور آیا یہ تمام گاڑیاں ٹریفک کے اصولوں کی پابندی کر رہی ہیں؟ان تمام چیزوں کے بجائے ان کی دلچپسی صرف رکشہ، ٹیکسی، موٹر سائیکل،اور سوزوکی پک اپ کو روک کر رشوت طلب کرنا اوران کا مطالبہ پورا نہ کرنے پر ان کو گاڑی بند کرنے کی دھمکیاں دینا، اور بسا اوقات تو یہ غریب رکشہ ٹیکسی ڈرائیورز پر تشدد بھی کرتے ہیں۔ ایک بات اور بھی توجہ طلب ہے کہ کراچی میں سبزی اور پھل کی مہنگائی میں ایک حد تک ٹریفک پولیس کا بھی ہاتھ ہے کیوں کہ نئی سبزی منڈی جو کہ سپر ہائی وے پر واقع ہے۔ وہاں سے غریب سبزی فروش صبح صبح منڈی سے سبزی اور فروٹ لیکر نکلتے ہیں تو پہلے تو سپر ہائی وے پر ہی ان کو روک کر رشوت طلب کی جاتی ہے۔ پھراس کے بعد جب گاڑیاں سہراب گوٹھ یا ملیر جانے کے لیے واحد راستہ جو کہ سپر ہائی وائے کے پل کے نیچے سے گزرتا ہے وہاں مستقل بنیادوں پر یہ راشی اہلکار کھڑے ہوتے ہیں۔اور سبزی منڈی سے آنے والی ہر گاڑی جی ہاں ہر گاڑی کو روک کر ان سے بھتہ لیتے ہیں۔اور اس کے بعد ہر سگنل پر تعینات اہلکار اپنی استعداد کے مطابق ان

گاڑی والوں سے رشوت لیتے ہیں اور گاڑی والا رشوت کی یہ تمام رقم سبزی فروشوں سے وصول کرتا ہے اور سبزی فروش یہ رقم سبزی اور فروٹ کی قیمت بڑھا کر عوام سے لیتے ہیں اور یوں صرف ان راشی اہلکاروں کی رشوت ستانی کی بدولت عوام مہنگی سبزی خریدنے پر مجبور ہیں، انکی کمائی کی مشہور جگہوں میں سپر ہائی وے، سہراب گوٹھ، لیاقت آباد نمبر دس کا سگنل، سائٹ ایریا میں حبیب بینک کا سگنل، شیر شاہ اور دیگر علاقے شامل ہیں۔

یہاں میں بطور خاص سخی حسن پر واقع ٹریفک پولیس کی چوکی کا ذکر کرونگا اس چوکی کے باعث اکثر رکشہ ٹیکسی والے اس علاقے میں آنے سے گریز کرتے ہیں، یہاں کے اہلکار رشوت ستانی میں تمام ریکارڈ توڑ چکے ہیں۔ان کا کام ٹریفک کے کنٹرول کرنے کے بجائے، یہاں سے گزرنے والی کمرشل گاڑیوں کو روک کر بھتہ لینا، موٹر سائیکل سواروں کو تنگ کرنا شامل ہیں۔ اور ان کو ٹریفک کے نظام کی درستگی کی کوئی فکر نہیں ہے اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ کراچی کے عوام اپنے بچوں کو اسکول لانے اور لیجانے کے لیے اسکول وینز کا استعمال کرتے ہیں اور یہ سفاک اہلکار ان اسکول وینز کو بھی نہیں چھوڑتے اور ان سے بھی رشوت طلب کرتے ہیں اور جب تک وین ڈرائیور ان کو کچھ نہ کچھ رقم نہ دیں تب تک یہ معصوم بچوں سمیت ان گاڑیوں کو روک کر رکھتے ہیں اور ان کے اس تمام سسٹم کا سرغنہ اس چوکی کا ایک اہل کار جعفر عباس ہے۔ جعفر عباس کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ یہ اہلکار انتہائی راشی،اور

سفاک ہے اور یہ بالخصوص طلبہ وطالبات کو اسکول لانے لیجانے والی گاڑیوں کو تنگ کرتا ہے۔اور اس نے دیگر اہلکاروں کی طرح یہاں ٹوکن سسٹم رائج کر رکھا ہے،آج کل چونکہ سخی حسن تا قلندریہ چوک تک کی سڑک زیر تعمیر ہے جس کے باعث یہاں سنگل روڈ پر ٹو وے ٹریفک ہوتا ہے اور تعمیراتی کام کے باعث گاڑیاں یہاں سے بہت آہستگی سے گزرتی ہیں جس کا فائدہ اٹھا کر یہ راشی اہلکار گاڑیوں سے رشوت طلب کرتا ہے اور نہ دینے کی صورت میں گالم گلوچ اور تشدد تک سے گریز نہیں کرتا۔
ٹاؤن کی انتظامیہ نے اس پوری صورتحال سے چشم پوشی اختیار کیے ہوئے ہے حالانکہ موجودہ سٹی گورنمنٹ کو کراچی کی نمائندہ قیادت ہونے کا دعویٰ ہے اس کے باوجود عوام یہ عذاب جھیلنے پر مجبور ہیں اور اس صورتحال میں عوام بجا طور پر یہ سوال کرتے ہیں کہ کیا یہ مسئلہ کبھی حل ہوگا؟
میری اپنے تمام قارئین سے گزارش ہے کہ یہ مضمون پڑھنے کے بعد زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچائیں اور اگر آپ کو اللہ نے لکھنے کی صلاحیت دی ہے تو اس کے خلاف لکھیں تاکہ ارباب اختیار تک یہ بات پہنچ جائے۔

مغرب کے اصل چہرے کی ایک جھلک

اس وقت پوری دینا میں مغرب نے اپنی تہذیب کی چکاچوند سے ایک عالم کو مرعوب کیا ہوا ہے اور بالخصوص مسلم ممالک کے نوجوان مغرب کی آزادی، روشن خیالی، انسانی حقوق کے نام نہاد نعروں سے متاثر ہیں۔اور ان کے عقل و شعور پر میڈیا نے ایک پردہ ڈال دیا ہے کہ جس کے باعث ان کو مغربی تہذیب کی خامیاں اور ہولناک تضادات نظر نہیں آتے ہیں۔چند خامیاں البتہ ایسی ہیں جو اتنی زیادہ عام ہو گئیں کہ وہ پوری دنیا میں مشہور ہو گئیں ہیں جن میں سب سے پہلے تو اولڈ ہومز ہیں جہاں یہ جدید تہذیب یافتہ مغربی لوگ اپنے بوڑھے والدین کو جمع کرادیتے ہیں۔جہاں وہ اپنی زندگی کے آخری ایام انتہائی مایوسی اور کسمپرسی میں گزارتے ہیں۔اور انکی اولاد سال میں ایک دفعہ مدرز ڈے اور فادرز ڈے کے موقع پر ان کو یاد کرکے اپنا فرض ادا کردیتی ہے۔آزادانہ جنسی اختلاط ،اور ہم جنس پرستی کے باعث وہاں کا معاشرہ انتہائی اخلاقی زوال کا شکار ہے۔

اور ان کا یہ اخلاقی زوال اب کس سطح تک پہنچ چکا ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ برائی جس کا آغاز سب سے پہلے اس بات سے ہوا کہ لڑکا اور لڑکی شادی سے پہلے ایک دوسرے سے مل سکتے ہیں۔پھر اس میں یہ اضافہ ہوا کہ شادی

تو کرنی ہے تو پھر اپنے آپ کو روکنے سے کیا فائدہ اور شادی سے پہلے ہی زندگی کا لطف اٹھالیا جائے۔اس کے بعد کا اگلا مرحلہ ایک قدم اور آگے کا تھا کہ شادی کی کیا ضرورت ہے شادی کے بغیر بھی جب گزارہ ہوسکتاہے تو پھر شادی کا جھنجٹ پالنے کی کیا ضرورت ہے۔اس کے ساتھ ساتھ یہ مغربی اقوام لواطت جیسی غلاظت میں لتھڑی ہوئیں تھیں اور اس میں ایک اہم قدم اس غلیظ عمل کو باقاعدہ قانونی شکل دینا تھا اور 90 کی دہائی میں اس کو باقاعدہ قانونی شکل دیدی گئی۔ان تمام اقدامات کا لازمی نتیجہ جنسی انارکی اور اخلاقی انحطاط کی صورت میں نکلنا تھا اور وہ ظاہر بھی ہوا۔لیکن اس وقت نوبت اب اس سے بھی بڑھ گئی ہےاور اب وہاں کمسن بچوں کے ساتھ جنسی زیادتی کے واقعات عام ہوتے جارہے ہیں۔وہاں اس کا تناسب ہولناک حدتک بڑھ گیا اور ایک رپورٹ کے مطابق 2008 میں بچوں سے جنسی زیادتی کے 20 ہزار سے زائد واقعات ریکارڈ ہوئے ہیں اور روزانہ 50 سے زائد جنسی جرائم کیے گئے ہیں۔ہر چار میں سے ایک واقعہ دس سال یا اس سے کم عمر کے بچوں کے ساتھ پیش آیا ہے جس کی تعداد 4984 بتائی گئی ہے اور دل تھام کر سنئے 800 سے زائد واقعات چار سال سے کم عمر بچوں کے ساتھ پیش آئے ہیں اور لڑکوں کے مقابلہ میں لڑکیوں کے خلاف جنسی زیادتی کے جرائم 6 گنا زیادہ ریکارڈ کیے گئے۔اور اسی رپورٹ کے مطابق ایک سال کے بچے بھی جی ہاں ایک سال کے بچے بھی خطرے کی زد میں ہوتے ہیں۔یہ تمام اعداد و شمار صرف بچوں سے زیادتی کے ہیں جبکہ مجموعی طور پر 08 - 2007 میں 53540 واقعات ریکارڈ کیے گئے ہیں اور یہاں ایک دلخراش حقیقت کا بھی ذکر کردوں کہ یہ تمام

اعداد شمار سرکاری ادارے نے جاری کیے ہیں جبکہ بچوں کی فلاح کے لیے کام کرنے والی ایک تنظیم NSPC نے اس رپورٹ کو غلط قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ سرکاری رپورٹ جھوٹی ہے اور اصل تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے۔

یہ اس مغربی تہذیب کی غلاظت کی ایک چھوٹی سی تصویر ہے اور مغرب اپنا یہ گند کیبل کلچر، کنڈوم کلچر، موبائل کلچر کے زریعے ہم پر تھوپنا چاہتا ہے۔اور یہاں اس بات کا بھی ذکر کردوں کہ مغرب کے کاسہ لیس اور ان کے فنڈز پر پلنے والی NGOs کے ارکان پاکستان میں کسی چھوٹے سے واقعے کو بھی بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں اور اس کی آڑ میں دینِ اسلام کو بدنام کرتے ہیں اور ان کا سارا زور صِرف اس بات پر صَرف ہوتا ہے کہ یہ انتہا پسندی اور بنیاد پرستی ہے اور یہ ملا لوگ اس بات کے ذمہ دار ہیں۔ عوام کو یاد ہوگا کہ مختار مائی کے معاملے کو بے انتہا اچھالا گیا تھا اور یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی تھی کہ یہ دراصل علماء کا فیصلہ ہے جبکہ درحقیقت وہ ایک قبائیلی جرگے کا فیصلہ تھا کہ جس میں کوئی دیندار فرد شامل نہ تھا لیکن ان نام نہاد دانشوروں اور حقوق انسانی کے علمبرداروں کو مغرب میں یہ انسانی اور بالخصوص بچوں اور خواتین کے حقوق کی پامالی نظر نہیں آتی ہے۔ بہرحال مندرجہ بالا اعداد و شمار دیکھنے کے بعد کوئی بھی باشعور اور عقل

رکنھے والا فرد جان سکتا ہے کہ اس وقت مغربی تہذیب کس گڑھے میں جا رہی ہے اب یہ ہمارا کام ہے کہ اپنی ماوئں اور بہنوں اور بھائیوں کو اس بات سے آگاہ کریں کہ اس جھوٹی چکا چوند سے متاثر ہونے کے بجائے اپنی تہذیب سے اور دین سے رشتہ جوڑیں اور اس مغربی دجالی تھمزیب کے بارے میں تو علامہ اقبال نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ ع تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خود کشی کرے گی -- جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا

اور میں اپنی بات کا اختتام اپنے بہنوں اور بھائیوں کو اس نصیحت کے ساتھ کرونگا کہ بقول علامہ اقبال ع اپنی ملت پہ قیاس اقوام مغرب سے نہ کر -- خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی

رؤف کلاسرہ اور نذیر ناجی صاحب کی خدمت ادب کے ساتھ

روزنامہ جنگ مورخہ ۱۹ جنوری کی اشاعت میں جناب رؤف کلاسرہ صاحب کا آرٹیکل میری دادی اس لیے تو نہیں ماری گئی تھی) پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے) کہ اس میں انہوں نے پہلے تو برطانوی رکن پارلیمنٹ جیرالڈ کوفمین کو خراج تحسین پیش کیا ہے کہ اس نے یہودی ہونے کے باوجود اسرائیل کی فلسطین پر جارحیت کی مذمت کی ہے اور حق بات کی ہے۔ اور اس کے بعد انہوں نے حماس کی قیادت کو نشانہ بنایا اور ان کو معطون کرتے ہوئے کہا ہے کہ حماس کی قیادت نے جانتے بوجھتے ہزاروں لوگوں کو ہلاکت میں ڈالا اور حماس نے جذباتیت کا شکار ہو کر ایک طاقتور دشمن سے ٹکر لے لی ہے اور ان کی قیادت کو صرف اس بات سے مطلب ہے کہ اسرائیل کو ایک بار پھر ظالم ثابت کر دیا جائے چاہے اس کے لیے فلسطینیوں کی پوری نسل ماردی جائے۔ اور لب لباب اس آرٹیکل کا یہ تھا حماس کی قیادت نے جانتے بوجھتے ہزاروں لوگوں کو ہلاکت میں ڈالا اور یہ لوگ سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی سبق حاصل نہیں کرتے ہیں۔ ایسے ہی اعلیٰ وارفع خیالات کا اظہار جناب نذیر ناجی صاحب بھی اکثر و بیشتر کرتے رہتے ہیں۔ اور صرف یہ دو اصحاب ہی نہیں بلکہ نام نہاد دانشوروں کی

ایک فوج ظفر موج ہے جو کہ مسلمانوں کو اللہ کے بجائے امریکہ اور بھارت اور ہر طاقتور سے ڈرنے کا سبق دیتے رہتے ہیں۔اور ان کی باتوں کا خلاصہ یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ جہاد، یا مزاحمت کی بات کرتے ہیں دراصل ان کو کوئی شعور نہیں ہے۔اور پہلے ہمیں اپنی معیشت اور تجارت کو بہتر بنانا چاہیے اور اسی طرح کی دوسری باتیں، اور پھر ان باتوں کے حق میں سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مثالیں پیش کرنے کی کوششیں کرتے ہیں۔ جناب رؤف کلاسرہ اور نذیر ناجی صاحب میرے.بزرگ ہیں اور میں ان کے سامنے طفل مکتب ہوں اور ان کے علم اور مطالعے پر مجھے کوئی شبہ نہیں ہے، لیکن سیرت کا کچھ مطالعہ جو ہم کیا ہے اس سے ہم نے جو حاصل کیا وہ ہم آپ سامنے پیش کریں گے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکے میں تیرہ سال تک صبر و تحمل کے ساتھ دعوت دین کا کام کیا اور اس دور میں مسلمانوں نے تمام تکالیف.برادشت کیں لیکن زرا غور کیجیے سن ۲ ھجری میں جب کہ مدینہ میں ایک مسلم ریاست وجود میں آچکی ہے اور اس نئی ریاست میں ابھی استحکام نہیں آیا ہے کیوں کہ ایک تو منافقین کا مسئلہ درپیش ہے اور دوسری طرف یہودی بھی ہمسائے ہیں۔اسی دوران بدر کا معرکہ پیش آتا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جہاد کے لیے نکل کھڑے ہوتے ہیں، یہ بات دھیان میں رہے کہ اسلامی ریاست ابھی نوآموز ہے، طاقت کا کوئی توازن نہیں ہے ایک طرف تین سو تیرہ مسلمان ہیں اور دوسری طرف ایک ہزار کا لشکر ہے

یعنی ایک اور تین کی نسبت ہے اور یہ بات بھی دلچسپ ہے کہ مسلمانوں کے لشکر میں تمام افراد بالغ بھی نہیں تھے بلکہ کچھ نو عمر بچے بھی اس لشکر میں شریک ہیں کفار کے پاس سو گھوڑے ہیں جب کہ مسلمانوں کے پاس صرف دو گھوڑے ہیں لیکن ان تمام باتوں کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہاد کو ترجیح دی اور پھر اللہ نے مسلمانوں کو فتح نصیب کی۔ میں اس واقعہ سے یہ سمجھتا ہوں کہ جب مسلم ریاست وجود میں آجائے تو اس کے بعد دین اسلام پر اگر مشکل وقت آجائے تو پھر کوئی حیلہ بہانہ نہیں کرنا چاہیے بلکہ دستیاب قوت کے ساتھ باطل سے ٹکرا جانا چاہیے اور نتیجہ اللہ پر چھوڑ دینا چاہیے۔

آیئے آپ کو ایک اور واقعہ سناتا ہوں یہ سن ٦ ھجری ہے کفار مکہ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان صلح حدیبیہ کا معاہدہ ہو جاتا ہے اس معاہدے میں ایک شق یہ بھی ہے کہ جو مسلمان مکہ سے مدینہ آئے گا اسے واپس نہیں کیا جائے۔ عین اسی دوران حضرت ابو جندل رضی اللہ تعالی عنہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے مکہ سے کفار چنگل سے فرار ہو کر آتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معاہدے کے مطابق ان کو واپس کر دیتے ہیں۔

کچھ عرصے کے بعد ایک اور صحابی حضرت عتبہ بن اسید مکہ سے بھاگ کر مدینہ آتے ہیں۔ قریش مکہ کے دو نمائندے آکر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کو حوالے

کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں آپ معاہدے کے مطابق ان کو واپس کرتے ہیں وہ واپس جاتے ہیں لیکن مدینہ اور مکہ کے درمیان ایک جگہ مقام حلیفہ میں ایک کافر کو قتل کرکے واپس مدینہ آتے ہیں اُس کافر کا دوسرا ساتھی بھی مدینہ آکر دوبارہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت عتبہ کی حوالگی کا مطالبہ کرتا ہے تو حضرت عتبہ نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ معاہدے کے مطابق آپ مجھے واپس کر چکے ہیں اس لیے آپ کے اوپر اب اس بات کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ اور پھر یہ صحابی سمندر کے کنارے مقام عیص میں اپنا مسکن بنالیتے ہیں جب مکہ میں کفار کے شکنجے میں پھنسے ہوئے مسلمانوں کو علم ہوتا ہے کہ یہاں ایک ٹھکانہ ہے تو وہ بھاگ بھاگ کر وہاں آنے لگتے ہیں اور کچھ عرصے میں وہاں ایک مختصر سی جمیعت اکٹھی ہو گئی اور پھر ان تمام مسلمانوں نے قریش کے تجارتی قافلوں پر حملے شروع کردیے اور آخر کار جو شق مسلمانوں پر سب سے زیادہ بھاری تھی وہی ان کے کام آئی اور قریش اس شق سے دستبردار ہوگئے۔اور ان مسلمانوں کو باقاعدہ مدینہ میں رہائش کی اجازت دیدی گئی۔اب میں اس واقعے کے بعد ایک سوال پوچھنا چاہوں گا کہ حضرت عتبہ بن اسید کافر کو قتل کرکے واپس آئے اور اس کافر ساتھی نے جب دوبارہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنا مطالبہ دہرایا تو کیا وہ صحابی نبی اکرم کے معاہدے کی پاسداری نہیں کرتے ؟اور کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو واپسی کا حکم نہیں دے سکتے تھے ؟ لیکن دراصل اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ جب مسلم ریاست اور اس کے ذمہ داران اگر کسی ناگزیر معاہدے یا مجبوری کے باعث اگر خود

کفر کے خلاف کچھ نہ کر سکیں تو پھر مسلم عوام اس بات کے مکلّف ہوں گے کہ وہ ظلم اور کفر کے خلاف جدو جہد کر سکتے ہیں وہ کریں اور ریاست کو ان کی حوصلہ افزائی نہیں تو حوصلہ شکنی بھی نہیں کرنی چاہیے۔

اور لیجئے ایک اور مثال پیش کر دی جائے یہ جو لوگ کہتے ہیں نہ کہ پہلے معیشت مضبوط کی جائے۔ معاشی استحکام حاصل کیا جائے اور اس کے بعد مقابلے کی بات کی جائے۔ ان کی نظر سے شائد سیرت کا یہ پہلو نہیں گزرا ہے

یہ واقعہ ہے سن نو ھجری کا مکہ میں اس وقت قحط سالی چل رہی تھی سخت گرمیاں ہیں اور مکہ کی معشیت کا انحصار صرف ان کھجوروں پر ہے جو کچھ ہی عرصے میں پکنے والی ہیں اس اثناء میں اطلاع ملتی ہے کہ رومی لشکر مدینہ پر حملہ کرنے والا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فیصلہ کرتے ہیں کہ ان کو مدینہ سے دور ہی روکا جائے۔ اور لشکر کی تیاری کا حکم دیدیا جاتا ہے یہ دراصل بڑی آزمائش کا وقت تھا، سخت گرمی پڑ رہی ہے، قحط سالی کے بعد کچھ امید ہو چلی ہے کہ کھجوریں پکنے کے بعد یہ صورتحال تبدیل ہو جائے گی اور معاشی حالت کچھ بہتر ہو جائے گی۔ اہل ایمان اس آزمائش میں سرخرو ہوتے ہیں اور تیس ہزار کا لشکر مدینہ سے تبوک کی جانب روانہ ہوتا ہے۔ اور مسلمانوں کی ہیبت اور جذبہ جہاد سے رومی سلطنت کا عظیم الشان ایک لاکھ کا لشکر مقابلے پر ہی نہیں آتا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبوک میں ایک ماہ کے قیام کے بعد واپس مدینہ آتے ہیں۔ اس غزوہ میں منافقین اور مومنین کا

کردار کھل کر سامنے آگیا تھا۔اس واقعہ سے مجھے یہ سبق ملتا ہے کہ معیشت اور حالات کی سختی اپنی جگہ لیکن اگر اسلام کو خطرہ لاحق ہو تو یہ سب باتیں ثانوی حیثیت اختیار کر جاتی ہیں۔ اور معیشت اور معاشی وجوہات کو بہانہ بنا کر جہاد سے منہ نہیں موڑنا چاہیے۔

یہ چند مثالیں میں نے سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیش کی ہیں ان تمام مثالوں کو سامنے رکھیں اور پھر یہ فیصلہ کریں کہ کیا آپ کا حماس کو موردِ الزام ٹھہرانا ٹھیک عمل ہے۔ کیا حماس نے ایک قابض قوت کی کھلی جارحیت کی مزاحمت کرکے غلط کیا ہے؟اور حکمت کا تقاضہ یہی ہے کہ کسی بھی قابض اور ظالم قوت کو مصلحت، حکمت طاقت کا توازن نہ ہونے کا جواز پیش کرکے جارحیت اور ظلم کی چھوٹ دیدی جائے؟ اور کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ حماس نے آپ جیسے کرم فرماؤں کی تنقید کے بعد بندوق چھوڑ کر انتخابات کا راستہ اپنایا تھا اور ظالم اور جابر قوتوں اور یہودیوں کو یہ بھی گوارہ نہ ہوا۔اور کیا یہ حقیقت کلاسرہ صاحب کی نظروں سے اوجھل رہی تھی اسرائیل نے ایک سال سے زائد عرصے سے غزہ کا محاصرہ کیا ہوا تھا اور ایک سال تک حماس صرف افہام و تفہیم اور مذاکرات کے ذریعے ہی ان مسائل کو حل کرنا چاہ رہا تھا؟یقیناً یہ تمام باتیں اور حقائق جناب رؤف کلاسرہ اور دیگر اہل علم اور صحافی حضرات کے علم میں تھیں اس کے باوجود انہوں نے حماس کو موردِ الزام ٹھہرا کر دراصل غلطی نہیں بلکہ بددیانتی کی ہے۔

اور آخر میں میں ان تمام حضرات سے یہ پوچھنا چاہوں گا کہ آپ حضرات کو افہام و تفہیم سے متعلق تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات اور آیات قرآنی تو مل جاتی ہیں لیکن کیا کبھی آپ کی نظر سے جہاد، اور منافقین کے متعلق کوئی آیت پڑھنے کا اتفاق نہیں ہوا؟ میں آخر میں ایک حدیث نبوی سنا کر اپنی بات ختم کرونگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان کے تین درجے ہیں پہلا درجہ یہ ہے کہ اگر کسی .برائی کو دیکھے تو اپنے ہاتھ سے روکے اگر ہاتھ سے نہ روک سکے تو پھر زبان سے روکے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو پھر کم از کم دل میں اسے .برا جانے اور فرمایا کہ یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔

نوٹ: اس آرٹیکل کی تیاری میں علامہ شبلی نعمانی اور سید سلیمان ندوی صاحب کی تصنیف سیرت النبی صلی اللہ علیہ آلہ وسلم سے مدد لی گئی ہے

اوباما کی صدارت اور مسلمانوں کی تاریخ

حالیہ امریکی انتخابات میں بارک اوباما کی کامیابی سے لیکر صدارت کا حلف اٹھانے تک ایک بات کا بہت زور وشور سے تذکرہ کیا جارہا ہے کہ وہ امریکہ کے پہلے سیاہ فام صدر ہیں اور بی بی سی نے تو ان کے حلف اٹھانے کے اگلے روز ایک خبر جاری کی جس کی سرخی تھی کہ یہ امریکہ ہی میں ممکن تھا کہ ایک سیاہ فام امریکہ کا صدر بن گیا اور خلاصہ اس خبر کا یہ ہے کہ دراصل یہ امریکہ کی جمہوریت، رواداری، اور انصاف پسندی کے باعث یہ ممکن ہے کہ کوئی فرد اپنی محنت اور قابلیت کی بنیاد پر بالکل نچلی سیڑھی سے ابتدا کرنے کے باوجود آخری سیڑھی یعنی صدارت تک حاصل کرسکتا ہے۔

ہمیں اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ محنت اور قابلیت کے بل پر کوئی بھی انسان تاریخ میں اپنا نام لکھوا سکتا ہے، ہمارا اختلاف اس جملے پر ہے کہ صرف امریکہ ہی میں یہ ممکن تھا کیوں کہ جو لوگ اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ سے ناواقف ہیں شاید وہ تو اس بات پر بڑے خشوع وخضوع سے سر ہلا کر اس کی تائید کریں گے اور کر بھی رہے ہیں لیکن جو لوگ اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ سے معمولی سی بھی واقفیت رکھتے ہیں وہ اس سے اتفاق نہیں کریں گے۔ دراصل آج میڈیا کا دَور ہے

کیبل کا دَور ہے اور ہماری نئی نسل کتابوں سے دُور ہونے کے باعث میڈیا کے پروپگینڈے سے بہت جلد متاثر ہو جاتی ہے اور اسی بات نے مجھے مجبور کیا کہ میں اپنے بھائیوں کو تصویر کا دوسرا رخ دکھاؤں تاکہ وہ اپنی تاریخ اور روایات سے واقف ہو سکیں اور جب کبھی کہیں بات کریں تو اپنی تاریخ اور اپنے اسلاف کا ذکر فخریہ انداز میں کریں۔ قدیم زمانے سے ہی سیاہ فاموں کی تجارت کا سلسلہ جاری تھا اور سیاہ فاموں کی کوئی عزت، کوئی حقوق نہیں تھے اور موجودہ مغربی اقوام کے آباؤ اجداد منظم طریقے سے ان سیاہ فاموں کی بستیوں پر حملہ کرکے ان کو اٹھا کر لے آتے تھے اور پھر ان کو منڈیوں میں جانوروں کی طرح فروخت کیا جاتا تھا۔اور ان سیاہ فام غلاموں کو انسان کے بجائے حیوان سمجھا جاتا تھا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات اور غلاموں سے حسن سلوک

اسلام سے پہلے اہل عرب جس قسم کی جاہلیتوں میں مبتلا تھے ان میں سے ایک غلاموں سے ساتھ غیر انسانی سلوک بھی تھا۔ عرب سردار ان غلاموں سے سخت محنت اور مشقت کا کام کرواتے تھے۔اور ان کو معاوضہ میں صرف دو وقت کا کھانا اور سال میں دو جوڑے کپڑے ملتے تھے۔ان کی عورتوں کو حرم میں شامل کیا جاتا تھا۔اور دیگر باتوں کے علاوہ یہ بھی ایک بات تھی کہ غلام کا بیٹا پیدائیشی غلام ہوتا تھا۔

اس پس منظر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دین کی دعوت کا آغاز کرتے

ہیں اور صرف ۲۳ سالوں میں عرب معاشرے کی کایا پلٹ دیتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غلاموں سے ساتھ بہتر سلوک کا حکم دیا آپ نے فرمایا کہ اپنے غلاموں کا خیال کرو۔ جو خود کھاؤ وہی ان کو بھی کھلاؤ، اور ان غلاموں کے معاملے میں اللہ سے ڈرو۔اسلام کی انہی تعلیمات کا اثر تھا کہ یہ حبشی غلام آگے چل کر اسلام کے دست وبازو بنے۔اور تاریخ میں نام کمایا (ان کا ذکر آگے کیا جائے گا

خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے غلاموں سے ساتھ برتاؤ اتنا بہتر تھا کہ حضوراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی میں آنے کے بعد آپ کے غلاموں نے اپنے ماں باپ کے ساتھ آزاد زندگی گزارنے کے بجائے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی کو ترجیح دی۔ حضرت انس اس کی مثال ہیں۔اسلام نے حبشی غلاموں کو کیا عزت دی ہے اسکا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ مسجد نبوی کی تعمیر مکمل ہوچکی ہے اور یہ طے ہوگیا کہ نماز کی طرف بلانے کے لیے اذان کا طریقہ رائج کیا جائے گا صحن مسجد میں حضرت ہمزہ رضی اللہ عنہ بھی موجود ہیں، جناب شیخین بھی رونق افزاء ہیں لیکن اسلام میں پہلی اذان کا شرف حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حاصل ہوتا ہے۔ یہ بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کون ہیں۔ایک حبشی غلام جن پر ان کا آقا امیہ نے اسلام لانے کی پاداش میں ظلم وستم کے پہاڑ توڑا کرتا تھا اور ان کو مکہ کی گلیوں میں تپتی ریت پر لٹایا جاتا تھا، گلے میں رسی باندھ کر گھسیٹا جاتا تھا اور اسلام نے ان کو یہ عزت وتکریم عطا کی کہ بڑے بڑے سردار

صحابہ کی مجودگی میں ان کو مؤذن ہونے کا شرف عطا کیا گیا

اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے غلام حضرت زید کو اپنا بیٹا بنایا اور ان سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا یہ عالم تھا کہ جب ایک مہم کے دوران ان کو شہید کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شہادت کا انتقام لینے کے لیے ایک لشکر ترتیب دیا اور وہ لشکر اسلامی تاریخ میں لشکرِ اسامہ کے نام سے مشہور ہے اس لیے کہ اس لشکر کی قیادت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نامی گرامی سپہ سالر صحابہ کرام کے بجائے حضرت زید کے صاحب زادے حضرت اسامہ بن زید کو دی۔

مشہور مسلمان بادشاہ جو کہ درحقیقت غلام تھے

مسلمان بادشاہوں کی تاریخ میں سلطان محمود غزنوی کا بڑا نام ہے اور سلطان محمود غزنوی ہندوستان پر سترہ حملوں کی وجہ سے مشہور ہے۔ سلطان محمود غزنوی نے بائیس سال تک ہندستان پر حکومت کی۔ لیکن شائد یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ سلطان محمود غزنوی کے والد سبکگیین بھی ایک غلام تھے جو کہ اپنی محنت اور قابلیت کی بناء پر غزنی کے حکمراں بن گئے تھے یعنی سلطان محمود غزنوی ایک غلام زادے تھے

سلطان محمود کی وفات کے کچھ عرصے کے بعد حکومت اس کے خاندان سے نکل کر غوری خاندان کے ہاتھوں میں آ گئی۔ معزالدین محمد غوری جس نے پرتھوی راج کو شکست دی تھی اور جس کے نام پر پاکستان کا پہلا میزائل غوری رکھا گیا ہے۔ معزالدین محمد غوری غلاموں کی بہت قدر منزلت کرتا تھا اور اس نے اپنے دربار میں غلاموں کو کلیدی عہدے دیے تھے۔اور اسکے غلاموں میں ایک نام قطب الدین ایبک کا ہے۔ معزالدین نے قطب الدین ایبک نہ صرف یہ کہ اپنی فوج کا سپہ سالار مقرر کیا بلکہ اسے ہندوستان میں اپنا نائب بھی مقرر کیا اور معزالدین محمد غوری کے بعد قطب الدین ایبک اپنی قابلیت کی بناء پر بادشاہ بنا

اتفاق کی بات کہ چار سال کی حکومت کا بعد قطب الدیین ایبک کا انتقال ہوگیا اور اسکے جان نشینوں کی نااہلی کے باعث اس

کے تمام امراء نے اسکے ہی ایک غلام شمس الدین کو اسکی لیاقت اور محنت کے باعث متفقہ طور پر بادشاہ مقرر کیا جو کہ تاریخ میں التمش کے نام سے مشہور ہوا۔اور اس نے چھبیس سال تک حکومت کی۔

فیصلہ خود کریں

ذرا غور کریں کہ امیر سبکتگین، معزالدین غوری، قطب الدین ایبک،اور شمس الدین التمش یہ ایسے نام ہیں کہ جنھوں نے دنیا کی تاریخ میں اپنا نام لکھوایا اور جن

کے بغیر مسلمان بادشاہوں کی تاریخ نامکمل رہے گی، اور یہ تمام نامور بادشاہ دراصل غلام تھے۔ جو کہ محض اسلام کی رواداری اور مساوات کے باعث اپنی محنت اور قابلیت سے بادشاہی تک پہنچ گئے۔ان صفحات کی تنگی ہمیں مزید تفصیل میں جانے سے روکتی ہے ورنہ تاریخ میں خاندانِ غلامان اور دیگر تذکرے باقی ہیں۔اسلام نے ساڑھے چودہ سو سال پہلے ان غلاموں کو پستی سے اٹھا کر بلندی کی انتہاؤں تک پہنچا دیا اور اس کے بر عکس مغرب اور امریکہ کا رویہ رہا ہے وہ بھی ملاحظہ ہو

جس امریکہ کی جمہوریت، رواداری، اور انصاف پسندی کے راگ گائے جارہے ہیں وہاں انیسویں صدی کے نصف تک غلاموں کی تجارت ہوتی تھی۔ جس کو امریکی انقلابی صدر ابراہام لنکن نے ختم کرایا۔اور انہی سیاہ فام غلاموں کی اولادوں کو بیسویں صدی کے وسط تک انسانی حقوق حاصل نہ تھے۔ وہ سفید فاموں کے ساتھ سفر نہیں کر سکتے تھے،انہیں ووٹ کا حق حاصل نہیں تھا اور آج جس طرح امریکہ کی صدارت پر ایک سیاہ فام براجمان ہے نصف صدی قبل تک کوئی سیاہ فام صرف وہ تقریب دیکھنے بھی جاتا تھا تو اس کو تشدد کو نشانہ بنایا جاتا تھا۔اور امریکہ کے اکثر ریسٹورنٹ اور بارز میں باہر ڈوگز اینڈ نیگروز آر ناٹ الاوڈ کی تختیاں لگی ہوتی تھیں

اب آپ خود فیصلہ کریں کہ اس نظریہ (یہ صرف امریکہ ہی میں ممکن تھا) سے ہمارا

اختلاف درست ہے یا نہیں

ناظم شہر توجہ دیں

شہر کی سڑکوں پر سفر کرتے اور گلیوں سے گزرتے ہوئے اکثر مسائل کا ہم سامنا کرتے ہیں اور جب بھی ان مسائل کو دیکھتے ہیں تو ہم متعلقہ اداروں کی ناقص کارردگی پر ان کو صلواتیں سناتے ہیں یا پھر دل ہی دل میں کڑھ کر رہ جاتے ہیں۔ لیکن عموماً ہم ان متعلقہ اداروں کی توجہ ان مسئل پر مبذول نہیں کراتے ہیں اور میں بھی انہی افراد میں شامل ہوں۔آج میں نے سوچا کہ کچھ ایسے ہیں مسائل کی طرف ناظم شہر کی توجہ مبذول کرائی جائے۔ اور فی الحال ہم اپنی توجہ صرف ٹریفک سے متعلق چند مسائل پر رکھیں گے اگرچہ وہ مسائل حل ہوں یا نہ ہوں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ مجھے اور آپ کو اپنی بات ضرور ذمہ داران تک پہنچا دینی چاہیئے۔بقول شاعر: اثر کرے نہ کرے سن تو لے مری فریاد-- نہیں داد کا طالب یہ بندہ بیداد

سب سے پہلا مسئلہ جس کو ہم سامنا کرتے ہیں وہ ٹریفک کا مسئلہ ہے۔پبلک ٹرانسپورٹ عموماً بس اسٹاپ پر نہیں رکتی ہیں۔بلکہ اسٹاپ سے پہلے یا بعد میں رکتی ہیں۔اور اس میں صرف ٹرانسپورٹر ہی قصور وار نہیں ہیں بلکہ عوام بھی اس میں شریک ہیں کیوں کہ عوام کا بھی جہاں دل چاہتا ہے گاڑی رکوانے کی کوشش کرتے ہیں اور جہاں باقاعدہ بس اسٹاپ ہوتا ہے اس کے بجائے اس سے تھوڑا آگے ہی کھڑے ہوتے ہیں۔اس کا

مطلب واضح ہے کہ جہاں پنکچر ہونگے گاڑی وہیں رکے گی اس لیے میرے خیال میں اس معاملے میں دونوں ہی (عوام اور ٹرانسپورٹر) قصور وار ہیں۔اب یہ سٹی گورنمنٹ کی ذمہ داری ہے کہ وہ گاڑیوں کو مقررہ بس اسٹاپ پر ہی روکنے پر پابند کرے اور عوام کو بھی مقررہ اسٹاپ پر ہی کھڑے ہونے کا پابند کرے۔اور ویسے بھی آج کل کراچی میں کمیونٹی وارڈنز کی موجودگی میں یہ مسئلہ آسانی سے حل ہو سکتا ہے۔

دوسرا مسئلہ بھی ٹرانسپورٹ سے متعلق ہے کہ مزدا گاڑیوں میں عموماً اور روٹ نمبر ڈبلیو گیارہ میں بالخصوص تیز آواز میں ریکارڈنگ چلتی رہتی ہے اور گانے بھی بہت ہی بیہودہ اور لچر قسم کے ہوتے ہیں جس سے عوام کو ذہنی اور جسمانی تکلیف پہنچتی ہے۔اس کے ساتھ ساتھ یہ مزدا والے خواتین کے لیے مخصوص حصے میں بھی مرد حضرات کو بٹھا دیتے ہیں جس کے باعث خواتین کو دوران سفر جسمانی کے ساتھ ساتھ روحانی کرب سے بھی اٹھانا پڑتا ہے۔اور اکثر مزدا گاڑیوں کے ڈرائیور اور کنڈکٹر حضرات خواتین کو گاڑی میں بٹھاتے بھی نہیں ہیں خواتین ہاتھ ہلاتی رہ جاتی اور گاڑی رکتی نہیں ہے۔یہ مسئلہ بھی ناظم شہر کی توجہ کا طالب ہے۔

اتفاق کی بات ہے کہ تیسرا مسئلہ بھی ٹریفک سے متعلق ہے وہ یہ کہ کافی عرصہ پہلے غالباً بارہ تیرہ سال قبل) عوام کی سہولت کے لیے بس اسٹاپ پر ویٹنگ کے لیے شیلٹر) بنائے گئے تھے، یہ شیلٹر انتہائی مضبوط اور پائیدار ہیں لیکن ایک غلطی کے

باعث یہ بیکار ہو چکے ہیں اور عوام ان سے استفادہ نہیں کرتے ہیں۔ان میں پہلا مسئلہ تو یہ ہے کہ ان شیلٹرز میں دکانیں یا اسٹال کھلے لیں بنا کر دیے گئے ہیں ان کی تعمیر میں ٹیکنکل غلطی یہ کی گئی ہے کہ ان تمام دکانوں یا اسٹالز کا رخ اسی طرف ہے جس طرف سے گاڑی کو آنا ہوتا ہے اب ہوتا یہ ہے کہ اگر عوام ان شیلٹرز کے اندر بیٹھ کر گاڑی کا نتظار کریں تو وہ گاڑی کو دیکھ نہیں پاتے ہیں کیوں کہ سامنے کی طرف تو دکان ہوتی ہے اور کچھ نظر نہیں آتا ہے اسلیے عوام لامحالہ اس شیلٹر سے نکل کر بس کا انتظار کرنا ہوتا ہے (چاہے بارش ہو یا تیز دھوپ یا سردی میں ٹھنڈی ہوائیں چل رہی ہوں) چند ایک کی نشاندہی ہم کر دیتے ہیں سخی حسن چورنگی پر دونوں اطراف میں بنے ہوئے شیلٹرز کی یہی صورتحال ہے، لیاقت آباد دس نمبر پر امام بارگاہ کی سائیڈ پر بنا ہوا بس شیلٹر اور سائیٹ ایریا میں حبیب چورنگی پر بنا ہوا شیلٹر اس کی مثال ہیں۔ دوسرا مسئلہ ان شیلٹرز کے ساتھ یہ ہے کہ جس شیلٹر میں دکانیں نہیں ہیں وہاں نشہ بازوں، آوارہ گردوں اور بدمعاشوں کے جتھوں نے اپنا ٹھکانہ بنالیا ہے اور بالخصوص نشہ باز افراد کی اکثریت ان شلیٹرز میں مستقل ڈیرے ڈال کر بیٹھی رہتی ہے اور اسکی واضح مثال ایم اے جناح روڈ پر این جے وی اسکول کے نزدیک بنا ہوا شیلٹر، صدر سے برنس روڈ کی طرف جاتے ہوئے الٹے ہاتھ پر بنا ہوا شیلٹر ہیں اور دیگر کا بھی یہی حال ہے۔یہ مسئلہ بھی ناظم شہر کی توجہ کا طالب ہے کیوں کہ اس میں عوام تو تکلیف اٹھاتے ہی ہیں سرکاری زمینوں پر غیر متعلقہ افراد کا قبضہ بھی لمحہ فکریہ ہے اس لیے ناظم شہر اس طرف فوری توجہ

دیں۔

تیسرا مسئلہ فٹ پاتھز پر تجاوزات کا ہے کہ فٹ پاتھ پر اکثر دکانداروں نے قبضہ کیا ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ چھابڑی والے، ٹھیلے والے وہاں قبضہ کر کے بیٹھ جاتے ہیں جس کے باعث عوام کو گذرنے میں بہت مشکل ہوتی ہے۔اور ناجائز تجاوزات کا سارا کاروبار متعلقہ تھانے کے اہل کاروں کی ملی بھگت سے ہوتا ہے۔اس کے علاوہ ایک اہم مسئلہ یہ بھی ہے کہ اکثر بڑی دکان والوں نے اپنی دکانوں کے سامنے فٹ پاتھ پر ٹائلز لگائے ہوتے ہیں جس کی وجہ سے عموماً لوگوں کے پیر پھسل جاتے ہیں اور بالخصوص برسات کے موسم میں تمام عوام کو بہت پریشانی ہوتی ہے۔اور یہ فٹ پاتھز بہت خطرناک ہوجاتی ہیں۔ یہ مسئلہ بھی بہت زیادہ توجہ کا متقاضی ہے۔

یہ ٹریفک کے کچھ عمومی مسائل ہیں جن کی طرف ہم نے ناظم شہر کی توجہ مبذول کرانے کی کوشش کی ہے اور ہم امید رکھتے ہیں کہ اس معتبر ویب سائٹ کے ذریعے یہ پیغام ان تک پہنچ جائے گا اور اس پر انشاءاللہ کاروائی بھی ہوگی

کرکٹ کے لیے ایک خواب

وطن عزیز میں اس وقت ہر شعبہ میں سفارش اور رشوت کا بازار گرم ہے جس کے باعث ہر شعبہ زوال کا شکار ہے۔اور اس زوال سے ہمارا کھیل کا شعبہ بھی محفوظ نہیں، ہاکی ہو یا اسکواش، کرکٹ ہو فٹبال یا باکسنگ الغرض ہر کھیل میں سفارشی کھلاڑیوں اور نااہل ذمہ داران نے ہمارے کھیل کے شعبہ کو بالکل ہی بیکار کر دیا ہے، کل تک یہ صورتحال تھی کہ ہم کرکٹ، ہاکی، اسکواش، سنوکر، میں عالمی چیمپئن تھے، اور باکسنگ میں بھی ہمارے کھلاڑیوں نے نام کمایا۔ مگر اب صورتحال اس کے برعکس ہے۔ ہم اسوقت یہاں صرف کرکٹ کی بات کریں گے
گزشتہ ہفتے قذافی اسٹیڈیم لاہور میں بینک الفلاح کپ کے فائنل میں سری لنکن ٹیم نے پاکستانی ٹیم کو آؤٹ کرتے ہوئے بائیس اوورز میں پچھتر رنز پر آل آؤٹ کر دیا اور یہ اتنی بدترین اور تیز شکست تھی کہ وزیر اعظم جناب یوسف رضا گیلانی جو کہ مہمان خصوصی تھے وہ ایک بال کا میچ بھی نہ دیکھ سکے۔اور اس نے پاکستان کرکٹ کے کھلاڑیوں اور ذمہ داران کے مستقبل پر ایک سوالیہ نشان لگا دیا اور لوگ یہ پوچھنے میں حق بجانب ہیں کہ آخر یہ لاکھوں روپے کمانے والے یہ کھلاڑی اور آفیشلز آخر کیا کرتے رہتے ہیں اور ان کا کیا فائدہ ہے۔

یہ شکست ایک بدترین شکست ہے اور اس سے اچھا تو ہمارے یہاں گلی محلے کے لڑکے کرکٹ کھیل لیتے ہیں۔اور اس شکست کا اصل سبب دراصل یہ ہے کہ زیادہ تر کرکٹرز سفارش پر آتے ہیں اور کسی بھی ادارے میں جو نااہل فرد سفارش پر آتا ہے تو اس کو اس بات کا ڈر خوف نہیں ہوتا کہ اس کی خراب کارکردگی کی وجہ سے اسکے خلاف کوئی کاروائی کی جائے گی۔ کرکٹ کے کھیل میں دولت بے انتہا ہے اور کھلاڑیوں کو یہ پتا ہوتا ہے کہ اس گیم میں دولت تو ہے لیکن شہرت بونس میں ملتی ہے،اس لیے کرکٹ میں آنے کے لیے ہر کھلاڑی کوشش کرتا ہے اور ہوتا یہ ہے کہ نااہل فرد سفارش کے بل پر آگے آجاتا ہے جبکہ باصلاحیت اور اہل کھاڑی صرف سفارش نہ ہونے کی بناء پر ٹیم میں شامل نہیں ہو پاتا ہے۔اور دراصل یہی وجہ ہمارے کرکٹ کے زوال کی ہے
غور کیا جائے تو ایک بات نظر آتی ہے کہ عظیم سری لنکن کھلاڑی سنتھ جے سوریا بیس سال سے زائد عرصے کرکٹ کھلنے کے باوجود آج بھی بھرپور فارم میں ہیں جبکہ ہمارے بیس اکیس سالہ نوجوان کھلاڑی اس فرد کی فٹنس کا مقابلہ نہیں کر سکتے ہیں اور یہی بات ثابت کرتی ہے کہ ٹیم میں کھلاڑی منتخب کرتے وقت ٹیلنٹ کو نہیں بلکہ سفارش کو اہمیت دی جاتی ہے۔اور یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ بورڈ کے ارکان پیلرز پاور کو اہمیت دیتے ہیں۔آخر کیوں شیعب اختر اور آصف جیسے کھلاڑیوں کو آج تک اتنی اہمیت دی جارہی ہے وہ کھلاڑی کہ جن کے نزدیک ملک و قوم کی عزت و وقار سے زیادہ

اپنی عیاشیاں عزیز ہیں جن کو اس بات کا قطعی احساس نہیں ہوتا کہ کھلاڑی دراصل ملک کے سفیر ہوتے ہیں اور ان کی غیر ذمہ دارانہ حرکتوں بے باعث غیر ممالک میں ملک کا تاثر کتنا خراب ہوتا ہے۔اور میرا گلہ میڈیا سے بھی ہے کہ آخر وہ کیوں ان کھلاڑیوں کے اوپر جرمانے یا معطلی پر ایک شور مچا دیتے ہیں۔

اگر آج یہ اصول بنا لیا جائے کہ قومی ٹیم میں کھیلنے کا خواہشمند کھلاڑی پہلے اپنی کارکردگی اور فٹنس ثابت کرے گا۔اور اس کے بعد وہ ایک معقول رقم سیکورٹی ڈیپارٹ کے طور پر رکھوائے گا۔تاکہ جہاں اسے جیتنے کی صورت میں بے تحاشہ انعامات دیے جائیں گے وہیں اس کی خراب کارکردگی پر اسکے سیکورٹی ڈیپاذٹ میں سے رقم کاٹ لی جائے گی۔ تو پھر کم از کم تین فوائد حاصل ہونگے۔ نمبر ایک کوئی فرد کسی کی سفارش کرنے سے پہلے دس دفعہ سوچے گا، نمبر دو اس قانون کے بعد شوقیہ کھلاڑی جو صرف شہرت کے لیے کرکٹ کھلینے کی کوشش کرتے ہیں ان کی بھیڑ چھٹ جائے گی اور صرف سنجیدہ اور باصلاحیت کھلاڑی ہی سامنے آئیں گے۔ اور تیسرا فائدہ یہ ہوگا کہ اگر اس کے باوجود بھی اگر کوئی نااہل سفارش کی بنیاد پر آگے آئے گا تو اس کی ناقص کارکردگی کا نقصان صرف ملک کو نہیں ہوگا بلکہ اس کی ذات کو بھی ہوگا اور وہ کھلاڑی دل سے کھیلنے کی کوشش کرے گا۔

میں یہ جانتا ہوں کہ میری اس بات کو ایک دیوانے کی بڑ سمجھ کر نظر انداز کردیا

جائے گا لیکن آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے۔اس کے بارے میں آپکے تبصرے کا انتظار رہے گا

انٹرنیٹ، ذہنی و نفسیاتی امراض کا سبب

جدید سائنس نے دنیا میں بے شمار آسانیاں پیدا کردی ہیں اور بالخصوص کمپیوٹر کی ایجاد نے تو دنیا میں ایک انقلاب برپا کردیا ہے اور کمپیوٹر کی ایجاد کو گذشتہ صدی کی سب سے بڑی اور اہم ایجاد کہا جاتا ہے۔ آج کل کمپیوٹر کا نام انٹرنیٹ کے بغیر ادھورا محسوس ہوتا ہے۔ انٹرنیٹ کے باعث یہ دنیا بالکل سمٹ گئی ہے اور ایک عالمی گاؤں (گلوبل ولیج) بن کر رہ گئی ہے۔ انٹرنیٹ کے ذریعے ہم سیکنڈوں میں دنیا کے ایک کونے میں بیٹھ کر دوسرے کونے کی خبر نکال لاتے ہیں۔ انٹرنیٹ کی فوائد اپنی جگہ لیکن مغرب نے ایشیائی ممالک اور خاص طور سے مسلم ممالک میں انٹرنیٹ کو ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کیا اور اس کے ذریعے برائی اور بے حیائی کو فروغ دینے کے لیے استعمال کیا، تاکہ نوجوان نسل کے اخلاق کا جنازہ نکال لیا جائے۔ انٹرنیٹ کے نقصانات پر وقتاً فوقتاً لوگ بات کرتے رہے ہیں۔ ہم اس حوالے سے ایک جامع اور تازہ ترین رپورٹ کا خلاصہ آپ کے سامنے پیش کریں گے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انٹرنیٹ نے کس طرح لوگوں کو متاثر کیا ہے

ایک رپورٹ کے مطابق انٹرنیٹ نے دنیا بھر میں 40 % افراد کو ذہنی اور نفسیاتی مریض بنا دیا ہے جس میں نہ صرف لڑکے اور لڑکیاں بلکہ شادی شدہ مرد اور خواتین

شامل ہیں،انٹرنیٹ سے زیادہ متاثرہ خطوں میں جنوبی ایشیا بالخصوص پاکستان اور بھارت شامل ہیں۔ پاکستان اور بھارت کی نوجوان نسل کو انٹرنیٹ کے مشغلے نے سب سے زیادہ متاثر کیا ہے اور انکی ذہنی اور جسمانی استعداد میں کمی واقع ہوئی ہے۔ جبکہ کئی گھرانوں میں طلاق اور علیحدگی کی صورتحال پیدا ہو گئی ہے۔ خدشہ ہے کہ 2010 تک 20% افراد کو نفسیاتی علاج گاہوں میں داخل کرنے کی نوبت آ جائے گی۔

رپورٹ کے مطابق انٹرنیٹ پر چیٹنگ اور دوستی کو سلسلہ بھی چلتا رہتا ہے اور یہ دوستی اتنی مضبوط اور پائیدار ثابت ہوتی ہے کہ سات سمندر پار بیٹھی عورت اپنا گھر بار اور بچے چھوڑ کر کسی آن لائن دوست کے پاس آ جاتی ہے اسی طرح کوئی مکار اور دھوکے باز شخص کسی غیر ملکی حسینہ کو اپنی جھوٹی محبت کے مکر وفریب میں اس طرح پھنسا لیتا ہے کہ وہ اس کے لیے ڈالر اور پاؤنڈز لیکر چلی آتی ہے۔اس کے علاوہ نیٹ پر سائبر کرائمز کا سلسلہ بھی چل رہا ہے جس میں دھوکے سے لوگوں کے کریڈٹ کارڈ اور بینک اکاؤنٹ سے رقم نکال لینا شامل ہےاور سائبر کرائم کو روکنے کے لیے انٹرنیشنل سطح پر قانون سازی کی جارہی ہے جس کے ذریعے ان جرائم، پر قابو پایا جاسکے گا۔اور سائبر کرائم میں ملوث افراد کو کڑی سزا دی جائے گی۔

پاکستان میں دیکھا جائے تونیٹ کے بہت گہرے اور منفی اثرات مرتب ہوئے ہیں ایک زمانہ تھا کہ ابھی ہمارے معاشرے میں وی سی آر کی لعنت نہیں آئی تھی اور ڈش ٹی

وی نے بھی اپنے قدم نہیں جمائے تھے اس قت تک لوگوں کی اخلاقی اور جمسانی حالت بہت بہتر تھی مگر پھر وی سی آر کی وباء نے ہمارے معاشرے کو اپنی گرفت میں لے لیا، راتوں کو جاگ کر فلمیں دیکھنا معمول بن گیا۔ ابھی بزرگ اور سمجھدار لوگ اس برائی کے تدارک میں ہی لگے ہوئے تھے کہ اس دوران مغربی شیطانوں نے ڈش ٹی وی متعارف کرایا اور اس نے تو وی سی آر کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ڈش کے بعد کیبل اس سے بھی ایک ہاتھ آگے تھا اور اس نے بھی نوجوانوں کے اخلاق کا بیڑا غرق کرنے میں اپنا بھرپور حصہ ملایا، ابھی کیبل کے اثرات سے لوگ نکلنے ہی نہ پائے تھے کہ موبائل کی وباء کو منظم طور پر سامنے لایا گیا رانگ کالز سے شروع ہونے والا سلسہ دوستیوں تک محیط ہو گیا اور بات اکثر اوقات ناجائز تعلقات تک پہنچ گئی اور اس چیز نے بھی ہماری نوجوان نسل کے اخلاق کا بیڑہ غرق کر دیا۔ پہلے موبائل فون تھا اس کے بعد یورپ والوں نے انٹرنیٹ کی لعنت کو ہمارے معاشرے میں بھیج دیا جس نے رہی سہی کسر بھی نکال دی اور باقی اخلاقیات کا بھی جنازہ اٹھ گیا نیٹ پر کیا کچھ دیکھا جا سکتا اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم نے پہلے بھی اپنے آرٹیکل "آج کے نوجوان سن لے میری فغاں" میں اسی طرف اشارہ کیا تھا۔ صورتحال یہ ہے کہ نہ صرف پوش بلکہ متوسط اور سفید پوش گھرانوں کے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں اور شادی شدہ مرد و خواتین رات بھر انٹرنیٹ پر آن لائن دوستوں سے بات چیت اور گپ شپ کرتے رہتے ہیں اسی وجہ سے آج کل نوجوانوں میں صبح اٹھنے کا رواج بہت کم ہو گیا۔ ایک غیر ملکی جریدے کے سروے کے مطابق امریکہ یورپ اور پاکستان میں

بیویاں اپنے انٹرنیٹ کے جنونی شوہروں پر گھر کے برتن توڑتی نظر آتی ہیں جو ساری ساری رات بیوی بچوں کو نظر انداز کر کے آن لائن چیٹنگ میں وقت گزار دیتے ہیں اور اکثر و بیشتر وہیں سو جاتے ہیں۔ فرانس کے ایسے ہی ایک نیٹ کے رسیا پر اس کے باپ نے اتنا تشدد کیا کہ وہ ذہنی و جسمانی طور پر مفلوج ہو کر رہ گیا۔

یہ چشم کشا رپورٹ انٹرنیٹ اور مغربی تہذیب کے جدید ہتھیاروں کی تباہ کاری سے آگاہی کے لیے کافی ہے۔ انٹرنیٹ بظاہر تو معلومات، علم اور دنیا سے رابطے کا ذریعہ ہے اور تھوڑی بہت تفریح بھی فراہم کرتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ انٹرنیٹ نے ہماری نئی نسل کو کہیں کا نہیں چھوڑا، اور آنے والے دنوں میں اس کی تباہ کاری کے کیا اثرات ہونگے اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے۔

حقوقِ نسواں کے علمبردار کہاں ہیں؟

ہمارے ملک پاکستان میں اور مغربی مما لک میں حقوق نسواں کی نام نہاد تنظیمیں اکثر و بیشتر اسلامی مما لک میں عورتوں کی حق تلفی، عورتوں پر تشدد، اور ظلم کا جھوٹا پروپگینڈا کرکے اس کی آڑ میں اسلام کی تعلیمات، اور قرآنی حدود پر حملے کرتی ہیں۔ افغانستان میں طالبان کی مختصر عرصے کی حکومت میں ان نام نہاد حقوق نسواں کے علمبرداروں نے طالبان کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا اور آج تک ان پر عورتوں کے ساتھ غیر انسانی سلوک کا الزام لگایا جاتا ہے۔ جب کہ درحقیقت ایسی کوئی بات نہیں تھی طالبان نے کبھی بھی خواتین کے ساتھ غیر انسانی سلوک نہیں کیا تھا اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو برطانوی خاتون صحافی یوآن ریڈلے (اب مریم ریڈلے) طالبان کی قید سے رہا ہونے کے بعد اسلام قبول نہیں کرتی یہاں ہم سوات کی بات نہیں کریں گے اسلیے کہ سوات کی صورحال ابھی تک واضح نہیں ہے۔اور مبینہ طور پر وہاں امریکی اور بھارتی ایجنسیاں دہشت گردی میں ملوث ہیں

بات کسی اور طرف چلی گئی ہم کہنا یہ چاہ رہے ہیں کہ مغربی مما لک عورتوں کو گمراہ کرنے کے لیے نام نہاد حقوق کا نعرہ لگاتے ہیں اور اس کام کے لیے کروڑوں روپے کا فنڈ خرچ کرتی ہیں۔اور اسکی آڑ میں اسلام کی تعلیمات کو نشانہ بنایا

جاتا ہے یہاں تک کہ دو سال قبل صدر پرویز مشرف کی حکومت میں قومی اسمبلی سے باقاعدہ قانون سازی کی گئی اور بدنام زمانہ حقوق نسواں بل منظور کیا گیا تھا لیکن خود ان کے اپنے معاشرہ میں خواتین کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا ہے اور وہاں کی عورت کس طرح ظلم کا شکار ہے اس کی جھلک دکھانے کی کوشش کریں گے۔اور پھر اندازہ ہوگا کہ مغربی تہذیب کے بظاہر روشن چہرے کا باطن کتنا تاریک ہے۔

.برطانیہ جو کہ مغربی ممالک میں نسبتاً زیادہ روایت پرست، اور مہذب معاشرہ سمجھا جاتا ہے وہاں کی سو مقامی کونسلیں خواتین کو مدد فراہم کرنے میں ناکام ہیں۔اور ان کونسلز کو قانونی چارہ جوئی کا سامنا کرنا پڑے گا۔یہ تمام کونسلز خواتین کو تشدد، زیادتی، اور گھریلو تشدد سے بچانے میں ناکام ہیں۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ یورپ کا مہذب ملک بھی خواتین کو تشدد اور زیادتیوں کے حوالے سے تحفظ فراہم کرنے میں ناکام ہے۔اسی طرح حال ہی میں ایک شرمناک اور رونگھٹے کھڑے کر دینے والی رپورٹ بھی منظر عام پر آئی ہے اور اس کے مطابق اقوام متحدہ جو کہ ساری دنیا میں حقوق انسانی کا سب سے بڑا محافظ ہے خود اس ادارے میں کام کرنے والی خواتین نے اپنے اعلیٰ افسران کے رویے کی شکایت کی ہے اور ان کا کہنا ہے کہ ان کو اپنے ساتھی افسران کی طرف سے جنسی طور پر ہراساں کیا جاتا ہے اور اور اکثر واقعات میں زیادتی بھی کی گئی ہے۔اور یہ سب کچھ اقوام متحدہ کے دفاتر میں ہو رہا ہے۔جو

کہ ساری دنیا میں اس حوالے سے این جی اوز کو فنڈ فراہم کرتا ہے اور خود اس کے ذمہ داران کا رویہ اتنا گھٹیا اور شرمناک ہے۔

اور اب ذکر ہمارے سیاست دانوں اور این جی اوز کے منظور نظر، اور محبوب ملک امریکہ کا، امریکہ جو کہ تمام دنیا کا ٹھیکیدار بنا ہوا ہے اور بالخصوص حقوق نسواں کے نام پر مغربی تہذیب کی غلاظت وطن عزیز میں پھیلانے کا سب سے بڑا ذمہ دار ہے شاید لوگ ابھی بھولے نہ ہونگے کہ جب مختار مائی کا معاملہ سامنے آیا تھا تو کس طرح امریکہ نے اس معاملے کو ہائی جیک کرلیا تھا اور امریکی کاسہ لیس این جی اوز نے ایک طوفان بدتمیزی برپا کردیا تھا اور اس واقعے کو بنیاد بنا کر اسلامی تعلیمات کو ہدف بنا کر باقاعدہ مہم چلائی گئی تھی اور مختار مائی کو امریکہ کے دورے تک کرائے گئے اور وہ مظلوم خاتون لاعلمی اور سادگی کے باعث ان کے ہاتھوں میں کھیلتی رہی تھی۔ اسی امریکہ کی آرمی میں خدمات انجام دینے والی خواتین اہلکاروں نے مرد ساتھیوں کے نازیبا سلوک کی شکایت کی ہے اور ایک محتاط اندازے کے مطابق امریکی فوج میں ملازم خواتین کو باقاعدہ جنسی تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے اور یہ ان کے افسران ان کی عزت سے کھیلتے ہیں، اس عمل میں کرنل اور میجر تک کے رینک کے افسران کے ساتھ ساتھ اکیس سے ستائیس سال تک کے نوجوان سپاہی بھی شامل ہیں۔ ان خواتین کے اعلیٰ افسران اپنی پوزیشن کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں ان خواتین کے ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں۔

کیا ہم یہ سمجھیں کہ یہ تمام رپورٹس ہمارے ملک کی نام نہاد حقوق نسواں کی علمبردار این جی اوز تک نہیں جاتی ہو نگی، یقیناً ان تمام رپورٹس ان این جی اوز کے ذمہ داران تک جاتی ہو نگی۔ مگر یہ عجیب اتفاق ہے کہ اسلامی ممالک میں کسی بھی واقعے پر آسمان سر پر اٹھا لینے والی یہ این جی اوز یہاں بالکل خاموش ہو جاتی ہیں۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ وجہ صاف ظاہر ہے اردو میں ایک مثال ہے کہ منہ کھائے تو آنکھ لیجائے، کیا خیال ہے آپ کا ہم نے صحیح کہا ہے نا

عوامی حکومت کا ایک اور تازیانہ

عوام کو مبارک ہو کہ اس کی منتخب کردہ عامی حکومت نے عوام کے لیے ایک اور تازیانے کا انتظام کرنے کی کوشش کی ہے۔ صدر جنرل پرویز مشرف کی آٹھ سالہ بد ترین آمریت کے بعد18/2/2008 کو انتخابات کے بعد امید تھی کہ اب ملک میں جمہوریت آ گئی ہے اور بالخصوص پاکستان پیپلز پارٹی کی کامیابی سے عام آدمی یہ سوچنے لگا تھا کہ پیپلز پارٹی ایک عوامی پارٹی ہے اس لیے وہ عوام کے مسائل کی طرف توجہ دے گی۔مگر۔۔۔۔۔۔۔۔۔افسوس صد افسو کہ پیپلز پارٹی پر مفاد پرست ٹولے نے قبضہ کر لیا اور آج یہ صورتحال ہے کہ بقول شاعر نیرنگئی سیاست دوراں تو دیکھیے۔ منزل انہیں ملی جو شریک سفر بھی نہ تھے۔اقتدار کی مسند تک پہنچتے ہی عوام کے نام پر ووٹ لینے والے ان کے لیڈران کرام بھول گئے کہ ملک میں عوام نام کی بھی ایک مخلوق بستی ہے ویسے تو موجودہ حکومت کی کارکردگی سب کے سامنے ہے لیکن سب سے اہم بات یہ ہے کہ عالمی مارکیٹ میں پیٹرول کی قیمتوں میں 80% کمی کے باوجود اس کو فائدہ عوام کو نہیں دیا گیا بلکہ اس سلسلے میں چالاکی یہ کی گئی کہ جب تک پیٹرول کی قیمتوں میں اضافہ ہورہا تھا تو اس وقت ہر 15 دن بعد قیمتوں میں نظر ثانی کی جاتی تھی مگر جب قیمتوں میں کمی کا رجحان سامنے آیا تو 15 دن کے بجائے ایک ماہ میں نظر ثانی کا فیصلہ کیا گیا تاکہ ایک ماہ تک عوام کی جیب سے پیسہ نکلوایا جائے،اور اس وقت صورتحال یہ ہے کہ خود

حکومت نے قومی اسمبلی میں اس بات کے اقرار کے باوجود کہ حکومت پیٹرولیم مصنوعات پر 27 روپے فی لیٹر اضافی وصول کر رہی ہے۔ عوامی حکومت عوام کو اس کا فائدہ دینے کو تیار نہیں اور تازہ ترین واردات اس سلسلے میں یہ کی گئی ہے کہ اعلان کیا گیا کہ یکم فروری سے قیمتوں میں کمی کی جائے گی مگر یکم فروری کو یہ کہا گیا کہ ابھی عالمی مارکیٹ میں تیل کی قیمت اتار چڑھاؤ کا شکار ہے اس لیے قیمتوں میں کمی نہیں کر سکتے۔۔اب اس پر کیا تبصرہ کیا جائے کہ کچھ کہنا ہی بیکار ہے۔

اس وقت ہم جس موضوع پر بات کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ موجودہ حکومت کے محکمہ محصولات (Income Tax) کے شعبہ نے محصولات اور حکومت کی آمدنی بڑھانے کے لیے ڈاکٹرز اور وکلاء کے لیے بھی انکم ٹیکس لاگو کرنے کی سفارش کی ہے اور ابھی یہ معاملہ ابتدائی سطح پر ہے۔اگر ڈاکٹرز، وکیل اور انجنئیرز کی خدمات پر بھی انکم ٹیکس لاگو ہوجاتا ہے تو پھر غریب عوام سے انصاف اور علاج مزید دور ہوجائے گا اس لیے کہ ایک تو عوام کو پہلے ہی علاج معالجے کی مکمل سہولیات دستیاب نہیں ہیں اور کسی بیماری کی صورت میں عوام بمشکل تمام دوا دارو کرپاتے ہیں لیکن جب ڈاکٹرز کی خدمات پر بھی انکم ٹیکس لاگو ہوگا تو لامحالہ ڈاکٹرز یہ رقم عوام کی جیب سے نکالیں گے اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ غریب افراد یا تو مہنگا علاج کروانے پر مجبور ہونگے یا پھر سسک سسک کر تڑپ تڑپ کر جان دینے پر مجبور ہونگے، کیوں کہ سرکاری ہسپتالوں کی حالتِ زار سب کے سامنے ہے اور پرائیوٹ

ہسپتالوں کے اخراجات ہر کوئی.برداشت نہیں کر سکتا

عبدالقدیر خان، ایٹمی پروگرام اور عالمی سازشیں

گزشتہ ہفتے ممتاز پاکستانی ایٹمی سائنسدان جناب ڈاکٹر عبدالقدیر خان صاحب کی رہائی اور اس کے بعد ملاقاتوں پر پابندی نے ایک بار پھر پاکستان کے ایٹمی پروگرام اور ڈاکٹر صاحب کی ذات میڈیا میں موضوع بحث بنی ہوئی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی ذات کسی تعارف محتاج نہیں ہے اس لیے ابھی ہم ان کی ذات پر گفتگو کے بجائے پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے لیے ڈاکٹر صاب کی خدمات اور اس کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے کی عامی سازشوں کا ذکر کریں گے۔

پاکستان میں ایٹمی توانائی کمیشن کا قیام 1956ء میں عمل میں آیا اور اس کے اولین سربراہ ڈاکٹر نذیر احمد تھے۔ ابتداء میں اس ادارے کی کارکردگی منصوبی بندی اور کاغذی کاروائیوں تک محدود تھی 1960 میں ممتاز پاکستانی سائنسدان جناب ڈاکٹر عثمانی صاحب جوکہ صدر ایوب خان کے مشیر سائنس تھے ان کو اس کا سربراہ مقرر کیا گیا۔ انہوں نے اس ادارے کے لیے گرانقدر خدمات انجام دیں اور اس کے لیے مخلص ہو کر کام کیا، ڈاکٹر عثمانی صاحب کے دور میں ایٹمی ری ایکٹر کا معاہدہ ہوا۔ 1965ء میں پاکستان میں ریسرچ ایٹمی ری ایکٹر نصب ہوا یہ ری ایکٹر امریکہ نے پاکستان کے ساتھ ساتھ دیگر پچاس ملکوں کو بھی ایٹم برائے امن پروگرام کے

تحت فراہم کیے تھے۔ ڈاکٹر نذیر صاحب کے دور میں 1961ء میں لاہور میں اٹامک انرجی کمیشن سینٹر قائم کیا گیا۔اس کے ساتھ ساتھ اس سینٹر نے مزید ذیلی مراکز ازرعی تحقیقاتی سینٹر ۲ میڈیکل سینٹر قائم کیے گئے۔

1971ء میں ڈاکٹر عثمانی کی سبکدوشی کے بعد منیر احمد جیسی متنازعہ شخصیت کو اس ادارے کا سربراہ بنایا گیا اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہی سے پاکستان کے ایٹمی پلانٹ پر امریکی اوراسرائیلی مداخلت کا آغاز ہوا۔ مسٹر منیر احمد کو نیوکلیئر سائنس کا کوئی تجربہ نہ تھے اور نہ ہی وہ اس فیلڈ کے آدمی تھے۔ وہ صرف ایک الیکٹرک انجینئر تھے اور امریکہ کے ایک پولی کلینک سے انھوں نے نو ماہ کا ایک ڈپلومہ کیا ہوا تھا۔ منیر احمد خان مبینہ طور پر قادیانی تھے۔اور ان کے امریکی انتظامیہ کے ساتھ روابط تھے۔انھوں نے پاکستان اٹامک انرجی کمیشن جیسے معتبر ادارے کو سفید ہاتھی بنایا ہوا تھا۔ان کے دور میں نوجوان سائندان جو کہ ملک کی خدمت کرنا چاہتے تھے انکی حوصلہ شکنی کی گئی۔ یہاں یہ بات واضح رہے کہ پاکستان نے ایٹم بنانے کا منصوبہ 1965 کی پاک بھارت جنگ کے بعد ہی کرلیا تھا اور اس وقت ایوب خان کی کابینہ میں وزیر خارجہ جناب ذالفقار علی بھٹو صاحب نے تقریر کرتے ہوئے یہ تاریخی جملہ کہا تھا کہ ہم گھاس کھالیں گے مگر ایٹم بم ضرور بنائیں گے۔1971ء میں پاکستان کے دولخت ہونے کئے بعد اس کی ضرورت اور بھی بڑھ گئی تھی۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خان اس پورے عرصے میں تعلیم اور روزگار کے سلسلے میں ہالینڈ اور بیلجیئم میں مقیم رہے،اگرچہ وہ یورپ میں تھے مگر ان کا دل پاکستان میں اٹکا رہتا تھا اور 1965ء میں پاک بھارت جنگ کے بعد ان کا اضطراب بھی بڑھ گیا اسی دوران ہالینڈ کے معروف ٹی وی کمپیئر پروفیسر ڈے ینگ نے ایک پروگرام پیش کیا جس میں مسئلہ کشمیر پر پاکستان کے موقف کو غلط طور پر پیش کیا گیا، ڈاکٹر صاحب یہ دیکھ کر تڑپ اٹھے اور پاکستان سے ان کی محبت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس وقت اگرچہ وہ طالبعلم تھے اور ان کے پاس وسائل نہ تھے مگر انہوں نے فوری طور پر پورفیسر ڈے ینگ کو خط لکھ کر اصل مسئلہ کی طرف توجہ دلائی اور مسئلہ کشمیر پر پاکستان کا موقف پیش کیا اور اخبارات میں خطوط اور آرٹیکل لکھے۔ان کی محنت اور حب الوطنی رنگ لائی اور پروفسیر ڈے ینگ نے ان کا نقط نظر درست مان کر دوبارہ اپنے پروگرام میں پاکستان کے موقف کر درست مان کر پیش کیا۔

اس دوران ڈاکٹر صاحب حکومت پاکستان کو بھی خطوط لکھ کر اپنی خدمات پیش کرتے رہے مگر بیوروکریسی نے کبھی ان کی حوصلہ افزائی نہ کی۔اسی دوران ڈاکٹر صاحب نے پاکستان اسٹیل ملز کو بھی اپنی خدمات پیش کیں مگر نا اہل انتظامیہ ان کی صلاحیتوں کا اندازہ نہ کر سکی اور ان کو ملازمت نہیں دی گئی۔

1971ء میں پاکستان کے دولخت ہونے کے بعد پوری پاکستانی قوم ایک صدمے کی کیفیت میں تھی اور قوم پر مایوسی طاری تھی۔1973ء میں اس وقت کے وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے خفیہ طور پر ایٹم بم بنانے کا ارادہ کیا تو مسٹر منیر احمد نے مبینہ طور پر ان کو مس گائیڈ کرتے ہوئے فرانس سے ری پروسسنگ پلانٹ خریدنے کی ترغیب دی جو کہ ایک بہت ہی مہنگا اور وقت طلب منصوبہ تھا کیونکہ اگر پاکستان اس میں کامیاب ہو بھی جاتا تو بھی وہ پلانٹ اپنی پروڈکشن کم از کم 1993ء میں شروع کرتا۔ مسٹر منیر احمد نے اس حلوے سے بھٹو صاحب کو مکمل دھوکے میں رکھا تاوقتیکہ ڈاکٹر عبدالقدیر صاحب کا بھٹو صاحب سے رابطہ ہوا۔ (اس کے بعد بھٹو صاحب نے اس پراجیکٹ کو مغرب کی نگاہوں میں دھول جھونکنے کے لیے استعمال کیا)

اٹھارہ مئی 1974ء میں بھارت نے پوکھران کے مقام پر ایٹمی دھماکے کرکے اپنے ایٹمی قوت ہونے کا اعلان کر دیا۔ اس کا مقصد خطے میں اپنی برتری اور پڑوسی ممالک پر اپنی دھونس جمانا تھا۔ جولائی 1974ء میں ڈاکٹر عبدالقدیر خان صاحب نے بھٹو صاحب کو خط لکھا اور اپنی خدمات پیش کیں۔ بھٹو کی دور رس نگاہوں نے بھانپ لیا کہ یہی وہ جوہر قابل ہے جس کی پاکستان کو ضرورت ہے۔ بھٹو صاحب نے ان کو پاکستان آنے کی دعوت دی۔ دسمبر 1974 میں ڈاکٹر صاحب پاکستان آئے اور بھٹو صاحب سے ملاقات کی، بھٹو صاحب نے اس ملاقات میں ان سے ایٹمی بم اور جوہری توانائی

سے متعلق گفتگو کی۔ بھٹو صاحب اس وقت تک منیر احمد پر بہت بھروسہ کرتے تھے۔ بھٹو صاحب نے منیر احمد کو ہدایت کی کہ وہ ڈاکٹر صاحب سے مل لیں۔ ڈاکٹر صاحب نے منیر احمد کو ایٹمی توانائی سے متعلق ہدایات دیں۔اور ان کو کچھ پروگرام دیکر واپس ہالینڈ چلے گئے۔ایک سال کے بعد وہ واپس آئے اور یہ دیکھ کر بہت مایوس ہوئے کہ ان کی ہدایت ہر عمل نہیں کیا گیا اور گاڑی وہیں کی وہیں کھڑی ہے انہوں نے بھٹو صاحب سے ملاقات کی ان سے کہا کہ اس طرح کام نہیں چل سکتا اگر آپ نے میری خدمات سے فائدہ اٹھانا ہے تو مجھے مکمل اختیارات دیں۔ بھٹو صاحب نے اس کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ ڈاکٹر صاحب کو اٹامک انرجی کمیشن کے بجائے ایک خود مختار ادارہ کھوٹہ ریسرچ لبارٹری بنایا جائے جہاں ڈاکٹر صاحب آزادی کے ساتھ اپنے منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچائیں۔

ڈاکٹر صاحب نے ایٹمی ری پراسسنگ کے بجائے سینٹری فیوج کے طریقہ کار کو استعمال کرنے کا فیصلہ کیا جو کہ سارے یورپ میں رائج تھا۔ بھٹو صاحب نے ان کی تجویز سے اتفاق کیا۔البتہ بھٹو صاحب نے ایٹمی ری پراسسنگ پلانٹ کی خریداری کو مغرب کو دھوکہ دینے کے لیے استعمال کیا اور اس میں کامیاب رہے۔ مغرب نے اپنی روایتی تعصب پرستی کے باعث بھارت کے ایٹمی دھماکوں کے جواب میں اس پر پابندی عائد نہیں کی مگر پاکستان پر فوجی اور اقتصادی پابندیاں عائد کردیں۔کینیڈا نے امریکہ کے دباؤ پر پاکستان اٹامک انرجی کمیشن کو فاضل پرزہ جات اور ایندھن کی

فراہمی بند کر دی۔ پاکستان کے ایٹمی پروگرام سے متعلق مغرب کے تعصب کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس وقت کے یہودی نژاد امریکی سفیر ہنری کسنجر نے پاکستان کو عبرت کا نشان بنانے کی دھمکی دی۔ پاکستان پر فوجی اور اقتصادی پابندیاں عائد کیں مگر بھٹو صاحب اور ڈاکٹر قدیر صاحب اپنی دھن میں مگن رہے اور بالآخر پاکستان کو ایٹمی قوت بنا کر دم لیا۔

مغرب کو یہ بات پتہ چل گئی کہ ڈاکٹر قدیر صاحب پاکستان کے ایٹمی پروگرام روح رواں ہیں تو یہودی لابی نے ان کے خلاف کردار کشی کی مہم شروع کر دی اور ان کو ایک جاسوس، اور انتہائی عیار و مکار شخصیت کر روپ میں پیش کیا گیا اور یہ پروپیگنڈا کیا گیا کہ پاکستان کے ایٹمی پروگرام کا منصوبہ درحقیقت ہالینڈ کا پلان ہے اور ڈاکٹر صاحب ہالینڈ کے شہر المیلو کی لیبارٹری سے فارمولہ چرایا ہے اور نہ صرف یہ کیا گیا بلکہ ڈاکٹر صاحب پر ان کی غیر موجودگی میں مقدمہ چلا کر عدالت کی یہودی خاتون جج نے ان کو ایٹمی فارمولے چرانے کے الزام میں چار سال کی قید کی سزا سنا دی گئی۔ اور اس سلسلے میں انصاف کے تقاضوں کو پورا نہیں کیا گیا۔ نہ تو ڈاکٹر صاحب کو اس مقدمے کی کاروائی کی اطلاع نہیں دی گئی،جب ڈاکٹر صاحب اس کی اطلاع ملی تو آپ نے حکومت پاکستان سے اس مقدمے کے خلاف اپیل کرنے اور اپنا دفاع کرنے کا کہا تو بیوروکریسی نے روایتی سستی اور لاپروائی کو مظاہرہ کیا اور ان سے کہا گیا کہ آپ یہ مقدمہ تو ہالینڈ میں قائم کیا گیا ہے

اور آپ تو اب ہالنیڈ میں جا کر نہیں رہیں گے اس لیے اس کو بھول جائیں اس وقت ڈاکٹر صاحب نے یہ تاریخی جملہ کہا تھا کہ میں بنیادی طور پر تاریخ کا طالبعلم ہوں،تاریخ میرا یہ کام تو بھول جائے گی مگر مجھے ایک مجرم کے طور پر یاد رکھا جائے گا اور میری اولاد اور نسلوں کو کہا جائے گا کہ ان کا باپ ایک چور تھا۔ اس لیے آپ لازمی اس کے خلاف اپیل کریں (وقت نے ثابت کیا کہ ڈاکٹر صاحب کا یہ فیصلہ بالکل

درست تھا اور اگر ڈاکٹر صاحب اس وقت خاموش ہو کر بیٹھ جاتے تو آج یہی بات ان کے خلاف ثبوت بن جاتی)

ڈاکٹر صاحب کی اس بات کے بعد حکومت نے ان کی سزا کے خلاف اور ان کے مقدمے کے خلاف اپیل دائر کی اور بالآخر ڈاکٹر صاحب کو بے گناہ ثابت کیا۔جب ڈاکٹر صاحب کو باعزت بری کیا گیا تو اس وقت اسرائیل نے یہ دھمکی دی تھی کہ ہالینڈ کی عدالت نے تو ڈاکٹر عبدالقدیر کو بری کر دیا ہے مگر ہماری عدالت نے ان کو بری نہیں کیا ہے۔ اسوقت سے اسرائیل نے پاکستان کے ایٹمی پراگرام اور ڈاکٹر عبدالقدیر خان کا تعاقب جاری رکھا ہوا ہے۔

کہوٹہ پلانٹ کی تعمیر کے دوران اس کی حفاظت کا گیر معمولی انتظام کیا گیا تھا۔امریکی سی آئی اے اور دیگر ایجنسیاں اس حوالے سے سن گن لینے کی کوشش کرتی تھیں امریکہ سفارت خانہ اسلام آباد کے ملازم مسٹر فوکیو جو کہ سی آئی اے کے

ملازم تھے اور انہوں نے ایک دفعہ کہوٹہ پلانٹ کی تصاویر بھی لینے کی کوشش کی تھی اس نے سی آئی اے کو رپورٹ دیتے ہوئے کہا تھا کہ "کچھ عرصے سے نئی عمارات کی تعمیر کہوٹہ کے مقام پر شروع ہوئی ہیں اور کی تعمیر کی رفتار پاکستانی روایات سے مختلف تھی"

کہوٹہ کے مقام پر ایک دفعہ ایک فرانسیسی سفارت کار کو پیٹا بھی گیا جو کہ اس کو اپنی بے عزتی سمجھتے ہوئے پاکستان سے نکل گیا۔اس کے بعد کسی غیر ملکی کو کہوٹہ کے قریب قدم رکھنے کی جرات نہ ہوئی۔

اگرچہ ذالفقار علی بھٹو اور ان کی ٹیم پاکستان کے ایٹمی پراگرام سے مخلص تھی مگر بیورکریسی ان کے ساتھ مخلص نہ تھی اور بھٹو صاحب کے بعد جبزل ضیاء الحق کے دور میں ایک واقعہ ہوا کہ ایک پاکستانی نوجوان کو جو ایک امریکی یونیورسٹی میں اسکالر تھا اس کو کہوٹہ کے پاس سے گرفتار کیا گیا کیوں کہ وہ وہاں تصایر لینے کی کوشش کر رہا تھا۔اس کے گرفتاری پر معلوم ہوا کہ اس کے امریکی پرافیسر نے اسے کہوٹہ کی تصاویر لانے کی ہدایت کی تھی۔آرمی کے افسران نے اسے سرزنش کے بعد چھوڑ دیا اور اس کو مشورہ دیا کہ وہ اسلام آباد کے گرد و نواح کی تصاویر اتار لے جائے اور کہے کہ یہی کہوٹہ کی تصاویر ہیں۔

امریکی سی آئی اے نے اس کے بعد بھی اپنی کوششیں جاری رکھیں اور ایک دفعہ ایک امریکی سیاح کو کہوٹہ کی اسٹل اور مووی تصاویر لے گیا ہے۔سکیورٹی اہلکاروں نے

اسے گرفتار کرنے کی کوشش کی مگر وہ ان کو جل دیکر نکل گیا،اہلکاروں نے ہمت نہیں ہاری اور اسکی کار کا نمبر حاصل کرکے تمام جگہ اطلاع دیدی اور تھوڑی دیر کے بعد وہ گاڑی اٹک پل کراس کرتی ہوئی پشاور کی طرف جاتی ہوئی پائی گئی۔اس گاڑی میں دو امریکن سوار تھے۔ قصہ مختصر کہ انٹیلی جنس نے ان کی غیر موجودگی میں ان کے سامان سے آتھ ایم ایم کے دو ویڈیو اسپول اور کیمرے کی آٹھ ریلیں برآمد کرلیں۔انٹیلی جنس اپنے مقصد کی کامیابی پر نازاں تھی کہ جنرل ضیاء لاحق کے حکم پر وہ تمام سامان ان کو جوں کا توں واپس کردیا گیا۔اور اس سے امریکی اثر رسوخ کا ندازہ کیا جاسکتا ہے۔

ان تصاویر کے امریکہ کے ہاتھ لگنے کے بعد امریکہ اور مغرب نے پاکستان کے خلاف اپنی مہم تیز کردی اور اس کے بعد ہی ڈاکٹر صاحب پر مقدمہ قائم کیا گیا، مغربی ممالک نے پاکستان پر برآمدات کے قوانین سخت کردئے اور پوری دنیا میں پاکستان کے ایٹمی پروگرام کو ہوا بنا کر پیش کیا گیا۔

اسی پر بس نہیں کیا گیا بلکہ امریکہ کی سازشیں جاری رہیں اور نواز شریف کے پہلے دور حکومت میں ڈاکٹر صاحب کو ذہنی اذیت دینے کے لیے ان کی رہائش گا کا تنازعہ کھڑا کیا گیا۔ جو کہ آپریشن بنی گالہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور اس میں حکومت نے ان کی رہاش گاہ کو غیر قانونی اور ناجائز تجاوزات قرار دے کر

مسمار کرنے کی کوشش کی اور اس کا مقصد صرف داکٹر صاحب کو پاکستان کی خدمت کی سزا دینا تھا۔اگرچہ عدالت نے حکومت کا موقف رد کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب کی رہائش گاہ کو قانونی قرار دیا اور حکومت کو سرزنش کی مگر بہرحال ڈاکٹر صاحب اس عرصے میں زہنی اذیت کا شکار رہے۔

اسی طرح بے نظیر صاحبہ کے دور میں کہوٹہ ریسرچ لیبارٹریز میں امریکہ نے کیمرہ نصب کرنے کی کوشش کی اور بے نظیر صاحبہ نے ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ اگر امریکہ ایک کیمرہ لگالے گا تو اس سے کیا حرج ہو جائے گا، ڈاکٹر صاحب فوراً معاملے کی تہہ تک پہنچ گیے اور انہوں نے کہا کہ بات ایک کیمرہ کی نہیں بلکہ ملکی سلامتی کی ہے، بے نظیر صاحبہ نے کہا کہ آپ اس سے مطمئین رہیں ملکی سلامتی کا کام ہم بہت بہت جانتے ہیں۔اس پر ڈاکٹر صاحب نے جواب دیا کہ ٹھیک ہے اگر آپ کا یہی فیصلہ ہے تو میرے ہوتے ہوئے یہ نہیں ہوسکتا میں استعفیٰ دیدیتا ہوں پھر آپ جو چاہے کریں۔ڈاکٹر صاحب کے واضح جواب کے بعد بے نظیر صاحبہ نے بوجوہ یہ کیمرہ نصب نہیں کیا۔

اگرچہ سازشیں جاری رہیں اور ڈاکٹر صاحب کا مشن بھی جاری رہا مگر سابق صدر جنرل مشرف کے دور مین بالآخر اسرائیل اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا اور ڈاکٹر صاحب کو پاکستان کی خاطر نہ کردہ جرم قبول کرکے قید کی تکلیف اٹھانی پڑی۔اگرچہ ڈاکٹر

صاحب چاہتے ہو اس معاملے میں بھی اسٹینڈ لے سکتے تھے مگر صرف وطن کی محبت میں پاکستان کے ایٹمی پروگرام کو بچانے کے لیے ایٹمی سازو سامان کی اسمگلنگ کا الزام قبول کیا۔بقوم شاعر مٹی کی محبت میں ہم آشفتہ سروں نے۔ وہ قرض بھی اتارے ہیں جو واجب بھی نہ تھے۔سازشیں آج بھی جاری ہیں ہماری اللہ سے یہی دعا ہے کہ وہ پاکستان،پاکستان کے ایٹمی پروگرام ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو اپنی حفظ و امان میں رکھے ۔آمین

بھارت میں بھی طالبان؟

بھارت کا صوبہ کرناٹک گزشتہ چند دنوں سے خبروں کی زد میں ہے۔اور اس کی وجہ وہاں پر ہونے والے غیر معمولی واقعات ہیں۔غیر معمولی اس لحاظ سے کہ وہاں کی انتہا پسند تنظیموں نے اب خود ہندوں پر بھی حملے شروع کردئے ہیں۔اس حوالے سے پہلا واقعہ چوبیس جنوری کو پیش آیا جب رام سینا نامی تنظیم نے ایک پب میں حملہ کرکے وہاں موجود لڑکیوں پر تشدد کیا۔اور اور ان کو بدترین طریقے سے ذدوکوب کیا۔ان لڑکیوں کو زمین پر لٹا لٹا کر لاتیں اور گھونسے مارے گئے۔اس سلسلے میں مزید واقعات کی اطلاعات بھی ملی ہیں، جس میں ہندو انتہا پسندوں نے ایک لڑکی کو اس لیے تشدد کا نشانہ بنایا کہ وہ ایک مسلمان لڑکے کے ساتھ گھوم رہی تھی۔اسی طرح لڑکے اور لڑکیوں کے جوڑوں کو سرِعام محبت والفت کے اظہار، اور بوس وکنار سے بھی منع کیا ہے اور ان کا ارادہ ویلنٹائن ڈے منانے والوں پر تشدد کرنے کا بھی ہے اور اس تنظیم نے ویلنٹائن ڈے منانے والوں کو وارننگ دی ہیں۔اور وہ چودہ فروری ہفتے کو احتجاج بھی کریں گے۔

سری رام سینا ایک غیر معروف انتہا پسند تنظیم ہے جس کے سر.براہ پر مود موداٹالک ہیں اور اس کا کہنا ہے کہ عورتوں کا بازاروں میں ڈانس بار میں اور شراب خانوں میں جانا قبول نہیں کیا جاسکتا۔ سری رام سینا کائی پہلی تنظیم نہیں ہے جس نے انتہا

پسندی کا ثبوت دیا ہو بلکہ آر ایس ایس (راشٹریہ سیوک سنگھ) وی جے پی (ویشوا ہندو پریشد) اور دیگر کئی گروپ بھی کام کر رہے ہیں۔ایسا نہیں ہے کہ یہ گروپ پہلی بار ایسا کوئی کام کر رہے ہیں بلکہ بات دراصل یہ ہے کہ پہلے یہ گروپ دیگر اقوام مثلاً مسلم، عیسائی، سکھ، اور نچلی ذات کے ہندوؤں پر انتہا پسندانہ اور پر تشدد کاروائیاں کرتے تھے اس لیے برہمن سوچ کے حامل متعصب ہندو میڈیا ان باتوں کو اتنی اہمیت نہیں دیتا تھا لیکن دراصل اب یہ آگ خود ان کے گھر تک پہنچ گئی ہے اس لیے اس بات کا واویلہ کی جا رہا ہے، میں یہ بات پورے یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر یہ پر تشدد کاروائیاں کسی مسلم علاقے میں ہوتیں یا مسلم خواتین کو تشدد کا نشانہ بنایا جاتا تو سو فیصد یہ متعصب میڈیا اس بات کو آن لائن نہیں آنے دیتا۔ بالکل اسی طرح جس طرح گجرات میں سابر متی ایکسپریس کے واقعے کو بنیاد بنا کر سینکڑوں مسلم خواتین کی آبرو ریزی کی گئی، ہزاروں مسلم خاندانوں کو بے گھر کیا گیا،اور ہزاروں مسلمانوں کو تہہ تیغ کیا گیا، عام لوگوں نے تو شائد ان باتوں کا صرف ذکر سنا ہوگا لیکن راقم الحروف نے خود ان ویڈیوز کو دیکھا تھا جس میں یہ انتہا پسند ہندو اپنی شیطانی فطرت کا مظاہرہ کر رہے تھے اور احمد آباد کی سڑکوں پر رقصِ ابلیس جاری تھا۔

انیس سو بانوے میں بابری مسجد کی شہادت کے موقع پر بھی سینکڑوں مسلمانوں کو شہید کیا گیا اور بھارتی متعصب میڈیا نے اس کی خبریں باہر نہیں آنے دیں تھی۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ اس وقت بھی میڈیا افغانستان، اور پاکستانی طالبان کا راگ الاپ رہا ہے مگر خود اپنے گھر میں لگی آگ کی اسے کوئی فکر نہیں ہے۔ یہاں ایک بات کا ذکر کر دیں کہ بھارت جو کہ خطے میں چوہدری کا کردار ادا کرنا چاہتا اور سری لنکا، بنگلہ دیش، پاکستان، اور نیپال میں اپنی ٹانگ اڑاتا رہتا ہے مگر خود اس کے اپنے ملک میں علیحدگی کی دو درجن سے زائد تحریکیں چل رہیں ہیں۔ کاش کہ بھارت اس کی بھی دھیان دے

نوید قمر صاحب کی خدمت میں

نوید قمر صاحب حقائق پیش خدمت ہیں

یکم فروری ۲۰۰۸ سے ہماری ویب پر نوید قمر صاحب کے خیالات آرٹیکل کی صورت میں ظاہر ہونا شروع ہوئے، ہم نہیں جانتے کہ یہ نوید قمر صاحب کون ہیں؟ لیکن ان کی تحریروں سے ایک بات عیاں ہوتی ہے کہ جناب کا موقف انتہا پسندانہ، یکطرفہ، اور دلائل کے بغیر صرف تعصب پر مبنی ہےاور انہوں نے کسی بھی موضوع پر قلم اٹھانے سے پہلے اس موضوع پر متعلقہ مواد کا بھی مطالعہ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی ہے کیوں کہ ان کے کسی بھی مضمون میں کسی بات کی کوئی دلیل نہیں دی گئ ہے بلکہ صرف اسلام اور پاکستان مخالف دانشوروں کی تقاریر،اور مضامین سے متاثر ہو کر انہوں نے یہ مضامین لکھے ہیں۔ ہم کوشش کریں گے کہ ان کے مضامین کا تجزیہ کرکے اصل حقائق ناظرین اور قارئین تک پہنچائیں۔ کیوں کہ یہ ہمارا فرض بنتا ہے کہ ہم اس عالمی فورم پر اسلام اور پاکستان کا دفاع کریں اور میں یہ کام فرض کفایہ سمجھ کر کررہا ہوں۔ میری اس تحریر کو پڑھنے والے قارئین اگر میری تحریر سے اتفاق کرتے ہیں تو میری حوصلہ افزائی کریں اور اگر میری باتیں حقائق کے برخلاف ہیں تو اس کی بھی نشاندہی دلیل کے ساتھ کریں تاکہ میں اپنی اصلاح کرسکوں۔اس کے ساتھ

میری جناب نوید صاحب سے بھی گزارش ہے کہ اگر ان کو میرا لہجہ سخت لگے تو اس کے لیے میں یہی کہوں کہ بقول شاعر: میں چاہتا تھا کہ وفا کا عہد تجھ سے کروں میری انا نے لیکن ارادہ بدل دیا ہے میرا- میرے مزاج کا اس میں کوئی قصور نہیں تیرے سلوک نے لہجہ بدل دیا ہے میرا

جناب نوید قمر صاحب نے اپنا پہلا آرٹیکل جنوبی ایشیا اور مذہبی جنون کے نام سے لکھا تھا اور اس میں اگرچہ انہوں نے کوئی واضح بات نہیں کی لیکن ڈھکے چھپے الفاظ میں آج کے ہاٹ ایشو دہشتگردی اور مذہبی جنونیت کو موضوع گفتگو بنایا یہاں ہم انہی کے الفاظ نقل کریں گے۔انہوں نے لکھا ہے کہ "کیونکہ بھارت میں تمام مذاہب کے ماننے والے پائے جاتے ہیں لہٰذا وہاں کے حکمرانوں پر سب سے زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ایسے شرپسند عناصر کا قلع قمع کرے۔تاکہ نہ صرف اپنی عوام کو دہشت گردی اور مذہبی جنونیوں سے بچاسکے بلکہ خطے میں واقع دیگر ممالک کے لیے بھی ایک اچھی مثال قائم کی جاسکے، جس پر عمل پیرا ہو کر ہمسایہ ملک بھی ایک معتدل اور روشن خیال معشرہ تشکیل دے سکیں۔" یہاں انہوں نے ایک طرح سے بھارت کی ظالمانہ اور مسلم دشمن پالیسی کی حمایت کی ہے کہ بھارت شرپسند عناصر کا قلع قمع کرے۔اگر موصوف تعصب پرستی کی عینک اتار کر دیکھتے تو ان کو یہ کہنے کی ضرورت ہی نہیں تھی کیوں کہ کون نہیں جانتا کہ بھارت خود ایک دہشت گرد اور مذہبی جنونی ریاست ہے جہاں صرف ہندوؤں کو آزادی حاصل ہے۔اگرچہ نام سیکولرازم کا لیا

جاتا ہے لیکن حقیقت یہی ہے کہ بھارت ایک ہندو ریاست ہے، یہاں ایک بات قابل غور ہے کہ ۲۴ جنوری کو انتہا پسند ہندوؤں نے بھارتی صوبے کرناٹک میں ایک پب میں موجود لڑکیوں کو وحشیانہ طریقے سے زدوکوب کیا اور ان کو زمین پر لٹا لٹا کر تشدد کیا اور انکو کہا کہ آئندہ وہ ڈانس بار میں نظر نہ آئیں۔ یہ واقعہ ۲۴ جنوری کا ہے اور موصوف کا آرٹیکل یکم فروری کو لکھا گیا ہے اس لیے یہ ممکن نہیں کہ ان کے علم میں یہ واقعہ نہ ہو لیکن انہوں نے انتہائی غیر ذمہ داری اور تعصب کا ثبوت دیتے ہوئے اس واقعہ کا کوئی ذکر نہیں کیا جبکہ اپنے کئی آرٹیکلز میں انہوں اسلام پسندوں، جہاد اور جہادی لیڈروں کا نام لیکر ان کو لتاڑا ہے۔ لیکن ہندو انتہا پسندی کا نام لیتے ہوئے ان کی زبان گنگ ہوئی اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا مقصد انتہا پسندی کو موضوع بنانا نہیں ہے بلکہ صرف اسلام اور جہاد کو نشانہ بنانا ہے۔

دو فروری کو موصوف نے دوغلی پالیسی۔۔۔ حل کیا ہے؟ کہ عنوان سے آرٹیکل لکھا اور افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ یہاں بھی انہوں نے نا انصافی بلکہ بد دیانتی کا ثبوت دیا ہے اور دوغلی پالیسی کے متعلق ان کا سوچ صرف پاکستان تک ہی محدود رہی (یہ عجیب بات ہے کے ان تمام مضامین پاکستان کے خلاف ہی لکھے گئے ہیں) اور ان کی نظر بھارت، اسرائیل، اور امریکہ کی دوغلی اور مسلم دشمن پالیسیوں پر نہیں گئی۔ البتہ ان کو پاکستانی حکومت کی مبینہ دوغلی پالیسیوں کا درد محسوس ہوا اور

انہوں نے اس پر ایک مضمون لکھ مارا۔

پہلی بات جو انہوں نے لکھی کہ "پاکستانی میڈیا کی طرف سے بروقت اور برحق تجزیوں اور تبصروں کی بدولت یہ جنگ ٹل گئی۔" یہ بات حقائق کے بالکل برعکس ہے کیوں کہ نہ صرف پاکستانی میڈیا بلکہ عالمی میڈیا نے بھی اس معاملے کی جانچ کی تو پاکستان کو بے قصور پایا لیکن بھارتی حکومت کوئی بات سننے کو تیار نہ تھی بالآخر پاکستان نے اس معاملے پر واضح بیان دیا کے ہم کسی بھی جارحیت کا جواب دہیں گے اور اس کے بعد پاکستان نے اپنی مغربی سرحدوں سے افواج کی منتقلی شروع کی تو ہندو بنیے کے غبارے سے ہوا نکل گئی اور جنگ کا خطرہ ٹل گیا۔اس لیے موصوف کا یہ کہنا کہ میڈیا کی کی وجہ سے یہ جنگ ٹل گئی سراسر بے بنیاد بات ہے۔جہاں تک اجمل قصاب کے اس معاملے میں ملوث ہونے کا اور اس کی پاکستانی شہریت کا معاملہ ہے تو جناب اس حوالے سے یہ بھی بات سامنے آئی ہے کہ اجمل قصاب کو نیپال سے اغواء کیا گیا تھا اگر چہ اس پر مزید کوئی بات نہیں کی گئی لیکن اس بات کے سامنے آنے سے بہر حال یہ معاملہ کچھ مشکوک ہو گیا ہے۔

جہاں تک لشکر طیبہ اور حافظ سعید صاحب کا انڈین پارلیمنٹ پر حملہ کا معاملے ہے تو اول تو یہ معاملہ شروع ہی سے مشکوک تھا اور بھارت نے اس حوالے سے کوئی ثبوت مہیا نہیں کیے تھے بلکہ عالمی میڈیا کی غیر جانبدارانہ رپورٹنگ نے اس کو انڈیا

کا ڈرامہ اور پاکستان کے خلاف سازش قرار دیا تھا۔ شائد نوید قمر صاحب کی نظر سے یہ خبریں بھی نہیں گزری ہیں اس کے علاوہ یہ بات بھی موصوف کی نظر میں کوئی اہمیت نہیں رکھتی کہ سابر متی ایکسپریس کو انتہا پسند ہندوؤں اور متعصب بھارتی انتظامیہ نے مسلمانوں کے خلاف سازش کرنے کے لیے خود آگ لگائی تھی اور اس کے بعد ہزاروں مسلمانوں کو تہہ تیغ کر دیا گیا تھا اور شائد یہ بات بھی ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتی کہ ممبئی حملوں سے پہلے یہ بات سامنے آ گئی تھی کہ مالیگاؤں بم دھماکوں میں مسلمانوں کے بجائے انتہا پسند ہندوؤں اور انکے آلہ کار فوجی افسران ملوث تھے بھارتی کرنل ہیمنت کرکرے نے اس سلسلے میں متعدد فوجی افسران کو گرفتار بھی کیا تھا اور یہ بات قابل غور ہے کہ مسلم دہشت گردوں نے سب سے پہلے اپنے ہمدرد ہیمنت کرکرے کو ہی نشانہ بنایا تھا۔ شائد نوید صاحب نے ان تمام حقائق کو درخورد اعتناء نہیں سمجھا۔

آگے آپ نے حافظ سعید، مولانا مسعود اظہر، اور حزب المجادین کے سپر یم کمانڈر سید صلاح الدین صاحب کو دہشت گرد قرار دینے کا معاملہ اٹھایا ہے تو آج کل تو ہر اسلام پسند کو دہشت گرد کہا جاتا ہے اور بالخصوص جہاد کو ہشت گردی ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اس لیے عالمی سامراجی طاقتیں اور ان کے مقامی پٹھو یہ بات جانتے ہیں کہ صرف جہادی عنصر اور جذبہ جہاد ہی ان کی طاقت اور حاکمیت کے خلاف اٹھ سکتے ہیں اس لیے کہ مغرب نے افغانستان میں روس کی شکست کے بعد یہ محسوس

کرلیا تھا کہ اگر ان کو کنٹرول نہ کیا گیا تو کل یہ لوگ ہماری نا انصافی، ظلم اور استحصال کے خلاف اٹھ کھڑے ہونگے اس لیے ایک منصوبہ بندی کے تحت جہاد کو دہشت گردی کہا جاتا ہے اور مقامی گماشتے ان کی ہاں میں ہاں ملا کر نمک حلالی کا ثبوت دیتے ہیں۔ایک بات ہمیں سمجھ نہیں آتی کہ جہادی لیڈرز کو افغانستان اور کشمیر میں دہشت گردی کا ذمہ دار گردانا جاتا ہے لیکن کسی نے کشمیری عوام سے بھی پوچھا ہے کہ دہشت گرد کون ہے؟ یہ بالکل ایسا ہی ہے کہ جیسے پردے کے بارے میں مغربی تہذیب کے دلدادہ لوگ اس کو عورت پر ظلم اور آزادی پر حملہ تصور کرتے ہیں لیکن کبھی کسی نے کسی پردہ دار خاتون سے یہ جاننے کی کوشش نہیں کہ کیا وہ بھی واقعی پردہ کو ظلم اور آزادی میں رکاوٹ سمجھتی ہے؟ اگر بھارت اور عالمی طاقتیں یہ سمجھتی ہیں کہ کشمیری عوام نے ان کو جہادی لیڈرز کو مسترد کردیا ہے تو آج تک بھارت اور اقوام متحدہ کشمیری عوام کو حق خودارادیت کیوں نہیں دیتا؟ یہ بات بجائے خود بھارت اور اس کے حامیوں کو خلاف اور جہادی لیڈرز کے حق میں ایک دلیل ہے۔۔کیا نوید صاحب اس بات سے انکار کریں گے؟

جہاں تک دوغلی پالیسی کا تعلق ہے تو شاید نوید صاحب کو اسرائیل کی دہشت گردی، بھارت کا ظلم، امریکہ کا عراق اور افغانستان پر بلاجواز حملہ نظر نہیں آیا، یہاں یہ بات واضح رہے کہ آج آٹھ سال سے زیادہ عرصہ گزرنے کے باوجود امریکہ نائن الیون کا تعلق اسامہ بن لادن یا القاعدہ سے ثابت نہیں کرسکا ہے اور نہ ہی عراق

میں بلا جواز قبضہ کا کوئی ثبوت دے سکا ہے اور یہ بھی واضح رہے کہ سابق امریکی صدر نے باقاعدہ طور پر عراق پر حملہ کو غلط اطلاعات کا نتیجہ قرار دیا ہے (شائد یہ بات بھی نوید صاحب کو ابھی تک معلوم نہیں ہے یا پھر انہوں نے یہاں بھی بددیانتی کا ثبوت دیا ہے) اور اس واضح اقرار کے بعد تو امریکہ کو عراق پر قبضہ کا کوئی جواز نہیں رہ جاتا ہے لیکن امریکہ نے حسب معمول دوغلی پالیسی کا مظاہرہ کرتے ہوئے عراق سے ابھی تک اپنی فوجیں واپس نہیں بلائی ہیں۔ محترم ذرا یہ بتانا پسند کریں گے کہ عالمی امن کو خطرہ جہاد سے ہے یا امریکہ ، بھارت اور اسرائیل کی دوغلی پالیسیوں سے ؟ القاعدہ اگر اس کا کوئی وجود ہے تو اس نے امریکہ یا برطانیہ جا کر کوئی حرکت نہیں کی تھی بلکہ یہ امریکہ ہے جو افغانستان اور عراق میں قبضہ کرکے بیٹھ گیا ہے، یہ بھارت ہے جو کشمیر پر ناحق اپنا حق جتاتا ہے،اور یہ اسرائیل ہے جو فلسطین کی سرزمین پو ناجائز قبضہ جما کر بیٹھ گیا ہے دوغلی پالیسی پاکستان یا اسلام پسندوں کی بلکہ ان تمام عالمی دہشت گرد مما لک کی ہے۔

جاری ہے

نوید قمر صاحب کی خدمت میں حصہ - 2

گزشتہ سے پیوستہ :

آگے نوید صاحب نے لکھا ہے کہ " پاک بھارت تعلقات بھی اس وقت تک معمول پر نہیں لائے جا سکتے جب تک کہ پاکستانی حکومت درج بالا لوگوں کے خلاف واضح اور سخت کاروائی نہیں کرتی۔ دونوں ممالک کے درمیان دوبارہ اعتماد کی فضا قائم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ لشکر طیبہ، مشترکہ جہاد کونسل اور نام نہاد جہادی حضرت مولانا مسعود اظہر کے خلاف پاکستانی اعلیٰ عدلیہ میں مقدمات قائم کیے جائیں کیونکہ صرف پابندی لگانے سے ہم دنیا اور بھارت کو مطمئین نہیں کر سکتے۔" یہاں بھی کالم نگار نے اپنی کم علمی کا ثبوت دیا ہے کیوں کہ مولانا مسعود اظہر، حافظ سعید اور سید صلاح الدین جیسے کردار ہماری تاریخ میں زیادہ سے زیادہ اٹھارہ سال پہلے داخل ہوئے ہیں۔ جبکہ بھارت کی پاکستان دشمنی ساٹھ سال سے زیادہ عرصے پر محیط ہے، یہاں ہم مختصراً ذکر کریں گے 1965 میں بھارت نے بلا جواز پاکستان پر حملہ کر دیا تھا اسوقت نہ تو یہ جہادی گروپ تھے، نہ سید صلاح الدین تھے، نہ ہی حافظ سعید تھے اور نہ کشمیر میں مسلح جدو جہد کا آغاز ہوا تھا مگر اس کے باوجود بھارت نے پاکستان پر حملہ کر دیا تھا، اسی طرح ایوب خان کے دور میں بھارت نے پاکستان کا

پانی بند کر دیا تھا اور پھر ایک معاہدے کے تحت پاکستان کو اپنے پانچ دریاؤں میں سے دو دریاؤں سے دستبردار ہونا پڑا۔ 1971 میں سازش کے تحت مشرقی پاکستان کو ہم سے جدا کر دیا گیا اس میں کوئی شک نہیں کہ اس میں ہماری اپنی غلطیاں بھی تھیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ بھارت اس معاملے میں پوری طرح ملوث تھا۔ اور پاکستان کے دولخت ہونے پر اندرا گاندھی یہ مشہور جملہ کہا تھا کہ آج ہم نے دو قومی نظریہ کو خلیج بنگال میں غرق کر دیا" اس کے علاوہ 1974 میں بھارت نے ایٹمی دھماکہ کر کے خطے میں طاقت کا توازن بگاڑ دیا تھا۔ یہ سب باتیں بتانے کا مقصد صرف یہ ہے کہ بھارت کی پاکستان دشمنی اظہر من الشمس ہے اس لیے جناب نوید صاحب کا یہ کہنا غلط ہے کہ پاک بھارت تعلقات بہتر بنانے کے لیے جہادی لیڈرز کو کڑی سزا دینی چاہیے۔ چاہے ہم کچھ بھی کر لیں بھارت ہم سے خوش نہیں ہوگا تو پھر کیوں نہ بھارت سے تعلقات کی نوعیت اس شعر کے مطابق کر لی جائے کہ ع وہ اپنی خو نہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں بدلیں۔

سبک سر ہو کر کیوں پوچھیں ہم سے سر گرداں ہو کس لیے؟

پانچ فروری کو جب پوری قوم اہل کشمیر کے ساتھ یکجہتی کر رہی تھی تو اسوقت نوید صاحب نے ایک متنازعہ آرٹیکل لکھ کر اس دن کی اہمیت کو کم کرنے کی کوشش کی ہے۔ آیئے ذرا ان کے اس مضمون کا بھی جائزہ لیتے ہیں۔ نوید صاحب نے لکھا ہے کہ " ریاست بہاول پور، سوات گلگت کی شمولیت کا فیصلہ وہاں کے نوابوں نے کیا اسی طرح بلوچستان کا فیصلہ کوئٹہ میونسپل کمیٹی میں سرداروں کی متفقہ رائے سے پاکستان کے ساتھ الحاق کی صورت میں سامنے آیا۔ جہاں تک ریاست کشمیر کا مسئلہ تھا تو

وہاں کے راجہ نے پیسے لے کر یا ہندو ہونے کی وجہ سے یا کسی سازش کا حصہ بن کر، بھارت کے ساتھ الحاق کر دیا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر تقسیم کے فارمولے کو مانا جائے تو کشمیر پر ہمارا دعویٰ درست ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ اول تو قائدِ اعظم کی سربراہی میں پاکستان مسلم لیگ جو کہ برصغیر میں مسلمانوں کی نمائندہ جماعت تھی، نے اس فارمولے کو تسلیم کیا تھا۔ دوسرا یہ کہ پاکستان نے کبھی بھی کشمیر کو اپنی ریاست کا سٹیٹس نہیں دیا۔ اور کشمیر کو ایک آزاد ریاست کا درجہ دیا۔ " یہاں کچھ تاریخی حقائق کی بات ہو جائے مشہور محقق جناب سبطِ حسن صاحب نے اپنی کتاب پاکستان ناگزیر تھا میں لکھا ہے کہ تقسیم کے وقت کشمیر کے مہاراجہ نے قائدِ اعظم سے ایک معاہدہ کیا کہ اسوقت معاملات کو جوں کا توں رکھا جائے اور کچھ عرصے کے بعد عوام کی رائے کے مطابق الحاق کر دیا جائے گا قائدِ اعظم نے یہ بات مان لی البتہ مہاراجہ کی نیت میں کھوٹ تھا اور اس نے تقسیم برصغیر کے اصول کہ جن علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہو گی وہ علاقے پاکستان میں شامل کیے جائیں گے اس کے بجائے اس نے بھارت کے ساتھ الحاق کرنے کی کوشش کی، کشمیر عوام نے اس کے خلاف احتجاج کیا اور مہاراجہ کے خلاف بغاوت کر دی مہاراجہ نے مسلمانوں کا مطالبہ ماننے کے بجائے سکھوں کے گروپ بنا کر اچانک کشمیری مسلمانوں کا قتل عام کیا بعض محققین کے مطابق مہاراجہ نے اس دوران ڈیڑھ لاکھ کشمیر مسلمانوں کو شہید کر دیا لٹے پٹے یہ مسلمان ہجرت کر کے صوبہ سرحد کی طرف نکل گئے غیور پٹھان قوم نے جب اپنے مسلمان بھائیوں کی یہ حالت دیکھی تو وہ فوراً اپنے

بھائیوں کی مدد کو آئے اور انھوں موجودہ آزاد کشمیر کو مہاراجہ کے قبضہ سے آزاد کرالیااور قریب تھا کہ وہ سری نگر ائیر پورٹ پر بھی قبضہ کر لیتے اور یہ قصہ ہمیشہ لیے ختم ہو جاتا کہ مہاراجہ نے راتوں رات بھارت سے الحاق کا اعلان کر دیا اور بھارت سے مدد کی اپیل کردی بھارت نے راتوں رات اپنی فوجیں کشمیر میں اتار دیں۔جب اس صورتحال کو دیکھ کر قائدا عظم نے اس وقت پاکستان اور بھارت کی افواج کے مشترکہ چیف جنرل گریسی کو حکم دیا کیا کہ وہ پاکستان کی فوجیں بھی کشمیر میں اتار دے مگر برطانوی شہری جنرل گریسی نے جان بوجھ کر حکم عدولی کی اور بھارت کو کشمیر میں فوجی قبضہ کرنے کا موقع دیا،اہل کشمیر اور پاکستان کے مسلسل احتجاج کے بعد بھارت نے اس مسئلے کو استصواب رائے سے حل کرنے کا وعدہ کیا جو کہ آج تک وفا نہیں ہوا۔اور اس وقت سے بھارت کشمیر پر قابض ہے۔

جہاں تک نوید صاحب کا یہ کہنا ہے کہ پاکستان نے آج تک کشمیر کو آزاد ریاست کے طور پر ٹریٹ کیا ہے اور بھارت نے اپنی ریاست کے طور پر ٹریٹ کیا ہے، تو یہاں ہم یہ عرض کردیں کہ بھارت ایک دہشت گرد اور ہٹ دھرم ملک ہے اس نے اقوام متحدہ کی قرار دادوں کی خلاف ورزی کرکے اہل کشمیر کو ان کا حق دینے کے بجائے کشمیر پر قبضہ کر رکھا ہے جو کہ قانونی۔اخلاقی طور پر غلط ہے لیکن بھارت اپنی ہٹ دھرمی کے باعث اس کو اپنا اٹوٹ انگ قرار دیتا ہے جبکہ پاکستان ایک ذمہ دار اور قانون پسند ملک ہونے کے ناتے سے اقوام متحدہ کی قرار داداں کا احترام کرتا ہے اور پاکستان

نے محض اسلیے کہ یہ معاملہ اقوام متحدہ میں زیر بحث ہے اپنا حق چھوڑا ہوا ہے۔

آگے نوید صاحب نے ایک بالکل بچکانہ بات کی ہے کہ ان کے دوست کے بقول" 1990 میں پاکستانی ایجنسیوں نے جہاد کشمیر کے نام پر پورے پاکستان سے مذہبی جماعتوں کے تعاون سے جہادی قوتوں کو پروان چڑھایا اور کشمیر میں بھارتی کیمپس اور کشمیر کی منتخب اسمبلی کے نمائندوں کو نشانہ بنانا شروع کیا۔ سو بھارتی حکومت کو کشمیر میں فوج کی ضرورت محسوس ہوئی "ذرا غور کیجیئے کہ موصوف کا دعویٰ ہے کہ وہ تاریخ کے طالبعلم ہیں اور ماضی قریب کی تاریخ کے بارے میں ان کی معلومات کا یہ حال ہے کہ ان کو یہی نہیں پتا کہ بھارت نے اپنی فوجیں 1990 میں نہیں بلکہ 1948 میں کشمیر میں اتاری تھیں (جس کا ہم مضمون کے آغاز میں ذکر کر چکے ہیں)1948 سے 1989 تک کشمیریوں کی جدوجہد غیر مسلح اور پر امن تھی مگر جب اس سے مسئلہ حل نہ ہو سکا تو پھر مجبوراً کشمیری نوجوانوں نے جہاد کا آغاز کیا۔اس لیے نوید صاحب کا یہ کہنا کہ پاکستانی جہادی قوتوں کی کاروائیوں کے بعد بھارت نے اپنی فوجیں کشمیر میں اتری ہیں سرار جھوٹ، ہے اور یہ بات تاریخ کے اوپر ایک ظلم ہے۔ میرے اس مضمون کو پڑھنے والا کوئی بھی صاحب علم فرد ان حقائق سے انکار نہیں کر سکتا۔

یہ تو تاریخی حقائق ہیں اب ذرا اس بات کا بھی جائزہ لیا جائے کہ کشمیر اٹوٹ انگ یا شہہ رگ ہے دیکھیں ایک بہت عام سی مثال ہے کہ انسان جس کو اپنا سمجھتا ہے اس سے

محبت بھی کرتا ہے اور اس کا خیال بھی رکھتا ہے۔ جبکہ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ آٹھ اکتوبر 2005 میں کشمیر میں قیامت خیز زلزلے کے بعد بھارتی حکومت اور بھارت عوام نے کشمیری عوام کی امداد اور ہمدردی میں ایک لفظ نہیں کہا صرف دہلی میں ایک سکھ این جی او نے اپنے طور پر تھوڑی بہت امداد کی جس کے لیے ہم ان کے مشکور ہیں البتہ مجموعی طور پر بھارتی حکومت اور عوام کا رویہ اس معاملہ میں ایسا تھا جیسا کہ غیروں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس اہل پاکستان اور پاکستانی حکومت نے اس موقع پر آگے بڑھ کر اپنے بھائیوں کی مدد کی ان کے چندا دیا سامان بھیجا، پوری دنیا سے اس کے لیے اپیل کی گئی اور عوام نے نہ صرف مال و دولت سے اپنے بھائیوں کی مدد کی بلکہ اپنا وقت بھی وہاں لگایا اور اپنا گھر بار، نوکریاں چھوڑ کر اپنے مصیبت زدہ بھایوں کی مدد کی اور آج تک کر رہے ہیں اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ انٹرنیشنل میڈیا کے مطابق زلزلہ کے بعد سب سے پہے مدد کے لیے لشکر طیبہ کے کارکنان آئے۔ اور اس کے بعد سید صلاح الدین کی حزب المجاہدین کے کارکنان نے صورتحال کو سنبھالا، کیا یہ عجیب بات نہیں ہے کہ جن کو دہشت گرد قرار دیا جارہا ہے وہ تو جان جوکھوں میں ڈال کر متاثرین کی مدد کرہے تھے اور اٹوٹ انگ کا نعرہ لگانے والے خاموش تھے؟ جس طرح بھارت نے ممبئ حملوں کے دوران پیتالیس پچاس افراد کی ہلاکت پر پورے میڈیا کو متحرک کردیا اور پوری دنیا کو اس حوالے سے باخبر رکھا لیکن 2005 کے قیامت خیز زلزلہ میں ایک لاکھ سے زائد مسلمانوں ہلاکت پر بھارتی میڈیا حسب معمول اپنے راگ رانگ کے پروگرام پیش کرتا

رہا، اور اس کو انہوں نے ایک روٹین کی خبر سے زیادہ اہمیت نہیں دی۔ اس سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ کشمیر بھارت کا اٹوٹ انگ نہیں بلکہ پاکستان کی شہ رگ ہے اور کشمیر سے ہمارا تعلق نہ صرف قومی اور دینی ہے بلکہ جغرافیائی تعلق بھی ہے اور اس حقیقت کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔

ہم اس بات کی بھی وضاحت کر دیں کہ نوید صاحب نے اپنے مضمون کے آغاز میں یہ بھی کہا کہ " جہاں تک ریاست کشمیر کا مسئلہ تھا تو وہاں کے راجہ نے پیسے لے کر یا ہندو ہونے کی وجہ سے یا کسی سازش کا حصہ بن کر، بھارت کے ساتھ الحاق کر دیا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر تقسیم کے فارمولے کو مانا جائے تو کشمیر پر ہمارا دعویٰ درست ثابت نہیں ہوتا، " تو ہم عرض کر دیں کہ جناب اس فارمولے کے تحت تو بھارت کو حیدر آباد دکن کو آزاد کر دینا چاہیے کیوں کہ وہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے اور ریاست جونا گڑھ جس نے پاکستان کے ساتھ الحاق کا فیصلہ کیا تھا اس کے فیصلے کو ماننے کے بجائے بھارت نے فوج اتار دی اور زبردستی اپنی سرحدوں میں شامل کر دیا تھا اور آج تک اس پر بھارت کا قبضہ ہے۔ شائد یہ بات بھی نوید قمر صاحب کے علم میں نہیں ہے۔ یا وہ جاننا نہیں چاہتے ہیں جاری ہے

بسنت \ جشن بہاراں

بسنت کا تہوار آج کل ایک رسم کی صورت اختیار کرتا جارہا ہے اور اس کو بہت ہی جوش و خروش سے منایا جاتا ہے۔ اگرچہ یہ تہوار پہلے بھی منایا جاتا تھا مگر گزشتہ چند سالوں سے اس کو سرکاری سطح پر منایا جاتا ہے اور اس تہوار میں پتنگ بازی کے دوران دھاتی ڈور، کیمیکل لگی ڈور، اور ہوائی فائرنگ سے درجنوں افراد ہر سال جاں بحق ہو جاتے ہیں۔ اس کے باوجود یہ تہوار پابندی کے ساتھ منایا جاتا ہے۔ اس کی تاریخ اور حقیقت کیا ہے ہم اس کا ایک مختصر جائزہ لیتے ہیں

قدیم ہند کے زرعی معاشرے میں سال بھر کے عرصے کو چھ موسموں میں تقسیم کیا گیا تھا اور لوگوں کا سب سے دلپسند موسم تھا 'وسنت رِتو'۔۔۔ یعنی وہ موسم جب نہ تو اتنی سردی ہو کہ پھول پتوں پر کہرا جم جائے اور نہ اتنی گرمی کہ چیل انڈا چھوڑ دے۔ اس کھلتے ہوئے خوشگوار موسم کا سواگت کرنے کے لئے ماگھ مہینے کی پانچ تاریخ کو ایک جشن کا اہتمام کیا جاتا جو کہ 'بسنت پنچمی' کہلاتا۔

یہ سلسلہ ہندوستان کے بہت سے علاقوں میں اب بھی جاری ہے اور اس موقع پر اب دیگر رسوم ادا کرنے کے علاوہ علم و عرفان کی دیوی سرسوتی کی پوجا بھی کی جاتی ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ آج اس تہوار میں جو پتنگ بازی، ہلہ گلہ اور ڈھول تاشے بجائے جاتے ہیں ابتداء میں ایسا کچھ نہیں ہوتا تھا، بلکہ اس کی شروعات اٹھارویں صدی کے آغاز میں ہوئی تھی اور اس کا ایک بہت ہی اہم پس منظر ہے۔

ذکریا خان گورنر پنجاب کے دور (1709-1759) میں میں سیالکوٹ کے ایک ہندو کھتری لڑکے حقیقت رائے دھرمی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کرکے مسلمانوں کے جذبات مجروح کیے تھے اور مسلمانوں میں اشتعال پھیل گیا۔ اس گستاخی کا اسقدر سخت نوٹس لیا گیا کہ معاملہ عدالت تک جا پہنچا، اس کا کیس لاہور شفٹ کرلیا گیا عدالت نے اسے سزائے موت کا حکم سنایا۔ حقیقت رائے کی برادری نے پوری کوشش کی کہ اس کی سزا معاف ہوجائے مگر ایسا نہ ہوا اور اس بدبخت کو 1734ء میں سکھ نیشنل کالج کے گراؤنڈ واقع گھوڑے شاہ لاہور میں پھانسی دیدی گئی۔ حقیقت رائے کی سسرال سکھ برادی میں تھی اس لیے سکھ برادری کو بھی اس واقعے کا شدید غم تھا اور سکھوں کی خالصہ کمیونٹی نے ہندوں کے ساتھ مل کر ان تمام مسلمانوں کو قتل کر کے لیا جو کہ کسی نہ کسی طرح اس گستاخ کو پھانسی دلانے میں شامل تھے۔ مسلمانوں کو قتل کرنے کے بعد ہر سال حقیقت رائے کی برسی پر ہندوئوں اور سکھوں کی جانب سے اس کی یاد میں میلہ منعقد کیا جانے لگا۔ اور یہ میلہ اس کی سمادھی واقع کوٹ خواجہ سعید لاہور جو کہ آج بھی بابے کی مڑھی کے نام سے مشہور ہے یہاں منایا جانے لگا، اس میں مرد اور عورتیں زرد رنگ کی پگڑیاں اور کپڑے پہن

کر شریک ہوتے تھے اور مسلمانوں سے انتقام کی خوشی میں خوب جشن مناتے اور پتنگیں اڑاتے تھے۔ یہی رویات ڈاکٹر بی ایس مورنے اپنی کتاب Punjab under Mughals میں تحریر کی ہے (بعض روایات کے مطابق جس دن اس کو پھانسی دی جانی تھی اسی دن اس کی برادری نے اس کو خراج تحسین پیش کرنے اور اس کو حوصلہ بڑھانے کے لیے ایک میلہ کا اہتمام کیا اور اس میں مرد و عورتوں نے زرد رنگ کے کپڑے پہنے اور ڈھول تاشوں کے ساتھ پتنگیں بھی اڑائیں، اور اس کے بعد ہر سال یہ میلہ منعقد کیا جانے لگا)۔ اور یہیں سے بسنت اور پتنگ کا آپس میں تعلق قائم ہوگیا۔ اور یہ بات بھی قابل غور ہے کہ یہ سادہ سے تہوار جو کہ صرف دیہاتوں میں منایا جاتا تھا اس کو پوری پلاننگ کے ساتھ پورے پنجاب اور بالخصوص لاہور میں پھیلایا گیا، اور اب اسکی وسعت پورے پاکستان تک ہو گئی ہے۔

جو لوگ اس فضول رسم کو زور و شور سے مناتے ہیں اور اس کی حمایت کرتے ہیں اور اس کو جشن بہاراں کہتے ہیں ان کو یہ بات ضرور سوچنی چاہیے کہ ہم بغیر سوچے سمجھے ایک ایسی رسم ادا کرتے ہیں جو کہ ایک گستاخ رسول صلیٰ اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یاد میں منائی جاتی ہے، کیا اس طرح ہم بھی نعوذ باللہ کہیں اس کے اس جرم میں شریک تو نہیں ہو جاتے؟

یہ تو اس کا ایک تاریخی پس منظر تھا اب اگر ہم اس کے نقصانات پر غور کریں تو

ہولناک حقائق سامنے آتے ہیں۔۔بسنت یا جشن بہاراں کے دوران پورے پنجاب اور بالخصوص لاہور میں بے تحاشہ ہلاکتیں ہوتی ہیں۔ ہم مختصراًایک جائزہ پیش کریں گے جس سے اندازہ ہوجائے گا کہ یہ فضول رسم کس قدر نقصان دہ ہے۔

اخباری رپورٹر کے مطابق سال دوہزا چار میں بسنت کے دوران انیس افراد ہلاک اور دو سو سے زائد افراد زخمی ہوگئے تھے۔سال دوہزار پانچ میں بائیس افراد ہلاک اور پانچ سو سے زائد زخمی، دوہزار چھ میں چھبیس افراد ہلاک اور سینکڑوں زخمی اور ہلاک شدگان میں ایک ڈیڑھ سالہ اور ایک چار سالہ بچہ بھی شامل ہیں جوکہ اپنے والدین کے ساتھ موٹر سائیکل پر جارہے تھے کہ کیمکل والی قاتل ڈور نے ان کا گلا کاٹ کر ان کو ذبح کردیا، سال دوہزار سات میں بائیس افراد ہلاک اور متعدد زخمی ہوگئے،اس میں تین سگی بہنیں بھی شامل ہیں جن کے والدین گھر میں موجود نہیں تھے اور بسنت کے دور دھاتی ڈور کے باعث ٹرانسفارمر ٹرپ ہونے کے بعد علاقے کی بجلی منقطع ہوگئی تھی اور ان بچوں کے والدین گھر میں ایک موم بتی جلتی ہوئی چھوڑ کر کسی کام سے باہر گئے تو اس دوران موم بتی ان بچوں کے بستر پر گر گئی اور اس نے آگ پکڑ لی جس کے باعث یہ تین بچیاں ہلاک ہوئیں،اگرچہ یہ واقعہ براہ راست بسنت سے متعلق نہیں ہے لیکن اگر دیکھا جائے توٹرانسفارمر دھاتی ڈور کی وجہ سے ٹرپ ہوا تھا اس لیے یہ ہلاکتیں بھی بسنت منانے والوں کے ذمہ ہیں۔

مندرجہ بالا ہلاکتیں کیمکل لگی ڈور گلے پر پھرنے، دھاتی ڈور کے باعث کرنٹ لگنے اور پتنگ لوٹنے کے دوران روڈ ایکسیڈنٹ کے باعث ہوئی ہیں۔ سال دوہزار آٹھ میں محترمہ بے نظیر کی ہلاکت اور الیکشن کی باعث یہ خونی تہوار باقاعدہ نہیں منایا جاسکا تھا اس لیے کوئی قابل ذکر ہلاکتیں بھی نہیں رپورٹ ہوئیں۔

پنجاب بھر میں بسنت کے تہوار کے دوران ٹرانسفارمرز ٹرپ ہونے کے باعث بجلی کی آنکھ مچولی جاری رہتی ہے اور اس دوران لاکھوں روپے کے قیمت برقی آلات جل جاتے ہیں اور اس کے باعث عوام کو مزید نقصان اٹھانا پڑتا ہے

سوچنے کی بات ہے کہ ایک ایسا فضول تہوار کہ جس کا پس منظر بھی گھناؤنا ہے اور جس میں چند دنوں میں عوام کروڑوں روپے ہوا میں اڑا دیتے ہیں اور ان سب کے ساتھ ساتھ قیمتی انسانی جانوں کا بھی ضیاع ہوتا ہے تو ایسی لاحاصل رسم کو منانے کا کیا فائدہ ہے۔ اگرچہ لوگ اس کے خلاف احتجاج بھی کرتے ہیں اور وقتاً فوقتاً عدالتیں اس کے خلاف پابندی بھی عائد کرتی ہیں لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ کوئی بھی پابندی اس وقت تک موثر نہیں ہوسکتی جب تک کہ عوام خود اس سے لاتعلقی کا اعلان نہ کردیں۔ اور ان کی خدمت میں یہی عرض کریں گے کہ ،ع مناؤ جشن بہاراں اس عزم کے ساتھ - کسی چراغ کی لو سے کسی کا گھر نہ جلے ہیں

نوید قمر صاحب کی خدمت میں ۔ اختتام

گزشتہ سے پیوستہ

سات، دس اور بارہ فروری کو انھوں نے ایک مسلسل مضمون اسامہ بن لادن یا لارنس آف عریبیہ۔کے نام سے لکھا اور جس کا لب لباب یہ تھا کہ اسامہ بن لادن بھی لارنس آف عریبیہ کی طرح ایک جاسوس ہے جس کو مسلمانوں کے درمیان ایک سازش کے درمیان لایا گیا۔ ان کے مضمون کا تجزیہ کرنے سے پہلے ہم ایک بات کی وضاحت کر دیں کہ آج اکثر لوگ اس بات کو موضوع بناتے ہیں کہ یہ جہادی عنصر پہلے امریکہ کے آشیر باد اور حمایت سے روس کے خلاف لڑے اور آج وہ امریکہ کے خلاف نعرہ لگاتے ہیں اور اس کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں تو یہ کھلا تضاد اور دوغلا پن ہے، ایسے لوگوں کی خدمت میں ہم یہی عرض کریں کہ پہلے افغانستان میں روس نے جارحیت کی تھی اور افغانی مسلمانوں کو مدد کی ضرورت تھی اس لیے پاکستانی بھائیوں نے ان کی مدد کی، اس جنگ میں امریکہ کا بھی مفاد تھا تو اس نے اس جنگ میں پاکستان کے جہادی گروپوں کو پروان چڑھایا، جس طرح اس وقت امریکہ کو ہماری یعنی مسلمانوں کی ضرورت تھی اسی طرح ہمیں بھی امریکہ کی مدد کی ضرورت تھی اس طرح یہ امداد باہمی کا ایک سودا تھا۔اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں نکلتا کہ اب امریکہ کی حمایت کرنا لازم ہو جاتا ہے۔

کل اگر روس غلط تھا تو آج امریکہ غلط ہے، کل جس طرح ہم نے روس کی مخالفت کی اسی طرح آج ہم امریکہ کی مخالفت کر رہے ہیں۔ اگر امریکہ لوگوں اور ملکوں کو استعمال کرنے کے بعد چھوڑ سکتا ہے تو کیا ہم اس بات کے پابند ہیں کہ امریکہ کی غلط پالیسیوں کے باوجود اس کا ساتھ نہیں چھوڑیں۔ خیر یہ تو ایک الگ بات تھی اب ہم اپنے موضوع کی طرف آتے ہیں۔ نوید صاحب نے لکھا ہے کہ اسامہ بن لادن ایک آسمانی عذاب سے کم نہیں ہے تو ان کی خدمت میں یہی عرض کریں گے آسمانی عذاب اسامہ بن لادن نہیں بلکہ آپ کے ممدوح بش جونیئر ہیں جن کی تعریف میں آپ رطب اللسان ہیں۔ امریکہ نے پہلے تو اپنے مقصد کے لیے مسلمانوں کو استعمال کیا۔ روس کی افغانستان میں موجودگی کے وقت امریکہ نے جہاد کو سپورٹ کیا، یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ جہاد پہلے شروع ہوا اور امریکہ نے اس میں بعد میں سرمایہ کاری اور حمایت کرنا شروع کی۔ اور جب افغان جہاد کامیابی سے ہمکنار ہوا تو اس کے بڑے وسیع نتائج نکلے سب سے پہلا اثر تو یہ ہوا کہ مسلمانوں میں جذبہ جہاد کی اہمیت اور عظمت واضح ہوئی۔ دوسرا اس کے فوراً بعد کشمیر میں بھی بیالیس سال کی پر امن جدو جہد کے بعد مسلح جہاد شروع ہوا اور پہلی بار بھارت کو کشمیر میں صحیح طور سے معلوم ہوا کہ مزاحمت کیا ہوتی ہے۔ اور پہلی بار عالمی برادری کے سامنے یہ مسئلہ پوری طرح اجاگر ہوا۔ اس کے ساتھ ساتھ فلسطینی مسلمانوں کو بھی ایک جذبہ ایک حوصلہ ملا اور انکی جدو جہد آزادی میں نئے سرے سے جان پڑ گئی۔ یہ سب کچھ امریکہ کی توقعات کے برخلاف تھا اور امریکی تھنک ٹینک اور یہودی لابی یہ محسوس کرلیا کہ اگر اس

سلسلے کو نہیں روکا گیا تو پھر دنیا میں مسلمان چھا جائیں گے۔ اس لیے اس کے بعد جہاد کو دہشت گردی سمجھا جانے لگا البتہ اس وقت یہ سب کچھ اتنا کھلے عام نہیں ہوتا تھا۔ البتہ اس وقت بھی جہادی گروپس کے خلاف کاروائیاں ہوتی تھیں، رمزی یوسف وغیرہ کی گرفتاری سی سلسلے کی کڑی ہے۔ اس پس منظر میں طالبان ظاہر ہوتے ہیں اور اچانک پورے افغانستان میں چھا جاتے ہیں، ایک طرف تو یہ صورتحال تھی دوسری طرف اسامہ بن لادن نے جہادی گروپس کی پشتیبانی شروع کردی اور یہ بات مغرب اور امریکہ کے لیے ناقابل برداشت تھی اس لیے اسامہ بن لادن کو دہشت گرد ثابت کرنے کی کوشش کی جانے لگی۔ اور اسی لیے اسامہ بن لادن کو جہاد کی سزا یہ دی جانے لگی کہ پہلے ان کو سعودیہ سے بے دخل کرنے کے لیے ان کی سعودی عرب کی شہریت منسوخ کردی گئی، ان کے اثاثے ضبط کیے گئے اور جب اسامہ بن لادن سوڈان میں گئے تو وہاں کی حکومت پر دباؤ ڈال کر وہاں سے بھی ان کو بے دخل کیا گیا اس وقت صرف ایک افغانستان کی حکومت تھی جس نے امریکہ اور مغربی دنیا کو پورا دباؤ برداشت کر کے بھی اسامہ کو بے دخل نہیں کیا۔ اس میں ناکامی کے بعد اسرائیل اور امریکہ نے نائن الیون کا ڈرامہ تیار پلان کیا اور اس میں سوچے سمجھے منصوبے کے تحت اسامہ بن لادن کو ذمہ دار ٹھہرایا گیا، البتہ آج تک اس کا کوئی ثبوت نہیں دیا گیا ہے

بہرحال یہ تمام باتیں ماضی قریب کا حصہ ہیں اور تقریباً ہر فرد اس سے واقف ہے۔ ہم یہاں اپنا ایک نظریہ پیش کریں گے، ہمارا ذاتی خیال یہ ہے کہ اسامہ بن لادن

کو شہید کیا جاچکا ہے اور اس وقت امریکہ نے ان کے نام کو ایک ہوا بنا کر رکھا ہوا ہے تاکہ اپنا کام نکال سکے اور ہمارے اس خیال کی بنیاد تورا بورا پر بمباری ہے کیوں کہ تورا بورا پر بمباری کرکے امریکہ نے ان پہاڑوں کو میدانوں میں تبدیل کردیا تھا اور اس میں سوال ہی نہیں ہیدا ہوتا کہ کوئی جاندار زندہ رہا ہو۔البتہ القاعدہ اور اسامہ کا نام اس وقت امریکہ کے لیے مفید ہے اس لیے اس کا نام استعمال کرکے امریکہ اپنا مطلب پورا کرتا ہے۔اگرچہ ہمارے اس نظریہ کی کوئی باقاعدہ تصدیق نہیں موجود ہے لیکن کچھ دلائل سے یہ بات کافی حدتک قرین قیاس لگتی ہے اول تو وہی بات جو ہم نے کہی تھی کہ تورا بورا پر بمباری دوم جیسا کہ خود نوید صاحب نے کہا ہے کہ جب بھی بش کو کہیں مشکل پیش آئی تو اسامہ صاحب نے اسی وقت مغرب کو مخاطب کرکے مسلمانوں کو پیغام دیا اور بش جونئیر کو مشکل سے نکالا، یہ بات بجائے خود اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے نام سے ڈمی پیغامات پھلائے جارہے ہیں، ذرا سوچئے کہ آج کے ترقی یافتہ امریکہ کے پاس ایسی ٹیکنالوجی موجود ہے کہ وہ موبائل فون کو ٹریس کرلیتا ہے۔ وہ یہ بھی معلوم کرلیتا ہے کہ اگر اس کے پاس کوئی ای میل آئی ہے تو وہ کہاں سے کی گئی ہے، کون سے سسٹم اور کس نام سے وہ آئی ڈی بنائی گئی تھی اور کونسا ڈومین اس کے لیے استعمال کی گیا ہے، اس امریکہ کے خلاف کوئی فرد ویڈیو، یا آڈیو پیغام بھیجتا ہے اور کسی کو پتہ نہیں چلتا کہ یہ پیغام کہاں سے آیا ہے؟ یہ تمام باتیں قابل غور ہیں اور صرف ذرا سی توجہ ہے ہم سارا کھیل سمجھ سکتے ہیں۔ یہ بات بالکل اسی طرح ہے کہ جب چند سال

پہلے انٹرنیٹ پر عراق کی ویڈیوز جاری ہوتی تھیں جن میں مجاہدین کو امریکیوں اور غداروں کو ذبح کرتے ہوئے دکھایا جاتا تھا۔ جب مجھ سے پہلی بار میرے دوست نے اس کا ذکر کیا اور مجھے وہ فائلز ڈاؤن لوڈ کرکے دکھائی تو میں نے ان کو ماننے سے انکار کر دیا اور کہا کہ یہ سب امریکن اور اسرائیلی کر رہے ہیں لیکن اس وقت میرے دوست سمیت کسی کو اس بات کا یقین نہیں آیا تھا مگر کچھ عرصے کے بعد یہ بات باقاعدہ ثابت ہو گئی کہ مجاہدین کو بدنام کرنے کے لیے یہ کاروائیاں خود امریکن فوجی کرتے تھے۔

اور دیکھیں اس بات کو اس طرح بھی ثابت کیا جاسکتا ہے کہ جب تک امریکہ کا عراق میں مفاد تھا تو اس وقت تک عراق کے پاس بقول امریکہ کے مہلک ہتھیار تھے۔اور عالمی امن کو خطرہ تھا لیکن جب چار سال تک امریکہ عراق میں اپنے مقاصد نہیں حاصل کرسکا انہوں نے یہ اعلان کیا عراق پر حملہ دراصل غلط اطلاعات کی بنیاد پر تھا، یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ یہ اعتراف بش جونئیر نے کوئی ضمیر کی پکار پر نہیں کیا ہے بلکہ بارک اوبامہ نے حلف اٹھانے سے بھی پہلے ہی یہ کہہ دیا تھا کہ ہم عراق کے بجائے افغانستان اور پاکستان پر توجہ دیں گے اور اس کے بعد سوچی سمجھی منصوبہ بندی کے تحت بش جونئیر سے اعتراف کرایا گیا اور اب عنقریب عراق سے امریکی فوجوں کو انخلاء شروع ہو جائے گا، اسی طرح جب افغانستان میں ان کا مقصد پورا ہو جائے گا تو اسوقت یہ لوگ اسامہ بن لادن کی شہادت کا اعتراف کرلیں گے یہ

ہمارا نظریہ ہے اور اس سے اختلاف کیا جا سکتا ہے

رہی بات اسامہ بن لادن کے لارنس اور عریبیہ ہونے کی تو اس کے لیے صرف یہی بات کافی ہے کہ مغرب کے تمام ایجنٹوں کا صرف ایک ہی مقصد ہے کہ مسلمانوں کو جہاد سے دور کیا جائے تو اس لیے امریکہ اور مغرب کبھی بھی جہاد کے نام پر کسی قوت کو اب سپورٹ نہیں کریں گے اس لیے یہ بات از خود اسامہ بن لادن کے امریکہ ایجنٹ ہونے کی نفی کرتی ہے۔

آخر میں کچھ باتیں محترم نوید قمر صاحب کے عرض کرونگا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ ہے کہ اپنے بھائی کے بارے میں اچھا گمان رکھو، تو میں اس حدیث کی روشنی میں اپنے بھائی کے میں یہ گمان کرتا ہوں کہ انہوں نے اپنے یہ تمام نظریات اور آرٹیکل پاکستان اور امت مسلمہ کی بھلائی کے لیے لکھے ہونگے۔اور ہو سکتا ہے کہ ان کی یہ تمام کاوش اخلاص پر مبنی ہو لیکن دراصل یہ ایک بین الاقوامی فورم ہے اور یہاں یہاں ہماری ذارا سی لاپروائی پاکستان اور اسلام کے امیج کو بگاڑ سکتی ہے، میں اپنی بات اس کہانی پر ختم کرونگا کہ ایک دفعہ ایک مسافر کو سفر کے دوران ایک جنگل سے گزرنا پڑا وہاں اس کی نظر ایک ریچھ پر پڑی جو کہ بری طرح زخمی تھا اس فرد نے انسانیت کے ناتے اس ریچھ کی مدد کی اس کے زخموں پر مرہم رکھا اور اس کے لیا خوراک مہیا کی، اس مسافر کا یہ حسنِ سلوک

دیکھ کر وہ ریچھ اس کا احسان مند ہوگیا اور اس کے ساتھ ہی ہو لیا چلتے چلتے جب دوپہر ہوگئی تو ایک مناسب جگہ رک کر مسافر نے کھانا کھایا اور قیلولہ کے لیے لیٹ گیا اور اس کی آنکھ لگ گئی، ریچھ اس کے برابر میں بیٹھ گیا ریچھ نے دیکھا کہ اس کے محسن چہرے پر مکھیاں بیٹھ رہی ہیں اور اس کی نیند میں خلل پڑ رہا ہے تو وہ اپنے ہاتھوں سے وہ مکھیاں اڑانے لگا لیکن مکھیاں کہیں اس طرح اڑا کرتی ہیں آخر تنگ آ کر اس ریچھ نے ایک بھاری پتھر اٹھایا اور قریب تھا کہ مکھیوں کو مارنے کے لیے اپنے محسن کے چہرے پر وہ پتھر مار دیتا اور اس کو ہلاک کر ڈالتا کہ اس دوران ایک چور جو اس مسافر کو لوٹنے آیا تھا اس نے تلوار کا وار کرکے اس ریچھ کو ہلاک کر دیا۔ اس موقع پر کہا جاتا ہے کہ نادان دوست سے دانا دشمن اچھا ہوتا ہے۔ تو اس کہانی کے پس منظر میں جناب نوید قمر صاحب اور دوسرے اصحاب اپنا جائزہ لیں کہ کہیں وہ بھی پاکستان اور اسلام کے نادان دوست کا کردار تو ادا نہیں کر رہے ہیں؟

آ بیل مجھے مار

روزنامہ جسارت کے پندرہ فروری کے سنڈے میگزین میں محترم علی خان کا ایک مضمون شائع ہوا تھا۔ اس مضمون کی اہمیت کے پیش نظر ہم یہاں اس کے کچھ اقتباسات قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔

نئے امریکی مداخلت کار رچرڈ ہالبروک کے پہلے دورہ پاکستان سے اتنا تو ہوا کہ حکومت پاکستان نے یہ تسلیم کرلیا کہ ممبئ حملوں کی کچھ منصوبہ بندی پاکستان میں ہوئی۔ دیکھئے ہالبروک دوسرا دورہ کب کرتے ہیں جس کے بعد پاکستان کے حکمران کہیں گے کہ کچھ نہیں بلکہ پوری منصوبہ بندی یہیں ہوئی ہے۔ تیسرے چوتھے دورے میں ہو سکتا ہے کہ یہ کہہ بیٹھیں ہاں جی ہماری ایجنسیاں بھی ملوث تھیں۔ خود مشیر داخلہ نے گزشتہ جمعرات کو فخریہ پیشکش میں کہا ہے کہ یہ تو شروعات ہیں آگے آگے دیکھیے کیا ہوتا ہے، ملزمان کے خلاف بہت مضبوط کیس تیار کیا جائے گا۔

اب اس سے کیا بحث کہ جب پیاز ہی کھانی تھی تو پہلے اکڑ کیوں رہے تھے۔ یا تو یہ گرما گرمی تھی کہ ممبئ حملوں میں کوئی پاکستانی ملوث نہیں سازش پاکستان سے باہر تیار ہوئی، ہم یہ نہیں کریں گے اور وہ نہیں کریں گے یا بالکل ہی گھٹنوں کے بل گر گئے۔ بلکہ بیٹھنے کا کہا تو لیٹ گئے۔اب رحمٰن ملک سینہ تان کہہ رہے ہیں

کہ بھارت کی فراہم کردہ معلومات تو کچھ بھی نہیں تھیں یہ تو ہم ہیں کہ جانفشانی کی حد کر دی۔ بھارت نے جو معلومات دیں تھیں ان کے سہارے تو ایف آئی آر بھی درج نہیں ہو سکتی تھی۔ مگر ہماری تحقیقاتی ٹیم نے دن رات ایک کر کے ضروری شواہد جمع کیے اور بہت اعلیٰ معیار کی تحقیق کی۔ آٹھ افراد کے خلاف مقدمات درج کر لیے۔

دلچسپ بات یہ ہے دن رات کی محنت اور اعلیٰ ی معیار کی تحقیق کے نتیجے میں وہی لوگ گرفتار ہوئے جن کے نام امریکی اخبارات میں بہت پہلے چھپ چکے تھے۔ نیو ٹائمز وغیرہ نے زکی الرحمٰن لکھوی کو ماسٹر مائنڈ اور تربیت کار قرار دیا تھا۔ آپ نے انہی لوگوں کو دبوچ لیا۔ پھر آپ کی تحقیق و تفتیش اور اعلیٰ معیار وغیرہ بیچ میں کہاں سے آ گئے۔ یہ لوگ تو پہلے ہی زیر حراست تھے۔

ایک دلچسپ بات رحمٰن ملک صاحب نے یہ بیان کی ہے کہ "چھ ملزمان کی گرفتاری کے علاوہ حملوں میں استعمال ہونے والی کشتی اور دیگر سامان بھی برآمد کر لیا گیا ہے" یہ صرف اعلیٰ معیار کی نہیں بلکہ شاہکار تحقیق کا ثبوت ہے اور دوسری طرف ان دہشت گردوں کی اعلیٰ درجے کی حماقت بھی۔ رحمٰن ملک صاحب کا دعویٰ ہے کہ ممبئی حملوں میں استعمال ہونے والی کشتی بھی برآمد کر لی گئی ہے، موصوف نے اپنی پریس کانفرنس میں اس کشتی کی تصویر بھی دکھائی ہے اور ہم سوچ رہے ہیں کہ یہ کیسے منصوبہ ساز اور دہشت گرد تھے کہ کشتی واپس بھی لے آئے۔ رپورٹ تو یہی ہے کہ ٹھٹھہ

سے کشتی لیکر نکلے، گجرات (بھارتی) سے دوبارہ ایندھن بھروایا اور ممبئی کے ساحل پر اتر گئے۔ تو یہ کشتی واپس کب لائے اور ایسی حماقت کیوں کی؟ آسان بات تو یہ تھی ساحل پر اتر کر کشتی کو وہیں چھوڑ دیتے کیونکہ جس مقصد سے گئے تھے اس میں زندہ بچنے کا تو کوئی سوال ہی نہیں تھا واپسی کے راستے مسدود تھے۔ پھر جیسے ہی دہشت گردی کا آغاز ہوا فوری طور پر ممبئی کے ساحلوں کی نگرانی شروع ہو گئی تھی۔ بھارت نے خود ایک کشتی پکڑی جس میں دودھ کا ڈبہ، کپڑے دھونے کا پاؤڈر وغیرہ ملے۔ تو یہ رحمٰن ملک والی کشتی کب اور کیسے واپس آ گئی۔ کیا اس کا مطلب ہے کہ کچھ اور حملہ آور صحیح سلامت واپس بھی آ گئے۔ لیکن جن لوگوں کی گرفتاری ظاہر کی گئی ہے ان کے بارے میں ایسی کوئی اطلاع نہیں کہ وہ ملک سے باہر گئے تھے۔ رحمٰن ملک اور باتیں چھوڑیں صرف یہ بتادیں کہ انہیں یہ کشتی کیسے ہاتھ لگی۔

رحمٰن ملک نے پاکستان پر جرم کا بوجھ کم کرنے کے لیے احتیاطاً دوسرے ممالک کو بھی شامل کرلیا ہے۔ لیکن ان میں سے اسپین نے تو فوری طور پر لاعلمی کا اظہار کردیا ہے۔

ذرائع کا کہنا کہ پاکستان نے بھارت کی کہانی کی توثیق کرنے میں بہت فراخ دلی کا مظاہرہ کیا ہے۔ ہمارے حکام دوسروں کے لیے یقیناً ایسے ہی فراخ دل ہیں۔ ممبئی حملوں سے پہلے جناب آصف زرداری نے ایسی ہی فراغ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے انکشاف کیا تھا گزشتہ اکسٹھ سال میں بھارت کبھی پاکستان کے لیے خطرہ نہیں رہا اور خطرہ کیا میلی آنکھ سے دیکھا بھی نہیں ہوگا۔ محترمہ بے نظیر بھٹو شہید جب

وزیر اعظم تھیں تو انھوں نے بھی بھارت کے لیے فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے
-ایوان میں کہا تھا اگر بھارت کی مدد نہ کرتی تو وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا

یہ بھی فراغ دلی ہے کہ جرم بھارت میں ہوا اور اس کی ایف آئی آر ہم نے درج کرلی۔
ابھی تک ایسی کوئی اطلاع نہیں کہ سمجھوتا ایکسپریس میں متعدد پاکستانیوں کو زندہ جلانے
کے مجرموں کے خلاف بھی کوئی ایف آئی آر پاکستان میں درج ہوئی ہو۔

بھارت نے پہلے دن تو پاکستان کے اعتراف جرم کو خوب سراہا اور تحقیقات کو مثبت قرار
دیا لیکن اگلے ہی دن لہجہ بدل کر معمول پر آگیا۔ بھارتی وزیر خارجہ پرناب مکھرجی نے
پاکستانی رپورٹ پر لوک سبھا میں پالیسی بیان دیتے ہوئے کہا کہ "دہشت گردی کا براہ
راست خطرہ ہے، ممبئی سازش کو بے نقاب کرنا پاکستان کی ذمہ داری ہے۔پاکستان کو
یقین دھانی کرانی ہوگی کہ ممبئی جیسے واقعات دوبارہ نہیں ہونگے۔ پاکستان میں موجود
دہشت گرد بھارت ہی نہیں بلکہ پوری دنیا کے لیے خطرہ ہیں "مکھرجی نے کہا کہ شروع
میں ممبئی حملے کو بارے میں پاکستان رد عمل سامنے آیا تھا وہ مناسب نہیں تھا۔ یہ بات تو
مکھرجی کی صحیح ہے، خاص طور پر اعتراف جرم کے بعد صحیح ہو گئی ہے۔ہمارے حکمران اسی
سے سبق سیکھ لیں اور آئندہ کسی بھی مسئلے پر سوچے سمجھے بغیر منہ نہ کھول دیا کریں۔
ممبئی حملوں کے حوالے سے ہمارے حکمرانوں نے کیا زورا زوری دکھائی تھی اور اب
اپنے ہی خلاف ایف آئی آر کاٹ دی۔ کیا بھارت کو جواز نہیں مل گیا کہ وہ اقوام متحدہ
میں دوڑا جائے اور پاکستان

پر پابندیاں لگانے کا مطالبہ کرے-امریکہ ویسے بھی آجکل بھارت کے سر پر ہاتھ پھیر رہا ہے- بھارت بھی سرجیکل حملوں کی دھمکی دے چکا ہے اور امریکہ کی نقل میں پیشگی حملوں کے لیے بھی تیار ہے-امریکہ جوابی کاروائی کے موقع پر پاکستان کا ہاتھ پکڑ سکتا ہے پرنب مکھرجی کے بیان سے ایسا لگتا ہے کہ جیسے پاکستان میں ہر طرف دہشت گرد دندناتے پھر رہے ہوں- حالانکہ کہ خود بھارتی ذرائع ابلاغ گواہ ہیں کہ دہشت گرد بھارت میں کہیں زیادہ ہیں اور میں ریاستی دہشت گردی بھی شامل ہے جس کا نمونہ برسوں سے کشمیر میں دیکھا جاسکتا ہے اور گجرات میں جس طرح مسلمانوں کا قتلِ عام کیا گیا اس میں وہاں کا وزیر اعلیٰ نریندر مودی ملوث تھا جس کا انکشاف بھارتی ذرائع ابلاغ کر چکے ہیں- بجرنگی اور نریندر مودی دونوں آزاد ہیں

ممبئ حملوں میں سب سے اہم پہلو جسے بھارتی حکومت دبانے کی کوشش کر رہی ہے،اے ٹی ایس کے سربارہ ہیمنت کرکرے اور انکے ساتھ ڈپٹی کمشنر پولیس کامٹے اور ایک انسپکٹر کا قتل ہے-کیا پاکستان سے جانے والے دہشتگردان پولیس افسران کو پہچانتے تھے کہ پہلے ہی ہلے میں انہیں ماردیا ؟کیا وہ پاکستان یا بھارتی مسلمانوں کے خلاف کوئی کام کررہے تھے ؟:کیا ہیمنت کرکرے نے یہ ثابت نہیں کیا تھا کی مالیگاؤں، حیدرآباد کی مکہ مسجد اور سمجھوتا ایکسپریس کے دھماکوں میں مسلمان

نہیں بلکہ بھارت کے انتہا پسند ہندو ملوث تھے۔ان میں بھارتی فوج کے افسران بھی شامل تھے۔ یہ سازش بہت گہری ہے۔ ہیمنت کر کرے کے قتل سے کس کو فائدہ ہوا؟ یہ کوئی راز تو نہیں۔اگر ہیمنت کر کرے کو سنگھ پریوار والے نشانہ بنا سکتے ہیں تو پورا ممبئی منصوبہ انہی کا تیار کردہ ہے۔ کیوں کہ اس سے نہ صرف بھارتی مسلمانوں کو بلکہ پاکستان کو بھی نقصان پہنچا ہے۔اگر اس تخریب میں کوئی دشمن خواہ وہ کسی لشکر سے ہو یا کوئی اور۔ لیکن ہمارا خیال ہے کہ جس طرح عجلت میں پاکستان نے لاتعلقی کا اعلان کیا تھا اسی طرح عجلت میں اپنے اوپر الزام اوڑھ لیا ہے جس کے اثرات بہت نقصان دہ ہونگے۔ بھگتیں گے تو عوام۔ یہ لوگ تو امریکہ، برطانیہ اور دبئی نکل جائیں گے۔

تازہ ترین اطلاعات کے مطابق بھارت کی قیادت نے ممبئی حملوں میں بھارت کے اندرونی عناصر کے ملوث ہونے کا اعتراف کیا ہے جس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ جناب پاکستانی حکومت نے بلا جواز اعتراف کرکے پاکستان کو مجرم ٹھرایا ہے

مغرب شریعت سے خوفزدہ کیوں

قارئین میں آپ کے سامنے چار خبریں پیش کرتا ہوں یہ چار مختلف خبریں ہیں اور یہ تمام خبریں گزشتہ ایک ماہ کے دوران مختلف تاریخوں میں اخبارات میں شائع ہوئی ہیں۔ پہلی خبر انگلینڈ کی ہے اور خبر کے مطابق وہاں جو ہسپتال مرد و عورت کا ایک ہی جگہ علاج کرتے تھے ان کو وارن کی گیا ہے کہ وہ اس بات سے گریز کریں اور عورتوں اور مردوں کے لیے الگ الگ شعبہ جات قائم کریں ورنہ ان کے خلاف کاروائی کی جائے گی۔ دوسری خبر بھارت سے متعلق ہے اور یہ خبر بھی گزشتہ ماہ اخبارات میں شائع ہوئی تھی خبر کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک ہندو انتہا پسند تنظیم نے ایک پب میں ڈانس گرلز کو زدو کوب کیا اور ان کو وارننگ دی کہ عورتوں کا ڈانس بار میں آنا اور فحاشی پھیلانا برداشت نہیں کیا جائے گا۔ تیسری خبر بھی بھارت سے متعلق ہے اور اس خبر کے مطابق اسی ہندو انتہا پسند تنظیم نے ویلنٹائن ڈے منانے والو ویلنٹائن ڈے منانے سے منع کیا ہے اور خبر کے مطابق انھوں نے یہ کہا کہ یہ سب ہماری ثقافت اور تہذیب کے خلاف ہے اور ویلنٹائین ڈے پر ساتھ دیکھے جانے والے جوڑوں کو مندر لیجا کر زردستی شادی کردی جائے گی اور شادی سے انکار کی صورت میں لڑکی کو لڑکے کے ہاتھ میں راکھی بندھوا کر ان کو بہن بھائی بنا دیا جائے گا۔ چوتھی خبر پاکستان سے متعلق ہے اور اس خبر پر پوری دنیا سے متضاد رد عمل آیا ہے وہ خبر سوات میں حکومت اور شدت پسندوں میں

مذاکرات میں کامیابی کے بعد سوات میں نفاذ شریعت کا اعلان کر دیا گیا ہے۔

یہاں ہم اس بات پر بحث نہیں کریں گے کہ یہ فیصلہ درست ہے یا نہیں اور حکومت کو کیا کرنا چاہیے تھا یا کیا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ بلکہ ہمارے پیش نظر ان خبروں میں حیرت انگیز تعلق ہے اور قدر مشترک ہے۔ بظاہر تو یہ چاروں خبریں تین مختلف مذاہب، مختلف خطوں اور مختف تہذیبوں کی ہیں لیکن ان سب میں ایک قدر مشترک ہے کہ ان میں غیر فطری طرز زندگی سے بیزاری کا اظہار کیا گیا ہے۔آگے بات کرنے سے پہلے ہم ایک اور خبر کی بات کریں گے اگرچہ یہ خبر کافی پرانی ہے اور اس وقت ہمارے سامنے اس کا کوئی حوالہ بھی نہیں ہے لیکن اپنی بات کو سمجھانے کے لیے ہم اس کو ذکر کرتے ہیں

اطلاعات کے مطابق اسرائیل میں ان کی حکومت نے انٹرنیٹ کے عام استعمال کر" پابندی عائد کر دی ہے اور اسرائیلی حکومت کا کہنا ہے کہ انٹرنیٹ کے آزادانہ استعمال ' سے نوعمر لڑکے اور لڑکیوں کے اخلاق پر.برے اثرات مرتب ہو رہے ہیں

اب ان تمام خبرو کا تجزیہ کریں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ چار مختلف خطوں، مذاہب، اور ثقافتوں کا مشترکہ مسئلہ معاشرے میں بے حیائی،اور بے راہ روی کا.ڑھنا ہے اور غیر فطری رسم رواج کا فروغ پانا ہے اور ان چاروں معاشروں میں کہیں عوام اور کہیں خواص نے اس کے خلاف مزاحمت کی ہے اور اس سے یہ بات سامنے آتی ہے

کہ ہر معاشرے میں لوگ فطری زندگی گزارنا چاہتے ہیں۔اور فطری زندگی صرف اور صرف دین میں ہی ہے، اور بالخصوص شرم وحیااور بے راہ روی سے پرہیز انسانی فطرت میں شامل ہے۔ یہاں یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ تمام مذاہب اور تہذیبوں میں سب سے زیادہ زور شادی پر دیا گیا ہے اور تجرد کی زندگی اور ناجائز تعلقات کی ممانعت کی گئی ہے۔اگرچہ تمام الہامی مذاہب میں اللہ تعالیٰ نے شریعت اور عائلی قوانین میں کچھ فرق رکھا ہے لیکن بنیادی بات اللہ کی واحدانیت، اللہ کی اطاعت، بندوں کے حقوق، اور مرد و عورت کی مخلوط سوسائٹی سے پرہیز کا حکم دیا گیا، چاہے وہ یہودی ہوں یا عیسائی یا ہندو یا مسلم۔ان تمام تہذیبوں کا تفصیلی مطالعہ کریں تو ان لب لباب یہی چار احکامات نظر آتے ہیں۔اگر انسان اپنے اپنے دین پر مکمل عمل کرے تو اس کو بہت سی پریشانیوں سے نجات مل جاتی ہے، کیوں کہ مذہبی قوانین، چاہے عیسائیت ہو، یہودیت ہو یا اسلام ان سب کی بنیاد الہامی ہوتی ہے اور اور وہ رب اچھی طرح جانتا ہے کہ انسان کی فطرت کیا ہے، یہاں ہم یہ بات بھی بتادیں کہ ڈاکٹر شاہد مسعود صاحب نے اپنی مشہور تصنیف (اینڈ آف ٹائم) میں کہتے ہیں کہ اس وقت دنیا میں سب سے کم جرائم سعودی عرب، ویٹیکن سٹی، اور اسرائیل میں ہوتے ہیں یعنی وہ تین ممالک کہ جہاں ان کے شرعی قوانین نافذ ہیں وہاں دنیا میں سب سے کم جرائم ہوتے ہیں اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ شریعت ہی میں امن ہے، شریعت ہی میں سکون ہے اور شریعت ہی میں عافیت ہے (یہاں یہ واضح رہے کہ ہم اس شریعت کی بات نہیں کررہے ہیں کہ جس میں خواتین کی تعلیم گاہیں بند

کردی جائیں، خواتین سے غیر انسانی سلوک کیا جائے) کیوں کہ شریعت تو یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس فاطمہ نامی ایک خاتون چوری کے الزام میں لائی جاتی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شرعی قانون کے مطابق اس کے ہاتھ کاٹنے کی سزا سناتے ہیں اس کے رشتہ دار کی سفارش کرتے ہیں اور اس ان خاتون کا تعلق بھی ایک بڑے اور مالدار قبیلے سے تھا نبی مہربان نے فرمایا کہ خدا کی قسم اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو اس کے ہاتھ قلم کردئے جاتے، تم سے پہلے کی قومیں اسی لیے تباہ ہوئیں تھیں کہ جب ان کا کوئی مالدار جرم کرتا تھا تو اس کو چھوڑ دیا جاتا تھا اور اگر کوئی نادار جرم کرتا تھا تو اس کو پکڑ لیا جاتا ہے۔اس حدیث مبارکہ کو سامنے رکھیں اور سوچیں کیا آج دین سے دوری کے باعث ہمارا معاشرہ بھی تباہی کی طرف گامزن نہیں ہے، کیا آج یہی صورتحال نہیں ہے کہ بااثر لوگ تو جرم کرکے بھی معتزز ہیں اور نادار اور غریب لوگ ناکردہ کرم کی سزا بھی بھگتتے ہیں۔ ہم تو اسی شریعت کی بات کرتے ہیں، لیکن جب بھی اس شریعت کی بات کیجاتی تو ظالم اور استحصالی طبقہ کو تکلیف ہوتی ہے کیوں کہ شرعی نظام میں ہٹو بچو کا شور نہیں ہوتا، اس نظام میں ایک خلیفہ اور عام آدمی برابر ہوتے ہیں اور اس نظام میں ایک عام فرد خلیفہ کا دامن پکڑ کر کہتا ہے کہ اے عمر آپ کے حصے میں مال غنیمت سے جو کپڑا آیا تھا وہ تو کم تھا لیکن آپ کے کرتے میں تو کپڑا زیادہ لگا ہوا ہے یہ زیادہ کپڑا کہاں سے آیا؟ اور اس نظام میں خلیفہ اس شخص کو جھڑکتا نہیں ہے اس کو جیل میں نہیں ڈال دیتا کہ اس نے سب کے سامنے میرا دامن

کیوں پکڑا بلکہ اس نظام میں خلیفہ نہایت عاجزی سے اس کی وضاحت کرتا ہے۔ ہم تو اس نظام شریعت کی بات کرتے ہیں۔ جب لوگ اس نظام کی بات کرتے ہیں تو استحصالی طبقہ فوراً ہشیار ہو جاتا ہے اور اس کے خلاف سازش شروع کرتا ہے اور بڑی صفائی سے اس استحصالی طبقے اور اس کے گماشتوں نے دنیا کو یہ باور کرادیا کہ یہ تو تہذیبوں کی جنگ ہے، یہ لوگ تو دہشت گرد ہیں۔ یہ لوگ تو دقیانوسی لوگ ہیں؟ اور اس طرح کی بات کرکے یہ لوگ عوام کو دین سے دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

بہر حال یہ ایک اچھی پیشرفت ہے اور ان شاء اللہ، اللہ میں لوگوں کو کامیاب کرے گا۔ یہاں یہ بات بھی سوچنے کی ہے کہ شریعت کے نفاذ کا فیصلہ تو پاکستان کے صرف ایک چھوٹے سے حصے میں کرنے کا معاہدہ ہوا ہے کہ لیکن مشرق سے لیکر مغرب تک امریکی استحصالی نظام کے پرزے اس کے خلاف اکھٹے ہوگئے ہیں اور انہوں نے حکومت پر اس معاہدے کی منسوخی کے لیے زور دینا شروع کردیا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ ان کو اپنے ارادوں میں ناکام کرے اور یہ معاہدہ کامیابی سے ہمکنار ہو آمین

پھر طالبان ہی تو بنتے ہیں

رواں ہفتے سوات میں حکومت اور مقامی طالبان کے درمیان ہونے والا نظام عدل معاہدہ سوات کے حالات کے تناظر میں ایک بہت ہی اچھی پیش رفت ہے۔ اگر دونوں فریقین اس پر عمل کریں گے تو اس شورش زدہ خطے میں امن قائم ہوجائے گا۔ البتہ ایک بات بہت تشویش ناک ہے کہ جس طرح حکومت نے اپنے دوسرے وعدے (پورے) کیے ہیں کہیں اس کو سابقہ وعدوں کی طرح (پورا) نہ کیا جائے اور اطلاعات کچھ ایسی ہی ہیں کیوں کہ ابھی اس معاہدے پر لوگوں نے ٹھیک سے خوشیاں بھی نہ منائی تھیں کہ وفاقی وزیر اطلاعات و نشریات محترمہ شیری رحمٰن صاحبہ نے کہہ دیا کہ نظام عدل معاہدے پر صدر زرداری امن قائم ہونے کے بعد دستخط کریں گے۔ بہرحال ہمیں اللہ سے اچھی امید رکھنی چاہیے کہ اس دفعہ ایسا نہیں ہوگا۔ اور حکومت واقعی سنجیدگی سے سوات میں قیام امن کے لیے کوشش کرے گی۔

اس معاہدے کا نام یعنی نظام عدل معاہدہ بہت ہی معنی خیز ہے۔اور نظام عدل کا مطلب یہ ہے کہ حکومت نے باقاعدہ طور پر یہ تسلیم کرلیا کہ سوات میں عادلانہ نظام نافذ نہیں تھا۔ سوات تو ایک جلتا ہوا انگارہ بن چکا تھا اس لیے اس کا معاملہ پوری دنیا کی نظر میں آگیا۔ لیکن اگر دیکھا جائے تو کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے معاشرے میں عادلانہ نظام رائج ہے؟ ہم نے اپنے گزشتہ کالم (مغرب

اسلام سے خوفزدہ کیوں؟) میں اسی موضوع پر بات کی تھی۔

سوات کی حسین وادی انگارہ کیوں بنی؟ اس سوال کے جواب سے پہلے ہم تھوڑا سے تاریخ سے رہنمائی لیں گے۔ اور تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ دنیا میں جب بھی کسی سسٹم کے خلاف بغاوت ہوئی ہے، جب بھی کوئی انقلاب آیا ہے۔ اس کے پیچھے مقتدر طبقے کی عیاشیاں، عوام کے ساتھ ناانصافی اور ظلم کے عوامل کارفرما تھے۔ سب سے پہلے ہم تھوڑا سے زیادہ پیچھے جاتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر پہلے ایمان لانے والے اس معاشرے کے امراء اور فرعون کے درباری سرکاری لوگ نہ تھے، بلکہ ان کی قوم کے غریب نادار، ظلم کی چکی میں پسے ہوئے افراد تھے اور ان کو جیسے ہی ایک ایسی آواز سنائی دی جس میں اس ظلم کے خاتمے کی نوید تھی جیسے ہی ایک ایسی روشنی دکھائی دی جس میں امید کی کرن اور ظلم کی اندھیری رات کا اختتام تھا تو ان لوگوں نے آگے بڑھ کر اس آواز پر لبیک کہا۔ آیئے تھوڑا سے آگے آتے ہیں۔ نبی مہربان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت پر سب سے پہلے لبیک کہنے والے، سابقون الاولون، مکے کے بڑے۔بڑے رئیس نہ تھے بلکہ وہ غلام، وہ پسے ہوئے لوگ تھے کہ جن کو معاشرہ حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا۔ اور بڑے۔بڑے رئیسوں نے ظلم واستحصال کا ایک نظام قائم کیا ہوا تھا۔ اس معاشرے میں بھی جب ایک حق کی آواز بلند ہوئی تو اونچے محلوں میں رہنے والوں نے اس کی طرف کوئی دھیان نہ دیا اس کے برعکس معاشرے کے بظاہر ان چھوٹے لوگوں نے سب سے پہلے دعوت حق پر لبیک

کہا۔ اور اسلام کی راہ میں پہلا خون ایک خاتون حضرت سمیہ رضی اللہ عنہما کا بہا جو کہ ایک غلام خاندان کی فرد تھیں، ذرا ماضی قریب کی تاریخ کا جائزہ لیتے ہیں تو انقلاب ایران میں بھی یہی محرکات نظر آتے ہیں، اور بالکل یہی صورتحال اسوقت سوات میں بھی نظر آتی ہے۔ کہ ایک طرف غریب تو نان شبنیہ کے محتاج ہیں اور مقتدر طبقہ کو اپنی فائیو اسٹار اور سیون اسٹار دعوتوں سے فرصت نہیں۔ غریب کا بچہ دوا نہ ملنے کے باعث اس کی گود میں دم توڑ دیتا ہے اور وی آئی پی طبقے کے لوگ صرف چیک اپ کے لیے برطانیہ اور امریکہ کی سیر کرکے آجاتے ہیں۔ جہاں غریب کو کہا جاتا ہے وہ ماہانہ چھ ہزار اور سالانہ بہتر ہزار میں اپنے کنبہ کا پیٹ پالے غریب یہ سوچتا ہے کہ اس چھ ہزار میں میں روزگار پر آنے اور جانے کا کرایہ بچاؤں، اپنے بال بچوں کا پیٹ پالوں، یا ان کو دوائی اور تعیلم کی عیاشی فراہم کروں، اور اسی معاشرے میں اسی چھ ہزار روپے ماہانہ کمانے والی "رعایا" کے ووٹوں سے منتخب ہو کر آنے والا تنخواہ اور تمام الائونسز کے ساتھ گیارہ لاکھ روپے ماہانہ کی "قلیل تنخواہ" میں عوام کی خدمت کے لیے تیار ہوتا ہے البتہ اس عوام کے خادم کا مزاج بڑا ہی حساس ہوتا ہے اس کو وزارت کے دوران عوام کے قرب سے الرجی ہوجاتی ہے اس لیے وہ عموماً عوام سے دور ہی رہتا ہے اور اگر اس کو کبھی سڑک پر نکلنا بھی پڑے تو اس کی آمد سے گھنٹوں پہلے سڑک کو عوام نامی مخلوق سے پاک کردیا جاتا ہے تاکہ اس کو دیکھ کر کہیں اس کے ذوق نظارہ میں خلل نہ پڑ جائے۔۔ جس معاشرے میں لاکھوں لوگ اپنی جبین نیاز میں ہزاروں مچلتے سجدے لیے اس حسرت میں جی رہے ہوتے

ہیں کہ بس دیار مصطفیٰ میں جاکر روضہ حبیب کی زیارت کرلیں اور یہی انکی سب سے بڑی خواہش ہوتی ہے اور جو غریب سارا سال پیسہ جوڑ جوڑ کرجب حاضری کے لیے تیار ہوتا ہے۔ وہ اس لیے نہیں جاپاتا کہ اس غریب ملک کی غریب ائیر لائن ہر سال حج کے سیزن میں خسارے میں چلی جاتی ہے اور وہ اسی موقع پر کرائے میں اضافہ کرتی ہے، البتہ ہماری نظر سے کبھی یہ خبر نہیں گزری کہ پی آئی اے نے دبئی، لندن، امریکہ، یا) سوئٹزر لینڈ وغیرہ کے کرائے میں اضافہ کیا ہو)اور غریب صرف حسرت لے کر رہ جاتا ہے، اور اسی ملک میں اسی معاشرے میں اسی غریب کے ووٹوں سے منتخب ہوکر آنے والا اپنے خاندان، دوستوں اور لاؤ لشکر کے ساتھ بڑی شان و شوکت سے اس غریب ملک کے بیت المال سے حج کرکے آتا ہے (یہ بھی عجیب بات ہے کہ سیاستدان صرف اقتدار میں رہ کر ہی حج کے لیے جاتے ہیں)، جہاں غریب کو بجلی فراہم نہ ہونے باوجود اضافی رقم ادا کرنی پڑتی ہے وہاں اسی غریب کے ووٹوں سے منتخب ہوکر آنے والا مفت کی بجلی بمعہ جنریٹر حاصل کرتا ہے ع گھر پیر کا تو بجلی کے چراغوں سے ہے روشن۔ ہمیں تو میسر نہیں مٹی کا دیا بھی۔ جس معاشرے میں غریب اور نادار عوام نامی مخلوق انصاف کے لیے دربدر ٹھوکریں کھاتی ہے اور اس کو انصاف نہیں مل پاتا اور اسی معاشرے میں مقتدر طبقے کے افراد انصاف کو ٹھوکروں پر رکھتے ہیں۔ جہاں غریب اپنی حق حلال کی پنشن اور پراویڈنٹ فنڈ کے لیے دھکے کھاتا پھرتا ہے اسی معاشرے میں مقتدر طبقے کے مراعات یافتہ لوگ اور اس طبقے کی چاپلوسی کرنے والوں کو دس سال پرانی تنخواہیں صرف ایک حکم پر دیدی جاتی ہیں۔ وہاں پھر ایسے

ہی انقلابات جنم لیتے ہیں، ایسے ہی غریب اور نادار لوگ انصاف کے لیے عدل کے لیے ظلم کی چکی میں پستے ہوئے لوگ بندوق ہاتھ میں اٹھا لیتے ہیں۔ ایسے ہی عوامل اور حالات ہوتے ہیں جب معاشرہ میں سلطانا ڈاکو، راجو راکٹ جیسے کردار جنم لیتے ہیں یہی ناانصافیاں معاشرے میں نیک محمد، ملا عمر بیت اللہ محسعود، مولوی فضل اللہ جیسے افراد تیار کرتی ہیں۔ اگر مذکورہ بالا حالات کے بعد طالبان نہیں پیدا ہونگے تو اور کیا ہوگا؟ وہاں بغاوت نہیں پیدا ہوگی تو کیا لوگ ارباب اختیار کے نام کا کلمہ پڑھیں گے؟ ارباب اختیار کو حکومت کی رٹ قائم کرنے کی تو فکر ہوتی ہے لیکن وہ یہ نہیں سوچتے کہ ایسے حالات ہی نہ ہیدا ہونے دیئے جائیں کہ لوگ رٹ کو چیلنج ہی نہ کریں

ہم نے ابتدا میں تاریخ میں جھانکا تھا آیئے ذرا پھر تاریخ کی سیر کرتے ہیں۔ غزوہ خندق کا موقع ہے۔بڑی تنگی کی صورتحال ہے اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہ اس موقع پر خندق کھود رہے ہیں اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے ساتھ شانہ بشانہ خندق کھود رہے ہیں،ایک صحابی نے فاقے کے باعث پیٹ پر پتھر باندھا ہوا تھا بھوک کی شدت سے نڈھال ہو کر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا دامن اٹھا کر پتھر دکھایا،اور قربان جایئے اس ذات کے جو وجہ وجود کائنات ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دامن اٹھایا تو پیٹ پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے،۔ سفر کا موقع ہے صحابہ کرام بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ

وآئہ وسلم کے ہمراہ ہیں ایک جگہ پڑاؤ کرتے ہیں تمام لوگوں کے ذمے ایک ایک کام لگایا جاتا ہے نبی مہربان اپنے لیے چولہا جلانے کے لیے لکڑی ڈھونڈنے کا کام پسند فرماتے ہیں اور میلوں پھیلے ہوئے صحرامیں لکڑی ڈھونڈنا کتنا مشکل کام ہے اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں لیکن نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے لیے یہ مشکل کام پسند فرماتے ہیں اس لیے کہ قائد ہی تو قافلے کو لیکر چلتا ہے۔ع نگاہ بلند سخن دلنواز جاں پر سوز۔یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لیے۔

اور ذرا اس طرف دیکھیے رات کا وقت ہے اندھرا چھایا ہوا ہے پوری لبستی خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہی ہے ایسے میں ایک فرد جاگ رہا ہے اور لبستی کی گلیوں میں گھوم رہا ہے۔ یہ فرد خلیفہ ثانی حضرت عمر بن خطاب ہیں جو اس لیے جاگ رہے ہیں کہ دیکھ سکیں اس لبستی میں کسی کے ساتھ کوئی مسئلہ تو نہیں ہے۔ میرے زیر سایہ لوگوں میں کوئی بھوکا تو نہیں سوگیا ہے،انہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ اگر دجلہ کے کنارے کوئی کتا بھی بھوکا مر جائے تو اس کا ذمہ دار عمر ہوگا۔ اور ذرا یہ بھی دیکھیں خیلفہ وقت کی ایک زرہ کھو جاتی ہے کچھ عرصے کے بعد وہی زرہ ایک یہودی کے پاس نظر آتی ہے خلیفہ چاہے تو یہ زرہ زبردستی بھی لے سکتا ہے لیکن ملک میں ایک قانون موجود ہے اور خلیفہ بھی اسی قانون کا پابند ہے۔ خلیفہ نے قاضی کی عدالت میں اپنا مقدمہ پیش کردیا، قاضی نے خلیفہ کو بھی قانون کے مطابق کٹھرے میں بلایا اور پوچھا کہ کیا آپ کے پاس اپنے دعوے کے ثبوت میں کوئی

گواہ ہے، خلیفہ نے جواب دیا کہ ہاں میرا بیٹا اور میرا غلام اس کے گواہ ہیں۔ قاضی نے کہا کہ قانون کے مطابق بیٹے کی گواہی باپ کے حق میں اور غلام کی گواہی آقا کے حق میں قبول نہیں ہو سکتی کیا آپ کے پاس کوئی اور گواہ ہے خلیفہ نے انکار کر دیا تو قاضی نے کہا کہ پھر آپ کے دعویٰ باطل ہوتا ہے اور زرہ اسی یہودی کو دیدی جاتی ہے خلیفہ بڑی خوشدلی سے اس عدالت کے فیصلے کو تسلیم کرتے ہیں یہودی یہ عدل دیکھ کر پکار اٹھا کہ واقعی اسلام سچا دین ہے اور میں ایمان لاتا ہوں۔ یہ خلیفہ حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں ہیں کہ جن کو علم کا دروازہ کہا گیا ہے، کیا آج ہمارے ارباب اختیار ایسی عدالتوں کو برداشت کریں گے

یہ تو چند ایک مثالیں ہیں ان تمام مثالوں کو سامنے رکھیں اور ہمارے ملک کے حکمران طبقے کا چلن بھی سامنے رکھیں۔ پھر سوچیں نا انصافی، ظلم، زیادتی، بھوک اور حق سے محرومی طالبان ہی کو جنم دیتی ہے۔ پھر اگر محروم لوگ ہتھیار نہ اٹھائیں تو ان کی برداشت کی داد دی جاتی ہے۔ آخر میں آپ کو ایک حیرت انگیز بات بتائیں یہ مغربی معاشرہ کتنا دوغلا ہے اور اس کے ہر چیز کے لیے دو پیمانے ہیں دو معیار ہیں۔ اگر مشرق میں اور بالخصوص مسلمانوں میں ایسے کردار پیدا ہوں تو ان کو دہشت گرد، شدت پسند اور طالبان کہا جاتا ہے۔ اور اگر یہی کردار مغرب میں نمودار ہو تو غریبوں کا مسیحا، ہیرو اور "رابن ہڈ" کہلاتا ہے۔ بہر حال جب نا انصافی، ظلم، زیادتی بڑھ جائے۔ منصف خود انصاف کے طالب ہوں، محافظ خود ہی لٹیرے

بن جائیں، رہبر ہیں رہزن ہوں تو پھر طالبان ہی بنتے ہیں۔

کیا اسلام امریکہ کا دشمن ہے؟

کیا واقعی اسلام امریکہ اور مغرب کا دشمن ہے؟

اس وقت دنیا میں سب سے زیادہ گفتگو اسلام اور مغرب کے تعلقات یا اسلام اور دہشت گردی کے موضوع پر ہوتی ہے، اور یہ تاثر پایا جاتا ہے کہ اسلام مغرب کا دشمن اور مخالف ہے، اور اسلام پسند مغرب کی ترقی کے ساتھ نہیں چل سکتے اس لیے وہ مغرب کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہ بات کہاں تک ٹھیک ہے اس کا جائزہ لیا جانا چاہیے کہ آج مغرب اور اسلام میں اتنی دوری کیوں ہے دیکھیں جب ہم لوگ مغرب یا امریکہ کی بات کرتے ہیں تو اس سے مراد کوئی زمین کا ایسا خطہ یا کوئی امریکہ کی جغرافیائی حدود کی بات کرتے نہیں ہے اور نہ ہی کبھی بھی کسی اسلامی تنظیم، گروپ یا جہادی گروپ نے وہاں کے تمام لوگوں کی تمام شہریوں کی مخالفت کی ہے۔ دراصل جب ہم مغرب یا امریکہ مردہ باد کے نعرے لگاتے ہیں تو وہ نعرے دراصل اس کی پالیسیوں اور اسلام دشمنی کی بنیاد پر لگائے جاتے ہیں۔ اصل میں یہودی سرمایہ دار اور استحصالی طبقے نے امریکہ اور مغرب کے اقتدار تک رسائی حاصل کرلی ہے اور اب وہ طبقہ اپنی ازلی اسلام دشمنی کے باعث ان ممالک کو اپنے مفادات کے لیے استعمال کر رہا ہے۔ اور اس طبقے نے بڑی عیاری سے اپنے مقاصد کو کیمو فلاج کرکے مغرب کو یہ

تاثر دیا اسلام مغرب کا دشمن ہے۔ جبکہ حقیقت میں ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔اسلام امن کا درس دیتا ہے بلکہ امن کا نام ہی اسلام ہے۔ کیوں کہ جہاں اسلام کا نظام ہوگا، وہاں عدل ہوگا اوجہاں عدل ہوتا ہے وہاں امن ہوتا ہے عدل کی عدم موجودگی میں امن کا تصور نہیں کیا جاسکتا ہے۔اور یہودی استحصالی، سرمایہ دار طبقہ عدل نہیں کرتا بلکہ ظلم کر کے، سازش کرکے سرمایہ پر اور وسائل پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ اور اس کے لیے یہ طبقہ دنیا میں ہر قسم کا ظلم اور دہشت گردی اور دیگر حربہ استعمال کرتا ہے۔ اور یہیں سے اسلام اور مغرب کے اختلافات شروع ہوتے ہیں۔ اگر ہم ماضی قریب کی تاریخ کا جائزہ لیں تو یہ بات بالکل واضح ہوتی ہے کہ پہلی جنگ عظیم سے لیکر افغانستان و عراق پر قبضے تک یہ ساری مفادت کی جنگیں تھیں جن کو بڑی عیاری کے ساتھ ناگزیر اور امن کے لیے جنگیں کہا گیا۔اب یہ بڑی عجیب بات ہے کہ ان یہودی استحصالی اور سرمایہ دارانہ طبقات کی پشتیبانی امریکہ نے کی اور اب بھی کر رہا ہے اس لیے اس کا نتیجہ لامحالہ امریکہ کی مخالفت میں نکلنا تھا اور وہ نکلا۔ آج اگر مسلمان مغرب اور امریکہ کی مخالفت کرتے ہیں تو اس کی وجہ کئی عشروں پر محیط یہودیوں اور امریکہ کی اسلام دشمنی ہے۔اور جب ہم مسلمان مغرب اور امریکہ کی مخالفت کرتے ہیں تو اس کو تہذیبوں کی لڑائی کہا جاتا ہے۔ جب کہ ایسا نہیں ہے، اگر مسلمانوں کو مغرب سے دشمنی کرنی ہوتی تو مسلمان اسپین کی مخالفت کرتے کہ جہاں سے نو سو سال کی حکمرانی کے بعد جب مسلمان زوال پذیر ہوئے تو ان کو زبردستی عیسایئت قبول کرنے پر مجبور کیا گیا۔اور انکار کی صورت میں اسپین

بدر کیا گیا، اور جن مسلمانوں نے یہ دونوں باتیں ماننے سے انکار کیا تو ان کو بے دردی سے قتل کر دیا گیا۔ اگر دشمنی کرنی ہوتی تو مسلمان ان سے کرتے، اگر صرف بدلہ لینا ہی اسلام کی تعلیم اور مسلمانوں کا شیوہ ہوتا تو انگلینڈ سے بدلہ لیا جاتا کہ جس نے برصغیر میں سازش کرکے مسلمانوں کی ایک ہزار سالہ بادشاہت کا خاتمہ کیا۔ اگر صرف ریاستوں اور زمینوں پر قبضہ کرنا ہی مقصود ہوتا تو اسلامی اور ممالک اور بالخصوص پاکستان کی سرحدوں سے ملحقہ ممالک کبھی بھی محفوظ نہیں ہوتے لیکن ایسا کچھ نہیں ہے اور پاکستان اور دیگر مسلمان ممالک عالمی برادری میں اچھے ہمسائے کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں۔

صرف امریکہ کی مخالفت کی وجہ یہی ہے کہ وہ اسلام کے ازلی دشمن یہودیوں کے ہاتھوں کھلونا بن کر مسلمانوں کو دیوار سے لگا رہا ہے۔ امریکہ خود ایک دہشت گرد ریاست ہے لیکن اس نے پروپیگنڈے کے زور پر، میڈیا کی طاقت سے یہ تاثر دیا ہوا ہے کہ وہ تو دنیا میں امن کا خواہاں ہے، حالانکہ ایسا بالکل نہیں ہے۔ دوسری جنگ عظیم سے لیکر ابتک امریکہ بائیس سے زائد ممالک پر بمباری یا میزائل حملے کرچکا ہے۔ اس فہرست میں۔ افغانستان، عراق، ایران، سوڈان، صومالیہ، لیبیا، پاکستان، جاپان، اور دیگر ایشیائی اور افریقی ممالک شامل ہیں۔ اس کے علاوہ امریکی حکومت اور خفیہ ایجنسی سی آئی اے تقریباً سو سال سے مختلف ممالک کی منتخب حکومتوں کا تختہ الٹنے میں اور اندورنی معاملات میں مداخلت کا جرم کرچکا ہے اور تاحال یہ سلسلہ جاری

ہے اور اس کی حالیہ مثال سوات میں حکومت اور قبائلی عمائدین میں ہونے والا امن معاہدہ ہے، جس پر امریکہ نے تشویش کا اظہار کیا ہے۔ان تمام حقائق کے باوجود سابق امریکی صدر جارج ڈبلیو بش جونئیر نے بڑی سادگی سے سوال کیا تھا کہ آخر لوگ ہم سے نفرت کیوں کرتے ہیں؟ کیا اس سوال کا جواب ان کو خود نہیں معلوم ہے؟ یقیناً معلوم ہے لیکن دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے انہوں نے یہ سوال کیا تھا۔ چلیں ان کی مجبوری ہے کہ وہ امریکہ کے شہری ہیں امریکہ کے مفادات کے محافظ ہیں لیکن ستم تو یہ کہ خود مسلمانوں میں ان کی حمایت کرنے والے بہت مل جاتے ہیں اور وطن عزیز میں تو بہت سارے صحافی اس کام میں سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں اور وہ بھی عوام کو گمراہ کرنے کا اور امریکہ کے حق میں رائے عامہ ہموار کرنے کا کام بہ احسن و خوبی سرانجام دے رہے ہیں۔ بہر حال یہ اس وقت ہمارا موضوع نہیں ہے اسلیے ہم اس پر مزید بات نہیں کریں گے۔ہم اپنے موضوع کی طرف آتے ہوئے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اسلام مغرب کا ہرگز ہرگز دشمن نہیں ہے بلکہ اسلام مغربی ممالک کے ظلم اور استحصالی نظام کے خلاف مزاحمت کرتا ہے اب یہاں یہ بھی سوال کیا جاسکتا ہے کہ کیا اگر مغرب ساری دنیا کے خلاف کاروائیاں کررہا ہے تو صرف مسلمان ہی مزاحمت کیوں کرتے ہیں،اس کا جواب بہت آسان ہے کہ صرف مسلمان ہی ان تمام پالیسیوں سے براہ راست متاثر ہیں چاہے فلسطین میں اسرائیلی ریاست کا قیام ہو، یا کشمیر کا مسئلہ ہو، چاہے پاکستان کو دولخت کرنے کا معاملہ ہو یا افغانستان پر امریکی قبضہ ہو، چاہے خلیج میں امریکی اڈوں کا قیام ہو یا عراق میں امریکی قبضہ

اور بمباری ہو، چاہے ایران میں منتخب حکومت کا تختہ الٹ کر اپنی پٹھو حکومت قائم کرنے کا مسئلہ ہو، یا دارفور میں عیسائی باغیوں کی کھلم کھلا بغاوت ہو یا مشرقی تیمور میں ایک قلیل مدت میں عیسائی حکومت کا قیام ہو ہر جگہ اسلامی ممالک اور مسلمان ہی براہ راست امریکہ کے ظلم اور جبر کا شکار ہیں اس لیے مزاحمت بھی مسلمان نہیں کریں گے تو کیا یہودی ان کے بدلے مزاحمت کریں گے؟ ہمیں یقین ہے کہ اگر امریکہ اور مغرب اپنی دوغلی اور ظالمانہ پالیسیانہ تبدیل کرلیں تو نہ صرف تمام اسلامی برادری اسکی مخالفت ترک کردے گی بلکہ پوری دنیا میں بھی امن قائم ہوجائے گا۔

امریکی دہشت گردی کی تاریخ

امریکی دہشت گردی کی سو سال سے زائد پرانی تاریخ پہلی بار منظر عام پر

دہشت گردی ایک عالمی مسئلہ ہے اور دہشت گردی چاہے کوئی فرد واحد کرے، چاہے کوئی تنظیم کرے یا کوئی ریاست کرے وہ قابل مذمت ہے اور اس کے مجرم کو سزا ملنی چاہیے۔اس وقت دنیا میں بڑا عجیب منظر دکھائی دیتا ہے کہ دنیا کا سب سے بڑا دہشت گرد ملک امریکہ اپنی دہشت گردی اور بدمعاشی سے دنیا کی توجہ ہٹانے کے لیے پوری دنیا کے سامنے دہشت گردی کے خلاف جنگ کا ناٹک رچا رہا ہے۔امریکہ جس کی تاریخ ہزاروں لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں انسانوں کے خون سے رنگین ہے وہ پوری دنیا میں امن اور انسانی حقوق کا چیمپئین بنا ہوا ہے۔افسوس اس بات کا ہے کہ ہمارے نام نہاد دانشور صاحبان اور کالم نگار حضرات کہ جن کو اللہ نے لکھنے کی صلاحیت دی ہے اور ایک وسیع حلقہ تک ان کی رسائی ہے جہاں وہ اپنی بات پہنچا سکتے ہیں وہ انسانیت کے مجرم امریکہ کی حقیقت بیان کرنے کے بجائے اسی قاتل کی حمایت کا درس دیتے ہیں اور اس کو زمینی حقائق کا نام دیتے ہیں۔ بہر حال ان کی رسائی ایک بہت بڑے حلقہ تک ہے اور ہماری رسائی بہت محدود حلقہ تک ہے ہم اسی حلقے تک اپنی بات پہنچاتے رہیں گے اس یقین کے ساتھ کہ ع بات جو دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے-پر

نہیں طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے۔

امریکہ اپنے قیام کے وقت سے ہی بے گناہوں خون بہا رہا ہے۔ تاریخ یہ بتاتی ہے کہ کولمبس نے جب امریکہ دریافت کیا تو اس کے بعد اول یورپ کے مہم جو اور مجرم لوگ سونے اور ہیرے جواہرت کی تلاش میں یہاں آتے تھے پہلے انہوں نے اس خطہ زمین کے اصل باشندوں اور وارث ریڈ انڈینز کو بے دردی سے قتل کیا، ان کی نسل کشی کی اور اس کے بعد ان کے وطن پر قابض ہو گئے۔ آج ریڈ انڈینز وہاں صرف سینکڑوں کی تعداد میں ہیں۔

مہذب دنیا میں امریکہ کی دہشت گردی کی تاریخ سوا سو سال کے عرصے پر محیط ہے۔ امریکہ نے اپنے مفادات کے لیے ملکوں پر بمباری، میزائل حملے، مختلف ممالک کے امریکہ مخلاف لیڈرز کو قتل کرنے کے لیے کرائے کے قاتلوں کی خدمات، اور اپنی من پسند حکومتیں بنانے کے لیے ڈالرز کی برسات سمیت ہر حربہ استعمال کیا ہے۔ آج ہم امریکہ کی اسی دہشت گردی کی تاریخ پیش کریں گے۔

دوسری جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد امریکہ نے اپنے مفادات کے لیے بائیس سے زائد ممالک پر بمباری اور میزائل حملے کیے ہیں اور ان ممالک میں اب پاکستان بھی شامل ہے دوسری جنگ عظیم اختتام پر تھی اور جاپانی افواج شکست تسلیم کرنے والی تھیں

کہ امریکہ نے بلاجواز جاپانی شہروں ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم برسا کر لاکھوں انسانوں کا قتل عام کیا اور یہ شہر صفحہ ہستی سے مٹ گئے۔اور اس ایٹم بم کی تابکاری اثرات کے تحت آج تک وہاں معذور بچے پیدا ہوتے ہیں۔

انیس سو پینتالیس اور چھیالیس میں امریکہ نے چین پر بمباری کی،انیس سو پچاس سے انیس سو ترپن تک کوریا پر بمباری کی گئی۔انیس سو اٹھاون میں انڈونیشیا پر بمباری کی گئی،انیس سو ساٹھ میں کیوبا پر بمباری کی گئی۔انیسو سو ساٹھ ہی میں گوئٹے مالا،انیس سو چونسٹھ میں کانگو،انیس سو پنیسٹھ میں پیرو،انیس سو چونسٹھ سے انیس سو تہتر کے دوران لائوس،انیس سو اکسٹھ سے انیس سو ستر کے دوران کمبوڈیا پر،انیس سو تراسی میں گرینیڈا پر۔انیس سو چوراسی میں لبنان پر،انیس سو چھیاسی میں لیبیا پر،انیس سو اسی میں السلواڈور پر،انیس سو نواسی میں پنامہ پر بمباری کی گئی۔

امریکہ اپنے مفادات کے لیے مختلف ممالک میں دخل اندازی کرتا رہا ہے۔امریکہ نے آج تک اپنے مفادات کے لیے پاکستان سمیت کئی ملکوں میں بمباری کی اور اپنی فوجیں اتاریں۔اٹھارہ سو اٹھانوے میں اسپین سے جنگ کے دوران امریکی فوج نے چھ لاکھ افراد ہلاک کردیے۔انیس سو ایک میں جب پنامہ کے عوام نے کولمبیا سے آزادی کا مطالبہ کی تو امریکہ نے فوراً وہاں انقلابیوں کی مدد کے بہانے وہاں فوجیں اتار

کر قبضہ کرلیا اور تقریباً چودہ سال تک پنامہ پر قابض رہا

انیس سو چودہ میں ہی ہیٹی میں انقلاب آتے ہی امریکی فوج نے حکومت پر قبضہ کرلیا اور انیس سال تک اپنا تسلط جمائے رکھا۔ انیس سو اٹھارہ میں روس میں بالشویکی انقلاب کے بعد انیس سو بائیس تک پانچ سال پانچ مرتبہ امریکی فوج کو اتار دیا انیس سو بائیس ہی میں ترکی کے شہر سمرنہ میں امریکی فوجوں نے ترکی فواج کے خلاف جنگ لڑی۔ انیس سو ستائیس میں چین میں امریکی افواج کا داخلہ ہوا اور انیس سو چونتیس تک امریکہ نے یہ قبضہ برقرار رکھا اور امریکہ نے جاتے جاتے عظیم چینی قوم کو ایک سازش کے تحت افیون کے نشے مین مبتلا کیا تاکہ یہ عظیم قوم کبھی سر نہ اٹھا سکے۔ انیس سو اکتالیس سے انیس سو پینتالیس تک امریک فوجیں جرمنی، جاپان، اور اٹلی کے خلاف لڑیں، انیس سو چھیالیس میں یوگوسلاویہ میں ایک لڑاکا امریکی طیارہ فضائی حدود کی خلاف ورزی پر اتار لیا گیا۔ جس پر امریکہ نے مشتعل ہو کر امریکی بحری بیڑے نے یوگوسلاویہ کے ساحل کا محاصرہ کرلیا۔ انیس سو اڑتالیس میں جرمنی کے شہر برلن کے گرد ایک سال سے زائد عرصے تک محاصرہ کیا گیا انیس سو ترپن میں امریکی سی آئی اے نے مصدق کی حکومت کا خاتمہ کر کے امریکی پٹھو رضا شاہ پہلوی کی حکومت قائم کی گئی۔

انیس سو پچاس سے انیس سو پچھتر کے دوران ویتنام پر امریکہ نے چڑھائی کردی اور

بدترین ہزیمت کے بعد وہاں سے پسپائی۔ انیس سو اکیاسی میں امریکی ائر فورس نے لیبیا کے دو طیارے مار گرائے انیس سو بیاسی سے انیس سو چوراسی لبنان میں خانہ جنگی کے دوران امریکہ نے موقع غنیمت جان کر اپنی فوجیں اتار دیں اور تین کے بعد وہاں وہاں سے فوجوں کو واپس بلایا گیا انیس سو چراسی ہی میں امریکی لڑاکا طیاروں نے دو ایرانی جہازوں کو خلیج فارس میں حملہ کرکے تباہ کردیا انیس سو چھیاسی میں لیبیا کے دارالحکومت طرابلس اور اس کے ارد گرد امریکہ طیاروں کی بمباری انیس سو نواسی انڈونیشیا ہیں صدر نوریگا کا تختہ الٹنے کے لیے ستائیس ہزار امریکی فوج کا حملہ اور مزاحمت پر دو ہزار شہری ہلاک کردئے گئے انیس سو نوے اور اکیانوے میں عراق سے لڑنے کے لیے سعودی عرب میں امریکی فوجی اڈوں کا قیام اور تاحال یہ اڈے قائم ہیں انیس سو اکیاسی ہی میں کویت میں عراقی افواج کو نکالنے کے بہانے امریکی فوج کا داخلہ انیس سو بیانوے سے انیس سو چورانوے میں صومالیہ میں خانہ جنگی کے دوران امریکی فوج کی کاروائیاں اور بے گناہ شہریوں کا قتل انیس سو پچانوے میں بوسنیا میں امریکی جنگی طیاروں کی نو فلائی زون کی خلاف ورزی۔ انیس سو اٹھانوے میں سوڈان میں کیمائی اسلحہ تیار کرنے کے شبہے میں دوا ساز فیکٹری کو میزائل حملے کرکے تباہ کردیا گیا۔ انیس سو اٹھانوے ہی میں افغانستان کے شہر خوست میں امریکی میزائل برسائے گئے۔ انیس سو اٹھانوے تا دو ہزار ایک تک عراق میں نو فلائی زون کی کئی بار خلاف ورزی اور بغداد سمیت دیگر شہروں میں میزائل برسائے گئے

دو ہزار ایک میں نائن الیون کو بہانہ بنا کر امریکہ نے افغانستان پر قبضہ کرلیا اور تا حال یہ قبضہ برقرار ہے

دو ہزار تین میں عراق پر کیمیائی ہتھیاروں کی تیاری کا الزام لگا کر حملہ کیا گیا اور وہاں صدر صدام حسین کی حکومت کا تختہ الٹ کر قبضہ کیا گیا جو کہ آج تک برقرار ہے۔ یہ واضح رہے کہ اس قبضہ کے دوران عراق کے صدر صدام حسین کو پھانسی دیدی گئی۔

دو ہزار پانچ سے امریکہ نے پاکستانی علاقوں میں میزائل برساتا رہا ہے اور اب اس سلسلہ کو بڑھا کر پاکستانی حدود کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ڈرون حملے شروع کر دئے گئے ہیں اور تا حال یہ سلسلہ جاری ہے۔

ہم نے امریکہ دہشت گردی کی ایک مختصر سی تاریخ پیش کی ہے اور ان صفحات کی تنگی کی وجہ سے ہم یہاں انکی تفصیلات نہیں تحریر کر رہے ہیں۔اس مختصر سے جائزے سے ہی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دنیا کے امن کو خطرہ کسی اور سے نہیں بلکہ امریکہ سے ہے۔اور امریکی پالیسیوں اور ظلم کے باعث ہی آج دنیا میں ایک بے چینی پھیلی ہوئی ہے۔اگر امریکہ واقعی دنیا میں امن چاہتا ہے اور واقعی امریکہ کو محفوظ بنانا چاہتا ہے تو سب سے پہلے وہ اپنی پالیسیاں تبدیل کرے اس کے بغیر دنیا میں کبھی

بھی امن قائم نہیں ہو سکتا۔

نوٹ: اعداد و شمار انٹرنیٹ اور ولیم بلم WILLIAM BLLUM کی کتاب کلنگ ہوپ KILLING HOPE سے لیے گئے ہیں

پاکستانی سیاست، شخصیت پرستی۔ اور افتخار چوہدری

جیسے جیسے وکلاء تحریک میں جان پڑتی جارہی ہے تو اس کے مخالفین کی بوکھلاہٹ میں بھی اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ پاکستان پیپلز پارٹی نے وکلاء تحریک کی مقبولیت سے خائف ہوکر اپنے ایک دیرینہ ساتھی اور وفادار کارکن اعتزاز احسن کی رکنیت ختم کردی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہی پیپلز لائرز فورم جو مشرف کے دور میں ججز بحالی تحریک میں پیش پیش تھی اب اس نے صاف طور پر اس کی مخالفت کردی ہے اور اس نے لانگ مارچ سے لاتعلقی کا اعلان کردیا ہے۔ نواز شریف کی رواں ہفتے میں نواز شریف کی پریس کانفرنس اور لانگ مارچ میں بھرپور شرکت کے اعلان نے حکومت اور ججز بحالی تحریک کے مخالفین کو مزید دہشت زدہ کردیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ بزرگ سیاستدان، اور جماعت اسلامی کے امیر قاضی حسین احمد کی لانگ مارچ اور دھرنے کی حمایت کے اعلان نے رہی سہی کسر بھی پوری کردی ہے اور اس وقت حکومتی کیمپ شدید گھبراہٹ کا شکار ہے اسی لیے مشیر داخلہ رحمٰن ملک صاحب نے قاضی حسین احمد صاحب سے لانگ مارچ میں شرکت نہ کرنے کی درخواست کی تھی۔ جو کہ ظاہر ہے کہ جماعت اسلامی نے چونکہ دھرنے کی حمایت کا فیصلہ کیا ہے اس لئے اس پر بات مزید آگے نہیں بڑھی ہے۔

وکلاء تحریک کے مخالفین اس تحریک کی مخالفت میں ایک بات کا بہت تزکرہ کرتے ہیں کہ یہ تحریک کوئی سسٹم یا عدلیہ کی بحالی کی تحریک نہیں ہے بلکہ یہ صرف شخصی تحریک ہے اور جسٹس افتخار محمد چوہدری اپنی انا اور ذات کے لیے یہ تحریک چلا رہے ہیں۔اس حوالے سے متحدہ قومی موومنٹ پاکستان پیپلز پارٹی کے رہنماؤں اور جناب مولانا فضل الرحمٰن صاحب کے بیانات ریکارڈ پر ہیں۔ ویسے تو اس ضمن میں عدلیہ بحالی تحریک کے مخالف اور جسٹس افتخار محمد چوہدری سے خائف ہر فرد نے اپنی استعداد اور حیثیت کے مطابق اپنا حصہ ملایا ہے البتہ صرف ان تین پارٹیوں کا ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ تین پارٹیاں جنہوں نے عدلیہ بحالی یا ججز بحالی تحریک کو شخصیت پرستی قرار دیا ہے۔کیا ان کا اپنا طرز عمل اس کے مطابق ہے اور کیا انہوں نے ہمیشہ صرف اصولوں کی سیاست کی ہے اور شخصیات کو کبھی بھی اہمیت نہیں دی ہے۔

سب سے پہلے ہم فاروق نائیک صاحب کا ذکر کریں گے۔آپ کا تعلق پیپلز پارٹی ہے آپ کا کہنا ہے کہ شخصیت کے بجائے اصولوں کو ترجیح دیں گے۔ لیکن کیا آپ کی پاکستان پیپلز پارٹی میں شخصیت پرستی کے علاوہ کچھ اور بھی ہے؟ پاکستان پیپز پارٹی کی بنیاد جناب ذوالفقار علی بھٹو صاحب نے 1968 میں رکھی ،پی پی کی تاسیس سے لیکر بھٹو صاحب کی وفات کے دن تک صرف بھٹو صاحب ہی پارٹی کو چلاتے رہے اور واضح رہے کہ 1968 سے لیکر 1977 میں میں بھٹو صاحب کی گرفتاری تک کبھی پارٹی الیکشن نہیں

ہوئے اور پوری پارٹی بھٹو صاحب کی شخصیت کے سحر میں مبتلا رہی اور کبھی کسی نے اس بات پر اعتراض نہیں کیا۔ بھٹو صاحب کی وفات کے بعد چند سال تک بیگم نصرت بھٹو صاحبہ کو چیئر پرسن بنایا گیا۔اس کے بعد 1983 میں محترمہ بے نظیر بھٹو صاحبہ کو تاحیات چیئر پرسن بنایا گیا اور وہ اپنے قتل کے دن تک پارٹی کی تاحیات چیئرپرسن تھیں 1983سے 2007 تک پچیس سال تک محترمہ نے پارٹی الیکشن نہیں کرائے۔اور کبھی کسی نے اس پر اعتراض نہیں کیا۔ محترمہ کے انتقال کے بعد پارٹی کی چیئر مین شپ ایک متنازعہ وصیت کی رو سے محترمہ کے صاحبزادے بلاول علی زرداری کو دیدی گئی اور عوام اس پر اعتراض نہ کریں کہ سینئر کارکنان کی موجودگی میں ایک نوعمر فرد کو اتنی بڑی ذمہ داری کیوں دی گئی اس کے لیے ایک بار پھر بھٹو خاندان کا نام استعمال کیا گیا اور جناب آصف علی زرداری صاحب نے اپنے صاحب زادے کا نام تبدیل کرکے بلاول بھٹو زرداری کردیا۔یہاں یہ واضح رہے کہ اصولی طور پر چیئر مین شپ پر جناب مخدوم امین فہیم صاحب کا استحقاق تھا لیکن ان کی سینیارٹی کو نظر انداز کرکے محض محترمہ کی شخصیت کی وجہ سے ان کی حق تلفی کرکے ان کو کنارے کردیا گیا۔اب فاروق نائیک صاحب بتائیں کہ ان شخصیت پرستی کے بجائے اصولوں کو ترجیح دینے کی بات کہاں تک درست ہے۔کیوں کہ پی پی پی کی چالیس سالہ تاریخ میں سوائے شخصیت پرستی کے کچھ بھی نہیں ہے۔

اے پی ایم ایس او سے لیکر مہاجر قومی موومنٹ اور مہاجر قومی موومنٹ سے لیکر

متحدہ قومی موومنٹ تک، متحدہ کی تاریخ قائد تحریک الطاف حسین صاحب کے بغیر مکمل نہیں ہوتی اور متحدہ کے کسی بھی کارکن نے کبھی بھی ایم کیو ایم کا تصور قائد تحریک الطاف حسین صاحب کے بغیر نہیں کیا ہے۔ متحدہ کی تیس سالہ تاریخ میں قائد تحریک کی طلسماتی شخصیت چھائی ہوئی ہے۔اور کارکنان یہ نعرہ ہے کہ ہمیں منزل نہیں رہنما چاہیے۔ متحدہ کے کسی بھی ذمہ دار کا کوئی بھی بیان قائد تحریک الطاف حسین کے نام کے بغیر نہیں ہوتا، شہر میں جاری کسی بھی ترقیاتی منصوبے کے افتتاح، تکمیل یا کسی مہم کے آغاز میں الطاف حسین صاحب کے نام کے بغیر کوئی بینر، پوسٹر، ہورڈنگ یا اشتہار نہیں ہوتا۔ اگر یہ شخصیت پرستی نہیں تو اور کیا ہے۔

مولانا فضل الرحمٰن صاحب بھی پاکستانی سیاست کی اہم شخصیت ہیں 1980 میں اپنے والد محترم جناب مفتی محمود صاحب کے انتقال کے بعد آپ نے اپنی پارٹی کی قیادت سنبھالی۔اور اس وقت سے لیکر آج تک مولانا فضل الرحمٰن صاحب اپنی پارٹی جمیعت علماء اسلام کے سربراہ ہیں۔ مولانا صاحب کے یہاں بھی یہی صورتحال ہے کہ گزشتہ اٹھائیس سال سے پارٹی کے اندر الیکشن نہیں کرائے گئے ہیں۔اور اٹھائیس سال سے مولانا صاحب نے ہی پارٹی کی قیادت سنبھالی ہوئی ہے۔ ان کی پارٹی بھی ان کی شخصیت کے زیر اثر ہے اور شائد ان کے علاوہ کسی اور کو پارٹی کی قیادت کے لیے قبول نہ کرے۔اور خود مولانا نے بھی تمام پارٹی کے تمام اختیارات کو اپنی ذات تک محدود رکھا ہوا ہے اور پارٹی کے تمام فیصلے وہی کرتے ہیں۔اب ان تمام باتوں کے

بعد مولانا صاحب کو ججز بحالی تحریک کو شخصیت پرستی کو نام نہیں دینا چاہیے۔ یہاں یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ صرف جماعت اسلامی پاکستان کی واحد جماعت ہے جس میں باقاعدگی سے انتخابات ہوتے ہیں

قارئین ہم نے کوشش کی ہے کہ عدلیہ بحالی یا ججز بحالی تحریک کے مخالفین کے اعتراض کا جائزہ لیا جائے کہ اس میں کہں تک سچائی ہے تو یہ نتیجہ سامنے آیا کہ جسٹس افتخار محمد چوہدری کی ذات کو متنازعہ بنا کر ان لوگوں کا مقصد ان کو بدنام کرنا اور اس تحریک کو کمزور کرنا چاہتے ہیں کیوں کہ ان کو پتا ہے کہ جو شخص پاکستان کی ساٹھ سالہ تاریخ میں پہلی بار سرکاری ایجنسیوں کے لوگوں کا ہاتھ پکڑ سکتا ہے۔اور ایجنسیوں کے اہلکاروں کو عدالت میں طلب کر سکتا ہے،جو شخص ایک مطلق العنان آمر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کی ناجائز بات کو رد کر سکتا ہے،جو ساٹھ سال میں پہلی بار امریکی احکامات کے خلاف سوموٹو ایکشن لے سکتا ہے اور جو شخص بڑی بڑی مافیا کے منہ میں ہاتھ ڈال کر قومی اثاثوں کو اونے پونے بیچنے والوں کا ہاتھ روک سکتا ہے اور جو شخص امریکی احکامات کے تحت اغواء شدہ افراد کی بازیابی کے لیے سوموٹو ایشن لے سکتا ہے وہ اگر مزید کچھ عرصے تک چیف جسٹس کے عہدے پر رہ گیا تو شائد ساٹھ سالوں کو حساب دو تین سالوں میں چکا دے گا اس لیے چیف جسٹس کی کردار کشی کی جارہی ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ اس ملک میں امن و امان انصاف کا نظام رائج کردے چاہے وہ افتخار محمد چوہدری رائج کرے یا

کوئی اور عوام کو سستا انصاف مہیا ہونا چاہیے۔

وہی خدا ہے

اللہ تعالٰی نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا اور اس کو زمین میں اپنا نائب (خلیفہ) بنایا۔ انسان اور حیوان میں بنیادی فرق یہ ہے کہ انسان کو سوچنے سمجھنے کی صلاحیت اور عقل و شعور دیا اور تمام کائنات کو انسان کے لیے مسخر کر دیا۔ اور اللہ ہی کے دیے ہوئے اختیارات اور صلاحیتوں کی بنیاد پر انسان آج سائنس اور ٹیکنالوجی کے ذریعے کائنات کی تسخیر میں مصروف عمل ہے۔ انسان نے چاند پر قدم رکھ دیا، مریخ تک رسائی ممکن ہوتی جا رہی ہے۔ لاعلاج بیماریوں کا علاج دریافت کیا جا رہا ہے، سمندر کی تہوں میں جھانک رہا ہے۔ حتیٰ کہ انسان نے مصنوعی طور پر یعنی کلوننگ کے ذریعے اب انسان اور جانور تخلیق کر رہا ہے۔ یہ سب اللہ کی ہی دی ہوئی صلاحیت اور علم کے ذریعے ہی ممکن ہوا لیکن انسان سمجھتا ہے کہ سب کچھ میرے زور بازو ہی سے ممکن ہوا ہے اور میں خود مختار ہوں، انسان کی اسی روش پر اللہ تعالٰی قرآن مجید میں سورت انفطار کی آیت ۸-۶ میں فرماتا ہے ترجمہ : (اے انسان کس چیز نے تجھے اپنے اس رب کریم کی طرف سے دھوکے میں ڈال دیا جس نے تجھے پیدا کیا تجھے نک سک سے درست کیا تجھے متناسب بنایا اور جس صورت میں چاہا تجھ کو جوڑ کر تیار کیا۔) اسی لیے اللہ وقتاً فوقتاً انسان کو مختلف طریقوں سے اس کی بے بسی کا احساس دلاتا رہتا ہے کبھی زلزلہ کی صورت، کہیں سونامی کی صورت میں کہ انسان کی ساری سائنس دھری

رہ جاتی ہے۔ یہ اس لیے تاکہ انسان اپنے رب کو پہچان لے لیکن انسان سمجھ نہیں پاتا ہے اور بیشتر سائنس دان بشمول مغربی سائنسدان یہ نظریہ پیش کرتے ہیں کہ مذہب الگ چیز ہے اور سائنس الگ چیز ہے اور سائنس کی ہر چیز کی بنیاد ٹھوس حقائق پر مبنی ہوتی ہے، حالانکہ سائنس کی کوئی بھی چیز حتمی نہیں ہے اگرچہ کئی سائنسدان اس بات قرآن مجید کی عظمت کا اعتراف کر چکے ہیں لیکن اب بھی بیشتر سائنس دان اس کا اعتراف نہیں کرتے ہیں سائنس کا تو یہ حال ہے کہ اگر آج ایک نظریہ پیش کرتے ہیں اور کچھ عرصے کے بعد اس کے بالکل برعکس نظریہ آ جاتا ہے۔ آج کا انسان جو کائنات کی تسخیر کا دعویٰ کرتا ہے درحقیقت وہ ابھی اس زمین کی تمام مخلوقات تک ہی نہیں پہنچ پایا ہے۔۔ ہم اس حوالے سے کچھ رپورٹس کا ذکر کریں گے یہ تمام رپورٹس زمین پر نئے جانداروں کی دریافت سے متعلق ہیں۔ پہلی رپورٹ اکتوبر دو ہزار چار کی ہے سائنسدانوں کا ماننا ہے کہ انہوں نے جمہوریہ کونگو میں بن مانس کی ایک نئی نسل دریافت کی ہے۔ اس جانور کی صفات بن مانس اور گوریلے سے ملتی جلتی ہیں۔ جب یہ جانور کھڑا ہوتا ہے تو اس کا قد تقریباً دو میٹر لمبا ہوتا ہے اور یہ گوریلے کی طرح درختوں پہ نہیں بلکہ زمین پر رہتا ہے۔ سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ اگر یہ دریافت نئی ہوئی تو یہ پچھلے دس سالوں کی ایک انوکھی دریافت ہو گی۔

مقامی گاؤں کے لوگوں کے مطابق یہ بن مانس گھنے جنگلوں میں رہتا ہے اور شیر کو بھی مار سکتا ہے۔ لیکن یہ پر اسرار بن مانس دوسرے بن مانسوں سے سینکڑوں میل دور رہتے ہیں اور ان کی خوراک چمپانزیوں سے ملتی جلتی ہے۔ اس دریافت نے سائنسدانوں کو حیران کر دیا ہے۔

سائنسدان اب اس بات کی تصدیق کر رہے ہیں کہ آیا یہ نسل ایک نئی دریافت ہے یا نہیں۔ کچھ سائنسدانوں کا یہ بھی ماننا ہے کہ یہ جانور بہت بڑے چمپانزی ہیں جن کو پہلے کبھی ماپا نہیں گیا اور ان کا اٹھنا بیٹھنا گوریلوں کی مانند ہے۔

کچھ کا خیال ہے کہ یہ جانور بن مانس اور گوریلے کے ملاپ سے پیدا ہوا ہوگا۔ اب تک سائنسدانوں کی معلومات محدود ہیں اور وہ مزید معلومات اکٹھی کرنے کے لیے جمہوریہ کونگو کے جنگلوں میں جا رہے ہیں۔ اسی دوران اس بات کا بھی ڈر ہے کہ اگر ان بن مانسوں کو شکاریوں سے نہ بچایا گیا تو ہم ان کے بارے جاننے سے پہلے ان کو کھو بیٹھیں گے۔

دوسری رپورٹ دسمبر دو ہزار پانچ کی ہے

انڈونیشیا میں بورنیو کے گھنے جنگلات میں عالمی ماحولیاتی ادارے نے ایک نیا

جانور دریافت کیا ہے جو بظاہر ممالیہ کی ایک نئی قسم ہے۔ سائنسی اصطلاح میں (mammal) یعنی ممالیہ ان جانوروں کو کہتے ہیں جو اپنے بچوں کو دودھ پلاتے ہیں۔ ماحولیات کے عالمی ادارے 'ورلڈ وائڈ فنڈ' نے اس جانور کی دو تصاویر حاصل کی ہیں۔ یہ ایک پالتو بلی سے بڑا ہے، اس کا رنگ گہرا سرخ ہے اور اس کی لمبی اور مضبوط دم ہے۔

ادارے کے مطابق مقامی لوگوں نے اس جانور کو پہلے کبھی نہیں دیکھا ہے اور محققین کا کہنا ہے کہ یہ ایک نیا جانور ہے۔ان تصاویر کی ہلکی سی مشابہت لیمر کے ساتھ ہے لیکن ماہرین کا کہنا ہے کہ بورینو کے جنگلات میں لیمر یقیناً موجود نہیں ہیں اور یہ صرف مڈغاسکر کے جزیروں میں پائے جاتے ہیں۔

اس کی دم دیکھ کر صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ بہت مضبوط ہے اور درختوں کے اوپر بھی چڑھ جاتا ہے۔ شاید اسی وجہ سے پہلے یہ نظروں سے اوجھل رہا ہے۔

جمہوریہ کانگو کے ایک دور دراز جنگل میں سائنسی مہم کے دوران جانوروں کی چار نئی اقسام منظر عام پر آئی ہیں۔ حیات کا بچاؤ کرنے والوں کے ہاتھ جو جانور لگے ہیں ان میں چمگادڑ، چوہے اور مینڈک کی نسل کے جانور شامل ہیں۔ مہم کی سربراہی کرنے والے ادارے وائلڈ لائف کنزرویشن سوسائٹی کے رکن ڈاکٹر اینڈریو پلمٹرے کا کہنا تھا کہ ' اگر ہم اتنے مختصر عرصے میں چار نئی اقسام دریافت کر لیتے ہیں تو

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہاں مزید کیا کچھ مل سکتا ہے۔ان کا کہنا تھا کہ ’جنگل کا یہ علاقہ بقیہ کانگو سے شاید گزشتہ دس ہزار سال سے کٹا رہا ہے۔

مینڈک کی نسل کے جو دو نئے پھدکنے والے جانور ملے ہیں ان میں ایک چھوٹا سا نہایت چکمدار سبز مینڈک ہے جبکہ دوسرا جانور ایک سے دو سینٹی میٹر لمبا اور سیاہ رنگ کا ہے اور اس کا تعلق مینڈکوں کی ایسی نسل سے لگتا ہے جس کا دنیا کو پہلے سے علم نہیں ہے۔

مہم میں شامل سائنسدانوں کا خیال ہے انہیں اس دوران شاید پودوں کی بھی نئی اقسام ملی ہوں۔ انہوں نے جو پودے اکھٹے کیے ہیں وہ ان میں دس فی صد کی ابھی تک شناخت نہیں کر سکے ہیں۔ اب ان نمونوں کا باقاعدہ مشاہدہ کیا جائے۔ سروے کے دوران یہ بھی سامنے آیا ہے کہ پرندوں، رینگنے اور پانی اور خشکی پر یکساں طور پر رہنے والے جانوروں کی کئی اقسام ان جنگلوں میں رہ رہی تھیں۔

مہم کے دوران سائنسدانوں نے چیمپینزی، بھینس، ہاتھی، چیتے اور بندر کی کئی اقسام سمیت دودھ پلانے والے جانوروں کی کئی اقسام بھی دیکھیں، تاہم ان اقسام کے جانوروں کی تعداد توقع سے کم تھی۔

سائنسدانوں کا خیال ہے کہ یہاں اتنے جانوروں اور پودوں کے بچے رہنے کی وجوہات اس علاقے کا باقی دنیا سے کٹا رہنا اور انسانی آبادی کا نہ ہونا ہیں۔

ایک اور رپورٹ کے مطابق سائنسدانوں نے بحر اوقیانوس میں نئی نوع کی آبی حیات کا خزانہ دریافت کیا ہے جن میں ایک سرخ رنگ کا چمکیلا طعمہ ماہی بھی ہے۔ سائنسدان دو ماہ سے بحر اوقیانوس کے وسط میں پہاڑی چوٹی کے قریب تحقیق کر رہے تھے۔ اس تحقیقی مہم کی سربراہی ناروے کے سائنسدان کر رہے ہیں اور یہ انٹرنیشنل سینسس آف میرین لائف کا حصہ ہے۔اس مہم میں چار ہزار میل کا سفر کیا اور انتہائی جدید آلات کا استعمال کیا گیا۔ یہ اپنی نوعیت کی پہلی مہم ہے اور اس میں مچھلی کی تین سو اور طعمہ ماہی اور اکٹوپس کی پچاس نئی نسلیں دریافت کی گئی ہیں۔

نئی نسل کی ایک مچھلی جو سائنسدانوں نے پکڑی ہے وہ بنسی باز مچھلی کی طرح کی ہے جو اپنے منہ اور سر پر تاروں کی حرکت سے دوسری چھوٹی مچھلیوں کا شکار کرتی ہے۔

اب ان تمام رپورٹس کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات سامنے آتی ہے کہ وہ انسان جو کہ اس وقت سمندروں کا سینہ چیر کر اس کے اسرار کی کھوج لگا رہا، پہاڑوں کی چوٹیاں سر کر رہا ہے، آسمانوں کی تسخیر کر چکا ہے نئی نئی دنیاؤں کی دریافت کر

رہا ہے لیکن وہ اسی زمین پر موجود اللہ کی تخلیقات کو ہی نہیں کھوج سکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں کروڑہا مخلوقات اور انواع و اقسام کے پھل اور پودے پیدا کیے ہیں ایک صاحب نے اپنا واقعہ بتایا کہ ایک دفعہ وہ اپنے ایک دوست کے گاؤں اس سے ملنے گئے اس دوست کے آموں کے باغات تھے اس نے بتایا کہ صرف ایک پھل آم کی صرف میرے پاس ہی دو سو اقسام ہیں اللہ جانے اور دنیا میں کتنی ہونگی۔ دراصل یہ سب چیزیں انسان کو یہ احساس دلاتی ہیں کہ سائنس دراصل اللہ کے عطا کردہ علم کی ایک چھوٹی سی شاخ ہے یہ خود خدا نہیں ہے سائنس کو خدا سمجھنے والوں کو اور اللہ کو ہستی کو انکار کرنے والے مغربی سائنسدانوں کو سوچنا چاہیے کہ اللہ ایسے ہی اپنے وجود کا احساس دلاتا ہے بقول مظفر وارثی ع کوئی تو ہے جو نظام ہستی چلا رہا وہی خدا ہے۔ دکھائی بھی جو نہ دے، نظر بھی جو آ رہا ہے وہی خدا ہے۔ اور وہ جو علامہ اقبال نے کہا تھا کہ ع یہ کائنات ابھی نا تمام ہے شائد۔ کہ آ رہی ہے دمادم صدائے کن فیکون

رنگ بدلتی سیاسی صورتحال

وطن عزیز کی سیاسی صورتحال اس وقت بہت دھماکہ خیز ہو گئی ہے اور ہر لحہ بدلتی صورتحال میں قبل از وقت کچھ کہنا مشکل ہے کہ کل کیا ہو جائے۔ شریف.برادران کی نااہلی کے فیصلے کے بعد حالات .بڑی تیزی سے کروٹ بدل رہے ہیں۔اور بظاہر یہ لگ رہا ہے کہ نواز شریف کی نااہلی کے فیصلے سے انہیں فائدہ پہنچا ہے کیوں کہ شریف .برادران نااہلی سے پہلے بھی ججز بحالی ایشو پر بات کر رہے تھے لیکن ان کی بات میں وزن نہیں تھا کیوں کہ نواز شریف صاحب نے آغاز میں جب الیکشن کے فوری بعد جوڑ توڑ ہو رہی تھی اور زرداری صاحب ابھی صدر نہیں بنے تھے اس وقت ایک کمزور آصف علی زرداری کے لیے نواز شریف کی بات رد کرنا بہت مشکل ہوتا لیکن اس وقت نواز شریف نے مصلحت کے تحت اس ایشو پر زیادہ بات نہیں کی بقول نواز شریف کے کہ وہ زرداری صاحب پر اعتماد کر رہے تھے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ لیکن اگر دیکھا جائے تو شریف.برادران نے حالیہ الیکشن کے بعد سے ہی آگے کی پلاننگ کر لی تھی اور تجزیہ نگاروں کا بالکل ٹھیک کہنا تھا کہ یہ الیکشن نواز شریف کے نہیں ہیں نواز شریف اس الیکشن سے صرف وارم اپ ہو رہے ہیں اور ان کی نظر اگلے الیکشن پر ہے۔دوسری بات یہ کہ نواز شریف نے جب پیپلز پارٹی پر دباؤ.بڑھانے کا موقع تھا تو اس وقت انہوں نے پنجاب میں اپنی حکومت بنانے کو ترجیح

دی۔اور اب جبکہ پیپلز پارٹی اور بالخصوص زرداری صاحب ایک طاقت ور پوزیشن میں ہیں تو اب انھوں نے اپنا مطالبہ دہرانا شروع کیا ہے۔ بہرحال اس وقت صورتحال نواز شریف صاحب کے حق میں جارہی ہے کیوں کہ موجودہ حکومت کی مایوس کن کارکردگی، اور نواز شریف کے مؤقف کی عوام میں پذیرائی کے باعث شریف.برادران اس وقت میڈیا پر چھائے ہوئے ہیں۔

دوسری طرف حکومتی کیمپ میں اس وقت ہل چل مچی ہوئی ہے کیوں ق لیگ نے غیر متوقع طور پر حکومت کے بجائے ن لیگ کی حمایت کا فیصلہ کیا ہے اور یہ موجودہ حکومت کے لیے ایک دھچکہ ہے کیوں کہ ق لیگ نے جس طرح ماضی میں پرویز مشرف کا ساتھ دیا تھا اور اس وقت بھی حکومت کی حامی اور بالخصوص متحدہ قومی موومنٹ کے ساتھ اس کے تعلقات بہت اچھے تھے اس تناظر میں ق لیگ کی جانب سے نواز شریف کے ساتھ یکجہتی کے اظہار نے موجود حکومت کے لیے ایک مشکل صورتحال پیدا کردی ہے۔ لیکن ق لیگ کی جانب سے ن لیگ کی حمایت میں بھی ایک بہت.بڑا طوفان چھپا ہوا ہے کیوں کہ اگر دیکھا جائے تو ق لیگ کے اس فیصلے میں قوم پرستی کا تاثر پایا جاتا ہے۔ایسا لگتا ہے کہ ق لیگ نے سندھی کی حکومت کے بجائے پنجابی کی اپوزیشن کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا ہے۔اگر یہ بات صحیح ثابت ہوگئی تو یہ بات ملی یکجہتی کے لیے تباہ کن ثابت ہوگی۔اور اس کے اثرات پورے ملک پر پڑیں گے۔اس فیصلے سے پورے ملک میں تعصب اور قوم پرستی کی آگ بھڑک

اٹھے گی جس کو بجھانا بہت مشکل ہوگا۔

تیسری طرف جماعت اسلامی بھی کمر کس کر میدان میں آ گئی ہے اور اس نے بھی وکلاء کے احتجاج اور دھرنے میں بھرپور شرکت کا فیصلہ کیا ہے اس ضمن میں چند روز پیشتر مشیر داخلہ رحمٰن ملک صاحب نے قاضی حسین احمد سے ملاقات کرکے ان سے دھرنے میں شرکت نہ کرنے کی درخواست کی ہے جس سے حکومت کی گھبراہٹ کا اظہار ہوتا ہے یہاں یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ اسوقت موجودہ سیاسی پارٹیوں میں صرف جماعت اسلامی اور متحدہ قومی موومنٹ ہی وہ دو پارٹیاں ہیں جو کہ اسٹریٹ پاور رکھتی ہیں اور وہ کسی بھی وقت اپنے کارکنان کو سڑکوں پر لانے کی صلاحیت رکھتی ہیں اس لیے حکومت کی گھبراہٹ سمجھ میں آتی ہے۔ بہر حال اس سیاسی رابطوں کے حوالے سے یہ بات بہت اہم ہے کہ نواز شریف نے سترہ سال کے بعد منصور میں جاکر قاضی حسین احمد سے ملاقات کی ہے اور اس میں آئندہ کا لائحہ عمل طے کیا گیا ہے۔

ادھر حکومت نے اس ساری صورتحال کو سمجھنے اور وقت حاصل کرنے کے لیے ایک تو گورنر راج نافذ کردیا ہے۔اور دوسری طرف ایک متنازعہ ایشو کو چھیڑ کر شریف .برادران کے خلاف حکمت عملی کا آغاز کردیا ہے اور حکومت کی طرف سے فی الحال اور کوئی ایشو نہیں ہے تو اس لیے بینظیر کی یادگار کا مسئلہ اٹھایا گیا ہے

حالانکہ لیاقت باغ جہاں محترمہ کو قتل کیا گیا وہاں کوئی باقاعدہ یادگار نہیں تھی اور صرف محترمہ کی تصاویر وہاں لگی ہوئی تھیں جن کو مشتعل مظاہرین کو پھاڑ دیا۔اس صورتحال میں پیپلز پارٹی نے ایک بار پھر بھٹو کارڈ استعمال کرتے ہوئے اس کو محترمہ کی یادگار کی بے حرمتی کہہ کر عوام کے جذبات کو بھڑکانے کی کوشش کی اور اس میں ایک حد تک کامیاب بھی رہی۔اس کے ساتھ ساتھ متحدہ قومی موومنٹ نے بھی اس ایشو پر پی پی پی سے بھی بڑھ کر رد عمل کا اظہار کیا اور اس واقعے کی مذمت میں اتوار کو ایک ریلی کا اہتمام کیا۔ متحدہ قومی موومنٹ نے ابتداء میں اس مسئلے پر محتاط رویہ اپنایا تھا مگر پھر اس نے کھل کر ن لیگ کی مخالفت شروع کردی ہے۔حکومت اور اپوزیشن کی کشمکش میں شہباز شریف نے بھی ایک شوشہ چھوڑ دیا ہے کہ وزیر اعظم گیلانی نے لانگ مارچ میں شرکت کا وعدہ کیا ہے۔ بظاہر ان کے اس دعویٰ میں کوئی صداقت نہیں ہے لیکن اس سے انہوں نے حکومتی کیمپ میں انتشار پھیلانے کی کوشش کی ہے اور زرداری صاحب اور وزیر اعظم صاحب کے تعلقات کے حوالے سے آج کل جو افواہیں اڑ رہی ہیں انکے تناظر میں اس کے بہت دور رس نتائج نکلیں گے۔

ادھر اس ساری صورتحال میں سب سے آرام سے اگر کوئی بیٹھا ہے تو وہ گورنر پنجاب سلمان تاثیر ہیں کیوں کہ اس ساری صورتحال کی بڑی ذمہ داری ان کے غیر ذمہ دارانہ رویہ اور ن لیگ سے محاز آرائی پر عائد ہوتی ہے کیوں کہ اول روز

سے ان کے رویہ پنجاب حکومت سے معاندانہ تھا اور وہ پنجاب حکومت کے خلاف سازشیں کر رہے تھے۔اس حوالے سے ان کی تیاری اور ہوم ورک کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ انہوں نے نا اہلی کا فیصلہ آنے سے کئی دن پیشتر ہی پنجاب حکومت کی رخصتی اور پنجاب میں پی پی پی کی حکومت کا اشارہ دیدیا تھا۔اور نا اہلی کا فیصلہ آنے کے بعد جیسے ہی گورنر راج نافذ ہوا تو اگلے ہی دن انہوں نے ن لیگ کے حامی افسران کو نکال باہر کیا اور اپنے من پسند افراد کا تقرر کردیا۔اس سے ان کی تیاری کا اندازہ ہوتا ہے۔اور اس وقت بھی ان کو اس ساری صورتحال کی کوئی فکر نہیں ہے۔

یہ تو ساری موجودہ صورتحال کا ایک جائزہ تھا۔اگر اس جائزہ کے بعد ہم یہ دیکھنا چاہیں کہ کون صحیح ہے اور کون غلط تو اس کے لیے ہمیں انفرادی طور پر حکومت اور اپوزیشن کے موقف کا جائزہ لینا ہوگا۔نواز شریف کے مخالفین ان پر یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک جمہوری سیٹ اپ کو متاثر کیا اور ان کی وجہ سے سسٹم کو خطرہ لاحق ہے۔کیوں کہ اگر وہ تحریک کا اعلان نہ کرتے اور عدلیہ کے فیصلے کو قبول کرلیتے تو صورتحال مختلف ہوتی اور بات چیت کے ذریعے یہ مسئلہ حل کردیا جاتا اور دوسرا الزام ان پر ان کے ماضی کے حوالے سے لگایا جاتا ہے۔کہ ماضی میں انہوں نے سپریم کورٹ پر حملہ کیا۔اور مخالفین کو دیوار سے لگانے کی کوشش کی۔دوسری طرف نواز شریف کا کہنا ہے ججز کی بحالی اور

آزاد عدلیہ کے بغیر جمہوری سسٹم کبھی مستحکم نہیں ہوگا۔اور انکا یہ بھی موقف ہے کہ زرداری صاحب نے اپنے قول و اقرار کی پاسداری نہیں کی اس لیے ان پر مزید اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔اس کے علاوہ انہوں نے صدر زرداری پر بزنس ڈیل کا بھی الزم لگایا ہے۔حکومت کی اہم اتحادی متحدہ قومی موومنٹ نے بھی نواز شریف کی کھل کے مخالفت کی ہے اور انکو ماضی کے حوالے سے معطون کیا ہے۔اب اگر ان تمام پارٹیوں کے موقف کا جائزہ لیا جائے تو ایک بات نظر آتی ہے کہ اگرچہ شریف برادران کا ماضی عدلیہ اور مخالفین کو دیوار سے لگانے کے حوالے سے واقعی داغدار ہےاور ان کی ماضی کی غلط بیانیاں بھی سب کے سامنے ہیں لیکن اب انہوں نے اپنے ماضی کی غلطیاں نہ دھرانے کا عہد کیا ہےاور وہ اس موقف پر قائم ہیں کہ پاکستان کو مستحکم کرنے لے لیے عدلیہ کا آزاد ہونا ضروری ہے،اور مشرف دور کے عدلیہ کے خلاف کیے گئے فیصلوں کو کالعدم قرار دینا ہوگا۔نواز شریف ابھی تک اپنے اسی موقف پر قائم ہیں۔اور یہی ان کی سب سے بڑی اخلاقی فتح ہے۔جب کے حکومتی کیمپ کا دامن اس حوالے سے خالی نظر آتا ہے۔کیوں کہ اول تو صدر پاکستان کا ماضی ان کی راہ میں ایک بہت بڑی رکاوٹ ہے اگرچہ لوگ انکے ماضی کو فراموش بھی کردیں تو انکی موجودہ حکومت کی مایوس کن کارکردگی اور بطور صدر اور ایک ذمہ دار فرد کے وعدہ خلافیاں کرنا اور بات کا پکا نہ ہونا عوام کے نزدیک قابل قبول نہیں ہے اور اسی وجہ سے انکی پوزیشن نواز شریف کے مقابلے میں کمزور ہے۔اگر حکومت کی اتحادی متحدہ کا

جائزہ کیا جائے تو وہ بھی کوئی اچھی پوزیشن نہیں رکھتی ہے کیوں کہ نواز شریف کے دوسرے دور سے لیکر موجودہ حکومت تک متحدہ نے ہر حکومت کی حمایت کی اور ہر حکومت میں شامل رہی ہے۔اس لیے ان کی بات میں بھی اتنا وزن نہیں ہوتا ہے اور بارہ مئی کے سانحے کے متحدہ کی ساکھ کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔اور یہ بھی ایک حقیقت ہے اگر غیر جانبداری سے تجزیہ کیا جائے تو یہ سامنے آتی ہے کہ حکومت کے پاس نواز شریف کے خلاف سوائے ماضی میں ان کے عدلیہ پر حملے کے علاوہ کوئی اور ایشو نہیں ہے جبکہ نواز شریف کے پاس حکومت کے خلاف کافی ایشوز ہیں۔اس لیے صورتحال ایسی بن گئی ہے کہ شریف برادران کے خلاف کیا گیا فیصلہ خود حکومت کے لیے ایک مسئلہ بن گیا ہے۔

ایک طرف تو یہ ساری صورتحال ہے تو دوسری طرف چیف آف آرمی اسٹاف جنرل اشفاق پرویز کیانی کا حالیہ دورہ امریکہ موجودہ ملکی حالات، سرحدوں کی صورتحال۔اور ممبئی دھماکوں کے پس منظر میں بہت اہمیت کا حامل ہے۔اب یہ صورتحال پیدا ہوتی نظر آرہی ہے کہ جمہوریت پر ایک بار پھر آمریت کے سائے منڈلا رہے ہیں۔یا پھر دوسری صورت میں صدر زرداری کا پاکستانی سیاست میں کردار ختم ہوتا نظر آرہا ہے۔کیوں کہ اگر آرمی ٹیک اوور نہیں کرتی ہے تو پھر صورتحال کو کنٹرول کرنے کے لیے زرداری صاحب کو اس سیٹ اپ سے باہر کرنا لازمی ہو جائے گا۔اب دیکھیں کہ یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے بقول شاعر یہ

ڈرامہ دکھلائے گا کیا

سین۔ پردہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ

لبرٹی حملہ ! بھارت کی سازش

آخر بھارت کامیاب ہوگیا۔ بھارت ایک عرصے سے جو پاکستان کو دہشت گرد اور ناکام ریاست ثابت کرنا چاہتا ہے۔اس مقصد میں کامیاب ہوگیا ہے۔اس کی پلاننگ تو ایک عرصے سے جاری تھی لیکن صحیح طریقے سے اس پر عمل ممبئی کے مشتبہ حملے کے بعد ہوا۔اور ممبئی حملہ کے بعد بھارت نے پاکستان پر دباؤ بڑھانا شروع کیا،اس کا سلسلہ یہاں تک پہنچا کہ آخر کار مشیر داخلہ رحمٰن ملک نے بہت بڑی بیو قوفی کرتے ہوئے ممبئی حملہ کی سازش کی پلاننگ کا کچھ حصہ پاکستان میں تیار ہونے کا اقرار کیا۔اس وقت بھی تجزیہ نگار یہ کہہ رہے تھے کہ یہ بہت بڑی بیو قوفی کی گئی ہے،اور اب یہ بات ثابت ہو گئی ہے۔ کیوں کہ جب ہم نے خود تسلیم کرلیا کہ دہشت گردی کا تعلق پاکستان سے ہے تو اب ہم لاکھ کہتے رہیں کہ یہ بھارت سازش ہے پوری دنیا میں کوئی بھی تسلیم نہیں کرئے گا ویسے تو ہمارے ارباب اختیار بھارت اور را کا نام لیتے ہوئے نہ جانے کیوں گھبراتے ہیں

یہ بات طے شدہ ہے کہ بھارت ایک عرصے سے پاکستان میں دہشت گردی کی کاروائیوں میں ملوث رہا ہے۔ کشمیر سنگھ ، سربجیت سنگھ،اور حالیہ پاک بھارت

کشیدگی کے بعد را کے ایجنٹوں کی گرفتاری کے بعد کسی کو اس بات میں شک نہیں ہونا چاہیے لیکن ہمارے ارباب اختیار اس بات کو تسلیم نہیں کرتے ہیں

لبرٹی حملے کے فوراً بعد ریٹائرڈ جنرل حمید گل اور دیگر نے اس کا الزام بھارت پر عائد کیا۔ اور ماضی میں بھارت کی اسی کاروائیوں کے ثبوت بھی دیئے۔اس حوالے سے سب سے دھماکہ خیز رپورٹ معروف صحافی انصار عباسی نے نجی ٹی وی سے بات کرتے ہوئے انکشاف کیا ہے کہ جنوری کے اواخر میں انٹیلی جنس سے ایک رپورٹ صوبائی حکومت کے حوالے کی تھی جس کے مطابق ۲۲ جنوری ۲۰۰۹ کو انٹیلی جنس نے یہ رپورٹ دی تھی کی را کے ایجنٹ یہاں موجود ہیں اور ان کی پلاننگ ہے کہ وہ سری لنکن ٹیم جب پاکستان میں ٹیسٹ میچ کھیلنے آئے گی تو اس کو ہوٹل سے گراؤنڈ آتے جاتے نشانہ بنایا جائے گا۔ سابقہ صوبائی حکومت اس حوالے سے بہت حساس تھی اور اس نے اس کی بیخ کنی کے لیے اقدامات بھی کیے تھے۔البتہ پنجاب میں گورنر راج کے نفاذ کے بعد گورنر سلمان تاثیر نے تمام افسران کو تبدیل کرکے اپنے من پسند افسران کو تعینات کیا تھا اور انکی تمام توجہ مخالفین کو دبانے اور جوڑ توڑ کی طرف تھی۔اور انہوں نے اس حوالے سے کوئی اقدامات نہیں کیے تھے اگر دیکھا جائے تو گورنر اور گورنر راج نافذ کرنے والوں پر بھی اس کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ایک چشم کشا رپورٹ ملنے کے بعد بھی اپنے اقتدار کی جوڑ توڑ میں مصروف رہے۔

اس حملے کے بہت تباہ کن اثرات ملک کی معیشت اور دفاع پر مرتب ہونگے۔ پہلا کام تو یہ ہوگیا ہے کہ اب ایک لمبے عرصے تک کوئی غیر ملکی ٹیم پاکستان نہیں آئے گی اور نہ ہی پاکستان کو انٹر نیشنل کرکٹ میں کوئی موقع دیا جائے گا۔ دوسرا اثر یہ پڑے گا کہ بھارت چور مچائے شور کی مصداق اب اور زور و شور سے پاکستان کے خلاف پروپیگنڈا کرے گا، تیسرا پاکستان کے اوپر عالمی برادری بالخصوص امریکہ کا دباؤ بڑھ جائے گا اور عین ممکن ہے کہ میرے منہ خاک پاکستان پر پابندیاں عائد کرکے پاکستان کو دہشت گرد ملک قرار دیا جائے گا (اللہ کرے کہ ایسا نہیں ہو) یہاں یہ بات بھی سوچنے کی ہے کہ اگر یہ دہشت گرد انتہائی سخت سیکورٹی میں سری لنکن ٹیم پر اس طرح کا حملہ کرتے ہیں تو اس میں لامحالہ ان کو مقامی ایجنٹوں کو تعاون بھی حاصل رہا ہوگا۔ ان کی مدد کے بغیر یہ ممکن نہیں تھا

بہر حال اب دیکھنا یہ ہے پاکستانی حکومت اس انتہائی پیچیدہ اور خطرناک صورتحال سے کیسا نمٹتی ہے اور کیا حکومت تمام مصلحتوں اور مفادات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے تمام ثبوت کے بعد بھارت سے جواب طلب کرتے ہیں یا یہاں بھی اپنے وقتی اقتدار کی پسپائی اختیار کرتے ہیں

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کی پیشن گوئیاں

توریت اور انجیل میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کی پیشن گوئیاں:

ربیع الاول کا بابرکت مہینہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کا مہینہ ہے اور روایات کے مطابق ۹ ربیع الاول اور بعض روایات کے مطابق ۱۲ ربیع الاول ۵۷۶ عیسوی کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا تشریف میں لائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رحمت اللعالمین کہا گیا ہے۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا موضوع بڑا وسیع ہے اور یہ ایک سعادت کی بات ہے کہ اگر اللہ نے آج مجھے یہ توفیق دی کہ میں اپنے نبی مہربان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت پاک پر چند حرف لکھ کر اپنی عاقبت سنوارنے کا انتظام کروں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد اور بعثت کی پیش گوئیاں یہودیوں اور عیسائیوں کی مقدس کتب توریت اور انجیل میں موجود ہیں۔ جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کی خبریں اپنے پیروکاروں کی دی ہیں تاکہ وہ جب نبی اکرم صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ پائیں تو ان کو نبی آخرالزمان کو پہچاننے میں کوئی مشکل نہ ہو اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آئیں۔

توریت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کی پیش گوئی

قرآن مجید میں سورہ صف میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ترجمہ: اور یاد کرو عیسیٰ ابن مریم کی وہ بات جو اس نے کہی تھی: اے بنی اسرائیل ! میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، تصدیق کرنے والا ہوں اس تورات کی جو مجھ سے پہلے آئی ہوئی موجود ہے، اور بشارت دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمد ہوگا" سورہ صف آیت ٦

اس آیت میں حضرت موسیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق جو پیش گوئی کی تھی اس کی طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اشارہ فرمایا ہے۔ توریت کی وہ پیش گوئی کیا تھی

استثنا باب ۱۸ آیت ۱۵-۱۹ میں اللہ تعالیٰ فرمایا کہ "خداوند خدا تیرے لیے تیرے ہی درمیان سے یعنی تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی

برپا کرے گا۔ تم اس کی سننا۔ یہ تیری اس درخواست کے مطابق ہوگا جو تو نے خداوند خدا اپنے خدا سے مجمع کے دن حورب میں کی تھی کہ مجھ کو نہ تو خداوند خدا اپنے خدا کی آواز پھر سننی پڑے۔ اور نہ ہی ایسی بڑی آگ کا نظارہ ہو تاکہ میں مر نہ جاؤں۔ اور خداوند نے مجھے کہا کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں، سو ٹھیک کہتے ہیں۔ میں ان کے لیے ان ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کرونگا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دونگا وہی وہ ان سے کہے گا اور جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لیکر کہے گا نہ سنے گا تو میں ان کا حساب اس سے لونگا" استثنا باب ۱۸ آیت ۱۵۔۱۹

مفسرین کے مطابق توریت کی یہ پیش گوئی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی اور کے متعلق نہیں ہو سکتی ہے ۱ اس میں اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا کہ میں تیرے لیے تیرے ہی بھائیوں میں سے ایک نبی برپا کرونگا۔ مولانا مودودی اس مد میں فرماتے ہیں کہ ظاہر ہے کہ ایک قوم کے بھائیوں سے مراد اسی قوم کا خاندان یا قبیلہ نہیں ہو سکتا ہے بلکہ دوسری ایسی ہی قوم ہو سکتی ہے جس کا اس کے ساتھ قریبی رشتہ ہو۔ بنی اسرائیل کے بھائیوں سے مراد لامحالہ بنی اسمٰعیل ہی ہو سکتے ہیں۔ ۲ یہ جو الفاظ ہیں کہ" یہ تیری اس درخواست کے مطابق ہوگا جو تو نے خداوند خدا اپنے خدا سے مجمع کے دن۔ حورب میں کی تھی کہ

مجھ کو نہ تو خداوند خدا اپنے خدا کی آواز پھر سننی پڑے۔ اور نہ ہی ایسی بڑی آگ کا نظارہ ہو تاکہ میں مر نہ جاؤں" اس عبارت میں حورِب سے مراد وہ پہاڑ ہے جہاں حضرت موسیٰ کو پہلی مرتبہ احکام شریعت دیے گئے تھے اور بنی اسرائیل کی جس درخواست کا ذکر اس میں کیا گیا ہے کہ آئندہ ہم کو جو شریعت دی جائے وہ ان خوفناک حالات میں نہ دی جائے جو حورِب پہاڑ کے دامن میں شریعت دیتے وقت پیدا کیے گئے تھے ان حالات کا ذکر قرآن میں بھی موجود ہے البقرہ آیات ۵۵ -۵۶- ۶۳ الاعرف آیات ۱۵۵ -۱۷۱ اس کے جواب میں حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری یہ درخواست قبول کرلی ہے اس کا یعنی اللہ کا ارشاد ہے کہ میں ان کے ایک ایسا نبی برپا کرونگا جس کے منہ میں اپنا کلام ڈالوں گا۔ یعنی آئندہ شریعت دینے کے وقت وہ خوفناک حالات پیدا نہ کیے جائیں گے جو حورِب پہاڑ پر پیدا کیے گئے تھے بلکہ اب جو بھی اس منصب پر فائز کیا جائے گا اس کے منہ میں اللہ کا کلام ڈال دیا جائے گا اور اسے خلق خدا کو سنا دے گا۔ اس تصریح کے بعد کیا اس امر میں شک کی کوئی گنجائش رہ جاتی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا اس کا مصداق کوئی اور نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد مستقل شریعت صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہی دی گئی ہے۔ اس کے عطا کرتے وقت ایسا کوئی مجمع نہیں ہوا جیسا کہ حورِب پہاڑ کے دامن میں بنی اسرائیل کا ہوا تھا اور کسی وقت بھی احکام شریعت دینے کے موقع پر وہ حالات ہیدا نہیں کیے گیے جو

وہاں پیدا کیے گئے تھے سیرت سرور عالم جلد اول صفحہ ٦٦٩

انجیل یوحنا میں پیشن گوئی:

انجیل یوحنا اس بات پر گواہ ہے کہ مسیح علیہ السلام کے زمانے میں بنی اسرائیل تین شخصیتوں کے منتظر تھے ایک مسیح علیہ السلام دوسرا ایلیاہ یعنی حضرت الیاس علیہ السلام کی آمد ثانی اور تیسرے وہ نبی انجیل کے الفاظ ہیہ ہیں: اور یوحنحضرت یحییٰ کی گواہی یہ ہے کہ جب یہودیوں نے یروشلم سے کاہن اور لاوی یہ پوچھنے کو اس کے پاس بھیجے کہ تو کون ہے؟ تو اس نے اقرار کیا اور نہ انکار کیا۔ بلکہ اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں۔ انہوں نے پوچھا پھر کون ہے؟ کیا تو ایلیاہ ہے؟ اس نے کہا میں نہیں ہوں۔ کیا تو وہ نبی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں۔ پس انہوں نے اس سے کہا پھر تو ہے کون؟ اس نے کہا کہ میں بیابان میں پکارنے والے کی آواز ہوں کہ تم خداوند کی راہ سیدھی کرو۔ انہوں نے اس سے یہ سوال کیا کہ اگر تو نہ مسیح ہے، نہ ایلیاہ، نہ وہ نبی تو پھر بپتمسہ کیوں دیتا ہے؟ باب ا آیات ۲۵-۱۹

یہ الفاظ اس بات پر صریح دلالت کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں حضرت مسیح علیہ السلام اور حضرت الیاس علیہ السلام کے علاوہ ایک اور نبی کی آمد کے منتظر

تھے اور وہ حضرت یحیٰی نہ تھے اس نبی کی آمد کا عقیدہ بنی اسرائیل کے ہاں اس قدر مشہور ومعروف تھا کہ وہ نبی کہہ دینا کافی تھا۔ یہ کہنے کی ضرورت ہی نہ تھی جس کی خبر تورات میں دی گئی ہے" مزید براں اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس نبی کی طرف وہ اشارہ کر رہے تھے اس کا آنا قطعی طور پر ثابت تھا۔ کیوں کہ جب حضرت یحیٰی علیہ السلام سے سوالات کیے گئے تو انھوں نے یہ نہیں کہا کہ کوئی اور نبی آنے والا نہیں تم کس نبی کے متعلق پوچھ رہے ہو۔ سیرت سرور عالم جلد اول صفحہ ۶۸۰

چند مزید پیشگوئیاں :"اور میں اپنے باپ سے درخواست کرونگا تو تمھیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے۔ یعنی روح حق جسے دنیا حاصل نہیں کر سکتی کیونکہ نہ اسے دیکھتی ہے نہ جانتی ہے۔ تم اسے جانتے ہو کیوں کہ وہ تمہارے ساتھ رہتا ہے اور تماہرے اندر رہے" ۱۴۔۱۶۔۱۷

مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنی ہیں مگر تم ان کو برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن" جب وہ سچائی کا روح آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا۔ اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہ کہے گا اور تمھیں آئندہ کی خبریں دے گا۔ میرا جلال ظاہر کرے گا۔ اس لیے کہ مجھ ہی سے حاصل تمھیں خبریں دے گا۔ جو کچھ باپ کا ہے وہ سب میرا ہے اسی لیے میں

" نے کہا کہ وہ مجھ ہی سے حاصل کرتا ہے اور تمہیں خبریں دے گا

ان عبارات میں حضرت عیسٰی علیہ السلام اپنے بعد آنے والے ایک نبی کی خبر دے رہے ہیں جس کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ وہ دنیا کا سردار سرورِ عالم ہوگا ابد تک رہے گا سچائی کی تمام راہیں دکھائے گا اور خود ان کی یعنی حضرت عیسٰی کی گواہی دے گا۔

:انجیل برنا باس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کی واضح پیش گوئیاں

.برنا باس نے اپنی انجیل میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی واضح پیش گوئیں نقل کی ہیں ہم ان میں سے چند اک نقل کرتے ہیں:

تمام انبیاء جن کو خدا نے دنیا میں بھیجا جن کی تعداد ایک لاکھ چوالیس ہزار تھی انہوں نے ابہام کے ساتھ بات کی۔ مگر میرے بعد تمام انبیاء اور مقدس ہستیوں کا نور آئے گا جو انبیاء کی کہی ہوئی باتوں کے اندھیرے پر روشنی ڈالے گا کیونکہ وہ خدا کا رسول ہے"

باب ۱۷

مگر جب مجھے خدا دنیا سے لے جائے گا تو شیطان پھر بغاوت.برپا کرے گا کہ

ناپرہیزگار لوگ مجھے خدااور خدا کا بیٹا مانیں۔ اسکی وجہ سے میری باتوں اور میری تعلیمات کو مسخ کردیا جائے گا یہاں تک کہ وہ بمشکل تیس صاحب ایمان باقی رہ جائیں گے۔ اس وقت خدا دنیا پر رحم فرمائے گا اور اپنا رسول بھیجے گا جس کے لیے اس نے دنیا کی ساری چیزیں بنائی ہیں۔ جو قوت کے ساتھ جنوب سے آئے گا اور بتوں کو بت پرستوں کے ساتھ برباد کردے گا، جو شیطان سے وہ اقتدار چھین لے گا جو اس نے انسانوں پو حاصل کرلیا ہے۔ وہ خدا کی رحمت ان لوگوں کی نجات کے لیے اپنے ساتھ لائے گا جو اس پر ایمان لائیں گے اور مبارک ہے وہ جو کی باتوں کو مانے باب ۹۶

سردار کاہن نے پوچھا کیا خدا کے اس رسول کے بعد دوسرے نبی بھی آئیں گے؟ یسوع نے جواب دیا اس کے بعد خدا کے بھیجے ہوئے سچے نبی نہیں آئیں گے مگر بہت سے جھوٹے نبی آجائیں گے جن کا مجھے بڑا غم ہے کیونکہ شیطان خدا کے عادلانہ فیصلے کی وجہ سے ان کو اٹھائے گا اور وہ میری انجیل کے پردے میں اپنے آپ کو چھپائیں گے۔ باب ۹۷

سردار کاہن نے پوچھا کہ وہ مسیح کس نام سے پکارا جائے گا اور کیا نشانیاں اس کی آمد کو ظاہر کریں گی؟ یسوع نے جواب دیا اس مسیح کا نام "قابل تعریف" ہے کیونکہ جب خدا نے اس کی روح پیدا کی تھی اس وقت اس کا یہ نام خود رکھا

تھا اور وہاں اسے ایک ملکوتی شان سے رکھا گیا تھا۔ خدا نے کہا اے محمد! انتظار کر کیونکہ تیری ہی خاطر میں جنت، دنیا، اور بہر ساری مخلوق پیدا کرونگا اور اس کو تجھے تحفہ کے طور پر دونگا، یہاں تک کہ جو تیری تبریک کرے گا اسے برکت دی جائے گی اور جو تجھ پر لعنت کرے گا اس پر لعنت کی جائے گی۔ جب میں تجھے دنیا کی طرف بھیجوں گا تو تجھ کو اپنا پیغامبر نجات کی حیثیت سے بھیجونگا۔ تیری بات سچی ہوگی یہاں تک کہ زمین و آسمان ٹل جائیں گے مگر تیرا دین
نہیں ٹلے گا۔ سو اس کا مبارک نام محمد ہے باب ۹۷
برناباس لکھتا ہے کہ ایک موقع پر شاگردوں کے سامنے حضرت عیسٰی علیہ السلام نے بتایا کہ میرے ہی شاگردوں میں سے ایک مجھے تیس سکوں کے عوض دشمنوں کے ہاتھوں بیچ ڈالے گا بعد میں وہ یہوداہ اسکریوتی نکل پھر حجرت عیسٰی نے فرمایا " اس کے بعد مجھے یقین ہے کہ جو مجھے بیچے گا وہی میرے نام سے مارا جائے گا کیونکہ خدا مجھے زمین سے اوپر اٹھالے گا اور اس غدار کی صورت ایسی بدل دے گا کہ ہر شخص یہ سمجھے کہ وہ میں ہی ہوں تاہم جب وہ بری موت مرے گا تو ایک مدت تک میری ہی تذلیل ہوتی رہے گی مگر جب محمد خدا کا مقدس رسول آئے گا تو وہ میری بدنامی دور کردی جائے گی اور خدا یہ کام اس لیے کرے گا کہ میں نے اس مسیح کی صداقت کا اقرار کیا ہے۔ وہ مجھے اس کا انعام یہ دے گا کہ لوگ جان لیں کہ میں زندہ ہوں اور ذلت کی موت سے میرا کوئی واسطہ نہیں ہے

باب ۱۱۳

شاگردوں سے حضرت عیسیٰ نے کہا" بے شک میں تم سے کہتا ہوں کہ اگر موسیٰ کی کتاب سے صداقت مسخ نہ کردی گئی ہوتی تو خدا ہمارے باپ داؤد کو ایک دوسری کتاب نہ دیتا۔ اور اگر داؤد کی کتاب میں تحریف نہ کی گئی ہوتی تو خدا مجھے انجیل نہ دیتا۔ کیونکہ خداوند ہمارا خدا بدلنے والا نہیں ہے اور اس نے سب انسانوں کو ایک ہی پیغام دیا ہے۔ لہٰذا جب اللہ کا رسول آئے گا تو وہ اس لیے آئے گا کہ ان ساری چیزوں کو صاف کردے جن سے بے خدا لوگوں نے میری کتاب کو آلودہ کردیا ہے" باب ۱۲۴

مذکورہ بالا تمام پیش گوئیاں اس بات کی دلیل ہیں کہ نبی اکرم صلیٰ اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری نبی ہیں اور تورات اور انجیل میں جو نشانیاں بتائی گئی ہیں وہ نبی اکرم صلیٰ اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی اور کے متعلق نہیں ہیں بالخصوص برناباس کی انجیل میں جو واضح پیشگوئیاں بیان کی گئی ہیں۔ یعنی بتوں کو بت پرستوں سمیت تباہ کرنا، ان کا نام " قابل تعریف " بتایا گیا ہے اور محمد اور احمد کے معنی یہی نکلتے ہیں نبی اکرم صلیٰ اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پچھلی تمام الہامی کتابوں کی غلط روایات کو ختم کرکے ان کی صحیح روایات کو بیان کیا ہے، نبی اکرم صلیٰ اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا مگر جھوٹے نبی بہت پیدا ہوئے ہیں اس کی بھی پیش گوئی کردی

گئی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین اور شریعت تا قیامت دنیا میں موجود ہونگے۔ یہ ساری بشارتیں یہ ساری نشانیاں تو پچھلی کتابوں میں بیان کی گئی ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ یہود و نصاریٰ اسلام اور مسلمانوں کے مخالف ہیں۔اس پر بحث کرنے سے پہلے ہم کچھ مزید نشانیاں بیان کرتے ہیں

ایک دفعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آشوب چشم میں مبتلا ہوئے تو لوگوں نے مشورہ دیا کہ عکاظ کے بازار میں ایک بڑا عبادت گزار اور جہاں دیدہ راہب رہتا ہے اس کے پاس جائو وہ اسکا علاج کرے گا۔ حضرت عبدالمطب نھنے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے ساتھ لیکر اس کی طرف چلے شام ڈھلے وہاں پہنچے تو وہ چند ثانیون کے بعد وہ گھبرایا ہوا باہر نکلا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا، حضرت عبدل المطلب کو دیکھ کر انکی طرف آیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غور سے دیکھنے کے بعد پوچھنے لگا کہ یہ کس کے نور چشم ہیں : عبد المطلب نے فرمایا کہ میرے پوتے ہیں ان کٹ آنکھیں دکھتی ہیں میں علاج کی غرض سے تمہارے پاس آیا ہوں اس نے جواب دیا کہ آپ اپنے نور چشم کو ایک ایسے شخص کو پاس لائے ہیں جو خود طالب علاج ہے۔آپ ان کی شان سے واقف نہیں انکا دہن مبارک خود شفاء کا چشمہ انہیں کا لعاب دہن ان کی آنکھوں میں لگایئے پھر اس کی معجزانہ اثر دیکھئے،۔آپ کو مبارک ہو کہ آپ کے خاندان میں ایک ایسی جلیل القدر ہستی کی پیدائش ہوئی ہے جس کے انقلاب آفرین

صدا سے مشرق و مغرب گونج اٹھیں گے اور دین و دنیا کی برکتیں جس کے قدموں کی خاک میں لوٹیں گی۔

عمر عزیز کے بارہویں سال میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا حضرت ابو طالب کے ساتھ شام کا سفر کیا راستے میں ایک جگہ پڑاؤ کیا تو وہاں ایک خدا ترس راہب بحیرہ رہتا تھا اس نے نبی آخر الزماں کے آثار و علائم کتب آسمانی میں دیکھے تھے اس کی نظر جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پڑی تو اس نے اپنے علم کی رو سے پہچان لیا کہ یہی بچہ نبی آخر الزمان ہوگا اس کی شان نبوت دیکھ کر آپ کی دعوت کی اور حضرت ابو طالب کو بتایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آگے نہ لیجائیں کیوں کہ خدشہ ہے کہ متعصب یہودی انکو پہچان کر نقصان پہنچائیں گے۔ بحیرہ کی اس نصیحت کے بعد حضرت ابو طالب نے آگے سفر نہ کیا اور وہیں سے واپس پلٹ گئے۔
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جب پہلی وحی نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھبرا گئے اور اپنی غم گسار اہلیہ حضرت خدیجہ کو ساری بات بتائی انہوں نے اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل جو کہ عیسائی عالم تھے اور ان کے پاس کتاب علم تھا انہوں نے سارا واقعہ تفصیل سے سنکر کہا " اے خدیجہ اگر تو نے سچ کہا تو یہ وہی ناموس اکبر ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا اور وہ اس امت کا نبی ہے، اے خدیجہ جو بات تو مجھے کہتی ہے تو سمجھ لے کہ احمد اللہ کا رسول ہے، جبرائیل اور میکائیل دونوں خدا سے وحی

لیکراس کے پاس نزول کریں گے جو اس کے دین کی عزت حاصل کرے گا وہ کامیاب ہوگا اور بہت سے بدبخت اور شقی اس سے نیک بخت بن جائیں گے لوگوں کے دو گروہ ہو جائیں گے۔ کوئی تو خدا کی بہشت کو پالیں گے اور کوئی دوزخ کی زنجیروں میں جکڑے جائیں گے، پھر مزید کہا کاش کہ میں اس وقت عالم شباب کی منزل بہار میں ہوتا اور اسوقت تک زندہ رہتا جب آپ کی قوم شہر بدر کردے گی تو اس وقت میں آپ کی مدد کرتا" نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حیرت واستعجاب سے پوچھا کہ کیا میری قوم مجھ کو نکال دے گی؟ ورقہ بن نوفل نے جواب دیا "ہاں آپ کی قوم آپ کو ضرور نکال دے گی آپ سے پیشتر بھی جس کسی نے ایسی تعلیم دنیا کے سامنے پیش کی جیسی کہ آپ کرنے والے ہیں دنیا ان کے ساتھ کچھ اسی قسم کا رویہ روا رکھا ہے۔ اگر مجھے اس دن تک زندگی نصیب ہوئی جب آپ ہجرت پر مجبور ہونگے تو میں آپ کی مدد کرونگا یہ چند پیش گوئیاں جو ہم نے آپ کے سامنے بیان کی ہیں اگرچہ کسی الہامی کتاب میں بیان نہی کی گئیں ہیں لیکن عسائیوں کے اہل علم وسیع النظر اور اہل علم حضرات نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نبوت کی واضح نشانیاں دیکھ کر بیان کی ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر یہ یہود و نصاریٰ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے؟ یقین کیوں نہیں کرتے؟ دشمنی ترک کیوں نہیں کرتے؟

دراصل یہود کو یہ گھمنڈ تھا کہ وہ اللہ کی سب سے پیاری اور برگزیدہ قوم ہیں اس وجہ سے انہیں یقین تھا کہ آنے والا نبی بنی اسرائیل میں سے ہوگا

لیکن جب بنی اسمٰعیل سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث کیا گیا تو وہ ذہنی طور پر اس بات کو قبول نہیں کرسکے کہ بنی اسرائیل کے علاوہ بھی کوئی نبی مبعوث ہوسکتا ہے۔دوسرا اہل عرب بالعموم ناخواندہ لوگ تھے اور ان کے مقابلے میں یہودیوں میں ویسے بھی تعلیم کا چرچا زیادہ تھا اور انفرادی طور پر ان کے اندر بڑے بڑے عالم پائے جاتے تھے ان یہودیوں کے علماء و مشائخ نے اپنی ظاہری شان و شوکت جما کر اور اپنی جھاڑ پونچھ اور تعویذ گنڈوں کا کاروبار چلا کر اس رعب کو اور بھی زیادہ اور گہرا کیا اہل عرب ان سے بہت مرعوب تھے وہ ان کے پاس جا کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق معلوم کرتے تھے اگر وہ سچ بتاتے تو ان کا سارا کاروبار ختم ہوجاتا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی حقانیت اور سچائی کو چھپانا بھی ان کے لیے ناممکن تھا اسلیے انھوں نے بیچ کا راستہ اختیار کیا ہر سائل کے دل میں وسوسہ پیدا کرتے تھے۔اور اکثر نئے نئے شوشہ چھوڑتے رہتے تھے۔اور آج تک انکی یہ روش جاری ہے۔

اس حوالے سے یہاں ایک واقعہ نقل کرنا ضروری ہے " نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد سے پہلے یہودی بڑی بے چینی سے آپ کی آمد کے منتظر تھے اور دعائیں مانگا کرتے تھے جلدی وہ نبی آئے تو کفار کا غلبہ مٹے اور پھر ہمارے عروج کا دور شروع ہو، لیکن جیسا کہ ہم نے بیان کیا

کہ وہ ذہنی طور پر یہ بات قبول کرنے کو تیار نہیں تھے کہ آنے والا نبی بنی اسرائیل کے علاوہ بھی کسی اور قوم سے آسکتا ہے۔ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا جو خود بھی ایک بڑے یہودی عالم کی بیٹی اور دوسرے کی بھتیجی تھیں وہ فرماتی ہیں کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینے تشریف لائے تو میرے باپ اور چچا دونوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملنے گئے ،بڑی دیر تک آپ سے گفتگو کی ۔پھر جب واپس گھر آئے تو میں نے اپنے کانوں سے ان دونوں کو یہ گفتگو کرتے سنا

چچا: کیا واقعی یہ وہی نبی ہے جس کی خبریں ہماری کتابوں میں دی گئی ہیں؟

والد: ہاں خدا کی قسم ہاں

چچا: کیا تم کو اس کا یقین ہے ؟

والد: ہاں

چچا: پھر کیا ارادہ ہے ؟

والد: جب تک جان میں جان ہے اس کی مخالفت کرونگا اور اس کی بات چلنے نہ دونگا۔

ابن ہشام۔ جلد دوم صفحہ ۱۶۵ طبع جدید

یہ ساری باتیں اور بشارتیں بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ نبی یہودیوں کو خود بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا یقین ہے لیکن صرف اپنی ضد اور انا پرستی کے باعث وہ اس حق کو قبول کرنے کو تیار نہیں ہیں اور وہ آج تک اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف سازشیں اور پروپیگنڈا کرتے ہیں۔ کبھی نبی

اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کرتے ہیں اور کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاکے بناتے ہیں۔اب یہ ہمارا کام ہے کہ ہم اس بات کو سمجھیں اور یہود و نصاریٰ کے دوست نہ بنیں یہ کبھی بھی ہمارے دوست نہیں ہو سکتے ہیں

اس مضمون کی تیاری میں مندرجہ ذیل کتب سے مدد لی گئی ہے ا سیرت سرور عالم جلد اول از مولانا مودودی ۲ عرب کا چاند از سوامی لکشمن پرشاد ا محمد عربی از عنایت اللہ سبحانی

آج کی سپر ہٹ فلم

ٹائی ٹینیک بستہ، ٹائی ٹینیک فائل کور، ٹائی ٹینیک پوسٹر، ٹائی ٹینیک چھالیہ، ٹائی ٹینیک بسکٹ، ٹائی ٹینیک ویڈیو شاپ، ٹائی ٹینیک ٹی شرٹ۔ جیوراسک پارک کی چین، جیوراسک پارک شوز، جیوراسک پارک بستہ، جیوراسک پارک چھالیہ، جیوراسک پارک ٹی شرٹ، جیو ٹرانسپورٹ کمپنی، جیو چھالیہ، جیو پان شاپ، جیو سپر اسٹور وغیرہ وغیرہ۔

مندرجہ بالا تمام چیزیں یہ ظاہر کرتی ہیں کہ اپنے وقت میں جو بھی فلم یا کوئی اور چیز سپر ہٹ ہوتی ہے اس کو کیش کرایا جاتا ہے ہر چیز میں اس کا نام استعمال کیا جاتا ہے، تاکہ کم وقت میں زائد فوائد حاصل کیے جائیں۔ بالکل یہی صورتحال ہماری حکومتی ایجنسیوں کی ہوتی ہے کہ جو پارٹی، جو تنظیم ملکی اور عالمی سطح پر زیر عتاب ہو تو ہر واردات، ہر جرم اس کے کھاتے میں ڈال کر بری الذمہ ہو جاتی ہیں اللہ اللہ خیر صلا جب افغانستان میں روس نے مداخلت کی افغانستان میں جہاد شروع ہوا اور پاکستان نے افغانستان کی مدد شروع کی، اخبارات کا ریکارڈ گواہ ہے کہ اس وقت ہر واردات چاہے بم دھماکے ہو، چاہے فائرنگ، چاہے کوئی تخریب کاری ہو اس کا

الزام افغان خفیہ ایجنسی خاد پر ڈال دیا جاتا تھا۔ افغانستان سے روس کی واپسی کے بعد کشمیر کا معاملہ عالمی افق پر چھاگیا۔اس کے بعد یہ ہوا کہ ہر بم دھماکہ، ہر فائرنگ کا واقعہ، ہر تخریب کاری کا واقعہ بھارتی خفیہ ایجنسی راکے سر پر ڈال دیا جاتا تھا اور بات ختم ہوگی۔ بلوچستان میں جب تک قوم پرست حکومت کی حمایت کرتے ہیں اس وقت وہاں ہونے والی تخریب کاری نامعلوم افراد یا راکے ذمے ڈالی جاتی ہے لیکن جب وہ اپنے حقوق مانگتے ہیں۔اور حکومت کے خلاف احتجاج کرتے ہیں تو اس کے بعد ہر واردات، ہر تخریب کاری کا الزام قوم پرستوں پر ڈال دیا جاتا ہے۔ نوے کی دھائی میں جب اس وقت کی مہاجر قومی موومنٹ اور آج کی متحدہ قومی موومنٹ زیر عتاب تھی تو اس وقت کراچی میں ہونے والی ہر واردات کا الزام ایم کیو ایم پر ڈال دیا جاتا تھا۔آج چونکہ متحدہ حکومت کی حامی ہے اس لیے کراچی میں کوئی واردات متحدہ کے کھاتے میں نہیں ہیں لیکن اگر کل سیاست کوئی کروٹ بدلتی ہے اور متحدہ حکومت سے علیحدگی اختیار کرتی ہے تو پھر اس کی فائلیں کھل جائیں گی اور پھر یہ کاروبار شروع ہوجائے گا کہ ہر واردات کا تعلق متحدہ سے جوڑ دیا جائے گا۔یہی صورتحال اسوقت مذہبی بلکہ کہنا چاہیے کہ جہادی تنظیموں کی ہے کہ بدقسمتی سے ان کا ستارہ آج کل گردش میں ہے اس لیے پاکستان میں ہونے والی ہر وارادت ان تنظیموں کر سر ڈال دی جاتی ہے۔

لاہور میں سری لنکن بلکہ ایک صاحب نے بالکل ٹھیک لکھا کہ پاکستان کی ساکھ پر حملے کا الزام بھی کالعدم مذہبی تنظیموں پر ڈال دیا گیا اور بس بات ختم ہو گئی۔اب چونکہ یہ تنظیمیں پہلے ہی زیر عتاب ہیں اس لیے کوئی زیادہ بات نہیں ہوگی اگر کسی نے بہت زیادہ بات کی کہ ملزمان پکڑے کیوں نہیں گئے تو رٹا رٹایا جواب دیدیا جائے گا کہ یہ تو دہشت گردی کے خلاف عالمی جنگ ہے۔اور امریکہ اور برطانیہ بھی ان کے ہاتھوں پریشان ہیں تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔

اس حوالے سے معروف صحافی انصار عباسی کی رپورٹ، تجزیہ نگاروں کی نشاندہی، اور حالات و واقعات کو بالکل نظرانداز کردیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ سری لنکا کے تامل ٹائیگرز جن کو بھارت نے بہت سپورٹ کیا ہے اور اس وقت بھی ان کا ایک لیڈر اخباری اطلاعات کے مطابق سری لنکن فوج کی کامیاب کاروائی کے بعد بھارت میں موجود ہے۔ ان تامل ٹائیگرز نے بھی یہ کہہ دیا ہے کہ سری لنکن ٹیم پر حملہ میں بھارت ملوث ہے اور بھارت کا مقصد چین اور سری لنکا کو پاکستان سے دور کرنا ہے۔اس کے علاوہ بھارت، پاکستان کا ازلی حریف ہے کیوں کہ اس نے آج تک برصغیر کی تقسیم کو قبول نہیں کیا ہے اور بقول انتہا پسند ہندوؤں کے کہ یہ زمین تقسیم نہیں ہے بلکہ بھارت ماتا کے ٹکڑے کردیے گئے ہیں۔ بھارت پاکستان کو کمزور کرنے کا، پاکستان کو نقصان پہنچانے کا، پاکستان کو بدنام کرنے کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتا نہ صرف موقع ضائع نہیں کرتا بلکہ یے

بنیاد الزامات بھی لگاتا رہتا ہے۔اب کیا بھارت خاموش ہوگیا ہے؟کیا بھارت نے پاکستان کی دشمنی ترک کردی ہے؟کیا بھارت نے اس بات کا فیصلہ کرلیا ہے کہ پاکستان کو مضبوط بنانا ہے اس لیے اب کوئی واردات پاکستان میں نہیں کی جائے گی؟ایسا نہیں اس بات کے واضح ثبوت موجود ہے کہ پاکستان میں دہشت گردی اور تخریب کاری میں بھارتی خفیہ ایجنسی راملوث ہے اور ابھی سے نہیں بلکہ ایک طویل عرصے سے وہ ایسا کررہی ہے۔سربجیت سنگھ۔اور کشمیر سنگھ تواس کے واضح ثبوت ہیں لیکن ہمارے ارباب اختیار اپنی وقتی اقتدار کی خاطر اور اپنے مفادات کی خاطر ملک کو کمزور کررہے ہیں اس لیے وہ بھارت کا نام لیتے ہوئے ایسے گھبراتے اور شرماتے ہیں جیسے کہ دیہاتی عورتیں اپنے مجازی خدا کا نام لیتے ہوئے شرماتی ہیں۔

بہر حال ملک کی ایجنسیوں کارکردگی کی مثال تھرڈ کلاس بھارتی اور پاکستانی فلموں کی طرح ہے کہ جس طرح تھرڈ کلاس فلموں میں مارکٹائی کے مناظر میں ایک بات عام ہوتی ہے کہ ہیرو اکیلا ہوتا ہے اور ولن دس بارہ ہوتے ہیں لیکن آفرین ہے ان بدمعاشوں کی اخلاقیات پر کہ ایک ایک کرکے ہیرو سے لڑتے ہیں پہلے ایک آتا ہے ہیرو اس سے نمٹتا ہے اس کے بعد دوسرا آتا ہے اور حملہ کرتا ہے جب تک ہیرو ایک غنڈے کے ساتھ برسرپیکار ہوتا ہے اس وقت تک باقی غنڈے، ولن دیکھتے رہتے ہیں تاوقتیکہ وہ اس سے فارغ ہوتا ہے پھر ایک اور غنڈہ حملہ

کرتا ہے۔ہماری ایجنسیوں نے یہ فرض کرلیا ہے کہ چونکہ اس وقت پاکستان مسائل کا
شکار ہے جب تک وہ ان میں الجھا ہوا ہے بھارتی ایجنسیاں اس کو کچھ نہیں کہیں گی جب وہ
ان سے فارغ ہوگا تو اس وقت اس پر حملہ کریں گی۔آپ لوگوں کا اس بارے میں کیا
خیال ہے ؟

معجزات رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

معجزہ کا لفظ عجز یا عاجزی سے نکلا ہے یعنی ایسی کوئی چیز جس سے عقل عاجز آ جائے۔ یعنی انسانی ذہن اس کی کوئی توجیہہ نہ پیش کر سکے۔ معجزہ اللہ کی قدرت کاملہ کا کرشمہ ہوتا ہے اور اللہ اپنے نبیوں کو معجزات عطا کرتا ہے تاکہ منکرین توحید اس سے سبق لیتے ہوئے اللہ پر ایمان لے آئیں لیکن یہ دیکھا گیا ہے کہ انبیاء سے معجزات کا مطالبہ کرنے والے عموماً ہدایت سے محروم ہی رہے ہیں۔ قریش مکہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بارہا معجزات کا مطالبہ کیا۔ اللہ نے سب سے پہلے قرآن کریم کو ہی ایک معجزہ قرار دیا کہ اگر یہ قرآن انسانی کتاب ہے اس جیسی ایک آیت ہی بنا کر لاؤ اور آج ساڑھے چودہ سو سال کے بعد بھی کوئی انسان نہ تو ایسی کوئی آیت بنا سکا ہے اور نہ ہی بنا سکے گا۔ اس کے علاوہ اللہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بے شمار معجزات عطا فرمائے جن کا احاطہ کرنا اس مضمون میں ممکن نہیں ہوگا اس لیے ہم چند ایک کا ہی ذکر کریں گے اور اس میں ہم شق القمر اور معراج کا ذکر نہیں کریں گے کہ یہ تو ایسے عظیم معجزات ہیں کہ جن سے تمام مسلمان واقف ہیں بلکہ ہم یہاں چند دوسرے معجزات کا ذکر کریں گے۔

درخت کا اپنی جگہ سے چل کر آنا

رکانہ بن عبد یزید قریش کا ایک طاقتور پہلوان تھا اور قریش میں اس سے بڑا کوئی پہلوان نہ تھا ایک دفعہ مکہ کی ایک ویران گھاٹی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس سے سامنا ہوگیا آپ نے اسے اسلام کی دعوت دی اس نے مطالبہ کیا کہ اگر آپ مجھے کشتی میں ہرا دیں تو میں اسلام قبول کر لونگا۔ آپ نے اسے ایک دفعہ نہیں بلکہ دو دفعہ کشتی میں پچھاڑ دیا اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ یہ بڑی حیرت کی بات ہے کہ آپ نے مجھے پچھاڑ دیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہارے سامنے اس سے بھی عجیب و غریب چیز پیش کرونگا مگر شرط یہ ہے کہ تم اللہ سے ڈرو، اپنی روش بدلو اور میری پیروی اختیار کرو۔ اس نے پوچھا کہ آپ کیا دکھانا چاہتے ہیں ؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس درخت کو اپنے پاس بلاؤ نگا اس نے کہا کہ بلاؤ۔ آپ نے درخت کو حکم دیا اور وہ درخت اپنی جگہ سے چل کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اس کے بعد آپ نے اسے حکم دیا کہ واپس جائو تو وہ واپس اپنی جگہ چلا گیا۔

کٹے ہوئے بازو کا جڑنا

خبیب بن اساف رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اپنے ایک اور ساتھی کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ کسی جنگ

پر جا رہے تھے۔ہم نے عرض کیا کہ ہم بھی آپ کے ساتھ جنگ میں حصہ لینا چاہتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کیا آپ لوگ مسلمان ہوگئے ہیں؟ ہم نے نفی میں جواب دیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہم مشرکین کے مقابلے میں مشرکین کی مدد نہیں چاہتے ہیں پھر ہم نے اسلام قبول کیا اور جنگ میں شریک ہوگئے، دوران جنگ دشمن کے ایک جنگجو نے میرے کندھے پر وار کیا میرا بازو کٹ کر لٹکنے لگا۔میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے میرے بریدہ بازو میں لعاب لگایا اور اسے سی دیا میرا بازو جڑ گیا اور میں بالکل ٹھیک ہوگیا پھر میں نے اس دشمن کو قتل کیا جس نے میرے اوپر وار کرکے مجھے زخمی کیا تھا

گھی کا بھرا ہوا برتن

حضرت انس بن مالک نے اپنی والدہ کا ایک واقعہ بیان کیا کہ ان کی والدہ نے کہا کہ ان کے پاس ایک دودھ دینے والی بکری تھی اس کے دودھ کو بلو کر وہ ایک ڈبے میں گھی جمع کرتی تھیں یہاں تک کہ وہ ڈبہ بھر گیا ان کے پاس ایک لڑکی تھی اس کو حکم دیا کہ یہ گھی کا کپہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دے آئے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے روٹی کھالیا کریں، وہ لڑکی کپہ لیکر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہاں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ یہ امِ سلیم نے بھیجا ہے، چنانچہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

اپنے گھر والوں کو کہا کہ کپہ خالی کرکے لڑکی کو دیدیں ،انہوں نے وہ کپہ خالی کرکے دے دیا اور لڑکی نے کپہ لاکر کھونٹی پر لٹکا دیا۔ام سلیم جو کسی کام سے باہر گئیں تھیں جب واپس آئیں تو لڑکی سے پوچھا کیا میں تجھے حکم نہیں دیا تھا کہ گھی کا کپہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں دے آئو؟اس نے جواب دیا کہ "ہاں میں گھی دے آئی ہوں" ام سلیم نے کہا کہ کپے میں سے تو گھی کے قطرے ٹپک رہے ہیں لڑکی نے عرض کیا آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں جاکر تصدیق کرلیں

ام سلیم لڑکی کو ساتھ لیکر نبی پاک کے ہاں گئیں اور ان سے پوچھا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی بات کی تصدیق کی۔اس پر ام سلیم نے عرض کیا کہ "اس ذات کی قسم جس نے آپ کو سچائی اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے وہ کپہ تو بھرا پڑا ہے اور اس میں سے لبریز ہونے کے بعد گھی کے قطرے گر رہے ہیں" نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "ام سلیم تجھے اس پر کوئی تعجب ہے جس طرح اللہ تعالی نے اپنے نبی کو رزق دیا اس طرح تجھے بھی اپنی رحمت سے بھی رزق عطا فرمادے؟ کھاؤ پیو اور شکر ادا کرو

ام سلیم کہا کرتی تھیں کہ " اس کپے میں سے ہم نے لوگوں کے گھر پیالے بھر بھر گھی بھیجا اور ہم خود باقی ماندہ گھی سے دو ماہ تک روٹی کھاتے رہے"

لکڑی کا تلوار بننا

عکاشہ بن محصن بدر میں معرکے میں.بڑی بے جگری سے لڑ رہے تھے ان کی تلوار لڑتے لڑتے ٹوٹ گئی وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ایک کھجور کی چھڑی عطا فرمائی اور فرمایا" عکاشہ جاد شمنوں سے لڑ" حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ نے وہ لکڑی پکڑ کر جھٹکا دیا تو وہ ایک لمبی تلوار بن گئی جس کی دہار تیز اور چمک دار تھی اور اس میں مضبوطی تھی ۔حضرت عکاشہ نے یہ تلوار بدر کے میدان میں خوب استعمال کی۔اس تلوار کا نام العون تھا۔حضرت عکاشہ کے پاس یہ تلوار ایک مدت تک رہی اور وہ اس کے جوہر جہاد میں دکھاتے رہے۔

زخمی آنکھ کا ٹھیک ہونا

حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ میدان احد میں.بڑی بے جگری سے لڑے اور اپنی شجاعت کے جوہر دکھائے،میدان احد میں حضرت قتادہ بن نعمان کی آنکھ زخمی ہو گئی اور اس کی پتلی نکل کر ان کے گال پر لٹکنے لگی حضرت قتادہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے وہ پتلی واپس آنکھ میں رکھ دی تو وہ آنکھ بالکل ٹھیک ہو گئی۔یہ آنکھ دوسری آنکھ سے بھی زیادہ تیز نگاہ اور بہتر تھی۔

بکری کے خشک تھنوں سے دودھ کا جاری ہونا

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ میں عقبہ بن ابی معیطر کی بکریاں چرایا کرتا تھا ایک دفعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہاں سے گزر ہوا آپ نے مجھ سے پوچھا کہ " اے لڑکے کیا تیرے پاس دودھ ہے؟" میں نے عرض کیا کہ ہاں دودھ ہے مگر وہ کسی کی امانت ہے میں دینے کا مجاز نہیں ہوں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اچھا تمہارے پاس کوئی ایسی بکری ہے جو کبھی حاملہ نہ ہوئی ہو اور نہ شیر دار۔ میں نے عرض کیا کہ ہاں ایسی بکری تو ہے پھر میں نے وہ بکری پیش خدمت کردی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے تھنوں پر ہاتھ پھیرا تھوڑی دیر سہلاتے رہے اس کے تھنوں میں دودھ اتر آیا۔ آپ نے ایک برتن میں دودھ بھر کر وہ خود بھی پیا اور اپنے ساتھی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بھی پلایا۔ پھر آپ نے تھنوں کو حکم دیا خشک ہو جاؤ، چنانچہ وہ خشک ہو گئے۔

گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انجام

ابو لہب کے بیٹے عتیبہ نے ایک بار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے حق میں بد دعا کی کہ " اے اللہ اپنے کتوں میں سے کسی کتے کو اس پر مسلط کردے" نبی اکرم صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ بد دعا ایسے پوری ہوئی کہ کچھ عرصے کے بعد عتیبہ اپنے باپ ابو لہب کے ساتھ شام کے تجارتی سفر پر روانہ ہوا ایک جگہ پڑاؤ کیا وہاں ایک گرجا تھا وہاں کے لوگوں نے بتایا کہ یہاں تو شیر ایسے گھومتے ہیں جیسے اور عام علاقوں میں بکریاں گھومتی ہیں، ابو لہب کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بد دعا یاد تھی اس نے دیگر قافلے والوں سے کہا کہ اس نے (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے) میرے بیٹے کو بد دعا دی ہے جس سے میں سخت فکر مند ہوں پس تم سارا سامان سا گرجا کے صحن میں جمع کر دو اور اسکے اوپر میرے بیٹے کا بستر لگا دو پھر اس سامان کے گرد تم سب سو جاؤ" قافلے والوں نے ایسا ہی کیا رات جب سب سو گئے تو جنگل سے شیر آیا تمام قافلے کے لوگوں کو سونگھا مگر کسی کو کچھ نہیں کہا وہ تو گستاخ رسول کی تلاش میں تھا۔ شیر نے پیچھے ہٹ کر ایک اونچی چھلانگ لگائی سامان کے بلند ڈھیر پر چڑھ کر اس نے عتیبہ کے چہرے کو سونگھا اور اسے چیر پھاڑ دیا اور اس کا سر کھول دیا۔ اس واقعے پر ابو لہب کا بڑا برا حال تھا اور وہ کہے جا رہا تھا میں جانتا تھا کہ میرا بیٹا محمد کی بد دعا سے کبھی نہیں بچ سکے گا "

ایک یہودیہ کی ناپاک جسارت

فتح خیبر کے بعد جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ اطمنان سے بیٹھے تو ایک یہودیہ زینب بن الحارث نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل

کی ناپاک سازش کی اور ایک بکری کا گوشت زہر آلود کرکے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ہدیہ کیا۔اس عورت نے گوشت بھیجنے سے پہلے معلوم کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کون سے حصے کا گوشت زیادہ مرغوب ہے،بتایا گیا کہ دستی کا گوشت زیادہ مرغوب ہے تو اس نے دستی کو بہت زیادہ مسموم کیا اور اس کے بعد وہ گوشت اچھی طرح بھون کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ہدیہ کردیا آپ نے دستی کا گوشت اٹھایا،آپ نے ایک نوالہ منہ میں تو لیا مگر اسے نگلا نہیں بلکہ اسے واپس اگل دیا اور فرمایا کہ اس بکری کی ہڈی مجھے خبر دے رہی ہے کہ اسے زہر آلود کیا گیا ہے۔اس عورت کو بلایا گیا اس نے اقرار کیا کہ اس نے ایسا ہی کیا تھا جب اس سے پوچھا گیا کہ اس نے ایسا کیوں کیا تو اس نے جواب دیا کہ " آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری قوم کے ساتھ جو معاملہ کیا وہ آپ کے سامنے ہے میرا ارادہ تھا کہ آپ کو اگر آپ عام بادشاہوں کی طرح ہونگے تو اس زہر سے نعوذ باللہ ہلاک ہو جائیں گے اور یوں راحت پاؤنگی اور اگر آپ واقعی نبی ہیں تو اللہ آپ کو اس کی خبر دے گا" اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اس وقت تو معاف کردیا مگر بعد میں اس زہر کے اثر سے حضرت بشیر رضی اللہ عنہ کی شہادت ہو گئی تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے قصاص میں اس عورت کو قتل کردیا۔

یہودیوں کی ناپاک سازش

ایک دفعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک خون بہا کا معاملہ طے کرنے کے لیے قبیلہ بنو نضیر تشریف لے گئے۔یہودیوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ ہم آپ کے ساتھ مکمل تعاون کریں گے آپ تشریف لے آیئے۔جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے توانہوں نے آپ کو ایک بلند دیوار کے سائے میں بٹھایا اور آپس میں ایک سازش تیار کی کہ اس سے اچھا موقع کوئی نہ ہوگا کوئی شخص مکان کی چھت پر چڑھ جائے اور ایک بھاری پتھر پھینک دے تاکہ ہم اس سے نجات پا جائیں نعوذ باللہ۔سب نے اس رائے کو پسند کیا اور عمرو بن جحاش بن کعب نے کہا کہ میں یہ کام کرونگا اور وہ مکان کی چھت پر چڑھ گیا اور ایک بھاری پتھر گرانے کے لیے تیار ہوگیا اس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ دیوار کے سائے میں بیٹھے تھے۔آپ کی مجلس میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ،اور حضرت علی رضی اللہ عنہ، بھی موجود تھے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آسمان سے خبر ملی کہ یہودیوں نے آپ کے خلاف سازش تیار کی چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھ کھڑے ہوئے اور مدینہ کی طرف روانہ ہوگئے۔صحابہ کرام رضی اللہ اجمعین کچھ دیر وہیں بیٹھے رہے مگر جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کافی دیر تک واپس نہ آئے تو

تلاش میں نکلے۔مدینے کی طرف سے آتا ہوا ایک شخص ملا تو صحابہ نے اس سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ پہنچ گئے ہیں۔صحابہ بھی مدینہ پہنچے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں یہودیوں کی سازش کی اطلاع دی اور اس کے بعد ہی صحابہ کو بنو نضیر سے جنگ کا حکم دیا۔

یہ ہم نے یہاں سینکڑوں معجزات میں سے صرف چند ایک نقل کیے ہیں۔ان کے انتخاب کی ایک خاص وجہ ہے۔اگر آپ شروع کے چھ معجزات کا مطالعہ کریں گے تو وہ معجزات خیر و برکت اور صحت و سلامتی سے متعلق ہیں۔یہاں یہ بات واضح رہے کہ یہ خیر و برکت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعلق اور اتباع کے باعث صحابہ کرام کو نصیب ہوتی تھی ۔اگرچہ نبی آج نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے پردہ فرما چکے ہیں لیکن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی پیروی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع اور اللہ کے احکامات پر عمل کریں گے تو ان شا اللہ ہم بھی ان فیوض اور برکات سے فیض یاب ہونگے۔اور ہمارا معاشرہ بھی پر سکون ہو جائے گا۔

اس کے بعد گستاخ رسول کے حوالے سے معجزہ بیان کرنے کا مقصد ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنا دراصل اللہ کے محبوب ترین

نبی کی کی شان گستاخی کرنا ہے اور یہ اللہ سے دشمنی کے مترادف ہے اور اللہ اپنے محبوب کے گستاخ کو اس کی گستاخی کی سزا اسی دنیا میں دیں گے اور وہ کوئی ڈھکی چھپی سزا نہیں ہو گی بلکہ ان شا اللہ پوری دنیا اس کو دیکھے گی۔

آخری دو معجزات یہودیوں سے متعلق ہیں جو یہ ظاہر کرتے ہیں کہ یہودی تو ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہی جان کے دشمن تھے اور وہ آپ کے خلاف سازشیں کرتے رہتے تھے۔پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ جس نبی مہربان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان کے دشمن ہوں اس کی امت کے دوست بن جائیں۔ یاد رکھیں یہود اور نصاریٰ کبھی بھی ہمارے دوست نہیں ہو سکتے ہیں یہ اللہ کا فرمان ہے۔اب ہمارے مسلمان بھائیوں کو سوچنا چاہیے کہ ہم اس حوالے سے محتاط رہیں۔

الوداع زرداری صاحب

وکلا کی عدلیہ بحالی تحریک اپنے منطقی انجام کی جانب رواں دواں ہے۔اور حکومت نے بوکھلاہٹ کا شکار ہو کر غیر جمہوری ہتھکنڈے استعمال کرنے شروع کردئے ہیں اور اس ضمن میں کراچی میں گیارہ مارچ کی شب سے ہی گرفتاریاں شروع کردی گئیں ہیں اور ن لیگ، جماعت اسلامی، تحریک انصاف،اور وکلاء تحریک کے اہم رہنمائوں کی گرفتاری کے لیے چھاپے مارے گئے اور متعدد گرفتاریاں کی گئ ہیں۔اس کے علاوہ بارہ مارچ کو لانگ مارچ کے شرکاء کو کراچی میں ٹول پلازہ پر روک کر تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔اور وہاں بھی گرفتاریاں کی گئیں۔عدلیہ کی بحالی اور صدر زرداری کے خلاف احتجاجی تحریک اب اپنے عروج کی طرف جارہی ہے۔ایک حیرت انگیز بات یہ ہے کہ موجودہ تحریک اورانیس سو چھیانوے میں پی پی کی حکومت کے خلاف تحریک میں بہت مماثلت ہے اس کا جائزہ لیتے ہیں

نوے کی دھائی کے وسط میں جب پی پی کی حکومت تھی اور محترمہ بے نظیر صاحبہ ملک کی وزیر اعظم تھیں اس وقت کے حالات بھی کچھ ایسے ہی تھے جیسے آج کل کی صورتحال ہے۔ محترمہ کی حکومت عوامی مقبولیت کھو چکی تھی اور اس کے خلاف مظاہرے شروع ہوچکے تھے،اس وقت بھی پی پی کی حکومت تھی آج بھی پی پی

پی کی حکومت ہے۔اس وقت بھی حکومت انتہائی نا مقبول ہوچکی تھی آج بھی حکومت نا مقبول ہوچکی ہے البتہ اس وقت کی حکومت پر یہ وقت قریباً ڈھائی سال کے بعد آیا تھا جبکہ موجودہ حکومت پر یہ وقت ایک سال سے بھی پہلے آچکا ہے۔اس وقت بھی سیاسی جماعتوں نے پارلیمنٹ کا گھیراؤ اور دھرنے کی کال دی تھی۔آج بھی پارلیمنٹ کے گھیراؤ اور دھرنے کی کال دی جاچکی ہے۔اس وقت کی حکومت نے بھی بوکھلاہٹ کا شکار ہو کر مخالف سیاسی جماعتوں کے خلاف کریک ڈاؤن کیا اور دھرنے کو روکنے کی کوشش کی تھی۔آج بھی یہی کچھ کیا جارہا ہے۔اس وقت کی حکومت بھی اس کوشش میں ناکام ہوگئی تھی اور خود اس کی پارٹی کے صدر فاروق احمد لغاری نے اپنی پارٹی کی حکومت کو چلتا کیا تھا۔آج بھی صورتحال یہی نظر آرہی ہے البتہ کل اور آج میں کچھ باتوں میں فرق بھی ہے۔اول تو یہ تھا کہ اس وقت کی تحریک کے نتیجے میں صدر نے اپنی ہی پارٹی کی حکومت کو چلتا کیا تھا۔آج بھی پارٹی کے مختلف سینئر رہنما اپنی قیادت کے فیصلوں سے ناخوش نظر آتے ہیں البتہ اس وقت پوری حکومت ختم کی گئی تھی آج کی تحریک کے نتیجے میں حکومت رخصت نہیں ہوگی بلکہ صرف ایوان صدر کا مکین رخصت ہوگا۔اور اس ساری صورتحال کا جائزہ لیا جائے تو لگتا ہے کہ زرداری صاحب کو قدرت نے اپنی اصلاح کا جو ایک موقع دیا تھا اس میں ناکام ہونے کے بعد ان کا سیاسی کیریئر ختم ہوجائے گا اور وہ اس شعر کی تفسیر بن جائیں گے ع بہت بے آبرو ہو کر تیرے کوچے سے ہم نکلے

ہمارے اس تجزیے کی کچھ وجوہات ہیں جو ہم بیان کر دیتے ہیں ہو سکتا ہے کہ بہت سے لوگوں کو اس سے اختلاف بھی ہو۔

دیکھیں سب سے پہلی چیز تو یہ کہ کل کی تحریک اس وقت کی پی پی پی کی حکومت کے خلاف تھی جب کہ آج کی تحریک حکومت کے خلاف نہیں عدلیہ کی بحالی کے لیے ہے اور اس میں رکاوٹ بننے والے بلکہ صدر کے خلاف ہے۔اور شریف برادران کا کہنا بھی یہی ہے کہ پی پی پی سے ہمیں کوئی شکایت نہیں بلکہ ہمیں زرداری سے شکایت ہے اور ان کی شکایت کی یا مخالفت کی معقول وجہ ہے کہ ایک فرد جب مسند صدارت پر بیٹھتا ہے تو اس کے قول و فعل میں تضاد اس کے منصب کے شایان شان نہیں ہوتا اگرچہ ایسا ہوتا ہے اور ہوتا رہا ہے کہ کسی سربراہ مملکت یا کسی لیڈر نے کوئی کمٹمنٹ کیا اور وہ اس کو پورا نہ کر سکا ہو تو اس پر وہ یا تو شرمندہ ہوتے تھے اور عوام سے اور اپنے ووٹرز سے معذرت خواہ ہوتے تھے یا پھر وہ ایسے کسی معاملے پر خاموشی اختیار کر لیتے ہیں۔ لیکن جنرل پرویز مشرف نے پہلی بار اعلانیہ وعدہ خلافی کر کے ایک غلط روایت قائم کی تھی اور زرداری صاحب بھی ان کے نقش قدم پر چل پڑے ہیں۔ عوام اپنے لیڈر کو جھوٹا اور وعدہ خلاف نہیں کہتے اس کی ہر بات ہر بیان کا دفاع کرتے ہیں لیکن جب لیڈر خود ہی یہ کہے کہ میرے قول کا میرے وعدہ کا اعتبار نہیں اور میرا وعدہ کوئی قرآن و

حدیث نہیں ہے تو اس صورتحال میں ووٹر کا اپنے لیڈر سے اپنی قیادت سے متنفر ہونا لازم ہے مشرف صاحب بھی یہی کہتے تھے کہ میری بات تو زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کوئی قرآن و حدیث نہیں ہیں ان کی کوئی اہمیت نہیں ہے

دوسری بات جس طرح پی پی کی سابقہ حکومت کو ان کی پارٹی ہی کے صدر نے برطرف کیا تھا آج بھی ایوان صدر اور پارٹی کارکنوں میں فاصلے ہیں یہاں تک کہ ایوان صدر اور ایوان وزیر اعظم میں بھی فاصلے ہیں اور ان دونوں اہم شخصیات کا تعلق ایک ہی پارٹی سے ہونے کے باوجود ان کے درمیان ذہنی ہم آہنگی کا فقدان ہے۔اس حوالے سے یہ بڑی اہم بات ہے کہ چند روز پیشتر صدر آصف علی زرادری صاحب نے موبائل عدالتوں کا آرڈیننس جاری کیا جس کو ایک روز بعد ہی وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی کی ایڈوائس پر واپس لے لیا گیا۔حنیف عباسی کے خلاف کاروائی پر خود پی پی کے سنجیدہ لوگوں نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے۔اور سب سے اہم بات پارلیمنٹ میں حکمران جماعت کے ایک سینئر اور اہم رکن کی جانب سے شریف برادران کے خلاف کاروائی کی مخالفت اور شریف برادران کے حق میں تقریر کرنا اس بات کی علامت ہے کہ پارٹی قیادت اور کارکنان میں فاصلہ پیدا ہو رہا ہے۔اور یہ چیز زرادری صاحب کے لیے نقصان دہ ثابت ہوگی۔ایسا لگتا ہے کہ پارٹی کے سینئر رہنماؤں نے اس صورتحال سے فائدہ اٹھا کر پی پی کو ہائی جیک کرنے والے ٹولے (آصف علی زرداری، رحمٰن ملک، فاروق نائیک، شیری رحمٰن

وغیرہ) سے چھٹکارے کا فیصلہ کرلیا ہے اس لیے وہ بھی اس موقع پر اپنی حکومت کے بجائے اپوزیشن کے موقف کے زیادہ حامی نظر آتے ہیں

ایک بہت ہی اہم بات یہ بھی ہے کہ ایک برطانوی اخبار کے مطابق چیف آف آرمی اسٹاف جنرل اشفاق پرویز کیانی نے صدر آصف علی زرداری کو متنبہ کیا ہے کہ وہ معاملات کو جلد از جلد درست کرلیں۔

ایک اور اہم بات متحدہ کے قائد الطاف حسین صاحب کا دس مارچ کا بیان ہے جس میں انہوں نے کہا ہے وعدے وفا نہ کرنا صدر آصف علی زرداری کے لیے نقصان دہ ثابت ہوگا۔ موجودہ صورتحال کے تناظر میں یہ ایک بہت اہم بیان ہے اس کی دو وجوہات ہوسکتی ہیں۔ایک تو ڈپٹی چیئرمین کے عہدے کے حصول کے لیے صدر پر دباؤ بڑھانا اور دوسری بات یہ کہ متحدہ کے اندورنی ذرائع بہت اسٹرانگ ہیں اور وہ آنے والے حالات کی سن گن حاصل کرلیتے ہیں۔اب اگر ہم پہلی بات کو لیتے ہیں تو تادم تحریر ڈپٹی چیئرمین کے لیے جان محمد جمالی منتخب ہوچکے ہیں اور اس حوالے سے متحدہ کا مطالبہ نہیں تسلیم کیا گیا ہے اور اگر دوسری بات کو لیتے ہیں تو یکم مارچ کو نواز شریف کے خلاف ریلی کے انعقاد اور پھر نواز شریف کے خلاف پی پی کے جلسے میں اظہار یکجہتی کے لیے شرکت کے بعد اچانک صدر زرداری کے خلاف بیان بہت عجیب سا لگتا ہے۔کیا متحدہ کی قیادت پر

صدر زرداری کی وعدہ خلافی کا اچانک انکشاف ہوا ہے اور کیا ان کو صدر کی وعدہ خلافیوں کا پہلے سے علم نہیں تھا؟ اور یہ کیا نواز شریف صاحب نے اپنے موقف میں تبدیلی کرلی ہے کہ متحدہ کو ان کے حق میں بیان دینا پڑا۔ایسا نہیں ہے بلکہ قرین قیاس یہی ہے کہ متحدہ کی قیادت کو حالات میں تبدیلی کا اشارہ ملا ہو اور اس نے ہوا کا رخ بدلتے دیکھ کر اسی رخ پر مڑنے کا فیصلہ کرلیا ہو۔

بہر حال اس صورتحال میں ق لیگ کا کردار ابھی تک واضح نہیں ہے کہ وہ کس طرف جارہی ہے بظاہر یہ لگتا ہے کہ وہ غیر جانب دار ہیں اور افہام و تفہیم کی جانب مائل ہیں لیکن دوسری طرف ان کے ایوان صدر سے بھی رابطے ہیں اور آخری خبروں کے مطابق ان کی ایک ڈیل حکمران جماعت سے ہوئی ہے جس کے مطابق پنجاب میں ان کی حکومت بنائی جائے گی۔بہر حال صدر زارداری کے ساتھ ساتھ ق لیگ بھی اپنے منطقی انجام کی جانب راوں دواں ہے۔

ساری صورتحال کے جائزے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اس کا نقصان نہ صرف اور صرف صدر زرداری اور ان کے منظور نظر لوگوں کو ہی ہوگا۔اور صدر ذرداری کو کردار پاکستانی سیاست میں ختم ہوجائے گا اور پی پی کی اصل قیادت کچھ عرصے کے بعد پھر عوام کے درمیان ہوگی

بہر حال ہم اس صورتحال پر یہی شعر کہہ کر اجازت چاہیں گے کہ ع تم انقلاب کی لہروں کو روکتے ہی رہوں اسی طرح تو یہاں انقلاب ابھریں گے۔

تعصب کی حقیقت اور چیف جسٹس کے جرائم

جب میں نے اس ویب پر آرٹیکل لکھنا شروع کیے تھے تو میرا مشن یہ تھا کہ میں موجودہ سیاست پر کم اور اسلامی موضوعات پر زیادہ لکھوں گا۔اور میں نے اس کی کوشش بھی کی لیکن جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ لوگ حقائق کو بالکل نظرانداز کرکے، سچائی کا خون بہا کر،بڑی ڈھٹائی سے اپنے جھوٹے اور فضول موقف کو اس ویب پر پیش کرتے ہیں تو میں نے بھی یہ فیصلہ کیا اگر اب میں خاموش رہوں گا تو شاید میں اپنے آپ کو معاف نہیں کرسکوں گا کہ میرے سامنے ایک غلط بات ہو رہی تھی اور میں اس کے مقابلے میں سچ کو بیان کرنے کی طاقت کے باوجود چپ رہا۔اس لیے میں نے یہ آرٹیکل لکھنے کا فیصلہ کیا۔ہر شخص کو اپنے نقطہ نظر کو پیش کرنے کا حق ہوتا ہے لیکن اگر کوئی فرد اپنی ذاتی وابستگیوں کی بناء پر سچائی کا خون کرتا ہے اور انصاف سے کام نہیں لیتا تو دراصل وہ ایک اخلاقی جرم کرتا ہے۔

تعصب کتنی بری چیز ہے اس کا اندازہ شاید کسی کو نہیں ہے تاریخ میں ایک کردار گزرا ہے "مسیلمہ کذاب" جس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی ہی میں نبوت کا جھوٹا دعویٰ کردیا تھا اور اس کے اس دعویٰ کے باعث کتنے ہی نو مسلم گمراہ ہوگئے تھے۔مسیلمہ کذاب تعلق بنو ثقیف سے تھا بہت کم

لوگوں کو یہ بات معلوم ہے کہ جب اس ملعون نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ پیش کیا تو اس کے قبیلے کے لوگ تذبذب کا شکار ہو گئے تھے اور انہوں نے تحقیق کے لیے اپنے ایک فرد کو بھیجا کہ جاؤ زرا معلوم تو کرو کہ مسیلمہ کہتا ہے میں بھی محمد کی نبوت میں شریک ہوں تو یہ بات کہاں تک درست ہے ؟وہ فرد گیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات بھی کی۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے دعویٰ کو جھوٹ قرار دیا ۔یہ فرد وہاں سے واپس اپنے قبیلے آنے لگا ۔چونکہ مسیلمہ جھوٹا تھا اس کو پتہ تھا کہ یہ فرد اصل خبر لیکر آجائے گا اس لیے یہ اس کے انتظار میں رہتا تھا۔یہ فرد جب واپس آیا تو اس وقت شام کا وقت تھا مسیلمہ نے اس کو اپنے پاس بلایا اور پوچھا کہ اس کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا بتایا ہے۔اس فرد نے کہا کہ محمد سچے نبی ہیں اور تم جھوٹے ہو تم نبی نہیں ہو ۔اس پر مسیملہ نے کہا کہ اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟اس نے کہا کہ اگرچہ تم جھوٹے ہو لیکن میں قریش کے سچے نبی پر بنو ثقیف کے جھوٹے نبی کو ترجیح دونگا۔اور اس فرد نے محض قوم پرستی اور تعصب کی بناء پر اپنی قوم کو کہا کہ مسیملہ سچ کہتا ہے۔یہ ہے تعصب کی حقیقت ! جھوٹے مدعیان نبوت از ضیاء تسنیم بلگرامی

تعصب کی بناء پر یہود آج تک اسلام کے مخالف ہیں کیوں کہ ان کا خیال تھا کہ آخری نبی بھی ان کی قوم یعنی بنی اسرائیل سے ہوگا لیکن نبی مہربان صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کا تعلق نبی اسمٰعیل سے تھا اس لیے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کرتے ہیں۔اب ہم اپنی بات کی طرف آتے ہیں

عدلیہ بحالی تحریک جوں جوں آگے بڑھتی جارہی ہے ویسے ویسے صدر آصف علی زرداری صاحب اور مشیر داخلہ رحمٰن ملک صاحب کی بوکھلاہٹ میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔پہلے کراچی میں لانگ مارچ کے شرکاء پر تشدد کیا گیا۔اس کے بعد پنجاب میں بھی گرفتاریوں سا سلسلہ چل پڑا ہے۔اسلام آباد کو سیل کرنے کا فیصلہ بھی کرلیا گیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ میڈیا پر پابندی کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا ہے اور پنڈی میں جیو کی نشریات پر پابندی لگا دی گئی ہے۔پی پی پی ایک سیاسی جماعت ہونے کے ناطے یہ بات اچھی طرح جانتی ہے کہ اس طرح کی حرکتوں سے کسی تحریک کو دبایا نہیں جاسکتا لیکن اس کے باوجود پی پی پی کا رویہ ناقابل فہم ہے۔اس کا ایک ہی مطلب ہے کہ پی پی پی الگ ہے اور زرداری ٹولہ الگ ہے۔بہر حال اب یہ تحریک اپنے عروج کیجانب جارہی ہے اور صرف دو دنوں میں ہی یہ فیصلہ ہوجائے گا کہ جیت کس کی ہوتی ہے۔

اس وقت ہم اس بات کا جنئزہ لیں گے کہ اس تحریک میں درست کون ہے اور غلط کون ہے؟ جسٹس افتخار محمد چوہدری کے مخالفین ان پر الزام لگاتے ہیں کہ وہ ان کا دامن بھی صاف نہیں ہے۔اور انہوں نے بھی پی سی او کے تحت حلف اٹھایا تھا۔اس

لیے اب ان کا یہ کہنا کہ پی سی او کو نہیں مانتا غلط ہے۔اور یہ کہ چونکہ وہ پہلے بھی پی سی او کے تحت حلف اٹھا چکے ہیں اس لیے ان کو دوبارہ بھی پی سی او کے تحت حلف اٹھا لینا چاہیئے تھا۔اور یہ کہ یہ ساری تحریک عدلیہ بحالی کی نہیں ہے بلکہ چوہدری افتخار اپنی ذات کے لیے یہ تحریک چلا رہے ہیں۔یہ اس تحریک کے مخالفین کا نقطہء نظر ہے۔انکے اس نقطہء نظر کا جائزہ لیتے ہیں کہ یہ کتنا درست ہے۔پہلی بات تو یہ کہ اگر افتخار محمد چوہدری کو اپنی ذات ہی عزیز ہوتی تو ان کو سابق صدر جنرل مشرف کی مخالفت کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔کیوں کہ وہ تو اس وقت بھی چیف جسٹس تھے۔ایک فرد کو اپنی ذات عزیز ہوتی تو وہ اپنی نوکری ہی کو کیوں خطرے میں ڈالتا وہ بھی اسی طرح آنکھیں بند کرلیتا جس طرح پی پی کے اکثر لوگوں نے اقتدار کی خاطر اپنی آنکھیں بند کی ہوئی ہیں صرف اس لیے کہ ان کی وزارتیں ان کے ٹھاٹ باٹ چلتے رہیں وہ اپنی محبوب لیڈر کے قتل کی ایف آئی آر نہیں درج کراتے کہ ان کو پتا ہے کہ اگر ہم نے اس معاملے پر زیادہ بولا تو ہم کو پیچھے کردیا جائے گا۔جس طرح مسلم لیگ ن اور ق کے لوٹے اپنے ضمیر کا سودا کرتے ہوئے صرف اپنی ذات کی خاطر اور اقتدار کی خاطر پارٹیاں بدلتے رہتے ہیں۔جس طرح متحدہ کی قیادت نے صرف اقتدار اور اپنے فوائد کی خاطر اپنے شہداء کے قاتلوں سے اتحاد کیا ہوا ہے۔جس طرح اے این پی نے بھی اپنے شہیدوں کے لہو کو بیچ کر ان کے قاتلوں کے ساتھ حکومت میں بیٹھے ہیں صرف اور صرف اپنے ذاتی فوائد اور وقتی اقتدار کی

خاطر۔ تو چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری کے لیے تو یہ بہت آسان تھا کہ وہ ماضی کی طرح ایک بار پھر پی سی او کے تحت حلف اٹھا لیتے۔ لیکن پہلی بار اتنے ذمہ دار عہدے پر فائز کسی شخص نے اپنے ضمیر کی آواز پر لبیک کہا اور اپنی ماضی کی غلطیوں کی تلافی کرنا شروع کی ۔ارباب اختیار سے یہ برادشت نہیں ہوا کہ کیوں کہ ان کو پتا تھا کہ جب کسی کا ضمیر جاگ جاتا ہے تو پھر اس کو جھکانا مشکل ہوتا ہے اس لیے ان کو معزول کر دیا اوران کے نام پر سیاست کرنے والے اب ان کو بحال کرنے پر تیار نہیں، تو ثابت ہوا کہ جسٹس افتخار محمد چوہدری کا ماضی میں جرم پی سی او کے تحت حلف اٹھانا اور ایک ڈکیٹیر کا ساتھ دینا نہیں ہے بلکہ ان کا اصل جرم مزید کسی کا آلہ کار بننے سے انکار کرنا ہے ان کا اصل جرم ضمیر کی آواز پر لبیک کہنا ہے۔ان کا اصل جرم عدلیہ کے دامن پر ماضی میں لگے ہوئے داغوں کو صاف کرنے کی کوشش کرنا ہے۔ان کا یہ جرم ناقابل معافی ہے۔ کیوں کہ ایک فرد نے اچانک اٹھ کر ایجنسیوں کے ذمہ داران کو عدالت میں طلب کرنا شروع کر دیا۔ان ایجنسیوں کے اعلیٰ حکام کو جن اداروں کے ایک معمولی چپڑاسی سے بھی لوگ ڈرتے ہیں۔ جن اداروں کا ایک معمولی اہلکار بھی اپنے علاقے کا بادشاہ اور ان داتا ہوتا ہے۔ان اداروں کے اعلیٰ افسران کو عدالت میں طلب کرنا کوئی معمولی جرم نہیں ہے۔ہر پاکستانی جانتا ہے کہ اگر کسی تھانے کا ایک سب انسپکٹر بھی اگر کسی فرد کو اٹھا کر بند کر دے تو وہ رشوت لیے بغیر نہیں آسکتا۔ایک معمولی سپاہی کسی بھی فرد کو سر راہ روک کر

اس کی عزت نفس کو مجروح کر سکتا ہے۔ان اداروں کے اعلیٰ افسران کو عدالت میں گھسیٹا جائے چیف جسٹس کا یہ جرم کوئی معمولی جرم نہیں ہے۔پھر دوسرا جرم جب چند بڑے مل کر ملک کے کچھ ادراوں کو اونے پونے بیچ رہے تھے پہلے کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی اگر عوام نے کبھی اس پر آواز اٹھائی تو اس کو نظر انداز کر دیا گیا کہ عوام کو کام ہی چیخنا چلانا ہے اور حکمرانوں کا کام ان کی آوازوں کو نظر انداز کرنا اور اگر زیادہ شور ہو تو اس آواز کو ختم کر دینا ہوتا ہے لیکن میں عدلیہ نے کبھی ایسے "معمولی" واقعات کو درخورد اعتناء نہیں جانا اس تناظر میں چیف جسٹس نے اگر اسٹیل ملز کے سودے کو منسوخ کر دیا تو کیا یہ جرم معاف کیا جا سکتا ہے۔نہیں جناب یہ جرم قابل معافی نہیں ہے۔اس کی سزا تو ملنی تھی ۔ایک اور بڑا جرم ان کا یہ بھی تھا کہ عوام نامی مخلوق جو کہ افسر شاہی کے ظلم کا شکار تھی، جس کی داد رسی کرنے والا کوئی نہ تھا کیوں کہ قانون کے رکھوالے خود قانون کو بیچتے ہیں، قانون کے محافظ ایک بس میں سے ایک دیہاتی کو اٹھاتے ہیں کہ تم ڈاکو معشوق بروہی ہو اور اس بیگناہ کو مار کر انعام وصول کر لیا جاتا ہے وہ لاکھ چیختا رہا کہ میں معشوق بروہی نہیں ہوں لیکن اس کی بات کی کوئی اہمیت نہیں تھی کیوں کہ وہ ایک عام فرد تھا عوام میں سے تھا۔ایسے ماحول میں اگر ہمار ایجنسیوں نے چند درجن افراد کو اٹھا کر بیچ دیا یا غائب کر دیا تو عدالت کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ اس معاملے میں مداخلت کرے لیکن توبہ کریں صاحب یہ چیف جسٹس تو بالکل ہی انوکھا

تھا اس کو تو ہر معاملے میں "پنگا" لینے کی عادت تھی۔ان گمشدہ افراد کے لیے خود ہی ایکشن لے لیا۔کیا یہ کوئی معمولی جرم ہے ؟اب بھلا بتاؤ جو حکومت نے ایک ادارہ بیچ دیا خریدار نے خرید لیا تو آپ کو کیا ضرورت تھی بولنے کی لیکن نہیں فوراً سو موٹو ایکشن لیکر اس سودے کو مسوخ کر دیا کہ یہ ملک کا اثاثہ ہے۔بھولے بادشاہ کو یہ بھی نہیں پتہ تھا کہ اگر یہ ملک کا اثاثہ ہے تو ملک کس کا ہے ظاہر ہے ارباب اختیار کا ان کی مرضی بیچیں یا نہ بیچیں مگر انھوں نے تو رنگ میں بھنگ ڈال دیا کیا یہ جرم معاف کیا جا سکتا ہے ؟ایسے "نااہل" اور "غیر ذمہ دار" فرد کہ جس کو ہوا کے رخ پر چلنے کا ڈھنگ نہیں آتا وہ اس لائق نہیں ہے کہ اس کو بحال کیا جائے۔اس کو ہمیشہ کے لیے معزول کر دینا چاہیے اور اس کو قرار واقعی سزا بھی دینی چاہیے تاکہ آئندہ کوئی سر پھرا ارباب اختیار کے رنگ میں بھنگ نہ ڈال سکے۔اور نہ ہی ملک میں انصاف فراہم کرنے کی اور قانون کی بالادستی کا جرم نہ کرے۔

ان تمام باتوں پر غور کریں اور پھر بتائیں کہ کیا ایک کرپٹ انسان اچھا ہوتا ہے یا وہ کہ جس کو اپنی غلطی کا احساس ہو جائے اور وہ اس کی تلافی کرنا چاہے۔؟افتخار محمد چوہدری کو اس کے ماضی کے حوالے سے مطعون کرنے والے اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر بتائیں کہ اگر ان کا کوئی پیارا کسی برائی میں مبتلا ہو یا کوئی غلطی کر لے تو کیا وہ اس کو اصلاح کا موقع نہیں دیں گے ؟آج پاکستان

کی باسٹھ سالہ تاریخ میں پہلی بار عدلیہ فعال ہوئی ہیں ان کو اپنی ماضی کی غلطیوں کو احساس ہوگیا ہے اور وہ اپنی اصلاح کرنا چاہتے ہیں اپنی غلطیوں کی تلافی کرنا چاہتے ہیں کیا اس کو موقع نہیں ملنا چاہیۓ؟ آخر میں ایک بار پھر ہم یہی کہیں گے کہ اگر معزول چیف جسٹس اپنی ذات کے لیے کچھ حاصل کرنا چاہتے تو وہ ارباب اختیار سے ٹکراؤ نہیں مول لیتے بلکہ ماضی کی طرح خاموش رہتے۔ لیکن انکی تحریک اپنی ذات کے لیے نہیں ملک کے استحکام کے لیے ہے کہ جہاں ہر ظالم کو، ہر قاتل، ہر مجرم کو یہ احساس ہو کہ وہ اپنے جرم کی سزا پائے گا۔ اس کے بغیر وہ نہیں رہ سکتا تو پھر ہی اس معاشرہ میں سدھار پیدا ہوگا۔ اور اگر خدانخواستہ یہ تحریک ناکام ہوتی ہے تو یاد رکھیں ایک طویل عرصے تک اس معاشرے میں کوئی کسی مظلوم کے لیے آواز نہیں اٹھائے گا۔ کسی ظالم کا ہاتھ روکنے کی کوشش نہیں کرے۔ پھر اس ملک میں صرف ظلم کا اور طاقت کا راج ہوگا۔ اللہ ہمیں اس وقت سے بچائے اور جو لوگ اپنی آنکھوں پر تعصب کی عینک لگائے بیٹھے ہیں تو ان کے لیے ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ اللہ ان کو ہدایت دے کہ وہ حق اور باطل میں فرق محسوس کر سکیں۔ آخری بات کہ اس تحریک کے مخالفین کیا ماضی تو ماضی بلکہ حال کیا ہے اس پر ہم ان شاء اللہ اپنے اگلے کالم میں بات کریں گے

کراچی سٹی گورنمنٹ کے کارنامے

اس وقت کراچی کے سٹی ناظم مصطفیٰ کمال صاحب شہر کی تعمیر،اور تزئین وآرائش کے کام میں دن رات مصروف ہیں اور انہوں نے شہر کراچی کے لیے بہت محنت کی ہے جس کو واقعی سراہا جانا چاہیے۔چاہے وہ سڑکوں کی مرمت ہو یا پلوں کی تعمیر، یا انڈر پاسز، ہر چیز میں انہوں نے بہت محنت کی ہے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ سٹی ناظم کے حامی ان کے کارنامے تو بیان کرتے ہیں لیکن ان کی گورنمنٹ نے شہریوں پر جو اضافی مالی بوجھ ڈالے ہیں اس پر کوئی بات نہیں کرتا ہے۔

سابق سٹی گورنمنٹ نے جب ذمہ داریاں سنبھالی تھیں تو اسوقت کراچی کا بجٹ آمدنی) صرف چار ارب روپے تھا لیکن سابقہ گورنمنٹ نے تین سال میں اس بجٹ) کو بغیر کوئی ٹیکس لگائے بیالیس ارب تک پہنچا دیا تھا۔سابقہ سٹی گورنمنٹ نے بچیوں کی آٹھویں کلاس تک تعلیم نہ صرف مفت کردی تھی بلکہ انکو وظیفہ بھی جاری کیا تاکہ عوام اپنی بچیوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کریں۔اس کے علاوہ سابقہ گورنمنٹ نے چارجڈ پارکنگ ختم کردی تھی یعنی پارکنگ کی فیس پورے شہر میں ختم کردی تھی۔اس کے علاوہ شہر میں سی این جی بسیں چلائی گئیں۔

موجودہ اٹھانوے فیصد غریب طبقے کی نمائندہ حکومت کے آنے کے بعد سب سے پہلے شہر سے گرین بسز ختم ہوگئیں، اس کے بعد پارکنگ فیس دوبارہ لاگو کردی گئی، پھر عوام پر ایک اور ظلم یہ کیا گیا کہ پہلے پانی کا ٹیکس سالانہ بنیادوں پر لیا جاتا تھا اور وہ بھی بمشکل سو یا ڈیڑھ سو روپیہ ہوتا تھا لیکن موجودہ حکومت نے اس کو ختم کرکے سالانہ کے بجائے ماہانہ بنیاد پر لاگو کردیا اور اب عوام سال میں ڈیڑھ سو روپے کے بجائے ہر ماہ ڈیڑھ سو روپیہ ادا کرنے پر مجبور ہیں۔اس کے ساتھ ساتھ یہ مزید یہ ستم کیا گیا کہ محلوں میں پانی کی لائینیں ٹھیک کی گئی جو کہ اصولاً ان کا فرض تھا لیکن موجودہ سٹی گورنمنٹ نے اس کام کے لیے گھروں سے تین سو تا پانچ سو روپے وصول کیے۔اس وقت ایک مزید ستم یہ کیا گیا کہ اب گھروں پر یوٹیلٹی ٹیکس لگایا گیا ہے اور اس کی غرض و غایت یہ بیان کی گئی ہے کہ سٹی گورنمنٹ شہر میں صفائی ستھرائی کے کام کر رہی ہے اس کے لیے اب عوام کو ٹیکس ادا کرنا ہوگا پہلے اس کا اعلان کیا گیا تھا اب اس ماہ سے اس کو باقاعدہ لاگو کردیا گیا ہے اور اس میں یہ بھی کیا گیا ہے کہ یکمشت تین ماہ کے بل بھیج دیا گیا ہے، یعنی مارچ اور اس کے ساتھ پچھلے دو ماہ کا بھی بل دیدیا گیا۔اب عوام اس مد میں بھی مزید دو سو تا ڈھائی سو ماہانہ رقم ادا کیا کریں گے۔ہم اس فورم کے ذریعے سٹی گورنمنٹ سے یہی اپیل کریں گے کہ وہ غریب عوام پر مزید بوجھ نہ ڈالے۔

شہر میں ترقیاتی کام بہت اچھے ہیں،ان کو سراہا جانا چاہیے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اگر عوام کو تکلیف دی جائے تو اس پر بھی آواز اٹھانی چاہیے۔

مجھے یقین ہے کہ میرے کچھ بھائیوں کو اس پر بہت تکلیف پہنچے گی اور وہ فوراً اس کی مخالفت میں ایک کالم لکھ ماریں گے۔ان سے میری یہی گزارش ہے کہ صرف سیاسی وفاداریاں نہ نبھائیں بلکہ اپنے قلم کی لاج رکھتے ہوئے کبھی حق اور سچ بات بھی عوام تک پہنچائیں

عدلیہ کی بحالی اس لیے بھی ضروری ہے

گورنر پنجاب سلمان تاثیر نے لاہور ہائی کورٹ کے احکامات کی دھجیاں بکھیرتے ہوئے لاہور میں چودہ مارچ کی شام پانچ بجے تا پندرہ مارچ شام بجے تک بسنت پر عائد پابندی اٹھالی ہے۔اور اس کے ساتھ ساتھ یہ ظلم کیا گیا کہ موٹر سائیکل پر اس دوران پابندی لگادی گئی ہے یہ تو وہی مثال ہو گئی کہ سنگ وخشت قید اور سگ آزاد۔یعنی ایک فضول اور غیر اسلامی تہوار کہ جو ہر سال درجنوں انسانی جانوں کو چاٹ جاتا ہے اسکو منانے کے لیے ایک تو عدالتی احکامات کی خلاف ورزی کی گئی اور اس کے ساتھ عوام کو پابند کیا گیا کہ وہ موٹر سائیکل پر سواری نہ کریں۔موٹر سائیکل مڈل کلاس اور غریب عوام کی سواری ہے اب اس حکم کے بعد وہ یا تو اپنے تمام کام چھوڑ کر گھر بیٹھ جائیں یا پھر ان کاموں کو نمٹانے کے لیے ٹیکسی رکشہ میں مہنگا کرایہ ادا کریں اور اگر کوئی یہ کرایہ افورڈ نہیں کرسکتا تو وہ بسوں میں خوار ہو اور بسوں میں دھکے کھاتا پھرے۔تادم تحریر یہ خونی تہوار لاہور میں چار قیمتی انسانی جانیں لے چکا ہے اور اس میں دو جانیں معصوم بچیوں کی تھیں۔مزید سو سے زائد افراد کے زخمی ہونے کی اطلاعات آرہی ہیں۔اور یہ تو اب سولہ مارچ کو ہی صحیح پتا چلے گا کہ یہ خونی تہوار کتنی جانوں کو بھینٹ لے چکا ہے۔اب چونکہ اس وقت عدلیہ آزاد

نہیں ہیں بلکہ حکمرانوں کے کاسہ لیس افراد عدلیہ میں موجود ہیں اس لیے ہمارا قوی خیال یہی ہے کہ ان ہلاک شدگان کو انصاف نہیں مل سکے گا۔ یہ خون خاک نشیناں تھا رزق خاک ہوگا۔ کہیں اس کی داد رسی نہیں ہوگی کیوں کہ ایک بد ایسا فرد گورنر بنا ہوا ہے جس نے قانون کو اپنا کھلونا بنایا ہوا ہے۔اور عدالتیں اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گیں اس لیے ان ہلاک شدگان کے لواحقین رو دھو کر چپ ہو جائیں گے

اب اگر غور کریں تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عدلیہ کی بحالی کیوں ضروری ہے۔ عدلیہ کی بحالی اس لیے ہی تو ضروری ہے کہ کوئی طاقتور فرد اپنے اختیارات کا فائدہ اٹھا کر اپنی من مانی نہ کرسکے۔تاکہ غریب اور امیر کے لیے ایک ہی قانون ہو۔تاکہ ارباب اختیار بالکل ہی بے قابو نہ ہو جائیں۔اگر آج عدلیہ آزاد ہوتیں تو کسی حکمران کی یہ مجال نہیں ہوتی کہ وہ عدالتی احکامت کو ماننے سے انکار کردے۔اور یہ جو ہلاکتیں ہوئی ہیں ان کے ذمہ دار گورنر تو ہیں ہی لیکن ایک حصہ ان لوگوں کا بھی ہے جو اس تحریک کی مخالفت کرتے ہوئے معاشرے میں انصاف اور عدل اور مساوات کا سسٹم رائج نہیں ہونے دے رہے ہیں۔

عدلیہ بحالی تحریک کے مخالفین کیا اس بارے میں اپنے ضمیر کو آواز دیں گے یا یہاں بھی صرف ہمارے آرٹیکل کی مخالفت میں ایک آرٹیکل مزید لکھ ماریں گے۔

نوٹ : بسنت کے تہوار کی حقیقت ہم نے اپنے ایک کالم بسنت یا جشن بہاراں میں بیان کر چکے ہیں۔اس کالم کے ساتھ اگر اس کا بھی مطالعہ کریں گے تو اس تہوار کی پوری حقیقت سامنے آجائے گی۔

بلا تبصرہ

جمعہ تیرہ فروری کی رات کو پنڈی میں جیو نیوز کی نشریات کو بند کردیا گیا۔اس کے تھوڑی دیر بعد کراچی کے کئی علاقوں میں بھی جیو نیوز کی نشریات جام کی گئی۔اور کئی جگہ اس کو بلکل آخر کے نمبروں پر ٹیون کردیا گیا۔بعد میں یہ نشریات ہفتے کی دوپہر کو کافی حد تک بحال کردی گئی ۔البتہ کئی جگھوں پر اس کو آخری نمبروں پر ہی رکھا گیا۔ اس حوالے سے یہ دلچسپ بات سامنے آئی کہ کراچی میں پی پی پی کی طرف سے جیو کے خلاف بینر لگائے گئے اور ان بینرز میں یہ لکھا ہوا کہ پی پی پی کے خلاف بے بنیاد پروپیگنڈا بند کیا جائے۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس میں دلچسپ بات کیا ہے ؟ دلچسپ بات یہ ہے کہ جیو نیوز نے پی پی پی کے خلاف کوئی بھی بے بنیاد پروپیگنڈا نہیں کیا بلکہ خود انہی کے مرحومہ لیڈر کے سابقہ بیانات،وزیراعظم یوسف رضا گیلانی صاحب کے عدلیہ اور ججز بحالی کے حوالے سے وہ بیانات جب وہ حکومت میں نہیں تھے۔اور نو منتخب چیئرمین سینیٹ فاروق نائیک صاحب کے ججز

بحالی اور عدلیہ بحالی تحریک کے حوالے سے سابقہ بیانات نشر کرنا شروع کیے تھے۔اس میں نہ تو جیو نے کوئی اپنی طرف سے اضافہ کیا گیا تھا۔نہ کسی بیان کو توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا تھا بلکہ ان کے اوریجنل بیانات اور باقاعدہ ویڈیوز دکھائی گئیں تھیں۔اب موجود زرداری ٹولہ بجائے اس کے کہ اس سے کوئی سبق حاصل کرتا،اپنی وعدہ خلافیوں پر شرمندہ ہوتا۔اور اس پر معذرت طلب کرتا اس کے بجائے الٹا جیو نیوز ہی کے خلاف کاروائی کر ڈالی۔اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا بے بنیاد پروپیگنڈہ جیو نیوز نے کیا ہے یا۔۔۔۔؟

بہر حال ہم اس پر یہی کہیں گے کہ ع آئینہ ان کو دکھایا تو برا مان گئے

کیا ابھی نوشتہ دیوار نہیں پڑھا گیا؟

لانگ مارچ اپنے عروج کی جانب گامزن ہے۔ اور اس میں بڑی حوصلہ افزاء صورتحال سامنے آئی ہے۔ حکومت کے تمام تر آمرانہ، غیر جمہوری، اور ظالمانہ ہتھکنڈوں کے باوجود ہزاروں افراد کا جم غفیر لاہور کی سڑکوں پر نکل آیا اور یہ آرٹیکل لکھنے تک یعنی پندرہ مارچ رات ساڑھے آٹھ بجے تک عوام کا جوش و خروش بڑھتا جارہا ہے۔اور عوام اس میں جوق در جوق شرکت کر رہے ہیں۔جماعت اسلامی کے لیاقت بلوچ، فرید پراچہ، پاکستان بار کونسل کے سابق صدر اعتزاز احسن، نواز شریف اور کئی دیگر لوگ نظر بندی کے احکامت کی خلاف ورزی کرتے ہوئے سڑکوں پر آگئے۔ نظر بندی کی خلاف ورزی کی خبر سے میرے ان بھائیوں کے ارمانوں پر اوس پڑ گئی ہوگی جن کا خیال تھا کہ لیڈر تو نظر بندی یا گرفتاری کے بعد ہاتھ ہلاتے ہوئے چلے جائیں گے اور اصل ٹکاٹک لاٹھیاں تو عوام کو پڑیں گی (اب ہر کسی کا تعلق ایک مخصوص تنظیم سے تھوڑی ہے کہ ملک سے باہر بیٹھ کر صرف بیان دیدیا) ۔حکومتی اقدامات سے یہ تحریک دبنے کے بجائے اور ابھر کر سامنے آئی ہے اور اس کے رہنماؤں کا موڈ اس کو کسی نتیجہ پر پہنچانے کا لگ رہا ہے۔اس حوالے سے اعتزاز احسن صاحب نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ اگر سولہ مارچ کو دھرنا اور لانگ مارچ نہ ہوسکا تو تو کوئی بات نہیں جس دن

اسلام آباد کے راستے میں کھڑے کنٹینر اور رکاوٹیں ہٹائی گئیں اسی دن لاکھوں لوگ دھرنا دیں گے حکمران کب تک اسلام آباد کو سیل رکھیں گے؟

وکلاء تحریک اپنے کلائمکس کی طرف جارہی ہے۔لاہور میں عوام کے جوش وخروش کی ایک وجہ گورنر صاحب کے اقدامات بھی ہیں کیوں کہ گورنر صاحب نے عدالتی احکامات کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بسنت منانے کی اجازت دی تھی ان کا خیال تھا کہ پولیس کی نفری، جبر اور اس کے ساتھ ساتھ گردن پر ڈور پھرنے کا خوف لاگوں کو گھروں کے نکلنے نہیں دے گا لیکن یہی چیز انکے خلاف گئی اور معصوم بچیوں کی ہلاکتوں کے بعد عوام نے اپنے غم وغصہ کا اظہار لانگ مارچ میں شریک ہو کر کیا ہے۔

بات ہورہی تھی نوشتہ دیوار کی تو جناب دو دن پہلے پنجاب میں ایک تھانیدار نے خلاف قانون احکامات ماننے سے انکار کردیا تھا۔یہ سلسلہ ابھی رکا نہیں ہے تازہ ترین اطلاعات کے مطابق ڈی سی او لاہور نے بھی وکلاء پر تشدد اور شیلنگ پر احتجاجاً استعفیٰ دیدیا ہے اور لانگ مارچ میں شرکت کے لیے اچھرہ پہنچ گئے اس کے علاوہ جب نواز شریف کا قافلہ تمام رکاوٹوں کو توڑتا ہوا جب جی پی او چوک پر پہنچا تو ڈیوٹی پر موجود پولیس اہلکاروں نے نواز شریف زندہ باد کے نعرے لگائے اور ڈیوٹی کرنے سے انکار کردیا۔راولپنڈی

میں پولیس نے سابق وزیر اعلیٰ پنجاب شہباز شریف کو گرفتار کرنے سے انکار کردیا ہے۔ڈپٹی اٹارنی جنرل لاہور ہائی کورٹ عبد الحئ گیلانی نے بھی اپنے عہدے سے استعفیٰ دیدیا ہے۔حکمران جماعت کے عہدے داران خود اپنی پارٹی کے اقدامات سے متنفر ہورہے ہیں۔اور احتجاجاً استعفیٰ دے رہے ہیں۔شیری رحمان صاحبہ اس کی بڑی مثال ہیں۔اگر حکمرانوں اس کے بعد صرف ہٹ دھرمی اور ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہی اقتدار پر قابض ہوسکتے ہیں ورنہ اخلاقی جواز تو ختم ہوگیا

اس تمام صورتحال کے بعد کے بعد زرداری صاحب اور رحمان ملک صاحب کو یہ قافلے روکنے کا اخلاقی طور پر کوئی حق نہیں ہے۔جب انکی پارٹی کے لوگ، انکی حکومت کے عہدے داران، ان کے ساتھ نہیں ہیں۔اور پاکستان کی باسٹھ سالہ تاریخ میں پہلی بار پولیس افسران اور اہلکاروں نے غیر قانونی احکامات ماننے سے انکار کردیا ہے۔اور عوام تمام رکاوٹوں اور جبر کے باوجود وکلاء تحریک کے ساتھ ہیں تو اب انکو نوشتہ دیوار پڑھ لینا چاہیے اور ججز کو بحال کردینا چاہیے۔

یہاں یہ بھی واضح رہے کہ اس ساری صورتحال کے بعد اب چاہے دھرنا ہو یا نہ ہو لیکن دراصل یہ اس تحریک کی کامیابی ہے۔

فرقان صاحب ان سوالوں کا جواب قرض ہے آپ پر

میں نے جب سے آرٹیکل لکھنا شروع کیے تو ایک کوشش کی تھی کہ غیر جانب داری سے سیاسی صورتحال کا تجزیہ کیا جائے اور اپنے قلم سے کسی کے ساتھ ناانصافی نہ برتی جائے بلکہ حالات و واقعات جس رخ پر جا رہے ہیں۔اس میں کا پارٹی کا کیا کردار ہے وہ بے لاگ طریقے سے بیان کر دیا جائے۔اس میں، میں کتنا کامیاب ہوں یہ تو میرے قارئین ہی بتائیں گے۔البتہ میرے ایک بھائی کہ جن کے اپنے کالم یکطرفہ اور اپنی سیاسی وابستگی کی بناء پر تعصب پر مبنی ہوتے ہیں ان کو میرے آرٹیکلز میں تعصب نظر آگیا ہے۔بہر حال میں اب بھی ان کو کچھ نہیں کہتا ہوں میں صرف ان سے چند سوالات پوچھنا چاہوں گا۔اور جیسا کہ انکا دعویٰ ہے کہ وہ تعصب نہیں کرتے ہیں تو پھر میری باتوں کا جواب پوری ایمانداری سے دیدیں

ان کا تعلق ان کے آرٹیکلز سے ظاہر ہوتا ہے کہ متحدہ قومی موومنٹ سے ہے۔وہ بھائی وکلاء تحریک کی مخالفت میں بہت پیش پیش ہیں۔س وقت پی پی پی کی حکومت ہے۔اور نواز شریف اور وکلاء تحریک اس حکومت کے خلاف احتجاج کر رہی ہے۔میرے اس بھائی نے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ احتجاج

کرنا غیر جمہوری ہے، لانگ مارچ دھرنا ورنہ بیکار ہیں۔حکومت بالکل ٹھیک کر رہی ہے۔اور سسٹم کو خطرے میں نواز شریف اور افتخار محمد چوہدری نے ڈالا ہے۔یعنی پی پی پی کی گورنمنٹ بالکل ٹھیک کرہی ہے۔ہم ان کی یہ بات مان لیتے ہیں حکومت بالکل ٹھیک کر رہی ہے۔لیکن وہ ہمارے کچھ سوالوں کے جواب دیدیں

چورانوے سے چھیانوے کے دوران بھی پی پی پی کی حکومت تھی۔اس وقت متحدہ قومی موومنٹ حکومت کے خلاف آئے دن ہڑتالیں کر رہی تھی۔اور ایک ہفتے میں تین تین ہڑتالیں بھی ہورہی تھیں۔مہاجر نوجوانوں کو ماوارائے عدالت قتل کیا جارہا تھا۔اب آپ کے نظریہ کی روشنی میں تو ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح آج حکومت صحیح ہے کل بھی اسی طرح صحیح تھی۔آج اگر پی پی پی حکومت کے اقدامات درست ہیں تو اسوقت بھی درست تھے۔کیا آپ اس بات کی تصدیق کریں گے؟اس دور میں متحدہ کے کارکنوں کے خلاف لاتعداد مقدمات قائم کیے گئے۔جس طرح آج قائم کیے جارہے ہیں۔آپ کے نظریہ کے مطابق جس طرح آج کے مقدمات بالکل قانونی ہیں۔کیا کل متحدہ کے خلاف بھی مقدمات باکل قانونی اور درست تھے؟جس طرح آج حکومت کے خلاف تحریک اور احتجاج غلط ہے کیا کل متحدہ قومی موومنٹ کا احتجاج اور تحریک غلط تھی؟

اور کیا آپ کے اندر اتنی اخلاقی جرات ہے کہ متحدہ کو وہ شہداء جنھوں نے

اپنی جانیں قربان کردیں آپ کہہ دیں کہ نہیں حکومت وقت کے خلاف احتجاج کرنا۔اور سسٹم کو خطرے میں ڈالنے والا باغی ہوتا ہے اس لئے وہ لوگ شہید نہیں ہیں؟ کیا آپ اپنے آج کے نظریے کہ مطابق ان سب باتوں کا جواب دیں گے؟ سوال تو اور بھی ہیں لیکن وہ اپ کے ان سوالوں کے جواب کے بعد میں پوچھوں گا۔

میں آپ سے یہ سوالات کبھی نہیں کرتا لیکن آپ نے مجبور کردیا ہے میرا تعلق بھی کراچی ہے میں بھی ان ساری کیفیتوں سے گزرا ہوں، میں نے بھی محاصروں اور چھاپوں کو.براہ راست.برداشت کیا ہے مجھے بھی اپنے پیارں کے جرم بے گناہی کے لیے تھانوں کے چکر لگانے پڑے ہیں اس لیے میں اس بات کا حامی ہوں کہ جب تک انصاف آزاد نہیں ہوگا اس وقت تک ظلم ہوتا رہے گا۔ میری باتیں آپ کو.بری تو لگیں گی لیکن جب آپ کی سمجھ میں آجائیں گی تو پھر آپ کو.بری نہیں لگیں گی

گمراہ کن سن گن نہیں حقیقت یہی ہے

ہم نے اپنے ایک آرٹیکل میں یہ بات بیان کی تھی کہ صدر زرداری اور پارٹی کے کارکنوں کے درمیان فاصلے پیدا ہورہے ہیں، یہاں تک کہ صدر اور وزیراعظم کے درمیان بھی ذہنی ہم آہنگی کا فقدان ہے۔اس پر میرے ایک بھائی نے لکھا کہ یہ گمراہ کن خبریں ہیں۔اس حوالے سے میرے اس بھائی کی معلومات درست نہیں ہیں۔دیکھیں کسی بھی چیز کا تجزیہ کرنا آسان نہیں ہوتا بالخصوص اس وقت جب آپ جانبداری سے کام لے رہے ہوں۔کیوں کہ جب آپ غیر جانبداری نہیں برتتے تو بہت ساری باتیں آپ کو محسوس نہیں ہوتی ہیں۔ہم نے جو تجزیہ کیا تھا تو میں کوئی نجومی یا نعوذ باللہ عالم غیب نہیں ہوں بلکہ حالات و واقعات کو بتاتے ہیں کہ اب کیا ہونے والا ہے۔دوسری بات کہ تجزیہ کرتے وقت آپ کو متعلقہ پارٹیوں کی ہسٹری اور ان کے طرز سیاست سے واقفیت ہونی چاہیے۔ہم جب بھی تجزیہ کرنے کی کوشش کرتا ہوں تو کوشش کرتا ہوں کہ جانبداری نہ برتوں بلکہ واقعات کو ایک عام فرد کی حیثیت سے محسوس کروں۔نمبر دو میری کوشش ہوتی ہے کہ کسی پارٹی کا سابقہ ریکارڈ اور طرز سیاست پر نظر رکھوں۔پی پی پی کا ایک ریکارڈ ہے کہ اس کے کارکنان پارٹی ڈسپلن کے پابند ہوتے ہیں اور مسلم لیگ ق ن وغیرہ کی طرح خود سے کوئی کام نہیں کرتے نہ کوئی بیان دیتے ہیں بلکہ وہ پارٹی لیڈر

کی سوچ اور منشاء کے مطابق بیان دیتے ہیں یا اپنا رد عمل ظاہر کرتے ہیں۔اس صورتحال میں جب کچھ باتیں معمول سے ہٹ کر ہوں تو خود بخود ذہن میں یہ بات آئی کہ ایسا کیوں ہوا یا ہورہا ہے؟جواب آیا کہ اندرونی طور پر کچھ گڑبڑ ہے۔اسی طرح ہمارا تجزیہ محترم الطاف حسین صاحب کے بارے میں تھا اس میں کوئی تعصب یا جانبداری نہیں ہے بلکہ سابقہ ریکارڈ ہمارے سامنے ہے اور اسی بنیاد پر ہم نے تجزیہ کیا تھا اب یہ درست ہے یا غلط یہ بھی زیادہ نہیں صرف ایک ہفتے میں واضح ہوجائے گا۔

بہر حال ہماری بات درست ثابت ہوئی ہے کہ صدر زرداری اور پارٹی کارکنوں میں اختلافات ہیں،اس حوالے سے سب سے بڑا دھماکہ محترمہ شیری رحمان صاحبہ کا استعفیٰ ہے۔شیری رحمان صاحبہ کے ساتھ ساتھ میاں رضا ربانی تو پہلے ہی استعفیٰ دے چکے ہیں اس کے علاوہ پارلمینٹ میں شریف برادران کے حق میں تقریر کرنے والے انور بیگ بھی مستعفی ہو چکے ہیں اور اس کے علاوہ پی پی پرانے کارکن اور عہدے دار حاجی یعقوب نے بھی پارٹی سے استعفیٰ دیدیا ہے۔شیری رحمان کے استعفیٰ سے حکومت کی یہ بات بھی غلط ثابت ہوتی ہے کہ کسی چینل پر پابندی نہیں لگائی گئی جب کہ وزیر اطلاعات و نشریات ہونے کے ناطے انہوں نے اس غیر جمہوری اقدام پر استعفیٰ دیا ہے یہ ساری باتیں ظاہر کرتی ہیں موجود حکومت کے اقدامات واقعی جمہوریت کے خلاف ہیں۔اور جو واقعی سیاسی لوگ ہیں وہ

اس کے خلاف ہیں۔ہاں اقتدار کے بھوکے، مفاد پرست۔چڑھتے سورج کے پجاری قسم کے لوگ ان اقدامات کے حامی ہیں اور وہی لوگ ان کے جانے کے بعد بڑے زور و شور سے سابقہ حکومت کی برائیوں میں مصروف ہونگے۔یہاں یہ بات واضح رہے کہ نواز شریف کی تحریک اور وکلاء کی تحریک پی پی پی کے خلاف نہیں ہے بلکہ نواز شریف کی تحریک صدر زرداری کے خلاف اور وکلاء کی تحریک عدلیہ کی آزادی اور ججز کی بحالی کے لیے ہے چاہے کوئی بھی گورنمنٹ ہو ان کو اس سے غرض نہیں ہے۔اس لیے اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ یہ پی پی پی کے خلاف سازش ہے تو وہ غلط کہتا ہے۔

چیف جسٹس صاحب کا اصل امتحان

باالآخر عدلیہ بحالی تحریک کئی نشیب و فراز سے گزرنے کے بعد اپنے منطقی انجام کی طرف پہنچ گئی۔ اور میں اس بات کا اعتراف کرلوں کہ اس کا انجام میرے اندازے سے تھوڑا سا مختلف ہوا ہے۔ میرا اندازہ تھا کہ یا تو چیف جسٹس بحال ہونگے اور صدر زرداری کو اقتدار چھوڑنا پڑے گا۔ یا پھر صدر زرداری اقتدار پر فائز رہیں گے اور عدلیہ بحالی تحریک ناکام ہوجائے گی۔ البتہ یہ بڑی خوش آئند بات ہے کہ جسٹس افتخار محمد چوہدری اور دو نومبر دو ہزار سات والی عدلیہ بھی بحال ہوگئیں ہیں اور صدر زرداری بھی موجود ہیں۔ یہ بالکل غیر متوقع صورتحال سامنے آئی ہے۔ بہر حال اس ساری صورتحال میں سب سے بڑا کریڈٹ وکلاء کو جاتا ہے کہ انہوں نے اس تحریک کو ترک نہیں کیا۔ حالانکہ ان کی مالی پوزیشن بھی اس تحریک کی وجہ سے بہت متاثر ہوئی۔ ان کے خلاف جبر بھی کیا گیا، کئی فاضل ججز سے ان کی سرکاری رہائش گاہ جبراً واپس لے لی گئی۔ انہوں نے لاٹھیاں بھی کھائیں۔ اس کے باوجود وہ ڈٹے رہے اور ان کی وجہ سے ہی سیاسی پارٹیوں کو ہمت ملی کہ وہ اس مسئلہ پر آواز اٹھائیں۔ اس کے بعد اس کا کریڈٹ سول سوسائٹی اور سیاسی جماعتوں کو جاتا ہے کہ انہوں نے بھی اس مسئلہ پر ایک ہی مؤقف رکھا اور باالآخر صدر آصف علی زرداری کو اپنے مؤقف بدلنے پ

مجبور کر دیا۔اس بات پر وکلاء برادری، سول سوسائٹی، اس تحریک میں شامل سیاسی جماعتیں مبارک باد کی مستحق ہیں۔ اور ایک حد تک اس کا کریڈٹ پی پی پی کے ان تمام رہنماؤں کو جاتا ہے کہ جنھوں نے ایک ایسے وقت میں کہ جب بظاہر عدلیہ بحالی کا کوئی امکان نہیں تھا اس وقت انہوں نے اصولی مؤقف اختیار کرکے اپنی ہی حکومت کے آمرانہ اقدامات سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے علیحدگی اختیار کی حالانکہ پاکستان کی سیاست میں ایسا کم ہی ہوتا ہے۔ لیکن جن لوگوں نے یہ کام کیا وہ واقعی مباک باد کے مستحق ہیں سیاسی جماعتوں کے کارکنان نے اتوار کے روز لاہور میں جدو جہد کی ایک تاریخ رقم کی اور کم از کم چار گھنٹے مسلسل شیلنگ برداشت کرکے بالآخر رکاوٹوں کو روندتے ہوئے آگے کی طرف بڑھتے گئے۔اسلام آباد کو مکمل سیل کرنے کے باوجود جناب قاضی حسین احمد، اور عمران خان اور شہباز شریف وہاں پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔ یہ پاکستان کی تاریخ کا ایک سنہرا باب ہے۔ نواز شریف، لیاقت بلوچ اور اعتزاز احسن لاہور میں میدان کارزار میں موجود تھے۔

اپنی بات آگے بڑھانے سے پہلے ایک بات کا ذکر کردیں کہ ایک صاحب جو اس ویب پر وکلاء کی تحریک کی مخالفت میں پیش پیش تھے۔انہوں نے روایتی تعصب کا مظاہرہ کرتے ہوئے ججز بحالی کے چند گھنٹوں کے بعد ہی کہہ دیا کہ اب ملک میں انصاف کا کتنا بول بالا ہوتا ہے یہ ہم بھی دیکھیں گے۔ موصوف سے برداشت نہیں

ہوا تو انہوں نے فوراً ہی اندر کا غبار ظاہر کر دیا جبکہ موصوف کے اپنے معزز لیڈر نے تیس سال پہلے حقوق کی جو بات کی تھی، آج تک اپنی قوم کو کوئی حقوق نہیں دلائے، کوٹہ سسٹم ختم کرنے کی بات کی لیکن تمام تر وسائل کے باوجود کوٹہ سسٹم کے خلاف کوئی آواز نہیں اٹھائی اور کوٹہ سسٹم آج تک برقرار ہے۔ پانچویں قومیت تسلیم کروانے کی بات کی اور ہزاروں نوجوانوں کا خون بہا کر آج اس نعرہ سے دستبردار ہو گئے۔ اور یہ انکی بد دیانتی کی انتہا ہے کہ وہ سب کو جھوٹے الزام لگا کر معطون کرتے ہیں لیکن یہاں ان کی زبان بند ہو جاتی ہے۔ خیر ہم اپنے کالم تعصب کی حقیقت میں یہ بتا چکے ہیں کہ کس طرح تعصب انسان کی عقل پر پردہ ڈال دیتا ہے۔جب تعصب کی بناء پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا ہی انکار کر دیا جاتا ہے تو ہم آپ کس گنتی میں ہیں۔اللہ ہی ان کو ہدایت دے گا

عدلیہ بحالی کے بعد اصل امتحان اب شروع ہوگا کیوں کہ اب ان عدالتوں کے ججز کو غیر جانبداری کے ساتھ اپنے فرائض کو ادا کرنا ہوگا۔اور اب قوم کو ان سے جو توقعات وابستہ ہو گئیں ہیں ان کو بھی پورا کرنا ہوگا۔ دراصل یہی ان کا امتحان ہے کیوں کہ جو لوگ اس سسٹم پر قابض ہیں وہ اتنی آسانی سے اپنی شکست تسلیم نہیں کریں گے۔ اتنی آسانی سے ہتھیار نہیں ڈالیں گے۔ معزز چیف جسٹس صاحب جناب افتخار محمد چوہدری سے بالخصوص قوم کو بہت توقعات ہیں۔ ہماری دعا

ہے کہ اللہ ان کو اپنے اس امتحان میں سرخرو کرے اور اپنی معزولی سے پہلے جس طرح وہ ظالموں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ان سے جواب طلبی کرتے تھے وہ ایک بار پھر اسی طرح ظالموں کا ہاتھ پکڑیں، جس طرح پہلے وہ ارباب اختیار پر انحصار کرنے کے بجائے از خود کاروائی کرتے ہوئے مظلوموں کی دادرسی کریں۔ اللہ ان کو اپنے اس امتحان میں سرخرو کرے۔ اور ان کا حامی و ناصر ہو۔ تمام قوم (ماسوائے تعصب پرستوں) کی دعائیں آپ کے ساتھ ہیں

چیف جسٹس کا منفرد عالمی اعزاز

2 مرتبہ معزولی، 2 مرتبہ بحالی: چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری کا منفرد عالمی اعزاز چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری دنیا کی تاریخ میں واحد اور پہلے چیف جسٹس ہیں جنھیں 2 مرتبہ برطرف کرکے وکلاء اور عوام کے شدید احتجاج کی وجہ سے پھر بحال کردیا گیا۔ سابق صدر جنرل پرویز مشرف کی طرف سے افتخار محمد چوہدری پر استعفٰی دینے کے لیے شدید دباؤ کے باوجود انھوں نے آمریت کے آگے سر تسلیم خم کرنے سے انکار کرتے ہوئے استعفٰی دینے سے صاف انکار کردیا جس کے صلہ میں انہیں 9 مارچ 2007 کو برطرف کردیا گیا۔برطرفی کے اعلان کے بعد وکلاء، سول سوسائٹی، سیاسی جماعتیں اور عوام نے اس آمرانہ اقدام کے خلاف سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر ثابت کیا کہ افتخار محمد چوہدری اس آمرانہ فیصلے کے خلاف جنگ میں تنہا نہیں ہیں بلکہ پوری قوم ان کے ساتھ ان کے شانہ بشانہ کھڑی ہے جس کے بعد سپریم کورٹ کے ایک لارجر بنچ نے 20 جولائی 2007 کو انہیں بحال کردیا گیا۔

بحال ہونے کے بعد افتخار محمد چوہدری نے عوام کی امنگوں کے مطابق اپنے فرائض کی ادائیگی شروع کردی ان کی جانب سے جنرل (ر) پرویز مشرف کے مختلف آمرانہ اقدامات کے خلاف عدالتی کاروائی کا آغاز کیا گیا جسے حکومت زیادہ عرصہ برداشت نہیں کرسکی اور 3 نومبر 2007 کو اس وقت کے صدر جنرل پرویز مشرف نے ملک میں ایمرجنسی نافذ کرکے ایک بار پھر چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری کو برطرف کردیا۔

بے نظیر بھٹو کی وطن واپسی کے بعد عدالت عالیہ نے میاں نواز شریف کی وطن واپسی کو ان کا حق قرار دیا اور حکومت کی جانب سے ان پر وطن واپسی کی پابندی کو کالعدم قرار دیدیا تھا۔

3 نومبر 2007 کے اقدام کے ذریعے چیف جسٹس کی برطرفی کی وجہ سے ایک بار پھر وکلاء سول سوسائٹی، اور ملک کی دوبڑی سیاسی جماعتوں پاکستان پیپلز پارٹی، مسلم لیگ ن) سمیت جماعت اسلامی، پاکستان تحریک انصاف اور دیگر جماعتوں نے حکومت کے) خلاف احتجاج کا پرزور سلسلہ شروع کیا اور 27 دسمبر 2007 کے کو پیپلز پارٹی کی تاحیات چیئرپرسن محترمہ بے نظیر بھٹو کی شہادت کے بعد تحریک نے مشرف ہٹاؤ تحریک کا رنگ بھی لے لیا۔

18 فروری 2008 کے انتخابات کے بعد پیپلز پارٹی کی حکومت قائم ہوئی۔ میاں نواز شریف اور آصف علی زرداری کے مابین ججوں کی بحالی کے سلسلہ میں تین معاہدے ہوئے۔ اگست 2008 میں دونوں بڑی جماعتوں کی مخالفت کی وجہ سے جنرل پرویز مشرف کو اقتدار سے علیحیدہ ہونا پڑا اور آصف علی زرداری ملک کے نئے صدر منتخب ہوئے لیکن انہوں نے اپنے کیے ہوئے وعدے وفا کرنے کے بجائے دیگر معاملات پر اپنی توجہ مرکوز کرلی جس کی وجہ سے مسلم لیگ (ن) اور ان کی جماعت میں شدید اختلافات پیدا ہوگئے،اس دوران شریف برادران کے خلاف جاری نااہلی کیس کا فیصلہ بھی شریف برادران کے خلاف آگیا جس کے باعث پنجاب میں انکی حکومت ختم ہو گئی اور گورنر راج نافذ کردیا گیا۔

لانگ مارچ اور دھرنے کے اعلان کے بعد مسلم لیگ (ن)، جماعت اسلامی، تحریک انصاف، وکلاء اور سول سوسائٹی نے متحد ہو کر عدلیہ بحالی کے لیے جدو جہد کا آغاز کیا، اور لانگ مارچ اس کے ساتھ ساتھ 16 مارچ کو شاہراہ دستور ایوان صدر کے سامنے دھرنہ دینے کا اعلان کردیا گیا۔ 12 مارچ کو کوئٹہ اور کراچی سے چلنے والے قافلوں کو راستے میں روک لیا گیا۔ کراچی میں ٹول پلازہ پر سیاسی جماعتوں اور وکلاء کے قافلے کو روک کر گرفتاریاں بھی کی گئیں۔ پندرہ مارچ کو لاہور میں پہلے تو احتجاجی مظاہرین چھوٹی چھوٹی ٹولیوں کی صورت میں نکلنے لگے تو ان کو روک دیا گیا، اس کے بعد پولیس اور مظاہرین میں جھڑپیں

شروع ہوئیں اور پولیس نے مظاہرین کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔ لیکن میاں نواز شریف جب نظر بندی ختم کرکے گھر سے قافلے کی قیادت کرتے ہوئے نکلے تو پھر عوام جوق در جوق اس قافلے میں شامل ہوتے رہے اسی دوران وکلاء تحریک کے رہنماء چوہدری اعتزاز احسن کو لاہور سے گرفتار کر لیا اور ان کو بھی گھر میں نظر بند کر دیا گیا لیکن کچھ دیر کے بعد وہ بھی نظر بندی ختم کرکے باہر نکل آئے۔ میاں نواز شریف اور اعتزاز احسن کی قیادت میں ہزاروں افراد کی اسلام آباد آمد کے لیے چلنے والے قافلے نے حکومت کو مجبور کر دیا کہ آزاد عدلیہ کے بغیر اس ملک میں مفاہمت کی راہ ہموار کرنا ممکن نہیں اور سولہ مارچ کو وزیر اعظم پاکستان سید یوسف رضا گیلانی نے افتخار محمد چوہدری اور دیگر ججز کی بحالی کا اعلان کر دیا،اس طرح تقریباً دو سال تک چلنے والی یہ تحریک اپنے انجام کو پہنچی۔ دیکھا جائے تو تحریک پاکستان کے بعد یہ دوسری اتنی طویل اور منظم تحریک تھی۔ جس نے ایک طویل جدو جہد کے بعد بالآخر اپنے اہداف حاصل کر لیے۔

شیطان: مقرب سے مردود تک

یہ قصہ ہے کئی لاکھ سال قبل آدم کا یعنی وہ دور کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو بھی تخلیق نہ کیا گیا تھا۔ اس وقت دنیا میں دو قسم کے گروہ تھے ایک نوری اور ایک ناری نوری یعنی فرشتے اور ناری یعنی جنات۔ فرشتے آسمانوں میں رہتے تھے اور جنات زمین پر رہتے تھے۔ان جنات میں نیک بھی تھے اور بد بھی اچھے بھی تھے اور برے بھی ،ان جنات میں ایک جن بہت عبادت گزار تھا۔ بہت ہی پرہیز گار تھا۔اپنی پیدائش کے بعد اس نے ایک ہزار سال تک اللہ کو سجدہ کیا۔اس کے بعد اس نے زمین کے ہر حصے پر کئی ہزار برس تک عبادت کی۔اور اس طرح کی کہ زمین کا کوئی حصہ ایسا نہ تھا کہ جہاں اس نے سجدہ نہ کیا ہو۔

جب اس جن نے اتنی زیادہ عاجزی اور عبادت گزاری کا مظاہرہ کیا تو تو پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ رب العزت کی رحمت جوش میں نہ آتی۔اللہ نے اس جن کو اس کی عبادت گزاری اور پرہیز گاری کے صلے میں زمین سے اٹھا کر آسمانِ دنیا (پہلا آسمان) پر بلا لیا، یہاں بھی عزازیل نے ایک ہزار سال تک عبادت کی۔اور سجدہ کیا۔ یہاں اس کو " خاشع " کا لقب دیا گیا۔اللہ نے اس کی عبادت کے صلے میں اس کے درجات مزید بلند کیے اور اس کو دوسرے آسمان پر بلا لیا گیا۔ یہاں

بھی اس نے ایک ہزار سال تک عبادت کی اور یہاں اس کو " عابد " کا لقب دیا گیا۔ اور اسکو یہاں سے تیسرے آسمان پر بلایا گیا۔ تیسرے آسمان پر بھی اس نے ایک ہزار سال تک عبادت کی اور یہاں اس کو "صالح "کا لقب عطا کیا گیا اور اس کے درجات کو مزید بلند کیا گیا۔ اور اس کو پانچویں آسمان پر بلا لیا گیا۔ اس نے یہاں بھی اس نے حسب سابق ایک ہزار سال تک عبادت کی اور اس کو اس کی عبادت اور پرہیز گاری کے صلے میں تقی" کا لقب دیا گیا۔ اسی طرح عبادت کے ذریعے وہ اپنے درجات کو بڑھاتا ہوا چھٹے" آسمان تک پہنچا وہاں اس کو " خازن " کا لقب دیا گیا۔ اور وہ ساتویں آسمان تک پہنچ گیا۔ ساتویں آسمان پر پہنچ کر وہ ایک ہزار سال تک سجدہ ریز رہا۔ یہاں اس کو " عزازیل کا لقب دیا گیا اور یہاں سے اس کو عرش معلیٰ تک بلایا گیا عرش معلیٰ پر وہ چھ ہزار " سال تک عبادت کرنے کے بعد اس نے سر اٹھا کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی کہ یا اللہ مجھے اپنے فضل و کرم سے لوح محفوظ تک بلا لے تا کہ میں وہاں تیری قدرت" کاملہ دیکھوں اور زیادہ سے زیادہ تیری عبادت کروں، اللہ رب العالمین نے عزازیل کی اس درخواست کو شرف قبولیت بخشا اور اپنے مقرب فرشتے اسرافیل کو حکم دیا کہ عزازیل کو لوح محفوظ تک پہنچا دے۔ لوح محفوظ پر پہنچ کر عزازیل یہاں گھومتا رہتا اور اللہ کی عبادت کرتا رہتا تھا۔

ایک دن وہاں گھومتے ہوئے اس کی نظر لوح محفوظ میں ایک نوشتے پر پڑی کہ جہاں

لکھا تھا "بندہ خدا چھ لاکھ سال تک اپنے خالق کی عبادت کرے گا مگر ایک سجدہ نہ کرے گا تو اس کی چھ لاکھ سال تک کی عبادت مٹا کر اس کا نام مخلوقات میں ابلیس مردود و مہر جرم رکھے گا" اس کو پڑھ کر عزازیل وہیں چھ لاکھ سال تک کھڑا روتا رہا، اللہ نے پوچھا کہ اے عزازیل جو بندہ میری عبادت نہیں کرے اور میرا حکم بجا نہ لائے تو اس کی سزا کیا ہے؟ عزازیل نے جواب دیا کہ اے اللہ جو اپنے خالق کا حکم نہ مانے، اس کی سزا لعنت ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ عزازیل اس کو لکھ رکھ۔ حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ عزازیل کے مردود ہونے سے بارہ ہزار سال قبل یہ واقعہ پیش آیا اور عزازیل نے کہا تھا کہ لعنت خدا کی اس پر جو اللہ تعالٰی کی اطاعت نہ کرے۔

اب اللہ نے اس کو حکم دیا کہ وہ جنت کا خزانچی بن جائے، راویات کے مطابق اس نے یہ زمہ داری چار ہزار سال تک نبھائی، یہاں جنت میں عزازیل نے درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا اور جبرائیل، میکائیل، اسرافیل، اور عزرائیل علیہ السلام اس کے درس میں دیگر فرشتوں کے ساتھ شریک ہوتے تھے۔ ایک رات فرشتوں کی بھی نظر اسی نوشتے پر پڑ گئی۔ اس کو دیکھ کر سب رونے اور اپنے سر پیٹنے لگے، عزازیل نے پوچھا کہ آج تم کو کیا ہوگیا؟ فرشتوں نے اس کو سارا واقعہ بتایا کہ لوح محفوظ میں لکھا ہے کہ ہم میں سے ایک معزول و مردود ہوگا۔

اس دوران زمین پر جنات نے سرکشی اختیار کی اور اللہ کی نافرمانی کرنے لگے۔اور زمین پر فساد پھیل گیا۔تو عزازیل نے اللہ تعالی سے زمین پر جاکر فساد فرو کرنے کی اجازت طلب کی،اللہ نے اسے چار ہزار فرشتوں کا سپہ سالار بنا کر بھیجا،وہاں عزازیل نے سرکش جنات سے جنگ کی اور کئی کو قتل کیا گیا اور کئی کو کوہ قاف میں قید کیا گیا اور اس طرح زمین کو فساد سے پاک کیا۔

عزازیل زمین پر تھا کہ اس دوران اللہ رب العزت نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے لیے جو خاک (مٹی) زمین سے منگوائی تھی وہ تیار ہو گئی تھی اور حضرت آدم علیہ السلام کا پتلا تیار ہونا تھا۔عزازیل نے واپس آ کر یہ سب دیکھا اور فرشتوں سے دریافت کیا کہ یہ کیا ہے؟فرشتوں نے جواب دیا کہ اس خاک سے اللہ اپنا نائب خلیفہ) تخلیق کرے گا۔عزازیل نے کہا کہ سچ ہے لیکن اگر اس کو میرا فرمانبردار کیا گیا) تو اس کو ہلاک کردونگا،اور اگر مجھے اس کی فرمانبرداری کا حکم دیا گیا تو اس کی فرمانبرداری نہ کرونگا۔

قصہ مختصر کہ جب اللہ تعالی نے حضرت آدم علیہ السلام کا پتلا تیار کرلیا اور اس میں روح پھونکنے کے بعد اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو علم الاسماء عنایت کیا۔اللہ نے فرشتوں سے کہا یہ زمین پر میرا نائب ہوگا۔تو فرشتوں نے عرض کی کہ یا اللہ تو اسے زمین میں نائب بنا کر بھیجے گا؟یہ وہاں

خون خرابہ اور فساد بپا کرے گا۔ اللہ رب العزت نے فرمایا کہ تم نہیں جانتے جو میں جانتا ہوں۔ اللہ نے فرشتوں سے کہا کہ اچھا اگر تم جانتے ہو تو ان چیزوں کی نام بتاؤ؟ فرشتوں نے عرض کی یا اللہ ہمیں تو بس اتنا ہی علم ہے جتنا کہ آپ نے ہمیں سکھایا ہے اس کے بعد اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو حکم دیا کہ ان چیزوں کے نام بتاؤ؟۔

حضرت آدم علیہ السلام نے ان چیزوں کے نام بتا دیے۔ اللہ نے فرمایا میں نہ کہتا تھا کہ میں جانتا ہوں اور تم نہیں جانتے، اس کے بعد اللہ نے تمام فرشتوں کو حضرت آدم کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تو تمام فرشتے سجدے میں گر گئے مگر عزازیل نے سجدہ نہ کیا اور وہ جنوں میں سے تھا۔

اللہ نے پوچھا کہ اے عزازیل کس چیز نے تجھے میرا حکم ماننے سے روکا۔ تو عزازیل نے جواب دیا کہ اسے تو آپ نے سڑی ہوئی مٹی اور گارے سے بنایا ہے جب کہ مجھے آگ سے بنایا ہے میں اس سے افضل ہوں تو میں اسے سجدہ کیسے کروں؟ اللہ رب العزت نے جواب دیا کہ اچھا تو نیچے اتر جا تجھے حق نہیں تُو یہاں بڑائی کا گھمنڈ کرے، نکل جا یہاں سے کیوں کہ تُو مردود ہے اور اب تجھ پر روز جزاء تک لعنت ہے۔ عزازیل نے جو کہ اب ابلیس بن چکا تھا اس نے کہا میرے رب ! یہ بات ہے تو پھر مجھے اس روز تک کے لیے مہلت دے جب کہ سارے انسان دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔ اللہ نے اسے یہ مہلت عطا کی اور اس دن کے بعد سے شیطان

انسان کا دشمن بن گیا ہے۔

یہاں تک تو یہ قصہ عزازیل سے ابلیس بننے کا تھا اور وہ قصہ تو ختم ہوا لیکن اب اس میں ہمارے لیے کیا سبق ہے وہ دیکھنا چاہئے۔ پہلی بات کہ جب اللہ کا حکم آجائے تو پھر اعلیٰ و ادنی، افضل و برتر کے چکر میں پڑنے کے بجائے صرف اللہ کے حکم کی اطاعت کرنی چاہیئے، اگر کوئی اس میں ششں و پنج میں پڑ گیا تو مارا گیا۔ دوسرا ابلیس نے حسد کیا کہ اللہ نے ایک مٹی کے پتلے کو اپنا نائب بنا دیا اور اس حسد کی وجہ سے اس نے نافرمانی اختیار کی، تو ہمیں حسد سے بچنا چاہیے، تیسرا ابلیس نے اپنی برتری کا گھمنڈ کیا کہ میں تو آگ سے بنایا گیا ہوں اور آدم کو مٹی سے بنایا گیا ہے تو اس لیے میں افضل ہو کر ایک ادنی کو سجدہ کیوں کروں ؟ آج ہم لوگ بھی اپنی قوم، نسل اور قبیلے کی برتری کے گھمنڈ میں پڑے ہوئے ہیں جبکہ یہ تین بنیادی باتیں تھیں جنکے باعث شیطان نامراد ہوا اور مقرب سے مردود کے درجے پر پہنچ گیا۔

آپ ذرا سوچئے کہ ابلیس چار ہزار برس تک جنت کا خزانچی رہا

چالیس ہزار سال تک ملائکہ کو وعظ کرتا رہا

اسی ہزار برس تک ملائکہ کا ساتھی رہا

تیس ہزار برس تک مقربین کا سردار رہا

چودہ ہزار برس تک عرش الہیٰ کا طواف پرہیزگاری کی بنیاد پر کرتا رہا

وہ اللہ کا مقرب ہونے کے بعد صرف ایک سجدہ نہ کرنے پر مردود ہوا، اللہ کی بارگاہ سے نکالا گیا، رندہ درگاہ ہوا، اس پر لعنت کی گئی اور

-------------------------------ہم روزانہ کتنے سجدے چھوڑ دیتے ہیں کیا

ہم نے سوچا ہے کہ ہمارا کیا انجام ہوگا۔

وہ ایک سجدہ کہ جسے تُو گراں سمجھتا ہے۔ ہزار سجدوں سے آدمی کو دیتا ہے نجات

نوٹ: اس مضمون کی تیاری کے لیے مختلف کتب کا مطالعہ کیا لیکن زیادہ تر حوالہ جات کے لیے نورالحق صاحب کی تالیف شیطان سے ابلیس تک سے مدد لی گئی ہے، اور اس کے علاوہ تفاسیر کا بھی مطالعہ کیا گیا

تئیس مارچ اور حب الوطنی

تئیس مارچ 1940 وہ تاریخی دن تھا کہ جب مسلمانان ہند نے اپنے لیے الگ وطن کا باقاعدہ مطالبہ کردیا تھا۔ باقاعدہ اس لیے کہ دراصل یہ تمام مسلمانوں کی خواہش تھی لیکن ابھی تک اس خواہش کو باقاعدہ مطالبے کی شکل نہیں دی گئی تھی۔ اگر دیکھا جائے تو یہ مطالبہ یکایک نہیں کیا گیا بلکہ اس کے پیچھے ایک طویل تاریخ ہے، قائداعظم نے فرمایا تھا کہ پاکستان تو اسی روز وجود میں آگیا تھا جب برصغیر میں پہلے مسلمان نے قدم رکھا تھا۔ اکبر کے دین الٰہی کے خلاف مجدد الف ثانی کی تحریک، شاہ ولی اللہ کی دینی اور اصلاحی تحریک، سید احمد شہید کی تحریک جہاد، سر سید احمد خان کی تحریک علی گڑھ،، 1906 میں مسلم لیگ کا قیام،اور مسلم سیاست کا آغاز،میثاق لکھنؤ، تحریک خلافت، علامہ اقبال الہٰ آباد کا خطبہ صدارت، اور ہندوؤں کا مسلمانوں کے ساتھ مجموعی رویہ، یہ سب عوامل تھے جو کہ بالآخر پاکستان کے مطالبے میں تبدیل ہو گئے اور 1940 میں یہ مشہور قرارداد منظور ہوئی۔ جس کو قرارداد پاکستان اور قرارداد لاہور بھی کہا جاتا ہے۔ اس قرارداد کے پیش کرنے کے جو عوامل تھے ان کا مختصراً جائزہ لیتے ہیں

پہلی بات تو یہ کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے وہ زندگی کے ہر شعبے کو اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیمات کے مطابق قائم رکھنے کا مطالبہ کرتا ہے۔اس لیے مسلمانوں کی خواہش تھی کہ ان کا اپنا ایک علیحدہ وطن ہو کہ جہاں وہ اپنے دین پر عمل کرنے میں آزاد ہوں۔ اسی سے دو قومی نظریہ نے جنم لیا کیوں کہ ہندو اور مسلمان دو الگ الگ قومیں ہیں اور ان کا ایک ساتھ رہنا مشکل ہے۔ مسلمانوں کا رہن سہن ، لباس، کھانا پینا، تصور خدا، اقدار الغرض تمام باتیں ہندوں سے الگ ہیں۔اسی لیے مسلمان ایک علیحدہ وطن کی خواہش رکھتے تھے۔اس کے علاوہ برصغیر میں مسلمانوں کی آمد یعنی سندھ میں محمد بن قاسم کی آمد کے ساتھ ہی ہندوں نے مسلمانوں کو اپنے اقتدار کے لیے خطرہ سمجھ لیا تھا اور برصغیر میں مسلمانوں کے ہزار سالہ دور حکومت میں مسلمان بادشاہوں کے حسن سلوک اور میانہ روی کے باوجود ہندووں نے کبھی مسلمانوں کے ساتھ برابری کا سلوک نہیں کیا۔اور مسلمانوں کے زوال کے بعد ہندوؤں نے اسی لیے انگریزوں کے ساتھ گٹھ جوڑ کرلیا تھا۔اور انہوں نے انگریزوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کو سیاسی ،معاشی، اور تعلیمی طور پر پیچھے دھکیلنا شروع کیا۔ مسلمان محسوس کرتے تھے کہ اگر یہی صورتحال رہی تو ایک دن مسلمانوں کا مسلم تشخص ختم ہوجائے گا۔مسلمان یہ محسوس کرتے تھے کہ انگریز جس طرح کا پارلیمانی نظام رائج کرنا چاہ رہے ہیں اس میں ایک فرد ایک ووٹ کا اصول ہوتا ہے اور چونکہ برصغیر میں ہندوؤں کی اکثریت ہے اس لیے اس اصول کے

تحت مسلمان کبھی بھی اپنی حکومت نہیں بنا سکتے

:ہندوئوں کی انتہا پسندی۔ شدھی، سنگھٹن،اور ہندو مہا سبھا کی تحاریک

دوسری طرف انتہا پسند ہندوؤں کی جانب سے شدھی تحریک اور سنگھٹن تحریک نے بھی مسلمانوں کو الگ وطن کے لیے سنجیدگی سے سوچنے پر مجبور کردیا۔یہاں ان دونوں تحریکوں کا ذکر کرنا لازمی ہے، شدھی کا مقصد مسلمانوں کو زبردستی ہندو بنانا تھا۔اور اس میں ہندوؤں کے دباؤکے باعث اچھے خاصے مسلمان متاثر ہوئے تھے۔ سنگھٹن تحریک کا مقصد ہندوؤں کو فن سپہ گری کی تعلیم دینا تھا۔ سنگھٹن تحریک کا بانی انتہا پسند پنڈت مدہن موہن مالویہ کھلم کھلا ہندوؤں کو مسلمانوں سے لڑنے کی ترغیب دیا کرتا تھا اور وہ ہندوؤں سے کہتا تھا کہ تمہیں اپنے دشمن مسلمانوں سے لڑنا ہے ان سے مقابلہ کرنا ہے،اس تحریک کے باعث آئے دن ہندو مسلم فسادات ہوتے تھے۔اس کے ساتھ ساتھ مہاسبھا کی تحریک بھی تھی یہ شدھی سے ملتی جلتی تحریک تھی۔اس کا کہنا تھا کہ مسلمان غیر ملکی ہیں اور انکا ہندوستان سے کوئی واسطہ نہیں ہے اگر مسلمان ہندوستان میں رہنا چاہتے ہیں توانکو ان کو ہندو معاشرے میں جذب ہونا پڑے گا۔

اس کے علاوہ ہندوستان میں مسلمانوں کو دوسرے درجے کا شہری سمجھا جاتا تھا۔انہیں ملیچھ یعنی ناپاک سمجھا جاتا تھا،اس کے ساتھ ساتھ ہندوؤں نے

مسلمانوں کو معاشی اور اقتصادی طور پر بہت سازش کے تحت پیچھے کیا ہوا تھا مسلمان تجارت اور صنعت میں داخل نہیں ہو سکتے تھے۔زراعت ہر بھی ہندوؤں کی اجارہ داری تھی۔ ہندو مہاجنوں نے سود کا نظام قائم کیا ہوا تھا۔اور مسلمان اپنی ضرویات کے لیے ہندو مہاجنوں سے سودی قرض لینے پر مجبور تھے۔اس کے ساتھ ساتھ 1937 میں کانگریسی وزارتوں نے متعدد مسلم دشمنی اقدامات کیے۔بندے ماترم،ترنگا جھنڈا،اور گاندھی جی کی مورتی کو قومی پیمانے پر متعارف کرایا۔اردو کی جگہ ہندی زبان کو سرکاری زبان کا درجہ دیا گیا اور گئو کشی کو ممنوع قرار دیا۔اس کے علاوہ کانگریس کی حکومت میں برے پیمانے پر فرقہ وارانہ فسادات ہوئے

ان باتوں نے مسلمانوں کو مجبور کیا کہ وہ اپنے لیے الگ وطن حاصل کریں کہ جہاں وہ اپنے مذہب پر آزادی کے ساتھ عمل کر سکیں۔اس سوچ کو عملی شکل بائیس تا چوبیس مارچ کو لاہور میں قائد اعظم کی صدارت میں منعقد ہونے والے مسلم لیگ کے ستائیس ویں سالانہ اجلاس میں قرار داد لاہور میں دی گئی۔یہ قرارداد 23 مارچ کو بنگال کے وزیر اعلیٰ مولوی فضل حق نے پیش کی اور چوہدری خلیق الزماں نے اس کی سب سے تائید کی۔انکے ساتھ ساتھ دیگر رہنمائوں نے بھی اس کی تائید کی۔قرار داد کے مطابق اس ملک کا کوئی بھی آئینی منصوبہ اس وقت تک نہ تو قابل عمل اور نہ ہی مسلمانوں کے لیے قابل قبول ہوگا جب تک اس کی اساس

اصول پر نہ رکھی گئی ہو کہ جغرافیائی طور پر متصل وحدتوں کی نشاندہی کے بعد انہیں ضروری علاقائی ردوبدل کے بعد ایسے منطقوں میں تقسیم کیا جائے جس سے ہندوستان کے شمال مغربی اور مشرقی علاقے جہاں مسلمانوں کو عددی اکثریت حاصل ہے،آزاد مملکتوں کی شکل اختیار کرلیں اوران کی مختلف اکائیاں خود مختار اور اقتدار اعلیٰ کی حامل ہوں۔۔۔۔مناسب اور موثر تحفظات خصوصاًان اکائیوں میں اقلیتوں کے لیے فراہم کئے جائیں تاکہ ان کے دینی،ثقافتی،اقتصادی،سیاسی،انتظامی،اور دیگر حقوق اور مفادات کا تحفظ ہوسکے"

مسلمانانِ ہند نے اس قرارداد کی پرجوش حمایت کی اوراس کے بعد پاکستان کے لیے باقاعدہ منظم جدوجہد کی گئی۔جس کا نتیجہ 14 اگست 1947 کوآزاد مملکت پاکستان کی صورت میں ظاہر ہوا۔اس وقت مسلمانوں کے جذبہ،ولولہ،دین سے محبت اور الگ وطن کی چاہت نے ان کو کامیاب کیا۔اوراس کے ساتھ ساتھ اس وقت کے لیڈران،راہنمایان کرام نے بھی پوری طرح مخلص ہوکرآپنے کازکے لیے کام کیا اور اپنے مقصد کو حاصل کیا۔

آج کم وبیش 70 سال بعد اگر ہم جائزہ لیں تو بظاہر یہ محسوس ہوتا ہے کہ اب وہ جذبہ حب الوطنی ماند پڑگیا ہے۔اور لوگوں کے دلوں میں وطن کی وہ محبت نہیں ہے جو آغاز میں تھی۔لیکن ایسا نہیں ہے عوام آج بھی اپنے وطن سے اپنے

دین سے محبت کرتے ہیں لیکن آج وہ لیڈر وہ قیادت میسر نہیں ہے جو کہ انکو کسی منزل تک پہنچائے۔70 سال قبل لاکھوں کے بکھرے مجمع کو ایک مخلص قیادت قاعد اعظم اور ان کے وفادار ساتھیوں نے ایک اکائی کی صورت ڈھال کر بے تحاشہ سازشوں کے باوجود اپنی جد جھد کو کامیابی سے ہمکنار کیا۔آج صورتحال اس کے بر عکس ہےآج قوم میں کچھ کرنا چاہتی ہے لیکن قیادت موجود نہیں ہے،

1965 کی جنگ میں عوام نے پاک فوج کے شانہ بشانہ حصہ لیااور سینوں پر بم باندھ کر ٹینکوں کے نیچے لیٹ گئے، صرف دین اور وطن کی محبت میں، بھٹو صاحب کے خلاف جب پی این اے کی تحریک چلی تو مفاد پرست سیاستدانوں نے اس کو نظام مصطفیٰ کی تحریک کا نام دیا، عوام نے آگے بڑھ کر اس تحریک میں حصہ لیا۔اور قربانیاں دیں لیکن ان کے ساتھ دھوکہ کیا گیا۔اور وہ تحریک صرف ذوالفقار علی بھٹو صاحب کو ہٹانے تک محدود رہی۔اور عوام کا جذباتی استحصال کیا گیا۔

اس کے باوجود عوام کی جذبہ حب الوطنی میں کوئی کمی نہیں آئی اور وہ اسی طرح وطن پر جان نچھاور کرنے کا عزم کیے رہی،پاکستان میں ممتاز نوبل انعام یافتہ سائنسدان ڈاکٹر عبدالسلام بھی گزرے ہیں، مشہور سائنسدان ڈاکٹر سلیم الزمان صدیقی کا بھی اپنی جگہ ایک مقام ہے لیکن قوم نے جو محبت ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو دی وہ کسی اور کے حصے میں نہیں آئی اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ عوام نے جب یہ دیکھا کہ اس فرد نے ہمارے ملک کا دفاع ناقابل تسخیر بنادیا ہے،اور اب

دشمن ہمیں میلی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا تو تو انہوں صرف اس وطن کی محبت میں اپنی محبت اور عقیدت کا مرکز ڈاکٹر صاحب کو بنا لیا۔اور آج بھی عوام کے دلوں میں انکے لیے وہی قدر وہی محبت زندہ ہے۔

پاکستان کے ایٹمی دھماکوں کے بعد جب عالمی برادری نے پاکستان پر اقتصادی پابندیاں عائد کی اور اس قت کے وزیر اعظم میاں نواز شریف نے قرض اتارو ملک سنوارو کا نعرہ لگایا تو عوام نے یہ نہیں دیکھا کہ نعرہ کس نے لگایا ہے عوام نے صرف یہ دیکھا کہ یہ نعرہ پاکستان کے لیے لگایا گیا ہے اور عوام نے ایک بار پھر اس وطن کی محبت میں اپنا سب کچھ نچھاور کردیا، کسی نے اپنی کل جمع پونجی دیدی، کسی نے اپنی بیٹی کا جہیز اس فنڈ میں دیدیا کسی نے اپنا پراویڈنٹ فنڈ اس میں دیدیا، کس لئے ؟؟ صرف اس ملک کے لیے اپنے وطن کے لیے پاکستان کے لیے۔ عوام کا جذبہ تو زندہ ہے،آج بھی زندہ ہے

پھر اگر ہم یہ دیکھیں کہ جب اکتوبر 1999 میں سابق صدر جنرل پرویز مشرف نے میاں نواز شریف کی حکومت کو برطرف کرکے اقتدار سنبھالا تو ابتدائی چند سالوں تک ان کے خلاف عوام کی جانب سے کوئی مزاحمت نہیں ہوئی اس کی بڑی وجہ انکا کارگل کا ہیرو ہونا تھا عوام یہ سمجھتے تھے کہ کارگل کی جنگ پاکستان فوجی محاذ پر نہیں بلکہ سفارتی محاذ پر ہارا ہے اور اس جنگ کا اصل ہیرو

جنرل مشرف ہیں تو عوام نے اس کو بھی خوش آمدید کہا۔ اسے ساتھ ساتھ دوسری وجہ یہ تھی کہ عوام اس جنرل مشرف کو نہیں بھولے تھے جو آگرہ میں مذاکرات کے لیے گیا تھا اور پہلی بار بھارت کو برابری کی بنیاد پر جواب دیا گیا۔ پہلی بار بھارت میں بیٹھ کر نظریہ پاکستان کی بات کی گئی، اس بات نے عوام کے دل جیت لیے، اور ان کو بھی ہیرو کا درجہ دیا گیا۔ لیکن افسوس کہ نائین الیون کی آندھی کی زد میں ہمارا ایک کمنڈو ایک بہادر ہیرو بھی آگیا۔

اس کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ اکتوبر 2005 میں آزاد کشمیر اور شمالی علاقہ جات میں آنے والے قیامت خیز زلزلے کے بعد قوم نے ایک بار پھر یکجہتی اور حب الوطنی اور اسلامی بھائی چارہ کا ثبوت دیا اور پوری قوم نے متحد ہو کر اس مشکل گھڑی میں اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کی مدد کی، مالی طور پر بھی جانی طور بھی۔ اپنا وقت بھی دیا کس کے لیے صرف پاکستان کے لیے اپنے بھائیوں کے لیے،

پھر اگر مجودہ لانگ مارچ کا بھی جائزہ لیا جائے تو ایک بات سامنے آتی ہے۔ سیاسی وابستگیوں کو ایک طرف رکھ دیکھا جائے تو اس لانگ مارچ میں عوام کی دلچسپی۔ ان کی جدو جہد، چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری کے لیے نہیں تھی بلکہ دراصل افرد کے لیے تھی جو ایک طویل عرصے کے بعد انصاف کی علامت بن گیا تھا، جو بگڑے ہوئے سسٹم کے خلاف ایک مزاحمتی کردار کی صورت ظاہر ہوا، اور

عوام نے محسوس کیا کہ شائد یہی وہ فرد ہے جو اس ملک کی تقدیر بدل دے، جو اس ملک کشتی کو پار لگا دے، جو بگڑے ہوئے سسٹم کو درست کرکے شائد وہی پاکستان بنا دے جس کا خواب دیکھا گیا تھا۔اب یہ تحریک ناکام ہو یا کامیاب لیکن عوام نے ایک بار پھر اس ملک کے لیے جدو جہد کی ہے

اب سب باتوں کا جائزہ لیا جائے تو بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ آج بھی وہی حب الوطنی، وہی جذبہ، اور وہی ولولہ باقی ہے لیکن آج قائدِ اعظم جیسا باکردار رہنما نہیں ہے، آج قائدِ ملت خان لیاقت علی خان جیسا قربانی دینے والا لیڈر نہیں ہے، آج کی صرف ایک مخلص قیادت کی ہے عوام کا حال تو بقول شاعر میں سر بکف ہوں لڑا دے کسی بلا سے مجھے

برطانیہ میں چاقو حملے کی بڑھتی وارداتیں

امریکہ اور برطانیہ کے وزراء و سفراء اور ذمہ داران آئے دن پاکستان میں امن امان کی صورتحال پر کوئی نہ کوئی بیان داغ دیتے ہیں اور انکے بیانات سے ایسا لگتا ہے کہ وہ پاکستان کی فکر میں دبلے ہوئے جارہے ہیں، اور یہ کہ پاکستان کی صورتحال کی وجہ سے ان کی بھوک مر گئی ہیں اور سوتے جاگتے اٹھتے بیٹھتے پاکستان اور پاکستانی عوام کے بارے میں ہی سوچتے رہتے ہیں اور ان سے بڑھ کر پاکستان کو کوئی ہمدرد و خیر خواہ کوئی نہیں ہے جبکہ اپنی جگہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ پاکستان کے اکثر مسائل انہی ہمدردوں کی مختلف سیاسی اور اقتصادی پالیسیوں کے باعث ہیں لیکن اس وقت یہ ہمارا موضوع نہیں ہے۔اس وقت ہم بات کریں کہ مغربی ممالک کو پاکستان کی امن و امان کی بڑی فکر لگی رہتی ہے۔انکو پاکستان میں ہر طرف دہشت گردی کی لہریں اٹھتی دکھائی دیتی ہیں اور ہر طرف دہشت گرد دندناتے ہوئے نظر آتے ہیں۔لیکن خود انکے اپنے معاشرے کا کیا حال ہے اس کی ایک جھلک دیکھتے ہیں۔ہم اکثر ایسی رپورٹز آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں تاکہ آج ہمارا نوجوان جو مغربی پروپگینڈے کا شکار ہوجاتا ہے اور اس کو اپنے ملک میں خرابیاں نظر آتی ہیں اور مغرب معاشرہ مثالی نظر آتا ہے تو اس کو تصویر کا دوسرا رخ دکھایا جائے، کہ خود ان ممالک کا اپنا کیا حال ہے

ایک برطانوی خبر رساں ادارے نے بتایا ہے کہ برطانیہ میں ہیلتھ منسٹر کی جانب سے جاری ہونے والی ایک رپورٹ کے مطابق سال 96-1997 سے لیکر سال 2007 کے دوران لوٹ مار کی وارداتوں کے دوران چاقو حملوں میں پچاس ہزار افراد زخمی ہوئے ہیں۔ یہ بات واضح رہے کہ برطانیہ میں ایک طویل عرصے سے چاقوزنی کی وارداتوں میں اضافہ ہوا ہے اور مختلف جرائم پیشہ گروہ دن دہاڑے راہ گیروں کو لوٹتے ہیں اور مذاحمت کرنے پر قتل کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے ہیں۔ اس حوالے سے چند ماہ پیشتر لندن میں ایک افسوسناک واردات ہوئی جس میں دہشت گرد جوڑے نے ایک بوڑھی ریٹائرڈ خاتون کو زخمی کردیا تھا۔ بتایا جاتا ہے کہ وہ بوڑھی خاتون جب بینک سے پینشن لیکر نکلی تو راہزن جوڑے نے اس کو اچانک پیچھے سے ایک زوردار دھکادیا، وہ اس دھکے کے باعث سنبھل نہ سکی اور اپنا توازن کھو بیٹھی اس کے گرتے ہی راہزن عورت نے فوراً اس کے ہاتھ سے اس کا پرس چھین لیا۔ اور اس دوران اس کا ساتھی بوڑھی کمزور خاتون کو قابو کرنے میں اپنی ساتھی کی مدد کرتا رہا۔ اس حادثے کے باعث وہ بوڑھی خاتون کافی زخمی ہو گئی تھیں۔

رپورٹ میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اسی عرصے کے دوران دہشت گردی کی واداتوں میں کسی کند آلے سے زخمی ہونے والے 31454 افراد کو ہسپتالوں میں داخل کیا

گیا۔ جبکہ اسی عشرے میں 13145 ایسے افراد کو بھی ہسپتالوں میں داخل کی گیا جو فائرنگ سے زخمی ہوئے تھے۔

ان تمام وارداتوں میں زخمی ہونے والے افراد کی مجموعی تعداد تقریباً 94600 ہے اور اس میں 4510 بچے بھی شامل ہیں اس طرح دیکھا جائے تو یہ تعداد سالانہ 9460 اور ماہانہ 788 افراد بنتی ہے اور یہ اعداد و شمار اس تہذیب یافتہ معاشرے کے پیچھے چھپے ہوئے اصل چہرے کو بے نقاب کرتے ہیں۔ لبرل پارٹی جس نے یہ اعداد و شمار جمع کیے ہیں اس کا کہنا ہے کہ یہ صورتحال ظاہر کرتی کہ برطانوی معاشرہ اخلاقی گراوٹ کا شکار ہے اور معاشرے میں چاقوزنی کی وارداتوں میں اضافہ ہوا ہے۔

اب اس ساری صورتحال کو سامنے رکھیں اور پھر ان سے پوچھا جائے کہ جناب آپ ہمیں تو جاہلیت کا، ذہنی پسماندگی کا، فرسٹریشن کا شکار تو کہتے ہیں، ہم سے تو آپ کو یہ شکایت ہے کہ یہ پسماندہ معاشرے کے لوگ ہیں اس لیے ان کے معاشرہ میں دہشت گردی ہوتی ہے، لیکن آپ کو کیا ہوا؟آ تو بہت تہذیب یافتہ ہیں۔ آپ کے معاشرے میں تو تمام لوگ جدید تعلیم یافتہ ہیں ۔ آپ کے یہاں تو مدرسہ کے فارغ التحصیل افراد نہیں ہوتے ہیں پھر یہ وارداتیں کیسی۔؟

دیکھیں یہ بات بالکل ٹھیک ہے کہ کسی کے جرائم یا گناہ گنوانے سے اپنے جرم یا گناہ کی شدت کم نہیں ہو جاتی ہے لیکن جن کے اپنے گھروں میں آگ لگی ہوئی ہے وہ ہماری فکر چھوڑیں اور اپنے گھر کی فکر کریں اس آگ کی لپیٹ سے ان کا اپنا معاشرہ، اپنی نوجوان نسل بچ جائے تو پھر وہ پاکستان اور دوسرے ایشیائی ممالک میں چوہدری کا کردار ادا کریں۔اسی کے لیے اردو میں ایک مثال ہے کہ تجھے پرائی کیا پڑی تو اپنی نبیڑ میاں۔

Salim Ullah Shaikh

اپریل فول کی تاریخ اور نقصانات

فون کی گھنٹی کی آواز سنکر مسز اکبر نے فون اٹھایا تو دوسری طرف ایک نامانوس آواز سنائی دی "جی میں سول ہسپٹل سے بات کر رہا ہوں آپ کے بیٹے جنید کا ایک سیریس ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے اور وہ سول ہسپٹل میں ایمرجنسی میں ہے آپ فوراً پہنچ جائیں" اتنا کہہ کر فون رکھ دیا گیا اور مسز اکبر ہیلو ہیلو کرتی رہ گئیں، جنید ان کا اکلوتا بیٹا تھا جو کہ بڑی منتوں مرادوں کے بعد پیدا ہوا تھا۔ اکلوتا ہونے کے باعث اکبر صاحب اور ان کی بیگم جنید سے بہت پیار کرتے تھے ان کی امیدوں کا مرکز جنید ہی تھا اور وہ اپنے بیٹے کو دیکھ دیکھ کر جیتے تھے۔ جنید نے اسی سال کالج میں داخلہ لیا تھا۔ اور اس کے ایکسیڈنٹ کی خبر سن کر مسز اکبر کی حالت غیر ہوگئی انہوں نے فوراً اکبر صاحب جو گھر پر موجود تھے یہ بات بتائی۔ اکبر صاحب بھی اس خبر سے پریشان ہوگئے، ابھی وہ سوچ ہی رہے تھے کہ کیا کریں کہ اتنے میں صدمے کے باعث مسز اکبر کو دل کا دورہ پڑگیا اور نیچے گر گئیں۔ اب اکبر صاحب کی پریشانی میں اضافہ ہوگیا۔ اور انکی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کریں اتنے میں دورازہ کھلا اور جنید مسکراتا ہوا گھر میں داخل ہوا۔ لیکن اپنی ماں کی یہ حالت دیکھ کر اس کی مسکراہٹ کافور ہوگئی، اور وہ بھی پریشان ہوگیا بہرحال دونوں باپ بیٹے نے مسز اکبر کو ہسپتال پہنچایا، جہاں بڑی مشکل سے

انکی حالت سنبھلی۔اس کے بعد تحقیقات کی گئیں کہ وہ فون کس نے کیا تھا تو معلوم ہوا کہ ان کے کسی عزیز نے یہ سنگین مذاق کیا تھا۔جب اس سے پوچھا گیا کہ اس نے یہ حرکت کیوں کی ؟اس نے بڑی معصومیت سے جواب دیا یہ تو ایک مذاق تھا۔آپ کو نہیں پتا آج فرسٹ اپریل ہے نا۔اپریل فول !

یہ تو ایک کہانی تھی لیکن ہر سال فرسٹ اپریل کو یہ کہانی دوہرائی جاتی ہے ہے؟ کبھی کہیں پر آگ لگنے کی افواہ اڑائی جاتی ہے، کبھی حکومت جانے کی افواہ اڑائی جاتی ہے، کبھی کہیں ہنگامہ آرائی کی خبر اڑائی جاتی ہے۔ کبھی کسی کے گھر میں فون کرکے اس کے کسی عزیز کے انتقال یا ایکسیڈینٹ کی جھوٹی خبر دی جاتی ہے۔۔فرسٹ اپریل فول کیا؟ اس کے بارے میں بہت کم لوگ جاننے کی کوشش کرتے ہیں البتہ مغرب کی دیگر خرافات کی طرح اس کو بھی بڑے خشوع خضوع سے منایا جاتا ہے۔ہم کوشش کرتے ہیں کہ مختصراً اس کی تاریخ آپ لوگوں کو بتائیں

اسپین میں مسلمانوں کے زوال کے بعد مسلمانوں پر ظلم و ستم کیا گیا،انکا قتل عام کیا گیا۔ان کے ساتھ کئے گئے معاہدات کو توڑا گیا،اور مسلمانوں کو زبردستی اپنا مذہب چھوڑنے پر مجبور کیا گیا،جس نے اس سے انکار کیا اس کو اسپین سے بیدخل کیا گیا اور جس نے دونوں باتیں ماننے سے انکار کیا اس کو

بیدردی سے قتل کیا گیا۔

کہا جاتا ہے کہ جب ابو عبداللہ نے اپنے باپ اور تمام مسلمانوں نے غداری کی اس کے نتیجے میں فرڈیننڈو کو اسپین پر قبضہ کرنے میں بہت آسانی ہو گئی۔اسی ابو عبداللہ کو بھی عیسائیوں نے اپنا مقصد پورا ہونے کے بعد اسپین سے بیدخل کردیا اور ابو عبداللہ نے جب غرناطہ کی کنجیاں شہنشاہ فرڈینینڈ کو دیں تو یہ الفاظ ادا کئے" اے بادشاہ خدا کی یہی مرضی تھی ہمیں یقین ہے کہ اس شہر کی رعایا کے ساتھ فیاضانہ سلوک کیا جائے گا"۔اس کے بعد وہ ایک پہاڑ پر چڑھ کر گزشتہ شان وشوکت کا نظارہ کرنے لگا اور رونے لگا اس کی ماں نے اس وقت اس سے یہ جملہ کہا کہ جس چیز کو مردوں کی طرح بچا نہ سکے آج "اس گمشدہ چیز کے لیے عورتوں کی طرح آنسو بہانے سے کیا فائدہ

بہر حال اس کے بعد آہستہ آہستہ عیسائی حکمرانوں نے مسلمانوں نے کے ساتھ بدترین سلوک کرنا شروع کیا، ان کو اپنا مذہب بدلنے پر مجبور کیا گیا۔اور ایک آرڈیننس جاری کیا گیا کہ مسلمان یا تو عیسائی ہو جائیں یا نہ ہونے کے عوض پچاس ہزار سونے کے سکے دیں،ایسا نہ کرنے والا سولی پر لٹکا دیا جاتا تھا یا انتہائی اذیت ناک سزا کا مرتکب قرار دیا جاتا تھا اور قیدی بنا دیا جاتا تھا۔اس کے علاوہ مدارس میں بچوں کو بپتسمہ دیا جاتا تھا، مسلمانوں نے جان کے

خوف سے عیسائی مذہب قبول کرلیا تھا لیکن یہ سب اوپری طور پر تھا اور بچے جب گھر آتے تو ان کا منہ فوراً دھویا جاتا تاکہ بپتمسہ کا اثر ختم ہو جائے، جب مسلمان نکاح کرنا چاہتے تھے وہ پہلے گرجا میں جاکر عیسائی طریقے سے شادی کرتے اور گھر آکر دوبارہ نکاح کرتے۔ غرض عیسائی حکمرانوں نے مسلمانوں پر ہر ظلم روا رکھا اور کچھ عرصے کے بعد یہ اعلان ہوا کہ مسلمان عیسائی لباس پہنیں گے۔ یعنی مسلمانوں سے انکی شناخت کی ہر چیز چھینی جارہی تھی۔ ان ظالموں نے اپنے کسی عہد کی پاسداری نہیں کی، ان کے ظلم سے عورتیں اور بچے بھی محفوظ نہیں تھے اس کے علاوہ مذہبی اور مقدس مقامات کے حوالے سے بھی معاہدات کی خلاف ورزی کی گئی۔ ایک مسجد کو بارود سے اڑا دیا گیا جہاں سینکڑوں مسلمانوں نے پناہ لی ہوئی تھی۔

کیا کیا ظلم گنوایا جائے کہ جو ان ظالموں نے مسلمانوں پر کیا۔ قصہ مختصر کہ ان عیسائیوں نے ایک چال چلی کہ بچے کچھے مسلمانوں سے کہا گیا کہ انکو افریقہ بھیج دیا جائے گا وہ اسپین چھوڑ دیں، مسلمان اس جھانسے میں آ گئے اور انہوں نے اپنا تمام مال واسباب اور علمی ذخیرہ جمع کیا اور عیسائیوں کی جانب سے فراہم کردہ بحری جہازوں میں سوار ہوگئے۔ ان مسلمانوں کو علم نہیں تھا کہ ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ ان کو صرف یہ پتا تھا کہ اس ظلم کے ماحول سے ہم دور چلے جائیں گے، اگرچہ مسلمان اپنے وطن سے دور ہونے کو تیار

نہ تھے لیکن انکو اس بات کی بھی خوشی تھی کہ ان کی جان بچ جائے گی۔بندرگاہ پر حکومت کے اہل کاروں اور جرنیلوں نے مسلمانوں کو الوداع کہا اور ان کو رخصت کیا۔بیچ سمندر میں پہنچ کر منصوبہ بندی کے تحت ان جہازوں کو غرق کیا گیا۔اس کے باعث سینکڑوں مسلمان شہید ہوگئے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ قیمتی علمی ذخیرہ بھی برباد ہوگیا جو مسلمانوں نے بڑی مشکل سے جمع کیا تھا۔یہ واقعہ عیسائی تقویم کے مطابق یکم اپریل کو پیش آیا تھا،اور یہ گیارویں صدی عیسوی کے اوائل کا واقعہ ہے۔

اس سازش پر اسپین بھر میں جشن منایا گیا کہ کسطرح مسلمانوں کو بوقوف بنایا گیا۔اور اس کو فرسٹ اپریل فول کا نام دیا گیا یعنی یکم اپریل کے بیوقوف اس کے بعد یہ دن اسپین سے نکل کر پورے یورپ میں پھیل گیا۔اور اب یہ دن باقاعدہ منایا جاتا ہے۔جس میں ہم مسلمان بھی شریک ہوتے ہیں جبکہ یہ مسلمانوں کو دھوکے سے شہید کرنے کی خوشی میں منایا جاتا ہے۔

یہ تو اس کی تاریخ تھی اب اگر اس کے نقصانات دیکھیں تو وہ اور بھی سنگین ہیں۔سب سے پہلی بات یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جھوٹوں پر لعنت کی ہے لعنت اللہ علی الکاذبین،اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث مبارکہ میں منافق کی جو نشانیاں بتائی گئی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ جب

بات کرے تو جھوٹ بولے،اس سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ جھوٹا شخص ایک تو اللہ کی لعنت کا مستحق ہوتا ہے اور دوسرا وہ ایک طرح سے نفاق کے ایک درجے میں ہوتا ہے۔اللہ تمام مسلمان بھائیوں اور بہنوں کو اس سے محفوظ رکھے اب اس کے نقصانات کا جائزہ لیں تو وہ بھی بہت سنگین ہیں مثلاً ایک فائر بریگیڈ اسٹیشن پر اگر لگاتار دو تین جھوٹی خبریں آئیں گی تو فائر بریگیڈ کا عملہ بعد میں آنے والی سچی خبروں کو بھی اہمیت نہیں دے گا۔نتیجہ یہ نکلے گا کہ ان جھوٹی خبروں کے باعث کئی لوگوں کا جانی و مالی نقصان ہو جائے گا۔اسی طرح اگر ایمبولینس سروس یا بم ڈسپوزل اسکواڈ کو جھوٹے فون کیے جائیں گے تو اس کا بھی یہی نتیجہ نکلے گا کہ وہ سچی خبر کو بھی جھوٹا سمجھیں گے۔اور کئی قیمتی جانیں ضائع ہو جائیں گے۔بعض بسا اوقات کسی دفتر میں یا اہم ادارے میں بم کی جھوٹی اطلاع دے کر خوف و ہراس پھیلایا جاتا ہے جس سے ایک افرا تفری پھیل جاتی ہے اور اس سے ملک دشمن اور شرپسند عناصر کو اپنی کاروائیاں کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ جیسا کہ ہم نے آغاز میں ذکر کیا تھا اگر ایسی صورتحال ہوئی تو اس میں بھی کئی کمزور دل افراد کی جانوں کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔کئی گھرانے برباد ہو سکتے ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ ایک اہم چیز یہ بھی ہے کہ آج کل ایس ایم ایس کا دَور ہے اور ہم لوگ کوئی بھی میسج سیکنڈوں میں درجنوں افراد تک پہنچا دیتے ہیں۔اس

میں عموماً ہم لوگ خیال نہیں کرتے کہ یہ خبر یا میسج صحیح ہے یا غلط بلکہ ہم اس کو فوراً آگے.بڑھا دیتے ہیں اس حوالے سے قرآن میں سورہ الحجرات کے پہلے رکوع میں اللہ تعالی فرماتا ہے کہ "اے لوگوں جو ایمان لائے ہو اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لیکر آئے تو اس کی تحقیق کرلیا کرو ایسا نہ ہو کہ تم میں کسی گروہ کو نادانستہ نقصان پہنچا بیٹھو اور پھر اپنے کیے پر پشیمان ہو (سورت الحجرات آیت ٦)اس لیے میں اپنے باشعور دینی بھائیوں سے یہی اپیل کرونگا کہ وہ عام حالات میں عموماًاور یکم اپریل کو بالخصوص ذمہ داری کا مظاہرہ کریں اور کوئی بھی میسج بغیر تحقیق کے آگے نہ.بڑھائیں اور خدارا ان تمام خرافات سے دور رہیں اور کوشش کریں کہ اسلامی تاریخ کے ایک افسوسناک واقعے کی بنیاد پر بنائے گئے اس تہوار یا دن کو منانے سے احتراز کریں۔

میں تو اسے وہیں چھوڑ آیا مگر

بھارت کے ایک گاؤں میں دو پجاری رہتے تھے ایک گرو تھا اور ایک اس کا چیلا تھا۔ یہ دونوں برہم چاری تھے یعنی (ان کو آپ تارک الدنیا اور بالخصوص تارک العورات کہہ سکتے ہیں جو کہ صنف نازک سے دور بھاگتے ہیں)ایک دن ان دونوں کو ایک دوسری جگہ کا سفر درپیش تھا یہ دونوں ایک ساتھ نکلے اور سفر طے کرتے ہوئے منزل کی جانب راوں دواں تھے کہ راستے میں ایک ندی آئی اگرچہ اس ندی میں پانی تو کم تھا لیکن بہاؤ تیز تھا ان دونوں نے اپنا سامان سمیٹا اور ندی پار کرنے کی تیاری کرنے لگے کہ ایک عورت بھی وہاں آ گئی اور اس نے ان سے درخواست کی کہ مجھے بھی ندی پار کرادی جائے۔ دونوں سوچ میں پڑ گئے کہ کیا کریں بالآخر انسانیت کے ناطے گرو نے اس عورت کو اپنے کاندھے پر اٹھایا اور ندی پار کرانے لگا اس کے چیلے کو یہ بات بہت بری لگی کہ گرو نے اپنے مسلک کے برخلاف ایک عورت کو چھو لیا لیکن گرو کے احترام میں وہ خاموش تھا۔ دوسرے کنارے پر پہنچ کر گرو نے اس عورت کو اتار دیا اور پھر اپنی منزل کی جانب چلنے لگے۔کافی دیر کے بعد جبکہ وہ ندی بھی کافی پیچھے رہ گئی تھی۔ بالآخر چیلے نے گرو سے کہہ دیا کہ گرو جی آپ نے اپنے دھرم کے خلاف اس عورت کو چھوا اور اس کو کاندھے پر اٹھایا آپ نے ایسا کیوں کیا ؟ گرو نے جواب دیا

کہ بالک میں نے تو اس عورت کو کاندھے پر سوار کیا اور ندی پار کرنے کے بعد میں تو اسے وہیں چھوڑ آیا لیکن لگتا ہے کہ تم نے اسے ابھی تک اپنی دماغ پر سوار کیا ہوا ہے۔ یہ ایک کہانی ہے اسی طرح سولہ مارچ گزر گئی، چیف جسٹس بحال ہو گئے اور اس تحریک کے حامیوں نے اسے وہیں چھوڑ دیا کہ اب ہمارا کام ختم ہوا اب اس پر کہیں سے کوئی بات نہیں ہوتی۔ اعتزاز احسن اور علی احمد کرد نے بھی تحریک کے ختم ہونے کا علان کردیا ہے لیکن ایسا لگتا ہے کہ اس تحریک کے مخالفوں نے ابھی تک اسے اپنے دماغ پر سوار کیا ہوا ہے۔ آپ لوگوں کا کیا خیال ہے؟

لاہور: یہ منظر بہار ہے یہاں لہو وہاں لہو

آج پھر میرا وطن لہو رو رہا ہے۔ابھی ہم نے جمرود میں نماز جمعہ کے دوران دھماکہ میں شہید ہونے والے اپنے بھائیوں کا سوگ بھی نہیں منایا تھا کہ ایک بار پھر میرے وطن پر دہشت کا راج ہوگیا۔اس دفعہ ان دہشت گردوں کا نشانہ وہ نوجوان وہ نوعمر تھے جو کہ اس ملک کی خدمت کا جذبہ لیکر، معاشرے کے ناسوروں سے جہاد کا جذبہ لیکر پولیس میں بھرتی ہوئے تھے۔ وہ جیالے نوجوان ان کا نشانہ بنے ہیں۔ میں نے جب ٹی وی میں یہ منظر دیکھا کہ تو بے اختیار میری آنکھیں بھر آئیں جب ہسپتال میں ایک خاتون اپنے پیارے کو ڈھونڈتے ہوئے سب سے ایک ہی سوال ہی پوچھ رہی تھی کہ " او کتھے اے مینو دسو او کتھے اے " اسی طرح ایک نوجوان خاتون شاید اپنے بھائی کا ماتم کرتے ہوئے غم سے نڈھال تھی اور اپنا سر پیٹ رہی تھی۔اور وہ نوجوان جو بتا رہا تھا کہ شہید ہونے والا میرا چھوٹا بھائی تھا۔ایک پچیس چھبیس سال کا نوجوان جب یہ بات کہہ رہا تھا تو وہ بھی غم سے نڈھال تھا۔ان مناظر نے طبیعت مکدر کردی۔کیا یہ سب کرنے والے، بے گناہوں کا خون بہانے والے، دہشت گردی کرنے والے کیا یہ لوگ انسان کہلانے کے لائق ہیں، یہ لوگ تو انسانیت کے نام پر دھبہ ہیں، دہشت گرد کا کوئی مذہب نہیں ہوتا وہ صرف دہشت گرد ہوتا ہے، مجرم اور صرف مجرم ہوتا

ہے،انسانیت کا مجرم

اطلاعات کے مطابق مناواں پولیس ٹریننگ سینٹر میں زیر تربیت پولیس اہلکار پیریڈ میں مصروف تھے کہ آٹھ سے دس دہشت گرد اسکول کی ایک جانب کی دیوار پھلانگ کر اندر داخل ہوئے اور انہوں نے داخل ہونے ساتھ ہی ہینڈ گرنیڈ سے حملہ کر دیا اور فائرنگ شروع کر دی جس سے گراؤنڈ میں موجود نفری میں بھگڈر مچ گئی اور اہلکار اپنی بیرکس کی طرف اور دیواریں کود کر باہر بھاگنے لگے۔دہشت گرد بھاگ کر عمارت کی بالائی منزل پر چلے گئے اور اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی، دہشت گردی کی یہ واردات تقریباً آٹھ گھنٹے جاری رہی بالاخر آرمی اور رینجرز کی مدد سے ان دہشت گردوں پر قابو پالیا گیا اس دوران چار دہشت گردوں نے خود کو دھماکے سے اڑالیا جب کہ تین دہشت گردوں کو گرفتار کرکے نامعلوم مقام پر پہنچا دیا گیا۔

سوچنے کی بات ہے کہ یہ کون لوگ ہیں جو اس طرح سر عام وارداتیں کرتے ہوئے چلے جاتے ہیں یا ان کے اندر اتنی ہمت کیسے پیدا ہوئی کہ وہ اسطرح دیدہ سے یہ وارداتیں کرتے ہیں۔شمالی علاقہ جات میں تو یہ آگ پہلے ہی لگی ہوئی تھی اب اس آگ کا دئرہ دوسرے شہروں تک پہنچ رہا ہے۔لاہور میں ابھی حال ہی میں سری لنکن ٹیم پر حملے کی واردات ہوئی تھی اس کے بعد یہ حملہ دراصل بہت کچھ

سوچنے پر مجبور کرتا ہے۔اس کا جائزہ لینا چاہیے

یہ حملہ ایک ایسے وقت میں ہوا ہے کہ جب امریکی صدر بارک اوبامہ نے دہشت گردی کے خلاف جنگ کی نئی حکمت عملی کے تحت عراق کے بجائے افغانستان اور پاکستان پر اپنی توجہ مرکوز کی ہے۔ان کا کہنا ہے کہ دہشت گردی کا مرکز پاکستان میں ہے۔اس کے فوراً بعد ہی اس طرح کی واردات دراصل اس معاملے میں غیر ملکی قوتوں کے ملوث ہونے کی نشاندہی کرتی ہے۔اس طرف دھیان دینے ضرورت ہے۔ کیوں کہ پاکستان کے دشمن پاکستان کو غیر مستحکم اور ناکام ریاست ثابت کرنے کی کوشش کررہے ہیں اور اس کا مقصد پاکستان پر دباؤ بڑھانا اور پاکستان کے ایٹمی پروگرام پر کنٹرول حاصل کرنا ہے۔پاکستان اس وقت عالمی سیاست کا مرکز ہے۔ایک طرف افغانستان میں امریکہ کی موجودگی ،دوسری طرف بھارت جیسا کینہ پرور ہمسائیہ ملک۔ تیسری طرف ایران اور چین کا پڑوسی ہونے اور ان کے ساتھ گہرے دوستانہ تعلقات کے باعث عالمی سامراجی طاقتوں کی نظر میں کھٹکتا ہے،یہ سب عوامل ہیں ایک طرف تو یہ سب عوامل ہیں۔دوسری طرف ہماری سیکورٹی ایجنسیوں کی نااہلی کے باعث یہ واقعات پیش آتے ہیں۔اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ مشیر داخلہ پریس کانفرنس میں کہتے ہیں کہ ہمیں تو پہلے ہی اس کی اطلاع تھی اور ہم نے صوبائی حکومت کو مطلع کردیا تھا۔(یہی صورتحال سری لنکن ٹیم پر حملے کے وقت بھی تھی) اب غور کریں کہ جن کا کام ان وارداتوں کی روک تھام

کرنا ہے وہ اگر صرف نشاندہی کرکے اور اطلاع دے کر بری الذمہ ہو جائیں تو پھر عوام کے جان و مال کا تحفظ کون کرے گا۔ میں ایک واقعہ سنا کر اپنی بات ختم کروں گا کہ شیر شاہ سوری کے دور میں ایک شخص کا قتل ہوگیا تحقیقات کی گئیں تو اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا جب کہ شواہد بتاتے تھے کہ قاتل قتل کرکے ایک قریبی گاؤں میں داخل ہوا ہے جب یہ معاملہ کسی نتیجہ پر نہ پہنچا تو ایک دن شیر شاہ سوری اس گاؤں کے ساتھ واقع جنگل میں کلہاڑی سے درخت کاٹنے لگا (بعض روایات میں ہے کہ خود نہیں بلکہ اپنے ایک امیر کو اس کام کے لیے روانہ کیا) تو فوراً ہی کوتوال آ ٹپکا اور اس نے شیر شاہ کو گرفتار کرلیا کہ تمہیں پتہ نہیں یہ سرکاری درخت ہیں ان کا کاٹنا جرم ہے۔اب بادشاہ شیر شاہ سوری نے اپنا تعارف کرایا اور اس کوتوال سے یہ تاریخی جملہ کہا کہ " اس جنگل میں درخت کے کٹنے کی تو تمہیں خبر ہے لیکن اس جگہ ایک زندہ انسان کو کاٹ دیا گیا اور تمہیں خبر نہ ہوئی " اس کے بعد شیر شاہ سوری نے اس کو کہا کہ مجھے فوراً اس قاتل کی گرفتاری چاہیئے ورنہ اس قتل کی ذمہ داری تم پر عائد ہوتی ہے اور پھر یہ واقعہ بھی ہوا کہ اس کوتوال نے وہ قاتل گرفتار کرلیا وہ اسی گاؤں میں روپوش تھا۔ بالکل اسی طرح ہماری ایجنسیاں بھی چاہیں تو سب کام کرسکتی ہیں لیکن وہ اپنے فرائض ادا کرنے کو تیار نہیں ہیں اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔ میری دعا ہے کہ اللہ ان تمام شہدا کو جو یہاں شہید ہوئے ہیں اور جو کہ اب تک تمام دہشت گردی کی وارداتوں میں شہید ہوئے ہیں ان

سب کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔اور میری آپ تمام بہن بھائیوں سے یہ بھی گزارش ہے کہ اللہ سے استغفار کریں ہم سب اپنے گناہوں کی معافی مانگیں کہ اسی طرح اللہ کی رحمت نازل ہو گی۔ان شاء اللہ

اور ایک شعر ان تمام شہداء کی نذر یہ منظر بہار ہے یہاں لہو وہاں لہو- یہ منظر بہار ہے یہاں لہو وہاں لہو۔ گرے گا جس بھی خاک پر قیامتیں اٹھائے گا- یہ گرم گرم سرخ سرخ تازہ نوجواں لہو

آج کل کے اشتہارات : سلو پائرن

دنیا بھر میں مختلف مصنوعات بنانے والی کمپنیز اپنی مصنوعات کی تشہر کے لیے مختلف ذرائع استعمال کرتی ہیں تاکہ صارف کو اپنی جانب متوجہ کیا جائے اس کے لیے رنگا رنگ قسم کے اشتہارات بنائے جاتے ہیں ،اور اس میں اپنی پروڈکٹ کی خصوصیات کو نمایاں کیا جاتا ہے۔اور بتایا جاتا ہے کہ کمپنی کی فلاں چیز صارف کے لیے کیوں ضروری ہے۔یا فلاں چیز نہ ہونے سے صارف کو کیا نقصانات ہو سکتے ہیں۔ مصنوعات کی پبلسٹی کے لیے ہر دور میں دستیاب ذرائع استعمال کیے جاتے رہے ہیں۔ٹی وی کی آمد سے پہلے ریڈیو، اخبارات اور رسائل اس کا ذریعہ ہوتے تھے۔ پہلے جو اشتہارات بنائے جاتے تھے تو وہ " مختصر، پر اثر" کے فارمولے پر بنائے جاتے تھے۔جس میں چند سیکنڈ کے اشتہار میں اپنی پوری بات کہہ دی جاتی تھی اور اپنی پروڈکٹ کی پبلسٹی کی جاتی تھی۔ لیکن آہستہ آہستہ اس میں ترقی ہوتی گئی اور اشتہارت چند سیکنڈوں سے بڑھ کر منٹوں پر محیط ہونے لگے لیکن بنیادی چیز مصنوعات کی خصوصیات کو نمایاں کرنا ہوتا تھا۔

لیکن پھر اس میں آہستہ آہستہ زوال آنا شروع ہوااور اشتہارات میں فحاشی کا عنصر بڑھتا گیا۔اس میں عورت کو بطور شو پیس استعمال کرنے کا رجحان بڑھتا گیا

یعنی سگریٹ کے اشتہار میں عورت، موٹر سائیکل کے اشتہار میں عورت، مردانہ کپڑے کے اشتہار میں عورت، یہاں تک کہ شیونگ کریم اور بلیڈ تک کے اشتہار میں عورت کو استعمال کیا گیا۔ آزادی نسواں اور ترقی کے نام پر عورت کا استحصال کیا گیا۔

گزشتہ عشرے میں پاکستان میں انٹرنیٹ، موبائل فونز اور پرائیوٹ ٹی وی چینلز کی بھر مار کے باعث اشتہار سازی کی صنعت میں بھی ترقی ہوئی اور اس میں مقابلے کا رجحان پیدا ہوا لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی یہ بھی ہوا کہ باقاعدہ ایک پلاننگ کے تحت اشتہارات میں فحاشی کا عنصر بڑھتا چلا گیا اور اب یہ حال ہے کہ ہے تین تین منٹ کے اشتہارات چلائے جاتے ہیں اور ان اشتہارات میں مطلوبہ شے کی خصوصیات کے بجائے سوائے بے ہودگی، فحاشی، مخلوط سوسائٹی کے اور کچھ بھی نہیں ہوتا۔

تھوڑی دیر کے لیے غور کریں کہ ایک ٹیٹرا پیک دودھ کا اشتہار ہے اور اس میں بلاوجہ ایک فلمی اداکارہ اور ایک گلوکار کو ٹھونس کر اور ان کا بے ہودہ ناچ گانا دکھا کر کیا ثابت کیا جارہا؟ جبکہ اس پورے اشتہار میں نہ تو یہ بتایا گیا ہے کہ یہ دودھ کس کمپنی کا ہے؟ اس میں کیا کیا اجزاء شامل ہیں؟ اور یہ دودھ مارکیٹ میں موجود دیگر ٹیٹرا پیک دودھ سے کس طرح مختلف ہے؟ سارا زور

صرف ناچنے پر لگا دیا گیا ہے۔ موبائل کمپنیوں کے اشتہارات اس حوالے سے سب سے بڑھ کر ہیں۔ ٹیلی نور کمپنی کے اشتہارات میں تو سوائے سطحی جنسیت اور بے ہودگی کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہوتا ہے۔ (شائد کسی کو اس بات سے اختلاف ہو تو یہ ان کا اپنا نظریہ ہے) ذرا غور کریں ایک اشتہار میں یہ سبق دیا جارہا ہے کہ اگر کسی نوجوان نے کسی غیر محرم خاتون سے ناجائز تعلق برقرار رکھنا ہے تو اس کو ٹیلی نار کی سم لینی پڑے گی۔ کیوں کہ اشتہار کے مطابق تانیہ سے بات کرنے کے لیے وہی سم کافی ہوتی ہے، یا پھر ایک نیا کنکشن چاہیئے ہوتا ہے ٹاک شاک کا۔ اسی طرح جاز کے اشتہارات میں بھی اس سے ملتی جلتی چیزیں ہی ہوتی ہیں۔ یہی حال دوسری کمپنیز کے اشتہارات کا ہے۔

آج ٹی وی پر خواتین کے مخصوص مسائل سے متعلق اشتہارات چلتے ہیں اور سارا گھر بہن بھائی، ماں بیٹا، اور باپ بیٹی بیک وقت یہ اشتہارات دیکھتے ہیں۔ آج ہمارے گھروں میں ہمارے سامنے ہماری بہن بیٹیوں کو مانع حمل ادویات اور اور مصنوعات کا طریقہ استعمال بتایا جاتا ہے۔ میں نے اور آپ نے کبھی غور کیا ہے کہ اس کا کیا مقصد ہے، اور آج ہمارے اخلاقیات پر اس کے کیا اثرات مرتب ہورہے ہیں؟ جی دل تھام کر سنئیے اس کا مقصد میری اور آپ کی بہنوں، بیٹیوں کو بے راہ روی کی جانب مائل کرنا ہے۔ اس کا مقصد میرے اور آپ کے بھائیوں کو حرام کاری کا محفوظ راستہ دکھانا ہے۔

اور آج ہمارے معاشرے میں یہ باتیں نظر

بھی آ رہی ہیں۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے آج سے قریبا ساٹھ سال پہلے اپنی کتاب "اسلام اور ضبط ولادت" میں اسی بات کی طرف نشاندہی کی تھی کہ برتھ کنٹرول کے نام پر جو مانع حمل ادویات اور مصنوعات عام کی جارہی ہیں تو اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ یہ چیزیں صرف شادی شدہ لوگ ہی استعمال کریں گے اور غیر شادی شدہ لوگ اس کو استعمال نہیں کریں گے بلکہ اس بات کا غالب امکان ہے کہ شادی شدہ سے زیادہ غیر شادی شدہ لوگ اس کو زیادہ استعمال کریں گے۔ ذرا ٹھنڈے دل سے غور کرکے بتائیں کہ کیا آج یہی صورتحال نہیں ہے ؟

بات ہورہی تھی اشتہارات کی تو بات دراصل یہ ہے کہ آج کل کے اشتہارات اور پروگرامات دراصل ایک طرح کی سلو پائزنگ ہے۔ یعنی آہستہ آہستہ ہمیں بے حس کیا جارہا ہے۔ کل ہم نے اشتہارات میں مرد و عورت کو ایک ساتھ دیکھا آہستہ آہستہ ہم اس کے عادی ہوگئے، پھر اس میں ایک قدم آگے بڑھ کر بہبود آبادی کے ڈھکے چھپے اشتہارات کو دیکھا، شروع میں ہمیں تھوڑی سی شرمندگی ہوئی لیکن پھر ہم اس کے بھی عادی ہوگئے۔ اس کے بعد اشتہارات میں عورت اور مرد کی مخلوط محفلیں دکھائی گئیں ہم نے اس کا بھی نوٹس نہیں لیا۔اس کے بعد بہبود آبادی کے اشتہارات مزید وضاحت کے ساتھ پیش کیے جانے لگے ہم اس کے بھی عادی ہوگئے۔اور اس کے بعد مزید تباہی کی جانب یہ قدم اٹھا کہ خواتین کے مخصوص مسائل پر اشتہارات پیش کیے جانے لگے ہم اس کے بھی عادی ہوگئے۔ اب جو خطرناک

رجحان اس میں آرہا ہے وہ نمبر ایک لباس کا آہستہ آہستہ مختصر ہونا، ہر کام میں ناچ گانے کا ہونا (اور اس میں بناسپتی گھی کے اشتہارات سر فہرست ہیں جس میں آج کل گھروں میں خواتین کو ڈانس کرتے ہوئے، جھومتے ہوئے کھانا پکاتے ہوئے دکھایا جاتا ہے۔) اور مرد وزن کے تعلقات اور مخلوط سوسائٹی کو عام کیا جارہا ہے، کنڈوم کلچر کو خوشنما بنا کر پیش کیا جارہا ہے (آج کل ایک گانے کی صورت میں اس کا ایک اشتہار باقاعدگی سے پیش کیا جارہا ہے) کل ہم اس کے عادی ہوجائیں گے تو اس کے بعد اگلا قدم کیا ہوگا اس کا اندازا لگانا مشکل نہیں ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس چیز کا سد باب کیا جانا چاہیے۔اس کی مذمت کی جانی چاہیے، اخبارات میں اس پر مراسلات لکھے جائیں، ٹی وی پر لائیو ٹیلیفون کالز کرکے اس کی طرف نشاندہی کی جانی چاہیے۔جب ہی ہم اپنے معاشرے، اپنی ثقافت اور اپنی نئی نسل کو تباہی سے بچا سکتے ہیں

سوات کی مظلوم لڑکی اور ڈاکٹر عافیہ صدیقی

سوات میں ایک سترہ سالہ لڑکی کے ساتھ ظلم پر پورا پاکستان سوگوار ہے۔اسلام کے نام پر یہ کام کرنے والے کسی بھی رعایت کے مستحق نہیں ہیں۔اس طرح کسی لڑکی کو سرِ عام لٹا کر کوڑے لگانا اسلام کی تعلیمات کے بالکل خلاف ہے اور اس کے ذمہ داران کے خلاف سخت کاروائی کی جانی چاہیے۔ یہ لوگ کسی اسلام جیسے خوبصورت اور پرامن مذہب کی بدنامی کا باعث بن رہے ہیں۔ اسلام نے کبھی بھی خواتین کی اس طرح کی بے حرمتی کی اجازت نہیں دی ہے۔کیا یہ لوگ اس طرح کی کاروائی کرکے اسلام کی کوئی خدمت کررہے ہیں ؟ بالکل نہیں یہ لوگ اس کی بدنامی کے ذمہ دار ہیں۔

البتہ اس میں تھوڑا سا غور کرنے کی بات بھی ہے کہ یہ واقعہ جنوری میں پیش آیا تھا اور اس کی ویڈیو اس وقت پیش کرکے کیا مقاصد حاصل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔حکومت اور مقامی طالبان کا معاہدہ فروری کئی اواخر میں ہوا تھا اور اس کے بعد سوات میں نوے فیصد علاقہ پرامن ہوگیا ہے اور وہ جو پہلے اسلام اور شریعت کے نام پر ظلم کیا جارہا تھا اس کا خاتمہ ہوگیا تھا۔اس لیے یہ بات بالکل واضح ہے کہ مولانا صوفی محمد اور ان کے ساتھی اس میں ملوث نہیں ہیں بلکہ اس سے پہلے جو لوگ سوات میں کاروائیاں کررہے تھے وہ ملوث ہیں اس

لیے ایک ایسے وقت میں کہ جب سوات میں لگی آگ کے شعلے سرد پڑ رہے ہیں تو اس واقعے کو بنیاد بنا کر لوگوں کے جذبات کو بھڑکایا جارہا ہے۔ واضح رہے کہ صوفی محمد نے اس واقعہ کی سخت مذمت کی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس وقت یہ ویڈیو جاری کرنا کوئی سازش ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ محترمہ عاصمہ جہانگیر صاحبہ نے اس واقعہ کی شدید مذمت کی ہے اور اس کے خلاف احتجاج کا اعلان کیا ہے۔ یہ بہت اچھی بات ہے جہاں بھی ظلم ہو اس کی مذمت کرنی چاہیے ۔لیکن ۔۔۔۔۔۔۔اسی قوم کی ایک بیٹی ڈاکٹر عافیہ بھی تو امریکی درندوں کی قید میں ہے کیا اس کا کوئی حق نہیں تھا کہ عاصمہ جہانگیر صاحبہ اس پر بھی کوئی احتجاج کیا جاتا؟ کیا وہ ہماری بہن بیٹی نہیں تھی کہ اس کے لیے بھی آواز اٹھائی جاتی؟ جس طرح یہ مظلوم لڑکی جرم بے گناہی میں کوڑے کھا رہی تھی کیا اسی طرح ڈاکٹر عافیہ صدیقی بھی جرم بے گناہی کی سزا نہیں کاٹ رہی ہے۔ اور جو لوگ یوم مذمت منا رہے ہیں ڈاکٹر عافیہ کے لیے ایسا کبھی نہیں کیا گیا کیوں؟ کیا صرف اس لیے کہ وہ امریکہ کی قید میں ہے۔ ذرا سوچیے ڈاکٹر عافیہ بھی اسی قوم کی بیٹی ہے اس کے لیے بھی احتجاج کیا جائے۔ اس کو بھی انصاف دلایا جائے۔ اس کے لیے بھی آواز اٹھانی چاہیے

اسلام اور وید

اس دنیا میں اللہ نے انسانوں کی فلاح اور ہدایت کے لیے ایک لاکھ چوبیں ہزار پیغمبر بھیجے ہیں لیکن ہمیں ان تمام کے نام نہیں معلوم ہیں۔اسی لیے علماء کرام کا یہ کہنا ہے کہ کسی بھی مذہب کو اور کسی مذہب کے پیشوا کو برا نہ کہو کہ شائد وہ بھی الہامی مذہب ہو۔اس وقت ہمارا موضوع یہ ہے کہ ہندو مذہب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کی پیشنگوئیاں اور اس کے ساتھ ساتھ قرآنی احکامت میں جو حیرت انگیز مماثلت پائی جاتی ہے اس پر بات کی جائے۔دراصل کافی عرصے سے ہندوئوازم اور اسلام کے تقابلی جائزہ سے متعلق کتب میرے زیر مطالعہ تھیں میں نے سوچا کہ کچھ باتیں آپ سے شیئر کی جائیں۔بنیادی طور پر یہ کتابیں دین اسلام کی حقانیت اور ہندو برادری میں دعوت دین کے فروغ کے لیے لکھی گئیں ہیں۔آپ بھی ان کو دیکھں کہ یہ کتنی حیرت انگیز مماثلث ہے اس وقت ہم آپ کے سامنے وہی چیز پیش کریں گے۔پران یا پوران ہندوؤں کی اٹھارہ مقدس کتابیں ہیں۔ان میں اکثر میں ایک نبی (کلکی اوتار) کے آنے کی پیشنگوئیاں کی گئی ہیں۔

ہندو عقیدے کے مطابق کلکی اوتار کلیوگ میں نمودار ہوگا کلیوگ یعنی گمراہی

اور شر فساد کا دور، ہندوؤں کے مطابق جو رسول کلیوگ میں پیدا ہوگا اس کا نام" سروانما" انما کا مطلب ہے ایسا شخص ہے جس کی تعریف، حمد ثناء کی جائے اور سرو کا مطلب ہے بہت زیادہ، بے تحاشہ۔ اب اگر ان دونوں پیش گوئیوں کو دیکھا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ایسے دور میں مبعوث جب ہر طرف تاریکی اور گمراہی چھائی ہوئی تھی اور دنیا معاشرے میں فتنہ اور فساد پھیلا ہوا تھا۔

دوسری بات یہ کہ سروانما کا مطلب وہی ہے جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم گرامی محمد کا ہے یعنی بے انتہا تعریف کیا گیا۔

کلکی اوتار کی ماں کا نام" سومتی" ہوگا اور باپ کا نام" ویشنو ویش" ہوگا۔ اب دیکھیں سومتی کے معنی ہیں آمنہ اور وشنو ویش کے معنی ہیں عبد اللہ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدہ اور والد کے نام یہی ہیں ہندوؤں کی مقدس کتاب کے مطابق کلکی اوتار بیساکھ مہینے کی ۱۲ تاریخ کو پیدا ہوگا (کلکی پوران ۲، اشلوک ۱۵) بیساکھ ہندی کا مشہور مہینہ ہے جو اب بھی ہندی کلینڈروں اسی نام سے لکھا جاتا ہے۔ ہندی کلینڈر کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۱۲ بیساکھ ۶۲۸ ء بکرمی کو پیدا ہوئے۔ اس دن عربی کیلنڈر کے مطابق ماہ ربیع الاول س ا عام الفیل کا دوسرا دو شنبہ تھا۔ اور یہ دن ہندو کیلنڈر اور عقیدے کے مطابق نہایت مقدس دن تھا۔

کلکی اوتار کے والد اس کی پیدائش سے پہلے انتقال کر جائیں گے اور اس کی والدہ پیدائش کے تھوڑے عرصے ہی بعد انتقال کر جائیں گی۔ (کلکی پوران اسکنڈ ۱۲) ۔

کلکی پوران میں یہ بھی لکھا ہے کہ" کلکی اوتار ایک پہاڑ کی گھپا (غار) میں جائے گا اور وہاں" پرشورام" سے علم حاصل کرے گا۔

یہ بات بالکل واضح ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ عالیہ وآلہ وسلم غار حراء میں جاکر غور وفکر کرتے تھے اور وہیں ان پر پہلی وحی نازل ہوئی تھی۔ پرشورام: ہندوؤں کے نزدیک ایک فرشتے کا نام ہے۔ جس کا خاص کام یہ ہے کہ وہ دین کے دشمن کفار و ملحدین پر عذاب لاتا ہے۔ اگر اس کی طرف غور کیا جائے تو یہ بات بھی بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ مسلمان، یہودی، اور عیسائی اس فرشتے کو جبرائیل کہتے ہیں اور یہ دراصل حضرت جبرائیل کا ہی ذکر ہے۔

کلکی اوتار کو ایک اڑنے والا گھوڑا دیا جائے گا جو بجلی سے بھی تیز ہوگا۔ یہ اس پر سوار ہو کر زمین کی اور ساتوں آسمانوں کی سیر کرے گا (بھاگوت پوران اسکنڈ ۱۱۲ اشلوک ۱۹ ۲۰) ۔

یہ پیش گوئی واقعہ معراج کے بارے میں ہے۔اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سواری کے لیے" براق" نامی جانور فراہم کیا گیا تھا۔جو کہ بے انتہا تیز رفتار تھا اس کا قدم اس کی نگاہ کی انتہا پر پڑتا تھا

جنگ کے اندر فرشتوں کے ذریعہ کلکی اوتار کی مدد کی جائے گی۔ (کلکی پوران ادھیائے ۲ ا شلوک ۷)۔

اس میں بھی کوئی شک کی بات نہیں ہے کہ اللہ تعالی نے متعدد مواقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرشتوں کے ذریعے مدد کی تھی۔غزوہ بدر میں اللہ نے فرشتوں کا لشکر بھیجا تھا۔

ہندوؤں کی اولین مقدس کتاب وید ہیں یہ چار ہیں۔ا رگ وید ۲ یجر وید ۳ سام وید ۴ اتھر وید۔اتھر وید میں ایک جگہ ایک آنے والے نبی کی نشانیاں بتائی گئی ہیں

لوگوں احترام سے سنو! نراشنس کی تعریف کی جائے گی۔ہم اس مہاجر۔۔یا امن کے علمبردار کو ساٹھ ہزار نوے دشمنوں کے درمیان محفوظ رکھیں گے۔

نراشنس سنسکرت زبان کا لفظ جو درحقیقت دو لفظوں سے مل کر بنا ہے۔ایک لفظ نر جس کا معنی انسان ہے دوسرا لفظ اشنس یعنی جس کی کثرت سے تعریف کی جائے۔اب اس کا مطلب دیکھا جائے تو وہ انسان وہ شخص جس کی کثرت سے تعریف کی جائے۔اور نبی اکرم صلی علیہ وآلہ وسلم کے اسم گرامی محمد کا بھی یہی مطلب ہے۔

اس کی سواری اونٹ ہوگا اور اس کی بارہ بیویاں ہونگی۔

یہ الفاظ صریح طور پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی جانب اشارہ کرتے ہیں کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سواری کے لیے عوام طور پر اونٹنی یا اونٹ کو استعمال کرتے تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواج مطہرات کی تعداد بھی بارہ ہے۔

اس کا درجہ اتنا بلند اور اس کی سواری اتنی تیز ہوگی کہ وہ آسمان کو چھوئے گی اور پھر نیچے اتر آئے گی۔

اس میں کیا کسی شک کی گنجائش ہے کہ یہ واضح طور پر واقعہ معراج اور براق کا ذکر کیا ہے۔

اس نے ” ماح“ رشی کو سو اشرفیاں، دس ہار، تین سو گھوڑے اور دس ہزار گائیں عطا کیں۔

ماح سنسکرت زبان کا لفظ ہے اور یہ عربی لفظ محمد کا سنسکرت تلفظ ہے اور اس کے معنی بھی وہی ہیں جو عربی لفظ محمد کے ہیں۔ سو اشرفیاں یعنی اصحاب صفہ کی تعداد سو تھی، تین سو گھوڑے یعنی غزوہ بدر میں تین سو تیرہ صحابہ کرام شریک ہوئے ان میں سے تیرہ شہید ہوگئے اور باقی تین سو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بہت سے غزوات میں شریک رہے۔دس ہار یعنی عشرہ مبشرہ کی طرف اشارہ ہے۔دس ہزار گائیں یہاں فتح مکہ کے وقت دس ہزار کے لشکر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اب ہم قرآنی آیات اور ویدوں کو ایک جائزہ لیں تو ان میں بڑی حیرت انگیز مماثلت نظر آتی ہے ذیل میں ہم اس کا مختصر نمونہ آہ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

قرآن میں ہے کہ ” تمام تعریف اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے سورہ فاتحہ آیت ۱)۔)

وید میں ہے کہ ” اس دنیا کے بنانے والے کے لیے تعریف ہے (رِگ وید ۵-۸۱-۱-)۔

قرآن ؔ جو رحمٰن و رحیم ہےؑ (سورہ فاتحہ آیت ۲)۔

ویدؑ جو دینے والا رحیم ہےؔ (رگ وید ۳۔ ۳۴۔۱)۔

قرآن ؔ ہمیں سیدھا راستہ دکھا (سورہ فاتحہ آیت ۵) ۔

ویدؑ ہم کو ہمارے فائدے کے لیے سیدھے راستے پر لگا۔ (یجر وید ۴۰ ۔ ۱۶)۔

قرآن ؔ کیا تمہیں خبر نہیں کہ زمینوں اور آسمانوں کی فرماں روائی اللہ ہی کے لیے ہے۔اور اس کے سوا کوئی خبر گیری کرنے اور مدد کرنے والا نہیں ہےؑ ۔ (البقرہ آیت ۱۰۷)۔

ویدؑ وہ عظیم زمین و آسمان کا مالک ہے۔ وہ ایشور ہماری مدد کرے۔ؔ (رگ وید ۱۔ ۱۰۰۔ ۱)۔

قرآن ؔ مشرق و مغرب سب اللہ کے ہیںؔ (البقرہ آیت ۱۱۵)۔

ویدؑ سب سمتیں اسی کی ہیں (رگ وید ۱۰۔ ۱۴۳۔ ۴)۔

قرآن ؔ جس طرف بھی تم رخ کروگے اس طرف اللہ کا رخ ہے۔ؔ (البقرہ آیت ۱۱۵)۔

ویدؑ دنیا کا خالق مشرق، مغرب، اوپر اور نیچے سب جگہ ہے (رگ وید ۱۰ ۔ ۳۶۔۱۴) ۔

قرآن ؔ جو روزی دیتا ہے روزی لیتا نہیں ہے۔ؔ (الانعام آیت ۱۴) ۔

ویدؑ پرماتما کھاتا نہیں ہے دوسروں کو کھلانے کا انتظام کرتا ہےؑ (رگ وید ۱۔ ۱۶۴۔ ۲۰)۔

قرآن" اے ہمارے رب ! ہم سے بھول چوک میں جو قصور ہو جائیں ان پر گرفت نہ کر۔ (البقرہ آیت ۲۸۶) ۔

وید" اے دیو (خدا) ہم سے جو گناہ انجانے میں ہوتے ہیں ان کی وجہ سے آپ ہمیں مت چھوڑیئے (رگ وید ۷-۸۹-۵)۔

قرآن" اور اللہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اسے جانتا ہے اور اللہ سب چیزوں کو جانتا ہے۔" (الحجرات ۱۶) ۔

وید" وہ ایشور ساری دنیا کو اچھی طرح جانتا ہے۔" (رگ وید ۱۰-۱۸۷-۴)۔

قرآن" ہمارے پاس ایک نعمت ہے کہ جو شکر کرتا ہے ہم اسے ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں۔" (قمر آیت ۳۵) ۔

وید" ہے پرمیشور آپ نیک آدمی کو اچھا پھل دیتے ہیں یہ آپ کا حقیقی خاصہ ہے۔" رگ وید ۱-۱-۶) ۔)

یہ ہمارا کچھ مطالعہ تھا جو کہ ہم نے آپ لوگوں کے ساتھ شئیر کیا ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ یہ ایک بین الاقوامی فورم ہے اور یقیناً اس کو پوری دنیا میں پڑھا جائے گا۔ شائد اس کے ذریعے سے کسی کو ہدایت مل جائے اور یہی بات میری بخشش کا سبب بن جائے۔

سوات: سازش بے نقاب ہو رہی ہے

گزشتہ جمعہ کے روز میڈیا کے ایک مشتبہ ویڈیو جس میں چند مبینہ طالبان ایک لڑکی کو زمین پر لٹا کر اور دبوچ کر کوڑے مار رہے ہیں۔ اس ویڈیو کے منظر عام پر آتے ہی ایک بھونچال آگیا عام افراد سکتے کی حالت میں تھے کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ لیکن مفاد پرست اور امریکی کاسہ لیس، امریکہ کے پٹھو ایسے ہی کسی موقع کی تلاش میں تھے کہ کسی طرح دین اسلام کو بدنام کرنے کا موقع مل جائے اور بلی کے بھاگوں چھیکا ٹوٹا کہ یہ ویڈیو نشر ہو گئی بس پھر کیا تھا پھر تو اسلام بیزار این جی اوز، اور مغرب نوازوں کی طرف سے اس واقعے کی آڑ میں دین اسلام کے احکامات، اور شریعت کے خلاف گز گز بھر کی لمبی زبان نکال کر دشنام طرازیاں کی گئی اور بقول جنگ کے کالم نگار جناب عرفان صدیقی صاحب کہ دیکھتے ہی دیکھتے وہ لبرل فاشسٹ مفسر، محدث، فقہیہ اور مجتہد بن گئے جو نماز کی رکعتیں بھی نہیں گنوا سکتے ہر شخص شیخ القرآن اور شیخ الحدیث بن بیٹھا اور المیہ سوات کی اسلامی تعلیمات کے تناظر میں تشریح و تعبیر کرنے لگا یوں لگا جیسے برسات کی بھوک کے مارے بھیڑیوں کو شکار ہاتھ آگیا ہو، ایک سے بڑھ کر ایک مفتی زماں، مجتہد العصر اور نابغہ وقت بن بیٹھا بالکل یہی صورتحال تھی اس وقت چند ہی لوگ تھے جو اس پر اعتدال پر قائم تھے اور یہ کہہ رہے تھے کہ یہ کوئی سازش لگتی ہے۔

ہم نے بھی اس پر یہی کہا تھا کہ یہ ویڈیو کسی سازش کے تحت جاری کی گئی ہے۔اور ہم نے اس کے ساتھ ڈاکٹر عافیہ کے لیے بھی آواز اٹھانے کی بات کی تھی لیکن کچھ لوگوں کو یہ بات پسند نہیں آئی تھی خیر یہ تو ہمارا موضوع نہیں ہے اس وقت ہم بات کریں گے کہ آہستہ آہستہ سازش بے نقاب ہوتی جارہی ہے کیوں کہ جس خاتون کو مبینہ طور پر کوڑے مارنے کا ذکر کیا گیا وہ اس واقعے سے اور اس سزا سے انکاری ہے۔ وزیر اعلیٰ سرحد کا یہ کہنا ہے کہ یہ ویڈیو مکمل طور پر جعلی اور اسلام کو بدنام کرنے کی سازش ہے، کمشنر مالا کنڈ کا کہنا ہے کہ خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ایسا کوئی واقع نہیں پیش آیا۔

دراصل یہ سارا معاملہ سوات امن معاہدہ کو ختم کرنے لیے گھڑا گیا ہے تاکہ اسکو جواز بنا کر سوات امن معاہدہ ختم کیا جائے کیوں کہ پاکستان اور بالخصوص شمالی علاقہ جات میں امن امریکہ کے مفاد میں نہیں ہے اور امریکہ کی ناراضگی کے ڈر سے ہی ابھی تک صدر جانب آصف علی زرداری نے اس معاہدے کی توثیق نہیں کی تھی، اور بالاخر یہی بات ثابت ہوئی کیوں کہ امریکی وزیر دفاع نے کہہ دیا کہ امن معاہدہ پاکستان، افغانستان اور امریکہ کے حق میں نہیں ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پاکستان کی حکومت اگر اپنے کسی علاقے میں کسی گروپ کے ساتھ کوئی معاہدہ کرتی ہے تو اس سے امریکہ کے پیٹ میں مروڑ کیوں اٹھتے ہیں؟ صاف ظاہر کہ امریکہ کا مفاد یہ ہے کہ اگر شمالی علاقہ جات میں امن قائم ہوجاتا ہے تو پھر امریکہ کس بات کو جواز بنا کر پاکستان پر دباؤ ڈالے گا اور کس طرح

پاکستان کے ایٹمی پروگرام کو غیر محفوظ ثابت کرے گا؟

اس لیے پر امن پاکستان کے بجائے شورش زدہ اور ہیجان میں مبتلا پاکستان امریکہ کے لیے زیادہ بہتر ہے۔ اسی لیے آئے دن بم دھماکے اور ڈرون حملے کیے جارہے ہیں تاکہ ملک میں امن قائم نہ ہوسکے اور یہ کہا جاسکے کہ ایٹمی اثاثے غیر محفوظ ہیں۔ امریکہ پاکستان کے ذریعے چین اور ایران پر دباؤ بڑھانا چاہتا ہے کیوں پاکستان میں امریکی افواج کی موجودگی میں ان دونوں ممالک پر پریشر بڑھانا آسان ہوگا۔ پاکستان کے ایٹمی اثاثوں کے بارے میں اگر امریکہ کے حوالے سے اگر کسی کی یہ سوچ ہے کہ ایسا نہیں ہوسکتا تو وہ احمقوں جنت میں رہتا ہے کیوں کہ گزشتہ روز ہی امریکی صدر بارک اوبامہ نے کہا ہے کہ غیر محفوظ اٹیمی اثاثوں کی حفاظت کی جائے گی۔ یہ صرف ایک بیان نہیں بلکہ آگے کا منصوبہ ہے جو بتایا گیا ہے۔ اس سارے کھیل میں ہماری ایجنسیاں دانستہ یا نادانستہ طور پر ان کے ہاتھوں میں کھیل رہی ہیں اور وہ شاہ سے زیادہ شاہ کے وفادار کا کردار ادا کر رہی ہیں۔ اب پاکستان کے میں ہونے والے ہر واقعے کا تعلق بیت اللہ محسود سے جوڑا جارہا ہے۔ اور دہشت گردی کے ہر واقعے کی ذمہ داری بیت اللہ محسود کے کھاتے میں ڈالی جارہی تھی لیکن اب شائد اس سلسلے کو بریک لگ جائے کیوں کہ بیت اللہ محسود کے نام سے ہر واقعے کی ذمہ داری قبول کرنے والوں سے ایک غلطی ہوئی کہ نیو یارک میں فائرنگ کے واقعے کی ذمہ داری میں

بیت اللہ محسود کے کھاتے میں ڈال دی گئی لیکن خود امریکہ نے اس کی تردید کر دی کہ اس واقعے میں ایک ویتنامی ملوث تھا اور بیت اللہ محسود کا اس واقعے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ اصل بات کچھ اور ہے اور طالبان اسلام پسندوں کو بدنام کرنے کے لیے ان کے نام سے کاروائیاں کی جارہی ہیں۔ اس بات کو تقویت ان باتوں سے بھی ملتی ہے اگر کسی عام سے چھوٹے سے گمنام مجرم کو بھی پتہ چلتا ہے کہ لوگ اس کی کاروائیوں سے ہوشیار ہوگئے ہیں تو وہ محتاط ہو جاتا ہے لیکن جب سے بیت اللہ محسود کے اوپر امریکہ نے انعام رکھا ہے تو اچانک اس نے لگاتار کاروائیاں شروع کر دی ہیں یہی بات اس معاملے کو مشکوک بنانے کے لیے کافی ہے دوسرا یہ کہ اگر ہم طالبان کی تاریخ اٹھا کر دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کی زیادہ تر مخالفت امریکہ اور مغرب کی پالیسیاں ہوتی ہیں اور وہ عموماً مسلکی سیاست میں ملوث نہیں تھے لیکن چند ماہ پیشتر طالبان کے نام سے ایک فرقے کے پیر کے قتل کے بعد اس کی لاش کی بے حرمتی دراصل مسلمانوں کے اتحاد کے توڑنے کی امریکی سازش تھی۔ اگرچہ اس واقعے پر اشتعال تو کافی پایا گیا لیکن پھر بھی عوام نے صبر کیا اور یہ سازش ناکام ہو گئی اس کے بعد امام بارگاہوں اور مساجد میں کاروائیاں شروع کی گئیں تاکہ مسمان آپس میں دست و گریبان ہوجائیں اور ہم اپنا کام بہ آسانی انجام دیدیں اس کے ساتھ ساتھ سوات میں چند ماہ پیشتر جان بوجھ کر فورسز کو نشانہ بنایا گیا اور بے گناہوں کا قتل عام کیا گیا تاکہ لوگوں کو اسلام سے متنفر

کیا جائے اور کہا جائے کہ اگر اسلام کی بات کی گئ تو یہ اسلام پسندوں کا اصل چہرہ ہے
اس طرح عوام کو اسلام سے بیزاری کی طرف مائل کیا گیا۔اور یہ ویڈیو بھی اسی سلسلے کی
کڑی ہے اسی طرح یہ جو فورسز پر اور امام بارگاہوں پر مساجد پر خود کش حملے اور بم
دھماکے ہو رہے ہیں یہ اسی سازش کا حصہ ہیں ہماری عوام سے اپیل ہے کہ وہ اس
حوالے سے محتاط رہیں اور سازش کو سمجھیں اور نادانستگی میں اس کا حصہ نہ بنیں

حقوق نسواں کے علمبرداروں کا اصل چہرہ

حقوق نسواں کے علمبرداروں نے سوات کے واقعے پر جس طرح فوری رد عمل کا اظہار کیا، اور جس طرح اس کی مذمت کی نہ صرف مذمت کی بلکہ اس کے خلاف فوری طور پر مظاہروں اور منظم مذمت کا سلسلہ بھی شروع کردیا گیا۔ یہ بہت ہی مستحسن قدم تھا جو کہ اٹھایا گیا تھا ہم اس بات کے حامی ہیں کہ ظلم کہیں بھی ہو اس کی مذمت اور بیخ کنی ہونی چاہیے اس لیے ہمیں اس پر بڑی خوشی ہے کہ کوئی ظلم کے آگے ڈھال بن جاتا ہے۔ یہ بات واضح رہے کہ اگرچہ یہ مبینہ واقعہ جس انداز میں پیش آیا وہ غلط ہے لیکن شریعت میں سرعام سزاؤں کا ہی ذکر ہے۔ اسلامی تاریخ میں ایک خاتون کا ذکر ملتا ہے کہ جس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں رجم کیا گیا تھا۔ وہ سرعام کیا گیا تھا نہ کہ کسی بند کمرے میں یا ڈھکی چھپی جگہ ۔اسی طرح اسلام میں قاتل کا سر قلم اور چور کے ہاتھ کاٹنے کی جو سزا ہے وہ سرعام دی جاتی ہے تاکہ معاشرے کے دوسرے لوگوں کو عبرت حاصل ہو، اور اگر کسی کے دماغ میں کوئی فتور یا فاسق اراد ہو تو وہ وہیں رک جاتا ہے۔ یہ ان سزاؤں کی حکمت ہوتی ہے اس لیے سرعام سزا کو غلط نہیں کہا جاسکتا ہے۔ یہ تو ایک ضمنی بات تھی۔ ہم بات کر رہے تھے کہ سوات کے واقعے پر حقوق انسانی اور حقوق نسوان کے علمبرداروں نے تقدیس مشرق کے ثنا خوانوں نے بہت شور مچایا اور اس کی مذمت

کی گئی۔ یہ مشکوک واقعہ پاکستان میں پیش آیا اور اس میں مبینہ طور پر طالبان اس میں ملوث ہیں۔اس لیے سب نے دل کی بھڑاس خوب نکالی۔ لیکن یہ ثناء خوان تقدیس مشرق امریکی ڈرون حملوں اور امریکہ کی حراست میں موجود بے گناہ، مظلوم ڈاکٹر عافیہ کے معاملے پر بالکل خاموش تھے۔ وہ ذہین خاتون جس کو اپنے ہی ملک سے اغواء کیا گیا، اور جو قریباً پانچ سال سے امریکہ اور افغانستان کی قید میں ہے جس کے تین میں سے ایک بیٹے کا پتہ ہے باقی دو بچوں کا کچھ اتا پتا نہیں ہے کہ وہ کہاں ہیں گمان غالب ہے کہ ان کے بچوں کو عیسائی مشنری اداروں یا یہودیوں کے پاس بھیج دیا گیا ہے اور ان مسلمان بچوں کو یہودی یا عیسائی بنا دیا گیا ہے، البتہ اس مظلوم خاتون کے لیے ان روشن خیالوں کے بقول دقیانوسی خیالات رکھنے والے مذہبی انتہا پسندوں نے اور نو مسلم برطانوی خاتون صحافی مریم ریڈلے نے آواز اٹھائی تھی۔ یاد رہے یہ وہی نو مسلم خاتون ہیں جو چند دن افغانستان میں طالبان کی قید میں رہی تھیں اور ان وحشی درندوں اور تنگ نظر ملاؤں اور جدید تہذیب سے بے بہرہ جاہل طالبان کے حسن سلوک اور اخلاق سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا تھا۔اس سے یہ بات سامنے آئی کہ اول تو اب طالبان کے نام کو استعمال کرکے اسلام کو بدنام کیا جارہا ہے۔ دوسرا یہ کہ ان نام نہاد حقوق کے علمبرداروں کو صرف اسلام کو بدنام کرنے کا موقع ملنا چاہیئے۔

آیئے ذرا جائزہ لیتے ہیں ان کی حقوق انسانی سے محبت: انتیس جنوری دو ہزار آٹھ کو شمالی وزیرستان میں ایک میزائل حملے میں بارہ افراد ہلاک ہو جاتے ہیں ان میں خواتین اور بچے بھی شامل ہیں، پورا ملک میں اس کی مذمت کی گئی البتہ یہ ثناء خوان تقدیس مشرق خاموش تھے۔

چودہ مئی دو ہزار آٹھ کو ڈمہ ڈولا میں امریکی مزائل حملہ بچوں سمیت سات افراد ہلاک: حقوق انسانی کے چیمپینز کو اس واقعے کی خبر شاید نہیں پہنچی اس لیے ان کی طرف سے خاموشی چھائی رہی۔

گیارہ اگست دو ہزار آٹھ باجوڑ میں گھر پر بمباری سات افراد ہلاک، مرنے والوں میں دو عورتیں اور بچے بھی شامل ہیں: ثناء خوان تقدیس مشرق کہاں تھے؟

دو ستمبر دو ہزار آٹھ کو باجوڑ ایجنسی میں سیکورٹی فورسز کی گولہ باری سے نو افراد ہلاک، مرنے والوں میں خواتین اور بچے بھی شامل تھے۔ ثناء خوان تقدیس مشرق کو شائد اس واقعے کی اطلاع نہیں ہوئی

تین ستمبر دو ہزار آٹھ کو افغانستان کے قریب ایک پاکستانی سرحدی گاؤں انگور اڈاہ میں امریکی اور اتحادی افواج کے کمانڈوز ہیلی کاپٹر کے ذریعے باقاعدہ

اتر کر ایک گھر میں داخل ہوئے اور فائرنگ کردی جس کے نتیجے میں بیس افراد ہلاک ہوگئے۔ان میں تین خواتین اور دو بچے بھی شامل تھے۔ ثناء خوان تقدیس مشرق کہاں تھے؟؟

اس کے دو دن بعد ہی شمالی وزیرستان میں امریکی میزائل حملوں میں تین بچے اور دو خواتین ہلاک۔ ثناء خوان تقدیس مشرق خاموش کیوں تھے؟؟

بارہ ستمبر دو ہزار آٹھ کو وزیرستان میں امریکی میزائل حملہ، بارہ ہلاک شدگان میں تین بچے اور دو خواتین بھی شامل ہیں۔ ثناء خوان تقدیس مشرق کہاں تھے؟؟

تین اکتوبر دو ہزار آٹھ کو امریکی میزائل حملے میں پندرہ ہلاک، ہلاک ہونے والوں میں عورتیں اور بچے بھی شامل ہیں: ثناء خوان تقدیس مشرق خاموش کیوں تھے؟؟؟

اور اتفاق کی بات ہے کہ جس وقت یہ ثنا خوان تقدیس مشرق، یہ نام نہاد حقوق کے علمبرادر، یہ آزادی نسواں کے حامی، یہ عورتوں کے حقوق کے چیمپئین سوات کے واقعے پر شور مچا رہے تھے،ایک عورت کی بے حرمتی پر آنسو بہا بہا کر ذمہ

داران کی پھانسی کا مطالبہ کر رہے تھے۔ عین اسی دن شمالی وزیرستان میں امریکی ڈرون حملوں میں ایک مکان تباہ ہوگیا، جس میں تیرہ اور بعض اطلاعات کے مطابق نو افراد جاں بحق ہوگئے، جن میں تین خواتین اور چار بچے بھی شامل تھے۔ یہ ثناء خوان مشرق اس وقت بھی ایک لفظ بھی اس واقعے کی مذمت میں نہ کہہ سکے کیوں؟؟ کیا اس لیے کہ یہ حملہ امریکہ نے، گوری چمڑی والوں نے کیا تھا اور مرنے والے پاکستانی تھے۔اور کیا یہ خواتین جو ہلاک ہوئیں ہیں کیا یہ اس ملک کی بیٹیاں، بہنیں نہیں تھیں کہ ان کے لیے بھی آواز اٹھائی جاتی۔

اور سنیے تیئس اگست دو ہزار آٹھ کو بلوچستان میں تین خواتین کو زندہ درگور کیا گیا، اس واقعے میں بلوچستان کے بڑے بڑے سردار ملوث تھے۔ سوات کے ذمہ دارارن کے خلاف کاروائی کا مطالبہ کرنے والوں نے اس واقعے کے ذمہ داران کے خلاف کیا ایکشن لیا؟ حالانکہ وہاں تو حکومت کی رٹ قائم ہے۔اور یہ تمام لوگ جو سوات واقعے کی مذمت کرنے میں پیش پیش ہیں یہ لوگ بھی تو حکومت کے اتحادی ہیں پھر اس واقعے کے ذمہ داران آزاد کیوں اور اس ممبر قومی اسمبلی کو ابھی تک نااہل کیوں نہیں قرار دیا گیا جس نے اس بہیمانہ واقعے کو اپنی قبائلی روایات کا حصہ قرار دیا تھا؟۔ ثناء خوان تقدیس مشرق نے اس حوالے سے کیا کام کیا ہے ؟؟؟کچھ نہیں

اور تو اور ابھی دو ہی دن پہلے سندھ میں ایک فرد نے شک کی بنیاد پر اپنی بیوی کی ناک کاٹ لی اس پر کہیں سے کوئی آواز نہیں اٹھائی گئی۔ کیوں؟؟؟

مندرجہ بالا تمام خبریں اور حقائق یہ بات ثابت کرتے ہیں کہ ان دین بے زار لوگوں کو کسی قسم کے انسانی حقوق یا حقوق نسواں کی کوئی فکر نہیں ہے نہ ہی یہ لوگ پاکستان اور اسلام کے خیر خواہ ہیں۔ بلکہ امریکی اور مغربی ممالک کی امداد پر پلنے والے ان لوگوں کا اپنا کوئی ایجنڈا نہیں ہے بلکہ یہ دین اور ملک دشمن عناصر کے ایجنڈے کے مطابق عمل کرتے ہیں اگر یہ ملک کے خیر خواہ ہوتے تو ان ڈرون حملوں پر بات کرتے، لال مسجد کے ظلم پر آواز آٹھاتے، زندہ درگور کی گئی بچیوں کے قتل پر آواز اٹھاتے، کتوں کے آگے ڈال کر، کتوں سے بھنبھوڑ کرا اور سر عام ایک مظلوم بچی کا حمل گرانے کے بعد اس کو قتل کرنے والے سندھ کے وڈیرے اور ظالموں کے خلاف آواز آٹھاتے، لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا سب خاموش رہے۔

ہماری عوام سے یہی گزارش ہے کہ وہ ان سے ہوشیار رہیں اور ان کی باتوں میں نہ آئیں۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

نائن الیون کے مشکوک واقعے کو بنیاد بنا کر جب امریکی درندہ مسلم ممالک اور عوام پر چڑھ دوڑا تھا اس وقت اس کے غیر اخلاقی اور غیر قانونی اقدامات کی حمایت کے لیے خود مسلم ممالک سے ہی امریکہ کے مددگار دستیاب ہوگئے تھے اور اب بھی ہیں۔ اس وقت امریکہ نے پاکستان اور دیگر ممالک کو حمایت نہ کرنے کی صورت میں پتھر کے دور میں پہنچانے کی دھمکی دی تھی۔امریکہ کی اس دھمکی کے بعد شاہ سے زیادہ شاہ کے وفاداروں نے فوراًاس قسم کی باتیں شروع کردیں کہ ہم امریکہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے،اگر امریکہ اپنی امداد بند کردے تو ہم بھوکے مرجائیں گے، ہماری معیشت تباہ ہوجائے گی الغتصر یہ کہ امریکہ ہی ان داتا ہے نعوذ باللہ رازق ہے اس کی ہی وجہ سے ہماری روزی روٹی چلتی ہے۔اس قسم کی باتیں اس تواتر سے پھیلائی گئیں کہ اچھے بھلے لوگ اس فریب میں آگئے۔ لیکن آج تقریباًآٹھ سال بعد اس ان داتا۔اس سپر پاور امریکہ اور اس کے سب سے بڑے حامی برطانیہ کا کیا حال ہے۔ یہ دیکھنا چاہیئے۔ یہ ایک عبرت کا منظر ہے بشرطیکہ کہ دیکھنے والی آنکھ ہو۔ مغرب میں گزشتہ سال سے مالی بحران کا جو سلسلہ شروع ہوااس نے پورے یورپ اور امریکہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور حال یہ ہے کہ وہاں دھڑادھڑ بینک بند ہورہے ہیں۔ادارے تباہ ہورہے ہیں اور کئی ممالک کی معیشت

دیوالیہ ہونے کے قریب ہے اس میں امریکہ اور برطانیہ سر فہرست ہیں۔امریکی لیبر ڈیپارٹمنٹ کے مطابق صرف اکتوبر دو ہزار آٹھ میں امریکہ کی شرح بیروزگاری چھ اعشاریہ پانچ فیصد سے بڑھ کر چھ اعشاریہ سات فیصد پر پہنچ گئی۔امریکہ میں صرف ایک سال میں بیس لاکھ افراد بے روزگار ہوگئے ہیں۔اور سپر پاور ہونے کا دعوے دار ملک اس وقت معاشی بحران کا شکار ہوگیا ہے اور صورتحال یہ ہے کہ غربت سے تنگ امریکیوں نے بڑے شہروں کا رخ کرلیا ہے۔بڑی بڑی کمپنیاں اور مالیاتی ادارے دیوالیہ ہوگئے ہیں اس کے علاوہ چونکہ وہاں لاکھوں افراد بے روزگار ہوگئے ہیں۔اس لیے اب وہ قسطوں پر لیے گئے گھروں کی اقساط یا کرایہ وغیرہ بھی ادا نہیں کرسکتے جس کے باعث بینکوں نے اور سرمایہ دار کمپنیوں نے ان افراد کو اقساط پر دیئے گئے گھروں کو واپس لینا شروع کیا ہے جس سے مزید حالات خراب ہونے کا خدشہ ہے اور امریکہ میں بھی خیمہ بستیاں آباد ہونا شروع ہوگئی ہیں ۔جس میں معاشی بحران سے متاثرہ وہ افراد جو کہ کرائے کا گھر افورڈ نہیں کرسکتے ہیں انکو بسایا گیا ہے۔ فاعتبرو یا اولی الابصار۔ لاس اینجلس کے قریب خیمہ بستی کو باقاعدہ ٹینٹ سٹی کا نام دیا گیا ہے۔اب اس بحران کے باعث بھوک اور افلاس کا بھی ایک طوفان امریکہ کا منتظر ہے اور اس کے باعث شرح اموات میں بھی اضافے کا خدشہ ہے۔

یہ تمام صورتحال اس سپر پاور کی ہے جس نے اپنے مخالف دشمنوں کو پتھر کے دور

میں پہچانے کی دھمکی دی تھی اور آج وہ خود اس صورتحال کاشکار ہے۔۔ فاعتبرو یا اولی الابصار

اس کے ساتھ ساتھ امریکہ کا بچہ جمہورا برطانیہ بھی ایسی ہی صورتحال کا شکار ہے برطانیہ میں بھی معاشی بحران منہ کھولے آگے بڑھ رہا اور معاشی بحران کا اژدھا بڑی بڑی کمپنیوں اور فرمز کو نگلتا جارہاہے۔برطانیہ میں رواں برس پینتیس ہزار سے زائد فرمز کے بند ہوجانے کا خدشہ ہے جس کے باعث ایک لاکھ پچیس ہزار افراد کے کاروبار ختم ہوجائیں گے اور اس کا اوسط تین سو بیالیس افراد روزانہ کی اوسط سے بیروزگار ہوجائیں گے۔اور جس رفتار سے بری بڑی سرمایہ کار فرمز بند ہورہی ہیں اس کا اوسط ایک دن میں پچانوے بنتا ہے۔۔ فاعتبرو یا اولی الابصار

یہ تمام اعداد و شمار کسی انتہا پسند یا مغرب دشمن ادارے کیجانب سے نہیں بنائے ہیں بلکہ یہ امریکہ اور برطانیہ کے اپنے اداروں نے مرتب کئے ہیں۔اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ آخر وہاں تو دہشت گردی نہیں ہے،وہاں تو انتہا پسندی نہیں ہے،وہاں تو روزانہ خود کش دھماکے نہیں ہورہے ہیں۔وہاں تو امن ہے کیوں کہ یورپ کا طریقہ واردات یہ ہے کہ میدان جنگ اپنے علاقے کو بنانے کے بجائے دوسرے کے علاقے کو بناتے ہیں۔تو وہاں تو ایسی صورتحال نہیں ہے جیسی

پاکستان، افغانستان، ایران وغیرہ کی ہے۔ پھر کیا وجہ ہے؟ بات صرف یہ ہے کہ یہ ان ممالک کا تمام کاروبار سود پر مبنی تھا یہ تمام یہودی سرمایہ کار کمپنیاں پوری دنیا کا سرمایہ سمیٹنے کے لیے اور اداروں اور ممالک کو اپنا غلام بنانے کے لیے سودی معیشت کے شکنجے میں جکڑنا چاہتی ہیں لیکن اب وہ خود اس کی لپیٹ میں ہیں۔اب ان لوگوں کو بھی اس پر غور کرنا چاہیئے کہ جو کہتے ہیں کہ اگر امریکہ ہماری امداد بند کردے تو ہم بھوکے مر جائیں گے۔دراصل یہ سارا سسٹم خود اپنے دام میں آگیا ہے۔عالم اسلام کے مشہور مفکر اور اسکالر مولانا مودودی نے ساٹھ سال پہلے اس کی پیش گوئی کی تھی کہ ایک وقت آئے کا کمیونزم کو ماسکو میں ناکام ہوجائے گا اور مغربی سرمایہ دارانہ نظام کو نیویارک اور واشنگٹن میں پناہ نہیں ملے گی۔اور وقت نے اس صاحب بصیرت کی دونوں باتیں سچ ثابت کی ہیں۔شائد اسی لیے شاعر نے کہا تھا کہ دلِ بینا بھی خدا سے کر طلب۔ کہ آنکھ کا نور دل کا نور نہیں ہوتا۔

کراچی: سٹی گورنمنٹ کا ایک مستحسن کارنامہ

گزشتہ دنوں یہ خبر ڑھ کر اور بعد میں یہ دیکھ کر بھی بہت خوشی محسوس ہوئی کہ کراچی سٹی گورنمنٹ نے لیاقت آباد ٹاؤن میں ایک اون کراچی پارک کا افتتاح کیا۔ پارک، پلے گراؤنڈ، اور باغات جہاں شہریوں کی ایک اہم ضرورت ہوتے ہیں وہیں یہ باغات اور پارکس شہر کی کو خوبصورتی میں بھی اضافہ کرتے ہیں۔ لیکن کراچی اون پارک اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ یہ چالیس دن کی ریکارڈ مدت میں مکمل کیا گیا ہے۔ اس سے جہاں تعمیراتی اخراجات میں کمی واقع ہوئی وہیں عوام کو ایک معیاری تفریح گاہ کا تحفہ بھی بر وقت مل گیا۔ اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے وہ کم ہے۔ اگر یہی جذبہ، یہی سوچ رہی تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اس گلوبل ولیج بنتی دنیا میں اپنے ملک کا نام روشن کریں۔

سٹی گورنمنٹ نے جہاں اس پارک کی تعمیر میں دلچسپی لے کر اس پایہ تکمیل تک پہنچایا ہے وہیں سٹی گورنمنٹ چاہیئے کہ جو پارک ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہیں یا جہاں توجہ کی کمی ہے وہاں بھی دھیان دے کر ان کو بھی مزید خوبصورت بنایا جائے کیوں کہ ہمارے اس شہر میں فیملی پارکس کی تعداد بہت محدود ہے اگر اس میں بھی کچھ پارکس ٹھوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائیں گے تو اس سے عوام کو پریشانی

ہو گی۔ بہرحال لیاقت آباد ٹاؤن میں اون کراچی پارک کی ریکارڈ مدت میں تعمیر ایک اچھا کارنامہ ہے جس کی سراہا جانا چاہیے اور میں اس فورم کے ذریعے سٹی ناظم جناب مصطفیٰ کمال اور ان کی ٹیم کو مبارکباد پیش کرتا ہوں،اور اللہ سے دعا ہے کہ یہ یہی جذبہ ہمارے تمام ذمہ داران کے دلوں میں بھی بیدار ہو جائے تاکہ مہنگائی، مصائب اور پریشانیوں کے شکار عوام کو ریلیف مل سکے۔

گھڑی کی سوئیاں، بجلی کا بحران، حل کیا ہے؟

وطن عزیز میں توانائی کا بحران شدت اختیار کرتا جا رہا ہے اور پورے ملک میں بجلی کی لوڈ شیڈنگ کا سلسلہ بڑھتا جا رہا ہے۔ حالانکہ کہ ابھی موسم گرما کا آغاز ہی ہے لیکن ابھی سے بارہ بارہ گھنٹے کی لوڈ شیڈنگ ہو رہی ہے اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جب موسم گرما کی شدت ہو گی اور بجلی کا استعمال زیادہ ہو گا اس وقت کیا حال ہو گا۔ ارباب اختیار اس بحران کو حل کرنے کے لیے مختلف اقدامات کرتے رہتے ہیں۔ اور اسی سلسلے میں پندرہ اپریل سے پاکستان کے معیاری وقت کو ایک گھنٹہ آگے بڑھانے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ یہ فیصلہ گزشتہ سال بھی کیا گیا تھا۔ اگرچہ ہم اس سے خاطر خواہ فائدہ نہیں اٹھا سکے تھے لیکن یہ بالکل مناسب فیصلہ ہے اور ترقی یافتہ ممالک میں سورج کی روشنی کو استعمال میں لانے کے لیے ایسا کیا جاتا ہے۔ لیکن چونکہ ہمارے ملک میں یہ طریقہ کار بالکل نیا ہے اور عوام ابھی اس کے عادی نہیں ہوئے ہیں اس لیے تھوڑی سی مشکلات پیش آتی ہیں۔ اس حوالے سے سب سے بڑا اعتراض تو یہ کیا جاتا ہے کہ اس سے نماز کے اوقات متاثر ہو جاتے ہیں اور بہت پیچیدگیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اگر دیکھا جائے تو یہ اعتراض مناسب نہیں ہے۔ دیکھیں دین اسلام کوئی ساکت و جامد دین نہیں ہے۔ بلکہ ہر دور

کے لیے ہے اور اللہ رب العالمین جو عالم الغیب ہے اس پاک رب کو پتا ہے کہ کیا ہونے والا ہے اسی لیے اللہ نے ہمیں بتایا کہ سورج اور چاند سے اپنے اوقات کا تعین کریں، یعنی چاند سے اپنی تاریخوں کا اور سورج سے اپنے وقت کا تعین کریں۔ تو یہ بات سمجھنے کی ہے کہ گھڑی تو ایک سہولت ہے جس سے اوقات کا درست ترین تعین کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔ جبکہ نماز کے اوقات کا تعلق گھڑی کے بجائے سورج سے ہوتا ہے۔ اسلیے یہ کہنا درست نہیں ہے کہ اس سے نمازوں کے اوقات متاثر ہوتے ہیں۔ دوسری بات اگر گزشتہ سال اس سے فائدہ نہ اٹھایا جاسکا تو اس میں ہمارے عمومی مزاج کا قصور ہے کیوں کہ ہمارا مزاج اب شام ڈھلے خریداری اور رات گئے جاکر سونا اور صبح دیر سے بیدار ہونا یہ ہمارے معمولات ہوتے ہیں۔ سوائے دودھ، بیکری، یا ایسی دکانیں جہاں ناشتہ تیار ہوتا ہے وہی دکانیں صبح سویرے کھلتی ہیں جبکہ دوسری دکانیں دس بجے تک اور مارکیٹیں عموماً گیارہ بجے تک کھلتی ہیں تو اب بتائیں کہ اس میں حکام کا قصور ہے یا ہمارا؟ کس نے کہا ہے کہ شام ڈھلے مارکیٹ جائیں؟ کس نے کہا ہے کہ سورج چڑھے تک سوتے رہیں؟ اب یہ تو عام سی باتیں ہیں جن پر لوگوں کو ویسے ہی عمل کرنا چاہیے ان باتوں پر عمل کے لیے تو کوئی بھی حکومت کچھ نہیں کرسکتی ہے۔اس کے لیے تو لوگوں کو خود ہی کوشش کرنی ہوگی۔اس لیے میرے خیال میں یہ کہنا کہ گھڑیاں آگے کرنا کا فیصلہ درست نہیں ہے۔ بالکل بے جا ہے۔

یہ تو گھڑی کا ایک گھنٹہ آگے کرنے کا مسئلہ تھا اب ہم زرا جائزہ لیتے ہیں کہ بجلی بحران کیوں پیدا ہوا؟اس کے اسباب کیا ہیں ؟اور کیا ہم اس کو دور نہیں کر سکتے ہیں؟؟
سابقہ دور حکومت میں عوام کو حقیقی ریلیف دینے کے بجائے ان کو مصنوعی خوشیاں فراہم کی گئیں اور عوام کو بنیادی ضروریات زندگی کی باآسانی فراہمی کے بجائے وہ اشیاء جو کارآمد تو ہیں لیکن بنیادی ضرورت میں شمار نہیں ہوتی ہیں انکو سستا کیا گیا۔بنیادی ضروریات یعنی آٹا، دال، چاول، گھی، اشیائے خوردونوش، صحت، تعلیم کو آسان اور سستا کرنے کے بجائے سودی نظام کو فروغ دیتے ہوئے آسان اقساط کے نام پر عوام کو ڈی وی ڈی پلیئر، ٹی وی،اے سی، اسپلٹ، مائیکرواوون، اور دیگرجدید الیکٹرک آلات کو عام کیا گیا۔اور یہ سلسلہ اتنا عام ہوا کہ کئی اداروں نے تو ایڈوانس کے بجائے.براہ راست یہ اشیاء اقساط پر فراہم کرنا شروع کی گئی۔ (یہاں یہ بات واضح کرتا چلوں کہ جو کمپنیاں اور ادارے اقساط پر سامان بیچنے کا کاروبار کرتے ہیں ان کے معاہدے کے مطابق کوئی چیز نہ بیچی جاتی ہے نہ خریدی جاتی ہے بلکہ ایک مقررہ رقم کے عوض کرائے پر دی جاتی ہے یعنی اگر کبھی کوئی ادارہ اپنی فراہم کردہ کسی چیز کو واپس لینا چاہے تو وہ اس کا مجاز ہے۔) اب چونکہ عوام کے لیے یہ ایک سرپرائز تھا کہ وہ اشیاء جو کبھی دس بارہ ہزار یکمشت یا ڈھائی تین ہزار

روپے ماہانہ کی اقساط کے حساب سے ملتی تھی اب وہ پانچ پانچ ہزار یا آٹھ آٹھ سو روپے ماہانہ قسط میں دستیاب ہیں تو عوام فوراًاس کی جانب لپک پڑے اور ان الیکٹرک اشیاء کی اندھا دھند فراہمی سے بجلی کے استعمال میں ایک دم اضافہ ہوگیا۔ دیکھیں ان اشیاء کی اہمیت سے انکار نہیں لیکن یہ اشیاء بہرحال بنیادی ضرورت نہیں ہیں۔ پھر آپ یہ دیکھیں کہ پہلے اگر ایک گھر میں ایک ٹی وی ایک فرج ایک وی سی آر یا سی ڈی پلیئر ہوتا تھا اب ایک گھر میں اگر چار بھائی رہتے ہیں تو اس گھر میں کم از کم چار ٹی وی اور دو فرج تو ہوتے ہیں۔اور ایک محتاط اندازے کے مطابق ہر دسویں گھر میں اسپلٹ ،اے سی لگے ہوتے ہیں۔حکومت نے عوام کو یہ اشیاء کو فراہم کر دی لیکن اس کے ساتھ ساتھ بجلی کی پیداوار بڑھانے پر دھیان نہیں دیا گیا جس کا لازمی نتیجہ بجلی کے بحران کی صورت میں نکلنا تھا اور وہ نکلا بھی۔

یہ بجلی کے بحران کی ایک وجہ تھی دوسری اہم بات جو سامنے آئی ہے کہ کراچی میں کے ای ایس سی کی انتظامیہ نے اخراجات کو کم کرنے کے لیے اپنے کئی پلانٹ بند کیے ہوئے ہیں تاکہ ایندھن کی بچت کی جاسکے اور اس کا خمیازہ عوام کو بھگتنا پڑ رہا ہے۔(یہ بھی ایک تماشہ ہے کہ بجلی ندارد لیکن نرخ بڑھتے جارہے ہیں)۔

اس کے علاوہ حکومتی سطح پر بجلی کی کمی کا رونا تو رویا جاتا ہے لیکن

دارالحکومت سمیت کئی شہروں میں دن بھر اسٹریٹ لائیٹ کھلی رہتی ہیں، سرکاری دفاتر میں بے دریغ بجلی کا استعمال کیا جاتا ہے اور سرکاری دفاتر میں جہاں جہاں بھی اے سی کی سہولت فراہم کی گئی ہے وہاں سارا سارا دن اے سی چلتے رہتے ہیں۔ یہ تو بجلی کے بحران کے کچھ اسباب تھے یقیناً مندرجہ بالا وجوہات کے علاوہ بھی کئی اور وجوہات بھی ہونگی لیکن فی الحال ہمارے ذہن میں یہی ہیں

کچھ باتیں جن پر عمل کیا جائے تو ہم کافی حد تک بجلی کی بچت کر سکتے ہیں۔

حکومت کو یہ فیصلہ کرنا چاہیے کہ آئندہ کوئی بھی سرکاری تقریب رات میں منعقد نہ کی جائے بلکہ دن کی روشنی میں منعقد کی جائے تاکہ اس طرح بجلی کم سے کم خرچ ہو۔

شہروں میں عموماً شادی کی تقریبات رات گئے تک جاری رہتی ہیں جس میں بے تحاشہ چراغاں کیا جاتا ہے اور لائیٹس جلائی جاتی ہیں۔ اور شادی ہالز بھی رات گئے تک کھلے رہتے ہیں اس حوالے سے شادی ہالز کی انتظامیہ کو پابند کیا جائے کہ وہ لازماً شادی ہال کو رات گیارہ بجے تک بند کردیں اور اس ضمن میں کوئی کوتاہی نہ برتی جائے۔

اس کے ساتھ ساتھ آج کل یہ بھی اک رجحان بن گیا ہے کہ کرکٹ میچ وغیرہ بھی رات

کو منعقد کیے جاتے ہیں تو حکومت سطح پر اس بات کی کوشش کی جائے کہ کوئی بھی کرکٹ میچ یا دوسرا کوئی ٹورنامنٹ نائٹ کے بجائے ڈے لائٹ میں کرایا جائے تو اس سے بھی بجلی کی خاطر خواہ بچت کی جا سکتی ہے۔اگر حکومتی سطح پر یہ اقدامات کیے جائیں گے تو میں نہیں سمجھتا کہ عوام بھی حکومت کا ساتھ نہ دیں۔

عوام کو بھی چاہیے کہ وہ بجلی کے استعمال میں کفایت شعاری کا مظاہرہ کریں۔اگر گھر میں بلب لگے ہیں تو ان کو انرجی سیور سے تبدیل کیا جائے، تمام غیر ضروری آلات بجلی کو بند رکھا جائے۔آج کل ٹی وی کی نشریات چوبیس گھنٹے جاری رہتی ہیں لیکن اس میں تمام پروگرامات نشر مکرر کے طور پر پیش کیے جاتے ہیں اس لیے کوشش کریں کہ ٹی وی وغیرہ کا استعمال بھی کم کیا جائے۔

یہ ایک جائزہ اور کچھ تجاویز تھیں جو ہم نے آپ کے سامنے رکھی ہیں اگر حکومت اور عوام ان باتوں پر عمل کریں تو یقیناً ہم بہت جلد بجلی کے اس بحران سے نکل سکتے ہیں۔

کچھ وقت اولیاء کرام کی صحبت میں - پہلا حصہ

برصغیر پاک و ہند اور مشرق وسطی میں اولیاء کرام کا بہت اثر و رسوخ ہے کیوں کہ ان پاک ہستیوں نے ان معاشروں میں دعوت الی اللہ، اپنے اخلاص اور حسن خلق کے ذریعے لوگوں کے دل جیت لیے تھے۔ان تمام درویش صفت افراد نے اپنی زندگیاں اللہ کی راہ میں کھپا دیں یہ تمام لوگ دین کے ساتھ مخلص تھے آج ایک المیہ یہ بھی ہے کہ یہ تمام اولیاء کرام ساری زندگی لوگوں کو اسلام کی اور توحید کی دعوت دیتے رہے لیکن ہم لوگوں نے ان کی سیرت کے بجائے صرف ان کے مزارات پر جانے ہی کو کافی سمجھ لیا ہے (یہ ایک الگ بحث ہے کہ مزارات پر جانا درست ہے یا نہیں اور اس فروعی بحث میں الجھنا بھی مناسب نہیں ہے) صرف مزارات پر جانا ہی کافی نہیں ہے بلکہ اصل بات یہ ہے کہ انہوں نے ساری زندگی جس مقصد کے لیے کھپا دی کیا ہم نے وہ مقصد حاصل کرلیا ہے؟ کیوں کہ مشہور بزرگ حضرت ابو علی دقاق رح کے پاس ایک شخص بڑی دور سے چل کر آیا اور عرض کی کہ فلاں جگہ سے آپ کی زیارت کے لیے حاضر ہوا ہوں۔آپ نے فرمایا کہ جس مقصد کے لیے تم آئے ہو وہ محض طویل سفر طے کرنے سے حاصل نہیں ہو سکتا اسے حاصل کرنے کے لیے اپنے نفس پر قابو پانے کی کوشش کرو پھر ہی کامیابی ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ ایک بات کی اور بھی وضاحت ضروری ہے کہ ہمارے بہت سے سادہ لوح بھائی جوش عقیدت میں اتنا آگے بڑھ جاتے ہیں کہ وہ اولیاء کرام کا رتبہ اور کرامات بیان کرنے میں بعض اوقات اتنا آگے بڑھ جاتے ہیں کہ اولیاء کرام کی صفات نعوذ باللہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی زیادہ بیان کردیتے ہیں اس میں ان بھائیوں کی نیت کا کوئی کھوٹ نہیں ہوتا بلکہ یہ محض نادانی اور کم علمی کے باعث ایسا کرتے ہیں اس میں بنیادی بات یہ یاد رکھنے کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے محبوب ترین بندے اور نبی ہیں تو جو کرامات اللہ نے اپنے محبوب ترین نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں عطا کیں تو وہ ان کے کسی امتی کو کیسے عطا کی جاسکتی ہیں۔اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے۔اب آیئے ذرا ان بزگان کی صحبت میں کچھ وقت گزارتے ہیں۔

آج ہمارے معاشرے میں جس فرد کو اختیار و اقتدار میں ایک ذار سا بھی حصہ ملتا ہے تو وہ پھولا نہیں سماتا ہے۔اور اس کے ساتھ ساتھ وہ پہلا کام اپنے عزیز و اقارب کو نوازنے کا کرتا ہے لیکن صاحب بصیرت اور اہل حق اس کو کیا سمجھتے تھے اس کا اندازہ اس واقعے سے ہوتا ہے کہ ایک صحابی حضرت ہرم بن حیام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کوئی سرکاری عہدہ سپرد کیا حضرت ہرم بن حیام رضی اللہ عنہ کو اس بات کا احساس تھا کہ عزیز و اقارب اور دوست احباب کہیں ان کو کسی بات کے لیے مجبور نہ کریں یا

سفارشیں نہ لائیں اس کے لیے انہوں نے اپنے گھر کے سامنے اسطرح آگ جلوا دی کہ آگ کا ایک پردہ ان کے اور احباب کے درمیان حائل ہوگیا ان کے دوست احباب اور اعزہ حسب توقع آئے لیکن مکان کے اندر نہ جاسکے کہ سامنے آگ جل رہی تھی دور سے سلام کرکے وہیں رک گئے آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ رک کیوں گئے؟ جواب ملا کہ کیسے آئیں ہمارے اور آپ کے درمیان تو آگ حائل ہے۔فرمایا تم لوگ اس معمولی آگ سے نہیں گزر سکتے لیکن مجھے جہنم کی دہشت ناک آگ میں جھونکنا چاہتے ہو! وہ لوگ آپ کا مطلب سمجھ گئے اور واپس ہوگئے۔

کسی انسان کے لیے یہ بڑا مشکل ہوتا ہے کہ وہ اپنی کسی بات سے رجوع کرے یعنی اپنی غلطی تسلیم کرے آئیں دیکھیں کہ حضرت ذوالنون مصری اس حوالے سے کیا فرماتے ہیں۔ایک شخص حضرت ذالنون مصری رح کی خدمت میں حاضر ہوا اور خواہش ظاہر کی کہ آپ اسے کوئی نصیحت کریں جو ہمیشہ کام آتی رہے، حضرت ذالنون رح نے فرمایا بس یہ خیال رکھنا کہ کہیں لوگوں کے عیوب کی چھان بین تم کو اپنے عیوب پر نظر ڈالنے سے غافل نہ کردے- یاد رکھو کہ اللہ تعالی نے تم کو دوسروں پر نگران مقرر نہیں کیا ہے، پھر فرمایا کہ حق تعالی کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ شخص وہ ہے جو سب سے عقلمند ہو اور عقلمندی یہ ہے کہ جب ان کو حق بات بتائی جائے تو وہ اس کو فوراً قبول کرتے ہیں خواہ حق بات کہنے والا مرتبہ حیثیت میں کتنا ہی کمتر کیوں نہ ہو۔دوسرے اگر س سے غلطی ہوجائے تو اس

کا اعتراف کرنے میں مطلق نہ ہچکچائے۔ تیسرے یہ کہ اگر کوئی شخص اس سے بات کرے ۔تو وہ اسکو پوری توجہ اور غور سے سنے اگرچہ وہ اس کو پہلے سے جانتا ہو۔

آج کی دنیا میں ایک رجحان عام ہوگیا ہے کہ لوگ بھوک اور افلاس کے خوف میں مبتلا ہوگئے ہیں۔ معیشت کو ہی سب کچھ سمجھ لیا گیا ہے اور اسی بات کو بنیاد بنا کر مغرب نے نس بندی یا خاندانی منصوبہ بندی کا شوشہ چھوڑا ہوا ہے ،اور لوگ وہ خالق وہ مالک جو رازق ہے، جو ایک پتھر میں رہنے والے کیڑے کو بھی رزق پہنچاتا ہے اس کے اوپر توکل نہیں کرتے ہیں ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت شبلی رح کے پاس جاکر اپنی تنگی، معاشی پریشانیوں اور کثرت عیال کا ذکر کیا تو حضرت شبلی رح نے فرمایا کہ ایک کام کر اپنے گھر میں جاکر دیکھو جس کسی کا رزق خدا کے ذمہ نہ ہو اس کو نکال دے، وہ شخص شرمندہ ہو کر خاموش ہوگیا اور دوبارہ کبھی حرف شکایت زبان پر نہ لایا۔ اسی طرح ایک دفعہ حضرت بایزد بسطامی رح نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تو امام مسجد نے پوچھا کہ آپ نہ تو کسی سے کچھ طلب کرتے ہیں اور نہ کچھ کام کرتے ہیں تو پھر آپ کی گزر بسر کس طرح ہوتی ہے، آپ نے فرمایا کہ ذرا صبر کرو پہلے میں اپنی نماز دہرالوں کیوں کہ ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا درست نہیں جو رزق دینے والے کو نہ جانتا ہو۔

آج ہم لوگ دنیاداری میں اتنے مگن ہوگئے ہیں کہ ہمارا دھیان اپنے مسائل، دنیا داری، کاروبار میں ہی لگا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اب نماز میں بھی ہم لوگوں کا دھیان کاروبار ہی میں لگا رہتا ہے۔ یہ دنیا داری ہی اللہ سے لو لگانے کی راہ میں حائل ہو جاتی ہے۔ حضرت خواجہ فریدالدین عطاری مشہور بزرگ گزرے ہیں فقر اختیار کرنے سے پہلے وہ ایک بڑے کاروبار کے مالک تھے ایک دن وہ اپنی دکان میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک درویش ادھر آنکلا اس نے سوال کیا کہ بابا راہ خدا میں کچھ فقیر کو دیدو، لیکن آپ رح نے کوئی توجہ نہیں کی جب اس نے بار بار اپنا سوال دہرایا تو خواجہ صاحب نے تنگ کر کہا میاں اپنا راستہ ناپو دیوانوں کی طرح کیوں گھور رہے ہو؟اس درویش نے کہا بابا میں تو اپنا راستہ لونگا لیکن تم اپنا راستہ کیسے لوگے ؟ خواجہ صاحب نے حیرت سے پوچھا کہ میرے اور تمہارے راستہ لینے میں کیا فرق ہے؟درویش نے پوچھا اچھا کیا تو میری طرح مر سکتا ہے؟خواجہ صاحب نے کہا ہاں بے شک، درویش نے کہا اچھا دیکھ میں کیسے مرتا ہوں یہ کہہ کر درویش اپنا کمبل سر کے نیچے رکھ کر لیٹ گیا اور پھر ایک بار زور سے اللہ کہہ کر وفات پاگیا، یہ واقعہ دیکھ کر خواجہ فرید الدین عطار کی حالت متغیر ہو گئی، ساری دکان کھڑے کھڑے لٹادی اور راہ فقر اختیار کی۔

ایک دفعہ شیخ ابوسعید ابوالخیر صوفیوں کے ایک گروہ کے ساتھ کہیں جارہے

تھے، راستے میں ایک جگہ سنڈاس کو صاف کیا جارہا تھا ہر طرف غلاظت بکھری ہوئی تھی اور سخت بدبو پھیلی ہوئی تھی، سب صوفی وہاں رک گئے اور اپنے ناکوں پر رومال رکھ کر ادھر ادھر منتشر ہوگئے لیکن شیخ ابو سعید رح وہاں کھڑے رہے اور فرمانے لگے اے لوگو! جانتے ہو یہ نجاست اس وقت زبان حال سے کیا کہہ رہی ہے؟ لوگوں نے کہا آپ ہی بتائیں۔آپ نے فرمایا کہ یہ نجاست کہتی ہے کہ کل میں بازار میں مٹھائی اور خوش رنگ پھلوں کی شکل میں دکانوں کی زینت بنی ہوئی تھی اور لوگ پیسے خرچ کرکے مجھ کو دھڑا دھڑ خرید رہے تھے اور اب میں صرف رات تمہارے پیٹ میں پہنچ کر اس حالت کو پہنچ گئی ہوں حق تو یہ ہے کہ مجھے تم لوگوں سے بھاگنا چاہیئے لیکن اس کے بر عکس تم مجھ سے بھاگ رہے ہو۔

حضرت شیخ ابو العباس رح ایک مرتبہ اخروٹ خریدنے گئے، دکان دار نے ملازم سے کہا اچھے اچھے اخروٹ چن کر دینا، شیخ نے پوچھا کہ جب کوئی شخص اخروٹ خریدنے آتا ہے تو کیا تم ہمشہ نوکر کو یہی حکم دیتے ہو، اس نے کہا نہیں یہ تو میں نے آپکے علم کی وجہ سے کہا ہے،آپ رح نے یہ سن کر جواب دیا بھائی میں یہ چند اخروٹوں کے عوض اپنا علم فروخت نہیں کرسکتا۔یہ کہہ کرآپ اخروٹ لیئے بغیر چلے گئے (جاری ہے)۔

کچھ وقت اولیاء کرام کی صحبت میں دوسرا حصہ

حضرت ابراہیم ادھم رحمتہ اللہ علیہ

حضرت ابراہیم ادہم رح نے ایک دفعہ ایک غلام خریدا اس کو لیکر گھر پہنچے اور پوچھا کہ کیا کھاؤ گے؟

غلام: آپ جو کھلائیں گے کھالوں گا۔

ابراہیم ادھم: کیا پہنو گے؟

غلام: آپ کو جو پہنائیں گے پہن لوں گا۔

ابراہیم ادھم: تمہارا نام کیا ہے؟

غلام: آپ جس نام پکاریں گے وہی میرا نام ہوگا۔

ابراہیم ادھم: کیا کام کروگے؟

غلام: آپ جس کام کے لیے حکم دیں گے۔

ابراہیم ادھم: تمہاری کوئی درخواست؟

غلام: غلام کو درخواست سے کیا کام؟

حضرت ابرہیم ادہم غلام کی گفتگو سن کر گم صم رہ گئے اور پھر اپنا گریبان پکڑ کر کہنے لگے اے بندہ مسکین تو بھی اپنے آقا سے اسی طرح پیش آ جس طرح یہ غلام کہتا ہے بہت دیر تک آپ پر نیم بے ہوشی طاری رہی اس کے بعد اس غلام کو

آزاد کر دیا۔

واقعی ہم بھی تو اللہ کی بندگی کا دعویٰ کرتے ہیں، بندگی یعنی غلامی تو یہ ہوتی ہے جو اس غلام نے بیان کی واقعی ایک غلام تو وہی ہوتا ہے جو مالک کی رضا میں راضی رہے، اس کی اپنی کوئی مرضی نہیں ہوتی ہے، مالک جس حال میں بھی رکھے اسی حال میں رہنا چاہیئے۔ اگر مالک نے اچھے حال میں رکھا تو یہ اس کا احسان ہے اگر مالک نے تنگی اور ترشی میں بھی رکھا ہے تو بندگی کا تقاضہ یہی ہے کہ اس پر کوئی گلہ نہ کیا جائے۔

ایک دفعہ کسی شخص نے حضرت ابرہیم ادہم رح سے پوچھا کہ کیا سبب ہے کہ ہم خدا کو پکارتے ہیں اور وہ ہماری دعائیں قبول نہیں کرتا۔ حضرت ابرہیم ادہم رح نے فرمایا کہ اس لیے کہ خدا تعالیٰ کو جانتے ہو مگر اس کی عبادت نہیں کرتے ۔اس کے رسول برحق کو پہچانتے ہو مگر اس کی سنت کی پیروی نہیں کرتے۔ قرآن پڑھتے ہو مگر اس پر عمل نہیں کرتے۔ حق تعالیٰ کی نعمت کھاتے ہو مگر اس کا شکر ادا نہیں کرتے۔ جانتے ہو کہ بہشت مطیع ار فرمانبردار لوگوں کے لیے آراستہ ہے اس کے باوجود اس کی طلب نہیں کرتے۔ جانتے ہو کہ جہنم کو گناہ گاروں کے لیے آہنی زنجیروں سے آراستہ کیا گیا ہے پھر بھی اس سے نہیں بھاگتے ہو۔ جانتے ہو کہ شیطان ہمارا دشمن ہے مگر اس کے ساتھ عداوت کے بجائے موافقت رکھتے ہو ۔

جانتے ہو کہ موت ضرور آئے گی لیکن اس کا سامان (یعنی اعمال صالحہ) نہیں کرتے۔
ماں باپ اور فرزندوں کو خاک میں دفن کرتے ہو مگر عبرت حاصل نہیں کرتے۔
اپنے عیبوں سے تو باز نہیں آتے اور دوسروں کی عیب جوئی میں مشغول رہتے ہو۔ پس جس انسان کا یہ حال ہو تو اس کی دعا کیوں کر قبول ہو سکتی ہے۔
ایک دفعہ ایک شخص حضرت ابرہیم ادہم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ اے شیخ بہت گناہ گار ہوں اپنے اوپر بہت ظلم کیا ہے، مجھے کوئی نصیحت کیجئے تاکہ اس پر عمل کروں۔ حضرت ابرہیم ادہم نے کہا کہ میں تمہیں کیا نصیحت کروں بس کچھ باتیں ہیں اگر ان پر عمل کرلے تو پھر تجھے کچھ نہیں کہے اول یہ کہ جب تو معصیت (گناہ) کرے تو اللہ کا دیا ہوا رزق نہ کھانا۔ اس شخص نے کہا کہ یہ کیسے ممکن ہے رازق تو اللہ ہی ہے اس کے علاوہ کہاں سے کھاؤں گا؟
فرمایا یہ بات اچھی نہیں کہ آقا (اللہ) کی نافرمانی بھی کرے اور اس کا رزق بھی کھائے۔
دوسری بات جب گناہ کرے تو اللہ کی زمین سے نکل کر گناہ کیا کر (یا اس کے ملک سے نکل جا) اس شخص نے کہا مشرق و مغرب، شمال و جنوب ہر سمت ہر جگہ اللہ کی ہے آخر میں کہاں جا سکتا ہوں؟
فرمایا یہ اچھی بات نہ کہ تو اسی کے ملک میں رہے اور اسی کی نافرمانی کرے۔
(تیسری بات یہ کہ جب تو گناہ کرنا چاہے تو ایسی جگہ کر جہاں وہ (اللہ

تجھے نہ دیکھ سکے۔ کہا حضرت اللہ تو ہر جگہ حاضر و ناظر ہے اور دل کی پوشیدہ باتوں کو بھی جانتا ہے، ایسی جگہ کونسی ہے جہاں وہ موجود نہ ہو؟

فرمایا یہ بات اچھی نہیں کہ تو اس کو حاضر و ناظر بھی جانے اور پھر اس سے بے دھڑک ہو کر گناہ کرے۔

چوتھی بات یہ کہ جب ملک الموت تیری روح قبض کرنے آئے تو اس کو کہہ دے کہ مجھے توبہ کی مہلت دے۔اس نے کہا بھلا ملک الموت میری بات کیوں مانے گا وہ تو مقررہ وقت پر ہی روح قبض کرے گا؟

فرمایا جب تم کو یہ اختیار نہیں کہ توبہ کے لیے مہلت حاصل کرو تو پھر جو وقت کو غنیمت کیوں نہیں جانتے اور ملک الموت کے آنے سے پہلے توبہ کیوں نہیں کر لیتے؟

پانچویں بات جب قبر میں تیرے پاس منکر نکیر آئیں تو ان کو اپنے پاس سے دور کر دے۔ (کہہ دینا کہ میں تمہارے سوالوں کے جواب نہیں دونگا)۔اس شخص نے کہا حضرت منکر نکیر کو کون منع کرے گا وہاں کو جواب دینا ہی پڑے گا۔

فرمایا اگر یہ طاقت نہیں ہے تو پھر ان کے سوالوں کے جواب دینے کے لیے اپنے آپ کو آمادہ کر۔

چھٹی بات یہ کہ قیامت کے دن جب حکم ہوگا کہ گناہ گاروں کو دوزخ میں لے جاؤ تو اس وقت یہ حکم ماننے سے انکار کر دینا کہ دینا کہ میں جہنم میں نہیں جاؤں گا میں تو جنت میں جاؤں گا۔اس شخص نے بڑی بے بسی سے کہا حضرت میرے کہنے سے

کیا ہوگا وہ تو گناہ گاروں کو زبردستی گھسیٹ کر دوزخ میں لے جائیں گے۔
آپ نے فرمایا اے شخص میں تجھے کیا نصیحت کروں تُو تو سب کچھ جانتا ہے۔ پھر گناہ سے باز کیوں نہیں آتا ہے۔
اس شخص پر حضرت کی ان باتوں کا اتنا اثر ہوا کہ زار زار رونے لگا یہاں تک کہ دل کی معصیت کی سیاہی دور ہو گئی۔ اسی وقت سچے دل دے توبہ کی اور مرتے دم تک اس پر قائم رہا۔
محترم قارئین اس میں ہمارے سوچنے کی ایک بات ہے کہ کیا میں اور اپ بھی یہ سب کچھ نہیں جانتے ہیں؟ پھر کیوں نہ ہم بھی آج ہی سچے دل سے توبہ کرلیں

اجمل قصاب اقبالی بیان سے منحرف

ممبئ حملوں کے واحد زندہ بچ جانے والے ملزم اجمل قصاب عدالت میں اپنے سابقہ اقبالی بیان سے منحرف ہوگیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اس سے یہ بیان زبردستی لیا گیا ہے اور ایک بیان لکھ کر اس پر زبردستی اس کے دستخط لیے گئے ہیں اور اس پر پولیس نے تشدد بھی کیا ہے۔

گزشتہ سال چھبیس نومبر کی شام کو جب ممبئ پر جس ڈرامائی حملے کا آغاز ہوا اس کو چوبیس گھنٹے بھی نہیں گزرے تھے کہ بھارتی میڈیا نے ان میں پاکستان کے ملوث ہونے کا راگ الاپنا شروع کر دیا۔ حملہ آوروں پر قابو پانے میں بھارتی حکومت کو ساٹھ گھنٹوں سے زائد لگے جس میں ڈیڑھ سو سے زائد افراد ہلاک ہوئے۔ یہ تو بھارت کی عادت ہے ہی کہ وہ کسی بھی قسم کی دہشت گردی کے واقعہ کا ذمہ دار پاکستان کو ٹھہراتا ہے اس لیے بھارت سے تو ہمیں گلہ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے ہمیں تو اپنے ان بھائیوں پر افسوس ہوتا ہے جو پاکستان دشمن عناصر کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں اور ساتھ ساتھ اسلام اور اسلام پسندوں پر تنقید اور اعتراض کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے ہیں۔ جب بھارت نے ممبئ حملوں میں پاکستان اور پاکستانی تنظیموں کے ملوث ہونے کا الزام لگایا

تو حیرت انگیز طور پر ہمارے اپنے نام نہاد دانشور حضرات بھارت کی ہاں میں ہاں ملانے میں پیش پیش تھے۔ ان میں معروف تجزیہ نگار اور بڑے بڑے اخباری گروپوں سے وابستہ افراد بھی شامل تھے۔ آگے جانے سے پہلے ہم ذرا ان نام نہاد دانشوروں اور دردمندان وطن کی بات کریں گے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ یہ مت دیکھو کہ کون کہہ رہا بلکہ یہ دیکھو کہ کیا کہہ رہا ہے۔ بدقسمتی سے ہم نے کیا سے زیادہ کون پر دھیان دینا شروع کر دیا ہے اس کا نتیجہ ہے کہ چونکہ ان نام نہاد دانشور اور تجزیہ نگاروں کا تعلق بڑے بڑے اخباری گروپس سے ہوتا ہے اور یہ لوگ صحافت سے کئی عشروں سے وابستہ ہیں اس لیے سادہ لوح افراد یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی ہر بات درست ہے اور اس طرح یہ لوگ رائے عامہ کو متاثر کرتے ہیں۔ دیگر لوگوں کے علاوہ ان میں اک معروف نام جناب نذیر ناجی صاحب کا بھی ہے۔ یہ محترم بزرگ ہیں صحافت میں ان کی زندگی گزر گئی ہے لیکن انہوں ہر دور میں چڑھتے سورج کی پوجا کی ہے اور ہر دور میں دین مخالف قوتوں کے ہاتھ مضبوط کرتے رہے ہیں۔ ان کا حال یہ ہے انہوں نے ہر آنے والی حکومت کو ویلکم اور جانے حکومت کو معطون کیا ہے۔ سولہ مارچ سے چند دن پہلے تک یہ محترم بزرگ اپنی تحریر میں نواز شریف کو جمہوریت دشمن اور ناعاقبت اندیش ثابت کر رہے تھے اور سولہ مارچ کے بعد جو ان کا پہلا کالم منظر عام پر آیا اس میں ان پر انکشاف ہوا کہ نواز شریف تو ایک پر عزم، باحوصلہ، بہادر سیاست دان ہیں جس کے باعث جمہوریت کا فروغ حاصل ہوا۔ اسی طرح چند ماہ

پیشتر ایک اپنے ایک کالم میں پرویز مشرف کی مخالفت میں اتنا آگے چلے گئے کہ پوری پاکستان آرمی کو لتاڑ دیا اور سانحہ مشرقی پاکستان کا ذمہ دار بھی پاکستان آرمی کو قرار دیدیا، لیکن کچھ دن پیشتر انہوں نے اپنے ایک کالم میں اسلام پسندوں کی مخالفت میں اسی سانحہ مشرقی پاکستان کا ذمہ دار اسلام پسندوں کو قرار دیدیا (یہ کوئی من گھڑت باتیں نہیں ہیں بلکہ کوئی فرد روزنامہ جنگ کی ویب سائٹ پر موجود تمام کالم نگار حضرات کے ایک سال کے ریکارڈ میں ان کا بھی ریکارڈ دیکھ سکتا ہے کہ کسطرح یہ وقت کے ساتھ پینترے بدلتے ہیں)۔

اسی طرح اور بھی بہت سے تجزیہ نگار اور کالم نگار حضرات نے جب سانحہ ممبئی ہوا تو بغیر سوچے سمجھے اس کا الزام اسلام پسندوں پر لگا دیا گیا۔ حالانکہ یہ سوچنے کی بات ہے کہ کوئی چھوٹے سے چھوٹا واقعہ بھی ہوتا ہے تو اس کی مکمل تحقیقات سے پیشتر کسی کو اس کو ذمہ دار قرار نہیں دیا جاسکتا۔ لیکن یہ تمام حضرات یکطرفہ طور پر دین پسند قوتوں کو معطون کرتے رہے اور پاکستانی حکومت کے بعض ذمہ داران نے بھی غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کئی اقدامات کیئے۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے تو باقاعدہ نام نہاد تحقیقات بھی کرلی اس کے مطابق انہوں نے بھی اجمل قصاب، اور پاکستانی تنظیموں کو ہی اس کا ذمہ دار قرار دیدیا اور ایک پریس کانفرنس میں ہمارے مشیر داخلہ نے بڑے

فخر سے کہا تھا کہ بھارت نے جو ثبوت دئے تھے وہ تو کچھ بھی نہیں بلکہ ہم نے خود محنت کرکے ثبوت حاصل کیئے ہیں۔

لیکن اب اجمل قصاب کی عدالت میں اپنے اقبالی بیان کے منحرف ہونے کے بعد یہ حضرات کیا کہیں گے؟ کیوں کہ بھارت کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے کہ یہ پاکستانی حکومت یا پاکستانی تنظیموں کی کارستانی تھی بلکہ غالب گمان یہی ہے کہ یہ بھارت کی اپنی کاروائی تھی تاکہ پاکستان کو دہشت گرد ثابت کیا جاسکے۔اب مشیر داخلہ صاحب کیا کہیں گے کیوں کہ انہوں تو دہشت گردوں کی کشتی بھی برآمد کرلی تھی (جب کہ بھارت نے بھی دہشت گردوں کی ایک کشتی برآمد کرنے کا دعویٰ کیا تھا)۔

اب اجمل قصاب کے منحرف ہونے کے بعد یہ ڈرامہ ایک نیا رخ اختیار کرنے والا ہے اور ہوسکتا ہے کہ اب یہ سازش بے نقاب ہوجائے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک امکان ہے کہ اجمل قصاب کے اپنے اقبالی بیان سے منحرف ہونے کے بعد اس ڈرامے کے تخلیق کار اجمل قصاب کو قتل کرنے کی کوشش کریں گے کیوں کہ ہمارا گمان یہی کہتا ہے کہ اجمل قصاب کو نیپال سے اغوا کرکے استعمال کیا گیا ہو اور یہ ان کے ہاتھوں ٹریپ ہوگیا ہو لیکن اب شائد وہ اس جال سے نکلنے کی کوشش کررہا ہے۔اسی لیے اجمل کے قتل کو خودکشی کا رنگ دیکر کہا جائے کہ

اس نے دباؤ تفتیش یا تحقیقات کے خوف سے خودکشی کرلی ہے اور اس طرح کوشش کی جاسکتی کہ اس سازش کا بھانڈا نہ پھوٹ سکے۔ (یہ ہمارا تجزیہ ہے اور اس سے قارئین کا اتفاق کرنا لازمی نہیں ہے) بہر حال ابھی یہ معاملہ ایک نیا رخ اختیار کر گیا ہے۔ بہت جلد تمام حقیقت منظر عام پر آجائے گی۔

ملک دشمن کون؟ اسلام پسند یا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جب سے سوات میں نظام عدل کا معاہدہ کیا گیا ہے اس وقت سے کچھ مخصوص قوتوں کو یہ معاہدہ پسند نہیں آرہا اور انکی پوری کوشش ہے کہ اس کو سبوتاژ کیا جائے اس کے لیے ایک جعلی ویڈیو بنا کر دنیا کو بے وقوف بنانے کی کوشش کی گئی مقصد اس ویڈیو کا یہ تھا کہ اس طرح صدر مملکت جناب آصف علی زرداری اس معاہدے پر دستخط نہیں کریں گے، اور یوں یہ معاملہ ختم ہوجائے گا لیکن وہ جو شاعر نے کہا ہے کہ مدعی لاکھ برا چاہے تو کیا ہوتا ہے۔ وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے۔ یہ ویڈیو جاری کرنے والوں نے اپنی طرف سے بڑا کاری وار کیا تھا اور ایک مضبوط چال چلی تھی لیکن وہ جو قرآن کہتا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ (اللہ کی بیشی معاف فرمائے) پھر ایک چال وہ چلے اور ایک چال اللہ نے چلی اور اللہ سے بہتر چال کس کی ہوتی ہے۔تو ہوا یہ کہ جو معاملہ دو ماہ سے ہوا میں معلق تھا اس ویڈیو کے منظر عام پر آنے کے بعد ایک ہفتے کے اندر اندر صدر آصف علی زرداری نے اس معاہدے پر دستخط کردیے اور یوں یہ چال اپنے چلنے والوں پر ہی پلٹ گئی۔

اب ہو یہ رہا ہے کہ دین بےزار قوتیں اس معاہدے کے خلاف شور و غوغا مچا رہی

ہیں۔ان کی نیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ تقریباً ڈیڑھ سال سے سوات کی وادی انگارہ بنی ہوئی تھی، یہاں غیر ملکی ایجنٹ طالبان کے روپ میں کاروائیاں کر رہے تھے۔ یہاں اسکول بند کیے جا رہے تھے، بالخصوص بچیوں کے اسکولوں پر تو خاص طور پر پابندی تھی۔ یہاں لوگوں کو سڑکوں پر سر عام ذبح کیا جا رہا تھا اور یہاں افواج پاکستان اور سیکورٹی فورسز کو نشانہ بنایا جا رہا تھا۔ کسی کی جان مال اور آبرو محفوظ نہ تھی۔ سیکورٹی فورسز کے جوان مارے جا رہے تھے۔لوگ علاقے سے نقل مکانی کر رہے تھے اور پوری وادی میں ایک افراتفری پھیلی ہوئی تھی حکومتی رٹ کا نام ونشان نہ تھا۔اس وقت کسی کو اس کی فکر نہیں تھی کہ یہاں کے حالات بہتر کیے جائیں لیکن اب جبکہ وہاں زندگی معمول پر آ رہی ہے، بچیوں کے اسکول کھل گئے ہیں امن قائم ہو رہا ہے ہلاکتیں کم ہو رہی ہیں تو ان کو یہ بات پسند نہیں آ رہی ہے۔

اوپر بیان کیے گئے حالات کی روشنی میں صوبہ سرحد کی حکومت نے حالات کی سنگینی کو محسوس کرتے ہوئے مولانا صوفی محمد سے مداخلت کی درخواست کی۔ جس پر مولانا صوفی محمد نے آ کر وہاں کی صورتحال کو سنبھالا، (واضح رہے کہ مولانا صوفی محمد وہاں کی ایک بااثر شخصیت ہیں اور حکومت نے امریکی ایما پر ان پر اور ان کی تنظیم پر پابندی عائد کی تھی) اور اے این پی کی حکومت نے نظریاتی اختلافات کے باوجود محض عوام کی خاطر ایک معاہدہ کیا گیا جس کی

توثیق پارلیمنٹ نے بھی کر لی ہے اور یہ معاہدہ باقاعدہ پارلیمنٹ سے منظوری کے بعد نافذالعمل ہوا ہے۔ لیکن دین مخالف قوتوں کو یہ بات پسند نہیں آرہی ہے۔ اگر ان سے پوچھا جائے کہ اچھا اگر یہ معاہدہ ختم کر دیا جائے تو اس کے بعد کیا آپ کے پاس کوئی حل ہے؟ تو اس سوال کا ان لوگوں کے پاس کوئی جواب نہیں ہوتا ہے۔ یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ جب افغانستان اور عراق میں اسلام پسندوں نے امریکی اور برطانوی فوجیوں کو اور ان کے لوگوں کو مارنا شروع کیا تھا تو اس وقت یہی سارے نام نہاد دانشور حضرات لوگوں کو یہ بتا رہے تھے کہ یہ دین نہیں ہے لڑنے کے بجائے افہام و تفہیم سے معاملات حل کیے جانے چاہیں۔ اور یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو یہودیوں اور عیسائیوں سے بھی معاہدے کیے ہیں (ان میں کچھ بھائیوں کے پسندیدہ جناب روف کلاسرہ صاحب بھی شامل ہیں جنھوں نے اپنے کالم میری دادی اس لیے تو نہیں ماری گئی تھی میں اسی بات پر زور دیا تھا کہ جنگ کے بجائے مذاکرت کے ذریعے مسائل کا حل نکالا جائے جنگ کی ویب سائٹ پر یہ کالم بھی پڑھا جاسکتا ہے) ان لوگوں کی نیت تو اسی بات سے ظاہر ہو جاتی ہے کہ اگر مسلمان جارح قوتوں کے خلاف مزاحمت کریں تو ان کو امن و آشتی کا سبق سنایا جائے، عفو درگزر اور سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی مطلب کی باتوں کو نکال کر بتایا جاتا ہے کہ مذاکرات اور معاہدات سے مسائل حل کیے جانیں چاہیئں لیکن جس اپنے ہی مسلمان بھائیوں کے ساتھ مذاکرات کئے جائیں ان کے ساتھ معاہدہ

کیا جائے اور مسلمان بھائیوں کی جان و مال کا تحفظ کیا جائے تو یہ بات ان امریکی کاسہ لیس نام نہاد دانشوروں سے برداشت نہیں ہوتی ہے۔ میری اپنے قارئین اور عوام سے یہی گزارش ہے کہ وہ ان تمام باتوں پر نظر رکھیں اور دیکھیں کہ حقیقت میں ملک دشمنی کون کر رہا ہے؟ دین پسند قوتیں یا سوات معاہدے کے مخالفین اور نام نہاد دانشور۔

نماز سے زیادہ اہم اجلاس : شریعت مخالفین کا اصل ایجنڈا

وطن عزیز جو دین کے نام پر قائم ہوا تھا اور لاکھوں لوگوں نے محض اسلیے اپنی جانوں کی قربانیاں دیں تھیں کہ ایک ایسا خطہ زمین حاصل کیا جائے کہ جہاں اسلام کا نظام نافذ ہوگا۔ اسی کی خاطر ہزاروں عورتوں نے اپنے سہاگ قربان کردیے تھے، ہزاروں عفت مآب بہنوں نے اپنی عصمتیں لٹادیں تھی، کڑیل جوان بھائیوں نے اپنی جانیں قربان کردیں، لاکھوں لوگوں نے اپنے گھربار چھوڑ دیئے کہ اب اس سرزمین میں رہیں گے جس کا نام پاکستان ہے، جہاں اسلام کا، قرآن کا قانون نافذ ہوگا، لیکن بد قسمتی سے آزادی کے فوراً بعد ہی ہم پر انگریزوں کے زرخرید غلام مسلط ہوگئے اور اس ابتدائی خرابی کے بعد اس مملکت کے قیام کا اصل مقصد کہیں کھوگیا اور پھر ایک پلاننگ کے تحت یہ بات پھیلائی گئی کہ قائد اعظم نے پاکستان اسلام کے نام پر نہیں بنایا تھا بلکہ وہ تو ایک سیکولر اسٹیٹ بنانا چاہتے تھے۔ بہر حال حالیہ دنوں میں سوات میں ایک لمبے عرصے تک حالات کی خرابی کے بعد حکومت اور پارلیمنٹ نے وہاں کے مقامی لوگوں کی منشاء اور مرضی کے عین مطابق اسلامی قوانین نافذ کرلیے جس کو نظام عدل کا نام دیا گیا۔ اب ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ اس کی حمایت کی جاتی کہ چلو

کہیں تو اسلامی قوانین کا نفاذ ہوا لیکن اس کے بر عکس کچھ گروہوں کو یہ بات انتہائی ناگوار گزری اور انھوں نے اس کی مخالفت میں آسمان سر پر اٹھا لیا۔

شرعی اور اسلامی قوانین کی مخالفت میں سرگرم گروہ نے عوام کو دھوکا دینا شروع کیا کہ ہم شریعت محمدی کے مخالف نہیں ہیں بلکہ طالبان کی شریعت کے خلاف ہیں (دوسرے لفظوں میں شریعت کو طالبان کا قانون کہا گیا) لیکن فارسی کی ایک مثال ہے کہ تدبیر کند بندہ تقدیر زند خندہ یعنی انسان تدبیر کرتا ہے اور تقدیر اس کے اوپر ہنس رہی ہوتی ہے، شریعت، مجاہدین، اور اسلام پسندوں کی مخالفت میں سرگرم عمل اس گروہ سے ایک ایسی فاش غلطی ہوئی کہ جس سے واضح ہوگیا کہ ان کا نشانہ طالبان یا ظالم لوگ نہیں ہیں بلکہ درحقیقت ان کا ایجنڈا دین کے خلاف بر سر پیکار قوتوں کا ساتھ دینا، اور اسلام کے حامیوں کو کمزور کرنا اور اسلام کو بدنام کرنا ہی ان کا ایجنڈا ہے اسی لیے سوات کی جعلی ویڈیو منظر عام پر آتے ہی اس گروہ نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ کسی طرح اسلام کو بدنام کیا جائے لیکن تاحال انہیں اس مقصد میں ناکامی ہی ملی ہے اور آئندہ بھی ایسا ہی ہوگا ان شاء اللہ

ہوا دراصل یوں کہ اسلام اور شریعت مخالف کی مخالفت میں ایک دین و شریعت مخالف گروہ نے ایک علماء و مشائخ کی میٹنگ بلائی جس میں اس گروہ کے غیر

ملکی سربراہ نے خطاب کیا اور حسب معمول سارا زور اس بات پر لگایا گیا کہ ہم اسلام یا شریعت محمدی کے مخالف نہیں ہیں ہم تو کلمہ گو ہیں اور شریعت محمدی کے پیروکار ہیں۔
لیکن عین اسی دوران نماز عصر کا وقت ہوگیا اور جب اس جانب ان کی توجہ دلائی گئی تو جواب ملا کہ ہم حالت جہاد میں اس لیے نماز کا وقفہ کرنے کے بجائے اجلاس کی کاروائی جاری رکھی جائے اور ایک عالم دین (کیا واقعی عالم دین) نے فوراًاس کی تائید کی۔ اب جو لوگ پچھلے پندرہ سولہ دنوں سے متواتر اسلامی قوانین پر حملے کر رہے ہیں ان کی بدنیتی تو اسی بات سے ظاہر ہو جاتی ہے کہ ان کے نزدیک نماز سے زیادہ ان کے بلائے گئے اجلاس کی اہمیت ہے۔ لیکن ہم اس کا کچھ اور پہلوئوں سے جائزہ لیں گے۔
اول تو یہ کہ یہ معاہدہ فروری میں کیا گیا تھا اس وقت اس پر اتنا زیادہ شور نہیں مچایا گیا کیوں کہ اس وقت سینیٹ کے الیکشن قریب تھے اور یہ پارٹی حکومت کی مخالفت کا خطرہ نہیں مول سکتی تھی کیوں کہ اس صورت میں ان کے سینیٹرز کا منتخب ہونا مشکل ہو جاتا اس لیے اسوقت اس بل کی مخالفت نہیں کی گئی دوسری بات جناب یہ بل پارلیمنٹ میں پیش کیا گیا تو اسوقت انہوں نے اس کی مخالفت میں رائے دیکر اپنا وزن کیوں نہیں ظاہر کیا ؟اور کیوں یہ لوگ رائے شماری کے وقت واک آؤٹ کر گئے کہ اس بل کو پیش کرنے والوں کو آسانی سے فری ہینڈ دیدیا گیا؟ کہا جاسکتا ہے کہ ہماری مخالفت کے باوجود یہ منظور

ہو جاتا۔ بجا۔ لیکن کم از کم یہ بات تو ظاہر ہوتی کہ اسمبلی میں اس بل کی مخالفت میں بھی کئی ووٹ ہیں لیکن یہ سب نہیں کیا گیا بلکہ اس کے بعد جان بوجھ کر اس کی مخالفت کی جارہی اور اس کی آڑ میں ملک میں فسادات کی سازش کی جارہی ہے۔ واقعی اس دین مخالف گروہ کے غیر ملکی سربراہ نے بلکل درست آیت کا حوالہ دیا کہ کچھ کہیں کہ ہم اصلاح کرنے والے لیکن درحقیقت وہی فساد برپا کرنے والے ہونگے اور اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ ان کے طرز عمل سے یہ بات انہی کے اوپر پلٹ گئی۔

جب افغانستان میں اور امریکی بھیڑیا نہتے مسلمانوں کا قتل عام کر رہا تھا۔ ہمارے کلمہ گو بھائیوں کو تہہ تیغ کیا جارہا تھا اور پاکستان سے لوگ ان کی مدد کرنا چاہ رہے تھے یہاں تک کہ مولانا صوفی محمد چالیس ہزار کا ایک لشکر لیکر جہاد کے لیے نکلے تھے تو اس وقت اس گروہ اور اس قبیل کے دوسرے گروہوں نے یہ نقطہ اٹھایا تھا کہ جہاد فرض ہونے کا اعلان تو صرف حکومت وقت ہی کر سکتی ہے کسی گروہ کو یہ اختیار نہیں کہ از خود جہاد کا اعلان کر دے۔

اب اگر اس بات جائزہ لیا جائے تو یہ بات کوئی ان سے پوچھے کہ جناب اس وقت کونسی حالت جہاد ہے ؟؟ اور کیا اس وقت حکومت نے جہاد کا اعلان کر دیا ہے؟؟ یہ کیا بات ہوئی کہ جب یہود و نصاریٰ کا مفاد ہو تو آپ ان کی نمک حلالی

کرتے ہوئے اسوقت تو فوراً دین کی من مانی تعبیر کرتے ہوئے لوگوں کو جہاد سے روکنے کی کوشش کریں اور اس کے بعد جب چاہیں اپنے ادنی مقاصد کے لیے اپنی ہی کہی ہوئی باتوں کے خلاف عمل کریں۔ دوسری بات جو زیادہ افسوس ناک ہے کہ اتنے سارے علماء و مشائخ میں کوئی ایسا نہیں تھا کہ جو اس بات کی تصحیح کرتا کہ اول تو حالت جہاد نہیں ہے اور بالفرض اگر حالت جہاد ہے بھی تو کیا ان تمام علماء و مشائخ کو یہ نہیں پتہ تھا کہ نماز تو کسی بھی حالت میں ساقط نہیں ہوتی ہے بالخصوص نماز عصر۔اب اس ساری صورتحال کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اول تو جو لوگ نماز کے اوپر اپنی ایک میٹنگ، یا اجلاس کو ترجیح دیں اور اس کے جواز میں من گھڑت تاویلات پیش کریں وہ دین کے کتنے مخلص ہونگے اور دوسری بات کہ جو علماء ایک غیر عالم کی بات کی غلط بات کی تردید نہ کرسکیں کہ نماز کسی بھی حالت میں ساقط نہیں ہوتی ہے ان کو علماء و مشائخ کو کیا کہا جائے؟

اصل بات یہی ہے کہ سوات معاہدے کی آڑ میں اسلام کے اوپر حملے کیے جا رہے ہیں اور اسلام کو بدنام کیا جارہا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اسی کی آڑ میں فرقہ واریت کی کوشش کی جارہی ہے۔ دیوبندی اور بریلوی کا تنازعہ اٹھانے کی کوشش کی جارہی ہے تاکہ ملک میں افراتفری اور انتشار پھیلا رہے اور ملک دشمن عناصر اپنا کام بہ آسانی کرسکیں اور امریکہ اور دیگر عالمی طاقتوں کے اس ایجنڈے

کی تکمیل کی جائے کہ پاکستان کو غیر مستحکم ثابت کر کے پاکستان کی اصل دفاعی طاقت ایٹمی پلانٹ پر قبضہ کیا جائے۔یہی امریکی اور یہودی ایجنڈا ہے اور اسی مقصد کے لیے یہ گروہ سرگرم عمل ہے

مولانا صوفی محمد صاحب اعتدال لازم ہے ہر شے میں

حکومت پاکستان، صوفی محمد صاحب، اور تحریک طالبان پاکستان کے درمیان سوات کے حالات کے پیش نظر ایک معاہد کیا گیا۔ جس کو نظام عدل کا نام دیا گیا۔ اگرچہ اس معاہدے پر کئی قوتوں کو تحفظات تھے، اور اس کی مخالفت بھی کی گئی لیکن اکثریت نے اس کو ایک خوش آئند فیصلہ قرار دیا اور اس معاہدے کی پذیرائی کی گئی۔ کیوں کہ اس معاہدے کی صورت میں لوگوں کو اسلامی نظام کی تصویر نظر آ رہی تھی۔ لیکن اس کے فوراً بعد ہی مولان صوفی محمد صاحب کے کچھ غیر ذمہ دارانہ بیانات لمحہ فکریہ ہیں۔

ان کا یہ کہنا کہ جمہوریت، عدالتیں اور جمہوری نظام غیر اسلامی ہے اور یہ کہ سوائے کالی پگڑی کے اور کوئی پگڑی نہیں باندھنی چاہیئے۔ان کی بات کا تجزیہ کیا جائے تو ان کی بات جزوی طور پر درست ہے کہ جمہورت واقعی اسلامی طرز حکومت نہیں ہے کیوں کہ اسلام میں شورائی نظام ہوتا ہے اور اس میں تجربہ کار اور علم والے لوگوں کو ذمہ داراياں سونپی جاتی ہیں اور ان کی رائے کو معتبر جانا جاتا ہے جبکہ جمہوریت بقول شخصے ایسا نظام ہے کہ جس میں بندوں کو تولاتے نہیں ہیں بلکہ گنتے ہیں یعنی اس بات کو یوں سمجھیں کہ جمہوریت میں ایک فرد ایک ووٹ کا اصول ہوتا ہے جب ووٹنگ کا مرحلہ آئے گا تو وہ

اٹھارہ سالہ نوجوان جو کہ غیر تعلیم یافتہ اور عملی زندگی کا کوئی تجربہ نہیں رکھتا اور ایک ساٹھ سالہ اعلیٰ تعلیم یافتہ پی ایچ ڈی والا فرد ایک برابر ہوتے ہیں۔ یہ جمہوری نظام کی ایک بڑی خرابی ہے۔ رہی عدالتیں تو وہ آج تک برٹش قوانین پر مبنی ہیں۔ لیکن چونکہ ملک میں یہی قوانین رائج ہیں اس لیئے ہمیں اسی طرز حکومت اور انہیں عدالتوں کی طرف رجوع کرنا ہوتا ہے تبدیلی کے لیے اسلامی طریقہ بھی یہی ہے کہ اگر موجودہ سسٹم میں خرابیاں بھی ہیں تو وہ جمہوری طریقے سے اور حکومت کے ساتھ مذاکرات کے بعد ہی لائی جاسکتی ہے۔ اسی لیے ہم نظام عدل کی حمایت کرتے آئے ہیں کہ یہ حکومت کے ساتھ باقاعدہ مذاکرات کے بعد نافذ کیا گیا تھا۔

لیکن مولانا صوفی محمد صاحب کا انتہا پسندانہ طرز عمل نہ صرف ان کے لیے بلکہ پورے اسلامی نظام اور اسلامی تعلیمات کے لیے نقصان دہ ثابت ہوگا۔ اس لیے انہیں چاہیے کہ وہ صبر و سکون کے ساتھ سوات میں امن قائم کرکے اور اسلامی نظام کو باقاعدہ اس کی روح کے مطابق نافذ کریں تاکہ یہ ایک مثال بنے نہ کہ لوگ اس کی ناکامی کے بعد مایوس ہوجائیں۔ مولانا صاحب یاد رکھیں کہ جس طرح ستر کی دھائی میں چلائی گئی نظام مصطفٰی تحریک کو سیاستدانوں نے اپنے مقاصد کے لیے استعمال کیا اور اس کے بعد لوگ مذہبی قوتوں سے متنفر ہوگئے تھے اسی طرح اگر اس وقت انتہا پسندی کا ثبوت دیا گیا تو پھر شائد ایک لمبے

عرصے تک لوگ اسلامی نظام کا نام بھی نہ لیں گے۔ اس لیے مولانا صاحب اپنے طرز عمل پر نظر ثانی کریں

لا اکراہ فی الدین کا صحیح مفہوم

اسلام اور مسلمان اس وقت دنیا میں سب سے مظلوم ہیں کیوں کہ جہاں اسلام اور مسلمانوں کے دشمن اس کے خلاف صف آراء ہیں وہیں خود اس کے نام لیوا بھی اس دانستہ و نادانستہ اس کے خلاف ہی عمل کر رہے ہیں۔ فارسی کا ایک مقولہ ہے کہ عذر گناہ بدتر از گناہ یعنی گناہ کا عذر تراشنا گناہ سے زیادہ بدتر ہے کیوں کہ اگر ایک فرد کوئی گناہ کرے گا اور اس کو یہ احساس ہوگا کہ میں نے یہ گناہ کیا ہے یہ غلط کام کیا ہے تو توقع ہے کہ اللہ اس کو توبہ کی مہلت اور ہدایت عطا فرمائے گا اور اس کا گناہ صرف اس کی ذات تک ہی محدود رہے گا لیکن اگر کوئی فرد گناہ کرنے کے بعد اس کا جواز تراشے گا تو اول تو چونکہ وہ خود کو حق بجانب سمجھ رہا ہوگا اس لیے اسے گناہ کا احساس ہی نہیں ہوگا اور وہ توبہ کرنے سے بھی محروم رہے گا دوسرا بڑا نقصان جو اس سے پیدا ہوگا کہ گناہ کا جواز تراشنے سے کتنے ہی لوگ اس کی بات کو حجت بنا کر وہ گناہ کریں گے اس طرح ایک تو وہ فرد کئی لوگوں کو گناہ میں مبتلا کرنے کا سبب بنے گا اور اس کے ساتھ ساتھ وہ عذاب جاریہ کا بھی مستحق ہوگا۔

یہ تمہید بینا کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آج کل ہمارے معاشرے میں ہر فرد بزعم

خود مفتی و مولانا بن جاتا ہے اور اسلامی احکامات کی من مانی تفسیر و تعبیر کرنا شروع کردیتا ہے۔ بالخصوص جب کسی کو اسلامی احکامات کی پابندی کا کہا جائے تو وہ فوراً کہہ دے گا کہ جناب دین میں کوئی جبر نہیں ہے۔ایسا کہنے والے دراصل اپنی کم علمی کا ثبوت دیتے ہیں۔ کیوں کہ اس آیت کا یہ مفہوم ہرگز نہیں ہے جو یہ لوگ سمجھتے ہیں۔ پہلے ہم علماء کے نزدیک اس آیت کا کیا مفہوم ہے وہ بیان کرتے ہیں پھر اپنی بات کریں گے۔

یہ سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۵۶ کا ابتدائی حصہ ہے اور آیت الکرسی کے فوراً بعد ہے۔ تفسیر ابن کثیر میں صفحہ نمبر ۴۱۲ میں اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا گیا ہے کہ کسی کو جبراً اسلام میں داخل نہ کرو، اسلام کی حقانیت واضح اور روشن ہوچکی، اس کے) دلائل و براہین بیان ہوچکے ہیں۔ پھر کسی پر جبر اور زبردستی کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ جسے اللہ رب العزت ہدایت دے گا، جس کا سینہ کھلا ہوا، دل روشن اور آنکھیں بینا ہونگی تو وہ خود بخود اس کا والا و شیدا ہوجائے گا، ہاں اندھے دل والے۔ بہرے کانوں والے، پھوٹی آنکھوں والے۔اس سے دور رہیں گے۔ پھر اگر انہیں جبراً اسلام میں داخل کیا بھی تو کیا فائدہ۔ کسی پر اسلام کے قبول کرانے کے لیے جبر اور زبردستی نہ کرو۔ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ مدینہ کی مشرکہ عورتیں جب انہیں اولاد نہ ہوتی تھی تو وہ نذر مانتی تھیں کہ اگر ہمارے ہاں اولاد ہوئی تو ہم اسے یہود بنادیں گے، یہودیوں

کے سپرد کردیں ۔اسی طرح انکے بہت سے بچے یہودیوں کے پاس تھے۔ جب یہ لوگ مسلمان ہوئے اور اللہ کے دین کے انصار بنے یہودیوں سے جنگ ہوئی اور ان کی اندرونی سازشوں اور فری کاریوں سے نجات پانے کے لیے سرور رسل علیہاالسلام نے یہ حکم فرمایا کہ بنی نضیر کو یہودیوں کو جلاوطن کردیا جائے اس وقت انصاریوں نے اپنے بچے جو انکے پاس تھے ان سے طلب کیے تاکہ انہیں اپنے اثر سے مسلمان بنالیں ۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جبر اور زبردستی نہ کرو۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ انصارکے قبیلے بنو سالم بن عوف کا ایک شخص حصینی نامی تھا جس کے دولڑکے نصرانی تھے اور خود مسلمان تھا اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک بار عرض کیا کہ مجھے اجازت دی جائے کہ میں ان لڑکوں کو جبراً مسلمان بنالوں ۔ویسے تو یہ عیسائیت سے ہٹتے نہیں۔اس پر یہ آیت اتری اور ممانعت کردی گئی)۔

اسی طرح مولانا سید ابولاعلیٰ مودودی اپنی شہرہ آفاق تفہیم القرآن میں بیان کرتے ہیں تفہیم القرآن جلد اول صفحہ نمبر ۱۹۶ پر اس آیت کی تشریح میں کہتے ہیں کہ (یہاں دین سے مراد اللہ کے متعلق وہ عقیدہ ہے جو اوپر آیت الکرسی میں بیان ہوا ہے، اور وہ پورا نظام زندگی ہے جو اس عقیدے پر بنتا ہے۔اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کا یہ اعتقادی اور اخلاقی و عملی نظام کسی پر زبردستی نہیں ٹھونسا جاسکتا ہے۔ یہ ایسی چیز ہی نہیں ہے جو کسی کے سر پر

جبراً منڈھی جاسکے)۔

اسی طرح امام احمد رضا خان بریلوی صاحب اس آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ صفات الٰہیہ کے بعد لا اکراہ فی الدین فرمانے میں یہ اشعار ہے کہ اب عاقل کے لیے) (قبول حق میں تامل کی کوئی وجہ باقی نہ رہی

یہ تین مختلف علماء کی تفاسیر سے میں نے اس آیت کی تفسیر آپ لوگوں کے سامنے بیان کی ہے اس میں کہیں بھی یہ نہیں کہا گیا ہے کہ اسلام لانے کے بعد اسلام کے احکامات پر عمل کرنا جبر ہے بلکہ اس میں واضح طور پر یہی کہا گیا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی غیر مسلم کو زبردستی مسلم نہیں بنایا جاسکتا۔ لیکن اگر ایک شخص ایمان لاتا ہے تو اب اس پر اسلامی احکامات کی پابندی لازمی ہوگی اس کے لیے اگر ذمہ داران کو سختی بھی کرنی پڑے گی تو وہ کریں گے۔اب یہ کہہ کر جان نہیں بچ سکتی کہ دین میں جبر نہیں ہے۔ ہم اس بات کو کچھ مثالوں سے سمجھانے کی کوشش کریں گے اللہ مجھے سمجھنے اور سمجھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ دیکھیں ایک فرد صبح دس بجے سو کر اٹھتا ہے، گیارہ بجے ناشتہ کرتا ہے۔ یہ اس کی روٹین ہے اب وہ ایک ادارے میں ملازم ہوجاتا ہے جہاں صبح آٹھ بجے پہنچنا لازمی ہے۔ تو اسے اپنی ساری روٹین تبدیل کرکے صبح سویرے اٹھ کر کام پر جانا لازمی ہے کیوں کہ اب وہ ایک ادارے کا ملازم ہے اور اس ادارے کے تمام قواعد و ضوابط کی پابندی کرنا اس کے لیے لازم ہے۔اب اگر وہ فرد یہ کہے

کہ میں ادارے کے کچھ اصولوں کو مانوں گا کچھ کو نہیں مانوں گا تو سیدھی سی بات ہے کہ مالک یا تو اس کو سختی سے ادارے کے قوانین کا پابند کرے گا یا اس کو نکال باہر کرے گا۔

اسی طرح ایک کالج یا تعلیمی ادارہ ہے اس کے اصول و ضوابط بہت سخت ہیں لیکن مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیوں کہ میرا اس کالج سے کوئی تعلق نہیں ہے لیکن جب میں اس کالج میں داخلہ لونگا تو اس کالج کے تمام اصول و ضوابط کی پابندی کرنا لازمی ہوگی اور اب اس کالج میں داخلے کے بعد میری مرضی ختم ہو گئی بلکہ میں اس کالج کی حدود میں اس کالج کے قوانین کا پابند ہوں۔اب میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ میری مرضی میں کالج کے اصولوں کو مانوں یا نہ مانوں۔اگر میں لگاتار کالج کے اصولوں کی خلاف ورزی کرونگا تو مجھے یا تو سختی سے کالج کے اصولوں کا پابند کیا جائے گا یا مجھے کالج سے باہر کردیا جائے گا۔اور میری اس بات کی کوئی اہمیت نہیں ہوگی کہ یہ ظلم ہے جبر ہے۔

تو بھائی میرے اسی طرح اللہ کا قانون ہے اگر کوئی فرد مسلمان ہے تو اس پر دین کے احکامات کی پابندی کرنا لازم ہوگی۔اگر وہ اسلامی احکامات کی پابندی نہیں کرتا اور کوئی اسلامی حکومت ہو تو وہ اس فرد کو سزا بھی دے گی۔

لا اکراہ فی الدین کا غلط مفہوم پیش کرنے والوں کے سامنے ہم ایک مثال رکھتے ہیں کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دنیا سے پردہ فرمایا ان کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ خلیفہ بنے ان کے دور میں ایک فتنہ منکرین زکات کا بھی تھا یہ ایک گروہ تھا جو کہتا تھا کہ ہم نماز پڑھیں گے، روزے رکھیں گے۔اور تمام اسلامی احکامات کی پابندی کریں گے لیکن ہم زکات نہیں دیں گے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے باقاعدہ جہاد کیا اور ان کو زکات کا پابند کیا تھا۔اب یہ جدید روشن خیال اس پر کیا کہیں گے ؟

آخری بات کہ جو لوگ دین کے احکامت کو جبر کہتے ہیں ان کا دوغلا پن بھی ملاحظہ کریں۔اسلام کہتا ہے کہ سات سال کی عمر سے بچے کو نماز پڑھنے کی ترغیب دو اور دس سال کے بعد بھی اگر بچہ نماز نہ پڑھے تو اس پر سختی کرو اور اسکی پٹائی کرکے بھی اس کو نماز کا پابند بناؤ۔ روشن خیال اس پر فوراً کہیں گے کہ دین میں جبر نہیں ہے۔ لیکن ڈھائی سال کے بچے کو صبح اٹھا کر اسکول بھیجا جاتا ہے بچے رو رہے ہوتے ہیں لیکن یہ لوگ ان معصوم بچوں کو لازمی اسکول بھیجتے ہیں ان کے نزدیک یہ جبر نہیں ہے لیکن نماز کی پابندی کرنا جبر ہے۔اسلام لڑکا لڑکی کو پسند کی شادی کا حق دیتا ہے لیکن ولی کی اجازت بھی لازمی قرار دیتا ہے اب ہوتا یہ ہے کہ ولی کی اجازت لڑکی گھر والوں کی اجازت کے بغیر شادی کرلے تو کہا جائے کہ جی دین میں جبر نہیں ہے

لیکن ولی کی اجازت کو ظلم کہا جاتا ہے۔

بہر حال میری کوشش تھی کہ میں اس بات کی وضاحت کرسکوں اس میں، میں کتنا کامیاب ہوتا ہو یہ تو آپ لوگ ہی بتائیں گے۔اللہ مجھے دین کے احکام سمجھنے سمجھانے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین

لا اکراہ فی الدین: کچھ اعتراضات کا جواب حصہ اول

گزشتہ جمعرات کو ہم نے ایک آرٹیکل بعنوان لا اکراہ فی الدین کا صحیح مفہوم کے نام سے لکھا تھا۔ جس پر بہت سے لوگوں نے اعتراضات کیے تھے۔ جہاں تک اعتراضات کی بات ہے تو میں یہ بات واضح کردوں کہ میں نے ایک بات طے کرلی ہے کہ جو لوگ مجھ پر اور میری ذات پر تنقید برائے تنقید کرتے ہیں انکا جواب نہیں دینا ہے لیکن یہ معاملہ صرف میری ذات سے متعلق نہیں ہے اس لیے میں نے اس کا جواب دینا ضروری سمجھا ہے۔

میرے اس آرٹیکل کے جواب میں ایک بھائی نے کافی اعتراض کیے ہیں یقیناً ان کے یہ اعتراضات دین سے انکی محبت سے وجہ سے ہیں۔ البتہ مجھے افسوس ہے کہ انہوں نے بھی بات کو سمجھے بغیر اعتراضات کیے ہیں اور اس سے بھی افسوسناک بات یہ ہے کہ میں نے جو تشریح و تعبیر بیان کی و مستند علماء کی تفاسیر میں سے بیان کی جو کہ انٹرنیٹ پر بھی موجود ہیں اور کوئی فرد ان تفاسیر سے استفادہ کرسکتا ہے اور دیکھ سکتا ہے کہ کیا میں نے کوئی بات غلط لکھی ہے؟ کیا میں ان کی بات کو اپنے الفاظ میں پیش کیا ہے؟ یا میں نے صرف اپنی مرضی کی لائنیں منتخب کی ہیں؟ جس فرد کو بھی اس پر کوئی شک ہو وہ تفہیم القرآن از

مولانا مودودی، تفسیر ابن کثیر اور کنزالایمان از امام احمد رضا خان بریلوی کو انٹرنیٹ پر دیکھ سکتا ہے۔ میرے بھائی نے پڑھے بغیر ان تفاسیر کو یکسر رد کر دیا۔ حالانکہ یہ مستند تفاسیر ہیں۔اب کوئی بھی باشعور فرد مجھے بتائے کہ ایک چیز کو پڑھے بغیر ہی رد کر دینا کہاں کا انصاف ہے؟

پھر میرے بھائی نے اپنے کالم (دین میں کوئی جبر نہیں حصہ دوم) میں کچھ آیات قرانی کے تراجم پیش کیے ہیں۔ ظلم یہ ہے کہ اس بھائی نے صرف تراجم پیش کرکے اس کا مفہوم کسی مستند تفسیر سے پیش کرنے کے بجائے اپنی جانب سے ہی ان آیات کی تشریح پیش کردی ہے (اتفاق سے میں نے یہی بات اپنے آرٹیکل میں لکھی تھی کہ آج کل ہمارے معاشرے میں ہر فرد بزعم خود مفتی و مولانا بن جاتا ہے اور اسلامی احکامات کی من مانی تفسیر و تعبیر کرنا شروع کردیتا ہے۔) یہ ہم نے ایک جنرل بات کہی تھی اور کسی کی طرف ہمارا اشارہ نہیں تھا لیکن میرے بھائی نے اسی بات پر اعتراض کیا اور اسی بات کا ثبوت بھی دیدیا کہ ہماری بات درست تھی۔

میرے معزز بھائی نے سب سے پہلے الغاشیہ (22-27) " پس بکثرت نصیحت کر، تو محض ایک بار بار نصیحت کرنے والا ہے، تو ان پر داروغہ نہیں، ہاں وہ جو پیٹھ پھیر جائے اور انکار کردے تو اسے اللہ سب سے بڑا عذاب دے گا، یقیناً ہماری

طرف ہی ان کا لوٹنا ہے، پھر یقیناً ہم پر ہی ان کا حساب ہے" ان آیات کا حوالہ دیا ہے۔
اب جب ہم نے ان کا مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ (سورہ کا پورا مضمون اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ یہ بھی ابتدائی زمانہ کی نازل شدہ سورتوں میں سے ہے، مگر یہ وہ زمانہ تھا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبلیغ عام شروع کر چکے تھے اور مکہ کے لوگ بالعموم اسے سن سن کر نظر انداز کیئے جا رہے تھے۔اس کے موضوع کو سمجھنے کے لیے یہ بات نگاہ میں رہنی چاہیے کہ ابتدائی زمانہ میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تبلیغ زیادہ تر دو ہی باتیں لوگوں کے ذہن نشین کرانے پر مرکوز تھی۔ایک توحید دوسری آخرت اور اہل مکہ ان دونوں باتوں کو قبول کرنے سے انکار کر رہے تھے) اب اس بات کو سامنے رکھیں تو یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ یہ خطاب مسلمانوں سے نہیں بلکہ کفار سے ہے۔ لیکن میرے بھائی سے بڑی صفائی سے اس میں اپنا من مانا مفہوم نکال لیا۔
بھائی نے سورہ تغابن کی آیت کا حوالہ دیا ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ یہاں کلام اہل ایمان سے کیا جارہا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ سیاق و سباق کے ساتھ دیکھیں تو بات واضح ہوتی ہے اس سے پہلے کی آیات کا ترجمہ پیش کیا جارہا ہے ترجمہ (کوئی مصیبت نہیں آتی مگر اللہ کے اذن سے ہی آتی ہے۔ جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہو اللہ اس کے دل کو ہدایت بخشتا ہے، اور اللہ کو ہر چیز کا

علم ہے۔ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو لیکن اگر تم اطاعت سے منہ موڑتے ہو تو ہمارے رسول پر صاف صاف حق پہنچا دینے کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی خدا نہیں لہذا ایمان لانے والوں کو اللہ ہی پر بھروسا رکھنا چاہیے) مولانا مودودی صاحب اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ سلسلہ کلام کے لحاظ اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اچھے حالات ہوں یا برے حالات ہر حال میں اللہ اور رسول کی اطاعت پر قائم رہو۔ لیکن اگر مصائب کے ہجوم سے گھبرا کر تم اطاعت سے منہ موڑ گئے تو اپنا ہی نقصان کروگے۔ ہمارے رسول پر صرف یہ ذمہ داری تھی کہ تم کو ٹھیک ٹھیک بتا دے۔سو اس کا حق رسول نے ادا کر دیا ہے۔۔ یہ اس آیت کی تفسیر ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ کلام مسلمانوں سے کیا جا رہا ہے لیکن اس سے پہلے کیا پیغام دیا جا رہا ہے اس کی طرف میرے بھائی سے غور کرنے کی ضرورت لازم نہیں سمجھی اس میں واضح طور پر پہلے اطاعت کا حکم دیا جا رہا ہے۔ تو بھائی پہلے اطاعت تو کرو پہلے ہی معصیت کی طرف دھیان دینا کیوں شروع کر دیا۔

اس کے ساتھ ہی بھائی نے سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۹۲ (اللہ اور اس کے رسول کی بات مانو اور باز آ جاؤ، لیکن اگر تم نے حکم عدولی کی تو جان لو کہ ہمارے رسولوں پر بس صاف صاف حکم پہنچا دینے کی ذمہ داری تھی)۔اب مجھے اس بات کا جواب دیں کہ اس آیت میں بھی پہلے اللہ کی اور رسول کی اطاعت کا حکم دیا

جارہا ہے اور جو خوف خدا رکھتے ہیں وہ اس بات کا سوچ ہی نہیں سکتے کہ معاذ اللہ ہم اللہ اور رسول کی نافرمانی کریں لیکن یہاں بڑی دیدہ دلیری سے اس بات کا درس دیا جارہا ہے کہ کچھ بھی کرو دین میں جبر نہیں ہے اور حساب کتاب تو اوپر لیا جائے گا۔ بجا کہ حساب کتاب تو اوپر لیا جائے گا لیکن کیا یہ ہماری ذمہ داری نہیں کہ ہم اپنے بھائیوں کو دوزخ کی آگ سے بچائیں۔ حساب کتاب کا لفظ آپ نے کتنی آسانی سے کہہ دیا کیا آپ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث نہیں سنی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ عائشہ میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تمام مسلمانوں سے روز قیامت آسان حساب فرمائے، فرماتی ہیں میں پوچھا اللہ کے رسول آسان حساب سے کیا مطلب ہے نبی مہربان نے جواب دیا کہ آسان حساب مطلب ہے کہ اسے بغیر پوچھ کچھ کے چھوڑ دیا جائے اور جس کو سوال پوچھنے کے لیے روک دیا گیا سمجھو وہ مارا گیا (اللہ کی بیشی معاف فرمائے) کتنی آسانی سے کہہ دیا کہ اوپر جا کر جواب دیا جائے گا

سورہ شوریٰ کی جس آیت کا حوالہ دیا گیا ہے اس کا سلسلہ کلام کا مطالعہ کیا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ یہ کفار سے کلام کیا جارہا ہے اور یہاں اہل ایمان کو مخاطب نہیں کیا گیا ہے اس لیے یہ مثال بالکل بے محل ہے لیکن انہوں نے اپنے مطلب کے لیے اس کو یہاں استعمال کیا ہے۔

سورہ ق کی جس آیت کا حوالہ دیا گیا ہے۔آیت نمبر ۴۵ پینتالیس کا ترجمہ یہ ہے (اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو باتیں یہ لوگ بنا رہے ہیں انہیں ہم خوب جانتے ہیں اور تمہارا کام ان سے جبراً بات منوانا نہیں ہے۔ بس تم قرآن کے ذریعہ ہر اس شخص کو نصیحت کرو جو میری تنبیہ سے ڈرے۔) یہاں سیاق و سباق کو مد نظر رکھا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ یہاں کفار سے خطاب کیا جا رہا ہے۔اس کی تشریح میں مولانا مودودی صاحب تفہیم القرآن میں فرماتے ہیں (اس فقرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے تسلی بھی ہے اور کفار کے لیے دھمکی بھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کرکے فرمایا جا رہا ہے کہ تم پر جو باتیں یہ لوگ بنا رہے ہیں ان کی قطعاً پروا نہ کرو ہم سب کچھ سن رہے ہیں اور ان سے نمٹنا ہمارا کام ہے۔کفار کو متنبہ کیا جا رہا ہے کہ ہمارے نبی پر جو فقرے تم کس رہے ہو وہ تمھیں بہت مہنگے پڑیں گے ہم خود ایک ایک بات سن رہے ہیں اور اس کا خمیازہ تمہیں بھگتنا پڑے گا) آگے فرماتے ہیں حاشیہ نمبر ۵۶ (اس کا یہ مطلب نہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جبراً لوگوں سے اپنی بات منوانا چاہتے تھے اور اللہ تعالی نے آپکو اس سے روک دیا۔ بلکہ دراصل یہ بات حضور کو مخاطب کرکے کفار کو سنائی جا رہی ہے۔ گویا ان سے کہا جا رہا ہے کہ ہمارا نبی تم پر جبار بنا کر تو نہیں بھیجا گیا ہے۔ اس کا کام زبردستی تمہیں مومن بنانا نہیں ہے کہ تم نہ ماننا چاہو

اور وہ جبراً تم سے منوالے اس کی ذمہ داری تو بس اتنی ہے کہ جو متنبہ کرنے سے ہوش میں آجائے سے قرآن سنا کر حقیقت سمجھا دے۔اب اگر تم نہیں مانتے تو نبی تم سے نہیں نمٹے گا بلکہ ہم تم سے نمٹیں گے۔) اب مجھے بتائیں اس آیت سے کہاں یہ مطلب نکل رہا ہے کہ مسلمانوں کو مخاطب کیا جارہا ہے بلکہ یہ تو کفار کو مخاطب کیا جارہا ہے۔اب اس سے یہ استدلال نکالنا کہ دین میں جبر نہیں ہے کا مفہوم یہ ہے کہ ایمان لانے کے بعد بھی انسان کچھ بھی کرتا رہے اس کو کچھ نہیں کہا جائے گا۔

آخر میں ہم یہ بات بھی آپ کو بتاتے چلیں کہ کسی عالم دین نے لا اکراہ فی الدین کا مطلب اسلام لانے کے بعد دین میں آزادی کا نہیں لیا ہے بلکہ علماء کا اس بات اتفاق ہے کہ یہ آیت کفار اور غیر مسلموں کو زبردستی اسلام میں داخل کرنے سے متعلق ہے اس لیے یہ کہنا کہ ہم نے کوئی نئی تعبیر کردی ہے بالکل غلط ہے ہم نے علماء کرام ہی کی تفسیر کو پیش کیا تھا۔اصولی طور پر کسی علمی یا تاریخی بات پر اعتراض کرنے کا بہترین طریقہ تو یہ ہوتا ہے کہ اس سے متعلق علمی اور تاریخی حوالے دیئے جاتے لیکن ہمارے معاملہ میں ایسا نہیں کیا گیا بلکہ اس کے جواب میں کسی عالم دین کی کسی بات کا حوالہ دینے کے بجائے اپنی ہی من مانی تعبیر پیش کرکے کیا اس بھائی نے دین کی کوئی خدمت کی ہے۔

اللہ ہم سب کو صرف زبانی نہیں بلکہ عملی طور پر حق کا ساتھ دینے کی

توفیق عطا فرمائے اور اگر میں غلط ہوں تو میری اصلاح کرے اور اگر میرے دیگر بھائی غلط ہیں تو ان کے لیے بھی میری اللہ سے یہی دعا ہے کہ اللہ ان کو بھی ہدایت عطا فرمائے

معصوم بچوں کی مظلومانہ شہادت

لوئر دیر میں ایک گھر میں بم پھٹنے سے 12 بچے جاں بحق جبکہ 6 زخمی ہو گئے۔ مرنے والوں میں ایک ہی خاندان کے 8 بچے بھی شامل ہیں۔ جائے وقوع پر موجود ایک عینی شاہد جہان الحق نے بی بی سی کو بتایا گرلز پرائمری اسکول کے قریب بچے کھیل رہے تھے کہ اس دوران بعض نامعلوم افراد نے انہیں یہ کہہ کر ایک بم پکڑا دیا کہ یہ کھلونا ہے۔ بچے بم لے کر اپنے گھر آئے اور اکھٹے ہو کر اسکا تماشا دیکھ رہے تھے کہ اس دوران بم زوردار دھماکے کے ساتھ پھٹ گیا، یہ خبر پڑھ کر دل دھک سے رہ گیا ہے کہ اب ہمارے معصوم بچے بھی نشانہ بننے لگے ہیں، اور ہوئر دیر کے لقمان بانڈہ نامی گاؤں میں بارہ اور کچھ اطلاعات کے مطابق تیرہ بچے شہید ہو گئے ہیں۔ اس میں ایک ہی گھر کے نو بچے بھی شامل ہیں۔

یہ ایک قابل مذمت واقعہ ہے اس میں ملوث لوگ درندے ہیں جو انسان کہلانے کے لائق نہیں ہیں۔ کیا کوئی انسان اسقدر بھی ظالم اور شقی ہو سکتا ہے، کہ پھول جیسے معصوم بچوں کی جان کا دشمن بن جائے۔ اگرچہ آس پاس کے علاقوں میں ان دہشت گردوں کی گرفتاری میں مدد دینے کی اپیل کی گئی ہے لیکن تادم تحریر کوئی گرفتاری عمل میں نہیں آئی ہے۔ یہ ایک ایسا المیہ ہے کہ جس پر تمام سیاسی

اور مذہبی جماعتوں کو تمام اختلافات پس پشت رکھ کر بھرپر احتجاج کرنا چاہیے، اور اس میں یہ بات نہیں ہونی چاہیے کہ ہر پارٹی کا رکن صرف اپنی پارٹی کے اعلان کردہ احتجاج میں جائے بلکہ اول تو تمام پارٹیوں کو مشترکہ احتجاج کرنا چاہیے بالفرض ایسا نہیں ہوتا تو بھی میری عوام سے اور قارئین سے یہی گزارش ہے کہ جو بھی پارٹی اس کے خلاف احتجاج کرے اس میں اپنی شرکت کو لازمی بنائیں تاکہ ملک دشمن عناصر کو ایک واضح پیغام جائے کہ قوم کسی بھی صورت دہشت گردی کو.برادشت نہیں کرے گی اور بالخصوص معصوم بچوں کو اس طرح مظلومانہ شہادت دراصل ایک ٹیسٹ کیس ہے اگر اس کو نہ روکا گیا تو یہ دہشت گرد مزید شیر ہوجائیں گے۔اس کے ساتھ ساتھ میری اپنے قارئین سے اور تمام عوام سے یہی گزارش ہے کہ فوری طور پر اس کے ذمہ داران کے کے بارے میں کوئی رائے قائم نہ کریں بلکہ دیکھیں کہ کون اس معاملہ میں ملوث ہے اور یہ حکومت کا فرض ہے کہ وہ اس کے ذمہ داران تک جلد از جلد پہنچ کر انہیں عبرت ناک سزا دے تاکہ یہ سلسلہ یہی رک جائے، اور ہمیں مزید اپنے معصوم بچوں کے لاشے نہ اٹھانے پڑیں

کچھ وقت اولیاء کرام کی صحبت میں تیسرا حصہ

ابن ساباط کی توبہ

ابن ساباط بغداد کا نامی چور تھا۔ کوئی شریف آدمی اس کا نام سن کر انتہائی نفرت کا اظہار کیئے بنا نہیں رہتا تھا۔ وہ اپنے پیشے میں ایسا ماہر تھا کہ بیسیوں چوریاں کرنے کے باوجود قانون کی گرفت میں نہیں آتا تھا لیکن آخر ایک دن حکام نے اسے گرفتار کر ہی لیا قانون وقت کے مطابق اس کا ایک ہاتھ کاٹ دیا گیا اور پھر اس کو نا قابل اصلاح مجرم قرار دیکر مدت العمر کے لیے جیل بھیج دیا گیا اہل بغداد اب اس ذکر ہتھ کٹے شیطان کے نام سے کرتے تھے دس برس کی قید کاٹنے کے بعد ایک دن ابن ساباط کسی طرح جیل سے بھاگ نکلا اور قید خانے سے باہر آتے ہی اپنے قدیم پیشے کو از سر نو شروع کرنے کا ارادہ کرلیا ایک ہاتھ کے نقصان ار قید وبند کی طویل پر صعوبت زندگی نے اس کے کردار اور مزاج پر ذرہ برابر اثر نہیں ڈالا تھا۔ آزادی کی فضاؤں میں آتے ہی اس کی چوری کرنے کی خواہش نے سر اٹھانا شروع کردیا اور رات کا اندھیرا پھیلتے ہی وہ اپنی مہم پر نکل گیا۔ ادھر ادھر پھرتے پھراتے اسے ایک وسیع حویلی نظر آئی جس کے چاروں طرف دور دور تک سناٹا تھا ابن ساباط اس کے پھاٹک کے پاس رک گیا اور سوچنے لگا کہ اندر جانے کی کیا تدبیر اختیار کی جائے کہ اس کا ہاتھ حویلی کے دروازے پر پڑا اور یہ دیکھ کر وہ خوش ہوگیا کہ اس کا دروازہ کھلا

ہوا تھا وہ آہستگی سے حویلی میں داخل ہوگیا۔اندر ایک وسیع احاطہ تھا جس میں چاروں طرف کمرے بنے ہوئے تھے اور ایک بڑا کمرہ وسط میں تھا ابن ساباط اسی بڑے کمرے میں داخل ہوگیا اسے یقین تھا کہ یہ کسی بڑے امیر یا سوداگر کا مکان ہے جونہی اس نے بڑے کمرے کے دروازے کو ہاتھ لگایا تو وہ بھی کھل گیا یہ بڑا خوش ہوا، لیکن اندر جا کر بڑی مایوسی ہوئی کہ اندر کوئی قیمتی ساز و سامان نہ تھا ایک طرف کھجور کے پتوں کی ایک چٹائی بچھی تھی۔ اس کے قریب چمڑے کا ایک تکیہ اور بھیڑ کی کھال کی چند ٹوپیاں پڑی تھیں ایک گوشے میں پشمینہ کے موٹے کپڑے کے چند تھان بکھرے پڑے تھے ان ساباط ایسے معمولی سامان کو دیکھ کر جھلا اٹھا اور مکان مالک کو گالیاں دینے لگا کہ اس نے اتنے بڑے مکان میں کیسا بے کار اور گھٹیا سامان رکھا ہوا ہے۔ اگرچہ یہ سامان اس کے مزاج کے خلاف تھا لیکن اس نے خالی ہاتھ جانے کے بجائے اسی کو چوری کرنے کا فیصلہ کیا اس نے ایک تھانوں کی ایک گھٹڑی بنائی اور اس کو باندھنے کی کوشش کرنے لگا لیکن ایک ہاتھ نہ ہونے کے باعث اس کو گرہ نہ لگا سکا اور ہانپتا ہوا بیٹھ گیا عین اسی وقت دروازہ کھلا ایک شخص چراغ لیے کمرے میں داخل ہوا ابن ساباط کا خوف سے برا حال تھا اور اس کے جسم پر لرزہ طاری ہوگیا۔اس نے دیکھا کہ اندر داخل ہونے والا ایک دراز قد، خمیدہ کمر اور انتہائی نحیف آدمی تھا جس

کے پر ملگجے رنگ کی قبا تھی اور سر پر بھیڑ کی کھال کی ایک ٹوپی تھی، اس شخص کے چہرے پر ایک نور تھا اور آنکھوں میں ایسی چمک تھی کہ کوئی فرد اس کا اثر لیے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔ اس نو وارد نے چراغ ایک طرف رکھ دیا اور انتہائی نرمی سے کہا کہ میرے بھائی خدا تم پر رحمت کرے یہ کام روشنی اور کسی ساتھی کے بغیر نہیں ہو سکتا ہے۔ دیکھو یہ چراغ ہے اور تمہاری مدد کے لیے میں حاضر ہوں ہم دونوں یہ کام اطمینان کے ساتھ کر لیں گے۔

ابھی ابن ساباط اپنے حواسوں پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا کہ یہ کیا معاملہ ہے اتنے میں اجنبی نے تھانوں کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا اور پھر ان کی دو الگ الگ گھٹڑیاں بنائیں۔ اچانک اسے کچھ خیال آیا اور اس نے ابن ساباط کو مخاطب کرکے کہا میرے بھائی معاف کرنا مجھے خیال ہی نہ رہا کہ ایسا تھکا دینے وال کام کرکے تمہیں " بھوک لگ رہی ہوگی میں ابھی تمہارے لیے دودھ گرم کرکے لاتا ہوں اسے پی کر تم تازہ دم ہو جاؤ گے" یہ کہہ کر اجنبی باہر نکل گیا۔ ابن ساباط چند لمحوں تک تو عالم تحیر میں کھویا رہا اور یکایک اپنے ماتھے پر ہاتھ مار کر کہا۔ میں بھی کیسا احمق ہوں اتنا بھی نہیں سمجھ سکا کہ یہ بھی میرا ہی کوئی ہم پیشہ ہے اتفاق سے آج ہم دونوں اس ایک ہی مکان میں جمع ہو گئے ہیں۔ البتہ یہ کوئی گھر کا بھیدی معلوم ہوتا ہے اسے معلوم تھا کہ آج یہ مکان خالی ہے اس لیے وہ روشنی کا انتظام کرکے آیا

ہے۔اور جب اس نے دیکھا کہ میں پہلے سے پہنچا ہوا ہوں تو اس سامان میں سے آدھے کا حق دار بننے کے لیے میرا ساتھ دینے پر آمادہ ہوگیا ہے " وہ ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ وہ نو وارد دودھ کا پیالہ ہاتھ میں لیے اندر داخل ہوا اور یہ کہہ کر پیالہ ابن ساباط کے ہاتھ می پکڑا دیا کہ اسے پی لو یہ تمہاری بھوک اور تکان کو دور کردے گا۔

ابن ساباط کو واقعی بھوک لگ رہی تھی اس نے فوراً دودھ کا پیالہ خالی کردیا پھر کڑک کر بولا " دیکھو میں اس سامان تک تم سے پہلے پہنچا ہوں اس لیے ہمارے پیشے کے اصول کے مطابق اس مال پر تمہارا کوئی حق نہیں ہے تاہم تم نے مال سمیٹنے میں جس مستعدی کا ثبوت دیا ہے اس کے پیش نظر میں تمہیں تھوڑا بہت مال دیدوں گا چلو اب گٹھڑیان اٹھائیں اور چلیں"

ابن ساباط کی اس بات پر اجنبی مسکرایا اور پھر شفقت سے بولا " میرے بھائی تم میرے حصے کا خیال کرکے اپنا دل کیوں میلا کرتے ہو اس میں سے میں تم سے کوئی حصہ نہیں لونگا۔ تمہارا ایک ہاتھ ہے تم چھوٹی گٹھڑی اٹھانا میں بڑی گٹھڑی اٹھا کر چلتا ہوں۔ جہاں تم کہو میں وہاں تک اسے پہنچا دیتا ہوں" ابن ساباط نے کہا بس ٹھیک ہے تمہیں مجھ سے بہتر سردار سارے ملک میں نہیں مل سکتا میں یہ چھوٹی گٹھڑی اٹھا لیتا ہوں تم بڑی گٹھڑی اٹھا کر میرے آگے

چلوؔ" اس نخیف الجثۃ اجنبی نے پورا زور لگا کر ایک بڑی گھٹڑی اپنی کمر پر لاد لی۔ اکی خمیدہ کمر گھٹڑی کے بوجھ سے اور بھی خمیدہ ہو گئی اور وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ابن ساباط کے آگے چل پڑا۔ لیکن ابن ساباط کو بہت جلدی تھی کیوں کہ رات بڑی تیزی سے ختم ہو رہی تھی وہ بار بار اس اجنبی کو ٹھوکر مار کر کہتا کہ تیز چلو۔ اجنبی کئی بار لڑکھڑا گیا لیکن پھر اٹھ گیا اور ہانپتا کانپتا پھر تیز تیز قدم اٹھانے لگا۔ ایک جگہ چڑھائی کی وجہ سخت مشکل پیش آئی اور وہ بے اختیار گر پڑا ابن ساباط نے اس پر گالیوں کی بوچھاڑ کر دی اور پھر اس کی کمر پر ایک زور دار لات جما دی، اجنبی جوں توں کھڑا ہوا اور ابن ساباط سے معذرت کرنے لگا ابن ساباط نے گھٹڑی پھر اس کی کمر پر رکھ دی اور دونوں چلتے چلتے دور ایک پرانے کھنڈر میں پہنچے یہاں ابن ساباط کی پناہ گاہ تھی وہ اپنی گھٹڑی باہر رکھ کر دیوار پر سے اندر کود گیا اور اجنبی نے دونوں گھٹڑیاں باہر سے اندر پھینک دیں، اس وقت ابن ساباط نے اطمینان سے اجنبی کے چہرے کا چاند کی چاندنی مین جائزہ لیا تو اس نے محسوس کیا کہ اجنبی کے چہرے سے نور کی شعاعیں پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی ہیں ۔ پھر یکایک وہ ابن اساباط سے مخاطب ہوا" میرے بھائی یہ سارا مال تمہیں مبارک ہو، اس مکان کا مالک میں ہی ہوں اور میں یہ مال اپنی خوشی سے تمہیں بخشتا ہوں، افسوس کہ میں تمہاری کوئی خاطر خواہ خدمت نہیں کر سکا بلکہ راستے بھر میں اپنی کمزوری کی وجہ سے تمہارے لیے زحمت کا باعث بنا خدا کے لیے مجھے معاف کر دو، اچھا میں اب چلتا

ہوں خدا حافظ

اجنبی یہ کہہ کر تیزی سے شہر کی جانب روانہ ہوگیا لیکن اس کے الفاظ خنجر بن کر ابن ساباط کے سینے میں پیوست ہوگئے۔ سیاہ کاری کے اس پتلے کے دل و دماغ کو اجنبی کے اس محیر العقل حسن سلوک نے جنجھوڑ کر رکھ دیا وہ سوچ رہا تھا کہ میں نے اسے کیا سمجھا اور سلوک کیا اور اس نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا؟ یہ سوچتے سوچتے اس کا دماغ ماؤف ہوگیا۔ ضمیر کی خلش نے اسے بے چین کر دیا اس لیے سویرا ہوتے ہی وہ اجنبی کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ اب اس کے دل میں کوئی خوف نہیں تھا بس یہی آرزو تھی کہ اس اجنبی کے قدموں میں اپنا سر رکھ دے۔ رات والے مکان کو ڈھونڈنے میں اسے کوئی دقت نہ ہوئی اس نے مکان کے باہر کھڑے ہوئے ایک فرد سے پوچھا کہ یہ مکان کس تاجر کا ہے؟ اس شخص نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور کہا تم شاید اجنبی معلوم ہوتے ہو یہاں کسی تاجر کا کیا کام یہ تو جناب ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کا مکان ہے۔

ابن ساباط نے ان کا نام تو سن رکھا تھا لیکن ان کا شکل آشنا نہ تھا اس نے اندر داخل ہو کر دیکھا کہ دروازے کے سامنے بڑے والے کمرے میں وہی رات والا اجنبی بیٹھا تھا اور اس کے سامنے کوئی تیس چالیس افراد مؤدبانہ انداز میں بیٹھے ہیں ابن ساباط ٹھٹھک کر رک گیا اتنے میں مسجد سے آزان کی آواز آئی

لوگ اٹھ کھڑے ہوئے جب وہ سب چلے گئے تو وہ اجنبی بھی اٹھا جونہی اس اجنبی نے دروازے سے باہر قدم رکھا ابن ساباط روتا ہوا اس کے قدموں میں پر گر گیا انفعال کے آنسوؤں نے اس کے دل کی ساری سیاہی دھو ڈالی تھی اجنبی نے محبت اور شفقت سے اسے زمین سے اٹھایا اور گلے لگایا ابن سابط کی دنیا اب بدل چکی تھی دوسروں نے جو راہ.برسوں میں طے نہیں کی تھی ابن ساباط نے چند لمحوں میں طے کرلی وہ اس اجنبی کے حلقہ ارادت میں شامل ہوگیا اور ان کے فیض سے ہتھ کٹے شیطان کے بجائے شیخ احمد ساباط کے بن گیا اور اہل اللہ میں اس کا شمار ہوا جس شخص کو چالیس سال تک دنیا کی ہولناک سزائیں نہ بدل سکیں اس کو ایک مرد خدا کے حسن سلوک نے بدل دیا تھا اور ان کے حسن سلوک اور قربانی کی چند ساعتوں نے اس کو خاصان خدا کی صف میں شامل کردیا تھا

آپ کو پتہ ہے وہ کون.بزرگ تھے ؟ وہ.بزرگ حضرت شیخ جنید بغداد تھے

نگاہ قلندر میں وہ تاثیر دیکھی
بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

لا اکراہ فی الدین چند اعتراضات کا جواب - حصہ دوم

کچھ باتیں عرض کردوں کہ میں نے اپنے آرٹیکل (لا اکراہ فی الدین کا صحیح مفہوم) میں ایک دینی اور شرعی مسئلے پر علماء کی تفاسیر پیش کرکے ایک بات پیش کی تھی لیکن میرے مہربانوں نے میرے آرٹیکل مندرجہ ذیل الزامات لگائے ہیں ۔ایک صاحب کو یہ کالم صوفی محمد کے حمایت میں نظر آگیا جب کہ میرے اس آرٹیکل میں کہیں بھی صوفی محمد یا کسی اور گروپ کا نہ تو نام لیا گیا تھا نہ ہی حمایت کی گئی تھی بلکہ سیدھا سیدھا قرآن کا حکم بتایا تھا لیکن معترضین نے اس کو صوفی محمد صاحب سے منسوب کردیا اب میں اس کا کیا جواب دوں۔کچھ صاحبان کا خیال ہے کہ میں نے فتویٰ دیدیا ہے،اور میں مفتی بنتا جارہا ہوں جب کہ میں نے اس کالم میں کہیں بھی کسی کو دائرہ اسلام سے نعوذ باللہ خارج نہیں قرار دیا۔ کسی کو واجب القتل قرار نہیں دیا، کسی کو کافر قرار نہیں دیا لیکن اعتراض برائے اعتراض کرنے والوں کو پتہ نہیں کیسے اس میں یہ ساری باتیں نظر آگئیں، (آرٹیکل کا مطالعہ کرکے اس کو بھی دیکھا جاسکتا ہے کہ میں غلط ہوں یا صحیح)۔ایک اعتراض یہ کیا گیا کہ میں نے تفاسیر میں سے اپنے مطلب کی لائنیں اٹھالیں ہیں اور باقی باتوں کو چھوڑ دیا ہے اور یہ کہ میں مختلف جگہوں سے ٹکڑے جوڑ کو اپنے مطلب کا مفہوم نکالا ہے

اور تو اور ان صاحب نے جن تفاسیر کا حوالہ دیا گیا تھا ان کو ہی غیر مصدقہ قرار دیدیا یہ ان صاحب کی مطلق جاہلیت کا ثبوت ہے لکھتے ہیں کہ (آپ نے جس طرح حوالے دیے وہ بھی غیر واضع و غیر مصدقہ ہیں کیونکہ آپ نے لگ رہا ہے کہ اپنی مرضی کی لائنیں تو اٹھا لیں اور مخالف نظریہ رکھنے والی لائنیں اڑا گئے) ان صاحب نے بغیر کچھ پڑھے اور سمجھے ان تفاسیر کو غیر مصدقہ کہہ دیا کیوں کہ آگے ان کا یہ کہنا کہ (اگر ایسا کیا گیا ہے تو اللہ سی فوراً معافی مانگ لیں) یہ ظاہر کرتا ہے انہوں نے نہ تو تبصرہ کرتے وقت کسی قسم کا کوئی مطالعہ کیا تھا اور نہ ہی ان کو یہ پتا ہے کہ تفسیر ابن کثیر، تفہیم القرآن اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی صاحب کی کنزالایمان کا کیا درجہ ہے، اب اگر ایک فرد ان تفاسیر کو غیر مصدقہ کہے تو کیا اس کی جہالت میں کسی کو شبہ ہو سکتا ہے؟ اسی طرح ایک صاحب کو یہ شبہ ہے کہ میں یہ کالم ایک اور کالم نگار کے جواب میں لکھا ہے اور یہ کہ میں اس پیلٹ فارم کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کر رہا ہوں ان کی بات جزوی طور پر درست ہے وہ اس طرح کہ میں نے یہ آرٹیکل کسی کالم نگار کے جواب میں نہیں بلکہ حضرت مولانا مفتی الطاف حسین صاحب دامت برکاتہ لندن والے کی اسلام کی من مانی تعبیر پر لکھا تھا۔ البتہ یہ بات درست ہے کہ میں اس پلیٹ فارم کو استعمال کر رہا ہوں اور میرا مقصد اس پلیٹ فارم کے ذریعے دین کا پیغام لوگوں تک پہنچانا ہے تو وہ میں کرتا رہونگا چاہے کسی کو کتنا ہی برا لگے۔ اس کے ساتھ ہی میرے اس

بھائی نے علماء پر " کم علم ملا " کی پھبتی کستے ہوئے کہا (کہ جیسے جب کسی سکہ بند کم علم ملا کے پاس کوئی جواب نہیں ہوتا تو وہ یہ کہتا ہے) کاش علماء کو کم علم ملا کہنے والے یہ عالم و فاضل بھائی میرے اوپر اعتراض کرنے میں اور اپنے مؤقف کے حق میں کوئی علمی دلیل لاتے تو ان کی بات میں وزن ہوتا۔ لیکن دراصل انہوں نے صرف اپنے اندرونی بغض کو ظاہر کرتے ہوئے بغیر کچھ پڑھے کچھ مطالعہ کیے ہوئے تبصرہ کر دیا ہے۔ایک صاحب نے اعتراض کرتے ہوئے ایک طویل تبصرہ کیا اور لفاظی کرتے ہوئے مجھ پر اعتراض کیا ہے لیکن بات وہی ہے کہ ان صاحب نے کوئی علمی دلیل کوئی حدیث، کسی قرآنی آیت کا حوالہ نہیں دیا۔ تو میں ان کی بات کو کیسے اہمیت دیدوں؟؟

سب سے زیادہ افسوس ناک صورتحال میرے ایک کالم نگار بھائی کی ہے کہ انہوں بھی میرے اس آرٹیکل کے جواب میں تین آرٹیکل لکھے، دو میں انہوں نے بھی صرف لفاظی کرکے میری بات کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کی، میرے اوپر مفتی بننے کی پھبتی کے ساتھ ساتھ اسلام کی من مانی تعبیر کا الزام لگایا لیکن انہوں اپنے آرٹیکل (دین میں جبر نہیں حصہ اول) میں کوئی دلیل دیئے بغیر میری بات کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ میں تمام قارئین سے ایک سوال کرتا ہوں کہ جب ایک بات باقاعدہ حوالوں کے ساتھ بیان کی گئی ہے تو اس کا جواب بھی حوالہ جات کے ساتھ دیا جاتا تو بات میں وزن ہوتا اب یہ یہ تمام معترضین حضرات کیا

چاہتے ہیں کہ میں محض ان کی ناراضگی کے ڈر سے ایک غلط بات بیان کروں۔اپنے دوسرے آرٹیکل (دین میں جبر نہیں حصہ دوم) میں اس بھائی نے اپنے مؤقف کے حق میں کچھ آیات قرآنی کا ترجمہ پیش کیا لیکن ظلم یہ کیا گیا کہ مجھے تو مفتی ہونے کا الزام لگا کر دین کی غلط تعبیر و تشریح کا الزام لگا دیا گیا لیکن خود اس بھائی نے کسی بھی عالم دین، کسی مفتی کی رائے کے بجائے اپنے فہم اور نظریہ کے مطابق خود ہی ان آیات کی تشریح کردی ہے اب اس کو کیا کہا جائے ؟(اس کا جواب ہم اپنے آرٹیکل لا اکراہ فی (الدین :کچھ اعتراضات کا جواب حصہ اول میں دے چکے ہیں

اس بھائی نے میرے آرٹیکل کے جواب میں تیسرا آرٹیکل (دین میں کوئی جبر نہیں چند باتیں) یہاں بھی انہوں نے صرف لفاظی کرتے ہوئے میری باتوں سے اختلاف کیا ہے؟اس کے ساتھ ساتھ مجھے مشورہ بھی دیا گیا ہے کہ میں ان بھائی کے مؤقف کی کسی عالم دین سے تصدیق کرالوں ساتھ ہی ان کو خوف محسوس ہوا کہ کہیں ان کی باتیں غلط ثابت نہ ہوجائیں تو اس میں عالم دین کے ساتھ روشن خیال کی شرط بھی لگا دی گئی ہے تاکہ اگر ان کی باتوں کو غلط ثابت کیا جائے تو یہ فوراً کہہ سکیں کہ جناب یہ تو سکہ بند روایتی علماء ہیں ہم تو روشن خیال علماء کو مانتے ہیں بھائی کی دیدہ دلیری کا یہ عالم ہے کہ ہم نے اپنے مؤقف کے حق میں جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی منکرین زکوۃ سے جہاد کی مثال پیش کی

چونکہ یہ بات ان کے خلاف جاتی تھی اس لیے انہوں فوراً کہہ دیا کہ یہ شریعت تو نہیں بن گئی، کاش یہ بھائی یہ بات کہنے اور اپنی کم عقلی ظاہر کرنے سے پہلے تھوڑا سے مطالعہ کر لیتے تو یہ بات نہ کہتے۔ کیا میرے اس بھائی کو نہیں پتہ کہ مقام صدیق اکبر کیا ہے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد پاک ہے کہ جس جس کا مجھ پر کوئی احسان تھا اس کا بدلہ میں نے دیدیا لیکن ابو بکر کے احسانات کا بدلہ میں نہیں اتار سکا۔ (اللہ کمی بیشی معاف کرے) جناب، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جو یار غار ہیں جن کو بارگاہ رسالت سے حق کی تصدیق کرنے پر صدیق کا خطاب دیا گیا، جن کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ ابو بکر میرے سارے اعمال لے لو لیکن وہ جو ایک غار ثور کی رات ہے وہ مجھے بخش دو ان کے بارے میں آپ نے کتنی دیدہ دلیری سے کہہ دیا کہ ان کی مثال شریعت نہیں بن گئی۔ محترم ہماری فقہ اور شریعت کے جو بھی معاملات ہیں اس میں اصول یہی ہے کہ سب سے پہلے قرآن پاک سے رجوع کیا جائے، اگر اس میں متعلقہ مسئلہ نہ ہوتا پھر سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رجوع کیا جائے اگر اس میں بھی یہ مسئلہ نہ ملے تو خلفائے راشدین کی سیرت میں اس کو دیکھا جائے (بعض جگہ صحابہ کرام کی سیرت کا کہا گیا ہے) اگر اس میں بھی مسئلہ نہ ملے تو پھر اجتہاد کیا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے کچھ سوالات بھی اٹھائے ہیں کہ اسلامی حکومت میں بے نمازی، روزہ خور، زکوٰۃ نہ دینے والے، حج نہ کرنے والے پر کیا سزا دی جائے گی۔ اس

معاملے پر میں نے ایک عالم دین سے رجوع کیا تھا (ان کی فرمائش کے مطابق روشن خیال عالم) پروفیسر مولانا محمد آصف خان صاحب جامعہ نعیمیہ سے سند یافتہ عالم ہیں، اس کے ساتھ ساتھ جامعہ کراچی سے ایم اے اسلامیات کیا ہے اور ایک مقامی کالج میں لیکچرار ہیں ان سے جب ہم نے رابطہ کیا تو انہوں مختصراً یہ بتایا کہ اگر کہیں اسلامی حکومت قائم ہوتی ہے اور وہاں کے اعمال حکومت بھی دین پر عمل کرتے ہوں تو اس معاشرے میں اگر کوئی فرد اعلانیہ دین کے احکام کی خلاف ورزی کرے گا تو حکام اس پر تعزیری سزا دیں گے اور یہ سزا صوبدیدی ہوگی۔ یہاں یہ بات واضح رہے کہ اگر ایک فرد نماز نہ پڑھے اور خاموشی سے گھر بیٹھا رہے، یا روزہ نہ رکھے اور گھر بیٹھا رہے کسی کو پتہ نہ چلے تو اس پر کوئی سزا نہیں دی جائے گی لیکن اگر ایک فرد اسلامی معاشرے میں جان بوجھ کر نماز کے وقت باہر بیٹھا رہے، یا رمضان میں روزہ بھی نہ رکھے اور سر عام روزہ خوری بھی کرے تو اس کو تعزیری سزا دی جائے گی۔ یہاں میں ایک بھائی محمد اکبر باروی صاحب نے اس بھائی کے کلم پر جو تبصرہ کیا ہے اس سے ایک مثال پیش کرونگا تاکہ انکی تشفی ہو جائے (خلیفہ راشد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ان کے صاحبزادے نے نبیذ جو شراب بن چکی تھی اور آپ کو پتا نہ چل سکا پی لی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو کوڑوں کی سزا دی جس سے وہ وفات پا گئے اسی طرح کی کئی (مثالیں اسلام کے ابتدائی دور میں ملتی ہیں

اگر دیکھا جائے تو بظاہر یہ لگتا ہے کہ میرے اس بھائی نے دین سے محبت کی بناء پر میرے ایک کالم کے جواب میں تین کالم لکھ دیئے۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ اسوقت ان کی دینی غیرت کہاں تھی جب گزشتہ اتوار یعنی ۱۸ اپریل کو محترم الطاف حسین صاحب نے بڑی دیدہ دلیری سے نماز کے بجائے اپنے بلائے گئے اجلاس کو ترجیح دی اور خود ہی اس کی توجیہہ بھی پیش کردی۔آج ایک ہفتہ سے زیادہ عرصہ گزر گیا لیکن ان بھائی نے اس پر کوئی بات نہیں لکھی ہے۔اس سے یہ بات بالکل صریح طور پر واضح ہوجاتی ہے کہ یہ بھائی کراچی کی ایک متنازعہ تنظیم کے حلف یافتہ اور اس کے لیڈر کی شخصیت پرست ہونے کا ثبوت دے رہے ہیں اور ان کے اس لادینی ایجنڈے یعنی علماء کو دین پرستوں کو بے توقیر کرکے لادین قوتوں کا ہاتھ مضبوط کیا جائے کا ساتھ دے رہے ہین لیکن تاثر یہ دیتے ہیں کہ وہ صرف حق اور سچ کی بات کرتے ہیں لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔

آخر میں قارئین سے ایک بات کرکے میں اپنے بات ختم کروں گا کہ یہ اتنا طویل مضمون لکھنے کا ہمارا خدانخواستہ یہ مقصد نہیں ہے میں اپنی لفاظی کی دھاک بٹھادوں بلکہ جس طرح میں اکثر یہ کہتا ہوں کہ بڑے بڑے اخبارات میں نامی گرامی کالم نگار مثلاً نذیر ناجی ، حسن نثار، رؤف کلاسرہ وغیرہ) کس طرح بددیانتی کرتے ہوئے دین) کی من مانی تفسیر و تعبیر پیش کرتے ہیں اور عوام کو

گمراہ کرتے ہیں تو وہ بھی اسی طرح بغیر کسی تاریخی یا علمی حوالے کے اپنی مرضی کی باتیں سامنے لاتے ہیں اور تاثر یہ دیتے ہیں وہی بالکل ٹھیک کہہ رہے ہے تو قارئین اس ٹائپ کے تمام لوگوں سے ہوشیار رہیں اور انکی باتوں میں نہ آئیں۔

سوائین وائرس : انسانوں کا نیا دشمن

امریکہ اور یورپ گزشتہ ایک ہفتے سے ایک نئے شدید خطرناک قسم کے وائرس کی زد میں ہیں جس کو سوائین فلو کا نام دیا گیا۔ اس نئے اور پراسرار وائرس نے طبّی ماہرین کو پریشان کر کے رکھ دیا ہے اور اب تک اس مرض (سوائین فلو یا سوائین انفلوئینزا) کے باعث سینکڑوں ہلاکتیں ہو چکی ہیں۔

سوائین فلو سور (خنزیر) میں سانس کی تکلیف کی بیماری کا مرض ہے، جبکہ ٹائپ اے انفلو ئنز وائرس کی وجہ سے یہ مرض لاحق ہوتا ہے۔ سوائین فلو ایک وبائی مرض ہے جو ایک سے دوسرے کو منتقل ہوتا ہے۔ سور تواتر سے اس کا شکار ہوتے ہیں۔ سوائین فلو کی مختلف اقسام ہیں اور اس وقت جو سوائین فلو ہے وہ ایچ ون وین ون ہے جو کہ انفلو ئنز وائرس کا ٹائپ اے ہے۔ عام طور پر یہ انسانوں میں نہیں پھیلتا لیکن سور کے قریب ہونے سے یہ وائرس انسان میں منتقل ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد یہ ایک انسان سے دوسرے انسان میں منتقل ہو جاتا ہے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ سوائین وائرس عین اسی طرح پھیلتا ہے جس طرح کسی ایک سیزن میں بخار پھیلتا ہے۔ سوائین فلو کی علامات میں عام سیزن میں ہونے والے انفلو ئنزا نفیکشن کی مانند جیسے بخار، تھکاوٹ، سستی، کھانسی، اور گلے کا خشک ہو جانا

شامل ہے۔ اس بیماری کا شکار لوگوں کو شدید بخار، نزلے کے ساتھ جسم پر آبلے نکلنے کی شکایت ہوتی ہے۔ بعض مریضوں کے کیسز میں الٹی اور دست کی شکایت بھی سامنے آئی ہے۔ سیزن میں ہونے والا بخار وائرس سے ہوتا ہے جو صرف انسانوں میں بیماری سے پیدا ہوتا ہے جبکہ ایوان فلو پرندوں میں انفیکشن کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جبکہ سوائین فلو سور میں وائرس سے ہوتا ہے۔ ماضی میں ہزاروں افراد اس کا شکار رہے ہیں جس میں بعض کیسز تو سنگین ثابت ہوئے ہیں۔ عالمی ادار صحت (ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن) نے بھی اس مرض کو سنگین قرار دیا ہے اور احتیاطی تدابیر کے لیے کہا گیا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ عالمی ادارہ صحت نے اس وائرس کو مقابلہ کرنے اور اس کو سمجھنے کے لیے دنیا بھر سے کئی ماہرین اور سائنسدانوں کو اکٹھا کرلیا ہے اور اس مہلک بیماری کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنے کے لیے مشترکہ لائحہ عمل اختیار کرنے کے سلسلے میں کانفرنس کا آغاز گزشتہ روز ہوا۔ عالمی ادارہ صحت نے یہ اجلاس سائنٹیفک کمیونٹی کی درخواست پر بلایا ہے۔

اطلاعات کے مطابق اس مرض سے سب سے زیادہ میکسیکو متاثر ہوا ہے جہاں اب تک 159 ہلاکتیں ہوچکی ہیں اور ان کی وزارت صحت کے ذرائع کا کہنا ہے کہ اس وقت ملک میں سوائین فلو کے مریضوں کی کل تعداد 2498 ہے ان میں سے 1311 مریض

ہسپتالوں میں موجود ہیں جبکہ باقی مریضوں علاج کے بعد گھر پر آرام کرنے کا کہا گیا ہے۔ کینیڈا کے حکام نے سوائین فلو کے تیرہ کیسز کی تصدیق کردی ہے ان میں سے دو افراد کو یہ مرض اس وقت لاحق ہوا جب وہ میکسیکو کے دورے پر تھے۔ کئی ممالک نے اپنی فلائٹس کا رخ میکسیکو کی طرف سے دوسری طرف موڑ دیا ہے اور اس وقت غیر ملکی ایئر لائنز نے ان مسافروں سے معذرت کرلی ہے جو میکسیکو جانے کی خواہش کا اظہار کرتے ہیں۔ سنگاپور کے حکام نے اس وائرس سے بچنے کے لیے احتیاطی تدابیر اختیار کی ہیں اور ائیر پورٹ پر مسافروں کے چیک اپ کا انتظام کیا گیا ہے بالخصوص میکسیکو سے آنے والے مسافروں کا مکمل چیک اپ کیا جاتا ہے

امریکہ میں اب تک نیو یارک میں 8 کیلی فورنیا میں 7 ٹیکساس اور کنساس میں 2 ،2 اور اوہائیو میں سوائین فلو کا ایک کیس سامنے آچکا ہے، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، اسرائیل، اسپین، سنگاپور،.برازیل ، جاپان، کینیڈا میں بھی اس وائرس کے تیزی سے پھیلنے کی اطلاعات ہیں اور وہاں بھی حفاظتی تدابیر اختیار کی جارہی ہیں۔ جبکہ عالمی ادارہ صحت نے .برطانیہ میں اس وائرس کے وباء کے صورت میں پھیلنے کا خدشہ ظاہر کیا ہے اور اس کا کہنا ہے اس صورت مں .برطانیہ کی چالیس فیصد آبادی متاثر ہوسکتی ہے۔ امریکہ میں اس مرض کے باعث.بڑھتی ہوئی ہلاکتوں کے باعث ایمرجنسی نافذ کردی گئی ہے

جہاں اس مرض نے انسانی صحت پر مضر اثارت مرتب کئے ہیں اور ہلاکتیں ہوئی ہیں وہی اس وائرس کے باعث امریکہ اور یورپ کی مالیاتی بحران میں مبتلا معیشت کو ایک اور دھچکے کا سامنا کرنا پڑے گا کیوں کہ اطلاعات کے مطابق بیماری کے خطرات سے بچنےکے لیے روس نے امریکہ سے آنے والے سور کے گوشت پر پابندی عائد کردی ہے اس کے ساتھ ساتھ ایکواڈور، نے بھی امریکہ اور میکسیکو سے آنے والے گوشت پر پابندی عائد کردی ہے جبکہ چین، تھائی لینڈ، انڈونیشیا اور بلقان کی ریاستیں پہلے ہی اس گوشت کی درآمد پر پابندی عائد کر چکی ہیں۔ اسی لیئے امریکی حکام سور کے گوشت کی صنعت کو تباہی سے بچانےکے لیے سوائین فلو کا نام تبدیل کرنے پر غور کر رہے ہیں۔
مختلف ممالک کے امریکی گوشت کی درآمد پر پابندی کے باعث امریکہ اور مغربی ممالک کو نئے معاشی بحران کا سامنا ہے۔ سنگاپور کے مرکزی بینک نے خدشہ ظاہر کیا ہے کہ سوائین فلو سے پیدا ہونے والی عالمی بحران کے نتیجہ میں کساد بازاری کے شکار سنگاپور کی معیشت کو مزید نقصان ہوگا۔

کراچی: اصل مسئلہ کیا ہے؟

کراچی گزشتہ رات ایک بار پھر آگ اور خون میں نہلا دیا گیا ہے اوراخباری اطلاعات کے مطابق ۲۸ اور بعض اطلاعات کے مطابق ۳۱ افراد جاں بحق ہو گئے ہیں۔ جبکہ ۲۰ سے زائد گاڑیاں جلا دی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ مختلف علاقوں میں ہوٹلوں کو آگ لگائی گئی ہے۔ اب ان واقعات پر ایک تشویش کا اظہار بھی کیا جارہا ہے۔ اس کی مذمت بھی کی جارہی ہے ایم کیو ایم کے الطاف حسین صاحب،اے این پی کے اسفند یار ولی اور شاہی سید صاحب، وزیر اعلیٰ سندھ سید قائم علی شاہ، صدر آصف علی زرداری اور وزیر اعظم سید یوسف رضا گیلانی صاحب نے اس پر گہری تشویش ظاہر کی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وزیر اعلیٰ سندھ کی سربراہی میں ایک اہم اجلاس بھی ہو رہا ہے جس میں پی پی پی، اے این پی، اور متحدہ قومی موومنٹ کے ذمہ داران کو شریک کیا گیا ہے اور شہر کی صورتحال پر تبادلہ خیال جائے گا اور صورتحال کو سنبھالنے کے لیے اقدامات کیئے جائیں گے۔ یہ ایک بہت ہی راست قدم اٹھایا گیا ہے جو کہ وقت کی ضرورت ہے لیکن میرا مسئلہ ہے کہ میں صرف سامنے کی چیز نہیں دیکھتا بلکہ ساری صورتحال کو دیکھنے کی کوشش کرتا ہوں۔

بات یہ ہے کہ آپ بھیڑیوں کا بھیڑوں کو نگہبان بنا دیں تو کیا وہ ان بھیڑوں کی حفاظت کرے گا۔ سندھی میں ایک مثال ہے کہ جس کا ترجمہ ہے کہ جو کا ڈھیر ہو اور گدھا رکھوالی کرے گا؟ محترم یہ سارے لوگ جو امن کا راگ الاپ رہے ہیں یہی لوگ تو اس صورتحال کے ذمہ دار ہیں کون نہیں جانتا کہ طالبان اور لسانیت کا نام لیا جارہا ہے لیکن درحقیقت یہ تو شہر پر قبضے کی جنگ ہے۔ یہ تو لینڈ مافیا کا جھگڑا ہے۔ جس کو بڑی صفائی سے طالبان سے منسوب کرکے اصل بات چھپائی جارہی ہے۔

آج وزیر اعلیٰ سندھ امن اجلاس بلا رہے ہیں لیکن بارہ مئی دو ہزار سات کو یہی وزیر اعلیٰ سندھ محترمہ شیری رحمان صاحبہ کے ساتھ متحدہ قومی موومنٹ پر دہشت گردی کا الزام لگا رہے تھے۔ اور ٹی وی چینلز کے مذاکروں میں تیز و تند مباحث ہو رہے تھے۔ آج یہ لوگ اپنے اقتدار کو دوام دینے کے لیے عوام کو بیوقوف بنا رہے ہیں اور ایک دہشت گروپ کی حمایت کر رہے ہیں اور حقائق سے آنکھیں چرا رہے ہیں۔

اے این پی کے شاہی سید آج اپنی سیاست چمکانے کے لیے بارہ مئی کا نام لے رہے ہیں آج ان کو بارہ مئی کے شہداء کی یاد ستا رہی ہے آج ان کے دل میں بارہ مئی کے شہداء کی محبت جاگی ہے۔ لیکن کیا عوام بھی بھول گئے ہیں کہ ان کے

بھی کیا بیانات تھے بارہ مئی دو ہزار سات کے فوراً بعد؟ قریباً ڈیڑھ سال تک اتحاد میں رہنے کے بعد جب کچھ اختلافات پیدا ہوئے ہیں تو ایک بار پھر لسانیت پھیلانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ کیا لوگ نہیں جانتے کہ اے این پی کا کیا کردار ہے کراچی کے حالات میں؟ دیکھیں اے این پی کراچی میں پختونوں کی ہمدردی حاصل کرنے کے لیے لینڈ مافیا، اور منشیات فروشوں کی سرپرستی کرتی رہی ہے اور گزشتہ سال کے اوائل میں جب بلدیہ ٹاؤن میں اچانک فسادات اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور ایک تنظیم کا رہنما فضل الرحمان ہلاک ہوا تھا تو جس کے فوراً بعد ہی الاصف اسکوائر پر بھی کشیدگی بڑھ گئی تھی اور اس کو بڑی صفائی سے سیاسی رنگ دینے کی کوشش کی گئی تھی لیکن وہاں کے مقامی لوگوں سے جب معلومات کی گئی تو معلوم ہوا کہ یہ سارا منشیات فروشی اور لینڈ مافیا کا جھگڑا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ متحدہ قومی موومنٹ کا بھی اس ساری صورتحال میں بہت بڑا کردار ہے۔ کراچی میں جو لینڈ مافیا کا اور زمینوں پر قبضے کا مسئلہ اچانک اٹھ کھڑا ہوا ہے تو دراصل وہ اچانک نہیں اٹھا ہے بلکہ یہ گزشتہ تقریباً ڈیڑھ سال سے جاری ہے اور الطاف حسین صاحب نے اس صورتحال کو اپنے ایجنڈے کی تکمیل کے لیے استعمال کرنا شروع کیا ہے۔ ایک طرف طالبان کا نام لیکر امریکہ اور مغربی قوتوں کو خوش کیا جائے۔ دوسری طرف یہ کہا گیا کہ ہم پختونوں کے

خلاف نہیں ہیں ہم تو طالبان کے خلاف ہیں۔ لیکن اگلی بات سے صورتحال واضح ہو جاتی ہے کہ نشانہ کون ہیں متحدہ کے قائد نے چند دن پیشتر اپنے ایک خطاب میں کہا کہ طالبان مکینکوں، ڈرائیوروں، کلینزوں، اور مزدوروں کی بھیس میں کراچی میں آ گئے ہیں۔اب اس بیان کو دیکھا جائے تو یہ واضح طور پر ایک مخصوص قومیت کی طرف رخ موڑا جارہا ہے۔ یہاں یہ بات واضح رہے کہ اب کراچی کی جو صورتحال ہے اس میں نارتھ ناظم آباد بلاک یو، بلاک کیو، بلاک ایس، بلاک جے، بلاک ٹی اور نارتھ کراچی کا متاثرہ حصہ جو کہ الیون اے کی طرف لگتا ہے اور بلدیہ ٹاؤن اور نگی ٹاؤن کا حصہ متاثر ہوگا۔ کیوں کہ نارتھ ناظم آباد کے مذکورہ علاقے کی صورتحال یہ ہے کہ ایک روڈ جو کہ قلندریہ چوک سے عبداللہ کالج تک جاتی ہے وہ ایک طرح کی سرحد کا کام کرتی ہے ایک طرف پختون آبادی کی اکثریت ہے دوسری طرف اردو اسپیک آبادی کی اکثریت ہے۔ ہمارا مقصد خدانخواستہ کوئی لسانیت کو فروغ دینا نہیں ہے بلکہ اصل بات کو سمجھنے کے لیے یہ بات نہایت ضروری ہے یہاں لینڈ مافیا کا انتہائی زور ہے اور متحدہ قومی موومنٹ اس سوچ کے ساتھ کہ اس سے پہلے دوسرے لوگ قبضہ کریں خود قبضہ کر کے اپنے لوگوں کو یہاں آباد کرلیا جائے۔اس کی مثال بلاک آئی میں واقع تاج محل پارک ہے جس کے آدھے حصے پر قبضہ کر کے وہاں باقادہ مکانات بنا کر دیئے گئے ہیں اور اس گلی کو دونوں طرف سے بند کر دیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ قلندریہ چوک پر

واقع طالب چمن پارک پر بھی چار دیواری بنا کر کام شروع کر دیا گیا ہے یہی صورتحال بلدیہ ٹاؤن اور اورنگی ٹاؤن کی ہے

اب اس ساری صورتحال کو سامنے رکھیں اور پھر گزشتہ رات کے فسادات کا جائزہ لیں تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس میں ٹھیلے والوں، پتھارے والوں، رکشہ ڈرائیوروں اور مزدوروں کی ٹارگٹ کلنگ کی گئی مکانات اور دکانوں کو آگ لگائی گئی ہے۔اس طرح ذاتی مفادات کی جنگ میں بے گناہ عوام کو ایندھن بنایا گیا ہے اور دونوں پارٹیوں کے ذمہ داران کو اس بات سے کوئی غرض نہیں ہے کہ اس کا نتیجہ کیا نکلے گا؟اس کا نتیجہ صرف اور صرف عوام کو بھگتنا ہوگا۔ دیکھیں اگر خدانخواستہ یہ فسادات لسانی رنگ اختیار کرتے ہیں تو صرف وہ لوگ مارے جائیں گے جو مخلوط آبادی میں رہتے ہیں یعنی اگر پختون آبادیوں میں اردو بولنے والے لوگ ہونگے تو وہ نشانہ بنیں گے اور اردو بولنے والوں کی آبادی میں پختون نشانہ بنیں گے۔اس کے ساتھ ساتھ سائٹ ایریا جو کہ کراچی کا ایک صنعتی علاقہ ہے اور پاکستان کی معیشت میں اس کا اہم کردار ہے وہ متاثر ہوگا کیوں کہ پھر وہاں کی فیکٹریوں اور کارخانوں میں حاضری متاثر ہوگی کیوں کہ یہ علاقے پختون اکثریتی آبادی پر مشتمل ہیں اور لامحالہ ان فسادات کا اثر یہاں بھی پڑے گا اور ممکن ہے کہ ماضی کی طرح ایک بار پھر یہاں سے سرمایہ کار اپنا کاروبار سمیٹ دیگر شہروں میں منتقل کردیں اس میں نقصان کسی کو

نہیں ہوگا سوائے کراچی کے ، (اور کراچی کی نمائندگی کی دعوے دار قیادت کو اس پر غور کرنا چاہیے) دوسری طرف یہ ہوگا کہ اردو بولنے والی آبادی سے پختونوں کو نکالنے کی کوشش ایک بار پھر کی جائے گی۔ لیکن غور کرنے کی بات یہ ہے کہ کوئی فرد اپنا کاروبار سمیٹ کر تو شاید دوبارہ کہیں اور از سر نو شروع کردے گا لیکن دلوں میں جو بال آئے گا وہ شاید کبھی نہ نکل سکے۔ اور یاد رکھیں اس سارے ہنگامے میں نہ تو اے این پی کے کسی لیڈر کو کچھ ہوگا نہ متحدہ کا کوئی ذمہ دار متاثر ہوگا۔ نہ ہی پی پی پی کے کسی لیڈر کو کوئی گزند پہنچے گی یہ لوگ تو اپنے مسلح محافظوں، حکومتی طاقت اور ہٹو بچو کے شور میں متاثرہ آبادیوں کا دورہ کرکے اور اپنی سیاست چمکا کر چلے جائیں گے۔ لیکن عوام کہاں جائے؟

اس ساری صورتحال کے بعد ہماری ان تینوں جماعتوں (پی پی پی ،ایم کیو ایم ،اے این پی) سے دست بستہ گزارش ہے کہ خدارا اپنے اس وقتی اقتدار کے لیے عوام کو استعمال نہ کریں بلکہ اصل ذمہ داران کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے چاہے اس کا تعلق کسی بھی گروپ سے ہو اور عوام سے بھی ہماری یہی گزارش ہے کہ بھائیوں اور بہنوں یہ کوئی لسانی جھگڑا نہیں ہے کوئہ طالبان نہیں ہیں یہ صرف اور صرف مفادات کی جنگ ہے اس لیے کسی بھی قومیت کے خلاف کوئی بات نہ کریں چاہے کوئی مہاجر ہے یا پختون سندھی ہے یا پنجابی، بلوچ ہے یا سرائیکی

یا کوئی اور وہ کسی کے ساتھ کوئی تعصب نہیں کرتا ہے بلکہ یہ لیڈر ہیں جو گھر پھونک تماشہ دیکھتے ہیں ان سے ہوشیار رہیں

ہیں تلخ بہت بندہ مزدور کے اوقات

آج ہم یوم مئی منا رہے ہیں یعنی مزدوروں کا عالمی دن آگے کچھ کہنے سے پہلے اس دن کی تاریخ پر تھوڑی نظر ڈالتے ہیں۔ صنعتی انقلاب کے ساتھ ہی پہلی باقاعدہ ٹریڈ یونین پندرہ مختلف یونینز کے اتحاد سے 1827 میں امریکی ریاست فلاڈیلفیا میں مکینکس یونین آف ٹریڈ ایسوسی ایشن کے نام قائم کی گئی۔مزدوروں کا پہلا مطالبہ ایک دن میں آٹھ گھنٹے کے اوقات کار مقرر کرنے کا تھا، آغاز میں مزدوروں کو چوبیس گھنٹوں میں سے اٹھارہ گھنٹے اوسطاً کام کرنا پڑتا تھا۔ یہ مطالبہ آہستہ آہستہ پورے امریکہ میں زور پکڑ گیا۔

اپنے اس مطالبے کے حق میں 1861 اور 1862 میں امریکہ کے کان کن اور بوائلر مزدور اکٹھے ہوگئے اور 1863 میں صرف امریکہ میں تیس مزدور یونینز قائم ہوگئیں اگلے سال تک اس مطالبے کے حق میں 53 یونیز قائم ہوچکی تھیں۔ جبکہ 1864 میں سگار بنانے والے مزدور اور بحری جہازوں کے مزدور، 1865 میں اینٹیں بنانے والے مزدور، اور 1866 میں دلک لومز بنانے والے، ٹوپیاں بنانے والے مزدور بھی اتحاد کر چکے تھے۔

اگست 1866 کو امریکہ کے ساری مزدور یونینز کے نمائندے اکٹھے ہوئے اور 20 انھوں نے ایک متحدہ نیشنل یونین لیبر بنانے کا اعلان کیا۔ مفاد پرست سرمایہ داروں نے یہ صورتحال دیکھی تو انھوں نے مقامی مزدور جو کہ احتجاج میں شامل ہوتے تھے ان کی جگہ غیر مقامی اور غیر تربیت یافتہ مزدوروں کو کام دینا شروع کیا۔ غیر مقامی اور غیر ملکی مزدوروں کی مدد کے بعد مقامی مزدوروں کی تشویش میں اضافہ ہوگیا اور اس کے ساتھ ملک میں بیروزگاری میں بھی اچانک اضافہ ہوگیا۔ دوسری طرف 1873 کی کساد بازاری نے مزدوروں کے حالات کو نا قابل برداشت حد تک خراب کردیا اور مزدور اپنے حقوق کے لیے ہڑتالیں کرنے لگ گئے۔

تک جپان، آسٹریلیا، لاطینی امریکہ اور یورپ میں بھی مزدور اپنے حقوق کے 1880 لیے متحد ہوگئے۔ 1882 میں جاپان ٹراموے ورکرز کی ایک بہت بڑی ہڑتال ہوئی، مزدور لیڈر" گومپرس" کا نعرہ" مزدوروں ایک ہوجاؤ" کی گونج پوری دنیا میں سنی گئی۔ گومپرس کی فیڈریشن نے متحدہ جدوجہد شروع کرنے کے لیے 1884 شکاگو میں ایک بڑا کنونشن بلایا، اس موقعے مزدوروں کی جانب سے کی گئی ہڑتال دنیا کی پہلی عام ہڑتال ثابت ہوئی،اور اس میں مطالبہ کیا گیا کہ یکم مئی 1886 سے اوقات کار آٹھ گھنٹے مقرر کیے جائیں اور ایسا نہ کرنے کی صورت میں عام ہڑتال کی جائے گی۔

شکاگو اس وقت مزدور تحریک کا مرکز اور ایک بڑا صنعتی شہر تھا۔ یکم مئی 1886 کو شکاگو کے "ہے مارکیٹ اسکوئر" پر کم و بیش اسی ہزار مزدور جمع ہو کر اپنے مطالبات کے حق میں ریلی نکال رہے تھے۔ یہاں واضح رہے کہ ہڑتال کئی روز سے جاری تھی جس نے مفاد پرست سرمایہ داروں کو ہلا کر رکھ دیا تھا اور وہ مزدوروں کے اس احتجاج کو سبوتاژ کرنا چاہتے تھے اور اسی لیے سرمایہ داروں اور حکومتی گٹھ جوڑ کے نتیجے میں ریلی کے اختتام پر کسی نامعلوم فرد نے ریلی پر ایک بم پھینک دیا جس میں ایک درجن کے قریب مزدور ہلاک ہوگئے جب کہ سات پولیس والے بھی اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ اس واقعے کے تیسرے روز جب کہ مزدوروں کا احتجاج ہنوز جاری تھا پولیس نے پر امن مظاہرین پر فائرنگ کردی جس کے نتیجے میں متعدد مزدور ہلاک ہوگئے جب کہ کئی زخمی ہوگئے۔ اور ستم بالائے ستم یہ ہوا کہ دو دن پیشتر ہونے والے بم بلاسٹ کا الزام بھی مزدور رہنماؤں پر لگایا گیا اور آٹھ مزدوروں لیڈروں کو پھانسی دیدی گئی جب کہ دو کو عمر قید کی سزا سنائی گئی۔ اس واقعے کے تین سال کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ یکم مئی کو ان مزدوروں کی شہادت کی یاد میں منایا جائے گا اور یوں پہلا یوم مئی 1890ء کو منایا گیا۔ یہ اس دن کی ایک مختصر تاریخ تھی جو ہم نے آپ کے سامنے بیان کی ہے۔

اب اگر ہم اپنے معاشرے میں آج مزدوروں کی حالتِ زار کا جائزہ لیں تو نظر

آتا ہے کہ آج کا مزدور انتہائی مفلوک الحالی کا شکار ہے۔ فیکٹریوں وغیرہ میں عموماً تو آٹھ گھنٹے کے اوقات کار پر عمل ہی نہیں ہوتا اور اگر کہیں اوقات کار پر عمل بھی ہوتا ہے تو پھر دیگر سہولیات (میڈیکل، فوڈ الاؤنس، وغیرہ) نہیں دیا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمارا محنت کش روز کنواں کھودتا ہے اور روز پانی بھرتا ہے کی مثال بنا ہوا ہے یعنی اگر وہ کسی دن کام سے رخصت لے گا تو اس کی تنخواہ میں سے اس دن کی رقم کاٹ لی جاتی ہے جبکہ ایک ماہ میں ہفتہ واری چھٹی کے علاوہ کم از کم تین اتفاقی چھٹیاں ایک مزدور کا استحقاق ہوتا ہے۔ جبکہ ہمارے یہاں مزدور اپنے ان حقوق سے آگاہ ہی نہیں۔ کئی اداروں میں مزدوروں کی تنخواہیں روک کر دی جاتی ہیں۔اس کے علاوہ متعدد اداروں نے مزدوروں کے حقوق کو غصب کرنے کے لیے ٹھیکداری سسٹم کو فروغ دیا ہوا ہے جس میں یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ متعلقہ مزدور کسی ادارے کا ملازم نہیں ہے بلکہ آؤٹ سورس ایمپلائی ہے جس کا ادارے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ کئی فیکٹریوں اور اداروں میں کم از کم اجرت کے قانون پر بھی عمل نہیں ہوتا ہے۔ (اگرچہ پاکستان میں کم از کم اجرت بھی بہت کم ہے یعنی چھ ہزار) اور مزدوروں کو کم از کم اجرت سے بھی کم معاوضہ دیا جاتا ہے۔ جس کی اوسط ڈیڑھ سو تا دو سو روپے روز تک ہوتی ہے۔اس کے علاوہ ان کو ملازمتوں کا تحفظ بھی حاصل نہیں ہوتا ہے اور کئی اداروں میں مالکان اپنی مرضی سے جب چاہے کسی بھی ایمپلائی کو نکال سکتے ہیں۔ دیگر باتوں کے ساتھ ساتھ ہمارے مزدور کی

حالت اس حوالے سے انتہائی افسوسناک ہے کہ یہ مزدور اپنی زندگی کے بہترین ایام یعنی اپنی نوجوانی اور جوانی کسی ادارے میں کھپا دیتے ہیں لیکن تمیں پینتیس سال کی ملازمت کے باوجود کئی اداروں میں پینشن اور گریجویٹی کا کوئی تصور نہیں ہے اور یہ مزدور اتنے عرصے تک ایک ادارے کے ساتھ وفاداری نبھانے کے باوجود آخر میں تہی دست ہوتا ہے اور وہ وہیں کھڑا ہوتا ہے جہاں سے تمیں پینتیس سال قبل اس نے آغاز کیا تھا۔

یہ تو ہمارے یہاں صنعتی مزدوروں کا حال ہے جبکہ عام مزدور (راج مستری، رنگ ساز، ہاتھ کا کام کرنے والے) کی حالت بھی قابل رحم ہے۔اول تو ان کی اجرت (دیہاڑی) ان کی محنت کے مقابلے میں کم ہوتی ہے اور ان کے کام کے اوقات بہت طویل ہوتے ہیں کیونکہ عمومی طور پر مزدوروں سے کام لینے والے افراد ان سے صبح جلدی کام شروع کراتے ہیں اور شام کو سورج ڈھلنے تک یعنی کم و بیش دس تا بارہ گھنٹے تک کام کرایا جاتا ہے۔ جو معاوضہ طے کیا جاتا ہے کوشش کی جاتی ہے کہ اس سے کم دیا جائے یا اس میں زیادہ سے زیادہ کام کرایا جائے۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث پاک ہے کہ مزدور کو اس کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کر دو لیکن بعض اوقات اس میں بھی مزدوروں کو تنگ کیا جاتا ہے۔ دیگر مسائل کے ساتھ ساتھ ایک سب سے بڑا المیہ ہمارے معاشرے میں یہ پیدا ہوگیا ہے کہ اب ہمارا معاشرہ طبقات تفریق کا شکار ہوگیا

ہے اور ہمارے معاشرے میں ایک محنت کش کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اس کی وہ عزت نہیں کی جاتی ہے جس کا وہ مستحق ہوتا۔اسلام تو مساوات کا حکم دیتا ہے لیکن ہمارے معاشرے سے یہ چیزیں آہستہ آہستہ عنقا ہوتی جارہی ہیں۔اور ایک محنت کش کو کمی کمین سمجھا جاتا ہے۔

یہ تو شہروں کی صورتحال ہے جبکہ گاؤں دیہاتوں میں مزدور اپنے حقوق تو دور کی بات ہے انسانی حقوق سے بھی محروم ہے آج بھی ہمارے دیہاتوں میں مزدور کو ہاری، جاگیردار، وڈیرے، چوہدری اس کا استحصال کرتے ہیں اور اس کے ساتھ زر خرید غلاموں کا سا سلوک کیا جاتا ہے۔اس کو قید میں رکھا جاتا ہے۔اس کو معاوضہ کی صورت میں صرف دو وقت کا کھانا اور سال میں تین جوڑے کپڑے دیے

جاتے ہیں۔اس کے علاوہ اس مزدور کی عزت بھی ان وڈیروں جاگیرداروں کے ہاتھوں محفوظ نہیں ہوتی ہے آئے دن ان مزدوروں کی بہن بیٹیوں کی عزت لوٹ کر داغدار کی جاتی ہے۔اس طرح یہ استحصالی طبقہ ان مزدورں کا جسمانی استحصال تو کرتا ہی ہے اس کے ساتھ ساتھ ان کی روح تک میں تازیانے لگاتا ہے۔

آج ہم یوم مئی منارہے ہیں یعنی مزدوروں کے حقوق کا دن۔ جبکہ ہم جس دین کے پیرو کار ہیں اس کی تعلیمات پر اگر ہم درست طریقے پر عمل کریں تو ہمیں کوئی دن منانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمارے پاس تو اپنا منشور ساڑھے چودہ سو سال

پہلے ہی اللہ نے نبی مہربان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے قرآن کی صورت میں
دیدیا ہے۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے اس پر عمل کیا جائے۔ قرآن کو صرف
ایصال ثواب یا خیر وبرکت کے بجائے قرآن کو سمجھ کرپڑھا جائے اس کی تعلیمات کو
عام کیا جائے اور اس پر عمل کیا جائے تو ہمارا معاشرہ ایک مثالی معاشرہ بن سکتا ہے پھر
ہمارا مزدور بھی ایک قابل رشک زندگی گزارنے کے قابل ہوگا ضرورت صرف قرآن پر
عمل کرنے کی ہے

بازگشت

کچھ عرصہ پہلے ایک رسالہ میں ایک کہانی پڑھی تھی جو کہ مختصر تھی ایک بہت ہی سبق آموز اور پر اثر تھی اس لیے سوچا کہ آپ لوگوں کے ساتھ اس کو شئیر کیا جائے۔ میں کوشش کرتا ہوں کہ اس کہانی کو درست طریقے سے بیان کرسکوں۔

ایک لڑکا اپنے باپ کے ساتھ ایک پہاڑی علاقے میں سفر کر رہا تھا۔ راستہ نہایت دشوار گزار تھا ایک جگہ اس لڑکے کو ایک پتھر سے ٹھوکر لگی اور وہ لڑکھڑا کر گرگیا۔ تکلیف کی شدت سے اس کی چیخ نکل گئی اور وہ رونے لگا لیکن اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ جب اسے رونے کی آواز سنائی دی۔ اس نے چیخ کر کہا "تم کون ہو؟" آواز نے بھی چیخ کر کہا "تم کون ہو؟" لڑکے نے غصے سے کہا "سامنے آؤ!" آواز نے بھی غصے سے کہا "سامنے آؤ!" لڑکے نے زور سے کہا، "لعنت ہو تم پر"۔ آواز نے بھی زور سے کہا "لعنت ہو تم پر"

لڑکے کی سمجھ میں یہ سارا ماجرا نہیں آیا اور اس نے اپنے باپ سے یہ بات دریافت کی۔ اس کا باپ یہ سارا ماجرا دیکھ چکا تھا اس نے لڑکے کو خاموش رہنے کا کہا اور پھر زور سے کہا "تم بہت اچھے ہو" آواز نے کہا "تم بہت اچھے ہو"

پھر باپ نے کہا "تم بہت نیک ہو" آواز نے کہا "تم بہت نیک ہو" پھر باپ نے کہا " میں تمہیں خراج تحسین پیش کرتا ہوں" آواز نے بھی کہا "میں تمہیں خراج تحسین پیش کرتا ہوں" لڑکے کو اب بھی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔

اب لڑکے کے باپ نے کہا یہ جو آواز تمہیں سنائی دی تھی وہ تمہاری ہی آواز تھی جو پلٹ کر واپس آئی تھی اسے بازگشت کہتے ہیں۔ پھر باپ نے بیٹے کو سمجھایا کہ دراصل یہی حال ہماری زندگی کا ہے دنیا ہمارے ساتھ جو کچھ کرتی ہے وہ ہمارے ہی عمل کا عکس ہوتا ہے اگر ہم دنیا میں اچھا عمل کریں گے تو دنیا بھی ہمیں اچھا صلہ دے گی اگر ہم برا عمل کریں گے تو دنیا بھی بدلے میں ہمارے ساتھ برا سلوک کرے گی۔ یہی اس زندگی کا فلسفہ ہے۔

یہاں یہ کہانی ختم ہو گئی ہے لیکن اس کہانی میں ہمارے لیے بہت سبق ہے اگر ہم چاہتے ہیں کہ لوگ ہماری عزت کریں تو ہمیں لوگوں کی عزت کرنی ہو گی۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ لوگ ہماری بات سنیں اور ہماری قدر کریں تو ہمیں لوگوں کی بات سننی پڑے گی، لوگوں کی قدر کرنی پڑے گی۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ لوگ ہمارے نظریات کا احترام کریں تو ہمیں لوگوں کے نظریات کا احترام کرنا ہوگا۔ اگر ہم چاہتے ہیں لوگ ہمارے اکابرین کو ہمارے رہنماؤں کو برا نہیں کہیں ان کی

بے ادبی نہ کریں تو پہلے ہمیں لوگوں کے اکابرین کی، رہنماؤں کی عزت اور ادب کرنا ہوگا۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ لوگ ہمارے جذبات کا خیال کریں تو ہمیں دوسروں کے جذبات کا خیال کرنا ہوگا۔

اندرونی دشمنوں کا استحصال

مفکر اسلام سید ابو الاعلیٰ مودودی کی شہرہ آفاق تصنیف (الجہاد فی الاسلام) سے ایک باب

اندرونی دشمنوں کا استحصال

ان بیرونی دشمنوں کے علاوہ کچھ اندرونی دشمن بھی ہیں جو ظاہر میں دوست مگر باطن میں اسلام کی جڑ کاٹنے والے ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اس جماعت میں داخل ہیں جس کے لیے قرآن کریم نے منافق کا جامع لفظ استعمال کیا ہے اور ان کے باب میں یہ حکم دیا ہے۔ ترجمہ : (اے نبی منافقوں اور کافروں سے جہاد کرو اور ان پر سختی کرو، ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بہت ہی بری جائے قرار ہے توبہ : ۷۳)

ترجمہ (اگر منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے اور مدینہ میں بری خبریں اڑانے والے، اپنی معاندانہ حرکتوں سے باز نہ آئے تو ہم تجھے ان پر مسلط کردیں گے اور وہ اس شہر میں تیرے ہمسایہ نہ رہ سکیں گے مگر تھوڑے دن - ان پر پھٹکار پڑے گی، جہاں ملیں گے پکڑے جائیں گے اور خوب قتل کیے

(جائیں گے۔ احزاب: ٦٠-٦١)

ترجمہ: (یہ لوگ چاہتے ہیں کہ تم بھی اسی طرح کافر ہو جاؤ جس طرح یہ خود کافر ہوئے تاکہ تم اور وہ برابر ہو جائیں۔ پس تم ان میں سے کسی کو اپنا دوست نہ بناؤ جب تک کہ یہ اللہ کی راہ میں اپنے گھروں سے نہ نکلیں۔ اگر وہ انحراف کریں تو انہیں پکڑو اور جہاں پاؤ مارو اور ان میں سے کسی کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ النساء: ٨٩)

ترجمہ: (کچھ دوسرے لوگ ایسے پاؤ گے جو چاہتے ہیں کہ تم سے بھی امن میں رہیں اور اپنی قوم کے کافروں سے بھی، اور جب فتنہ کی طرف لوٹائے جاتے ہیں تو اس میں اوندھے منہ گر پڑتے ہیں۔ پس اگر وہ تم سے کنارہ کش نہ ہوں اور نہ تم سے صلح کی طرح ڈالیں اور نہ تمہارے ساتھ جنگ اور دشمنی سے ہاتھ روکیں تو انہیں پکڑو اور جہاں پاؤ قتل کرو۔ ان لوگوں پر ہم نے تمہیں واضح دلیل دیدی ہے۔ النساء: ٩١)

ان آیات میں منافقین کی اِس جماعت کا وہ جرم بھی بیان کر دیا گیا ہے جس کے باعث یہ واجب القتل ہوئے ہیں۔ لیکن مزید وضاحت کے لیے ہم قرآن مجید ہی کی چند اور آیات پیش کرتے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ یہ کس قسم کے لوگ ہیں سورہ

نساء میں ہے ترجمہ (وہ تجھ سے تو کہتے ہیں کہ ہم مطیع ہیں، مگر جب تیرے پاس سے نکلتے ہیں تو ان میں سے ایک گروہ جو کچھ تُو کہتا ہے اس کے خلاف رات کو منصوبے گانٹھتا ہے اور جو کچھ یہ لوگ راتوں کو منصوبے گانٹھا کرتے ہیں اللہ اُن سے خبردار ہے۔ النساء :۸۱)

ترجمہ (اگر وہ تمہارے ساتھ مل کر لڑنے کو نکلتے تو تمہارے اندر فساد کے سوا اور کسی چیز کا اضافہ نہ کرتے، اور تمہارے درمیان جھوٹی خبریں پھیلا کر اور چغلخوریاں کر کے فتنہ برپا کرنے کی کوشش کرتے ۔اور تمہارے درمیان ایسے لوگ بھی ہیں جو ان کی باتیں کان لگا کر سنتے ہیں اللہ ان ظالموں سے خوب واقف ہے۔انہوں نے اس سے پہلے بھی (غزوہ احد) میں فتنہ برپا کرنا چاہا اور تیرے خلاف طرح طرح کی چالیں چلی تھیں یہاں تک کہ حق کی نصرت آ گئی اللہ کا حکم غالب ہوا اگرچہ وہ انہیں بہت ہی ناگوار تھا۔ : ۴۷۔۴۸)

ترجمہ (اور وہ خدا کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ہم تم ہی میں سے ہیں حالانکہ وہ ہرگز تم میں سے نہیں ہیں، بلکہ دراصل یہ ڈرپوک لوگ ہیں۔ اگر انہیں کوئی جائے پناہ یا غار یا گھس بیٹھنے کا مقام مل جائے تو ضرور اس کی طرف پھر جائیں اور دوڑ کر جائیں۔ التوبہ : ۵۶۔۵۷)

ترجمہ (منافق مرد اور عورتیں سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں، بری باتوں کا حکم کرتے ہیں، اچھی باتوں سے روکتے ہیں، اور راہ خدا میں خرچ کرنے سے ہاتھ روکتے ہیں۔ وہ اللہ کو بھول گئے ہیں، اس لیے اللہ بھی ان سے بے پروا ہوگیا ہے۔ بے شک یہ (منافق بڑے بدکار اور نافرمان ہیں۔التوبہ : ٦٧

ترجمہ : (اور جب منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں شک کی بیماری ہے، کہنے لگے کہ اللہ اور اس کے رسول نے جو وعدہ ہم سے کیا تھا وہ دھوکے اور فریب کے سوا کچھ نہ تھا اور جب ان میں سے ایک گروہ بولا کہ اے اہل یثرب اب تمہارے ٹھہرنے کا موقع نہیں ہے، یہاں سے بھاگ نکلو اور ان میں سے ایک فریق نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اجازت لینے لگا یہ کہہ کر کہ ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں حالانکہ وہ کھلے ہوئے غیر محفوظ) نہ تھے اور ان کا مطلب بھاگ جانے کے سوا کچھ نہ تھا، اگر مدینہ کے) اطراف سے دشمن گھس پڑتے اور ان سے درخواست کی جاتی کہ تم بھی فتنہ میں شریک ہوجاؤ تو وہ ضرور شریک ہوجاتے اور اس میں ذرا تامل نہ کرتے۔احزاب آیت ۱۲تا (۱۴

سورہ منافقون میں فرمایا ترجمہ (جب منافق تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ یقیناً خدا کے رسول ہیں۔ ہاں اللہ بھی خوب جانتا ہے کہ تم اللہ کے رسول ہو، مگر اللہ یہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق

یقیناً جھوٹے ہیں۔انھوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے اور یہ اللہ کے راستے سے
(روکتے ہیں اور بہت ہی برا کام ہے جو وہ کرتے ہیں۔ منافقون :۱-۲
یہ آیات بتاتی ہیں کہ منافقین میں سے ایک گروہ ایسا ہے جس کے ساتھ ظاہر میں بھی مسلمانوں کا سا معاملہ نہیں کیا جاسکتا۔اس گروہ کی خصوصیت یہ ہے کہ یا تو مسلمان ہونے کا دعویٰ کرنے کے باوجود اعلانیہ کفر کی باتیں کرتا ہے، یا زبان سے تو بدستور اسلام کا اقرار کرتا رہتا ہے مگر اس کی حرکات یہ ہوتی ہیں کہ ہر وقت مسلمانوں کے درپے آزار رہتا ہے۔ طرح طرح سے انہیں نقصان پہنچانے کی تدبیریں کرتا ہے، ان کے دشمنوں سے ساز باز رکھتا ہے، ان کی خفیہ خبریں دشمنوں کو پہنچایا کرتا ہے، ان کا ایمان بگاڑنے اور انہیں گمراہ کرنے کی کوششیں کرتا ہے۔ ان کی جماعت میں ریشہ دوانیاں کرکے تفرقہ برپا کرتا ہے، ان کے دشمنوں کو اخلاقی و عملی مدد پہنچاتا ہے اور اسلام پر جب کوئی مصیبت کا وقت آتا ہے تو یہ گروہ اس کی حفاظت کے بجائے اسے مٹانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ گروہ اسلام کے لیے بیرونی دشمنوں سے زیادہ خطرناک ہے، اس کے لیے جو لوگ غدار گروہ سے تعلق رکھتے ہوں، خواہ وہ ہر وقت کلمہء توحید و رسالت پڑھتے ہوں اور خواہ ظاہری حیثیت سے ان کے اسلام میں کسی شک کی کوئی گنجائش نہ ہو، مگر ان کے ساتھ قطعاً کوئی رعایت نہ کرنی چاہیئے اور جب ان

سے جرائم کا صدور ہو تو جسمِ اسلام کے ان پھوڑوں پر سختی کے ساتھ اصلاح کا نشتر استعمال کرنا چاہیئے۔

یہ ایک باب ہم نے آپ کے سامنے رکھا ہے۔اگر غور کیا جائے تو ایسے کردار آج بھی ہمارے آس پاس نظر آتے ہیں اور تقریباً یہی صورتحال آج بھی نظر آتی ہے۔اللہ ہم سب کو فتنوں سے محفوظ رکھے۔آمین

نوٹ: یہ باب جو ہم نے تحریر کیا ہے اس سے قارئین کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔اور نہ ہی ہم نے کسی کو ہدف بنا کر یہ لکھا ہے اس لیے.براہ مہربانی اس کو ذاتی طور پر کوئی بھی فرد اپنے اوپر نہ فرض کرے۔شکریہ

اسلام پر ظلم کیوں؟

محترم بھائی فرقان خان السلام علیکم و رحمتہ اللہ و.برکاتہ امید ہے کہ خیریت سے ہونگے اور اللہ کے دین کے لیے اپنی توانائیاں صرف کر رہے ہونگے۔ محترم بھائی مجھے.بڑی خوشی ہے کہ آپ کے اندر دین کا درست فہم عام کرنے کی لگن ہے اللہ آپ کی اس سعی کو کامیاب کرے۔آمین

.برادر میں ایک بار پھر معذرت کے ساتھ آپ سے کچھ اختلاف کرنے کی جسارت کرونگا پہلی بات تو یہ کہ میں آپ کو یہ ساری باتیں میل بھی کر سکتا تھا لیکن آُپ نے ایک اوپن فورم پر اپنا مؤقف پیش کیا ہے اور میں اس سے اختلاف رکھتا ہوں تو میں بھی مجبوراً اپنا مؤقف اس فورم پر پیش کرونگا۔اس بات کو محسوس نہ کیجئے گا کیوں کہ میں نے یہ دیکھا ہے کہ آپ کچھ جذباتی واقع ہوئے ہیں اور عام سی باتوں کو بھی اپنے اوپر فرض کرلیتے ہیں اس لیے خدارااس بات کو یہ مت سمجھئے گا کہ میں کوئی آپ سے پرخاش رکھتا ہوں اس لیے آپ کی بات کی مخالفت کررہا ہوں اور چونکہ آپ نے اس آرٹیکل میں بنیادی بات ہی یہ کہی ہے کہ قرآن کو سمجھنا اورپڑھنا کسی مخصوص گروہ کا حق ہے اس لیے میں اپنی بات کی وضاحت کے لیے کسی عالم کا کوئی حوالہ نہیں دونگا بلکہ عقلی طوراس کا

جائزہ لیکر اس کی روشنی میں بات کرونگا، پھر اگر آپ کو کسی بات سے اختلاف ہو تو میں آپ کی تشفی کے لیے بھی اور اپنی اصلاح کے لیے بھی ہر وقت حاضر ہوں۔
پہلی بات تو یہ کہ آپ نے ایک صاحب علم کا حوالہ دیا ہے لیکن یہ واضح نہیں کیا یہ صاحب علم کون ہیں؟؟ اس بات کی بڑی اہمیت ہے کہ بات کرنے والا خود کون ہے کیوں کہ ہماری تاریخ یہ بتاتی ہے کہ آئمہ کرام نے کئی احادیث کو صرف اس لیے مسترد کردیا اور کئی کو ضعیف قرار دیا کہ اس کے راویان مستند نہ تھے اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ہمیں پتہ ہونا چاہیے کہ دین کی تشریح کرنے والا بذات خود کون ہے؟ اس بات کی اہمیت اس لیے بھی زیادہ ہوجاتی ہے کہ آج کل اسلام میں تفرقہ پھیلانے کے لیے دین کی من مانی تعبیرات کی جارہی ہیں اور پاکستان میں ایک لابی بے عمل فنکاروں کو بھی سامنے لاکر اسلامی احکام کی تشریح ان سے بیان کراتی ہے۔ دیکھیں بات یہ نہیں ہے کہ ایک فنکار اسلامی احکام کی تشریح نہیں کرسکتا بلکہ بات یہ ہے کہ ایک فرد کے اپنے وجود پر اسلام کا کوئی اثر نہیں ہوتا اس کا چہرہ سنت نبوی سے مزین نہیں ہوتا۔ اس کے شب و روز اللہ کی معصیت میں گزرتے ہیں۔ وہ پوری دنیا کے سامنے کبائر کا ارتکاب کررہا ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ دین کی تشریح بھی پیش کرتا ہے۔؟
اس کے علاوہ غامدی فکر کو بھی فروغ دیا جارہا ہے اور معذرت کے ساتھ یہ بات

بھی عرض کردوں کہ تاریخ کا مطالعہ ہمیں یہ بتاتا ہے کہ اسلام میں جب بھی کوئی فتنہ پیدا ہوا ہے اس نے سب سے پہلے عام مسلمانوں کی یہ باور کرایا ہے کہ علماء تنگ نظر ہیں ان کی سوچ محدود ہے اس لیے ان کو زیادہ اہمیت نہ دی جائے اور یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ اگر آپ اس بات کو محسوس نہ کریں تو یہ بات بھی عرض کروں کہ قادیانی فتنہ نے بھی سب سے پہلے علماء پر ہی حملہ کیا اور ان پر گھناؤنے الزامات لگائے۔

فرقان بھائی یہ بات محض حوالے کے لیے بیان کی گئی ہے اس کو ذاتیات پر مت شمار کیجئے گا مجھے یقین ہے کہ آپ مجھ سے زیادہ باعمل مسلمان ہیں)

آپ کی بات بجا کہ قرآن کی تعبیر و تشریح کسی مخصوص گروپ کا حق نہیں ہے لیکن بھائی میرے کیا نعوذ باللہ ہمارے نزدیک قرآن کی اہمیت ایک عام زبان سے بھی کم ہے کہ ہم انگریزی کی تعلیم حاصل کرنا چاہیں تو اس کے لیے بڑے بڑے سینٹر، اچھے اچھے اساتذہ اور ماہر فن کی خدمات حاصل کریں۔ یہاں تک کہ اگر ہمارے گلی محلے میں کوئی لینگویج سینٹر قائم ہوتا ہے تو عموماً ہم اس کو اہمیت نہیں دیتے کہ یہ غیر مستند ہے ہم انگریزی سیکھنے کے لیے تو مستند اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں جائیں، قابل اساتذہ سے رابطہ کریں لیکن قرآن کے ساتھ یہ ظلم کہ کوئی بھی فرد اٹھ کر یہ کہے کہ میں اس کی تشریح کرسکتا ہوں اور کسی عالم کی ضرورت نہیں ہے؟ یہاں تک کہ عربی زبان کی بنیادی تعلیم کو بھی ضروری

نہیں سمجھا جاتا ہے۔ ایسا کیوں؟ دیکھیں اگر ہمارے ہاتھ پر بندھی ہوئی ایک سو ڈیڑھ سو روپے کی معمولی گھڑی بھی خراب ہو جاتی ہے تو ہم خود سے کوئی کام نہیں کرتے بلکہ ایک گھڑی ساز کے پاس جاتے ہیں۔ لیکن دین کے ساتھ ہمارا کیا معاملہ ہے؟

لیکن آپ نے ایک صاحب علم کی جو یہ بات کی ہے کہ (آج سے بارہ یا تیرہ سو برس پہلے کے مفسرین کے اقوال کو حرف آخر مان لیا جائے تو اسلامی سوسائٹی ایک آہنی قفس میں بند ہو کر رہ جائے گی اور زمانے کے ساتھ ساتھ نشونما کا اسے موقع نہیں ملے گا۔ یہ پھر ایک ابدی اور عالمگیر دین نہیں رہے گا بلکہ جس زمان و مکان میں اس کا نزول ہوا تھا، یہ اسی تک محدود رہے گا۔) میں اس بات سے اتفاق کرتا ہوں لیکن اس سے یہ مطلب کہاں نکلتا ہے کہ کوئی بھی فرد اپنی جانب سے قرآنی آیات کی تعبیر کردے ایک گلوکار ایک وقت میں گانا گائے، شمیوزک کے ساتھ ڈانس کرے نامحرمات کے ساتھ، گانے میں محبوبہ کے جسم کی تعریف بیان کرے اس کے خدوخال بیان کرے اور پھر اس کے ساتھ ہی وہ ایک انتہائی عالم و فاضل کی طرح لوگوں میں دین کی تبلیغ بھی کرے؟

اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ہے کہ اگر ہر فرد ہر گروہ قرآن کو اپنے فہم و

علم کے مطابق پیش کرے گا تو لامحالہ ان میں اختلافات بھی پیدا ہونگے اور معذرت کے ساتھ یہ نہیں ہوسکتا کہ تمام کے تمام ہی گروہ جو اسلامی احکامت کی الگ الگ تشریح پیش کر رہے ہوں وہ سارے درست ہوں ان میں کوئی غلط ہوگا اور کوئی درست لیکن اس کا فیصلہ کون کرے گا؟ لازمی بات ہے کہ اس کا فیصلہ کوئی عالم دین ہی کرے گا جس نے اپنی زندگی کے چودہ پندرہ سال اس دین کے علم کو سیکھنے میں صرف کیے ہونگے۔ دیکھیں اس بات کو سمجھنے کے لیے بھی میں ایک مثال دیتا ہوں، آپ بھی ماشاء اللہ جدید تعلیم یافتہ ہیں آپ بھی امتحانات میں شرکت کرتے رہے ہیں آپ اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ امتحان میں پوچھے گئے سوال کا اگر ہر طالب علم اپنے فہم کے مطابق جواب دیگا تو کیا وہ درست مانا جائے گا؟ یقیناً اس بات کا جواب یہی ہوگا کہ نہیں بلکہ صرف اس طالب علم کا جواب درست مانا جائے گا جس نے متعلقہ مضمون کے پوچھے گئے سوال کا جس طرح اساتذہ نے معروف تعریف بیان کی ہوگی اس کے مطابق جواب دیگا وہی جواب درست ہوگا نا! یا ہر طالبعلم چاہے کچھ بھی لکھ دے وہ درست ہوگا؟ اگر ہر طالبعلم جو اپنے فہم کے مطابق امتحانی پیپر حل کرکے آئے اور اس کے جوابات کو درست مان لیا جائے کہ جی کوئی بات نہیں اس نے اپنے فہم کے مطابق جو لکھا درست لکھا ہے تو میرے خیال میں ہر سال جو ہزاروں طالبعلم امتحانات میں فیل ہوتے ہیں وہ فیل نہ ہوں۔ غور کریں کہ جب ایک عام سے دنیاوی مضمون میں تو مستند اساتذہ کی بیان کردی کتابوں سے استفعادہ کیا جائے اور اس کے

مطابق بیان کیا گیا جواب درست مانا جائے تو پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ قرآن جسی عظیم کتاب کا کوئی بھی فرد اپنے فہم کے مطابق تشریح و تعبیر کرے وہ درست مان لی جائے۔ یہاں یہ بھی ایک ظلم ہے کہ کمپیوٹر کے معاملے میں ہم ایک ماسٹرز آف کمپیوٹر کی بات کو ہم دوسروں کی بات سے زیادہ اہمیت دیں گے اس لیے کہ اس نے کمپیوٹر کا علم حاصل کیا ہے۔ ہم کسی مرض کے علاج کے لیے ایک عام آدمی کی بات کے بجائے ایک ڈاکٹر کی بات کو زیادہ اہمیت دیں گے کیوں کہ اس نے طب کا علم حاصل کیا ہے۔ ہم سڑک کی تعمیر یا پل بناتے وقت ایک انجینئر کو بلاتے ہیں اس کی بات کو اہمیت دیتے ہیں لیکن دین کے ساتھ ہمارا معاملہ یہ ہے کہ کسی بھی مسئلہ پر ہم من مانی تعبیر پیش کر کے کہہ دیں کہ جی مجھے یہ بات اچھی طرح معلوم ہے اور کسی عالم کی ضرورت نہیں ہے اور ہمارا وہ عالم دین جس نے اپنی زندگی اس دین کے علم کے حصول میں گزار دی ہمارے نزدیک اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ کیا یہ ظلم نہیں ہے۔؟

اگر ہم آپکی اس بات کو درست مان لیں تو پھر آج طالبان کی یا صوفی محمد کی مخالفت کیوں کی جارہی ہے؟ آپ کے نظریہ کے مطابق اس نے قرآن کی جو تعبیر درست سمجھی اس کا وہ حامی ہے اس کا وہ پرچار کر رہا ہے۔ طالبان نے قرآن کی جو تعبیر اپنے فہم و فراست کے مطابق سمجھی ہے اس پر وہ عمل کرتے ہیں پھر اس بات پر اعتراض کیوں؟ پھر اس نظریہ کی روشنی میں تو آپکا صوفی محمد کے

جمہوریت کو غیر اسلامی و غیر شرعی قرار دینے کے بیان اعتراض کرنا اور اس کی مذمت میں کالم لکھنا بلکل غلط ثابت ہوتا ہے۔ پھر آج جو لوگ بشمول متحدہ قومی موومنٹ نظام عدل کی مخالفت کر رہے ہیں وہ غلط کر رہے ہیں۔ کیوں کہ طالبان نے اور صوفی محمد نے اپنے فہم کے مطابق جو درست سمجھا اس کی انہوں نے جدوجہد کی اور ایک منتخب پارلیمنٹ کے باشعور اور پڑھے لکھے ممبران نے اکثریت کے ساتھ اس کی تائید کی ہے پھر اعتراض کس بات کا؟ اور اگر یہ بات درست ہے تو پھر جناب الطاف حسین صاحب کو ایک علماء و مشائخ کنونشن بلانے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ دیکھیں اگر ہم یہ کہیں کہ طالبان یا صوفی محمد غلط ہیں تو ثابت بھی کرنا ہوگا اور پھر اس کا فیصلہ باالآخر علماء کرام ہی کریں گے اور میں دعوے کے ساتھ یہ بات کہتا ہوں کہ آپ کے بیان کردہ یہ صاحب علم بھی طالبان، صوفی محمد، یا کسی بھی مذہبی گروہ کی بات سے اگر اتفاق نہیں کریں گے تو وہ بھی اس کو غلط ثابت کرنے کے لیے تاریخ سے اور قدیم علماء کی تفسیر سے ہی رجوع کریں گے تو پھر؟ جب ہم نے علماء ہی سے رجوع کرنا ہے تو ان کو بے توقیر کیوں کیا جارہا ہے؟ پھر سب کی توپوں کا رخ اسلام پسندوں کی جانب کیوں ہے؟ پھر اسلام پر یہ ظلم کیوں کیا جارہا ہے؟

میری یہ باتیں حرف آخر نہیں ہیں اور ان سے کسی کو اختلاف ہو سکتا ہے اللہ مجھے اور آپ کو دین کے احکامات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

الجہاد فی الاسلام

قارئین کرام سید ابوالاعلیٰ مودودی کی شہرہ آفاق کتاب ' الجہاد فی الاسلام ' کے دیباچہ میں سے لیا گیا ایک اقتباس آپ لوگوں کی خدمت پیش کر رہے ہیں۔اس کتاب کا مطالعہ ہم نے پہلے بھی کیا تھا لیکن موجودہ صورتحال میں ایک بار پھر اس کا مطالعہ شروع کیا ہے۔ یہ کتاب کم و بیش ستر بہتر سال پہلے لکھی گئی تھی لیکن اس کے مندرجات پر غور کریں تو ایسا لگتا ہے کہ گویا آج کے ماحول کی بات کی جارہی ہے اور ایک لحاظ سے بات درست بھی ہے کیوں کہ اسلام کے خلاف سازشیں تو ہر دور میں ہوتی رہی ہیں۔ اسلام کی تعیلمات پر حملہ ہر دور میں ہوتا رہا ہے اور اس وقت کے حالات میں اور آج کے حالات میں ایک مماثلث یہ ہے کہ اس وقت بھی انگریز سامراج نے اپنے اقتدار کو طول دینے کے لیے اسلام کے ایک اہم فریضہ جہاد کو ختم کرنے کی کوشش کی تھی اور آج اسی جہاد کو دہشت گردی کا نام دیا جارہا ہے۔۔ یہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اسلام کی تعلیمات کے بارے میں معذرت خواہانہ رویے کے بجائے لوگوں کے سامنے من و عن بیان کردی جائیں۔ سید ابوالاعلیٰ اس کتاب کے دیباچے میں لکھتے ہیں کہ : دور جدید میں یورپ نے اپنی سیاسی اغراض کے لیے اسلام پر جو بہتان تراشے ہیں ان ہیں سب سے بڑا بہتان یہ ہے کہ اسلام ایک خونخوار مذہب ہے اور اپنے پیروں کو خونریزی

کی تعلیم دیتا ہے۔اس بہتان کی اگر کچھ حقیقت ہوتی تو قدرتی طور پر اسے اس وقت پیش ہونا چاہیے تھا جب پیروان اسلام کی شمشیر خارا شگاف نے کرہ ارض میں ایک تہلکہ برپا کر رکھا تھا اور فی الواقع دنیا کو یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ شاید ان کے یہ فاتحانہ اقدامات کسی خونریز تعلیم کا نتیجہ ہوں مگر عجیب بات ہے کہ اس بہتان کی پیدائش عروج اسلام کے غروب ہونے کے بہت عرصہ بعد عمل میں آئی۔اس خیالی پتلے میں اس وقت روح پھونکی گئی جب اسلام کی تلوار تو زنگ کھا چکی تھی مگر خود اس بہتان کے مصنف، یورپ کی تلوار بے گناہوں کے خون سے سرخ ہو رہی تھی اس نے دنیا کی کمزور قوموں کو اس طرح نگلنا شروع کر دیا تھا جیسے کوئی اژدھا چھوٹے چھوٹے جانوروں کو ڈستا اور نگلتا ہو۔ اگر دنیا میں عقل ہوتی تو وہ سوال کرتی کہ جو لوگ خود امن و امان کے سب سے بڑے دشمن ہوں۔ جنہوں نے خود خون بہا بہا کر زمین کے چہرے کو رنگین کر دیا ہو، جو خود دوسری قوموں پر ڈاکے ڈال رہے ہوں، آخر انہیں کیا حق ہے کہ اسلام پر وہ الزام عائد کریں جس کی فرد جرم خود ان پر لگنی چاہیئے؟ کہیں اس تمام مورخانہ تحقیق و تفتیش اور عالمنہ بحث و اکتشاف سے ان کا یہ منشاء تو نہیں کہ دنیا کی اس نفرت و ناراضی کے سیلاب کا رخ اسلام کی طرف پھیر دیں جس کے خود اُن کی اپنی خونریزیوں کے خلاف امنڈ کر نے کا اندیشہ ہے؟ لیکن انسان کی یہ کچھ فطری کمزوری ہے کہ جب وہ میدان میں مغلوب ہوتا ہے تو مدرسہ میں بھی مغلوب ہو جاتا ہے، جس کی تلوار سے شکست کھاتا ہے اس کے قلم کا بھی مقابلہ

نہیں کرسکتا، اور اسی لیے ہر عہد میں دنیا انہی افکار و آراء کا غلبہ رہتا ہے جو تلوار بند ہاتھوں کے قلم سے پیش کیے جاتے ہیں۔ چنانچہ اس مسئلہ میں بھی دنیا کی آنکھوں پر پردہ ڈالنے میں یورپ کو پوری کامیابی ہوئی اور غلامانہ ذہنیت رکھنے والی قوموں نے اسلامی جہاد سے متعلق اس کے پیش کردہ نظریہ کو بلا تحقیق و تفحص اور بلا ادنی غور و خوض اس طرح قبول کرلیا کہ کسی آسمانی وحی کو بھی اس طرح قبول نہ کیا گیا ہوگا۔

گزشتہ اور موجودہ صدی میں مسلمانوں کی طرف سے بارہا اس اعتراض کا جواب دیا گیا اور اس کثرت کے ساتھ اس موضوع پر لکھا جاچکا ہے کہ اب یہ ایک فرسودہ اور پامال سے مضمون معلوم ہوتا ہے۔ مگر اس قسم کی جوابی تحریرات میں مَیں نے اکثر یہ نقص دیکھا کہ اسلام کے وکلاء مخالفین سے مرعوب ہو کر خود بخود ملزموں کے کٹھرے میں جا کھڑے ہوتے ہیں اور مجرموں کی طرح صفائی پیش کرنے لگتے ہیں۔ بعض حضرات نے تو یہاں تک کیا کہ اپنے مقدمہ کو مضبوط بنانے کے لیے سرے سے اسلام کی تعلیمات اور قوانین ہی میں ترامیم کر ڈالی، اور شدت مرعوبیت میں جن جن چیزوں کو انہوں نے اپنے نزدیک خوفناک سمجھا انہیں ریکارڈ پر سے ہی غائب کردیا تاکہ مخالفین کی نظر اس پر نہ پڑ سکے۔ لیکن جن لوگوں نے ایسا کمزور پہلو اختیار نہیں کیا ان کے ہاں بھی کم از کم یہ نقص ضرور موجود ہے کہ وہ جہاد و قتال کے متعلق اسلامی تعلیمات کو پوری وضاحت کے ساتھ بیان نہیں

کرتے اور بہت سے پہلو اس طرح تشنہ چھوڑ جاتے ہیں کہ ان میں شک و شبہ کی بہت کچھ گنجائش باقی رہتی ہے۔ غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لیے اصلی ضرورت اس امر کی ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ اور قتال بغرض اعلائے کلمہ الٰہی کے متعلق اسلام کی تعلیمات اور اس کے قوانین کو بے کم وکاست اسی طرح بیان کر دیا جائے جس طرح وہ قرآن مجید، احادیث نبوی، اور کتب فقہیہ میں درج ہیں۔ اُن میں سے کسی چیز کو نہ گھٹایا جائے نہ بڑھایا جائے، اور نہ اسلام کے اصلی منشاء اور اسکی تعلیم کی روح کو بدلنے کی کوشش کی جائے، میں اس طریقہ سے اصولی اختلاف رکھتا ہوں کہ ہم اپنے عقائد و اصول کو دوسروں کے نقطہء نظر کے مطابق ڈھال کر پیش کریں۔ دنیا کا کوئی ایک مسئلہ بھی ایسا نہیں ہے جس میں تمام لوگ ایک نقطہ نظر پر متفق ہوں۔ ہر جماعت اپنا ایک الگ نقطہ نظر رکھتی ہے اور اسی کو صحیح سمجھتی ہے۔ (کل حزب بما لدیھم فرحون) پس ہم دوسروں کے نقطہ نظر کی رعایت سے اپنے اصول و عقائد کو خواہ کتنا ہی رنگ کر پیش کریں یہ ناممکن ہے کہ تمام مختلف الخیال گروہ ہم سے متفق ہو جائیں اور سب کو ہمارا وہ مصنوعی رنگ پسند ہی آ جائے۔ اس لیے زیادہ بہتر طریقہ یہ ہے کہ ہم اپنے دین کے عقائد اور احکام کو، اس کی تعلیمات اور اس کے قوانین کو ان کے اصلی رنگ میں دنیا کے سامنے پیش کر دیں، اور جو دلائل ہم ان کے حق میں رکھتے ہیں انہیں صاف صاف بیان کر دیں، پھر یہ بات خود لوگوں کی عقل پر چھوڑ دیں کہ خواہ انہیں قبول کریں یا نہ کریں، اگر قبول کریں تو زہے نصیب، نہ قبول کریں

تو ہمیں اس کی پرواہ نہیں - یہ دعوت و تبلیغ کا صحیح اصول ہے جسے ہمیشہ اے ارباب عزم لوگوں نے اختیار کیا ہے۔ خود انبیاء علیہم السلام نے بھی اسی پر عمل کیا ہے۔

میں بھی ایک عرصہ تک اس ضرورت کو محسوس کر رہا تھا، مگر احساس ضرورت سے بڑھ کر عمل کیجانب کوئی اقدام نہ کرسکتا تھا کیوں کہ اس کام لے لیے بڑی فرصت درکار تھی اور فرصت ہی ایک ایسی چیز تھی جو کسی اخبار نویس کو میسر نہیں آتی لیکن دسمبر ۱۹۲۶ کی آخری تاریخوں میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے مجھے مشکلات سے قطع نظر کرکے اقدام عمل پر مجبور کردیا۔ یہ واقعہ شدھی تحریک کے بانی سوامی شردہانند کے قتل کا واقعہ تھا جس سے جہلاء اور کم نظر لوگوں کو اسلامی جہاد کے متعلق غلط خیالات کی اشاعت کا ایک نیا موقع مل گیا، کیونکہ بد قسمتی سے ایک مسلمان اس فعل کے ارتکاب کے الزام میں گرفتار کیا گیا تھا اور اخبارات میں اس کی جانب یہ خیالات منسوب گئے تھے کہ اس نے اپنے مذہب کا دشمن سمجھ کر سوامی کو قتل کیا ہے، اور یہ کہ اس نیک کام کے کرنے سے وہ جنت کا حقدار ہے۔ حقیقت کا علم تو خدا کو ہے مگر منظر عام پر جو کچھ آیا وہ یہی واقعات تھے - ان کی وجہ سے عام طور پر اسلام کے دشمنوں میں ایک ہیجان پیدا

ہو گیا انہوں نے علمائے اسلام کے اعلانات اور اسلامی جرائد اور عمائد ملت کی متفقہ تصریحات کے باوجود اس واقعہ کو اس کی طبعی حدود تک محدود رکھنے کے بجائے تمام امت مسلمہ کو بلکہ خود اسلامی تعلیمات کو اس کا ذمہ دار قرار دینا شروع کر دیا اور اعلانیہ قرآن کریم پر اس قسم کے الزمات عائد کرنے لگے کہ اس کی تعلیم مسلمانوں کو خونخوار و قاتل بناتی ہے، اس کی تعلیم امان و امان سلامتی کے خلاف ہے اور اس کی تعلیم نے مسلمانوں کو ایسا متعصب بنا دیا ہے کہ وہ ہر کافر کو گردن زدنی سمجھتے ہیں اور اسے قتل کر کے جنت میں جانے کی امید رکھتے ہیں۔ بعض دریدہ ذہنوں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ دنیا میں جب تک قرآن کی تعلیم موجود ہے امن قائم نہیں ہو سکتا اس لیے تمام عالم انسانی کو اس تعلیم کو مٹانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ ان خیالات کی نشرواشاعت اس کثرت سے کی گئی کہ صحیح الخیال لوگوں کی عقلیں بھی چکرا گئیں اور گاندھی جیسے شخص نے جو ہندو قوم میں سب سے بڑے صائب الرائے آدمی ہیں، اس سے متاثر ہو کر بتکرار اس خیال کا اظہار کیا کہ : اسلام ایسے ماحول میں پیدا ہوا ہے جس کی فیصلہ کن طاقت پہلے بھی تلوار تھی اور آج بھی تلوار ہے

اگرچہ یہ تمام خیالات کسی تحقیق اور علمی تفحص پر مبنی نہ تھے، بلکہ طوطی کی طرح وہی سبق دہرایا جا رہا تھا جو "استاد ازل" نے سکھا رکھا تھا، مگر ایک غیر معمولی واقعہ نے ان اوہام میں حقیقت کا رنگ پیدا کر دیا تھا جس سے

ناواقف لوگ آسانی کے ساتھ دھوکا کھا سکتے تھے۔ چونکہ ایسی عام بدگمانیاں اشاعت اسلام کی راہ میں ہمیشہ حائل ہوتی ہیں اور ایسے ہی مواقع ہوتے ہیں جن میں اسلام کی صحیح تعلیم کو زیادہ صفائی کے ساتھ پیش کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ غبار چھٹ جائے اور آفتاب حقیقت زیادہ روشنی کے ساتھ طلوع ہو۔

بارہ مئی: لاشوں کے سوداگر

جمعہ کی شب وزیر اعلیٰ سندھ نے بارہ مئی کر کراچی میں یوم سوگ اور عام تعطیل کا اعلان کر دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ بارہ مئی دو ہزار سات کو سب سے زیادہ نقصان پاکستان پیپلز پارٹی کا ہوا انہوں نے یہ بھی کہا کہ ہم پر براہ راست فائرنگ کی گئی۔ اس کے ساتھ انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ عوام بارہ مئی کو فاتحہ خوانی اور خیرات کر کے شہیدوں کی روح کو ایصال ثواب پہنچائیں۔

یہ باتیں سن کر میرے سامنے ماضی کا نقشہ گھوم گیا کہ جب پی پی پی اپوزیشن میں تھی اور جنرل مشرف نے پی پی پی کو دیوار سے لگایا ہوا تھا اس وقت جب بارہ مئی کو سانحہ ہوا تھا تو اس کے کیا بیانات تھے۔ آپ بھی ذرا ایک نظر ان بیانات پر ڈال لیں۔

موجودہ صورتحال میں جب کہ حکومت خود دہشت گردی میں ملوث ہے عدلیہ کو یہ کردار ادا کرنا چاہیے، نجی ٹیلوژن چینل آج کے دفتر حملے کی شدید مذمت کرتے ہوئے انہوں کہا کہ اس کاروائی میں ایم کیو ایم کے کارکن ملوث تھے، جنہیں فوری گرفتار کیا جائے۔ سندھ کے چیف جسٹس اور سپریم کورٹ کو چاہیے کہ کراچی

میں ہفتے کو قتل و غارت گری کے دوران پولیس اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کی غیر موجودگی کا نوٹس لیں۔ حکومت کی اتحادی جماعت کی جانب سے تشدد کی تاریخ بہت طویل ہے، ٹیلوژن پر سب نے دیکھا کہ اس کے کارکنوں میں چیف جسٹس کا استقبال کرنے والوں پر فائرنگ کے لیے اسلحہ تقسیم کیا جارہا تھا۔ پولیس کو وہاں سے بھگا دیا گیا تاکہ نہتے لوگوں پر ایم کیو ایم کی پرائیوٹ ملیشیا بلا روک ٹوک حملہ کر سکے، انہوں نے کہا کہ کراچی کے شہداء کا خون رنگ لائے گا۔: محترمہ بے نظیر بھٹو (روزنامہ ایکسپریس Sunday,May 13,2007)

کراچی میں ہلاکتوں کی ذمہ داری حکومت پر ہے جسے آج نہیں تو کل اس کا جواب دینا ہوگا، پی پی پی کے کارکنوں کا سر عام قتل حکومت کو مہنگا پڑے گا، اس میں ایم کیو ایم ملوث ہے۔ مخدوم امین فہیم (روزنامہ ایکسپریس Sunday,May 13,2007)

پیپلز پارٹی سندھ کے صدر قائم علی شاہ نے نثار کھوڑو، شیری رحمان، ڈاکٹر فہمیدہ مرزا، رفیق انجنئیر، وقار مہدی اور دیگر کے ساتھ بلاول ہاؤس میں پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ جانی ومالی نقصان کی ذمہ دار وفاقی حکومت ہے، متحدہ والے ٹارگٹ بنا کر اپوزیشن والوں کے رہنماؤں پر قاتلانہ حملے کر رہے تھے۔ (روزنامہ ایکسپریس Sunday,May 13,2007)

پیپلز پارٹی کے رہنماؤں حاجی مظفر شجرہ، ایم شفیع اور دلبر ولی نے مطالبہ کیا ہے کہ دہشتگردی کا مقدمہ حکمرانوں پر قائم کرکے ان کے خلاف دہشت گردی کی عدالت میں مقدمہ چلایا جائے، پولیس پر غفلت برتنے کا مقدمہ درج کیا جائے، انہوں نے قائم مقام چیف جسٹس سے اپیل کی کہ وہ ہلاکتوں کا از خود نوٹس لیں (روزنامہ ایکسپریس

Sunday,May 13,2007)

امین فہیم نے راجہ ظفر الحق اور اقبال ظفر جھگڑا کے ساتھ پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ پیر کو ملک بھر میں شٹر ڈاؤن ہڑتال کی جائے گی، حکومت چیف جسٹس کے دورہ لاہور سے خوفزدہ ہو گئی تھی جس کے سبب انہوں نے ان کے دورہ کراچی کو خراب کیا، کراچی سانحے کی تمام تر ذمہ داری وفاقی و صوبائی حکومت پر عائد ہوتی ہے۔ کراچی پر حملہ کراچی والوں نے خود کیا اس سلسلے میں اپوزیشن جماعتیں پارلیمنٹ ہاؤس میں بھی بھرپور احتجاج کریں گی۔ (روزنامہ ایکسپریس

Monday,May 14,2007)

بارہ مئی کی شب جب کراچی میں خون کی ہولی کھیلی جارہی تھی تو عین اسی وقت اسلام آباد میں جنرل پرویز مشرف اور ان کے حامی ڈھول کی تھاپ پر جشن فتح منا رہے تھے، انہوں نے کہا ایم کیو ایم عملی طور پر مشرف قومی موومنٹ کا

روپ دھار کر آج جو کچھ بو رہی ہے کل اسے وہی کاٹنا پڑے گا۔ قومی اخبارات میں شائع ہونے والی یہ خبر ایک سوالیہ نشان ہے کہ ایم کیو ایم کی صوبائی حکومت کی ہدایت پر بارہ مئی سے ایک روز قبل کراچی پولیس فورس سے سرکاری اسلحہ واپس کیوں لے لیا گیا تھا: نثار کھوڑو اراکین پارلیمنٹ و مختلف پارٹی وفود سے گفتگو (روزنامہ ایکسپریس Monday,May 14,2007)

یہ سب اس وقت کی بات ہے جب حکومت نہیں ملی تھی ۔اب جب کہ پی پی پی خود حکومت میں ہے۔ اختیار و اقتدار اس کے پاس ہے اب عوام کو امید تھی کہ قاتلوں کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے گا۔ لیکن شائد اقتدار کے تقاضے کچھ اور ہوتے ہیں، کیا ہوا جو کچھ کارکن مر گئے ان کے گھروں پر چیک دے دیے گئے ہیں نا! اب ضروری تو نہیں کہ اتنے دنوں کے بعد ملنے والے اقتدار کو ان غریبوں کے لیے قربان کر دیا جائے۔ یہ زندہ رہتے تو بھی کیا کر لیتے، گھٹ گھٹ کر جینے سے تو بہتر ہے کہ مر گئے کم از کم اپنے لیڈروں کے لیے الیکشن جیتنے کا کام تو کر گئے اور پی پی پی کی کیا بات کی جائے اس نے تو اپنی مقبول اور ہر دل عزیز لیڈر کے قتل کی ایف آئی آر درج نہیں کرائی ہے۔ حالانکہ خود صدر آصف علی زرداری صاحب نے ایک جلسہ عام میں یہ انکشاف کیا تھا کہ وہ قاتل کو جانتے ہیں۔ لیکن بتائیں گے نہیں کیوں کہ ان کی جان کو خطرہ ہے پتہ نہیں خطرہ جان کو ہے یا اقتدار؟

اس طرح قائد تحریک الطاف بھائی بھی ہیں انہوں نے بھی کچھ دعوے کیے تھے ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ مظلوموں کا ساتھی ہے الطاف حسین۔ ہم بھی اس بات سے اتفاق کر لیتے لیکن یہ کیا کریں ہماری یادداشت ہمیں بتاتی ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ آئیں آپ بھی کچھ چیزیں دیکھ لیں

پیپلز پارٹی مسلح دہشتگردی کے ذریعے امن تباہ کر رہی ہے: (رابطہ کمیٹی) لیاری کے علاقے میں پیپلز پارٹی کے دہشتگردوں کے ہاتھوں ایم کیو ایم کے کارکن اور ہمدرد کے بہیمانہ قتل کی مذمت : رابطہ کمیٹی نے صدر جنرل پرویز مشرف، وزیر اعظم میر ظفر اللہ جمالی، گورنر سندھ ڈاکٹر عشرت العباد اور وزیر اعلیٰ سندھ سردار علی محمد مہر سے مطالبہ کیا کہ محمد ناصر اور نور محمد کے قتل کا فوری نوٹس لیا جائے، سندھ میں امن و امان تباہ کرنے والوں کے خلاف قانونی کاروائی کی جائے۔ (رابطہ کمیٹی کا بیان کراچی ۸ مارچ ۲۰۰۴) مزید طویل تفصیلات کے لیے اس لنک پر رابطہ کیا جا سکتا ہے

http://www.mqm.org/news-2004/mar/n03-08.htm

KARACHI / VIOLENCE / FAKE-ENCOUNTER PAGE

karachi@karachipage.com

First, govt would arrest them illegaly, without warrants then the "chosen ones" would be taken out of the jail and then taken to a previously cordoned off place. There Police
.or Ranger would shoot them in firing squad style

Next day, they would declare those killngs as "Encounters Former MQM zonal organiser of Hyderabad, Mr Anis Ahmed Kaimkhani, members of the defunct zonal committee and Haq Parast members of Sindh Assembly Salahuddin, Maqbool Qureshi, Mobin Shaikh and Zafar Rajput have condemned the raids on the homes of Anees Ahmed Kaimkhani, former deputy mayor of Hyderabad Rasheed Ahmed Khan (bhayya), and
.hundreds of MQM supporters

In a joint statement issued here on Tuesday, they said that the sudden

raids and large scale arrests of their activists were a clear demonstration of the fact that the PPP government had completely lost its bearings.

Our Nawabshah Correspondent adds: Several police parties of Nawabshah town led by the DSP of Saddar police station, surrounded the house of Ghulam Mustafa Korai, Sindh chief of the PPP (SB) in Mehran Colony on Monday, searched the house and took his brother Ghulam Sarwar Korai into custody at A-Section police station. He was later released after questioning and intervention of some local influential persons.

(DAWN WIRE SERVICE Week Ending : March 30 1995)

ایم کیو ایم کی طرف سے پیپلز پارٹی کے مظالم کے مزید تصویری ثبوت یہاں دیکھے جاسکتے ہیں
www.karachipage.com

یہ ساری باتیں گزرا ہوا کل ہیں جب ایم کیو ایم اور پاکستان پیپلز پارٹی نے ایک دوسرے پر سنگین الزمات لگائے، متحدہ قومی موومنٹ نے سانحہ پکا قلعہ، کراچی آپریشن، اور " کارچی کے قصائی " نصیر اللہ بابر کے مظالم پر کافی احتجاج کیا ہے اور اس وقت آرمی چیف، اور ایمنسٹی انٹر نیشنل، اور اقوام متحدہ کو ان مظالم کے خلاف خط لکھے اور ذمہ داران کے خلاف کاروائی کا مطالبہ کیا جاتا رہا لیکن گزشتہ تقریبًا نو سال سے حکومت میں ہونے کے باوجود ایسی کوئی خبر ہماری نظر سے نہیں گزری کہ کراچی آپریشن کے کسی کردار کو گرفتار کیا گیا ہو اور اسے کیفر کردار تک پہنچایا گیا ہو۔ ہاں جون ۱۹۹۲ کو آج تک رویا جاتا ہے۔ سانحہ پکا قلعہ کو آج تک رویا جاتا۔ شائد یہ عوام اور کارکنان اسی لیے تو ہوتے ہیں کہ ان کو ذاتی مفادات کی خاطر بھینٹ چڑھا دیا جائے یہ دونوں پارٹیاں اپنے ہی لوگوں کی قاتل ہیں اپنے لاشوں کی سوداگر ہیں۔ دیکھتے ہیں کہ ایم کیو ایم صرف کارکنان کی شہادتوں پر مگرمچھ کے آنسو بہانے کے بجائے اپنے شہیدوں کو انصاف کب مہیا کرتی ہے اور پیپلز پارٹی کب اقتدار کی مسندوں سے اتر کر اپنے شہیدوں کے قاتلوں کو گرفتار کرتی ہے۔ کب یہ لاشوں کے سوداگر واقعی اپنے دعوے سچے ثابت کرتے ہیں؟

کیا یہ ہماری جنگ ہے؟

کچھ لوگوں کہنا ہے کہ یہ امریکہ کی جنگ ہے جو کہ ہم لڑ رہے ہیں جبکہ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ ہماری اپنی جنگ ہے۔ ہمارا بھی یہ ماننا ہے کہ یہ پرائی جنگ ہے جو کہ پاکستان کے اوپر مسلط کی گئی ہے۔ دیکھیں اس کا آغاز تو دراصل جنرل ضیاء الحق مرحوم کے دور سے ہوا۔ جب روسی سفید ریچھ گرم پانیوں کے تعاقب میں افغانستان میں گھس گیا۔ اس وقت دنیا میں دو سپر پاور تھے ایک روس اور ایک امریکہ، اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ سوائے ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کے پاکستان کی کسی حکومت نے روس کے ساتھ تعلقات میں گرم جوشی نہیں دکھائی بہر حال یہ موضوع پھر کبھی چھیڑیں گے اس وقت بات ہو رہی تھی روس کی افغانستان میں آمد کی۔ روس کی افغانستان میں گھسنے کی غلطی کا امریکہ نے فوراً فائدہ اٹھایا اور جہاد کے نام پر افغانستان اور پاکستان میں سرمایہ کاری کی۔ اس طرح امریکہ نے پاکستان کو سامنے رکھ کر اپنی لڑائی لڑی۔ پاکستان نے اس میں اپنی فوج، اور افرادی قوت مہیا کی اور مجاہدین کو سپورٹ کیا۔ اسی دور میں پاکستان میں جہادی کلچر فروغ پایا اور دنیا بھر کے مجاہدین کو سپورٹ کیا اور ان کو پاک افغان سرحد کے ساتھ واقع علاقوں میں بسایا گیا اور مقامی لوگوں نے ان مجاہدین کو خوش آمدید کہا اور ان کے ساتھ

رشتہ داریاں قائم کیں۔ اسی دور میں پشاور سے امریکی طیارے اڑان بھر کر روسی ٹھکانوں پر بمباری کرتے تھے اور اسی دور میں روسی صدر نے کہا تھا کہ ہم نے نقشے میں پشاور کے گرد سرخ دائرہ بنا دیا ہے یہ دور پاک امریکا تعلقات کی تاریخ کا نسبتاً بہتر دور کہا جاسکتا ہے۔ اس دور میں پوری دنیا میں امریکی ذرائع ابلاغ میں پاکستان کو نمایاں اور مثبت انداز میں پیش کیا گیا۔ اسی دور میں امریکہ نے نہ چاہتے ہوئے بھی پاکستان کے ایٹمی پروگرام کی مخالفت نہیں کی۔ اس دور میں ہالی ووڈ میں مشہور مووی (ریمبو تھری) بنائی گئی۔ جو کہ جہادی کلچر کی حمایت میں ہے۔ بہر حال انجام کار یہ ہوا کہ روس کو افغنستان میں شکست ہوئی اور وہ وہاں سے رسوا ہو کر نکلا یہ سوال بے محل ہے کہ جہادیوں نے نکالا یا فوج نے بہرحال امر واقعہ یہ ہے کہ روس کو شکست ہوئی۔ اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ روس کو افغانستان میں شکست ہوتی ہے انیس سو نواسی میں اور پاکستان میں جہادیوں کو دشمن سمجھا جاتا ہے دو ہزار دو کے بعد ! وہ لوگ کہ جن کو خود پاکستانی عوام اور حکومتوں نے سپورٹ کیا جہاد افغانستان کے تقریباً بارہ سال بعد ان کو دشمن کیوں سمجھا گیا؟ یہی وہ بنیادی سوال ہے جس کا جواب ڈھونڈنا چاہیے اور جواب بہت واضح ہے۔ دراصل روس کی شکست کے بعد امریکہ کو اپنی حکمت عملی میں ایک جھول نظر آیا کیوں کہ روس کی شکست کے بعد دنیا بھر میں جاری مسلمانوں کی تحریک آزادی میں ایک نیا ولولہ ایک نیا جوش و جذبہ پیدا ہوگیا۔ کشمیر میں جہاں کشمیر عوام چالیس

پیتالیس سال سے مظاہرے اور اقوام متحدہ کو قرار دادیں پیش کرتے تھے لیکن بھارت پر کوئی اثر نہیں ہوتا تھا اور دنیا میں کسی کو اس مسئلہ کی سنگینی کا اندازہ نہیں تھا لیکن روس کی شکست کے بعد جب وادی کشمیر میں مسلح جدوجہد کا آغاز ہوا تو پھر بھارت کو بھی محتاط ہونا پڑا اور پوری دنیا کو بھی احساس ہوا کہ کشمیر کا بھی کوئی ایشو ہے۔ فلسطین میں تحریک آزادی کو مہمیز ملی اور افغانستان سے مجاہدین نے کشمیر، فلسطین اور روس کے مقبوضہ علاقے چیچن کا رخ کیا۔ یہ چیز امریکہ کے لیے قابل قبول نہیں تھی اس لیے افغانستان سے روس کی شکست کے صرف تین سال بعد سن بیانوے ہی سے جہاد اور مجاہدین کی کردار کشی شروع کردی گئی۔

اس دوران افغانستان خانہ جنگی لی لپیٹ میں آگیا اور اس خانہ جنگی سے طالبان نے جنم لیا۔ طالبان کا ظہور انیس سو چورانوے میں ہوا اور انیس سو چھیانوے میں طالبان نے کابل پر قبضہ کرلیا، اس کے بعد طالبان کی پیش قدمی بڑھتی رہی اور بہت جلد انہوں نے افغانستان کے نوے فیصد علاقے میں کنٹرول حاصل کرلیا اور وہاں اسلامی حکومت قائم ہوگئی۔ اگرچہ اس کے خلاف پروپیگنڈا تو کافی کیا گیا لیکن دراصل وہ دور افغستان کی تاریخ کی سب سے پرامن دور تھا جب پہلی بار تمام مسلح گروپوں کو غیر مسلح کیا گیا، افغانستان میں پوست (ہیروئین) کی کاشت ختم کی گئی۔ افغانستان میں امن قائم کیا گیا اور تاریخ میں پہلی

بار پاکستان کو پاک افغان سرحد سے اپنی فوج ہٹانی پڑی اور وہاں صرف سیکورٹی فورسز کا کنٹرول ہوتا تھا اور پاکستان نے پوری توجہ اپنی مشرقی سرحدوں پر مبذول کردی۔ یہ چیز امریکہ اور بھارت کے مفادات کے خلاف تھی۔ اسی لیے ایک سازش کے تحت نائین الیون کا خونی ڈرامہ اسٹیج کیا گیا اور اسامہ بن لادن کو اس کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا اور پھر اس کو جواز بنا کر افغانستان پر جنگ مسلط کردی گئی۔ افغانستان پر جنگ مسلط کرنے کے بعد ہی طالبان اور جہادی تنظیموں کے خلاف پاکستان میں کاروائیاں کی گئیں اور ان کو پاکستان کا دشمن کہا گیا۔

قارئین اب تک کی جو صورتحال بیان کی گئی ہے اس کو سامنے رکھیں اور پھر دیانت داری کے ساتھ یہ فیصلہ کریں کہ طالبان یا مجاہدین پاکستان کے دشمن ہو سکتے ہیں اگر وہ پاکستان کے دشمن ہوتے تو پاکستان کو کبھی بھی اپنی مغربی سرحدوں سے بے فکر نہیں ہونا پڑتا۔ اگر وہ پاکستان کے دشمن ہوتے تو اس وقت پاکستان کے خلاف کاروائیاں کرتے جب کسی کو ان پر شک ہی نہ تھا اور پاکستان کے حکام ان کی سپورٹ کرتے تھے۔ اگر وہ پاکستان کے دشمن ہوتے تو بارہ سال کے بعد کیوں دشمنی کرتے جب وہ ویسے ہی مشکلات کا شکار تھے؟ ہم جانتے ہیں کہ افغان جہاد سے لیکر امریکہ کی جارحانہ پیشقدمی تک کوئی ایسی رپورٹ کوئی ایسی خبر ہمارے سامنے نہیں ہے کہ جہادی تنظیموں نے کوئی واردات کی ہو۔ رہی فرقہ واریت تو وہ پاکستان میں کئی عشروں سے موجود ہے اس کو جہاد کے ساتھ یا

جہادی گروپوں کے ساتھ منتھی کرنا درست نہیں ہے۔

بہت سے لوگوں کے نزدیک جنرل ضیاء الحق کا روس کے خلاف جنگ میں حصہ بننا ایک غلط فیصلہ تھا۔ ہوسکتا ہے کہ ایسا کہنے والے درست کہتے ہوں لیکن میں آپ تمام لوگوں سے کچھ سوال کرنا چاہوں گا۔ آپ ساری صورتحال کو سامنے رکھیں کہ ایک طرف بھارت جیسا کینہ پرور ہمسایہ جس نے کبھی پاکستان کو دل سے تسلیم نہیں کیا۔ دوسری طرف اس وقت افغانستان میں جو گروپ روس کی حمایت کر رہا تھا وہ علی الاعلان پاکستان کے صوبہ سرحد کو اپنا حصہ سمجھتا ہے۔ تیسری طرف امریکہ جیسا مکار جس کا جھکاؤ ہمیشہ پاکستان کے بجائے بھارت کی طرف رہا ہے اور اب بھی یہی صورتحال ہے۔ اب فرض کریں کہ اگر روس کو افغانستان میں شکست نہ ہوتی اور وہ افغنستان کو پچھاڑنے کے بعد اگر پاکستان کے اوپر حملہ آور ہوتا تو کیا بھارت اس کے مقابلے میں پاکستان کی حمایت کرتا؟ کیا امریکہ پاکستان کو مدد کے لیے آتا؟ کیا اسلامی ممالک کے حکمران پاکستان کی کوئی مدد کرتے؟ اس کا جواب بہت واضح ہے کہ نہیں بلکہ بھارت اس موقع سے پورا فائدہ اٹھاتا اور پاکستان کو توڑنے کی پوری کوشش کرتا۔ امریکہ کبھی بھی روس کی مخالفت نہیں کرتا بلکہ جس طرح اس نے اکہتر کی پاک بھارت جنگ میں چھٹے بحری بیڑے کا لارا دیا تھا اسی طرح پاکستان صرف تسلیاں دیتا اور انجام کار اس سارے معاملہ کو پاکستان ہی کو بھگتنا پڑتا۔ اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ

جنرل ضیاء الحق کا وہ فیصلہ بالکل درست تھا اور اس وقت جو جنگ جاری ہے وہ پاکستان کی نہیں بلکہ امریکہ کی جنگ ہے جو ہم پر مسلط کی گئی ہے جس میں دونوں طرف مسلمان ہی مر رہے ہیں

میرا وطن سنوار دو

کبھی آپ نے دیکھا ہے کہ لوگ بھکاریوں کے ساتھ کس طرح کا برتاؤ کرتے ہیں؟ ان کی کوئی عزت نہیں ہوتی ہے۔ ان کو کہیں بھی اچھا نہیں سمجھا جاتا ہے۔ ان کے ساتھ تعلق رکھنا عیب سمجھا جاتا ہے۔ ان پر حقارت کی نظر ڈالی جاتی ہے۔ ان کی ناراضگی اور غصے کو کوئی خاطر میں نہیں لاتا ہے کہ ایک بھکاری کی اوقات ہی کیا ہے کہ وہ کسی کو آنکھیں دکھا سکے، وہ کسی سے ناراض ہو سکے۔ یہ وہ عمومی رویہ ہے جو کہ بھکاریوں کے ساتھ روا رکھا جاتا ہے (اس میں مستثنیات بھی ہیں لیکن عام رویہ یہی ہے)

یہ تو وہ رویہ ہے جو کہ لوگ بھکاریوں کے ساتھ روا رکھتے ہیں لیکن خود بھکاریوں کا کیا حال ہوتا ہے کبھی آپ نے اس پر غور کیا ہے؟ لوگ تو اس کو دھتکارتے ہی ہیں لیکن خود اس کو بھی اپنی عزت نفس کا کوئی خیال نہیں ہوتا ہے۔ اس کو اس بات کا کوئی احساس نہیں ہوتا ہے کہ لوگ اس کے ساتھ کس طرح پیش آرہے ہیں۔ لوگوں کی نظر میں اس کے لیے کتنی حقارت ہے اور لوگ کس طرح اس کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ یہ ساری باتیں اس کے لیے بے معنی ہوتی ہیں، اس کو کسی بات سے کوئی غرض نہیں ہوتی ہے اس کا مطمع نظر صرف یہ ہوتا ہے کہ چاہے مجھے

گالیاں دیدو، چاہے مذاق اڑا لو، چاہے حقارت کی نظر سے دیکھو لیکن مجھے چند ٹکے، چند سکے بھیک میں دیدو، یہی ایک بھکاری کی سوچ کی معراج ہوتی ہے۔

بھیک مانگنے والے کی نفسیات اور بھیک مانگنے والے کے ساتھ لوگوں کے رویے کا آپ کے سامنے ایک جائزہ رکھا ہے اس بات کو سامنے رکھیں اور پھر سوچیں کہ کیا آج بحیثیت قوم ہمارے حکمرانوں نے ہمیں اسی منزل پر نہیں پہنچا دیا ہے؟ پورے ملک میں آگ لگی ہوئی ہے۔ ایک طرف ڈورن حملے، دوسری طرف فوج اپنی ہی قوم کے اوپر حملہ آور ہے، ملک میں ایک جنگ برپا ہے، اس کے ساتھ ساتھ لاکھوں لوگوں کی نقل مکانی نے الگ ایک بحرانی کیفیت پیدا کر دی ہے۔ بجلی کا بحران اس سے پر مستزاد ہے اور صدر محترم ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ صدر محترم کو بیرونی ممالک کے دوروں سے فرصت نہیں ہے۔ دورے کرنا کوئی بری بات نہیں ہے اگر اس میں کوئی کام کی بات کی جائے لیکن یہاں تو لگتا ہے کہ صدر محترم "بھیک مشن" پر نکلے ہوئے ہیں۔ جہاں جاتے ہیں وہاں صرف امداد کی بات کرتے ہیں، ڈالرز اور پونڈز کی بات کرتے ہیں، کیا چین، کیا امریکہ، کیا فرانس اور کیا فرینڈز آف پاکستان ہر جگہ ۔ صدر محترم کی گفتگو امداد سے شروع ہو کر امداد پر ختم ہوتی ہے۔ ان کو کوئی غرض نہیں ہے کہ اہل وطن کس اذیت میں ہیں اور نہ ہی اس بات سے غرض ہے کہ لوگ کیا سوچ رہے ہیں۔ ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ جب حکومتی ارکان سے نفاذ شریعت کی بات کی جاتی ہے تو ان کا مؤقف ہوتا ہے کہ ہمیں نفاذ شریعت کا

مینڈیٹ نہیں ملا ہے اور یہی بات ججز کی بحالی کے وقت بھی کہی جاتی تھی۔ میں ان سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا ان کو پوری دنیا میں بھیک مانگنے کا، اپنے ہی لوگوں سے جنگ کرنے کا اور پاکستان کا نام بدنام کرنے کا مینڈیٹ ملا ہے؟ لوگوں نے اس لیے تو ان کو ووٹ نہیں دیے تھے بلکہ اگر تھوڑا سے پیچھے جائیں تو بات سامنے آتی ہے کہ لوگوں نے ان کو ووٹ دیے تھے کہ یہ مشرف کی باقیات کا اور اس کی جاری پالیسیوں کو ختم کریں، اس کے دور کے کالے قوانین ختم کیے جائیں گے اور شہید بی بی کی قاتلوں کو گرفتار کیا جائے گا۔ لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا خود ان کا دعویٰ ہے کہ عوام نے ان کو روٹی کپڑا اور مکان کا مینڈیٹ دیا ہے لیکن اس حوالے سے بھی ان کا دامن خالی نظر آتا ہے۔ نوکریاں تو دی گئیں لیکن صرف جیالوں کو اور وہ بھی پچھلی نو دس سال کی تنخواہ سمیت، رہے عام لوگ تو وہ اسی طرح مہنگائی کے عذاب میں گرفتار ہیں اسی طرح نان شبینہ کے لیے محتاج ہیں۔ عوام بھوکے مر رہے ہیں، ان لے لیے جسم و جان کا رشتہ برقرار رکھنا مشکل ہوگیا ہے اور اس دوران ایک خبر نظر سے گزری کہ اراکین پارلیمنٹ کی مراعات میں اضافہ کیا جائے گا۔ کیا یہ بات غریبوں کے لیے ایک تازیانہ نہیں ہے؟

بات کہیں سے کہیں نکل جاتی ہے بات ہو رہی تھی بھیک کی اور بھکاریوں کی، مشرف کے دور میں ہم نے بردہ فروشی کی، ہم نے اپنے ہی شہریوں کو پکڑ پکڑ کر

امریکی بھیڑیے کے ہاتھوں پانچ ہزار ڈالر میں بیچا، اور تو اور جو کام کسی نے نہیں کیا وہ کام ہم نے کیا۔ ہم نے ایک ہمسائے اسلامی ملک کے سفیر کو خود پکڑ کر بیچا، یہ ایک قابل مذمت حرکت تھی لیکن سابقہ حکمران اس پر خوش تھے، ہماری اس بے حسی کا فائدہ اٹھا کر مغربی ممالک نے ہمارا مذاق اڑایا اور ہمیں کتے سے تشبیہ دی۔ (یہ کارٹون شائع ہوا تھا جس میں پاکستان کو کتا دکھایا گیا) غیرت مند حکمران ہوتے تو اس ملک سے تعلقات ختم کرتے یا کم از کم بھرپور احتجاج کرتے لیکن بات وہی ہے کہ بھکاریوں کی عزت نفس نہیں ہوتی اور بھکاری حکمرانوں نے اس پر ایک کمزور سا احتجاج کیا اور بس، اسی دور میں شمالی علاقہ جات میں امریکی میزائل حملے کیے جاتے رہے۔ غصہ دکھایا گیا تو اس کی کوئی اہمیت نہیں؟ بھلا کسی بھکاری کا کیا غصہ کیا ناراضگی اور اسکی ناراضگی کی کیا ویلیو؟ یہ سابقہ حکومت تھی اور موجودہ حکومت تو ان سے بھی ایک ہاتھ بڑھ کر ہے۔ ہمارے وزیر اعظم امریکہ میں صدر بش کے ساتھ پریس کانفرنس کرتے ہیں اور صدر بش معزز" مہمان کی باتوں پر ہنستے ہیں اور صحافیوں کو آنکھیں مارتے ہیں۔ غلاموں اور" بھکاریوں کی کیا عزت؟ مسلسل ڈرون حملوں ہو رہے ہیں، اپنی فوج کے ساتھ ساتھ امریکی حملے بھی جاری ہیں لیکن پاکستان کے احتجاج کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی کیوں کہ کسی بھکاری کی کوئی عزت نہیں ہوتی ہے۔ جیسا کہ ہم نے کہا تھا کہ خود بھکاری کی اپنی بھی کوئی عزت نفس نہیں ہوتی ہے اس کو صرف چند ٹکوں سے غرض ہوتی ہے۔ اسی طرح ہمارے

حکمرانوں کو بھی کسی معاملے سے کوئی غرض نہیں ہے بس پیسہ آنا چاہیے۔ ہمیں یہ بتایا جائے کہ کسی بھی دورے میں کیا کشمیر کی کوئی بات کی گئی؟ کیا بھارت جو افغانستان کے راستے پاکستان میں دہشت گردی کر رہا ہے اس پر کوئی بات کی گئی۔ (یہ بات واضح رہے کہ بھارت کی بات ہم خود سے نہیں کہہ رہے بلکہ یہ بات خود رحمان ملک صاحب نے بتائی ہے کہ پاکستان میں دہشت گردی کی وارداتوں میں بھارت کا ہاتھ ہے۔) کیا امریکی ڈرون حملوں پر کئی بات کی گئی؟ نہیں ایسا کچھ نہیں ہوا بلکہ صرف امداد اور رقم کی بات کی گئی۔ ہمیں اس پر بھی کوئی اعتراض نہ ہوتا اگر ہمیں یقین ہو کہ یہ ساری رقم یہ امداد جو دنیا بھر سے مانگی جارہی ہے واقعی پاکستان پر ہی خرچ ہو گی۔ لیکن ہمارے حکمرانوں کا سابقہ ریکارڈ بتاتا ہے کہ ایسا نہیں ہے بلکہ ایسی تمام امداد چند لوگوں کی جیبوں میں چلی جاتی ہے اور خمیازہ ہم عوام کو بھگتنا پڑتا ہے بالکل اسی طرح جس طرح عوام میاں نواز شریف کی اپیل پر قرض اتارو ملک سنوارو میں دل کھول کر پیسہ دیا لیکن آج تک اس رقم کا معلوم نہیں ہوا کہ کہاں گئی۔ ہماری ان تمام حکمرانوں سے یہی گزارش ہے کہ پاکستان پر رحم کریں اس کو مزید قرضوں یا امداد کے بوجھ تلے نہ دبائیں، ہر جگہ کاسہ گدائی پھیلا کر اہل وطن کا امیج خراب نہ کریں۔ چند اشعار پر ہم اپنی بات ختم کریں گے۔

حیات جس کا نام ہے بہادروں کا جام ہے

یہ جام جھوم کر پیو جیو تو بے دھڑک جیو
یہ دل یہ جان وار دو میرا وطن سنوار دو
سجی ہیں افرا تفریوں کی جھالروں سے مسندیں
نہ کچھ اصول سلطنت نہ اقتدار کی حدیں
نظام سب الٹ گیا، غبار سے جو اٹ گیا
وہ آئینہ نکھار دو میرا وطن سنوار دو
یہ دل یہ جان وار دو میرا وطن سنوار دو
کسی کی کمتری کو عزت و وقار کا نشہ
کسی کو زور و زر کسی کو اختیار کا نشہ
نشے میں دھت تمام ہیں، نشے تو سب حرام ہیں
یہ سب نشے اتار دو، میرا وطن سنوار دو
یہ دل یہ جان وار دو میرا وطن سنوار دو
چُنے گئے تو جو گلاب خار خار ہو گئے
بُنے گئے تھے جتنے خواب تار تار ہو گئے
گلاب ہیں نہ خواب ہیں عذاب ہی عذاب ہیں
چمن کو پھر بہار دو میرا وطن سنوار دو
یہ دل یہ جان وار دو میرا وطن سنوار دو

ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے نام

زندہ قومیں اپنے محسنوں اور اپنے ہیروز کو کبھی فراموش نہیں کرتی ہیں اور ان کو ہمیشہ اپنے دلوں میں جگہ دیتی ہیں کوئی فرد چاہے کتنا ہی کسی ہیرو کی کردار کشی کرے لیکن وہ ہمیشہ لوگوں کی نظر میں ہیرو ہی رہتا ہے۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خان بھی قوم کے ایک ایسے ہی محسن اور ہیرو ہیں جنھوں نے انتھک محنت اور لگن سے پاکستان کے دفاع کو مضبوط بنایا۔ انہوں نے اپنی زندگی پاکستان کے نام کردی اور اپنا ایک شاندار مستقبل اور پر آسائش زندگی کو ملک و قوم کے لیے قربان کردیا اگرچہ مغربی میڈیا نے ہمیشہ ان کی کردار کشی کی اور سابقہ حکمرانوں نے بھی اس میں حسب مقدور اپنا حصہ ملایا لیکن آج بھی عوام کی نظروں میں ایک ہیرو ہی ہیں اور قوم روز اول کی طرح آج بھی ان سے اتنی ہی محبت کرتی ہے۔

کراچی سٹی گورنمنٹ نے اس حوالے سے ایک قابل تحسین کارنامہ سرانجام دیا ہے جس کو سراہا نہ جانا انتہائی زیادتی ہوگی سٹی گورنمنٹ نے لیاقت آباد ٹاؤن میں ایک آئی اون کراچی پارک کی ریکارڈ چالیس دن کی مدت میں تکمیل کرکے جو کارنامہ انجام دیا تھا اسی آئی اون کراچی پارک کے ایک دروازے کو ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے نام سے موسوم کرکے اس سے بھی شاندار کام کیا ہے اور

انھوں نے اس دروازے کا نام " بابِ ڈاکٹر عبدالقدیر خان " رکھا ہے۔ یہ واقعی ایسا کارنامہ ہے کہ جس کی تعریف کرنی چاہیے۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خان اس قوم کے اتنے بڑے محسن ہیں کہ ان کی خدمات کے عوض بڑے سے بڑا اعزاز بھی ان کے لیے کم ہے لیکن یہ بھی کچھ کم نہیں ہے کہ پاکستان کے سب سے بڑے شہر کے مرکزی ضلع کے ایک بڑے پارک کو محسن پاکستان کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ میں ہماری ویب ڈاٹ کام کے اس فورم کے ذریعے حق پرست سٹی ناظم مصطفٰی کمال، ٹاؤن ناظم لیاقت آباد ٹاؤن حافظ اسامہ قادری اور ان کی ٹیم کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ نظریاتی اختلافات اپنی جگہ ہیں لیکن یہ ایک ایسا کام ہے کہ جس کو بغیر کسی تعصب کے سراہا جانا چاہئے اور دیگر ضلعی اور سٹی ناظمین کو بھی اس کی تقلید کرنی چاہیئے۔ اللہ ہمارے ہیرو ڈاکٹر عبدالقدیر خان صاحب کو صحت و تندرستی عطا فرمائے۔ آمین

پادریوں کی طلبہ وطالبات کے ساتھ زیادتیاں

آج کل ہر جگہ اسلام پسندوں کو اور مدرسوں کو بدنام کیا جارہا ہے۔ اہل مدرسہ کو قدامت پرست، ترقی کا دشمن، ظالم اور سب سے بڑھ کر حقوق نسواں کا مخالف کہا جاتا ہے۔ اس حوالے سے عالمی اور مغربی میڈیا اس قدر فعال ہے کہ پنجاب کے ایک چھوٹے سے گاؤں مظفر گڑھ میں گاؤں کے جاہل پنچایتی جو کہ اپنی قبائلی رسم رواج کے پابند تھے انھوں نے جب ایک مظلوم عورت کو ایک غیر اسلامی اور غیر انسانی سزا سنائی تو اگرچہ اس واقعہ کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں تھا لیکن تمام نام نہاد انسانی حقوق کے دعوے داروں نے اس واقعے کی آڑ میں اسلام پر خوب حملے کیے۔ سوات میں ایک لڑکی کو مبینہ طور پر کوڑے مارنے کی ویڈیو منظر عام پر آئی تو اس وقت بھی یہی صورتحال سامنے آئی اور ایسا یہ رد عمل کیا گیا اور اس کی آڑ میں ایک بار پھر اسلامی تعلیمات کو نشانہ بنایا گیا۔ طالبان کی مذمت میں گزشتہ دنوں ٹی وی اداکاراؤں نے کراچی پریس کلب پر ایک مظاہرہ بھی کیا، یہاں تک کہ ہیلری کلنٹن صاحبہ نے بھی اس پر تشویش کا اظہار کرنا ضروری سمجھا اہل مغرب مسلمانوں اور اسلام کے خلاف بولنے کا کوئی موقع نہیں جانے دیتے لیکن خود ان کا اپنا کیا حال ہے اس پر بھی نظر ڈالنی چاہیے اور پوری دنیا میں انسانی حقوق کے تحفظ کے چیمپئنز کی اپنی ناک کے نیچے کیا ہو رہا ہے ان کو اس کی بھی

فکر کرنی چاہیئے اور ان کے ہم پیالہ وہم نوالہ مقامی حامیوں کو بھی ذرا اس کے خلاف بھی آواز اٹھانی چاہیے۔

ایک غیر ملکی خبر رساں ادارے کے مطابق آئر لینڈ میں نو سال کی طویل تحقیق اور تفتیش کے بعد ایک چھبیس سو صفحات کی رپورٹ پیش کی گئی ہے۔ رپورٹ کیا ہے بلکہ اہل مغرب کی سیاہ کاریوں کا پردہ چاک کرتی ہوئی ایک دستاویز اور اس سسٹم کے خلاف ایک وائٹ پیپر ہے، رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ آئر لینڈ کے رومن کیتھولک اداروں میں کئی دہائیوں سے ہزاروں لڑکے اور لڑکیاں پادریوں اور رہباؤں کے ہاتھوں بے رحمانہ جسمانی اور جنسی تشدد کا نشانہ بن چکے ہیں۔ رہورٹ میں چرچ کے زیر اہتمام ڈھائی سو سے زائد گھریلو اداروں اور اسکولوں کے سابقہ طلبہ و طالبات کے بیانات شامل ہیں جس میں انہوں نے اپنے ساتھ پادریوں اور راہباؤں کے وحشیانہ سلوک کے بارے میں بتایا ہے۔ ان بیانات سے یہ حقیقت آشکار ہوئی ہے کہ رومن کیتھولک فرقے کی مذہبی شخصیت کئی دہائیوں سے طلبہ اور طالبات کا مسلسل جسمانی اور جنسی استحصال کرتے رہے ہیں۔ جبکہ دوسری جانب سرکاری معائنہ کار متاثرہ لڑکیوں اور لڑکوں کو پادریوں کے ہاتھوں جسمانی تشدد، زنا بالجبر، اور تذلیل سے بچانے میں ناکام رہے ہیں، رپورٹ میں انکشاف کیا گیا ہے کہ حکام نہ صرف مذہبی اداروں میں پادریوں اور رہباؤں کے کرتوتوں سے واقف تھے بلکہ انہوں نے ان کے خلاف کوئی انضباطی

کاروائی نہیں کی، بلکہ ان کے جرائم کو دانستہ طور پر اس لیے پوشیدہ رکھا کہ اس اسکینڈل کے منظر عام پر آنے سے خود کلیسا کی بدنامی ہونے والی تھی۔ تفتیش کاروں کے مطابق رومن کیتھولک شخصیات کی زیادتیوں کا شکار ہونے والے مرد و خواتین کی بڑی تعداد ایسی بھی ہے جن کی عمریں اب پچاس سے اسی سال کے درمیان ہیں اور وہ تاحال اپنے ساتھ ہونے والے سلوک کے نفسیاتی دباؤ سے نہیں نکل سکے ہیں۔ رپورٹ کے مطابق تحقیقات سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ کیتھولک چرچ سسٹم ایک عقوبت گاہ کی طرح کام کرتا رہا ہے جس میں بچوں کے ساتھ انسان کے بجائے جیل کے قیدیوں اور غلاموں جیسا سلوک کیا جاتا رہا ہے۔ اس رپورٹ کے منظر عام پر آنے کے بعد آئرلینڈ کے چالیس لاکھ رومن کیتھولک کے پیشوا شون بریڈی اور اس اسکینڈل کے مرکزی کرداروں نے فوری طور پر معافی طلب کی ہے، پادری بریڈی نے کہا کہ وہ چرچ کے اداروں میں بچوں کے ساتھ ہونے والے غیر انسانی، غیر مذہبی اور غیر اخلاقی سلوک پر وہ انتہائی شرم سار اور معذرت خواہ ہیں۔

اسلام کو بدنام کرنے والے مغرب کا اپنا چہرہ کتنا مکروہ ہے لیکن اس نے بڑی کامیابی سے اپنے اس چہرے کو چھپا رکھا ہے اور اس نے ساری دنیا میں اسلام کے خلاف پروپگینڈہ کیا ہوا ہے تاکہ کوئی اس کا یہ مکروہ چہرہ نہ دیکھ سکے۔ میرے مغرب زدہ بہن بھائی اس رپورٹ کو سامنے رکھیں اور یہ بات سمجھ لیں کہ

انسانی حقوق اور حقوق نسواں کی آڑ میں اصل نشانہ صرف اسلام ہے۔ اس کو سمجھیں اور نادانستگی میں ان کے آلہ کار نہ بنیں اور یہ بھی دیکھیں کہ اگر واقعی یہ لوگ انسانی حقوق کے علمبرادر ہوتے تو جس طرح افغانستان پر فوج کشی کی گئی اور اب پاکستان پر ڈرون اور میزائل حملے کیے جارہے ہیں کیا اس کا عشر عشیر بھی ان پادریوں خلاف کوئی ایکشن لیا جائے گا۔ جواب ہے کہ نہیں ایسا نہیں ہوگا۔ اس کا مطلب واضح ہے کہ انسانی حقوق کا نعرہ ڈھکوسلہ ہے۔ حقوق نسواں کا دعویٰ صرف باحیا مسلمان خواتین کو بے راہ روکرنے کی سازش ہے۔ اس کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

جمہوریت ہی بحال کردیں

سوات میں پاک فوج کی کاروائیاں جاری ہیں۔ ان کاروائیوں کا کیا نتیجہ نکلے کا ابھی اس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا کیونکہ اس وقت توسب ایک زبان ہو کر شدت پسندوں کے خلاف بول رہے ہیں ظلم تو یہ ہے کہ آج شدت پسندی کو اسلام سے منتھی کردیا گیا ہے یعنی اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنا شدت پسندی بنا دیا گیا ہے اگر ہم تھوڑا سا اپنی آنکھیں کھلی رکھیں تو ہمیں جدید تعیلم یافتہ شدت پسند بھی نظر آجائیں گے۔ لبرل، سیکولر، عیسائی، یہودی، ہندو اور مغربی اداروں کے تعلیم و تہذیب یافتہ شدت پسند بھی نظر آجائیں گے لیکن وہ لوگ آج کے دور کا ہاٹ فیورٹ موضوع نہیں ہیں اس لیے ان پر کوئی بات نہیں کرتا ہے البتہ اسلامی شدت پسندی پر بات کرنا آج کل آسان ہے اس لیے اس موضوع پر اظہار خیال کرنا سب اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ دیکھیں جو لوگ مجرم ہیں، دہشت گرد ہیں ان کی مذمت بھی ہونی چاہیے اور ان کو قرار واقعی سزا بھی ملنی چاہئے لیکن اس کی آڑ میں اسلامی قوانین، شریعت اور اسلامی تعلیمات کو نشانہ نہیں بنانا چاہیے۔ جب نظام عدل یا اسلامی قوانین کے نفاذ کی بات ہوتی ہے تو مغرب زدہ طبقہ اور بے رول پر پلنے والی نام نہاد تجزیہ نگار "سویرے سویرے" اس کی مخالفت کرنا شروع کردیتے ہیں۔ سابق صدر جنرل مشرف نے اسلامی قوانین کا مذاق

اڑاتے ہوئے کہا تھا کہ کیا اسلامی نظام نافذ کرکے آدھی قوم کو ٹنڈا کردوں۔ آج کہا جاتا ہے اسلامی قوانین ظالمانہ قوانین ہیں حقوق نسواں کے خلاف ہیں، شخصی آزادی کے خلاف ہیں وغیرہ وغیرہ، بہر حال ہم ان ہی کی بات مان لیتے ہیں کہ نظام عدل یا شرعی نظام کے بجائے چلیں جمہوریت ہی رائج کردیں

جب ہم جمہوریت کی بات کرتے ہیں تو پتہ نہیں کیوں ہمارے ذہن میں عجیب عجیب سی باتیں آتی ہیں اب دیکھیں نہ بھارت بھی ایک جمہوری ملک ہے ہمارے ایک ساتھی کا بھارت جانا ہوا وہاں ان کو ایک بھارتی منسٹر کی دعوت میں بھی جانے کا اتفاق ہوا انھوں نے بتایا کہ " سلیم بھائی میں تو بڑا تیار ہو کر گیا تھا کہ منسٹر کی دعوت ہے خوب مزے ہونگے لیکن میری حیرانگی کی انتہا نہ رہی جب میں نے دیکھا کہ وہاں دعوت میں وہی عام چاول روٹی، ترکاری تھی میں نے اپنے میزبان سے پوچھا کہ بھائی یہ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ جناب بھارت میں تمام وزراء سادگی سے رہتے ہیں اور دعوتوں میں بے جا اسراف نہیں کرتے کہ ان کو عوام کو جواب دینا ہوتا ہے۔ اسی دوران وہاں لائٹ چلی گئی اور منسٹر صاحب نے وہاں گیس لیمپ جلائے جب پوچھا کہ آپ کے گھر جنریٹر نہیں ہے تو جواب ملا کہ جناب مجھے اسی محلے میں رہنا ہے یہیں سے ووٹ لینے ہیں۔ اگر میں نے جنریٹر لیا تو لوگ کہیں گے کہ ہمارے پاس بجلی نہیں ہے اور تم جنریٹر استعمال کررہے ہو؟" یہ ہمارے پڑوسی بھارت کا واقعہ ہے تو جناب عالی یہی جمہوریت یہاں رائج کردیں۔

اسی بھارت میں چند سال پیشتر ایک ٹرین کو حادثہ پیش آیا تھا اور کئی قیمتی جانیں ضائع ہو گئیں تو بھارت کے وزیر ریلوے لال بہادر شاستری نے استعفیٰ دیدیا کہ میری وزارت کے دور میں یہ حادثہ پیش آیا ہے اس لیے میں اس کی ذمہ داری قبول کرتے ہوئے استعفیٰ دیتا ہوں ممبئی میں دھماکے ہوئے تو بھارت کے وزیر داخلہ شیوراج پٹیل اور مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ نے استعفے دے دیئے۔ یہ بھی جمہوری نظام کی ایک تصویر ہے۔ آپ یہی جمہوری نظام رائج کر دیں ہمیں قبول ہے اور اسی بھارت میں مشہور زمانہ ڈائری اسکینڈل (حوالہ اسکینڈل) میں اس وقت کے بھارتی صدر نرسہا راؤ کا نام کرپشن کے الزام میں لیا گیا تو انہوں نے بھی استعفیٰ دیدیا تھا۔ کیا یہ روشن خیال طبقہ پاکستان میں کوئی ایسی جمہوری مثال پیش کر سکتا ہے؟

زیادہ پرانی بات نہیں ہے کہ جب امریکی صدر کلنٹن پر مونیکا کے حوالے سے اسکینڈل بنا تھا اور وہ امریکی صدر عدالت میں پیشیاں بھگتا رہا تھا۔ جناب من آپ لوگ یہی جمہوریت نافذ کر لیں اور سنیے محترم قائداعظم محمد علی جناح بھی جمہوری اقدار پر یقین رکھتے تھے ان کا طرز عمل بھی سامنے رکھیں "کابینہ کا اجلاس جاری تھا، اے ڈی سی نے پوچھا "سر! اجلاس میں چائے سرو کی جائے یا کافی؟" چونک کر سر اٹھایا اور سخت لہجے میں فرمایا "یہ لوگ گھروں سے چائے

کافی پی کر نہیں آئیں گے"۔ اے ڈی سی گھبرا گیا، آپ نے بات جاری رکھی "جس وزیر نے چائے کافی پینی ہو گھر سے پی کر آئے یا پھر گھر واپس جا کر پئے۔ قوم کا پیسہ قوم کے لئے ہے وزیروں کے لئے نہیں"۔ اس حکم کے بعد جب تک وہ برسراقتدار رہے، کابینہ کے اجلاسات میں سادہ پانی کے سوا کچھ سرو نہ کیا گیا۔ کیا یہ دور دوبارہ پاکستان میں لوٹ سکتا ہے؟ کیا یہ جمہوریت بحال ہو سکتی ہے۔؟

جب آپ گورنر جنرل ہاؤس سے نکلتے تھے تو آپ کے ساتھ پولیس کی صرف ایک گاڑی ہوتی تھی جس میں صرف ایک انسپکٹر ہوتا تھا اور وہ بھی غیر مسلم تھا۔ یہ وہ وقت تھا جب گاندھی قتل ہو چکے تھے اور آپ کی جان کو سخت خطرہ تھا اور اس خطرے کے باوجود آپ بغیر سیکیورٹی کے کھلی ہوا میں سیر کرتے تھے۔ کیا آج کل کے حکمران اس طرز حکمرانی کی مثال پیش کر سکتے ہیں؟ یہ بھی تو جمہوری نظام تھا۔ جمہوریت، جمہوری نظام، جمہوریت پسندی کا راگ الاپنا اور اس کا ڈھول پیٹنا بہت آسان ہے لیکن کیا ہم لوگ واقعی جمہوری رویوں کی مثال پیش کر سکتے ہیں؟ ہمیں کچھ نہیں چاہیے۔ اگر جمہوریت پرست اور روشن خیال لوگ کہتے ہیں اسلامی شرعی قوانین قابل عمل نہیں ہیں تو ہم ان کی بات مان لیتے ہیں لیکن شرط یہی ہے کہ اصلی جمہوریت یہاں بحال کر دیں جمہوریت کے نام پر آمریت، شخصی حکمرانی، قوم کی دولت پر بیرونی دورے کرنا، قوم کی دولت کو بے دریغ لٹانا

بند کیا جائے۔ جمہوری نظام میں قانون کا احترام کیا جاتا ہے۔ ہمارے حکمران خود قانون کا احترام سیکھ لیں اور جب سڑکوں پر نکلیں تو لاؤ لشکر کے بجائے قائد اعظم کی طرح اکیلے گاڑی میں سفر کریں۔ ہمیں یہی جمہوریت دیدیں یقین کریں عوام آپ سے اور کچھ نہیں مانگیں گے

نذیر ناجی صاحب حقائق مسخ نہ کریں

نذیر ناجی صاحب ایک پرانے کہنہ مشق صحافی ہیں۔ انہوں نے عمر صحافت میں گزار دی ہے لیکن نہ جانے کیوں وہ حقائق سے ہمیشہ نظریں چراتے ہیں اور صرف برسر اقتدار طبقے ہی کی مداح سرائی اور اس کی تمام جائز و ناجائز پالیسیوں کا دفاع کرتے رہتے ہیں۔ مشرف کے آٹھ سالہ دور میں ان وہ مشرف کی ہاں میں ہاں ملاتے رہے، اس سے قبل وہ میاں نواز شریف کے دست راست تھے۔ آج کل یہ محترم بزرگ پاکستان پیپلز پارٹی کی مداح سرائی میں رطب اللسان ہیں۔ ہمیں اس بات پر کوئی اعتراض نہیں ہے کہ کس کی حمایت کرتے ہیں اور کس کی مخالفت یا آج پی پی پی کی تعریف کررہے ہیں تو کل کسی اور کی کریں گے۔ ہماری ان سے ایک ہی درخواست ہے کہ براہ مہربانی کسی کی تعریف کرتے وقت تاریخ اور حقائق کا گلا نہ گھونٹیں۔ آج کل یہ محترم بزرگ سوات آپریشن کی حمایت میں تاریخ کا جو بیڑہ غرق کررہے ہیں وہ قابل توجہ ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اسلام دشمنی میں اس قدر آگے چلے گئے ہیں کہ اپنے ایک کالم جو کہ اکیس مئی کو جنگ میں شائع ہوا بنام (اس جنگ میں بہت سی جنگیں ہیں) میں قادیانیوں کو مسلمانوں کا ایک گروہ قرار دیدیا جبکہ قادیانی فتنہ کو تمام مکاتبہ فکر نے بالاتفاق کافر قرار دیا ہے لیکن موصوف فرماتے ہیں " اس کے نتیجے میں تباہ کن فرقہ

واریت کا زہر پھیلنے لگا، ایک گروہ کو آئینی طور پر کافر قرار دے کر اس کے شہری حقوق سلب کرنے شروع کردئے گئے" سب کو پتہ ہے کہ آئینی طور پر قادیانیوں کو کافر قرار دیا گیا تھا لیکن موصوف نے اسلام دشمنی میں اس کو مسلمانوں کا ایک فرقہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ قادیانیوں کی اسلام دشمن سرگرمیوں اور عقیدہ ختم نبوت کے انکار کے باعث تمام مکاتب فکر کے علماء نے متفقہ طور پر ان کو کافر قرار دیا تھا اور یہ کوئی ایسا فتویٰ نہیں تھا کہ کسی ایک مفتی یا مولوی نے کوئی فتویٰ دیدیا بلکہ اس پر پارلیمنٹ میں باقاعدہ جرح ہوئی، اور اس میں مولانا شاہ احمد نورانی، مفتی محمود، پروفیسر غفور احمد اور دیگر علماء کرام پیش ہوتے تھے اور قادیانیوں کی جانب سے اس وقت کے خلیفہ غالباً مرزا بشیر حاضر ہوتے تھے (اس وقت میری یادداشت میں مکمل طور پر درست نام نہیں آرہا ہے) اور باقاعدہ مناظرہ ہوتا تھا۔ اس کے بعد اس گروہ کو کافر قرار دیا گیا لیکن نذیر ناجی صاحب آج تک اس کو مسلمانوں کا ایک گروہ گردانتے ہیں۔ اس سے ہی ان کی اسلام اور پاکستان دوستی کا بھرم کھل جاتا ہے۔

اپنے ایک اور کالم جو کہ نو مئی کو جنگ اخبار میں شائع ہوا بعنوان (جنگ بہت طویل ہے) میں پینسٹھ کی جنگ کے ایک کردار سپاہی مقبول حسین کا ذکر کیا ہے یہاں بھی انہوں نے بددیانتی کا ثبوت دیتے ہوئے مکمل بات ظاہر نہیں کی ہے۔

لکھتے ہیں کہ (میں نے سپاہی مقبول حسین کے اعزاز میں جنرل کیانی کی طرف سے برپا کی گئی میں تقریب دیکھی ہے جس میں پاک فوج اور ملک بھر کے دانشور اور صحافی اسے خراج تحسین پیش کر رہے تھے دشمن نے اسے طویل عرصہ قید رکھ کر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے مگر۔ وہ ہر نئی اذیت پر پاکستان زندہ باد کے نعرے کے سوا کوئی لفظ منہ سے نہ نکالتا تھا اور اس کے جسم سے جو خون بہتا اس سے وہ عقوبت گاہ کی دیواروں پر پاکستان زندہ باد لکھ دیتا۔ طویل قید کے بعد اسے رہائی نصیب ہوئی تو وہ بوڑھا، ضعیف اور گونگا ہو چکا تھا۔ وطن واپس پہنچتے ہی اس نے اپنے یونٹ میں پہنچ کر کمانڈر سے کہا " سپاہی مقبول حسین حاضر ہے" یہ بلاشبہ ایک سچے سپاہی کی داستان ہے اور وہ سپاہی جو وطن پر جان قربان کر دینے کا جذبہ رکھتے ہیں۔ نذیر ناجی صاحب نے اس سپاہی کی داستان تو سنا دی لیکن یہ نہیں بتایا کہ وہ دشمن کون تھا۔ جی وہ دشمن بھارت ہے جس کو آج کل ان کے ممدوح جناب آصف علی زرداری کے بقول پاکستان کو کبھی بھارت سے خطرہ نہیں رہا یہ وہی بھارت ہے۔

آج ہمارے بزرگ نذیر ناجی صاحب سوات آپریشن کی پرزور حمایت کر رہے ہیں اور قوم سے اپیل کر رہے ہیں اس آپریشن کی حمایت کرے، میڈیا اور فنکار جنگی ترانے گانا شروع کر دے۔ لیکن اکہتر کی جنگ میں جن لوگوں نے پاک فوج کے ساتھ مل کر بھارتی ایجنٹوں، مکتی باہنی، عوامی لیگ کے خلاف پاک فوج کے آپریشن کی، اس

پاک فوج کی مدد کرنے والے محب وطن عناصر پر لعن طعن کررے ہیں۔ کیا اس لیے کہ اس وقت کو آپریشن بھارتی ایجنٹوں کے خلاف تھا اور آج کے آپریشن میں طالبان کی آڑ میں تمام دین پسندوں کی ختم کردینے کی سازش کی جارہی ہے۔؟ اور اس وقت کا آپریشن ملک بچانے کے لیے تھا کیوں کہ بھارت واضح طور پر باغیوں کی مدد کر رہا تھا اور پاکستان توڑنے کی سازش کر رہا تھا اور آج کا آپریشن ملک کی سالمیت کے لیے ایک خطرہ ہے؟ ایک دلچسپ بات یہ بھی ہے کہ محترم بزرگ نذیر ناجی صاحب آج کل اکھتر کے سانحہ کا جب بھی ذکر کرتے ہیں تو اس میں پاک فوج اور اس کے حامیان کو ہی ذمہ دار قرار دیتے ہیں لیکن اس سانحہ کے تین بڑے مرکزی کرداروں کی کوئی بات نہیں کرتے نمبر ایک بھارت جو کہ پوری طرح اس سازش میں شریک تھا نمبر دو مجیب الرحمان جو کہ بھارتی لابی کے اشارے پر چلنا شروع ہوا اور نمبر تین ذوالفقار علی بھٹو جنھوں ایک گروہ کو الیکشن میں اس کی واضح اکثریت کے باجود غیر جمہوری رویہ اپناتے ہوئے اس کا جمہوری حق تسلیم کرنے سے انکار کردیا تھا۔ بھٹو صاحب کی مخالفت نہ کرنے کی بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ آج کل پی پی پی کی حکومت ہے اور یہ بزرگ کبھی برسر اقتدار گروہ کی مخالفت کی بیوقوفی نہیں کرتے ہیں لیکن بھارت نوازی کا معاملہ کچھ اور ہی بات ظاہر کرتا ہے۔ بہر حال ہماری ان سے یہی گزارش ہے کہ اگر اللہ نے آپ کو ایک وسیع حلقے تک رسائی دی ہے تو اس کو صحیح استعمال کرتے ہوئے لوگوں تک اصل اور درست بات پہنچائیں۔ شکریہ

لاہور دھماکہ: اصل دشمن کون؟

لاہور میں گنگا رام اسپتال اور سول لائنز پولیس اسٹیشن کے نزدیک ریسکیو ون فائیو کے دفتر پر خود کش حملے میں تئیس افراد ہلاک اور ڈھائی سو سے زائد زخمی ہو گئے ہیں۔ ایس ایس پی آپریشن چوہدری شفیق نے واقعے میں تئیس افراد کی ہلاکت کی تصدیق کردی ہے۔ تاہم ایدھی ذرائع کا کہنا ہے کہ واقعے میں تیس افراد ہلاک ہوئے ہیں۔ ہلاک ہونیوالوں میں چھ پولیس اہلکار اور ایک بچہ بھی شامل ہے۔ دھماکے سے ون فائیو کی دو منزلہ عمارت مکمل طور پر منہدم ہو گئی اور قریبی عمارتوں کے شیشے ٹوٹ گئے۔ ابتدائی اطلاعات کے مطابق یہ دھماکا ایف آئی اے بلڈنگ پر ہونیوالے حملے کی طرز کا تھا۔

بتایا گیا ہے کہ حملے میں ایک سو کلو گرام بارود استعمال کیا گیا۔ دھماکے سے پہلے فائرنگ بھی کی گئی جس سے سگنل پر کھڑی گاڑیوں میں سے بہت سے لوگ نکل کر بھاگ گئے، اور وہاں کھڑی پچاس سے زائد گاڑیاں اور موٹرسائیکلیں تباہ ہو گئیں۔ دھماکا اس قدر شدید تھا کہ اس کی گونج سات کلومیٹر تک سنی گئی۔ جائے وقوعہ پر کئی فٹ گہرا اور گڑھا پڑ گیا، امدادی ٹیموں نے زخمیوں کو گنگا رام، سروسز اور میو ہسپتال پہنچایا جہاں متعدد افراد کی حالت تشویشناک

بتائی گئی ہے۔
آرمی اور رینجرز کے دستوں نے علاقے کو گھیرے میں لے لیا جبکہ ہیلی کاپٹر سے فضائی نگرانی بھی کی گئی اس دوران چار مشتبہ افراد کو گرفتار کرکے تفتیش کے لئے نامعلوم مقام پر منتقل کر دیا گیا ہے۔ دھماکے بعد کے شہر کی تمام حساس عمارتوں کی سکیورٹی انتظامات سخت کر دی گئی۔ پنجاب کے وزیر قانون رانا ثنا اللہ نے میڈیا سے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ حملہ آوروں نے پہلے فائرنگ کی جس کے بعد انہوں نے بارود سے بھری ویگن عمارت سے ٹکرا دی۔ ان کا کہنا تھا یہ واقعہ ناقص سکیورٹی انتظامات کی وجہ سے پیش آیا ہے۔
کل بروز بدھ ستائیس مئی کو لاہور میں یہ سانحہ پیش آیا ہے جس میں اطلاعات کے مطابق تیس قیمتی جانیں ضائع ہوگئیں ہیں۔ یہ سب کیا ہو رہا ہے ہماری آرمی اور حکومت سوات، مینگورہ وغیرہ میں حکومتی رٹ بحال کرنے کے لیے آپریشن کر رہی ہے اور دوسری طرف ملک کے سب سے بڑے صوبے کے دارلحکومت میں دہشت گردی کی یہ ہولناک وارادت پیش آئی ہے۔ گزشتہ چند ماہ سے لاہور دہشت گردی کا نشانہ بنا ہوا ہے اور لگتا ہے کہ اب دہشت گردوں نے لاہور کو ٹارگٹ بنا لیا ہے۔ حکومت اور قانون نافذ کرنے والے ادارے دہشت گردوں کے آگے بے بس نظر آتے ہیں۔ میرے نزدیک اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ جب تک ہم مرض کی تشخیص نہیں

کریں گے اس وقت تک ہم درست علاج بھی نہیں کر سکتے ہیں اور تشخیص کے بغیر علاج کرنا یا آپریشن کرنا بسا اوقات فائدہ مند ہونے کے بجائے نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔
ہم نے امریکی اور بھارتی دباؤ پر یہ تسلیم کرلیا ہے کہ دہشت گردی اور اسلام لازم و ملزوم ہیں جہاں کہیں بھی دہشت گردی کی واردات ہوگی اس کا تانا بانا لازماً اسلام یا مسلمانوں سے جوڑ دیا جاتا ہے۔ جب کہ امرِ واقعہ یہ ہے کہ بھارت واضح طور پر پاکستان میں دہشت گردی اور دراندازی کا مرتکب ہے۔ اس وقت صورتحال تقریباً وہی ہے جو کہ انیس سو اکہتر میں سابقہ مشرقی پاکستان میں تھی اس وقت بھارت نے مکتی باہنی کو منظم کیا تھا، مکتی باہنی کا جو طریقہ کار تھا اگر اس پر ایک نظر ڈالیں تو بہت ساری باتیں واضح ہوجاتی ہیں

بھارت نے مکتی باہنی کی تنظیم ہر تھانے کی سطح پر کی تھی اور اس کے مندرجہ ذیل گروپ تھے (۱) مکتی باہنی (۲) مجیب باہنی (۳) جاسوس گروپ، سبوتاژ گروپ، آرمڈ گروپ، افواہ ساز گروپ، اس کے علاوہ مکتی باہنی کی دو ذیلی شاخیں بھی تھیں جو کہ خواتین گروپ، اور سائنٹفک گروپ پر مشتمل تھیں خواتین گروپ زیادہ تر ہندو طالبات پر مشتمل تھا اور ان کو مکتی باہنی کی سرگرمیوں کو آسان بنانے کے لیے ہر حد تک گزرنے کی تربیت دی گئی تھی۔ جبکہ سائنٹفک گروپ میں سائنس کے طالبعلم بھارتی سرحد کے قریب خفیہ مقام پر بھارتی انتہا پسند

کے کارکنوں کی رفاقت میں ایسی تباہ کن دستی چیزیں RSS تنظیم راشٹریہ سیوک سنگھ
۔تیار کرتے جو تباہی پھیلا کر ماحول کو دہشت زدہ کرتیں
مکتی باہنی کے لیے حسب ذیل اہداف مرتب کئے گئے تھے: نمبر ایک سارے مشرقی پاکستان میں پھیل کر پاک فوج سے جھڑپیں کرنا تاکہ اس کی نقل و حرکت محدود ہو جائے اور وہ اپنے علاقے میں محصور ہو کر رہ جائے۔ نمبر دو اس کے بعد گوریلا کاروائیاں تیز کرکے پاکستان کی دفاعی افواج کا حوصلہ پست کردیا جائے نمبر تین جب پاکستان اس سے تنگ آکر بھارت سے کھلی جنگ کے لیے مجبور ہو جائے تو مشرقی پاکستان میں مکتی باہنی کے پھیلے ہوئے ایجنٹ بھارت کی باقاعدہ مشرقی فیلیڈ فورس کا کام کرسکیں۔
ان ساری باتوں کو سامنے رکھیں اور پھر دیکھیں کہ کیا آج بھی تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ کم وبیش ایسے ہی حالات نہیں ہیں؟ کیا سارے پاکستان میں فوج اور پولیس پر حملے کرکے اس کا حوصلہ پست کرنے کی کوشش نہیں کی جارہی ہے؟ کیا آج بھی آرمی کو مختلف اندرونی محاذوں پر الجھا نہیں دیا گیا ہے؟ کیا آج بھی آئے دن دھماکے کرکے دہشت نہیں پھیلائی جارہی ہے؟ کل اکہتر کے موقع پر مکتی باہنی اور باغیوں کے پاس سے بھارتی اسلحہ برآمد ہوتا تھا آج بھی اس بات کا شور تو بہت کیا جاتا ہے کہ دہشت گردوں کو اسلحہ اور رقم کہاں سے مل

رہی ہے لیکن کیا کبھی میڈیا کے سامنے یہ لائی گئی ہے کہ جو اسلحہ دہشت گردوں سے برآمد ہوتا ہے وہ کہاں کا ہے؟ ایک خاص بات جو کہ نوٹ کرنی چاہے کہ جس گرفتار دہشت گرد کا تعلق افغانستان سے ہوتا ہے تو اس کو فوراََ طالبان میں شمار کرلیا جاتا ہے کہ جبکہ افغانستان میں صرف طالبان ہی نہیں بلکہ پاکستان مخالف گروپ "شمالی اتحاد" بھی ہے۔اس طرف کوئی دھیان نہیں دیتا۔ اس کے علاوہ سوات مینگورہ وغیرہ میں جو دہشت گرد اسلام کے نام استعمال کرکے جو کاروائیاں کر رہے ہیں ماضی میں مکتی باہنی بالکل ایسی ہی وارداتیں کرتی تھی مارچ انیس سو اکہتر میں مشرقی پاکستان میں بغاوت پھیل گئی تو اس وقت کی صورتحال یہ تھی کہ شاہراہوں، اسٹیشنوں، قصبوں، اور شہروں پر مکتی باہنی کے غنڈوں کا راج تھا اور انسانوں کو محاورتاََ نہیں بلکہ حقیقتاََ سڑکوں پر لٹا لٹا کر زبح کیا جارہا تھا، لندن کے ایک معروف اخبار کے مطابق مکتی باہنی کے غنڈوں نے چٹاگانگ میں ایسٹ پاکستان رائفلز کے ایک افسر کی کھال ادھیڑ کر قتل کردیا۔ پھر اس کے دو معصوم بچوں کے سر کاٹ ڈالے اور ان دونوں کٹے ہوئے سروں کو ان کی ماں کی عریاں لاش پر ڈال دیا گیا، بہت سی غیر بنگالی مقتولہ کنواری لڑکیوں کے جسموں میں سے بنگلہ دیش کے پرچم نکالے گئے جنہیں مکتی باہنی کے وحشیوں نے (womb) ان کے جسموں میں ٹھونس کر قتل کردیا تھا۔ سراج گنج شہر میں چار سو عورتوں اور بچوں کو ایک بڑے ہال میں بند کرکے پیٹرول چھڑک کر آگ لگا دی گئی (کیا سوات میں اسی طرح سڑکوں پر لٹا لٹا کر

لوگوں کو ذبح نہیں کیا گیا؟ کیا اسی طرح لوگوں کے سر نہیں کاٹے گئے؟ تمام واقعات کی مماثلت ایک ہی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ ان واقعات میں پاکستان کا ازلی دشمن بھارت ملوث ہے) یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ بھارت نے گزشتہ آٹھ نو سال میں افغانستان میں کئی سفارت خانے کھولے ہیں یہ بلا سبب نہیں ہیں اور سب سے اہم بات یہ کہ بھارت، امریکہ اور نیٹو آئے دن پاکستان پر دہشت گردوں کی سرپرستی اور پاکستانی قبائلی علاقوں میں دہشت گردوں کی موجودگی کا واویلا مچاتے رہتے ہیں، لیکن جب پاکستان پاک افغان سرحد کو سیل کرنے کی بات کرتا ہے تو اس کی مخالفت کی جاتی ہے۔ ایسا کیوں کیا جاتا ہے؟ اس سے یہ بات صاف ظاہر ہے پاک افغان سرحد سے دہشت گرد افغانستان نہیں جاتے ہیں بلکہ افغانستان سے پاکستان میں داخل ہوتے ہیں اسی لیے پاک افغان بارڈر کو سیل نہیں کرنے دیا جاتا ہے اگر پاکستان صرف اپنا مغربی بارڈر ہی سیل کردے تو پاکستان میں ہونے والی دہشت گردی میں پچاس تا ساٹھ فی صد کمی ہوسکتی ہے۔ اس لیے اصل مسئلہ دہشت گردی نہیں ہے بلکہ اس دہشت گردی کی جڑ ڈھونڈنا ہے اور اگر ہم حقائق سے نظر چرا کر بھارت کو اپنا دوست گردانتے رہیں گے تو یاد رکھیں کہ کل یہ مکتی باہنی کے نام سے آئے تھے آج اسلام کے نام پر یہی کام کر رہے ہیں کل یہ کسی اور نام سے یہی کام کریں گے اس بات کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

یوم تکبیر اور پاکستان کی موجودہ صورتحال

ایک صاحب نے اپنے دوست کو اپنے ساتھ ہونے والی واردات کی تفصیل سناتے ہوئے کہا میں ایک خطرناک علاقے میں سفر کر رہا تھا اچانک ایک موڑ پر ایک ڈاکو میرے سامنے آگیا اس نے مجھے روکا، پھر میری گھڑی اتروائی، میرا پرس چھین لیا، میرا موبائل لے لیا اور میرے سارے کریڈٹ کارڈ بھی لے گیا۔ دوست نے بڑی حیرانگی سے کہا لیکن یار تمہارے نیفے میں تو ایک پسٹل بھی تو تھا؟ لٹنے والے نے فوراً کہا یار اس کو تو میں بڑی مشکل سے بچایا ورنہ وہ ڈاکو تو میرا پسٹل بھی لے جاتا۔ یہ ایک لطیفہ تھا لیکن کیا آج ہماری ایٹمی تنصیبات کی یہی صورتحال نہیں ہے۔ آج ہم یوم تکبیر اس حال میں منا رہے ہیں کہ وہ ایٹم بم، وہ ایٹمی ہتھیار جو ہم نے ساری دنیا کی مخالفت مول لے کر اپنے دفاع کے لیے تیار کیے تھے آج ان سے اپنے دفاع کا کام لینے کے بجائے ہم ان ایٹمی تنصیبات کی حفاظت کی فکر میں لگے ہوئے ہیں۔ پہلے پاکستان کے ایٹمی پروگرام کی ابتداء پر ایک نظر ڈالتے ہیں

1971ء میں پاکستان کے دولخت ہونے کے بعد پوری پاکستانی قوم ایک صدمے کی کیفیت میں تھی اور قوم پر مایوسی طاری تھی۔ 1973ء میں اس وقت کے وزیر اعظم

ذوالفقار علی بھٹو نے خفیہ طور پر ایٹم بم بنانے کا ارادہ کیا اٹھارہ مئی 1974ء میں بھارت نے پوکھران کے مقام پر ایٹمی دھماکے کرکے اپنے ایٹمی قوت ہونے کا اعلان کردیا۔ اس کا مقصد خطے میں اپنی برتری اور پڑوسی ممالک پر اپنی دھونس جمانا تھا۔ جولائی 1974ء میں ڈاکٹر عبدالقدیر خان صاحب نے بھٹو صاحب کو خط لکھا اور اپنی خدمات پیش کیں۔ بھٹو کی دور رس نگاہوں نے بھانپ لیا کہ یہی وہ جوہر قابل ہے جس کی پاکستان کو ضرورت ہے۔ قصہ مختصر کہ اس طرح پاکستان کے ایٹمی پروگرام کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ پاکستان نے اپنا ایٹمی صلاحیت 1984ء میں ہی حاصل کرلی تھی بقول ڈاکٹر عبدالقدیر خان صاحب 1984ء میں ہم نے یہ صلاحیت حاصل کرلی تھی اور میں نے 10 دسمبر 1984 کو جنرل ضیاء الحق صدر وقت کو تحریری طور پر اس سے آگاہ کردیا تھا اور اس کی تصدیق جنرل خالد محمود عارف نے Deception نامی کتاب کے مصنف Adrian Levy ایڈریان لیوی کو دیئے ہوئے ایک انٹرویو میں کی تھی۔ (یوم تکبیر-- بیتے لمحات سحر ہونے تک ڈاکٹر عبدالقدیر خان روزنامہ جنگ ۲۷ مئی ۲۰۰۹) اگرچہ پاکستان نے ایٹمی صلاحیت تو حاصل کرلی تھی لیکن اس کا باقاعدہ اعلان ۱۹۹۸ میں کیا گیا جب بھارت نے مئی ۱۹۹۸ کے اوائل میں تین اور دو ایٹمی دھماکے کرکے خطے میں طاقت کا توازن بگاڑ دیا تھا اور اس کے بعد بھارتی حکمرانوں کا لہجہ بدل گیا اور وہ بڑے تکبر اور گھمنڈ سے پاکستان کو دھمکیاں دینے لگے۔ اس دوران پاکستان عالمی رد عمل کا انتظار کرتا رہا اندرونی طور پر مسلم لیگ ن کی

حکومت کو دھماکے کرنے کا دباؤ تھا جبکہ علمی طور پر دھماکے نہ کرنے کا دباؤ تھا اس بے پناہ پریشر میں بالاآخر نواز شریف کی حکومت نے ایٹمی دھماکے کرنے کا فیصلہ کیا اور بھارت کے ایٹمی دھماکوں کے سترہ روز بعد پاکستان نے بھی بلوچستان میں چاغی کے مقام پر یکے بعد دیگرے پانچ دھماکے کرکے بھارت کو منہ توڑ جواب دیا اور اس کے بعد بھارت کے غبارے سے ہوا نکل گئی تھی اس پر معروف شاعر عنایت علی خان صاحب نے کیا خوب کہا تھا کہ ع

جو ہم نے چاغی میں کیا وہ نہلے پہ دہلا تھا
سنتے ہو مہاراج دھماکہ اس کو کہتے ہیں
تین اور دو الگ الگ ہو تو وہ بات کہاں مہاشے
پانچ ایک ساتھ لگیں تو طمانچہ اس کو کہتے ہیں

بہر حال یہ ہماری تاریخ کا ایک یادگار لمحہ تھا جب ہمارا وطن دنیا کی آٹھویں ایٹمی وقت بن گیا تھا اور پورے عالم اسلام میں خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی جب کہ دشمن سکتے کی حالت میں آگیا تھا۔ آج گیارہ سال بعد صورتحال تبدیل ہو گئی ہے ہم نے جو ہتھیار اپنی حفاظت کے لیے تیار کیے تھے آج ان ہی کی حفاظت کو مشکوک بنایا جارہا ہے اور تواتر سے ایسی خبریں جاری کی جارہی ہیں جس میں پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو غیر محفوظ ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی

ہے۔ایک بات تو واضح ہے کہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کسی بریف کیس یا سوٹ کیس میں نہیں رکھی ہوئی کہ کسی دن کوئی آئے گا اور اسکو بغل میں دبا کرلے جائے گا پاکستان کی ایٹمی تنصیبات مکمل طور پر محفوظ ہیں لیکن ایسی خبریں جاری کرکے اور اس پر بیان بازی کرکے دراصل ایک طرف تو دنیا کو یہ بتایا جارہا ہے کہ پاکستان کی صورتحال کے پیش نظر اس کی ایٹمی تنصیبات پر قبضہ کرلیا جائے اور اس طرح پاکستان پر دباؤبڑھایا جائے جبکہ دوسری طرف پاکستانی قوم کو اس کام کے لیے ذہنی طور پر تیار کیا جائے تاکہ خدانخواستہ اگر ایسا کوئی حادثہ ہوجائے تو کوئی بہت بڑا اور شدید رد عمل سامنے نہ آسکے۔ اللہ پاکستان کی اور اس کے رہنے والوں کی اور پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کی حفاظت کرے اور پاکستان کو ہر طرح کے اندرونی و بیرونی دشمنوں سے محفوظ رکھے۔آمین

نام نہاد محب وطن عناصر کی خدمت میں

میرے گزشتہ دو آرٹیکلز پر کچھ "محب وطن" حضرات نے بڑے جارحانہ تبصرے کیے اور مجھے بڑی شرمندگی محسوس ہوئی کہ میں نے ان تمام "محب وطن"، "انسانیت کا درد رکھنے والے" ۔" اسلام کے سچے باعمل پیروکاروں" کا دل دکھایا میں ان تمام حضرات کی " عظمت" کو سلام کرتا ہوں کہ آپ لوگوں کا "جذبہ حب الوطنی" قابل رشک ہے

یقیناً آپ جیسے لوگ کسی ملک کا سرمایہ ہوتے ہیں۔ یقیناً آپ پاکستان کے ہر مخالف کو ایسے ہی منہ توڑ جواب دینگے اور ایسے ہی کسی بھی پاکستان مخالف بیان یا خبر کی مذمت کریں گے آمین اللہ آپ کے "جذبہ ایمانی" کو سلامت رکھے۔ میرے بھائیوں پتہ نہیں اللہ نے میرا حافظہ اتنا اچھا کیوں بنایا ہے کہ جب بھی کوئی واقعہ ہوتا ہے یا کوئی بات ہوتی ہے تو میرے ذہن میں اس سے ملتے جلتے واقعات گھومنے لگتے ہیں اب دیکھیں نہ نومبر دوہزار چار میں جناب الطاف حسین قائد تحریک متحدہ قومی موومنٹ نے بھارت کا دورہ کیا تھا اور اس دورے میں انہوں نے پاک بھارت دوستی کا پیغام پھیلایا اور وہیں انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ برصغیر کی تقسیم غیر فطری ہے اس کو تقسیم نہیں ہونا چاہئے تھا اور یہ کہ تقسیم کا فیصلہ غلط ہے اگر تقسیم کے موقع پر میں ہوتا تو اس کے

خلاف ووٹ دیتا۔ یہ محترم قائد تحریک کا بیان ہے میرا نہیں۔ میں منتظر ہوں کہ آپ تمام حضرات انہی صفحات پر پاکستان کے خلاف بات کرنے والے ایک برطانوی شہری کی مذمت بالکل انہیں الفاظ اور لب و لہجہ میں کریں گے جو لب و لہجہ آپ حضرات نے میرے آرٹیکل کے تبصرہ میں اختیار کیا ہے۔ چلیں میں تو ایک بے عمل ہی سہی آپ تو باعمل" ہیں دیکھتے ہیں آپ کا جذبہ "حب الوطنی" کیا کہتا ہے۔"

سوات میں ایک مبینہ ویڈیو جس میں ایک لڑکی کو کوڑے مارے جا رہے ہیں اس کی بنیاد پر طالبان کو قابل گردن زدنی قرار دینے والے آپ جیسے تمام "انسانیت" اور "انسانی حقوق کے عمبرادروں" سے ایک گزارش اور بھی ہے کہ تئیس مئی کو کراچی میں جسقم کی ہڑتال جس کی متحدہ نے بھی حمایت کی اس میں متحدہ کے زیر اثر گارڈن کے علاقے میں روٹ پی ون کی بس کو آگ لگا دی گئی اور اس میں ایک خاتون بھی زندہ جل گئیں۔ میں اس بات کا بھی منتظر ہوں کہ آپ جیسے "دکھی انسانیت کا درد رکھنے والے" تمام حضرات کراچی میں بھی آپریشن کے لیے آواز کب اٹھاتے ہیں اور کب اس مظلوم خاتون کو زندہ جلانے والے ظالم دہشت گردوں اور ان کے سرپرستوں کے لیے سزائے موت کا مطالبہ کرتے ہیں۔

یقیناً آپ تمام حضرات کسی قسم کی قوم پرستی نہیں کرتے ہونگے۔ تمام تعصبات سے پاک ہونگے اور آپ لوگوں کی جو مخالفت ہے وہ یقیناً اسلام کو بدنام کرنے

والے طالبان کے لیے مخصوص ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ کراچی میں ایک مخصوص قومیت سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے ہوٹل جن لوگوں نے بند کرائے ہیں اور پیالہ ہوٹل کے قریب کچرا چننے والے غریب افغان مہاجرین کو گولیاں مارنے والے، نارتھ ناظم آباد بلاک جے میں ٹھیلے پر مکئی بیچنے والے غریب محنت کش کو قتل کرنے والے، خوانچہ فروش غریبوں کے ٹھیلے جلانے والے اور پاکستان کے شہریوں کو اپنی ہی ملک کے ایک حصے میں داخل ہونے سے روکنے والے تمام دہشت گردوں کی مذمت کریں گے اور ان کے خلاف بھی ایک آپریشن کرنے کی حمایت کریں گے۔ میں آپ تمام محب وطن عناصر کی ترجمانی کرتے ہوئے حکومت وقت سے یہ مطالبہ کرتا ہوں کہ جس طرح سوات، مینگورہ اور بونیر وغیرہ میں دہشت گردوں کے خلاف آپریشن کیا جارہا ہے اسی طرح کراچی میں بھی آمنہ نامی خاتون کو زندہ جلانے والے اور غریب مزدروں کو قتل کرنے والے، اور ملک کے شہریوں کے آئینی حقوق سلب کرکے ان کو ایک شہر میں داخل ہونے سے روکنے والے تمام دہشت گردوں اور ان کے سرپرستوں کے خلاف بھی ایک بھرپور آپریشن کیا جائے اور ان کے تمام سرپرستوں کو چاہے ان کے پاس کسی اور ملک کی شہریت ہی نہ ہو کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔ کراچی کے محب وطن اور غیور عوام حکومت کے ایسے تمام اقدامات کی بھرپور حمایت کریں گے۔

آخری بات کہ مذہبی جماعتوں پر تو یہ الزام بڑی آسانی سے لگایا جاتا ہے کہ

وہ خود تو جہاد نہیں کرتے لیکن دوسروں کے بچوں کو جہاد کے نام پر مروا دیتے ہیں۔ آپ جیسے تمام محب وطن، انصاف پسند، اسلام کا سچا درد رکھنے والے اس کو منافقت سمجھتے ہونگے۔ میں بھی اس کو منافقت سمجھتا ہوں لیکن بڑی عجیب بات ہے کہ ایک فرد لندن میں بیٹھ کر کراچی اور سندھ کی حفاظت کی بات کرتا ہے، لوگوں سے کہتا ہے کہ بڑی سے بڑی قربانی کے لیے تیار رہیں لیکن خود سولہ سال سے ملک سے باہر بیٹھا ہے۔ اس پر تو کبھی آپ جیسے "محب وطن"، "انصاف پسند" اور "اسلام کے سچے پیروکاروں" کچھ نہیں کہتے۔ پتہ نہیں اس کو منافقت کہا جائے گا یا کچھ اور ؟؟؟

البدر حصہ اول: غدار کون؟

سوات میں فوجی آپریشن شروع ہونے کے بعد گاہے گاہے انیس سو اکہتر کے فوجی آپریشن کا ذکر بھی میڈیا پر آتا رہتا ہے اور جب اکہتر کے سانحہ کی بات آتی ہے تو دیگر کرداروں کے ساتھ ایک کردار "البدر" کا نام بھی لیا جاتا ہے۔ اگرچہ ہمارے ایک معزز کالم نگار جناب نذیر ناجی صاحب تو آج کل یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کررہے ہیں کہ اکہتر کے سانحہ کی ذمہ دار مذہبی تنظیمیں اور آرمی ہیں جبکہ اس حقیقت کے حوالے سے ہم اپنے کالم "نذیر ناجی صاحب حقائق کو مسخ نہ کریں" میں ذکر کرچکے ہیں اس لیے فی الوقت اس پر بات نہیں کریں گے۔۔ نذیر ناجی صاحب کی طرح محترم الطاف حسین صاحب بھی اکثر یہ بات کہتے ہیں کہ البدر و الشمس نے اکہتر میں اردو بولنے والوں کا قتل عام کیا اور پاکستان توڑنے کی سازش کی۔ اس وقت ہم بات کریں گے البدر کے کردار پر۔ البدر کیسے بنی؟ اس کی تاسیس کس نے کی؟ کیا واقعی البدر، جماعت اسلامی اور اسلامی جمیعت طلبہ نے پاکستان توڑنے میں حصہ لیا؟ کیا البدر دہشت گرد تھے؟ ہم ان سارے سوالوں کا ایک مختصر جائزہ لیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ متحدہ پاکستان کی سالمیت اور بھارتی و مکتی باہنی کی یلغار کو روکنے میں البدر نے اپنے اٹھارہ ہزار کارکنان کی شہادتیں پیش کیں۔ یہی اس کی حب الوطنی کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔

سب سے بڑا الزام ان پر (البدر، الشمس پر) غداری کا لگایا جاتا ہے اس حوالے سے میجر ریاض ملک جنھوں نے البدر کو منظم کیا وہ کہتے ہیں کہ "البدر کے بارے میں کچھ بھی کہنے سے پیشتر میں مختصراً اپنا تعارف کرانا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ آپ کو معلوم ہو سکے کہ یہ جو میرے خیالات ہیں یہ کسی خاص تنظیم سے متعلق نہ ہونے کے باوجود ہیں میں رائے ہی زیادہ معتبر گواہی ہوتی ہے۔ میرا بچپن IMPARTIAL سمجھتا ہوں کہ ایک ایسے تعلیمی اداروں میں گزرا جن میں دینی تعلیم کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جاتی تھی۔ اس کے بعد ایسے اداروں میں رہا جہاں غالب تربیت فوجی انداز میں دی جاتی تھی اور ان دنوں مولانا مودودی کی تصانیف پر ہمارے ان اداروں میں خاص طور سے پابندی تھی اس حوالے سے پاکستان بھر میں ایک عجیب قسم کا پروپیگنڈا تھا کہ مولانا اور ان کے ساتھی ملک کے وفادار نہیں ہیں۔ انہی خیالات کے ساتھ میں مختلف درس گاہوں میں پروان چڑھا، جوان ہوا اور پھر پاک فوج میں آ گیا۔

خاصا عرصہ گزر گیا پیشہ ورانہ ذمہ داریوں اور کلب کی رنگینیوں میں وقت گزرتا چلا گیا، نہ کبھی مولانا کی تصانیف کو پڑھنے کی فرصت ملی اور نہ اس یک طرفہ قائم شدہ نظریے کو پرکھنے کا موقع ملا کہ کیا واقعی ان میں کوئی ایسی بات ہے جو ملک کے لیے نقصان دہ ہے۔۔۔۔۔ میں آپ کو ایک چھوٹا سے واقعہ

سناتا ہوں جو مشرقی پاکستان ۱۹۷۱ میں جنگی مہمات کے دوران میرے سامنے وقوع پذیر ہوا۔

VanguardCompnay کے کماندار کی میں ان ایک دریا کے کنارے پاک فوج کی حیثیت سے پہنچا اور ابھی اسی خیال میں تھا کہ کہیں سے کشتیاں اکھٹی کرکے دریا کے پار پہنچنے کی کوشش کی جائے۔ یہ صبح کا وقت تھا۔۔۔۔ دیکھا کہ ایک آدمی دوسری جانب سے دریا میں تیرتا ہوا ہماری جانب آرہا ہے مجھے یاد ہے اس وقت دریا میں طغیانی تھی اچھا خاصہ پانی تھا-جب وہ صاحب ہمارے قریب تشریف لائے تو میں نے دیکھا کہ وہ خاصے عمر رسیدہ ہیں اور بنگالی بولنے والے ہیں پہلے تو میں بڑا حیران ہوا کہ اس عمر میں ان میں اتنی قوت کہاں سے آگئی کہ وہ اس دریا کی شوریدہ سر لہروں کو چیرتے ہوئے اس کنارے پہنچ گئے۔ لیکن بعد میں پتہ چلا کہ یہ کوئی جسمانی قوت نہ تھی بلکہ یہ تو قوت ایمانی تھی، خیر وہ صاحب آئے اور کہا آپ اس دریا کے پار جانا چاہتے ہیں مگر ذہن میں رکھیئے اس سامنے والے کنارے پر جو جنگل ہے اس میں ایسٹ بنگال رائفلز کے باغیوں اور بھارتی فوج کے تعاون سے ملک دشمن عناصر نے مورچے قائم کیے ہوئے ہیں۔ میں کل رات سے اس طرف آنے کی کوشش میں تھا لیکن ان کی طرف سے خاصی ناکہ بندی تھی جس کے باعث میں آنے میں کامیاب نہ ہوسکا یہ بات بھی پیش نظر تھی کہ اُس جانب سے انکی یا اِس جانب سے آپ کی گولی کا نشانہ بھی بن سکتا ہوں مگر پھر

ایمان نے اکسایا اور ارادہ کیا کہ شاید پار پہنچ جاؤں وطن کی کچھ خدمت کر جاؤں اور بڑی جدو جہد کے بعد الحمد للہ اس کنارے آ پہنچا ہوں - مجھے صرف اتنا بتانا ہے کہ آپ اس طرف جائیں تو بڑی احتیاط سے جائیں اور اس جنگل میں تخریب کاروں کی کمین گاہ کو بھی نگاہ میں رکھیئے۔

یہ کہہ کر وہ صاحب چلے گئے، ہمارے لیے فوجی نقط نگاہ سے وہ یہ خبر بہت اہم تھی - اس کے بعد جو مناسب کاروائی تھی وہ ہم نے کی اور دشمن اس جنگل سے بری طرح نقصان اٹھا کر بھاگ نکلا۔۔۔۔ بعد میں مجھے اپنے اس محسن کے بارے میں ایک دوسرے ذریعے سے معلوم ہوا کہ وہ صاحب جماعت اسلامی کے رکن تھے !۔ یہ پہلا موقع تھا جب مجھے احساس ہوا اگر یہ ہستیاں ہیں جن کے خلاف میں بچپن سے لیکر اب تک پروپگینڈا سنتا رہا ہوں، اور ایسے گروہ کا ایک شخص پاکستان کی بقاء کے لیے ایسی طغیانی کے عالم میں دریا میں کود پڑتا ہے اور اپنے ملک سے عہد وفا نبھانے کے لیے موت کے خوف سے بے نیاز ہو جاتا ہے اگر یہ فرد اس گروہ میں سے ہے جسے غدار کہا جاتا ہے ! تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں وفادار کون ہے؟؟ گویا یہ پہلی چنگاری تھی جو اس روز میرے سینے میں روشن ہوئی۔

آگے چلیے مشرقی پاکستان کا ایک چھوٹا سے سرحدی گاؤں غالباً باوت کلاں ہے۔ ہم وہاں پہنچے،گاؤں میں بہت سے لوگ اکٹھے ہوئے اور محبت سے ملے ان میں ایک

عورت اپنے معصوم بچے کو میری بانہوں میں ڈال کر کہنے لگی "صاحب وعدہ کریں کہ جب یہ بڑا ہوگا تو آپ اس کو فوج میں لے لیں گے" میں حیران تھا کہ اس بات کا کیا جواب دوں۔ ایک بزرگ نے وہ بچہ مجھ سے لیا اور واپس ان خاتون کو دیتے ہوئے احترام سے کہا" بیٹی آپ گھر جائیں ۔۔۔ مجھے بتایا گیا کہ اس خاتون کے والدِ محترم جماعت اسلامی کے رکن تھے اس کا خاوند بھی جماعت اسلامی سے متعلق تھا اور بھائی اسلامی چھاترو شنگھو (اسلامی جمیعت طلبہ) کا کارکن تھا، یہ سب مکتی باہنی کے ہاتھوں شہید ہو چکے ہیں، اب اس کی کل کائنات یہ بچہ ہے"۔

میں یہ سن کر کانپ اٹھا میں نے اس وقت بھی یہی سوچا اور آج بھی سوچتا ہوں کہ کاش اس ملک کی ساری مائیں ایسی ہو جائیں۔ سب مائیں اپنے بچوں کو اس لیے پروان چڑھائیں کہ وہ دین اور ملت اسلامیہ اور ملک عزیز کی بقاء و سلامتی پر نثار ہونے کے لیے بڑے ہوں (میجر ریاض حسین ملک کتاب البدر کی تعارفی تقریب میں خطاب قارئین یہ الفاظ میرے یا کسی ہم خیال کے نہیں نہ ہی یہ کسی جماعت اسلامی کے رکن کے خیالات ہیں بلکہ یہ اس شخص کے الفاظ ہیں جس نے اکہتر کی جنگ میں ساری صورتحال کو دیکھا تھا، جو میدان جنگ میں تھا، اور جنگ میں سب چیزیں

کھل کر سامنے آجاتی ہیں۔ کھرے اور کھوٹے کی پہچان ہوجاتی ہے۔ اس لیے جو لوگ جماعت اسلامی کو غدار یا ملک توڑنے کا ذمہ دار سمجھتے ہیں یا تو وہ ماضی قریب کی تاریخ سے یا تو بالکل ناواقف ہیں یا انتہائی بد دیانت ہیں کہ جان بوجھ کر اصل حقیقت لوگوں تک نہیں پہنچاتے ہیں

(جاری ہے)

جاگو اہل وطن جاگو

دشمن اپنا گھیرا تنگ کرتا جارہا ہے۔ ہماری فوج کو ایک ایسی دلدل میں پھنسا دیا گیا ہے جس سے وہ فوری طور پر نہ نکلی تو ملک کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ سکتا ہے۔ سوات آپریشن شروع ہونے کے بعد سے اب تک کچھ لوگ یہ بات کہہ رہے تھے کہ اس میں ہمارے ازلی دشمن بھارت کا ہاتھ ہے اور اس کے ساتھ امریکہ اور اسرائیل کا بھی گٹھ جوڑ ہے۔ (راقم بھی یہ بات کہتا رہا ہے) لیکن اس کو بے وقت کی راگنی، ملک دشمنی، حقائق کے منافی قرار دیا گیا۔ ہم نے اس حوالے سے دو مضامین بھی اسی ویب سائٹ پر تحریر کیے تھے۔ لیکن ان پر کچھ عناصر کا بہت ہی منفی تبصرہ آیا تھا۔ بہر حال اس صورتحال میں تازہ ترین پیش رفت وزیر خارجہ شاہ محمود قریشی کا یہ بیان ہے کہ "بعض بھارتی عناصر پاکستان میں استحکام نہیں چاہتے ہیں" اس کے علاوہ روزنامہ جنگ دو جون کی اشاعت میں محترم عظیم سرور اپنے کالم " ایک حقیقت سو افسانے " میں لکھتے ہیں کہ یہ افسانہ صوبہ سرحد میں عام ہے کہ چھ طالبان مارے گئے ساتھی لاشیں چھوڑ کر بھاگ گئے۔ لوگوں نے غسل دینا چاہا تو معلوم ہوا کہ یہ طالبان تو غیر مسلم تھے۔ یوکرین کے دو سپاہی بھی طالبان کے روپ میں گرفتار ہوئے، خبر آئی کہ میڈیا کے سامنے پیش کیا جائے گا لیکن یہ پیش رفت بھی افسانہ بن گئی (

(روزنامہ جنگ ۲ جون ۲۰۰۹

ایک خوشگوار حیرت ہمیں نذیر ناجی صاحب کا کالم پڑھ کر ہوئی نذیر ناجی صاحب نے اپنے آرٹیکل " ہو سکتا ہے مگر کیسے " میں لکھتے ہیں کہ " بھارت بھی اپنی حیثیت کے مطابق دہشت گردی کو بطفر ہتھیار استعمال کرنے سے گریز نہیں کرتا۔ اس نے سری لنکا میں دہشت گردوں کو ایک عرصے تک ہتھیار اور سرمایہ فراہم کیا ۔تبت میں چین کے خلاف بغاوتیں منظم کرنے کی کوشش کی۔ بلوچستان میں پاکستان کے خلاف دہشت گردی کا ہتھیار کئی سالوں استعمال کیا جارہا ہے اور اب فاٹا اور سوات کے علاقوں میں بھارت کے تربیت یافتہ دہشت گرد بہت بڑی تعداد میں سرگرم ہیں۔ سوات میں مارے جانے والے کئی دہشت گردوں کی شناخت پر پتہ چلا کہ وہ غیر مسلم ہیں۔ وزیرستان میں واقع ایک بستی میر علی میں تو یہ واقعہ بہت مشہور ہے کہ دہشت گردوں کے ایک گروپ کو گرفتار کرکے جب تفتیش کی گئی تو پتہ چلا کہ انہیں اسلحہ ایک امام مسجد نے فراہم کیا تھا، سیکورٹی فورسز نے اس امام مسجد کو گرفتار کیا تو وہ غیر پختون نکلا مکمل تفصیل آئی تو پتہ چلا کہ وہ ہندو تھا۔اس نے پہلے امام مسجد کی تربیت حاصل کی اور پھر میر علی آکر ایک مسجد سنبھال لی۔ گرفتار ہونے سے پہلے وہ سات سال تک امامت کراتا رہا تھا۔" (روزنامہ جنگ ۲ جون ۲۰۰۹)

نذیر ناجی صاحب کے خیالات اور نظریات سے ہم سب واقف ہیں۔ وہ پاک بھارت دوستی اور بھارت سے تعلقات کے پرجوش حامی ہیں، سوچیں ایک ایسا فرد بھی یہ کہنے پر مجبور ہے کہ سوات اور قبائلی علاقوں کی شورش اور دہشت گردی میں بھارت ملوث ہے۔

اپنے کالم "البدر" کی تیاری کے لیے کچھ مواد کی تلاش میں انٹرنیٹ پر سرفنگ کے دوران ایک لنک پر نگاہ جم گئی جب دیکھا تو یہ روزنامہ نوائے وقت میں ۱۹ دسمبر ۲۰۰۸ کو معین باری صاحب کا شائع ہونے والا ایک آرٹیکل تھا یہ آرٹیکل چھ ماہ قبل لکھا گیا تھا لیکن ایسا لگتا ہے کہ گویا حال ہی میں لکھا گیا ہے اس کے کچھ اقتباسات ہم آپ سے بھی شئیر کرتے ہیں

ملک کے اندر اس وقت جو صورتحال بن چکی ہے وہ ہمارے دشمنوں کیلئے حوصلہ افزاء اور ہموطنوں کیلئے بڑی تشویشناک ہے۔ امریکہ اور بھارت منصوبہ بندی کے تحت ہمیں گھیر کر اس مقام پر لے آئے ہیں جہاں مچان پر بیٹھا شکاری بندوق تھامے شکار کے انتظار میں ہوتا ہے۔ پاک مسلح افواج اور ہماری ایٹمی تنصیبات ان کے نشانہ پر ہیں۔ سوات، بلوچستان اور قبائلی علاقوں میں پاک فوج باغیوں سے نبرد آزما ہے۔ ثبوت مل چکے کہ بھارتی خفیہ را، سی آئی اے اور موساد کے افغانستان میں تربیتی کیمپ ہیں جہاں دہشت گردوں کو مسلح اور ٹرینڈ کرکے

تخریب کاری کیلئے پاکستان بھیجا جاتا ہے۔

ان علاقوں میں پاک فوج کے مقابلہ میں جو دہشت گرد مارے گئے ان میں 30% غیر مسلم تھے۔ بھارتی مسلم افواج کے دستے افغانستان بھیجے جارہے ہیں جن کی نفری دس ہزار ہے اور آئندہ سال 1½2 لاکھ تک پہنچ جائیگی۔ یہ فوجی ہماری شمال مغربی سرحد پر مورچہ بند ہوجائیں گے۔

سوات، وزیرستان میں پاک فوج اپنے ہی قبائلیوں سے نبرد آزما ہے۔ جواب میں ملک کے اندر بم دھماکے ہو رہے ہیں اور چیک پوسٹوں پر حملے ہو رہے ہیں۔ ثبوت مل چکے کہ بھارت سمیت بڑی طاقتیں باغی گوریلوں کو سوات، وزیرستان اور بلوچستان میں جدید ہتھیار اور گولہ بارود مہیا کر رہے ہیں۔ یہ درپردہ جارحانہ اقدام اس لئے کئے جارہے ہیں کہ جب بھارتی اور اس کے سٹریٹجک پارٹنرز پاکستان پر حملہ آور ہوں تو انہیں بہت کم مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے۔

بھارتی نیتا اور عسکری ہائی کمان SUN-TZU چینی کے طریق جنگ پر عمل پیرا ہیں۔ SUN-TZU جرنیل جس کی کتاب نیپولین بونا پارٹ رات سرہانے رکھ کر سوتا تھا وہ اب بھارتی عسکری اداروں میں نصاب کا حصہ ہے۔ سن زو کے دو قول ملاحظہ ہوں۔

If you know the enemy and know yourself you need not fear the result of hundred battels

ترجمہ: اگر تم دشمن کو جانتے اور پہچانتے ہو اور اپنی صلاحیتوں سے بھی واقف ہو تو تمہیں ایک سو جنگوں کی بھی فکر نہیں کرنی چاہیئے۔

Supreme excellence consist in breaking the enemy's resistence without fighting

ترجمہ: اصل فتح یہ ہے کہ دشمن سے لڑے بغیر اس کی قوت مدافعت ختم کر دی جائے۔

بھارت نے سن زو طریق جنگ کو مشرقی پاکستان میں کامیابی سے اپنایا اور اب اپنے سٹریٹجک پارٹنرز سے مل کر مغربی پاکستان میں آزمارہا ہے۔ اس سٹریٹجی کی ایک چھوٹی سی جھلک امریکہ بھارت مشترکہ بیان میں دکھائی دیتی ہے جو 6 دسمبر اخبارات میں شائع ہوا کہ ''بمبئی حملے ... پاکستان نے دہشت گردوں کے خلاف کارروائی نہ کی تو ہم کرینگے''۔ دونوں (بھارت امریکہ) نے یہ مؤقف اختیار کیا کہ اگر پاکستان ان عناصر کے خلاف کارروائی نہیں کرتا تو پھر امریکہ و بھارت دونوں ملکر ان عناصر کے خلاف کارروائی کرینگے''۔

بالکل یہی صورتحال تھی جب دسمبر 1971ء میں بھارت نے مشرقی پاکستان پر حملہ کر دیا۔بڑا حملہ کرنے سے پہلے بھارت اور بعض بڑی طاقتوں نے جو اقدام کئے ان کی موجودہ حالات سے کتنی مماثلت ہے ملاحظہ ہو: (1) مشرقی اور مغربی پاکستان کے مابین دشمنانہ پرچار کے ذریعے دوریاں پیدا کی گئیں۔ (2) اگرتلہ سازش کیس بھارت نے عوامی لیگ کو ہتھیار اور گولہ بارود فراہم کیا۔ (3) مشرقی پاکستان میں بڑا سمندری طوفان آیا تھا۔ امریکہ نے امداد بھیجی' کنٹینروں میں خوراک اور ادویات کی جگہ چھوٹے ہتھیار اور گولہ بارود بھیجا جو عوامی لیگ کے ورکروں میں تقسیم ہوا۔ (4) بقول سابق صدر مرارجی ڈیسائی جنھوں نے لوک سبھا میں بیان دیا کہ وزیراعظم اندرا گاندھی کے حکم پر ستر ہزار مسلح گوریلے سول کپڑوں میں مشرقی پاکستان میں داخل کر دیئے گئے جنھوں نے وہاں جاکر تباہی مچادی۔ ان ستر ہزار بھارتی گوریلوں نے مشرقی پاکستان میں مکتی باہنی کی بنیاد ڈالی۔

مکتی باہنی گوریلوں نے وہاں پاک فوج کے ساتھ ایسی جنگ چھیڑ دی جیسے آج سوات اور وزیرستان میں گوریلے پاک فوج کے ساتھ جنگ کر رہے ہیں۔ چند ہفتے ہوئے ایک ٹی وی چینل پر چند گرفتار دہشت گردوں نے بیان دیا کہ سوات اور وزیرستان میں ان کے سینکڑوں مسلح ساتھی داخل ہو چکے ہیں۔ ان کی تربیت افغانستان میں بھارتی ایجنسی را کے تحت ہوئی۔ ان کو ہر ماہ اتنے ہزار تنخواہ ملتی ہے۔

ڈیڑھ سال گوریلا جنگ میں پاک فوج بعض اوقات وفادار بنگالیوں کو نشانہ بناتی (5) رہی جس سے پاک فوج کے خلاف نفرت بڑھی۔ (6) گوریلا جنگ نے پاک فوج کو اتنا تھکا دیا کہ وہ بھارتی یلغار کی تاب نہ لا سکی۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ اگر ان دنوں پاکستان کے پاس ایٹم بم ہوتا۔ پاک قوم متحد ہوتی۔ کوئی دوست ملک ہماری مدد کو آ جاتا جیسے 65ء کی جنگ میں انڈونیشیا نے خلیج بنگال میں اپنی نیوی بھیج کر مشرقی پاکستان کو بھارت کی یورش سے بچا لیا تھا... تو بھارتی افواج کبھی مشرقی پاکستان پر حملہ آور نہ ہوتیں۔

اب صورتحال 71ء سے زیادہ خطرناک ہے۔ بھارت، امریکہ، اسرائیل سٹریٹجک پارٹنرز ہیں۔ یہ تینوں ممالک سوات، وزیرستان اور بلوچستان میں باغی سرداروں کو بھاری رقوم اور اسلحہ و بارود فراہم کر رہے ہیں۔ پاک فوج اپنے ہی ملک میں باغی قبائل سے برسرپیکار ہے۔ خانہ جنگی جاری رہی تو عین ممکن ہے کہ بڑے حملہ کے وقت لوکل طالبان اور باغی قبائل حملہ آوروں کا ساتھ دیں۔ اس طرح ہماری مسلح افواج مشرق اور شمال مغرب سے سینڈوچ ہو سکتی ہیں۔

دریائے جہلم و چناب پر اتنی تعداد میں ڈیم بنا کر چناب کا پانی بند کرنا

بھی جنگ کئے بغیر پاکستانیوں کی مدافعت کو ختم کرنا ہے تاکہ ہم بھوکے پیاسے لڑے بغیر ہتھیار ڈال دیں اور بھارت میں شامل ہو جائیں۔ اگر بھارت فوجیں بارڈر پر لے آتا ہے تو پاکستان کی ایک کور کو جو سوات اور وزیرستان میں صف آراء ہے مشرقی محاذ پر بلانا پڑے گی۔ اس سے نیٹو کی ذمہ داریوں اور نقصانات میں اضافہ ہو سکتا ہے لیکن سوات، بلوچستان اور وزیرستان میں امن و امان کا مسئلہ بہتر ہو سکتا ہے۔ قومی اتحاد فتح و کامرانی کی سمت پہلا قدم ہوگا۔ دعا ہے کہ اللہ بارک تعالیٰ ان مشکل اوقات میں ہمارے ارباب اختیار اور عسکری رہنماؤں کو اتنا حوصلہ، قابلیت اور جرات دے کہ وہ دشمنوں کے عزائم خاک میں ملا دیں۔ ملکی دفاع کیلئے دوستوں کا ہونا بہت ضروری ہے۔ دفتر خارجہ کو اس پر خاص توجہ دینی پڑے گی اگر امریکہ اور بھارت نے مل کر پاکستان کے خلاف کوئی جوائنٹ وینچر کیا تو مؤثر قیادت، قومی یکجہتی، مسلح افواج کی بہادری، دوستوں کی اعانت اور عوام کے تعاون سے اسکا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ لیڈر ثابت قدم رہے تو اللہ کی مدد آئیگی اگر ہم نے اب بھی اپنے دشمن کو نہ پہچانا اور ڈرتے رہے اور پاؤں پڑتے رہے تو تاریخ ہمیں کبھی معاف نہیں کریگی۔

بہنوں اور بھائیوں یہ ساری باتیں کوئی افسانہ نہیں ہیں بلکہ حقیقت ہے کہ بھارت اکہتر میں مکتی باہنی بن کر آیا تھا اور آج طالبان کے روپ میں آیا ہے۔ واضح رہے کہ طالبان صرف افغانستان میں ہیں اور پاکستان میں طالبان کے نام

پر بھارتی ایجنٹ ایک تیر سے کئی شکار کر رہے ہیں۔ایک طرف انہوں نے اسلام کے نام پر ظلم و تشدد کرکے اسلام کے خوبصورت چہرہ مسخ کرنے کی کوشش کی ہے۔ دوسری طرف پاک فوج کو یہاں الجھایا ہے تاکہ مشرقی سرحدوں پر اس کی گرفت کمزور ہو۔ تیسری طرف پوری دنیا میں پاکستان کا نام ایک دہشت گرد اور ناکام ریاست کے طورپر مشہور کرنے کی کوشش کی ہے۔ چوتھی طرف شمالی علاقہ جات میں شورش.برپا کرکے یہاں کی سیاحت کی صنعت کو نقصان پہنچایا ہے جس کا.براہ راست نقصان زر مبادلہ میں کمی کی صورت میں آئے گا اور اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے سوات اور شمالی علاقہ جات کے وسائل پر بھی قبضہ کرنے کی کوشش کی ہے۔۔ہم کب تک اس بات کو نہیں سمجھیں گے ؟کب تک نہیں جاگیں گے ؟کب تک دشمن کو نہیں پہچانیں گے ؟

البدر حصہ دوم: پس منظر و تشکیل اور حلف

اپنے گزشتہ کالم میں ہم نے سانحہ مشرقی پاکستان کے حوالے سے کچھ واقعات کا تذکرہ کیا تھا۔آج ہم البدر کی تاسیس یا ابتداء کا پس منظر اور البدر کے حلف کے بارے میں کچھ معلومات آپ تک پہنچائیں گے۔ میجر ریاض حسین ملک جنہوں نے سب سے پہلے البدر کو منظم کیا وہ کہتے ہیں کہ "ابتدائی ڈیڑھ ماہ میں ہمارا رضاکار فورس کا تجربہ ناکام ہوچکا تھاتاہم میں نے دیکھا کہ میرے سیکٹر میں اسلامی جمیعت طلبہ کے بنگالی طلبہ بڑے اخلاص کے ساتھ دفاع، رہنمائی، اور حفظِ راز کی ذمہ داری ادا کر رہے ہیں، اس لیے میں نے ہائی کمان سے کوئی باقاعدہ اجازت لیے بغیر قدرے جھجکتے ہوئے ان طلبہ کو الگ کیا۔ یہ تعداد میں کل سینتالیس تھے اور سب اسلامی چھاترو شنگھو (اسلامی جمیعت طلبہ) کے کارکن تھے سولہ مئی انیس سو اکہتر کو شیر پور (ضلع میمن سنگھ) کے مقام پر انہیں مختصر فوجی تربیت دینے کا آغاز کیا۔ ان کارکنان کی محنت، لگن، تیکنیک کو سمجھنے میں کمال ذہانت دیکھ کر میں نے ان سے اکیس مئی انیس سو اکہتر کو خطاب کیا اور میرے منہ سے بے ساختہ یہ بات نکلی کہ آپ جیسے سیرت و کردار اور مجاہدانہ جذبہ رکھنے والے فرزندان اسلام کو "البدر" کے نام سے پکارا جانا چاہئے اور تب ہی میرے ذہن میں یہ خیال کوندا کہ کیوں نہ اس تنظیم کو البدر کا نام

دیدیا جائے۔ چنانچہ یہ نام اور جمیعت کے کارکنوں کی الگ تنظیم کا یہ تجربہ اس قدر کامیاب ہوا کہ دو تین ماہ کے اندر اندر پورے مشرقی پاکستان میں اسی نام سے جمعیت سے وابستہ نوجوانوں کو منظم کرلیاگیا۔ البدر کے پہلے کمانڈر کا نام کامران تھا اور وہ اس وقت انٹر سائنس کے طالب علم تھے

شوقِ شہادت

شیر پور (ضلع مومن شاہی) میں سب سے پہلی البدر بٹالین قائم ہوئی۔ وہاں جب میں نے اسلامی جمعیت طلبہ کے لڑکوں کو اکٹھا کیا، تو ان میں ایک لڑکا خاصا کمزور، دبلا پتلا، اور مختصر سے قد کاٹھ کا تھا۔ وہ بھی اس صف میں کھڑا تھا۔ میں معائنہ کر رہا تھا اور جو لڑکے بظاہر زیادہ کمزور نظر آتے تھے ان کو میں صف میں سے پیچھے ہٹنے کے لیے کہتا اس لڑکے نے دیکھ لیا کہ یہ کمزور کمزور لڑکوں کو پیچھے نکال رہا ہے جب اس کی باری آئی تو میں نے اسے پیچھے ہٹنے کا اشارہ کیا لیکن وہ جم کے کھڑا ہوگیا

!میں نے کہا بیٹا آپ چھوٹے ہیں

مگر وہ ایڑیا اٹھا کر کھڑا ہوگیا اور جواب میں کہنے لگا "ہُن تو بڑا ہوئے گا چھے" (یعنی اب (تو بڑا ہوگیا ہوں

یہ بات مجھے تاریخ میں بہت پیچھے لے گئی۔ میں آبدیدہ ہوگیا اور اسے گلے سے لگا کر کہا بیٹے میں نے غلط کہا ہے تم کبھی چھوٹے نہیں تھے کبھی کمزور"

نہیں تھے ہمیشہ سے مضبوط ہو اور ہمیشہ مضبوط رہو گے کیونکہ تم میں ایسی قوت ہے جو چٹانوں میں بھی نہ ہو گی" ۔

میجر ریاض ایک جگہ کہتے ہیں کہ

اس سے چند روز پہلے بھی ایک واقعہ پیش آچکا تھا ایک لڑکا آیا اور کہنے لگا "آپ میرے بڑے بھائی کو گرفتار کرلیں ! میں نے کہا کیوں ؟

کہا وہ بھارت جاتا ہے اور پاک فوج کی نقل و حرکت کی خبر دشمن کو دیتا ہے۔

میں نے کہا آپ کو علم ہے کہ یہ جو کچھ آپ کہہ رہے ہیں اس پر آپ کے بھائی کو کیا سزا ہو سکتی ہے؟ کہنے لگا "جی مجھے معلوم ہے"

میں نے کہا یہ سب جانتے ہوئے بھی یہ کچھ کہہ رہے ہو ؟

کہنے لگا "ایک ایسے بھائی کو مر جانا ہی بہتر ہے جو کروڑوں ہم وطن بھائیوں کے ساتھ غداری کرے" پڑھنے والوں سنوں یہ لڑکا بھی اسلامی جمیعت طلبہ کا کارکن تھا: (البدر از سلیم منصور خالد)

البدر کا انفرادی حلف نامہ

البدر کا ہر مجاہد تربیت کی تکمیل کے بعد اپنے ساتھیوں کے روبرو حسب ذیل حلف نامہ پڑھتا

بسم اللہ الرحمان الرحیم

اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ

میں خدائے بزرگ و برتر کو حاضر و ناظر جان کر اعلان کرتا ہوں کہ: پاکستان کی سالمیت پر کوئی آنچ نہ آنے دونگا۔

پرامن شہریوں کے جان و مال کی حفاظت کرونگا۔

اسلام اور پاکستان کے لیے ہر سطح پر جیتے جی جنگ جاری رکھوں گا اور اپنی جان و مال کو اس مقصد کے لیے وقف کردونگا۔ اللہ میرا حامی و ناصر ہو آمین

البدر مجاہدوں کا اجتماعی حلف نامہ

بسم اللہ الرحمان الرحیم

ان صلاتی و نسکی محیایٔ و مماتی لِللہ رب العالمین

خدا کو حاضر و ناظر جان کر اقرار کرتے ہیں کہ ہم البدر کے رضاکار: سیاسی مخالفت یا خاندانی دشمنی کی بناء پر کسی کو نقصان نہیں پہنچائیں گے

کسی فرد کے خلاف محض عوامی لیگ کا حامی یا ہندو ہونے کی بناء پر تادیبی کاروائی نہیں کریں گے۔تاآنکہ پوری طرح تحقیق کے بعد غداروں کی اعانت کرنے یا براہ راست ملکی مفاد کو نقصان پہنچانا ثابت نہ ہوجائے

متحدہ پاکستان کے لیے پرامن جمہوری ماحول کی تیاری اور عام زندگی کے معمولات کی بحالی کے لیے تمام مثبت اقدامات کریں گے

ذرائع مواصلات کو درہم برہم کرنے کے لیے پلوں کو تباہ کرنے والوں، لوٹ مار، قتل و غارت اور عزت و ناموس پر حملہ کے مرتکب افراد کے خلاف جدو جہد کریں گے:

(خدا ہمارا حامی و ناصر ہو۔آمین (البدر از سلیم منصور خالد، ہمقدم کراچی اکتوبر ۱۹۷۱

مندرجہ بالا دونوں حلف کو غور سے دیکھیں اور پھر یہ فیصلہ کریں کہ کیا یہ حلف کسی (ملک دشمن تنظیم کا ہو سکتا ہے۔ (جاری ہے

کراچی کا المیہ !کیا نوے کی دہائی واپس آ گئی ہے؟

روشنیوں کا شہر کراچی دو دن میں سولہ افراد اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔تفصیلات کے مطابق کراچی میں ہفتہ سے لیکر اتوار کی شب تک چوبیس گھنٹوں میں سولہ افراد ہلاک ہوگئے ہیں۔اور یہ واقعات کسی اندھی دہشت گردی کا نہیں بلکہ ٹارگٹ کلنگ میں قتل ہوئے ہیں۔ان میں پانچ مقتولین کا تعلق مہاجر قومی موومنٹ سے ہے،دو کا تعلق متحدہ قومی موومنٹ سے ایک کا تعلق اے این پی سے ہے۔ان اعداد و شمار سے ظاہر ہوتا ہے کہ سیاسی جماعتوں نے افہام و تفہیم اور ڈائیلاگ کے بجائے ایک بار پھر اسلحہ کی زبان استعمال کرنا شروع کی ہے۔

یہ سارے واقعات سے نوے کی دہائی کی یاد تازہ ہو گئی ہے جب مہاجر قومی موومنٹ حقیقی نے الگ گروپ بنا کر سیاسی سرگرمیاں شروع کی۔اس سے شہر میں ایک کشیدگی کی فضا پیدا ہو گئی۔آگے چلنے سے پہلے ایک بات کی وضاحت بہت ضروری ہے کہ چونکہ مہاجر قومی موومنٹ حقیقی سیاسی طور سے بہت معروف نہیں ہے اور الطاف گروپ کی مخالف جماعت ہے تو اس سے عام طور سے لوگوں کے ذہن میں یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ شائد یہ کوئی مجبور و مظلوم گروہ ہے جس پر الطاف گروپ نے ظلم ڈھائے ہیں تو اس غلط فہمی کو دور کرلیا جائے کہ یہ کوئی مجبور یا مظلوم گروہ ہے بلکہ متحدہ اور حقیقی ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں۔جہاں متحدہ کا زور ہے وہاں وہ شیر ہیں اور جہاں حقیقی کا زور ہے وہاں حقیقی والے شیر ہیں۔ عوامی مسائل سے دونوں کو کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ حقیقی والوں کو بھی جہاں موقع ملتا ہے وہ متحدہ کے کارکنوں کا قتل عام کرنے سے دریغ نہیں کرتے ہیں۔اور یہی حال متحدہ کا ہے۔

بہر حال اب ہم اپنی بات کا سلسلہ وہیں سے جوڑتے ہیں نوے کی دہائی میں حقیقی کی انٹری کے بعد شہر میں کشیدگی کی فضا پیدا ہو گئی اور شہر دو واضح حصوں میں تقسیم ہو گیا کچھ علاقوں پر متحدہ والے تھے اور کچھ علاقوں میں حقیقی والے تھے۔ حقیقی کے واضح اکثریت والے علاقوں میں لیاقت آباد چار نمبر لیاقت آباد نو نمبر، ملیر، لانڈھی، شاہ فیصل کالونی، لائینز ایریا وغیرہ شامل تھے۔ شہر میں ایک عجیب صورتحال ہوتی تھی۔ جگہ جگہ دونوں تنظیموں کے مسلح کارکنان پہرہ دیتے تھے۔ اجنبی لوگوں کو دن دہاڑے روک کر تلاشی لی جاتی تھی اور زرا سے شک کی بنیاد پر ان کو قتل کر دیا جاتا تھا۔

اس دوران کراچی میں آپریشن شروع کر دیا گیا۔ اور اس آپریشن میں فوج اور پولیس کی معاونت کے لیے ایجنسیوں نے حقیقی گروپ کو استعمال کیا اور شہر میں جب کہیں بھی محاصرہ ہوتا تھا تو اس میں فورسز کے ساتھ حقیقی کے کارکنان بھی نقاب ان کے ساتھ شامل ہوتے تھے۔ اور بعض جگہ تو یہ واقعات بھی ہوئے کہ ایک ہی محلے والوں نے دوسروں کی مخبری کی اور نقاب لگا کر یا بکتر بند میں بیٹھ کر شناخت پریڈ کی گئی اس سلسلے میں ایک صاحب اپنا واقعہ سنایا کہ ایک دفعہ محاصرے کے دوران پولیس اور فوج کے لوگ ہمارے گھر میں آئے ان کے ساتھ ایک سادہ لباس والا نقاب پوش بھی تھا میں اس کو غور سے دیکھ رہا تھا اس نے کہا" کیا دیکھ رہا؟ کیا مجھے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہے؟ میں کتنی دفعہ تیرے ساتھ یہاں ہوٹل پر چائے پی کر گیا ہوں" یہ صورتحال تھی۔

اب دو دن سے جاری کشیدگی کے باعث لوگوں میں یہ تشویش پھیل گئی ہے کہ کیا نوے کی

دہائی والا دور واپس آگیا ہے۔؟ کیا کراچی ایک بار پھر یرغمال بنا دیا جائے گا؟ اور کیا لوگ اسی طرح مرتے رہیں گے؟ دیکھیں یہ سارے مرنے والے چاہے متحدہ کے ہوں یا حقیقی کے یا کسی اور جماعت کے بہر حال انسان ہیں۔ مسلمان ہیں۔ یہ بھی کسی کے پیارے ہیں۔ یہ بھی کسی کا سہاگ ہیں، کسی ماں کا لعل ہیں۔ کسی معصوم کے باپ ہیں۔ کسی بہن کا سہارا ہیں۔ خدارا یہ آگ اور خون کا کھیل بند کیا جائے۔ یہ انا پرستی، شخصیت پرستی کی سیاست چھوڑ کر، تشدد کی سیاست چھوڑ کر افہام و تفہیم کا راستہ اپنائیں۔ اس حوالے سے ہم متحدہ قومی موومنٹ کے قائد الطاف حسین سے یہ اپیل کریں گے کہ آپ پوری دنیا میں امن و محبت کا درس دیتے ہیں، بھائی چارے کو پسند کرتے ہیں، تو پھر کیا وجہ ہے کہ حقیقی والوں کو رندہ درگاہ کیا ہوا ہے۔؟ آفاق احمد کا وجود آپ سے برداشت کیوں نہیں ہوتا؟ کیا حقیقی میں کراچی والے، اردو بولنے والے نہیں ہیں؟ اور ہماری دوسری تمام جماعتوں سے بھی یہی گزارش ہے کہ کراچی منی پاکستان ہے۔ یہاں پاکستان کی ہر قوم کا فرد بستا ہے۔ اس منی پاکستان کے امن کو تباہ نہ کریں۔ صبر و تحمل سے کام لیں۔ یہاں اگر آگ و خون کا کھیل جاری رہا تو اس کے شعلے سب سے پہلے سندھ میں پھیلیں گے اور اس کے بعد پورے پاکستان کو اپنی لپیٹ میں لیں گے۔ اس لیے زرا ہوش کے ناخن لیں اور اس شہر کے امن کو تباہ نہ کریں

کراچی کا صوفی محمد کون؟ از سید احمد علی رضا

معروف ویب سائٹ کراچی اپڈیٹس میں سید احمد علی رضا صاحب کا مضمون شائع ہوا، کراچی کے حالات پر لکھے گئے اس مضمون کی اہمیت کے پیش نظر میں نے اس کو یہاں پوسٹ کیا ہے

عروس البلاد کراچی میں جاری خونریزی کے واقعات میں تشویشناک حد تک تیزی آ گئی ہے اور متحارب گروپوں میں ٹارگٹ کلنگ کے نتیجہ میں گزشتہ چند روز کے دوران 45 کے قریب صرف سیاسی کارکن ہلاک ہو چکے ہیں۔ گزشتہ 10 روز میں مجموعی طور پر 70 سے زائد افراد کی ہلاکتیں ہوئی ہیں۔ بدقسمتی سے ان ہنگاموں میں حکومتی اتحادی جماعتوں، پیپلز پارٹی، متحدہ اور اے این پی کے کارکن بھی لپیٹ میں آئے ہیں۔ جس سے عوام میں ان خدشات نے جنم لینا شروع کر دیا کہ اگر حکمران جماعتیں اپنے کارکنوں کی زندگیوں کا تحفظ نہیں کر سکتیں تو عام شہریوں کا تحفظ کیسے کریں گی؟ کراچی کے شہریوں میں عام تاثر یہی ہے کہ موجودہ خونریز واقعات حکمران اتحاد میں شامل جماعتوں پیپلز پارٹی، متحدہ اور اے این پی کی اپنی اپنی سیاسی حیثیت کو منوانے کی کشمکش کا شاخسانہ ہیں۔ خونریزی کے ان واقعات کے نتیجہ میں کراچی میں کاروبار زندگی ٹھپ ہو کر رہ گیا ہے اور ہر جانب خوف ہی خوف طاری ہے۔

قارئین۔۔۔

ٹارگٹ کلنگ میں کون کون ملوث ہے اور یہاں سوات کے "صوفی محمد" کا کردار کون ادا کر رہا ہے یہ بات اہل کراچی بخوبی جانتے ہیں۔ کراچی میں ٹارگٹ کلنگ یا مخالفین کو ہدف

بنا کر قتل کرنے کا سلسلہ نیا نہیں ہے لیکن اس کے اہداف بدلتے رہتے ہیں۔ کبھی تو جماعت اسلامی کے راہ نما، کارکن اور کبھی کالجوں میں اسلامی جمعیت طلبہ کے نوجوان نشانہ بنتے ہیں۔ مہاجر قومی موومنٹ بھی الطاف حسین سے بغاوت کے جرم میں اب تک معتوب ہے۔ دوسری طرف متحدہ قومی موومنٹ کے ارکان بھی قتل ہوئے ہیں۔ لیکن ان مقتولوں میں 2 افراد ایسے بھی ہیں جنھوں نے کچھ عرصہ قبل متحدہ قومی موومنٹ کو اپنے معافی نامے جمع کروا دیئے تھے۔

کراچی جسے منی پاکستان اور روشنیوں کا شہر کہاجاتا تھا اس کی رونقوں اور گہما گہمی کو ضیا الحق کے دور سے نظر لگنی شروع ہو گئی تھی۔ سابقہ آمر نے پیپلزپارٹی کی قوت کو سبوتاژ کرنے کیلئے مختلف نئی سیاسی جماعتوں کی حوصلہ افزائی کی۔ جس کے بعد سے اس شہر میں فرقہ واریت اور مہاجر، سندھی، پختون، پنجابی کی بنیاد پر لسانی ہنگاموں اور فسادات کا سلسلہ وقفہ وقفہ سے بھڑک اٹھتا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ایسی وارداتوں کے بعد قاتل پکڑے نہیں جاتے یقیناً ان کی عدم گرفتاری میں سیاسی دباو بھی شامل ہوتا ہے۔ اب ایک بار پھر لوگ مارے جارہے ہیں اور کسی بھی وقت کوئی بڑا تصادم ہو سکتا ہے۔

سندھ میں حکومت کا حصہ ہونے اور کراچی کی شہری حکومت متحدہ کے پاس ہونے کے باوجود جناب الطاف حسین اپنی جان کے خوف سے کراچی واپس آنے پر تیار نہیں ہیں۔
ان کے کارکن

مارے جارہے ہیں مگر ایک عام کارکن کی جان کی حیثیت ہی کیا؟ کتنا اچھا ہوتا اگر الطاف حسین طالبانائزیشن کا واویلا لندن میں بیٹھ کر مچانے کے بجائے کراچی واپس آ کر یہ کشت وخون بند کرواتے۔

پاکستان کے سب سے بڑے شہر کراچی میں ٹارگٹ کلنگ ہی نہیں ہر طرح کے جرائم بلاروک ٹوک ہورہے ہیں۔ بینک ڈکیتیاں عام ہیں۔ رہزنی معمول بن چکی ہے۔ معروف اور مصروف ترین شاہراوں پر دن دیہاڑے بسیں لوٹ لی جاتی ہیں۔ حکام یہی دعوے کرتے رہتے ہیں کہ جرائم پر قابو پالیاگیا ہے لیکن کراچی کا ایک عام شہری اچھی طرح جانتاہے کہ صحیح صورتحال کیاہے۔ صبح کو گھر سے نکلنے والا شام کو خیریت سے واپس پہنچ جائے تو وہ اور اسکے گھر والے بھی شکرادا کرتے ہیں۔ اب جبکہ وفاق ہی نہیں صوبوں میں بھی وزیروں اور مشیروں کی ایک فوج ظفر موج موجود ہے اور سندھ میں کم و بیش تمام سیاسی جماعتیں شریکِ اقتدار ہیں تو شہر اور صوبہ میں امن وامان برقرار رکھنا حکومت کی اولین ترجیح ہونی چاہیے۔ لیکن کراچی کے بگڑے ہوئے حالات اس بات کی واضح طور پر نشاندہی کرتے ہیں کہ منتخب جمہوری نمائندوں میں گڈ گورنس مہیا کرنے کی اہلیت و صلاحیت موجود ہی نہیں ہے۔

صوبائی وزیر داخلہ کا شرپسندوں کو موقع پر ہی گولی مارنے کا حکم "روئی کا گولا" ثابت ہوا ہے کہ اس حکم کے بعد بھی دہشت گرد شہر میں دندناتے پھر رہے ہیں اور اس کے باوجود حملہ آور نامعلوم ہی ہیں۔

قارئین۔۔۔

سوات و مالاکنڈ آپریشن کے بعد کراچی میں بھی سکیورٹی ہائی الرٹ ہے۔ پولیس کے علاوہ رینجرز کے جوان بھی شہر میں گشت کر رہے ہیں۔ ان کی موجودگی کے باوجود اس طرح کے واقعات حکمرانوں کے لئے سوالیہ نشان بنے ہوئے ہیں۔ ایسے میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسے لوگ جو ملک کے سب سے بڑے شہر کا امن و امان تہہ و بالا کرنا چاہتے ہیں ان کے خلاف آہنی ہاتھ سے کارروائی کیوں نہیں کی جا رہی؟ جب مسلح دہشت گرد گاڑیوں میں گشت کر رہے تھے اس وقت ہائی الرٹ پولیس اور رینجرز کہاں تھے؟ شہر میں ناجائز اسلحہ کی موجودگی کے خلاف آخر کوئی کارروائی کیوں نہیں کی جاتی؟ خونریز واقعات کے پس پردہ جو بھی عوامل کارفرما ہیں، ان سے نمٹنا حکومت ہی کی ذمہ داری ہے جو اس میں قطعی ناکام نظر آ رہی ہے جبکہ انتہاء پسند عناصر کے ساتھ (چاہے وہ جس بھی جماعت سے تعلق رکھتے ہوں) آہنی ہاتھوں سے نمٹے بغیر حالات پر قابو نہیں پایا جا سکتا۔

اس سلسلہ میں بہتر یہی ہے کہ کراچی میں گھر گھر تلاشی لے کر وہاں موجود ہر قسم کا اسلحہ برآمد کرکے بحق سرکار ضبط کر لیا جائے۔ پیپلز پارٹی اور اے این پی اس تجویز سے متفق ہیں جبکہ متحدہ نے اس پر تحفظات کا اظہار کرتے ہوئے متبادل تجویز دی ہے کہ لائسنسی اسلحہ شہریوں کے پاس ہی رہنے دیا جائے اور تمام ناجائز اسلحہ حکومت اپنی تحویل میں لے لے۔ تاہم دیگر سیاسی گروپ اس تجویز سے متفق نظر نہیں آتے جن کے بقول

متحدہ کے کارکنوں نے کثیر تعداد میں جدید اسلحہ کے لائسنس حاصل کر لئے ہیں اس لئے اس اسلحہ کی موجودگی میں امن وامان کے قیام کی ہرگز توقع نہیں کی جاسکتی۔

یہ بات پکی ہے کہ جب تک قانون کا راستہ صاف نہ ہو اس وقت تک پائیدار امن قائم نہیں کیا جاسکتا۔ ملک میں پہلے جب امن وامان کی صورتحال پر ضرب پڑتی تھی اور حالات خراب ہوتے تھے تو سیاستدان سارا الزام وقت کے آمر پر عائد کر دیتے تھے اور ہر طرف سے یہ کہا جاتا تھا کہ یہ سارا کیا دھرا آمریت اور شخصی حکومت کا ہے۔ اگر جمہوریت ہوتی تو ایسا نہ ہوتا ہم گڈ گورنس کا مظاہرہ کرتے۔ لیکن اب جبکہ ملک میں جمہوریت اپنے پورے جاہ وجلال سے موجود ہی نہیں قائم بھی ہے اور مرکز اور صوبوں میں بااختیار حکومتیں بھی ہیں اس کے باوجود ابھی تک گڈ گورنس کہیں بھی دیکھنے میں نہیں آئی ہے۔

کراچی میں امن وامان کا سنگین مسئلہ درپیش ہے۔ اس پر اس سنجیدگی سے توجہ نہیں دی گئی جس کی ضرورت تھی۔ گذشتہ ماہ لوئر دیر میں فوجی اپریشن کے آغاز کے ساتھ ہی کراچی میں امن وامان کی صورت حال خراب ہونا شروع ہو گئی تھی اور یہ صورت حال متاثرین آپریشن کی نقل مکانی کے بعد انہیں کراچی میں پناہ دینے کے حوالے سے ایم کیو ایم متحدہ کی جانب سے تحفظات کے اظہار کے نتیجہ یں شروع ہوئی جس پر چیف سیکرٹری سندھ کی سربراہی میں ایک انکوائری کمیشن تشکیل دیا گیا مگر اس کمیشن کی کارروائی کے آغاز سے پہلے ہی کراچی خونریز ہنگاموں کی لپیٹ میں آگیا جو پہلے سے طے شدہ منصوبہ بندی کا

حصہ نظر آتی ہے۔

سوات، مالاکنڈ ڈویژن اور دیگر علاقوں میں دہشت گردی کیخلاف حکومت کی توجہ مرکوز ہے لیکن کراچی کے معاملہ میں حکومتِ پاکستان کے علاوہ بیرونی ممالک اور غیر ملکی آقاوں کے اشاروں پر ناچ کر "نظام عدل" کی مخالفت کرکے سوات کا امن تباہ کرنے والی "این جی اوز" کی پر اسرار خاموشی بڑی معنی خیز ہے۔ کیا اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ کچھ اندرونی اور بیرونی طاقتیں مل کر پاکستان کو اپنے مذموم مقاصد کے حصول تک مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک دہشت گردی کی آگ میں ڈبوئے رکھنا چاہتی ہیں؟

کبھی کراچی میں صرف 2 نسلی گروپ ہوا کرتے تھے۔ لیکن اب حکومت کی نااہلی کی وجہ سے کم از کم 5 نسلی و لسانی گروپ اور کئی مافیا گروپ سرگرم ہیں۔ ایسے خون ریز واقعات کو دیکھ کر بھی حکومتی مشینری گومگو کا شکار رہے گی اور حکومتی اتحاد کو قائم و برقرار رکھنے کی خاطر جرائم پیشہ عناصر کی سرکوبی سے گریز کیا جائے گا تو ان عناصر کی مزید حوصلہ افزائی ہوگی اور اگر امن و امان کنٹرول میں نہیں ہوگا اور خونریزی بڑھے گی تو ہماری سالمیت پر کاری ضرب لگانے کیلئے موقع کی تاک میں بیٹھے ہمارے شاطر دشمن بھارت کو ضرور موقع مل جائے گا۔

حکومت کا فرض ہے کہ وہ سیاسی وابستگیوں سے بالاتر ہو کر میرٹ پر تحقیقات کرکے عوام کی

جان ومال کے تحفظ کو یقینی بنائے۔ کراچی کے وہ گروپ جو ہنگاموں اور قتل وغارت یں ملوث ہے کا ہنگامی بنیادوں پر قلع قمع کرے۔

ملک کے سب سے بڑے شہر کراچی (جسے منی پاکستان بھی کہا جاتا ہے) کو دانستہ طور پر بدامنی کی آگ کی جانب دھکیلنا اس شہر کیلئے ہی نہیں پورے ملک کیلئے انتہائی نقصان دہ ثابت ہوسکتا ہے۔ ملک کی بندرگاہ اور کمرشل و صنعتی مرکز ہونے کے ناطے یہ شہر ملک کے ریونیو کا بھی سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ اگر یہ مستقل طور پر بدامنی اور لاقانونیت کی لپیٹ میں رہا تو اس کے مکینوں میں عدم تحفظ کی فضاء تو ایک جانب ملکی اور غیر ملکی سرمایہ کار بھی عاجز آ جائیں گے۔ ملک میں امن وامان کی مجموعی صورت حال پہلے ہی بدتر ہوچکی ہے جس کے باعث اقتصادی ترقی کا پہیہ جام ہوگیا ہے۔ اگر کراچی میں بھی بدامنی کے نتیجہ میں صنعتی اور تجارتی مراکز بند ہوگئے تو قومی معیشت کی ترقی ایک خواب بن کر رہ جائے گی۔

ملک جل رہا ہے اور وزیر اعظم ۔۔۔۔۔۔

ملک جل رہا ہے اور وزیر اعظم بانسری تو نہیں بجا رہے ہیں البتہ لطیفے ضرور سنا رہے ہیں۔ پورے ملک میں اس وقت ایک افرا تفری کی صورتحال ہے۔ سوات میں آپریشن جاری ہے اور اس آپریشن کے نتیجے میں لاکھوں لوگ بے گھر ہوگئے اس کی ارباب اختیار نے نہ پلاننگ کی تھی اور نہ اب تک کوئی پیش رفت کی ہے افسوسناک صورتحال یہ ہے کہ کراچی سے تعلق رکھنے والی ایک جماعت نے آپریشن کی زور و شور سے حمایت کی تھی لیکن اس آپریشن کے منفی اثرات کی ذمہ داری یا متاثرین کی کراچی میں آبادکاری کی ذمہ داری لینے کے لیے تیار نہیں ہے۔ البتہ میڈیا میں متاثرین کی امداد کا ڈھونگ خوب رچایا جارہا ہے۔

پشاور میں گزشتہ روز ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں دھماکہ ہوا ہے جس میں اطلاعات کے مطابق پندرہ افراد ہلاک اور پچاس سے زائد افراد زخمی ہوگئے ہیں۔ اس اس سے پہلے مختلف شہروں میں ریسکیو کے دفاتر پر حملے کیے گئے ہیں۔ یہ سارا ماحول اور حالات اس بات کی طرف نشاندہی کرتے ہیں کہ اس میں بھارت ملوث ہے، کیوں کہ آج کل میرے زیر مطالعہ کتاب ً میں نے ڈھاکہ ڈوبتے دیکھا از صدیق سالک ً کے مطابق اکہتر میں مشرقی پاکستان میں بھارتی ایجنٹ مکتی باہنی کے روپ میں بالکل یہی کاروائیاں کرتے تھے۔ (ان شاء اللہ اس کا ذکر اپنے اگلے مضمون میں کریں گے) لیکن کوئی ذمہ دار اس بات کو ماننے کو تیار نہیں ہے بلکہ امریکہ اور بھارت کی طرز پر ہر واردات کو طالبان، یا مغربی اصطلاح کے مطابق شدت پسندوں کے کھاتے میں ڈال دیا جاتا ہے۔

ادھر کراچی میں چار روز سے جاری ٹارگیٹ کلنگ کی وارداتوں میں اب تک کی اطلاعات کے مطابق پینتالیس افراد جاں بحق ہوگئے ہیں اس سلسلے میں وزیر اعظم جناب یوسف رضا

گیلانی نے کراچی کا دورہ کیا اور یہاں انہوں نے امن وامان کی صورتحال سے متعلق ایک اجلاس کی صدارت کی اور اس میں لطیفے سنائے۔اب ان کا یہ بیان ایک لطیفہ نہیں تو اور کیا ہے کہ" ٹارگیٹ کلنگ میں اتحادی جماعتیں ملوث ہیں نہ مخلوط حکومت ناکام ہوئی ہے۔ کراچی کے واقعات دہشت گردی یا انتہا پسندی نہیں ہیں شہر کا مسئلہ انتظامی نہیں ہے" اس بیان کو دیکھا جائے تو اس میں قوم کے ساتھ سوائے ایک سنگین مذاق کے اور کچھ نہیں ہے کیوں کہ کون نہیں جانتا کہ کراچی میں حکومت کی اتحادی جماعتیں اے این پی، متحدہ اور خود پی پی پی ملوث ہے۔ پھر ان کا یہ کہنا کہ کراچی کے واقعات دہشت گردی نہیں ہیں تو پتہ نہیں دہشتگردی اور کیا ہوتی ہے؟ جبکہ یہ بات بھی سب کو پتہ ہے شہر کا مسئلہ انتظامی ہے کیوں کہ جب تک انتظامیہ دہشت گردوں کی پشت پناہی کرتی رہے گی اس وقت تک شہر میں امن قائم نہیں ہو سکتا۔

سب سے بڑا مذاق جو کیا گیا ہے کہ کراچی میں گیارہ علاقوں کو حساس قرار دیکر وہاں آپریشن کی تیاری کی جارہی ہے اس گیارہ علاقوں میں لائینز ایریا، شاہ فیصل، ملیر لانڈھی، کورنگی، سہراب گوٹھ ،لیاری، اور اورنگی ٹاؤن شامل ہیں۔ اتفاق سے یہ سارے علاقے وہ ہیں جہاں متحدہ قومی موومنٹ کے مخالفین کی اکثریت ہے۔لائینز ایریا، شاہ فیصل، ملیر لانڈھی، کورنگی، میں حقیقی گروپ کی اکثریت ہے۔ سہراب گوٹھ ،لیاری وغیرہ میں اے این پی اور پی پی پی کی اکثریت ہے جبکہ اورنگی ٹاؤن میں پختون آبادی کی اکثریت ہے اور آپریشن کے لیے انہی علاقوں کو منتخب کرنے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ حکومت کراچی میں امن کے لیے سنجیدہ نہیں ہے بلکہ اصل دہشتگردوں کو تحفظ دیا جارہا

ہے۔ اگر کراچی میں واقعی امن مطلوب ہے تو پھر اس کے لیے بغیر کسی سیاسی دباؤ کے غیر جانبدارانہ کاروائی کرنی ہوگی۔ دوسری کسی صورت کی گئی کاروائی نہ صرف وقت اور وسائل کا ضیاع ثابت ہوگی بلکہ عوام کا موجودہ حکومت پر اعتبار مزید کم ہو جائے گا

ماحولیاتی تبدیلیاں اور عظیم انسانی ہجرت کا خدشہ

انسانی تاریخ اور تہذیب کا مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ اول اول انسان دریاؤں، نہروں یا اس جگہ جہاں پانی وافر مقدار میں دستیاب ہو وہاں سکونت اختیار کرتا تھا اور جب کسی جگہ خشک سالی ہوجاتی تھی تو وہاں سے نقل مکانی کرجاتا تھا۔ اس کے علاوہ سائنس کی ترقی کے بعد انسان نے ایسے وسائل اور طریقے اختیار کیے جس سے پانی کی فراہمی کو ممکن بنایا جاسکے۔ کہیں بورنگ کی گئی کنویں کھودے گئے، کہیں سمندری پانی کو قابل استعمال بنایا گیا کبھی نہروں کا سسٹم بنایا گیا (اس حوالے سے پاکستان کا صوبہ بلوچستان سر فہرست ہے جہاں زیر زمین نہروں کا نظام وسیع پیانے پر پھیلا ہوا ہے) اور کہیں پائپوں کے ذریعے پانی فراہم کیا گیا جس کے باعث انسان کو بار بار نقل مکانی کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔

لیکن ایک حالیہ تحقیق نے بڑے چونکا دینے والے انکشافات کیے ہیں۔ایک غیر ملکی خبر رساں ادارے کے مطابق 2050 تک بڑے پیانے پر انسانی ہجرت ہو سکتی ہے جو انسانی تاریخ میں پہلے کبھی نہیں دیکھی گئی، ماہرین نے متنبہ کیا کہ سمندری اتار چڑھاؤ، سیلابوں، طوفانوں اور قحط سالی کے باعث اس ہجرت کے

امکانات ہیں۔ ماہرین کے مطابق ماحولیاتی کے باعث پیدا ہونے والی صورتحال سے رواں صدی کے وسط تک تقریباً 700 ملین نفوس کی ہجرت کے امکانات ہو سکتے ہیں۔ کولمبیا یونیورسٹی نیو یارک کے سینٹر فار انٹر نیشنل ارتھ سائنس انفارمیشن نیٹ ورک سے تعلق رکھنے والے جیو گرافر الگزینڈر ڈی شرینن نے کہا ہے کہ (CIESIN) ماحولیات ایک ایسا لفافہ ہے جس میں ہم سب اپنے روز مرہ امور انجام دیتے ہیں اور زندگی گزارتے ہیں۔ یہ رپورٹ خطرے کی گھنٹی ہے۔ ہم عام طور پر غریبوں کو اس کیٹگری میں شامل کرتے ہیں کہ اس سے زیادہ متاثر ہونگے لیکن امیر سوسائٹیز بھی اس صورتحال یعنی موسمیاتی تبدیلی سے متاثر ہونگے۔ الگزینڈر ڈی شرینن مذکورہ رپورٹ ٗ سرچ آف شلٹر مینگ دی ایفیکٹ آف کلائمیٹ چینج آن ہیومین مائیگریشن اینڈ دس پلیسمینٹ کے مصنفین میں سے ایک ہیں۔ یہ رپورٹ رواں ہفتے بون میں ایک نیوز کانفرنس میں پیش کی گئی۔ رپورٹ میں مزید کہا گیا ہے سطح سمندر میں اضافے اور، نمکین پانی کی آمد کے باعث نیل، میکانگ اور گنگا کے ڈیلٹاؤں میں زراعت تباہ ہو جائے گی۔ یہ دنیا کے انتہائی کثیر آبادی والے ریجن ہیں۔ مذکورہ رپورٹ کے شریک مصنف چارلس ارہاٹ نے کہا کہ متاثرہ سوسائٹیز میں سوشل سیفٹی نیٹ ختم ہو جائے گا۔ جبکہ تشدد اور کشیدگی بڑھ جائے گی۔

مولانا سرفراز نعیمی صاحب کی شہادت

لاہور میں جمعہ بارہ جون کو بعد نماز جمعہ مولانا سرفراز نعیمی صاحب کو شہید کردیا گیا اور ابتدائی شواہد کے مطابق ایک مبینہ خود کش دھماکے میں ان کو شہید کیا گیا۔ مولانا صاحب کی شہادت ایک عظیم سانحہ ہے۔ مولانا مرحوم و مغفور ایک مرنجان مرنج، درویش صفت، سادہ طبعیت انسان تھے۔ ان کی شہادت کا خلاء شاید کبھی پر نہ ہوسکے۔ یہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کی فوری تحقیقات کرائے کہ اس واقعے میں کون ملوث ہے۔ یہ کہنا بہت آسان ہے کہ خود کش حملہ آور کو روکنا بہت مشکل ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ جب ہمارے وزیر داخلہ، اور حکومتی ایجنسیاں یہ اعلان کریں کہ لاہور میں اتنے خود کش داخل ہوگئے ہیں، پشاور میں اتنے خود کش آگئے ہیں۔ فلاں شہر میں اتنے حملہ آور داخل ہونے والے ہیں۔ جب یہ اعلانات کیے جاتے ہیں تو اس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ خود کش حملہ آور کو نہ صرف روکا جاسکتا ہے بلکہ اس کے نیٹ ورک کو بھی ختم کیا جاسکتا ہے لیکن بات یہ ہے کہ حکومت اس کو ختم کرنے میں سنجیدہ نہیں ہے کیوں تمام شواہد جس طرف اشارہ کرتے ہیں اس کی جانب کاروائی نہیں کی جارہی بلکہ واقعات کو دوسرا رخ دیا جاتا ہے۔

یہ بھی ایک عجیب اتفاق ہے کہ نائن الیون کے بعد ایک تواتر سے علمائے کرام کو باقاعدہ ہدف بنا کر قتل کیا جارہا ہے۔ مولانا یوسف لدھیانوی صاحب، مولانا حبیب الرحمان صاحب، مفتی شامزئی صاحب، علامہ حسن ترابی صاحب، مولانا اعظم طارق صاحب، اور سب سے بڑی اجتماعی قتل کی واردات کراچی میں بارہ ربیع الاول کو ہوئی جب عاشقان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آقائے دوجہاں کا میلاد منا رہے تھے۔ ان تمام عاشقان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نشتر پارک میں ایک بم دھماکہ میں شہید کردیا گیا۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک عیجب بات ہے کہ نائن الیون کے بعد مساجد اور امام بارگاہوں میں بم دھماکوں کا ایک سلسلہ شروع ہوگیا ہے جو کہ ختم ہی ہونے میں نہیں آرہا ہے۔ یہ بات سمجھنے کی ہے کہ صرف اہل مدرسہ ہی دہشت گردی کا نشانہ کیوں ہیں۔ محراب و منبر ہی زد پر کیوں ہیں؟ اور یہ سارے واقعات نائین الیون کے بعد ہی کیوں اتنی تیزی سے وقوع پذیر ہورہے ہیں۔ یہ باتیں بہت قابل غور ہیں۔

امریکہ اور بھارت اپنے مفادات کے لیے یہ ساری وارداتیں کررہے ہیں۔م اضی میں بھی اس کی مثالیں موجود تھیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ ساری چیزیں یہ

سارے واقعات، یہ ساری دہشت گردی نائین الیون کے بعد ہی کیوں ہورہی ہے؟
بات بہت سادی ہے اس خطے بالخصوص پاکستان کے معاملات سے امریکہ کی مداخلت ختم ہوجائے تو پھر آپ دیکھنا کہ یہاں یہ وارداتیں بھی ختم ہوجائیں گی۔ آزمائش شرط ہے۔

مفتی صاحب کی شہادت ! تصویر کا دوسرا رخ

ڈاکٹر مفتی سرفراز نعیمی صاحب کی شہادت بلاشبہ ایک بہت بڑا سانحہ ہے اور اس کی جتنی بھی مذمت کی جائے وہ کم ہے اور جو لوگ اس گھناؤنے فعل میں ملوث ہیں ان کو گرفتار کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ آج کل تو بڑا آسان نسخہ سب کے ہاتھ آگیا ہے کہ خود کش حملہ آوروں کو روکنا ناممکن ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب حکومت کی ایجنسیاں یہ اطلاع فراہم کرتی ہیں کہ آج اتنے خود کش فلاں شہر میں داخل ہوگئے ہیں یا ہونے والے ہیں تو اس وقت ان کو گرفتار کیوں نہیں کیا جاتا؟ جواب صاف ظاہر ہے کہ جس کا کھاؤ اسی کا گاؤ۔

مولانا سرفراز نعیمی صاحب کی شہادت کو مفاد پرست ایک سوچ سمجھے منصوبہ کے تحت ایک مخصوص رنگ دے رہے ہیں اور اس کو دیوبندی۔بریلوی فساد کے لیے استعمال کیا جارہا ہے۔ بالخصوص کراچی سے تعلق رکھنے والی متحدہ قومی موومنٹ۔بڑھ چڑھ کر اس بات کو نمایاں کر رہی ہے کہ مولانا سرفراز نعیمی صاحب نے خود کش حملوں کے خلاف فتویٰ دیا تھا اسلیے ان کو شہید کیا گیا۔ یعنی ان کی کی شہادت کی واحد وجہ خود کش حملوں کی مذمت کرنا تھی۔ مولانا سرفراز نعیمی صاحب نے بلاشبہ خود کش حملوں کی مذمت کی تھی اور اس کے خلاف فتویٰ دیا تھا۔

لیکن سوچنے کی بات ہے کہ خودکش حملوں کے خلاف سب سے زیادہ تو پی پی اور متحدہ کی آواز اٹھ رہی ہے ان کے تمام لیڈران تو محفوظ ہیں۔ جو کہ امریکہ کے دست و بازو اور اس کی پالیسیوں کے سچے حامی ہیں۔ یہ سارے لوگ تو محفوظ ہیں لیکن صرف وہ علمائے کرام جنھوں نے اتحاد بین المسلمین کی آواز اٹھائی، اس کے لیے جد وجہد کی اور جو لوگ امریکی پالیسیوں کے مخالف ہیں صرف وہی نشانے پر کیوں ہیں؟

مولانا سرفراز نعیمی صاحب افغانستان میں امریکی مداخلت کے آغاز سے ہی اس کے خلاف ہیں، مولانا مرحوم و مغفور نے امریکہ کو پاکستان میں اڈے فراہم کرنے کی شدید مخالفت کی تھی۔ اس کی پاداش میں جنرل پرویز مشرف نے انہیں محکمہ اوقاف کی نوکری سے فارغ کردیا تھا۔ 2005 میں جب ڈنمارک کے ایک اخبار نے نبی مہربان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاکے شائع کیے تو اس وقت پوری دنیا کے مسلمانوں میں غم و غصہ کی ایک لہر دوڑ گئی اور دنیا بھر میں مسلمانوں نے اس پر شدید احتجاج کیا۔

آگے بڑھنے سے پہلے یہ بات واضح رہے کہ دنیا بھر کے ان مسلمانوں میں متحدہ قومی موومنٹ کے قائد الطاف حسین، متحدہ کے لیڈران، اور کارکنان شامل نہیں

تھے کیوں کہ جب پورے پاکستان میں اس قبیح حرکت کے خلاف مظاہرے کیے جا رہے تھے اور اپنا احتجاج ریکارڈ کرایا جا رہا تھا تو متحدہ نے اس موقع پر ایک بھی ریلی، مظاہرہ، کارنر میٹنگ، نہیں کی، حتیٰ کہ قائد تحریک نے تو بیان بھی جاری نہیں کیا کہ کہیں امریکی اور برطانوی آقا ناراض نہ ہو جائیں۔ جب کہ انہی دنوں شائستہ عالمانی جس نے گھر سے بھاگ کر شادی کی تھی اس کے لیے نہ صرف مظاہرہ کیا گیا بلکہ حکومت سے علیحدگی کی دھمکی بھی دیدی گئی تھی یہ ساری باتیں ریکارڈ کا حصہ ہیں۔ یہ گروہ آج بڑا عاشق رسول بننے کی کوشش کر رہا ہے اور ان کے حامی اپنی تحریروں اور تقریروں میں بڑے دین پرست اور اسلام کا درد رکھنے والے بن کر سامنے آ رہے ہیں لیکن ان کا ہر عمل اس بات کی گواہی ہے کہ یہ لوگ عاشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں ہیں بلکہ عاشق امریکہ و برطانیہ ہیں۔ شاعر نے کہا تھا کہ سچائی چھپ نہیں سکتی بناوٹی اصولوں سے۔ کہ خوشبو آ نہیں سکتی کبھی کاغذ کے پھولوں سے۔

ہم اپنی بات کا سلسلہ وہیں سے جوڑتے ہیں ڈنمارک کی اس مکروہ حرکت کے خلاف مولانا صاحب نے تحفظ ناموس رسالت کے نام سے ایک محاذ قائم کیا اور اپنا احتجاج ریکارڈ کرانا شروع کیا۔ تو پرویزی حکومت نے اس جرم میں مولانا صاحب کو دہشت گردی کے الزام میں پابند سلاسل کیا گیا۔ (ایک عاشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وقت کے آمر نے قید کر دیا اور آج مولانا صاحب کی شہادت پر

رنج و غم کا ڈھونگ کرنے والے آٹھ سال تک اس آمر کے دست و بازو بنے رہے اس وقت کسی نے نہیں کہا کہ جناب یہ تو ایک سچا عالم دین ہے) بعد ازاں مولانا صاحب کو ثبوت نہ ہونے کی بناء پر رہا کرنا پڑا۔

مولانا سرفراز نعیمی صاحب شہید نے ایک دفعہ نہیں بارہا یہ بات کہی کہ پاکستان کے تمام مسائل کی وجہ اس خطے میں امریکی مداخلت ہے اور جب تک ہم امریکی غلامی نہیں چھوڑیں گے ان مسائل سے نجات نہیں مل سکتی ہے غور کریں کہ یہ فرد 2001 سے لیکر 2009 تک امریکی غلامی کے خلاف آواز بلند کرتا رہا۔ اتحاد بین المسلمین کا داعی رہا۔ کیا بیت اللہ محسود یا طالبان اتنے ہی بیوقوف ہیں کہ اپنے دشمن کے خلاف بولنے والوں کو ہی مارتے رہیں گے اور جو اس دشمن کے دوست ہیں ان کو کوئی گزند نہیں پہنچتی ہے۔ ہم کل بھی یہ بات کہتے تھے اور آج بھی ہم یہ بات کہتے ہیں کہ سوات وغیرہ میں طالبان کے نام پر بھارت اور امریکہ کاروائیاں کر رہا ہے تاکہ ایک طرف تو ملک میں انتشار برپا رہے اور دوسری طرف پاکستان آرمی کو اپنے ہی لوگوں کے ساتھ الجھا دیا جائے تاکہ آرمی کبھی بھی مکمل یکسوئی کے ساتھ اصل دشمن کے خلاف متحد نہ ہوسکے۔

آخری بات تفتیش کا ایک اصول ہے کہ جب کوئی فرد قتل ہوتا ہے یا کوئی واقعہ

ہوتا ہے تو یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس کا فائدہ کس کو ہوگا جس فرد کو فائدہ حاصل ہونے کا امکان ہوتا ہے وہی سب سے زیادہ مشکوک ہوتا ہے۔ اب غور کریں کہ مشرقی بارڈر سے فوج کم کرکے افغانستان کے بارڈر پر لگانے سے کس کو فائدہ پہنچے گا؟ اگر پاکستان کی آرمی سوات، بونیر وغیرہ میں اپنے ہی لوگوں کے ساتھ برسرپیکار رہے گی تو اس کا فائدہ کس کو ہوگا؟ امریکہ کے خلاف بولنے والوں کو اور عاشقان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (مفتی سرفراز نعیمی صاحب، مفتی شامزئی صاحب، مولانا یوسف لدھیانوی صاحب، مولانا اعظم طارق صاحب، ڈاکٹر ملک غلام مصطفیٰ صاحب، علامہ عباس قادری صاحب، اکرم قادری صاحب، حافظ محمد تقی صاحب، مولانا حسن جان صاحب علامہ حسن ترابی صاحب اور دیگر) کو قتل کرنے سے کس کو فائدہ پہنچے گا؟

تقسیم در تقسیم کا عمل

وطن عزیز میں جس قدر اتحاد، اتفاق اور یگانگت کی اس وقت ضرورت ہے اس سے پہلے شاید کبھی نہ تھی۔ اس وقت ہمارے ملک میں مختلف طریقوں سے ہمارے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی سازش ہو رہی ہے کہ کسی طرح اس قوم کو ٹکڑوں میں تقسیم کردیا جائے۔ کہیں لسانیت کے نام پر، کہیں قومیت کے نام پر کہیں فرقے کے نام پر اور کہیں مسلک کے نام پر۔

اسلام تو اتحاد کا درس دیتا ہے۔ اسلام تو وہ دین ہے جو دنیا کے دو مختلف کونوں میں رہنے والوں کو ایک کلمہ کی بنیاد پر ایک قوم قرار دیتا ہے اور ہم ایک قوم ایک کلمہ گو ہونے کے باوجود تقسیم ہیں۔ ذرا ماضی کا ایک چکر لگاتے ہیں۔ یہ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ہیں آپ کا تعلق فارس (ایران) سے ہے لیکن حق کی تلاش آپ کو عرب کے صحراؤں میں لی آئی ہے۔ بالآخر آپ کو جس حق کی تلاش تھی وہ حق (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نظر آجاتا ہے۔ آپ کلمہ پڑھ کر ایمان لے آتے ہیں۔ پھر چشم فلک یہ عجیب منظر دیکھا کہ ایک فارسی جس کی زبان، تہذیب، معاشرت عربوں سے بالکل مختلف ہے وہ اس عرب معاشرے کا ایک حصہ بن جاتا ہے جو اپنے علاوہ دوسی قوموں کو عجم (گونگا) کہتے ہیں۔ یہ کلمہ کی برکت ہے۔

قارئیں ہمارا اسلام تو اتحاد، محبت، اخوت کا درس دیتا ہے لیکن آج ہم ٹکڑوں میں بٹتے جارہے ہیں۔ اگر ہم ایک دفعہ تقسیم ہوگئے تو پھر تقسیم در تقسیم کا ایک عمل شروع ہوجائے گا جو بالآخر ہمیں ختم کرکے ہی ختم ہوگا۔ ہم ایک جائزہ لیتے ہیں کہ اگر ہم متحد نہ رہے اور خدانخوستہ تقسیم ہوجاتے ہیں تو یہ عمل کیسے شروع ہوگا (اللہ کرے کہ ایسا نہ ہو)

فرض کریں کہ ہم (میرے منہ میں خاک) قومیت کی بنیاد پر تقسیم ہوجاتے ہیں اور الگ اپنا حصہ لیکر الگ ہوجاتے ہیں تو کیا یہ بات یہیں ختم ہوجائے گی؟ جی نہیں بلکہ یہاں سے تقسیم در تقسیم کا عمل شروع ہوگا کیوں کہ فرض کریں کہ بلوچ قومیت کی بنیاد پر الگ ہوتے ہیں تو کچھ عرصے کے بعد ہم بلوچ نہیں رہیں گے بلکہ اب ہمارے اندر یہ احساس پیدا ہوگا کہ میں تو چاکر ہوں میں میرانی یا مری قبیلے سے.برتر ہوں۔ دوسری طرف مری قبیلہ یہ سوچے گا کہ جناب میں تو رند،اور بگٹی قبیلے سے افضل ہوں۔ اس سوچ کے بعد ایک بار پھر تقسیم کا عمل شروع ہوگا۔ یہ عمل مکمل ہوگا تو پھر ایک سوچ پیدا ہوگی کہ میں چاکر یا مری یا میرانی قبیلے کا ایک دولت مند آدمی ہوں تو یہ میرے قبیلے کے غریب غرباء کمی کمین میرے نزدیک کیوں ہیں۔

یا فرض کریں کہ ہم مہاجر قومیت کی بنیاد پر تقسیم ہوتے ہیں تو پھر یہ نقشہ ہوگا کہ کچھ عرصے کے بعد یہ سوچ پیدا ہوگی کہ میں تو دلی والا ہوں، میں تو جبلپوری یا الہٰ آبادی سے افضل ہوں۔ یا میں تو علی گڑھ سے تعلق رکھتا ہوں میں زیادہ افضل ہوں۔اسی طرح ہم تقسیم در تقسیم ہوتے جائیں گے اور یہی چیز اگر پنجابی قوم پرستی میں بھی ہوگی کہ میں تو لاہور ہوں، یہں تو امرتسری ہوں، میں تو فیصل آبادی ہوں میں زیادہ افضل ہوں یا میں تو بہاولپوری، ملتانی ہوں میں زیادہ افضل ہوں اور اس کے بعد مذکورہ بالا سلسلہ شروع ہوجائے گا۔

اگر ہم خدانخواستہ مسلک کی بنیاد پر تقسیم ہوتے ہیں تو پہلے ہم ایک مسلک کی بنیاد پر تقسیم ہوں گے، پھر سید، شیخ، صدیقی، اور دیگر ذاتوں میں تقسیم ہوتے جائیں گے ۔اور ہوتے ہوتے اس قدر تقسیم ہوجائیں گے کہ ہماری قوت ختم ہوجائے گی اور ہم دشمنوں کے لیے تر نوالہ بن جائیں گے۔ بقول شاعر تمہاری داستاں تک نہ ہوگی داستانوں میں۔

دشمن تو یہ چاہتا ہے کہ ہم آپس میں لڑتے رہیں۔اسی لیے کبھی شیعہ سنی، کبھی قوم پرستی کے نام پر لڑاتا ہے لیکن جب اس نے دیکھا کہ اس کا یہ داؤ اب بے اثر ہوگیا ہے تو اس نے اب بہت پرانا داؤ دوبارہ آزمانے کی کوشش کی ہے یعنی مسلکی اختلاف، دیوبندی، بریلوی، کی بنیاد پر لڑانے کا سوچا ہے اور طریقہ

بھی بہت پرانا ہے کہ پہلے ایک مسلک کے کسی عالم کو قتل کرواس کے بعد دوسرے مسلک کے عالم کو قتل کرواور تماشہ دیکھو۔ ماضی میں دشمن یہ چال شیعہ سنی فسادات کے لیے کامیابی سے استعمال کرچکا ہے کہ پہلے ایک شیعہ عالم دین کو قتل کرواس کے بعد کسی سنی عالم قتل کرواور فسادات برپا کردوتاکہ مسلمان آپس میں لڑتے رہیں۔ میری اپنے تمام مسلمان بھائیوں اور بہنوں سے یہی گزارش ہے کہ دہشت گردی کے کسی بھی واقعے پر فوری طور پر کوئی رائے قائم نہ کریں بلکہ دیکھیں کہ اصل بات کیا ہے۔ آپس میں دست و گریباں نہ ہوں بلکہ اصل دشمن کو پہچانیں۔

پاکستان کی فتح ! خوشیوں کی ابتداء

اور پاکستان ٹی ٹوئنٹی ورلڈ کپ جیت کر ورلڈ چیمپئن بن گیا۔ یہ خبر ایک تازہ ہوا کے جھونکے کے مانند ہے کیوں کہ ایک طویل عرصے سے ہم پاکستانی بم دھماکوں، ٹارگٹ کلنگ، فسادات اور آپریشن کی ہولناک خبریں سنتے رہے ہیں اپنے ٹی وی اسکرین پر کٹے پھٹے جسم، بین کرتے ہوئے لوگ، اور اپنے بھائیوں اور بیٹوں کو روتی ہوئی مائیں بہنیں دیکھتے رہے ہیں ۔ایسے ماحول میں یہ خوشی اور بھی غیر معمولی اہمیت اختیار کرلیتی ہے۔

فائنل میچ میں کھیل کی لحہ بہ لحہ بدلتی صورتحال کا لطف اپنی جگہ تھا لیکن اس میچ نے ایک بار پھر ہمیں ایک قوم بنادیا کیوں کہ پوری قوم بلا تفریق رنگ و نسل،اور مسلک اپنی ٹیم کی فتح کے لیے دعا گو تھی اور عوام کے دل اپنی ٹیم کے ساتھ دھڑک رہے تھے اور لبوں پر اپنی ٹیم کی فتح کی دعائیں تھیں سب سے اچھا منظر وہ تھا جب پاکستانی ٹیم میچ جیتنے کے بعد لارڈز کے تاریخی گراؤنڈ میں اپنے رب کے حضور اجتماعی طور پر سجدہ ریز ہوئی، یہ سجدہ جہاں اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور اپنی کمتری کا اظہار تھا وہیں یہ سجدہ اس بات کا اعلان تھا کہ سب کچھ اللہ کی مہربانی کے طفیل ہوتا ہے اور انسان تو

بہت عاجز ہے انسان تو کچھ بھی نہیں کرسکتا۔ انسان تو اتنا مجبور اور لاچار ہے کہ اپنی ناک پر بیٹھی مکھی تک کو نہیں اڑا سکتا ہے۔

قوم کو یہ تاریخی فتح بہت بہت مبارک ہو۔ ہمارے کھلاڑیوں نے قوم کو ایک طویل عرصے کے بعد ایک خوشی دی ہے۔ ہماری اپنے رب سے یہی دعا ہے کہ یہ خوشی کی خبر اکیلی نہ ہو بلکہ یہ خوشیوں کی ابتداء ہو اور جس طرح عوام کے چہروں پر مسکراہٹیں تھیں۔ دل خوشی سے معمور تھے یہ لمحات تا دیر.بر قرار رہیں اور وطن عزیز پر چھائی ہوئی دکھوں اور غموں کی فضا اب ختم ہو جائے آمین

وقت ہی سب سے بڑا منصف ہے

وقت ہی سب سے بڑا منصف ہوتا ہے۔ وقت ہی یہ بتاتا ہے کہ کون سچا ہے، کون جھوٹا ہے۔ کون حق پر ہے اور کون حق پر نہیں ہے۔ کون صحیح ہے اور کون غلط ہے۔ وقت ہمیں یہ بتاتا ہے کہ حق کی بات کرنے والے تعداد میں ہمیشہ کم رہے ہیں اور ہر دور میں معاشرے نے ان حق کی بات کرنے والوں کی مخالفت کی ہے لیکن آنے والے دور نے بتایا کہ پورا معاشرہ غلط تھا اور جو چند لوگ حق کی بات کرتے تھے وہ درست تھے۔

سقراط کے نام سے کون واقف نہیں ہے۔ سقراط نے حق کی خاطر زہر کا پیالہ پینا گوارا کیا لیکن غلط بات کی حمایت نہیں کی۔ بر سبیل تذکرہ سقراط نے زہر کا پیالہ پیا یہ تو سب جانتے ہیں لیکن سقراط نے زہر کا پیالہ کیوں پیا یہ ہر کوئی نہیں جانتا۔ سقراط کوئی نیا دین نہیں لایا تھا، کوئی نیا نظریہ نہیں لایا تھا بلکہ سقراط نے اس وقت کے جابر حکمرانوں کو یہی کہا تھا کہ معاشرہ میں انصاف قائم کرو، اقرباء پروری نہ کرو، حکومت کے کارندے اپنے اختیارات سے تجاوز نہ کریں اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال نہ کریں۔ غریب اور امیر کے لیے الگ الگ قانون نہ بنایا جائے بلکہ ایک ہی قانون ہونا چاہیئے۔ یہ وہ ساری باتیں تھیں جو وقت کے جابروں کو ناگوار گزرتی تھیں اور اس جرم سچائی

کی پاداش میں اس کو زہر کا پیالہ پینا پڑا۔ کیا سقراط غلط تھا؟ کیا سقراط زہر کا پیالہ پی کر ختم ہو گیا؟ نہیں بلکہ وقت نے یہ بتایا کہ سقراط ہی تو درست تھا اور اس وقت کے حکمران ہی غلط تھے اس وقت کا معاشرہ ہی غلط تھا آج سقراط امر ہے لیکن اس کو زہر پلانے والوں کوئی نہیں جانتا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک بت فروش کے گھر پیدا ہوئے،اس وقت کا پورا معاشرہ بت پرست تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ نے حق کو جاننے کی توفیق دی،اور انھوں نے اس حق کو لوگوں تک پہنچایا، پورے معاشرے نے یہاں تک کہ بادشاہ وقت نے ان کی مخالفت کی اور ان کو آگ میں ڈالا گیا کیوں کہ ان لوگوں کے نزدیک حضرت ابراہیم علیہ السلام غلط تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ملک بدر کیا گیا۔ لیکن کیا وہ غلط تھے؟ نہیں بلکہ وقت نے یہ بتایا کہ اس معاشرے میں وہی حق پر تھے باقی پورا معاشرہ غلط تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنے معاشرے کے لوگوں تک حق پہنچایا اور ان کی ساری تبلیغ اور مساعی کا نتیجہ بارہ حواری تھے جو ان کے ساتھ تھے باقی سارا معاشرہ ان کے خلاف تھا اور ان کو غلط کہتا تھا اور وقت کے جابروں نے اپنی دانست میں ان کو سولی چڑھا دیا (جبکہ ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ نے ان کو زندہ اپنے پاس بلا لیا اور وہ آج بھی زندہ ہیں) اس وقت کے معاشرے نے ان

کو غلط کہا، ان کی مخالفت کی، ان کو دھتکارا، یہاں تک کہ سولی چڑھایا لیکن وقت نے بتایا کہ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والے مٹھی بھر لوگ ہی تو حق پر تھے وہی تو درست تھے باقی سب لوگ غلط تھے۔ یہ وقت کا فیصلہ تھا۔

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوت حق کا آغاز کیا تو اس وقت کے بڑے بڑے سرداروں نے اس دعوت کی مخالفت کی۔ مکہ کی تیرہ سالہ تبلیغ کے نتیجہ میں کچھ ہی لوگ ایمان لائے اور اس وقت کے معاشرے نے اس دعوت کو قبول کرنے سے انکار کیا، انکار کرنے والوں میں بڑے بڑے سردار بھی تھے، وہ بھی تھے جو خانہ کعبہ کے متولی اور نگران تھے (آج بھی کچھ لوگوں کو اس بات کا بڑا زعم ہے کہ وہ خانہ کعبہ کی چھت پر نماز پڑھ چکے ہیں، خانہ کعبہ کا دروازہ ان کے لیے کھولا گیا۔ یہی زعم اس وقت کے جابروں کو بھی تھا) دعوت حق قبول کرنے والوں کو تپتی ریت پر لٹایا گیا، ان کو اذیتیں دیں گئیں، ان کے پیچھے شہر کے آوارہ اور بدمعاش لوگوں کو لگایا جاتا تھا جو کہ ان کو تنگ کرتے تھے۔ مذاق اڑاتے تھے۔ کیا وہ چند لوگ غلط تھے؟ اور پورا معاشرہ، اس وقت کے سردار، اس وقت کے نامی گرامی لوگ درست تھے؟ نہیں بلکل نہیں بلکہ وقت نے بتایا کہ وہی چند لوگ ہی تو حق پر تھے باقی پورا معاشرہ بمعہ سرداروں اور حکمرانوں کے غلط تھا۔ یہ وقت کا فیصلہ ہے۔

کربلا کا میدان ہے ایک طرف یزیدی لشکر ہے اور ایک طرف حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ 72 لوگوں کے ساتھ خیمہ زن ہیں اور ان 72 لوگوں میں عورتیں اور بچے بھی شامل ہیں۔ حضرت امام حسین جب مدینہ سے نکلے تھے تو سب نے یہی سمجھایا تھا کہ چھوڑو، جانے دو کوئی ضرورت نہیں ہے یزید سے مقابلہ کرنے کی۔ لیکن حضرت امام حسین رضہ اللہ عنہ حق کی خاطر کربلا تک آ گئے۔ جہاں وقت کے حکمرانوں نے ان کو بے دردی سے شہید کر دیا۔ کیا حضرت حسین رضی اللہ عنہ غلط تھے؟ نہیں بلکہ وقت نے بتایا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ ہی تو درست تھے۔ وہ 72 لوگ ہی تو حق پر تھے باقی پوری حکومت، پوری یزیدی لشکر غلط تھا۔

فتنہ خلق قرآن کے وقت حضرت امام احمد بن حنبل نے اس کی مخالفت کی کہ قرآن اللہ کی مخلوق ہے۔ جبکہ وقت کا خلیفہ یہ کہتا تھا کہ قرآن اللہ کی مخلوق ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبل کو سچائی کے جرم میں کوڑے مارے گئے، اور کوڑے بھی ایسے مارے گئے کہ اگر کسی ہاتھی کو بھی مارے جاتے تو بھی بلبلا اٹھتا لیکن امام نے یہ کوڑے برداشت کیے، امام کو قید میں ڈالا گیا۔ وہ ان تمام آزمائشوں سے سرخ رو ہو کر نکلے۔ کیا اس وقت کا خلیفہ اور اس کے چیلے چانٹے حق پر تھے؟ اور امام احمد بن حنبل غلط تھے؟ نہیں دوستوں وقت نے ایک بار پھر یہ فیصلہ دیا کہ وہ ایک فرد ہی تو درست تھا اور اس وقت کا خلیفہ اور اس کے

چیلے چانٹے ہی غلط تھے۔ یہ وقت کا فیصلہ تھا۔

ماضی میں اٹھارہ سو ستاون میں مسلمانان ہند نے انگریز کی غلامی کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور اپنی آزادی کے لیے لڑائی شروع کی یہ بات غاصبوں کے لیے نا قابل برداشت تھی اور انہوں نے اس جنگ آزادی کو غدر کا نام دیا۔ آزادی کے متوالوں کو چن چن کر قتل کیا گیا۔ کچھ کو سولی چڑھایا گیا۔ کچھ کو کالا پانی (جزائر انڈمان) میں بھیج دیا۔ ان کی جائیدادیں ضبط کی گئیں۔ اس وقت بھی جابر اور غاصب حکمران اور انکے مقامی گماشتے لوگوں کو یہ باور کراتے رہے کہ آزادی کی بات کرنے والے بیوقوف ہیں۔ غلط ہیں۔ لیکن وقت نے یہ بتایا کہ یہ چند سرپھرے جن کو بے وقوف کہا گیا وہی درست تھے اور وقت کے حکمران اور ان کے گماشتے غلط تھے۔

ماضی قریب میں ایک آمر نے پاکستان کے محسن کو رسوا کیا، اس پر ایٹمی ہتھیاروں کی چوری کا الزام لگایا نہ صرف الزام لگایا بلکہ اس سے جبری طور پر پورے میڈیا کے سامنے جھوٹا اعترافِ جرم کرایا۔ اس وقت اس آمر کے تمام حواری بھی اس کی ہاں میں ہاں ملا رہے تھے۔ میڈیا بھی یہی بات کہہ رہا تھا۔ لیکن کیا وہ سب لوگ درست تھے؟ اور محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان غلط تھے؟ نہیں بلکہ وقت نے یہ بتایا کہ جس پر جھوٹا الزام لگایا گیا وہی حق پر

تھا اسے جب رہائی ملی تو لوگ جوق در جوق اس کے گھر پہنچ گئے۔ اس سے عقیدت کا اظہار کرنے لگے اور جس نے ان کو قید کیا تھا۔ جھوٹا اعتراف کرایا تھا وہ اور اس کے خوشامدی ہی غلط تھے۔ اس آمر کے اندر اتنی ہمت نہیں ہے کہ وہ بغیر محافظوں کے عوام کا سامنا کر سکے۔ یہ وقت کا فیصلہ تھا۔

آج بھی یہی صورتحال ہے وقت کے حکمران، ان کے چیلے چانٹے اور گماشتے اور معاشرہ کا مقتدر طبقہ میڈیا کے زور پر عوام کو یہ باور کرا رہا ہے کہ جو لوگ اسلام کی بات کرتے ہیں۔ جو دین کی بات کرتے ہیں جو معاشرے میں اسلامی نظام کا نفاذ چاہتے ہیں وہ لوگ غلط ہیں۔ آج بھی یہی صورتحال ہے کہ حق کی بات کرنے والے تعداد میں تھوڑے ہیں، ان کی بات کو اہمیت نہیں دی جا رہی ہے، ان کو دھتکارا جا رہا ہے۔ لیکن ! وقت سب سے بڑا منصف ہے اور یہ وقت بتا دے گا کہ کون غلط ہے اور کون صحیح ہے۔ کون حق پر ہے اور کون صرف حق کی پرستش کا دعویٰ کر رہا ہے اور عملاً باطل کے ساتھ ہے۔ کون جھوٹا ہے اور کون سچا ہے۔ وقت ہی سب سے بڑا منصف ہے۔

وقت کے حکمرانوں کی خدمت میں چند اشعار پیش کر کے میں اپنی بات ختم کروں گا شاعر کہتا ہے کہ

ہر جابرِ وقت یہ سمجھتا ہے کہ محکم ہے میری تدبیر بہت

پھر وقت اسے بتلاتا ہے کہ تھی کند تیری شمشیر بہت
تم تیغ و تفنگ پر نازاں ہو مظلوم کی آہ کو کیا جانو
یہ برق کی صورت گرتی ہے ہوتی اس میں تاثیر بہت
نکلے جو مجاہد کے لب سے وہ چیز ہی دیگر ہوتی ہے
کہنے کو تو ہم کہتے ہیں ہر مسجد میں تکبیر بہت

سوات میں بھارتی مداخلت کے ثبوت: سنسنی خیز رپورٹ

سوات میں گزشتہ سال سے جاری کشیدگی، اور افراتفری کے حوالے سے ہمارا ایک واضح مؤقف رہا ہے کہ یہ شورش برپا کرنے میں بھارتی ایجنٹوں کا ہاتھ ہے جو کہ پاکستان میں شورش ار انتشار برپا کرکے پاکستان کو غیر مستحکم کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارا کل بھی یہی مؤقف تھا اور آج بھی یہی مؤقف ہے۔ سوات آپریشن کے بارے میں بھی ہمارا یہ واضح مؤقف ہے کہ اس آپریشن میں دہشت گرد اور بھارتی ایجنٹوں کو کوئی نقصان نہیں ہو رہا بلکہ اس میں عام آبادی کا نقصان ہو رہا ہے اس لیے اس آپریشن کو بند ہو جانا چاہیئے۔

جس طرح ہمارا یہ کہنا ہے کہ سوات میں بھارت کے ایجنٹ موجود ہیں اس بات کو کئی معروف کالم نگاروں نے بھی اپنے مضامین میں بیان کیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہفتہ رفتہ میں بیت اللہ محسود کے منحرف کمانڈر نے بھی یہی بات کہی کہ بیت اللہ محسود کے بھارت اور اسرائیل سے رابطے ہیں۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے لیکن ہمارے ارباب اختیار اس بات کا انکار کرنے پر مجبور ہیں کیوں کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر امریکہ نے جو منصوبہ بنا کر پاکستان کو اس آگ میں جھونکا ہے اس جنگ میں اس بات کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ پاکستانی

حکمران اصل مجرموں کو پکڑیں بلکہ یہ جنگ تو اسلام کے خلاف ہے۔ خود صدر بش نے اس جنگ کے آغاز پر اس کو کروسیڈ کا نام دیا تھا۔ لیکن بہت سے لوگ اس بات کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں اور وہ طالبان کی اور اسلام پسندوں کی مذمت کرنے میں تو پیش پیش رہتے ہیں۔ بیت اللہ محسود کی آڑ میں تمام مذہبی جماعتوں کو لتاڑنے میں تو آگے ہیں لیکن بیت اللہ محسود اور اس ٹائپ کے لوگ جس قوت کے اشارے پر یہ سب کر رہے ہیں یعنی بھارت اور اسرائیل ان کا نام لینے سے ایسے شرماتے ہیں جیسے نئی نویلی دلہن اپنے شوہر کا نام لینے سے شرماتی ہے۔ بہر حال یہ ساری باتیں تو ضمناً بیان کردی ہیں

اس وقت ہمارے سامنے ایک معروف پاکستانی خبر رساں ایجنسی کی ایک رپورٹ موجود ہے جس میں بیت اللہ محسود وغیرہ کے بھارت اور اسرائیل کے ساتھ رابطوں کی تصدیق کی گئی ہے۔ ہم آپ کے سامنے وہ رپورٹ پیش کریں گے۔ باشعور لوگ تو اس بات سے بہت کچھ سمجھ جائیں گے لیکن جن لوگوں کی عقل و شعور محدود ہے اور ایک مخصوص نقطہ نظر سے ہٹ کر کچھ سوچ نہیں سکتے ان کے لیے اس رپورٹ کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ لیکن ہمارا کام ہے اس بات کو قارئین تک پہنچائیں۔

رپورٹ کے مطابق " اعلیٰ عسکری حکام اور قومی سلامتی کے اداروں نے جنوبی وزیرستان، مالاکنڈ ڈویژن اور بلوچستان میں بھارت، اسرائیل اور دیگر ملک

دشمن خفیہ ایجنسیوں کی طرف سے شدت پسندوں کی مالی مدد اور اسلحے کی فراہمی کے حوالے سے ناقابل تردید ثبوت حکومت کے حوالے کردئے ہیں۔ عسکری ذرائع نے بتایا کہ عسکری قیادت نے غیر ملکی مداخلت کے ثبوت ملنے کے بعد حکومت کو بھجوائی جانے والی رپورٹ مین سفارش کی ہے کہ جن ممالک کی خفیہ ایجنسیاں سوات، مالاکنڈ اور بلوچستان سمیت جنوبی وزیرستان میں بیت اللہ محسود، مولانا فضل اللہ اور دیگر شدت پسند کمانڈروں کی ہر طریقے سے مدد کررہی ہیں ان ممالک سے سفارتی فورمز پر یہ معاملہ بھرپور انداز سے اٹھایا جائے اور اس بارے میں امریکہ، یورپین یونین نیٹو اور افغان حکومت کو بھی تمام حالات سے آگہی دی جائے تاکہ اصل حقائق ان تک پہنچ سکیں۔
قندھار، ہرات سمیت کئی افغان شہروں میں کھولے گئے بھارتی قونصل خانوں میں اکثر عملہ خفیہ ایجنسی َ راَ کا ہے اور یہاں سے نہ صرف جدید اسلحہ شدت پسندوں کو فراہم کیا جارہاہے بلکہ راکے اہلکار خود بھی دہشت گردی کے تربیتی مراکز میں آتے ہیں ان کی مولانا فضل اللہ اور بیت اللہ محسود سے بھی ملاقاتوں کے ثبوت ملے ہیں۔ عسکری قیادت نے امریکی فوج کی مرکزی کمانڈ کو بھی اس بارے میں بعض شواہد فراہم کئے ہیں اور اب اس بات پر زور دیا جارہاہے کہ بھارت ان قونصل خانوں کو یا تو بند کردے یا پھر ان کا پاکستان کے خلاف استعمال روکا جائے۔ ذرائع نے مزید بتایا کہ ڈرگ مافیا بھی دہشت گردوں کی مدد کررہی ہے، ان کا گٹھ جوڑ توڑنے کے لیے بھی پاکستان کی انٹیلی جنس ایجنسیاں کردار ادا کررہی ہیں اور

اس میں انہیں واضح کامیابی ملی ہے۔ ذرائع کا یہ بھی کہنا ہے کہ جو شدت پسند مالا کنڈ آپریشن کے دوران پکڑے گئے ہیں انھوں نے دوران تفتیش اس بات کی تصدیق کی ہے کہ ان مقامی کمانڈروں سے غیر ملکی افراد ملنے آتے ہیں اور انہیں اسلحہ سمیت جدید آلات اور پیسہ فراہم کیا جاتا ہے سیکورٹی حکام نے اس بات کی بھی تصدیق کی ہے کہ پکڑا جانے والا اسلحہ روسی، بھارتی اور امریکی ساختہ ہے اور جدید آلات اسرائیل نے فراہم کیے ہیں مولانا فضل اللہ نے ایف ایم ریڈیو اسٹیشن کے قیام کے لیے بھی ایسی ہی ٹیکنالوجی حاصل کی اس کے بھی ثبوت مل چکے ہیں۔

قارئین یہ رپورٹ ہم نے آپ کے سامنے پیش کر دی ہے جو بات ہم اور ہمارے جیسے چند لوگ کہہ رہے ہیں وہی بات ہماری اعلیٰ عسکری قیادت نے ثبوت کے ساتھ کہی ہے۔ کونسی عسکری قیادت ؟ وہی عسکری قیادت جو اس وقت سوات میں آپریشن میں مصروف ہے اب کیا یہ کہا جائے گا کہ ہماری یہ قیادت بھی شدت پسندوں کے ساتھ مل گئی ہے؟ اور سوات آپریشن پر فوج کی حمایت میں رطب اللسان ہونے والے اب کیا اس عسکری قیادت کو بھی ملک دشمن عناصر جن کو یہ لوگ طالبان ظالمان کہتے ہیں اس کا ساتھی کہیں گے ؟ حقائق آپ سب کے سامنے ہیں آپ لوگ خود ہی فیصلہ کرلیں کہ کون صحیح ہے اور کون غلط۔ - البتہ اخباری ریکارڈ یہ بتاتا ہے کہ جناح پور کی سازش کرنے والے، میجر کلیم کو اغواء کرنے والے، واٹر پمپ پر

واقع یو کے اسکوائر اور فرید اسکوائر میں پاکستانی پرچم جلانے والے، اپنے مذموم اور گھٹیا سیاسی مقاصد کی خاطر اپنی ہی قوم کی بیٹی کو بے حرمت کرنے والے گروہ کے ارکان کے بھی بھارت اور اس کی خفیہ ایجنسی را سے رابطے رہے ہیں اور را ہی نے ابتدائی طور پر ان کی تربیت کی تھی اور کراچی آپریشن کے دوران کئی اس گروہ کے کئی ارکان پاکستان سے بھارت فرار ہو گئے تھے۔

میڈیا کی جانبداری کا ایک واقعہ

گزشتہ دنوں ہم نے اس فورم پر ایک محترم بھائی کا ایک کالم پڑھا تو ہمیں یہ واقعہ یاد آگیا اور سوچا کہ قارئین کے ساتھ اس کو شئیر کیا جائے انہوں نے اپنے کالم میں میڈیا کی جانبداری کے حوالے سے ایک بات کہی تھی اور میں انکی اس بات سے بالکل متفق ہوں یہ واقعہ بھی میڈیا کی جانبداری یا خوف سے متعلق ہے بھائی نے فیصل آباد میں وکلاء کی لڑائی کے حوالے سے لکھا ہے کہ "بریکنگ نیوز دکھانے والے وہ چینلز جو اخبارات کے مالک بھی ہیں اس واقعہ کو اخبارات میں عام لوگوں تک پہنچانے سے گریزاں نظر آتے ہیں جس سے زرد صحافت کے پردے مزید اٹھتے محسوس ہو رہے ہیں کہ کون سی خبر کے روکے جانے کی کیا پیشکش ہیں اور کس خبر کے دیے جانے میں کیا فائدہ ہے۔" یہی بات ہم بھی کہتے ہیں کہ نہ تو میڈیا آزاد ہے نہ بے خوف ہے چند ایک سر پھروں کو چھوڑ کر اکثر باقی سارا میڈیا کمرشل ازم پر قائم ہے۔

بہر حال ایسا ہی ایک واقعہ کراچی میں بھی عین پریس کلب کے سامنے پیش آیا تھا اور سوائے دو اخبارات کے کسی اخبار اور چینل نے اس واقعہ کی کوئی خبر نہیں دی۔ یہ غالباً دو سال قبل کی بات ہے مجھے درست تاریخ یاد نہیں جس کے

لیے معذرت خواہ ہوں بہر حال واقعہ یہ ہے کہ دو سال قبل مہاجر قومی موومنٹ حقیقی کی خواتین نے کراچی پریس کلب پر ایک مظاہرہ کیا تھا ان کے ساتھ دس بارہ مرد کارکن بھی تھے۔اور پھر یہ افسوسناک واقعہ پیش آیا کہ عین کراچی پریس کلب کے سامنے متحدہ قومی موومنٹ کے دہشت گردوں نے ان پر حملہ کردیا، اور اس میں خواتین کا بھی کوئی لحاظ نہیں کیا گیا،ان کو بیچ سڑک پر سرِ عام تشدد کا نشانہ بنایا گیا، مرد کارکنان کے ساتھ زیادہ وحشیانہ سلوک کیا گیا۔ کئی ایک شدید زخمی ہوگئے چند ایک راہ گیروں کو بھی حقیقی کا کارکن ہونے کے شبہے میں زدوکوب کیا گیا اس کے علاوہ حقیقی کے پانچ یا چھ کارکنان کو اغواء کرلیا گیا۔ یہ سب کچھ عین پریس کلب کے سامنے ہوا لیکن کسی چینل، کسی اخبار نے اس کی کوئی خبر نہیں جاری کی۔ وہ چینل جو ہر خبر پر نظر کا دعویٰ کرتے ہیں ان کی نظر اس خبر پر نہیں پڑی، وہ چینل جو خبروں سے آگے ہونے کا دعویٰ کرتے تھے یہاں وہ بہت پیچھے رہ گئے، اور جو چینل خبر کے اندر کی خبر لانے کا دعویٰ کرتے ہیں وہ پریس کلب کے باہر کی خبر ہی نہ لاسکے۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے یہاں میڈیا کتنا آزاد ہے اور کتنا بے خوف ہے۔

میری باتوں سے بہت سے لوگوں کو برا لگتا ہے لیکن بات یہ ہے کہ شیشہ کے گھروں میں بیٹھ کر پتھروں سے نہیں کھیلا کرتے۔ جن کا اپنا دامن داغدار ہو ان کو دوسروں کے اوپر کیچڑ اچھالنے کا کوئی حق نہیں ہوتا ہے اور اگر پھر

بھی کسی بھائی کو میری بات سمجھنے میں مشکل پیش آ رہی ہو تو براہ مہربانی کچھ عرصہ پہلے کا ہمارا کالم بعنوان "بازگشت" کا مطالعہ کرلیں۔ بات سمجھ میں آ جائے گی

ڈرون حملہ اور معاشرے کی بے حسی

منگل ۲۳ مئی کی شب کو جنوبی وزیرستان میں امریکی ڈرون حملوں میں ابتدائی اطلاعات کے مطابق پچھتر افراد اور بعد میں آنے والی اطلاعات کے مطابق ہلاک شدگان کی تعداد میں مزید اضافہ ہوا ہے۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ حکومت نے اپنی رٹ کے نام پر ایک ماہ سے سوات میں آپریشن شروع کیا ہوا ہے جس میں خود آئی ایس پی آر کے مطابق کم و بیش سولہ سو شدت پسند ہلاک ہو گئے ہیں۔ یہ بات واضح رہے کہ ہلاک شدگان کی یہ تعداد حکومتی ذرائع بتا رہے ہیں جبکہ وہاں کے مقامی افراد جو ہجرت کے آرہے ہیں ان کے مطابق ہلاک شدگان کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے اور ہلاک شدگان میں شدت پسند کم اور عام آبادی کا نقصان زیادہ ہو رہا ہے۔

یہ سارا آپریشن حکومت نے اس بنیاد ہر کیا کہ وہاں کچھ لوگ حکومت کی رٹ کو چیلنج کر رہے تھے، بے گناہوں کو قتل کر رہے تھے۔اس بنیاد پر اتنا بڑا آپریشن شروع کیا گیا لیکن امریکہ دو سال سے ہماری خود مختاری کو چیلنج کر رہا ہے، ہماری سرحدوں کی خلاف کر رہا ہے۔امریکی ڈرون حملوں میں دو سال میں سینکڑوں بے گناہ افراد ہلاک ہو چکے ہیں۔ کبھی امریکہ باجوڑ کے مدرسہ میں نو عمر طالبعلموں پر حملہ کرکے درجنوں طلبہ کو شہید کر دیتا ہے، حکومتی رٹ کے دعوے

دار خاموش رہتے ہیں، کبھی امریکہ کسی بارات پر حملہ کردیتا ہے اور عورتوں اور بچوں سمیت متعدد افراد ہلاک ہوجاتے ہیں۔ اس عمل سے حکومتی رٹ پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔ اس طرح کے متعدد واقعات ہوچکے ہیں لیکن ابھی تک حکومتی سطح پر اس کی کوئی بات نہیں کی گئی۔ یہ بات ایک امریکی عہدے دار رچرڈ ہالبروک نے بھی اپنی پریس کانفرنس میں بتائی کہ کسی حکومتی ذمہ دار نے ڈرون حملوں پر کوئی بات نہیں کی۔

اب تازہ ترین حملہ میں پچھتّر سے زائد افراد کی ہلاکت پر ہم توقع کررہے تھے کہ اتنی زیادہ ہلاکتوں پر شاید حکومت کا کوئی ذمہ دار کسی رد عمل کا مظاہرہ کرے گا۔ لیکن ہمیں مایوسی ہوئی۔ ہم نے کئی اخبارات میں دیکھا کہ شاید اس حوالے سے کوئی خبر ہوگی لیکن ایسی کوئی خبر نظر سے نہیں گزری۔ ہاں البتہ صدر زرداری صاحب جو آج کل پاکستان کے دورے پر آئے ہوئے ہیں ان کی گفتگو ہر اخبار میں موجود تھی جس میں انہوں نے ڈرون حملوں کے علاوہ کئی موضوعات پر بات کی ہے جس میں کسی سے نہ ڈرنے کا اعلان، آئندہ الیکشن میں پی پی پی کی پالیسی، اور دیگر امور شامل تھے۔ لیکن پچھتّر مسلمانوں اور پاکستانیوں کی امریکہ کے ہاتھوں ہلاکت ایسا بڑا معاملہ نہیں تھا کہ جس پر صدر مملکت کچھ بات کرتے۔ غالباً ڈرون حملوں سے حکومتی رٹ پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔

ہم نے یہ بھی دیکھنے کی کوشش کی کہ سوات میں بے گناہوں کی ہلاکت پر سوات پریشن کی حمایت کرنے والے سیاست دان شاید اتنے بے گناہ افراد جو کہ نماز جنازہ میں شریک تھے اور وہاں ان پر ڈرون حملے سے میزائل برسائے گئے تھے ان کی ہلاکت پر یہ لوگ کوئی بات کریں گے لیکن ہمیں مایوسی ہوئی۔ کسی سیاسی جماعت بشمول مذہبی جماعتیں اس کی مذمت میں کوئی لفظ نہیں کہا۔ سب سے زیادہ افسوس ہمیں میڈیا کے رویہ پر ہوا ہے کہ پہلے امریکی ڈرون حملوں کو سرحدوں کی خلاف ورزی سے تعبیر کیا جاتا تھا لیکن کل کے ڈرون حملے کو کسی نے سرحدوں کی خلاف ورزی نہیں کہا شاید اب ہم نے اس کو اپنا مقدر سمجھ لیا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ ان پچھتر افراد کا خون۔ خونِ خاک نشیناں تھا جو رزق خاک ہوا۔

پاک آرمی اور پاک فضائیہ اور چیف آف آرمی اسٹاف، جنھوں نے گزشتہ ہفتے ایف سولہ میں بیٹھ کر سوات آپریشن میں علامتی طور پر شرکت کرکے اس بات کا عزم کیا تھا کہ دہشت گردوں کو ختم کرکے دم لیں گے۔ وہ بھی دم سادھے بیٹھے ہیں۔ شاید ان کے نزدیک امریکا کا کوئی بھی حملہ دہشت گردی نہیں ہوتی ہے۔ بہت سے لوگ ہم پر اعتراض کرسکتے ہیں کہ آرمی تو حکومت کے ماتحت ہوتی ہے اور وہ اس کی اجازت کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھا سکتی ہے تو ایسے بھولے لوگوں سے ہمارا ایک سوال ہے کہ کیا ایوب خان نے مارشل لاء حکومت سے پوچھ کر لگایا تھا؟ کیا ضیاء الحق صاحب نے ایک منتخب حکومت اور مقبول وزیر اعظم کا تختہ کیا کسی سے

پوچھ کر الٹا تھا؟ کیا جنرل پرویز مشرف نے کسی کی اجازت سے نواز شریف کی حکومت ختم کی تھی؟ جواب ہے کہ نہیں بلکہ انھوں نے اپنے مفادات کے تحت ایسا کیا تو کیا یہ جنرلز اپنے ملک و قوم کے مفاد میں حکومت کو کسی ایکشن پر نہیں مجبور کر سکتے؟
بہرحال صورتحال یہ ہے کہ مرحوم حکومتی رٹ صرف اپنے ہی لوگوں پر بحال کرائی جاتی ہے البتہ اغیار اس ملک کے ساتھ جو کچھ بھی کریں وہ کم ہے۔ وہ یہاں اپنے جاسوس چھوڑیں اور ہم ان کو گرفتار کرنے کے بعد بصد عزت و احترام رہا کردیں ان کے ایجنٹ ہماری صفوں میں گھس کر بیٹھ جائیں اور ہم جان بوجھ کر اپنی آنکھیں بند کردیں،۔ وہ ہمارے عوام پر میزائل برسائیں، ہماری سرحدوں کی خلاف ورزی کرکے ہماری سرحدوں میں گھس کر ہمارے ہی بھائیوں کو قتل کریں اور ہم ان کے معمولی اہلکاروں کے آگے بچھے چلے جائیں، عوام اس ساری صورتحال سے شدید مایوسی اور عدم تحفظ کا شکار ہیں اور وہ بجا طور پر یہ سوچتے ہیں کہ حکومت کو ہماری جان و مال، عزت و آبرو کی حفاظت کی کوئی فکر نہیں ہے، ایک طرف طالبان کے نام پر بھارتی اور اسرائیلی ایجنٹ عوام کا استحصال کریں، دوسری طرف فوج بھی اپنے ہی عوام پر گولے برسائے۔ مرے پر سو درے کے مصداق امریکہ جب چاہے ڈرون حملے، اور میزائل برسا کر ان کا قتل کرسکتا ہے جبکہ شہروں میں ٹارگٹ کلنگ، بم دھماکے، چوریاں، ڈکیتیاں ان کو سکون سے نہیں رہنے

دیتی ہیں اور تمام سیاسی پارٹیاں اس موقع پر صرف پوائنٹس اسکور کرنے میں مصروف ہیں۔ عوام کہاں جائیں؟ کس کے آگے فریاد کریں۔

ہماری حکومت سے گزارش ہے کہ خدارا تھوڑا سا ملک کی طرف اور عوام کی طرف بھی دھیان دیں آپ کا یہ اقتدار عارضی ہے اگر آپ سمجھتے ہیں آپ ہی ہمیشہ اقتدار میں رہیں گے تو یہ آپ کی بھول ہے۔ آج آپ کو جو موقع ملا ہے تو اس میں ملک و قوم کے لیے کچھ کر جائیں۔ یاد رکھیں تاریخ نے دو قسم کے لوگوں کو یاد رکھا ہے ایک وہ جنہوں نے یہ کہا کہ شیر کی ایک دن کی زندگی گیڈر کی سو سال کی زندگی سے بہتر ہے اور دوسرے وہ لوگ جنہیں میر جعفر اور میر صادق کے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے آپ کس قسم کے لوگوں میں اپنا نام لکھوانا چاہتے ہیں یہ فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔

میڈیا: بڑھتی ہوئی فحاشی

ہمارے میڈیا پر فحاشی اور عریانی دن بدن بڑھتی جارہی ہے۔اگرچہ کئی دردمند لوگ اس حوالے سے مراسلات، کالمز اور مضامین لکھتے رہتے ہیں لیکن متعلقہ اداروں اور وزرات اطلاعات و نشریات پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ باقاعدہ منصوبے کے تحت معاشرے میں یہ ثقافتی اور میڈیائی دہشت گردی پھیلائی جارہی ہے تاکہ لوگ اس میں مگن رہیں اور مسائل کی طرف ان کی توجہ کم رہے۔ پہلے تو ہمارے نجی چینلز بھارتی چینلز کی صرف نقالی کرتے تھے لیکن اب بھارتی چینلز کے پروگرام باقاعدہ دکھائے جارہے ہیں،اور کوئی یہ پوچھنے والا نہیں ہے کہ ایسا کیوں کیا جارہا۔ ایک طرف جہاں یہ بھارتی فحش چینلز ہیں وہیں اشتہارات بھی کسی سے کم نہیں ہیں۔ اگر کوئی فرد یہ چاہے کہ وہ ان عریاں چینلز سے بچتے ہوئے اپنی فیملی کے ساتھ کوئی اسپورٹس یا نیوز چینل ہی دیکھ لے تو اس کام سے روکنے کے لیے اشتہارات ہی کافی ہیں۔ ہم پہلے بھی اپنے ایک مضمون میں ان اشتہارات کے حوالے سے بات کرچکے ہیں لیکن معاملہ مزید بڑھتا جارہا ہے اور جس طرح بھارتی چینلز کے پورے پورے پروگرام دکھائے جارہے ہیں اسی طرح اب اشتہاری کمپنیوں

نے بھی یہ کام شروع کر دیا ہے کہ یہاں کوئی اشتہار تیار کرنے کے بجائے باہر کے بنے بنائے اشتہار یہاں چلائے جاتے ہیں اس حوالے سے میں ایک اشتہار کی مثال دونگا۔

ایک آئسکریم کا اشتہار آج کل ہمارے ٹی وی چینلز پر چلایا جارہا ہے وہ کسی بھی طرح ہمارے معاشرے اور ثقافت سے مطابقت نہیں رکھتا ہے۔اس اشتہار میں یہ دکھایا جاتا ہے کہ ایک نوجوان راستے میں ایک جیپ جس میں دو نوجوان لڑکے اور ایک لڑکی موجود ہیں ان سے لفٹ مانگتا ہے لیکن وہ اس کا مذاق اڑاتے ہوئے گزر جاتے ہیں، آگے جاکر وہ ایک بار یا شاپ پر رکتے ہیں تو مذکورہ نوجوان بھی وہاں پہنچ کر اشتہار میں دکھائی گئ آئسکریم کھاتا ہے اور انعام میں ایک ہیوی بائیک جیت کر باہر نکلتا ہے توجیپ میں موجود لڑکی اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر اس نوجوان کے ساتھ بائیک پر بیٹھ کر چلی جاتی ہے اور جیپ والے دونوں نوجوان ہاتھ ملتے ہوئے دکھائے گئے ہیں۔اس اشتہار کا تجزیہ کیا جائے تو یہ سمجھ نہیں آتا کہ یہ آئسکریم کا اشتہار ہے، ہیوی بائیک کا اشتہار ہے یا مغربی ابلیسی تہذیب کا اشتہار ہے۔ جہاں اسی طرح لڑکے اور لڑکیاں آپس میں ناجائز دوستاناں رکھتے ہیں اور جب چاہے اپنے بوائے فرینڈ تبدیل کرتے ہیں۔یہ اشتہار نوجوانوں کے جذبات کو بھڑکا کر انہیں گمراہ کرنے کی کوشش ہے۔

اسی طرح ایک اور بے ہودہ اشتہار ایک موبائل کمپنی کا ہے جس میں ایک ڈیڑھ

منٹ تک ایک لڑکی کو جھومتے، گاتے، ناچتے، مدہوش ہوتے ہوئے دکھایا جاتا ہے اور آخر کے چند سیکنڈ میں ایک معروف کمپنی کا موبائل بھی دکھا دیا جاتا ہے تاکہ فارمیلیٹی پوری ہوسکے کہ یہ موبائل کا اشتہار ہے کسی لڑکی کا نہیں۔ سمجھ نہیں آتا کہ ایک موبائل سے لڑکی کے ڈانس کا کیا تعلق ہے؟

آخر میں ہم بات کریں گے کہ ایک معروف مشروب کی! اس کا اشتہار بھی آج کل کافی زور و شور سے دکھایا جارہا ہے (.بررررروالا) اس اشتہار میں یہ سبق دیا جارہا ہے کہ اب اس.برانڈ کے مشروب کے لیے نام لینے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ فحش انداز میں سینے کو تھرکایا جائے تو آپ کا مقصد پورا ہو جائے گا۔ اس اشتہار میں مزید کیا کہا جائے کہ کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔

اب مسئلہ یہ ہے کہ جو لوگ اس فحاشی کے سیلاب سے بچنا چاہیں تو وہ چاہنے کے باوجود نہیں بچ سکتے ہیں کہ اب اشتہارات ہی فحاشی پھیلا رہے ہیں۔ اگر لوگ اپنے گھروں سے ڈش اور کیبل نکال دیں تو یہ بھی مسئلے کا حل نہیں ہے کیوں کہ اب تو پی ٹی وی بھی اس دوڑ میں آگے آگے ہے اور مذکورہ اشتہارات تو پی ٹی وی پر بھی چلائے جارہے ہیں۔

اس لیے ہماری ارباب اختیار سے یہی اپیل ہے کہ اس جانب توجہ دی جائے اور سرکاری و نجی ٹی وی چینلز کو پابند کیا جائے کہ وہ ہمارے معاشرے اور ثقافت اور ہماری اقدار کے مطابق پروگرامات اور اشتہارات

بنائیں۔اور بھارتی اور مغربی ابلیسی تہذیب کے پرچار سے گریز کیا جائے۔

لوڈشیڈنگ کے فوائد

ملک میں واپڈا اور دیگر اداروں نے تھوڑی سی لوڈشیڈنگ کیا کرلی یار لوگوں نے تو آسمان سر پر اٹھا لیا، کہیں مظاہرے ہیں، کہیں جلاؤ گھیراؤ ہے، کہیں توڑ پھوڑ ہے،ت و کہیں ہڑتالیں ہیں اور یہ سلسلہ اتنا آگے بڑھا کہ ہمارے صدر، وزیر اعظم صاحب اور ارکان اسمبلی صاحبان کو اپنے بے انتہا قیمتی وقت میں سے اس معاملے پر بات کرنا پڑی ورنہ وہ زیادہ اہم معاملات مثلاً آئندہ کس ملک کا دورہ کرنا ہے، کس ملک نے ابھی تک امداد نہیں دی ہے اس سے رابطہ کرنا ہے، کونسی اتحادی پارٹی ابھی تک ناراض ہے اس کو مراعات دیکر منانا ہے، بجٹ میں کس طرح نئے ٹیکس کا جواز پیدا کرنا ہے، آئیندہ بلدیاتی انتخابات میں کس طرح جوڑ توڑ کرنی ہے، اپنے کتنے بندے کہاں کہاں کس کس محکمے میں فٹ کرنے ہیں، یہ سارے اہم قومی معاملات تھے جن پر ابھی غور و فکر کرنا باقی تھا لیکن یہ جو عوام ہیں نا! یہ بھی بس ایسے ہی ہیں، منتخب نمائندوں کو کام ہی کرنے نہیں دیتے ہیں۔

دراصل ہم لوگ بہت جلد باز، ناشکرے، منفی سوچ اور کچے کانوں کے لوگ ہیں، کسی ملک اور عوام دشمن نے یہ شوشا چھوڑ دیا کہ لوڈشیڈنگ سے ملک کو نقصان ہورہا ہے ،اور کچے کانوں والے عوام نے اس پر یقین کرلیا اور لگے احتجاج کرنے

حالانکہ اگر دیکھا جائے تو اس کے بڑے فوائد ہیں لیکن ہم اپنی منفی سوچ کے باعث اس کے فوائد کی طرف دھیان ہی نہیں دیتے ہیں۔ ہم کوشش کرتے ہیں کہ آپ کو لوڈ شیڈنگ کے فوائد سے آگاہ کریں۔ عزیز ہم وطنوں لوڈ شیڈنگ کے تو اتنے فوائد ہیں کہ اگر لوگوں کو اس کا علم ہو جائے تو ہر علاقے کے مکین یہ خواہش کریں گے کہ ہمارے یہاں زیادہ سے زیادہ لوڈ شیڈنگ ہو۔ لوڈ شیڈنگ کے فوائد لکھنے سے اور کوئی فائدہ ہو یا نہ ہو لیکن دو فوائد ضرور ہونگے ایک تو ہمارا ایک کالم اور بڑھ جائے گا دوسرا اس کے بعد ہم لوگ لوڈ شیڈنگ پر جلنے اور کڑھنے کے بجائے خوش ہوا کریں گے۔

دیکھیں لوڈ شیڈنگ کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ اس لوڈ شیڈنگ کے باعث صدر، وزیر اعظم، اور ارکان اسمبلی نے عوام کے لیے ایک دو بیان داغ دیے ورنہ ان بے چاروں کو اتنی فرصت کہاں کہ وہ کچھ سوچ سکیں، کیا یہ فائدہ کچھ کم ہے؟ اس کے ساتھ ساتھ اگر ہم غور کریں تو واپڈا، کے ای ایس سی اور توانائی کے دیگر ادارے ہمیں قرب الٰہی کا موقع فراہم کرتے ہیں۔ ارے بھئی آپ لوگ اتنے حیران کیوں ہو رہے ہیں؟ کیا ایسا نہیں ہوتا؟ میں آپ کو سمجھاتا ہوں دیکھیں جب بجلی چلی جاتی ہے تو ہم لوگ کیا کرتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ صبر کرتے ہیں اور جب بجلی آجاتی ہے تو کیا کرتے ہیں؟ بھئی ظاہر ہے تمام لوگ اجتماعی طور پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ یہی بات ہے نا! یعنی ہمارے اندر صبر و شکر کی صفت پیدا

ہو جاتی ہے اور یہ تو سب کو پتا ہے کہ صابر اور شاکر اللہ کے نزدیک ہوتے ہیں۔ پھر ذرا سوچیں کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ صرف لوڈ شیڈنگ ہی کے طفیل ہمیں اللہ کی بندگی کا حق ادا کرنے کا موقع ملتا ہے۔ بات سمجھ میں نہیں آئی نہ ؟ اچھا ذرا اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر بتائیں کہ کیا ہم لوگ عام طور پر تہجد کا اہتمام کرتے ہیں؟ نہیں نا ! تو کیا یہ اچھی بات نہیں ہے کہ جب ہم خواب غفلت میں پڑے ہوتے ہیں تو یہ لوڈشیڈنگ ہی ہوتی ہے جس کے باعث ہم آدھی رات کو اٹھ کر بیٹھ جاتے ہیں اب جو ناشکرے لوگ ہیں وہ تو واپڈا وغیرہ کو صلواتیں سناتے رہتے ہیں لیکن عقل مند لوگ اس وقت کو تہجد پڑھنے میں صرف کرتے ہیں اور یہی معاملہ فجر کی نماز کا ہے عام طور سے ہم فجر کی نماز میں سستی دکھاتے ہیں جس پر شاعر مشرق نے کہا تھا کہ ہم سے کب پیار ہے تمہیں۔ ہاں نیند تمہیں پیاری ہے۔تو یہ لوڈ شیڈنگ ہی ہوتی ہے جس کے باعث ہم صبح سویرے اٹھ جاتے ہیں اور فجر کی نماز باجماعت پڑھتے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ جس محلے میں بھی فجر سے پہلے لائٹ جاتی ہے اس محلے کی مساجد میں فجر میں نمازیوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے۔ اب خود سوچیں کہ کیا یہ کوئی کم فائدہ ہے۔ جناب بقول شاعر یہ رتبہ بلند جسے مل اسے مل گیا۔

پھر آپ یہ دیکھیں کہ لوڈ شیڈنگ معاشرے میں طبقاتی نظام کے خاتمے، اور مساوات کی پالیسی پر کاربند ہے۔ دیکھیں نا بھئی۔ پہلے لوگوں کو یہ شکایت

ہوتی تھی کہ سارے مصائب، ساری مشکلیں صرف غریبوں کے لیے ہیں اور امیر ہر دکھ سے بے نیاز ہیں۔ لیکن اب ایسا نہیں ہوتا ہے بلکہ اب کیا صنعت کار، کیا صنعتی مزدور، کیا تاجر، کیا آڑھتی، کیا ملازمت پیشہ، کیا ٹھیلے والا، کیا افسر، کیا ماتحت، کیا اورنگی ٹاؤن میں رہنے والا، کیا پی ای سی ایچ ایس، اور ڈیفنس میں رہنے والا، کیا گلبرگ میں رہنے والا، گوالمنڈی میں بسنے والا، صاحبو! بجلی والوں نے کسی کے ساتھ کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا ہے، کسی خاص طبقے کو نشانہ نہیں بنایا ہے۔ بلکہ لوڈ شیڈنگ پورے ملک میں، تمام طبقات کے لیے یکساں طور پر جاری ہے۔ یعنی ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود و ایاز - نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز۔ میرے بھائیوں اور بہنوں اس بات پر تو ہمیں واپڈا، کے ای ایس سی، پیپکو، حیسکو، اور دیگر متعلقہ اداروں کا شکر گزار ہونا چاہئے کہ وہ معاشرے سے طبقاتی تفریق، اور کمپلیکس کے خاتمے جیسا اہم کام کر رہے ہیں یہ تو وہ کام ہے جو باسٹھ سالوں میں تمام سیاست دان مل کر بھی نہیں کر سکے ہیں۔ تو کیا یہ کوئی چھوٹی بات ہے؟

اب آپ بتائیں کہ یہ جو فوائد میں نے گنوائے ہیں کیا یہ جھوٹ ہے؟۔اور کیا یہ فائدے کچھ کم ہیں؟ ارے صاحب اگر ہم لوگوں میں ذرا بھی قدر شناسی اور احسان مندی کا جذبہ ہو تو ہم لوڈ شیڈنگ کے ذمہ داروں کے صدقے واری جائیں۔ ان کو پھولوں کے ہار پہنائیں، ان کو اپنی پلکوں پر بٹھائیں (کیوں کہ پلکوں پر

بٹھا کر ہی تو نظروں سے گرایا جاتا ہے)۔ لیکن ہم نے عرض کیا نہ کہ ہم ناشکرے لوگ ہیں۔ جو کسی کی قدر ہی نہیں کرتے ہیں۔

البتہ ہمارے منتخب نمائندے اس نعمت سے بے خبر ہیں اس لیے انہیں یہ اندازہ ہی نہیں ہے کہ عوام کس طرح موج کر رہی ہے۔ انہیں ابھی تک لوڈ شیڈنگ کے فوائد نہیں معلوم اس لیے کہ ان کے گھروں میں بجلی جاتی ہی نہیں ہے اس لیے انہیں پتہ ہی نہیں ہے کہ وہ کس نعمت سے محروم ہیں اور اگر بجلی کبھی چلی بھی جائے تو الگ سے ہیوی جنریٹر موجود ہوتے ہیں جو کہ نہ صرف ان کے گھر کو روشن رکھتے بلکہ ان کے بنگلوں میں لگے ہوئے تین چار اے سی بھی چلتے رہتے ہیں بقول شاعر گھر پیر کا تو قمقموں سے ہے روشن اور۔ ہمیں تو میسر نہیں مٹی کا دیا بھی تو عزیزوں یہ بجلی کے چند فوائد تھے جو ہم نے آپ تک پہنچائے ہیں آئندہ بھی ہم ایسے مسائل جن کو لوگ وبال جان سمجھتے ہیں ان کے فوائد آپ کو بتائیں گے تاکہ آپ لوگ ٹینشن فری زندگی گزاریں

میاں طفیل محمد: ایک تعارف

یہ سال جون ہی کی بات ہے جب میں ایک پروگرام کے سلسلے میں منصورہ لاہور میں موجود تھا۔ جامع مسجد منصورہ میں مغرب کی نماز کے بعد ایک ساتھی نے مجھے بتایا کہ وہ جو پہلی صف میں بائیں جانب ایک بزرگ بیٹھے ہیں وہ میاں طفیل محمد ہیں ہم لوگ بقیہ نماز کی ادائیگی کے بعد جب ان سے ملنے جانے لگے تو ہم سے کہا گیا کہ براہ مہربانی میاں صاحب کو صرف سلام کیجئے گا ان سے زیادہ گفتگو نہ کیجئے گا کیوں کہ صحت کی خرابی کے باعث میاں صاحب زیادہ گفتگو نہیں کر سکتے ہیں۔ اس لیے ہم صرف ان سے سلام دعا کرکے اور ان کی خیریت دریافت کرکے واپس آ گئے۔ یہ میاں صاحب سے براہ راست میری پہلی اور آخری ملاقات تھی۔

25 جون کی رات جب مجھے یہ میل ملی کہ میاں صاحب کا انتقال ہوگیا ہے تو یہ ساری یادیں دوبارہ تازہ ہو گئیں۔ میاں صاحب گزشتہ اڑھائی ہفتے سے برین ہیمبرج کے باعث شیخ زید ہسپتال میں زیر علاج تھے اور جمعرات 25 جون کی شب رات آٹھ بجے 96 سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔ ان کے پسماندگان میں چار بیٹے، آٹھ بیٹیا شامل ہیں۔ ان کی نماز جنازہ جمعہ کی سہ پہر چار بجے جماعت اسلامی کے مرکز منصورہ میں ادا کی گئی۔ نمازہ جنازہ سابق امیر جماعت اسلامی

قاضی حسین احمد نے پڑھائی اور ان کو علامہ اقبال ٹاؤن کریم بلاک کے قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔ ہم یہاں میاں طفیل محمد صاحب کا ایک مختصر تعارف پیش کر رہے ہیں۔ اگرچہ یہ تعارف کئی ایک اخبارات میں شائع ہوا ہے لیکن ہم ہماری ویب کے یوزرز کے لیے اسے یہاں پیش کرتے ہیں۔

میاں طفیل محمد 1914ء میں ریاست کپور تھلہ ضلع جالندھر میں پیدا ہوئے۔ 1935 میں گورنمنٹ کالج لاہور سے فزکس اور ریاضی میں فرسٹ ڈویژن میں بی اے آنرز) کیا اور 1937ء میں لاء کالج لاہور سے قانون شہادت اور لینڈ لاز میں آنرز) کے ساتھ ایل ایل بی بھی فرسٹ ڈویژن میں پاس کرکے دوسرا انعام حاصل کیا۔ قرآن و سنت کی تعلیم 1948ء سے لیکر 1950ء تک سینٹرل جیل ملتان میں نظربندی کے دوران مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اور مولانا امین احسن اصلاحی سے حاصل کی (یہ (دونوں رہنما بھی اسی جیل میں نظر بند تھے

میاں طفیل محمد 26ء اگست 1941ء میں لاہور میں منعقد ہونے والے جماعت اسلامی کے تاسیسی اجتماع جس میں صرف 75 ارکان نے شرکت کی، اس میں شریک تھے۔ اس طرح وہ جماعت اسلامی کے تاسیسی ارکان میں شمار ہوتے ہیں۔ مارچ 1944ء میں وہ جماعت اسلامی ہند کے سیکرٹری جنرل مقرر ہوئے اور اس وقت سے سید ابو الاعلیٰ مودودی کی وفات تک ان کے رفیق رہے۔ میاں صاحب 17 اپریل 1944ء سے اگست 1947

تک کل ہند جماعت اسلامی اور اس کے بعد دسمبر 1965ء تک سوائے ساڑھے چار سال پر مشتمل ان وقفوں کے جب انہیں گرفتار کرکے جیل میں ڈال دیا جاتا رہا وہ جماعت اسلامی پاکستان کے سیکرٹری جنرل رہے۔

1966 سے 1972ء کے وسط تک وہ جماعت اسلامی مغربی پاکستان کے امیر رہے۔ اکتوبر 1972ء میں مولانا مودودی نے اپنی صحت کی خرابی کے باعث جماعت اسلامی کی امارت کی ذمہ داری مزید اٹھانے سے معذرت کردی تو ارکان جماعت نے میاں طفیل محمد صاحب کو پانچ سال کے لیے امیر منتخب کرلیا۔ وہ تین بار اس منصب کے لیے منتخب ہوئے۔1987 میں وہ صحت کی خرابی کے باعث اس منصب سے ریٹائرڈ ہوگئے۔

میاں صاحب نے ملک میں بننے والے مختلف اتحادوں میں نمایاں کردار ادا کیا۔ 1962 ء سے 1987ء تک تمام بین الجماعتی سربراہی مجالس، کونسلوں،اور مرکزی مشاورتوں کے رکن اور ان میں شریک رہے

میاں طفیل محمد صاحب نے سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش صاحب کی مشہور کتاب کشف المحجوب" کا سلیس اردو زبان میں ترجمہ کیا۔ اس کے علاوہ " دعوت اسلامی اور اس کے مطالبات " کے عنوان سے لکھی جانے والی کتاب کی تصنیف و تالیف میں مولانا مودودی اور مولانا امین احسن اصلاحی کے ساتھ شریک رہے۔

انہوں نے برطانیہ، امریکہ، کینیڈا، عراق، سعودی عرب اور دیگر کئی ممالک کے تبلیغی دورے کیے۔ معروف یونیورسٹیوں میں خطاب کیا اور اہم اجلاسوں میں شرکت کی۔ وہ رابطہ عالم اسلامی کی " اعلیٰ عالمی مجلس برائے مساجد" کے رکن رہے۔ اس کونسل کے کل 26 ارکان تھے۔ انہوں نے اس کے کئی اجلاسوں میں شرکت کی۔

میاں صاحب نے بھی کافی عرصہ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ چار اکتوبر 1948 سے اٹھائیس مئی 1950 تک قصور اور ملتان کی جیل مین بیس ماہ " تحریک مطالبہ نظام اسلامی " کے سلسلے میں قید رہے۔ بعد ازاں لاہور ہائی کورٹ کے فیصلے کے تحت رہا ہوئے۔ دس اکتوبر 1961 تا تئیس جون 1962 ڈسٹرکٹ جیل لاہور اور سینٹرل جیل ساہیوال میں صدر ایوب خان کے مارشل لاء کے دوران فیملی لاز آرڈی نینس پر تنقید کی پاداش میں نظر بند رہے۔ اسی نظر بندی کے دوران سینٹرل جیل ساہیوال میں آپ نے کشف المحجوب کا ترجمہ کیا۔ 6 مئی 1963 دوسری جماعتوں کے آٹھ لیڈروں کے ہمراہ بغاوت کے الزام میں کیمپ جیل لاہور اور سینٹرل جیل ملتان میں قید رہے اور پھر ضمانت پر رہا ہوئے۔ 5 دسمبر 1963 کو آفیشل سیکرٹ ایکٹ کے تحت گرفتار ہوئے اور ضمانت پر رہا ہوئے۔ دو سال تک یہ مقدمہ چلتا رہا آخر حکومت نے یہ کہہ کر مقدمہ واپس لے لیا کہ استغاثہ کے پاس کوئی ثبوت موجود نہیں تھا۔ 6 جنوری 1964ء کو ایوب خان کی حکومت نے جماعت اسلامی کو خلاف قانون قرار دیکر مولانا مودودی، میاں طفیل محمد، سمیر مرکزی شوریٰ

باون ارکان گرفتار کرلیا۔ نو اکتوبر 1964ء کو سپریم کورٹ نے جماعت اسلامی پر پابندی کو غیر قانونی قرار دے دیا۔ ہائی کورٹ نے حبس بے جا درخواست پر ان سب کو رہا کردیا

فروری 1973ء کو موچی دروازہ لاہور میں بلوچستان کی صوبائی حکومت کی 18 برطرفی کے خلاف احتجاجی جلسہ سے خطاب کرنے ایک بار پھر بغاوت کا الزام لگا کر گرفتار کیا گیا اور سولہ مارچ کو سپریم کورٹ سے ضمانت پر رہا ہوئے۔ڈھائی سال بعد حکومت نے عدم ثبوت کی بناء پر یہ بغاوت کا یہ مقدمہ بھی واپس لے لیا۔ چوبیس مارچ 1977ء کو عام انتخابات کی منسوخی کے سلسلے میں ملک گیر قومی مطالبہ کی تحریک چلانے کے سلسلے میں گرفتار کرکے سینٹرل جیل ساہیوال اور سہالہ کیمپ جیل راولپنڈی میں نظر بند کردیا گیا۔ دوسرے اپوزیشن رہنماؤں کے ساتھ یکم جون 1977ء کو مذاکرات کے لیے بھٹو مرحوم نے خود ہی رہا کردیا۔

1987ء میں جماعت اسلامی کی امارت سے فارغ ہونے کے بعد ادارہ معارف اسلامی کے ڈائریکٹر کی حیثیت سے چند سال پہلے تک کام کرتے رہے۔ صحت کی زیادہ خرابی اور بینائی کمزور ہونے کے بعد اس منصب سے الگ ہوگئے۔ میاں صاحب پیرانہ سالی اور کمزور صحت کے باوجود برین ہیمبرج کے حملے تک جامع مسجد منصورہ میں

باجماعت نمازوں میں اہتمام کے ساتھ شریک ہوتے رہے۔ گزشتہ سال رمضان المبارک تک پوری نمازِ تراویح جماعت کے ساتھ کھڑے ہو کر ادا کرتے رہے۔ برین ہیمبرج کے حملے کے باعث قریباً اڑھائی ہفتے علیل رہنے کے بعد میاں طفیل محمد صاحب 25 جون 2009 بروز جمعرات بوقت رات 8 بجے اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

لوڈشیڈنگ کے فوائد 2

ہم نے اپنے ایک کالم میں لوڈشیڈنگ کے فوائد بیان کیے تھے۔یار لوگوں نے بتایا کہ کچھ ایسے بیش بہا فائدے ایسے تھے جن پر آپ نے روشنی نہیں ڈالی اور ان کا ذکر نہیں کیا، اور یہ ایسے فوائد ہیں کہ ان کے بغیر ہمارا مضمون ادھورا رہتا ہے، ہم آپ لوگوں سے معذرت خواہ ہیں کہ ہم نے نادانستگی میں یہ خطا کی جس کے لیے ہم آپ لوگوں سے معافی کے خواستگار ہیں اور یہ فوائد بھی آپ کے سامنے بیان کر دیتے ہیں تاکہ کوئی محروم نہ رہے۔ بقول شاعر پھر نہ کہنا ہمیں خبر نہ ہوئی۔

ویسے متعلقہ محکمے کے ارکان چاہتے ہیں کہ عوام زیادہ سے زیادہ اس نعمت سے مستفید ہو، وہ ایسے کہ ایک بار ہمارے محلے کی لائٹ چلی گئی، ہم جب دفتر سے گھر پہنچے تو والدہ نے کہا کہ بیٹا چار گھنٹوں سے لائٹ نہیں ہے، روزانہ دو گھنٹے لائٹ جاتی ہے آج چار گھنٹے سے لائٹ نہیں آئی ہے۔ ہم نے فوراً کے ای ایس سی کا کمپلین نمبر ملایا، رابطہ ہونے پر ہم نے نمائندے کو اپنی پریشانی بتائی انہوں کہا کہ یہاں سے تو سپلائی بند نہیں کی گئی ہے بلکہ کہیں کوئی فالٹ آگیا ہے۔ اس کو دور کیا جا رہا ہے۔ قصہ مختصر کہ تقریباً پانچ گھنٹے کے بعد بجلی بحال ہو گئی لیکن آدھے گھنٹے بعد پھر لائٹ چلی گئی، ہم نے دوبارہ

فون کیا اور انتہائی غصے میں کہا یہ کیا طریقہ ہے ابھی پانچ گھنٹے کے بعد تو لائٹ آئی تھی، آدھے گھنٹے بعد پھر چلی گئی یہ کیا ہو رہا ہے؟ جواباً انتہائی اطمینان سے کہا گیا کہ جناب پہلے فالٹ تھا اور اب لوڈ شیڈنگ کی جا رہی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بجلی کا محکمہ اس نعمت سے عوام کو محروم نہیں رکھنا چاہتا ہے۔

لوڈ شیڈنگ جس کو ہمارے وزیر صاحب لوڈ شئیر نگ کہتے ہیں اس کا ایک فائدہ یہ ہے کہ اس سے نوجوانوں کے اخلاق سنوارنے میں مدد ملتی ہے، اور وہ بگڑتے نہیں ہیں۔ اس لیے کہ آج کل کے نوجوان اور بچے سب سے زیادہ میڈیا سے متاثر ہیں اور میڈیا ان کے ذہنوں کو خراب کر رہا ہے۔ ہر چینل پر عجیب عجیب قسم کے پروگرامات آتے رہتے ہیں، اشتہارات بھی کسی سے کم نہیں ہیں۔ نوجوان اور بچے سارا دن ٹی وی کے آگے بیٹھے رہتے ہیں۔ اب یہ لوڈ شیڈنگ کا کمال ہے کہ اس کے باعث ٹی وی بند ہو جاتا ہے اور نوجوان مخرب اخلاق پروگرامات نہیں دیکھ پاتے ہیں اس کا ان کے ذہن پر بہت مثبت اثر پڑتا ہے اور نوجوان پھر یہی وقت کسی اور مفید مشغلے (مثلاً ایس ایم ایس کرنا، کسی ''خاص شخصیت'' سے موبائل پر تنہائی میں باتیں کرنا) میں گزارتے ہیں۔

دور جدید کے مسائل میں ایک مسئلہ نفسا نفسی، اور خود غرضی ہے۔ اب لوگوں کے

پاس اتنا وقت نہیں ہوتا کہ وہ اپنے آس پڑوس کی خبر لیں، لیکن لوڈ شیڈنگ کے باعث محلے کی رونقیں بحال ہوگئیں ہیں کیونکہ خواتین جو دن بھر اسٹار پلس، سونی اور زی ٹی وی کے سامنے اپنا دن گزارتی تھیں، جبکہ مرد حضرات آفس سے آنے کے بعد نیوز یا اسپورٹس چینل، یا پھر کوئی چینل لگا کر بیٹھ جاتے تھے۔ کسی کو کسی کی فکر نہیں ہوتی تھی۔ لیکن اب ایسا نہیں ہوتا ہے اب خواتین گھر کے کام کاج کے بعد اپنی پڑوسن سے باتیں کرلیتی ہیں اور حال احوال سے باخبر رہتی ہیں، جبکہ مرد حضرات اب آفس سے آنے کے بعد ٹی وی کے سامنے اپنا وقت لگانے کے بجائے محلے میں نکڑ یا چوپال، یا کسی چائے کے ہوٹل پر دیگر اہل محلّہ کے ساتھ بیٹھ کر گپ شپ لگاتے ہیں، اور اس گپ شپ میں محلے کے تمام حالات سے لیکر ملکی و عالمی سیاست تک ہر معاملے پر سیر حاصل گفتگو کی جاتی ہے، اور صاحب آپ کو کیا بتائیں کہ ایسی چوپالوں میں ہر مسئلے کا حل مل جاتا ہے، اربابِ اختیار کو پتہ چل جائے کہ یہاں ایسے ایسے قابل لوگ موجود ہیں جو ہر مسئلہ کا شافی وکافی حل چٹکی بجاتے ہی پیش کرتے ہیں تو وہ اپنے تمام مشیروں کی چھٹی کردیں اور ان چوپالوں کے بزرجمہروں کے قدموں میں بیٹھ جائیں۔ لیکن افسوس ہمارے ارباب اختیار اور منتخب نمائندوں کو اپنے اہم قومی اور ملکی امور سے اتنی فرصت ہی نہیں ملتی کہ وہ ہمارے ایسے قیمتی مشوروں پر عمل کریں

لوڈشیڈنگ کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اب لوگوں کو کسی چور کا ڈر نہیں رہا اور شہروں و دیہاتوں میں چوری کی وارداتیں کم ہو گئیں ہیں (ڈکیتی کی البتہ بڑھ گئیں ہیں)۔آپ پوچھیں گے کہ جناب یہ کیسے ؟تو محترم قارئین آپ لوگ غور نہیں کرتے کہ لوڈشیڈنگ کے باعث جب پورا محلّہ اجتماعی طور پر جاگ رہا ہو تو کیا کسی چور،اچکے کی اتنی ہمت ہو گی کہ وہ کسی محلے میں جاکر چوری کر سکے ؟اب آپ خود ہی بتائیں کہ لوڈشیڈنگ کا یہ فائدہ کیا کم ہے ؟

ارے صاحب ہم نے تو پہلے بھی یہ بات کہی تھی اور پھر یہی بات کہیں گے کہ لوڈ شیڈنگ کے اتنے فائدے ہیں کہ اگر لوگوں کو اس بات کا پتہ چل جائے تو ہر علاقے کے لوگ اس بات کی تمنا کریں کہ ان کے علاقے میں زیادہ سے زیادہ لوڈشیڈنگ کی جائے۔ لیکن ہم بھی اسی قوم کے ایک فرد ہیں اور حسب معمول قدر ناشناسی، اور ناشکری کا ثبوت دیتے ہوئے یہی کہیں گے کہ لوڈشیڈنگ جلد از جلد ختم کی جائے۔ میرا خیال ہے کہ آپ لوگ بھی میری طرح ناشکرے ہیں ؟ ہیں نا !

بس کا سفر

بسیں پورے پاکستان میں پائی جاتی ہیں اور سب کی حالت زار تقریباً ایک ہی جیسی ہوتی ہے اس لیے ہم بجا طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم کسی ایک شہر کی بسوں کی حالت بیان کریں تو یقیناً سب شہروں کی ترجمانی ہو جائے گی۔ ویسے تو ہم نے لاہور، پشاور، وغیرہ کی بھی پبلک بسوں میں سفر کیا ہے (اور حالات بتاتے ہیں کہ آئندہ بھی بسوں ہی میں سفر کریں گے جہاز میں نہیں) لیکن چونکہ ہم کراچی کے رہائشی ہیں اس لیے ہم تفصیل سے کراچی کی بسوں پر ہی بات کریں گے۔

سنا ہے کسی زمانے میں بس میں اردو کا سفر کیا جاتا تھا آج کل انگریزی کا سفر کرتے ہیں۔ کسی زمانے میں مسافروں کو منزل تک پہنچانے کے لیے بس میں بٹھایا جاتا تھا، آج کل بٹھانے کا رواج بہت کم ہو گیا ہے بلکہ مسافروں کو بس میں ڈھویا اور ڈھونسا جاتا ہے، صرف وہ خوش نصیب بس میں بیٹھنے کی سعادت حاصل کرتا ہے جو بس اڈے کے قریب سے بس میں سوار ہوتا ہے یا پھر وہ جو کسی بس میں کھڑا ہو کر اونگھ رہا ہو اور اس کے ساتھ والی سیٹ کے مسافر کی منزل آ جائے، ایسے مسافر کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوتا ہے اور وہ سیٹ پر یوں بیٹھتا ہے جیسے کسی غریب کی اچانک ایک لاکھ کی لاٹری نکل آئے اور حیرت انگیز خوشی

کی کیفیت میں آ جاتا ہے یعنی اسے کافی دیر تک یہ یقین نہیں آتا کہ اس کی لاٹری نکل آئی ہے یہی کیفیت مذکورہ مسافر کی ہوتی ہے اسے بھی کافی دیر تک یقین نہیں آتا کہ وہ بس میں " بیٹھ " چکا ہے۔

اب بس میں بیٹھنے کی بات چل نکلی ہے اس حوالے سے ہم نے کئی سال کے مشاہدے کے بعد کچھ نتائج اخذ کئے ہیں وہ ہم آپ کے سامنے بیان کرتے ہیں۔ بس میں سیٹ خالی ہونے پر ہماری مختلف قوم کے بھائیوں کا مختلف رد عمل مختلف ہوتا ہے۔ (براہ مہربانی اس کو تعصب یا قوم پرستی نہ سمجھا جائے بلکہ صرف انجوائے کیا جائے) ہمارا مشاہدہ ہے کہ اگر بس مکمل بھری ہوئی ہو اور اس میں کوئی سیٹ خالی ہو جائے تو اگر قریب میں کوئی بلوچ یا اردو بولنے والا فرد ہوگا تو وہ کوشش کرے گا کہ اگر نزدیک جو دوسرا فرد کھڑا ہے اس کو موقع دیا جائے اگر وہ نہ بیٹھے تو پھر یہ سکون اور وقار کے ساتھ اپنی سیٹ پر بیٹھ جائے گا، اگر کسی پٹھان یا سندھی کو سیٹ ملے گی تو یہ فوراً سے پیشتر سیٹ پر اپنے قبضے کو یقینی بنائیں گے اور اس کے بعد پوری بس کو ایسے فخریہ انداز، اور فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ دیکھیں گے جیسے کوئی میراتھن میں میراتھن ریس جیت کر بیٹھا ہو اور رہے ہمارے پنجاب کے بھائی تو ان اس بات کا انتظار نہیں کرتے کہ کب سیٹ خالی ہوگی یا کسی ایک جانب کھڑے ہو جائیں بلکہ یہ بھائی بس میں درمیان میں کھڑے ہو جائیں گے اور مسلسل بس میں نظر رکھیں گے کہ کونسے مسافر کی منزل

آنے والی ہے، یہ فوراً اس کی جانب لپک پڑیں گے اور بعض اوقات تو یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ ادھر سیٹ خالی ہوئی سیٹ کے ساتھ موجود فرد ابھی اپنی تشریف رکھنے کی تیاری کر رہا ہے کہ ہمارے پنجاب کے بھائی نے دور سے اپنا ہاتھ بڑھا کر سیٹ پکڑ لی اور دوسرے مسافر کا راستہ روک لیا، دوسرا فرد ابھی سوچ ہی رہا ہوتا ہے کہ یہ کیا ہوا ہے اور وہ بھائی سیٹ پر بیٹھ چکے ہوتے ہیں۔ یہ ہمارے مشاہدات ہیں کسی خاص قوم پر طنز نہیں ہیں اس لیے کسی کو برا ماننے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اگر بس میں بیٹھا کوئی مسافر اخبار پڑھ رہا ہے تو اس کے ساتھ بیٹھا مسافر بھی اس کے ساتھ اخبار پڑھے گا۔ خیر اب جو ساتھ بیٹھا ہے اس کا تو اتنا حق ہے لیکن جو پیچھے بیٹھے مسافر ہیں اب وہ بھی اپنی گردن لمبی کر کے آگے موجود اخبار پڑھتے رہتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ قریب کھڑے مسافر بھی اس "بہتی گنگا" میں ہاتھ دھونا ضروری سمجھتے ہیں اور وہ بھی اس اخبار سے مستفید ہوتے ہیں۔ اگر اس دوران مالک اخبار، اخبار تہہ کر کے رکھ لے تو کئی مسافروں کے چہروں پر ناگواری کے تاثرات ابھر آتے ہیں۔ البتہ کچھ بے تکلف افراد اخبار مانگ کر پڑھ لیتے ہیں۔ اس طرح ایک اخبار سے کئی لوگ استفادہ کرتے ہیں۔

عام طور سے لوگ بسوں میں خاموشی کے ساتھ سفر کرتے ہیں لیکن اگر آپ سکون پسند طبعیت کے مالک نہیں ہیں اور آپ چاہتے ہیں کہ بس میں زرا شور شرابا ہو تو آپ دو آزمودہ نسخے استعمال کر سکتے ہیں جس سے بس میں ایک موجود ہر فرد بولنے کی کوشش کرے گا اور بس میں ایک رونق سی محسوس ہو گی۔ پہلا نسخہ تو یہ ہے کہ آپ اپنے ساتھ بیٹھے مسافر سے حالات حاضرہ یا عوام کے مسائل مثلاً بدامنی، مہنگائی، اور حکومت کی بے حسی پر باآواز بلند تبصرہ کرنا شروع کردیں اور اس کے بعد آپ دیکھیں کہ ایسے ایسے تبصرے سامنے آئیں گے کہ الامان الحفیظ، ہر فرد اس میں بولنے کی کوشش کرے گا۔ لیکن یہ نسخہ کم کامیاب ہے اس لیے کہ بس میں برسر اقتدار پارٹی کے افراد بھی موجود ہوتے ہیں اور وہ نہ صرف خود کچھ نہیں بولتے بلکہ دوسرے مسافروں کو بھی خاموش رہنے کی تلقین کرتے رہتے ہیں۔ دوسرا نسخہ زیادہ آزمودہ کار ہے وہ یہ کہ آپ بس کے ڈرائیور پر تنقید کرنا شروع کردیں۔ اگر ڈرائیور بس آہستہ چلا رہا ہے تو اس کو کہیں کہ کیا مر مر کے گاڑی چلا رہا ہے بے" یا اس طرح کہیں " ابے بھائی جلدی چلا یار سو رہا" ہے کیا؟" اور اگر وہ گاڑی تیز چلا رہا ہے تو اس پر ٹوک دیں کہ " ابے کیا نشے میں ہے؟ یا" او بھائی کس بات کی جلدی ہے انسانوں کی طرح گاڑی چلا بھائی کیا مارے گا ہم لوگوں کو؟ مذکورہ بالا جملے بس کے مسافروں میں مہمیز کا کام کریں گے، دفتر میں افسر اور گھر میں بیوی کی جھاڑ کھانے والے عوام اس بے چارے ڈرائیور کی کھنچائی کرکے اپنے غصے کو یہاں نکال دیں

(لگے۔ (یہ بھی نہ کریں تو بے چاروں کی زندگی عذاب نہ ہو جائے

جس طرح بس میں ہر مزاج کے مسافر ہوتے ہیں اسی طرح ہر روٹ کی بس، اور اس کے ڈرائیور کا بھی الگ مزاج ہوتا ہے جیسے کہ روشن خیال بس! یہ وہ بس ہوتی ہے جس میں خواتین کے حصے میں مردوں کو بٹھانے کا رواج ہوتا ہے۔اس قسم کی بسوں میں روٹ نمبر ڈبلیو گیارہ، خان کوچ، نیاز کوچ وغیرہ سر فہرست ہیں۔ یہ عمومی طور پر مرد و خواتین کی برابری کے قائل ہوتے ہیں اور لیڈیز کے حصے میں بھی مردوں کو بٹھاتے ہیں تاکہ ملک کا " سافٹ امیج " نمایاں ہو سکے۔ اس میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ دیگر بسوں اور کوچز میں تو جگہ کی تنگی کے باعث ایسا کیا جاتا ہے لیکن ڈبلیو گیارہ میں اس کا اہتمام کیا جاتا ہے کہ لوگ لیڈیز کے حصے میں تشریف رکھیں یعنی جیسے ہی بس اسٹاپ پر رکتی ہے (عموماً ایسا کم ہی ہوتا ہے) تو یہ فوراً مسافروں کو ترغیب دیں گے کہ جلدی بیٹھو ارے آگے بیٹھ جاؤ یار، اور اسطرح یہ لیڈیز کے حصے میں مردوں کو بٹھا کر روشن خیالی کا ثبوت دیتے ہیں۔ البتہ اس معاملے میں خواتین کی رائے لینے کی کوشش نہیں کی جاتی کہ آیا ان کو بھی یہ روشن خیالی پسند ہے یا نہیں، دلوں کا حال تو اللہ ہی جانتا ہے لیکن ہم نے ایسے مواقع پر خواتین کے چہروں پر ناگواری کے اثرات ہی دیکھے ہیں۔

روشن خیالوں کی طرح قدامت پرست بسیں بھی ہوتی ہیں اور ان کے ڈرائیورز بھی اسی مزاج کے حامل ہوتے ہیں یہ وہ بسیں ہوتی ہیں جو ہر حال میں لیڈیز اور جینٹس حصوں کو الگ رکھتی ہیں۔ چاہے مردانہ حصہ کھچا کھچ بھرا ہوا ہو اور بس میں ایک بھی لیڈیز نہ ہو لیکن یہ اپنا اصول نہیں توڑتے اور زنانہ حصے میں مردانہ سواریاں نہیں بٹھاتے ہیں۔ ایسی بسیں اب خال خال ہی ہیں لیکن ہیں ضرور۔

اب آپ کو ایک الگ ہی قسم کی بس اور اس کے ڈرائیورز سے ملاتے ہیں اور یہ بس ہے روٹ نمبر " سیون سی " اس کے مسافر کٹر انتہا پسند ہوتے ہیں وہ ایسے کہ یہ زنانہ حصے میں کسی مرد کا وجود برداشت نہیں کرتے ہیں اور اس قدر شدت برتتے ہیں کہ اگر ان کے اختیار میں ہو تو مرد ڈرائیور کی جگہ خاتون بٹھا دیں لیکن ابھی تک ایسا کچھ نہیں ہوا ہے۔ یہ اس قدر شدت پسند ہیں کہ اگر ان کی گاڑی میں کوئی مرد مسافر زنانہ حصے میں بیٹھ جائے تو یہ ہر ممکن طریقے سے اس کو اس دراندازی سے باز رکھنے کو کوشش کریں گے، کنڈیکٹر اس مسافر کو بار بار پیچھے آنے کا کہے گا (اور یہ کام کسی شریفانہ طریقے سے نہیں کرے گا) اگر مسافر زیادہ " اڑی " کرے گا تو بس ڈرائیور بھی مسافر کو ٹوکنا شروع کردے گا بلکہ اس کو بس سے تارنے سے بھی دریغ نہیں کرے گا۔ اگر آپ روٹ نمبر سیون سی کے مستقل مسافر ہیں تو آپ کو اچھی طرح معلوم ہوگا کہ اس میں کس طرح

سوار ہوا جاتا ہے اور اگر آپ اس بس کے مستقل مسافر نہیں ہیں تو ہم آپ کو متنبہ کرتے ہیں کہ اگر آپ جسمانی طور پر مکمل فٹ اور چاق و چوبند نہیں ہیں، تو اس بس میں سفر آپ کے لیے ناخوشگوار بھی ہو سکتا ہے، کیوں کہ یہ عموماً مسافروں کو گاڑی میں سوار کرتے اور اتارتے وقت گاڑی روکنے کی زحمت نہیں کرتے بلکہ اس کی رفتار معمولی سی کم کر دیتے ہیں اور اس میں یہ نہیں دیکھا جاتا کہ آپ سڑک کے بیچ میں ہیں، آپ کے آس پاس گاڑیاں ہیں، نہیں بلکہ یہ آپ کا درد سر ہے کہ آپ اس گاڑی سے کس طرح اترتے ہیں۔

لیکن قارئین بسیں اور اس کے ڈرائیورز چاہے روشن خیال ہوں یا قدامت پسند، مہذب ہوں یا اجڈ، دو باتیں ان سب میں مشترک ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ تمام لوگ خواتین کی وہ عزت نہیں کرتے اور نہ ان کو وہ احترام دیتے ہیں جس کی وہ مستحق ہیں۔ عموماً انکو بسوں میں نہیں بٹھایا جاتا، ان کو دیکھ کر گاڑی نہیں روکی جاتی ہے، ان کے کمپارٹمنٹ میں مردوں کو بٹھایا جاتا ہے، ان کے ساتھ بد تمیزی کی جاتی ہے۔ تمام خواتین عموماً اور ملازمت پیشہ خواتین خصوصاً اس صورتحال کا شکار ہوتی ہیں۔

دوسری بات جو سب میں مشترک ہے وہ یہ کہ مسافروں سے ان کا رویہ توہین آمیز ہوتا ہے، ان کو اس بات سے کوئی غرض نہیں ہوتی کہ کوئی بزرگ ہے، پروفیسر ہے

تعلیم یافتہ نوجوان ہے، یا کوئی طالبعلم، کوئی مزدور پیشہ ہے یا کلرک، یہ تمام لوگوں کے ساتھ انتہائی بدتمیزی اور توہین آمیز سلوک کرتے ہیں (سارے کنڈیکٹر ایسا نہیں کرتے لیکن اکثریت کا یہی حال ہے) اگر غور کیا جائے تو اس کی وجہ یہ سامنے آتی ہے کہ ایک بس میں پچیس سے پچاس تک مسافر ہوتے ہیں لیکن وہ سب انفرادی حیثیت رکھتے ہیں لیکن ایک بس کا ڈرائیور اور کنڈیکٹر محض دو افراد نہیں ہوتے بلکہ وہ ایک یونین ہوتے ہیں انکے درمیان مکمل اتحاد اور ذہنی ہم آہنگی ہوتی ہے، تمام ٹرانسپورٹرز ایک دوسرے کا ہر جائز و ناجئز معاملے میں ساتھ دیتے ہیں۔ جبکہ مسافروں میں اس چیز کا فقدان ہوتا ہے، اگر کنڈیکٹر یا ڈرائیور کسی مسافر کی بے عزتی کرتا ہے تو دوسرے مسافر یہ سوچتے ہیں کہ ہم تو محفوظ ہیں اور کچھ ہی دیر کے بعد کنڈیکٹر دوسرے مسافروں کی بھی عزت افزائی کر رہا ہوتا ہے۔ اقوام عالم میں یہ بحثیت مسلم ہمارا یہی حال ہوتا ہے، دشمن ایک ایک کر کے ہمیں لتاڑ رہا ہے اور ہم سوچتے ہیں کہ ہم تو محفوظ ہیں اور ملک میں بحثیت قوم ہم یہ سوچتے ہیں کہ اگر کوئی مصیبت آئی ہے تو وہ دوسروں پر آئی ہے میں تو محفوظ ہوں لیکن کچھ دنوں کے بعد ہم بھی اسی مصیبت شکار ہوتے ہیں پتہ نہیں ہم کب متحد ہونگے اور کب اپنے ملک کو درپیش مسائل کے لیے ہم آواز ہو جائیں گے۔

سورہ عصر کا مطالعہ

آج ہمارا معاشرہ ایک افراتفری، انتشار، اور اخلاقی انحطاط کا شکار ہے۔ ہر فرد پریشان ہے، معاشرے میں برائیاں اور شیطانی افعال بڑھتے جارہے ہیں۔ چوری، ڈکیتی، زنا، قتل، اغواء، کمزوروں پر ظلم، اور زور آوروں اور بالادستوں کو ہر بات میں چھوٹ دی جاتی ہے۔ لوگ ایک دوسرے سے سوال کرتے ہیں کہ اس کا حل کیا ہے۔ آئیں دیکھیں کہ قرآن کریم ان مسائل کی بنیاد کن چیزوں کو قرار دیتا ہے۔ سورہ عصر کا مطالعہ ہمارے کئی مسائل کا احاطہ کرتا ہے۔ ہم یہاں اس کی تشریح آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔

ترجمہ : زمانے کی قسم، انسان درحقیقت بڑے خسارے میں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے، اور نیک اعمال کرتے رہے، اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کرتے رہے۔

اس سورہ میں پہلی آیت کے لفظ العصر کو اس کا نام قرار دیا دیا گیا۔ مفسرین کی اکثریت نے اسے مکی قرار دیا ہے اور اسکا موضوع اور مضمون بھی یہی ظاہر کرتا ہے کہ یہ مکی زندگی کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی ہے جب اسلام کی

تعلیم کو مختصر، جامع اور دلنشین جملوں میں بیان کیا جاتا تھا۔ یہ سورہ جامع اور مختصر کلام کا بے نظیر نمونہ ہے۔ اس میں بالکل دو ٹوک طریقہ سے بتا دیا گیا ہے کہ انسان کی فلاح کا راستہ کونسا ہے اور اس کی تباہی و بربادی کا راستہ کونسا ہے۔ امام شافعی کے مطابق اگر لوگ اس پر غور کریں تو انکی ہدایت کے لیے یہی سورہ کافی ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کی نگاہ میں اس کی اتنی اہمیت تھی کہ جب دو صحابہ آپس میں ملتے تھے دو رخصت ہونے سے پہلے ایک دوسرے کو سورہ عصر سناتے تھے۔

اس سورہ میں زمانے کی قسم اس بات پر کھائی گئی ہے کہ انسان بڑے خسارے میں ہے اور اس خسارے سے صرف وہی لوگ بچے ہوئے ہیں جن کے اندر چار صفات پائی جاتی ہیں ۱) ایمان ۲) عمل صالح ۳) ایک دوسرے کو حق کی نصیحت ۴) ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرنا۔ جہاں تک قسم کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ نے مخلوقات میں کسی چیز کی قسم اس کی عظمت یا اس کے کمالات و عجائب کی بنا پر نہیں کھائی ہے بلکہ اس بنا پر کھائی ہے کہ وہ اس چیز پر دلالت کرتی ہے جسے ثابت کرنا ہو۔ یعنی زمانے کی قسم کا مطلب یہ ہوا کہ زمانہ اس حقیقت پر گواہ ہے کہ انسان بڑے خسارے میں ہے سوائے ان لوگوں جن کے اندر یہ چار صفات پائی جاتی ہوں۔

زمانے کا لفظ گزرے ہوئے زمانے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور گزرتے ہوئے زمانے کے لیے بھی، یہاں چونکہ مطلقاً زمانے کی قسم کھائی گئی ہے اس لیے اس میں دونوں طرح کے زمانے کے مفہوم شامل ہیں۔ گزرے زمانے کی قسم کھانے کا مطلب یہ ہے کہ انسانی تاریخ اس بات پر شہادت دے رہی ہے کہ جو لوگ بھی ان صفات سے خالی تھے وہ بالآخر خسارے میں پڑ کر رہے، اور گزرتے زمانے کی قسم کھانے کا مطلب سمجھنے کے لیے پہلے یہ بات سمجھ لیں کہ جو زمانہ گزر رہا ہے وہ دراصل وہ وقت ہے جو ایک ایک شخص اور ایک ایک قوم کو دنیا میں کام کرنے کے لیے دیا گیا ہے۔ اس کی مثال اس وقت کی سی ہے جو امتحان گاہ میں ایک طالب علم کو پرچہ حل کرنے کے لیے دیا جاتا ہے۔ اس بات پر غور کیا جائے کہ ہم جو کچھ بھی اچھا یا برا فعل کرتے ہیں اور جن کاموں میں مشغول رہتے ہیں یہ سب کچھ اسی محدود عمر میں وقوع پذیر ہوتا ہے جو دنیا میں ہم کو کام کرنے کے لیے دی گئی ہے، تو ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ ہمارا اصل سرمایہ تو یہ وقت ہے جو تیزی سے گزر رہا ہے۔ امام رازی نے کسی بزرگ کا قول نقل کیا ہے کہ "میں نے سورہ عصر کا مطلب ایک برف فروش سے سمجھا جو بازار میں آواز لگا رہا تھا کہ رحم کرو اس شخص پر جس کا سرمایہ گھلا جا رہا ہے، رحم کرو اس شخص پر جس کا سرمایہ گھلا جا رہا ہے۔ اس کی یہ بات سن کر میں نے کہا کہ یہ ہے والعصر ان الانسان لفی خسر کا مطلب۔ عمر کی جو مدت انسان کو دی گئی ہے وہ برف کے گھلنے کی طرح تیزی سے گزر رہی ہے اس کو اگر ضائع کیا جائے یا غلط کاموں میں

صرف کر ڈال جائے تو یہی انسان کا خسارہ ہے" یہ ایسی ہی بات ہے کہ جیسے ہم اس طالب علم سے جو امتحان کے مقررہ وقت کو اپنا پرچہ حل کرنے کے بجائے کسی اور کام میں گزار رہا ہو کمرے کے اندر لگے ہوئے گھنٹے کی طرف اشارہ کرکے کہیں کہ یہ گزرتا ہوا وقت بتا رہا ہے کہ تم اپنا نقصان کر رہے ہو۔ نفع میں صرف وہی طالب علم ہے جو اس وقت کا ہر لمحہ اپنا پرچہ حل کرنے میں صرف کر رہا ہے"۔

اب دیکھئے کہ خسارے کا لفظ قرآن مجید کس معنی میں استمال کرتا ہے۔ لغت کے اعتبار سے خسسارہ نفع کی ضد ہے اور تجارت میں اس لفظ کا استعمال اس حالت میں بھی ہوتا ہے کہ جب کسی سودے میں گھاٹا آئے اور اس حالت میں بھی جب سارا کاروبار گھاٹے میں جارہا ہو اور اس حالت میں بھی جب آدمی اپنا سارا سرمایہ کھو کر دیوالیہ ہو جائے۔ قرآن مجید اسی لفظ کو اپنی خاص اصطلاح بنا کر فلاح کے مقابلے میں استعامل کرتا ہے۔ جس طرح اس کا تصور فلاح محض دنیوی خوشحالی کا ہم معنی نہیں ہے بلکہ دنیا سے لیکر آخرت تک انسان کی حقیقی کامیابی پر حاوی ہے، اسی طرح اس کا تصور خسران بھی محض دنیوی ناکامی یا خستہ حالی کا ہم معنی نہیں ہے بلکہ دنیا سے لیکر آخرت تک کی انسان کی حقیقی ناکامی و نامرادی پر حاوی ہے۔ جب قرآن کہتا ہے کہ " درحقیقت انسان بڑے خسارے میں ہے " اس کا مطلب دنیا اور آخرت دونوں کا خسارہ ہے، اور جب کہتا ہے کہ "اس

خسارے سے صرف وہی لوگ بچے ہوئے ہیں جن کے اندر حسب ذیل چار صفات پائی جاتی ہیں" تو اس کا مطلب دونوں جہاں میں خسارے سے بچنا اور فلاح پانا ہے۔

ان میں پہلی صفت ایمان ہے۔ اگرچہ یہ لفظ قرآن مجید میں بعض مقامات پر زبانی اقرارِ ایمان کے معنی میں بھی استعمال کیا گیا ہے لیکن اس کا اصل استعمال سچے دل سے ماننے یقین کرنے کے معنی میں ہی لیا گیا ہے۔ قرآن درحقیقت جس کو حقیقی ایمان قرار دیتا ہے اس کو ان آیات میں پوری طرح واضح کر دیا گیا ہے۔

مومن تو درحقیقت وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور پھر شک میں نہ پڑے (الحجرات ۱۵)

مومن تو حقیقت میں وہ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل لرز جاتے ہیں (الانفال ۲)

(اور جو لوگ ایمان لائے وہ سب سے .بڑھ کر اللہ سے محبت رکھتے ہیں (البقرہ ۱۰۵

زبانی اقرارِ ایمان اور حقیقی ایمان کا فرق ظاہر کرتے ہوئے کہا گیا کہ " اے لوگو جو ایمان لائے ہو، ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر (النساء ۱۳۶)

اب رہا یہ سوال کہ ایمان لانے سے کن چیزوں پر ایمان لانا مراد ہے تو قرآن

مجید میں پوری طرح اس بات کو بھی کھول کر بیان کیا گیا ہے۔ اس سے مراد اولاً اللہ کو ماننا ہے محض اس کے وجود کو ماننا نہیں بلکہ اسے اس حیثیت سے ماننا ہے کہ وہی ایک خدا ہے، خدائی میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔ وہی اس بات کا مستحق ہے کہ انسان اس کی عبادت، بندگی، اور اطاعت بجا لائے۔ وہی قسمتیں بنانے اور بگاڑنے والا ہے، بندے کو اسی سے دعا مانگنی چاہئے اور اسی پر توکل کرنا چاہئے۔ وہی حکم دینے والا ہے وہی منع کرنے والا ہے، بندے کا فرض ہے کہ اس کے حکم کی اطاعت کرے اور جس چیز سے اس نے منع کیا ہے اس سے رک جائے

ثانیاً رسول کو ماننا، اس حیثیت سے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا مامور کیا ہوا ہادی و رہنما ہے، اور جس چیز کی تعلیم بھی اس نے دی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے،.بر حق ہے اور واجب التسلیم ہے۔ اسی ایمان بالرسالت میں ملائکہ، انبیاء اور کتب الٰہیہ پر اور خود قرآن پر بھی ایمان لانا شامل ہے۔ کیوں کہ یہ ان تعلیمات میں سے ہے جو اللہ کے رسول نے دی ہیں

تیسرا آخرت کو ماننا،اس حیثیت سے کہ انسان کی موجودہ زندگی پہلی اور آخری زندگی نہیں ہے بلکہ مرنے کے بعد انسان کو دوبارہ زندہ ہو کر اٹھنا ہے اپنے ان اعمال کا جو اس نے دنیا کی زندگی میں کیے ہیں خدا کو حساب دینا ہے اور

اس محاسبہ میں جو لوگ نیک قرار پائیں انہیں جزا اور جو بد قرار پائیں انکو سزا ملنی ہے۔
ایمان اخلاق اور سیرت و کردار کے لیے ایک مضبوط بنیاد فراہم کر دیتا ہے جس پر ایک پاکیزہ زندگی کی عمارت قائم ہو سکتی ہے۔ ورنہ جہاں سرے سے یہ ایمان ہی موجود نہ ہو وہاں انسان کی زندگی خواہ کتنی ہی خوشنما کیوں نہ ہو، اس کا حال ایک بے لنگر جہاز کا سا ہوتا ہے جو موجوں کے ساتھ بہتا چلا جاتا ہے اور کہیں قرار نہیں پکڑ سکتا۔

ایمان کے بعد دوسری صفت جو انسان کو خسارے سے بچانے کے لیے ضروری ہے وہ صالحات نیک کاموں) پر عمل کرنا ہے۔ صالحات کا لفظ تمام نیکیوں کا جامع ہے جس سے نیکی اور بھلائی کی کوئی قسم چھوٹی نہیں رہ جاتی۔ لیکن قرآن کی رو سے کوئی بھی عمل اس وقت تک عمل صالح نہیں ہو سکتا جب تک اس کی جڑ میں ایمان موجود نہ ہو اور وہ اس ہدایت کی پیروی میں نہ کیا جائے جو اللہ اور اس کے رسول نے دی ہے۔ اسی لیے قرآن مجید میں ہر جگہ عمل صالح سے پہلے ایمان کا ذکر کیا گیا اور اس سورہ میں بھی اس کا ذکر ایمان کے بعد ہی آیا ہے، کسی بھی جگہ ایمان کے بغیر عمل کو صالح نہیں کہا گیا ہے اور نہ ہی عمل بلا ایمان پر کسی اجرت کی امید دلائی گئی ہے۔ دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ ایمان وہی معتبر اور مفید ہے جس کے صادق ہونے کا ثبوت انسان اپنے عمل سے پیش کرے۔ ورنہ ایمان بلا عمل صالح محض ایک دعوٰی ہے جس کی تردید آدمی خود

ہی کر دیتا ہے جب وہ اس دعوے کے باجود اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے سے ہٹ کر چلتا ہے۔ قرآن میں جتنی بھی بشارتیں دی گئیں ہیں انہی لوگوں کو دی گئی ہیں جو ایمان لاکر عمل صالح کریں اور یہی بات اس سرہ میں بھی کہی گئی ہے کہ انسان کو خسارے سے بچانے کے لیے جو دوسری صفت ضروری ہے وہ ایمان کے بعد صالحات پر عمل کرنا ہے۔ یعنی عمل صالح کے بغیر محض ایمان آدمی کو خسارے سے نہیں بچا سکتا ہے۔

انسان کو خسارے سے بچانے کے لیے دوسری جو چیزیں ضروری ہیں وہ یہ ہیں کہ ایمان لانے اور عمل صالح کرنے والے لوگ ایک دوسرے کو حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کریں۔ اس کے معنی اول تو ایمان لانے اور نیک عمل کرنے والوں کو فرد فرد بن کر نہیں سوچنا چاہیے بلکہ ان کے اجتماع سے ایک مومن و صالح معاشرہ وجود میں آنا چاہیے۔ دوسرے اس معاشرے کے ہر فرد کو اپنی یہ ذمہ داری محسوس کرنی چاہیے کہ وہ معاشرے کو بگڑنے نہ دے اس لیے اس کے تمام افراد پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کو حق اور صبر کی تلقین کریں۔

حق کا لفظ باطل کی ضد ہے اور بالعموم یہ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے ایک صحیح اور سچی مطابق عدل وانصاف اور مطابق حقیقت بات، خواہ وہ عقیدے وایمان سے تعلق رکھتی ہو یا دنیا کے معاملات سے۔ دوسرے وہ حق جس کا ادا کرنا

انسان پر واجب ہو خواہ وہ خدا کا حق ہو یا بندوں کا حق یا خود اپنے نفس کا حق۔ پس ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان کا یہ معاشرہ ایسا بے حس نہ ہو کہ اس میں باطل سر اٹھا رہا ہو اور حق کے خلاف کام کیے جا رہے ہوں، مگر لوگ خاموشی کے ساتھ اس کا تماشہ دیکھتے رہیں، بلکہ اس معاشرے میں یہ روح جاری و ساری رہے کہ جب اور جہاں بھی باطل سر اٹھائے، کلمہء حق کہنے والے اس کے مقابلے میں اٹھ کھڑے ہوں اور معاشرے کا ہر فرد صرف خود ہی حق پرستی، اور راستبازی اور عدل و انصاف پر قائم رہنے اور حق داروں کے حقوق ادا کرنے پر اکتفا نہ کرے بلکہ دوسروں کو بھی اس طرز عمل کی نصیحت کرے۔ یہی وہ چیز ہے جو معاشرے کو اخلاقی زوال و انحطاط سے بچانے کی ضامن ہے۔ اگر یہ روح کسی معاشرے میں موجود نہ رہے تو وہ معاشرہ خسران (خسارے) سے نہیں بچ سکتا اور اس خسارے میں آخر کار وہ لوگ بھی مبتلا ہو کر رہے جو اپنی جگہ حق پر قائم ہوں مگر اپنے معاشرے میں حق کو پامال ہوتے دیکھتے رہیں۔ یہی بات سورہ مائدہ میں فرمائی گئی کہ جب بنی اسرائیل پر حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسٰی علیہ السلام ابن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی اور اس لعنت کی وجہ یہ تھی کہ اس معاشرے میں گناہوں اور زیادتیوں کا ارتکاب عام ہوگیا تھا اور لوگوں نے ایک دوسرے کو برے افعال سے روکنا چھوڑ دیا تھا۔ اور یہی بات سورہ انفال آیت نمبر ۲۵ میں یوں بیان کی گئی کہ " بچو اس فتنے سے جس کی شامت مخصوص طور پر صرف انہی لوگوں تک محدود نہ رہے گی

جنھوں نے تم میں سے گناہ کیا ہو" اور اسی لیے سورہ آل عمران آیت نمبر ۱۰۴ میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو امت مسلمہ کا فریضہ قرار دیا گیا ہے

حق کی نصیحت کے ساتھ دوسری جو چیز اہل ایمان اور ان کے معاشرے کو خسارے سے بچانے کے لیے شرط لازم قرار دی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اس معاشرے کے افراد ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرتے رہیں۔یعنی حق کی پیروی اور اس کی حمایت میں جو مشکلات پیش آتی ہیں اور اس راہ میں جن تکالیف سے، جن مشقتوں سے، جن مصائب سے، اور جن نقصانات اور محرومیوں سے انسان کو سابقہ پیش آتا ہے ان کے مقابلے میں وہ ایک دوسرے کو ثابت قدم رہنے کی تلقین کرتے ہیں ان کا ہر فرد دوسرے کی ہمت بندھاتا رہے کہ وہ ان حالات کو صبر ساتھ برداشت کرے۔

یہ ہم نے سورہ عصر کی تشریح آپ کے سامنے پیش کی ہے اور دیکھا جائے تو اس میں ہمارے لیے بہت اسباق ہیں اور ہمارے مسائل کا حل بھی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم قرآن کے پیغام پر خود بھی عمل کریں اور دوسروں کو بھی اس پر عمل کی تلقین کریں اور قرآن کے پیغام کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچائیں۔

مضمون کی تیاری میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تفہیم القرآن سے مدد لی گئی) ہے (

پیٹرول مصنوعات اور ہسپتالوں کی فیس میں اضافہ

ملک میں عوامی حکومت قائم ہے اور اس عوامی حکومت نے عوام پر جو تازیانے برسائے ہیں ان کی مثال کم ہی ملتی ہے۔ اپنی ہی لوگوں پر فوج کشی، اپنی ہی عوام کو اپنے ہی ملک میں ہجرت پر مجبور کرنا، بدامنی، ڈرون حملے اور مہنگائی میں بے تحاشہ اضافہ اس عوامی حکومت کے عوامی تحفے ہیں۔ اب ان تحفوں میں دو تحفوں کا مزید اضافہ ہوا ہے ایک تو یکم جولائی کو پیٹرولیم مصنوعات کی قیمتیں بڑھا کر عوام پہ پیٹرول بم گرایا گیا ہے اور اس اضافے کے بعد عوام مہنگائی کی متوقع لہر سے خوف زدہ نظر آتے ہیں اور وہ بجا طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ آخر ہمارا حال کیا ہوگا اور ہمارا کوئی پرسان حال ہے یا نہیں؟ اطلاعات کے مطابق پیٹرول کی قیمتوں میں پانچ روپے تیرہ پیسے کا اضافہ کیا گیا ہے۔ ہائی اسپیڈ اور لائٹ اسپیڈ ڈیزل کی قیمت میں چھ روپے چورانوے پیسے کا اضافہ، جبکہ کچی آبادیوں اور مضافات میں رہنے والے غریب لوگ جن کو سوئی گیس کی سہولت میسر نہیں ہے وہ مٹی کے تیل کے چولہے یا لکڑیاں جلانے کے لیے مٹی کا تیل استعمال کرتے ہیں ان پر بھی یہ ظلم ڈھایا گیا کہ سات روپے اڑتالیس پیسے کا اضافہ کر دیا گیا ہے اور آج کی اطلاع کے مطابق سی این جی کی قیمت میں بھی نو روپے فی کلو کا اضافہ کیا گیا ہے۔

اس میں زیادہ تشویش ناک بات یہ ہے کہ اخباری اطلاعات کے مطابق پیٹرولیم مصنوعات میں حالیہ اضافہ اراکین پارلیمنٹ کو اعتماد میں لیکر ان کی منظوری سے کیا گیا ہے اور یہ کہ کاربن ٹیکس، اور ایس ایم ایس پر ٹیکس کی واپسی کو پیٹرولیم مصنوعات میں اضافہ سے مشروط کیا گیا تھا۔ غور کریں کہ ایس ایم ایس جیسے فضول مشغلے کی روک تھام کے بجائے اس کو فروغ دینے کے لیے اس پر ٹیکس واپس لیا گیا جبکہ جس چیز سے عوام براہ راست متاثر ہوتے ہیں یعنی پیٹرولیم مصنوعات اس میں اضافہ کر دیا گیا اس سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ موجودہ حکومت اور اراکین پارلیمنٹ کو عوامی مسائل کے حل میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ ان اراکین پارلیمنٹ میں ن لیگ، ق لیگ، پی پی پی، متحدہ، اے این پی، اور جے یو پی شامل ہیں۔ اب اس پر مزید کیا بات کی جائے کہ عوام اچھی طرح جانتے ہیں کہ کون کیا کر رہا ہے؟ چاہے کوئی کسی پر کتنا ہی کیچڑ اچھالے لیکن حقیقت تو ظاہر ہو جاتی ہے۔ مذکورہ بالا ساری جماعتیں ہر فورم پر یہ بات کہتی رہی ہیں کہ ہم عوام کے منتخب نمائندے ہیں۔ اور عوام نے ہمیں مینڈیٹ دیا ہے۔ لیکن عوام کے مینڈیٹ اور عوامی نمائندے ہونے کے دعوے دار عوام کے مسائل میں کس قدر دلچسپی لیتے ہیں وہ پیٹرولیم مصنوعات میں اضافے پر ان کی مجرمانہ خاموشی بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ مجرمانہ اعانت سے ظاہر ہے۔

دوسری بات جس کا ہم یہاں تذکرہ کرنا چاہیں گے وہ سندھ سے متعلق ہے اور تفصیلات کے مطابق سندھ حکومت نے غریب عوام سے علاج معالجے کی کو بھی ان کی پہنچ سے دور کرنے کا عزم کرلیا ہے۔ ایک تو حکومت ویسے ہی عوام کو کوئی قابل ذکر سہولیات نہیں فراہم کررہی ہے اب تازہ ظلم یہ کیا گیا ہے کہ سندھ حکومت نے ایک نوٹیفیکیشن نمبر So(tech-1) misc-19/07 کے ذریعے تمام سرکاری ہسپتالوں کی فیس یکلخت تین سو روپے کردی ہے کہا یہ گیا ہے کہ اس کی آمدنی ڈاکٹرز، پیرا میڈیکل اسٹاف، اور این جی اوز پر خرچ کی جائے گی۔ یہاں یہ پوچھا جاسکتا ہے کہ کیا سرکاری ہسپتالوں میں ڈاکٹرز اور دیگر عملے کو تنخواہ نہیں دی جاتی ہے جو مزید آمدنی کا اہتمام کیا گیا ہے

بات سب کو معلوم ہے کہ سرکاری ہسپتالوں میں روزانہ ہزاروں مریض آتے ہیں جن کو پہلے ہی علاج معالجے کی ناکافی سہولیات فراہم کی جاتی ہیں اور سرکاری ہسپتالوں کا حال توسب کو معلوم ہے اس کے باوجود غریبوں کے لیے یہ ایک بہت بڑا سہارا تھا۔ اب ان بے چاروں سے یہ سہولت بھی چھین لی گئی ہے اس کا اثر لامحالہ پرائیوٹ کلینکس اور ہسپتالوں پر بھی پڑے گا کیوں کہ اس وقت ایک پرائیوٹ کلینک نارمل او پی ڈی کی مد میں دو سو سے پانچ سو روپے فیس وصول کررہا ہے سرکاری ہسپتالوں کی فیس میں حالیہ اضافے کے بعد لازمی طور پر ان کے چارجز میں بھی اضافہ ہوجائے گا، اور پھر پرائیوٹ کلینکس کی نارمل او پی

ڈی چھ سو تا بارہ سو روپے تک پہنچ جائے گی اور اس طرح علاج معالجہ غریب عوام کی پہنچ سے دور ہو جائے گا۔۔ اس نوٹیفیکیشن کا اطلاق شہری حکومتوں کے زیر اہتمام ہسپتالوں پر بھی ہوگا۔ دیکھتے ہیں کہ سندھ کی "نمائندہ جماعتوں" کی شہری حکومتیں اس پر کیا ایکشن لیتی ہیں۔

ہم سمجھتے ہیں کہ یہ نوٹیفیکیشن ظالمانہ ہے اور اس کو فوری طور پر واپس لیا جائے۔

ہماری ارباب اختیار سے یہ گزارش ہے کہ خدارا اگر آپ لوگ عوام کو کوئی سہولت نہیں دے سکتے تو نہ دو لیکن عوام سے کوئی سہولت چھینو تو نہیں۔ ورنہ یاد رکھیں کہ اگر عوام کا صبر ٹوٹا تو پھر قیامت ہو گی۔

شہید حجاب : مروا شیر بینی

اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس جرم میں ماری گئی (التکویر)

ایک نیک روح اپنے آخری سفر پر روانہ ہو گئی۔ مروا شیر بینی کو شہادت مبارک ہو۔اور خواتین کو بھی مبارک ہو کہ اسلام کی راہ میں پہلی جانی شہادت ایک خاتون حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا نے پیش کی تھی اور آج حجاب اور پردے کی خاطر بھی جان کا نذرانہ ایک خاتون نے ہی پیش کیا۔ مروا شیر بینی کون تھی؟

مروا شیر بینی ایک مصری نژاد جرمن مسلمان خاتون تھیں جو اس مغربی بے حیا معاشرے میں بھی اپنی عصمت و عفت کی حفاظت سے غافل نہیں تھی اور اس ننگے ماحول میں بھی وہ مکمل حجاب کا اہتمام کرتی تھی لیکن جدید تعیلم یافتہ مغربی انتہا پسندوں کو یہ بات پسند نہ تھی اور گزشتہ سال اس کے پڑوسی ایگندل ڈبلیو نے اس وقت اس پر جملے کسے اور اس کی توہین کی جب وہ ایک پارک میں اپنے بچے کے ساتھ موجود تھی، مغربی جدید تعلیم یافتہ انتہا پسند ایگزل نے اس پر جملے کسے جس کا شیی بینی نے ترکی بہ ترکی جواب دیا اس پر روشن خیال تہذیب کے پروردہ جدید تعلیم یافتہ انتہا پسند ایگزل نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی۔ شیر بینی آج کے مسلم حکمرانوں کی طرح بے

حس نہ تھی اس نے ایگزل کی اس مذموم حرکت کے خلاف مقدمہ کیا جس کا نتیجہ اس کے حق میں نکلا۔

لیکن ایگزل نے اس فیصلہ کو ایک اور عدالت میں چیلنج کردیا۔ مقدمہ چلتا رہا اور یکم جولائی کو عدالت نے جب ایگزل سے ان الزمات کے حوالے سے استفسار کیا تو اس نے نہ صرف اقرار کیا بلکہ مزید ہرزہ سرائی کرتے ہوئے کہا کہ "اگر میرا بس چلے جو اس کو حجاب پہننے کی ایسی سزا دوں کہ یہ ہمیشہ یاد رکھے" عدالت نے جرم ثابت ہونے پر ایگزل کو گرفتار کرنے اور تقریباً دو ہزار یورو جرمانے کی سزا سنائی۔ یہ فیصلہ سنتے ہی جنونی، انتہا پسند ایگزل نے بھری عدالت میں مروا شیربنی پر حملہ کردیا۔ اسے پکڑ کر زمین پر پٹخ دیا واضح رہے کہ شیربنی تین ماہ کی حاملہ تھی، اس جدید تعلیم یافتہ مغربی انتہا پسند جنونی نے اس کے پیٹ پر لاتیں ماریں، اس کے کپڑے اور حجاب کو پھاڑ دیا اور پھر ــــ

ایک چاقو نکال کر اس نے شیربنی پر چاقو سے وار کرنے شروع کردیے،اس دوران پوری عدالت اور پولیس خاموش تماشائی بنی رہی، جبکہ شیربنی کا شوہر علوی عکاظ چیخ چیخ کر پولیس سے مداخلت کرنے کا کہتا رہا لیکن پولیس نے کوئی ایکشن نہ لیا، البتہ جب عکاظ ،اپنی بیوی کو بچانے کے لیے آگے بڑھا تو متعصب

اور اسلام دشمن پولیس نے اس پر فائرنگ کرکے اسے زخمی کردیا، اس دوران قاتل نے شیر بینی پر چاقو پر اٹھارہ وار کئے اور نہ صرف اس پر بلکہ پولیس کی گولیوں سے زخمی علوی عکاظ پر بھی چاقو سے حملے کیے۔

شیر بینی زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا رہنے کے بعد اپنے خالق حقیقی سے جاملی، یہ واقعہ یکم جولائی کو پیش آیا لیکن مغربی پریس جو کہ مسلمانوں کے خلاف پروپگینڈے میں آگے آگے رہتا ہے اور سوات میں ایک لڑکی کو کوڑے مارنے کی جعلی ویڈیو دکھانے پر تو آسمان سر پر اٹھالیا گیا لیکن اتنا بڑا جرم چھپایا گیا۔ میڈیا پر یہ خبر جب جاری ہوئی جب شیر بینی کی میت اس کے آبائی گاؤں اسکندریہ مصر لائی گئی۔ شرم ناک بات تو یہ ہے کہ سوات کے واقعے پر ایک گھنٹے کے اندر اندر مذاکرے کرانے والا ہمارا میڈیا تاحال یعنی دس جولائی کو سوا چار بجے تک خاموش ہے۔ حقوق نسواں کے علمبردار بھی چپ ہیں گویا کہ ان کو سانپ سونگھ گیا ہے۔ انسانی حقوق کے وہ چیمپئین جو مسلمانوں کو دہشت گرد اور انتہا پسند کہتے نہیں تھکتے وہ بھی ایسے چپ ہیں گویا کہ ان کا کوئی وجود ہی نہیں ہے۔ بارک اوبامہ کے ایک مکھی مارنے پر واویلا کرنے والے بھی خاموش ہیں اس لیے کہ شہید ہونے والی خاتون ایک مسلمان تھیں۔ ہاں اگر وہ گھر سے بھاگی ہوئی کوئی لڑکی ہوتی جس کو اس کے شفیق ماں باپ نے زرا سختی سے روکا ہوتا تو اب تک یہی میڈیا چیخ چیخ کر انسانی حقوق اور حقوق نسواں کا راگ الاپ رہا

ہوتا۔ لیکن شیر بنی ایک مسلمان خاتون تھیں۔ اس لیے ان کے لیے میڈیا پر کوئی جگہ نہیں ہے۔ میں اس حوالے سے امت اخبار کراچی کو سلام پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے اس واقعہ کی مکمل تفصیلات شائع کیں۔

بہر شیر بنی تو اپنے رب سے جا ملی ہے لیکن اس نے جاتے جاتے ہمیں یہ پیغام دیدیا ہے کہ یہود و نصاریٰ ہمارے دوست نہیں ہیں اور نہ ہی یہ جنگ دہشت گردوں کے خلاف ہے بلکہ یہ تو مسلمانوں کے خلاف جنگ ہے۔ جاگ جاؤ ورنہ یہ آگ سب کو اپنی لپیٹ میں لیکر جلا دے گی۔

مجھے یقین ہے کہ جب شیر بنی اپنے رب کے حضور پہنچی ہو گی تو نبی مہربان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھوں سے اسے جام کوثر پلایا ہوگا، حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا نے اختی کہ کر اسے گلے لگایا ہوگا۔ حضور کی چہیتی صاحب زادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اس کو اپنے ساتھ جگہ دی ہو گی۔ مجھے یقین ہے کہ ایسا ہی ہوگا

باریابی ہو جب حضور رب تو کہنا
ساتھی میرے سوختہ جان اور بھی ہیں

اپنے رستے ہوئے زخموں کو دکھا کر کہنا
ایسے تمغوں کے طلب گار وہاں اور بھی ہیں

میڈیا کی جانب داری اور جھوٹی رپورٹس کا ثبوت

شعر، شاعر، اور فلمی شاعری

شعر، شاعری، اور شاعر سے تو ہم سب لوگ واقف ہیں۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ لوگ شعر اور شاعری سے تو شغف رکھتے ہیں، موقع محل کی مناسبت سے ان کو کئی اشعار بھی یاد ہوتے ہیں لیکن شاعر کا ذکر آئے تو لوگ عموماً اس مخلوق سے کتراتے ہیں، وہ مشہور لطیفہ تو آپ نے بھی سن رکھا ہوگا کہ ٹرین میں ایک صاحب نے اپنے ہم سفر سے تعارف حاصل کرنے کے لیے کہا کہ " جناب میں ایک شاعر ہوں۔ یہ سنتے ہی ان کے ہم سفر نے فوراً کہا اور میں بہرا ہوں۔ " اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ لوگ شاعر کو " کس قدر پسند " کرتے ہیں۔

ویسے آپس کی بات ہے کہ اس میں زیادہ قصور محترم شاعر حضرات کا ہی ہوتا ہے کہ وہ کسی سامع کی تلاش میں رہتے ہیں اور جیسے ہی کوئی شامت کا مارا ان کے ہاتھ لگتا ہے وہ وقت ضائع کیے بغیر اس کو اپنا مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کلام سنانا شروع کردیتے ہیں، اس پر ہمیں پھر ایک لطیفہ یاد آگیا آپ بھی سن لیجئے " بازار میں دو افراد بھاگے جارہے تھے اور پیچھے والا فرد زور زور سے چیخ رہا تھا پکڑو پکڑو جانے نہ پائے، بہر حال وہ تو ہاتھ نہ آسکا البتہ پیچھے والے فرد کی چیخ و پکار سن کر لوگ اکٹھے ہوگئے اور ان صاحب سے ہمدردی کا

اظہار کرتے ہوئے کہنے لگے کہ کیا یہ آپ کی کوئی چیز چرا کر بھاگا ہے، ان صاحب نے جواب دیا کہ نہیں بلکہ میں اور وہ شاعر ہیں ہماری یہ بات طے ہوئی کہ ہم ایک دوسرے کا کلام سنیں گے۔ وہ تین گھنٹے تک مجھے اپنی غزلیں اور نظمیں سناتا رہا جب میری باری آئی تو بھاگ گیا "

دوسری بات جس سے لوگ شاعر حضرات سے کتراتے ہیں وہ ان کا حلیہ ہوتا ہے، سر جھاڑ منہ بھاڑ، گریبان کے بٹن کھلے ہوئے، آنکھوں میں وحشت، منہ میں پان کی گلوری اور عموماً ان کے پان کی پیک ان کی باچھوں سے بہہ کر ان کے کپڑوں کو رنگین کرتی رہتی ہے لیکن ان کو کوئی احساس نہیں ہوتا ہے اور ان کا حلیہ بلکل پنجابی کی اس مثال کی عملی تصویر ہوتا ہے کہ منہ نہ متھا تے جن پہاڑوں لتھا، بے چارہ شاعر اپنے اشعار سے دنیا میں آگ لگا دیتا ہے لیکن خود اس کے گھر کا چولہا ٹھنڈا رہتا ہے۔

کچھ لوگ شاعری کو بالکل ہی آسان سمجھتے ہیں اور وہ تک بندی کر کے اپنے آپ کو شاعر سمجھنے لگتے ہیں اگر ان کا کلام سنا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ چھ مصرعوں کی ایک غزل میں آدھے شعر وزن سے گرے ہوئے ہوتے ہیں،اور باقی آدھے۔۔۔۔۔۔۔۔باقی آدھے شعر اخلاق سے گرے ہوتے ہیں۔اس ٹائپ کے کچھ اشعار کا نمونہ پیش خدمت ہے

بکری چڑھی پہاڑ پہ تو بکرا بھی چڑھ گیا

بکری اتری پہاڑ سے تو بکرا بھی اتر گیا

یا پھر یہ شعر ملاحضہ کیجئے۔

بکری چڑھی پہاڑ پر

اور دوسری طرف سے اتر گئی۔

شاعر تو اپنے خیالات میں گم صم رہتا ہے اور جو کچھ اس کے ذہن میں آتا ہے وہ اس کو محفوظ کرتا رہتا ہے، یا لوگوں کو سناتا رہتا ہے۔ بسا اوقات شاعر جب اپنے اندرونی جذبات کا اظہار انتہائی بے باکی سے کرتا ہے اور اس کو احساس ہو جاتا ہے کہ لوگ سمجھ گئے کہ میں کیا کہہ رہا ہوں تو وہ فوراً اس کی تاویل پیش کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ع

بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ

کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

شاعر پتہ نہیں کس کیفیت میں کیا شاعر کہہ دیتا ہے لیکن لوگ بعد میں اس کی تشریح اور تاویلات پیش کر رہے ہوتے ہیں کہ یہ بڑا عاشقانہ شعر ہے یا بڑا دل جلا شعر ہے جیسے کہ یہ شعر ہے

شام ہوتے ہی چراغ بجھا دیتا ہوں میں

دل ہی کافی ہے تیری یاد میں جلنے کے لیے

آپ لوگوں نے بھی یہ شعر سنا ہوگا اور خوب سر دھنا ہوگا کہ صاحب کیا شعر ہے، کیا دل جلا بندہ ہے جس نے ایسی بات کہی ہے اور یہ کہ اس بندے نے ضرور دل پر کوئی گہری چوٹ کھائی ہوگی جس کی وجہ سے اس نے یہ شعر کہا ہے۔ ہمیں نہیں پتہ کہ یہ کس کا شعر ہے لیکن اگر غور کیا جائے اور اس شعر کی تشریح کی جائے تو شاعر کے بارے میں بڑے سنسنی خیز انکشافات ہوتے ہیں۔آپ کہیں گے کہ وہ کیسے ؟؟؟

دیکھیں پہلا مصرعہ نوٹ کریں شام ہوتے ہی چراغ بجھا دیتا ہوں میں، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شاعر یا تو آنکھ کا اندھا ہے یا پھر عقل کا اندھا ہے، ارے بھائی شام ہوتے ہی چراغ بجھا دیتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ دن بھر چراغ جلتا رہا ہے اور اس سے یہ بات تو طے ہو گئی کہ یہ آنکھ کا اندھا نہیں ہے کیوں کہ اس کو دن رات کا پتہ ہے تو پھر یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ یہ عقل کا اندھا، فضول خرچ، آدمی ہے کیوں کہ دن بھر چراغ کوئی صحیح الدماغ فرد تو نہیں جلاتا ہے بلکہ پاگل ہی ایسی حرکتیں کرتے ہیں۔ اگر یہ شاعر پاگل نہیں ہے تو پھر یقیناً فضول خرچ انسان ہوگا کیوں کہ آج کل تو دن میں چراغ وہی فرد جلائے گا جس کے پاس باسٹھ روپے لیٹر کا ایندھن خریدنے اور پھونکنے کے لیے پیسہ ہوگا۔ ہمارے پاس تو اتنا پیسہ نہیں ہے اور یقیناً آپ لوگوں کے پاس

بھی اتنا پیسہ نہیں ہوگا۔

شاعری کا ذکر فلمی شاعری کے بغیر نامکمل رہے گا۔ فلمی شاعری بے حیائی اور سفلی جذبات کے کھلے عام اظہار کا دوسرا نام ہے کیوں کہ اگر کوئی فرد کسی لڑکی سے کہے کہ میں تمہارا منہ چومنا چاہتا ہوں تو وہ لڑکی اس کا منہ نوچ لے گی لیکن فلمی شعر بڑی دیدہ دلیری سے کہتا ہے کہ ع چوم لوں ہونٹ تیرے دل کی یہی خواہش ہے۔ یا کوئی کنواری لڑکی یہ کبھی بھی نہیں کہہ سکتی ہے لیکن شاعر نے بڑی آسانی سے نوجوان کنواری لڑکیوں کے منہ میں یہ بات ڈال دی کہ ع میرا پاؤں بھاری ہوگیا میرا پاؤں بھاری ہوگیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فلمی شاعری دراصل شاعری نہیں بلکہ سفلی اور عریاں جذبات کے اظہار کا دوسرا نام ہے۔

ویسے ایک بات ہماری سمجھ میں آج تک نہیں آئی اور ہم آپ سے یہ بات پوچھنا چاہتے ہیں کہ شاید آپ لوگوں کو یہ بات پتہ ہو تو بات یہ ہے کہ پڑوسی ملک بھارت (انڈیا) میں اردو اخبارات گنتی کے ہیں، وہاں ہر طرح سے اردو کو ختم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ وہاں ہندی اور انگریزی کو فروغ دیا جارہا ہے۔ وہاں کے ہر ڈرامے اور فلم میں ٹھیٹھ ہندی کے مکالمے ہوتے ہیں۔ اور ہندو ثقافت کو اجاگر کیا جاتا ہے۔ لیکن اس کی فلموں کے گانے سلیس اردو زبان میں

ہوتے ہیں یہاں تک کہ فلم کا ماحول اس سے مطابقت نہ بھی رکھتا ہو تب بھی مثلاً ہم پر یہ کس نے ہرا رنگ ڈالا۔ خوشی نے ہماری ہمیں مار ڈالا اللہ مار ڈالا

غور کریں کہ دیو داس ناول خالص انڈین ثقافت اور ہندو مذہب کی اونچ نیچ کو ظاہر کرتا ہے اور ناول کی اسٹوری میں بھی کہیں مسلمانوں کا ذکر نہیں ہے لیکن گانے نہ صرف اردو میں ہیں بلکہ رام کے بجائے اللہ نام ڈالا گیا۔ ہمیں تو اس کی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ بھارتیوں کو پتہ ہے کہ اگر وہ ہندی زبان میں گانے بنائیں گے تو پاکستان میں انکی مارکیٹ فلاپ ہو جائے گی کیوں کہ پاکستان میں بھارتی فلمیں گانوں کی بنیاد دیکھی جاتی ہیں جس فلم کے گانے جتنے زیادہ مقبول ہوں گے وہ فلم بھی اتنی ہی ہٹ ہو گی۔ اس لیے وہ اپنے کلچر کو فروغ دینے کے لیے اور ہمیں اپنی جانب راغب کرنے کے لیے نہ چاہتے ہوئے بھی اردو زبان میں گانے بناتے ہیں۔ ہمارا تو یہی خیال ہے۔ آپ لوگوں کا کیا خیال ہے؟

سانحہ شوپیاں: حقوق نسواں کے چیمپئین چپ کیوں؟

اور مقبوضہ کشمیر میں سینتالیس روز سے جاری احتجاج ختم کردیا گیا اور حالات معمول پر آنا شروع ہوگئے ہیں۔ تفصیلات اس کی یہ ہیں کہ مقبوضہ کشمیر کی انتظامیہ نے سانحہ شوپیاں کے شواہد ضائع کرنے کے الزام میں چار پولیس افسران کو گرفتار کرلیا ہے۔
گرفتاری کے احکامت مقبوضہ کشمیر کی ہائی کورٹ کے چیف جسٹس بیرن گوش نے جاری کئے۔ جس کے بعد شوپیاں کی مجلس مشاورت نے سینتالیس روز سے جاری احتجاج ختم کرنے کا اعلان کردیا ہے۔

سانحہ شوپیاں کی انتیس مئی کو اس وقت پیش آیا تھاجب مقبوضہ کشمیر کے علاقے شوپیاں (بون گام) کے رہائشی شکیل نے تھانے میں رپورٹ درج کرائی کہ اس کی اہلیہ بائیس سالہ نیلوفر جان،اور چھوٹی بہن سترہ سالہ آسیہ شوپیاں سے ڈیڑھ کلومیٹر دور ناگہ بل میں اپنے میوہ کے باغات میں کام کے دوران گم ہوگئیں ہیں۔ پولیس نے ابتدائی رپورٹ درج کردی۔ اگلے دن یعنی تیس مئی کو دونوں خواتین کی لاشیں علاقہ میں رمبی ندی میں پائی گئیں۔ پولیس نے ابتدائی طور پر یہ مؤقف اختیار کیا کہ دونوں لاشوں پر کسی قسم کے تشدد کے نشانات نہیں پائے گئے ہیں۔ لیکن مقتولہ آسیہ کے بڑے بھائی ریاض کے مطابق دونوں لاشوں کی ٹانگوں، کلائیوں، اور چھاتیوں پر کھرونچوں کے نشانات اور خون جما ہوا تھا۔

دونوں مقتول خواتین کے اہل خانہ اور اہل شوپیاں نے الزام لگایا کہ گھر اور میوے کے باغات کے درمیان بھارتی سیکورٹی فورس سی آر پی ایف کی بارہویں بٹالین کا کیمپ واقع ہے اور خدشہ ہے کہ سیکورٹی فورسز کے اہل کاروں نے ان کو زیادتی کو نشانہ بنا کر لاشیں ندی میں پھینک دی ہیں۔ اور انہوں نے مطالبہ کیا کہ اس واقعے کے ذمہ داران کے خلاد کاروائی کی جائے۔ لیکن مقبوضہ کشمیر کی انتظامیہ نے اس پر کوئی کاروائی نہیں کی جس کے بعد مقبوضہ وادی میں مظاہرے اور ہڑتالوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ اس آٹھ جون کو دوران پوسٹ مارٹم کی حتمی رپورٹ میں دونوں مقتولہ خواتین سے موت سے تھوڑی دیر پہلے اجتماعی زیادتی کی تصدیق کردی اس کے بعد حکومت نے اس کا اعتراف کرلیا کہ دونوں کے ساتھ اجتماعی زیادتی ہوئی ہے جبکہ اس سے پہلے حکومت کا مؤقف تھا کہ دونوں پانی میں ڈوبنے سے ہلاک ہوئیں ہیں۔ اس کے بعد پولیس نے اجتماعی زیادتی کا مقدمہ درج کرلیا لیکن اس میں کسی کو ملزم نامزد نہیں کیا گیا۔ جس کے بعد احتجاج میں شدت آتی گئی اور اس احتجاجی تحریک میں ڈیڑھ ماہ کے دوران پولیس کے ہاتھوں تین کشمیری مسلمان نوجوانوں نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا، جبکہ سینکڑوں افراد زخمی ہوگئے۔ سینتالیس دن کے احتجاج کے بعد بالآخر انتظامیہ سے مذاکرات کے بعد یہ احتجاجی تحریک ختم کردی ہے۔ اور حالات معمول پر آنے شروع ہوگئے ہیں

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ اب بھارتی قابض فوج نے مسلمان خواتین کی عصمت دری کو ایک جنگی ہتھیار کے طور پر استعمال کرنا شروع کر دیا ہے تاکہ اس کے ذریعے کشمیری مسلمانوں کی مزاحمت کا زور توڑا جا سکے۔ کیوں کہ گزشتہ ڈیڑھ ماہ دوران سانحہ شوپیاں کے بعد جون میں کپواڑہ میں ایک نوجوان طالبہ کے ساتھ ٹیریٹوریل آرمی کیمپ کے ایک سپاہی نے زیادتی کی اور اس کے بعد قتل کر دیا۔ جبکہ جولائی کے اوائل میں ہونے والا واقعہ اور بھی زیادہ افسوناک ہے جس میں بھارتی قابض فوج کے دو سپاہیوں نے ایک گھر میں گھس کر ایک اسی سالی ضعیف بزرگ خاتون کے ساتھ اجتماعی زیادتی کی اور فرار ہو گئے۔ یہ چیز جہاں بھارتی قابض فوج کے ظلم و ستم کو ظاہر کرتی ہے وہیں یہ بھارتی فوج کی اخلاقی گراوٹ، اور پست ذہنیت کی عکاسی کرتی ہے۔

سانحہ شوپیاں کا ایک اور پہلو بھی قابل غور ہے کہ اس واقعے نے نام نہاد حقوق نسواں کے حامیوں، اور چیمپئنوں کا چہرہ بھی بے نقاب کیا ہے۔ کیوں کہ سوات کی ایک جعلی ویڈیو پر آسمان سر پر اٹھا لینے والے، اس کی آڑ میں اسلام کی تعلیمات کو نشانہ بنانے والے، اور اس واقعے کے بعد دو دن تک نیند نہ آنے کا دعویٰ کرنے والے، سانحہ شوپیاں اور دیگر واقعات پر بالکل خاموش رہے ہیں کیوں کہ یہاں ملزمان مسلمان نہیں تھے بلکہ ہندو اور سکھ تھے۔ اور ان کی پشت

پناہی پر بھارت تھا اس لیے یہ سارے بالکل چپ سادھ کر بیٹھے رہے۔ ہاں اگر یہاں بھی ملزمان مسلمان ہوتے اور اگر غلطی سے ان کے چہرے سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مزین ہوتے تو اب تک ایک قیامت آ چکی ہوتی، ٹی وی کے مذاکروں میں یہ لوگ کف اڑاتے ہوئے، ان ملزمان کی آڑ میں اسلام کی تعلیمات اور مدارس پر تنقید کرکے اپنے اندر کا خبث اور اسلامی حدود کے خلاف اپنا بغض ظاہر کر چکے ہوتے اور بہت سے لوگ اس کی آڑ میں اسلام پسند تنظیموں کی اپنے کالمز میں لتاڑ چکے ہوتے۔ لیکن چونکہ یہ مقبوضہ کشمیر کی مسلمان خواتین تھیں اور ملزمان بھارت کے سپاہی، اس لیے یہاں سب خاموش رہے۔

مجھے یقین ہے کہ میرے اس مضمون پر بھی بہت سے لوگ بغیر سوچ سمجھے طنز اور تنقید کے نشتر چلائیں گے اور مجھے کچھ کہنے کی آڑ میں بھی اسلام پسندوں، دینی مدارس، اور مذہبی جماعتوں کو نشانہ بنایا جائے گا۔ لیکن مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے کہ میرے بارے میں لوگ کیا سوچتے ہیں۔ مجھے اس بات کی کوئی فکر نہیں ہے۔ دیکھیں لوگ ہمیں بنیاد پرست کہتے ہیں اور یہ ہمارے لیے بڑے فخر کی بات ہے کیوں کہ ہم مسلمان ہیں اور اسلام کی بنیاد قرآن و سنت پر ہے۔ اگر کوئی مسلمان اپنی اس بنیاد پر شرماتا ہے تو اس کو فکر کرنی چاہئے اور اپنے اس احساس کمتری کا علاج کرانا چاہئے۔ کچھ لوگوں کو اس بات پر بھی اعتراض ہوگا کہ کیا پوری دنیا کی صرف ہمیں ہی فکر ہے۔ تو جناب عالی نبی

مہربان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث مبارکہ ہے جس کا مفہوم ہے کہ مسلمانوں کی مثال ایک جسد واحد کی طرح ہے جس طرح جسم کے ایک حصے کو تکلیف پہنچتی ہے تو پورا جسم اس کو محسوس کرتا ہے۔ اس شعر پر اپنی بات ختم کرونگا کہ ع

باطل کے ایوانوں میں نام ہیں تیرے چیدہ چیدہ

دہشت گرد، بنیاد پرست، حریت پسند، راسخ العقیدہ

الطاف حسین کا کھلا خط اور کچھ تلخ حقائق

متحدہ قومی موومنٹ کے قائد جناب الطاف حسین صاحب نے چیف جسٹس آف پاکستان جسٹس افتخار چوہدری کو دوسرا کھلا خط لکھا ہے۔ اس سے پہلے بھی وہ چیف جسٹس کو ایک کھلا خط لکھ چکے ہیں۔ اس دوسرے خط میں انیس سو بیانوے میں شروع کیے گئے آپریشن کے دوران لاپتہ ہونے والے اٹھائیس کارکنوں کے بارے میں تحقیقات کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ یہ بڑی اچھی بات ہے کہ لاپتہ افراد کے بارے میں آواز اٹھانی چاہیے چاہے اس کا تعلق کسی بھی تنظیم یا گروہ سے ہو، اس کے ورثاء کو معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کس حال میں ہے اور کہاں ہے کیوں کے اگر کوئی فرد انتقال کرجاتا ہے تو اس کو رو دھو کر انسان چپ ہوجاتا ہے، لیکن گمشدہ افراد کے اہل خانہ ایک مستقل اذیت کا شکار ہوتے ہیں بالخصوص ان کی مائیں کسی بھی حالت میں سکون نہیں پاتی ہیں۔ اور ان کے دل میں اپنے بچوں کے لیے مسلسل ٹیسیں اٹھتی رہتی ہیں۔ اس لیے ہم بھی اس بات کے پرزور حامی ہیں کہ کسی بھی فرد کے بارے میں معلوم ہونا چاہے کہ وہ کہاں ہے اگر گرفتار ہے تو اس کی گرفتاری کو ظاہر کیا جانا چاہیے اور اگر خوانخواستہ وہ فوت ہوگئے ہیں تو کم از کم اہل خانہ کو ان کی آخری آرام گام کے بارے میں بتا دینا چاہے تاکہ ورثاء کو مستقل اذیت سے نجات مل سکے۔

اس وقت ہمارا موضوع ہے کہ اس کھلے خط اور اس میں کیے گئے مطالبہ میں کئی باتیں توجہ طلب ہیں ہم اسی پر بات کریں گے۔ محترم الطاف حسین صاحب نے موجودہ چیف جسٹس سے لاپتہ ہونے والے افراد کی گمشدگی کی تحقیقات کا مطالبہ کیا ہے جو کہ بڑا ہی معنی خیز مطالبہ ہے کیوں کہ یہ بات سب کے سامنے ہے کہ متحدہ چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری کی بحالی کے خلاف تھی اور اسی لیے بارہ مئی کا سانحہ ہوا اور اس کے بعد نو اپریل کا سانحہ ہوا جس میں وکلاء کو ان کے چیمبر میں بند کرکے زندہ جلادیا گیا۔ غور طلب بات یہ ہے کہ پندرہ سال تک متحدہ نے کسی چیف جسٹس کو کوئی کھلا خط نہیں لکھا اور نہ ہی اس طرح مطالبہ کیا۔ اس کا مطلب ہے کہ اس سے پہلے خود متحدہ کو بھی عدلیہ پر اعتماد نہیں تھا لیکن اپنے وقتی اقتدار اور پرویز مشرف کی حکومت میں مراعات حاصل کرنے کی خاطر اس نے عدلیہ بحالی تحریک کی مخالفت کی۔ یہ چیز متحدہ قومی موومنٹ کی دہری سیاست کا پردہ چاک کرتی ہے۔

دوسری بات جو اس خط میں محسوس ہوئی ہے کہ اس میں بتایا گیا ہے کہ مارچ انیس سو اٹھانوے کو اس وقت کے وزیر داخلہ چوہدری شجاعت حسین نے سینیٹ میں اجلاس میں بیان دیا کہ ایم کیو ایم کے لاپتہ کارکنان کو قتل کرکے اسلام آباد میں مارگلہ کی پہاڑیوں میں دفن کیا گیا۔ یہاں یہ بات قابل غور ہے یہ کارکنان بیانوے میں نواز شریف کی حکومت میں لاپتہ ہوئے اور اس کے بعد ستانوے سے

لیکرانیس سو ناوے تک ایم کیو ایم نواز شریف کے ساتھ شریک اقتدار میں رہی لیکن اس نے لاپتہ کارکنوں کی بازیابی کی کوشش نہیں کی۔ بلکہ ستم تو یہ ہے کہ اس وقت کی نواز شریف حکومت کے وزیر داخلہ چوہدری شجاعت جنہوں نے سینیٹ میں لاپتہ کارکنوں کی ہلاکت کا اعتراف کیا، مشرف دور میں متحدہ انہی شجاعت حسین اور لوٹا لیگ یعنی ق لیگ کے ساتھ شریک اقتدار رہی اور اس وقت بھی کوئی مطالبہ نہیں کیا گیا۔ اگر متحدہ کارکنان کے بارے میں سنجیدہ ہوتی تو اس وقت یہ مطالبہ کرتی اور شجاعت حسین کے بیان کی بنیاد پر خود شجاعت حسین کے خلاف کاروائی کرتی لیکن ایک بار پھر متحدہ نے وقتی اقتدار کی خاطر ایسا نہیں کیا بلکہ کارکنوں کے قاتلوں سے اتحاد کیا۔

آخری بات جو سب سے زیادہ محسوس کی گئی اس وقت بھی متحدہ یہ مطالبہ کسی سیاسی چال کے طور پر کر رہی ہے اور وہ کارکنوں کو انصاف دلانے کے لیے اس وقت بھی سنجیدہ نہیں ہے کیوں کہ نواز شریف دور کے آپریشن کو تو نمایاں کیا گیا لیکن بے نظیر کے دور میں جس میں خود ایم کیو ایم کے بقول ان کے ڈھائی ہزار کارکنوں کو بے دردی سے مارا گیا ہے۔ اس کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ اس وقت متحدہ کی قیادت میں یہ بیان دیا کرتی تھی کہ ہم ان لوگوں پر جنگی جرائم میں مقدمہ چلائیں گے، لیکن انیس سو چھیانوے کے آواخر میں پی پی پی کی گورنمنٹ ختم ہونے کے بارہ سال بعد تک ایسا کوئی کام نہیں کیا گیا، نہ اس دور کے کسی

ایس ایچ او کو گرفتار کیا گیا، نہ ہی نصیر اللہ بابر جن کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ " بوچر آف کراچی "اکھتر کا بھگوڑا کراچی فتح کرنے دوڑا اور نصیر اللہ بابر کو ایم کیو ایم کے قائدین نے جنرل ڈائر اور مسولینی کا جانشین کہا، اگر متحدہ اپنے کارکنان کے بارے میں سنجیدہ ہوتی تو بارہ سال میں اس طرف کوئی پیشرفت کی جاتی لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ اس وقت بھی چیف جسٹس سے جو مطالبہ کیا جارہا ہے وہ نواز شریف کے دور میں لاپتہ ہونے والے اٹھائیس کارکنان کی معاملہ کی تحقیقات کا کیا جارہا ہے لیکن متحدہ کے اپنی زبان سے کہے گئے ڈھائی ہزار افراد کے قتل کے بارے میں خاموش ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے ؟؟؟ وجہ صاف ظاہر ہے کہ اس وقت پی پی پی کی حکومت ہے اور متحدہ اس کی اتحادی ہے۔ اگر متحدہ کے قائد پی پی پی کے خلاف کوئی بات کریں گے تو لازمی بات ہے کہ اقتدار کی قربانی دینی پڑے گی جس کے لیے متحدہ کے قائد اور لیڈران تیار نہیں ہیں لیکن ہماری یہ بات لکھ کر رکھ لیں کہ اگر کل کو پی پی پی اپوزیشن میں ہوگی تو متحدہ اس وقت اپنے مطالبات پیش کرے گی۔

اسلام کا سیاسی نظام 1

اس وقت دنیا کی جو صورتحال ہے اس میں مسلمانوں کو دیوار سے لگایا جارہا ہے اور اسلامی تعلیمات کو فرسودہ اور دقیانوسی کہا جارہا ہے اور یہ باور کرایا جاتا ہے کہ اسلام نعوذ باللہ آوٹ آف ڈیٹ ہوگیا ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے اس میں پوری دنیا کی فلاح و بہبود کا سامان موجود ہے۔ لیکن دنیا کو یہ بتایا جاتا ہے کہ یہ دنیاوی کام ہیں یہ جدید تعیلم یافتہ لوگ ہی کر سکتے ہیں اور یہ" مولوی" کیا جانے کہ حکومت کیا ہوتی ہے۔ اسی طرح سادہ لوح مسلمانوں کو یہ بھی باور کرایا جاتا ہے کہ سیاست اور حکومت مذہبی لوگوں کا کام نہیں نہ ہی ان کے پاس کوئی نظام موجود ہے اس لیے جو دین کی خدمت کرنا چتا ہے اسے چاہیے کہ وہ یہ سارے دنیاوی کام چھوڑ کر بس اللہ اللہ کرے اور کسی کام میں دخل نہ دے۔ یہ ایک غلط سوچ ہے اس لیے کہ اسلام مذہب نہیں ہے بلکہ ایک مکمل دین ہے۔ یاد رکھیں کہ مذہب کچھ عقائد اور رسومات کے مجموعے کا نام ہے۔ جبکہ اسلام ایک دین ہے اور اس میں زندگی کے ہر شعبے کے لیے رہنمائی موجود ہے اور دین کو زندگی کے ہر شعبے میں نافذ ہونا چاہئے۔ یہی بات اسلام بیزار لوگوں کو ناپسند ہے کیوں کہ جب اسلام کو بطور دین اپنایا جاتا ہے تو اس میں پھر اپنی مرضی ختم کرکے خود کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

بتائے ہوئے طریقہ کار کے مطابق ڈھالنا پڑتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ دین بیزار طبقہ خود کو بدلنے کو تیار نہیں ہے اس لیے وہ لوگوں کو بھی گمراہ کرتا رہتا ہے۔ اس کی مثال اس لومڑی کی سی ہے جس کی دم ایک شکاری کے شکنجے میں پھنس کر ٹوٹ گئی، اب وہ چونکہ خود کو بدل نہیں سکتی تھی نہ ہی دوسری دم لگا سکتی تھی اس لیے اس نے جنگل کے تمام جانوروں سے کہنا شروع کردیا کہ دم تو بالکل بیکار ہے مجھے دیکھو میری دم نہیں ہے اور میں بہت مزے میں ہوں یہی مثال ان لوگوں کی ہے جو موقع بہ موقع اسلام کو ہدف تنقید بناتے ہیں اور معاملہ کوئی بھی ہو اس کو ملائیت یا مولوی ازم کے نام سے جوڑ کر اس کی مخالفت کی جاتی ہے۔ یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ ملائیت اور مولوی ازم کی اسطلاح انگریز سامراج نے مسلمانوں کو دین سے متنفر کرنے لیے نکالی تھی اور آج دیسی اور کالے انگریز بھی اسلام کی بات کرنے والوں کو مولوی یا ملائیت کا نام دیکر اپنا دل خوش کرتے ہیں۔ یہاں ہم اسلام کے سیاسی نظام کے حوالے سے لوگوں کی غلط فہمیاں دور کرنے کی کوشش کریں گے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تحریر سے کچھ اقتباسات آپ کی خدمت میں پیش کریں گے۔

اسلام کے سیاسی نظام کی بنیاد تین اصولوں پر رکھی گئی ہے۔ توحید، رسالت اور خلافت۔ ان اصولوں کو اچھی طرح سمجھے بغیر اسلامی سیاست کے تفصیلی نظام کو سمجھنا مشکل ہے۔ اس لیے سب سے پہلے میں انھی کی مختصر تشریح کروں گا۔

توحید کے معنی یہ ہیں کہ خدا اس دنیا اور اس کے سب رہنے والوں کا خالق، پروردگار اور مالک ہے۔ حکومت وفرماں روائی اسی کی ہے، وہی حکم دینے اور منع کرنے کا حق رکھتا ہے اور بندگی واطاعت بلاشرکت غیرے اسی کے لیے ہے۔ ہماری یہ ہستی جس کی بدولت ہم موجود ہیں، ہمارے یہ جسمانی آلات اور طاقتیں جن سے ہم کام لیتے ہیں اور ہمارے وہ اختیارات جو ہمیں دنیا کی موجودات پر حاصل ہیں اور خود یہ موجودات جن ہم اپنے اختیارات استعمال کرتے ہیں، ان میں سے کوئی چیز بھی نہ ہماری پیدا کردہ یا حاصل کردہ ہے اور نہ اس کی بخشش میں خدا کے ساتھ کوئی شریک ہے، اس لیے اپنی ہستی کا مقصد اور اپنی قوتوں کا مصرف اور اپنے اختیارات کی حدود متعین کرنا نہ تو ہمارا اپنا کام ہے نہ کسی دوسرے کو اس معاملہ میں دخل دینے کا حق ہے۔ یہ صرف اس خدا کا کام ہے جس نے ہم کو ان قوتوں اور اختیارات کے ساتھ پیدا کیا ہے اور دنیا کی یہ بہت سی چیزیں ہمارے تصرف میں دی ہیں۔ توحید کا یہ اصولِ انسانی حاکمیت کی سرے سے نفی کردیتا ہے۔ ایک انسان ہو یا ایک خاندان، یا ایک طبقہ یا ایک گروہ یا ایک پوری قوم، یا مجموعی طور پر تمام دنیا کے انسان، حاکمیت کا حق بہرحال کسی کو بھی نہیں پہنچتا۔ حاکم صرف خدا ہے اور اسی کا حکم "قانون" ہے۔

خدا کا قانون جس ذریعے سے بندوں تک پہنچتا ہے اس کا نام "رسالت" ہے۔ اس

ذریعے سے ہمیں دو چیزیں ملتی ہیں۔ ایک "کتاب" جس میں خود خدا نے اپنا قانون بیان کیا ہے۔ دوسری کتاب کی مستند تشریح جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا کا نمائندہ ہونے کی حیثیت سے اپنے قول و عمل میں پیش کی ہے۔

خدا کی کتاب میں وہ تمام اصول بیان کردیے گئے ہیں جن پر انسانی زندگی کا نظام قائم ہونا چاہیے۔ اور رسول نے کتاب کے اس منشا کے مطابق عملاً ایک نظامِ زندگی بنا کر، چلا کر، اور اس کی ضروری تفصیلات بتا کر ہمارے لیے ایک نمونہ قائم کردیا ہے۔ انھی دو چیزوں کے مجموعے کا نام اسلامی اصطلاح میں شریعت ہے اور یہی وہ اساسی دستور ہے جس پر اسلامی ریاست قائم ہوتی ہے۔

اب خلافت کو لیجیے۔ یہ لفظ عربی زبان میں نیابت کے لیے بولا جاتا ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے دنیا میں انسان کی اصل حیثیت یہ ہے کہ وہ زمین پر خدا کا نائب ہے یعنی اس کے ملک میں اس کے دیے ہوئے اختیارات استعمال کرتا ہے۔ آپ جب کسی شخص کو اپنی جائیداد کا انتظام سپرد کرتے ہیں تو لازماً آپ کے پیش نظر چار باتیں ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ جائیداد کے اصل مالک آپ خود ہیں نہ کہ وہ شخص۔ دوسرے یہ کہ آپ کی جائیداد میں اس شخص کو آپ کی دی ہوئی ہدایات کے مطابق کام کرنا چاہیے۔ تیسرے یہ کہ اسے اپنے اختیارات کو ان حدود کے اندر استعمال کرنا چاہیے جو آپ نے اس کے لیے مقرر کردی ہیں۔ چوتھے یہ کہ آپ

کی جائیداد میں اسے آپ کا منشا پورا کرنا ہوگا نہ کہ اپنا۔ یہ چار شرطیں نیابت کے تصور میں اس طرح شامل ہیں کہ نائب کا لفظ بولتے ہی خود بخود انسان کے ذہن میں آجاتی ہیں۔ اگر کوئی نائب ان چاروں شرطوں کو پورا نہ کرے تو آپ کہیں گے کہ وہ نیابت کے حدود سے تجاوز کر گیا اور اس نے وہ معاہدہ توڑ دیا جو نیابت کے عین مفہوم میں شامل تھا۔ ٹھیک یہی معنی ہیں جن میں اسلام انسان کو خدا کا خلیفہ قرار دیتا ہے اور اس خلافت کے تصور میں یہی چاروں شرطیں شامل ہیں۔ اسلامی نظریہ سیاسی کی رو سے جو ریاست قائم ہوگی وہ دراصل خدا کی حاکمیت کے تحت انسانی خلافت ہوگی، جسے خدا کے ملک میں اس کی دی ہوئی ہدایات کے مطابق اس کی مقرر کی ہوئی حدود کے اندر کام کرکے اس کا منشا پورا کرنا ہوگا۔

خلافت کی اس تشریح کے سلسلے میں اتنی بات اور سمجھ لیجیے کہ اس معنی میں اسلامی نظریہ سیاسی کسی ایک شخص یا خاندان کو خلیفہ قرار نہیں دیتا بلکہ اس پوری سوسائٹی کو خلافت کا منصب سونپتا ہے جو توحید اور رسالت کے بنیادی اصولوں کو تسلیم کرکے نیابت کی شرطیں پوری کرنے پر آمادہ ہو۔ ایسی سوسائٹی بحیثیت مجموعی خلافت کی مثال ہے اور یہ خلافت اس کے ہر فرد کو پہنچتی ہے۔ یہ وہ نقطہ ہے جہاں اسلام میں "جمہوریت" کی ابتدا ہوتی ہے۔ اسلامی معاشرے کا ہر فرد خلافت کے حقوق اور اختیارات رکھتا ہے۔ ان حقوق و اختیارات میں تمام

افراد بالکل برابر کے حصے دار ہیں۔ کسی کو کسی پر نہ ترجیح حاصل ہے اور نہ یہ حق پہنچتا ہے کہ اسے ان حقوق و اختیارات سے محروم کرسکے۔ ریاست کا نظم و نسق چلانے کے لیے جو حکومت بنائی جائے گی وہ انھی افراد کی مرضی سے بنے گی۔ یہی لوگ اپنے اختیاراتِ خلافت کا ایک حصہ اسے سونپیں گے۔ اس کے بننے میں ان کی رائے شامل ہوگی اور ان کے مشورے ہی سے وہ چلے گی۔ جو ان کا اعتماد حاصل کرے گا وہ ان کی طرف سے خلافت کے فرائض انجام دے گا اور جو ان کا اعتماد کھو دے گا اسے حکومت کے منصب سے ہٹنا پڑے گا۔ اس لحاظ سے اسلامی جمہوریت ایک مکمل جمہوریت ہے، اتنی مکمل جتنی اور کوئی جمہوریت مکمل ہو سکتی ہے البتہ جو چیز اسلامی جمہوریت کو مغربی جمہوریت سے الگ کرتی ہے وہ یہ ہے کہ مغرب کا نظریہ سیاسی "جمہوری حاکمیت" کا قائل ہے اور اسلام "جمہوری خلافت" کا۔ وہاں اپنی شریعت جمہور آپ بناتے ہیں، یہاں ان کو اس شریعت کی پابندی کرنی ہوتی ہے جو خدا نے اپنے رسول کے ذریعہ سے دی ہے۔ وہاں حکومت کا کام جمہور کا منشا پورا کرنا ہوتا ہے۔ یہاں حکومت اور اس کے بنانے والے جمہور سب کا کام خدا کا منشا پورا کرنا ہوتا ہے۔ مختصر یہ کہ مغربی جمہوریت ایک مطلق العنان خدائی ہے جو اپنے اختیارات کو آزادانہ استعمال کرتی ہے۔ اس کے برعکس اسلامی جمہوریت ایک پابندِ آئین بندگی ہے جو اپنے اختیارات کو خدا کی دی ہوئی ہدایات کے مطابق اس کی مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کرتی ہے۔

اب میں آپ کے سامنے اس ریاست کا ایک مختصر مگر واضح نقشہ پیش کروں گا جو توحید، رسالت اور خلافت کی ان بنیادوں پر بنتی ہے۔ اس ریاست کا مقصد قرآن میں صاف طور پر یہ بتایا گیا ہے کہ وہ ان بھلائیوں کو قائم کرے، فروغ دے اور پروان چڑھائے جن سے خداوندِ عالم انسانی زندگی کو آراستہ دیکھنا چاہتا ہے اور ان برائیوں کو روکے، دبائے اور مٹائے جن کا وجود انسانی زندگی میں خداوندِ عالم کو پسند نہیں ہے۔ اسلام میں ریاست کا مقصد محض انتظام ملکی ہے اور نہ یہ کہ وہ کسی خاص قوم کی اجتماعی خواہشات کو پورا کرے۔ اس کے بجائے اسلام اس کے سامنے ایک بلند نصب العین رکھ دیتا ہے جس کے حصول میں اس کو اپنے تمام وسائل و ذرائع اور اپنی تمام طاقتیں صرف کرنی چاہییں، اور وہ یہ ہے کہ خدا اپنی زمین میں اور اپنے بندوں کی زندگی میں جو پاکیزگی، جو حسن، جو خیر و صلاح، جو ترقی و فلاح دیکھنا چاہتا ہے وہ رونما ہو اور بگاڑ کی ان تمام صورتوں کا سدباب ہو جو خدا کے نزدیک اس کی زمین کو اجاڑنے والی اور اس کے بندوں کی زندگی کو خراب کرنے والی ہیں۔ اس نصب العین کو پیش کرنے کے ساتھ اسلام ہمارے سامنے خیر و شر دونوں کی ایک واضح تصویر رکھتا ہے جس میں مطلوبہ بھلائیوں اور ناپسندیدہ برائیوں کو صاف صاف نمایاں کر دیا گیا ہے۔ اس تصویر کو نگاہ میں رکھ کر ہر زمانے اور ہر ماحول میں اسلامی ریاست اپنا اصلاحی پروگرام بنا سکتی ہے۔

(جاری ہے)

اسلام کا سیاسی نظام - آخری حصہ

گزشتہ سے پیوستہ

اسلام کا مستقل تقاضہ یہ ہے کہ زندگی کے ہر شعبے میں اخلاقی اصولوں کی پابندی کی جائے۔ اس لیے وہ اپنی ریاست کے لیے بھی یہ قطعی پالیسی متعین کر دیتا ہے کہ اس کی سیاست بے لاگ انصاف، بے لوث سچائی اور کھری ایمان داری پر قائم ہو، وہ ملک یا انتظامی یا قومی مصلحتوں کی خاطر جھوٹ، فریب اور بے انصافی کو کسی حال میں گوارا کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ ملک کے اندر راعی اور رعیت کے باہمی تعلقات ہوں یا ملک کے باہر دوسری قوموں کے ساتھ تعلقات، دونوں میں وہ صداقت، دیانت اور انصاف کو اغراض و مصالح پر مقدم رکھنا چاہتا ہے۔ مسلمان افراد کی طرح مسلم ریاست پر بھی وہ یہ پابندی عائد کرتا ہے کہ عہد کرو تو اسے وفا کرو، لینے اور دینے کے پیمانے یکساں رکھو، جو کچھ کہتے ہو وہی کرو اور جو کچھ کرتے ہو وہی کہو، اپنے حق کے ساتھ اپنے فرض کو بھی یاد رکھو، اور دوسرے کے فرض کے ساتھ اس کے حق کو بھی نہ بھولو، طاقت کو ظلم کے بجائے انصاف کے قیام کا ذریعہ بناؤ۔ حق کو بہر حال حق سمجھو اور اسے ادا کرو، اقتدار کو خدا کی امانت سمجھو اور اس یقین کے ساتھ اسے استعمال کرو کہ اس امانت کا پورا حساب تمہیں اپنے خدا کو دینا ہے۔

اسلامی ریاست اگرچہ زمین کے کسی خاص خطے ہی میں قائم ہوتی ہے مگر وہ نہ انسانی حقوق کو ایک جغرافی حد میں محدود رکھتی ہے اور نہ شہریت کے حقوق کو۔ جہاں تک انسانیت کا تعلق ہے اسلام ہر انسان کے لیے چند بنیادی حقوق مقرر کرتا ہے، اور ہر حال میں ان کے احترام کا حکم دیتا ہے، خواہ وہ انسان اسلامی ریاست کے حدود میں رہتا ہو یا اس سے باہر، خواہ دوست ہو یا دشمن، خواہ صلح رکھتا ہو یا برسر جنگ ہو۔ انسانی خون ہر حالت میں محترم ہے اور حق کے بغیر اسے نہیں بہایا جا سکتا۔ عورت، بچے بوڑھے، بیمار اور زخمی پر دست درازی کرنا کسی حال میں جائز نہیں۔ عورت کی عصمت بہر حال احترام کی مستحق ہے، اور اسے بے آبرو نہیں کیا جا سکتا۔ بھوکا آدمی روٹی کا، ننگا آدمی کپڑے کا، زخمی یا بیمار آدمی علاج اور تیمارداری کا بہر حال مستحق ہے خواہ دشمن قوم ہی سے تعلق رکھتا ہو۔ یہ اور ایسے ہی چند دوسرے حقوق اسلام نے انسان کو بحیثیت انسان ہونے کے عطا کیے ہیں اور اسلامی ریاست کے دستور میں ان کو بنیادی حقوق کی جگہ حاصل ہے۔ رہے شہریت کے حقوق تو وہ بھی اسلام صرف انہی لوگوں کو نہیں دیتا جو اس کی ریاست کی حدود میں پیدا ہوئے ہوں بلکہ ہر مسلمان خواہ وہ دنیا کے کسی گوشے میں پیدا ہوا ہو، اسلامی ریاست کے حدود میں داخل ہوتے ہی آپ سے آپ اس کا شہری بن جاتا ہے (یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ مسلمان کسی اسلامی ریاست کا شہری ہو۔ اگر وہ کسی غیر اسلامی حکومت کی

رعایا ہو تو وہ صرف اس صورت میں اسلامی ریاست کا شہری بن سکتا ہے جبکہ وہ ہجرت کرکے آئے۔) اور پیدائشی شہریوں کے برابر حقوق کا مستحق قرار پاتا ہے۔ دنیا میں جتنی اسلامی ریاستیں بھی ہوں گی ان سب کے درمیان شہریت مشترک ہوگی۔ مسلمان کو کسی اسلامی ریاست کے حدود میں داخل ہونے کے لیے پاسپورٹ کی ضرورت نہ ہوگی۔ مسلمان کسی نسلی، قومی یا طبقاتی امتیاز کے بغیر ہر اسلامی ریاست میں کسی بڑے سے بڑے ذمہ داری کے منصب کا اہل ہو سکتا ہے۔

غیر مسلمانوں کے لیے، جو کسی اسلامی ریاست کے حدود میں رہتے ہوں، اسلام نے چند حقوق متعین کردیے ہیں اور وہ لازماً دستور اسلامی کا جزو ہوں گے۔ اسلامی اصطلاح میں ایسے غیر مسلم کو "ذمی" کہا جاتا ہے، یعنی جس کی حفاظت کا اسلامی ریاست نے ذمہ لے لیا ہے۔ ذمی کی جان و مال اور آبرو محترم ہے۔ فوج داری اور دیوانی قوانین میں مسلم اور ذمی کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ ذمیوں کے پرسنل لاء میں اسلامی ریاست کوئی مداخلت نہ کرے گی۔ ذمیوں کو ضمیر و اعتقاد اور مذہبی رسوم و عبادات میں پوری آزادی حاصل ہوگی۔ یہ اور ایسے ہی بہت سے حقوق اسلامی دستور میں غیر مسلم رعایا کو دیے گئے ہیں اور یہ مستقل حقوق ہیں جنہیں اس وقت تک سلب نہیں کیا جاسکتا، جب تک وہ ہمارے ذمے سے خارج نہ ہوجائیں۔ کوئی غیر مسلم حکومت اپنی مسلم رعایا پر چاہے کتنے ہی ظلم ڈھائے، ایک اسلامی ریاست کے لیے اس کے جواب میں اپنی غیر مسلم رعایا پر

شریعت کے خلاف ذرا سی دست درازی کرنا بھی جائز نہیں۔ حتیٰ کہ ہماری سرحد کے باہر اگر سارے مسلمان قتل کردیے جائیں تب بھی ہم اپنی حد کے اندر ایک ذمی کا خون بھی حق کے بغیر نہیں بہا سکتے۔ اسلامی ریاست کے انتظام کی ذمہ داری ایک امیر کے سپرد کی جائے گی جسے صدر جمہوریہ کے مماثل سمجھنا چاہیے۔ امیر کے انتخاب میں ان تمام بالغ مردوں اور عورتوں کو رائے دینے کا حق ہوگا جو دستور کے اصولوں کو تسلیم کرتے ہوں۔ انتخاب کی بنیاد یہ ہوگی کہ روح اسلام کی واقفیت، اسلامی سیرت، خداترسی اور تدبر کے اعتبار سے کون شخص سوسائٹی کے زیادہ سے زیادہ لوگوں کا اعتماد رکھتا ہے۔ ایسے شخص کو امارت کے لیے منتخب کیا جائے گا۔ پھر اس کی مدد کے لیے ایک مجلس شوریٰ بنائی جائے گی اور وہ بھی لوگوں کو منتخب کردہ ہوگی۔ امیر کے لیے لازم ہوگا کہ ملک کا انتظام اہل شوریٰ کے مشورے سے کرے۔ ایک امیر اسی وقت تک حکمران رہ سکتا ہے جب تک اسے لوگوں کا اعتماد حاصل رہے۔ عدم اعتماد کی صورت میں اسے جگہ خالی کرنی ہوگی مگر جب تک وہ لوگوں کا اعتماد رکھتا ہے اسے حکومت کے پورے اختیارات حاصل رہیں گے۔

امیر اور اس کی حکومت پر عام شہریوں کو نکتہ چینی کا پورا حق حاصل ہوگا۔ اسلامی ریاست میں قانون سازی ان حدود کے اندر ہوگی جو شریعت میں مقرر کی گئی ہیں۔ خدا اور رسول کے واضح احکام صرف اطاعت کے لیے ہیں۔ کوئی مجلس

قانون ساز ان میں ردوبدل نہیں کر سکتی۔ رہے وہ احکام جن میں دو یا زیادہ تعبیریں ممکن ہیں تو ان میں شریعت کا منشا معلوم کرنا ان لوگوں کا کام ہے جو شریعت کا علم رکھتے ہیں۔ اس لیے ایسے معاملات مجلس شوریٰ کی اس سب کمیٹی کے سپرد کیے جائیں گے جو علما پر مشتمل ہوگی۔ اس کے بعد ایک وسیع میدان ان معاملات کا ہے جن میں شریعت نے کوئی حکم نہیں دیا ہے۔ ایسے تمام معاملات میں مجلس شوریٰ قوانین بنانے کے لیے آزاد ہے۔

اسلام میں عدالت انتظامی حکومت کے ماتحت نہیں ہے بلکہ براہ راست خدا کی نمائندہ اور اس کو جوابدہ ہے۔ حاکمانِ عدالت کو مقرر تو انتظامی حکومت ہی کرے گی، مگر جب ایک شخص عدالت کی کرسی پر بیٹھ جائے گا تو خدا کے قانون کے مطابق لوگوں کے درمیان بے لاگ انصاف کرے گا اور اس کے انصاف کی زد سے خود حکومت بھی نہ بچ سکے گی، حتیٰ کہ خود حکومت کے رئیسِ اعلیٰ کو بھی مدعی یا مدعا علیہ کی حیثیت سے اس کے سامنے اسی طرح حاضر ہونا پڑے گا جیسے ایک عام شہری حاضر ہوتا ہے۔

یہ ہم نے آپ کے سامنے اسلام کے سیاسی نظام کے حوالے سے کچھ گزارشات رکھی ہیں۔ اس میں لوگ اپنی بات رکھ سکتے ہیں اس میں لوگوں کو کچھ اختلاف بھی ہو سکتا ہے، کیوں کہ انسانوں میں کبھی بھی کسی کی بھی بات حتمی اور حرف آخر

نہیں ہوتی ہے، البتہ اس میں ایک بات واضح ہے کہ آج کل جو پروپگنڈہ کیا جاتا ہے کہ اگر اسلام کا نظام نافذ ہوگیا تو بڑا مسئلہ ہوگا (سابق صدر جنرل پرویز مشرف نے بھی ایک دفعہ طنز کرتے ہوئے کہا تھا کہ کیا لوگ چاہتے ہیں کہ میں آدھے پاکستان کو ٹنڈا کردوں) تو ایسی کوئی بات نہیں ہے اسلام ایک مکمل دین ہے جو دنیا کے ہر معاملے میں رہنمائی کرتا ہے۔ اور اسلام نے حکومت کے بنیادی اصول بتا دیے ہیں جن پر عمل کرکے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ انشاء اللہ اسلام کے معاشرتی نظام کے حوالے سے کچھ باتیں آئندہ آپ کی خدمت میں پیش کریں گے۔

اسلام کا اخلاقی نظام 1

اپنے گزشتہ مضمون میں ہم نے اسلام کے سیاسی نظام کے حوالے سے منتخب تحریر آپ کے سامنے رکھی تھی، اگرچہ اب ہمارا ارادہ اسلام کے معاشرتی نظام کو بیان کرنے کا تھا لیکن اس سے پہلے جب تک ہم اسلام کے اخلاقی نظام کو نہیں سمجھیں گے اس وقت تک باقی چیزیں سمجھنا ہمارے لیے مشکل ہوگا اس لیے اس مضمون میں ہم نے کوشش کی ہے کہ اسلام کے اخلاقی نظام کے حوالے سے منتخب تحریر آپ تک پہنچائی جائے۔

انسان کے اندر اخلاقی حِس ایک فطری حِس ہے جو بعض صفات کو پسند اور بعض دوسری صفات کو ناپسند کرتی ہے۔ یہ حس انفرادی طور پر اشخاص میں چاہے کم و بیش ہو مگر مجموعی طور پر انسانیت کے شعور نے اخلاق کے بعض اوصاف پر خوبی کا اور بعض پر برائی کا ہمیشہ یکساں حکم لگایا ہے، سچائی، انصاف، پاس عہد اور امانت کو ہمیشہ سے انسانی اخلاقیات میں تعریف کا مستحق سمجھا گیا ہے۔ اور کبھی کوئی ایسا دور نہیں گزرا جب جھوٹ، ظلم، بدعہدی اور خیانت کو پسند کیا گیا ہو۔ ہمدردی، رحم، فیاضی اور فراخ دلی کی ہمیشہ قدر کی گئی ہے، اور خود غرضی، سنگ دلی، بخل اور تنگ نظری کو کبھی عزت کا مقام حاصل نہیں ہوا۔ صبر و تحمل، اخلاقی بردباری، اولوالعزمی و شجاعت ہمیشہ سے وہ اوصاف رہے ہیں

جو داد کے مستحق سمجھے گئے اور بے صبری، چھچھورپن، تلون مزاجی، پست حوصلگی اور بزدلی پر کبھی تحسین و آفرین کے پھول نہیں برسائے گئے۔ ضبطِ نفس، خود داری، شائستگی اور ملنساری کا شمار ہمیشہ سے خوبیوں ہی میں ہوتا رہا ہے اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ بندگیِ نفس، کم ظرفی، بدتمیزی اور کج خلقی نے اخلاقی محاسن کی فہرست میں جگہ پائی ہو۔ فرض شناسی، وفا شعاری، مستعدی اور احساسِ ذمہ داری کی ہمیشہ عزت کی گئی ہے اور فرض ناشناس، بے وفا، کام چور اور غیر ذمہ دار لوگوں کو کبھی اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا گیا۔ اسی طرح اجتماعی زندگی کے اچھے اور برے اوصاف کے معاملہ میں بھی انسانیت کا معاملہ تقریباً متفق علیہ ہی رہا ہے۔ قدر کی مستحق ہمیشہ وہی سوسائٹی رہی ہے جس میں نظم وانضباط ہو، تعاون اور امداد باہمی ہو، آپس کی محبت اور خیر خواہی ہو، اجتماعی انصاف اور معاشرتی مساوات ہو۔

تفرقہ، انتشار، بدنظمی، بے ضابطگی، نااتفاقی، آپس کی بدخواہی، ظلم اور ناہمواری کو اجتماعی زندگی کے محاسن میں کبھی شمار نہیں کیا گیا۔ ایسا ہی معاملہ کردار کی نیکی و بدی کا بھی ہے۔ چوری، زنا، قتل، ڈاکہ، جعل سازی اور رشوت خوری کبھی اچھے افعال نہیں سمجھے گئے۔ بدزبانی، مردم آزاری، غیبت، چغل خوری، بہتان تراشی اور فساد انگیزی کو کبھی نیکی نہیں سمجھا گیا۔ مکار، متکبر، ریاکار، منافق، ہٹ دھرم اور حریص لوگ کبھی بھلے آدمیوں میں شمار

نہیں کیے گئے۔ اس کے برعکس والدین کی خدمت، رشتہ داروں کی مدد، ہمسایوں سے حسنِ سلوک، دوستوں سے رفاقت، یتیموں اور بے کسوں کی خبر گیری، مریضوں کی تیمارداری اور مصیبت زدہ لوگوں کی اعانت ہمیشہ نیکی سمجھی گئی ہے۔ پاک دامن، خوش گفتار، نرم مزاج اور خیر اندیش لوگ ہمیشہ عزت کی نگاہ سے دیکھے گئے ہیں۔ انسانیت اپنا اچھا عنصر انھی لوگوں کو سمجھتی رہی ہے جو راست باز اور کھرے ہوں۔ جن پر ہر معاملہ میں اعتبار کیا جاسکے۔ جن کا ظاہر و باطن یکساں اور قول و فعل میں مطابقت ہو، جو اپنے حق پر قانع اور دوسروں کے حقوق ادا کرنے میں فراخ دل ہوں، جو امن سے رہیں اور دوسروں کو امن دیں، جن کی ذات سے ہر ایک کو خیر کی امید ہو اور کسی کو برائی کا اندیشہ نہ ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ انسانی اخلاقیات دراصل وہ عالمگیر حقیقتیں ہیں جن کو سب انسان جانتے چلے آرہے ہیں۔ نیکی اور بدی کوئی چھپی ہوئی چیز نہیں ہیں کہ انہیں کہیں سے ڈھونڈ کر نکالنے کی ضرورت ہو۔ وہ تو انسان کی جانی پہچانی چیزیں ہیں، جن کا شعور آدمی کی فطرت میں ودیعت کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید اپنی زبان میں نیکی کو معروف اور بدی کو منکر کہتا ہے۔ یعنی نیکی وہ چیز ہے جسے سب انسان بھلا جانتے ہیں۔ اور منکر وہ ہے جسے کوئی خوبی اور بھلائی کی حیثیت سے نہیں جانتا۔ اسی حقیقت کو قرآن مجید دوسرے الفاظ میں یوں بیان کرتا ہے۔ "فَاَلْھَمَھَا فُجُوْرَھَا وَتَقْوٰھَا" (الشمس

یعنی نفسِ انسان کو خدا نے برائی اور بھلائی کی واقفیت الہامی طور پر عطا کر رکھی ہے۔"

اخلاقی نظاموں میں اختلاف کیوں؟

اب سوال یہ ہے کہ اگر اخلاق کی برائی اور بھلائی جانی پہچانی چیزیں ہیں اور دنیا ہمیشہ بعض صفات کے نیک اور بعض کے بد ہونے پر متفق رہی ہے، تو پھر دنیا میں یہ مختلف اخلاقی نظام کیسے ہیں؟ ان کے درمیان فرق کس بنا پر ہے؟ کیا چیز ہے جس کے باعث ہم کہتے ہیں کہ اسلام اپنا ایک مستقل اخلاقی نظام رکھتا ہے؟ اور اخلاق کے معاملہ میں آخر کیا ہے جسے اس کی امتیازی خصوصیت کہا (Contribution) اسلام کا وہ خاص عطیہ جاسکے۔

اس مسئلے کو سمجھنے کے لیے جب ہم دنیا کے مختلف اخلاقی نظاموں پر نگاہ ڈالتے ہیں تو پہلی نظر میں جو فرق ہمارے سامنے آتا ہے، وہ یہ ہے کہ مختلف اخلاقی صفات کو زندگی کے مجموعی نظام میں سمونے اور ان کی حد، ان کا مقام اور ان کا مصرف تجویز کرنے اور ان کے درمیان تناسب قائم کرنے میں یہ سب ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ پھر زیادہ گہری نگاہ سے دیکھنے پر اس فرق کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ دراصل وہ اخلاقی حسن و قبح کا معیار تجویز کرنے اور خیر و

شر کے علم کا ذریعہ متعین کرنے میں مختلف ہیں۔ اور ان کے درمیان اس امر میں بھی اختلاف ہے کہ قانون کے پیچھے قوتِ نافذہ (Sanction) کون سی ہے جس کے زور سے وہ جاری ہو اور وہ کیا محرکات ہیں، جو انسان کو اس قانون کی پابندی پر آمادہ کریں۔ لیکن جب ہم اس اختلاف کی کھوج لگاتے ہیں تو آخر کار یہ حقیقت ہم پر کھلتی ہے کہ وہ اصلی چیز جس نے ان سب اخلاقی نظاموں کے راستے الگ کردیے ہیں، یہ ہے کہ ان کے درمیان کائنات کے تصور، کائنات کے اندر انسان کی حیثیت، اور انسانی زندگی کے مقصد میں اختلاف ہے اور اسی اختلاف نے جڑ سے لے کر شاخوں تک ان کی روح، ان کے مزاج اور ان کی شکل کو ایک دوسرے سے مختلف کردیا ہے۔ انسان کی زندگی میں اصل فیصلہ کن سوالات یہ ہیں کہ اس کائنات کا کوئی خدا ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو وہ ایک ہے یا بہت سے ہیں؟ جس کی خدائی مانی جائے اس کی صفات کیا ہیں؟ ہمارے ساتھ اس کا کیا تعلق ہے؟ اس نے ہماری رہنمائی کا کوئی انتظام کیا ہے یا نہیں؟ ہم اس کے سامنے جواب دہ ہیں یا نہیں؟ جواب دہ ہیں تو کس چیز کی جواب دہی ہمیں کرنی ہے؟ اور ہماری زندگی کا مقصد اور انجام کیا ہے جسے پیش نظر رکھ کر ہم کام کریں؟ ان سوالات کا جواب جس نوعیت کا ہوگا اسی کے مطابق نظام زندگی بنے گا اور اسی کے مناسبِ حال نظامِ اخلاق ہوگا۔

اس مختصر گفتگو میں میرے لیے یہ مشکل ہے کہ میں دنیا کے نظام ہائے حیات کا جائزہ لے کر یہ بتا سکوں کہ ان میں سے کس کس نے ان سوالات کا کیا جواب

اختیار کیا ہے اور اس جواب نے اس کی شکل اور راستے کے تعین پر کیا اثر ڈالا ہے۔ میں صرف اسلام کے متعلق عرض کروں گا کہ یہ ان سوالات کا کیا جواب اختیار کرتا ہے اور اس کی بنا پر کس مخصوص قسم کا نظام اخلاق وجود میں آیا ہے۔

(جاری ہے)

روداد سفر معراج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ستائیس رجب سن بارہ نبوی کو معراج کا عظیم الشان واقعہ پیش آیا تھا اگرچہ واقعہ معراج کی تاریخ مختلف علماء اور فقہاء نے مختلف بیان کی ہیں لیکن ستائیس رجب سب سے زیادہ مشہور ہے اور علامہ زرقانی کی رائے ہے کہ جب کسی قول کو کسی قول پر ترجیح دینے کے لیے کافی دلائل موجود نہ ہوں تو پھر مشہور قول کو ہی اختیار کرنا چاہیے۔ واقعہ معراج ایک بہت بڑا معجزہ ہے۔ معجزہ عجز سے نکلا ہے۔ معجزہ ایسے خلاف فطرت و محیرل العقل واقعہ کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اپنی نبیوں کے ذریعے دنیا کو دکھاتا ہے۔ اور یہ ایسا ہوتا ہے کہ عقل جس کی کوئی توجیہہ نہ پیش کرسکے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پالنے میں کلام کرنا، مردوں کو زندہ کرنا، کوڑھیوں کو شفاء دینا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آگ میں سے زندہ نکل جانا، اسی طرح اور بہت سے معجزات دنیا میں وقوع پذیر ہوئے ہیں۔ بالکل انہی معجزات کی طرح واقعہ معراج بھی ایک عظیم الشان معجزہ ہے۔ معجزہ کسی بھی نبی کا ذاتی فعل نہیں ہوتا بلکہ یہ محض اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا نمونہ ہوتا ہے جو کہ وہ اپنے نبی کے ذریعے سے دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے۔

سُبحٰنَ الَّذِی اَسْریٰ بِعَبدِہ لَیلًا مِّنَ المَسجِدِ الحَرَامِ اِلَی المَسجِدِ الاَقصَی الَّذِی بَارَکنَا حَولَہ لِنُرِیَہ
مِن اٰیٰتِنَا اِنَّہ ھُوَ السَّمِیعُ البَصِیرُ. (بنی اسرائیل : 1

پاک ہے وہ جو لے گیا ایک رات اپنے بندے کو مسجد حرام سے دور کی ایک مسجد تک " جس کے ماحول کو اس نے برکت دی ہے تاکہ اسے اپنی کچھ نشانیوں کا مطالعہ کرائے حقیقت میں وہی ہے سب کچھ دیکھنے اور سننے والا"۔

ستائیس رجب بارہ نبوی کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی چچازاد بہن ام ہانی کے گھر پر آرام فرمارہے تھے کہ اللہ کے حکم سے حضرت جبرائیل امین علیہ السلام تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سفر معراج کے لیے تیاری کی درخواست کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری کے لیے براق کا انتظام کیا گیا تھا براق سفید رنگ، اور برق کی مانند تیز رفتار جانور ہے اسی خصوصیت کی بناء پر اسے براق کہا جاتا ہے۔ یہ گدھے سے کچھ بڑا اور خچر سے کچھ چھوٹا جانور ہے اور اس کا قدم اس کی حد نگاہ پر پڑتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر سوار ہونے لگے تو وہ چمکا اس پر حضرت جبرائیل نے تھپکی دیکر کہا " دیکھ کیا کرتا ہے آج تک تجھ پر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑی شخصیت کا کوئی انسان سوار نہیں ہوا ہے۔ یہ سن کر وہ شرمندہ ہو کر پسینے پسینے ہوگیا (مسند احمد، ترمذی، ابن جریر) آپ صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کو اٹھا کر پہلے آب زم زم کے پاس لے جایا گیا، وہاں آپ صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم کا سینہ چاک کرکے اس کو زم زم کے پانی سے دھویا گیا اور پھر اسے علم،
(بردباری، دانائی اور ایمان و یقین سے بھر دیا گیا (بخاری، مسلم، مسند احمد
سوار ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہل وسلم کی پہلی منزل مدینہ منورہ تھی،
جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز پڑھی، یہاں حضرت جبرائیل علیہ السلام نے
فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کرکے یہاں آئیں گے۔ دوسری منزل
طورِ سینا تھی جہاں اللہ رب العالمین حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلا ہوئے تھے۔
تیسری منزل بیت اللحم تھی جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔ چوتھی منزل
۔بیت المقدس تھی اور یہاں آکر براق کا سفر ختم ہوا
بیت المقدس پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم براق سے اتر گئے اور اسے وہیں باندھ
دیا جہاں انبیاء کرام اس کو باندھا کرتے تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیکل سلیمانی
میں داخل ہوئے تو وہاں تمام انبیاء کرام موجود تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے
آنے کے بعد صف بندی ہوئی اور نماز کی تیاری کی گئی، تمام انبیاء منتظر تھے کہ نماز کی
امامت کون کرائے گا، حضرت

جبرائیل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ سلم کا ہاتھ پکڑ کر آپ کو امامت کے لیے آگے کیا، اور تمام انبیا کرام نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء میں نماز ادا کی، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں تین پیالے پیش کیے گئے ایک میں پانی دوسرے میں دودھ اور تیسرے میں شراب تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دودھ کو پسند فرمایا، اس پر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے مبارکباد دی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فطرت کی راہ پا گئے۔

پہلے آسمان پر پہنچے تو دروازہ بند تھا، حضرت جبرائیل نے دروازہ بجایا تو فرشتے نے پوچھا کہ کون آتا ہے؟ جواب دیا کہ جبرائیل، پوچھا ساتھ کون ہے؟ فرمایا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پوچھا گیا کہ کیا بلائے گئے ہیں؟ فرمایا کہ ہاں بلائے گئے ہیں۔ اس کے بعد پہلے آسمان کا دروازہ کھلا اور یہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پرتپاک استقبال کیا گیا۔ یہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک نورانی صورت بزرگ کو دیکھا جن کی بناوٹ، چہرے مہرے میں کسی قسم کا کوئی نقص نہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا گیا کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں، حضرت آدم علیہ السلام کے دائیں بائیں کچھ لوگ تھے۔ آپ دائیں جانب والوں کو دیکھتے تو مسکراتے اور بائیں جانب والوں کو دیکھتے تو روتے، پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ فرمایا کہ یہ نسل

آدم ہے، آدم علیہ (علیہ السلام) جب نیک لوگوں کو دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور برے لوگوں کو دیکھ کر روتے ہیں (بخاری، مسلم، مسند احمد)

یہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تفصیلی مشاہدہ کرایا گیا، جنت اور دوزخ بھی دکھائی گئی۔ ایک جگہ دیکھا کہ کچھ لوگ کھیتی کاٹ رہے ہیں اور جتنی کاٹ رہے ہیں اتنی ہی بڑھتی جاتی ہے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں ؟ کہا گیا کہ یہ اللہ کی راہ جہاد کرنے والے ہیں۔ پھر دیکھا کہ کچھ لوگ ایسے ہیں کہ جن کی سر پتھروں سے کچلے جارہے ہیں۔ پوچھا گیا کہ یہ کون ہیں؟ کہا گیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے سر کی گرانی نماز کے لیے اٹھنے نہ دیتی تھی۔ کچھ اور لوگ دیکھے جن کے کپڑوں میں آگے پیچھے پیوند لگے ہوئے تھے اور وہ جانوروں کی طرح گھاس چر رہے تھے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ کہا گیا کہ یہ وہ لوگ جو اپنے مال میں سے زکوۃ خیرات کچھ نہیں دیتے تھے۔ پ ھر دیکھا کہ کچھ لوگوں کی زبانیں اور ہونٹ قینچیوں سے کترے جارہے ہیں۔ پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ کہا گیا کہ یہ غیر ذمہ دار مقرر ہیں جو بے تکلف زبان چلاتے اور فتنہ برپا کرتے تھے۔ ایک اور جگہ دیکھی۔ ایک پتھر میں زرا سا شگاف ہوا اور اس میں سے ایک بڑا بیل نکلا، پھر وہ بیل دوبارہ اسی شگاف میں جانے کی کوشش کرنے لگا، مگر نہ جاسکا ہوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ کہا گیا کہ یہ اس شخص کی مثال ہے جو غیر ذمہ داری کے ساتھ ایک فتنہ انگیز بات کرجاتا ہے پھر نادم ہوکر اس کی تلافی

کرنا چاہتا ہے مگر نہیں کر سکتا۔ ایک اور مقام پر کچھ لوگ تھے جو اپنا گوشت کاٹ کاٹ کر کھا رہے تھے۔ پوچھا یہ کون ہیں؟ کہا گیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو دوسروں پر زبان طعن دراز کرتے تھے۔ (یہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور بھی مشاہدات کرائے گئے مگر ہم نے مضمون کی طوالت کے باعث صرف چند ایک کا ذکر کیا ہے)

انہی مشاہدات کے سلسلے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات ایک ایسے فرشتے سے ہوئی جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہایت ترش روئی سے ملا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ اب تک جتنے بھی فرشتے ملے تھے سب نے خندہ پیشانی اور بشاش چہروں کے ساتھ ملے۔ لیکن ان کی خشک مزاجی کا کیا سبب ہے۔ حضرت جبرائیل نے فرمایا کہ اس کے پاس ہنسی کا کیا کام، یہ تو دوزخ کا داروغہ ہے۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوزخ دیکھنے کی خواہش ظاہر کی اس نے یکایک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر کے سامنے سے پردہ اٹھا دیا اور دوزخ اپنی تمام ہولناکیوں کے ساتھ نمودار ہو گئی۔ (سیرت ابن ہشام)

اس مرحلہ سے گزر کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسرے آسمان پر پہنچے یہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات حضرت یحیٰ علیہ السلام اور حضرت

عیسیٰ علیہ السلام سے ہوئی۔ تیسرے آسمان پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات
حضرت یوسف علیہ السلام سے ہوئی۔ چوتھے آسمان پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی
ملاقات حضرت ادریس علیہ السلام، پانچویں پر حضرت ہارون علیہ السلام، چھٹے آسمان پر
حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ساتویں آسمان پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات
ایک ایسے بزرگ سے ہوئی جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہایت مشابہ تھے
(تعارف پر معلوم ہوا کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں (بخاری، مسلم، مسند احمد
پھر مزید آگے بڑھے یہاں تک کہ سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچ گئے۔ اسی مقام کر قریب آپ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جنت کا مشاہدہ کرایا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
دیکھا کہ اللہ نے اپنے صالح بندوں کے لیے وہ کچھ مہیا کر رکھا ہے جو کسی آنکھ نے دیکھا،
نہ کسی کان نے سنا نہ کسی ذہن میں اس کا تصور تک آسکتا ہے، یہاں پہنچ کر حضرت
جبرائیل علیہ السلام بھی رک گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا اب میں
یہاں سے ایک قدم بھی آگے جاؤں گا تو میرے پر جل جائیں گے۔ اس مقام سے آپ
اکیلے ہی آگے گئے اور یہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کے جلال کا مشاہدہ کیا
اور اللہ سے ہم کلامی کا شرف بخشا گیا (بخاری، مسلم)۔ یہاں کئی باتیں ہوئیں جن میں
سے چند یہ ہیں کہ ۱) ہر روز پچاس نمازیں فرض ہوئیں ۲) سورہ بقرہ کی آخری دو
آیتیں

تعلیم فرمائی گئیں ۳) شرک کے سوا دوسرے سب گناہوں کی بخشش کا امکان ظاہر کیا گیا ۴) اور بتایا گیا کہ جو شخص نیکی کا ارادہ کرتا ہے اس کے حق میں ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے اور جب وہ اس پر عمل کرتا ہے تو دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ مگر جو برائی کا ارادہ کرتا ہے اس کے خلاف کچھ نہیں لکھا جاتا، جب وہ اس پر عمل کرتا ہے تو ایک ہی برائی لکھی جاتی ہے۔ (متفق علیہ

واپسی کے سفر پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہوئی انہوں نے فرمایا کہ مجھے اپنی امت کا تلخ تجربہ ہے اور اسلئے میرا خیال آپ کی امت پچاس نمازوں کی پابندی نہیں کر سکتی اس لیے واپس جا کر اس میں کمی کرائیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس گئے اور اللہ نے دس نمازیں کم کر دیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہوئی انہوں نے پھر وہی بات کہی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پھر واپس گئے اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بار بار جاتے رہے اور ہر بار دس نمازیں کم کی جاتی رہیں اور آخر کار پانچ نمازیں فرض کی گئیں اور اللہ رب العزت نے ان پانچ نمازوں کے بارے میں فرمایا کہ یہی پانچ نمازیں پچاس کے برابر ہیں (متفق علیہ

و

اسی کے سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوبارہ بیت المقدس آئے اور یہاں پھر تمام پیغمبر موجود تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوبارہ ان کو نماز پڑھائی۔ پھر براق پر سوار ہوئے اور مکہ واپس پہنچ گئے (البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۱۱۲۔ ۱۱۳) صبح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے اپنی چچازاد بہن حضرت ام ہانی کو یہ واقعہ سنایا، پھر نکل کر حرم کعبہ میں پہنچے تو ابو جہل سے سے آمنا سامنا ہوا ۔اس نے کہا کوئی تازہ خبر فرمایا کہ ہاں میں آج رات بیت المقدس گیا تھا۔ ابو جہل نے پوچھا بیت المقدس؟؟ راتوں رات ہو آئے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں اس نے پوچھا کہ قوم کو جمع کروں ان کے سامنے یہ بات کہو گے؟ فرمایا بے شک۔ابو جہل نے آوازیں دیکر سب کو جمع کرلیا اور کہا اب کہو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب کے سامنے پورا قصہ بیان کیا۔ لوگوں کو نے مذاق اڑایا، حضرت ابو بکر کو یہ خبر سنا کر کہا کہ نعوذ باللہ تمہارا صاحب تو دیوانہ ہوگیا ہے وہ کہتا ہے کہ ایک ہی رات میں بیت المقدس اور آسمانوں کی سیر کرکے آئے ہیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فوراً اس کی تصدیق کی اور کہا کہ "اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات کہی ہے تو واقعی درست ہوگا۔ اس میں تعجب کی کیا بات ہے میں تو روز سنتا ہوں کہ ان کے پاس آسمان سے پیغام آتے ہیں اور میں اس کی تصدیق کرتا ہوں (اسی واقعہ معراج کی صداقت کی تصدیق کرنے پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بارگاہ رسالت سے صدیق کا لقب عطا کیا گیا)

قریش مکہ نے پوچھا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واقعی بیت المقدس گئے ہیں تو ہمیں اس کا نقشہ بتائیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بالکل ٹھیک ایسے جیسے کوئی نقشہ رکھا ہو ایسی طرح بیت المقدس کا نقشہ بیان کیا۔ وہاں بہت سے لوگ موجود تھے جو تجارت کے سلسلے میں بیت المقدس جاتے رہتے تھے وہ دل سے قائل ہو گئے کہ نقشہ بالکل درست ہے۔ مزید ثبوت مانگنے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں فلاں مقام پر فلاں قافلے کے اوپر سے گزرا تھا جس کے ساتھ یہ یہ سامان تھا۔ قافلے والوں کے اونٹ براق سے بھڑکے، ایک اونٹ فلاں وادی کی طرف بھاگ نکلا، میں نے قافلے والوں کو اس کا پتہ دیا، واپسی پر فلا وادی میں فلاں قافلہ مجھے ملا، وہ سب سو رہے تھے، میں نے ان کے برتن سے پانی پیا اور اس بات کی علامت چھوڑ دی کہ اس میں سے پانی پیا گیا ہے۔ ایسے ہی کوچھ اور نشانیاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتائیں جن بعد میں آنے والوں نے قافلوں نے تصدیق کی (بخاری۔ مسلم، مسند ۔احمد، ابن جریر) اس طرح یہ اعتراضات کرنے والوں کے منہ بند ہو گئے

مضمون کا ماخذ سیرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم جلد دوم

اسلام کا اخلاقی نظام - آخری حصہ

اسلام کا نظریہ زندگی واخلاق:

اسلام کا جواب ہے کہ اس کائنات کا خدا ہے اور وہ ایک ہی خدا ہے۔ اسی نے اسے پیدا کیا ہے، وہی اس کا لاشریک مالک، حاکم اور پروردگار ہے۔ اور اسی کی اطاعت پر یہ سارا نظام چل رہا ہے۔ وہ حکیم ہے، قادر مطلق ہے، کھلے اور چھپے کا جاننے والا ہے، سبوح و قدوس ہے (یعنی عیب، خطا، کمزوری اور نقص سے پاک ہے) اور اس کی خدائی ایسے طریقے پر قائم ہے جس میں لاگ لپٹ اور ٹیڑھ نہیں ہے۔ انسان اس کا پیدائشی بندہ ہے، اس کا کام یہی ہے کہ اپنے خالق کی بندگی واطاعت کرے۔ اس کی زندگی کے لیے کوئی صورت بجز اس کے صحیح نہیں ہے کہ وہ سراسر خدا کی بندگی ہو۔ اس بندگی کا طریقہ تجویز کرنا انسان کا اپنا کام نہیں ہے بلکہ یہ اس خدا کا کام ہے جس کا وہ بندہ ہے۔ خدا نے اس کی رہنمائی کے لیے پیغمبر بھیجے ہیں اور کتابیں نازل کی ہیں۔ انسان کا فرض ہے کہ اپنی زندگی کا نظام اسی سرچشمہ ہدایت سے اخذ کرے۔ انسان اپنی زندگی کے پورے کارنامے کے لیے خدا کے سامنے جوابدہ ہے اور یہ جوابدہی اسے اس دنیا میں نہیں بلکہ آخرت میں کرنی ہے۔ دنیا کی موجودہ زندگی دراصل امتحان کی مہلت ہے اور یہاں انسان کی تمام سعی و کوشش اس مقصد پر مرکوز ہونی چاہیے کہ وہ آخرت کی جوابدہی میں اپنے خدا کے حضور کامیاب ہو۔ اس امتحان میں انسان اپنے

پورے وجود کے ساتھ شریک ہے۔ اس کی تمام قوتوں اور قابلیتوں کا امتحان ہے۔ زندگی کے ہر پہلو کا امتحان ہے، پوری کائنات میں جس جس چیز سے جیسا کچھ بھی اس کو سابقہ پیش آتا ہے اس کی بے لاگ جانچ ہونی ہے کہ انسان نے اس کے ساتھ کیسا معاملہ کیا اور یہ جانچ وہ ہستی کرنے والی ہے جس نے زمین کے ذروں پر، ہوا پر اور پانی پر، کائناتی لہروں پر اور خود انسان کے اپنے دل و دماغ اور دست و پا پر اس کی حرکات وسکنات ہی کا نہیں، اس کے خیالات اور ارادوں تک کو ٹھیک ٹھیک ریکارڈ کر رکھا ہے۔

اخلاقی جدوجہد کا مقصود:

یہ ہے وہ جواب جو اسلام نے زندگی کے بنیادی سوالات کا دیا ہے۔ یہ تصور کائنات و انسان اس اصلی اور انتہائی بھلائی کو متعین کر دیتا ہے جس کو پہچانا انسانی سعی و عمل کا مقصود ہونا چاہیے اور وہ ہے خدا کی رضا! یہی وہ معیار ہے جس پر اسلام کے اخلاقی نظام میں کسی طرزِ عمل کو پرکھ کر فیصلہ کیا جاتا ہے کہ وہ خیر ہے یا شر۔ اس کے تعین سے اخلاق کو وہ محور مل جاتا ہے جس کے گرد پوری اخلاقی زندگی گھومتی ہے، اور اس کی حالت بے لنگر کے جہاز کی سی نہیں رہتی کہ ہوا کے جھونکے اور موجوں کے تھپیڑے اسے ہر طرف دوڑاتے پھریں۔ یہ تعین ایک مرکزی مقصد سامنے رکھ دیتا ہے جس کے لحاظ سے زندگی میں تمام اخلاقی صفات کی مناسب حدیں، مناسب جگہیں اور مناسب عملی صورتیں مقرر ہو جاتی

ہیں اور ہمیں وہ مستقل اخلاقی قدریں ہاتھ لگ جاتی ہیں جو تمام بدلتے ہوئے حالات میں اپنی جگہ ثابت و قائم رہ سکیں۔ پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ رضائے الٰہی کے مقصود قرار پا جانے سے اخلاق کو ایک بلند ترین غایت مل جاتی ہے جس کی بدولت اخلاقی ارتقا کے امکانات لاتمناعی ہو سکتے ہیں اور کسی مرحلہ پر بھی اغراض پرستیوں کی آلائشیں اس کو ملوث نہیں کر سکتیں۔

اخلاق کی پشت پر قوتِ نافذہ:

پھر اسلام کے اسی تصور کائنات و انسان میں وہ قوت نافذہ بھی موجود ہے جس کا قانون اخلاق کی پشت پر ہونا ضروری ہے اور وہ ہے خدا کا خوف، آخرت کی باز پرس کا اندیشہ اور ابدی مستقبل کی خرابی کا خطرہ۔ اگرچہ اسلام ایک ایسی طاقتور رائے عامہ بھی تیار کرنا چاہتا ہے جو اجتماعی زندگی میں اشخاص اور گروہوں کو اصولِ اخلاق کی پابندی پر مجبور کرنے والی ہو۔ اور ایک ایسا سیاسی نظام بھی بنانا چاہتا ہے جس کا اقتدار اخلاقی قانون کو بزور نافذ کرے لیکن اس کا اصل اعتماد اس خارجی دباؤ پر نہیں ہے بلکہ اس اندرونی دباؤ پر ہے جو خدا اور آخرت کے عقیدے میں مضمر ہے۔ اخلاقی احکام دینے سے پہلے اسلام آدمی کے دل میں یہ بات بٹھاتا ہے کہ تیرا معاملہ دراصل اس خدا کے ساتھ ہے جو ہر وقت ہر جگہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ تو دنیا بھر سے چھپ سکتا ہے مگر اس کی گرفت سے بچ کر کہیں نہیں جا سکتا۔ دنیا محض تیرے ظاہر کو دیکھتی ہے مگر وہ

تیری نیتوں اور ارادوں تک کو دیکھ لیتا ہے۔ دنیا کی تھوڑی سی زندگی میں تو چاہے جو کچھ کرے، بہرحال ایک دن تجھے مرنا ہے اور اس عدالت میں حاضر ہونا ہے جہاں وکالت، رشوت، سفارش، جھوٹی شہادت، دھوکا اور فریب کچھ نہ چل سکے گا، اور تیرے مستقبل کا بے لاگ فیصلہ ہو جائے گا۔ یہ عقیدہ بٹھا کر اسلام گویا ہر آدمی کے دل میں پولیس کی ایک چوکی بٹھا دیتا ہے جو اندر سے اس کو حکم کی تعمیل پر مجبور کرتی ہے، خواہ باہر ان احکام کی پابندی کرانے والی کوئی پولیس، عدالت اور جیل موجود ہو یا نہ ہو۔ اسلام کے قانونِ اخلاق کی پشت پر اصل زور یہی ہے جو اسے نافذ کراتا ہے۔ رائے عامہ اور حکومت کی طاقت اس کی تائید میں موجود ہو تو نور علی نور، ورنہ تنہا یہی ایمان مسلمان افراد، اور مسلمان قوم کو سیدھا چلا سکتا ہے، بشرطیکہ واقعی ایمان دلوں میں جاگزیں ہو۔

اسلام کا یہ تصور کائنات انسان کو وہ محرکات بھی فراہم کرتا ہے جو انسان کو قانونِ اخلاق کے مطابق عمل کرنے کے لیے ابھارتے ہیں۔ انسان کا اس بات پر راضی ہو جانا کہ وہ خدا کو اپنا خدا مانے اور اس کی بندگی کو اپنی زندگی کا طریقہ بنائے اور اس کی رضا کو اپنا مقصد زندگی ٹھہرائے، یہ اس بات کے لیے کافی محرک ہے کہ جو شخص احکام الٰہی کی اطاعت کرے گا اس کے لیے ابدی زندگی میں ایک شاندار مستقبل یقینی ہے۔ خواہ دنیا کی اس عارضی زندگی میں اسے کتنی ہی مشکلات، نقصانات اور تکلیفوں سے دوچار ہونا پڑے۔ اور اس کے برعکس جو

یہاں سے خدا کی نافرمانیاں کرتا ہوا جائے گا اسے ابدی سزا بھگتنی پڑے گی، چاہے دنیا کی چند روزہ زندگی میں وہ کیسے ہی مزے لوٹ لے۔ یہ امید اور یہ خوف کسی کے دل میں جاگزیں ہو تو اس کے دل میں اتنی زبردست قوت محرکہ موجود ہے کہ وہ اسے ایسے مواقع پر بھی نیکی پر ابھار سکتی ہے جہاں نیکی کا نتیجہ دنیا میں سخت نقصان دہ نکلتا نظر آتا ہو اور ان مواقع پر بھی بدی سے دور رکھ سکتی ہے جہاں بدی نہایت پر لطف اور نفع بخش ہو۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام اپنا تصور کائنات، اپنا معیارِ خیر و شر، اپنا ماخذ علم اخلاق، اپنی قوتِ نافذہ اور اپنی قوتِ محرکہ الگ رکھتا ہے اور انھی چیزوں کے ذریعہ سے معروف اخلاقیات کے مواد کو اپنی قدروں کے مطابق ترتیب دے کر زندگی کے تمام شعبوں میں جاری کرتا ہے۔ اسی بنا پر یہ کہنا صحیح ہے کہ اسلام اپنا ایک مکمل اور مستقل بالذات اخلاقی نظام رکھتا ہے۔

اس نظام کی امتیازی خصوصیات یوں تو بہت سی ہیں مگر ان میں تین سب سے نمایاں ہیں جنھیں اس کا خاص عطیہ کہا جاسکتا ہے۔

پہلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ رضائے الٰہی کو مقصود بنا کر اخلاق کے لیے ایک

ایسا بلند معیار فراہم کرتا ہے جس کی وجہ سے اخلاقی ارتقاء کے امکانات کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔ ایک ماخذ علم مقرر کرکے اخلاق کو وہ پائیداری اور استقلال بخشتا ہے جس میں ترقی کی گنجائش تو ہے مگر تلون اور نیرنگی کی گنجائش نہیں ہے۔ اسلام خوفِ خدا کے ذریعہ سے اخلاق کو وہ قوتِ نافذہ دیتا ہے جو خارجی دباؤ کے بغیر انسان کے اندر خود بخود قانون اخلاق پر عمل کرنے کی رغبت اور آمادگی پیدا کرتی ہے۔

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ خواہ مخواہ کی اُپج سے کام لے کر کچھ نرالے اخلاقیات نہیں پیش کرتا اور نہ انسان کے معروف اخلاقیات میں سے بعض کو گھٹانے اور بعض کو بڑھانے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ انہی اخلاقیات کو لیتا ہے جو معروف ہیں اور ان میں سے چند کو نہیں بلکہ سب کو لیتا ہے۔ پھر زندگی میں پورے توازن اور تناسب کے ساتھ ایک ایک کا محل، مقام اور مصرف تجویز کرتا ہے اور ان کے انطباق کو اتنی وسعت دیتا ہے کہ انفرادی کردار، خانگی معاشرت، شہری زندگی، ملک، سیاست، معاشی کاروبار، بازار، مدرسہ، عدالت، پولیس لائن، چھاؤنی، میدان جنگ، صلح کانفرس، غرض زندگی کا کوئی پہلو اور شعبہ ایسا نہیں رہ جاتا جو اخلاق کے ہمہ گیر اثر سے بچ جائے۔ ہر جگہ، ہر شعبہ زندگی میں وہ اخلاق کو حکمران بناتا ہے اور اس کی کوشش یہ ہے کہ معاملات زندگی کی باگیں خواہشات، اغراض اور مصلحتوں کے بجائے اخلاق کے ہاتھوں میں ہوں۔

تیسری خصوصیت یہ ہے کہ انسانیت سے ایک ایسے نظام زندگی کے قیام کا مطالبہ کرتا ہے جو معروف پر قائم اور منکر سے پاک ہو۔ اس کی دعوت یہ ہے کہ جن بھلائیوں کو انسانیت کے ضمیر نے ہمیشہ بھلا جانا ہے، آؤ انہیں قائم کریں اور پروان چڑھائیں اور جن برائیوں کو انسانیت ہمیشہ سے برا سمجھتی چلی آئی ہے، آؤ انہیں دبائیں اور مٹائیں۔ اس دعوت پر جنھوں نے لبیک کہا انھی کو جمع کرکے اس نے ایک امت بنائی جس کا نام مسلم" تھا۔ اور ان کے ایک امت بنانے سے اس کی واحد غرض یہی تھی کہ وہ معروف" کو جاری و قائم کرنے اور منکر کو دبانے اور مٹانے کے لیے منظم سعی کرے۔ اب اگر اسی امت کے ہاتھوں معروف دبے اور منکر قائم ہونے لگے تو یہ ماتم کی جگہ ہے خود اس امت کے لیے بھی اور دنیا کے لیے بھی

قاتلوں کے سرپرست نام نہاد حق پرستوں کے نام

امریکہ کی قید میں موجود ڈاکٹر عافیہ صدیقی کے حق میں آواز اٹھانے پر اور ان کے لیے کالمز لکھنے پر بہت سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے کیوں کہ ان سے امریکہ کی مخالفت برداشت نہیں ہوتی ہے، اور وہ کسی نہ کسی بہانے کوشش کرتے ہیں کہ ایسی آوازوں کو خاموش کردیا جائے اور جب اس میں کامیاب نہیں ہوتے ہیں تو پھر کوشش کرتے ہیں کہ جس نے کالم لکھا ہے اس کی ذات اور سیاسی وابستگی کو نشانہ بنایا، ذات پر کیچڑ اچھالا جائے۔ اور لوگوں کو متنفر کیا جائے تاکہ لوگوں تک اصل حقائق نہ پہنچ سکیں۔ ڈاکٹر عافیہ صدیقی کے معاملے پر آواز آٹھانے پر دینی جماعتوں کو معطون کیا جاتا ہے کہ ملک میں اتنی خواتین ظلم و تشدد کا نشانہ بن رہی ہیں یہ اس پر آواز کیوں نہیں اٹھاتی ہیں۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ یہ الزام وہ لوگ لگاتے ہیں جو ہر حکومت میں شامل رہے ہیں اور نہ صرف شامل رہے ہیں بلکہ ہر حکومت کی ناک کا بال رہے ہیں۔ اب عقلی طور اور منطقی طور پر تو یہ بات ہونی چاہیے کہ جو گروہ کئی سالوں سے برسر اقتدار ہے اس سے ایسے معاملات پر بات کرنی چاہیے، اس سے سوال کرنا چاہیے کہ ملک میں یہ انتشار، یہ ظلم کیوں ہورہا ہے؟ اس کر برعکس یہ سوال ان سے کیا جاتا ہے جو کہ حکومت میں شامل ہی نہیں ہیں۔

اس سے بھی دل نہیں بھرا تو پھر اپنی جاہلیت بلکہ مطلق جاہلیت اور اندھے تعصب کا شکار ہو کر ڈاکٹر عافیہ صدیقی کے معاملے پر کہا جاتا ہے کہ ٗامریکہ بیسڈ سائنٹسٹ تھیں، ان کو امریکہ نے ہی ٹرینڈ کیا تھا اور وہ لے گیا۔ یا پھر کبھی کہا جاتا ہے کہ ٗ ڈاکٹر عافیہ پر کچھ مقدمات ہیں جن کی پیشیاں وہ بھگتا رہی ہیں۔ یہ انتہائی شرم ناک رویہ ہے بالخصوص ان لوگوں کے لیے جو کہ خود کو کراچی کیٗ نمائندہ اور کراچی کی اصل سیاسی جماعتٗ کہتے ہیں اس لیے کہ ڈاکٹر عافیہ صدیقی کا تعلق کراچی سے ہی ہے۔ دوسری بات یہ کہ ڈاکٹر عافیہ صدیقی تھیں نہیں بلکہ ہیں، تیسری بات یہ کہ امریکہ نے جو مقدمات قائم کیے ہیں ان کی کیا حقیقت ہے۔ اس سے پوری دنیا واقف ہے۔ وہ امریکہ جو نائین الیون کا الزام القاعدہ پر لگاتا ہے لیکن آج تک اس کا کوئی ثبوت نہیں دیا جاسکا ہے بلکہ حقیقت یہی ہے کہ یہ نائین الیون امریکہ نے خود برپا کیا تھا، اس امریکہ کے مقدمات کی بات کرتے ہیں۔ کس قدر بے غیرتی کی بات ہے خصوصاً اس فرد کے لیے جو نبی مہربان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا دعویٰ کرتا ہو۔ ایک مسلمان عورت کو اس کے ملک سے اغواء کیا جاتا ہے، اس پر جھوٹے الزام لگائے جاتے ہیں، اس کی تذلیل کی جاتی ہے، غیر مسلم مردوں کے سامنے اس کو برہنہ کرکے تلاشی لی جاتی ہے، اور نبی مہربان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کے دعوے دار کہتے ہیں کہ امریکہ نے ٹرینڈ کیا تھا وہی لے گیا۔

اس حوالے سے تاریخ اسلام سے ایک واقعہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں جسے ابن ہشام نے اپنی کتاب میں تفصیل سے قلمبند کیا ہے "ایک عورت بازار میں خریداری کے لیے گئی۔ ایک زرگر کی دکان پر کچھ اوباش نوجوانوں نے اسے چھیڑنا اور تنگ کرنا شروع کردیا۔ عورت نے نقاب پہنا ہوا تھا۔ نوجوانوں نے کہا کہ اپنا چہرہ دکھاؤ۔ عورت کے انکار پر زرگر نے اس کی آنکھ بچا کر اس کے کپڑے کو کسی چیز سے باندھ دیا۔ جب وہ جانے کے لیے پلٹی تو کپڑا کھنچ جانے کی وجہ سے بے پردہ ہو گئی۔ شرم اور رنج کی وجہ سے عورت چلا اٹھی۔ ایک شخص قریب سے گزر رہا تھا۔ عورت کی فریاد سن کر رُک گیا۔ حقیقت معلوم ہونے پر اسے طیش آگیا، تلوار نکالی اور زرگر کی گردن اُڑا دی جس پر زرگر کے ساتھیوں نے اُسے گھیرے میں لے لیا اور قتل کردیا۔" یہ واقعہ آج سے 14 سو سال قبل عرب کے ایک بہت چھوٹے سے شہر مدینے میں پیش آیا۔ بازار یہودی قبیلے بنو قینقاع کا تھا اور خریداری کے لیے جانے والی عورت مسلمان تھی۔ اہلِ مدینہ کو اسلام کی روشنی سے منور ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا، پہلی اور اکلوتی اسلامی نظریاتی ریاست قائم ہوچکی تھی اور معرکہ بدر رونما ہوچکا تھا۔ خطرات میں گھری نومولود ریاست کے مسلمان شہریوں کی تعداد چند ہزار سے زائد نہ تھی۔ ان میں سے وہ جو مکہ سے ہجرت کرکے آئے تھی، معاشی لحاظ سے مستحکم نہ تھے ریاست کی باقاعدہ تنخواہ دار فوج نہیں تھی یعنی ہر وہ شخص جو لڑ سکتا تھا،

مجاہد تھا۔ اسلحے اور دیگر سامانِ حرب کا حال تو بدر کے موقع پر واضح ہوچکا تھا۔ بنوقینقاع کے بازار میں اس مظلوم عورت کے ساتھ پیش آنے والا واقعہ بظاہر غیر معمولی نوعیت کا نہیں تھا۔ مارکیٹوں، بازاروں میں، حتیٰ کہ گلیوں اور سڑکوں پر اوباش نوجوان آج بھی لڑکیوں پر فقرے کستے اور انہیں چھیڑتے ہوئے نظر آجاتے ہیں۔ کسی مسلمان عورت کا چہرہ دیکھنے کے لیے البتہ انہیں فرمائش کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اس لیے کہ پردے کا رواج مغربی تہذیب کے غلبے کے ساتھ ساتھ مسلمان معاشروں میں خود بخود کم ہوتا چلا گیا ہے لیکن واقعہ کیونکہ اولین اسلامی ریاست میں پیش آیا تھا اور اس ریاست کے حکمران دنیا کے سب سے غیرت مند انسان تھے اور رہتی دنیا تک کے لیے خواتین کے حقوق کے سب سے بڑے محافظ، سب سے عظیم داعی' جنھوں نے بچیوں کو پیدائش کے بعد زندہ دفن کردینے والوں کے معاشرے میں ماں، بہن، بیٹی اور بیوی جیسے مقدس رشتوں کے احترام کا درس دیا اور نہ صرف درس دیا بلکہ عورتوں کے عزت واحترام کی وہ مثالیں چھوڑیں جو روزِ قیامت تک بنی نوع انسان کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔ والی ریاستِ مدینہ، رحمت اللعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس واقعے کی اطلاع ملنے پر مسلمانوں کو لے کر بنوقینقاع کی آبادی کا محاصرہ کرلیا۔ محاصرہ پندرہ روز جاری رہا جس کے بعد انھوں نے ہتھیار ڈال دیئے ان میں 700 مردانِ کار شامل تھے ان کے ہتھیار ضبط کرلیے گئے جن میں 1500 تلواریں، 300 زرہیں، 2000 نیزے اور 500 ڈھالیں شامل تھیں۔

اس محاصرے میں کوئی شخص ہلاک نہیں ہوا اور مسلمانوں میں بعض لوگوں کی درخواست اور سفارش پر بنو قینقاع کو صرف مدینہ بدری کی سزا دی گئی۔ روایات سے پتا چلتا ہے کہ اس یہودی قبیلے کی ساری آبادی کو مدینہ بدر کردیا گیا تھا۔ سیرت کی تمام اہم کتب میں، حتیٰ کہ صحیح بخاری میں بھی مذکورہ بالا واقعہ جزوی تفصیلات کے ساتھ ملتا ہے اکثر مورخین نے لکھا ہے کہ یہودیوں کا یہ قبیلہ اسلام قبول کرنے سے گریزاں تھا اور شجاعت و جنگجوئی میں خود کو اہل قریش سے برتر خیال کرتا تھا۔ تمام مورخین ان کی جلا وطنی کے واقعے کا فوری سبب ایک مسلمان عورت کی بے حرمتی کے واقعے کو ہی گردانتے ہیں۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کے دعوے دار اس پر کیا کہیں گے؟؟ محترم صرف کالم لکھنا اور دوسروں کو لعن طعن کرنے سے حقیقت نہیں بدل جاتی ہے بلکہ عمل سب کچھ بتا دیتا ہے۔ اب سوال تو یہ بھی کیا جاسکتا ہے کہ دوسروں کو عبداللہ بن ابی کا لقب دینے والوں کا عمل ان کے گروہ کا تعین کر رہا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ یہ گروہ دراصل قاتلوں کا سرپرست تھا سرپرست ہے اور رہے گا، حق پرستی کا دعویٰ کرنے سے کوئی حق پرست نہیں بن جاتا ہے، دینی جماعتوں پر الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ ملک عورتوں پر ہونے والی زیادتیوں پر آواز نہیں اٹھاتی یہ ایک بہتان ہے، جھوٹ ہے، البتہ گزشتہ نو سال سے حکومت میں رہنے والی حق پرستوں کی جماعت کی حکومت میں کراچی میں مزار قائد کے احاطے

سے حوا کی ایک بیٹی کو اغواء کیا جاتا ہے، اس کے ساتھ اجتماعی زیادتی کی جاتی ہے، اور پھر سڑک پر نیم مردہ حالت میں ڈال دیا جاتا ہے۔ ابھی تک اس مظلوم کو انصاف نہیں ملا ہے، کراچی میں ناظم بھی حق پرست ہے، اور سندھ کا گورنر بھی حق پرست ہے لیکن اس مظلوم کو انصاف نہیں مل سکا ہے۔ سولنگی قبیلے کی اس مظلوم لڑکی کو بھی آج تک انصاف نہیں مل سکا ہے، جس کو اس کے ظالم چچا نے سرعام قتل کیا نہ صرف قتل کیا بلکہ قتل سے پہلے سرعام ایک میدان میں مردوں کی موجودگی میں اس کا حمل بھی گرایا گیا۔ حق پرست گورنر، درجنوں وزراء۔ اور ارکان صوبائی و قومی اسمبلی کی موجودگی کے باوجود نام نہاد حق پرست اس واقعے پر کوئی آواز نہیں اٹھاتے ہیں اور اس مظلوم کو انصاف نہیں ملا ہے، کراچی میں ایک عورت کو زندہ جلایا جاتا ہے اور سوات میں ایک عورت کے کوڑے لگنے پر تڑپ اٹھنے والے اس واقعے پر خاموش ہیں جبکہ اصولی طور پر وہ حکومت میں شامل ہیں، گورنر بھی ان کا ہے، وفاق میں بھی ان کی نمائندگی ہے۔ ان کو دوسروں کو کہنے کے بجائے اس تمام معاملات کی خود تحققق کرنی چاہیے تھی کہ یہ سوات نہیں تھا بلکہ کراچی اور سندھ میں رونما ہونے والے واقعات ہیں اسی کراچی میں جس کی نمائندگی کا جھوٹا دعویٰ یہ لوگ کرتے ہیں۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ جن کا کام ہے امن و امان برقرار رکھنا ان کے سوال کرنے کے بجائے جو لوگ اس وقت سسٹم میں ہی نہیں یعنی اس وقت جو انتظامی اختیارات ہی نہیں رکھتی ہیں ان سے مطالبہ کیا جارہا ہے کہ وہ ملک کے مسائل

حل کریں۔ انشاء اللہ حل کریں اور ہم ہی حل کریں وقت بدل رہا ہے۔ خوش آئند بات یہ ہے کہ سپریم کورٹ نے سابق ڈکٹیٹر پرویز مشرف کے خلاف قانونی نوٹس جاری کردیا ہے،اب یہ حکومت کا کام ہے کہ وہ سپریم کورٹ کے احکامات پر عمل کرائے، انشاء اللہ اب بارہ مئی اور نو اپریل کے قاتل بھی گرفتار ہونگے، جنکے بارے میں ایک بھائی کہتے ہیں بارہ مئی کے ذمہ داروں کے خلاف کیس کریں اور سانحہ نو اپریل کے ذمہ داروں کے خلاف کیس کریں تو ان کی یہ خواہش بھی اللہ نے پوری کردی ہے کہ کیس تو پہلے ہی قائم ہیں اب امید ہے کہ مجرم بھی انصاف کے کٹھرے میں ہونگے۔

جھوٹوں کے سردار نام نہاد حق پرستوں کے نام

البدر والشمس پر کردار پر اس فورم پر محترم فرقان صاحب نے کئی الزامات لگائے ہیں، ہم نے پہلے بھی البدر والشمس پر الزام لگانے والوں سے کہا تھا کہ ہم ساری باتوں کا جواب دیں گے لیکن پہلے یہ تو بتایا جائے کہ انہوں نے کونسی دہشت گردی کی تھی ،کب کب کس کس دہشت گردی یا قتل عام میں حصہ لیا؟؟ اس کا مقصد یہ معلوم کرنا تھا کہ کیا ان حضرات کو واقعی البدر کے بارے میں کچھ معلوم ہے یا صرف قائد تحریک کے جھوٹے پروپگینڈے کی بنیاد پر یہ باتیں کی جارہی ہیں۔ ہمیں افسوس ہوا کہ الزمات تو دہرائے گئے لیکن حوالہ، کوئی بنیاد نہیں فراہم کی گئی بلکہ صرف الزامات کی جگالی کرکے دنیا کو دھوکہ دینے کی کوشش کی گئی۔

جہاں تک محترم الطاف حسین صاحب کے جھوٹ کا تعلق ہے تو میرے پاس موجود کتاب "میری کہانی" جو کہ محترم الطاف حسین صاحب کے انٹرویو پر مشتمل ہے اور غالباً سن نوے یا نواسی میں شائع ہوئی ہے۔ اس تاریخ کو ذہن میں رکھیے گا۔ اس انٹرویو میں ایک جگہ اسلامی جمعیت طلبہ پر الزام لگاتے ہوئے محترم کہتے ہیں کہ" اسلامی جمعیت میں آج تک صرف پنجاب سے تعلق رکھنے والے ہی ناظم اعلیٰ بنتے رہے ہیں" میں نے اس کتاب کے شائع ہونے کی تاریخ لکھی ہے

ہو سکتا ہے کہ یہ انٹرویو اس سے چند سال پیشتر کا ہو۔ اب اس تاریخ کو ذہن میں رکھیں اور پھر یہ دیکھیں کہ سید منور حسن ساٹھ کی دہائی میں اسلامی جمعیت طلبہ کے ناظم تھے، اور ان کا تعلق کراچی سے تھا اور ان کی رہائش اس وقت مارٹن کوارٹرز کے ایریا میں ہوتی تھی۔ ان سے پہلے مطیع الرحمان نظامی اسلامی جمیعت طلبہ کے ناظم ہوتے تھے۔ ان کا تعلق سابقہ مشرقی پاکستان سے تھا۔ (یعنی وہ بھی پنجابی نہیں تھے بلکہ بنگالی تھے)۔ اس سے ثابت ہوا کہ محترم الطاف حسین صاحب کس طرح حقائق کا بیڑہ غرق کرتے ہیں۔

سانحہ بارہ مئی جس کے باعث صرف کراچی اور حیدرآباد ہی نہیں بلکہ پورے پاکستان اور پوری دنیا نے متحدہ کی دہشت گردی کو براہ راست دیکھا (مشرف کو قانونی نوٹس دیا جاچکا ہے اور انشاء اللہ بارہ مئی کے ذمہ داران بھی کیفر کردار تک پہنچیں گے) اس واقعہ کے بعد چند دن تک تو بھائی لوگوں کو سمجھ ہی نہ آیا کہ کیا کریں۔ اس کے چار یا پانچ دن کے بعد اچانک بھائی لوگوں نے بھی بارہ مئی کی ایک من گھڑت ویڈیو جاری کردی، جس میں متحدہ کے بجائے، اے این پی، اور پی پی کے جھنڈے پکڑے لوگوں کو فائرنگ کرتے ہوئے دکھایا گیا تھا، اس ویڈیو کے جھوٹا ہونے کے لیے یہ بات کافی تھی کہ اگر یہ لوگ سچے ہوتے تو پہلی فرصت میں دنیا کے سامنے یہ ویڈیو دکھاتے لیکن ایسا نہ تھا۔ اس کے بعد محترم الطاف حسین نے اس کا الزام جماعت اسلامی پر لگایا کہ انہوں نے اپنے

کارکنوں کو ایم کیو ایم کے جھنڈے دیکر فائرنگ کرائی ہے۔ (بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ)۔ اور ابھی گزشتہ ماہ سابقہ دہشت گرد سلیم شہزاد نے ایک خطاب میں بارہ مئی کو ایم کیو ایم کے خلاف ایک سازش قرار دیا۔ لیکن یہ بڑی عجیب بات ہے کہ یہ سازش اس وقت ہوئی جب بھائی لوگوں کے چہیتے وسیم اختر مشیر داخلہ تھے، ان کا حمایت یافتہ فرد سندھ کا وزیر اعلیٰ تھا۔ اور گورنر بھی بھائی لوگوں کے اپنے تھے ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ جب اس کا کیس داخل کیا گیا تو متحدہ کو بڑھ چڑھ کر اس کی حمایت کرنی چاہئے تھی لیکن اس کے برعکس جس دن اس کیس کی سماعت شروع ہوئی اس دن بھائی لوگوں نے کورٹ کا گھیراؤ کرلیا، اور ہنگامہ آرائی کردی جس کے باعث یہ سماعت نہ ہوسکی، اس کے کچھ دنوں کے بعد جب دوبارہ اس حوالے سے پیش رفت ہوئی تو نو اپریل کا سانحہ ہوا جب طاہر پلازہ میں وکلاء کے چیمبر کو دروازے بند کرکے آگ لگا دی گئی، اور تین انسانوں کو زندہ جلادیا گیا۔ اگر متحدہ اور اس کے قائد سچے ہوتے تو سب سے پہلے وہ بارہ مئی کا مقدمہ درج کراتے لیکن ایسا نہیں ہوا۔

یہ ساری باتیں بتانے کا مقصد یہ ہے کہ متحدہ کے قائد سے لیکر رہنما اور کارکنان تک جھوٹ بولنے میں مشتاق ہیں۔ اور بے دریغ اور ڈھٹائی سے جھوٹ بولتے ہیں۔ بغیر کسی شرم و حیا کے، اس کی ایک اور مثال آپ کے سامنے رکھتے ہیں کہ گزشتہ ہفتے ہونے والی بارشوں نے سٹی گورنمنٹ کی تمام کارکردگی جس کا

ہر جگہ ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے۔ اور شہر کو میگا سٹی بنانے کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔ محض ایک سے ڈیڑھ گھنٹے کی بارش میں ان تمام باتوں کا پول کھول دیا اور نومبر دو ہزار آٹھ میں کیے گئے خود ساختہ دعوے "دنیا کا بہترین میئرز میں دوسرا نمبر" کا پول بھی کھول دیا۔ قارئین کی اور فرقان صاحب کی تسلی کے لیے اس دعوے کی حقیقت بھی بیان کر دیتے ہیں

یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ ایک امریکی جریدے " فارن پالیسی " نے انہیں دنیا کے دوسرے بہترین میئر کا اعزاز بخشا ہے۔ کچھ اخبارات نے متحدہ قومی موومنٹ کے اس دعویٰ کو مسترد کرتے ہوئے مذکورہ امریکی جریدے کے حوالے سے یہ خبریں شائع کی ہیں کہ جریدے نے مصطفیٰ کمال کو دنیا کا دوسرا بہترین میئر ہرگز قرار نہیں دیا اور نہ ہی اس نے دنیا کے بہترین میئروں کی کوئی فہرست شائع کی ہے۔ جب مذکورہ جریدے کے ایڈیٹر کو ای میل کرکے صورتحال کی وضاحت چاہی تو چند گھنٹوں کے بعد جینا حسن نامی خاتون کا جواب موصول ہوا جس نے اخبارات میں شائع ہونے والی ان خبروں کی تصدیق کر دی کہ جریدے نے مصطفیٰ کمال کو دنیا کا دوسرا بہترین میئر قرار نہیں دیا۔ ای میل کرکے آپ میں سے کئی لوگ خود بھی یہ حقیقت معلوم کر سکتے ہیں۔ جریدے نے دنیا کے بڑے شہروں کے حوالے سے ایک رپورٹ ضرور شائع کی ہے جس میں مختلف Indicators کی بنیاد پر شہروں کی درجہ بندی کی گئی ہے۔ اس درجہ بندی کے مطابق بدقسمتی سے کراچی ستاون نمبر

پر ہے جبکہ 1971ء میں پاکستان کے مقتدر طبقات سے آزادی حاصل کرنے والے ملک بنگلہ دیش کا دارالحکومت ڈھاکہ ایک درجہ بلند یعنی 56 ویں نمبر پر ہے۔ شہری سہولیات اور بعض دیگر عوامل کی بنیاد پر 56 شہروں کے بعد شمار کئے جانے والے شہر کے میئر کو دنیا کا دوسرا بہترین میئر کس بناء پر قرار دیا جاسکتا ہے' یہ بجائے خود ایک دلچسپ سوال ہے۔ دنیا کے مختلف شہروں کے میئروں کی درجہ بندی (Ranking) اربن افیئرز نامی صرف ایک تھنک ٹینک کرتا ہے۔ ادارہ ہذا اپنی ویب سائٹ
www.worldmayor.com کے ذریعے آن لائن ووٹنگ کرواتا ہے اور دو مراحل میں ووٹنگ کے بعد دنیا کے بہترین میئروں کی فہرست مرتب کرتا ہے۔ 2005 میں ادارے نے افریقہ' شمالی امریکہ' لاطینی امریکہ' یورپ اور ایشیاء کے 65 بڑے شہروں کے میئروں کو دوسرے مرحلے میں ووٹنگ کے لئے شارٹ لسٹ کیا۔ براعظم ایشیاء کے 9 شہروں کے میئر اس فہرست میں شامل تھے۔ تہران کے میئر (ایران کے موجودہ صدر) احمدی نژاد اور کراچی کے سابق ناظم نعمت اللہ خان کا نام بھی ان نو ایشیائی میئرز میں شامل تھا۔ سال 2008ء کے بہترین میئر کے انتخاب کے لئے ورلڈ میئرز کی ویب سائٹ پر جولائی 2007 سے جنوری 2008ء کے درمیان آن لائن ووٹنگ ہوئی۔ اس ووٹنگ میں دنیا بھر سے دو لاکھ سے زائد لوگوں نے حصہ لیا۔ ابتدائی طور پر 820 میئروں کی فہرست مرتب کی گئی جبکہ دوسرے مرحلے میں 50 ناموں کو شارٹ لسٹ کیا گیا۔ ان میں 11 ایشیائی شہروں کے میئرز شامل ہیں۔ حتمی نتائج کے مطابق 2008 کے بہترین میئر کا اعزاز جنوبی افریقہ کے شہر کیپ

ٹاؤن کی میئر ہیلن زتے کے حصے میں آیا ہے۔ دوسرے نمبر پر زیورخ کے میئر ایلمار لیڈر گربیر آئے ہیں جبکہ تیسری پوزیشن وینزویلا کے شہر چکاؤ کے میئر لیوپولڈ ولوپیز نے حاصل کی ہے۔ (ملاحظہ ہو www.worldmayor.com) برادر اسلامی ممالک ترکی اور ایران کے شہروں استنبول اور تہران کے میئروں کو ایک مرتبہ پھر یہ اعزاز حاصل ہوا ہے کہ ان کے نام دنیا کے 50 بہترین میئروں کی فہرست میں شامل ہیں جبکہ پاکستان کے کسی بھی میئر (ناظم) کا نام اس فہرست میں شامل نہیں ہے۔ جی ہاں! بہترین میئروں کی درجہ بندی کرنے والے دنیا کے واحد ادارے اربن افیئرز کی ویب سائٹ ورلڈ میئرز ڈاٹ کام کے منتخب کردہ 50 بہترین میئروں کی فہرست میں پاکستان کے کسی بھی میئر کا نام شامل نہیں ہے۔ مصطفیٰ کمال کا بھی نہیں.... اور یہی اس تصویر کا دوسرا اور اصل رخ ہے جسے دیکھ کر یقیناً آپ کو غالب کا یہ شعر یاد آئے گا۔ ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ دھوکہ۔ دیتے ہیں یہ بازی گر کھلا

بات ہم نے البدر والشمس سے شروع کی تھی لیکن جھوٹ کا پول کھولے بغیر اصل حقیقت لوگوں تک نہیں پہنچ سکتی ہے۔ البدر اور الشمس کے بارے میں اگر زندگی رہی تو انشاء اللہ اپنے اگلے کالم میں بات کریں گے۔

حقائق تو یہ ہیں

ہم نے جب سے اس ویب سائٹ پر ماضی کی ایک محب وطن تنظیم البدر کے حوالے سے کچھ باتیں کی تو بہت سے لوگوں کو یہ بات ناگوار گزری، بالخصوص نام نہاد حق پرستوں کے ایک سرگرم حامی جناب فرقان خان صاحب کو تو یہ بات انتہائی بری لگی ہے۔ اور اس کے ب عد سے وقتاً فوقتاً وہ اس حوالے سے گوہر افشانیاں کرتے رہتے ہیں اور قائد تحریک کے جھوٹے پروپیگنڈے کو دہراتے رہتے ہیں۔ ویسے ایک دلچسپ حقیقت جو ہمارے سامنے آئی کہ فرقان صاحب کو اس بات سے کوئی غرض نہیں ہے کہ کونسی تنظیم کیا ہے؟ اس کی تاریخ کیا ہے؟۔ بلکہ ان کو صرف اس بات کی فکر ہوتی ہے کہ کوئی متحدہ کے خلاف بات کرے تو وہ ایک محاذ کھول دیں۔ پہلے جب ہم نے نواز شریف کے خلاف لکھے گئے آرٹیکلز کا جواب دیا تھا تو ان کو غلط فہمی پیدا ہوئی کہ شائد ہمارا تعلق مسلم لیگ ن سے ہے اسی بناء پر اسوقت وہ ہمارے ہر کالم کے جواب میں میاں نواز شریف، مسلم لیگ ن اور پنجاب کو لتاڑتے رہتے تھے (یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ اس وقت ہمارے کالمز پر کچھ مخصوص انداز کے تبصرے بھی ہوتے تھے اور وہ بھی سارے نواز شریف اور مسلم لیگ ن کے خلاف ہوتے تھے)۔ پھر یہ ہوا کہ ان کو پتہ چلا کہ ہمارا تعلق جماعت اسلامی سے ہے تو اب یہ ہوتا ہے کہ ہمارے ہر کالم کے جواب میں بلا وجہ جماعت اسلامی کو نشانہ بنایا جاتا ہے (

حیرت انگیز طور پر اب اگر اس مخصوص انداز کے تبصرے ہوتے بھی ہیں تو وہ بھی جماعت اسلامی کے خلاف ہوتے ہیں نواز شریف کے خلاف نہیں)۔ جبکہ ان کے کالمز اٹھا کر دیکھے جاسکتے ہیں کہ پہلے ان کے کالمز نواز شریف کے خلاف ہوتے تھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ان کا مقصد حق بات کہنا نہیں ہے بلکہ ہر وہ گروہ، وہ فرد جو متحدہ کا اصل چہرہ دکھائے اس کی کردار کشی کرنا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر ہمارا تعلق کسی اور تنظیم سے ہوتا تو اب تک موصوف اس کی عزت افزائی کرچکے ہوتے۔ بہر حال انہوں نے الزامات لگائے کہ جماعت اسلامی نے ملک توڑنے کی سازش کی۔ مشرقی پاکستان میں فوجی آپریشن کی حمایت کی۔ اور مشرقی پاکستان میں البدر اور جماعت اسلامی نے قتل عام میں حصہ لیا۔ ہم کوشش کرتے ہیں کہ انکا جواب دے سکیں

سب سے پہلے اس سوال کا جواب کہ جماعت اسلامی اور جمعیت نے مشرقی پاکستان میں فوجی آپریشن کی حمایت کیوں کی؟ یہ احمقانہ الزام ہے اور تاریخ کو مسخ کرنے کی کوشش ہے کہ جماعت اسلامی اور جمعیت نے مشرقی پاکستان میں اپنے ہی عوام کے خلاف فوجی آپریشن کی حمایت کی تھی۔ جماعت اسلامی وہ پہلی سیاسی جماعت تھی جس نے 1970ء کے انتخابات کے نتائج اور اپنی بدترین شکست کو کھلے دل سے تسلیم کرکے اقتدار منتخب نمائندوں کے حوالے کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔ اسلامی جمعیت طلبہ، مشرقی پاکستان کی صوبائی شوریٰ نے 14 مارچ 1971ء کو ایک

متفقہ قرارداد منظور کی جس میں حکومت سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ قومی اسمبلی کا اجلاس فوری طلب کیا جائے اور منتخب نمائندوں کو اقتدار منتقل کیا جائے۔ (روزنامہ اتفاق، ڈھاکا، 15 مارچ 1971ء)

جنوری 1971ء سے عوامی لیگ، پیپلز پارٹی اور برسراقتدار فوجی ٹولے کے درمیان اقتدار کی کشمکش عروج کو پہنچ گئی تھی۔ ملک خصوصاً اکثریتی مشرقی صوبہ عوامی لیگ اور مکتی باہنی کی متشدد سرگرمیوں کی وجہ سے خانہ جنگی کے دہانے پر پہنچ گیا تھا۔ یکم مارچ 1971ء سے غیر بنگالیوں یعنی بہاریوں، دیگر زبانیں بولنے والے پاکستانیوں اور محب وطن بنگالیوں کا قتل عام شروع ہوگیا تھا۔ اس صورت حال میں اسلام پسند نوجوانوں خصوصاً اسلامی جمعیت طلبہ (چھاترو شنگھو) کے وابستگان کے سامنے تین راستے تھے: 1۔ حالات کے رُخ پر بہتے ہوئے کھل کر علیحدگی پسندوں یعنی پاکستان توڑنے والوں کا ساتھ دیا جائے۔ 2۔ حالات کو اپنے رُخ پر بہنے دیا جائے اور خاموش تماشائی کا کردار ادا کیا جائے، یا 3۔ حالات کا رُخ موڑنے، پاکستان کی سالمیت اور مظلوم عوام کے تحفظ کے لیے میدانِ عمل میں اُتر کر اپنی ذمہ داری ادا کی جائے۔ 10 تا 14 مارچ کو چار روز تک جاری رہنے والے جمعیت کی صوبائی شوریٰ کے اجلاس میں طویل غوروخوض اور بحث و مباحثہ کے بعد جمعیت نے تیسرے آپشن کو اپنانے اور اس ملک کو بچانے کے لیے عظیم الشان قربانیاں دینے کا فیصلہ کیا جس کو بنانے کے لیے صرف 24 سال

قبل ان کے آباؤ اجداد نے قربانی دی تھی اور انگریزوں اور ہندوؤں کے تسلط سے آزاد کروایا تھا۔ اس فیصلے کے 2 ماہ بعد تک البدر نامی تنظیم وجود میں نہیں آئی تھی۔ البدر اُس وقت تشکیل دی گئی جب مشرقی پاکستان کی سرحدوں پر بھارت کی یلغار شروع ہوچکی تھی اور پاکستانی فوج کی رجمنٹیں بغاوت پر اتر آئی تھیں۔ اس صورتِ حال میں مشرقی پاکستان کی حفاظت کے لیے پاکستانی فوج کو ایک قابل اعتماد اور محب وطن فورس کی ضرورت تھی۔ اس ضرورت اور اسلامی چھاترو شنگھو کے فیصلے کے نتیجے میں البدر کا قیام عمل میں آیا۔

یہ بالکل وہی بات ہے جو کہ فرقان صاحب نے خود بائیس جولائی کو اپنے آرٹیکل ؔ عام حالات میں جہاد (فرض کفایہ) - حصہ ۳ میں بیان فرمایا ہے اور لکھا ہے کہ ؔ جہاد کی مہمات میں سے ایک کام اسلامی سرحدات کو دشمن کی یلغار سے محفوظ رکھنے کا ہے جس کو قرآن و حدیث کی اصطلاح میں '' رباط '' کہا جاتا ہے۔ اور جہاد کی طرح اس کی بھی بڑے فضائل قرآن وحدیث میں مذکور ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ (عنہم) کی ایک جماعت نے اس کو دوسرے کاموں پر ترجیح دے کر اسلامی سرحدات پر قیام اختیار فرمایا تھاؔ۔ اور ؔ جہاں دشمن کے حملے کا خطرہ ہو ان حفاظت کا ہر قدم رباط کے حکم میں ہے۔ یہ ایسا جہاد ہے جس میں ہر شہری اپنے گھر میں بیٹھا ہوا بھی رباط کا ثواب لے سکتا ہے ؔ

(جاری ہے)

مشرف کی ڈائری کا ایک ورق

23 جولائی.... آخر وہی ہوا جس کا خوف مجھے ایک مدت سے کھائے جا رہا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے اپنی سبکدوشی سے پہلے اس بات کی پوری ضمانت حاصل کی تھی کہ دنیا چاہے اِدھر کی اُدھر ہو جائے چیف جسٹس افتخار محمد چودھری بحال نہیں ہوں گے، نہ میرا 3 نومبر 2007ء کا اقدام عدالت میں زیر بحث آئے گا۔ اس بات کی ضمانت مجھے امریکا نے بھی دی تھی، زرداری نے بھی دی تھی اور دیگر مقتدر قوتوں نے بھی دی تھی۔ مجھے پورا یقین تھا کہ اس ضمانت پر سو فیصد عمل ہوگا اور میرا بال بھی بیکا نہ ہو پائے گا۔ لیکن پھر نہ جانے کیا ہوا کہ راتوں رات سارا منظر بدل گیا۔ وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی نے 15 مارچ کو رات کے آخری پہر ٹیلی ویژن پر آکر اعلان کیا کہ چیف جسٹس افتخار چودہری اپنے منصب پر بحال کر دیے گئے ہیں اور ان کے ساتھ وہ تمام جج بھی بحال کر دیے گئے ہیں جنہیں میں نے سبکدوش کرکے انہیں ان کے گھروں میں نظر بند کر دیا تھا۔ وزیر اعظم گیلانی نے اپنی اس حرکت کا جواز یہ پیش کیا کہ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو عوام کا سیلاب سب کچھ بہا کر لے جاتا۔ لیکن مجھے یہ ڈراما لگتا ہے، عوام کے سیلاب کو روکنا کون سا مشکل تھا! دراصل یہ میرے خلاف سازش تھی جو اندر ہی اندر پک رہی تھی۔ زرداری نے جس چالاکی کے ساتھ مجھ سے صدارت چھینی تھی میرا ماتھا اسی وقت ٹھنک گیا

تھا کہ میرے خلاف کچھ ہونے والا ہے۔ چنانچہ پہلے جج بحال ہوئے اور اب میری شامت آ گئی ہے۔ سپریم کورٹ نے 3 نومبر 2007ء کے اقدام کے خلاف مقدمے کی سماعت کرتے ہوئے مجھے اپنے روبرو پیش ہونے کا نوٹس جاری کر دیا ہے، جب کہ اس سے پہلے وہ نواز شریف کو طیارہ سازش کیس میں بری کر چکی ہے اور اپنے فیصلے میں اس نے ہائی جیکنگ کے سارے ڈرامے کو مسترد کر دیا ہے۔ اس طرح عدالت نے بالواسطہ طور پر مجھے مجرم قرار دیا ہے کہ میں نے سول حکومت کا تختہ الٹنے اور اقتدار پر قبضہ کرنے کے لیے یہ ڈراما رچایا تھا۔ بات تو سچ ہے مگر بات ہے رسوائی کی یوں لگتا ہے کہ سپریم کورٹ مجھے پوری طرح ایکسپوز کرنے اور رسوا کرنے پر تلی ہوئی ہے۔ میں نے سپریم کورٹ کے نوٹس پر اپنے قانونی مشیروں سے صلاح مشورہ کیا ہے لیکن افسوس شریف الدین پیرزادہ میرے ہاتھ نہیں لگ سکے۔ میں نے کل شام انہیں تین بار ٹیلی فون کیا۔ پہلے بتایا گیا وہ سو رہے ہیں۔ پھر ایک گھنٹے کے بعد دوبارہ فون کیا تو پھر یہی جواب تھا کہ وہ سو رہے ہیں۔ پھر ایک گھنٹے کے وقفے کے بعد تیسری بار رابطہ کیا تو بتایا گیا کہ وہ واش روم میں ہیں۔ میں نے پوچھا کب تک برآمد ہوں گے؟ تو دوسری طرف سے جواب دیے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ مجھے اتنا تاؤ آیا کہ بڈھا سامنے ہوتا تو بتاتا۔ اس نے بھی خوب الٹی سیدھی پٹی پڑھائی تھی اور میری ہوسِ اقتدار کو خوب مہمیز دی تھی۔ ملک قیوم نے البتہ مجھے یہ مشورہ دیا ہے کہ میں عدالت میں اپنا دفاع کروں۔ اس طرح انہوں نے وکیل بننے پر آمادگی ظاہر

کی ہے۔ خیر میرے پاس دولت کی کمی نہیں ہے، پہلے میرے قانونی مشیروں کو ادائیگی سرکاری خزانے سے ہوتی تھی اب میں ذاتی طور پر اس سے زیادہ خرچ کرسکتا ہوں۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ میں پاکستان جانے کا رسک نہیں لے سکتا اور لندن میں بیٹھ کر پاکستان کی عدالت میں مقدمہ لڑنا اتنا آسان نہیں ہے۔ اس سے بھی زیادہ تشویش ناک بات یہ ہے کہ لندن میں بھی میرے دشمن کم نہیں ہیں اور وہ قانونی طور پر میرا گھیرا تنگ کررہے ہیں۔ یہ لوگ دعویٰ کررہے ہیں کہ میرے خلاف قانونی کارروائی کر کے چلی کے سابق ڈکٹیٹر پنوشے کی طرح مجھے بھی لندن سے ڈی پورٹ کراکے پاکستان بھجوا دیں گے۔۔برطانیہ کی حکومت نے اگرچہ میری حفاظت کا ذمہ لے رکھا ہے لیکن گوروں کا کچھ پتا نہیں کب دغا دے جائیں اور قانون کے چکر میں آکر مجھے پابہ جولاں بپھرے ہوئے پاکستانیوں کے حوالے کردیں۔ اس لیے میں نے سوچا ہے کہ مجھے ابھی سے کوئی ٹھکانہ تلاش کرلینا چاہیے۔ میں ابھی صدر بش کو ٹیلی فون کرتا ہوں۔ اوہ میرا سر چکرا رہا ہے، صدر بش تو کب کے رخصت ہوچکے ہیں، اُف خدا اب کیا ہوگا!!

نوٹ : مندرجہ بالا کالم متین فکری صاحب کا ہے جو کہ روزنامہ جسارت چھبیس جولائی کی اشاعت میں بعنوان "ڈائری کا ایک ورق" شائع ہوا تھا۔اس کے دلچسپ اندازبیاں نے ہمیں مجبور کیا کہ ہم اس کو ہماری ویب کے قارئین سے شئیر کریں

حقائق تو یہ ہیں 2

البدر کو کس نے بنایا، اس کی تاسیس کس طرح ہوئی اگرچہ ہم پہلے بھی یہ بات اسی ویب سائٹ پر اپنے کالمز میں بتا چکے ہیں لیکن ایک بار پھر دہرا دیتے ہیں کہ اس سلسلے میں دو علیحدہ علیحدہ روایات ہیں۔ 31 بلوچ رجمنٹ کے میجر ریاض حسین ملک البدر کی تاسیس کا احوال درج ذیل الفاظ میں بیان کرتے ہیں: "دشمن تعداد میں بہت زیادہ تھا۔ تخریبی عناصر بھی کچھ کم نہ تھے۔ ہمارے ذرائع معلومات نہ ہونے کے برابر اور ذرائع مواصلات غیر مربوط تھے۔ ہمارے جوان بنگلہ زبان اور بنگال کی طبعی فضاء سے قطعی ناواقف تھے کیونکہ ہماری تربیت کے دوران کبھی اس صورت کے امکان پر سوچا بھی نہ گیا تھا۔ ان حالات میں دفاعِ وطن کا فریضہ انجام دینا بڑا مشکل ہوگیا تھا۔ ہمیں ایک مخلص، قابل اعتماد اور محب وطن بنگالی گروہ کی ضرورت تھی جو سالمیتِ پاکستان کے لیے ہمارے شانہ بشانہ کام کر سکتا ہو۔ ابتدائی ڈیڑھ ماہ میں ہمارا رضاکار فورس کا تجربہ ناکام ہوچکا تھا۔ تاہم میں نے یہ دیکھا کہ میرے علاقے (سیکٹر) میں اسلامی جمعیت طلبہ کے بنگالی طلبہ بڑے اخلاص کے ساتھ دفاع، رہنمائی اور حفظِ راز کی ذمہ داری ادا کر رہے تھے۔ اس لیے میں نے ہائی کمان سے کوئی باقاعدہ اجازت لیے بغیر قدرے جھجکتے ہوئے ان طلبہ کو الگ کیا۔ یہ تعداد میں 47 تھے اور سب اسلامی چھاترو شنگھو

اسلامی جمعیت طلبہ) کے کارکن تھے۔ 16 مئی 971ء کو شیرپور (ضلع میمن سنگھ) کے مقام پر انہیں مختصر فوجی تربیت دینے کا آغاز کیا گیا۔ ان کارکنان کی محنت، لگن اور تکنیک کو سمجھنے میں کمال ذہانت کو دیکھ کر میں نے 21 مئی 1971ء کی صبح ان سے خطاب کیا۔ تقریر کے دوران بے ساختہ میرے منہ سے یہ بات نکلی کہ آپ جیسے سیرت و کردار اور مجاہدانہ جذبہ رکھنے والے فرزندانِ اسلام کو "البدر" کے نام سے پکارا جانا چاہیے۔ تب فوراً ہی ذہن میں برق کی مانند یہ خیال آیا کہ کیوں نہ اس تنظیم کو البدر" کا نام دے دیا جائے۔" (میجر ریاض حسین سے سلیم منصور خالد کا انٹرویو۔ 10" جون 975ء) جبکہ جنرل ضیاء الحق کے طیارے کی تباہی کے حادثے میں ان کے ساتھ شہید ہونے والے بریگیڈیئر صدیق سالک نے اپنی معروف تصنیف "میں نے ڈھاکا ڈوبتے دیکھا" میں لکھا ہے کہ: "ستمبر کے مہینے میں پی پی پی کا ایک وفد ڈھاکا گیا اور اس نے جنرل نیازی سے شکایت کی کہ انہوں نے جماعت اسلامی کے کارکنوں پر مشتمل نئی فوج کھڑی کرلی ہے۔ جنرل نیازی نے مجھے بلا کر کہا کہ آئندہ سے رضاکاروں کو الشمس اور البدر کے نام سے پکارا کرو تاکہ پتا چلے کہ ان کا تعلق صرف ایک پارٹی سے نہیں۔ میں نے تعمیل ارشاد کی"۔ (میں نے ڈھاکا ڈوبتے دیکھا۔ صدیق سالک۔ صفحہ 112)
کچھ لوگ کہتے ہیں کہ البدر معصوم بنگالیوں کے قتل عام اور لوٹ مار میں ملوث

رہی؟ ایسا کہنے والے وہ عناصر ہیں جنہیں تاریخ کا علم نہیں ہے یا جان بوجھ کر حقائق کو مسخ کرتے ہیں۔ البدر کا قیام 16 مئی 1971ء کو عمل میں آیا۔ ستمبر 1971ء کے اختتام تک مشرقی پاکستان کی فوجی کمان نے اس تنظیم کو پورے مشرقی پاکستان میں منظم کیا۔ 16 دسمبر 1971ء کو افواج پاکستان نے سرنڈر کیا اور البدر تحلیل ہو گئی۔ گویا البدر کو قیام سے لے کر اختتامِ جنگ تک کل 8 ماہ کی زندگی ملی یعنی ایک سال سے بھی 4 ماہ کم۔ بقول جنرل نیازی "ان رضاکاروں کو جدید اسلحے سے لیس نہیں کیا گیا تھا کیونکہ ہمارے پاس ہتھیاروں کی کمی تھی۔ تربیت بھی صرف سات تا بارہ روز کی دی جاتی تھی۔ بعض رضاکاروں کو تو ہم نے بہ امر مجبوری بارہ بور کی شاٹ گنیں دیں۔ جو اشیاء ہمارے پاس تھیں وہ یا تو مطلوبہ تعداد میں نہ تھیں یا فرسودہ ہو چکی تھیں۔ دشمن کے تمام یونٹ حتیٰ کہ پولیس اور مکتی باہنی کے پاس بھی جدید ہتھیار اور نئی ٹرانسپورٹ تھی۔" (انٹرویو جنرل نیازی، قومی ڈائجسٹ، جولائی 1978ء)

جو لوگ 1971ء کے دوران مشرقی پاکستان میں موجود تھے اور حالات و واقعات کے عینی شاہد ہیں، وہ بخوبی جانتے ہیں کہ مشرقی پاکستان میں قتل عام اور لوٹ مار کو تین ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: 1۔ پہلا دور یکم مارچ سے 25 مارچ پر محیط ہے۔ اس دوران میں عوامی لیگ کے زیر اثر بنگالی قوم پرستوں، ہندوؤں اور بھاشانی کی زیر قیادت کمیونسٹ مسلح ہو کر نکلے اور انہوں نے غیر مسلح

پرامن اُردو، پنجابی اور پشتو بولنے والے اور متحدہ پاکستان پر یقین رکھنے والے بنگالیوں کا بے دردی سے قتل عام کیا۔ صرف پچیس روز میں ایک لاکھ سے زائد مظلوم و بے کس پاکستانیوں کو قتل کردیا گیا۔ البدر اُس وقت قائم نہیں ہوئی تھی۔ ہلاکت خیزی کا دوسرا دور آرمی ایکشن کی صورت میں 25 مارچ کی رات سے وسط اپریل تک پھیلا ہوا تھا۔ اس ایکشن کی کمان لیفٹیننٹ جنرل (ر) ٹکا خان (بعد ازاں پیپلز پارٹی کے مرکزی رہنما، ذوالفقار علی بھٹو اور محترمہ بے نظیر بھٹو کے قریبی ساتھی) نے کی۔ اس دوران مکتی باہنی اور عوامی لیگ سے تعلق رکھنے والے سرگرم لوگوں کو قتل کیا گیا اور مؤرخین کے مطابق عام بنگالی بھی اس آپریشن کی زد میں آکر مارے گئے جس کے نتیجے میں فوج کے خلاف شدید ردِ عمل ظاہر ہوا۔ اس دوران بھی البدر وجود پذیر نہیں ہوئی تھی۔ اس کے بعد عملاً جنگ کا آغاز ہوا لیکن تاریخ شاہد ہے کہ دورانِ جنگ پاکستانی فوج، البدر اور الشمس کے رضاکاروں، بہاریوں اور محب وطن پاکستانیوں کا جانی نقصان زیادہ ہوا جبکہ دشمن کا نقصان نہ ہونے کے برابر تھا۔ مشرقی پاکستان میں تیسرا اور سب سے بھیانک قتل عام 16 دسمبر 1971ء کے بعد بھارتی فوج کی نگرانی میں ہوا جس میں مکتی باہنی، ہندوؤں اور کمیونسٹوں نے کھل کر حصہ لیا۔ اس قتل عام اور وحشیانہ لوٹ مار کا نشانہ البدر اور الشمس، جماعت اسلامی کے کارکنان، پاکستان جمہوری پارٹی اور مسلم لیگ کے ثابت قدم رہنما بنے، جبکہ غیر بنگالی مسلمان اس موقع پر بھی بری طرح مارے گئے۔

16 دسمبر 1971ء کو

البدر اور الشمس تحلیل ہو چکی تھیں اور مکتی باہنی کے ہرکارے ان کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے۔ حالات و واقعات سے ثابت ہے کہ البدر اور الشمس پر قتل و غارت گری کا الزام عائد کرنا تاریخ کو مسخ کرنے کے مترادف ہے۔

جماعت اسلامی اور البدر و الشمس پر ملک توڑنے کا الزام لگایا جاتا ہے انہیں غدار کہا جاتا ہے لیکن اس ضمن میں مشہور حمود الرحمان کمیشن رپورٹ کیا کہتی ہے۔ ملاحظہ کریں۔

جنرل یحییٰ خان نے لاہور ہائی کورٹ میں داخل کردہ تحریری بیان میں اشارہ کیا تھا:

مسٹر بھٹو نے ہمیشہ الشمس اور البدر کی پاکستان بچانے کی تحاریک کی مخالفت کی' کیونکہ" اُن کے خیال میں اگر یہ تحاریک قوت حاصل کرلیتیں تو جناب بھٹو کے اقتدار میں آنے کے امکانات ختم ہو جاتے۔ تحاریک میں شامل لوگ انتہائی محب وطن تھے جو مسٹر بھٹو کو کسی بھی طور گوارا نہ تھے۔" (حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ، جلد اوّل، ترجمہ م اشفاق خان، سید فضل ہاشمی دار الشعور، صفحہ نمبر170)

اُس زمانے میں جو فوجی افسران مشرقی پاکستان کے محاذ پر سرگرم عمل تھے ان میں سے بعض نے البدر اور الشمس کو شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا۔ ملاحظہ فرمایئے:

میجر جنرل (ر) راؤ فرمان علی خان: "البدر اور الشمس کے کردار کا میں خود عینی شاہد ہوں۔ ان تنظیموں کے رضاکاروں نے علیحدگی پسندوں

کے مقابلے میں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔" (روزنامہ نوائے وقت لاہور، روزنامہ جنگ راولپنڈی، 3 جولائی 1983ئ) .بریگیڈیئر صدیق سالک: "البدر اور الشمس کے رضاکاروں نے پاکستان کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر رکھی تھیں اور وہ ہر وقت حکم کی تعمیل کرتے تھے۔ انہیں جو کام سونپا جاتا، وہ پوری ایمانداری اور جانی قربانی سے ادا کرتے۔ اس تعاون کی پاداش میں تقریباً پانچ ہزار رضاکاروں یا ان کے زیر کفالت افراد نے شرپسندوں کے ہاتھوں نقصان اٹھایا۔ ان کی بعض قربانیاں روح کو گرما دیتی ہیں۔" (میں نے ڈھاکا ڈوبتے دیکھا۔ صدیق سالک صفحہ 112) میجر ریاض حسین ملک: البدر کے عظیم نوجوانوں نے بے پناہ قربانیاں دے کر تاریخ اسلامی کا ایک نیا باب کھولا ہے۔ یہ تنظیم ایک ایسی مالا تھی جس کا ایک ایک موتی اپنی چمک میں بے مثال تھا۔ سوئے اتفاق سے ان کی عظیم کارکردگی سے اکثر لوگ ناآشنا ہیں۔ حالانکہ ان کی جدوجہد ہر زندہ قوم کے لیے باعثِ فخر ہے۔" (انٹرویو۔ میجر ریاض حسین ملک، 10 جون، 1975ء، کوہاٹ چھاؤنی، سلیم منصور خالد)۔.بریگیڈیئر (ر) محمد حیات خان: مجھے سلام کرنے دیجئے البدر اور الشمس کے ان جیالوں کو جو پاکستانی افواج کے شانہ بشانہ لڑے اور جنھوں نے اپنے لہو سے عزیمت واستقامت کے نئے باب رقم کیے۔ ان میں سے بہت سے شہید ہوگئے۔ بہت سے بار بار زخمی ہوئے۔ ان نوجوانوں نے متحدہ پاکستان کے لیے جو قربانیاں دیں اور جو کارنامے انجام دیئے، یقیناً وہ ہماری ملّی تاریخ کا روشن باب ہیں۔" (ماہنامہ اُردو ڈائجسٹ، لاہور، اگست

1978ء) لیفٹیننٹ جنرل (ر) امیر عبداللہ خان نیازی: "البدر اور الشمس حد درجہ وفادار، محب وطن، پُرجوش اور سرگرم پاکستانی تھے جنھوں نے دل و جان کے ساتھ پاکستانی افواج کے ساتھ تعاون کیا۔ انھوں نے ہمیں کبھی دغا نہیں دی۔ کبھی فریب نہیں دیا۔ ہمارا ساتھ چھوڑ کر وہ مکتی باہنی سے نہیں ملے۔ ہمارے دشمن سے کبھی ساز باز نہیں کی۔ یہ امر واقع ہے کہ البدر کے نوجوان آخری وقت تک پاکستان کی بقاء کے لیے لڑتے رہے۔" (قومی ڈائجسٹ، جولائی 1978ء صفحہ 56-57

جماعت اسلامی یا اسلامی جمعیت طلبہ کی عوامی لیگ سے کیا دشمنی تھی؟ جماعت اسلامی یا جمعیت کی عوامی لیگ یا کسی اور سیاسی جماعت سے نہ اُس وقت کوئی دشمنی تھی اور نہ آج ہے۔ نظریاتی اختلافات ضرور تھے اور آج بھی ہیں۔ لیکن عوامی لیگ ہی کیوں.... پیپلز پارٹی، عوامی نیشنل پارٹی متحدہ قومی موومنٹ اور بعض دیگر جماعتوں سے بھی جماعت اسلامی کے نظریاتی اختلافات ہیں۔ اسے دشمنی کا نام کیسے دیا جاسکتا ہے! علیحدگی کے بعد عوامی لیگ اور جماعت اسلامی کے اراکین اسمبلی نظریاتی اختلافات کے باوجود بنگلہ دیش کی تعمیر و ترقی کے لیے کام کرتے رہے ہیں۔ امید کی جاسکتی ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بنگلہ دیش کے عوام کو غربت، افلاس اور جہالت کے اندھیروں سے نکالنے کے لیے دونوں جماعتیں تعاون اور مفاہمت سے کام کریں گی۔

جماعت اسلامی نے سقوط

مشرقی پاکستان کے سانحے سے ایک سبق ضرور یکھا ہے اور وہ یہ کہ ملک کے کسی بھی حصے میں خواہ وہ بلوچستان ہو، کراچی یا قبائلی علاقے .... اپنے ہی عوام کے خلاف فوجی آپریشن کی ہر حالت میں مخالفت کرنی چاہیے کیونکہ فوجی آپریشن مسائل کو حل نہیں کرتا بلکہ نئے اور گمبھیر مسائل کو جنم دیتا ہے۔ لیکن اگر کوئی دشمن ارضِ وطن کی سرحدوں کی طرف میلی نگاہوں سے دیکھے اور حملہ کرنے کی ناپاک جسارت کرے تو جماعت اسلامی، اسلامی جمعیت طلبہ اور شباب ملی کے نوجوان البدر اور الشمس بناکر فوج کے شانہ بشانہ لڑیں گے کیونکہ یہ ارض وطن ہے جاں اپنی اور جان تو سب کو پیاری ہے ایک سوال میں بھی آپ سے بھی کرنا چاہتا ہوں کہ اگر خدانخواستہ موجودہ حالات میں تناؤ کو بڑھا کر بھارت پاکستان پر حملہ کردے تو ہم کیا کریں گے؟ خاموش تماشائی بنے رہیں گے یا پھر البدر اور الشمس کے نقش قدم پر چلیں گے؟

نوٹ: مضمون کی تیاری میں جناب ڈاکٹر فیاض عالم صاحب کے مضمون" البدر، الشمس اصل حقائق کیا ہیں" سے مدد لی گئی ہے

وکلاء کو بھی کٹہرے میں لایا جائے

لاہور میں گزشتہ دو دنوں میں ہونے والے دو واقعات نے کئی سوالات کو جنم دیدیا ہے۔ یہ واقعات لاہور میں پیش آئے۔ پہلے واقعے میں لاہور ہائی کورٹ میں وکلاء کی جانب سے ایک تھانیدار پر تشدد کیا گیا (جس کی ویڈیو بھی مختلف چینلز پر دکھائی گئی)۔ دوسرا واقعہ اس سے اگلے دن کا ہے جب اس واردات کی فوٹیج بنانے والے صحافی جب سیشن کورٹ گئے تو وکلاء نے ان کو گھیر لیا، معاملہ رفع دفع ہونے پر جب یہ کیمرہ مین اور رپورٹر سیشن کورٹ سے باہر آئے تو ایک کار میں سوار وکلاء نے انہیں پکڑ کر زدوکوب کیا اور ان کا کیمرہ توڑ دیا۔ صحافیوں نے اس واقعہ کے خلاف لاہور ہائی کورٹ کے سامنے مظاہرہ کیا اور مال روڈ بلاک کی۔

اس سے پہلے بھی وکلاء کی آپس میں دھینگا مشتی، لڑائی، اور مارپیٹ کے واقعات پیش آتے رہیں ہیں لیکن دیکھا جائے تو وہ انکے آپس کے معاملات تھے۔ یعنی وکلاء مختلف وجوہات کی بناء پر ایک دوسرے سے باہم دست و گریبان ہوتے تھے، اس لیے اس اس کو نظرانداز کیا جاسکتا ہے لیکن حالیہ واقعات کو بالکل بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے کیوں کہ یہ لاء اینڈ آرڈر کا معاملہ ہے اور اس کی سنگینی اس لیے بھی بڑھ جاتی ہے کہ یہ واقعات خود قانون دانوں کے

ہاتھوں پیش آئے ہیں۔

پہلے پاکستان کو پولیس اسٹیٹ کہا جاتا تھا لیکن اگر ان واقعات کو سدباب نہ کیا گیا تو شائد مستقبل میں پاکستان کو وکیل اسٹیٹ کہا جائے گا۔ عدلیہ کی آزادی کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ وکلاء اور ججز بے قابو ہوجائیں، جس کو چاہےپیٹ ڈالیں، جس کی چاہیں پگڑی اچھال دیں۔ وکلاء کو یہ بات ہمیشہ ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ وہ قانون دان ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ قانون سے بالاتر ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ ہماری پولیس بھی کوئی قابل فخر کردار کی حامل نہیں ہے، اور اس واقعہ میں بھی وکلاء کے اشتعال کا سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ اے ایس آئی فقیر محمد نے ایک زیر حراست ملزم پر اس کے جرم کے برعکس ایک دوسری اور سخت دفعہ لگائی تھی، لیکن اس کا یہ مطلب کہیں نہیں نکلتا کہ وکلاء قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ اسی طرح صحافیوں پر تشدد کا معاملہ تو اور بھی سنگین ہے کہ اس طرح صحافیوں کو یہ پیغام دیا گیا ہے کہ وکلاء کی بدمعاشی کو بے نقاب کرنے والوں کے ساتھ ایسا سلوک کیا جائے گا، اور اس طرح صحافیوں کو پابند کرنے کی کوشش کی گئی ہے لاہور ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کو اس واقعہ کو نظرانداز نہیں کرنا چاہیے اور اس کا سختی سے جائزہ لینا چاہیے، اور جو وکلاء اس جرم میں ملوث ہیں ان کے خلاف سخت کاروائی کرنی چاہیے تاکہ آئندہ کسی کو بھی قانون اپنے ہاتھ میں لینے کی جرات نہ ہوں۔ یہ

اس لیے بھی ضروری ہے کہ یہ خود عدلیہ کے وقار کا مسئلہ ہے۔

اسی طرح جج صاحبان کو بھی انتہائی محتاط رویہ اپنانا ہوگا کیوں کہ یہ بات بہت شدت سے محسوس کی جارہی ہے کہ جج صاحبان بعض معاملات میں بہت غیر محتاط نظر آتے ہیں بالخصوص جب سپریم کورٹ نے سابق صدر جنرل مشرف کو قانونی نوٹس جاری کیا تو اس وقت یہ منظر دیکھا گیا کہ لاہور میں ایک جج صاحب نے پریس کانفرنس کے دوران براہ راست سابق صدر مشرف پر جملے بازی کی۔ یہ ایک غیر مناسب رویہ ہے۔ جج صاحبان کو کسی بھی حال میں ایسا کوئی عمل نہیں اٹھانا چاہیے جس کے باعث عوام ایک بار پھر عدلیہ سے متنفر ہوجائیں۔ اور ان کے ذہن میں یہ سوچ پیدا ہو کہ ہم نے عدلیہ کی بحالی کی جدوجہد میں وکلاء اور ججز کا ساتھ اس لیے تو نہیں دیا تھا کہ ہم وردی والوں کے بجائے کالے کوٹ والوں کے ظلم کا شکار ہوں۔

فراز تنویر صاحب کے نام

محترم فراز تنویر صاحب آپکا مضمون" دوہری شخصیت" کا مطالعہ میں نے بھی کیا تھا اور مجھے اس میں کوئی ایسی بات نظر نہیں آئی جو کہ خلاف واقعہ ہو یا کوئی انہونی بات ہو۔ فراز تنویر صاحب ہم آپ کے مضامین کو دو وجوہات سے پسند کرتے ہیں نمبر ایک تو یہ واقع اچھے ہوتے ہیں اور پسند کے قابل ہوتے ہیں اور نمبر دو یہ کہ آپ کی یہ بات ہمیں اچھی لگتی ہے کہ اس ویب سائٹ پر مجھ سمیت کئی افراد اپنی سیاسی، نظریاتی، یا مسلکی وابستگی کی بنیاد پر مضامین لکھتے ہیں ان سب کے درمیان آپ" میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے" کے مصداق غیر جانبدارانہ اور انتہائی اچھے مضامیں لکھتے ہیں

اب آتے ہیں ہم اپنی بات کی طرف اگر ہم غور کریں تو ایسے کئی کردار ہمیں اپنے آس پاس بھی نظر آجائیں گے۔ لیکن ہم لوگ شاید اس طرف دھیان نہیں دیتے ہیں۔ اگر دیکھا جائے اور ہماری بات کو مبالغہ کو نہ سمجھا جائے تو ہر انسان ہی دوہری شخصت رکھتا ہے اگرچہ آپ کا انداز فکاہیہ ہے لیکن بات درست ہے اور اگر ہماری بات کو غلط رنگ نہ دیا جائے تو ہم یہ کہیں گے کہ مرحوم ابن انشاء اس کی واضح مثال ہیں۔ ابن انشاء کی مزاحیہ نثر نگاری اردو ادب میں

کلاسیک کا درجہ رکھتی ہے تو ان کی شاعری سنجیدگی کا رنگ لیئے ہوئے ہے۔ اسی طرح مشہور پاکستانی سائنسدان جناب ڈاکٹر سلیم الزمان صدیقی مرحوم نہ صرف ایک بہت بڑے سائنسدان تھے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ وہ ایک اچھے مصور بھی تھے۔ اسی طرح ڈاکٹر عبدالقدیر خاں صاحب کی شہرت ایک ایٹمی سائنسدان کی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ ایک اچھے مضمون نگار اور کالم نویس بھی ہیں، جبکہ ہالینڈ میں دوران تعلیم انہوں نے کچھ عرصے تک صحافت بھی کی ہے اور وہ روزنامہ جنگ میں مکتوب ہالینڈ کے نام سے خبریں بھی دیتے رہے ہیں۔ آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر ایک بادشاہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک شاعر بھی تھے۔

یہ تو مشہور شخصیات ہیں جبکہ ہم اپنی روز مرہ زندگی کا جائزہ لیں تو بھی یہ بات درست دکھائی دیتی ہے۔ دیکھیں عموماً ایک استاد جو کہ کلاس روم میں ایک انتہائی بارعب، سخت گیر اور سنجیدہ شخصیت رکھتا ہے لیکن وہی استاد عموماً اپنے حلقہ احباب اور گھر میں ایک یار باش، نرم خو، ہنس مکھ ہوتا ہے۔ جبکہ اس کے برعکس بھی مثالیں موجود ہوتی ہیں کہ ایک فرد دوستوں اور یاروں میں یا آفس کولیگز کے درمیان انتہائی منکسر المزاج، نرم خو، اور ہنس مکھ ہوتا ہے لیکن گھر پہنچتے ہی وہ ایک سخت گیر، اور سنجیدہ فرد بن جاتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ ایک فرد حلقہ یاراں میں خوب ہنس بول رہا ہے، قہقہے لگا رہا ہے، لیکن درحقیقت وہ اندر سے بہت دکھی ہے اور اپنا غم چھپا رہا

ہوتا ہے۔ بقول شاعر

تم اتنا جو مسکرا رہے ہو

کیا غم جس کو چھپا رہے ہو

یہ ہم نے کچھ مثالیں آپ کے سامنے پیش کی ہیں۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ آپ نے جو معذرت نامہ تحریر کیا ہے یہ صرف آپ کی نیک اور سادہ فطرت کو ظاہر کرتا ہے ورنہ آپ کے مضمون میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو کہ قابل اعتراض ہو۔ اس لیے آپ کو اتنا معذرت خواہانہ رویہ اپنانے کی ضرورت نہیں ہے۔

آخر میں ابن انشاء مرحوم ہی کی ایک نظم پر اپنے مضمون کا اختتام کرونگا تاکہ لوگوں کو ابن انشاء مرحوم کی مزاحیہ نثر نگاری کے ساتھ اس کے برعکس شاعری کا اندازہ ہو۔

ایک چھوٹا سا لڑکا تھا میں جن دنوں

میلے میں پہنچا ہمکتا ہوا

جی مچلتا تھا اک ایک شے پہ مگر

جیب خالی تھی کچھ مول لے نہ سکا

لوٹ آیا حسرتیں لیں سینکڑوں

ایک چھوٹا سا لڑکا تھا میں جن دنوں
خیر محرومیوں کے وہ دن تو گئے
آج پھر میلہ لگا ہے اسی شان سے
آج چاہوں تو ایک ایک دکان مول لوں
آج چاہوں تو سارا جہاں مول لوں
نارسائی کا اب جی میں دھڑکا کہاں
پر چھوٹا سا الہڑ سا اب میں وہ لڑکا کہاں

قیام پاکستان کا مقصد

قیام پاکستان کا مقصد: قائدِ اعظم کے ارشادات کی روشنی میں

اس سال ہم اپنا باسٹھواں یومِ آزادی منا رہے ہیں۔ آج قیام پاکستان کے باسٹھ سال بعد تک یہ سوال اٹھایا جاتا ہے کہ آیا مسلمانان برصغیر اور قائدِ اعظم محمد علی جناح کی جدوجہد کیا ایک سیکولر پاکستان کے لیے تھی یا ایک اسلامی ملک پاکستان کے لیے؟ اور یہ کہ قائدِ اعظم بلکل بھی مذہبی رجحان نہیں رکھتے تھے بلکہ سیکولر نظریات رکھتے تھے۔ ہم اس حوالے سے قائدِ اعظم ہی کے فرمودات یہاں پیش کرتے ہیں، جس سے یہ واضح ہوجائے گا کہ قائدِ اعظم کس طرح کا پاکستان چاہتے تھے۔ سیکولر یا اسلامی؟

پاکستان اسی دن وجود میں آگیا تھا جب ہندوستان میں پہلا ہندو مسلمان ہوا تھا۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب یہاں مسلمانوں کی حکومت بھی قائم نہیں ہوئی تھی۔ مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد کلمہ توحید ہے، وطن نہیں اور نہ ہی نسل۔ ہندوستان کا پہلا فرد جب مسلمان ہوا تو وہ پہلی قوم کا فرد نہیں رہا بلکہ جداگانہ قوم کا فرد بن ہوگیا۔ ہندوستان میں ایک نئی قوم وجود میں آ گئی۔ (

(مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۸ مارچ ۱۹۴۴ء

تمہاری تعداد سب سے زیادہ ہوا کرے۔ تم ترقی یافتہ ہو اور تمہاری اقتصادیات مستحکم سہی، اور تم سمجھا کرو کہ سروں کی گنتی ہی آخری فیصلہ ہے۔ لیکن میں تمہیں بتائے دیتا ہوں۔ تم دونوں (انگریز اور ہندو) کو کہ تم تنہا یا تم دونوں متحد ہو کر بھی ہماری اس تہذیب کو کبھی مٹا نہ سکوگے، اس اسلامی تہذیب کو جو ہمیں ورثے میں ملی ہے۔ بے شک تم ہمیں مغلوب کرو۔ ہم پر ظلم و ستم کرو، ہمارے ساتھ بدترین سلوک روا رکھو، لیکن ہم ایک نتیجے پر پہنچ چکے ہیں اور ہم نے یہ سنگین فیصلہ کرلیا ہے کہ اگر مرنا ہی ہے تو لڑتے لڑتے مرجائیں گے۔ (مرکزی اسمبلی میں خطاب ۲۲ مارچ ۱۹۳۹ء

آپ نے غور فرمایا کہ پاکستان کے مطالبے کا جذبہ محرک کیا تھا؟ مسلمانوں کے لیے ایک جداگانہ مملکت کی وجہ جواز کیا تھی؟ تقسیم ہند کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اس کی وجہ نہ ہندوؤں کی تنگ نظری ہے نہ انگریزوں کی چال۔ یہ اسلام کا بنیادی مطالبہ ہے۔ (مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۸ مارچ ۱۹۴۴ء

وہ کونسا رشتہ ہے جس میں منسلک ہونے سے تمام مسلمان جسد واحد کی طرح ہیں؟ وہ کونسی چٹان ہے جس پر ان کی ملت کی عمارت استوار ہے؟ وہ کون سا لنگر ہے

جس سے اس امت کی کشتی محفوظ کر دی گئی ہے؟ وہ رشتہ، وہ چٹان، وہ لنگر خدا کی کتاب قرآن کریم ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جوں جوں ہم آگے بڑھتے جائیں گے، ہم میں زیادہ سے زیادہ اتحاد پیدا ہوتا جائے گا۔ ایک خدا، ایک رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ایک کتاب، ایک امت (اجلاس مسلم لیگ کراچی ۱۹۴۳ء

اس وقت میدان سیاست میں ہندو مسلمانوں کی جنگ ہو رہی ہے۔ لوگ پوچھتے ہیں کہ کون فتح یاب ہوگا۔ علم غیب خدا کو ہے، لیکن میں ایک مسلمان کی حیثیت سے علی الاعلان کہہ سکتا ہوں کہ اگر ہم قرآن مجید کو اپنا آخری اور قطعی رہبر بنا کر شیوہ صبر و رضا پر کاربند ہوں اور اس ارشاد خداوندی کو کبھی فراموش نہ کریں کہ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں تو ہمیں دنیا کی کوئی طاقت یا کئی طاقتیں مل کر بھی مغلوب نہیں کر سکتیں۔ ہم تعداد میں کم ہونے کے باوجود فتح یاب ہونگے اور اسی طرح فتح یاب ہونگے جس طرح مٹھی بھر مسلمانوں نے ایران و روم کی سلطنتوں کے تختے الٹ دئے تھے۔ (جلسہء (عام حیدرآباد دکن ۱۱ جولائی ۱۹۴۶ء

میرا ایمان ہے کہ ہماری نجات اس اسوہ حسنہ پر چلنے میں ہے، جو ہمیں قانون عطا کرنے والے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمارے لیے بنایا ہے، ہمیں چاہئے کہ ہم اپنی جمہوریت کی بنیادیں صحیح معنوں اسلامی تصورات و

(اصولوں پر رکھیں (شاہ دربار۔ سبی بلوچستان۔ ۱۴ فروری ۱۹۴۷ء

اگر کوئی چیز اچھی ہے تو عین اسلام ہے۔ اگر کوئی چیز اچھی نہیں ہے تو یہ اسلام نہیں ہے، کیوں کہ اسلام کا مطلب عین انصاف ہے۔ (میمن چیمبر آف کامرس بمبئی ۲۷ مارچ ۱۹۴۷ء)

میں ان لوگوں کی بات نہیں سمجھ سکتا جو دیدہ و دانستہ اور شرارت سے یہ پروپگینڈہ کرتے رہتے ہیں کہ پاکستان کا دستور شریعت کی بنیاد پر نہیں بنایا جائے گا، اسلام کے اصول عام زندگی میں آج بھی اسی طرح قابل اطلاق ہیں جس طرح تیرہ سو سال پہلے تھے۔ میں ایسے لوگوں کو جو بدقسمتی سے گمراہ ہو چکے ہیں یہ صاف صاف بتا دینا چاہتا ہوں کہ نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ یہاں غیر مسلموں کو بھی کوئی خوف، ڈر نہیں ہونا چاہیے۔ اسلام اور اس کے نظریات نے ہمیں جمہوریت کا سبق دے رکھا ہے۔ ہر شخص سے انصاف، رواداری اور مساوی برتاؤ اسلام کا بنیادی اصول ہے۔ (بار ایسوسی ایشن (کراچی سے خطاب ۲۵ جنوری ۱۹۴۸ء

اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاز پیش نظر رہنا چاہیے کہ اس میں اطاعت اور وفا کشی کا مرجع خدا کی ذات ہے جس کی تعمیل کا عملی ذریعہ قرآن مجید کے

احکام اور اصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ پارلیمنٹ کی نہ کسی شخص یا ادارے کی۔ قرآن کریم کے احکام ہی سیاست و معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کی حدود متعین کر سکتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں اسلامی حکومت قرآن اصول واحکام کی حکومت ہے۔ (کراچی ۱۹۴۸)

قائد اعظم محمد علی جناح کے ان تمام فرمودات کو سامنے رکھیں اور پھر خود فیصلہ کریں کہ وہ کس قسم کا پاکستان چاہتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی کہ کچھ طبقات یہ کہتے ہیں کہ قائد اعظم مذہبی رجحان نہیں رکھتے تھے کیوں کہ وہ کلین شیو تھے۔ یہاں ان کی بھی نفی ہو جاتی ہے۔ اور تمام باتوں سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ مسلمانان برصغیر، قائد اعظم اور تحریک آزادی کے تمام رہنمایان کی جدو جہد آزادی کا مقصد ایک ہی تھا کہ مسلمانوں کے لیے ایک الگ خطہ زمین حاصل کی جائے جہاں وہ دین اسلام کے اصولوں پر مبنی ایک مملکت قائم کریں۔ لیکن آج جان بوجھ کر اس مسئلہ کو متنازعہ بنایا جا رہا ہے۔ ہماری اللہ سے یہی دعا ہے کہ "اے اللہ تو ہماری خطائیں معاف فرما، اور ہمیں توفیق دے کہ تو نے اپنی رحمت سے جو خطہ زمین ہمیں عطا کیا تھا ہم اس کے مقاصد کو حاصل کرلیں" آمین

ہمارا نظام تعلیم اور طبقاتی تفریق

گزشتہ دنوں جنگ اخبار میں محترم ارشاد احمد حقانی صاحب کا ایک آرٹیکل عربی زبان کی تعلیم کے حوالے سے شائع ہوا تھا، جس کے بعد ابھی تک جنگ اخبار میں اس بارے میں آرٹیکلز اور مراسلات شائع ہورہے ہیں۔ محترم ارشاد احمد حقانی صاحب ایک بہت بزرگ اور کہنہ مشق صحافی ہیں، ان کی عمر اس کوچے میں گزر گئی ہے، اس لیے ہم ان سے متفق نہ ہونے کے باوجود ان کے آرٹیکل پر گفتگو کرنے کی جسارت نہیں کرسکتے ہیں۔ البتہ ان کے اس مضمون نے ہمارے نظام تعلیم کے حوالے سے کئی سوالات کو جنم دیا اور جب ہم نے اس پر سوچ بچار کی اور جائزہ لیا تو نظام تعلیم کے حوالے سے کچھ باتیں ہمارے ذہن میں آئیں جو کہ ہم آپ سے شئیر کریں گے۔

ارشاد احمد حقانی صاحب کی بات سے اختلاف سہی لیکن بات یہ ہے کہ عربی یا اردو یا انگریزی کی تعلیم لازمی یا اختیاری کردینا مسئلہ کا حل نہیں ہے بلکہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اصل مسئلہ نظام تعلیم کا ایک ہونا ہے۔ اس وقت ہمارے ملک میں کئی قسم کے نظام تعلیم رائج ہیں۔ ایک میٹرک سسٹم ہے اور یہی سب سے زیادہ رائج ہے۔ اس کے بعد دوسرا سسٹم جو ہے وہ مدارس کا ہے۔ اس کے بعد ایک سسٹم اے لیول اور او لیول کا ہے۔ اور اب ایک نیا سسٹم جو کہ آغا

خان بورڈ کے نام سے متعارف کرایا گیا ہے، وہ سسٹم رائج ہے۔

ان تمام سسٹمز کا جائزہ لیں تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ طبقاتی تفریق کو بڑھانے کا سبب بنتے ہیں کیوں کہ اولیول آغا خان بورڈ سے بہتر مانا جاتا ہے، آغا خان بورڈ میٹرک بورڈ سے بہتر مانا جاتا ہے، میٹرک بورڈ میں بھی دو درجہ بندیاں ہیں انگریزی سے میٹرک کرنے والے کا درجہ اردو میں میٹرک کرنے والے سے بہتر ہے، اور اردو میٹرک کو مدارس کے سسٹم سے بہتر مانا جاتا ہے۔ اور ان کی اسی درجہ بندی کے تناسب سے فیسیں بھی ہوتی ہیں۔ اولیول کی کم از کم فیس ڈھائی سے تین ہزار روپے ماہانہ ہوتی ہے۔ اس سے بڑھ کر وہ علاقے کے حساب سے پانچ تا سات ہزار روپے ماہانہ تک بھی پہنچ جاتی ہے۔ اس کے بعد آغا خان بورڈ کا نمبر ہے اس کی فیسیں بھی دو تا ڈھائی ہزار روپے ماہانہ سے اسٹارٹ ہوتی ہیں۔ جبکہ میٹرک بورڈ کا کوئی پرسان حال نہیں ہے۔ میٹرک بورڈ سے الحاق شدہ پرائیوٹ اسکولز انگریزی میں میٹرک کراتے ہیں جبکہ سرکاری اسکولز میں اردو میڈیم رائج ہے۔ نسبتاً اچھے پرائیوٹ اسکولز کی فیسیں ایک ہزار تا بارہ سو روپے ماہانہ سے اسٹارٹ ہوتی ہیں (کچھ اچھے اور معیاری اسکولز تعلیم کو مشن سمجھ کر عام کرنے کی سعی کرتے ہیں لیکن انکی تعداد بہت کم ہے) اور یہ دو ہزار روپے ماہانہ تک پہنچ جاتی ہے۔ جبکہ کئی پرائیوٹ اسکولز جو کہ نسبتاَ کم معیار کے ہوتے ہیں جن کو عرف عام میں "گلی محلے کا اسکول" کہا جاتا ہے

ان اسکولز کی فیس بھی تین سو تا چھ سو روپے ماہانہ تک ہوتی ہے۔ اس بعد سرکاری اسکولز کا نمبر ہے جس میں ذریعہ تعلیم اردو میڈیم ہے (اگرچہ کئی سرکاری اسکولز انگریزی میڈیم بھی ہیں لیکن ان کی تعداد بہت کم ہے) جو کہ برائے نام فیس لیتے ہیں اور معذرت کے ساتھ تعلیم بھی برائے نام دیتے ہیں (کئی اسکول اس سے مستثنیٰ ہیں لیکن عمومی طور پر یہی حال ہے) جبکہ صوبہ سندھ میں سندھی میڈیم اسکولز بھی موجود ہیں۔

اب ان تمام سسٹمز پر غور کریں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ جس کی جتنی پہنچ ہے یا جس کے پاس جتنا پیسہ ہے وہ اسی تناسب سے اپنی اولاد کو تعلیم دلاتا ہے۔ اگر کوئی بہت بڑا صنعت کار، جاگیر دار ہے، بیوروکریٹ ہے، یا کسی اونچے عہدے پر فائز ہے تو وہ اپنی اولاد کو مہنگے اسکول میں اولیول میں تعلیم دلائے گا، یہ واضح رہے کہ لوگ باگ اپنی اپنی حیثیت کے مطابق بچوں کو تعلیم دلانے کے لیے علاقے کا بھی تعین کرتے ہیں۔ اس سے کچھ درجے نیچے کا جو طبقہ ہے وہ اپنی چادر کے حساب سے اولیول یا آغا خان بورڈ کو ترجیح دے گا، اس کے بعد نمبر آتا ہے متوسط طبقے کا اس طبقے کے افراد کسی اچھے اور معیاری نجی اسکول میں تعلیم دلانا پسند کرتے ہیں۔ اس کے بعد رہ جاتا ہے، مزدور پیشہ، غریب افراد کا طبقہ یہ طبقہ اپنی کمزور مالی پوزیشن کے باعث اپنے بچوں کو سرکاری اسکول میں تعلیم دلاتا ہے۔ یہاں ہم نے دانستہ مدارس کا ذکر نہیں کیا

کیوں کہ یہ بات غلط ہے کہ مدارس میں صرف غریب لوگوں کے بچے پڑھتے ہیں کیوں کہ دیکھا گیا ہے کہ مدارس میں کئی امیر کبیر خاندانوں کے بچے بھی تعلیم حاصل کرتے ہیں یہ کہا جاسکتا ہے کہ مذہبی رجحان رکھنے والا طبقہ اپنے بچوں کو مدارس میں تعلیم دلانا پسند کرتے ہیں اور یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ عموماً لوگ قرآن پاک حفظ کرنے کے لیے بچوں کو مدارس میں تعلیم دلاتے ہیں اور حفظ مکمل ہونے کے بعد اپنی حیثیت کے مطابق بچوں کو اسکولز میں داخل کراتے ہیں البتہ یہ بات درست ہے کہ فی زمانہ مدارس کی تعلیم کو اہمیت نہیں دی جاتی ہے۔

اس قدر مختلف نظام ہائے تعلیم کا نتیجہ لازماً یہ نکلے گا کہ طبقاتی تفریق مزید بڑھے گی۔ کیوں کہ ایک بچہ جو کہ میٹرک سسٹم سے تعلیم حاصل کرے گا وہ اولیول یا آغا خان بورڈ سے تعلیم یافتہ فرد کا مقابلہ نہیں کرسکے گا، اسی طرح ایک اردو میڈیم سے تعلیم یافتہ بچہ انگریزی میڈیم سے تعلیم یافتہ فرد کا مقابلہ نہیں کرسکے گا۔ نتیجہ یہ کہ جو اعلیٰ طبقہ کا بچہ ہے وہ حکمران، بیوروکریٹ، بنے گا، جبکہ متوسط طبقے کے فرد کا بچہ آفس ورک کرے گا یا کلرک بنے گا، جو سرکاری اسکولز میں تعلیم حاصل کرے گا وہ بچہ اپنی تعلیم سے یہ فائدہ اٹھائے گا کہ اگرچہ وہ کہیں مزدوری کرے گا، ٹھیلہ لگائے گا، محنت مشقت کرے گا لیکن وہ اخبار کو پڑھ لے گا، انگریزی میں دستخط کرسکے گا۔ یا

اپنی دکان وغیرہ کو نسبتاً اچھے طریقے سے چلا سکے گا۔

تو تو قادر مطلق ہے لیکن تیرے جہاں میں
ہیں تلخ بہت بندہ مزدور کے اوقات

اس طبقاتی تفریق کو ختم کرنے کا غریب کے دل سے احساس محرومی دور کرنے کا اور تمام شہریوں کو بلا تفریق ترقی کے یکساں مواقع فراہم کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اول تو ایک ہی قسم کا نظام تعلیم رائج کیا جائے۔ یکساں نصاب ہو، اور ایک ہی زبان میں ہو، چاہے اردو ہو یا انگریزی! دوسرا کام یہ کرنا چاہیے کہ تعلیم کو نجی شعبے کے بجائے سرکاری تحویل میں ہونا چاہیے کیوں کہ شہریوں کو تعلیم، روزگار، اور علاج معالجہ ریاست کی ذمہ داری ہونی چاہئے۔ تعلیم کے حوالے سے یہاں مرحوم ذوالفقار علی بھٹو کا ذکر نہ کرنا زیادتی ہوگی کیوں کہ انہوں نے اپنے دور حکومت میں اسکولز کو نجی شعبے کے بجائے سرکاری تحویل میں لیکر تمام لوگوں کے لیے یکساں نظام تعلیم کا انقلابی قدم اٹھایا تھا۔

ہم سمجھتے ہیں کہ ان اقدامات سے سرکاری اسکولز کا گرتا ہوا معیار تعلیم بھی بہتر ہوجائے گا، کیوں کہ اس وقت سرکاری اسکولز کے گرتے ہوئے معیار کی ایک بہت بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ چیک اینڈ بیلنس کا سسٹم نہیں ہے۔ جب ایک ہی اسکول

میں اگر ایک سرکاری ادارے کے چپڑاسی، ایک محنت کش کا بیٹا تعلیم حاصل کرے گا اور اسی اسکول میں کسی ادارے کا سربراہ کا بیٹا، کسی بیورو کریٹ کا بیٹا، کسی جج کا بیٹا بھی تعلیم حاصل کرے گا تو سسٹم خود بخود ٹھیک ہو جائے گا، اساتذہ بھی دلجمعی سے تدریس کا فرض سرانجام دیں گے۔ (یہاں اساتذہ کی توہین کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ بد قسمتی سے یہ رجحان عام ہوتا جارہا ہے کہ اساتذہ بچوں کو سبق پڑھانے کے بجائے امتحانوں کے دنوں میں بتا دیتے ہیں کہ کس کس باب سے سوالات آئیں گے طلبہ وہ یاد کرلیں۔ یا پھر طلبہ (کو مارکیٹ میں دستیاب ماڈل پیپرز یا شرح سے امتحانوں کی تیاری کرائی جاتی ہے

یہ ہمارے کچھ بکھرے بکھرے خیالات تھے جو ہم نے آپ لوگوں کے سامنے رکھے ہیں۔ ہماری کوئی بھی بات حرف آخر نہیں ہے۔ قارئین میں یقیناً ہم سے بہتر سوچ اور تجاویز رکھنے والے افراد بھی ہونگے۔ اور شعبہ تعلیم سے وابستہ افراد بھی ہونگے، اس مضمون پر ان کی آراء نہ صرف میرے لیے بلکہ تمام قارئین کے لیے فائدہ مند ثابت ہو گی۔

سوچتا ہوں کہ توبہ کرلوں لیکن ۔۔۔۔

گناہوں کی دلدل میں پھنسا ہوا ہوں۔ بہت گناہ گار ہوں، سوچتا ہوں کہ اب توبہ کرلوں کیوں کہ نیکیوں کا موسم بہار رمضان المبارک بھی بس آیا ہی چاہتا ہے بمشکل دس بارہ دن ہی تو دور ہے مجھ سے۔ اس لیے سوچتا ہوں کہ توبہ کرلوں کہ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہے لیکن اس کے باوجود دل ابھی تک دنیا کی رنگینیوں میں ہی اٹکا ہوا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ میں کوئی بے علم انسان ہوں یا مجھے کسی بات کی خبر نہیں ہے؟ نہیں مجھے سب علم ہے۔ میں سب جانتا ہوں لیکن اس کے باوجود ۔۔۔۔۔۔۔گناہوں سے باز نہیں آتا ہوں

میری نظر سے قرآن کی یہ آیات گزری ہیں کہ "اِنَّ الَّذِینَ یُحِبُّونَ اَن تَشِیعَ الفَاحِشَۃُ فِی الَّذِینَ آمَنُوا لَھُم عَذَابٌ اَلِیمٌ فِی الدُّنیَا وَالآخِرَۃِ وَاللّٰہُ یَعلَمُ وَاَنتُم لَا تَعلَمُونَ٥ ترجمہ: بیشک جو لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں بے حیائی پھیلے ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے، اور اللہ (ایسے لوگوں کے عزائم کو) جانتا ہے اور تم نہیں جانتے٥ (سورہ النور آیت ١٩)

لیکن اس کے باوجود میں فحش کاموں کی جانب لپکتا رہتا ہوں، نفس کی بندگی کرتا رہتا ہوں۔ حالانکہ میں جانتا ہوں کہ یہ شیطانی کام ہے اور اس بارے میں قرآن نے جو فرمایا ہے وہ بھی میرے علم میں ہے کہ "یَا اَیُّہَا الَّذِینَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّیْطَانِ وَمَن یَتَّبِعْ خُطُوَاتِ الشَّیْطَانِ فَاِنَّہٗ یَاْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ وَالْمُنکَرِ ترجمہ : اے ایمان والو! شیطان کے راستوں پر نہ چلو، اور جو شخص شیطان کے نقوشِ قدم پر چلتا ہے تو وہ یقیناً بے حیائی اور برے کاموں (کے فروغ) کا حکم دیتا ہے (النور آیت ۲۱) لیکن پھر بھی شیطان ہی کے نقش قدم پر چلتا رہتا ہوں۔

میں جانتا ہوں کہ اللہ ہر جگہ موجود ہے اور وہ میری ہر ہر حرکت کو نوٹ کر رہا ہے، میں کہیں بھی چھپ جاؤں اس سے بچ نہیں سکتا، میں جانتا ہوں کہ اللہ سے کوئی بھی چیز مخفی نہیں ہے "اِنَّ اللہَ لَا یَخْفَی عَلَیْہِ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَاءِ۔ ترجمہ : یقیناً اللہ پر زمین اور آسمان کی کوئی بھی چیز مخفی نہیں (سورہ آل عمران آیت ۵) اور یہ بھی میں نے پڑھا ہے کہ " وَاِنَّ عَلَیْکُمْ لَحَافِظِینَ ،کِرَامًا کَاتِبِینَ o یَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ o ترجمہ حالانکہ تم پر o نگہبان فرشتے مقرر ہیں (جو) بہت معزز ہیں (تمہارے اعمال نامے) لکھنے والے ہیں

وہ

سورہ انفطار آیات ۱۰۔۱۱۔۱۲)) ٥ان (تمام کاموں) کو جانتے ہیں جو تم کرتے ہو
لیکن پھر بھی میں یہ سوچتا ہوں کہ نعوذ باللہ اللہ کو دھوکہ دیدوں گا۔ اللہ سے بچ جاؤں گا۔

بے شک میں جانتا ہوں کہ اللہ رب العزت غفور و رحیم ہے، ستارالعیوب، غفار ہے لیکن وہ رب کائنات جبار و قہار بھی ہے، اس کی پکڑ بہت سخت ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اللہ منصف ہے۔ زبردست انصاف کرنے والا ہے۔ وہ ایک گناہ گار اور ایک نیکو کار کے ساتھ ایک جیسا سلوک نہیں کرے گا۔ لیکن اس کے باوجود یہ دل ہے کہ نفس کی بندگی میں لگا ہوا ہے۔

بے شک میں جانتا ہوں کہ جو لوگ اللہ سے توبہ طلب کرتے ہیں اور گناہوں سے تائب ہوتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ اپنی آغوش رحمت میں لے لیتا ہے اور میں نے قرآن پاک کی آیات مبارکہ کی تلاوت کی ہے۔ میں ان آیات مقدسہ کا مطلب بھی جانتا ہوں، میں آپ کو بھی ان آیات کا ترجمہ بتاتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سورہ تحریم میں فرماتا ہے کہ ”اے ایمان والو! تم اللہ کے سامنے سچی خالص توبہ کرو۔ قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے گناہ دور کردے اور تمہیں ایسی جنتوں میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ (التحریم: ۸

يُرْسِلِ ٥ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا

(○ وَيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ○ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا

(نوح، 71 : 10 - 12

پھر میں نے کہا کہ تم اپنے رب سے بخشش طلب کرو، بے شک وہ بڑا بخشنے والا ہے۔ ''

وہ تم پر بڑی زوردار بارش بھیجے گا۔ اور تمہاری مدد اَموال اور اولاد کے ذریعے فرمائے

''گا اور تمہارے لئے باغات اگائے گا اور تمہارے لئے نہریں جاری کر دے گا۔

اِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا

○رَّحِيْمًا

(الفرقان، 25 : 70)

مگر جس نے توبہ کر لی اور ایمان لے آیا اور نیک عمل کیا تو یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ جن ''

''کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اللہ توبہ کرنے والے کو پسند کرتا ہے۔ چاہے کسی کے

گناہ کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں وہ چاہتا ہے کہ میرا بندہ میری طرف لوٹ کر آجائے۔
اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ جب بندہ گناہوں سے پلٹ کر دوبارہ اللہ کی طرف آتا ہے تو اسے بہت زیادہ خوشی ہوتی ہے کتنی زیادہ خوشی ہوتی ہے اس حوالے سے میں نہ یہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بھی پڑھی ہے کہ" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اللہ تعالی اپنے بندے کی توبہ پر جب وہ اللہ تعالی کی طرف رجوع کرتا ہے، اس آدمی" سے بھی زیادہ خوش ہوتے ہیں جس کی سواری جنگل میں گم ہو گئی، جس پر اس آدمی کے کھانے پینے کا سامان تھا، سو وہ اس سے ناامید ہو گیا پھر مایوسی اور ناامیدی کی حالت میں ایک درخت کے سائے تلے لیٹ گیا۔ پس جب وہ اس پریشانی میں مبتلا تھا تو ناگھاں اسکی سواری اس کے قریب آکھڑی ہوئی، اس نے سواری کی لگام تھام لی، پھر اس نے فرطِ مسرت سے اس طرح کہہ دیا: "اے اللہ! تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں۔" اس نے بہت زیادہ خوشی کی وجہ سے غلطی کی۔ (مسلم) (یعنی اس نے خوشی "کے مارے الٹا کہہ دیا حالانکہ وہ کہنا چاہتا تھا کہ میں تیرا بندہ اور تو میرا رب)۔
اور میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث مبارکہ کا بھی مطالعہ کیا ہے کہ" حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "بلاشبہ اللہ بزرگ و برتر رات کو اپنا دامن رحمت پھیلاتا ہے تاکہ دن کا گناہگار توبہ کرے اور دن کو اپنادام رحمت پھیلاتا ہے تاکہ رات کا گناہگار توبہ کرے، یہ سلسلہ اس وقت تک قائم رہے گا جب تک کہ سورج مغرب سے طلوع نہ ہو"۔ (مسلم)

ارے لوگو! اور تو اور میں تو یہ بھی جانتا ہوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کہ معصوم اللہ تعالیٰ کے محبوب ترین نبی ہیں۔ یہ دنیا کی محفل محض آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے سجائی گئی ہے۔ جنت و دوزخ، ساتوں آسمان، دوجہانوں کی یہ مجلس صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بنائی گئی ہے۔ وہ مہربان نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ ""اللہ کی قسم! میں ایک دن میں ستر سے زیادہ مرتبہ اللہ سے توبہ اور استغفار کرتا ہوں" (بخاری)

دوستو میں یہ ساری باتیں جانتا ہوں لیکن پھر بھی میں گناہ سے باز نہیں آتا۔ پھر بھی میں توبہ نہیں کرتا تو اس کی ایک ہی وجہ ہے کہ میرا ایمان ہی کمزور ہے۔ میرے دل میں یقین کی کمی ہے۔ میں اس بات پر تو یقین رکھتا ہوں کہ اگر میں ایک غلط ایس ایم ایس کرونگا تو ۱۴ سال کی قید کاٹنی پڑے گی لیکن میں اس بات پر یقین نہیں رکھتا کہ گناہ کرونگا تو جہنم میں جلوں گا۔ میں اس بات پر

تو یقین رکھتا ہوں کہ شہر میں جا بجا خفیہ کیمرے لگے ہوئے ہیں اور اگر میں نے کوئی خلاف قانون حرکت کی تو قانون کی گرفت میں آ جاؤں گا لیکن میں اس بات پر یقین نہیں رکھتا کہ کراما کاتبین میرا نامہ اعمال مرتب کر رہے ہیں اور میری زندگی کی ایک پوری ویڈیو فلم بن رہی ہے جو کہ روز قیامت مجھے دکھائی جائے گی۔

دوستوں آپ بھی میرے لیے دعا کریں کہ میں گناہوں کی دلدل سے نکل آؤں اور جو زندگی میں اللہ نے جو مہلت مجھے عطا کی ہے اس کو میں نیک اعمال میں گزاروں چلتے چلتے میں یہ ایک اچھا سے نسخہ آپ کو بتاتا ہوں

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلمؐ نے فرمایا: ''جو شخص مجلس میں بیٹھا اور اس میں اس نے بہت سی لغو باتیں کیں تو وہ اٹھنے سے پہلے سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ، اَشْھَدُ اَن لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُکَ وَاَتُوْبُ اِلَیْکَ اے اللہ میں تعریف کے ساتھ تیری پاکیزگی بیان کرتا ہوں، میں گواہی دیتا ہوں کہ) تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تجھ سے بخشش مانگتا ہوں اور تیری طرف رجوع کرتا ہوں) کہے تو ان لغو باتوں سے اس کی مغفرت ہو جائے گی۔'' (ترمذی، الجامع الصحیح ،)

نوٹ : مضمون کی تیاری کے لیے تفہیم القرآن از مولانا مودودی، انٹرنیٹ اور بالخصوص مولانا طاہر القادری صاحب کے یونیکوڈ میں لکھے گئے ترجمہ قرآن سے مدد لی گئی ہے۔ جس کے لیے ہم ان کے مشکور ہیں اللہ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے)

سانحہ گوجرہ : اصل حقائق

اکتیس جولائی کو صوبہ پنجاب کے ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ کی تحصیل گوجرہ کے علاقے کوریاں میں چک پچانوے میں ہونے والے فسادات نے خونی رنگ اختیار کرلیا۔ اور اس افسوسناک واقعے میں آٹھ انسانی جانیں ضائع ہوئیں، اور تیں کے قریب گھروں کو نذر آتش کردیا گیا۔ تمام ہی مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے افراد، سیاسی، سماجی اور مذہبی تنظیموں نے ان واقعات کی مذمت کی ہے اور ان فسادات میں ملوث افراد کو قرار واقعی سزا دینے کا مطالبہ کیا ہے۔

لیکن اس واقعہ کا سب سے افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ اس واقعے کی آڑ کی میں توہین رسالت صل اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قانون کو ختم کرنے کی یا اس میں ترمیم کرنے کی باتیں کی جارہی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک بڑی افسوس ناک بات ہے کہ تمام ہی شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد نے فسادات میں ملوث افراد کو تو سزا دینے کا مطالبہ کیا ہے لیکن اس واقعہ کے مرکزی کرداروں یا فساد کی جڑ کی کوئی بات نہیں کرتا ہے۔ ہمارا اشارہ اس طرف ہے کہ اصل مجرمان جنھوں نے توہین قرآن کی تھی ان کا کوئی ذکر نہیں ہوتا ہے۔

وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی ہوں یا وزیر اعلیٰ پنجاب شہباز شریف، وزیر داخلہ رحمان ملک ہوں یا قمر زمان کائرہ، یا سیاسی و مذہبی تنظیموں کے سربراہان، سب کی تان اس بات پر ٹوٹی ہے کہ " اقلیتوں کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے اور مجرمان کو کڑی سزا دی جائے۔" دیکھیں اس میں تو کوئی دو رائے نہیں ہے کہ جن لوگوں نے بھی انسانی جان لی ہے ان کو سزا دی جانی چاہیئے وہ کسی بھی رعایت کے مستحق نہیں ہیں۔ لیکن توہین قرآن مجرم کہاں گئے؟

ہوا یہ کہ اس سارے ہنگامے، سارے ہائو ہو میں اصل بات دبا دی گئی اور یہاں تک کہا گیا کہ ایسا کوئی واقعہ ہوا ہی نہیں ہے۔ جبکہ عینی شاہدین کے مطابق " چک پچانوے ج ب کے رہائشی طاب مسیح کے بیٹی کی شادی کے سلسلے میں مہندی کی تقریب جاری تھی اس میں لوگ باگ نوٹ نچھاور کر رہے تھے۔ اس دوران طالب مسیح کے بارہ سالہ بیٹے نے پانچ پانچ کے نوٹ لٹانا شروع کیے تو ان نوٹوں کے درمیان کچھ کاغذات بھی تھے جن پر عربی میں کچھ لکھا ہوا تھا، جب وہاں موجود مسلمان بچوں کی ان کاغذ کے ٹکڑوں پر نظر پڑی تو معلوم ہوا کہ وہ تو قرآن پاک کے اوراق ہیں، اور ان بچوں نے اس جانب دوسرے لوگوں کی توجہ مبذول کرائی، جس کے بعد وہاں جھگڑا شروع ہوگیا اور عیسائی افراد نے مسلمانوں اور اسلام کے خلاف انتہائی سخت اور توہین آمیز زبان استعمال کی۔ بچوں نے یہ بات دیگر لوگوں کو جاکر بتائی تو ماحول میں کشیدگی پھیل گئی اور دونوں جانب سے ایک

دوسرے پر پتھراؤ کیا گیا۔ لیکن پولیس نے بروقت مداخلت کرکے معاملہ سنبھال لیا۔ اس دوران اعلان کیا گیا کہ اگلے روز یعنی ہفتے کو ہڑتال کی جائے گی۔ ہڑتال والے روز سنی تحریک نے ایک احتجاجی جلسہ منعقد کیا اور جلسے کے بعد احتجاجی جلوس نکالا گیا یہ جلوس جب ریلوے لائن کے قریب واقع عیسائی آبادی کے پاس پہنچا تو کرسچن بستی کی جانب سے اس جلوس پر فائرنگ کی گی۔ جس میں متعدد افراد زخمی ہوگئے۔ جس کے بعد یہ علاقہ میدان جنگ بن گیا اور بعد میں یہ تصادم خونی فسادات میں تبدیل ہوا۔ جس میں مسلمانوں کی جانب سے عیسائی آبادی کے گھر جلائے گئے اور ان کے افراد کو قتل کیا گیا۔

یہ اس واقعہ کا پس منظر ہے، اس کا جائزہ کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ اول تو توہین قرآن کا واقعہ حقیقتاً پیش آیا، اور دوسرا یہ کہ تصادم کا آغاز مسلمانوں کے بجائے عیسائی بھائیوں کی جانب سے ہوا۔ کہا یہ گیا کہ توہین قرآن کا واقعہ پیش ہی نہیں آیا بلکہ اس کی جھوٹی افواہ پھیلائی گئی تھی۔ جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے اور ثناء نیوز کے مطابق اقلیتی رکن پنجاب اسمبلی انیجئنر شہزاد نے تسلیم کیا کہ گوجرہ میں قرآن پاک کے مقدس اوراق کاٹے گئے ہیں" یعنی یہ بات تو ثابت ہوتی ہے کہ توہین قرآن کا واقعہ واقعی پیش آیا تھا، اور مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوئے تھے۔

اب اس سارے واقعہ کا مجموعی جائزہ لیے تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس سارے واقعہ کو بنیاد بنا کر توہین رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قانون کو ختم کرنے کی یا اس میں ترامیم کرنے کی جو باتیں کی جارہی ہیں وہ بالکل بے بنیاد ہیں، اور ان فسادات سے اس قانون کا کوئی تعلق نہیں بنتا ہے۔ مجھے بتایا جائے کہ اس پورے واقعہ میں کہیں اس بات کا کوئی اشارہ بھی ملتا ہے کہ کسی مقامی عدالت نے، کسی وکیل نے، یا مقامی تھانے نے اس قانون کو بنیاد بنا کر لوگوں کو اکسایا ہو کہ جا کر عیسائی آبادی پر حملے کرو، اور نہ ہی اس قانون کی کسی بھی شق میں یہ لکھا ہوا کہ ایسے کسی بھی واقعے میں لوگ خود ہی مجرموں کو سزا دیدیں۔ نہیں ایسا نہیں ہے بلکہ یہ ایک مشتعل ہجوم کی کاروائی تھی جو کہ انہوں نے جذبات سے مغلوب ہو کر کی تھی جبکہ پہل بھی فریق مخالف کی جانب سے ہوئی تھی۔ لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ ایسے تمام لوگوں کو سزا ملنی چاہیے جنہوں نے قانون اپنے ہاتھ میں لیا اور معصوم انسانی خون سے اپنے ہاتھ رنگے۔

جو لوگ اس واقعہ کو بنیاد بنا کر توہین رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قانون کو ختم کرنے کا مطالبہ کر رہے ہیں تو ان سے ہمارا یہ سوال ہے کہ ہمارے معاشرے میں اکثر افراد ٹریفک سگنلز کی پابندی نہیں کرتے ہیں تو کیا اس بات کو بنیاد بنا کر ٹریفک کے تمام سگنلز کو اور ٹریفک قوانین کو ختم کردینا

چاہیے؟ ہمارے اس معاشرے میں اکثر لوگ جب کسی چور کو پکڑتے ہیں تو عموماً اس کو موقع پر ہی سزا دیتے ہیں کہ اور گزشتہ سالوں میں تو ایسی متعدد واقعات پیش آئے ہیں کہ لوگوں نے چوروں اور ڈکیتوں کو جب پکڑا تو موقع پر ہی مار مار کر ان کو ہلاک کر دیا۔ کیا ان واقعات کی بنیاد بنا کر چوروں اور ڈکیتوں کے خلاف قانون اور سزاؤں کو ختم کر دینا چاہیے؟ یقیناً ہر باشعور فرد یہی کہے گا کہ نہیں ایسا نہیں بلکہ لوگوں جو لوگ بھی قانون کو اپنے ہاتھوں میں لیتے ہیں ان کو سزا ملنی چاہیے۔ اور یہ بات ہم بھی کہتے ہیں کہ جو لوگ بھی کسی کے ساتھ زیادتی کے مرتکب ہوتے ہیں ان کے خلاف کاروائی ہونی چاہیے نہ کہ اس قانون ہی کو ختم کر دیا جانا چاہیے۔

یہودیوں نے اپنے ہٹلر کے مظالم اور اپنی مظلومیت کا اتنا ڈھنڈورا پیٹا اور اتنا زیادہ پروپیگنڈا کیا کہ انہوں نے ایک فرضی ہولوکاسٹ تخلیق کر لیا کہ گیس چیمبر میں لاکھوں یہودیوں کو قتل کیا گیا۔ ح الانکہ کئی مؤرخین اور صحافیوں نے ثابت کیا کہ یہ واقعہ جھوٹا اور فرضی ہے اور اتنے بڑے پیمانے پر یہودیوں کا کوئی قتل عام نہیں ہوا۔ لیکن اس کے بوجود پورے یورپ میں ہولوکاسٹ کے خلاف بات کرنا یا اس کو غلط کہنا جرم ہے اور کئی ممالک میں تو اس کے خلاف بات کرنے کی سزا موت ہے۔ سوچیں اور غور کریں کہ ایک فرضی، جھوٹے، اور من گھڑت واقعے پر بات کرنا تو قابل گردن زدنی جرم ہے۔ لیکن اربوں

مسلمانوں کے دل کی دھڑکن، آقائے دوجہاں، نبی مہربان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کے خلاف قانون پر اعتراض کیا جاتا ہے اور وہ بھی ایک مسلمان ملک میں؟ ویسے ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ جس بات کو بنیاد بنا کر اس قانون کو ختم کرنے کی بات کی جارہی ہے، اگر یہ قانون ختم ہوگیا تو پھر ایسے واقعات ختم نہیں ہونگے بلکہ مزید بڑھیں گے کیوں کہ ابھی تک تو یہ بات لوگوں کو روکتی ہے کہ ایک قانون موجود اور مجرم کو قانون کے حوالے کیا جائے لیکن جب یہ قانون نہیں رہے گا تو اس کو منطق نتیجہ یہ نکلے گا کہ اگر خدانخواستہ ایسے کسی واقعے کے بعد لوگوں کے ذہن میں یہ بات آئے گی کہ جب ایسے مجرم کے لیے قانون میں کوئی سزا نہیں ہے تو پھر جذبات مزید بھڑکیں گے اور خون خرابہ مزید بڑھے گا۔ اور لوگ مجرم کو خود ہی سزا دیں گے

مسلمانوں کی جانب سے عیسائیوں کے گھر جلائے جانے کے واقعات کو بڑھا چڑھا کر بیان کرنے کا مقصد ہی یہ ہے کہ اصل مجرمان کو تحفظ دیا جائے اور اس کی آڑ میں توہین رسالت قانون کو ختم کرکے مغربی قوتوں کے لادینی ایجنڈے کی تکمیل کی جائے۔ تاکہ اسلام کے نام پر قائم ہونے والے ملک میں بھی مسلمانوں کے مہربان نبی کی شان میں گستاخی کی جائے اور کوئی اس کو روکنے والا نہ ہو۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ ہمارے ارباب اختیار کو شعور اور غیرت دینی عطا کرے کہ وہ ایسی کسی بھی احمقانہ فیصلہ سے باز رہیں آمین

۱۴ اگست ۱۹۴۷ لہو ہمارا بھلا نہ دینا

رمضان المبارک

نیکیوں کا موسم بہار رمضان المبارک کی آمد آمد ہے۔ اس ماہ مبارک کی آمد کے ساتھ ہی جیسے ماحول پر ایک پاکیزگی چھا جاتی ہے، ہر طرف ایک نور پھیلا ہوا نظر آتا ہے، عام دنوں کی نسبت اس ماہ مبارک میں نیکیوں کا تناسب بڑھ جاتا ہے اور گناہوں کا تناسب کم ہو جاتا ہے، گناہ گار سے گناہ گار انسان بھی اس ماہ مبارک کی برکت سے نیکی کی جانب راغب ہو جاتا ہے اور بالآخر برائی کا راستہ چھوڑ دیتا ہے۔ اگر غور کریں تو صاف نظر آتا ہے کہ اس ماہ مبارک میں ماحول میں ایک ایسی پاکیزگی چھا جاتی ہے کہ اگر کوئی فرد برائی کی جانب بڑھنا بھی چاہے تو صرف اس ماہ مبارک کی برکت سے وہ رک جاتا ہے۔ ایک اور فضیلت جو اللہ جل شانہ نے اس ماہ مبارک کو عطا فرمائی ہے کہ اس ماہ مبارک میں شب قدر کو رکھا گیا ہے جو کہ ہزار مہینوں سے بہتر رات ہے اور اس ایک رات کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے افضل ہے البتہ کئی بدبخت ایسے بھی ہوتے ہیں جو کہ اس ماہ مبارک کی برکت سے بھی فیض یاب نہیں ہوتے ہیں اور محروم ہی رہتے ہیں۔

رمضان المبارک کے بارے میں اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتے ہیں کہ" . یَا اَیُّہَا الَّذِینَ آمَنُوا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا

ترجمہ :اے ایمان والوں تم پر روزے فرض O كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ
کیے گئے ہیں جس طرح پچھلی امتوں پر فرض کئے گئے تھے شائد کہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔
(البقرہ آیت ۱۸۳)

اس آیت میں پچھلی امتوں کا ذکر کیا گیا ہے اس کی تشریح میں صاحب تفسیر ابن کثیر فرماتے ہیں کہ" حضرت معاذ رضی اللہ عنہ، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حجرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا عطا رحمت اللہ علیہ ضحاک رحمت اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ سے ہر مہینہ میں تین روزوں کا حکم تھا جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے لیے بدلا گیا اور ان پر اس مبارک مہینہ کے روزے فرض ہوئے۔ حجرت حسن بصری رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگلی امتوں پر بھی ایک مہنہ کامل کے رزے فرض تھے۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ رمضان کے روزے تم سے پہلی امتوں پر بھی فرض تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پہلی امتوں کو یہ حکم تھا کہ جب وہ عشاء کی نماز ادا کرلیں اور سو جائیں تو ان پر کھانا پینا، عورتوں سے مباشرت کرنا حرام ہو جاتا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگلے وقتوں سے مراد اہل کتاب ہیں (تفسیر ابن کثیر پارہ ۲ صفحہ ۱۹۱

جبکہ کنزالایمان میں اس آیت کی تشریح میں بیان کیا جارہا ہے کہ " اس آیت سے

ثابت ہوتا ہے کہ روزے عبادت قدیمہ ہیں زمانہ آدم علیہ السلام سے تمام شریعتوں میں فرض ہوتے چلے آئے ہیں اگرچہ ایام و احکام مختلف تھے مگر اصل روزے سب امتوں پر لازم رہے" (کنزالایمان حاشیہ نمبر ۳۲۵)

جبکہ مولانا مودودی اس آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ " روزے فرض کرنے کا اصل مقصد یہ ہے کہ انسان میں تقویٰ کی صفت پیدا ہو، تقویٰ کے اصل معنی حزر اور خوف کے ہیں اسلامی اصطلاح میں اس سے مراد خدا سے ڈرنا اور اس کی نافرمانی سے بچنا ہے۔ اس لفظ کی جو بہترین تشریح میری نظر سے گزری ہے وہ حضرت ابی ابن کعب نے بیان کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا تقویٰ کسے کہتے ہیں کہ ؟ انہوں نے عرض کیا کہ : امیر المومنین آپ کو کبھی ایسے رستے سے گزرنے کا اتفاق ہوا ہے جس کے دونوں طرف خاردار جھاڑیاں ہوں اور راستہ تنگ ہو؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا بارہا، انہوں نے پوچھا: تو ایسے موقع پر آپ کیا کرتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اپنا دامن سمیٹ لیتا ہوں اور بچتا ہوا چلتا ہوں کہ دامن کانٹوں سے نہ الجھ جائے۔ حضرت ابی ابن کعب نے فرمایا کہ بس اسی کا نام تقویٰ ہے۔ زندگی کا یہ راستہ جس پر انسان سفر کر رہا ہے دونوں طرف افراط و تفریط، خواہشات اور میلانات نفس وساوس اور ترغیبات، گمراہیوں اور نافرمانیوں کی خاردار جھاڑیوں سے گھرا ہوا ہے۔ اس راستے پر کانٹوں سے اپنا دامن بچاتے ہوئے چلنا اور اطاعت حق کی

راہ سے ہٹ کر بد اندیشی و بد کرداری کی جھاڑیوں میں نہ الجھنا، یہی تقویٰ ہے اور یہی تقویٰ پیدا کرنے کے لیے اللہ تعالٰی نے روزے فرض کیے ہیں۔ یہ ایک مقوی دوا ہے جس کے اندر خداترسی و راست روی کو قوت بخشنے کی خاصیت ہے۔ (اسلامی عبادات پر تحقیقی نظر از مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی)

رمضان المبارک جس کو اللہ جل شانہ نے اپنا مہینہ قرار دیا ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جب رمضان آنے لگتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کردئے جاتے ہیں اور سرکش شیاطین باندھ دیا جاتا ہے اور اللہ کی طرف سے ایک منادی یہ آواز لگاتا ہے اے بدی کے طلب گار! رک جا اور اے خیر کے طلب گار! آگے بڑھ (بخاری)

رمضان المبارک کے مختلف نام

صبر کا مہینہ : وہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا ثواب جنت ہے (مشکوٰت شریف)

ہمدردی کا مہینہ : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رمضان کا آتا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر قیدی کو چھوڑ دیتے اور ہر سوال کرنے والے کو عنایت فرماتے۔

اللہ کا مہینہ : حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

رمضان اللہ کا مہینہ ہے۔ اور ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ" الصوم لی" یعنی روزہ میرے لیے ہے۔ یہ اعزاز صرف رمضان المبارک کے مہینے کو حاصل ہے کہ اس کو اللہ نے اپنا مہینہ قرار دیا۔ رمضان المبارک کا پہلا عشرہ رحمت، دوسرا عشرہ مغفرت اور تیسرا عشرہ جہنم سے نجات کا عشرہ ہے۔ اسی ماہ مبارک میں قرآن پاک نازل کیا گیا۔ اور اسی ماہ مبارک میں شب قدر رکھی گئی ہے۔ (ہمارا وطن پاکستان بھی (رمضان المبارک کی ستائیسویں شب کو ہی معرض وجود میں آیا تھا

آج جب کہ ہم ایک پر آشوب دور میں جی رہے ہیں، اور بحیثت قوم مشکلات کا شکار ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اس ماہ مبارک سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں، اس ماہ مبارک میں اللہ سے اپنے تعلق کو بہتر بنائیں۔ قرآن کریم سے اپنا تعلق جوڑیں، نوافل کا اہتمام کریں، تہجد کا اہتمام کریں، اور اگر ممکن ہو تو مساجد میں اعتکاف کریں۔ اس ماہ مبارک میں کثرت سے استغفار کیا جائے، اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کی جائے، رات کی تنہائیوں میں اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑا گڑگڑا کر اپنے اور اپنے ملک و قوم کے لیے اور امت مسلمہ کے لیے دعائیں مناگی جائیں۔ یہاں میں اپنے تمام قارئین سے یہ گزارش کروں گا کہ اس ماہ مبارک میں اس بات کی کوشش کریں کہ قرآن پاک کی صرف تلاوت نہ کی جائے بلکہ اس کو ترجمہ کے ساتھ سمجھ کر پڑھا جائے اور یہ جاننے کی کوشش کی جائے

کہ اللہ تعالی نے اپنی اس سچی کتاب میں ہم سے کیا مطالبہ کیا ہے۔ صدقات و فطرات کا بھی اہتمام کیا جائے۔ کوشش کی جائے کہ اس ماہ مبارک میں صبح سے شام تک بھوکے اور پیاسے رہ کر ان غریبوں اور فاقہ کشوں کا تصور ذہن میں لائیں اور ان کی تکلیف کا احساس پیدا کریں کہ یہی روزہ کا مقصد ہے کہ انسان کو دوسروں کی بھوک کا احساس ہو۔
دعا ہے کہ اللہ تعالی اس رمضان المبارک میں میری، آپ کی اور ہم سب کی مغفرت فرمائے اور ہم اس ماہ مبارک کے اصل مقاصد کو حاصل کریں۔ اللہ ہم سب کو ہدایت نصیب کرے۔ آمین ثم آمین

خلاصہ تراویح : پہلی تراویح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آج کی تراویح کے اہم نکات

آج کی تراویح میں پہلا سوا پارہ پڑھا جائے گا جو دوسرے پارے کی چوتھائی پر ختم ہوگا یعنی بقرہ کی ۱۷۲ آیت پر

پہلی سورت فاتحہ کہلاتی ہے جسے عوام الحمد شریف بھی کہتے ہیں اور یہ سورہ نماز کی ہر رکعت میں بھی پڑھی جاتی ہے۔ دراصل یہ ایک دعا ہے جو اللہ تعالی نے ہر اس انسان کو سکھائی ہے جو اس کتاب کا مطالعہ شروع کر رہا ہے۔ اس میں سب سے پہلے اللہ کی اہم صفات خصوصاً تمام جہانوں کے رب ہونے، سب سے زیادہ رحمان و رحیم ہونے اور ساتھ ہی ساتھ انصاف کرنے والے کی حیثیت کی تعریف کی گئی ہے اور اس کے احسانوں اور نعمتوں کا شکریہ بھی ادا کیا گیا ہے۔ پھر اپنی بندگی اور عاجزی کا اعتراف کرتے ہوئے اس سے زندگی کے معاملات میں سیدھے راستہ کی ہدایت طلب کی گئی ہے جو ہمیشہ اس کے انعام یافتہ اور معقول بندوں کو حاصل رہی ہے اور جس سے صرف وہی لوگ محروم رہتے ہیں جنھوں نے اس راستے کو چھوڑ دیا ہے یا اس کی کوئی پرواہ ہی نہیں کی ہے۔

دوسری سورہ بقرہ ہے الف لام میم سے شروع ہوتی ہے جو اس دعا کا جواب ہے کہ اللہ نے سیدھا راستہ بتانے کے لیے یہ کتاب اتاری دی ہے اس میں کوئی شک و شبہ نہیں، پھر بتایا کہ اللہ کے نزدیک انسانوں کی تین اقسام ہوتی ہیں ایک وہ جو اس کتاب پر ایمان لائیں اور اس کے احکام کی اطاعت کریں یعنی نماز قائم کریں، اللہ کے راستے میں اپنا مال خرچ کریں، قرآن اور اس سے پہلے کی کتابوں پر ایمان لائیں اور جو کچھ اللہ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بتائیں اس پر بھی ایمان لائیں خواہ ظاہری حواس سے جانا جاسکے یا نہ جانا جاسکے۔ یعنی دوزخ، ملائکہ، آخرت اور دوسرے اندیکھے حقائق جو اس کتاب میں بیان کئے گئے ہوں، یہ لوگ مومن ہیں اور یہی اس کتاب سے صحیح فائدہ اٹھا سکیں گے۔

دوسرے وہ ہیں جو اس کتاب کا ہٹ دھرمی سے انکار کریں یہ کافر ہیں۔ تیسری قسم کے وہ لوگ ہیں جو معاشرتی دباؤ، یا دنیاوی فوائد کی خاطر اپنے آپ کو مسلمان کہلاتے ہیں مگر دل سے اسلام کی قدروں کو نہیں مانتے ہیں بلکہ اسلام کے باغیوں اور منکروں کی طرف جھکاؤ رکھتے ہیں۔ اس طرح اسلام کی راہ میں رکاوٹوں اور حرام و ناجائز باتوں کی پرہیز کی بناء پر پہنچنے والے ظاہری نقصانات سے ڈر کر شک و شبہ میں مبتلا ہیں۔ یہ دونوں گروہ اپنے کو دہرے فائدے میں سمجھتے ہیں حالانکہ سراسر نقصان میں ہیں پھر تمام انسانوں کو

مخاطب کرکے انہیں قرآن پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی اور کہا گیا کہ اپنے پیدا کرنے والے اور پرورش کرنے والے مالک و آقا کی بندگی اختیار کریں۔

گمراہی کا سب سے بڑا سبب یہ بتایا گیا کہ جو لوگ اللہ سے کئے ہوئے عہد کو توڑ دیتے ہیں اور جن رشتوں کو باندھنے کا حکم اللہ نے دیا ہے انہیں کاٹتے ہیں اور وہ کام کرتے ہیں جن سے انسان نیکی کے بجائے برائی کی طرف چل پڑتے ہیں ایسے ہی لوگ حقیقت میں فسادی ہیں اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

پھر دنیا میں انسان کی اصل حیثیت کو واضح کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے خلیفہ کی حیثیت سے پیدا کیا اور اس کو دنیا کی ہر چیز کے بارے میں ضروری علم، سمجھ اور صلاحیت عطا کر کے مخلوقات پر فضیلت بخشی ہے اس فضیلت کو فرشتوں اور ان کے ذریعے دوسری مخلوقات نے تسلیم کیا مگر شیطان نے تکبر کیا اور گھمنڈ میں آکر اس فضیلت اور اطاعت سے انکار کیا اس لیے وہ اللہ کے یہاں دھتکارا گیا۔ پھر آدم و حوا کو جنت میں رکھنے کا ذکر ہے تاکہ معلوم ہو کہ اصل جگہ آدم کی اولاد کی وہی ہے مگر شیطان کے فریب سے آگاہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے آدم و حوا کو زمائش کے ایک کام سے منع کیا مگر دونوں شیطان کے بہکانے پر اللہ کے حکم کو بھلا بیٹھے اور وہ کام کر ڈالا جس سے منع کیا گیا تھا۔ اللہ نے شیطان اور آدم و حوا کو دنیا میں بھیج دیا اور فرمایا کہ

اللہ کی طرف سے بار بار اس کے رسول ہدایت لیکر آتے رہیں گے اور جو اس ہدایت پر چلے گا وہی کامیاب ہو کر پھر اسی جگہ واپس آئے گا اور جو انکار کرے گا وہ شیطان کے ساتھ جہنم کا ایندھن بنا دیا جائے گا۔

اس کے بعد اس وقت کے دو بڑے مذہبی گروہوں کی طرف توجہ دلائی گئی کہ یہودی اور عیسائی جنہیں قرآن سے پہلے تورات اور انجیل دی گئی تھیں، انہوں نے (شیطان کی پیروی میں) دنیاکے عارضی فائدوں اور اپنی خواہشات نفس کو پورا کرنے کے لیے اللہ کی ہدایت میں کمی بیشی کر دی، کتابوں میں تبدیلی کر دی اور اب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت اور قرآن کو اللہ کی کتاب ماننے سے انکاری ہیں اور کہتے ہیں کہ چونکہ محمد بنی اسمٰعیل میں پیدا ہوئے ہیں اس لیے ہم انہیں نہیں مانتے۔ بنی اسحاق میں پیدا ہوتے تو ضرور مان لیتے ۔اس طرح ان لوگوں نے خدا کے دین کو بھی نسل کا پابند بنا دیا اس لیے یہ اللہ کے غضب کے مستحق ہوئے۔ پھر ان دوسرے گمراہ کرنے والے عقیدوں کا ذکر کیا گیا اور مسلمانوں کو تنبیہہ کی کہ وہ ان کی جیسی حرکتیں نہ کریں ورنہ وہ بھی گمراہ ہو جائیں گے اور قرآن سے کوئی ہدایت نہ پا سکیں گے۔

حضرت موسٰی علیہ السلام اور ان کی قوم کے کئی اہم واقعات بیان کیے گئے کہ کس طرح اللہ نے انہیں انعامات سے نوازا مگر وہ بار بار ناشکری، کج بحثی اور منافقت کا ثبوت دیتے رہے اور اللہ کے احکام کو حیلوں بہانوں سے ٹالتے رہے

آخر اللہ نے انہیں عذاب میں گرفتار کر دیا۔

تمام انسانوں کی ہدایت کے لیے اہل کتاب (یہودیوں اور عیسائی دونوں) کی ایک اہم بیماری کا ذکر کیا گیا کہ کس طرح یہ ایک دوسرے کی نجات کے منکر بن گئے ہیں یہودی کہتے ہیں کہ عیسائیوں کی کوئی بنیاد نہیں اور عیسائی کہتے ہیں یہودیوں کی کوئی بنیاد نہیں۔

اس طرح مشرک بھی بے سوچ سمجھے، یہی کہتے ہیں کہ بس ہم ہی حق پر ہیں اور ہمارے سوا سب باطل ہیں حالانکہ نجات یافتہ اور جنت کا مستحق ہونے کے لیے اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل میں ہونا یا یہودی یا عیسائی ہونا شرط نہیں بلکہ شرط یہ ہے کہ آدمی ایک تو "مسلم" یعنی خدا کا اطاعت گزار بنے اور دوسرے "محسن" بنے یعنی نیت اور عمل دونوں میں خلوص اور احسان کی صفت اس میں پائی جائے

دین کو آبائی نسل سمجھنے سے وابستہ سمجھنے کی تردید کرتے ہوئے پورے زور سے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام دونوں ہی خدا کے پیغمبر تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو اعلیٰ مقام ملا وہ نسل یا وارثت کی بناء پر نہیں ملا تھا بلکہ اللہ نے مختلف امتحانوں میں انکو ڈالا تھا اور جب وہ کامیاب اترے تو تمام انسانوں کی امامت اور پیشوائی کا منصب انعام کے طور پر عطا فرمایا اور آئندہ کے لیلے بھی یہ قاعدہ مقرر کیا

کہ یہ منصب وارثت میں بلکہ اس کے لائق ہونے کی شرط کے ساتھ ملے گا۔ اس موقع پر ان کے ہاتھوں کعبتہ اللہ کی تعمیر کا ذکر کیا اور بتایا گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس موقع پر ان کی مانگی ہوئی دعا کا مظہر ہیں اور اب قیامت تک انسانوں کی ہدایت، تعلیم، تزکیہ کے لیے بھیجے گئے ہیں اور اسی لیے اب بیت المقدس کی قبلہ کی حیثیت ختم کی جاتی ہے اور کعبتہ اللہ کو قبلہ قرار دیا جاتا ہے۔

اس کے بعد چوتھائی پارے کے ختم تک توحید کا مضمون بیان کیا گیا ہے جو دین کی اصل بنیاد ہے یعنی اللہ کے سوائے کوئی الوہیت اور خدائی صفات نہیں رکھتا وہ واحد ساری قوتوں کا مالک اور سارے خیر کا سرچشمہ ہے اور پھر کائنات کو بنا کر کہیں، کسی کونے میں نہیں بیٹھ گیا بلکہ اس کا انتظام خود چلا رہا ہے اور جس طرح ساری کائنات ایک منظم و مربوط نظام کی تابع ہے وہ اسی طرح انسانوں کی ہدایت کے لیے اس نے اپنے احکام کا ایک نظام بنایا ہے اور اسے اپنے رسولوں اور کتابوں کے ذریعے انسانوں تک بھیجا ہے اور وہ ایک ہی خدا ہر زمانے کے لیے ایک کتاب، ایک رسول اور آدم کی اولاد تمام انسانوں کے لیے ایک ہی نظامِ فکر و عمل بھیجتا رہا ہے۔

اس توحید کے مکمل نظام جس میں کھانے پینے سے لیکر صلح وجنگ، مقتولوں کے

قصاص اور مرنے کے بعد لوگوں کے ورثہ کی تقسیم تک کے احکامات دئے گئے ہیں تسلیم کرو۔۔۔۔۔ اللہ نے یہ کتاب حق کے ساتھ اتاری ہے اور جن لوگوں نے اس کتاب کے معاملہ میں اختلاف کیا وہ مخالفت میں بہت دور نکل گئے۔

قارئین آج کی تراویح کا بیان ختم ہوا۔ اللہ تعالی ہم سب کو قرآن کو پڑھنے، اسکو سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ اس کی برکتوں سے ہمارے ملک اور شہر کے حالات تبدیل فرمائے آمین

تحریر: مولانا محی الدین ایوبی

دوسری تراویح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آج دوسرے پارے کی چوتھائی سے تیسرے پارے کے آدھے تک تلاوت کی گئی. کل کی تراویح میں پڑھا جانے والا حصہ توحید کے مضمون پر ختم ہوا تھا۔ آج توحید کے ضروری تقاضوں اور انسانی زندگی میں ان کے تمام نتائج کو واضح کرنے کے لیے بتایا گیا ہے کہ خدا کے ساتھ وفاداری اور نیکی کا حق مشرق اور مغرب کی طرف رخ کر کے نماز پڑھ لینے سے ادا نہیں ہوگا جیسا کہ اہل کتاب نے سمجھ لیا ہے کہ بلکہ ایمانیات یعنی عقائد کی درستگی کے ساتھ اللہ کے راستے میں رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، مقروضوں اور قیدیوں کی مدد کرنا، نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا، آپس کے معاہدوں کو پورا کرنا اور مصیبت کے وقت تنگی، تنگی ترشی، دکھ بیماری میں اور جب خدا کے دشمن حملہ آور ہوں تو صبر واستقامت سے کام لینا یہ ہے اصل دین، سچائی اور تقویٰ۔ جو ایسا نمونہ قائم کریں وہ صحیح معنوں میں دیندار سچے اور متقی ہیں۔ پھر یہ بتایا گیا ہے کہ ایک دوسرے کی جان و مال کا احترام بھی نیکی اور تقویٰ کا حصہ ہے۔ چنانچہ قاتل معاشرہ کا سب سے بڑا دشمن ہے اور اس کا قصاص سب کے ذمہ ہے اسی میں معاشرہ کی زندگی ہے اسی طرح کمزوروں کا حق دبانا، اور طاقتوروں کا خیال

رکھنا ظلم ہے۔ بلکہ کمزوروں کو حق دینا چاہئے اور دلوانا چاہئے۔ ورثہ کے معاملات اور وصیت کو پورا کرنا چاہئے

اس کے بعد روزوں کی فضیلت کا بیان ہوا اور اس کے احکام بتائے گئے یہاں روزوں کا ذکر عبادات، نماز اور انفاق کے ساتھ نہیں بلکہ معاملات کے ساتھ کیا گیا اس سے پتہ چلتا ہے کہ روزے اصل میں اہل ایمان کو اپنی زندگی میں معاملات انصاف، احسان، اور تقویٰ کے ساتھ انجام دینے کی تربیت دیتے ہیں اور آدمی کو لالچ، بخل، اور اسی طرح کی دوسری برائیوں سے بچنا سکھاتے ہیں۔ اسی موقع پر رشوت کی برائی بیان کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ حکام کو رشوت کی چاٹ سب سے پہلے معاشرے کے لوگ ہی لگاتے ہیں اس لیے انہیں خود پر قابو پانا چاہیے۔ پھر حج اور جہاد کا ذکر کیا کیونکہ روزہ صبر سکھاتا ہے اور حج اور جہاد بھی صبر کی اعلیٰ اقسام ہیں

بعض لوگ حج کو صرف اپنی دنیا بنانے کا ذریعہ بنالیتے ہیں اور آخرت کی طلب سے ان کے دل خالی ہوتے ہیں اس لیے پھر منافقت کا ذکر کیا کہ جو لوگ دنیا کے اتنے طالب ہوں کہ حج کی دعاؤں میں بھی اپنی دنیا ہی بنانے کی کوشش کریں وہ منافق ہی ہو سکتے ہیں۔ یہ منافق ایمان اور اسلام کے خوب دعوے کرتے ہیں خود کو اسلام اور ملت کا خیر خواہ بتاتے ہیں مگر بدترین دشمن حق ہوتے ہیں

نشانی یہ ہے کہ جب زندگی کے معاملات انجام دیتے ہیں یا کسی ذمہ داری پر مقرر کیے جاتے ہیں تو اپنے اعمال سے معاشرے میں فساد برپا کرتے ہیں، لوگوں کی حق تلفیاں کرتے ہیں اور جب انہیں ٹوکا جاتا ہے تو ہٹ دھرمی کے ساتھ زیادتی پر جمے رہتے ہیں۔ ان کے مقابلے میں سچے اہل ایمان اپنے نفس کو اللہ کے ہاتھ بیچ دیتے ہیں اور اسی کی خوشنودی حاصل کرنے کا کام انجام دیتے ہیں۔

اے ایمان والوں! تم بھی منافقوں کی طرح نہ ہو جاؤ بلکہ اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو (اور کوئی حصہ بھی اپنی زندگی کا اس سے باہر نہ رکھو) تمہارا ازلی دشمن شیطان تمہاری تاک میں ہے اس سے چوکنے ہو کر زندگی گزارو کہیں وہ تمہیں بہکانے میں کامیاب نہ ہو جائے۔ اس موقع پر شراب اور جوئے کی ممانعت کی گئی اور بتایا گیا کہ اگرچہ ان میں بعض فائدے بھی ہیں مگر ان کے نقصانات جو معاشرے کو پہنچتے ہیں وہ ان کے فائدوں سے زیادہ ہیں اس طرح شریعت کا مزاج بتایا گیا کہ اگر کسی کام میں نفع سے نقصان کا پہلو (خصوصاً اخلاقی لحاظ سے) زیادہ ہو تو وہ شریعت میں ممنوع ہے۔ لوگوں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ کے راستے میں کتنا خرچ کریں جواب دیا گیا کہ اپنی اور بچوں کی ضرورت سے زیادہ جو بھی بچ جائے وہ سب اللہ کا ہے اور اسی کی راہ میں خرچ کر دینا چاہیے، پھر شادی بیاہ کی

طرف توجہ دلائی گئی کہ رشتہ داری قائم کرنے میں دین کو اصل مقام ملنا چاہئے خواہ دین دار عورت یا مرد (غیر داین دار سے) مرتبہ یعنی اسٹیٹس میں کم ہو۔ پھر عورتوں کی پاکی، ناپاکی، اور ان سے سلوک کے مسائل بتائے، اسی طرح نکاح، طلاق کے احکام بتاتے ہوئے کہا کہ یہ سب اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں ان کی حفاظت ایمان کا تقاضہ ہے۔ اسی طرح بچوں کو دودھ پلانے اور پلوانے کے احکام، شوہر کے مرنے کی عدت، اور نکاح کرتے وقت مہر کے مسائل کا ذکر کیا گیا اور ان تمام معاشرتی احکام کا اختتام اس پر کیا گیا کہ نماز کی حفاظت کرو یہاں تک کہ سفر اور خطرہ کی حالت میں بھی قصر نماز کو نہ چھوڑو اصل نماز ہی آدمی میں اللہ کی کامل اطاعت اور خلوص و وفاداری کے جذبہ کی پرورش کرتی ہے۔

یہودیوں کی تاریخ کا ایک واقعہ ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ اللہ کی یاد سے غفلت نے انہیں بزدل بنا دیا تھا اور وہ ایک موقع پر بہت بڑی تعداد میں ہونے کے باوجود اپنے دشمنوں سے ڈر کر بھاگ کھڑے ہوئے اور اس طرح انہوں نے اپنی اخلاقی و سیاسی موت خرید لی۔ گویا مسلمانوں کو بتایا کہ مکہ سے مدینہ ہجرت دشمن کے خوف سے نہیں بلکہ اسلام کو بچانے اور پھر پھیلانے کے لیے ہے چنانچہ یہ کام صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین نے انجام دیا اس طرح قیامت تک کے مسلمانوں کو راستہ دکھایا کہ انہیں بھی کبھی ہجرت کرنی پڑے تو اسلام کو

قائم کرنے کا نصب العین آنکھوں سے اوجھل نہیں ہونا چاہئے۔ ساتھ ہی تفصیل سے بنی اسرائیل کی ایک جنگ کا قصہ بیان کیا جو طالوت اور جالوت کے درمیان ہوئی تھی، اس طرح مسلمانوں کو بتایا کہ انہیں بھی انہی مرحلوں سے گزرنا پڑے گا

اللہ کے ہاں کام آنے والی اصل چیز اس کی راہ میں جان و مال کی قربانی ہے اللہ نے اپنی کتاب اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذریعے خدا پرستی کی راہ بتادی ہے اب جس کا جی چاہے وہ غیر اللہ سے کٹ کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لے اور جس کا جی چاہے وہ اپنے گھڑے ہوئے غلط سہاروں کا پکڑے رہے اور اپنی عاقبت تباہ کرلے۔ پھر سود کو حرام کرنے کا اعلان کیا گیا کیونکہ سودی نظام لوگوں میں دنیا پرستی اور مال کی پوجا کا جذبہ پیدا کرتا ہے پس اگر معاشرہ میں نیکیاں پھیلانا، خداترسی اور بندوں کی امداد کا نظام لانا ہے تو سودی نظام کو ختم کرنا ہوگا۔ اس سورت کو اس مشہور دعا پر ختم کیا گیا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج کے موقع پر سکھائی گئی تھی اس میں مغفرت کے ساتھ کافروں کے مقابلے میں مدد فرمانے کی دعا بھی کی گئی ہے۔

اس کے بعد تیسری سورت آل عمران کے دو رکوع ہیں اور ان میں بتایا گیا ہے کہ یہود و نصاریٰ نے اللہ کی طرف آئی ہوئی کتابوں میں اختلافات پیدا کرکے اصل

حقیقت کو گم کر دیا اب اللہ نے اسی گمشدہ حقیقت کو واضح کرنے کے لیے قرآن اتارا ہے تاکہ لوگ اختلافات کی بھول بھلیوں سے نکل کر ہدایت کی شاہراہ پر آ جائیں۔ اب جو لوگ اس کتاب کا انکار کردیں گے ان کے لیے اللہ کے ہاں بڑا سخت عذاب ہے۔

پھر اللہ نے ان رکاوٹوں کا ذکر کیا کہ جو لوگ قرآن اور اس کے ماننے والوں کے درمیان شیطان پیدا کرتا ہے یعنی دنیا کی مرغوبات، عورتیں، بیٹے، سونے چاندی کے ڈھیر، نشان زدہ گھوڑے، ہتھیار، چوپائے اور کھیتی، مگر یہ سب عارضی چیزیں ہیں اور اللہ کے پاس ان کے لیے اس بھی کہیں بہتر سامان اور ٹھکانہ ہے اور جو لوگ تقویٰ اختیار کریں گے ان کے لیے جنتیں اور اللہ کی خوشنودی ہے۔ یہ وہ ہیں جو صبر کرنے والے سچے فرمانبردار۔ راہ خدا میں خرچ کرنے والے اور صبح کے تڑکے میں اپنے رب سے مغفرت کی دعائیں کرنے والے ہیں۔ رہ گئے کافر! تو دنیا کا یہ مال و متاع اولاد، اور شان و شوکت یہ سب انہیں خدا کی پکڑ سے نہیں بچا سکیں گے۔ ان کا وہی حال ہوگا جو ان سے پہلے فرعون اور اس کی قوم کا ہوا اس حقیقت کا ثبوت تمہیں بدر کے میدان میں مل چکا ہے کہ حق کا پرچم اٹھانے والے ۳۱۳ تھے اور ان کے مقابلے میں کافر ہزار سے زیادہ تھے مگر اللہ نے فرشتوں سے اہل ایمان کی مدد فرمائی تھی اس واقعہ میں سمجھداروں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔

آج کی تراویح کا بیان ختم ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن پڑھنے اس کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ اس کی برکتوں سے ہمارے ملک اور شہر کے حالات تبدیل فرمائے۔ آمین

تحریر: مولانا محی الدین ایوبی

تیسری تراویح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آج تیسرے پارے کے نصف سے چوتھے پارے کے تین چوتھائی رکوع تک تلاوت کی گئی۔ سورہ آل عمران اس جگہ ختم ہو جاتی ہے۔

کل کی تراویح کی آخری آیات میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہلوایا گیا کہ " اے اہل کتاب اور دوسرے مذاہب کے ماننے والوں ! میں اور میرے پیرو تو صحیح اسلام کے قائل ہو چکے جو اللہ کا اصل دین ہے۔ اب تم بتاؤ کہ کیا تم بھی اپنے اور اپنے پچھلوں کے بڑھائے ہوئے اضافوں کو چھوڑ کر اسی اصل اور حقیقی دین کی طرف آتے ہو؟ ظاہر ہے کہ ہٹ دھرم لوگ کسی طرح بھی اپنا طریقہ نہیں چھوڑا کرتے۔ اس لیے فرمایا کہ جو لوگ اللہ کی آیات کا انکار کرتے رہے اس کے نبیوں کو قتل کرتے رہے اور ان لوگوں کی جان کے بھی دشمن بن گئے عذاب کی خوشخبری دے دو" - یہ اپنے کرتوتوں پر دنیا میں کتنے ہی خوش ہوتے رہیں مگر حقیقت میں ان کے اعمال اور کوششیں سب دنیا اور آخرت میں برباد ہو گئیں اور اللہ کی پکڑ سے انہیں بچانے والا کوئی نہ ہوگا۔

اہل کتاب کی مسلسل مجرمانہ حرکتوں کا سبب یہ بتایا گیا کہ انکے من گھڑت عقیدوں نے انکو غلط فہمی میں ڈال کر اللہ سے بے خوف بنا دیا ہے۔ پھر مسلمانوں کو تنبیہہ کی کہ رازداری کے معاملات میں مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤں۔ سب کے لئے اعلان کر دیا گیا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! فرما دیجیئے کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ بھی تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔ بس اللہ کی اطاعت کرو اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی۔ اگر لوگ اسے پھریں تو معلوم ہو کہ اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔

پھر اللہ نے عیسائیوں کی گمراہی کو واضح کرتے ہوئے حضرت مریم علیہ السلام اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کے معجزات کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی پیدائش بغیر باپ کے ایسا ہی معجزہ ہے، جیسا کہ اللہ نے حضرت آدم کو بغیر ماں باپ کے پیدا کیا تھا۔ اس دلیل سے معلوم ہوا کہ جب حضرت آدم علیہ السلام خدائی میں شریک نہیں تو حضرت عیسٰی علیہ السلام اور حضرت مریم علیہ السلام کیسے خدائی میں شریک ہو سکتے ہیں۔

اہل کتاب پر حجت تمام کرنے کے بعد پھر انہیں اس طرح اسلام کی دعوت دی کہ " آؤ اس کلمہ پر جمع ہو جاؤ کہ ہم اور تم دونوں مانتے ہیں اور وہ ہے خدا کی

توحید۔۔۔۔۔۔" اگر توحید کا انکار کرتے ہو تو گویا پچھلی کتابوں اور نبیوں کا انکار کرتے ہو۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حوالہ دیا کہ ان کو اپنی گمراہیوں میں کیوں شریک کرتے ہو۔ وہ نہ تو یہودی تھے نہ عیسائی بلکہ سچے اور یکسو مسلم تھے۔ تورات اور انجیل تو انکے بعد آئی ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے صحیح نسبت کے حق دار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی پیروی کرنے والے ہیں کیونکہ وہی ان کے دین کو لیکر اٹھے ہیں۔

یہودیوں کی بعض چالوں کا بھی ذکر کیا تاکہ مسلمان ان سے ان کی سازشوں سے ہوشیار رہیں۔ ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ کچھ لوگ پہلے اسلام قبول کر لیتے ہیں پھر کچھ عرصے کے بعد اسلام اور مسلمانوں پر الزامات لگا کر اسلام سے نکل جاتے ہیں۔ ان کی پوری تاریخ اسی طرح کی چالوں سے بھری ہوئی ہے۔

یہود کے علماء اور لیڈروں کو مخاطب کرکے کہا گیا تم اپنی قوم کے اندر تعصب بھڑکاتے ہو کہ کسی اسرائیلی کے لیے جائز نہیں کہ غیر اسرائیلی کو نبی مانے حالانکہ اصل ہدایت تو اللہ کی ہدایت ہے جس کا طالب ہونا چاہیے۔ خواہ بنی اسمٰعیل پر آئے یا بنی اسحٰق پر۔ اگر تم سمجھتے ہو کہ کسی کو عزت تمہارے دینے سے ملے گی تو یہ غلط ہے، عزت وفضیلت اللہ کے ہاتھ میں ہے جسے چاہے دے۔

اسی طرح عیسائیوں پر ان کے عقیدے کی غلطی واضح کرتے ہوئے بتایا کہ اللہ نے

تمام نبیوں سے یہ عہد لیا ہے کہ جب تمہارے پاس ایک رسول ان پیشن گوئیوں کا مصداق بن کر آئے جو تمہارے پاس ہیں تو تم اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا۔

سورہ بقرہ کی طرح آل عمران میں بھی واضح کیا گیا کہ اللہ کی وفاداری کا مقام محض جھوٹی رسم داری اور دکھاوے کی دین داری سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس لیئے اصل چیز یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں ان چیزوں سے خرچ کرو جو تمہیں محبوب ہیں۔

اہل کتاب کو ملامت کی گئی کہ سیدھا راستہ بتانے کے لیے تم اللہ کی طرف سے مقرر کئے گئے تھے۔ یہ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ تم اب اس سے لوگوں کو روکنے کے لیے اپنی کوششیں صرف کر رہے ہو، بس اب تمہیں معزول کیا جاتا ہے اور یہ امانت امت محمدیہ کے سپرد کی جاتی ہے۔ ساتھ ہی امت محمدیہ کو بشارت دی گئی کہ اہل کتاب تمہاری مخالفت میں کتنا ہی زور لگالیں، تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے بشرطیکہ کہ تم صبر اور تقویٰ پر قائم رہو۔

جنگ احد میں مسلمانوں کو اپنی ہی غلطی سے جو تکلیف پہنچی اس پر بے لاگ تبصرہ فرمایا اور بتایا کہ منافقوں کے ساتھ چھوڑ جانے سے بعض لاگ دلبرداشتہ ہوگئے حالانکہ اصل بھروسہ اللہ پر کرنا چاہیے جبکہ وہ پہلے بھی بدر میں تمہاری مدد کر چکا ہے اور اللہ نے تو تین سو منافقوں کے راستہ میں سے کٹ کر

چلے جانے پر تین ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد فرمائی۔ چنانچہ پہلے مسلمان کامیاب ہو گئے مگر ان کے ایک دستہ نے مال غنیمت کے لالچ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی نافرمانی کی جس کے سبب اللہ نے سبق سکھانے کے لیے فتح کو شکست میں بدل دیا۔

اسی موقع پر سود کی سخت برائی کی اور اللہ کے راستے میں خرچ کرنے پر ابھارا اور کہا کہ اللہ کی بخشش اور اس کی جنت کے لیے ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش کرو جس کی وسعتیں آسمانوں سے بھی زیادہ ہیں اور جو ان لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہیں جو ہر حال میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے، غصہ ضبط کرنے اور لوگوں کو درگزر کرنے والے ہیں۔ کل کسی حال میں پست ہمت نہ بنو اور نہ غم کرو اگر تم سچے مومن بن گئے تو تم ہی غالب رہو گے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک اہم صفت یہ بتائی گئی کہ جس کا اتباع امت کے تمام رہبروں کو کرنا چاہئے کہ یہ اللہ کا فضل ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کے ساتھ نرمی سے پیش آنے والے ہیں۔ اگر وہ سخت گیر ہوتے تو پھر یہ لوگ آہ کے گرد جمع نہیں ہو سکتے تھے۔ پھر فرمایا کہ آپ ان سے معاملات میں مشورہ لیتے رہیے اور ان کی مغفرت کی دعا کیجیے۔ پھر مومنوں کو بتایا کہ ان کے اندر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیج کر ان

پر یہ بہت بڑا احسان کیا ہے۔ اس لیے آزمائشوں اور کافروں سے مقابلہ کرنے سے مت گھبراؤ کیونکہ اللہ آزمائشوں کے ذریعے پاک لوگوں کو ناپاک لوگوں سے الگ کرکے رہے گا۔

سورہ بقرہ کی طرح سورہ آل عمران کو بھی نہایت پر اثر دعا پر ختم کیا گیا ہے۔ دعا سے پہلے اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ اللہ کی قدرت اور حکمت کی نشانیاں سارے جہاں میں ہر جگہ پھیلی ہوئی ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ آدمی آنکھیں کھولے۔ اللہ کی باتیں سننے کے لیے کان لگائے اور اس کی حکمتوں پر غور کرنے کے لیے دل و دماغ استعمال کرے۔ آخر میں مسلمانوں کو ہدایت فرمائی کہ چار چیزیں ہیں جو تمہیں دنیا اور آخرت دونوں میں کامیاب کرائیں گی، انہیں اختیار کرو، صبر، مصابرت یعنی دین کی مخالفت کرنے والوں کے مقابلے میں ثابت قدمی، ہر وقت چوکنا رہنا اور دین کی حفاظت کرنا اور تقویٰ یعنی اللہ کی مقرر کردہ حدوں کا پابندی

آج کی تراویح کا بیان ختم ہوا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن پڑھنے، سمجھنے، اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین اللہ اس قرآن کی برکتوں سے ہمارے ملک اور شہر کے حالات تبدیل فرمائے۔ آمین

تحریر: مولانا محی الدین ایوبی

چوتھی تراویح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس تراویح میں چوتھے پارے لن تنالو البر کے بارہویں رکوع سے پانچویں پارے والمحصنات کے سترہویں رکوع تک تلاوت کی گئی۔ سب سے پہلے اللہ سے ڈرتے رہنے کی ہدایت، جس نے سب کو ایک ہی جان سے پیدا کیا۔ تمام مرد و عورتیں ایک ہی آدم و حوا کی اولاد ہیں۔ اسی وجہ سے خدا اور رحم یعنی خون کا رشتہ سب کے درمیان مشترک ہے۔ انہی بنیادوں پر اسلامی معاشرہ کی عمارت قائم ہے۔ یتیموں کے حقوق ادا کرنے کی تاکید کی۔ اس معاملہ میں کسی قسم کی ہیر پھیر اور ردوبدل کو سختی سے منع کیا گیا۔ اس موقع پر حقوق کے تحفظ کے نقطہ نظر سے ان (یتیموں) کی ماؤں سے نکاح کی اجازت دی۔ عربوں میں بیویوں کی تعداد کی پابندی نہیں تھی۔ اس موقع پر تعداد کو چار تک محدود کردیا گیا اور یہ شرط لگائی گئی کہ ان کے حقوق کی ادائیگی اور مہر میں کمی نہیں ہونی چاہیے۔ وارثت کی تقسیم کے ضابطے کی تفصیل بتائی، تاکہ سب کے حقوق متعین ہوجائیں اور کوئی طاقتور فریق کمزور کو اس کے حق سے محروم نہ کرسکے اور آپس میں ظلم و حق تلفی کے جھگڑوں کو روکا جاسکے۔ اس بات کا اعلان کیا کہ عورت مال وارثت نہیں ہے عربوں میں یہ دستور تھا کہ سوتیلی ماں بیٹے کو ورثہ میں مل جاتی

تھی۔ اس سے منع کیا گیا اور یہ بھی بتایا کہ عورتوں کو دیا ہوا مال واپس لینے کے لیے تنگ نہ کرو۔

پھر ان عورتوں کی تفصیل جن سے نکاح ناجائز ہے اور نکاح کی شرائط کا بیان ہے تاکہ معاشرہ بدکاری، بے حیائی اور ظلم وزیادتی سے پاک رہے، یہ بھی واضح کیا کہ اصلاح و ہدایت اور معاشرہ کے استحکام و پاکیزگی کے ان احکامات اللہ نے وہ سہولت بھی ملحوظ رکھی ہے جو کہ طبعی کمزوری کے پیش نظر ضروری تھی اس لیے خبردار نفس پرستوں کے بہکاوے میں نہ آجانا وہ تمہیں پاکیزگی کے راستے سے ہٹا کر نفس پرستی کے اندھیروں میں بھٹکانا دینا چاہتے ہیں۔

مسلمانوں کو ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقوں سے کھانے اور ایک دوسرے کا خون بہانے کی ممانعت کی اور بتایا کہ اللہ خود رحیم ہے۔ اس لیے چاہتا ہے کہ اس کے بندے بھی آپس میں ایک دوسرے کے لیے رحیم ہوں۔ جو لوگ معاشرے میں ظلم وزیادتی کا بیج بوئیں گے وہ سب جہنم میں جھونک دئے جائیں گے۔ البتہ جو لوگ بڑے گناہوں سے جنہیں عرف عام میں گناہ کبیرہ کہتے ہیں، بچے رہیں گے ان کے چھوٹے چھوٹے گناہوں سے اللہ درگزر فرمائے گا۔

فرمایا شریعت میں عورت اور مرد دونوں کے لیے جو حدود اور حقوق متعین کر دیئے

گئے ہیں سب کو ان کے اندر رہنا چاہئے۔ اپنی اپنی حد کے اندر کی ہوئی ہر محنت کا اجر ہر ایک اللہ کا ہاں پائے گا۔ خاندان اور معاشرے میں سربراہی اور قوامیت کا مقام مرد کو دیا گیا۔ کیونکہ اپنی پیدائشی صفات اور خاندان کی کفالت کا ذمہ دار ہونے کی وجہ وہی اس کے لیے موزوں ہے۔ نیک بیبیاں اس کا احترام کریں اور جن عورتوں سے سرکشی کا اندیشہ ہو تو ان کے شوہر انہیں نصیحت کریں۔ اگر ضرورت محسوس ہو تو مناسب تنبیہہ بھی کی جا سکتی ہے اور اختلاف بہت بڑھ جائے تو ایسی صورت میں میاں اور بیوی دونوں کے خاندانوں میں ایک ایک پنچ مقرر کیا جائے جو حالات کی اصلاح کی کوشش کریں۔

اللہ، والدین، اقرباء، یتامٰی، مساکین، پڑوسی، (رشتہ دار، ہوں یا نہ ہوں یا عارضی اور وقتی) مسافر اور ماتحت سب کے حقوق پہچاننے اور ادا کرنے کی تاکید کی۔ اللہ کو وہی بندے پسند ہیں جو متواضع اور نرم مزاج ہوں۔ وہ ان لوگوں کو پسند نہیں کرتے جو اکڑنے والے، کنجوس، اور کنجوسی کا مشورہ دینے والے ہوں۔ اس طرح وہ بھی پسند نہیں جو اللہ کی خوشنودی کے بجائے لوگوں کو دکھانے اور نام آوری کے لیے خرچ کریں۔ یاد رکھو لوگوں کے حقوق ادا کرنے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے کبھی گھاٹے میں رہنے والے نہیں ہیں۔ ان کے لیے اللہ کے ہاں بڑا اجر ہے۔

ان لوگوں کے لیے بڑے افسوس کا اظہار کیا جو آخرت سے بالکل بے پرواہ ہو کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی پر اترے ہوئے تھے۔ ایمان و عمل صالح کی راہ نہ خود اختیار کرتے ہیں اور نہ دوسروں کو اختیار کرنے دینا چاہتے تھے۔ پھر تنبیہہ کی کہ اس آخری رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ تبلیغ کا حق ادا ہو چکا ہے۔ جو اب بھی نہیں سنیں گے وہ سوچ لیں کہ ایک دن ایسا آنے والا ہے جس دن اللہ سب رسولوں کو ان کی صفوں پر گواہ ٹھہرا کر پوچھے گا کہ تم نے اپنی امتوں کو کیا دعوت دی اور انہوں نے کیا جواب دیا۔ پھر یہی سوال اس آخری امت سے متعلق آخری رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی ہوگا۔ وہ دن ایسا ہوگا کہ نہ کسی کے لیے کوئی جائے پناہ ہوگی اور نہ کوئی شخص کوئی بات چھپا سکے گا۔

اس تنبیہہ کے بعد اللہ سے سب سے بڑے حق نماز کے بعض آداب و شرائط بتائے۔

یہودیوں کی بعض شرارتوں کا ذکر کیا۔ خاص طور پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ایسے الفاظ بولنے کی عادت جن کے دو دو معنی نکلتے ہوں کہ مسلمان جو مطلب سمجھیں وہ اس سے الٹ مطلب مراد لیں۔ بتایا کہ یہ حرکتیں وہ حسد کے سبب کرتے ہیں لیکن اللہ نے فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہوسلم اور آپ کی امت کو کتاب و حکمت اور عظیم الشان سلطنت عطا فرمائے گا اور یہ حاسد ان کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔

چنانچہ دنیا نے دیکھا کہ عرب کے بدو اٹھے، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دامن تھاما اور ۸۰ برس دنیا کی امامت کی۔ یہ طویل حکومت و سلطنت اسلامی معاشرہ قائم کرنے کا نتیجہ تھا۔ مسلمانوں کو نصیحت کی کہ جب یہ امانت یہود سے لیکر تمہیں دی جارہی ہے تو تم ان کی طرح امانت میں خیانت نہ کرنا بلکہ اس کا حق ٹھیک ادا کرنا اور ہر حال میں عدل پر قائم رہنا۔

اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور جو تم میں سے حکمران ہوں انکی اطاعت کرتے رہنا اور اگر تم میں اور حکمرانوں میں اختلاف ہوجائے تو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف معاملہ کو لوٹانا تاکہ جھگڑے کا صحیح فیصلہ ہوسکے اور تمہارا شیرازہ نہ بکھرے۔

منافقین کو ملامت کی کہ وہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت پر جمع ہونے کے بجائے اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں سے میل جول رکھتے ہیں اور اس کو اپنی عقلمندی سمجھتے ہیں حالانکہ اس وقت تک ایمان معتبر ہی نہیں، جب تک وہ پورے طور پر اپنے آپ کو پیغمبر علیہ الصلوٰت والسلام کے حوالہ نہ کردیں اور ہر معاملہ میں ان کی اطاعت کرنے لگیں۔

مسلمانوں کو اپنی مدافعت اور دارالکفر میں گھرے ہوئے مظلوم مسلمانوں کی

آزادی کے لیے جہاد کی تاکید کی اور ان کو ملامت کی جو جہاد سے جی چراتے ہیں۔
مسلمانوں کی ہمتیں پست کرتے ہیں اور جہاد کے فائدوں میں تو حصہ دار بنتے ہیں مگر کوئی خطرہ مول لینے کو تیار نہیں ہیں۔ منافقوں کی اس حالت پر بھی ملامت کی کہ جب جہاد کا حکم نہیں تھا تو بڑھ چڑھ کر جہاد کا مطالبہ کرتے تھے مگر جب جہاد کا حکم آگیا تو اسلام کے دشمنوں سے ایسا ڈرتے ہیں جیسا کہ اللہ سے ڈرنا چاہئے۔ حالانکہ موت سے کوئی بھی نہیں بچ سکتا اسی طرح اس بات کو بھی ناپسند کیا گیا کہ فائدہ پہنچ جائے تو اسے اللہ کا کرم قرار دیا جائے مگر نقصان پہنچ جائے تو اسے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مومنوں کی بے تدبیری قرار دیا جائے، حالانکہ خیر و شیر سب اللہ کی طرف سے ہے۔ ہاں شر کا بڑا حصہ اہل نفاق کے اعمال کا نتیجہ ہوتا ہے۔ آخر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی کہ جو تمہاری اطاعت کرنے والے ہیں وہی اللہ کی اطاعت کرنے والے قرار پائیں گے اور جو تمہاری اطاعت سے گریز کریں گے ان کا معاملہ اللہ کے حوالے کردو تم پر ان کی کوئی ذمہ داری نہیں۔
اس موقع منافقین کی اس شرارت کا بھی ذکر کیا کہ اگر ان کو خطرہ کی خبر پہنچتی ہے تو سنسنی پیدا کرنے کے لیے فوراً اس کو پھیلا دیتے ہیں حالانکہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ اسکو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا ذمہ دار لوگوں تک پہنچایا جائے تاکہ غور و فکر کرکے اس کے تدارک کا سامان کرسکیں۔ منافقین

کی ان ساری حرکتوں کے باوجود مسلمانوں کو ہدایت دی کہ معاشرہ کے اندر ان کو نکو بنانے کی کوشش نہ کی جائے بلکہ ان کے ساتھ عام مسلمانوں کا سا ہی سلوک کیا جائے یعنی سلام و کلام جاری رکھا جائے تاکہ ان کے لیے اپنی غلطیوں کی اصلاح کا موقع باقی رہے۔

جہاد کے لیے ہر وقت تیار رہنے کا حکم دیا گیا اور خطرہ کی حالت میں نماز پڑھنے کا طریقہ بتایا گیا۔ ان مسلمانوں کو تنبیہہ کی گئی کہ جو کھلے ہوئے منافقین کے معاملے میں بھی مداہنت برتتے تھے۔ یہاں تک کہ بعض اوقات منافقین کی حمایت کرنے لگ جاتے تھے۔ فرمایا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلام کے خلاف منافقین کی سرگوشیاں اور سرگرمیاں اسلام کی راہ چھوڑ کر دوسری راہ اختیار کرنا کوئی معمولی جرم نہیں ہے یہ چیز اپنی فطرت کے لحاظ سے شرک ہے اور شرک اللہ تعالیٰ کبھی بھی معاف نہیں کرے گا۔ اللہ کے ہاں جھوٹی آرزوئیں کام آنے والی نہیں ہیں بلکہ ایمان اور عمل صالح کام آنے والا ہے۔ آخر میں سختی سے آگاہ کیا کہ منافقت اتنا بڑا جرم ہے کہ منافقین اور کفار دونوں کو ٹھکانہ جہنم ہے۔

آج کی تراویح کا بیان ختم ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن پڑھنے، سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین اللہ اس قرآن کی برکتوں سے

ہمارے ملک اور شہر کے حالات تبدیل فرمائے آمین

تحریر: مولانا محی الدین ایوبی

بریگیڈئر (ر) امتیاز کا متنازعہ انٹرویو

بریگیڈئر (ر) امتیاز نے تئیس اگست کی رات کو ایک نجی ٹی وی چینلز پر کچھ "انکاشافات" کیے جس کے بعد ملک کی سیاسی صورتحال میں ایک ہلچل مچ گئی۔ اس انٹرویو کی بنیاد پر جناب الطاف حسین صاحب نے چوبیس اگست کو بیک وقت کئی شہروں میں ٹیلیفونک خطاب بھی کیئے۔ لب لباب اس انٹرویو کا یہ ہے کہ "بریگیڈئر (ر) امتیاز" نے انکشاف کیا کہ جناح پور کا نقشہ ایک سازش تھی اس میں کوئی حقیقت نہیں تھی اور میں نے سات دن تک اس کی تحقیقات کی تو معلوم ہوا کہ اس میں کوئی حقیقت نہیں ہے اور یہ قوم کو تفرقہ میں ڈالنے کی ایک سازش تھی۔ جبکہ اسی دوران سابق کور کمانڈر سندھ جنرل (ر) نصیر اختر سے بھی گفتگو کی گئی انہوں نے یہ فرمایا کہ انہیں جناح پور کے نقشوں کا کوئی علم نہیں تھا اور یہ نقشے دو دن کے بعد ان سے واپس لے لیے گئے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ بریگیڈئر (ر) امتیاز صاحب نے آئی جے آئی کے حوالے سے بھی پرانے الزامات کو دہرایا، اور ساتھ ہی غلام مصطفیٰ کھر کے بارے میں یہ انکشاف کیا کہ انہوں نے جنرل ضیاء الحق مرحوم اور اس وقت کی فوجی قیادت کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا، انکے جوشی نامی را کے ایک ایجنٹ سے رابطے تھے۔

اس انٹرویو پر متحدہ کے قائد الطاف حسین صاحب اور رابطہ کمیٹی کے رد عمل پر ہم بعد میں بات کریں گے پہلے اس پروگرام کے کچھ نکات پر بات کرلیتے ہیں۔ یہ پروگرام اے آر وائی سے نشر کیا گیا اور اے آر وائی کا پروگرام سوال یہ ہے جو کہ ڈاکٹر دانش نامی اینکر کرتے ہیں انہوں نے یہ پروگرام کیا۔ اگر جائزہ لیا جائے تو نظر آتا ہے کہ یہ پروگرام ایک اسپانسرڈ پروگرام تھا۔

پہلی بات یہ کہ آج کل نجی چینلز سے تمام ہی ٹاک شوز براہ راست نشر ہوتے ہیں لیکن یہ پروگرام ریکارڈڈ تھا کیوں کہ اس پروگرام کا وقت رات ایک بجے کا تھا جبکہ یہ رات تقریباً ایک بج کر دس منٹ پر نشر ہوا اور سب سے دلچسپ بات یہ کہ پروگرام نشر ہونے سے پہلے ہی ایم کیو ایم کی ریلیاں نکلنا شروع ہوگئیں اور رابطہ کمیٹی کا بیان بھی سامنے آگیا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ پروگرام باقاعدہ منصوبہ کے تحت ریکارڈ کیا گیا۔
دوسری بات کہ تمام قارئین غور کریں جتنے بھی ٹاک شوز ہوتے ہیں ان میں جب کسی شخصیت کے متعلق کوئی بات ہوتی ہے تو اس وقت ان سے ٹیلفونک رابطہ کیا جاتا ہے اور ان کا نظریہ معلوم کیا جاتا ہے لیکن یہاں پروگرام شروع ہونے سے پہلے ہی اینکر نے بتادیا کہ ہم جنرل نصیر اختر اور غلام مصطفیٰ کھر کی کال لیں گے۔؟ سوال یہ پیدا ہوتا ہے) کہ اینکر کو یہ کیسے پتہ چلا کہ بریگیڈئیر

ر) امتیاز جنرل نصیر اور غلام مصطفیٰ کھر کی بات کریں گے ؟؟؟
تیسری بات جن لوگوں نے یہ پروگرام بغور دیکھا ہوتا ان کو یہ بات نظر آئی ہو کہ لینکر واضح طور پر پروگرام کو یکطرفہ لیکر چل رہے تھے اور جہاں کوئی بات ان کے مطلب کے خلاف ہوتی وہاں وہ شور مچا کر بات کا رخ بدل دیتے۔ کئی بار انہوں نے ایسا کیا البتہ بریگیڈئر (ر) امتیاز نے چند بار خاموشی اختیار کی اور کئی بار ان کو خاموش کرا کر اپنا موقف سنایا (اس کا ذکر آگے آئے گا)۔ اس کے علاوہ جب بریگیڈئر (ر) امتیاز نے یہ کہا کہ نواز شریف کو اس آپریشن کا علم نہیں تھا اس کے بعد انہوں نے جنرل نصیر اختر سے کال ملائی تو اس دوران طنزاً یہ کہا کہ " جناب نواز شریف صاحب کو تو کئی باتوں کا علم ہی نہیں ہو پاتا ہے کارگل کا معرکہ ہوتا ہے تو ان کو پتہ نہیں چلتا، کراچی میں آپریشن ہوتا ہے تو ان کو پتہ نہیں چلتا " اس طرح کی باتوں سے واضح ہو رہا تھا کہ یہ پروگرام صحافتی اصولوں کے بجائے صریحاً جانبداری پر مبنی ہے۔
جنرل نصیر اختر سے ٹیلیفون پر رابطے کے دوران جب انہوں نے کراچی آپریشن سے متعلق سوال کیا تو جنرل نصیر اختر نے جواب دیتے ہوئے کہنا شروع کیا کہ " یہ آپریشن متحدہ کے خلاف نہیں تھا بلکہ کراچی میں جرائم پیشہ افراد کے خلاف تھا اور یہ طے پایا تھا کہ کوئی گولی نہیں چلائی جائے گی۔ کسی کا خون نہیں

بہایا جائے گا لیکن جب ہمارے لوگ مارے گئے۔۔۔۔۔" یہاں اینکر ڈاکٹر دانش نے فوراً مداخلت کی اور ان کی بات کاٹ لی جبکہ ان کے جملے سے یہ بات واضح ہو رہی تھی کہ وہ کہنا چاہتے تھے کہ جب ہمارے لوگ مارے گئے تو پھر متحدہ کے خلاف آپریشن شروع ہوا لیکن اینکر نے ان کی بات کاٹ دی۔

اسی طرح مذکورہ اینکر نے بریگیڈئر (ر) امتیاز سے ایک سوال کیا کہ " کیا نواز شریف آپریشن رکوا سکتے تھے یا نہیں " بریگیڈئر (ر) امتیاز نے جواب دیا کہ بحیثیت وزیر اعظم وہ ایسا کر سکتے تھے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا اس موقع پر پروگرام کے اینکر ڈاکٹر دانش نے ایک بار پھر جانبداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ جناب وہ کارگل میں ہندوؤں کی جان بچانے کے لیے امریکہ جا سکتے ہیں لیکن اپنے پاکستانی بھائیوں کی جان بچانے کے لیے آپریشن نہیں رکوا سکتے تھے۔ یہاں بریگیڈئر (ر) امتیاز نے مداخلت کی اور کہنا شروع کیا کہ ہندوؤں کے لیے نہیں۔۔۔تو ایک بار پھر ڈاکٹر دانش نے ان کی بات کاٹنے کی کوشش کی (یہ وہی بات ہے جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا تھا) لیکن بریگیڈئر (ر) امتیاز نے ان کی بات کاٹ کر کہا آپ میری بات مکمل ہونے دیں اور کہا کہ کارگل میں ہندوؤں کو بچانے کے لیے نہیں بلکہ اپنے مسلمان بھائیوں کو بچانے کے لیے امریکہ گئے تھے۔

دوسری جانب بریگیڈئر (ر) امتیاز نے غلام مصطفیٰ کھر پر الزام لگایا جب ان سے رابطہ کیا گیا تو انہوں نے واضح طور پر نہ صرف اس کی تردید کی بلکہ بریگیڈئر (ر) امتیاز کو مناظرے کا چیلنج بھی دیا جس کے بعد اینکر نے ان سے مزید کوئی بات نہیں کی اور یہ کہہ کر بات ختم کردی کہ ٹھیک آپ کو بریگیڈئر (ر) امتیاز صاحب کو کسی پروگرام میں ایک ساتھ بلایا جائے گا۔ جبکہ وہ چاہتے تو فون پر بھی کئی باتیں پوچھ سکتے تھے لیکن چونکہ غلام مصطفیٰ کھر صاحب نے بریگیڈئر (ر) امتیاز کی باتوں کی تردید کردی تھی اس لیے ان سے زیادہ بات کرنے کی کوشش نہیں کی گئی تاکہ پروگرام میں اپنی مرضی کا رنگ بھرا جاسکے۔

آخری بات یہ کہ عموماً کسی بھی مذاکرہ میں جب کسی شخصیت سے متعلق کوئی بات کہی جاتی ہے تو اس شخصیت سے رابطہ کرکے اس کا مؤقف سنا جاتا ہے لیکن اس پروگرام میں بریگیڈئر (ر) امتیاز نے جنرل (ر) حمید گل، سابق آرمی چیف جنرل اسلم بیگ، نواز شریف، قاضی حسین احمد اور دیگر چند فوجی افسران پر الزامات لگائے اصولی طور پر تو ان لوگوں سے رابطہ کرکے ان کا مؤقف سنا جاتا تاکہ دونوں جانب کی بات سامنے آتی لیکن ایسا نہیں کیا گیا، جبکہ دیکھا گیا ہے جنرل حمید گل، جنرل اسلم بیگ، قاضی حسین احمد، اور میاں نواز شریف سے جب بھی میڈیا نے رابطہ کیا تو انہوں نے کبھی بھی کسی پروگرام میں بات

کرنے سے انکار نہیں کیا ہے بلکہ اپنا مؤقف میڈیا کے ذریعے لوگوں تک پہنچایا لیکن اس پروگرام میں جان بوجھ کر ان افراد سے رابطہ نہیں کیا گیا تاکہ اپنی مرضی کی بات لوگوں تک پہنچائی جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی انتہائی اہم ہے کہ اس پروگرام میں کسی مخالف نظریے کے فرد کے بجائے ہم خیال فرد یعنی متحدہ قومی موومنٹ کے ڈپٹی پارلیمانی لیڈر حیدر عباس رضوی صاحب کو بلایا گیا اور تاثر یہ دیا گیا کہ " ہم نے ان کو اس لیے بلایا تھا کہ یہاں ہمیں مقابلے کی توقع تھی جبکہ یہاں اس کے برعکس صورتحال سامنے آئی ہے اور بریگیڈئر (ر) امتیاز نے تو آپ کے مؤقف کی تائید کردی ہے" یہ بات بھی بالکل غلط ہے کیوں کہ یہ بات سامنے آچکی تھی کہ بریگیڈئر (ر) امتیاز صاحب نواز شریف اور آئی جے آئی کے مخالف ہیں اور جیو کے ایک پروگرام میں وہ اپنے خیالات کا اظہار کرچکے تھے اس لیے یہ کہنا کہ ہمیں مقابلے کی توقع تھی بالکل غلط ہے۔ قارئین یہ باتیں جو ہم نے بتائی ہیں کوئی بھی فرد اس پروگرام کی ریکارڈنگ دیکھ کر یہ فیصلہ کرسکتا ہے کہ ہم غلط کہہ رہے ہیں یا درست۔ بہرحال یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ یہ پروگرام اتفاقیہ نہیں ہے بلکہ منصوبہ بندی کے تحت بنایا گیا تھا۔ اس کے اوپر مزید بات (ہم اپنے اگلے مضمون میں بیان کریں گے (اگر زندگی رہی تو -

پانچویں تراویح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس میں پانچویں پارے کے آخری رکوع سے ساتویں پارے کے پانچویں رکوع تک تلاوت کی گئی ہے۔

چوتھی تراویح میں پڑھی جانے والی آیات میں ایک بات یہ کہی گئی تھی کہ جب کوئی سلام کرے یعنی السلام علیکم کہے تو اس سے بہتر جواب دینا چاہیے ورنہ کم از کم اتنا لوٹا دینا چاہیے۔ یہ اتنا اہم معاملہ ہے کہ اگر کوئی سلام کا جواب سلام سے نہ دے تو گویا اس نے سلام بھی قبول نہیں کیا۔ اس بات کی اجازت دیدی جائے تو معاشرہ میں ایک دوسرے سے نفرتیں بڑھیں گی۔ انتشار ہوگا اور شیرازہ بکھر جائے گا۔ اس تراویح میں اس گناہ سے معاشرہ کو محفوظ رکھنے کے لیے چھٹے پارے لایحب اللہ کا ان الفاظ سے شروع کیا گیا ہے کہ اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔ مظلوم ہونے کی صورت میں اگرچہ برائی سے اس کا ذکر کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ لیکن اگر تم ظاہر و باطن میں بھلائی ہی کیے جاؤ یا کم از کم برائی سے درگزر کرو تو اللہ کی صفت بھی یہی ہے کہ وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔ حالانکہ سزا دینے کی پوری قدرت رکھتا ہے۔

گویا یہ بتایا کہ عفو درگزر کی عادت ڈالو۔ جس اللہ سے تم قریب ہونا چاہتے ہو اس کی شان یہ ہے کہ وہ نہایت حلیم اور بردبار ہے۔ سخت سے سخت مجرموں کو

بھی رزق دیتا ہے اور بڑے بڑے قصور بھی معاف کرتا چلا جاتا ہے۔ لہٰذا اس سے قریب ہونے کے لیے تم بھی عالی حوصلہ اور وسیع النظر بنو۔ پھر بتایا کہ جس طرح کھلم کھلا انکار کفر ہے اسی طرح اپنی شرائط پر ایمان لانا بھی کفر ہے یعنی ہم ایمان لاتے ہیں فلاں رسول کو مانیں گے اور فلاں کو نہیں مانیں گے اور اسلام اور کفر کے بیچ میں راستہ نکالنے کی کوشش یہ سب بھی کفر ہے۔

یہود کی تاریخ دہرائی کہ وہ کس طرح گناہ پر گناہ کرتے چلے گئے مگر ہم نے پھر بھی ان کے ساتھ معافی کا سلوک کیا۔ ایسے لوگوں سے اب بھلائی کی امید نہیں رکھنی چاہیے۔

پھر خاص طور سے عیسائیوں کو تنبیہہ فرمائی کہ اللہ نے قرآن کی شکل میں جو نور مبین خلق کی رہنمائی کے لیے اتارا ہے اس کی قدر کرو اور گمراہی چھوڑ کر ہدایت پر آ جاؤ۔

عیسائیوں سے کہا کہ اپنے دین میں غلو نہ کرو۔ (غلو یہ ہے کہ جو چیز پاؤ بھر ہو اسے سیر بھر کر دیا جائے۔ دین میں جو چیز مستحب ہے اسے فرض اور واجب کا درجہ دیدیا جائے اور جو شخص فقیہہ یا مجتہد ہے اسے امام معصوم بنا دیا جائے اور جسے اللہ نے رسول اور نبی بنایا ہے اسے خدائی صفات میں شریک قرار دیدیا جائے اور تعظیم سے بڑھ کر اس کی عبادت شروع کر دی جائے) یہ لوگ اس غلو کو دین کی خدمت اور بزرگوں سے عقیدت سمجھتے ہیں حالانکہ خدا کے نزدیک یہ جرم ہے۔ عیسائیوں کی مثال اللہ نے دی کہ انہوں نے مسیح ابن مریم کو اللہ کے رسول سے بڑھ کر اللہ کا بیٹا بنا دیا۔

مسلمانوں کو بھی اس غلو سے بچنا چاہیے۔

سورہ مائدہ میں اللہ نے ذکر کیا کہ اس نے آخری امت کی حیثیت سے مسلمانوں سے اپنی آخری اور کامل شریعت پر پوری پابندی کے ساتھ قائم رہنے اور اس کو قائم کرنے کا عہد لیا ہے۔ یہی عہد پہلے اہل کتاب سے لیا گیا تھا مگر وہ اس کے اہل ثابت نہیں ہوئے۔

اب مسلمانوں سے عہد لیا جارہا ہے

کہ تم پچھلی امتوں کی طرح خدا کی شریعت کا معاملے میں خائن اور غدار نہ بن جانا بلکہ پوری وفاداری کے ساتھ اس عہد کو نباھنا، اس پر خود بھی قائم رہنا اور دوسروں کو بھی قائم رکھنے کی کوشش کرنا، اس راہ میں پوری عزیمت، اور پامردی کے ساتھ تمام آزمائشوں اور خطرات کا مقابلہ کرنا۔

سب سے پہلے اللہ سے باندھے ہوئے عہد کی پابندی کی تاکید کی پھر حرام مہینوں اور تمام دینی شعائر کے احترام کا حکم دیا اور فرمایا کہ ہر نیکی اور تقویٰ کے کام میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ہرگز کسی کی مدد نہ کرنا۔ کھانے کی جو چیزیں حرام ہیں انہیں گنایا اور بتایا کہ دوسروں کے کہنے کی کوئی پرواہ نہ کرنا۔ اللہ کے کئے ہوئے حرام و حلال کی پرواہ کرو۔ اب یہ دین تمہارے لیے مکمل کردیا گیا ہے، اور اللہ نے شریعت کی

نعمت تم پر تمام کردی ہے بس اسی کی پیروی کرو۔
تربیت کئے ہوئے شکاری جانوروں کے ذریعہ شکار، اہل کتاب کے کھانے اور ان کی عورتوں سے نکاح کے بارے میں احکام بتائے۔ ساتھ ہی یہ قید بھی لگائی کہ اس اجازت سے فائدہ اٹھانے والوں کو اپنے دین و اخلاق کی طرف سے ہوشیار رہنا چاہئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کتابیہ عورت ان کے ایمان اور اس کی کے کسی تقاضے پر ڈاکہ ڈال لے۔
نماز کے لیے وضو کا حکم اور مجبوری کی حالت می تیمم کی اجازت دی۔ بنی اسرائیل سے عہد کا ذکر کیا کہ جب انہوں نے شریعت کی پابندی سے انحراف کیا تو اللہ نے ان پر لعنت کی۔ اسی طرح نصاریٰ سے عہد لیا تھا مگر انہوں نے بھی ایک حصہ بھلا دیا یعنی عبادت کے نام سے جو رسومات ہیں انکے نزدیک وہ تو دین کا حصہ ہیں مگر بقیہ معاملات جو دنیا سے متعلق ہیں ان میں خدائی ہدایت کے پابند نہیں رہے۔ اسی وجہ سے اللہ نے ان کے اندر انا اور اختلاف کی آگ بھڑکا دی۔ وہ آخرت تک اس کی سزا بھگتیں گے۔ گویا مسلمانوں کو تنبیہہ کی جارہی ہے کہ وہ عہد کی پابندی کریں۔ اگر وہ یہود و نصاریٰ کے راستے پر چلے تو پھر ان کا انجام بھی وہی ہوگا۔ ان آیات کی روشنی میں ہم تاریخ کو دیکھ سکتے ہیں اور اپنے زوال کے اسباب کو بھی جان سکتے ہیں اور ان سے نکلنے کا راستہ بھی

پا سکتے ہیں۔

پھر اللہ نے بنی اسرائیل کا وہ واقعہ دہرایا کہ اس نے اپنے فضل سے انہیں نوازا اور فتح و نصرت کے وعدے کے ساتھ ہی بشارت دی کہ فلسطین کی مقدس زمین تمہاری منتظر ہے جاؤ اور اس پر قبضہ کرلو۔ مگر قوم میں بچھڑے کی پوجا یعنی دنیا پرستی نے اتنی بزدلی پیدا کردی تھی کہ وہ کہنے لگے "اے موسیٰ تو اور تیرا رب جا کر لڑ کر فتح حاصل کرلیں تو پھر ہم آجائیں گے" اس پر اللہ نے چالیس سال کے لیے ان پر ارض مقدس کو حرام کردیا ۔اور انہیں صحرا میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیا

یہاں معلوم ہوا کہ اللہ کے مقدرات میں قوموں کے طرز عمل سے وابستہ ہیں مسلمانوں کو تاکید کی گئی کہ حدود الٰہی پر قائم رہیں اور شریعت کی پابندی کو اللہ کے قرب کا ذریعہ بنائیں اصل الفاظ یہ ہیں "اے ایمان لانے والوں اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کے قرب کا ذریعہ تلاش کرو" (ذریعہ یہ وسیلہ وہی ہے جس کا ذکر اللہ نے حب اللہ کے نام سے کیا ہے) یعنی اسلام کو مضبوطی سے مل کر پکڑ لو اور پوری مستعدی سے اللہ کے احکام کی پابندی کرو اور اللہ کی راہ میں اپنی قوتیں لگا دو۔ اللہ کے عذاب سے یہ چیز چھٹکارہ دلانے والی ہے۔ اس کے سوا کوئی چیز نفع نہیں پہنچائے گی۔

چوری کی سزا بتائی کہ چور کا ہاتھ کاٹ دو اور اس سزا کو بے رعایت نافذ کرو، قسموں کو پورا کرنے کی تاکید کی اور اگر (کسی جائز سبب سے) قسم توڑنی پڑ جائے تو اس کا کفارہ ادا کرنے کا حکم دیا کہ دس مسکینوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلاؤ یا نہیں کپڑے پہناؤ یا ایک غلام آزاد کرو ورنہ تین دن کے روزے رکھو پھر بتایا کہ شراب، جوا، اللہ کے سوا کسی چیز کو عبادت کے لیے گھڑنا یہ سب شیطانی کام ہیں تاکہ شیطان ان چیزوں کے ذریعے مسلمانوں کے درمیان عداوت اور بغض ڈال دے اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدایت کی کہ آپ بالکل نڈر ہو کر اہل کتاب سے کہہ دیں کہ اگر تم توریت، انجیل اور اس قرآن کو قائم نہ کرو پھر اللہ کے ہاں تمہاری کوئی حیثیت نہیں۔ اللہ سے صرف ان کو نسبت حاصل ہوگی جو ایمان اور عمل صالح سے نسبت قائم کریں گے۔

نصاریٰ کے کفر کو بیان کیا کہ انھوں نے عیسٰی علیہ السلام کی تعلیمات کے بالکل خلاف حلول یعنی حضرت عیسٰی علیہ السلام اور حضرت مریم علیہ السلام میں اتر آنے اور اسی طرح تین خداؤں کے عقیدے گھڑ لئے، اس کے بعد حضرت عیسٰی علیہ السلام اور حضرت مریم علیہ السلام کا اصل مرتبہ ظاہر کیا۔

بنی اسرائیل پر حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کی لعنت کا حوالہ دیا اور بتایا کہ یہ کیسے کتاب اور ایمان کے دعوے دار ہیں کہ مسلمانوں کے مقابلے میں بت پرستی کرنے والے مشرکین مکہ کو ترجیح دیتے ہیں اور انہیں بہتر بتاتے ہیں۔ یہ سب اسلام دشمنی ہے۔

کیونکہ آج پڑھا جانے والا آخری رکوع اس سے آگے کے رکوع کی تمہید ہے اس لیے اس (کا مفہوم انشاء اللہ کل کے رکوع کے ساتھ بیان کیا جائے گا (اگر زندگی رہی تو

آج کی تراویح کا بیان ختم ہوا۔ اللہ ہم سب کو قرآن پڑھنے، اس کو سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ اللہ اس قرآن کی برکتوں سے ہمارے ملک اور شہر کے حالات بہتر بنائے آمین

تحریر: مولانا محی الدین ایوبی

چھٹی تراویح

قارئین کرام: ایک صاحب نے توجہ دلائی کہ اگر یہ خلاصہ ایک دن پہلے بیان کردیا جائے یعنی اگر گزشتہ تراویح کے بجائے اس دن جو تراویح پڑھائی جائے گی اس کا خلاصہ بیان کیا جائے۔ ان کی یہ بات مناسب ہے اس لیے ہم کوشش کریں گے کہ پچھلی تراویح کے بجائے آج پڑھائی جانے والی تراویح کا خلاصہ بیان کیا جائے۔ دعا کریں کہ ہم اس سلسلہ کو برقرار رکھ سکیں۔آمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آج کی تراویح میں ساتویں پارے کے چھٹے رکوع سے آٹھویں رکوع تک کی تلاوت کی جائے گی سورہ مائدہ کے آخری دو رکوع میں قیامت کا نقشہ کھینچا گیا ہے کہ انبیاء کرام اپنی اپنی امتوں کے بارے میں شہادت دیں گے کہ انہوں نے اللہ کی طرف سے لوگوں کو کیا باتیں بتائی تھیں اور اپنے ماننے والوں سے کن باتوں کے نہ کرنے کا عہد لیا تھا تاکہ ہر امت پر حجت قائم ہوسکے کہ جس نے کوئی بدعہدی کی تو اس کی تمام ذمہ داری اس پر ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہوآلہ وسلم سے بری ہیں۔ اس شہادت کی نوعیت واضح کرنے کے لیے بطور مثال حضرت عیسٰی علیہ السلام کی شہادت کا تفصیلی ذکر کیا تاکہ واضح ہوسکے کہ انہوں نے اپنے

رسولوں پر شہادت حق کی جو ذمہ داری ڈالی ہے وہ اس کے بارے میں جواب دہ ہونگے۔ اور ان کے واسطے سے ان کی امتوں نے عدل و انصاف کا نظام معاشرہ میں قائم کرنے کا جو عہد ایمان لا کر کیا ہے۔ ان سے اس بارے میں معلوم کیا جائے گا۔آخرت میں وہی فلاح اور کامیابی کے حق دار ہونگے جو دنیا میں اس عہد کو نبھائیں گے اور اس کی ذمہ داری پوری کریں گے۔

مائدہ کے بعد چھٹی سورت الَانعام شروع ہوتی ہے جو مکی زندگی کے بالکل آخری دور میں اس رات کو نازل ہوئی ہے جب مدینہ سے انصار کی ایک جماعت حج کے لیے آئی ہوئی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پہاڑیوں میں ایک غار میں ملاقات کی تھی اس سورت میں شرک اور مشرکین مکہ کے توہمات کی تردید کی گئ ہے جس کا اظہار وہ کھانے پینے کی چیزوں اور جانوروں میں کرتے تھے۔ اسلام پر ان کے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے اور ان بڑے بڑے اخلاقی اصولوں کی تلقین کی گئ ہے جن پر اسلام ایک نئی سوسائٹی بنانا چاہتا ہے، ان اصولوں کی پیروی کو صرط مستقیم قرار دیا گیا ہے جس کی دعا سورہ فاتحہ پڑھتے وقت بندے کرتے ہیں۔

فرمایا تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے زمین اور آسمان بنائے، روشنی اور تاریکی پیدا کیں پھر بھی لوگ دوسروں کو اس کا ہمسر ٹھہرا رہے ہیں۔ وہی تو

ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر تمہارے لیے زندگی کی ایک مدت مقرر کر دی اور ایک دوسری مدت اور بھی ہے جو اس کے ہاں طے شدہ ہے یعنی قیامت کی گھڑی جب اس دنیا میں اختیار کیے ہوئے طرز عمل کا حساب لیا جائے گا اور فیصلہ کر دیا جائے گا۔

آگے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے کتنی ایسی قومیں ہم نے ہلاک کر ڈالیں جن کا اپنے اپنے زمانوں میں دور دورہ رہا ہے ان کو تو ہم نے زمین میں وہ اقتدار بخشا تھا جو تمہیں بھی نہیں بخشا ہے۔ پہلے ہم نے ان پر آسمان سے خوب نعمتیں اتاریں مگر جب انہوں نے کفران نعمت کیا تو آخر کار ہم نے ان کے گناہوں کی سزا میں انہیں تباہ کر دیا اور ان کی جگہ دوسری قوموں کو اٹھایا۔

کاش تم اس وقت کی حالت ابھی دیکھ سکتے جب یہ مشرکین دوزخ کے کنارے کھڑے کئے جائیں گے اس وقت وہ کہیں گے کہ کاش کوئی صورت ایسی ہو جاتی کہ ہم انہیں دنیا میں پھر واپس بھیج دیے جاتے اور اپنے رب کی نشانیوں کو نہ جھٹلاتے اور ایمان لانے والوں میں شامل ہو جاتے۔ درحقیقت یہ بات وہ اس وجہ سے کہیں گے کہ جس حقیقت پر انہوں نے پردہ ڈال رکھا تھا وہ اس وقت بے نقاب ہو کر ان کے سامنے آ چکی ہو گی۔ ورنہ اگر انہیں پچھلی زندگی کی طرف یعنی دنیا میں واپس بھیجا جائے تو پھر وہ وہی سب کچھ کریں گے جس کا منع کیا گیا ہے۔

نقصان میں پڑ گئے وہ لوگ جنہوں نے یہ سمجھا کہ زندگی جو کچھ بھی ہے بس یہی زندگی ہے اور اللہ کے سامنے اپنی پیشی کی اطلاع کو انہوں جھوٹ قرار دیا، جب اچانک وہ گھڑی آ جائے تو ان کا یہ حال ہوگا کہ اپنی پیٹھوں پر اپنے گناہوں کا بوجھ لادے ہوں گے اور دیکھو کیا برا بوجھ ہے جو یہ اٹھائے ہوئے ہیں۔ دنیا کی زندگی تو ایک کھیل تماشہ ہے حقیقت میں آخرت کا مقام ہی ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو زیاں کاری سے بچنا چاہتے ہیں، پھر کیا تم لوگ عقل سے کام نہیں لوگے؟ لوگ اللہ سے نشانیاں مانگتے ہیں زمین میں چلنے والے کسی جانور اور ہوا میں اڑنے والے کسی پرندے کو دیکھ لو یہ سب تمہاری طرح کی جنس ہیں یہ سب اپنے رب کی طرف سمیٹے جاتے ہیں تم بھی انہی کی طرح اپنے رب کی طرف سمیٹے جاؤگے یعنی جس طرح دن بھر چرنے چگنے اور اڑتے رہنے کے باوجود شام کو یہ سب اپنے مقررہ گھروں کو لوٹ آتے ہیں۔ اسی طرح تم اپنی زندگی دنیا میں بسر کرکے ہی اللہ کی طرف لوٹ جاتے ہو جہاں تمہارا ہمیشہ ہمیشہ کا ٹھکانہ ہے۔ مگر جو لوگ ہماری نشانیوں کو جھٹلاتے ہیں وہ بہرے اور گونگے ہیں تاریکیوں میں پڑے ہوئے ہیں۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے پوچھو، کبھی یہ بھی سوچا کہ اگر اللہ تمہاری دیکھنے اور سننے کی طاقت تم سے چھین لے اور تمہارے دلوں پر مہر لگا

دے تو اللہ کے سوا کون سا خدا ہے جو یہ قوتیں تمہیں واپس دلا سکتا ہو، ہم جو رسول بھیجتے ہیں اسی لئے تو بھیجتے ہیں کہ وہ نیک کردار لوگوں کے لیے خوشخبری دینے والے اور بد کرداروں کے لیے ڈرانے والے ہوں-اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے کہیں کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں نہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں اور نہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں، میں تو صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر نازل کی جاتی ہے- پھر ان سے پوچھو کہ کیا اندھا اور آنکھوں والا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ کیا تم اتنا بھی غور نہیں کرتے؟

اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تمہارے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں تو ان سے کہو تم پر سلامتی ہے- تمہارے رب نے رحم و کرم کا شیوہ اپنے اوپر لازم کرلیا ہے یہ اس کا رحم و کرم ہی ہے کہ اگر تم میں سے کوئی نادانی کے ساتھ کوئی برائی کر بیٹھا ہو پھر اس کے بعد توبہ کرے اور اصلاح کرلے تو وہ اسے معاف کردیتا ہے اور نرمی سے کام لیتا ہے۔

شرک کی تردید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا گیا کہ کس طرح انہوں نے ستارہ پرستی کی تردید کی، فرمایا کہ جو چھپ جائے اور زوال پذیر ہو وہ کبھی خدا نہیں ہو سکتا۔ میرا خدا تو وہی ہے جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے اور میں شرک کرنے والوں میں نے سے نہیں ہوں

اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہہ دیجیئے " دیکھو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے بصیرت کی روشنیاں آ گئی ہیں، اب جو بینائی سے کام لے گا اپنا بھلا کرے گا اور جو اندھا بنے گا خود نقصان اٹھائے گا میں تم پر کوئی پاسبان نہیں ہوں۔

مشرکین کے اپنے حلال و حرام قرار دئے ہوئے جانوروں اور توہمات کا ذکر کرکے ان کی بے عقلی کو واضح کیا اور جو کچھ اللہ نے حرام اور حلال کیا ہے اسے بتایا اور اعلان کیا کہ اللہ نے تمہارے لیے زندگی کا کیا طریقہ اتارا ہے جس پر چلنا ہی سیدھی راہ پر چلنا ہے۔

فرمایا اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے کہو آؤ میں تمہیں سناؤں تمہارے رب نے تمہیں کن باتوں کا ذکر کیا ہے کہ :

۱) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو (۲) والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو (۳)) اپنی اولادوں کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو ہم تمہیں بھی روزی دیتے ہیں اور ان کو بھی (۴) بے شرمی کی باتوں کے قریب بھی نہ جاؤ خواہ کھلی ہوں یا چھپی، (۵) کسی جان کو جسے اللہ نے محترم ٹہرایا ہے، ہلاک نہ کرو مگر حق کے ساتھ یعنی قانون کے مطابق (٦) یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر ایسے طریقے سے جو بہترین ہے یہاں تک کہ وہ اس عمر کو پہنچ جائیں جب بھلے برے میں تمیز

کرنے لگے۔ (۷) ناپ تول میں پورا انصاف کرو، ہم ہر شخص پر بس اتنا ہی بوجھ ڈالتے ہیں جو اس کے امکان میں ہو (۸) جب بات کہو تو انصاف کی کہو خواہ معاملہ اپنے رشتہ داروں کا ہی کیوں نہ ہو (۹) اللہ کے عہد کو پورا کرو۔

ان باتوں کی ہدایت اللہ نے تمہیں کی ہے شائد کہ تم نصیحت قبول کرو اور یہ بھی اس کی ہدایت ہے کہ یہی میرا سیدھا راستہ ہے لہٰذا تم اس پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو ۔وہ تمہیں اس کے (اللہ) راستے سے ہٹا کر پراگندہ کردیں گے

سورت ختم کرتے ہی فرمایا کہہ دیجیئے میرے رب نے بالیقین مجھے سیدھا راستہ دکھا دیا ہے بالکل ٹھیک دین جس میں کوئی ٹیڑھ نہیں، ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ جسے یکسو ہو کر اس نے اختیار کیا تھا اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا، کہہ دیجیئے میری نماز، میرے تمام مراسم عبودیت، میرا جینا میرا مرنا سب کچھ اللہ رب العالمین کے لیے ہے جس کا کوئی شریک نہیں ہے اسی بات کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور سب سے پہلے سر اطاعت جھکانے والا میں ہوں۔ کہہ دیجیئے کیا اللہ کے سوا کوئی اور رب تلاش کروں حالانکہ ہر چیز کا رب وہی ہے۔ ہر شخص جو کچھ کماتا ہے اس کا ذمہ دار وہ خود ہے، کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا، پھر تم سب کو اپنے رب ہی کی طرف پلٹنا ہے اس وقت وہ

تمہارے اختلافات کی حقیقت تم پر کھول دے گا۔
وہی ہے جس نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض کے مقابلہ میں زیادہ بلند درجے دیے تاکہ جو کچھ تم کو دیا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے بے شک تمہارا رب سزا دینے میں بھی تیز ہے اور بہت درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا بھی ہے۔
دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والا اللہ ہے وہی زندہ کو مردہ اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے، سارے کام کرنے والا اللہ ہے تو پھر تم کدھر بہکے جارہے ہو۔ رات کے پردے کو چاک کرکے وہی صبح نکالتا ہے، اسی نے رات کو سکون کا وقت بنایا ہے اس نے چاند اور سورج کے طلوع اور غروب کا حساب مقرر کیا ہے اور وہی ہے جس نے تمہارے لئے تاروں کو صحرا اور سمندر کی تاریکیوں میں راستہ معلوم کرنے کا ذریعہ بنایا اور وہی ہے جس نے ایک متنفس سے تم کو پیدا کیا پھر ہر ایک کے لیے جائے قرار ہے اور ایک سپنے جانے (یعنی مرنے) کی جگہ ہے پھر وہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس کے ذریعہ ہر قسم کی نباتات اگائی۔ اس نے ہرے بھرے کھیت اور درخت بھی اگائے، ان سے تہ بہ تہ چڑھے ہوئے دانے نکالے اور کھجور کے شگوفوں سے پھلوں کے گچھے کے گچھے پیدا کئے جو بوجھ سے جھکے پڑتے ہیں۔

انگور، زیتون، اور انار کے باغ لگائے جن کے پھل ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی ہیں
اور پھر بھی ہر ایک کی خصوصیات جدا جدا ہوتی ہیں ان چیزوں میں نشانیاں ہیں ان کے
لیے جو ایمان لاتے ہیں۔ اس پر بھی لوگوں نے جنوں کا اللہ کا شریک ٹھہرا دیا ہے حالانکہ
وہ (اللہ) ان کا خالق ہے اور بے جانے بوجھے اللہ کے لیے بیٹیاں اور بیٹے گھڑ لیے
حالانکہ پاک و برتر ہے وہ ان سب باتوں سے جو یہ لوگ کہتے ہیں۔ وہ تو آسمانوں اور
زمینوں کا موجد ہے اس کا کوئی بیٹا کیسے ہو سکتا ہے جب کہ اس کا کوئی شریک زندگی ہی
نہیں اس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ یہ ہے اللہ ! تمہارا کوئی خدا
اس کے سوا نہیں، ہر چیز کا خالق لہٰذا تم اس کی بندگی کرو۔۔۔ نگاہیں اس کو نہیں پا سکتیں
اور وہ نگاہوں کو پالیتا ہے وہ نہایت باریک بین اور باخبر ہے۔

آج کی تراویح کا بیان ختم ہوا۔ اللہ ہم سب کو قرآن پڑھنے، اس پر عمل کرنے کی توفیق
عطا فرمائے۔ اللہ اس قرآن کی برکتوں سے ہمارے ملک اور شہر کے حالات بہتر بنائے
آمین

تحریر: مولانا محی الدین ایوبی

بوری بند لاشوں کا عینی شاہد ہوں

اپنے گزشتہ کالم (بریگیڈیر (ر) امتیاز کا متنازعہ انٹرویو) میں ہم نے عرض کیا تھا کہ اس حوالے سے مزید باتیں اپنے اگلے کالم میں شامل کریں گے تو یہ کالم اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ دراصل یہ متحدہ کے قائد کا ایک اور ڈرامہ تھا جو کہ بری طرح فلاپ ہوگیا۔ انھوں نے میڈیا پر مگرمچھ کے آنسو بہائے اور نواز شریف سے مطالبہ سوال کیا کہ وہ جواب دیں کہ انھوں نے کراچی میں بیانوے کا آپریشن کیوں نہیں رکوایا؟ پندرہ ہزار بے گناہ کارکنوں کے خون کا حساب کون دے گا؟ لیکن اس میں انھوں نے ایک بار پھر یہ احتیاط رکھی کہ موجودہ پی پی پی حکومت جس کے یہ اتحادی ہیں اس کا سرے سے کوئی نام ہی نہیں لیا گیا جبکہ اہل کراچی اچھی طرح جانتے ہیں کہ کراچی میں بدترین آپریشن پی پی پی کی حکومت میں کیا گیا تھا اور جنرل (ر) نصیر اللہ بابر کراچی میں ایک خوف کی علامت بن گئے تھے۔ ایم کیو ایم کے بقول ان کے جو کارکن ماورائے عدالت قتل کیے گئے وہ پی پی پی دور میں قتل کیے گئے۔ لیکن مفاد پرستی کی سیاست کا تقاضہ تھا کہ آنسو تو بہائے جائیں لیکن اقتدار کو بھی کوئی خطرہ نہ پیدا ہو اس لیے پی پی پی سے کوئی سوال نہیں کیا گیا بلکہ صرف میاں نواز شریف کی ذات کو ہدف تنقید بنایا گیا۔

تجزیہ نگاروں اور سیاسی رہنماؤں کا کہنا ہے کہ یہ سارا ڈرامہ بارہ مئی کی تحقیقات رکوانے اور جنرل مشرف کے ٹرائل سے قوم کی توجہ ہٹانے کی ایک بھونڈی کوشش تھی جو کہ خود متحدہ ہی پر پلٹ گئی ہے اور اب متحدہ قومی موومنٹ کو لینے کے دینے پڑ گئے ہیں کیوں کہ بریگیڈیر امتیاز کے یہ شوشہ چھوڑنے کے بعد بات یہیں ختم نہیں ہو گئی بلکہ اب نئے سرے سے اس کے حوالے سے باتیں سامنے آ رہی ہیں اور تمام حقائق یہ بتا رہے ہیں کہ یہ آپریشن کراچی میں جرائم پیشہ افراد کے خلاف تھا جس میں اکثریت متحدہ قومی موومنٹ جو کہ اس وقت مہاجر قومی موومنٹ تھی اس کے کارکنان کی تھی۔ اس لیےایم کیو ایم نے اپنی سیاسی پوزیشن کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس آپریشن کے خلاف واویلا مچایا تاکہ اپنے کارکنان کے جرائم کو چھپا کر انکو شیلٹر فراہم کیا جائے۔

کور کمانڈر سندھ جنرل (ر) نصیر اختر نے واضح طور پر یہ کہا کہ جناح پور کا معاملہ تو بہت بعد میں اٹھایا گیا اصل میں آپریشن کراچی میں جرائم پیشہ افراد کے خلاف تھا اور یہی بات سابق سربراہ آئی ایس آئی جنرل اسد درانی نے بھی کہی کہ وہ آپریشن کسی سیاسی جماعت کے خلاف نہیں تھا بلکہ جرائم پیشہ افراد کے خلاف تھا اور انہوں نے مزید کہا کہ اس میں بھارتی عناصر ملوث تھے۔

ایم کیو ایم کا کہنا ہے کہ ہم پر ظلم ہوا اور ہمارے پندرہ ہزار کارکن ایک بے

جواز آپریشن کی بھینٹ چڑھ گئے، ایم کیو ایم کا مؤقف ہے کہ ہمارے خلاف آپریشن جناح پور کی بنیاد پر کیا گیا تھا جو کہ جھوٹ تھا جبکہ بریگیڈیر امتیاز کے علاوہ اس وقت کی عسکری قیادت کا یہی کہنا ہے کہ جناح پور تو کہیں بعد کا ایشو ہے لیکن آپریشن جرائم پیشہ افراد کے خلاف تھا۔ اس حوالے سے محترمہ بے نظیر بھٹو کے سابق ملٹری سیکرٹری جنرل (ر) عبدالقیوم کا امت اخبار کراچی سے گفتگو کرتے ہوئے کہنا ہے کہ میں بوری بند لاشوں کا عینی شاہد ہوں، (ویسے کراچی کا رہائشی ہونے کے باعث ہم بھی کئی لاشوں کے شاہد ہیں) انہوں نے مزید کہا کہ " ان دنوں کراچی میں خاصی گڑبڑ تھی لہٰذا ان کا کہنا ہے کہ آپریشن کرمنلز کے خلاف تھا، بہت سے کرمنلز ایسے تھے جو کہ ایم کیو ایم کے ونگز کے نیچے چھپے ہوئے تھے جبکہ متحدہ کو کہنا ہے کہ آپریشن ہمارے خلاف تھا تو کوئی تو بات تھی، کراچی میں رہنے والوں کو پتہ ہے کہ اس وقت کس طرح ٹارچر سیل برآمد ہو رہے تھے، بوری بند لاشیں مل رہی تھیں۔ حکیم محمد سعید جیسی شخصیت کو قتل کیا گیا، میجر کلیم پر تشدد کیا گیا تھا، کسی نے تو یہ سب کیا تھا، انہوں نے مزید کہا کہ ۱۹۹۳ میں بی بی کے ملٹری سیکرٹری کے طور پر کراچی کا دورہ کیا تھا اور اپنی آنکھوں سے بوری بند لاشیں دیکھی تھیں۔ اس وقت کراچی میں آگ لگی ہوئی تھی، لوگوں کی زندگی اجیرن تھی، انہیں کسی قسم کا تحفظ حاصل نہیں تھا، دہشت گرد دندناتے پھر رہے تھے، بہت سے پولیس اسٹیشنوں کے ایس ایچ اوز قتل کر دیئے گئے تھے۔ بڑی اندوہناک

صورتحال تھی۔

انہوں نے مزید کہا کہ اصل صورتحال کا جائزہ لینا ہے تو جنرل (ر) نصیراللہ بابر سے پوچھا جائے کہ اس وقت کیا ہو رہا تھا لیکن ایسا نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ سب کچھ بتانے والے اس وقت کولیشن میں بیٹھے ہیں۔ انہوں نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ بریگیڈئر (ر) امتیاز معتبر نہیں ہیں وہ جب نیب وغیرہ سے نکلے تو ان پر کرپشن کے الزمات تھے اور یہ سب کچھ اخبارات میں بھی آیا تھا۔ جب کسی پر اس قسم کے الزمات ہوں تو وہ متنازعہ شخصیت بن جاتی ہے۔ لہٰذا ان کے بیانات کے مصدقہ ہونے بارے میں بھی شکوک و شبہات رہتے ہیں۔ (روزنامہ امت جمعرات ۲۷ اگست ۲۰۰۹

قارئین یہ بھی تصویر کا ایک رخ ہے اور ابھی اس حوالے سے کئی باتیں سامنے آئی ہیں اور مزید سامنے آئیں گی۔ اگر زندگی رہی تو اس پر مزید بات کریں گے۔ یہاں یہ بات واضح کر دیں کہ جو لوگ کراچی اور حیدرآباد وغیرہ میں رہتے ہیں وہ تو اچھی طرح تمام حقائق کو جانتے ہیں لیکن دیگر شہروں کے رہنے والے عوام کو اصل حقائق کا علم نہیں ہے اس لیے ہم کوشش کریں گے کہ قارئین تک حقائق پہنچائیں۔

ساتویں تراویح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آج آٹھویں پارے کے آٹھویں رکوع سے نویں پارے کے چودہویں رکوع تک تلاوت کی جائے گی۔ سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی کہ اس کتاب سے متعلق آپ کی ذمہ داری صرف اتنی ہے کہ اس کے ذریعہ لوگوں کو خبردار کردو تاکہ اللہ کی حجت ان پر تمام ہوجائے۔ تم پر یہ ذمہ داری نہیں کہ لوگ اس کو قبول بھی کرلیں۔ حقیقت میں اس کتاب سے فائدہ تو اہل ایمان ہی اٹھائیں۔ سب کو تنبیہہ کی کہ ایک دن ایسا ضرور آنے والا ہے جب تم سے تمہاری ذمہ داریوں کی بابت پوچھا جائے گا اور رسولوں سے ان کی ذمہ داریوں سے متعلق۔ اس دن جو انصاف کی ترازو قائم کی جائے گی وہ ہر ایک کے اعمال کو تول کر بتائے گی کہ کس کس کے پاس کتنا حق ہے اور کتنا باطل۔ اس روز فلاح صرف وہی پائیں گے جن کے پلڑے بھاری ہونگے باقی سب نامراد ہونگے۔ بلکہ بلکل دیوالیہ

قریش کو اور ان کے ذریعہ سے سب کو آگاہ کیا کہ تمہیں جو اقتدار حاصل ہوا ہے وہ اللہ کا بخشا ہوا ہے۔اسی نے تمہاری زندگی اور اس کا سامان پیدا کیا ہے، لیکن شیطان نے تم پر حاوی ہوکر تم کو ناشکری کی راہ پر ڈال دیا ہے۔ آدم و

ابلیس کا واقعہ بیان کرکے واضح کیا کہ جس طرح اس نے آدم و حوا کو دھوکہ دیکر جنت سے نکلوا دیا تھا۔ اسی طرح اس نے اپنا فریب چلا کر تمہیں بھی پھانس لیا ہے، تم اس کے چکموں میں آکر اس کی امیدیں پورا کرنے کا سامان مت کرو۔

اللہ نے ہر معاملے میں حق اور انصاف کا حکم دیا ہے۔ اپنی عبادت کا حکم دیا اور توحید کا حکم دیا، جبکہ شیطان بے حیائی کا راستہ دکھاتا ہے اور تم نے اس کی پیروی میں اپنے آپ کو فتنوں میں مبتلا کرلیا ہے اور دعویٰ کرتے ہو کہ یہی سیدھی راہ ہے۔ اللہ نے بے حیائی کو، لوگوں کے حقوق مارنے کو، سرکشی کرنے کو، شرک اور اللہ کا نام لیکر دل سے حرام حلال بنا لینے کو حرام ٹھہرایا ہے۔ لیکن آج تم یہ سب حرکتیں کررہے ہو۔ اگر اس کے باوجود تمہیں مہلت مل رہی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ کے ہاں ہر امت کی تباہی کے لئے ایک وقت مقرر ہے۔

مقام اعراف جو جنت اور دوزخ کے درمیان اک اونچی جگہ ہوگی، ایک گروہ کو دوزخ اور جنت دونوں کا مشاہدہ کرایا جائے گا تاکہ وہ دیکھ لیں کہ اللہ نے رسولوں کے ذریعے جن باتوں کی خبر دی تھی وہ سب پوری ہوئیں۔ اعراف والے جنت والوں کو مبارکباد دیں گے اور اہل دوزخ کو ملامت کریں گے۔ اہل دوزخ، اہل جنت سے

درخواست کریں گے کہ وہ ان پر کچھ کرم کریں اور پر تھوڑا سا جنت کا پانی ڈال دیں اور جو رزق انہیں ملا ہے اس میں سے انہیں بھی کچھ دیدیں۔ اہل جنت جواب دیں گے کہ اللہ نے دونوں چیزیں قرآن کا انکار کرنے والوں پر حرام کردی ہیں۔

اللہ کی طرف سے اعلان ہوگا "جنہوں نے دنیا میں اللہ کی باتوں کو نظرانداز کردیا تھا، آج اللہ نے انکو نظرانداز کردیا" کفار اپنی بدبختی اور محرومی پر افسوس اور حسرت کے سوا کچھ نہ کرسکیں گے۔ اس بات سے آگاہ کیا گیا کہ پیدا کرنا اور لوگوں کو حکم دینا کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں یہ سب اللہ کا حق ہے۔ بس امید ہو یا نامیدی ہر حالت میں اس کو پکارو، زمین میں وہ کام نہ کرو جس سے فساد پھیلے، قیامت ضرور آنی ہے۔ موت کے بعد زندگی کا مشاہدہ تم خود اس دنیا میں برابر کررہے ہو کہ وہ (اللہ) مردہ زمین کو بارش سے زندہ کردیتا ہے۔ اللہ نے تو ہر پہلو سے اپنی نشانیاں واضح کردی ہیں۔

نوح علیہ السلام، ہود علیہ السلام، صالح علیہ السلام، لوط علیہ السلام، اور شعیب علیہ السلام کی قوموں کے حالات سنائے۔ یہ اس بات کا تاریخی ثبوت ہیں کہ جو قومیں زمین میں فساد پھیلاتی ہیں اور اپنے رسول کی دعوت کو جھٹلاتی ہیں اللہ تعالیٰ آخرکار انہیں مٹا دیتا ہے۔ ظالم قوموں کو تباہ کرنے کا اللہ کا کیا طریقہ ہے اسے تفصیل سے بتایا کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ

ہم نے کسی بستی میں نبی بھیجا ہو اور اس بستی کے لوگوں کو پہلے تنگی اور سختی میں مبتلا نہ کیا ہو۔ اس خیال سے کہ شائد وہ عاجزی اختیار کریں۔ پھر ہم نے ان کی بدحالی کو خوشحالی میں بدل دیا۔ یہاں تک کہ وہ خوب پھلے پھولے اور کہنے کہ ہمارے پچھلوں پر بھی اچھے برے وقت دونوں ہی آتے رہے ہیں، آخرکار ہم نے انہیں اچانک پکڑ لیا۔ اگر بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور خدا خوفی کی روش اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان سے اور زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔ مگر انہوں نے تو جھٹلادیا - کیا آج کے لوگ اس سے بے خوف ہوگئے ہیں کہ ہماری پکڑ اچانک ان پر رات کے وقت جب وہ سو رہے ہوں یا دن کے وقت جب وہ اپنے کھیل کود میں مصروف ہوں۔ نہیں آجائے گی؟ اللہ کی پکڑ سے وہی قوم بے خوف ہوتی ہے جو تباہ ہونے والی ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی سرگزشت بیان کی کہ " فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شکست دینے کے لیے تمام ہتھکنڈے استعمال کیئے جو اس کے اختیار میں تھے۔ اس نے جادوگروں کو اکٹھا کیا۔ بنی اسرائیل کے بیٹوں کو قتل کیا، بیٹیوں کو لونڈیاں بنایا اور زبردست اقتدار کا مظاہرہ کیا، مگر انجام کیا ہوا؟؟ ہم نے ایسا انتقام لیا کہ لاؤ لشکر کے ساتھ سمندر میں غرق کردیا

اور جن لوگوں کو کمزور بنا کر رکھتا تھا ان کو مشرق و مغرب کا بادشاہ بنا دیا۔ سورت کے اختتام پر لوگوں کو انکا عہد فطرت یاد دلایا ہے۔

اور اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! لوگوں کو یاد دلاؤ وہ دن کہ جب تمہارے ربؑ نے بنی آدم کی پشتوں کو ان کی نسل سے نکالا تھا اور پوچھا تھا کہ " کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا تھا ضرور تو ہی ہمارا رب ہے، ہم اس پر گواہی دیتے ہیں " اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا اس اعلان کو بھول گئے جو دوسروں کو خدائی میں شریک ٹھہرانے لگے ہیں۔ بتانا یہ مقصود ہے کہ ہر انسان فطری طور پر اللہ کے رب ہونے کو جانتا ہے تو ۔پھر اس کے احکام کے خلاف چلنے کی غلطی کیوں کرتا ہے

اصل وجہ نفس پرستی ہے اور نفس کے پیچھے چلنے والوں کو اللہ نے کتے سے تشبیہہ دی ہے۔ جس کی زبان ہر وقت لٹکی رہتی ہے۔ (یعنی بھوک اور جنسی خواہش انہی دو چیزوں سے اسے سب سے زیادہ دلچسپی ہے) میرے بھائیوں اور بہنوں! اللہ نے اس مثال سے مغربی تہذیب کی پول کھول دی ہے۔ اس کے شیدائیوں کی بھی یہی مثال ہے۔ اللہ ہمیں اور ہماری نسلوں کو اس سے محفوظ رکھے۔آمین

حقیقت یہ ہے کہ وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی کی جنس سے اس کا جوڑا بنایا تاکہ وہ اس کے پاس جا کر سکون حاصل کرے،۔ پھر جب

عورت بوجھل ہو گئی تو مرد و عورت دونوں نے مل کر اللہ سے دعا کی کہ اگر تو نے ہم کو اچھا سا بچہ دیا تو ہم تیرے شکر گزار ہونگے۔ مگر جب اللہ نے ان کو ایک صحیح و سالم بچہ دیدیا تو وہ اس کی بخشش و عنایات میں دوسروں کو شریک کرنے لگے کہ یہ تو فلاں نے دیا ہے۔ کیسے نادان لوگ ہیں کہ ان کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں جو کسی چیز کو بھی پیدا نہیں کرتے۔ بلکہ خود پیدا کیے جاتے ہیں جو نہ ان کی مدد کر سکتے ہیں اور نہ آپ ہی اپنی مدد پر قادر ہیں۔ پھر بھی اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! نرمی اور درگزر کا طریقہ اختیار کیجیئے۔ نیکیوں کی تلقین کئے جایئے اور جاہلوں سے نہ الجھئے۔ اگر کبھی شیطان اشتعال دلائے تو اللہ پناہ مانگئے۔ وہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔

تبلیغ کی حکمت بیان کرنے اور مخالفین کی زیادتیوں کا مقابلہ صبر اور ضبط سے کرنے کے بعد اللہ سے تعلق بڑھانے کے لیے نصیحت کی کہ " اپنے رب کو صبح اور شام یاد کرو، دل ہی دل میں گریہ وزاری اور خوف کے ساتھ اور زبان سے بھی ہلکی آواز کے ساتھ تم ان کو لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ جو فرشتے تمہارے رب کے حضور تقرب کا مقام رکھتے ہیں، وہ کبھی اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں آکر اس کی عبادت سے منہ نہیں موڑتے اور اس کی تسبیح کرتے ہوئے اس کے آگے جھکے رہتے ہیں۔ " پس انہی کا طریقہ اختیار کرو

آج کی تراویح کا بیان ختم ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن پڑھنے، اس کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین اللہ اس قرآن کی برکتوں سے ہمارے ملک اور شہر کے حالات تبدیل فرمائے آمین

تحریر: مولانا محی الدین ایوبی

آٹھویں تراویح

آج کی تراویح میں نویں پارے کے پندرھویں رکوع سے دسویں پارے کے سترہویں رکوع تک تلاوت کی جائے گی۔ یہ تراویح سورہ انفال سے شروع ہوتی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر پر تبصرہ فرمایا ہے۔ یہ پہلی جنگ ہے جو کفار مکہ اور مسلمانوں کے درمیان ۱۷ رمضان سن ۲ ہجری میں بدر کے مقام پر لڑی گئی۔ اس کا پس منظر یہ تھا کہ مدینہ طیبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آجانے کے بعد مسلمانوں کو ایک مرکز مل گیا تھا۔ پورے عرب سے مسلمان جو اکا دکا قبیلوں میں تھے یہاں آ کر پناہ لے رہے تھے اور مکہ سے بڑی تعداد میں ہجرت کر کے یہاں آئے تھے۔ اس طرح مسلمانوں کی منتشر قوت ایک جگہ جمع ہو گئی تھی اور قریش کے لیے یہ بات سخت ناگوار تھی کہ مسلمان اس طرح ایک بڑی طاقت بن جائیں چنانچہ انہوں نے فیصلہ کیا کہ اپنے ایک تجارتی قافلہ کی حفاظت کے بہانے مدینہ پر حملہ آور ہو جائیں اور مسلمانوں کی مٹھی بھر جماعت کا خاتمہ کر دیں۔

ان سنگین حالات میں ۱۷ رمضان المبارک کو بدر کے مقام پر مقابلہ ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ تین کافروں کے مقابلے میں ایک مسلمان ہے اور وہ بھی پوری طرح مسلح نہیں تو اللہ کے آگے دعا کے لیے ہاتھ پھیلائے

اور انتہائی خشوع و خضوع سے عرض کرنا شروع کیا: " اے اللہ ! یہ قریش ہیں جو اپنے سامان غرور کے ساتھ آئے ہیں کہ تاکہ تیرے رسول (صلی اللہ وآلہ وسلم) کو جھوٹا ثابت کریں۔ خداوند ! بس آجائے تیری وہ مدد جس کا تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا۔ اے اللہ ! اگر آج یہ مٹھی بھر جماعت ہلاک ہو گئی تو روئے زمین پر پھر تیری عبادت نہ ہو گی !

آخر کار اللہ کی طرف سے مدد آ گئی اور قریش اپنے سارے اسلحہ اور طاقت کے باوجود ان بے سروسامان جاں نثاروں کے ہاتھوں شکست کھا گئے۔ کافروں کے ستر آدمی مارے گئے اور ستر قیدی بنائے گئے۔ بڑے بڑے سرداروں اور ابو جہل کا خاتمہ ہو گیا ۔اور کافروں کا سارا سامان مال غنیمت کے طور پر مسلمانوں کے ہاتھ آیا

اللہ تعالیٰ نے اس جنگ اور اس کے حالات پر تبصرہ فرماتے ہوئے فخر کا اظہار کرنے کے بجائے مسلمانوں کی کمزوریوں کی نشاندہی کی اور بتایا کہ اس فتح میں اللہ کی تائید و نصرت کا کتنا بڑا ہاتھ تھا۔ فرمایا ! " جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے۔ جواب میں اس نے فرمایا کہ میں تمہاری مدد کے لیے ایک ہزار فرشتے پے در پے بھیج رہا ہوں۔ بس حقیقت یہ ہے کہ تم نے انہیں قتل نہیں کیا۔ بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا۔ مومنوں کے ہاتھ کو اس کام میں استعمال ہوئے تو

یہ اس لیے تھا کہ اللہ مومنوں کو ایک بہترین آزمائش سے کامیابی سے گزار دے۔
اے ایمان والوں ! اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پکار پر لبیک کہو جبکہ اس کا رسول تمہیں اس چیز کی طرف بلائے جو تمہیں بخشنے والی ہے یعنی جہاد، اور بچو اس فتنہ سے جس کی شامت خاص طور پر صرف انہی لوگوں تک محدود نہیں رہے گی جنہوں نے تم میں سے گناہ کیا ہو اور جان رکھو کہ اللہ سخت سزا بھی دینے والا ہے۔
مکہ کا وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے جبکہ منکرین حق تمہارے خلاف تدبیریں سوچ رہے تھے کہ تم کو قید کردیں۔ یا تم کو قتل کرڈالیں یا جلاوطن کردیں۔ وہ اپنی چالیں چل رہے تھے اور اللہ اپنی چالیں چل رہا تھا۔ اللہ سب سے بہترین چال چلنے والا ہے۔ اس وقت بھی وہ یہی بات کہہ رہے تھے کہ "خدایا ! اگر واقعی حق یہ ہے اور تیری طرف سے ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا کوئی اور عذاب لے آ !" اس وقت تو اللہ ان پر عذاب لانے والا نہیں تھا کیونکہ تم ان میں موجود تھے۔ یہ اللہ کا قاعدہ نہیں ہے کہ اس سے استغفار کرنے ولے موجود ہوں اور وہ انکو عذاب دے دے۔ لیکن اب کیوں نہ وہ ان پر عذاب نازل کرے جبکہ وہ مسجد الحرام کا راستہ روک رہے ہیں حالانکہ وہ اس مسجد کے جائز متولی نہیں۔ اس کے جائز متولی تو صرف اہل تقویٰ ہی ہو سکتے ہیں۔
اے ایمان

لانے والوں ! ان کافروں سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین پورے کا پورا اللہ کے لیے ہو جائے۔ پھر اگر وہ فتنہ سے رک جائیں۔ تو اللہ ان کے اعمال دیکھنے والا ہے اور اگر نہ مانیں تو جان رکھو کہ اللہ تمہارا سرپرست ہے اور وہ بہترین مددگار ہے۔

اس موقع پر یہ بھی واضح کی گیا کہ مال غنیمت حقیقت میں لڑنے والوں کا ذاتی مال نہیں بلکہ اللہ کا انعام ہے اس لئے اپنی مرضی سے اس کے مالک مت بنو۔ چنانچہ اس کا پانچواں حصہ اللہ، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس کے رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، اور مسافروں کے لیے باقی چار حصے جنگ میں حصہ لینے والوں کے لیے ہے۔
اے ایمان لانے والوں ! جب کسی گروہ سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتے رہو۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرو، اور آپس میں جھگڑو نہیں ورنہ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ صبر سے کام لو یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اللہ کی یہ سنت ہے کہ وہ کسی نعمت کو جو اس نے کسی قوم کو عطا کی ہو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ قوم خود اپنے طرز عمل کو نہیں بدل دیتی۔ جن کافر قوموں سے تمہارا معاہدہ ہو ان کے متعلق بتایا کہ

اگر کسی قوم سے تمہیں خیانت کا اندیشہ ہو تو اس کا معاہدہ اعلانیہ اس کے آگے پھینک دو۔ یقیناً اللہ خائنوں کو پسند نہیں کرتا ۔ اور تم لوگ جہاں تک تمہارا بس چلے زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے انکے مقابلے کے لیے مہیا کر رکھو تاکہ اس کے ذریعہ اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اور ان کے دوسرے دشمنوں کو خوفزدہ کر دو جنہیں تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے۔اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! مومنوں کو جنگ پر ابھارو اگر تم میں سے بیس آدمی صابر ہوں تو وہ دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر سو آدمی ایسے ہوں حق کے مخالفوں میں سے ہزار آدمیوں پر بھاری ہونگے۔

جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے اللہ کی راہ میں گھر بار چھوڑے اور جدوجہد کی اور جنہوں نے انہیں پناہ دی اور ان کی مدد کی وہی سچے مومن ہیں، ان کے لیے خطاؤں سے درگزر ہے اور بہترین رزق ہے، اور جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور ہجرت کرکے آگئے اور تمہارے ساتھ مل کر دین کے قیام کی جدوجہد کرنے لگے وہ بھی تم میں شامل ہیں۔

سورہ انفال کے بعد سورہ توبہ ہے۔ اس سورت میں پہلے ان مشرکین سے برائت کا اعلان کیا جنہوں نے پہلے تو امن و صلح کے معاہدے کئے تھے مگر پھر ان کی خلاف ورزی کر کے توڑ دئے۔ جنہوں نے معاہدے قائم رکھے تھے۔ انکے متعلق یہ

اعلان فرمایا کہ مدت پوری ہو جانے کے بعد یہ معاہدے بھی ختم کردئے جائیں اور ان سب سے اس وقت تک جنگ جاری رکھی رہے گی جب تک اسلام نہ قبول کرلیں۔ اہل کتاب کے متعلق بھی فرمایا کہ ان سے بھی جنگ کرو یہاں تک کہ یہ تمہاری ماتحتی قبول کرلیں اور تمہیں جزیہ ادا کرنے کے پابند ہو جائیں۔

اس کے بعد تفصیل کے ساتھ منافقین کی خبر لی اور انکے بارے میں ہدایت کی کہ اب ان کا سختی سے ساتھ محاسبہ کیا جائے اور ان کے ساتھ کوئی نرمی نہ برتی جائے یہاں تک کہ یا تو سچے مسلمان بن جائیں یا پھر مشرکین اور اہل کتاب میں سے جن کے ساتھ بھی انکا تعلق ہے ان کے انجام میں شریک ہو جائیں۔ گویا اس موقع پر ان تینوں گروہوں کے بارے میں جو اس وقت مسلمانوں کے کھلے یا چھپے دشمن تھے واضح پالیسی کا اعلان کردیا گیا۔ پارے کے آخر میں فرمایاً کفار اور منافقین کے ساتھ جہاد کرو اور ان پر سخت بن جاؤ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ ان میں وہ بھی ہیں جنھوں نے اللہ سے وعدہ کیا تھا کہ اگر اللہ نے ہمیں اپنے فضل سے نوازا تو ہم خوب صدقہ کریں گے اور خوب نیکیاں کرنے والوں میں سے ہونگے، مگر جب اللہ نے اپنا فضل عطا فرمایا تو اس میں بخیل بن بیٹھے اور برگشتہ ہو کر منہ موڑ لیا اسی کی پاداش میں اللہ نے ان کے دلوں میں قیامت تک کے لئے نفاق جما دیا۔

:اسی سورہ میں زکوت کے مصارف مقرر کئے گئے جو آٹھ ہیں
۱) غریبوں کی آزادی کے لیے (۲) محتاجوں کے لیے (۳) نظام زکوت کے کارکنوں) کے لئے (۴) تالیف قلب کے لیے (۵) غلاموں کی آزادی کے لئے (۶) قرضداروں کی مدد کے لئے (۷) اللہ کی راہ میں (۸) مسافروں کے لیے۔
جہاد کے سلسلہ میں کمزوروں، بیماروں، اور ان لوگوں کو رخصت عطا کی گئی جنہیں خرچ کرنے کی استطاعت نہیں جبکہ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (کے دین) کے سچے خیر خواہ ہیں، اللہ غفور الرحیم ہے۔ اللہ کی ناراضی توان سب پر ہے جو رخصت مانگتے ہیں حالانکہ وہ مالدار ہیں۔ یہ لوگ خانہ نشیین عورتوں کے ساتھ بیٹھنے پر راضی ہوئے تو اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کردی۔ اب یہ اس حقیقت کو سمجھنے سے محروم ہوگئے ہیں کہ ان کی اس روش کا اللہ کے ہاں کیا نتیجہ نکلنے والا ہے۔
آج کی تراویح کا بیان ختم ہوا۔ اللہ تعال ہم سب کو قرآن پڑھنے کی، اس کو سمجھنے کی اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین اللہ اس قرآن کی برکتوں سے ہمارے ملک اور شہر کے حالات بہت بنائے آمین
تحریر: مولانا محی الدین ایوبی

جناح پور کے نقشے میں نے برآمد کئے تھے

قارئین جناح پور اور بریگیڈئر امتیاز کے حوالہ سے ہمارا یہ سلسلہ ابھی جاری ہے کیوں کہ ابھی انکشافات کا سلسلہ بھی جاری ہے اور بریگیڈئر امتیاز کے بعد آئی ایس آئی اور فوج کے کئی سابق افسران سے میڈیا نے رابطہ کیا اور جناح پور اور بیانوے کے کراچی آپریشن کے متعلق کئی مزید باتیں سامنے آئی ہیں۔ جیو ٹی وی کے پروگرام کیپٹل ٹاک میں شو کے دوران حامد میر نے کراچی آپریشن کے ایک اہم کردار اور اس وقت کے ڈی جی رینجرز اور سابق آئی ایس آئی آفیسر میجر ندیم ڈار سے ٹیلیفون پر رابطہ کیا۔
حامد میر نے ان سے جناح پور کے حوالے سے سوال کیا تو میجر ندیم ڈار نے جواب دیا کہ " جناح پور کے نقشے میں نے خود برآمد کئے تھے، انہوں نے کہا کہ بیانوے کے آپریشن میں میری تعیناتی لیاقت آباد نمبر دس کے ڈی اے فیلڈ آفس میں تھی۔ اس دوران میں نے خود الطاف حسین کے گھر نائن زیرو اور ایم کیو ایم کے ہیڈ کوارٹر واقع الکرم اسکوائر میں چھاپہ مارا تھا اور ہم نے تین دن تک وہاں کی تلاشی لی تھی جہاں سے ہزاروں کی تعداد میں پمفلٹ اور جناح پور کا نقشہ برآمد کیا تھا۔ اس موقع پر حامد میر نے ان سے استفسار کیا کہ بریگیڈئر

امتیاز کا کہنا ہے کہ جناح پور کے نقشہ ڈرامہ تھا، اس کے جواب میں میجر ندیم ڈار نے غیر متوقع طور پر یہ کہا کہ "بریگیڈئر امتیاز میرے سینئر ہیں لیکن میں معذرت کے ساتھ کہوں گا کہ یہ جھوٹ بول رہے ہیں" (یہاں یہ بات واضح رہے کہ کسی بات پر یہ کہنا کہ یہ غلط کہہ رہے ہیں یا انہیں پتہ نہیں ہے ایک الگ بات ہے اور کسی کو اس کے منہ پر یہ کہہ دینا کہ یہ جھوٹ بول رہے ہیں بہت بڑی بات ہے) انہوں نے مزید کہا کہ بریگیڈئر امتیاز تو کبھی کراچی سینٹرل آئے ہی نہیں وہ کیسے جناح پور کی تردید کر رہے ہیں۔ انہوں نے نجی ٹی وی سے گفتگو کرتے ہوئے مزید کہا کہ " اسلامی جمعیت طلبہ کے کارکنوں کے قاتل متحدہ کے شہود ہاشمی (اے پی ایم ایس او کراچی کا سابق انچارج،) کو جب گرفتار کیا تو بریگیڈئر امتیاز نے دھمکی دی تھی کہ اسے رہا کردو ورنہ تمہاری وردی اتروا دونگا۔ جنرل نصیر اختر کے بارے میں انہوں بتایا کہ وہ تو اتنے کرپٹ ہیں ان کے خلاف تو میں نے اس وقت بھی آواز اٹھائی تھی۔ انہوں نے بتایا کہ صرافہ بازار کراچی سے بھارتی کرنسی اور سونا برآمد کیا تھا، جس پر ہمیں پیسوں کی آفر ہوئی لیکن ہم نے انکار کیا اور مقدمہ درج کرادیا لیکن جنرل نصیر نے مقدمہ درج ہونے کے باوجود ملزمان کو زبردستی چھڑایا تھا۔ (کیپٹل ٹاک جیو ٹی وی میں ٹیلیفونک گفتگو بدھ ۲۶ اگست، روزنامہ امت کراچی جمعرات ۲۷ اگست)

قارئین ۔بریگیڈئیر امتیاز نے ایک اور دعویٰ بھی کیا کہ " جنرل حمید گل کی ہدایت پر ایم کیو ایم کے قائد الطاف حسین کے پاس پیسوں کا بریف کیس لیکر گیا تھا اور ان کو دائیں بازو کی جماعتوں کے ساتھ مل کر الیکشن لڑنے کا کہا تھا۔ تاہم انہوں نے وہ بریف کیس واپس کردیا اور دائیں بازو کی جماعتوں کی حمایت سے انکار کردیا تھا" یہ بریگیڈئیر امتیاز کا بیان ہے۔ اس حوالے سے جب جنرل حمید گل سے رابطہ کیا گیا تو انہوں نے اس کی تردید کی اور کہا کہ " بریگیڈئیر امتیاز کو میں نے الطاف حسین کے پاس بھیجا تھا لیکن وہ کوئی سیاسی پیغام لیکر نہیں گئے تھے بلکہ الطاف حسین کو یہ بتایا تھا کہ کراچی میں بھتہ خوری، دہشت گردی اور دیگر جرائم عام ہیں اور آپ کی جماعت (ایم کیو ایم) پر ان جرائم میں ملوث ہونے کے الزامات ہیں۔ لٰہذا آپ اس طرف توجہ دیں۔" جنرل حمید گل کا کہنا تھا کہ اس حوالے سے اگر کوئی انکوائری کی جاتی ہے تو وہ اس میں اپنا بیان دینے کو تیار ہیں۔

دوسری جانب بریگیڈئیر امتیاز کے قریبی ساتھی اور اینٹی کرپشن کے سابق ڈائریکٹر ملک ممتاز کا کہنا ہے کہ " بریگیڈئیر امتیاز ایک چلا ہوا کارتوس ہیں، وہ اس وقت چاہتے ہیں کہ انہوں کوئی اسامی ملے اور وہ اپنی مہارتیں دکھا سکیں۔ یہ صاحب نیب سے سزا پا کر کر مشرف کے دور میں اڈیالہ جیل میں تھے۔ اس دوران انہوں نے کوشش کی کہ آصف زرداری کے ساتھ معافی تلافی کرکے

اچھے مراسم بنائیں۔ اب جب یہ دیکھ رہے ہیں کہ فلاں کو فلاں عہدہ مل گیا ہے، فلاں، فلاں جگہ پر چلا گیا ہے۔ ان میں وہ بھی ہیں جو کرپشن میں فرنٹ مین تھے اور آج بہت اعلیٰ پوزیشن پر ہیں تو انہوں نے کہا میرا بھی کچھ کرو، جس پر انہیں کہا گیا کہ جناب کچھ کر کے دکھاؤ، تو اب یہ کچھ کرکے دکھا رہے ہیں کہ دیکھو میں کیسے نواز شریف کو دفاعی پوزیشن میں لاتا ہوں۔" ایم کیو ایم سے بریگیڈئر امتیاز کے تعلق کے حوالے سے پوچھے گئے سوال کے جواب میں ملک ممتاز صاحب نے انکشاف کیا کہ " یہ تعلق آج کا نہیں ہے، میں جب ۱۹۹۱ میں جلا وطنی کاٹ رہا تھا لندن میں تو اس دوران الطاف حسین فرار ہو کر وہاں گئے، ہم نے سنا کہ الطاف حسین کو جہاز میں سی آف امتیاز نے کیا تھا۔ ان کا تعلق اس وقت سے تھا، ایک اور راز کی بات بتاؤں کہ لندن میں ہم ایک مظاہرہ کرنے گئے جام صادق کے خلاف تو وہاں جام صادق علی اور الطاف حسین ایک ہی جگہ موجود تھے۔ (واضح رہے کہ کراچی کا آپریشن جب شروع کیا گیا تھا تو اس وقت جام (صادق علی مسلم لیگ ن کے اہم رہنما تھے

قارئین ملک ممتاز صاحب نے اور بھی بہت سارے انکشافات کیے ہیں لیکن وہ خالصتاً بریگیڈئر (ر) امتیاز کی ذات کے حوالے سے ہیں اس لئے ہم ان کا یہاں ذکر نہیں کریں گے البتہ یہ بتاتے چلیں کہ ملک ممتاز صاحب نے انکی کرپشن کے کئی ثبوت پیش کئے ہیں۔

اب ان تمام باتوں کو سامنے رکھیں تو یہ تصویر واضح ہوتی ہے کہ ایم کیو ایم کے جرائم پیشہ اور قاتل کارکنوں کو بریگیڈئر امتیاز اور جنرل نصیر اختر نے شیلٹر فراہم کیا۔ دوسرا یہ کہ بریگیڈئر امتیاز کی ایم کیو ایم سے ہمدردی بیانوے سے قائم ہے۔ تیسرا یہ کہ بریگیڈئر امتیاز ایک کرپٹ فرد ہیں۔ چوتھی اور آخری بات یہ کہ بریگیڈئر امتیاز نے جو جو بھی انکشافات کئے ہیں تمام ذرائع اور سابق آئی ایس آئی اور آرمی افسران نے اس کی تردید کی ہے۔ جنرل ندیم ڈار نے ان کو جھوٹا قرار دیا۔ غلام مصطفٰی کھر نے ان کو مناظرے کا چیلنج دیا، جنرل حمید گل نے الطاف حسین کو رقم کی پیش کش کرنے کے بریگیڈئر امتیاز کے دعویٰ کو غلط کہا ہے اور کسی بھی انکوائری کے سامنے پیش ہونے پر آمادگی ظاہر کی ہے۔ ملک ممتاز کے مطابق انہوں نے بے انتہا کرپشن کی ہے اور ان کا ایم کیو ایم سے تعلق کم و بیش اٹھارہ سال پرانا ہے۔

ان تمام باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ بریگیڈئر امتیاز کا " ضمیر جاگنے اور سچ بولنے " کا دعویٰ غلط ہے بلکہ اس کے پس پردہ کچھ اور مقاصد ہیں اور جو مقاصد سامنے نظر آرہے ہیں ان میں سر فہرست سابق صدر مشرف کے ٹرائل سے لوگوں کی توجہ ہٹانا، بارہ مئی کے حوالے سے تحقیقات اور انکوائری کو مشکوک بنانا، اور ایم کیو ایم کو ایک جرائم سے پاک اور سیاسی گروہ ثابت کرنے کی کوشش ہے۔

انہوں نے کوشش کی ہے کہ اس طرح دیگر فوائد کے ساتھ ساتھ ایم کیو ایم کے دامن کو بھی صاف کر دیا جائے۔ لیکن ان کی یہ کوشش بری طرح ناکام ہو گئی ہے۔

اگر زندگی رہی تو اپنے اگلے کالم میں ہم بریگیڈئر امتیاز کے انٹرویو کے بعد ایم کیو ایم کے واویلہ مچانے، حساب طلب کرنے، نواز شریف پر چارج لگانے کے بعد دو ہی دن میں دوبارہ دفاعی پوزیشن پر آنا اور وضاحتیں کرنے پر بات کریں گے اور کوشش کریں گے کہ جناح پور کی حقیقت بھی بیان کریں یہاں یہ واضح رہے کہ جناح پور کا قصہ ابھی ختم نہیں ہوا ہے اور یہ کوشش ابھی تک جاری ہے

نویں تراویح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آج گیارہویں پارے سے بارہویں پارے کے ایک چوتھائی تک کی تلاوت کی جائے گی۔ شروع میں سورہ توبہ کے بقیہ ساڑھے پانچ رکوع پڑھے گئے جن میں جنگ تبوک کے موقع پر منافقین نے جو طرز عمل اختیار کیا اور بعض ایسے مسلمانوں کا جو تھے تو مخلص مگر سستی اور کاہلی کی بناء پر جنگ میں شرکت سے پیچھے رہ گئے، ان سب کا ذکر کیا ہے۔ پہلے یہ بیان کیا گیا کہ جب تم تبوک کے سفر سے واپس لوٹو گے تو یہ منافقین اپنے رویہ کے بارے میں تمہیں مطمئین کرنے کے لئے گھڑے ہوئے عذر پیش کریں گے۔ ان سے صاف کہہ دینا کہ ہم تمہارے یہ من گھڑت بہانے ماننے والے نہیں۔ اب اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے عمل کو دیکھیں گے۔ تم اپنے عمل سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرو کہ تم واقعی اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان رکھتے ہو۔ ابھی تو اسلام سے انکی بدخواہی کا یہ حال ہے کہ اول تو یہ اس کے راستے میں کچھ خرچ ہی نہیں کرتے اور اگر حالات سے مجبور ہو کر کچھ کرنا بھی پڑے تو اسے اپنے اوپر زبردستی کا جرمانہ سمجھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ مسلمانوں پر ایسی کوئی گردش آجائے کہ جس سے ان کی جان ان سے چھوٹ جائے حالانکہ حقیقت میں گردش خود ان

(پر ہے اور گردش بھی بہت بری (یعنی آخرت میں نجات سے محرومی
کچھ دوسرے لوگ تھے جنھوں نے اپنے گناہ کا اعتراف کرلیا تھا، فرمایا ان کی نیکیاں اور برائیاں دونوں طرح کی کمائی ہے امید ہے کہ اللہ اپنی رحمت فرمائے گا۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! آپ ان سے صدقہ لیکر انہیں پاک بنا دیجئے اور ان کے لیے دعا کیجئے۔ آپ کی دعا ان کے لیے تسکین کا سامان بنے گی۔ اور ان سے یہ بھی کہہ دیجئے اب اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مومنین تمہارے طرز عمل کو دیکھیں گے اور بہر حال تم عنقریب اللہ کے حضور پیش کئے جانے والے ہو۔
منافقوں میں وہ بھی ہیں جنھوں نے ایک مسجد بنائی ہے اسلام کو نقصان پہنچانے، اہل ایمان میں پھوٹ ڈالنے اور ان لوگوں کے لیے ایک خفیہ اڈا فراہم کرنے کے لیے جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے جنگ کرچکے ہیں آپ اس میں کبھی کھڑے نہ ہوں۔آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے کھڑے ہونے کے لئے وہ مسجد زیادہ حق دار ہے جس کی بنیاد اول دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے۔
نفاق پر بنائی ہوئی عمارت کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے سمندر میں نکلی ہوئی

گگر پر عمارت بنائی ہوئی ہو اور وہ کسی بھی وقت اپنے رہنے والوں سمیت دوزخ میں گر جائے گی۔

بے شک اللہ نے اہل ایمان سے ان کے جان و مال جنت کے بدلے میں خرید لئے ہیں وہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہوئے مارتے بھی ہیں اور مارے بھی جاتے ہیں، جنت کا وعدہ اللہ کے ذمہ ایک سچا وعدہ ہے توریت میں بھی، انجیل میں بھی اور اب قرآن میں بھی۔ اللہ سے جنت کا یہ سودا کرنے والے دراصل ہمیشہ توبہ کرتے رہنے والے، عبادت گزار، شکر گزار، اپنی اصلاح اور دین کا علم حاصل کرنے کے لئے گھروں سے نکلنے والے، اللہ کے آگے جھکنے والے، نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے لوگ ہیں۔ یہی سچے مومن ہیں ایسے مومنوں کو خوشخبری سنا دیجئے۔

سورہ ختم کرتے وقت مسلمانوں کو بعض اہم ہدایات دی گئ ہیں پہلی یہ ہدایت فرمائی کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل ایمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ مشرکین کے لیے اللہ سے مغفرت کی دعا مانگیں۔ چاہے وہ ان کے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔ اس ہدایت کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو شرک کے ہر شائبہ سے پاک کرکے صرف اللہ کے لیے جینے اور اللہ کے لیے مرنے کے مقصد پر قائم کردیا جائے اور حق کے سوا اور کسی طبع کی حمیت کا شائبہ بھی ان میں باقی نہ

رہنے دیا جائے، کیوں کہ صرف رشتہ داری اور تعلق کی بناء پر جو حمایت ہوتی ہے اسی میں نفاق اور کفر کی راہیں کھلتی ہیں۔ جن مسلمانوں کا سستی اور کاہلی کے سبب جو جنگ تبوک میں پیچھے رہ جانے پر بائیکاٹ کیا گیا تھا ان کی توبہ کی قبولیت کی بشارت سنائی گئی اور اہل مدینہ اور بدوؤں میں سے جو تائب ہو گئے ان کو نصیحت کی کہ ہمیشہ سچ اور حق کے لیے جینے والوں سے خود کو وابستہ رکھو تاکہ انکی صحبت میں رہ کر تمہاری کمزوریوں کی اصلاح ہو سکے۔

سورہ یونس میں قریش کی اس حالت پر افسوس کا اظہار کیا کہ اللہ نے انہی میں سے ایک شخص پر یہ کتاب حکمت اتاری، چاہئے تو یہ تھا کہ وہ اس کی قدر کرتے اور ایمان لاتے، اللہ سرکش لوگوں کو ڈھیل دیتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ رحمت کرنے میں جلدی کرتا ہے لیکن قہر کرنے میں جلدی نہیں کرتا۔ وہ ایسے لوگوں کو موقع دیتا ہے کہ وہ سرکشی میں اچھی طرح بھٹک لیں تاکہ کوئی حسرت باقی نہ رہ جائے اور اللہ کی حجت تمام ہو جائے ورنہ وہ جب چاہے انکا قصہ پاک کر دے۔ یہ پچھلی امتوں کے انجام سے سبق کیوں نہیں لیتے؟

قریش کا ایک مطالبہ یہ تھا کہ اس قرآن کے علاوہ کوئی دوسرا قرآن لاؤ جس میں کچھ ہماری باتیں بھی مانی جائیں یا اب ترمیم کر لو اور کچھ دو اور کچھ لو کے اصول پر معاملہ کر لو۔اس کا جواب دیا گیا کہ " آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

بتا دیجئے کہ مجھے ترمیم یا تبدیلی کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ یہ تو اللہ کے احکام ہیں جن کی تعمیل کے لیے میں آیا ہوں اگر اللہ کا حکم نہ ہوتا تو میں ہرگز اسے پیش نہ کرتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی کہ جن کے اندر صلاحیت ہے وہ اس کتاب پر ایمان لا رہے ہیں۔ رہے وہ لوگ جو اندھے اور بہرے بن چکے ہیں تو یہ خود اپنے اعمال کی بدولت اس حال کو پہنچے ہیں اللہ نے ان کے ساتھ کوئی ناانصافی نہیں کی۔ جس عذاب اور آخرت کی ان کو دھمکی دی جارہی ہے اس کے لیے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ جلدی کیوں نہیں آجاتی؟ حالانکہ جب وہ آجائے گی تو محسوس کریں گے کہ ایک گھڑی سے زیادہ ہم نے دنیا میں وقت نہیں گزارا حقیقت یہ ہے کہ ہر امت کے لیے ایک پیمانہ مقرر ہے، جب وہ پیمانہ بھر جائے گا تو اس کو ایک منٹ کی بھی مہلت نہیں ملے گی۔ اگر یہ اتنی جلدی مچائے ہوئے ہیں تو ان سے پوچھو کہ اللہ کے عذاب کا مقابلہ کرنے کے لیے انہوں نے کیا سامان تیار کر رکھا ہے، اس وقت تو ان کا ایمان لانا بھی بیکار ہوگا۔ یہ لوگ آخر اپنی شامت کیوں بلا رہے۔ اللہ کی اس عظیم نعمت اور رحمت کو کیوں نہیں اختیار کرتے جو قرآن کی شکل میں نازل ہوئی ہے اور جس کے آگے دنیا کے خزانے ہیچ ہیں۔

سورہ ہود کے چار رکوع پڑھے گئے ان میں بطور تمہید قرآن کی یہ خصوصیت بیان

کی گئی کہ لوگوں کو تعلیم و تربیت کے لیے اللہ نے اس کو اس شکل میں اتارا ہے کہ پہلے صرف اصول اور بنیادی باتیں جچے تلے انداز میں بیان کی گئیں، یعنی ابتدائی مکی سورتیں پھر بتدریج تفصیلات بیان ہوئیں

تمہیدی جملوں کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے اس پیغام کی وضاحت کی گئی کہ یہ اللہ واحد کی بندگی اور توبہ استغفار کی دعوت ہے اور میں اللہ کی طرف سے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا گیا ہوں جو لوگ استغفار کرکے اللہ واحد کی طرف رجوع کرلیں گے اللہ ایک مقررہ مدت تک ان کو زندگی کی نعمتوں اور اپنے فضل سے مالا مال کرے گا اور جو لوگ اس سے منہ موڑیں گے ان کے لیے بڑے عذاب کا دن سامنے ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی (دنیا میں عذاب سے مراد اسلام کے مقابلے میں شکست کی پیش گوئی ہے) جزا اور سزا کے منکرین کو اور عذاب کا مزاق اڑانے والوں کو تنبیہہ کی کہ یہ دنیا بچوں کا کھیل نہیں ہے اللہ نے اسے اس لئے بنایا ہے کہ وہ دیکھے کہ لوگ کیسا عمل کرتے ہیں .

انسان کا عجیب حال ہے کہ جب اللہ کی پکڑ میں آجاتا ہے کہ تو بالکل مایوس اور دل شکستہ ہوجاتا ہے لیکن جب اللہ ڈھیل دیتا ہے تو وہ اکڑنے لگتا ہے اور شیخی بگھارنے لگتا ہے۔ تھوڑے ہی لوگ ایسے نکلتے ہیں جو مصیبت میں صبر اور

نعمت میں شکر کی روش اختیار کرتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے لئے اللہ کے ہاں مغفرت اور اجر عظیم ہے۔

بتایا گیا کہ ایمان کی توفیق صرف ان لوگوں کو ملے گی جن کی فطرت مسخ نہیں ہوئی اور وہ قرآن کو اپنے دل کی آواز سمجھیں گے۔ رہے وہ لوگ جن کی فطرت کا نور بجھ گیا ہے تو وہ دوزخ کو دیکھ کر ہی قائل ہونگے۔ ان دونوں گروہوں کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک گروہ اندھوں اور بہروں کا ہو اور دوسرا گروہ آنکھیں اور کان رکھنے والوں کا، کیا یہ دونوں گروہ برابر ہو سکتے ہیں؟

حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کی سرگزشت سنائی جس میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا گیا کہ نوح علیہ السلام کو بھی ان ہی کی طرح قوم کی طرف بھیجا گیا تھا اور ان کی قوم نے بھی وہی کیا تھا جو آپ کی قوم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کر رہی ہے بالآخر ان پر اللہ کا عذاب آیا اور وہ سب طوفان میں غرق کر دیئے گئے۔ اگر یہ لوگ باز نہ آئے تو ان کا انجام بھی انہیں جیسا ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ گھبرائیں اللہ آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو سرخرو کرے گا شرط یہی ہے کہ ساری مخالفتوں کا باوجود سیدھے راستے پر جمے رہیں۔ (حضرت نوح علیہ السلام کتنے زمانے (یعنی ۹۵۰ برس تک صبر کرتے رہے۔

آج کی تراویح کا بیان ختم ہوا۔ اللہ سے دعا ہے کہ اللہ ہمیں قرآن پڑھنے اس کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین ۔ اللہ اس قرآن کی برکتوں سے ہمارے ملک اور شہر کے حالات بہتر بنائے آمین

تحریر: مولانا محی الدین ایوبی

دسویں تراویح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آج بارہویں پارے کی چوتھائی سے تیرہویں پارے کے آدھے تک کی تلاوت کی جائے گی۔

نوح علیہ السلام کی قوم کا انجام بیان کرنے کے بعد اب ہود علیہ السلام کی قوم عاد اور صالح علیہ السلام کی قوم ثمود کے عبرت انگیز انجام کو بتایا تاکہ قریش کو عبرت اور قیامت تک آنے والے سرکش لوگوں کو نصیحت ہو۔ پھر لوط علیہ السلام کی قوم کا ذکر کیا اس مناسبت سے کہ قریش فرشتوں کے اتارے جانے کا مطالبہ کر رہے تھے بتایا کہ فرشتوں کا آنا کوئی معمولی واقعہ نہیں ہوتا وہ جب کافر قوموں کے مطالبہ پر آتے ہیں تو اپنے ساتھ عذاب لاتے ہیں پھر حضرت شعیب علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات کا ذکر کرتے ہوئے ان قصوں کو بیان کرنے کا موقعہ ان لفظوں میں واضح کیا۔

" یہ بستیوں کے کچھ حالات ہیں جو ہم تمہیں سنا رہے ہیں ان میں کچھ ابھی قائم ہیں اور کچھ مٹ چکی ہیں ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا تو ان کے بناوٹی خدا جن کو وہ اللہ کے سوا پکارتے تھے

تیرے رب کا عذاب آنے پر ان کے کچھ کام نہ آئے، تیرے رب کی پکڑ جب وہ بستیوں کو ان کے ظلم میں پکڑتا ہے تو اسی طرح ہوتی ہے بے شک اس کی پکڑ بڑی ہی دردناک اور سخت ہے" ہم رسولوں کی سرگزشتوں میں سے ایک تم کو سنا رہے ہیں تاکہ تمہارے دل کو تقویت ہو اور ان کے حالات کا صحیح علم ہو سکے اور مومنوں کے لئے ان میں نصیحت اور یاد دہانی ہے۔

اب سورہ یوسف شروع ہوتی ہے۔اس کے نزول کا سبب یہ ہوا کہ قریش حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے یا جلاوطن کرنے یا قید کرنے کے متعلق بڑی سنجیدگی سے سوچ رہے تھے کہ مدینہ کے یہودیوں نے انہیں پٹی پڑھائی کہ ان سے یہ پوچھو کہ بنی اسرائیل تو شام میں رہتے تھے وہ مصر کیسے چلے گئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سارا قصہ مصر سے تعلق رکھتا ہے۔ان کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی نہ کسی طور یہودیوں سے رابطہ کرکے یہ بات معلوم کرنے کی کوشش کرتے تو گویا سارا پول کھل جاتا اور قریش کو سزا دینے کا موقع مل جاتا مگر اللہ تعالیٰ نے فوراً ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ سنا دیا اور ساتھ ہی اسے قریش پر چسپاں بھی کر دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کچھ بھی بیان کرتے ہیں وہ اللہ کی بتائی ہوئی باتیں ہیں اس طرح گویا انہیں متنبہ بھی کر دیا کہ یہی انجام تمہارا بھی ہونے والا ہے کہ تم ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ـکے رحم و کرم پر ہوگے

اسی واقعہ میں اللہ نے اسلام کی دعوت کو پیش کرتے ہوئے واضح کردیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام، اور حضرت یوسف علیہ السلام کا دین بھی وہی تھا جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے اور وہ سب بھی اسی طریق زندگی کی دعوت دیتے تھے جس کی دعوت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دے رہے ہیں۔ اللہ نے اس قصہ میں ایک طرف حضرت یعقوب علیہ السلام، اور حضرت یوسف علیہ السلام کا کردار پیش کیا ہے تو دوسری جانب عزیز مصر، اس کی بیوی، مصر کے دوسری بڑے گھرانوں کی بیگمات، اور حکام مصر کا کردار پیش کیا ہے اور دونوں میں مقابلہ کرکے دکھایا ہے کہ " ایک طرح کا کردار وہ ہے جو اسلام قبول کرکے بنتا ہے اور دوسرا کردار وہ ہے جو دنیا پرستی اور آخرت سے بے خوفی سے پیدا ہوتا ہے، اب تم خود اپنے ضمیر سے پوچھ لو کہ کون سا کردار بہتر ہے"۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بات بھی سامنے رکھ دی کہ دراصل اللہ تعالیٰ جو کچھ کرنا چاہتا ہے وہ پورا ہو کر رہتا ہے انسان اپنی تدبیروں سے اس کے منصوبوں کو روکنے میں کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا بلکہ انسان اپنے منصوبہ کے لئے تدبیر اختیار کرتا ہے اللہ چاہتا ہے تو اس کی تدبیر کے ذریعے اپنا منصوبہ پورا کرلیتا ہے۔ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حضرت یوسف کو اپنے راستے سے ہٹانے کے لئے کنوئیں میں پھینک دیا مگر یہ کنواں ان کے عروج کا سبب

بن گیا۔

اسی طرح عزیز مصر کی بیوی زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کو قید خانہ بھجوا کر اس بات کا انتقام لیا کہ انہوں نے غلام ہونے کے باوجود اس کی خواہش کو پورا کرنے سے انکار کر دیا تھا، مگر یہ قید خانہ انکے تخت سلطنت پر بیٹھنے کا ذریعہ بن گیا اور اسے علی الاعلان ایک دن اپنی بے حیائی اور جرم کا اعتراف کرنا پڑا، یہ اور اسی طرح کے بے شمار تاریخی واقعات اس حقیقت کا اعلان کرتے ہیں کہ اللہ جسے اٹھانا چاہتا ہے اسے ساری دنیا مل کر بھی نہیں گرا سکتی، اسی طرح اللہ جسے گرانا چاہے اسے ساری دنیا مل کر بھی نہیں اٹھا سکتی۔

سورہ یوسف سے پہلا سبق انسان کو یہ ملتا ہے کہ اسے اپنے مقاصد اور تدبیر دونوں میں اللہ کی مقرر کردہ حدود سے آگے نہیں بڑھنا چاہئے، کامیابی اور ناکامی دراصل اللہ کے ہاتھ میں ہے جو شخص پاک مقصد کے لئے سیدھی سیدھی جائز تدبیریں اختیار کرے گا اگر وہ یہاں کامیاب نہ بھی ہو تو کسی رسوائی سے دوچار نہیں ہوگا، لیکن جو شخص ناپاک مقصد کے لیے اور ٹیڑھی تدبیر کرے گا وہ آخرت میں یقیناً رسوائی سے دوچار ہوگا۔

دوسرا سبق اس قصہ سے یہ ملتا ہے کہ اللہ پر پورا بھروسہ رکھو اور اپنے آپ کو اس کے سپرد کردو جو لوگ حق اور سچائی کے لئے کوشش کرتے ہیں چاہے دنیا انہیں مٹانے پر تل جائے تب بھی وہ اس بات کو سامنے رکھتے ہیں کہ سب کچھ اللہ تعالی کے ہاتھ میں ہے اس یقین سے انہیں غیر معمولی تسکین ملتی ہے اور وہ تمام مشکلات اور رکاوٹوں کے مقابلہ میں اپنا کام برابر کرتے چلے جاتے ہیں۔

سب سے بڑا سبق اس قصہ سے یہ ملتا ہے کہ ایک مومن اگر حقیقی اسلامی سیرت اور کردار رکھتا ہو اور حکمت کی صفت بھی اس میں ہو تو وہ تنہا بھی سارے ملک کو فتح کرسکتا ہے۔ یوسف علیہ السلام کو دیکھئے ۱۷ برس کی عمر تن تنہا، بے سروسامان، اجنبی ملک اور پھر کمزوری کی انتہا یہ کہ غلام بنا کر بیچے گئے، اس پر مزید ظلم یہ کہ ایک انتہائی گھناؤنے اخلاقی جرم کا الزام لگا کر جیل میں بند کردیا گیا جس کی کوئی میعاد بھی نہیں تھی، اس حالت تک گرا دیے جانے کے باوجود وہ محض اپنے ایمان اور اخلاق کے بل پر اٹھتے ہیں اور سارے ملک کا اقتدار سنبھال لیتے ہیں۔

جب حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب کی تعبیر پوری ہوتی ہے تو ماں باپ مصر پہنچ جاتے ہیں اور وہ ماں باپ کو اٹھا کر اپنے ساتھ تخت پر بٹھاتے ہیں اور

تمام لوگ جن میں ان کے بھائی بھی شامل ہیں، تعظیماً ان کے سامنے جھک جاتے ہیں تو حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنا خواب یاد آجاتا ہے اور وہ اپنے والد سے کہتے ہیں کہ " ابا جان یہ ہے میرے اس خواب کی تعبیر جس میں مَیں نے سورج، چاند، اور گیارہ ستاروں کو سجدہ کرتے دیکھا تھا۔

اس پر بھی کسی فخر یا بڑائی کو ظاہر کرنے کے بجائے اللہ کے آگے عاجزی اور شکر کا اظہار کرتے ہیں، فرماتے ہیں " اے میرے رب ! حکومت بھی تو نے ہی عطا فرمائی اور خوابوں کی تعبیر کا علم بھی تو نے بخشا اے آسمانوں اور زمین کے خالق ! دنیا اور آخرت دونوں میں میرا کارساز اور مددگار تو ہی ہے۔ مجھے اسلام پر وفات دینا اور مجھے صالحین کے زمرے میں داخل کرنا "

سورہ یوسف کے بعد سورہ رعد کے دو رکوع میں بتایا گیا کہ یہ کتاب الٰہی کی آیات ہیں ہوائی باتیں نہیں ہیں کہ ان کی ہر بات ایک حقیقت ہے اور جن باتوں کی خبر دی جاری ہے وہ ایک ایک کرکے پوری ہو کر رہیں گے لیکن اکثر لوگ ضد پر اڑے ہوئے ہیں ایسے لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ پھر کائنات کی ان نشانیوں کی طرف توجہ دلائی جو قرآن کی بیان کردہ حقیقتوں کو واضح کرنے والی ہیں اور یہ ایمان دلانے کے لئے کافی ہیں کہ ایک روز اس کے سامنے پیش ہونا ہے، ہر کھلی اور ڈھکی چیز سے وہ واقف ہے ہر شخص کے آگے اور پیچھے اس کے مقرر کئے ہوئے

نگران لگے ہوئے ہیں جو اللہ کے حکم سے اس کی دیکھ بھال کر رہے ہیں۔
قوموں کی تبدیلی کے بارے میں حقیقت ہے کہ اللہ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا، جب تک وہ اپنے اوصاف کو نہیں بدل دیتی اور جب اللہ کسی قوم کی شامت لانے کا فیصلہ کرلے تو پھر کسی کے ٹالے نہیں ٹل سکتی کیا اللہ کے مقابلہ میں کوئی کسی کا مددگار ہو سکتا ہے؟ حق و باطل کی کشمکش کو عجیب مثال سے سمجھایا کہ اللہ نے ششآسمان سے پانی برسایا اور ندی نالے اپنے ظرف کے مطابق اسے لیکر چل نکلے پھر جب سیلاب اٹھا تو سطح پر جھاگ بھی آگئے اور ایسے ہی جھاگ ان دھاتوں پر بھی اٹھتے ہیں جنہیں زیور اور برتن بنانے کے لئے پگھلایا کرتے ہیں جو جھاگ ہے یعنی باطل وہ آخر اڑ جایا کرتا ہے اور جو چیز انسان کے لیے نفع بخش ہے یعنی حق وہ زمین میں ٹھہر جاتی ہے اس طرح اللہ مثالوں سے اپنی بات سمجھاتا ہے۔
آج کی تراویح کا بیان ختم ہوا۔دعا ہے کہ اللہ ہمیں قرآن پڑھنے،اس کو سمجھنے،اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔ اللہ اس قرآن کی برکت سے ہمارے ملک اور شہر حالات بہتر بنائے آمین
تحریر : مولانا محی الدین ایوبی

گیارہویں تراویح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آج کی تراویح، میں تیرہویں پارے کے نویں رکوع سے چودہویں پارے کے اٹھارویں رکوع تک تلاوت کی گئی۔ سب سے پہلے قرآن کی دعوت قبول کرکے اللہ کے راستے پر چل کھڑے ہونے والوں کے لیے انجام کار میں کامیابی کی بشارت سنائی اور اس کے مخالفت و مزاحمت کرنے والوں پر اللہ کی لعنت کی خبر دی۔ پھر اس شبہ کا جواب دیا کہ اگر اللہ کی تمام عنایتوں کے حق دار صرف اہل ایمان ہی ہیں تو وہ لوگ کیوں رزق و فضل کے مالک بنے بیٹھے ہیں جو دن رات اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت میں سرگرم ہیں۔ فرمایا اللہ جس کے لئے چاہتا ہے رزق کے دروازے کھول دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگ کردیتا ہے۔ جس کے لیے وہ کشادہ کرتا ہے اس سے چاہتا ہے کہ وہ اپنے رب کا شکر گزار بندہ بنے اور جس کے لئے تنگ کرتا ہے اس سے چاہتا ہے کہ وہ صبر کرے اسی صبر و شکر پر دین کی ساری عمارت کھڑی ہے۔ جو لوگ اس دنیا کے کنکر پتھر پا کر غرور میں آخرت کو بھلا بیٹھے ہیں وہ جب آخرت کے دن صابرین و شاکرین کے اجر کو دیکھیں گے تب انہیں اندازہ ہوگا کہ نہایت ہی حقیر چیز کے لئے انہوں نے آخرت کی بادشاہت کھو دی۔

کفار کے بار بار کے اس مطالبہ پر کہ کوئی زبردست ایسا معجزہ دکھایا جائے کہ مانے بغیر چارہ ہی نہ رہے واضح کیا گیا کہ کائنات اور خود انسان کی زندگی میں جو دلیلیں اور نشانیاں اللہ نے رکھی ہیں جن لوگوں کا اطمینان ان سے نہیں ہوتا وہ دنیا جہاں کے معجزے بھی دیکھ لیں تو بھی اندھے ہی رہیں گے کیونکہ ایمان و ہدایت کا راستہ اللہ کے کلام اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتوں پر غور کرنے سے ہی کھلتا ہے۔ شرک اور اللہ کے ساتھ ٹھہرائے ہوئے شریکوں کی حقیقت بیان کی کہ ان کی کوئی بنیاد نہیں یہ محض من گھڑت باتیں ہیں اس فریب میں مبتلا ہو کر جنھوں نے اللہ کے راستے سے منہ موڑا وہ اس دنیا میں بھی عذاب سے دوچار ہونگے اور آخرت کا عذاب تو اس سے کہیں زیادہ سخت ہوگا کوئی شفیع یا شریک وہاں انہیں بچانے والا نہ ہوگا۔

سورہ رعد میں اللہ تعالیٰ نے شرک اور اسلام کے فرق کو بہترین مثال سے واضح فرمایا کہ شرک کے جس نظام پر تم زندگی بسر کر رہے ہو (کہ اپنے من مانے احکام چلا رہے ہو) اس کی کوئی بنیاد نہ زمین پر ہے نہ آسمان میں۔ اس کی مثال گندگی کے ڈھیر پر اگے ہوئے ایک ناپاک اور کانٹے دار پودے کی ہے جو ذرا

سی حرکت سے اکھاڑ پھینکا جاسکتا ہے۔ اگر یہ اب تک برقرار ہے تو اس وجہ سے کہ ابھی ایسا کوئی ہاتھ نہیں آیا جو اسے اکھاڑ پھینکے اب اللہ نے وہ ہاتھ پیدا کردئے ہیں تو تم دیکھو گے کہ کتنی جلدی سارا قصہ پاک ہو جائے گا۔

اس کے مقابلہ میں اسلام کی دعوت کی مثال ایک پاکیزہ پھلدار درخت کی سی ہے جس کی جڑیں پاتال میں اتری ہوئی ہیں اور شاخیں آسمان میں پھیلی ہوئی ہیں، اللہ تعالی اہل ایمان کو دنیا میں مضبوط اور مستحکم کرے گا اور آخرت میں بھی سرخروئی بخشے گا بشر طیکہ وہ صبر اور استقامت کے ساتھ حق پر ڈٹے رہیں اور اس راہ میں پیش آنے والی آزمائش کا اللہ پر بھروسہ رکھتے ہوئے مقابلہ کریں۔ اس حقیقت کو تاریخ کی روشنی میں واضح کرنے کے لئے حضرت موسٰی علیہ السلام اور دوسرے انبیاء کرام کے وہ واقعات پیش کئے جن سے اس پہلو پر روشنی پڑتی ہے کہ صبر کرنے والے اور راہ حق پر ڈٹے رہنے والے غالب آئے، مخالفین تباہ کردیئے۔ لیکن یہ بھی بتایا کہ غلبہ انہی کو حاصل ہوگا جو پہلے مرحلے میں صبر واستقامت دکھائیں۔

مخالفین اسلام کا آخرت میں جو حشر ہوگا اس کو بیان کیا کہ ان کا سارا کیا دھرا خاک اور راکھ ہو کر اڑ جائے گا اور لیڈر اور ان کے پیرو سب ایک دوسرے پر لعنت کریں گے یہاں تک کہ شیطان بھی اپنی پیروی کرنے والوں سے اپنی جدائی

کا اعلان کردے گا اور کہے گا " بس میں نے تو تمہیں صرف اپنی طرف بلایا تھا یہ تو تم ہی تھے کہ میری بات مان لی اب مجھے ملامت مت کرو۔ نہ میں تمہارے کچھ کام آسکتا ہوں نہ تم میرے کچھ کام آسکتے ہو۔ بے شک یہ اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والوں کا انجام دردناک عذاب ہے۔

قریش کے لیڈروں کو تنبیہہ کی کہ انہوں نے اللہ کی بخشی ہوئی نعمتوں کو کفر اور شرک کا ذریعہ بنا لیا ہے اور اس طرح قوم کو جہنم کے گھاٹ پر لا کھڑا کیا ہے۔ اس میں آج کے لیڈروں کے لیے بھی نصیحت ہے کاش وہ قرآن کو سمجھیں۔

مسلمانوں کو نصیحت کی گئی کہ وہ نماز کا اہتمام کریں اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا کیا ہے اس میں سے چھپا کر بھی اور اعلانیہ بھی خرچ کریں اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس میں نہ کوئی خرید وفروخت ہوگی اور نہ دوستی کام آئے گی۔ اللہ کو ان ظالموں کے کرتوت سے بے خبر نہ سمجھو وہ ان کو بس اسی دن کے لیے ٹال رہا ہے جس دن نگاہیں پھٹی رہ جائیں گی اور وہ سر اٹھائے ہوئے بھاگ رہے ہونگے۔ ٹکٹکی بندھی ہوگی اور ان کے دل اڑے ہوئے ہونگے۔۔۔۔اور وہ فریاد کریں گے۔۔۔۔۔ "اے ہمارے رب ہمیں تھوڑی سی مہلت اور دے دے ہم تیری دعوت کو قبول کرلیں گے اور رسولوں کی پیروی کریں گے۔۔۔ " اللہ غالب اور انتقام کی قدرت رکھنے والا ہے۔۔۔۔۔ اس دن کو یاد رکھو جس دن یہ زمین دوسری زمین سے

ہے اپنے حکم سے ملائکہ کے ذریعہ نازل فرما دیتا ہے کہ آگاہ کرو میرے سوا کوئی معبود نہیں لہٰذا تم مجھ سے ہی ڈرو۔ اس نے آسمان وزمین کو برحق پیدا کیا ہے اور اس نے انسان کو زرا سی بوند سے پیدا کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ صریحاً ایک جھگڑالو ہستی بن گیا اور ان تمام نشانیوں کو نظر انداز کر دیا کہ اللہ نے اس کی خوراک اور طرح طرح کے بے شمار فائدوں کے لئے جانور پیدا کئے۔

سمندر میں عظیم الشان اور پر خطر چیز کو اس کے لئے مسخر کر دیا تو کیا وہ جس نے ان چیزوں کو پیدا کیا اور وہ جو کچھ بھی نہیں پیدا کرتے دونوں برابر ہیں؟؟ وہ جنہیں لوگ اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہیں خود مخلوق ہیں، مردہ ہیں نہ کہ زندہ اور ان کو کچھ معلوم نہیں کہ کب دوبارہ زندہ کرکے اٹھایا جائے گا۔

ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیج دیا اور اس کے ذریعے سے سب کو خبردار کر دیا کہ اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت کی بندگی سے بچو۔ اس کے بعد ان میں سے کسی کو اللہ نے ہدایت بخشی اور کسی پر گمراہی مسلط ہو گئی۔ زرا زمین پر چل پھر کر دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہو چکا ہے؟

کیا یہ لوگ اللہ کی پیدا کی ہوئی کسی چیز پر بھی غور نہیں کرتے کہ اس کا

سایہ کس طرح اللہ کے حضور سجدہ کرتے ہوئے دائیں اور بائیں گرتا ہے؟ سب کے سب اسی طرح اپنی عاجزی کا اظہار کرتے ہیں۔ زمین اور آسمان میں جس قدر جاندار مخلوقات ہیں اور جتنے ملائکہ ہیں سب اللہ کے آگے سربسجود ہیں وہ ہرگز سرکشی نہیں کرتے، اپنے رب سے جو ان کے اوپر ہے ڈرتے ہیں اور جو کچھ حکم دیا جاتا ہے اس ہی کے مطابق کام کرتے ہیں۔ آخرت کے انجام سے بے خوف رہنے والوں کو آگاہ کیا کہ اگر کہیں اللہ لوگوں کو ان کی زیادتیوں پر فوراً پکڑ لیتا تو روئے زمین پر کسی جاندار کو زندہ نہ چھوڑتا لیکن وہ تو سب کو ایک مقررہ مہلت دیتا ہے پھر وقت آجاتا ہے تو گھڑی بھر آگے پیچھے نہیں ہو سکتا۔

ان منکروں کو کچھ ہوش بھی ہے کہ اس روز کیا بنے گا جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ کھڑا کریں گے پھر منکروں کو نہ حجتیں پیش کرنے کا موقع دیا جائے گا نہ توبہ واستغفار کا اور نہ ان کے عذاب میں کوئی کمی کی جائے گی۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں اس دن سے خبردار کردیجئے جب آپ کو انکے مقابلے میں شہادت کے لئے کھڑا کیا جائے گا۔ یہ اسی شہادت کی تیاری ہے کہ ہم نے یہ کتاب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کردی ہے۔ جو ہدایت، رحمت، اور بشارت ہے ان لوگوں کے لیے جنھوں نے سرتسلیم خم کردیا۔

آج کی تراویح کا بیان ختم ہوا۔ دعا ہے کہ اللہ ہمیں قرآن کو پڑھنے، سمجھنے،

اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ۔ اللہ اس قرآن کی برکتوں سے ہمارے ملک اور شہر کے حالات تبدیل فرمائے آمین

تحریر : مولانا محی الدین

کراچی آپریشن الطاف حسین کی مرضی سے ہوا

قارئین کرام اس وقت میڈیا میں بریگیڈئر (ر) امتیاز کے "مبینہ انکشافات" کے بعد سے ایک پنڈورا بکس کھل گیا ہے، اس حوالے سے ہم نے مضامین لکھنے شروع کئے تھے اور یہ سلسلہ جاری تھا کہ ایک مہربان نے "حق کا سفر" شروع کیا تو ہم نے سوچا کہ اس حق کے سفر میں کچھ حقائق ہم بھی لوگوں تک پہنچا دیں۔ یہ واضح رہے کہ ہم یہ باتیں اپنی جانب سے نہیں کہہ رہے بلکہ "مہربانوں" کی خواہش اور مرضی کے مطابق "آزاد میڈیا" پر آنے والی باتیں ہیں۔ اس سلسلہ کی پہلی کڑی حاضر ہے۔

پاکستان مسلم لیگ (ن) کے رہنما محمد صدیق الفاروق نے کہا ہے کہ 92ء میں کراچی اور حیدر آباد میں فوجی آپریشن ایم کیو ایم کے قائد الطاف حسین کی مرضی سے شروع کیا گیا۔ اس وقت ایم کیو ایم صوبائی حکومت میں شامل تھی۔ اس وقت کے چیف آف آرمی سٹاف جنرل آصف نواز جنجوعہ نے وزیر اعظم محمد نواز شریف سے اس کی منظوری نہ لی۔ وزیر اعظم نے سندھ کے عوام کو ڈاکو راج سے بچانے کے لئے فوج کو کارروائی کا حکم دیا تو الطاف حسین نے اس وقت کے کور کمانڈر لیفٹیننٹ جنرل نصیر اختر کی حمایت سے کراچی اور حیدر آباد کو بھی اس ایکشن میں شامل کرالیا۔ اس کا مقصد ایم کیو ایم کی صفوں سے اپنے مخالفین ختم

کرانا تھا اور اسی مقصد کے لے انہوں نے 89 افراد کی لسٹ حکومت کے حوالے کردی۔ یہ بات انہوں نے منگل کو لاہور میں ایک نیوز کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہی۔ انہوں نے کہا کہ جب جنرل آصف نواز کے سامنے الطاف حسین کے حکم پر میجر کلیم کے اغواء اور تشدد جیسے واقعات اور ٹارچر سیلوں جیسے گھناؤنے واقعات آئے تو الطاف حسین خوفزدہ ہو کر جنرل آصف نواز سے معاملات طے کرکے لندن چلے گئے جہاں انہیں انتہائی مختصر عرصے میں برطانوی شہریت کا تحفہ مل گیا۔ کراچی ایئرپورٹ سے لندن جاتے وقت الطاف حسین نے یہ بیان بھی جاری کیا کہ وہ" سیاست سے ہمیشہ کے لئے دستبردار ہو گئے ہیں"۔ صدیق الفاروق نے یاد دلایا کہ ایم کیو ایم کی حکومت کے ہاتھوں کراچی میں 12 مئی 2007ء کو قتل عام اور عدالتوں سمیت اہم شاہراہوں کی ناکہ بندی اور جلاؤ گھیراؤ کے سلسلے میں سندھ ہائیکورٹ نے الطاف حسین، پرویز مشرف اور اس کے مشیر داخلہ وسیم اختر کو عدالت میں پیش ہونے کے نوٹس جاری کردیے ہیں جس سے بچنے کے لیے الطاف حسین نے لندن میں بیٹھ کر نواز شریف کے خلاف جھوٹ بولنا اور واویلا کرنا شروع کر دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ الطاف حسین پاکستان کے شہری ہیں اس لیے 19 سالہ خودساختہ جلاوطنی ختم کرکے فی الفور پاکستان واپس آئیں اور عدالتوں کا سامنا کریں اگر انہیں کراچی میں جان کا خطرہ ہے تو پنجاب میں انہیں ہر طرح کا تحفظ دیا جا سکتا ہے۔ لندن سے انہیں پاکستان لانے کے لئے جہاز بھیجا جا سکتا ہے اور پاکستان میں انہیں بلٹ پروف گاڑی بھی مہیا کی جا

سکتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر الطاف حسین چاہتے ہیں تو ہم سپریم کورٹ کے جج کی سربراہی میں عدالتی کمیشن کے ذریعے 1992ء اور بے نظیر بھٹو کے دور 1994-96ء میں وزیر داخلہ میجر جنرل (ر) نصیر اللہ بابر کی قیادت میں آرمی ایکشن، ایم کیو ایم کے چیئرمین عظیم طارق، الطاف حسین کے بھائی اور بھتیجے، سابق وزیر اعلیٰ سندھ عبداللہ شاہ کے بھائی اور بھتیجے، پیپلز پارٹی کے ایم پی اے عبداللہ مراد کے قتل، ممبئی حملوں کے جواب میں اپریل 2008ء میں جلاؤ گھیراؤ اور 162 معصوم پاکستانیوں کی شہادت اور 9 اپریل کو 7 بم دھماکوں کی انکوائری کرانے کے لئے تیار ہیں۔ یہ کمیشن الطاف حسین، آفاق احمد، جنرل (ر) نصیر اللہ بابر، جنرل نصیر اختر اور بریگیڈیئر امتیاز سمیت تمام لوگوں سے تحقیق و تفتیش کرنے کا مجاز ہو۔ انہوں نے کہا کہ الزام یہ ہے کہ عظیم طارق کے قتل میں ملوث ایک شخص لندن میں الطاف حسین کا دست راست جبکہ دوسرا کراچی میں اعلیٰ عہدے پر فائز ہے۔ انہوں نے کہا کہ الطاف حسین کی پاکستان سے لگاتار 19 سالہ غیر حاضری اور لندن ٹیلی فونک تقریروں کی وجہ سے ایم کیو ایم کی صفوں میں شدید انتشار پیدا ہو چکا ہے اور بڑی تعداد دوسری سیاسی جماعتوں میں جانے کے لئے تیار ہو چکی ہے۔ اس صورتحال نے انہیں سخت پریشان کر رکھا ہے وہ جنرل پرویز مشرف کو بھی آرٹیکل 6 کے تحت احتساب سے بچانا چاہتے ہیں اس لئے بھی وہ شور و غوغا کر رہے ہیں۔ صدیق الفاروق نے کہا کہ مہاجرین اور ان کی اولاد مسلم لیگ اور اس کی قیادت کو دل و جان سے

عزیز ہے لیکن اگر خدانخواستہ ہمارا اپنا بھائی اور بیٹا بھی دہشت گردی میں ملوث ہو تو اسے قانون کے حوالے کرنے سے دریغ نہیں کیا جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ الطاف حسین کو بھی پاکستان آکر ایم کیو ایم کی صفوں سے دہشت گردوں کو باہر نکالنا اور امن وامان کے لئے حکومت کا ہاتھ بٹانا ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ بد قسمتی سے ایم کیو ایم عملاً لسانی تعصب کا شکار ہے اور اسی بنیاد پر ایم کیو ایم نے اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل سے "مہاجر چیف آف آرمی سٹاف جنرل پرویز مشرف" کو بچانے کی اپیل کی تھی اور یوں مسلح افواج میں لسانی تعصب پیدا کرنے کی سازش کی۔ انہوں نے کہا کہ اگر الطاف حسین نے واپس آکر سندھ ہائیکورٹ کے سامنے اپنے آپ کو پیش نہ کیا اور انہوں نے مسلم لیگ (ن) کی قیادت پر جھوٹے الزامات لگانے کا سلسلہ بند نہ کیا تو وہ الطاف حسین کے حوالے سے سربستہ رازوں سے پردہ اٹھانے کا حق محفوظ رکھتے ہیں۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ سانحہ 12 مئی اور اور وکلاء کو زندہ جلائے جانے کا معاملہ بھی سامنے لایا جائے۔

جیو نیوز، اے آر وائی نیوز و دیگر چینلز پر یہ خبر چلائی گی تھی۔ اس کے علاوہ مختلف اخبارات میں بھی یہ خبر شائع ہوئی تھی۔

http://www.jasarat.com/unicode/detail.php?category=3&newsid=21717

اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ کراچی آپریشن میں محترم الطاف حسین صاحب کی بھی

مرضی شامل تھی۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان کو یہ ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟؟اس کا جواب بہت سیدھا سا ہے کہ بیانوے کے آپریشن سے کم و بیش ایک سال قبل ایم کیو ایم نے کچھ کارکنان کی رکنیت ختم کردی تھی جنکے نام بھی اخبارات میں شائع کیے گئے تھے اور جو کہ بعد میں ایم کیو ایم حقیقی کے نام سے منظر عام پر آئے تھے۔اس ایم کیو ایم حقیقی کے روح رواں آفاق احمد اور عامر خان تھے جن کو محترم الطاف حسین بہت عزیز رکھتے تھے، اور یہ دونوں حضرات الطاف حسین کے باڈی گارڈ بھی تھے۔پھر کیا بات ہوئی کہ یہ الطاف حسین کے خلاف ہوگئے۔تو جناب بات توبڑی معیوب ہے لیکن چونکہ "حق کا سفر" ہے اس لئے چھپانا بھی نہیں چاہیے

ایم کیو ایم کے قائد کے گھر نائن زیرو پربڑی رونقیں ہوتی تھیں اور یہاں کئی غیر اخلاقی کام بھی کئے جاتے تھے۔ایسے ہی ایک واقعے کے دوران کسی نے آفاق احمد کو اطلاع کردی اور انھوں نے سلیم شہزاد جو کہ ایم کیو ایم کے رہنما ہیں ان کو رنگے ہاتھوں پکڑ کر قائد تحریک کے سامنے پیش کیا تو وہاں کچھ تلخ کلامی ہوگئی اور یہ انکشاف ہوا کہ ان تمام غیر اخلاقی کاموں کو قائد تحریک کی حمایت حاصل ہے۔اس پر آفاق احمد نے الطاف حسین پر گولی چلادی جو کہ انکو کمر یا ران پر جاکر لگی۔آفاق احمد وہاں سے فرار ہوگئے اور قائد تحریک گردوں کے درد کے بہانے عباسی شہید ہسپتال میں داخل ہوگئے۔

آفاق احمد نے اپنا گروہ مضبوط کیا اور ایم کیو ایم حقیقی کی بنیاد رکھی، اور لانڈھی وغیرہ کے علاقوں میں اپنے یونٹ قائم کئے، جبکہ محترم الطاف حسین اس دوران ڈیفینس کے ایک بنگلے میں چھ ماہ تک روپوش رہے اور چھ ماہ کے بعد کہیں جاکر وہ نائن زیرو پر گئے۔
تو قارئین محترم الطاف حسین صاحب نے ان باغی لوگوں کی لسٹ بھی فوج کو فراہم کی تھی اور ان کے خلاف کریک ڈاؤن کرنے کی کوشش کی تھی لیکن آپ اپنے دام میں صیاد آگیا کے مصداق وہ خود آپریشن کی زد میں آگئے اور عمرہ کرنے کے بہانے ملک سے باہر چلے گئے۔ اور تاحال ملک سے باہر ہی ہیں اور انکا بظاہر واپسی کا کوئی ارادہ بھی نہیں ہے۔

کوشش کریں گے کہ کچھ مزید باتیں اگلے کالم میں آپ کو بتائیں گے۔ اور ہم آپ سے کہتے ہیں کہ حق کے سفر میں ہمارے ساتھ نہ رہیں بلکہ جس کے پاس حق ہو اس کے ساتھ رہیں، اور حق چھپانے سے نہیں چھپتا ہے۔ چاہے کوئی کتنا ہی واویلا مچائے۔

بارھویں تراویح

بسم اللہ رحمٰن الرحیم

آج کی تراویح میں چودھویں پارے کے تیرھویں رکوع سے پندرھویں پارے کے اختتام تک تلاوت کی جائے گی۔ جس رکوع پر اختتام ہوا تھا اس میں بتایا گیا کہ " جو لوگ اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کردیں ان کے لئے یہ کتاب صراط مستقیم کی رہنمائی کرے گی اور رحمت و بشارت ثابت ہوگی" - اب فرمایا کہ اس کی ہدایت اور رحمت و بشارت کی بنیاد یہ ہے کہ اللہ حکم دیتا ہے کہ عدل کا، احسان کا اور قرابت داروں کو دیتے رہنے کا، اور روکتا ہے بے حیائی، سرکشی سے، تمام نیکیوں اور برائیوں کی جڑ انہی میں سے ہے۔ عدل یہ ہے کہ جس کا جو حق بنتا ہے ہم بغیر کسی کمی بیشی کے اس کو ادا کریں۔ خواہ حقدار کمزور ہو یا طاقت ور اور خواہ ہم اس سے راضی ہوں یا ناراض اس کا حق کسی حال میں نہ روکیں، احسان عدل سے زیادہ چیز ہے یعنی یہ کہ ہم فیاضانہ اور کریمانہ سلوک کریں۔ پھر رشتہ داروں پر عدل و احسان کے علاوہ مزید اپنے مال خرچ کریں اسی طرح بدکاری، بے حیائی کے کاموں سے اور ہر اس کام سے جو ایک شریفانہ معاشرے میں اچھا نہیں سمجھا جاتا، ہمیں بچنا چاہیئے اور اپنی طاقت اور اثر سے کوئی ناجائز فائدہ نہیں اٹھانا چاہیئے۔

دو گروہوں کا ذکر کیا ایک وہ جنھوں نے آخرت کے مقابلہ میں دنیاوی زندگی اور اس کے عیش و آرام کو ترجیح دی ان کے بارے میں اللہ کا فیصلہ ہے کہ وہ انہیں سیدھا راستہ نہیں دکھائے گا اور ان کے دلوں پر، کانوں پر اور آنکھوں پر مہر لگادے گا۔ لازماً یہ آخرت میں انتہائی نقصان میں رہیں گے۔

دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جو ایمان لانے کی وجہ سے ستائے گئے تو انھوں نے گھر بار چھوڑ دیے، اللہ کی راہ میں ہجرت کی، سختیاں جھیلیں اور صبر کیا۔ ان کے لئے یقیناً تمہارا رب غفور و رحیم ہے۔ لوگوں کو دین کی طرف بلانے کے لیے ہدایت دی کہ " اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ دعوت دو اور بحث کرنا پڑے تو تو اس طرح بحث کرو کہ جو پسندیدہ ہے۔ بے شک تمہارا رب خوب جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور کون ان کی ہدایت پر ہے۔ اگر تم کسی سے بدلہ لو تو اتنا ہی جتنا تمہارے ساتھ کیا گیا ہے اور اگر تم صبر کرلو تو یہ چیز صبر کرنے والوں کے لیے بہت ہی بہتر ہے اور تمہیں صبر نہیں حاصل ہو سکتا مگر اللہ ہی کے تعلق سے اور تم ان مخالفین کی حرکتوں سے غم زدہ نہ ہو اور نہ انکی چالوں سے پریشان ہو۔ یقیناً اللہ انکے ساتھ ہے جنھوں نے تقویٰ اختیار کیا اور احسان کے ساتھ کام کیا۔

سورہ بنی اسرائیل میں انہیں انکی تاریخ کی روشنی میں بتایا گیا کہ اگر تہ

اس غرور میں مبتلا ہو کہ اللہ چہیتے اور محبوب ہو تو یہ خود فریبی ہے۔ تمہاری اپنی تاریخ گواہ ہے کہ جب تم نے اللہ سے بغاوت کی تو تم پر مار بھی پڑی۔ اللہ کی رحمت کے تم اس وت مستحق ہوئے جب تم نے اصلاح کی راہ اختیار کی۔ ساتھ ہی معراج کے واقعہ کو بتا کر مشرکین اور بنی اسرائیل دونوں پر ہی یہ واضح کردیا کہ اب مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ دونوں کی امانت تم خائنوں سے چھین کر اسی نبی امی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالہ کرنے کا فیصلہ ہوچکا ہے جس کو سرخ رو ہونا ہو وہ اپنی روش بدل کر اس رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت کے مطابق کرلے ورنہ اپنی ضد اور سرکشی کے نتائج بھگتنے کے لئے تیار ہوجائے۔

اسی ضمن میں اخلاق و تمدن کے دو بڑے اصول بیان کئے جن پر زندگی کے نظام کو قائم کرنے کے لئے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ آخری کتاب دی گئی ہے۔ یہ گویا اسلام کا منشور ہے جسے مدینہ میں اسلامی ریاست کے قائم کرنے سے ایک سال پہلے سب کے سامنے پیش کردیا گیا۔ کفار مکہ سامنے بھی اور اہل کتاب کے سامنے بھی (اور اب قیامت تک تمام انسانوں کے لئے یہی منشور کافی ہے) فرمایا" اعبادت صرف اللہ کی کرو۔ ۲ والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ ۳ رشتہ داروں، مسافروں، مسکینوں کو انکا حق دو۔ ۴ فضول خرچی نہ کرو۔ ۵ اگر کسی کی ضرورت پوری نہ کرو تو نرمی سے جواب دو۔ ۶ ،نہ کنجوسی کرو، نہ فضول خرچی کرو

اعتدال کی راہ اختیار کرو۔ ۷ اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو۔ ۸ زنا کے
قریب بھی نہ پھٹکو۔ ۹ بغیر کسی قانونی جواز کے کسی کو قتل نہ کرو۔ ۱۰ قانونی حدود سے
باہر یتیم کے مال کے پاس بھی نہ پھٹکو۔ ۱۱ باہمی قول و اقرار کی پابندی کرو۔ ۱۲ ناپ
تول میں کمی بیشی نہ کرو۔ ۱۳ جس بات کا تمہیں علم نہ ہو اس کے پیچھے مت پڑو۔ ۱۴
غرور اور تکبر کی چال نہ چلو۔ یہ وہ حکمت کی باتیں ہیں جو تمہارے رب نے تم پر وحی
کی ہیں

یہ آخرت کے منکرین تعجب کا اظہار کرتے ہیں کہ خاک ہوجانے کے بعد کیسے پیدا کئے
جائیں گے، کہو جس طرح پہلے پیدا کئے گئے تھے۔ انہیں ہمارے عذاب کا یقین نہیں ہے،
کہو کوئی بستی ایسی نہیں ہے کہ ہم نے اسے ایک وقت آنے پر ہلاک نہ کردیا ہو یا اس پر
عذاب نہ بھیجا ہو۔ پھر شیطان کے ازلی دشمن ہونے کا ذکر کیا گیا تاکہ سمجھ میں آسکے کہ
کفر، نافرمانی، اور ناشکری کی روش شیطان کی روش ہے اور جو اس پر چلے گا وہ گویا
شیطان کی پیروی اختیار کرے گا حالانکہ یہ روش دھوکے کے سوا کچھ نہیں، کہنے پر تو اس
رب کے چلنا چاہیے جو سب کا حقیقی رب ہے، جو سمندروں میں کشتیاں چلاتا ہے تاکہ
روزی حاصل کرسکو۔ کیا تم اس بات سے بے خوف ہوگئے ہو کہ ہمیں وہ خشکی پر زمین
میں دھنسا دے یا تم پر پتھراؤ کرنے والی آندھی بھیج دے اور تم کوئی حمایتی نہ پاؤ۔

سیدھے راستے پر ثابت قدمی کے لئے نماز کے اہتمام کی تاکید کی اور فرمایا نماز قائم کرو، زوال آفتاب سے لیکر رات کے اندھیرے تک اور فجر کے قرآن کا التزام کرو کیونکہ فجر میں پڑھے جانے والے قرآن کے خاص طور پر اللہ کے فرشتے گواہ بنتے ہیں اور رات کو تہجد پڑھو یہ تمہارے لیے نفل ہے تاکہ تمہارا اللہ تمہیں مقام محمود پر فائز کردے اور دعا کرو کہ پروردگار تو مجھے جہاں بھی لے جائے سچائی کے ساتھ لے جا اور جہاں سے بھی نکال سچائی کے ساتھ نکال اور اپنی طرف سے ایک اقتدار کو میرا مددگار بنا اور اعلان کرو کہ حق آگیا اور باطل مٹ گیا باطل تو ہے ہی مٹنے کے لئے۔

ہر زمانے کی جہالتوں میں سے ایک یہ ہے کہ لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا رہے ہیں کہ بشر کبھی پیغمبر نہیں ہوسکتا اسی لئے جب کوئی رسول آیا تو انھوں نے یہ دیکھ کر کہ یہ تو کھاتا پیتا ہے، بیوی بچے رکھتا ہے، گوشت پوست کا بنا ہوا ہے، فیصلہ کردیا کہ یہ پیغمبر نہیں ہے کیوں کہ بشر ہے اور جب وہ گزر گیا تو ایک مدت کے بعد اس کے ماننے والوں میں ایسے لوگ پیدا ہوئے جو کہنے لگے وہ بشر نہیں تھا کیونکہ وہ پیغمبر تھا چنانچہ کسی کو خدا کا بیٹا کہا اور کسی اس کا خدا بنالیا کسی نے کہا کہ خدا اس میں حلول کرگیا ہے۔ غرض بشریت اور پیغمبری کا ان جاہلوں کے نزدیک جمع ہونا ایک معمہ بنا رہا، حالانکہ کھلی ہوئی بات ہے کہ اگر زمین ہر فرشتے چل پھر رہے ہوتے تو ہم ضرور آسمان سے

فرشتے ہی کو پیغمبر بنا کر بھیجتے، جب زمین بشر زمین پر بستے ہیں تو انکی رہنمائی کے لئے بشر ہی کو رسول بنایا ہے۔

سورت کو ختم کرتے ہوئے فرمایا اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے کہو " اللہ کہہ کر پکارو یا رحمان کہہ کر جس نام سے بھی پکاروگے اس کے لئے سب اچھے ہی نام ہیں" اور کہو تعریف ہے اس اللہ کے لئے جس نے کسی کو بیٹا بنایا نہ کوئی بادشاہی میں اس کا شریک ہے اور نہ ہی وہ عاجز ہے کہ کوئی اس کا سہارا بنے اور اسکی بڑائی بیان کرو کمال درجہ کی بڑائی

اس کے بعد سورہ کہف ہے، یہودیوں کی طرح عیسائیوں نے بھی قریش کو اکسایا کہ ان سے ذرا اصحاب کہف یعنی غار والوں کا حال پوچھو۔ اللہ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے حالات سے آگاہ فرمایا کہ چند نوجوان جو اللہ کی توحید پر ایمان لائے تھے اپنے مشرک معاشرہ کے مظالم سے تنگ آکر بستی سے نکل کھڑے ہوئے اور پہاڑ کے ایک غار میں پناہ گزین ہوگئے۔ اللہ نے ان پر طویل نیند طاری کردی اور غار کے منہ پر انکا کتا بھی نیند میں اسی طرح بیٹھا رہا کہ دیکھنے والے اسے زندہ سمجھ کر پاس بھی نہ پھٹک سکے۔ برسوں کے بعد جب جابر و مشرک حکومت بدل گئی تو اللہ نے انہیں نیند سے بیدار کیا اور باہر کے حالات سے واقف ہونے کے بعد پھر ان پر موت طاری کردی۔

اس واقعہ کے آئینہ میں اللہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کو دکھایا کہ تم اس وقت دعوت کے جس مرحلہ میں ہو یہ مرحلہ اصحاب کہف کو بھی پیش آیا تھا اگر تم صبر کے ساتھ اسی راستے پر چلتے رہے تو اللہ تمہارے لئے بھی اسی طرح راستہ نکالے گا جس طرح ان کے لئے نکالا تھا، اللہ اپنی راہ میں چلنے والوں کو کبھی بھی ضائع نہیں کرتا۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس موقع پر توجہ دلائی کہ ان دنیا کے لالچی لوگوں کے مقابلہ میں اپنے غریب اور نادار ساتھیوں کی طرف زیادہ توجہ دیجئے جو اگرچہ دنیا کی دولت سے محروم ہیں مگر ایمان کی دولت سے مالا مال ہیں۔ دن رات اللہ کی یاد میں اور اس دین کی دعوت میں سرگرم ہیں۔ جو لوگ اسی دنیا کی کامیابی کو اصل کامیابی سمجھ بیٹھے ہیں انہیں کھیتی کے لہلہاتے اور آخر میں سوکھ کر بھوسا بن جانے کی مثال کے ذریعہ سمجھایا کہ یہ دنیا اور اس کی بہاریں چند دن کی ہیں۔ ان میں سے کوئی چیز ساتھ جانے والی نہیں ساتھ صرف ایمان اور نیک عمل جائیں گے اس سرمایہ کو جمع کرنے کی فکر کرو۔

آج کی تراویح کا بیان ختم ہوا۔ اللہ ہمیں قرآن پڑھنے، سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ اللہ اس قرآن کی برکت سے ہمارے ملک اور

شہر کے حالات تبدیل فرمائے آمین

تحریر: مولانا محی الدین ایوبی

الطاف حسین نے قومی پرچم جلایا تھا

یہ بھی ایک سابق اعلیٰ فوجی افسر کے انکشافات ہیں۔ اور جو کہ صرف امت میں نہیں بلکہ جیو نیوز، روزنامہ ایکسپریس، روزنامہ جنگ، روزنامہ جسارت اور دیگر قومی اخبارات میں شائع ہوئی ہے۔ ہماری کوشش ہے کہ "آزاد میڈیا" کے پروانوں کی خواہش پوری کی جائے۔ قارئین حق کے سفر میں جس کے پاس حق ہو اس کے ساتھ رہے گا۔

سابق ڈی جی پاکستان رینجرز میجر جنرل (ر) صفدر علی خان نے انکشاف کیا ہے کہ کراچی آپریشن کے دوران جناح پور کے نقشے برآمد ہوئے تھے لیکن سیاسی قیادت کے دباؤ پر اس کی تردید کی گئی۔ لاہور میں میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے انہوں کہا کہ کراچی میں آپریشن کسی پارٹی یا طبقے کیخلاف نہیں تھا بلکہ کراچی کو جرائم پیشہ افراد اور ہتھیاروں سے پاک کرنے کے لیے کیا گیا تھا اور اس مقصد کے لیے ایم کیو ایم حقیقی کو بھی اس میں استعمال کیا گیا کیونکہ وہی جانتے تھے کہ کراچی میں کس جگہ ٹارچر سیل اور کس کس گھر میں اسلحہ موجود ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ آپریشن اس لیے روکنا پڑا کہ اس وقت کے صدر غلام اسحاق خان نہیں چاہتے تھے کہ ایم کیو ایم پیپلز پارٹی، جماعت اسلامی اور جے یو پی کے مقابلے میں کمزور ہو اس لیے وہ نرم گوشہ رکھتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ ایم

کیو ایم کی جانب سے 15 ہزار ہلاکتوں کی خبر درست نہیں۔ اس آپریشن میں بہت کم ہلاکتیں ہوئیں اور وہی لوگ مارے گئے جنہوں نے آپریشن کیخلاف ہتھیار اٹھائے۔

انہوں نے کہا کہ آپریشن کے دوران جناح پور کے نقشے برآمد ہوئے تھے تاہم اس بیان کو سیاسی قیادت کے دباؤ پر واپس لیا گیا۔ انہوں نے کہا کہ 1987ء میں جب وہ جے او سی حیدرآباد تھے اس وقت الطاف حسین نے ایک جلسہ کیا اور اس میں قومی پرچم کو نذر آتش کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان کو تسلیم کرنا سب سے بڑی غلطی تھی (ویسے یہ بات محترم الطاف حسین کئی بار کہہ چکے ہیں یہاں تک کہ یہ بات انہوں نے بھارت کے دورہ میں بھی کہی تھی۔ اسی سے انکی حب الوطنی ثابت ہوجاتی ہے) جس پر اس وقت میں نے کمشنر کو ان کے خلاف کارروائی کرنے اور گرفتار کرنے کو کہا تو انہوں نے جواب دیا کہ صدر جنرل ضیاء الحق کا حکم ہے کہ انہیں ہاتھ نہ لگایا جائے۔ انہوں نے کہا کہ اس وقت آپریشن کامیاب ہوجاتا تو آج کراچی میں امن ہوتا اور کراچی بدامنی کا شکار نہ ہوتا۔

یہاں زرا غور کریں کہ سابق صدر مرحوم غلام اسحاق خان ایک طاقتور بیور کریٹ تھے اور سابق صدر جنرل ضیاء الحق ایک مطلق العنان آمر، اور ان دونوں نے ایم کیو ایم اور الطاف حسین کی حمایت کی، اور ان کے خلاف کسی کاروائی سے گریز کیا۔ اس سے یہ بات صریح طور پر ثابت ہوتی ہے کہ ایم کیو ایم آمریت کی پیداوار اور اسٹیبلشمنٹ کی آلہ کار ہے اور متحدہ کا یہ دعویٰ کہ وہ اٹھانوے

فیصد غریب عوام کی نمائندہ ہے جھوٹا ثابت ہو جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی صاف دکھائی دے رہا ہے کہ اس وقت جبکہ تقریباً تمام ہی پارٹیاں سابق صدر جنرل مشرف کے ٹرائل کا مطالبہ کر رہی ہیں اور پی پی پی کی حکومت بھی اس سے واضح انکار نہیں کر رہی ہے پورے ملک میں واحد متحدہ قومی موومنٹ ہی وہ جماعت ہے جو کھل کر سابق آمر کی حمایت کر رہی ہے اور اس کے ٹرائل کی مخالفت کر رہی ہے۔ اس سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ ان کی سیاست محض نعروں کی سیاست ہے۔ دوسروں کو آمروں کی گود میں بیٹھنے کا طعنہ دینے والے خود ایک آمر کی گود میں نو سال تک بیٹھے رہے اور اب بھی جب کہ پوری قوم اس کے جارحانہ اور غیر آئینی اقدامات کے خلاف کاروائی کا مطالبہ کر رہی ہے تو یہ گروہ اس کی راہ میں روڑے اٹکا رہا ہے۔

اب ملاحظہ کریں یہ خبر: یہ خبر جنگ، ایکسپریس، جسارت، سمیت کئی قومی روزناموں میں شائع ہوئی ہے، یہ دراصل جیو ٹی وی کے پروگرام کیپٹل ٹاک میں آئی ایس پی آر کے سابق ڈائریکٹر بریگیڈیئر (ر) صولت رضا نے گفتگو کرتے ہوئے کہی۔ واضح رہے کہ یہ بھی پاکستان آرمی کے ایک "چوٹی کے ذمہ دار" ہیں اور پاکستان آرمی کے ترجمان ادارے آئی ایس پی آر کے ڈائریکٹر رہے ہیں۔ جس طرح کچھ لوگوں کے نزدیک بریگیڈئر امتیاز کی باتوں کی اہمیت ہے تو وہ ان افسران کی باتوں کو کیا کہیں گے۔ یہاں یہ بھی واضح رہے کہ کچھ بھائیوں کو یہ شکایت

ہے کہ ہم صرف امت اخبار سے اپنے مطلب کی خبریں لاتے ہیں تو خبر روزنامہ جنگ کراچی اور وزنامہ ایکسپریس کی یکم ستمبر کی اشاعت میں صفحہ اول پر شائع ہوئیں۔ اگرچہ اس خبر میں مسلم لیگ ن کے آصف ہارون اور متحدہ کے حیدر عباس رضوی صاحب کی گفتگو بھی شامل تھی لیکن ہم نے اپنا فوکس صرف سابق فوجی افسران کے انکشافات پر ہی رکھا ہے اس لئے کہ چاہے مسلم لیگ ہو، جماعت اسلامی ہو یا متحدہ ہو یا پی پی انکا کوئی بھی فرد اپنے موقف کی بات کرے گا۔

آئی ایس پی آر کے سابق ڈائریکٹر بریگیڈیئر (ر) صولت رضا کا کہنا تھا کہ 19/جون کو فوج، رینجرز اور دیگر سیکورٹی ایجنسیوں نے اپنی کارروائی شروع کی تو ایک دفتر جسے ایم کیو ایم کا مرکز کہا جاتا تھا وہاں سے نقشے، جھنڈا، پمفلٹ اور دیگر چیزوں برآمد ہوئیں جسے اگلے روز بریگیڈیئر آصف ہارون نے صحافیوں سے بات چیت میں بریف کیا، 92 کا آپریشن شروع کراکے سیاسی جماعت پیچھے ہٹ گئی، ایک تاثر یہ تھا کہ فوج کو بریگیڈیئر امتیاز کی جانب سے وزیر اعظم کو دی جانیوالی رپورٹس پر تحفظات تھے، جنرل آصف نواز نے ہمیشہ بریگیڈیئر امتیاز کو ایک فاصلے پر رکھا۔ تفصیلات کے مطابق صولت مرزا نے بتایا کہ جونہی یہ بات ایم کیو ایم کے سینئر رہنماؤں الطاف حسین اور اشتیاق اظہر تک پہنچی کہ اس معاملے میں ایم کیو ایم کو ملوث کیا جارہا ہے تو ایم کیو ایم کے سینئر

رہنماؤں نے براہ راست کور ہیڈ کوارٹر میں رابطہ کیا اور متعلقہ فوجی افسران کو واضح کردیا کہ اِن نقشوں سے ایم کیو ایم کا کوئی تعلق نہیں ہے اُنھوں نے کہا کہ بریگیڈیئر امتیاز میرے سینئر ہیں لیکن ایک تاثر یہ تھا کہ بریگیڈیئر امتیاز وزیر اعظم پاکستان کو کچھ ایسی رپورٹس دے رہے ہیں جن کے بارے میں فوج کے تحفظات ہیں۔ فوج کی وہ بریفنگ جو وزیر اعظم یا صدرِ پاکستان کیلئے ہوتی وہاں اگر بریگیڈیئر امتیاز موجود ہوتے تو اس کے اثرات لوکل کمانڈرز محسوس کرتے تھے کہ ہماری باتیں اور مووز ڈسکلوز ہو جاتے ہیں۔ اُنھوں نے اپنی رائے دیتے ہوئے کہا کہ جو فوجی افسر ریٹائر ہو جاتا ہے خواہ وہ کتنا ہی قابل کیوں نہ ہو اُسے حساس اداروں کی سربراہی نہیں دینی چاہیئے۔

دوسری طرف آئی ایس آئی کے سابق سربراہ جنرل (ر) حمید گل نے کہا ہے کہ انہوں نے آئی جے آئی ضرور بنوائی تھی لیکن کسی سیاستدان کو کوئی پیسہ نہیں دیا گیا۔

تفصیلات کے مطابق آئی ایس آئی کے سابق سربراہ جنرل حمید گل نے کہا کہ انہوں نے کسی بھی سیاستدان کو کوئی پیسہ نہیں دیا لہٰذا مجھ پر سیاستدانوں کو پیسے دینے کا الزام محض بہتان ہے جس میں کوئی حقیقت نہیں، آئی جے آئی کی تشکیل کے حوالے سے انہوں نے کہا کہ آئی جے آئی بنوانے کا میں ذمہ دار ہوں لیکن یہ ملک و قوم کے مفاد میں کیا اور امریکی اثر و نفوذ سے نجات پانے کے لئے یہ ضروری تھا۔ انکا کہنا تھا کہ میرے پاس ایسا کوئی تھا

اور نہ ہی مجھے ایسی کوئی ذمہ داری سونپی گئی۔ ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ ایک منصوبے کے تحت مشرف کو تحفظ فراہم کرنے کے لئے بے سروپا الزامات کا ڈرامہ رچایا جارہا ہے اور بیان بازی شروع کی گئی ہے جس کا مقصد ملک کے موجودہ سیاسی نظام کو عدم استحکام سے دوچار کرنا ہے۔ (روزنامہ ایکسپریس لاہور بدھ یکم ستمبر ۲۰۰۹)

قارئین کرام یہ بھی فوج کے ایک سابق چوٹی کے ذمہ دار کی گفتگو ہے اور یہ خبر بھی ہم نے امت اخبار یا جسارت اخبار سے نہیں لی ہے بلکہ روزنامہ ایکسپریس سے لی ہے۔ اس لئے ہم پر یہ الزام نہیں لگایا جاسکتا کہ ہم صرف اپنے مطلب کے اخبارات سے خبروں کا حوالہ دیتے ہیں۔ جو واقعی حق کے پرستار ہیں وہ تو شائد کچھ پشیمان بھی ہوں لیکن جو حق کی پرستش کا صرف دعویٰ کرتے ہیں ان کے لئے یہ سب باتیں بیکار ہیں اور وہ صرف ایک نکاتی ایجنڈے پر عمل کرتے ہیں کہ کسی کی کوئی بھی بات خواہ کتنی ہی مستند ہو نہیں ماننی ہے بلکہ صرف اپنی ہی بات کرنی ہے اس لئے یہ تمام باتیں اور حوالہ جات عوام کے لئے ہیں، حق کی پرستش کے جھوٹے دعویٰ داروں کے لئے نہیں ہیں

تیرہویں تراویح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آج کی تراویح میں سولہویں پارے سے سترہویں پارے کے چوتھے رکوع تک تلاوت کی جائے گی۔ ان آیات میں بتایا گیا کہ اس دنیا میں بظاہر سرکشوں اور نافرمانوں کو ڈھیل ملتی ہے اور اہل حق کو مختلف قسم کی آزمائشوں اور تکلیفوں میں مبتلا ہونا پڑتا ہے، یہ صورتحال دیکھ کر بہت سے لوگ ایمان کھو بیٹھتے ہیں اور ان کے لئے صبر کرنا اور حق پر ڈٹے رہنا مشکل ہوجاتا ہے اس آزمائش میں صرف وہی ثابت قدم رہ سکتے ہیں جن پر یہ بات اچھی طرح واضح ہوجائے کہ یہاں جو کچھ ہو رہا ہے اللہ کے ارادے کے تحت ہو رہا ہے اور اس کے حکمت کے تقاضوں کے مطابق ہو رہا ہے لیکن انسان کا علم بہت محدود ہے وہ اللہ کی حکمتوں اور مصلحتوں کا احاطہ نہیں کرسکتا اس وجہ سے صحیح طریقہ یہی ہے کہ ہدایت کے راستے میں ناموافق اور مشکل حالات بھی پیش آئیں آدمی ان سے ہمت نہ ہارے اور اللہ کی حکمت کے ظاہر ہونے کا انتظار کرے اور یقین رکھے کہ اگر اس دنیا میں اچھے نتائج نہ بھی نکلے تو آخرت میں تو اسے اچھا مقام مل کر رہے گا۔

اس حکمت خداوندی پر ایمان و یقین اور پھر صبر، یہی دین کی بنیاد ہے۔ اس وجہ سے اللہ تعالٰی نے حضرت موسٰی علیہ السلام کو ایک عظیم مہم یعنی فرعون کے

مقابلہ کے لئے منتخب کیا تو آپ کو اس صبر کی تربیت دینے کے لئے ایک خاص بندے کے پاس بھیجا جنہیں عرف عام میں حضرت خضر کہا جاتا ہے اس لئے کہ یہ چیز صرف جاننے کی نہیں بلکہ عملی تربیت کی محتاج ہے یہاں یہ واقعہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے واسطے سے آپ کے اس دور کے ساتھیوں کو اس مقصد کے لئے سنایا گیا کہ اللہ کے باغیوں اور نافرمانوں کو جو دندناتے دیکھ رہے ہو اس سے ہراساں اور مرعوب نہ ہوں۔ اس دنیا میں اگر کسی غریب اور مسکین کی کشتی میں چھید کردیا جاتا ہے تو اس میں آئندہ اسی کی بھلائی مقصود ہوتی ہے اور اگر ظالموں کی کسی بستی میں کسی گرتی ہوئی دیوار کو سہارا دیا جاتا ہے تو اس میں بھی کسی مظلوم کے لئے خیر پوشیدہ ہوتی ہے ۔ لیکن انسان کا علم محدود ہے اور وہ اللہ کے سارے بھیدوں کا احاطہ نہیں کرسکتا

پھر ایک سوال کے جواب میں ایک عادل اور منصف بادشاہ ذوالقرنین کا ذکر کرکے قریش کو عبرت دلائی کہ ایک مومن بندہ ذوالقرنین تھا جو مشرق و مغرب کے تمام علاقوں کو فتح کرکے بھی ہر کامیابی پر اللہ کا شکر گزار ہوتا تھا اور ہر قدم اللہ کی مرضی کے مطابق اٹھاتا تھا اور ایک تم ہو کہ زرا سا اقتدار ملا ہوا ہے تو اس کے نشے میں اللہ اور آخرت اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآئہ وسلم سب کا مذاق اڑاتے ہو۔ بار بار معجزے طلب کرنے کے جواب میں فرمایا

کہ دیکھنے والی آنکھ کے لئے تو اس کائنات اور خود تمہاری زندگی میں اتنی نشانیاں خدا پرستی، توحید اور آخرت کی بھری پڑی ہیں کہ اگر سمندر کی روشنائی بن جائے تب بھی انہیں لکھا نہیں جاسکتا پس جو یہ سمجھتا ہے کہ اسے ایک دن اللہ کے سامنے جانا ہے، اسے چاہیے کہ بلا کسی کو شریک ٹھہرائے خالص ایک اللہ کی بندگی کرے اور اس کے احکام کے مطابق عمل کرے۔

سورہ مریم میں سب سے پہلے حضرت زکریا علیہ السلام کی اس دعا کو بیان کیا جو بڑھاپے میں ایک بیوی کے بانجھ ہونے کے باوجود ایک بیٹے کے لئے کی اور اللہ نے ان کی دعا قبول کی اور انہیں حضرت یحیٰی علیہ السلام کے پیدا ہونے کی کوشخبری سنائی۔ یہ واقعہ حضرت مریم کے ہاں معجزانہ طور پر بغیر باپ کے حضرت عیسٰی علیہ السلام کی پیدائش کا واقعہ بیان کرنے سے پہلے تمہید کے طور پر بیان کیا گیا ہے کہ حضرت یحیٰی علیہ السلام کی ولادت بھی عام قانون سے ہٹ کر ہوئی ہے کہ مرد بوڑھا ہوگیا تھا اور عورت بالکل بانجھ اور ولادت کے ناقابل تھی مگر جب اللہ نے چاہا تو ان کے اولاد ہو گئی مگر حضرت یحیٰی نے تو خدائی کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ کسی نے انہیں خدا بنایا۔ پھر حضرت مریم علیہ السلام کی پاکیزہ زندگی اور عبادت گزاری کا حال بیان کیا، حضرت عیسٰی علیہ السلام کی پیدائش کے بارے میں بتایا کہ لوگوں کے اعتراض کے جواب میں خود حضرت عیسٰی علیہ السلام نے پالنے ہی میں اپنے بندے ہونے اور اللہ کی

طرف سے نماز اور زکوت کی ہدایت پانے کی منادی کی پھر بتایا کہ ان بد بختوں کی حالت پر افسوس ہے کہ یہ سب جانتے بوجھتے اللہ کے ایک فرمانبردار بندے کو اللہ کا بیٹا (اور اس کی عبادت گزار ماں کو اللہ کی بیوی بنا رہے ہو (نعوذ باللہ

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کو جو توحید کی دعوت دی اور اس کر نتیجے میں جس طرح ہجرت کرنی پڑی اس کا حوالہ دیا اور بتایا کہ اللہ کے لئے ہجرت اور مصائب کے مقابلہ میں صبر کے بعد اللہ نے انہیں بڑھاپے اولاد عطا کی پھر حضرت موسٰی علیہ السلام، حضرت ہارون علیہ السلام، حضرت اسمٰعیل علیہ السلام، اور حضرت ادریس علیہ السلام کے حالات و خصوصیات مختصر بیان کیں کہ یہ سب آدم علیہ السلام، نوح علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام کی زریت میں اولوالعزم انبیاء گزرے ہیں۔ یہ سب اللہ کی ہدایت سے سرفراز اور اس کے برگزیدہ بندے تھے ان کا یہ حال تھا کہ جب اللہ کی آیات سنتے تو روتے ہوئے سجدے میں گر پڑتے تھے پھر ان کی اولاد میں ایسے ناخلف پیدا ہوئے کہ نماز اور زکوت سب کو ضائع کر دیا اور اپنی خواہشوں کی پیروی کرنے لگے۔ یہ لوگ گمراہی کے انجام سے عنقریب دوچار ہونگے اور ان کے اندر سے نجات ۔وہی پا سکیں گے جو توبہ اور اپنی اصلاح کر لیں گے

انسان کہتا ہے کہ کیا جب میں مر جاؤں گا تو پھر زندہ کر کے نکالا جاؤں گا؟ کیا انسان اس بات کو نہیں جانتا کہ جب ہم نے اسے پہلے پہل پیدا کیا تو وہ اس سے پہلے کچھ بھی نہ تھا تمہارے رب کی قسم ! ہم انکو بھی اور شیطانوں کو بھی ضرور اکٹھا کریں گے پھر ان کو جہنم کے گرد اس طرح حاضر کریں گے کہ وہ دوزانو گھیرا ڈالے بیٹھے ہونگے ہم بتائیں گے کہ تم کو اب اس جہنم میں ضرور داخل ہونا ہے پھر ہم ان کو نجات دیدیں گے جنھوں نے تقویٰ اختیار کیا ہوگا اور اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والوں کو گھیرے میں اکڑوں بیٹھا ہوا چھوڑ دیں گے۔

سورت کے خاتمہ پر فرمایا ہم نے اس کتاب کو تمہاری زبان میں اسلیئے آسان کرکے اتارا ہے تاکہ تم خدا ترسوں کو بشارت دیدو اور جھگڑالو قوم کو خبردار کرو کہ ان سے پہلے کتنی ہی قوموں کو ہم نے ہلاک کر چھوڑا ہے۔ کیا تم ان میں سے آج کہیں کسی کی بو بھی پاتے محسوس کرتے ہو یا کسی کی آہٹ سنتے ہو۔

سورطٰہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخالفین کے مقابل میں صبر اور نماز کی تلقین کی ہے اور فرمایا کہ آپ کا کام صرف ان لوگوں کو یاد دہانی کرا دینا ہے جن کے اندر اللہ کا کچھ خوف باقی ہے رہے وہ لوگ جن کے دل خوف سے خالی ہو چکے ہیں ان کے اندر ایمان اتار دینا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی ذمہ داری نہیں ہے، یہ قرآن کسی مانگنے والے کی درخواست نہیں ہے کہ بھائی میری بات سن لو بلکہ یہ خالق ارض و سما اور مالک عرش و کرسی کا فرمان ہے اس کو اسی کے شایان شان انداز میں پیش کیجئے ناقدروں اور مغروروں کی زیادہ نازبرداری کی ضرورت نہیں ہے اپنے رب پر بھروسہ کیجئے وہ آپ کے تمام ڈھکے اور کھلے کاموں سے اچھی طرح باخبر ہے۔

حضرت موسٰی علیہ السلام کے واقعات بیان کیئے کہ کس طرح فرعون جیسے دشمن کے گھر میں پرورش کرائی، حضرت موسٰی کے ہاتھوں ایک قبطی کا قتل ہوااور آپ مصر نکل گئے مگر اسی کو اللہ نے نبوت پانے کا ذریعہ بنادیا حضرت ہارون علیہ السلام کو آپ کا مددگار بنایا اور فرعون کے پاس دعوت دے کر بھیجا اس نے جادوگروں کو اکٹھا کرکے آپ کو ناکام بنانے کی کوشش کی مگر جادوگر الٹا ان پر ایمان لے آئے پھر بنی اسرائیل کو ساتھ لیکر ہجرت کی، فرعون نے پیچھا کیا اور مع لاؤ لشکر کے دریا میں غرق ہوگیا، پھر فرعون سے نجات پانے کے بعد اللہ نے بنی اسرائیل پر جو انعامات کئے اور بنی اسرائیل نے باربار ناشکری کی اس پر تبصرہ کرتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب کرکے فرمایا کہ یہ جو حالات ہم سنارہے ہیں یہ ماضی کا قصہ نہیں ہے بلکہ یہی حالات آپ کو پیش آرہے ہیں- آپ جلدی نہ کریں صبر کے ساتھ اللہ کے فیصلے کا انتظار کریں، جلدی شیطان کو دخل اندازی کا موقع دیتی ہے آدم نے جلدی ہی کی وجہ سے

شیطان سے دھوکہ کھایا اس لئے صبر کے ساتھ کام کئے جایئے اور انجام اللہ پر چھوڑ دیجئے اس صبر کی عادت کے لئے نماز کا اہتمام کیجئے۔

سورہ انبیاء کے چار رکوع پڑھے گئے ان میں اس حقیقت کی پھر یاد دہانی کرائی گئی کہ محاسبہ کا وقت قریب آگیا ہے اور لوگوں کا حال یہ ہے کہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اور جو تازہ یاد دہانی اللہ کی طرف سے آتی ہے اس کا مذاق اڑاتے ہیں، کیا یہ سمجھتے نہیں کہ ہم نے کتنی ہی بستیوں کو ہلاک کردیا جن کے لوگ اپنی کانوں پر ظلم ڈھاتے تھے۔ بس جب انہوں نے ہمارے رب کے عذاب کی آہٹ پائی تو بھاگ کھڑے ہوئے۔ ہم کہا اب کہاں بھاگتے ہو؟ (وہ کہیں گے) ہائے ہماری کمبختی ! بے شک ہم ہی اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے تھے وہ یہی واویلا کرتے رہے یہاں تک کہ ہم نے ان کو خس و خاشاک اور راکھ بنا کر رکھ دیا۔

انسان جلد بازی کے خمیر سے پیدا ہوا ہے اسلئے جلدی مچاتا رہا ہے آخر عذاب کا وہ وعدہ کب پورا ہوگا؟ کاش یہ کفر کرنے والے جان سکتے اس وقت کو جب یہ دوزخ کے عذاب کو نہ اپنے چہروں سے دفع کرسکیں گے نہ اپنی پیٹھوں سے اور نہ کہیں سے مدد حاصل کرسکیں گے، بلکہ وہ گھڑی ان پر اچانک آدھمکے گی اور ان کو مبہوت کردے گی۔ ہم نے موسٰی علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو کو حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والی کسوٹی، روشنی، اور یاددہانی عطا فرمائی ہے۔

ان کے لئے جو غیب میں رہتے ہوئے اللہ سے ڈرتے ہیں وہ قیامت سے لرزاں رہتے ہیں اور یہ بھی ایک بابرکت یاددہانی ہے جو ہم نے نازل فرمائی ہے تو کیا تو اس کے منکر بنے رہوگے۔

آج کی تراویح کا بیان ختم ہوا۔ دعا ہے کہ اللہ ہمیں قرآن پڑھنے، سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ اللہ اس قرآن کی برکت سے ہمارے ملک اور شہر کے حالات بہتر فرمائے۔ آمین

تحریر: مولانا محی الدین ایوبی

چودھویں تراویح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آج کی تراویح میں سترھویں پارے کے پانچویں رکوع سے اٹھارھویں پارے کے آٹھویں رکوع تک تلاوت کی جائے گی۔

آج کی آیات حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تذکرے سے شروع ہوتی ہے۔ یہ بتاتے ہوئے کہ ہم نے انہیں وہ ہدایت و معرفت عطا فرمائی جو ان کے شایان شان تھی اور یونہی نہیں بخش دی تھی بلکہ نہایت کڑے امتحانوں سے گزارنے کے بعد ان کو بخشی تھی۔ جس کے ذریعے انہوں نے اپنے آپ کو اس کا حقدار ثابت کیا تھا۔ اس طرح یہ بتانا مقصود ہے کہ تم لوگ اپنے اندر ہمت تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کسی سنت پر چلنے کی بھی نہیں رکھتے ہیں، لیکن ان کے ساتھ نسبت کا دعوے دار ہو اور اس نسبت کے بل پر اپنے آپ کو دنیا اور آخرت دونوں میں بڑے سے بڑے مرتبہ کا حقدار سمجھتے ہو۔

فرمایا کہ اللہ کے ہاں اس غلط بخشی کی کوئی گنجائش نہیں۔ وہ جس کو بھی اپنی معرفت اور حکمت عطا کرتا ہے اس کا ظرف اور حوصلہ دیکھ کر عطا کرتا ہے۔ پھر انکی جوانی کا حال بیان کیا کہ اگرچہ وہ ایک بت پرست قوم اور مشرک و بت

بنانے والے خاندان میں پیدا ہوئے تھے لیکن اللہ نے کو توحید کا وہ نور عطا فرمایا کہ جس کی روشنی سے دنیا آج تک منور ہے اور قیامت تک منور رہے گی۔ انہوں نے ہوش سنبھالتے ہی اپنے باپ اور اپنی قوم کو دعوت دی کہ یہ مورتیں کیا ہیں جن پر تم دھرنا دیئے بیٹھے ہو۔اس کم عمری میں اور ایسے ماحول میں وہی یہ نعرہ لگا سکتا ہے جسے اللہ کی خاص عنایت حاصل ہو۔ اس سوال کا انہیں بھی وہی جواب ملا جو ہمیشہ گمراہ لوگ دیتے آئے ہیں کہ ہمارے باپ دادا ان کی عبادت کرتے آئے ہیں۔ انہوں نے پوری بے خوفی سے کہا " تم اور تمہارے باپ دادا کھلی گمراہی میں رہے اور اور تم بھی ہو۔ کوئی گمراہی اس دلیل سے ہدایت نہیں بن جاتی کہ وہ باپ داد کے زمانے سے چلی آرہی ہے"

پھر انہوں نے موقع پا کر سب چھوٹے بتوں کو پاش پاش کر دیا اور بڑے کو رہنے دیا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام پر شبہ کرکے انہوں نے باز پرس کی تو آپ نے جواب دیا" مجھ سے کیا پوچھتے ہو ان بتوں سے پوچھو کس نے ان کا یہ حشر کیا ہے بلکہ میں تو سمجھتا ہوں کہ اس بڑے بت نے کیا ہوگا" حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی حکمت سے پوری قوم کو ایسے مقام پر لا کھڑا کیا کہ انہوں نے خود اعتراف کیا کہ " یہ بول نہیں سکتے" تو آپ نے کہا "پھر یہ کس مرض کی دوا ہیں ایسے بے بس بتوں کو تم پوجتے ہو" بجائے اپنی غلطی ماننے کے قوم نے کھسیا کر آپ کو آگ میں ڈال دیا۔ تعصب میں لوگوں کی عقلیں اسی طرح ماری جاتی

ہیں۔ مگر اللہ نے اس آگ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے ٹھنڈک اور سلامتی بنا دیا۔ اللہ کے لئے کچھ مشکل نہیں وہی ہر چیز میں تاثیر پیدا کرتا ہے۔ کیا دیکھتے نہیں کہ ایک ہی دوا سے کتنے ہی لوگ اچھے ہوجاتے ہیں اور اسی دوا سے جسے مرنا لکھا ہوتا ہے اس کی طبیعت الٹی خراب ہوجاتی ہے۔ اس پر بھی لوگوں کی آنکھیں نہیں کھلیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام، انکی بیوی اور چچازاد بھائی حضرت لوط علیہ السلام ہجرت کرکے نکل کھڑے ہوئے اور اللہ ان دونوں کو دو الگ الگ ٹھکانے دیئے۔ پھر صفاتی ترتیب کے ساتھ انبیاء کا ذکر کیا جو صبر اور شکر کے امتحانوں سے گزرے اور ان میں سو فیصد کامیاب رہے۔

چنانچہ پہلے حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا حوالہ دیکر بتایا کہ ان کی طرح ہی شکر گزار بننا چاہیۓ اور اقتدار پاکر اللہ کے حکم کے مطابق معاملات چلانے چاہیں پھر حضرت ایوب علیہ السلام، حضرت اسمٰعیل علیہ السلام، حضرت ادریس علیہ السلام، اور حضرت ذوالکفل علیہ السلام کا حوالہ دیکر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے مظلوم صحابہ کرام کی ہمت افزائی کی کہ جس طرح اللہ کے ان نیک بندوں نے صبر اختیار کیا اور اللہ نے صبر کے بدلے میں اپنی رحمتوں سے نوازا اسی طرح تم بھی مصائب کے مقابلہ میں صبر کا مظاہرہ کرو اللہ تمہیں بھی اپنی رحمتوں سے نوازے گا۔ گویا (اب قیامت تک کے لئے مسلمانون کو یہی سبق دیا جارہا ہے (کاش کہ وہ اسے سمجھیں

اس طرح حضرت یونس علیہ السلام، ذکریا علیہ السلام، یحیٰی علیہ السلام، مریم علیہ السلام، عیسٰی علیہ السلام کا حوالہ دیا جن کے لئے اللہ نے انتہائی تاریک اور مایوس کن حالات میں اپنی قدرت و حکمت کے نہایت حیرت انگیز کرشمے نمودار کئے تاکہ یقین آجائے کہ حالات و اسباب سب اللہ کے اختیار میں ہیں اس لئے اسے راضی کرنے کی فکر کرو۔ سورت کا خاتمہ پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کو اطمینان دلایا ہے کہ اپنے کام میں لگے رہو جو اختلاف کرتے ہیں ان کا معاملہ ہم پر چھوڑ دو۔

اس کے بعد سورہ حج ہے یہ مکی دور کی آخری سورت ہے جبکہ قریش کے ظلم و ستم سے تنگ آکر مسلمانوں نے مدینہ ہجرت شروع کردی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت کا وقت بھی قریب آگیا تھا اس میں قریش کو اللہ کے غضب سے ڈراتے ہوئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت اور بیت اللہ کی تعمیر کرنے کے مقصد کی روشنی میں واضح کیا گیا کہ اس گھر کا متولی ہونے کے اصل حقدار مشرکین نہیں بلکہ وہ مسلمان ہیں جن کو یہاں سے نکالنے کے کئے ان پر مظالم ڈھائے جارہے ہیں۔ اسی طرح قریش کو اللہ کا غدار اور غاصب قرار دیا گیا اور مسلمانوں کو بشارت دی گئی کہ اللہ ان کی حفاظت فرمائے گا اور قریش کی جگہ ان کو اپنی امانت کا امین بنائے گا۔

سورہ ختم کرتے ہوئے قریش کے مشرکانہ عقائد کا خلاف زبردست استدلال پیش کیا جو ہر زمانہ میں قابل غور ہے فرمایا جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے ہیں، اس کو بچا بھی نہیں سکتے. جن سے مانگا جارہا ہے اور جو مانگ رہے ہیں دونوں ہی کمزور ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں نے اللہ کی جیسا کہ اس کا حق ہے ویسی قدر ہی نہیں پہچانی ہے بے شک اللہ سب سے زیادہ قوی اور غالب ہے۔اے ایمان لانے والوں! رکوع اور سجدہ اور اپنے رب کی بندگی کرتے رہو اور بھلائی کے کام کرتے رہو تاکہ فلاح پا سکو اور اللہ کی راہ میں جدو جہد کرو جیسا کہ اس کا حق ہے۔ اس نے تم کو اسی کام کے لئے چن چن کر اکٹھا کیا ہے اور دین کے معاملہ میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔ تمہارے باپ ابراہیم کی ملت کو تمہارے لئے پسند کیا ہے۔ اسی نے تمہارا نام مسلم یعنی اطاعت گزار رکھا ہے۔ پہلے بھی اور اس قرآن میں بھی تاکہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے لئے دین کا مکمل نمونہ بنے اور تم دوسروں کے لئے نمونہ بنو۔ پس نماز کا اہتمام کرو، زکوت ادا کرتے رہو اور اللہ کو مضبوطی سے تھام لو۔ وہی تمہارا ۔مولیٰ ہے اور وہی تمہارا مددگار، کتنا اچھا ہے وہ مولیٰ کتنا، اور کتنا اچھا ہے وہ مددگار

سورہ حج کے آخر میں مسلمانوں سے کہا گیا ہے کہ وہ تمام لوگوں کے لئے دین کے

گواہ یعنی نمونہ بنائے گئے ہیں اس لئے انہیں نماز، زکوت اور توکل علی اللہ کی صفات پیدا کرنی چاہیئے۔ سورہ مومنون کی ابتداء اس کی تفصیل سے کی گئی ہے۔ فرمایا کامیاب ہوگئے وہ اہل ایمان جو ۱ اپنی نمازوں کا خشوع اختیار کرتے ہیں ۲ لغویات یعنی فضول اور بے مقصد باتوں اور کاموں سے دور رہتے ہیں ۳ اپنے نفس، اخلاق زندگی، اور مال سب کا تزکیہ کرتے رہتے ہیں ۴ اپنے جسموں کے قابل شرم حصوں کو چھپا کر رکھتے ہیں اور جنسی معاملات میں آزاد اور بے لگام نہیں ہوتے ۵ اپنی امانتوں اور عہد و پیمان کا پاس رکھتے ہیں ۶ اپنی نمازوں کی محافظت کرتے ہیں۔ یہ لوگ وہ وارث ہیں جو میراث میں فردوس پائیں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

انسان کی پیدائش میں اللہ قدرت کی جو نشانیاں ہیں۔ ان سے موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے پر دلیل دی اور کائنات میں اللہ کی پروردگاری کی جو نشانیاں ہیں ان سے سزا اور جزا کے لازم ہونے کی دلیل دی۔ ہر قسم کے میووں، پھلوں، اور غذا کی دوسری چیزوں، جانوروں، اور ان کے دودھ اور دوسرے فوائد کی تفصیل سے گنا کر توجہ دلائی کہ جو ہستی تمہاری ایک ایک ضرورت اور آسائش کا اس درجہ خیال رکھتی ہے کیا تمہیں اور ان چیزوں کو بنا کر وہ ایک کونے میں جا بیٹھی ہے اور اس بات سے بالکل بے تعلق ہوگئی ہے کہ تم اس کی دنیا میں کیا کر رہے ہو اور کیا نہیں کر رہے ہو۔ کیا انصاف پسندی کا یہ لازمی تقاضہ نہیں ہے کہ وہ ایک دن ایسا بھی لائے جب تم سے تمہاری ذمہ داریوں کی بازپرس ہو اور اللہ

کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے اور اس کے حقوق ادا کرنے والوں کو جزا اور ناشکری اور ظلم کرنے والوں کو سزا دی جائے۔

بتایا کہ تمام انبیاء کو اللہ کی طرف سے ایک ہی دین ملا ہے اور وہ ایک ہی پیغام لیکر آئے ان کی امتوں نے ان کے لائے ہوئے دین کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے رکھ دیا اور اب سب اپنے اپنے طریقوں میں مگن ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تلقین کی گئی کہ صبر کریں اور کچھ دن انہیں اپنے طریقوں پر مگن رہنے دیں - یہ دنیا دار اور دنیا پرست اپنی انہی دلچسپیوں میں ڈوبے رہیں گے یہاں تک کہ جب ہم ان کو پکڑیں گے تو یہ سب چیخیں اور چلائیں گے لیکن یہ سب بیکار ہوگا۔

سورت کے اختتام پر نافرمانوں کو دی جانے والی عبرت ناک سزا کا نقشہ کھینچتے ہوئے فرمایا اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ تم نے ہمارے فرمانبرداروں اور ہم سے بخشش اور رحم کی دعائیں کرنے والوں کا مذاق اڑایا یہاں تک کہ انکی مخالفت میں تم یہ بھی بھول گئے کہ میں بھی کوئی ہوں اور تم ان پر ہنستے رہے۔ آج ان کے صبر کا پھل میں نے یہ دیا ہے کہ انہیں کامیاب کردیا۔ پھر اللہ تعالیٰ ان سے پوچھے گا " بتاؤ زمین میں کتنے سال رہے؟ " وہ کہیں گے "ایک دن یا اس کا کوئی حصہ " ارشاد ہوگا " تھوڑی دیر ٹھہرے ہونا ! کاش تم نے یہ بات

اسی وقت جان لی ہوتی۔ کیا تم نے سمجھ رکھا تھا کہ ہم نے تمہیں فضول پیدا کیا ہے اور تمہیں ہماری طرف کبھی پلٹنا ہی نہیں ہے " اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! دعا کیجئے میرے رب درگزر کر اور رحم فرما ! تو سب رحم کرنے والوں سب سے اچھا رحم کرنے والا ہے۔

سورہ نور میں سب سے پہلے زنا کی سزا بیان کی گئی ہے کہ ہر ایک کو سو کوڑے مارے جائیں پھر جھوٹے الزام کی سزا بیان کی کہ اسی ۸۰ کوڑے مارے جائیں۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر جو الزام منافقین نے لگایا تھا اس سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بری کرتے ہوئے فرمایا کہ " تم نے اسی وقت کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ صریح بہتان ہے "

آج کی تروایح کا بیان ختم ہوا۔ دعا ہے کہ اللہ ہمیں قرآن پڑھنے، سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین اللہ اس قرآن کی برکت سے ہمارے ملک اور شہر کے حالات تبدیل فرمائے آمین

تحریر: مولانا محی الدین ایوبی

پندرہویں تراویح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آج اٹھارویں پارے کے نویں رکوع سے انیسویں پارے کے سولہویں رکوع تلاوت کی جائے گی سورہ نور میں اہل ایمان کو ان احکام اور ہدایت سے آگاہ کیا گیا کہ جو ایک نئے تشکیل پانے والے معاشرے کو ایمان کے اثرات سے مزین اور منافی ایمان مفاسد سے محفوظ رکھنے کے لئے ضروری تھے۔ ابتداء ہی میں یہ فرمایا کہ یہ ایک عظیم سورت ہے۔ ہمارا اتارا ہوا یہ فرمان جو احکام دئے جارہے ہیں ان کی حیثیت فرض کی سی ہے جن کی اطاعت بے چون وچراں کی جانی چاہیے۔ پھر زنا کی سزا کا ذکر کیا کیوں کہ معاشرے کے انتشار اور فساد میں سب سے زیادہ دخل اسی کو ہے۔ معاشرے کے استحکام کا انحصار اس بات پر ہے کہ رحم کے رشتوں کی پاکیزگی برقرار رکھی جائے، ان کا احترام کیا جائے اور انہیں ہر طرح کے خلل اور بگاڑ سے محفوظ رکھا جائے۔ زنا اس پاکیزگی کو ختم کرکے معاشرے کو بالآخر ڈھور ڈنگروں کا ایک گلہ بنا کر رکھ دیتا ہے، رشتوں سے باہمی اعتماد اٹھ جاتا ہے، اسی لئے اسلام نے پہلے دن سے اس انتشار کو روکنے کے لیے تفصیل سے احکام جاری کئے اور زنا کی سزا کو " دین اللہ " یعنی اللہ کا دین قرار دیا۔ آج یہ فلسفہ گھڑا گیا ہے کہ جو لوگ جرم کرتے ہیں وہ ذہنی بیماری کے سبب کرتے ہیں، اس وجہ سے وہ سزا کے نہیں بلکہ ہمدردی کے مستحق ہیں۔ ان کی تربیت

اور اصلاح کرنی چاہئے۔ اس فلسفہ کی برکت سے اللہ کی زمین غنڈوں بدمعاشوں سے بھر گئی ہے۔ چوروں اور زانیوں کی ہمدردی میں لوگ یہاں تک کہ مسلمان بھی نعوذ باللہ اللہ سے زیادہ رحیم بن جاتے ہیں-

معاشرے کو خرابیوں سے بچانے کے لئے جو احکام دئے گئے ان میں سے چند اہم یہ ہیں۔ ا مسلمان مرد و عورت کا یہ حق ہے کہ دوسرے افراد ان کے بارے میں اچھا گمان رکھیں اور جب تک دلیل سے کسی چیز کا غلط ہونا ثابت نہ ہوجائے سنی سنائی باتوں پر کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہئے۔ ۲ شریر لوگوں کو بھی کھلی چھٹی نہیں ملنی چاہئے بلکہ انہیں برائی سے روکنا چاہیئے اور مسنون طریقوں کی تلقین کرنا چاہئے ۳ بدمعاش لوگ اچھے معاشرے کو برداشت نہیں کرسکتے اس لئے بے حیائی کا چرچا کرتے ہیں مگر یہ بات اللہ سے نزدیک بہت بری ہے، بے حیائی پھیلانے والوں کے لئے دنیا اور آخرت میں رسوا کرنے والا عذاب ہے ۴ بے اجازت ایک دوسرے کے گھروں میں داخل نہیں ہونا چاہئے، تین دفعہ اجازت مانگنے پر بھی جواب نہ ملے تو واپس لوٹ جانا چاہئے ۵ عورت اور مرد دونوں کو آمنا سامنا ہونے پر نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، کیونکہ دونوں کے درمیان سب سے پہلا قاصد نگاہ ہوتی ہے۔ ٦ نفسانی اشتعال سے بچنے کے لئے باوقار لباس پہننے اور دوپٹہ اوڑھنے کو ضروری قرار دیا گیا جس سے سر اور گریبان کو ڈھانکا جائے یہاں تک کہ سینہ بھی چھپ جائے۔ ۷ بیوہ عورتوں اور

لونڈی غلاموں تک کا نکاح کرنے کی تاکید کی اور کہا کہ جب کوئی نکاح کی عمر کو پہنچ جائے تو لازماً نکاح کا بندوبست ہونا چاہیے۔

کائنات کی نشانیوں پر غور کرنے کی دعوت دی کہ اس کائنات میں تمام اختیارات اور تصرفات کا مالک اللہ واحدہ لاشریک ہے ہر چیز اس کی حمد اور تسبیح کرتی ہے اس لئے انسانوں پر بھی فرض ہے کہ اس پر ایمان لائیں۔ اس کی عبادت اور اطاعت میں کسی کو شریک کرکے اس کے غضب کے مستحق نہ بنیں۔ یہاں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اللہ کے حکم کے خلاف کس کی اطاعت نہ کی جائے۔ ہمارے ہاں ایک بیماری یہ پھیلی ہوئی ہے کہ کہ اگر شوہر بے پردگی اور بے حیائی چاہتا ہے تو عورت یہ کہہ کر کہ شوہر ایسا چاہتا ہے وہی روش اختیار کرلیتی ہیں، اس کا کوئی جواز نہیں ہے۔ منافقین کو تنبیہہ کی کہ انہوں نے جو روش اپنائی ہوئی ہے کہ اپنے مفاد کی حد تک اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کہنا مانتے ہیں اور مفاد کے خلاف ان کے حکم کو ٹال جاتے ہیں، یہ روش اب نہیں چلے گی۔ ماننا ہے تو پوری یکسوئی کے ساتھ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم مانو ورنہ اللہ کو تمہاری کوئی پرواہ نہیں۔

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سچے ساتھیوں کو واضح الفاظ میں خوشخبری دی کہ زمین کی خلافت انہیں ملے گی اور مخالفین اور دین کے دشمن تمہارا اور

تمہارے دین کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ تم نماز کا اہتمام کرو، زکوت ادا کرتے رہو اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت پر پوری طرح دل جمی سے ڈٹے رہو۔ جلد وقت آنے والا ہے کہ اللہ خوف کی حالت کو امن اور اطمینان سے بدل دے گا۔

اب سورہ فرقان نہایت مؤثر انداز میں شروع ہوتی ہے۔بڑی بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر حق و باطل کے درمیان امتیاز کرنے والی کتاب اتاری تاکہ اہل عالم کو ہوشیار کردے کہ وہ ذات آسمانوں اور زمین کی بادشاہی کی مالک، کسی بیٹے یا بادشاہی میں کسی کی شرکت سے پاک ہے۔ اس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے، پھر اس کی تقدیر مقرر کی۔ لوگوں نے اس ہستی کو چھوڑ کر انہیں معبود بنالیا جو کسی کو پیدا نہیں کرتے بلکہ خود پیدا کیے جاتے ہیں۔ جو نہ مار سکتے ہیں نہ جال سکتے ہیں۔

منکرین حق کا انجام بتاتے ہوئے ان کے انکار کی اصل وجہ بتائی گئی کہ کیونکہ یہ لوگ ایک مرتبہ اس گھڑی کو جھٹلا چکے ہیں اس لئے اب ضد پر اڑے ہوئے ہیں مگر جب وہ گھڑی آنے پر ہاتھ پیر باندھ کر بھڑکتی ہوئی آگ میں ایک جگہ ٹھونسے جائیں گے تو اپنی موت کو پکارنے لگیں گے۔ اس وقت ان سے کہا جائے گا " آج ایک موت نہیں بلکہ بہت سی موتوں کو پکارو " ان سے پوچھو یہ انجام اچھا

ہے وہ ابدی جنت جس کا وعدہ خداترس لوگوں سے کیا گیا ہے جو ان کے عمل کی جزا اور ان کے سفر کی آخری منزل ہوگی۔ اس کا عطا کرنا تمہارے رب کے ذمہ ایک واجب الادا وعدہ ہے۔ کبھی تم نے اس شخص کے حال پر غور کیا جس نے اپنی خواہشات نفس کو اپنا خدا بنا لیا ہے؟ کیا تم ایسے شخص کو راہ راست پر لانے کا ذمہ لے سکتے ہو؟ یہ تو جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے۔

سائے کے نظام کو اپنی قدرت کاملہ اور توحید کی دعوت کے برحق ہونے دلیل میں پیش کیا کہ تمہاری زندگی اس سائے کی طرح گھٹنے بڑھنے کی محتاج ہے کیوں کہ سورج کی روشنی اور حرارت پر سب کی زندگی کا دار ومدار ہے اور سایہ اس کی وجہ سے ہے۔ اگر سایہ ہمیشہ ساتھ رہے یا ہمیشہ سورج نہ نکلے تو ساری مخلوق اس کی شعاعوں سے جھلس کر رہ جائے۔ یہ تو ایک حکیم اور قادر مطلق خالق ہے جس نے سورج اور زمین کے درمیان ایسی مناسبت قائم رکھی ہے جو ہمیشہ لگے بندھے اصولوں سے آہستہ آہستہ سایہ ڈالتی ہے اور گھٹاتی بڑھاتی رہتی ہے۔ یہ حکیمانہ نظام نہ تو خود بخود قائم ہو سکتا ہے اور نہ بے اختیار خدا اسے قائم کرکے چلا سکتے ہیں۔

خاتمہ پر اللہ کے اصل بندے کہلانے کے مستحق افراد کا نقشہ کھینچا ہے۔ رحمان کے اصل بندے وہ ہیں جو نرم چال چلنے والے، جاہلوں سے بحث میں نہ الجھنے

والے، عبادت گزار، عذاب سے بچنے کی دعائیں مانگنے والے، اعتدال کے ساتھ خرچ کرنے والے، ناحق کسی کو نہ مارنے والے، بدکاری، جھوٹی گواہی اور لغو باتوں سے بچنے والے اور اپنے رب کی آیات کا گہرا اثر قبول کرنے والے، ایسے بندوں کا جنتوں میں شاندار استقبال ہوگا۔

سورہ الشعراء کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے کہ " اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! کیا آپ اپنی جان اس غم میں کھو دیں گے کہ یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے۔ ہم چاہیں تو ان کے مطالبہ کے مطابق آسمان سے ایسی نشانی نازل کر سکتے ہیں کہ ان کی گردنیں اس کے آگے جھک جائیں، مگر اس طرح کا جبری ایمان ہمیں مطلوب نہیں ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ لوگ عقل و فہم سے کام لیکر ایمان لائیں۔

آخر کے رکوع میں بحث کو سمیٹتے ہوئے کہا گیا کہ اگر تم لوگ نشانیاں ہی دیکھنا چاہتے ہو تو آخر وہ خوفناک نشانیاں دیکھنے پر کیوں اصرار کرتے ہو جو تباہ شدہ قوموں نے دیکھی ہیں۔ اس قرآن کو دیکھو، اس کے لانے والے کو دیکھو، اس کے ساتھیوں کو دیکھو، کیا یہ کلام کسی شیطان یا کسی جن کا کلام ہو سکتا ہے؟ کیا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے ساتھی تم کو ایسے نظر آتے ہیں جیسے شاعر اور ان کے داد دینے والے ہوتے ہیں، ضد کی بات تو دوسری ہے مگر اپنے دلوں کو ٹٹول کر دیکھو کہ وہ کیا گواہی دے رہے ہیں، اگر دلوں میں

تم خود جانتے کہ کہانی اور شاعری کا اس سے دور کا بھی تعلق نہیں تو پھر یہ بھی جان لو کہ تم ظلم کر رہے ہو اور ظالموں کا انجام بھی دیکھو گے۔

آج سورہ نمل کے دو رکوع پڑھے جائیں گے جن کا مفہوم انشاء اللہ کل کی آیات کے ساتھ بیان کیا جائے گا۔ آج کی تراویح کا بیان ختم ہوا۔ دعا ہے کہ اللہ ہمیں قرآن پڑھنے، اس کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین اللہ اس قرآن برکت سے ہمارے **ملک** اور شہر کے حالات درست فرمائے۔ آمین.

تحریر: مولانا محی الدین ایوبی

سولہویں تراویح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آج انیسویں پارے کے سترہویں رکوع سے بیسویں پارے کے اختتام تک تلاوت کی جائے گی۔ سورہ نمل میں یہ واضح فرمایا ہے کہ اس کتاب کو اللہ نے ہدایت اور بشارت بنا کر نازل کیا ہے لیکن اس پر ایمان وہی لائیں گے جن کے دلوں کے اندر آخرت کا خوف ہے جو لوگ اس دنیا کے عیش و آرام میں مگن ہیں وہ اپنے مشغلوں کو نہیں چھوڑ سکتے۔ انکے اعمال ان کی نگاہوں میں اس طرح خوش نما بنا دیئے گئے ہیں کہ اب کوئی یاد دہانی اور ڈراوا ان پر کارگر نہیں ہو سکتا اس سلسلہ میں ان کے سامنے تین قسم کی سیرتوں کے نمونے رکھے گئے ہیں، ایک نمونہ فرعون، قوم ثمود کے سرداروں اور قوم لوط کے سرکشوں کا جن کی سیرت آخرت کی جواب دہی کے تصور سے خالی تھی اور اس کے نتیجہ میں انھوں نے نفس کی بندگی اختیار کی، کسی بھی نشانی کو دیکھ کر ایمان لانے پر تیار نہ ہوئے بلکہ الٹے ان لوگوں کے دشمن بن گئے جنھوں نے انہیں نیکی کی طرف بلایا۔ انھوں نے اپنی بدکاریوں پر اصرار کیا آخر عذاب اللہ نے انہیں آ پکڑا اور ایک لمحہ پہلے تک بھی انہیں ہوش نہ آیا۔

دوسرا نمونہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا ہے جن کو دولت، حکومت اور شوکت و حشمت سے نوازا تھا کہ کفار مکہ اس کا خواب بھی نہ دیکھ سکتے تھے لیکن اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو اللہ کے حضور جواب دہ سمجھتے تھے اور انہیں احساس تھا کہ انہیں جو کچھ بھی حاصل ہے اللہ کی عطا سے حاصل ہے اس ان کا سر ہمیشہ اس حقیقی انعام دینے والے کے آگے جھکا رہتا ہے اور نفس کے گھمنڈ کا زرا سا شائبہ بھی انکی سیرت میں نہیں پایا جاتا تھا۔ تیسرا نمونہ ملک سبا کا ہے جو تاریخ عرب کی نہایت دولت مند قوم کی حکمران تھی اس کے پاس وہ تمام مال و اسباب جمع تھے جو کسی انسان کو غرور اور سرکشی میں مبتلا کر سکتے تھے اور سرداران قریش کے مقابلہ میں لاکھوں درجہ زیادہ حاصل تھے پھر وہ ایک مشرک قوم سے تعلق رکھتی تھی باپ داد کی تقلید کی بناء پر بھی اپنی قوم میں اپنی سرداری برقرار رکھنے کی خاطر بھی اس کے لئے شرک کے دین کو چھوڑ کر توحید کے دین کو اختیار کرنا اس سے نہایت زیادہ مشکل کام تھا جتنا کسی عام مشرک کے لئے ہو سکتا ہے۔ لیکن جب اس پر حق واضح ہوگیا تو کوئی چیز اسے حق قبول کرنے سے نہیں روک سکی کیونکہ گمراہی صرف اس وجہ سے تھی کہ اس نے آنکھ ہی مشرکانہ ماحول میں کھولی تھی لیکن نفس کی بندگی اور خواہشات کی غلامی کا مرض اس پر مسلط نہیں تھا۔ چنانچہ اللہ کے حضور جواب دہی کا احساس اس کے ضمیر میں موجود تھا اور اسی وجہ سے اس حق قبول کی سعادت

حاصل ہوئی۔

اس کے بعد کائنات کے چند نمایاں مشہور ترین حقائق کی طرف اشارے کئے ہیں اور پوچھا ہے کہ " اللہ زیادہ معتبر ہے یا وہ معبود جنہیں لوگ اللہ کا شریک بنائے بیٹھے ہیں؟ پھر بناوٹی خداؤں کے متعلق جو لوگ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ انہیں غیب کا علم حاصل ہوتا ہے اس کی تردید فرمائی اور فرمایا اللہ کے سوا آسمان اور زمین میں کوئی غیب کا علم نہیں رکھتا اور جن دوسروں کے بارے میں یہ گمان کیا جاتا ہے کہ وہ بھی غیب کا علم رکھتے ہیں اور اسی بناء پر انہیں خدائی میں شریک ٹھہرالیا گیا ہے ان بے چاروں کو تو خود اپنے مستقبل کی خبر نہیں وہ نہیں جانتے کہ قیامت کی گھڑی کب آئے گی؟ اور کب اللہ تعالیٰ انکو دوبارہ اٹھا کھڑا کرے گا اور کیا گزرے گی اس روز جب صور پھونکا جائے گا اور وہ ہول کھا جائیں گے وہ سب جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں سوائے انکے جنہیں اللہ اس ہول سے بچانا چاہے گا اور سب کان دبائے اس کے حضور حاضر ہو جائیں گے۔

آج تم پہاڑوں کو دیکھتے ہو اور سمجھتے ہو کہ وہ خوب گڑے ہوئے ہیں مگر اس وقت یہ بادلوں کی طرح اڑ رہے ہونگے۔ یہ اللہ کی قدرت کا کرشمہ ہوگا جس نے ہر چیز کو حکمت کے ساتھ استوار کیا ہے وہ خوب جانتا ہے کہ تم لوگ کیا کر رہے ہو، جو شخص بھلائی لیکر آئے گا اسے زیادہ بہتر صلہ ملے گا اور ایسے ہی

لوگ اس دن ہول سے محفوظ ہونگے اور جو برائی لیکر آئے گا ایسے سب لوگ اوندھے منہ آگ میں پھینک دیئے جائیں گے۔ کیا تم لوگ اس کے سوا کوئی اور بدلہ پا سکتے ہو ۔جیسا کرو ویسا بھرو

ان سے فرما دیجئے کہ مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ اس شہر کے رب کی بندگی کروں جس نے اسے حرم بنایا ہے اور جو ہر چیز کا مالک ہے۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ مسلم یعنی فرمانبردار بن کر رہونگا اور یہ قرآن پڑھ کر سناؤنگا اب جو ہدایت اختیار کرے گا اور جو گمراہ ہوگا ان سے کہہ دیجئے میں تو بس خبردار کرنے والا ہوں۔

سورہ القصص میں ان شبہات اور اعتراضات کو دور کیا گیا ہے جو اہل مکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر کر رہے تھے اور ان کے ان بہانوں کو رد کیا ہے جو وہ ایمان نہ لانے کے لیے پیش کر رہے تھے، اس غرض کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کیا گیا اور چند حقائق ذہن نشین کرائے گئے، مثلاً جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اس کے لئے غیر محسوس طریقہ پر اسباب و ذرائع فراہم کر دیتا ہے۔ جس بچہ کے ہاتھوں فرعون کا تختہ الٹنا تھا اسے اللہ نے خود فرعون کے گھر میں پرورش کرا دیا اور فرعون یہ جان ہی نہ سکا کہ کس کی پرورش کر رہا ہے! ایسے خدا سے کون لڑ کر کامیاب ہو سکتا ہے۔

اسی طرح بتایا گیا کہ نبوت کی ذمہ داری کسی کو بھی بڑے جشن منا کر اور آسمان و زمین میں زبردست اعلان کرکے نہیں دی گئی تم حیرت کرتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چپکے سے نبوت کیسے مل گئی مگر موسٰی علیہ السلام کو بھی اس طرح راستہ چلتے ہم نے نبوت دیدی تھی کہ کسی کو کانوں کان بھی خبر نہ ہوئی کہ آج طور سینا کی وادی ایمن میں کیا واقعہ پیش آگیا۔ خود حضرت موسٰی علیہ السلام بھی ایک لمحہ پہلے بھی نہیں جانتے تھے کہ انہیں کیا چیز ملنے والی ہے وہ آگ لینے کے لئے گئے اور پیغمبری مل گئی۔ پھر یہ کہ جس بندے سے اللہ کا کوئی کام لینا چاہتا ہے وہ بغیر کسی لاؤ لشکر اور سروسامان کے اٹھتا ہے بظاہر کوئی طاقت اس کی مددگار نہیں ہوتی مگر بڑے لاؤ لشکر والے آخرکار اس کے مقابلہ میں بے بس ہوجاتے ہیں۔ آج جو نسبت تم اپنے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان پا رہے ہو اسے بھی کہیں زیادہ فرق حضرت موسٰی علیہ السلام اور فرعون کی طاقت کے درمیان تھا مگر دیکھ لو کہ کون جیتا اور کون ہارا؟

سورت کے اختتام پر اعلان ہوتا ہے کہ ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوائے اس ذات کے۔ فرمانروائی اسی کی ہے اور تم سب سی کی طرف پلٹائے جانے والے ہو۔

سورہ عنکبوت مکہ معظّمہ کے اس دور میں نازل ہوئی ہے کہ جب مسلمانوں پر مصیبتوں کے پہاڑ توڑے جارہے تھے کفار کی طرف سے اسلام کی مخالفت پورے زور و شور سے ہورہی تھی ان حالات میں اللہ تعالٰی نے یہ سورت سچے مومنوں میں عزم و ہمت اور استقامت پیدا کرنے اور دوسرے کمزور ایمان والوں کو شرم دلانے کے لئے نازل فرمائی ،اس کے ساتھ کفار مکہ کو بھی اس میں سخت تنبیہہ کی گئی کہ اپنے انجام کو دعوت نہ دیں جو ہر زمانہ میں حق سے دشمنی کرنے والوں کا ہوتا آیا ہے۔

اس سلسلہ میں ان سوالات کا بھی جواب دیا گیا ہے جو بعض نوجوانوں کو اس وقت پیش آرہے تھے مثلًا والدین ان پر زور دیتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ چھوڑ دو اور ہمارے دین پر قائم رہو جس قرآن پر تم ایمان لائے ہو اس میں تو یہ لکھا ہے کہ ماں باپ کا حق سب سے زیادہ ہے ان کا کہا مانو، اس کا جواب دیا گیا کہ " ہم ہی انسان کو ہدایت کی ہے کہ اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرے لیکن اگر واقعی وہ تجھ پر زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ کسی ایسے معبود کو شریک ٹھہرائے جسے تو (میرے شریک کی حیثیت سے) نہیں جانتا تو ان کی اطاعت نہ کر "

اسی طرح اسلام قبول کرنے والوں سے ان کے قبیلہ کے لوگ کہتے تھے کہ عذاب

ثواب ہماری گردن پر تم تو ہمارا کہنا مانوں ۔۔۔۔۔۔اس کا جواب دیا گیا۔۔۔۔۔۔ یہ کافر لوگ ایمان لانے والوں سے کہتے ہیں کہ تم ہمارے طریقہ کی پیروی کرو اور تمہاری خطاؤں کو ہم اپنے اوپر لے لیں گے۔ حالانکہ انکے خطاؤں میں سے کچھ بھی وہ اپنے اوپر لینے والے نہیں وہ قطعاً جھوٹ کہتے ہیں۔ ہاں ضرور وہ اپنے بوجھ بھی اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ دوسرے بہت سے بوجھ بھی یعنی ایک بوجھ اپنی گمراہی کا اور دوسرا بوجھ دوسروں کو گمراہ کرنے کا اور قیامت کے روز یقیناً ان سے جھوٹ گھڑنے کی بازپرس ہوگی جسے انہوں نے اپنی عادت بنا لیا ہے۔

اہل ایمان کے سامنے حضرت نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، مدین، عاد، ثمود، قارون، فرعون، اور ہامان کے واقعات بیان کرکے یہ پہلو نمایاں کیا گیا کہ پچھلے انبیاء پر کیسی کیسی سختیاں گزریں اور کتنی کتنی مدت تک وہ ستائے گئے پھر اس کی طرف سے ان کی مدد ہوئی اس لئے گھبراؤ نہیں اللہ کی مدد ضرور آئے گی مگر آزمائش آئے گی، مگر اس آزمائش کا ایک دور گزرنا ضروری ہے ساتھ ہی کفار مکہ کو بھی ان قصوں کے ذریعے تنبیہہ کی گئی اگر اللہ کی طرف سے پکڑ ہونے میں دیر لگ رہی ہے تو یہ نہ سمجھ بیٹھو کہ کبھی پکڑ ہوگی ہی نہیں پچھلی تباہ شدہ قوموں کے کھنڈرات تمہارے سامنے ہیں دیکھ لو کہ آخرکار انکی شامت آکر رہی۔

مسلمانوں کو ہدایت کی گئی کہ اگر ظلم وستم ناقابل برداشت ہوجائیں تو ایمان چھوڑنے کی بجائے گھربار چھوڑ نکل جائیں اللہ کی زمین وسیع ہے جہاں اللہ کی بندگی کرسکو وہاں چلے جاؤ اور کتنے پیارے انداز میں کہا ہے کہ .... کتنے ہی جانور ہیں جو اپنا رزق اپنی پیٹھوں پر اٹھائے نہیں پھرتے اللہ انکو رزق دیتا ہے وہی تمہیں بھی دے گا وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔

آج کی تراویح کا بیان ختم ہوا۔ اللہ تعالی سے دعا ہے کہ ہمیں قرآن پڑھنے، اس کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ اللہ اس قرآن کی برکت سے ہمارے ملک اور شہر کے حالات بہتر بنائے آمین

تحریر: مولانا محی الدین ایوبی

ستمبر 1965 اور ستمبر 2009

دنیا میں وہی قومیں ترقی کرتی ہیں اور تاریخ میں اپنا نام پیدا کرتی ہیں جو اپنی قومی غیرت خودداری کا سودا نہیں کرتی ہیں۔ جو اپنی آزادی کی قدر کرتی ہیں اور جو دوستوں اور دشمنوں کے ساتھ معاملات میں اپنا قومی مفاد سب سے مقدم رکھتی ہیں۔ تاریخ نے ان قوموں کو ہمیشہ یاد رکھا ہے۔ ویت نام ایک چھوٹا سا ملک ہے لیکن اس نے اپنی آزادی پر حملہ کرنے والے امریکہ کو ایسا سبق سکھایا کہ وہ آج تک یاد کرتا ہے اور وقت کا مؤرخ جب بھی ویت نام کا ذکر کرے تو یہ ضرور لکھے گا کہ اس چھوٹے سے ملک نے اپنے سے کئی گنا زیادہ طاقت ور ملک کو خاک چاٹنے پر مجبور کردیا تھا۔ جب ویت نام کا ذکر چل پڑا ہے تو برسبیل تذکرہ یہ بھی واقعہ سناتے چلیں کہ ویت نام سے امریکی فوجوں کی شرمناک پسپائی کے کافی عرصہ بعد ویت نام کے صدر ہوچی منہ سے ایک پریس کانفرنس میں ایک صحافی نے طنز کرتے ہوئے کہا کہ جناب امریکہ کے صدر کہتے ہیں کہ ویت کا صدر بہت گندے جوتے پہنتا ہے۔ اس پر ہوچی منہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا کہ اس میں ان کا قصور نہیں ہے بلکہ ویت نام میں امریکیوں کو اتنے جوتے پڑے ہیں کہ اب ہر امریکی کی نظر سب سے پہلے ہمارے جوتوں پر ہی جاتی ہے۔ خیر یہ تو ایک تمہید تھی اب ہم اصل موضوع کی طرف آتے ہیں۔

ستمبر ۱۹۶۵ بھی ایک ایسا ہی دن تھا جب ایک جارح پڑوسی ملک بھارت نے بلا کسی جواز کے رات کی تاریکی میں اچانک پاکستان پر حملہ کر دیا تھا اور انکا خیال تھا کہ رات کو ہم حملہ کریں گے اور ناشتہ لاہور جیم خانہ میں کریں گے۔ لیکن پھر چشم فلک نے یہ منظر دیکھا کہ ایک چھوٹے اور کمزور ملک نے اپنے سے کئی گنا بڑے دشمن کو ناکوں چنے چبا دیئے، اس کی آرزوؤں کو خاک میں ملا دیا۔ نہ صرف یہ کہ اس کے حملہ کو پسپا کر دیا بلکہ دشمن کو رگیدتے ہوئے اس کو کئی کلومیٹر تک اس کی سرحد کے اندر گھس گئے اور اس" سورما" کو لینے کے دینے پر گئے تھے۔

اس وقت کی جنگ میں کامیابی کا تجزیہ کیا جائے تو دو عوامل واضح نظر آتے ہیں اول یہ کہ اس موقع پر پوری قوم تمام اختلافات بھلا کر یکجان ہو گئی تھی، اور سب ایک جارح دشمن کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئے تھے۔ دوسری بات یہ کہ اگرچہ اس وقت بھی ایک آمر کی حکومت تھی لیکن اس نے دشمن کے ساتھ کسی بھی ڈیل کے بجائے اس کو اس کی زبان میں جواب دیا جو اس ہندو بنئے کو بخوبی سمجھ میں آگیا کیوں کہ یہ ہندو بنیا صرف دو زبانیں سمجھتا ہے یا تو مایا کی یا جوتوں کی ! اور اس وقت کے ہمارے حکمران صدر ایوب خان نے اس کو جوتوں کی زبان میں سمجھا کر یہ بات ثابت کر دی تھی کہ لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں

مانتے اور ہم اپنی آزادی و خود مختاری کا سودا نہیں کریں گے اور اپنی سرحدوں کی حفاظت ہم اپنی جان پر کھیل کر بھی کریں گے۔

آج تقریباً تینتالیس سال بعد جو ستمبر آیا ہے تو صورتحال بہت تشویش ناک ہے۔ کل جو قوم ایک متحد قوم تھی آج اس کا اتحاد پارہ پارہ ہے، کل قوم ایک نکتے پر متفق تھی تو آج قوم کا ذہن بٹا ہوا ہے قوم کی یکسوئی ختم ہو کر رہ گئی ہے۔ کل یہ بات اظہر من الشمس تھی کہ بھارت ہمارا دشمن تھا اور ہے، آج اس معاملے پر بھی قوم کو الجھا دیا گیا ہے۔ یہ وہی بات ہے کہ قوم کی یکسوئی ختم کردی گئی ہے۔ کل کے حکمران کم از کم کسی نہ کسی حد تک ملک کے مفاد کے لئے اقدامات اٹھاتے تھے لیکن آج ہمارے حکمرانوں کا جائزہ لیا جائے تو نظر آتا ہے کہ گزشتہ دس سال سے ہمارے حکمرانوں نے ملکی مفاد سے زیادہ ذاتی مفاد اور سامراجی طاقتوں کے مفاد کا زیادہ تحفظ کیا ہے۔

سات ستمبر کو یوم فضائیہ منایا جاتا ہے، آج بھی سات ستمبر ہے لیکن آج کیا صورتحال ہے کل ہم نے ایک جارح دشمن کو اس کی ناپاک جسارت کا مزہ چکھایا تھا اور آج یہ حال ہے کہ آئے دن امریکی میزائل، ڈرون حملے ہو رہے ہیں لیکن شائد حکمرانوں نے اس کو اب ایک روٹین کی بات سمجھ لیا ہے۔ صورتحال یہ ہے کہ اب امریکی اور نیٹو افواج ہماری سرحدوں میں ہیلی کاپٹر لیکر آجاتے ہیں انکے

سپاہی ہمارے دیہاتوں میں اتر کر لوگوں کو قتل کرتے ہیں اور اطمینان سے انہیں ہیلی کاپٹروں میں فرار ہوجاتے ہیں۔ ابھی چار ستمبر ہی کی خبر ہے کہ نیٹو کے طیارے چمن بارڈر سے پاکستانی حدود کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اندر گھس آئے اور تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک موجود رہے اور واپس چلے گئے؟؟؟؟ یہ واقعہ ستمبر ۲۰۰۹ میں پیش آیا ہے اور ستمبر ۱۹۶۵ میں ایک جانباز سپاہی ایم ایم عالم نے پاکستانی حدود کی خلاف ورزی کرنے والے سات بھارتی طیاروں کو مار گرایا تھا۔ میں نے جب یہ خبر سنی تو مجھے وہ جانباز سپاہی بہت یاد آیا۔ ایم ایم عالم تو نہ رہے لیکن ایم ایم عالم کی تربیت کرنے والی پاک فضائیہ کہاں گئی وہ تو موجود ہے اس کے باوجود یہ نیٹو، یہ امریکی ڈرون ہماری سرحدوں کو روندتے ہوئے آتے ہیں اور ہماری غیرت اور خودمختاری کو پامال کرتے ہوئے واپس چلے جاتے ہیں۔

کل ستمبر ۱۹۶۵ میں جب بھارتی فوج نے اپنے ٹینک آگے بڑھائے تو ہماری فوج سے پہلے ہمارے عوام نے، ہمارے محب وطن لوگوں نے جسموں پر بم باندھ کر ان ٹینکوں کے نیچے لیٹ کر جام شہادت نوش کیا اور دشمن کی پیش قدمی روکی تھی۔ لیکن ! لیکن آج۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔آج دیکھا جائے تو یہاں بھی صورتحال انتہائی تشویشناک ہے۔ اول تو آج قوم کے اتحاد کو ختم کرنے کی سازش کی جارہی ہے اور اس میں دشمن کافی حد تک کامیاب بھی ہے، سرحد میں ہماری فوج اپنے ہی لوگوں

سے برسرپیکار ہے۔ ہمارے بلوچ بھائی بھی حکمرانوں کے ساتھ ساتھ اب ریاست ہی سے ناراض ہیں۔ سندھ میں بھی قوم پرستی کا زور چل رہا ہے اور سندھ اور بلوچستان میں سرعام سندھو دیش، اور آزاد بلوچستان کے نعرے لگ رہے ہیں۔ سندھ کے شہری علاقوں میں ایک ایسا گروہ موجود ہے جو سامراجی طاقتوں کا پرجوش حامی ہے۔ پنجاب میں بھی سرائیکستان، اور الگ صوبے کے نعرے لگ رہے ہیں۔

اس کے باوجود بھی جب یہ دیکھا گیا کہ ابھی بھی اس قوم میں ایسی چنگاریاں موجود ہیں جو کسی بھی وقت شعلہ بن سکتی ہیں تو پھر ہماری عوام کو آٹا، چینی، بجلی، اور ایسے ہی مسائل میں الجھا دیا گیا ہے کہ اب ان ساری جدوجہد نان شبینہ اور بچوں کا دوا دارو کا انتظام کرنے کے لئے ہوتی ہے۔ تاکہ وہ حکمرانوں سے یہ نہ پوچھ سکے کہ جناب یہ جو ڈرون حملے ہو رہے ہیں انکو روکا کیوں نہیں جا رہا ہے؟ آئے دن یہ امریکی اور نیٹو افواج ہماری سرحدوں کیخلاف ورزی کرتی ہیں تو ان کو روکا کیوں نہیں جا رہا ہے؟ یہ امریکی بکتر بند گاڑیاں آ رہی ہیں ان کا کیا جواز ہے؟ امریکی سفارت خانے کی توسیع، اور وہاں سینکڑوں امریکی سپاہیوں کی موجودگی کا جواز ہے؟ بھارت ہمارے پانیوں پر کیوں قبضہ کرتا جا رہا؟ سیکورٹی کے نام پر بلیک واٹر کا فحش گروہ ہمارے ملک میں کیوں موجود ہے؟ (یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ بلیک واٹر کے ارکان کی اکثریت امریکہ کی سڑکوں پر پھرنے والے (ناجائز) نوجوانوں اور فحش ہم جنس پرتوں

پر مشتمل ہے) امریکی اہل کار ہمارے ہی ملک میں ہمارے ہی لوگوں کی تذلیل کیوں کر رہے ہیں؟

آج ستمبر دو ہزار نو میں ایک بار پھر اسی جذبہ کے ضرورت ہے جو ستمبر ۱۹۶۵ میں تھا تاکہ ہم دشمن کی سازش کا مقابلہ کر سکیں اور ارض وطن کی حفاظت کر سکیں۔ آج ضرورت اسی بات کی ہے کہ ہم ملک میں بڑھتے ہوئے امریکی اثر نفوذ کے خلاف پر زور احتجاج کریں اور حکمرانوں کو مجبور کریں کہ وہ اپنی خود مختاری کا سودا نہ کریں اور نہ ہی اپنے ذات مفادات کی خاطر ملک کی سالمیت کو سامراجی طاقتوں کے ہاتھوں گروی نہ رکھیں بلکہ ملکی مفادات میں فیصلہ کریں اور بڑھتی ہوئی غیر ملکی مداخلت کو ختم کریں

سترہویں تراویح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آج اکیسویں پارے اتل ما اوحی کی تلاوت کی جائے گی: سورہ عنکبوت کی آیات میں اہل ایمان میں عزم و ہمت پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ کفار کو سمجھانے کا پہلو بھی چھوٹنے نہیں پایا، توحید اور آخرت دونوں حقیقتوں کو دلائل کے ساتھ ان کے سامنے بیان کیا گیا۔ فرمایا " اگر تم ان لوگوں سے پوچھو کہ زمین اور آسمان کو کس نے پیدا کیا ہے اور چاند اور سورج کو کس نے تمہاری خدمت پر لگایا ہے تو ضرور کہیں گے کہ اللہ نے ! پھر یہ کیسے دھوکہ کھا رہے ہیں؟ اگر تم ان سے پوچھو کس نے آسمان سے پانی برسایا اس کے بعد مردہ زمین کو جلا اٹھایا؟ تو ضرور کہیں گے کہ اللہ نے ! کہو الحمد اللہ یعنی جب یہ سارے کام اللہ کر رہا ہے تو پھر حمد و تعریف اور عبادت کا مستحق بھی وہی ہے یہ دنیا کی زندگی کچھ نہیں ہے مگر ایک کھیل اور دل بہلاوا ہے، یعنی اس کی حقیقت بس اتنی ہے جیسے تھوڑی دیر کے لئے کھیل کود لیں اور پھر اپنے گھر کو سدھار جائیں۔

یہاں جو بادشاہ بن گیا وہ حقیقت میں بادشاہ نہیں بن گیا ہے بلکہ صرف بادشاہی کا ڈرامہ کر رہا ہے ایک وقت آتا ہے کہ جب اس کا یہ کھیل ختم ہو جاتا ہے اور اسی طرح خالی ہاتھ تخت سے رخصت ہو جاتا ہے جس طرح دنیا میں آیا تھا، اصل زندگی کا گھر تو آخرت کا گھر ہے کاش یہ لوگ جانتے !

کیا لوگ نہیں دیکھتے کہ ہم نے چاروں طرف لوٹ مار کرنے والوں کے درمیان مکہ کو ایک پرامن حرم بنا دیا ہے پھر بھی یہ باطل کو مانتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کا کفران کرتے ہیں کیا ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنم نہیں ہے جو لوگ ہماری خاطر مجاہدہ کریں گے انہیں ہم اپنے راستے کی ہدایت دیں گے اور یقیناً اللہ دین کا کام کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اب سورہ روم شروع ہوتی ہے جو ٦١٥ عیسوی میں ایرانیوں نے روم پر غلبہ حاصل کرلیا، اسی سال مسلمانوں نے حبشہ ہجرت کی۔ روم پر آتش پرستوں کے قبضے کی وجہ سے لوگوں میں چہ میگوئیاں ہوئیں کہ آسمانی مذاہب کے ماننے والے آگ کی پوجا کرنے والوں سے کیسے شکست کھا گئے اس بات کو مشرکوں نے اپنے مذہب کے حق ہونے کی دلیل سمجھا، چنانچہ ایران کے بادشاہ خسرو نے بیت المقدس پر قبضہ کرکے ہرقل کو خط لکھا" تو کہتا ہے کہ تجھے اپنے رب پر بھروسہ ہے کیوں نہ تیرے رب نے یروشلم کو میرے ہاتھ سے بچایا" اس بات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے اور آج بھی یہ ہورہا ہے کہ جب کم ظرفوں کو دنیا میں ذرا سی کامیابی ہوتی ہے تو فوراً اللہ اور اس سے منسوب مذہب کا مذاق اڑانے لگتے ہیں۔ اسی طرح مشرکین عرب بھی کہنے لگے کہ مسلمانوں کا دین بھی اسی طرح مٹایا جائے گا۔

اللہ نے اس بات کا نوٹس لیا اور یہ سورت نازل فرمائی " ہاں قریب کی سرزمین میں رومی مغلوب ہوگئے ہیں مگر چند سال کے اندر اندر وہ غالب آجائیں گے اور وہ دن وہ ہوگا جب اللہ کی دی ہوئی فتح سے اہل ایمان خوش ہورہے ہونگے " اس میں دو باتوں کی پیشن گوئی کی گئی تھی ایک یہ کہ رومی غالب آجائیں گے دوسری یہ کہ مسلمانوں کو بھی فتح نصیب ہوگی، کسی کو یقین نہ آتا تھا کہ یہ پیشن گوئیاں پوری ہونگی چنانچہ کفار مکہ نے خوب مذاق اڑایا اور آٹھ سال تک رومی کو شکست پر شکست کھاتے رہے یہاں تک کہ قیصر قسطنطنیہ چھوڑ کر تیونس میں پناہ لینے پر مجبور ہوگیا اور مسلمانوں پر اہل مکہ کے مظالم انتہا کو پہنچ گئے اور مسلمانوں پو اہل مکہ کے مظالم انتہا کو پہنچ گئے ۶۲۲ عیسوی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرکے مدینہ تشریف لائے۔ ۶۲۴ عیسوی میں ہرقل نے آذر بائی جان میں گھس کر ایرانیوں پر پشت سے حملہ کیا اور ایران کے آتشکدہ کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ ادھر مسلمانوں پر کفار مکہ نے بدر کے مقام پر حملہ کیا مگر اللہ نے ان کا زور توڑ کر رکھ دیا اور مسلمانوں کو تاریخ کی عظیم الشان فتح نصیب ہوئی اور اس طرح دونوں پیش گوئیاں سچی ثابت ہوئیں۔

سورہ روم سے یہ بات سامنے آگئی کہ انسان بظاہر وہی کچھ دیکھتا ہے جو اس کی آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے مگر اس ظاہر کے پردے کے پیچھے جو کچھ ہے اس کی اسے خبر نہیں ہوتی، جب یہ ظاہر بینی دنیا کے ذرا ذرا سے معاملات میں غلط اندازوں

کا سبب بن کر بعض اوقات انسان کو بڑے نقصانات میں مبتلا کر دیتی ہے تو پھر پوری زندگی کے پورے سرمایہ، مال، اولاد، جائیداد سب کو داؤ پر لگا دینا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کہ خدا پرستی کے بجائے دنیا پرستی پر چلانے لگ جانا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کتنی بڑی غلطی ہے۔
روم اور ایران کے معاملہ کا رخ آخرت کے مضمون کی طرف پھیرتے ہوئے اسے طریقہ سے سمجھایا کہ آخرت ممکن بھی ہے اور معقول بھی ہے اور اس کی ضرورت بھی ہے۔ انسان کی زندگی کے نظام کو درست رکھنے کے لئے بھی یہ ضرورت ہے کہ آدمی آخرت کا یقین رکھ کر موجودہ زندگی کا پروگرام بنائے ورنہ وہی غلطی ہوگی جو ظاہر پر اعتماد کے بڑے بڑے فیصلے کرنے سے اکثر ہوتی ہے۔ کائنات کی نشانیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ شرک کائنات اور انسان دونوں کی فطرت کے خلاف ہے۔ اسلئے جہاں بھی انسان نے اس گمراہی کو اختیار کیا وہاں فساد رونما ہوا۔ ان دونوں قوموں (ایران و روم) کی لڑائی کے سبب جو فساد عظیم رونما ہوا وہ بھی شرک کے نتائج میں سے ہے
سورہ لقمان میں اللہ نے حضرت لقمان کی وہ نصیحتیں بیان کی ہیں جو انہوں نے اپنے بیٹے کو کی تھیں۔ اہل عرب حضرت لقمان کی حکمت و دانش پر فخر کرتے تھے اور ان کے قصے ان کے ہاں مشہور تھے، اللہ نے اسی سے استدلال کرتے ہوئے بتایا کہ حضرت لقمان نے بھی اپنے بیٹے کو وہی نصیحتیں کیں جن کی دعوت یہ حکیمانہ کتاب دے رہی ہے یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ عقل سلیم اس دعوت کے حق

میں ہے اور جو لوگ مخالفت کر رہے ہیں وہ دراصل عقل سلیم اور فطرت سے جنگ کر رہے ہیں۔ ساتھ ہی اس بات کی طرف بھی اشارہ ہوگیا کہ لقمان اپنے بیٹے کو جن باتوں پر عمل کرنے کے لئے اس دلسوزی سے نصیحت کرتے تھے آج انہی باتوں سے روکنے کے لئے باپوں کی جانب سے بیٹوں پر ظلم ڈھائے جا رہے ہیں۔ سب سے بڑی بات یہ کہ انہیں بتایا گیا کہ ان کے اندر بھی جو لوگ صحیح فکر و دانش رکھنے والے گزرے ہیں انہیں بھی انہی باتوں کی تعلیم دی ہے جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دے رہے ہیں یعنی یہی باتیں انسانی فطرت کے مطابق ہیں۔ آج بھی یہ بات ملحوظ رہے کہ مغربی فلاسفر جب اخلاقیات پر بحث کرتے ہیں تو وہ بھی اس کی بنیاد عقل عام کے معروف اور مسلمہ اخلاقی اصولوں پر ہی رکھتے ہیں مگر آخرت اور اللہ کا انکار کرنے کی وجہ سے وہ یہ نہیں بتا پاتے کہ انسان کو آخر نیکی کیوں کرنی چاہیے اور بدی سے کیوں بچنا چاہیئے؟ اصل بنیاد یعنی اپنے پیدا کرنے والے کو راضی کرنا اور اس کی ناراضی سے بچنا۔۔ بس اس سے بھاگتے ہیں اس کی سزا یہ ملی کہ ان کی تمام اخلاقیات بے بنیاد اور بے معنی ہو کر رہ گئی ہیں۔ ان فلاسفرز نے بنیاد یہ بتائی کہ فائدہ پہنچے، لذت ملے، خوشی حاصل ہو اور زیادہ سے زیادہ یہ کہ فرض برائے فرض یعنی ڈیوٹی ہے اسے ڈیوٹی سمجھ کر ادا کرو اور نتیجہ یہ نکلا کہ نفس پرستی اور ہوسناکی کو خوشی کہا جاتا ہے اور اس کو زندگی کا مقصد بنالیا گیا ہے۔ محبت کے رشتے بھی معصومیت اور انسانیت سے خالی ہوگئے ہیں اور صرف نفسانی خواہش پوری کرنے کا

نام محبت رکھ لیا ہے۔
اس فلسفہ نے ان کی سب سے اچھی تعلیمات کا حلیہ بگاڑ دیا ہے اور خاندانی نظام کے بخیئے ادھڑ گئے ہیں اور مفاد پرستی کے سوا کوئی رشتہ قابل احترام باقی نہیں رہا ہے۔ اس کے برخلاف قرآن نہ صرف اخلاقیات بلکہ سارے دین کی بنیاد فطرت پر رکھتا ہے مگر جانوروں کی فطرت نہیں بلکہ انسانی فطرت پر جس کی گتھیاں سلجھانے اور غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لئے اس نے کتابیں اور رسول بھیجے ہیں اور صحیح انسانی فطرت کو ان کے ذریعہ واضح کیا ہے اور بتایا کہ اصل چیز اپنے رب کو راضی کرنا ہے اور اس کی ناراضی سے بچنا ہے۔
اس پر مشرکین اعتراض کرتے تھے کہ اس حقیقت کو جھٹلانے کا انجام قیامت کو آنا ہے تو وہ آ کیوں نہیں جاتی؟ اس کا جواب سورت کے آخر میں دیا گیا ہے کہ قیامت کے آنے کا وقت اللہ کو معلوم ہے اگر عام انسانوں کو معلوم نہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ حقیقت نہیں ہے۔ بارش ایک حقیقت ہے مگر کیا تم بتا سکتے ہو کہ جو بادل آتے ہیں وہ ضرور برسیں گے یا ایسے ہی آگے بڑھ جائیں گے، اسی طرح عورت کو حمل سے اولاد ہوگی مگر کیا ہوگی (لڑکا یا لڑکی) ؟؟ یہی حال موت کا ہے جو زبردست حقیقت ہے مگر کس کو کب موت آئے گی کون جانتا ہے۔ جب ان چیزوں کا علم انسان کو نہیں مگر یہ حقیقت ہیں تو پھر قیامت کا اگر علم نہ

ہو تو وہ کیسے مشکوک ہو گئی؟ اس گھڑی کا صحیح علم اللہ ہی کے پاس ہے جیسے بارش، ہونے والی اولاد، کل کیا ہوگا؟ اور کس سرزمین میں انسان کو موت آئے گی یہ سب اللہ ہی جانے والا ہے۔

سورہ السجدہ میں بتایا گیا کہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ وہ انسان کے قصوروں پر یکایک ایک آخری اور فیصلہ کن عذاب میں اسے نہیں پکڑ لیتا بلکہ اس سے چھوٹی چھوٹی تکلیفیں، مصیبتیں اور نقصانات بھیجتا رہتا ہے اور اس طرح ہلکی ہلکی چوٹیں لگاتا رہتا ہے تاکہ اسے تنبیہہ ہو اور اس کی آنکھیں کھل جائیں آدمی اگر ابتدائی چوٹوں سے ہوش میں آجائے تو یہ اس کے حق میں بہتر ہے۔

کفار مکہ سے کہا گیا کہ ظاہر سے دھوکہ نہ کھاؤ آج تم دیکھ رہے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات چند لڑکوں اور چند غلاموں اور غریب لوگوں کے سوا کوئی نہیں سن رہا ہے اور ہر طرف سے ان کا مذاق اڑایا جارہا ہے تو سمجھتے ہو کہ یہ زیادہ چلنے والی نہیں ہے مگر یہ محض تمہاری نظر کا دھوکہ ہے کہ تم دن رات یہ نہیں دیکھتے کہ آج زمین بالکل بنجر پڑی ہے جسے دیکھ کر یہ خیال بھی کسی کو نہیں ہوتا کہ اس کے پیٹ میں ہریالی کے خزانے چھپے ہوئے ہیں مگر کل ایک ہی بارش میں اس کے چپے چپے سے سبزہ پھوٹ پڑتا ہے-

آج کی تراویح کا بیان ختم ہوا۔ دعا ہے کہ اللہ ہمیں قرآن پڑھنے، اس کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین اللہ اس قرآن کی برکت سے ہمارے ملک اور شہر کے حالات بہت بنائے آمین

تحریر: مولانا محی الدین ایوبی

اٹھارہویں تراویح

انیسویں تراویح

بیسویں تراویح

اکیسویں تراویح

بائیسویں تراویح

تیئسویں تراویح

چوبیسویں تراویح

مہنگی چینی اور آٹا - ہلاکتیں اور پھر بھی سناٹا

چھبیسویں تراویح - قیامت کے مناظر

آخری تراویح

بلیک واٹر ---------- کالا پانی

تین خبریں تین سبق

توہین رسالت کا قانون، الطاف حسین اور قادیانی

قادیانی نواز اور قادیانی عقائد

تھوڑا سا مسکرا لیں

دہرا معیار: مدارس مجرم امریکی محترم

خبر کے مطابق چھبیس اور ستائیس اکتوبر کی درمیانی شب اسلام آباد پولیس نے رات کو دو گاڑیوں میں سوار چار مشکوک امریکی باشندوں کو گرفتار کیا، ان کی گاڑی کی نمبر پلیٹ بھی جعلی تھی، ان کے پاس سے غیر قانونی اسلحہ بھی برآمد ہوا اور انہوں نے گرفتاری کے وقت پولیس پر اسلحہ بھی تان لیا۔ جبکہ ایک اخبار کے مطابق یہ چاروں امریکی قبائلیوں کے حلیے میں تھے، یعنی ان کی لمبی لمبی داڑھیاں تھیں (روزنامہ جسارت کراچی) ان مشکوک امریکیوں کی گرفتاری کی اطلاع پر آئی جی پولیس بھی پہنچ گئے اور وزارت داخلہ کے ذمہ داران بھی پہنچ گئے۔ بعد ازاں ان امریکیوں کو تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد چھوڑ دیا گیا۔ اگلے دن آئی جی اسلام آباد نے اس بات کی تصدیق کی کہ چار مشکوک امریکیوں کو گرفتار کیا گیا تھا اور ان کے پاس سے غیر قانونی اسلحہ کی بھی تصدیق کی۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ ان چاروں دہشت گرد امریکیوں کو میں نے اپنے صوابدید اختیار پر چھوڑا تھا۔ جبکہ ایک اخبار کے مطابق انہوں نے یہ کہا کہ ان کو اعلیٰ حکام کی مداخلت پر چھوڑا گیا۔ اس کے ساتھ ہی اخبارات میں یہ خبریں بھی شائع ہوئی ہیں کہ کراچی میں ایک مدرسہ پر چھاپہ مار کر کئی غیر ملکی طلبہ کو طالبان کے شبے میں حراست میں لے لیا گیا جبکہ ان طلبہ کے تمام ضروری کاغذات، حکومت کا اجازت

نامہ وغیرہ بھی موجود تھا اس کے باوجود ان کو گرفتار کرلیا گیا اور تادم تحریر وہ طلبہ زیر حراست ہیں۔

اب ان دونوں واقعات کا تجزیہ کیا جائے تو یہ بات صاف ظاہر ہوجاتی ہے کہ ہماری حکومت اس وقت امریکی آلہ کار بنی ہوئی ہے۔ ایک طرف چار مشکوک غیر ملکی افراد بھیس بدل کر غیر قانونی اسلحہ لیس، گاڑی کی نمبر پلیٹ بھی تبدیل کرکے انتہائی حساس علاقے میں گرفتار کئے جاتے ہیں لیکن ان کو چھوڑ دیا جاتا ہے جبکہ دوسری جانب بے گناہ طلبہ کو مدرسے سے گرفتار کیا جاتا ہے اور ان کو قید کردیا جاتا ہے۔ اس سے یہ بات صریح طور پر ثابت ہوجاتی ہے کہ جنرل مشرف کے جانے بعد بھی کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے بلکہ جنرل مشرف ہی کی پالیسیاں اس وقت بھی چل رہی ہیں۔

دوسری جانب کیا ہماری خودمختاری، غیرت، اور قومی مفاد کا یہی تقاضہ ہے کہ اپنے مسلمان بھائیوں کو تو محض شک کی بنیاد پر گرفتار کیا جائے، محض امریکی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ان کے گھروں پر بمباری کی جائے اور اس کو راہ نجات اور راہ راست کا نام دیا جائے، اور دوسری طرف رنگے ہاتھوں پکڑے جانے والے دہشت گردوں کو معاف کردیا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی سوال اٹھتا ہے کہ اگر آئی جی صاحب کی بات کو درست مان لیا جائے کہ انہوں نے اپنی صوابدید

پر ان چار مشکوک امریکی دہشت گردوں کو چھوڑ دیا تھا تو انہوں نے کس قانون اور کیسے صوابدیدی اختیارات کی بنیاد پر ان کو رہا کیا۔ کیا قانون میں اس بات کی گنجائش موجود ہے کہ کسی بھی مجرم کو کوئی اعلیٰ افسر اپنے صوابدیدی اختیار کے تحت رہا کردے۔ جبکہ اس وقت پورے ملک میں جو ماحول بنا ہوا ہے جگہ جگہ بم دھماکے ہو رہے ہیں، خود کش حملے ہو رہے ہیں، ملک دہشت گردی کی لپیٹ میں ہے اس وقت تو عام حالات سے بھی زیادہ سختی ہونی چاہیئے جبکہ یہاں غیر ملکی دہشت گردوں کو معاف کیا جارہا ہے۔
اور اگر یہ خبر درست مان لی جائے کہ ان کو امریکی سفارت خانے اور محترم وزیر داخلہ کے کہنے پر چھوڑا گیا ہے تو پھر ہمارا سوال ہے کہ یہ کیسی دو رخی پالیسی ہے کہ ایک طرف تو آپ اپنے ہی علاقوں پر جنگ مسلط کردیں، ان کو ہر جگہ ذلیل کریں، ملک میں ہونے والی ہر واردات ان کے ان کے نام کردیں، عوام سے اپیل کی جائے کہ جناب دہشت گردی کے خلاف جنگ میں ہمارا ساتھ دیں، مشکوک افراد پر نظر رکھیں اور دوسری جانب رنگے ہاتھوں پکڑے گئے مجرموں کو چھوڑ دیا جائے۔ اس کے ساتھ یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ کیا حکمرانوں نے ذہنی طور پر امریکہ کی غلامی قبول کرلی ہے کہ امریکی سفارت خانے کی مداخلت پر مجرموں کو چھوڑ دیا جائے، جبکہ وہ رنگے ہاتھوں پکڑے گئے ہوں؟ ہمیں نہیں معلوم کہ ان کی نیت کیا تھی لیکن یہ بات واضح رہے کہ گزشتہ ہفتے پاک فوج کے

ایک بریگیڈئر کو مشکوک نقاب پوشوں نے فائرنگ کرکے قتل کردیا تھا جبکہ ایک اور اعلیٰ افسر پر قاتلانہ حملہ کیا جاچکا ہے۔ ان صورتحال کو سامنے رکھیں تو یہ تصویر بنتی ہے کہ یہ مشکوک امریکی وہاں کوئی واردات کرنے آئے تھے اور قبائلی حلیہ اختیار کرنے کا بظاہر مقصد یہ نظر آتا ہے کہ اگر کوئی فرد ان کو موقع واردات پر دیکھے تو وہ یہی سمجھے کہ یہ قبائلی یا افغانی تھے جنھوں نے واردات کی ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ معاملہ سامنے آنے پر یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ اس سے پہلے جو وارداتیں ہمارے سیکورٹی ادارے َطالبانَ کے کھاتے میں ڈالتے آئے ہیں کیا واقعی وہ طالبان نے کی ہیں یا امریکی دہشت گردوں اور امریکی ایجنٹوں نے کی ہیں۔ ہم شروع سے یہ بات کہتے آئے ہیں ہمارے ملک کے حالات خراب کرنے، دہشت گردی کی وارداتوں میں، اور نام نہاد طالبان کی مدد کرنے میں امریکہ اور بھارت ملوث ہیں۔ جو کہ ملک میں بدامنی پھیلا کر اس طرف عالمی طور پر پاکستان کو غیر محفوظ اور غیر ذمہ دار ریاست ثابت کرنا چاہتے ہیں، اور دوسری طرف اس کی آڑ میں پاکستان کے ایٹمی پروگرام پر ان کی نظر ہے، اب پالیسی یہ نظر آتی ہے کہ ایک طرف پاکستان پر عالمی دباؤ بڑھایا جائے اور اگر پاکستان اس دباؤ میں نہیں آتا ہے تو از خود کاروائی کرکے پاکستان کے ایٹمی پلانٹ کہوٹہ پر قبضہ کرلیا جائے۔ اس مقصد کے لئے بدنام زمانہ امریکی

قاتل تنظیم بلیک واٹر کو پاکستان میں داخل کر دیا گیا ہے۔ اور اسلام آباد، پشاور، کراچی میں ان کو کرائے پر گھر دلائے گئے ہیں۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ مشکوک امریکیوں نے سہالہ میں بھی لاکھوں روپے ماہانہ پر گھر حاصل کئے ہیں اور سہالہ سے اے کیو لیبارٹیرز کا فاصلہ چند کلو میٹر سے زیادہ نہیں ہے؟؟

یہ بھی ایک عجیب بات ہے کہ جو لوگ اسلام پسندوں کو، مدارس کو اور اپنے ہی مسلمانوں کو دہشت گردی کے الزام میں دن رات لتاڑتے رہتے ہیں، جو کسی بھی واردات کے بعد بغیر کسی ثبوت کے اس کا الزام مدارس کے طلبہ پر، اسلام پسندوں پر یا اپنی ہی قبائلی بھائیوں پر ڈال دیتے ہیں اور پھر اپنے کالمز میں تجزیوں میں، اور تقریروں میں شور مچا کر آسمان سر پر اٹھا لیتے ہیں وہ اس واقعے پر بالکل خاموش ہیں۔ ان کی یہ مجرمانہ خاموشی بہت کچھ کہہ رہی ہے،اور واضح کر رہی ہے کہ وہ کس کے ساتھ ہیں دیکھیں امریکہ کبھی بھی ہمارا دوست نہیں رہا ہے۔ اس کے اپنے مفادات ہیں اور وہ صرف اپنے مفادات کو ہی مقدم رکھتا ہے۔ اگر امریکی دہشت گردی کے خلاف جنگ میں جنگ سنجیدہ ہوتا تو سب سے پہلے اسرائیلی دہشت گردی کو ختم کرتا، اس کے بعد بھارت کے اوپر نظر ڈالتا لیکن دراصل یہ جنگ دہشت گردی کے خلاف نہیں بلکہ مسلمانوں کے خلاف ہے۔ غور کریں کہ جنوبی وزیرستان میں آپریشن کی اطلاع ملتے ہیں امریکی اور نیٹو فوج نے جنوبی وزیردستان سے ملحق سرحد پر واقع اپنی چھ چوکیاں خالی کر دی

تاکہ جب آپریشن شروع ہو وایک تو پاکستانی فوج پر دباؤ بڑھے اور وہ اس میں الجھ جائے، ور چوکیاں خالی کرنے کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ دونوں جانب مسلمان ہی مارے جائے، اور وہ اس آپریشن سے پہلے ہی اپنی جان بچا کر بھاگ گئے۔ کیا یہ باتیں ہماری حکمرانوں کو نظر نہیں آتی ہیں۔

ان حالات میں اگر پاکستانی عوام یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا دشمن کوئی اور نہیں بلکہ امریکہ ہے اور یہ جنگ ہماری نہیں بلکہ امریکی مفادات کی جنگ ہے جو ہم پر تھوپی گئی ہے، تو کیا وہ غلط سمجھتے ہیں؟؟ ان حالات میں اگر عوام یہ گو امریکہ گو کا مطالبہ کرتے ہیں تو کیا غلط کرتے ہیں؟؟ وقت کا تقاضہ یہی ہے کہ عوام کے ساتھ ساتھ ہمارے حکمرانوں کو، سیاستدانوں کو اور بیوروکریسی کو حالات کو سمجھنا چاہیئے اور ملک کی بھلائی کے لئے وہ بھی امریکہ بہادر کا آلہ کار بننے سے انکار کردیں بلکہ وہ بھی کھل کر کہیں" گو امریکہ امریکہ "گو امریکہ گو

ہمارا اقبال

پڑھے لکھے جاہل

قارئین کرام اگر میں آپ سے کہوں کہ اسلامیہ آرٹس اینڈ کامرس کالج نے آج تک قوم کو ایک بھی ڈاکٹر نہیں دیا۔ این ای ڈی یونیورسٹی نے ایک بھی قابل وکیل نہیں بنایا، ڈاؤ میڈیکل کالج نے کبھی کوئی حافظ نہیں تیار کیا، اور ایس ایم لاء کالج نے آج تک قوم کو ایک بھی انجینئر نہیں دیا تو آپ کیا سوچیں گے؟ یقیناً سب سے پہلے آپ یہ سوچیں گے کہ میں آپ سے مذاق کر رہا ہوں، لیکن جب آپ یہ دیکھیں کہ میں سنجیدہ ہوں تو پھر آپ کو میری ذہنی حالت پر شبہ ہوگا، اور جب میں آپ کو یہ یقین بھی دلاؤنگا کہ میری ذہنی حالت بالکل درست ہے میں پاگل نہیں ہوں تو پھر آخری بات یہ ہوگی کہ آپ مجھے ایک جاہل قرار دیں گے جسے یہ بھی پتہ نہیں کہ اسلامیہ آرٹس کالج میں ڈاکٹری نہیں پڑھائی جاتی، این ای ڈی میں قانون کی تعلیم نہیں دی جاتی، ڈاؤ میڈیکل کالج میں حافظ نہیں تیار کیے جاتے اور ایس ایم لاء کالج میں انجینئرنگ نہیں پڑھائی جاتی۔

آپ کی بات سوفیصد درست ہوگی کیونکہ جب ایک کالج میڈیکل کی تعلیم نہیں دیتا تو پھر اس سے یہ توقع کرنا کہ وہ قوم کو اچھے ڈاکٹر تیار کرکے دے، جس کالج میں قانون کی تعلیم دی جاتی ہو اس سے یہ توقع رکھنا کہ وہ قوم کو انجینئر

تیار کرکے دے، اور کسی میڈیکل کالج سے یہ توقع کرنا کہ وہ قوم کو حافظ قرآن یا اچھے عالم دین تیار کرکے دے، بالکل جہالت والی بات ہے۔ ہے نا جہالت والی بات! لیکن افسوس کا مقام ہے کہ آج ہمارے پڑھے لکھے "نام نہاد دانشور" بیچ "چوراہے" پر اپنی جہالت کا ثبوت دیتے ہیں اور "چوراہے" پر بیٹھ کر وفاق المدارس کے ذمہ داران سے یہ مضحکہ خیز مطالبہ کرتے ہیں "کہ باسٹھ سالوں میں یہ مدارس قوم کو کوئی ڈھنگ کا بندہ نہیں دے سکے ہیں، آج تک انہوں نے کوئی ڈاکٹر یا انجینئر نہیں بنایا تو اس لئے اب یہ مدارس کا سلسلہ بند کردینا چاہیے" دیکھیں بات یہ ہے کہ مدارس میں دینی تعیلم دی جاتی ہے، وہاں طلبہ کو حافظ قرآن، اور عالم دین بنایا جاتا ہے اور مدارس اپنے اس مقصد میں کامیاب ہیں۔ مدارس ڈاکٹری، انجینئرنگ، قانون یا اکاؤنٹنگ کی تعلیم نہیں دیتے ہیں۔ جس طرح عام طور سے میڈیکل کالج الگ ہوتے ہیں اور لاء کالج الگ ہوتے ہیں، اسی طرح مدارس دینی تعلیم کے لیے ہوتے ہیں اور وہ قوم کو حافظ قرآن اور عالم دین تیار کرکے دے رہے ہیں

دوسری بات یہ کہ اب مدارس میں بھی عصری علوم کی ابتدائی تعلیم دی جاتی ہے اور اکثر مدارس میں دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ میٹرک تک تعلیم دی جاتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ کمپیوٹر کی بھی بنیادی تعلیم دی جاتی ہے۔ اس حوالے سے کراچی ہی میں جامعہ بنوریہ سائٹ ٹاؤن اور جامعہ حنیفیہ ملیر سعود آباد کی

مثال پیش کی جا سکتی ہے کہ یہ مدارس دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ جدید علوم کی بھی ابتدائی تعیم فراہم کرتے ہیں (یہ صرف دو مثالیں میں نے پیش کی ہیں ورنہ ملک بھر میں ہر مکتبہ فکر کے مدارس میں جدید علوم کی ابتدائی تعلیم دی جارہی ہے)۔ اوراس کی بنیاد پر مدارس کے فارغ التحصیل طلبہ اگر مزید تعلیم حاصل کرنا چاہیں تو وہ باآسانی کسی بھی کالج یا یونیورسٹی میں داخلہ لیتے ہیں اور جدید عصری تعلیم بھی حاصل کرتے ہیں۔ یہی طریقہ کار ہمارے ملک میں عام تعلیم کے لئے بھی ہے کہ اسکول عموماً میٹرک تک بنیادی تعلیم فراہم کرتے ہیں اس کے بعد طلبہ اپنے رجحان کے مطابق میڈیکل، انجینئرنگ، کمپیوٹر سائنس، اکاؤنٹس، یا قانون کی تعلیم کے لئے کالجز میں رجوع کرتے ہیں اور یہی کام مدارس بھی کرتے ہیں اس لئے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ کسی " پڑھے لکھے جاہل دانشور " کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنی دین بیزاری کا ثبوت دیتے ہوئے مدارس کے اوپر تنقید کرے۔ ایک بات اور بھی ہے کہ ہم کسی ڈاکٹر سے انجینئرنگ کے کسی مسئلے پر کوئی رائے دیں اور وہ اس پر درست رائے نہ دے سکے تو کیا یہ سمجھا جائے گا کہ یہ ڈاکٹر نہیں بلکہ جاہل ہے؟ اس نے اپنا وقت ضائع کیا ہے یا ہم ایک وکیل سے کسی مریض کے آپریشن کا کہیں اور وہ انکار کردے تو کیا یہ سمجھا جائے کہ اس وکیل نے بھی اپنا وقت ضائع کیا؟ یا ایک بہت اچھے کمپیوٹر انجینئر سے کہا جائے کہ وہ ایک جوتا بنا دے اور وہ نہ بنا سکے تو کیا ہم اس کو یہ طعنہ دے سکتے ہیں کہ تمہیں تو کچھ بھی نہیں آتا ہے؟ نہیں بلکہ بات

بالکل سیدھی سی ہے کہ ہم لوگوں سے غلط توقعات وابستہ کر رہے ہیں ایک ڈاکٹر، ایک انجینئر اور ایک وکیل سے ان کے پیشوں کے متعلق ہی سوال کرنا چاہیے اور توقع رکھنی چاہیے کہ یہ اپنے اپنے فن میں طاق ہیں ان سے ایسے معاملات میں رائے لینا جس کی انھوں نے تعلیم حاصل نہیں کی ہے، بالکل فضول سی بات ہے۔ یہی بات ہے نہ! جب ہم ایک ڈاکٹر سے یہ توقع نہیں کرتے کہ وہ جوتا بنا دے گا، ہم وکیل سے یہ توقع نہیں کرتے کہ وہ کسی مریض کا آپریشن کر دے گا تو کسی عالم دین سے یہ توقع کیوں کرتے ہیں کہ وہ مریضوں کا علاج بھی کرے گا۔ وہ انجینئرنگ میں بھی طاق ہوگا۔ وہ قانونی مسائل سے بھی واقفیت رکھتا ہوگا۔

اگر بالفرض ہم ان " پڑھے لکھے جاہل دانشوروں " کی بات مان لیں اور اس منطق کو درست مان لیں کہ مدارس میں جدید عصری علوم کی بھی تعیم دی جانی چاہیے تو پھر ہم یہ مطالبہ کرنے میں حق بجانب ہونگے کہ عصری علوم کے تعلیمی اداروں میں بھی دیگر چیزوں کے ساتھ ساتھ درسِ نظامی، حفظِ قرآن اور صرف و نحو کی تعلیم بھی دی جانی چاہیے ورنہ ان کو بھی بند کر دینا چاہیے۔ آخری بات یہ کہ " چوراہے والے دانشور " نے مدارس کے طلبہ اور مدارس کے نظام پر طنز کرتے ہوئے کہا تھا کہ " ایک جوتا تک تو یہ بنا نہیں سکتے " میرا خیال ہی نہیں بلکہ مجھے یقین ہے کہ یہ نام نہاد دانشور بھی جوتا نہیں بنا سکتا، یہ دانشور کسی کے بال تک ڈھنگ سے نہیں کاٹ سکتا۔ تو پھر میرے خیال میں اس فرد

کو ڈوب کے مر جانا چاہیے کہ یہ اتنا پڑھا لکھا ہو کر جوتا نہیں بنا سکتا یا کسی کے بال نہیں کاٹ سکتا۔ جب یہ فرد خود یہ کام نہیں کر سکتا تو پھر دوسروں سے یا یہ مدارس کے لوگوں سے یہ توقع کیوں رکھتا ہے کہ وہ ہر کام کر سکتے ہیں۔ ڈھنگ کے بندے کی جہاں تک بات ہے تو میں عرض کر دوں کہ یہ زیادہ پرانی بات نہیں ہے جب جنرل پرویز مشرف نے ملک میں آمرانہ نظام رکھا ہوا تھا اور کسی کو اپنے آگے دم مارنے نہیں دیتا تھا، آج جو لوگ بڑھ بڑھ کر جنرل پرویز مشرف پر حملے کر رہے ہیں اس کے دور اقتدار کی غلطیاں لوگوں کو بتا رہے ہیں۔ جنرل مشرف کے دور میں یہی لوگ اس کی تعریف و توصیف کرنے میں سب سے آگے ہوتے تھے۔ اس وقت بھی جنرل پرویز مشرف کو سرعام، اور سامنے بیٹھ کر کسی نے نصیحت کی، جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق بیان کیا تو وہ کسی کالج یا یونیورسٹی کا کوئی جدید تعلیم یافتہ فرد نہ تھا بلکہ " جامعہ علوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی " کا طالب علم محمد عدنان کاکاخیل تھا۔ جس تقریب میں اس نے جنرل مشرف کو آئینہ دکھایا اس تقریب میں ملک بھر کے تعیمی اداروں کے طلبہ موجود تھے لیکن وہ سب ایک ڈکٹیٹر کی ہاں میں ہاں ملا رہے تھے۔ کیا پھر بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ مدارس نے قوم کو کوئی ڈھنگ کا بندہ نہیں دیا۔ اللہ ہمارے حال پر رحم فرمائے اور ہمیں ان نام نہاد دانشوروں کے چنگل سے بچائے۔ آمین

موازنه

مافیا کی تاریخ اور انجام

ان لوگوں کی تنظیم اس قدر مضبوط، خفیہ، اور تہہ در تہہ الجھی ہوئی تھی کہ کسی کو ان کے اندر جھانکنے، حالات معلوم کرنے یا ان کے اندر پائی جانے والی اس قدر مضبوط وفاداری کی وجہ جاننے میں کامیابی نہ ہو سکی۔ بس لوگوں کی زبانی خبریں ملتی رہتیں کہ انھوں نے فلاں کو اغواء کرلیا، تشدد کرکے ہلاک کردیا، لاش پر اپنی تنظیم کا نشان کھرچ دیا، کسی بڑے سرمایہ دار سے تاوان وصول کرلیا۔ لیکن جب بیسویں صدی کے آغاز میں ایک تاریخ دان پی پیڑے ان کے علاقے میں پہنچا تو وہ حیران رہ گیا۔ جو لوگ پوری دنیا کی نظر میں مافیا کی صورت میں جانے جاتے تھے، جرائم پیشہ لوگوں کا ایک گروہ، انہیں تو علاقے کے لوگ نجات دہندہ، امن و امان قائم کرنے والے معاشرتی ذمہ داریاں نبھانے والے، لوگوں کے خیر خواہ اور آئیڈیل کی حیثیت سے جانتے تھے۔ جب اس نے عام لوگوں سے سوال کرنے شروع کئے تو کوئی اسے جواب نہ دیتا۔ بس ہر کوئی یہ کہتا کہ ہم ان کی وجہ سے امن کی زندگی گزار رہے ہیں۔ چین سے اپنا کاروبار کرتے ہیں۔ نہ پولیس تنگ کرتی ہے اور نہ ہی کوئی چور ڈاکو ہمارا سامان لوٹتا ہے۔ اس نے لوگوں سے بھتہ خوری کے بارے میں سوال کیا تو لوگوں نے دبے لفظوں میں جواب دیا کہ اپنی آمدنی میں سے تھوڑی سی رقم اگر ہم مافیا کو دے دیں اور بدلے میں ہمیں سکون اور اطمینان

مل جائے تو کیا یہ بُرا سودا ہے؟

سسلی کا یہ مافیا سب سے پہلے ایک لسانی تنظیم کے طور پر وجود میں آیا جو ہسپانوی نژاد باشندوں کے سیاسی اور معاشی اقتدار کے خلاف بنی۔ ان کی شروع شروع کی کاروائیاں خفیہ تھیں۔ لیکن انہوں نے اپنے آپ کو ایک سیاسی تنظیم کے طور پر پیش کیا جو سسلی کے عوام کے حقوق کی جنگ لڑ رہی ہو۔ ان لوگوں نے اپنی صفوں میں ایسے غنڈے بھرتی کر رکھے تھے جو حکومت، سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کے خلاف استعمال ہوتے۔ کیونکہ یہ لوگ ایک ایسے شہر میں اپنی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے تھے جو تجارتی مرکز بھی تھا اور بحیرہ قلزم کی ایک اہم ترین بندرگاہ بھی۔ اس لئے انہیں حکومتوں کو دباؤ میں لانا بہت آسان تھا۔ یہ وہ دور تھا جب اس علاقے میں انارکی، قانون کی عدم موجودگی اور حکومتی اختیار کی بے بسی نمایاں تھی۔۱۸۴۸ سے ۱۸۶۰ تک مافیا نے اپنے آپ کو سسلی کا بلاشرکت غیرے مالک بنائے رکھا۔ لیکن جب اٹلی کی فوج نے اس بد امن علاقے کو جو عملی طور پر آزاد اور خود مختار ہوگیا تھا اور وہاں حکومت نام کی کوئی چیز نظر نہیں آتی تھی ایکشن کرکے اپنے ساتھ ملانا چاہا۔ جیری بالڈی نے ۱۱ مئی ۱۸۶۰ کو ایک ہزار رضاکاروں کے ساتھ اس شہر کا گھیراؤ کیا۔ مافیا کو علم ہوگیا کہ جیری بالڈی جیت جائے گا۔ وہ ہارے ہوئے لوگوں کے ساتھ رہنا اپنی موت سمجھتے تھے اس لئے وہ بالڈی کی فوج کے ساتھ مل گئے، اب ان کا شہر اٹلی

کی حکومت کا ایک نا قابل تنسیخ حصہ تھا۔
لیکن اس وقت تک مافیا ایک مضبوط معاشرہ اور جینے کا ایک رنگ ڈھنگ بن چکا تھا۔
ایک مضبوط مرکز اور سیاسی حکومت میں اس طرح افرا تفری پیدا کرکے اپنا مقصد حاصل نہیں کر سکتے۔ اب انہوں نے رنگ ڈھنگ بدل دئے۔ نئے قواعد و ضوابط بنا لئے۔
انہوں نے غنڈہ ٹیکس کا نام محافظ ٹیکس رکھ لیا۔ انہوں نے ایک مضبوط قبضہ گروپ بنا لیا۔ جہاں کہیں زمین کا مالک زمین پر موجود نہ ہوتا۔ کمزور ہوتا یا مخالف ہوتا اس کی زمین پر قبضہ کرتے اور اپنے منظور نظر افراد کو دے دیتے علاقے کے جج اور پولیس افسران ان سے شدید خوفزدہ تھے ججوں اور پولیس افسروں کو ٹارگٹ کلنگ سے مارنا ان کا معمول تھا۔ انہوں نے خوف کو اپنے حق میں استعمال کیا۔
اکثر اہلکار خوف سے ان کے ساتھ ہوگئے اور اور پھر ان سے باقاعدہ رشوت بھی لینے لگے۔ مافیا کا ایک اور طریقہ کار زبان بندی بھی تھا۔ انہوں نے قانون اومٹرا جاری کیا، جس کے تحت کوئی شخص مجرم کی نشاندہی نہیں کرے گا خواہ اس نے اپنے سامنے قتل ہوتے دیکھا ہو اور خواہ مقتول اس کا بھائی، بیٹا یا خاوند ہی کیوں نہ ہو، یہی قانون مافیا کی صفوں میں آج بھی جاری ہے۔ کیمروں سے مجرموں کی تصویریں تک میڈیا پر آجائیں لیکن ان کے لوگ اور ان سے خوفزدہ

عوام ان کو شناخت نہیں کرتے۔ ڈیڑھ سو سال پرانا بنایا گیا یہ "اومرٔا" سسلی ہی نہیں بلکہ دنیا کے ہر اس شہر میں نظر آتا ہے جہاں مافیا کا راج ہوتا ہے کیوں کہ ایک دفعہ مجرموں پر ہاتھ ڈالنے کی اجازت اگر پولیس کو دے دی گئی تو پھر وہ ان لوگوں تک بھی پہنچ جائے گی۔ اس لئے خواہ یہ لوگ خود مریں یا دوسروں کو ماریں مجرم کی نشاندہی نہیں کرتے۔ اپنے اسکور خود پورے کرتے ہیں۔

یہ مافیا امریکہ اور سی آئی اے کا بھی ہمیشہ منظور نظر رہا۔ ان کے اکثر جلاوطن رہنما برطانیہ اور امریکہ کے شہر نیو اورلینز میں جا کر آباد ہوئے جہاں ان کے رابطے سی آئی اے کے ساتھ مستحکم ہو گئے۔ ۱۹۷۲ میں سی آئی اے کے افراد کے انکشافات کے مطابق سسلی کا یہ مافیا مشرقِ بعید کے ممالک میں ہیروئین اور چرس کے کاروبار کا ایک بہترین ذریعہ بن گیا جسے جاسوسی زبان میں فرنچ کنکشن کہا جاتا ہے، سسلی کا یہ مافیا عموماً ایک کارپوریٹ کلچر کی طرح منظم ہوتا ہے جس میں ایک شخص کے ساتھ وفاداری ایمان کی حد تک کی جاتی ہے، تاریخی طور پر ایسے شخص کو Capudi tutti capi کہا جاتا تھا یعنی پوری تنظیم یا تحریک کا قائد۔ ان دنوں اسے capofamiglia یا پھر ڈان کہا جاتا ہے۔ یہ شخص عموماً اپنی تنظیم یا علاقے سے دور کسی دوسرے ملک میں بیٹھا ایک کمیٹی یا کونسل کے ارکان کے ذریعے پوری تنظیم اور علاقے پر حکومت کر رہا

ہوتا ہے، اس کا خوف اس کی طاقت ہوتا ہے۔ اس کی کمیٹی یا کونسل کے ارکان تک کو اس بات کا علم نہیں ہوتا کہ ان میں سے کون، کس طرح، اور کب ڈان کو خبر پہنچا دے اور پھر ان کی زندگی کا چراغ گل کرنے کا حکم آ جائے۔

یہ صرف اٹلی کے علاقے سسلی کی کہانی نہیں بلکہ دنیا کے ہر اس شہر کی داستان ہے جہاں مافیا نے لوگوں کے حقوق کی جنگ کے نام پر اکٹھا ہونا شروع کیا۔ عوام کے جذبات ابھارنے کے لئے نچلے طبقے یا مڈل کلاس کی بالادستی کی بات کی، لوگوں کے حصے اور انتقام کی اس حد تک بڑھایا کہ اگر کسی امیر آدمی سے تاوان کی رقم وصول کرکے خدمت خلق کے نام پر لوگوں میں تقسیم کیا جاتا تو لوگوں کو اس جرم سے نفرت تک نہ ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ جب شکاگو کے مافیا چیف کلو سیمو کا جنازہ اٹھا تو ہزاروں کی تعداد میں افراد اس میں شریک تھے۔ ۱۹۲۰ میں لندن شہر دو سیسے گروہوں میں تقسیم ہوگیا تھا جن کے اپنے اپنے علاقے تھے اور وہ اپنے علاقوں سے بھتہ وصول کرکے وہاں امن کی ضمانت دیا کرتے تھے۔ مافیا اپنے آپ کو سیاست سے الگ نہیں کرسکتا۔ دنیا کے جن شہروں میں بھی مافیا کا راج ہوتا ہے وہاں کے سینیٹر، اسمبلی کے ارکان حتیٰ کہ شہری اداروں کے سربراہ تک انہی کی آشیر باد سے یا پھر انکی سیاسی تنظیم سے منسلک ہوتے ہیں۔ شکاگو ہو یا نیو اورلینز، سسلی ہو یا کولمبیا مافیا کبھی اپوزیشن میں نہیں بیٹھتا۔ اسے ہر حال مُں حکومت کی پشت پناہی چاہیے ہوتی ہے۔ لیکن مافیا

کی موت کی بھی اپنی تاریخ ہے۔ جب لوگ قتل ہوتے ہیں اور کوئی مجرم کی شناخت کو تیار نہ ہو مظلوموں کی آہوں اور اشکوں سے صرف گھروں کے اندھیرے ہی آباد ہوں اور باہر ان کی صدا تک نہ آئے، تو ایسے میں میرے اللہ کا ایک دستور ہے کہ وہ ظالموں کی ظالموں سے ہلاک کرواتا ہے، دنیا کا ہر مافیا اسی وقت تباہی کے دہانے پر پہنچا جب بھتہ خوری، لالچ اور اقتدار کی جنگ نے ان کے مقابل کسی اور لا کھڑا کر دیا، پھر کیا تھا سسلی میں بڑے۔بڑے ڈان چیختے رہے کہ ہماری ٹارگٹ کلنگ ہو رہی ہے، ہمیں مارا جا رہا ہے اور لوگ خاموش تماشائی بنے دیکھتے رہ گئے، کیونکہ ظلم پر خاموش رہنے کا دستور " اومرٹا" تو انہوں نے ہی لوگوں کو سکھایا تھا۔

قارئین اوریا مقبول جان صاحب کا یہ کالم روزنامہ ایکسپریس کی بیس جنوری کی اشاعت میں اومرٹا کے نام سے شامل تھا۔ ہمیں یہ مضمون پسند آیا اس لئے سوچا کہ آپ کے ساتھ بھی اس کو شئیر کیا جائے۔ اس لئے ہم نے اس کالم کو ہماری ویب کے قارئین کے لئے یہاں پیش کیا۔ آپ کو یہ کتنا پسند آیا آپ کی رائے کا انتظار رہے گا۔

نیوٹرل ازم یا غیر جانبداری، ایک دھوکہ

بھائی جان گاڑی چلانا سیکھ رہے تھے۔ ان کا دوست ان کا استاد بنا ہوا تھا، یہ دونوں استاد شاگرد ایک گراؤنڈ میں موجود تھے، بھائی جان کے دوست نے ڈرائیونگ کی بنیادی باتیں بتا کر ان کو ڈرائیونگ سیٹ پر بٹھا دیا۔ اب انہوں نے کلچ دبایا، ہلکے ہلکے ریس دیکر کلچ چھوڑا لیکن گاڑی اپنی جگہ کھڑی رہی، بھائی جان نے تھوڑا اور ریس دی لیکن گاڑی ٹس سے مس نہ ہوئی، انہوں نے سوالیہ نظروں سے دوست کی جانب دیکھا جس کے لبوں ایک شرارتی مسکراہٹ تھی۔ وہ اس مسکراہٹ کا مفہوم نہیں سمجھ پائے۔ آخر چند لمحوں کے بعد ان کے دوست نے مسکراتے ہوئے کہا " ارے بھئی تم چاہے کتنی ہی اسپیڈ دے دو، گاڑی اسی وقت چلے گی جب اس کو گیئر لگایا جائے گا، ابھی تو گاڑی نیوٹرل ہے۔ جب تک گاڑی میں (ریورس یا فارورڈ) گیئر نہیں لگاؤ گے گاڑی وہیں کھڑی رہے گی اور آپ اسی طرح محنت کرتے رہیں گے لیکن آپ کا سفر کبھی ختم نہیں ہوگا اور نہ ہی کبھی آپ منزل تک پہنچیں گے"۔

بات تو بھائی جان کے دوست نے سولہ آنے درست کہی ہے کہ جب تک گاڑی کو نیوٹرل گیئر سے نکال کر اسے پہلا گیئر نہیں لگائیں گے تو گاڑی نہیں چلے گی، ذرا سوچیں اور غور کریں کہ ایک معمولی گاڑی بھی نیوٹرل گیئر میں نہیں چل سکتی

تو زندگی کی گاڑی کیسے چل سکتی ہے۔ ہم لوگ بھی تو زندگی کی گاڑی میں معاشرے کی بہتری کا سفر شروع کرکے مثالی معاشرے کی منزل تک پہنچنا چاہتے ہیں لیکن بھائی جان کی طرح ہم بھی یہی چاہتے ہیں کہ نیوٹرل رہ کر اپنی منزل حاصل کرلیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم ابھی تک نقطہ آغاز پر ہی کھڑے ہیں۔ سفر تو ابھی شروع ہی نہیں ہوا۔

میں سمجھتا ہوں کہ جو لوگ نیوٹرل ازم یا غیر جانبداری کی بات کرتے ہیں حقیقتاً وہی لوگ منافق ہیں، کیونکہ ہم معاشرے میں ظلم ہوتا دیکھتے ہیں ہمیں نظر آتا ہے کہ کون ظالم ہے اور کون مظلوم، لیکن ہم ظالم کا ہاتھ روکنے کے بجائے اپنا خود ساختہ " نیوٹرل ازم " لیکر بیٹھ جاتے ہیں کہ " بھئی میں تو اس معاملے میں غیر جانبدار ہوں میرا اس معاملے سے کیا تعلق ؟۔ ہم دیکھتے ہیں کہ معاشرے میں .برائیاں سر اٹھا رہی ہیں ہماری زرا سی کوشش سے یہ .برائیاں ختم ہوسکتی ہیں یا کم ہوسکتی ہیں لیکن یہاں بھی جب عمل کا وقت آتا ہے تو ہمیں ایک بار پھر اپنا " نیوٹرل ازم " یاد آتا ہے کہ میں تو ایک غیر جانبدار فرد ہوں اس .برائی کو روکنا میرا کام نہیں ہے۔ اس طرح معاشرے میں ظلم .بڑھتا رہتا ہے، .برائیاں پھیلتی رہتی ہیں، اخلاقی اقدار پامال ہوتی رہتی ہیں اور ہم بعد میں صرف کڑھتے رہتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد پاک ہے کہ اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ مظلوم یا ظالم، صحابہ کرام

رضوان اللہ اجمعین نے عرض کی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مظلوم ہونے کی صورت میں تو ہم اس کی مدد کر سکتے ہیں لیکن ظالم ہونے کی صورت میں اس کی مدد کیسے کریں؟آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس کو ظلم سے روکنا ہی اس کی مدد کرنا ہے۔

یاد رکھیں کہ جو ظلم کے خلاف آواز نہیں اٹھاتا وہ ظالم کے ساتھ ہوتا ہے۔ نیوٹرل ازم کی برکت سے ہم میں ایک اجتماعی بے حسی پیدا ہوتی جارہی ہے۔ ہمارے شہروں میں دہشت گردی کی وارداتیں ہوتی ہیں، اجتماعی قتل ہوتے ہیں۔ ٹارگٹ کلنگ ہوتی ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے ملک میں غیر ملکی اثر نفوذ بڑھتا جارہا ہے۔ امریکی ڈرون حملے روز مرہ کا معمول بن چکے ہیں۔ ہماری ملکی سرحدوں کی پامالی امریکہ کے لئے اب ایک روٹین کی کاروائی بن چکے ہیں۔ امریکی جیل میں ہماری مظلوم بہن عافیہ صدیقی کی چیخیں گونجتی ہیں، لیکن ہم ان تمام معاملات کے اوپر آواز نہیں اٹھاتے بلکہ ان تمام معاملات کو سیاسی کہہ کر اپنی غیر جانبداری کی چادر اوڑھ کر خاموش بیٹھ جاتے ہیں۔

لیکن اس بات پر غور کیجئے گا کہ آپ کے آس پاس، دوست احباب میں ایسے افراد موجود ہونگے جو کہ غیر جانبداری کا دعویٰ کرتے ہوں تو ایسے افراد سے کبھی ذرا فرصت میں بیٹھ کر تفصیل سے گفتگو کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ ایسے تمام

لوگ بھی کسی نہ کسی نظریے، کسی مسلک، کسی کاز یا کسی جماعت کے حامی ہوتے ہیں، لیکن شائد دنیا کو یا اپنے آپ کو دھوکہ دینے کے لئے غیر جانبداری کا دعویٰ کرتے ہیں تاکہ لوگ ان کو کسی مخصوص نظریے کا حامی سمجھ کر ان سے دور نہ ہو جائیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ غیر جانبدار تو کوئی بھی نہیں ہے البتہ کوئی فرد اپنے نظریہ، اپنے کاز یا اپنے مسلک کی اعلانیہ تبلیغ و ترویج کرتا ہے اور اس کے لئے علی الاعلان کام کرتا ہے اور وہ صرف اپنے نظریے کو ہی درست سمجھتا ہے۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو کہ اپنی جانبداری یا نظریاتی وابستگی چھپا کر اپنے نظریات کے علاوہ تمام نظریات کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور غیر جانبداری کا دعویٰ کرتے ہیں۔ بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو کہ ان دونوں حالتوں کے درمیان توازن قائم رکھتے ہیں اور اپنے نظریہ کے ساتھ ساتھ دوسروں کی بات بھی تحمل سے سنتے ہیں اور تلخ باتیں بھی برداشت کرتے ہیں لیکن ایسے لوگ بہت ہی کم ہوتے ہیں۔

ہمیں یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ جو لوگ معاشرے کے اجتماعی معاملات میں اپنے فرائض سے پہلو تہی کرکے نیوٹرل ازم کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن مقامی یا ملکی سطح کے انتخابات کے موقع پر ایسے لوگوں کی اکثریت پولنگ اسٹیشن پر نظر آتی ہے۔ اب یقیناً وہ لوگ کسی نہ کسی جماعت یا گروہ کو تو ووٹ دیتے ہونگے۔ کسی نہ کسی نظریے کی حمایت کرتے ہونگے، پھر نیوٹرل ازم کہاں گیا؟ سچ تو یہ ہے

کہ عزیزو کہ زندگی کی گاڑی چلانے کے لئے کسی نہ کسی مسلک، کسی نظریے یا ازم کے ساتھ وابستگی از حد ضروری ہے اور اس کا اظہار بھی ہونا چاہیے (تاکہ لوگوں کو آپ کے بارے میں پتہ ہو کہ آپ کا تعلق کس گروہ سے یا جماعت سے ہے) کیونکہ کسی نظریہ یا مقصد کے بغیر زندگی کی گاڑی نہیں چل سکتی۔

یکجہتی کشمیر، امن کی آشا اور بھارتی رویہ

کشمیر جنت نظیر، جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ گر فردوس بہ روئے زمیں است۔ ہمیں است ہمیں است و ہمیں است، وہی کشمیر جس کے بارے میں قائد اعظم محمد علی جناح نے کہا تھا کہ کشمیر ہماری شہہ رگ ہے اور کوئی غیرت مند قوم اپنی شہہ رگ دشمن کے قبضے میں نہیں دے سکتی۔ وہ کشمیر جو برصغیر میں پانی کا منبع ہے اور جس کے پانی پر بھارت نے ڈیم بنانا شروع کردئے ہیں۔ اس کشمیر پر بھارت نے گزشتہ باسٹھ سالوں سے قبضہ کر رکھا ہے، اسی کشمیر کے مسئلے کی وجہ سے پاکستان و بھارت کے مابین تین جنگیں لڑی گئیں ہیں، بھارت نے اپنے باسٹھ سالہ قبضے کے دوران لاکھوں افراد کو شہید کیا، ہزاروں بے گھر ہوگئے، ہزاروں ماؤں کی عصمتیں لٹیں۔

آج ہمارے ہی درمیان سے کچھ یہ کہتے ہیں کہ کشمیر کا مسئلہ بعد میں حل کیا جائے پہلے بھارت سے تجارت کی بات کی جائے، ثقافتی رشتے استوار کئے جائیں،زمینی اور فضائی راستے بحال کئے جائیں اور پھر کہیں کشمیر کا مسئلہ بھی حل کرلیا جائے گا۔"امن کی آشا" کا راگ الاپا جارہا ہے۔اور اس نام نہاد "امن کی آشا" کی کوشش میں تاریخ کو مسخ کرنے کا تماشہ شروع کردیا گیا۔کوئی اٹھ کر کہتا ہے کہ "بھارت سے ہمیں کوئی خطرہ نہیں ہے" کوئی کہتا ہے کہ

پاکستان کی بھارت سے کبھی دشمنی نہیں رہی" کوئی جہاد کو دہشت گردی اور دراندازی کہہ کراس کی مخالفت کرتا ہے اور دنیا کو یہ بتایا جارہا ہے کہ کشمیر کا مسئلہ مذاکرات سے حل کیا جائے، اور مسلح تحریک پاکستان اور بھارت کے تعلقات خراب ہورہے ہیں۔ یہ بات کرنے والے قوم کو یہ کیوں نہیں بتاتے کہ اگر بھارت سے کوئی خطرہ نہیں ہے تو پھر اتنی بڑی فوج اور اربوں روپے کے اسلحہ کا کیا جواز ہے؟ اگر بھارت کبھی پاکستان کا دشمن نہیں رہا تو کیا یہ تین جنگیں محض مشقیں تھیں؟ یہ جو ہمارے نشانِ حیدر پانے والے قابل فخر سپوت جنھوں نے مادر وطن کی حفاظت کرتے ہوئے اپنی جانیں قربان کردیں، ذرا قوم کو یہ بھی بتایا جائے کہ ان شہداء اور دیگر ہزاروں شہداء نے کس ملک کے خلاف جنگ لڑ کر شہادتیں پائی ہیں۔ کشمیر کے معاملے پر مذاکرت کی بات کرنے والے یہ کیوں نہیں بتاتے کہ کشمیر پر بھارت کا غاصبانہ قبضہ تقسیم کے وقت سے ہی قائم ہے۔ اور پاکستان نے 1947 سے لیکر 1988 تک تو مذاکرات، پرامن مظاہروں، اور اقوام متحدہ کے ذریعے پوری دنیا کی توجہ اس مسئلہ کی جانب مبذول کرانے کی کوشش کی لیکن کسی کے کان پر جوں تک نہ رینگی، بالآخر تنگ آمد بجنگ آمد کے مصداق 1989 میں کشمیر میں مسلح جدو جہد شروع ہوئی، اور پھر بھارت نے دنیا میں واویلہ مچانا شروع کردیا۔اور عالمی برادری بھی اس جانب متوجہ ہوئی کہ کشمیر کا بھی کوئی مسئلہ ہے۔

ادھر ہم امن کی آشا کا یکطرفہ راگ الاپ رہے ہیں اور ادھر بھارت نے ہمیں لارے دیکر اپنا الو سیدھا کرنا شروع کردیا ہے، سابق آمر جنرل (ر) پرویز مشرف کے دور میں جب مجاہدین کو کارنر کرنے کا سلسلہ شروع کیا اور مجاہدین کو دہشت گرد اور جہاد کو دہشت گردی قرار دیکر جہادی تنظیموں کے خلاف کریک ڈاؤن شروع کیا گیا تو اس موقع سے فائدہ اٹھا کر بھارت نے کشمیر میں دو ڈیم (بگلیہار ڈیم اور راول ڈیم) بنا کر پاکستان کے پانیوں پر ڈکیتی ماردی، جبکہ یہ بھی حقیقت ہے کہ جب تک مجاہدین کو پاکستانی حکومت کی تائید حاصل تھی اس وقت تک بھارت یہ ڈیم مکمل نہیں کرسکا تھا اور دو دفعہ مجاہدین نے بگلیہار ڈیم کو اڑا دیا تھا۔ لیکن اب ہم سوائے شور مچانے اور اقوام متحدہ میں جانے کے اور کچھ نہیں کر سکتے ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے یکم جنوری سے امن آشا کا راگ شروع کیا گیا اور دسمبر کے اواخر سے ہی بھارت نے اپنا لہجہ بدل لیا۔ بھارتی آرمی چیف نے پاکستان اور چین کو بیک وقت سبق سکھانے کی بات کی، متعدد بار ہماری سرحدی چوکیوں پر بلا جواز و بلا اشتعال فائرنگ کی گئی جس میں ہمارے جوان شہید و زخمی ہوئے۔ جیسے جیسے بھارت کے لہجے میں سختی اور تلخی آتی گئی ویسے ویسے ہماری جانب سے امن کی آشا کے راگ کی لے تیز تر ہوتی گئی اور ہماری حالت غالب کے اس شعر کے مطابق ہوگئی کہ ع ہم ہیں مشتاق وہ ہیں بیزار الہٰی یہ ماجرا کیا ہے۔ ہم یہاں ایک جائزہ لیتے ہیں کہ جنوری 2010 میں جب سے امن کی آشا شروع کیا گیا ہے اس مہینے میں ہماری امن کی آشا کے جواب

میں بھارت نے پاکستانی حکومت اور پاکستانی عوام "خیر سگالی" کے کتنے پیغامات بھیجے ہیں۔یہ سارے بیانات اور خبریں قومی روزناموں میں چھپتے رہے ہیں اور ہم نے کوشش کی ہے ان کو تاریخ وار آپ کے سامنے پیش کیا جائے۔

پاکستان بھارت کا دشمن نہیں دوست ہے، وزیراعظم گیلانی2010/1/1

افغانستان میں آئی ایس آئی کے خلاف اقدامات کرنا ہونگے، چدم برم: وزیراعظم کے ساتھ اجلاس2010/1/1

ورمل اور سوپور میں گزشتہ روز پرتشدد مظاہروں کے دوران مظاہرین اور پولیس کے درمیان جھڑپوں میں 9افراد زخمی ہوئے جن میں سے ایک نوجوان آنسو گیس شیل لگنے سے شدید زخمی ہوااور اسے انتہائی نازک حالت میں صورہ ہپتال میں داخل کیا گیا

2/1/2010

بھارت: سزا پوری کرنے والے 3 پاکستانیوں کو غائب کردیا گیا2010/1/3

مقبوضہ کشمیر ہمارااٹوٹ انگ ہے (بھارت کا پھر دعویٰ)2010/1/3

پاکستان اور چین مل کر بھارت پر حملہ کر سکتے ہیں، سابق بھارتی آرمی چیف کرشنار اؤ، بات چیت سے نتائج برآمد نہیں ہوسکے، بنگلہ دیش کو کھونے کے باوجود پاکستان اب تک دو قومی نظریہ پر چل رہاہے،لیکچر2010/1/6

مقبوضہ کشمیر: بھارتی فوج کا ہوٹل پر حملہ، عمارت کو آگ لگادی، دو مجاہد شہید، مجاہدین کی شہادت کے بعد لوگ احتجاجاً سڑکوں پر نکل آئے، قابض فوج کی

جانب سے مظاہرین کو منتشر کرنے کیلئے طاقت کا استعمال 2010/1/7

مقبوضہ کشمیر: بھارتی فوج کی فائرنگ سے دو مزید کشمیری شہید: پولیس افسر نے صحافی کو گولی ماردی, سیاسی، سماجی اور صحافتی تنظیموں کی جانب سے صحافی کو گولی مارنے کے واقعے کی شدید مذمت، پولیس افسر کیخلاف کاروائی کا مطالبہ 2010/1/8

پاکستان اور چین سے بیک وقت جنگ کیلئے تیار ہیں، بھارتی ایئر مارشل, بھارتی آرمی چیف کے بعد بھارتی ایئر فورس کی مشرقی کمانڈ کے سربراہ ایئر مارشل کش کمار نوہوار نے بھی دعویٰ کیا ہے کہ وہ پاکستان اور چین سے بیک وقت جنگ کے لئے پوری طرح تیار ہیں 2010/1/8

مقبوضہ کشمیر: بھارتی فوج کے وحشیانہ مظالم کیخلاف مظاہرے، پولیس تشدد سے 20 افراد زخمی, غیر ملکی خبر رساں ادارے کے مطابق بھارتی فوج کے ہاتھوں 16 سالہ کشمیری لڑکے کی شہادت کیخلاف سری نگر میں اقوام متحدہ کے دفتر کے باہر سیکڑوں افراد نے احتجاجی مظاہرہ کیا اور آزادی کے حق اور بھارتی فوج کے خلاف نعرے بازی کی۔ ذرائع کے مطابق 16 سالہ لڑکے کو جمعہ کے روز قابض فوج نے فائرنگ کرکے شدید زخمی کیا تھا۔ ہفتے کو اس لڑکے نے زخموں کی تاب نہ لاکر ہسپتال میں جام شہادت نوش کیا 2010/1/9

بھارتی فوج کی جانب سے واہگہ سرحد پر بلااشتعال فائرنگ, تفصیلات کے مطابق واہگہ بارڈر پر جمعہ اور ہفتہ کی شب فائرنگ کے واقعہ پر پاکستان رینجرز نے فلیگ میٹنگ کے لئے بھارتی حکام سے رابطہ کیا ہے۔ رینجرز حکام کا کہنا ہے کہ رات 12 بجکر 35 منٹ پر بھارتی سرحدی محافظوں کی جانب سے واہگہ سیکٹر پر پاکستانی علاقے میں بلااشتعال فائرنگ کی گئی جس پر رینجرز حکام نے احتجاج ریکارڈ کرانے کے لئے فلیگ میٹنگ طلب کرلی. پاکستان رینجرز کے ترجمان نے پاکستان کی جانب سے کسی بھی میزائل فائر کرنے کی تردید کی اور کہاکہ جو کچھ ہوا بھارت کی طرف سے ہی ہوا، وہ پاکستان پر من گھڑت اور بے بنیاد الزام لگا رہے ہیں جس کو پاکستان رینجرز مسترد کرتے ہیں۔ 1/9/ 2010

مقبوضہ کشمیر سے فوجی انخلاء کا موڈ نہیں، بھارتی فوج کی شمالی کمان کے جنرل آفیسر کمانڈنگ ان چیف لیفٹیننٹ جنرل بی ایس جسوال 2010/1/9

ہیڈ مرالہ کے مقام پر بھارت کی طرف سے پانی روکے جانے کے بعد دریائے چناب مکمل طور پر خشک ہوگیا ہے۔ دریائے چناب کا پانی بھارت نے متنازع بگلیہار ڈیم پر روک رکھا ہے۔ اس وقت دریائے چناب کا 98 فیصد سے زائد حصہ مکمل طور پر خشک ہو چکا ہے۔ ہیڈ مرالہ کے مقام سے نکلنے والی 2 نہریں مکمل طور پر بند پڑی ہیں۔ بھارت سندھ طاس معاہدے کے تحت دریائے چناب میں روزانہ 56 ہزار

کیوسک پانی چھوڑنے کا پابند ہے2010/01/10
مقبوضہ کشمیر: بھارتی فوج کا مسجد پر دھاوا، دو مجاہدین کو شہید کرنے کا دعویٰ01/11/
2010
بھارتی وزیر دفاع اور آرمی چیف کا ہنگامی دورہ کنٹرول لائن،چوکیوں کا معائنہ کیا12/
01/2010
پاکستان مقبوضہ کشمیر میں دراندار بھیجنے کی کوششیں کر رہا ہے،بھارتی الزام,ریاست میں تشدد کو ہوا دی جارہی ہے، سیکورٹی ادارے چوکس رہیں، وزیر دفاع اے کے انتھونی
13/01/2010
مقبوضہ کشمیر میں جھڑپیں،2 مجاہدین شہید،1 بھارتی فوجی ہلاک،بھارتی فوج نے جنوبی کشمیر کے ضلع کولگام کے علاقے دمیال ہنجی پورہ کا محاصرہ کیا اور تلاشی آپریشن شروع کیا گیا،آپریشن میں 9 اور 62 آر آر اور سپیشل آپریشنل گروپ کے اہلکاروں نے حصہ لیا،
14/01/2010
گزشتہ سال دراندازی میں دوگنا اضافہ ہوا، جنرل دیپک کپور کا پریس کانفرنس میں الزام،ان اعداد و شمار میں اضافہ صرف ہمارے ہمسائیوں کی وجہ سے ہوا ہے جو زیادہ سے زیادہ دراندازوں کو سرحد پار کرانا چاہتے ہیں2010/01/15
مقبوضہ کشمیر: سوپور میں بھارت کی ریاستی دہشت گردی! مزید دو کشمیری شہید,رات دیر گئے سی آر پی ایف اہلکاروں نے نواکدل، گرٹہ بل،کاؤ ڈارہ اور

واگن پورہ میں متعدد مکانوں کے شیشے توڑ ڈالے اور مکینوں کو ہراساں کیا 01/16/
2010
مقبوضہ کشمیر: رنبیر سنگھ پورہ میں نوجوان شہید کردیا گیا، بھارتی شیلنگ' فائرنگ سے
افراد زخمی'لولاب اور ہندواڑہ میں لاپتہ افراد کی بازیابی کیلئے دھرنے 01/17/ 25
2010
سیالکوٹ سیکٹر پر بھارتی فوج کی بلا اشتعال فائرنگ، پاک فوج کی بھرپور جوابی
کارروائی، بھارت کی طرف سے اتوار کی شب بلا اشتعال فائرنگ کی گئی جس کا رخ
پاکستانی پوسٹوں کی طرف تھا۔ ترجمان کا کہنا ہے کہ بھارت کی طرف سے ایک گھنٹے کے
وقفے سے دو مرتبہ فائرنگ کی گئی جس پر پاکستانی رینجرز نے بھرپور جواب دیا اور جوابی
کارروائی کے بعد دوسری جانب سے فائرنگ کا سلسلہ بند ہوگیا2010/01/18
مقبوضہ کشمیر: بھارتی فوج کا جھڑپ میں مجاہد کمانڈر کو شہید کرنے کا دعویٰ کا کریک
ڈاؤن ، متعدد افراد زخمی ہوگئے، وحشیانہ فوجی کارروائی 2010/01/18 سوپور
میں بھارتی فوج
پاکستان اب بھی دہشت گردی کو پالیسی آلے کے طور پر استعمال کر رہا ہے، بھارت کا
الزام۔ بھارتی قومی سلامتی کے سربراہ ایم کے نارائنن کا برطانوی اخبار

کوانٹر ویو2010/01/18

کنٹرول لائن پر بھارتی فوج کی بلا اشتعال فائرنگ (پاکستانی فوجی شہید)، راولاکوٹ کے قریب کیلر سیکٹر پر حملہ کیا گیا، ایک اہلکار زخمی بھی ہوا، اسلام آباد کا واقعے پر شدید احتجاج، مقامی فوجی کمانڈرز کی فوری میٹنگ بلانے کا مطالبہ کیا ہے، آئی ایس پی آر، کراتی پوسٹ پر راکٹ لانچر برسائے گئے، فائرنگ کے واقعات کا پتہ چلانا باقی ہے، بھارتی جنرل، ایک ہفتے میں تیسری بار فائرنگ کا واقعہ، بھارت کی جانب سے سرحدی خلاف ورزی جاری2010/01/19

مقبوضہ کشمیر: 26 جنوری کی آمد، محاصروں اور تلاشیوں کا سلسلہ شروع، مظاہرین پر بھارتی فورسز کا تشدد، متعدد افراد زخمی، کئی علاقوں میں غیر اعلانیہ کرفیو نافذ، گزشتہ روز فورسز نے وزیر باغ، لال منڈی اور ملحقہ علاقوں کو محاصرے میں لیا اور کریک ڈاون کے دوران تلاشی لی اور شناختی کارڈ چیک کئے2010/01/19

مقبوضہ کشمیر: پولیس نے مظاہرین پر گولی چلادی، ایک شہید 3 زخمی، یکموں پورہ گاؤں میں پولس نے مسلم صوفی بزرگ کے مزار کو جانے والی سڑک بند کردی۔ یکموں پورہ گاؤں سرینگر سے 19 میل شمال میں واقع ہے2010/01/22

کنٹرول لائن پر بھارتی فوج کی فائرنگ، لوگوں میں خوف وہراس پھیل گیا، چھوٹے اور بھاری ہتھیاروں کا استعمال، جانی ومالی نقصان نہیں ہوا2010/01/22

بھارت نے دریائے ستلج میں زہریلا پانی چھوڑ دیا، لاکھوں مچھلیاں ہلاک, فیکٹریوں کا آلودہ پانی دریا میں شامل ہونے سے ہزاروں ایکڑ اراضی کے بنجر ہونے کا خدشہ بھی ہے2010/01/23

مقبوضہ کشمیر: زیارت کا راستہ بند کرنے پر جھڑپیں، نوجوان شہید، متعدد زخمی, مقبوضہ وادی میں بھارتی فورسز کے تشدد، مختلف علاقوں میں پولیس کی چیک پوسٹوں اور لوگوں کو ہراساں کرنے کے خلاف احتجاجی مظاہرے کئے گئے، اس دوران پولیس کی فائرنگ کی سے ایک نوجوان شہید اور متعدد زخمی ہو گئے، جبکہ 1 مجاہد کو شہید کرنے کا دعویٰ کیا گیا ہے2010/01/23

بھارت:۔برقع پوش مسلم خواتین کو ووٹر شناختی کارڈ جاری نہ کرنے کا حکم01/23/ 2010

مقبوضہ کشمیر: نوجوان کی شہادت، ہزاروں شہریوں کا بھارت کےخلاف مظاہرہ, مشتاق کو پلوامہ میں شہید کیا گیا، عوام کا لاش سمیت احتجاج، ریاستی تشدد سے متعدد زخمی، کشتواڑ میں بھی نوجوان فرضی جھڑپ کی نذر, راجوڑی میں مسجد پر فوج

کے قبضے کیخلاف مظاہرہ، بھارتی یوم جمہوریہ پر مقبوضہ وادی چھاؤنی میں تبدیل، درجنوں گرفتار، پور قصبے کے نور باغ علاقے میں فورسز کے محاصرے، زبردستی دکانیں بند کروا کر لوگوں پر تشدد کے بعد فائرنگ،، بھارتی فورسز نے سوپور قصبے میں محاصرے کے دوران گولہ باری اور فائرنگ سے ۳ منزلہ رہائشی مکان تباہ کر دیا 24/
01/2010

سیالکوٹ سرحد پر بھارتی فوج کی پھر بلااشتعال فائرنگ : پاکستانی دفتر خارجہ میں انڈین ہائی کمشنر کی طلبی، شدید احتجاج، بھارتی فوج نے پیر اور منگل کی درمیانی رات سیالکوٹ ورکنگ باؤنڈری کے علاقے پوخلیاں سیکٹر میں پاکستانی چوکیوں پر بلا اشتعال فائرنگ کی۔ عسکری حکام کا کہنا تھا کہ گزشتہ ایک ماہ میں بھارت 15 سے 20 مرتبہ مختلف سیکٹرز میں سیز فائر معاہدے کی خلاف ورزیاں کرچکا ہے اور یہ سلسلہ اس کی طرف سے مسلسل جاری ہے 2010/01/26

مسلمانوں کے نہیں پاکستان، القاعدہ اور لشکر طیبہ کیخلاف ہیں: بی جے پی01/26/
2010

پاکستانی کرکٹرز کی حمایت : شاہ رخ خان کو انتہا پسندوں کے غصے کا سامنا، شیو سینا کے کارکنوں نے فلم 'مائی نیم از خان' کے پوسٹرز پھاڑ ڈالے ، نمائش روکنے کی دھمکی، بھارتی انتہا پسند تنظیم شیو سینا نے معروف اداکار شاہ رخ

خان کو مشورہ دیا ہے کہ وہ بھارت چھوڑ کر پاکستان منتقل ہو جائیں۔ شاہ رخ خان کا قصور اتنا ہے کہ وہ مسلمان ہیں اور انہوں نے آئی پی ایل کے مسئلے پر پاکستانی کھلاڑیوں کے حق میں بیان دیا۔ دوسری جانب امیتابھ بچن نے بھی پاکستانی کھلاڑیوں کے حق میں بیان دیا لیکن وہ شاید ہندو ہونے کے ناطے شیوسینا کی تنقید سے بچ گئے ہیں۔ 29/1/2010

دھر سوپور میں بھارتی فوج کی بڑھتی ہوئی ریاستی دہشت گردی کے خلاف اتوار کو ہڑتال اور احتجاجی مظاہرے کئے گئے۔ بھارتی پولیس نے مظاہرین کو منتشر کرنے کیلئے آنسو گیس اور ہوائی فائرنگ سمیت طاقت کا وحشیانہ استعمال کیا۔2010/01/31

تو بھائیو! یہ ہے بھارت کی امن کی آشا۔اور یہی ہے بھارت کے سیکولرازم کا اصل چہرہ، یاد رکھیں کہ ہم کشمیر کا مسئلہ حل کئے بغیر کبھی بھی خطے میں امن قائم نہیں کر سکتے ہیں اور نہ ہی بھارت سے یکطرفہ طور پر امن و امان کی باتین کرنے سے امن قائم ہوگا بلکہ امن تو اسی وقت قائم ہوسکتا ہے جب دونوں ممالک برابری کی سطح پر بات کریں۔اور بھارت کو اسی کی زبان میں سمجھا دیا جائے کہ اگر وہ امن کے لئے سنجیدہ ہے تو پہلے کشمیر سے اپنی فوجیں نکالے، پاکستان کے خلاف منفی پروپگنڈہ بند کرے، پاکستان کے دریاؤں کا پانی

روکنا چھوڑ دے، بصورت دیگر ہم کتنے ہی 5 فروری اور "یوم یکجہتی کشمیر" منالیں، امن کی کتنی ہی آشا کرلیں امن قائم نہیں ہو سکتا۔ جس وقت یہ سطور لکھی جارہی ہیں اسی وقت خبر آئی ہے کہ آج چار فروری کو بھارت نے ایک بار پھر پاکستان سے مذاکرات کا ڈول ڈال ہے۔

امن کی آشا کے خالق اس کو اپنی کامیابی قرار دے رہے ہیں لیکن ہم اس بارے میں کسی خوش فہمی کا شکار نہیں ہیں بلکہ ہمیں اچھی طرح پتا ہے کہ بھارت اس موقع پر مذاکرات کی بات کرکے یہ کوشش کرے گا کہ پاکستان کشمیر ڈے اور اس کے فوراً بعد عالمی سطح پر اس مسئلہ کو نہ اٹھائے اور جب کشمیر ڈے معاملہ گذر جائے گا اس کے بعد وہی بھارت ہوگا اور وہی اس کی الزام تراشیاں ہونگی۔اور وہی اس کا مقبوضہ کشمیر میں ظلم و ستم ہوگا۔

حقائق تو یہ ہیں-3

گزشتہ ہفتے جماعت اسلامی صوبہ سرحد کے رہنما اور سابق رکن قومی اسمبلی صاحبزادہ ہارون الرشید صاحب کے گھر کو بمباری کرکے اڑا دیا گیا، اس سانحے میں ان کی اسی سالہ بزرگ والدہ اور بھانجی شہید ہوگئیں۔ پاک فوج کی جانب سے دعویٰ کیا گیا کہ اس گھر میں مشتبہ دہشت گرد موجود تھے اسی لئے اس گھر کو نشانہ بنایا گیا۔ اس طرح جماعت اسلامی کی امریکہ مخالفت کو دبانے کی کوشش کی گئی ہے کیونکہ جماعت اسلامی کی گو امریکہ گو مہم میں تیزی آتی جارہی تھی جبکہ صاحبزادہ ہارون الرشید صاحب قبائلی علاقہ جات کی ایک معروف اور ہر دلعزیز شخصیت اور وہاں امریکہ کے بڑھتے ہوئے اثر رسوخ کے خلاف ایک توانا آواز تھے، اس وحشیانہ کاروائی کے ذریعے ان کو خوفزدہ کرنے کی کوشش کی گئی۔ عوام کی اکثریت کے نزدیک پاک فوج اور فورسز کی یہ کاروائی بالکل درست ہے، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ دہشت گردوں کی موجودگی کا جواز بنا کر جس گھر کو نشانہ بنایا گیا تھا اس گھر میں بمباری سے صرف ایک ۸۰ سالہ بزرگ اور ننھی لڑکی شہید ہوتے ہیں کوئی تیسرا فرد وہاں موجود نہیں ہوتا اور آج ایک اس واقعے کو ایک ہفتے سے زیادہ دن گزرنے کے باوجود ابھی تک اس کے ملبے سے نہ تو کسی ”دہشت گرد“ کی لاش برآمد کی جاسکی ہے اور نہ ہی اسلحے کے نام پر کوئی ہتھیار برآمد کیا جاسکا ہے۔ یہ

کیسے دہشت گرد تھے کہ جن کے پاس کوئی ہتھیار نہ تھا؟

واقعہ یہ ہے کہ جماعت اسلامی ہر دور میں فوجی آپریشن کی مخالف رہی ہے خواہ وہ اکہتر میں مشرقی پاکستان میں بنگالیوں کے خلاف فوج کا آپریشن ہو، یا بلوچستان میں فوجی آپریشن ہو یا پھر کراچی میں متحدہ کے خلاف فوجی کاروائی ہو، جماعت اسلامی نے ہر فوجی آپریشن کی مخالفت اور افہام و تفہیم کے ذریعے معاملات کو حل کرنے پر زور دیا ہے اور اسی لئے جماعت اسلامی قبائلی علاقہ جات میں بھی فوجی آپریشن کی مخالف ہے کیوں کہ اول تو فوجی آپریشن میں حقیقی دہشت گردوں کے بجائے عام افراد کی ہلاکتیں زیادہ ہو رہی ہیں اور دوسرا موجود آپریشن امریکی ایماء پر شروع کیا گیا ہے۔ اور جماعت اسلامی کی آواز کو نظر انداز کرنا آسان نہیں ہے اس لئے جماعت اسلامی کے خلاف پروپگینڈہ کیا جارہا ہے کہ یہ لوگ دہشت گردوں کی مذمت نہیں کرتے ہیں۔

یہ بھی ایک بے بنیاد پروپگینڈہ ہے جماعت اسلامی کبھی بھی دہشت گردی اور دہشت گردوں کی حامی نہیں رہی بلکہ جماعت نے ہمیشہ دہشت گردی کی مخالفت و مذمت کی ہے اور جماعت اسلامی کے موجود امیر کا یہ بیان تو ریکارڈ پر ہے کہ "بے گناہوں کی جان لینے والے مسلمان نہیں ہو سکتے ہیں" جس پر محترم حسن نثار صاحب نے بھی ایک کالم لکھ مارا تھا۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ جماعت اسلامی

کبھی بھی دہشت گردوں کی حامی نہیں رہی لیکن اگر ایک لمحے کے لئے یہ فرض کرلیا جائے کہ جماعت اسلامی نے کبھی دہشت گردوں کی مذمت نہیں کی ہے تو یہ بات کہنے والوں سے پوچھا جاسکتا ہے کہ " عالی جاہ! یہ دہشت گرد کیا صرف اسی بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ جماعت اسلامی یا عمران خان وغیرہ ان کی مذمت کریں اور یہ ایک دم سارے ہتھیار پھینک کر خود کو فورسز کے سامنے پیش کردیں کہ جناب ہم تو ایسے ہی دل لگی کر رہے تھے اور اس انتظار میں تھے کہ یہ لوگ ہماری مذمت کریں تو ہم سارے جرائم اور دہشت گردی چھوڑ کر اچھے بچے بن جاتے ہیں " دیکھا جائے تو یہ انتہائی احمقانہ سوچ ہے کیونکہ مذاکرات، ومذمت دراصل " مرمت " سے پہلے کے مراحل ہیں اور جب کوئی مذاکرات یا مذمت سے باز نہیں آتا تو پھر اس کی مرمت کی جاتی ہے اور حکومت تو ایک عرصے سے ان لوگوں کی "مرمت" میں مصروف ہے تو جو لوگ مرمت سے باز نہیں آئے تو مذمت سے کیا باز آئیں گے؟ ویسے یہ بھی حیرت انگیز بات ہے کہ خود کش حملوں کی مذمت کرنے والوں نے کبھی ڈرون حملوں کی مذمت نہیں کی اور نہ ہی ان حملوں کے نتیجے میں شہید ہونے والے بے گناہ مسلمان بھائیوں کے حق میں کوئی کلمہ خیر ان کی زبانوں سے نکلتا ہے۔ ٹھیک ہے مان لیا کہ پاک فوج بالکل درست کر رہی ہے تو کیا یہ پاک فوج کی ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ ملکی سرحدوں کا دفاع کرے؟ ملکی سرحدوں کی پامالی کرنے والوں کو روکے اور ان ڈرون طیاروں کو مار گرائے؟ اگر فوج یہ کام نہیں کرے گی تو پھر ارضِ وطن کا دفاع کون کرے گا؟

ہارون الرشید صاحب کے واقعے کی آڑ لیکر جماعت اسلامی کے مخالفین نے ایک بار پھر ایک پرانے الزام کی جگالی شروع کردی ہے کہ " جماعت اسلامی نے ماضی میں البدر و الشمس نامی تنظیمیں بنا کر بے گناہ بنگالیوں کا قتل عام کیا" یہ بھی ایک بالکل بے بنیاد اور بچکانہ سوچ ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ بات کہنے سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں اول تو یہ بات کہنے والے ماضی قریب کی تاریخ سے بھی واقف نہیں ہیں یا پھر وہ تاریخ سے واقف تو ہیں لیکن جان بوجھ کر عوام کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ دیکھیں مشرقی پاکستان میں فوجی آپریشن تو مارچ انیس سو اکہتر میں ختم ہوچکا تھا جبکہ البدر والشمس کی ترتیب و تخلیق مئی انیس سو اکہتر میں کی گئی یعنی فوجی آپریشن ختم ہونے کے تقریباً دو ماہ بعد ان تنظیموں کو قائم کیا گیا تھا اور ان کے قائم کرنے کی وجہ خود میجر ریاض جنہوں نے البدر والشمس کی بنیاد رکھی انہی کی زبانی سنیئے وہ کہتے ہیں کہ "ابتدائی ڈیڑھ ماہ میں ہمارا رضاکار فورس کا تجربہ ناکام ہوچکا تھا، تاہم میں نے دیکھا کہ میرے سیکٹر میں اسلامی جمعیت طلبہ کے بنگالی طلبہ بڑے اخلاص سے دفاع، رہنمائی اور حفظِ راز کی ذمہ داری ادا کررہے ہیں، اسی لئے میں ہائی کمان سے کوئی باقاعدہ اجازت لئے بغیر قدرے جھجکتے ہوئے ان طلبہ کو الگ کیا، یہ کل سینتالیس طلبہ تھے اور سب اسلامی چھاترو شنگھو (اسلامی جمعیت طلبہ) کے کارکن تھے۔ سولہ مئی انیس سو اکہتر کو شیر پور (ضلع میمن)

سنگھ) کے مقام پر انہیں مختصر فوجی تربیت دینے کا آغاز کیا۔ ان کارکنان کی محنت، لگن، تیکنیک کو سمجھنے میں کمال ذہانت دیکھ کر اکیس مئی انیس سو اکہتر کو ان سے خطاب کیا اور میرے منہ سے بے ساختہ یہ بات نکلی کہ آپ جیسے سیرت و کردار اور مجاہدانہ جذبہ رکھنے والے فرزندان اسلام کو "البدر" کے نام سے پکارا جانا چاہیے اور تب ہی میرے ذہن میں یہ خیال کوندا کہ کیوں نہ اس تنظیم کو البدر کا نام دیا جائے۔ غور کریں کہ مارچ میں فوجی آپریشن ختم ہوتا ہے اور مئی میں البدر کی تشکیل ہوتی ہے اس سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ جماعت اسلامی نہ تو فوجی آپریشن اور نہ ہی عوام کے قتل عام میں ملوث تھی بلکہ وہ دفاع وطن کے لئے پیش پیش تھی اور اس نے دفاع وطن کے لئے اپنے ہزاروں کارکنوں کی جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔ یہ وہ حقائق ہیں جن کو چھپا کر جماعت اسلامی کے خلاف بے بنیاد پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے۔ ہماری تمام لوگوں سے یہی گزارش ہے کہ اپنے خیالات و نظریات کو ضرور پیش کریں یہ ہر فرد کا حق ہے لیکن اس چکر میں حقائق کا گلا نہ گھونٹا جائے۔

میرا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عظیم تر ہے

قیصرِ روم اپنے عالیشان محل میں رونق افزا ہے، اس کا محل اس کی شان و شوکت کا مظہر ہے، اس کے محل کے مینار و کنگرے دیکھنے والوں پر ایک ہیبت طاری کر دیتے ہیں۔ قیصر کی اپنی شخصیت کے ساتھ ساتھ اس کے رعب و دبدبے کی ایک وجہ اس کے عالیشان محل پر ایستادہ کنگرے بھی ہیں جو میلوں دور سے نظر آتے ہیں اور دیکھنے والوں پر ایک رعب طاری ہو جاتا ہے۔ لیکن آج ایک انتہائی انہونی بات ہوئی ہے آج قیصر روم کے محل کے چودہ کنگرے اچانک بغیر کسی وجہ کے گر گئے ہیں۔ اور کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا کہ یہ کیوں ہوا ہے اور کیسے ہوا ہے؟۔ ادھر ملکِ فارس (ایران) میں بھی ایک عجیب و غریب واقعہ ہوا ہے۔ آتش کدہ فارس کی وہ آگ جسے آگ کے پجاریوں نے ایک ہزار سال سے مستقل روشن رکھا ہوا تھا آج وہ آگ اچانک بغیر کسی وجہ کے بجھ گئی ہے، اور آگ کے پجاری حیران و پریشان کھڑے ہیں کہ آج ان کا خدا مر گیا ہے۔ لیکن یہ کیسے ہوا اور کیوں ہوا؟ اس کی کوئی وجہ سمجھ نہیں آ رہی ہے۔ یہ دونوں واقعات ایک ہی دن رونما ہوئے ہیں کیا آج کوئی غیر معمولی دن ہے ؟ آج یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے؟ آج کیا دن ہے اور کیا تاریخ ہے؟

آج دوشنبہ (پیر) کا دن ہے، ربیع الاول کی 12 تاریخ ہے (بعض روایات میں ۹

ربیع الاول بھی ہے) اور عیسوی تقویم کے مطابق یہ 20 اپریل 571ء ہے۔ آج کا دن واقعی غیر معمولی ہے کیونکہ صدیوں سے سسکتی ہوئی انسانیت پر آج اللہ تعالیٰ نے کرم فرمانے کا فیصلہ کیا ہے۔ آج رحمتِ الٰہی کفر و الحاد و شرک کے گھور اندھیروں کو مٹانے والی ہے۔ آج اللہ رب العزت اپنے نور کی کرنوں کو اس دنیا میں عام کرنے کا فیصلہ کر رہے ہیں۔ آج سردار قریش عبدالمطلب کے مرحوم بیٹے عبداللہ کے گھر ایک نومولود کی آمد ہوئی ہے۔ حضرت بی بی آمنہ کے لعل کی دنیا میں آمد کے ساتھ ہی یہ جو غیر معمولی واقعات ہوئے یہ محض اتفاق نہیں ہیں بلکہ دراصل یہ اعلان ہے اس بات کا کہ اب ہر قسم کے ظلم کا خاتمہ ہوگا کفر و الحاد پرستی اور شرک بھی سب سے بڑے ظلم ہیں اب اس دنیا میں کفر الحاد کا نظام نہیں چلے گا۔ قیصر روم کی عظمت کا دور اب گزرنے والا ہے، اب انسانوں کو انسانوں پر ظلم کی اجازت نہیں دی جائے گی. اب حکمرانی کے بجائے خلافت باللہ کا نظام چلے گا، آتش کدہ فارس کی آگ ٹھنڈی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اب اس دنیا میں شرک کی بالادستی نہیں چلے گی، خالق کے بجائے مخلوق کی عبادت کی اجازت نہیں دی جائے۔ خورشید رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کرنوں سے باطل کے اندھیرے مٹ جائیں گے۔ وہ دنیا جو برائیوں میں ڈوب کر ایک متعفن اور بدبودار جگہ بن گئی تھی اب اس دنیا کے چمن کو آمنہ بی کے پھول نے اپنی خوشبو سے ایک بار پھر مہکتا ہوا گلشن بنانا ہے

نبی مہربان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی پاک پر لکھنے کا شوق اپنی جگہ لیکن اس کے ساتھ ساتھ جب اپنی بد اعمالیوں پر نظر پڑی تو بے اختیار یہ شعر یاد آگیا کہ

مجھ میں ان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ثنا کا سلیقہ کہاں۔ وہ شاہِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ کہاں میں کہاں؟

ان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدح سرا خود خالق دوجہاں۔ وہ شاہِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ کہاں میں کہاں؟

دل و دماغ میں ایک جنگ جاری تھی دماغ کہتا تھا کہ اے بد بخت انسان تُو نے اپنے اعمال کو دیکھا ہے؟ تیری زندگی گناہوں میں بسر ہو رہی ہے، تیری زندگی میں دو رنگی ہے، تو گناہوں کی دلدل میں دھنسا ہوا ہے تجھے کوئی حق نہیں ہے کہ تو اُس پاک ہستی کے لئے کچھ لکھ جو کہ خود اللہ رب العالمین کا محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے! بات تو ٹھیک تھی لیکن پھر دل نے کہا کہ مایوس نہ ہو اللہ رب العالمین ہے اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمت العالمین ہیں کیا غم ہے جو تیری زندگی گناہوں میں بسر ہو رہی ہے اللہ کی رحمت تو تیرے گناہوں سے کہیں زیادہ بڑی ہے اور مایوسی تو گناہ ہے، اس کے علاوہ خود نبی مہربان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی تو رحمت ہی رحمت ہے محبت ہی محبت ہے

کیا عجب کہ رب العالمین اور رحمت العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیری خطاؤں سے درگزر کر جائیں! یہ خیال آتے ہی پھر سوچا کہ کم از کم یہ تو کر سکتا ہوں کہ سیرتِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو کچھ میں نے سمجھا ہے اس وہی کچھ لوگوں سے شئیر کرلوں شائد یہی نیکی میرے کام آجائے اور میرے لیئے آخرت کا توشہ بن جائے شائد یہی ایک نیکی نجات کا باعث بن جائے۔ آیئے سیرت پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کچھ گوشوں کا جائزہ لیتے ہیں۔

نبی مہربان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادتِ باسعادت سے پہلے ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد محترم حضرت عبداللہ کا انتقال ہوچکا تھا، عربوں کے دستور کے مطابق شرفاء کے بچے ابتدائی عمر میں دائیوں کے سپرد کردئے جاتے تھے تاکہ وہ ان کی پرورش دیہاتوں میں کریں۔ نبی مہربان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے بعد بھی دائیاں مکہ میں آئی ہیں، سب نے بڑے بڑے سرداروں کے بچوں کو گود لیا ہے، کہ سرداروں سے بڑے انعام واکرام کی توقع ہے۔ لیکن آمنہ بی بی کے درِ یتیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی نے بھی گود نہیں لیا ہے کیوں کہ ایک یتیم بچے کی ماں کسی کو کیا انعام دے سکے گی؟ اسی سوچ کے تحت کسی نے نبی مہربان صلی اللہ علیہ وسلم کو گود نہیں لیا۔ ادھر دائی حلیمہ بھی خالی ہاتھ ہیں کہ انکو بھی اتفاق سے کوئی بچہ گود نہیں ملا انہوں نے سوچا کہ خالی ہاتھ جانے سے بہتر ہے آمنہ بی بی کے لعل کو ساتھ لیجاتی

ہوں، اور اس طرح نبی مہربان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دائی حلیمہ کی نگرانی میں آ جاتے ہیں اور یہیں سے بی بی حلیمہ کے اوپر رحمتوں کا نزول شروع ہوگیا. انکی ایک اونٹنی جو کہ کمزور اور لاغر تھی جس کے تھنوں میں دودھ نہ اترتا تھا بھوک لگی تو بی بی حلمیہ کے شوہر اس کو دوھنے بیٹھے تو یہ دیکھ کر انکی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں کہ آج اونٹنی کے تھن دودھ سے لبریز تھے اور آج اس اونٹنی سے انہوں اتنا دودھ دوہا کہ خود بھی جی بھر کر پیا اور بچوں کو بھی پلایا۔ مکہ آتے ہوئے دائی حلیمہ سعدیہ جس گدھیا پر سوار تھیں وہ انتہائی کمزور اور لاغر تھی اور بمشکل تمام وہ قافلے کے ساتھ ساتھ چل سکی تھی لیکن واپسی کئے سفر میں وہی گدھیا سب سے آگے آگے تھی اور دیگر دائیوں کو کہنا پڑا کہ " اے ابو ذوئیب کی بیٹی ! ذرا ٹھہر یہ وہی گدھیا نہیں جو آتے ہوئے مر مر کر قدم اٹھا رہی تھی اور اب اسقدر تیز رفتار ہو گئی۔ بی بی حلیمہ سعدیہ جب گھر پہنچتی ہیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعلق کی بنیاد پر ان کے گھر میں بھی رحمتوں اور برکتوں کا نزول شروع ہو جاتا ہے، ان کی بکریوں کے تھن دودھ سے لبریز ہو جاتے ہیں ،ان کے رزق میں کشادگی پیدا ہو جاتی ہے۔ زرا غور کریں کہ کل آمنہ کے در یتیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دائیوں نے محض اس لئے گود نہیں لیا، محض اس لئے نہیں اپنایا کہ اس میں انہیں کوئی مالی منافع نہیں نظر آ رہا تھا۔ دنیا کی نظر تو ظاہری مال متاع اور فائدے پر ہوتی ہے اور آج بھی یہی صورتحال ہے. آج بھی معاشرے میں رجحان

ہے کہ آمنہ بی بی کے درِ یتیم کی تعلیمات کو اپنانا گھاٹے کا سودا سمجھا جارہا ہے تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رجعت پسندی اور قدامت پرستی سمجھا جارہا ہے آج بھی دنیا صرف نقد فائدے کو دیکھ رہی ہے۔ کل مکے کی وہ دائیاں غلطی پر تھیں آج نبی مہربان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات سے منہ موڑنے والے غلطی پر ہیں، سوچیں کہ کل نبی مہربان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعلق کی بنا پر دائی حلیمہ سعدیہ کے گھر میں رحمتوں اور برکتوں کی بارش ہو سکتی ہے تو آج بھی اگر ہم نبی مہربان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعلق جوڑیں تو ہم پر بھی برکتیں اور رحمتیں نازل ہو سکتی ہیں، بات تو صرف تعلق جوڑنے اور ایمان ویقین پیدا کرنے کی ہے۔ یہ سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک گوشہ ہے۔

اور یہ دیکھیں یہ ایک دوسرا گوشہ ہے۔ دعوت دین کا کام شروع کئے ہوئے دس برس گزر چکے ہیں، مکہ میں دعوتِ حق کی مخالفت ناقابل برداشت ہوتی جارہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوچتے ہیں کہ طائف کی طرف چل کر دعوت کا کام کرتے ہیں، شائد کہ ان کے دل اللہ کے پیغام کو قبول کرلیں، لیکن وہاں تو معاملہ بہت ہی سنگین اور افسوس ناک ہے۔ وہاں کے سرداروں نے نہ صرف دعوتِ حق کو بڑی بے رحمی سے ٹھکرا دیا بلکہ طائف کے اوباش اور آوارہ لڑکوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے لگا دیا جو نبی مہربان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر

آوارے کتے، پتھر مارتے جاتے تھے۔ اور انہوں نے اس قدر پتھر برسائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جوتے خون سے بھر گئے، چلنا دوبھر ہوگیا، چلتے چلتے بستی کے کونے میں ایک باغ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باغ یں داخل ہوتے ہیں تو کہیں ان شریروں سے جان چھوٹی، یہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کی بارگاہ میں دعا مانگی اور کیا ہی خوبصورت دعا ہے اور کیا ہی خوبصورت الفاظ ہیں۔"اے اللہ میں اپنی ناطاقتی اور بے چارگی اور لوگوں میں اپنی ہوا خیزی کی فریاد تجھی سے کرتا ہوں، اے ارحم الراحمین! تو ہی ناتوانوں کی پرورش کرنے والا اور تو ہی میرا پروردگار ہے۔ تُو مجھے کس کے حوالے کرتا ہے؟ کیا کسی اجنبی بیگانے کے جو مجھے دیکھ کر تیوری چڑھائے۔۔ یا کسی دشمن کے؟ جس کو تو نے مجھ پر غلبہ دے دیا ہو۔ خدایا اگر تو مجھ سے خفا نہیں تو پھر مجھے بھی کسی کی پرواہ نہیں ہے۔ تیری حفاظت میرے لئے بس کافی ہے، میں طالب پناہ ہوں تیرے رخ کے اس نور سے جس سے تمام ظلمتیں کافور ہو گئیں۔ جس سے دونوں جہاں کی بگڑی بن جاتی ہے۔ میں طالبِ پناہ ہوں اس سے کہ مجھ پر تیرا عتاب نازل ہو۔ یا تُو مجھ سے روٹھ جائے۔ تاوقتیکہ کہ تُو خوش نہ ہوجائے تجھے منائے جانا ناگزیر ہے"

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ فریاد جب بارگاہ الٰہی میں پہنچتی ہے تو غیرتِ الٰہی جوش میں آتی ہے اور فالفور حضرت جبرائیل علیہ السلام

پہاڑوں کے فرشتے کو ساتھ لیکر اللہ کا پیغام لیکر نیچے حاضر ہوئے اور فرمایا "السلام علیکم یا رسول اللہ ! اللہ نے وہ ساری گفتگو سن لی جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپکی قوم کے مابین ہوئی ہے، اور اللہ نے کوہستانوں کے فرشتے کو آپ کی خدمت میں بھیجا، آپ جیسا چاہیں حکم دیں "دوسرا فرشتہ آگے بڑھا اور فرمایا" السلام علیکم یا رسول اللہ ! میں ہی وہ فرشتہ ہوں جو مالک کائنات کی طرف سے آپ کے حکم کی تعمیل پر مامور ہوا ہوں، اگر ارشاد ہو تو طائف کے دونوں محاذوں کے پہاڑوں کو حرکت دوں اور وہ ایک دوسرے سے اس طرح ٹکرا جائیں کہ اس سرپھری آبادی کی کچلی ہوئی لاشوں کو رونے والا بھی کوئی نہ ہو" اللہ اکبر کیسا عجیب وقت ہے کہ جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پتھر برسا رہے تھے اللہ نے ان کی گستاخی کی سزا دینے کے لئے پہاڑوں کے فرشتے کو مقرر کردیا اور وہ ہمہ تن گوش ہے کہ دیکھیں نبی مہربان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا حکم فرماتے ہیں۔ سوچیں کہ جب انسان کو طاقت اور قدرت ملتی ہے تو وہ کیا نہیں کرتا، مخالفین کو کچلنے کے لئے ہر حد تک چلا جاتا ہے۔ انسانیت کے درجے سے گر جاتا ہے، اس کے سامنے محض ایک بات ہوتی ہے کہ کسی طرح اپنی آتش انتقام کو سرد کردوں، مخالفین کو نشانہ عبرت بنا دوں۔ لیکن ! لیکن قربان جایئے رحمت العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت اور عفو درگزر کے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے زخمی اور گھائل جسم کو ایک نظر دیکھا اور پھر بڑی دردمندی سے ارشاد فرمایا" میں اللہ سے امید کرتا ہوں

کہ اگر یہ ایمان نہ لائے تو ان کی نسلوں میں ایسے لوگ ضرور پیدا ہونگے جو اللہ کی پرستش کریں گے " اللہ اکبر یہ رحمت اور یہ دعوت حق کی تڑپ کہ شائد ان کی نسلوں میں اہل ایمان پیدا ہو جائیں۔ کیا آج ہمارے اندر مخالفین اور دشمنوں کے لئے یہ جذبہ ہے؟

اور ذرا سیرتِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ دو گوشے بھی ملاحضہ کریں دو بالکل مختلف لیکن بہت اہم اور ہمارے لئے رہنما گوشے ہیں۔ کفار مکہ اور مسلمانوں کے درمیان اولین معاہدہ لکھا جارہا ہے، معاہدے کی دیگر شرائط کے ساتھ ایک شرط یہ بھی ہے کہ جو مسلمان مکہ سے مدینہ آئے گا اسے واپس کردیا جائے گا، ابھی یہ شرطیں لکھی جارہی ہیں ابھی معاہدے پر دستخط نہیں ہوئے ہیں۔ کفار کی جانب سے سہیل معاہدہ کی شرائط طے کررہے کہ اسی دوران سہیل کے بیٹے حضرت ابو جندل رضی اللہ تعالی عنہ زنجیروں اور بیڑیوں میں جکڑے ہوئے اپنے چور چور بدن کے ساتھ وہاں پہنچ جاتے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کرتے ہیں کہ انکو بھی ساتھ لے جائیں، مسلمانوں کے دل اپنے بھائی کو مصیبت میں دیکھ کر پسیج جاتے ہیں خود نبی مہربان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل بھر آیا ہے۔ لیکن ان کے والد سہیل معاہدے کی شق کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور حضرت ابو جندل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو واپس کرنے سے انکار کرتے ہیں، نبی مہربان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابو جندل کو صبر کی تلقین کرتے ہیں

اور انکو واپس کردیتے ہیں کیوں کہ معاہدے میں یہی بات طے ہوئی تھی۔ یہ معاملہ کا ایک پہلو ہے۔ دوسری جانب دیکھیں تو یہ منظر بھی سامنے آتا ہے کہ غزوہ خندق کے موقع پر بنو قریظہ جو کہ مسلمانوں کے معاہد تھے اور معاہدے کی رو سے وہ مسلمانوں کے حلیف ہیں، انہوں نے جب غداری کی اور عین حالتِ جنگ میں معاہدے کی خلاف ورزی کی، تو جنگ کے بعد ان کا معاملہ بھی نمٹا دیا گیا اور ان کو ان کی غداری اور معاہدے کی خلاف ورزی کی سزا دی گئی۔ اور ان کو انہی کے پسند کئے گئے ایک ثالث کے ذریعے سزا سنائی گئی، بنو قریظہ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا ثالث مقرر کیا اور انہوں نے فیصلہ سنایا کہ " جو مرد لڑنے کے قابل ہیں وہ قتل کردئے جائیں اور عورتیں اور بچے قیدی بنا لئے جائیں اور ان کا مال و اسباب مسلمانوں میں تقسیم کردیا جائے" نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو تمہارا فیصلہ ہے وہی اللہ کا بھی فیصلہ ہے، اور پھر مدینہ میں گڑھے کھودے گئے اور وہیں ان یہودیوں کی گردنیں ماری گئیں اور پھر انہی گڑھوں میں ان کی لاشوں کو دبا دیا گیا۔ غور کریں کہ یہ بالکل مختلف سلوک کیوں ایک طرف ابھی معاہدہ لکھا جارہا ہے اور اس کی شرائط مانی جارہی ہیں جبکہ دوسری جانب اپنے حلیف کی گردنیں ماری جارہی ہیں۔ دراصل یہاں بھی ہمارے لئے بہت لطیف نقطہ اور پیغام ہے کہ حتی الامکان امن و سکون سے رہا جائے اور اپنی قوت کو مجتمع کیا جائے اور اس کے لئے اگر وقتی تکلیفیں بھی برداشت کرنی پڑیں تو برداشت کی.

جائیں۔ اور جب مسلمانوں کی ریاست قائم ہو جائے، مسلمانوں کو طاقت و قوت حاصل ہو جائے، اگر اس وقت کوئی فریق معاہدے کی خلاف ورزی کرے، مسلمانوں کو دھوکہ دے تو پھر ہم پر بھی ان سے کئے گئے وعدوں اور معاہدوں کی پابندی لاگو نہیں ہوتی ہے بلکہ پھر ان کو قرار واقعی سزا دی جائے تاکہ دوبارہ کسی کو ایسی جرات نہ ہو۔ یہاں یہ باریک نقطہ واضح رہے کہ بنو قریظہ کے قتل کا حکم اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ذات کی وجہ سے نہیں بلکہ دینِ اسلام کو نقصان پہنچانے کے جرم دیا تھا۔

اور یہ دیکھیں یہ گوشہ بھی دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ فتح مکہ اور حجۃ الوداع کے بعد آپ نے ایک موقع پر فرمایا کہ " لوگوں میں نے زندگی کے بہترین سال تمہارے درمیان گزارے ہیں اس عرصے میں اگر میں نے کسی کے ساتھ کوئی زیادتی کی ہو تو میں یہاں موجود ہوں وہ آئے اور مجھ سے اپنا بدلہ لے لے" صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ اجمعین یہ بات سن کر دنگ رہ گئے اور ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اٹھ کر کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ کیسی باتیں کر رہے ہیں بھلا آپ اور زیادتی ؟ آپ اس کو ہاتھ کے اشارے سے بٹھا دیتے ہیں اور دوبارہ اپنی بات دہراتے ہیں پھر وہی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوتے ہیں اور وہی بات فرماتے ہیں اس طرح تین دفعہ آپ اپنی بات دہراتے ہیں، آخر صفوں سے ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوتے ہیں اور کہتے ہیں

کہ " اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک جنگ کے موقع پر آپ صفیں درست فرمارہے تھے، میں کچھ آگے نکلا ہوا تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی چھڑی سے مجھے پیچھے ہٹایا تھا مجھے اس سے تکلیف پہنچی تھی، مجھے اس کا بدلہ لینا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اجمعین کے چہرے سرخ ہوجاتے ہیں کہ یہ فرد کیا بات کررہا ہے؟ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بدلہ لینے کی بات کررہا ہے۔ لیکن دوسری جانب نبی مہربان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رہتی دنیا تک ہمیں یہ سبق سکھادیا کہ انصاف سے کوئی بھی بالاتر نہیں ہے، کسی لیڈر، کسی حکمران کو کسی کسی قسم کا کوئی استثنٰی حاصل نہیں ہے۔ انصاف سب کے لئے بلکہ جو لیڈر ہیں، جو قائد ہیں، جو حکمران ہیں، جن کے کاندھوں پر قیادت کی ذمہ داری ہے ان پر زیادہ شدت کے ساتھ انصاف پر عمل پیرا ہونا لازمی ہے ورنہ قوموں میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہایت سکون سے فرمایا" یہاں آؤ اور اپنا بدلہ لو" ان صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے چھڑی سے ٹھوکا دیا تھا تو میں قمیص پہنے ہوئے نہیں تھا جب کہ آپ کے جسم مبارک پر کرتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اجمعین غم وغصے کی کیفیت میں ہیں لیکن نبی مہربان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا کرتا اتار دیا وہ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگے بڑھتے ہیں اور نبی مہربان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت پر آکر مہر نبوت کو بوسہ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیسا بدلہ، کاہے کی تکلیف میں تو محض مہر نبوت کو" چومنا چاہتا تھا۔ اس پورے واقعے کو نظر میں رکھیں اور پھر سوچیں کہ کیا آج میں اور آپ اتنا ظرف اپنے اندر رکھتے ہیں کہ بھرے مجمع میں خود کو احتساب کے لئے پیش کریں؟ ہم سے کوئی فرد بدلہ لینے کی بات کرے اور ہم بھرے مجمع میں اس کی بات مان لیں؟ سوچیں اور غور کریں۔

اور یہ دیکھیں یہ ایک منفرد گوشہ نگاہوں کے سامنے آتا ہے۔ حجۃ الوداع کے مشہور خطبے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخر میں لوگوں سے پوچھا کہ " کیا میں نے تم تک اللہ کا پیغام پہنچا دیا ؟ ایک لاکھ سے زائد افراد کا مجمع پکار اٹھا ہاں اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! آپ نے اپنا فرض پورا کر دیا"اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین بار فرمایا" اے اللہ تُو گواہ رہ" سوچیں تو خوف سے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں کہ کسی کے فرض کی ادائیگی کی گواہی لاکھوں کا مجمع دے اور پھر اس پر اللہ کو گواہ بنایا جائے۔ یہاں ہمیں یہ نکتہ سمجھایا جا رہا ہے کہ صرف خود یہ کہنے سے کہ میں نے اپنا فرض پورا کر دیا ہے حکمرانی کا، قیادت کا، لیڈرشپ کا حق ادا نہیں ہوتا بلکہ ادائیگی فرض اس طرح ہو کہ خلقِ خدا اس کی گواہی دے اور خود ہمارا اپنا ضمیر اس پر اللہ کو گواہ بنائے۔ کیا آج ہم یا ہمارے لیڈران میں کوئی ایسا بھی ہے جو اس ،سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حق ادا کرے

کوئی نہیں ہے کوئی بھی نہیں ہے۔

دراصل میلاد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منانے کا اصل مزہ اسی وقت ہے اور اسی وقت ہم اس کا حق ادا کر سکتے ہیں کہ تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عمل کریں سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی سے اپنے قلب و نظر کو منور کریں، دورنگی چھوڑ کر ایک اللہ کا رنگ اختیار کریں۔ شکریہ

مضمون کی تیاری کے لئے "سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" از مولانا شبلی نعمانی و سید سلیمان ندوی، "محمد عربی" از عنایت اللہ سبحانی اور "کیا ہم مسلمان ہیں" از شمس نوید عثمانی سے مدد لی گئی)

ایک تصویر اور کئ سوالات

بدھ تین مارچ دو ہزار دس کو قومی اخبارات کی سرخی تھی کہ " باجوڑ میں فورسز کا مکمل کنٹرول۔ قومی پرچم لہرا دیا گیا۔ قبائیلیوں کا ڈھول کی تھاپ پر رقص" خبر تو بڑی اچھی ہے اور اللہ سے دعا ہے کہ اللہ ہر جگہ پاک فوج کو کامیاب کرے، اور دہشت گردوں کو نیست و نابود کرے خواہ وہ ملک کے کسی بھی حصے میں ہوں، خواہ سیاسی دہشت گرد ہوں لسانی ہوں، مسلکی ہوں یا مذہبی، اللہ ان سب کو انکے انجام تک پہنچائے۔ آمین ثمہ آمین۔ جس چیز نے مجھے قلم اٹھانے پر مجبور کیا وہ اس خبر کے ساتھ تصویر یا ویڈیو تھی جو کہ ٹی وی چینلز پر چلائی گئ تھی۔ آپ لوگوں نے بھی وہ تصویر یا ویڈیو دیکھی ہو گی کہ باجوڑ میں دہشت گردوں کے خاتمے کے بعد وہاں کے مقامی لوگوں کا رقص اور خوشی کا اظہار کرنا تھا اور ان سب کے ہاتھوں میں بھاری

اسلحہ تھا؟

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب آپ یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ مکمل کنٹرول کرلیا گیا ہے تو پھر یہ مسلح افراد کون ہیں؟ ان کے ہاتھوں میں اسلحہ کیوں ہے؟ اس کا جواب بالکل سادہ سا ہے کہ جھوٹ کے پیر نہیں ہوتے اور حق اور سچ باآخر خود کو منوا لیتے ہیں! جو لوگ بھی فوجی آپریشن کی مخالفت کرتے رہے ہیں ان کا مؤقف یہی تھا اور ہے کہ جو لوگ آج اسلحہ اٹھانے پر مجبور ہوئے ہیں ان کی بات سنی جائے، ان کے جائز مطالبات مانے جائیں، لیکن امریکی ایماء پر فوجی آپریشن شروع کرکے اپنے ہی لوگوں کو قتل کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔ جن لوگوں کے خلاف آج آپریشن کیا جا رہا ہے کیا یہ وہی لوگ نہیں ہیں جنھیں اسلام اور پاکستان کے نام پر استعمال کیا گیا؟ کل جب امریکہ کو روس کے خلاف ان کی ضرورت پڑی تو ان کو مجاہدین کا نام دیا گیا۔ ان کی سپورٹ کی گئی، اور جب انہی لوگوں نے روس کے بعد امریکی قبضے کے خلاف جہاد شروع کیا تو یہ لوگ دہشت گرد بن گئے۔ بات بہت سادہ سی ہے کہ اگر روس ایک مسلم ملک پر قبضہ کرے اور اس کے خلاف جہاد جائز ہے تو بالکل اسی طرح امریکہ بھی اگر کسی مسلم ملک پر قبضہ کرے تو اس کے خلاف بھی جہاد جائز ہے۔ پھر غلط کون ہوا؟ وہ مجاہدین جو آج بھی اپنے نظریے پر قائم ہیں یا وہ لوگ جو کل افغانستان میں روسی قبضے کے وقت جہاد کی بات کرتے تھے اور آج افغانستان پر امریکی قبضے کو جائز قرار

دیتے ہیں۔ اس کا جواب آپ کا اپنا ضمیر دے گا۔

جو تصویر اور ویڈیو آپ لوگوں نے دیکھی اس تصویر کو دیکھ کر مجھے ایسا لگا کہ یہ منظر تو میرا دیکھا بھالا ہے۔ اور واقعی یہ منظر تو میرا اور آپ کا دیکھا بھالا ہے۔ یاد کریں انیس سو چھیانوے پاکستان میں محترمہ بے نظیر بھٹو کی وزارتِ عظمیٰ کا دور تھا۔ اور غالباً چھبیس ستمبر کا دن تھا جب تمام قومی اخبارات کی سرخی تھی کہ "طالبان نے کابل فتح کرلیا" یا فتح کابل مبارک" یہ وہ دن تھا جب طالبان نے کابل پر اپنا کنٹرول حاصل کیا تھا، اس" دن کسی اخبار نے، کسی نام نہاد دانشور نے "سویرے سویرے" کسی "چوراہے" پر بیٹھ کر اس کو قبضہ نہیں قرار دیا تھا بلکہ وہ تمام لوگ اس واقعے کو ایک بڑی کامیابی قرار دے رہے تھے۔ اور سنئے کل انہی طالبان کو ہیرو قرار دیا جارہا تھا۔ یہی پی پی پی کی گورنمنٹ تھی اور یہی ہماری آرمی تھی جو ان کی پشت پناہی کر رہی تھی کیوں کہ کل امریکہ کا مفاد اسی میں تھا کہ ان کو سپورٹ کیا جائے۔ آج یہ لوگ دہشت گرد ہیں۔ انتہا پسند ہیں۔ اب اس ماضی کو سامنے رکھیں تو مستقبل کی تصویر یہ سامنے آتی ہے کہ آج جو لوگ اسلحہ اٹھائے، ڈھول کی تھاپ پر پاکستان آرمی کے شانہ بشانہ کھڑے ہیں، کل جب امریکہ کا مقصد پورا ہوجائے گا، اور ہماری آرمی کو ان کی ضرورت نہیں رہے گی تو پھر یہی لوگ دہشت گرد کہلائیں گے۔ یہی لوگ شدت پسند کہلائیں گے۔ کل ان لوگوں کو بھی

مارا جائے گا۔ اور اس وقت اگر کوئی فرد یہ بات کہے گا کہ جناب ان کی بات سنی جائے، انہوں نے پاکستان آرمی کا مشکل وقت میں ساتھ دیا تھا۔ ان کو نہ مارا جائے تو ایسے دیوانوں کو کہا جائے گا کہ تم غدار ہو تم دہشت گردوں کے حامی ہو۔ اور ایسے لوگوں کی بات نقار خانے میں طوطی کی صدا ثابت ہوگی۔ اصولی طور پر اگر آپ دہشت گردی کے خلاف جنگ کی بات کرتے ہیں تو آپ کو تمام گروہوں کو غیر مسلح کرنا ہوگا، خواہ ہو حکومتی حامی ہی کیوں نہ ہوں، اور یہ سارا کام انتہائی دیانت داری سے کیا جانا چاہیے۔

سابقہ مجاہدین اور حالیہ انتہا پسندوں کے بارے میں سب سے بڑا الزام یہ لگایا جاتا ہے کہ اپنے ہی مسلمان بھائیوں کے خلاف کاروائیاں کرتے ہیں۔ لیکن حالات و واقعات نے یہ بات اچھی طرح ثابت کردی کہ پاکستان میں عام لوگوں کے خلاف حملے کرنے والے دراصل امریکی و بھارتی ایجنٹ ہیں۔ رہی بات قانون کی حکمرانی اور مسلمان بھائیوں کے قتل کے خلاف فوجی آپریشن کی تو میں تمام اہل دل حضرات اور حکومت وقت کے ذمہ داران سے پوچھنا چاہونگا کہ بارہ مئی دو ہزار سات کو کراچی کی سڑکوں پر جو قتل عام ہوا، کیا اس کے ذمہ داران کسی سزا کے مستحق نہیں؟ کیا بارہ مئی دو ہزار سات کو قتل عام کرنے والوں کی شناخت اور ان کے پشت پناہوں کی شناخت یا ان تک پہنچنا کوئی بہت مشکل ہے؟ جی نہیں بات صرف یہ ہے کہ اقتدار کی ہوس نے ہمارے موجودہ حکمرانوں کو امریکہ کی کاسہ لیسی، اپنے بھائیوں کے قتل عام اور قاتلوں کے ساتھ ہاتھ ملانے اور نہاری"

کھانے" پر مجبور کردیا ہے وگرنہ بات صرف قانون کی بالادستی کی کی جائے تو اب تک تو کراچی میں بھی آپریشن شروع کیا جاچکا ہوتا۔ اور جو لوگ اس وقت فوج آپریشن کی بڑھ چڑھ کر حمایت کر رہے ہیں وہ لوگ ماضی کی طرح آج بھی اقوام متحدہ اور بھارت کو مداخلت کی دہائی دے چکے ہوتے اور اپنی مظلومیت کا جھوٹا رونا رو چکے ہوتے۔

اور ذرا یہ بھی غور کریں تصویر میں جو قبائلی اسلحہ اٹھائے نظر آرہے ہیں کسی نے بھی اس کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں کہا بلکہ اس کو سراہا جارہا ہے کہ قبائلی اپنی حکومت اور آرمی کے ساتھ ہیں اور انتہائی بے غیرتی کی بات یہ ہے کہ اس عمل کو سراہنے والے وہ لوگ ہیں جو کل مشرقی پاکستان میں بھارتی ایجنٹوں کے خلاف جماعت اسلامی کی فوج کی حمایت کو آج تک معطون کرتے ہیں۔ بات اگر اصول کی کی جائے تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر کل مشرقی پاکستان میں آرمی کی حمایت کرنا اتنا بڑا جرم ہے کہ چالیس سال گزرنے کے بعد بھی اس کے طعنے دئے جاتے ہیں تو پھر زراجرات کا مظاہرہ کرتے ہوئے آج بھی اس بات کی مخالفت کی جاتی لیکن دراصل یہ اصولوں کی جنگ تو ہے ہی نہیں یہ تو مفادات کی جنگ ہے ہاں اگر کل امریکہ کا مفاد پورا ہو جائے اور نام نہاد دانشوروں کو اس کے خلاف لکھنے کا معاوضہ مل جائے گا تو پھر اس عمل کے خلاف بھی آواز اٹھائی جائے گی۔ لیکن سوال تو آج کا ہے۔

حقائق تو یہ ہیں کل کا زید زمان آج کا زید حامد

کراچی میں جمعرات کو مولانا سعید جلا پوری کو ایک قاتلانہ حملے میں شہید کر دیا گیا،ان کے ساتھ ساتھ انکے چار رفقاء بھی شہید ہو گئے۔ ان کی قتل کی ایف آئی آر میں زید زمان نامی ایک شخص کو نامزد کیا گیا ہے کیوں کہ مولانا شہید ساری زندگی تحفظ ختم نبوت کے لئے کام کرتے رہے اور اپنی شہادت والے دن بھی انہوں نے زید زمان نامی شخص ختم نبوت کے حوالے سے چیلنج کیا ہوا تھا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ زید زمان نامی یہ شخص کون ہے؟

کل کا زید زمان آج زید حامد کے نام سے جانا جاتا ہے۔ زید زمان یوسف کذاب نامی جھوٹے مدعی نبوت کا مرید اور خلیفہ تھا۔ یوسف کذاب کو دوران اسیری ایک قیدی نے جیل کے اندر ہی قتل کر کے جہنم واصل کر دیا تھا۔ زید حامد جھوٹے مدعی نبوت یوسف کذاب کا خلیفہ تھا اور اس کی موت کے بعد کچھ عرصہ تک یہ شخص بالکل خاموش رہا بعد ازاں اس نے آہستہ آہستہ دوبارہ فیلڈ میں آنا شروع کیا اور یوسف کذاب کے انجام کے بعد اس نے طریقہ کار تبدیل کر دیا اور پہلے یہ شخص کھلم کھلا یوسف کذاب کی حمایت کرتا تھا لیکن بعد میں اس نے خاموشی سے پہلے اپنا حلقہ اثر بنایا اور براس ٹیک نامی ایک پروگرام میں جلوہ گر ہوا۔

براس ٹیک نامی پروگرام کے بارے میں یہ بتاتے چلیں کہ یہ نجی ٹی وی کا اپنا پروگرام نہیں ہے بلکہ یہ زید حامد کا اپنا تیار کردہ پروگرام ہے اور نجی چینل پر اس کو چلانے کے لئے اچھی خاصی رقم کی ضرورت ہوتی ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ یہ اپنا پروگرام چلانے کے لئے فنڈ کہاں سے حاصل کرتا ہے؟ اس شخص کو کن لوگوں کی سرپرستی حاصل ہے؟ اور اس کے مقاصد کیا ہیں؟ یہ بہت اہم سوالات ہیں۔

زید حامد کے بارے میں جب ہم اب کشائی کریں گے تو لوگوں کے ذہن میں پہلا تاثر یہی آئے گا کہ زید حامد کو بدنام کیا جارہا ہے، ورنہ یہ شخص تو ایک بہت محب وطن، اسلام پسند اور بہترین دفاعی تجزیہ نگار ہے اور اس وقت یہی ایک فرد ہے جو کھل کر اسلام اور مسلمانوں کی حمایت کر رہا ہے۔ ایسے لوگوں کی خدمت میں ہم یہی عرض کریں گے اگر تاریخ اسلام میں اٹھنے والے فتنوں کی معلومات حاصل کریں تو یہ پتہ چلتا ہے اکثر لوگ ایسے تھے جنھوں نے آغاز میں ایک داعی اسلام، مبلغ اور لیڈر کے طور پر اپنے آپ کو متعارف کرایا اور جب دیکھا کہ ایک اچھا خاصہ حلقہ اثر بن گیا ہے تو پھر اپنے مذموم نظریات کا اظہار کرنا شروع کیا۔ دور نہ جائیں بلکہ گزشتہ صدی میں پیدا ہونے والے قادیانی فتنے کے سربراہ مرزا احمد قادیانی نے بھی آغاز میں ایک مبلغ اور مناظر کی حیثیت سے مسلمانوں میں کام کیا اور جب حلقہ اثر پیدا ہوگیا تو پھر

رفتہ رفتہ مجدد، مسیح اور بالآخر نبی ہونے کا دعویٰ کر دیا۔

زید حامد کے پیر و مرشد اور جھوٹے نبی یوسف کذاب نے بھی آغاز میں ایک صوفی اور ذاکر کی حیثیت سے خود کو متعارف کرایا اور جب اس کا حلقہ اثر بن گیا تو پھر اس بھی نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ اس کے خاص مریدوں میں سے ایک زید زمان عرف زید حامد بھی تھے۔ جب حکومت نے یوسف کذاب کو اس کے گمراہ عقائد کے باعث گرفتار کیا تو اس نے دوران اسیری اڈیالہ جیل سے اپنے مریدوں کو پیغام بھیجا کہ زید حامد زمان میرا خلیفہ ہے اس لئے اس سے رہنمائی حاصل کریں۔ زید حامد نے کبھی بھی یوسف کذاب سے اپنے تعلق کی تردید یا اپنے عقائد سے توبہ نہیں کی، اس لئے یہ کہنا کہ یہ فرد ایک اسلام کا خیر خواہ ہے درست نہیں ہے تاوقتیکہ یہ فرد اپنے نظریات و عقائد سے اعلانیہ توبہ کرتا اور یوسف کذاب سے اپنی برائت کا اعلان کرتا لیکن افسوس اس نے ایسا کبھی نہیں کیا بلکہ گزشتہ ہفتے اس حوالے ایک ویڈیو بھی یوٹیوب پر منظر عام پر آئی ہے جس میں یہ فرد یوسف کذاب کے عقائد کی کھلم کھلا حمایت اور وکالت کر رہا ہے اور اس کے خلاف کام کرنے والے علماء کو اس نے دو ٹکے کے مولوی اور فسادی علماء کا خطاب دیا ہے۔

شہید مولانا سیعد احمد جلال پوری صاحب نے زید زمان المعروف زید حامد کے

نظریات و عقائد کے متعلق ایک کتابچہ "راہبر کے روپ میں راہزن" تحریر کیا تھا اس میں وہ زید حامد کے حوالے سے کئی ثبوتوں کے ساتھ یہ ثابت کرتے ہیں کہ یہ فرد ایک جھوٹے نبی کا خلیفہ اور مرید تھا اور ابھی تک اس نے اپنے نظریات سے توبہ نہیں کی ہے اور یہ فرد مبلغ اسلام اور اسکالر کی آڑ میں ایک مار آستین ہے۔ مولانا مرحوم لکھتے ہیں کہ اس سب سے قطع نظر ہم زید حامد سے یہ پوچھنا چاہیں گے کہ اگر ان کا یوسف کذاب سے کوئی تعلق نہیں تھا یا نہیں ہے تو وہ یہ بتلانا پسند فرمادیں کہ یوسف کذاب کے خلاف لکھی کتابوں "کذاب" تالیف میاں غفار اور "فتنہ یوسف کذاب" تالیف ارشد قریشی میں ان کا یوسف کذاب کے مقدمہ میں بار بار تذکرہ کیوں آیا ہے۔ کیا وہ اس کا انکار کرسکتے ہیں کہ "فتنہ یوسف کذاب" کے بیس مقامات پر ان کا تذکرہ موجود ہے،

ملاحظہ ہو

ورلڈ اسمبلی کے اجلاس میں یوسف علی نے اپنے خطاب میں کہا کہ سو سے زیادہ صحابہ کرام محفل میں بیٹھے ہوئے ہیں ۔۔ اس نے ۔۔ کراچی کے ایک صاحب زید زمان کو مجاہد کا لقب دیا۔ (صفحہ ۳)

ملعون نے اپنے انتہائی اہم قریبین کو لاہور ڈیفینس کینٹ میں واقع اپنی پر آسائش قیام گاہ میں طلب کرلیا، جن میں راولپنڈی سے زید زمان کے علاوہ کراچی سے سہیل نامی شخص بھی شامل ہے" (صفحہ ۴۲)

یوسف علی کذاب کو ملک سے باہر فرار کرانے کی کوشش کی جائے گی، اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کی ذمہ داری زید حامد زمان کے سپرد کی جائے گی جو افغانستان کی جنگ میں براہ راست شریک ہونے کے باعث کمانڈو کی تربیت رکھتا ہے، اس سلسلہ میں زید زمان اور سہیل احمد خان نے کچھ سفارت خانوں سے رابطہ بھی کیا۔ (صفحہ ۳۰۶)

یوسف کذاب کے گھر اور اہل خانہ کی حفاظت کی ذمہ داری برنکس کو دیدی گئی، فرم کے افسر زید زمان کو جھوٹے نبی نے اپنا خلیفہ مقرر کر رکھا ہے۔ (صفحہ ۳۱۳)

جاری ہے

مولانا سعید احمد جلال پوری۔حیات و خدمات

جمعرات کو دہشت گردوں کی فائرنگ سے شہید ہونے والے مولانا سعید احمد جلال پوری ایک بلند پایہ عالم دین اور ایک بیدار مغز انسان تھے۔ مولانا مرحوم ساری زندگی ختم نبوت تحفظ کے لئے کام کرتے رہے اور منکرین نبوت کے حامی ان سے ہمیشہ خائف رہے۔ اپنی شہادت سے پہلے بھی مولانا مرحوم یوسف کذاب کے خلیفہ اور نام نہاد صحابی (نعوذ باللہ) زید حامد کا نظریاتی اور عقائد کے لحاظ سے تعاقب کیا تو یہ گروہ بھی ان کا مخالف ہوگیا۔ مولانا مرحوم نے اپنی شہادت سے ایک روز قبل ہی زید حامد کو اس حوالے سے چیلنج کیا تھا۔ خیر یہ ایک الگ موضوع ہے اور اس پر ہم اپنے ایک اور آرٹیکل میں بات کریں گے۔ اس وقت ہم ہماری ویب کے قارئین کے لئے مولانا مرحوم کا ایک مختصر سوانحی خاکہ پیش کر رہے ہیں۔

آپ کا نام سعید احمد جلال پوری تھا اور آپ کے والد کا نام جام شوق محمد جلال پوری ہے۔ آپ ۱۹۵۲ کو پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم گھر کے قریب مولانا عطاء الرحمٰن اور مولانا غلام فرید سے ہوئی، اس کے بعد آپ نے مختلف جگہوں اور اساتذہ کرام سے کسب فیٖ حاصل کیا اور اپنی علمی پیاس بجھائی، اس سلسلے میں آپ نے ۱۹۷۱ میں مدرسہ انواریہ حبیب آباد طاہر والی، ۱۹۷۲ تا ۱۹۷۴ تک

مدرسہ عربیہ احیا طاہر پیر خان پور، ۱۹۷۵ میں دارالعلوم کبیر والا خانیوال جبکہ ۱۹۷۶۔ ۱۹۷۷ میں جامعہ علوم الاسلامیہ علامیہ بنوری ٹاؤن کراچی میں بلند پایہ عالم دین اور یکتائے زمانہ حضرت مولانا محمد یوسف بنوری ٹاؤن نور اللہ مرقد، مولانا سید مصباح اللہ شاہ مولانا بدیع الزمان، مولانا محمد ادریس میرٹھی، مولانا فضل محمد سواتی وغیرہ جیسی نابغہ روزگار شخصیات سے کسب فیض حاصل کیا اور انہیں عظیم انسانوں کی تربیت ہمیشہ ان کے ساتھ رہی۔ ۱۹۷۷ میں فاتحہ فراغ پڑھا۔ اس کے ساتھ کراچی بورڈ سے میٹرک کیا اور بعد ازاں ایف اے (انٹر میڈیٹ) کا امتحان دیا۔ جبکہ کراچی ہی سے عربی فاضل کی سند حاصل کی۔

تعلیم مکمل کرنے کے بعد کراچی کی مختلف مساجد میں امامت وخطابت کے فرائض سر انجام دیتے رہے اس میں جامع مسجد شریفی جوڑیا بازار کراچی، جامع مسجد رحمانی پاپوش نگر، جامع مسجد راہ گزر شاہ فیصل کالونی کراچی شامل ہیں بعد ازاں جامعہ علوم الاسلامیہ علامیہ بنوری ٹاؤن کی شیخ معارف العلوم پاپوش نگر کے نگراں اور مدرس رہے اور مادر علمی جامعہ علوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن میں استاذ مقرر ہوئے۔ مولانا مرحوم کئی نامور اور جید علما سے بیعت تھے ابتدائی طور پر حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی ان کی رحلت کے بعد مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید سے بیعت کی اور خلافت سے سرفراز ہوئے، جبکہ امام اہلسنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر نے بھی خلافت سے نوازا۔

مولانا مرحوم درس وتدریس کے ساتھ ساتھ تحقیق و تصنیف کا کام بھی سرانجام دیتے رہے اور اس حوالے سے جامعہ علوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کے ترجمان رسالہ بینات کے ایڈیٹر کے فرائض سرانجام دیتے رہے، اس کے ساتھ ساتھ رزنامہ جنگ کراچی میں اسلامی صفحہ اقرا میں قارئین کے سوالوں پر مشتمل کالم آپ کے مسائل اور ان کا حل لکھتے رہے۔ جبکہ ختم نبوت کے سلسلے میں ردِ قادیانیت اور تردید فرقہ باطلہ میں آپ کے مضامین ملکی و قومی اخبارات و جرائد میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ کئی کتابوں پر پر مغز تبصرے اور تفریقات بھی تحریر کیں۔

مولانا مرحوم نے اپنی گونا گو مصروفیات کے باوجود کئی بلند پایہ کتب بھی تصنیف کی ہیں جن میں معارف بہلوی چار جلدیں،.بزم حسین دو جلدیں، حدیثِ دل تین جلدیں، پیکر اخلاص، فتنہ گوہر شاہی، جبکہ آپ کی کئی تصانیف زیر طبع ہیں جن میں تخریج و نظر ثانی آپ کے مسائل اور ان کا حل (۱۰ جلدین) قادیانیت کا تعاقب ، حدیث دل (جلد چہارم)

شہید مولانا مفتی سعید احمد جلال پوری پاکستان بھر میں دینی علم کی ترویج کے لئے کوشاں رہے اور اس کے لئے مساعی بھی کرتے رہے۔ اس حوالے مولانا صاحب

فراڈی اراکین اسمبلی کی سزا صرف استعفیٰ؟

گزشتہ روز سپریم کورٹ نے تین مختلف مقدمات کی سماعت کرتے ہوئے تین ارکان قومی اسمبلی کو نااہل قرار دیا اور ان کی نشستوں پر دوبارہ الیکشن کا حکم دیدیا ہے ان اراکین میں پی پی پی کے جمشید دستی، ق لیگ نذیر جٹ اور محمد اجمل مستعفی ہوگئے ہیں۔ یہ ایک بڑی اچھی بات ہے کہ سپریم کورٹ نے اس معاملے پر ایکشن لیکر ان لوگوں کو بے نقاب کیا اور ان کو نااہل قرار دیا۔ لیکن یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان کی سزا صرف اسمبلی سے استعفیٰ دینا ہے؟

دیکھیں بات یہ ہے کہ اب ان لوگوں کی خالی ہونے والی نشست پر دوبارہ الیکشن ہونگے، یعنی اب ایک نئے سرے سے قوم کا اربوں روپے ان تین نشستوں کے لئے خراب کئے جائیں گے۔ قوم کے یہ اربوں روپے برباد کرنے کا ذمہ دار کون ہے؟ کیا قوم کا پیسہ اسی کام لے لئے ہے کہ اس کو اس طرح پھینک دیا جائے؟ اور پھر دو سال تک ان لوگوں نے بطور رکن اسمبلی اور بطور وزیر جو مراعات حاصل کیں ان کا حساب کون دے گا؟ اور یہ بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ دو سال کے عرصہ میں ان لوگوں نے جو سینکڑوں فائلوں پر دستخط کئے ہونگے، سینکڑوں کام کرائے ہونگے، درجنوں معاملات میں یہ اثرانداز ہوئے ہونگے ان سب معاملات کا کیا

ہوگا؟ کیوں کہ جب ایک فرد ایک عہدے کا اہل ہی نہیں تھا تو پھر اس کے دستخط، اس کے پاس کئے کاغذات کی کیا اہمیت رہ گئی؟

پھر ایک بات اور بھی ہے کہ اصولی طور پر اب ان خالی ہونے والے نشستوں پر فراڈ اراکین کی پارٹی کو بھی حصہ نہ لینے دیا جائے کیوں کہ انہوں نے جنرل الیکشن کے موقع پر ایک غلط شخص کو اپنا امیدوار بنایا اور میں سو فیصد دعویٰ سے یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ ان کی پارٹی کے ذمہ داران کو اپنے کارکنان کے بارے میں اچھی طرح پتہ ہوگا کہ یہ کتنے پانی میں ہیں لیکن اس کے باوجود انہوں نے قوم کے ساتھ کھلواڑ کیا اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ ان فراڈی اراکین کے ساتھ ساتھ ان کی پارٹیوں پر بھی مذکورہ نشستوں پر الیکشن لڑنے کی پابندی لگائی جائے تاکہ آئندہ کوئی بھی قوم کے ساتھ اس طرح کا کھلواڑ نہ کرسکے۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہونا چاہیے کہ ان کو فراڈی ممبران کو قرار واقعی سزا دی جائے ورنہ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کہ اگر ایک عام فرد چوری اور کرپشن کرے تو اس کے اوپر تمام قوانین لاگوں ہوں، قانون کا آہنی ہاتھ اس کی گردن دبوچ لے، اس کی اور اسکے اہل خانہ کی زندگی تباہ و برباد کردی جائے لیکن جب بااثر افراد اس طرح کا کام کریں تو وہ محض استعفیٰ دیکر بری الذمہ ہوجائیں۔ نہیں بلکہ ان کو سلاخوں کے پیچھے ہونا چاہئے کیوں کہ ان لوگوں نے

پاکستان کی پارلیمنٹ کے ساتھ فراڈ کرنے کی کوشش کی ہے اس لئے ان کا جرم معمولی نہیں ہے بلکہ سنگین ہے۔ دیکھیں ہمارے کرکٹرز پر کوئی بھی الزام لگایا جائے اور وہ الزامات ثابت بھی نہ ہوں لیکن ان پر تاحیات پابندی لگائی جاتی ہے کہ انہوں نے ملک و قوم کا نام ڈبو دیا، جب ہم کھلاڑیوں کے ساتھ یہ سلوک کر سکتے ہیں تو پھر ان کے اوپر بھی تاحیات کسی بھی سطح کے الیکشن میں حصہ لینے پر پابندی لگائی جائے، ان کے اوپر بھی کروڑوں روپے کے جرمانے لگائے جائیں، ان کی بھی جائیدایں ضبط کی جائیں تاکہ دوسروں کو عبرت حاصل ہو۔

اگر یہ سب نہیں کیا گیا تو یہی اراکین اسمبلی مستقبل میں اسمبلی سے گریجویشن کی شرط ختم کرکے دوبارہ رکنیت حاصل کرلیں گے۔ اور لوگ یہ بھول جائیں گے کہ ان لوگوں نے فراڈ کیا تھا۔ اور یہ لوگ ایک بار پھر نئے سرے سے قوم کو لوٹنے کے لئے تیار بیٹھے ہونگے۔ میں جانتا ہوں کہ میری یہ باتیں صدا بہ صحرا ثابت ہونگی کیونکہ اسمبلی میں موجود اراکین کی اکثریت انہی جیسے کرپٹ لوگوں پر مشتمل ہے اور وہ کبھی بھی ان فراڈ ارکین کے خلاف کوئی ایسی کاروائی نہیں ہونے دینگے تاکہ ان کی بھی کرپشن کا راستہ کھلا رہے۔ بہرحال ہمیں پتا ہے کہ ہماری یہ باتیں صدا بہ صحرا ثابت ہونگی لیکن بقول شاعر
ہم پرورشِ لوح و قلم کرتے رہیں گے

جو دل پہ گزرتی ہے رقم کرتے رہیں گے

کوڑے مارنے کی جعلی ویڈیو بنانے والا گرفتار: حقائق تو یہ ہیں

پانچ لاکھ روپے لے کر سوات میں لڑکی کو کوڑے مارنے کی جعلی ویڈیو تیار کی۔ گرفتار ملزم کا اعتراف

۲۹ مارچ بروز پیر قومی اخبارات میں ایک خبر شائع ہوئی۔ اس خبر کو پڑھ کر میں میرے ذہن میں کئی سوالات پیدا ہوئے اور میں سوچ میں گم ہوگیا کہ یہ کیا ہورہا ہے؟۔ یہ خبر قومی اخبارات میں شائع ہوئی ہے پہلے آپ یہ خبر پڑھیں خبر کے مطابق آپریشن راہ راست سے قبل خاتون کو کوڑے مرنے کے جعلی ویڈیو فلم تیار کرنے والے سوات کے شہری نے اسے ڈرامہ قرار دیتے ہوئے ایک این جی او سے پانچ لاکھ روپے لینے کا انکشاف کیا ہے۔۔۔۔۔۔ ویڈیو تیار کرنے والے سوات کا شہری جس کی عمر پچیس سال ہے اسلام آباد کی ایک این جی او میں کام کرتا ہے، اس کو کوہاٹ کی انتظامیہ نے گرفتار کیا ہے اس نے بتایا کہ یہ فلم اس نے مذکورہ این جی او سے پانچ لاکھ روپے لیکر بنائی ہے اور اس فلم کا مقصد وفاقی اور صوبائی حکومت کو بین الاقوامی سطح پر بدنام کرنا تھا تاکہ ملک کے وار کو دھچکا لگے، ذرائع نے مزید بتایا کہ اس فلم میں جس لڑکی کو کوڑے لگائے گئے ہیں اس لڑکی کو بھی شامل تفتیش کیا گیا ہے،اور ویڈیو تیار کرنے کے ملزم نے انکاشاف کیا ہے اس نے مذکورہ لڑکی کو ایک لاکھ جب کہ دونوں کم عمر بچوں کو (جنھوں نے ویڈیو میں لڑکی کو دبوچا ہوا تھا) پچاس پچاس ہزار

روپے دیے تھے، اور ان لوگوں کو بتایا گیا تھا کہ ہم ایک ڈرامہ بنا رہے ہیں۔ قانون نافذ کرنے والے اداروں نے اس گرفتاری اور تفتیش کی رپورٹ وفاقی حکومت کو روانہ کر دی ہے اور مذکورہ این جی او کے خلاف باقاعدہ کاروائی کی اجازت طلب کی ہے یہ خبر کئی قومی روزناموں میں شائع ہوئی ہے اور اس خبر کو آن لائن نامی خبر رساں ادارے نے جاری کیا ہے خبر میں کہیں بھی اس این جی او کا نام نہیں دیا گیا ہے حالانکہ یہ گھناؤنا کام کرنے والی اس این جی او کا نام بھی دینا چاہیے تھا تاکہ عوام اس سے ہوشیار ہو جاتے۔

بہرحال اب یہ پوری خبر پڑھنے کے بعد آپ کے ذہنوں میں کیا کوئی سوال نہیں پیدا ہو رہا؟ میرے ذہن میں تو کئی سوال پیدا ہوئے ہیں۔ پہلا سوال یہ ہے کہ جب یہ ویڈیو منظر عام پر آئی تھی تو تمام ہی میڈیا نے اس کو بریکنگ نیوز کے طور پر جاری کیا تھا اور تمام ہی چینل پر یہ ویڈیو پورے دن دکھائی جاتی رہی۔ اب اصولی اور اخلاقی طور پر تو ان تمام ہی چینلز کو یہ خبر بھی اسی طرح بریکنگ نیوز کے طور پر چالنی چاہیے تھی لیکن ایسا نہیں ہوا۔ ہر خبر پر نظر رکھنے والوں نے بھی اس خبر کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی، خبروں سے آگے جانے والے بھی یہاں پیچھے ہی رہے ایسا کیوں نہیں ہوا یہ ایک سوال ہے؟ دوسرا سوال یہ جو میرے ذہن میں آیا کہ جب یہ ویڈیو جاری کی گئی تو کراچی سے خیبر اور پاکستان سے لندن تک اس اس کے خلاف مذمتی بیانات دئے گئے اور اس کی آڑ میں

اسلامی تعلیمات کو بدنام کیا گیا، یوم سیاہ منائے گئے، یوم احتجاج منائے گئے، کراچی حیدرآباد اور کئی شہروں میں سیاہ بینر لگا کر قوم کی ایک مظلوم بیٹی سے اظہار یکجہتی کیا گیا۔ اس اس خبر کے نشر ہونے بعد یہ ان تمام ہی لوگوں کا یہ فرض نہیں تھا کہ وہ اس جعلی ویڈیو بنانے والے مجرم کی بھی مذمت کرتے؟ اس کو قرار واقعی سزا دینے کا مطالبہ کرتے؟ ملکی وقار کو ناقابل تلافی نقصان پہنچانے والی اس این جی او کے خلاف کاروائی کا مطالبہ کیا جاتا۔ لیکن افسوس کہ ایسا بھی نہیں ہوا۔ یہ بھی ایک سوال ہے کہ یہ کیوں نہیں ہوا؟

یہ ویڈیو جاری ہونے کے بعد اخبارات میں کئی روز تک کالمز لکھے گئے، اسلام کو وحشیانہ نظام کے تحت پیش کیا جاتا رہا، نام نہاد طالبان (جن کے بارے میں ہماری حکومتوں کو بھی پتہ ہے کہ طالبان کے نام پر یہ امریکی اور بھارتی ایجنٹ ہیں) کو معطون کیا گیا اوران کی آڑ میں دین اسلام کی شرعی سزاؤں کو نشانہ بنایا گیا۔ لیکن یہ خبر جاری ہونے کے بعد میں نے آج کے ۳۰ مارچ کے اخبارات میں اور بالخصوص جنگ اخبار میں بھی دیکھا لیکن کسی بھی کالم نگار نے اس خبر کو اپنے کالم کا موضوع نہیں بنایا۔ یہ ایک سوال ہے کہ کیوں نہیں بنایا؟

ذرا غور کریں کہ یہ ویڈیو اس وقت سامنے لائی گئی تھی جب صوبہ سرحد کی

صوبائی حکومت نے صوفی محمد سے امن معاہدہ کیا تھا اور اس حصے میں شرعی قوانین نافذ کرنے کا وعدہ کیا گیا تھا۔ لیکن اس کے فوراً بعد یہ مشکوک ویڈیو سامنے لائی گئی اور اس ویڈیو ہی کی بنیاد پر سوات اور مالاکنڈ میں فوجی آپریشن شروع کئے گئے۔ اس ویڈیو ہی کی بنیاد پر صوفی محمد سے کیا جانے والا معاہد ختم کیا گیا، اس ویڈیو ہی کی بنیاد پر دنیا بھر میں اسلام کو بدنام کیا گیا۔ اور آپ کی اطلاع کے لئے یہ بھی عرض کردوں کہ اخباری اطلاعات کے مطابق سوات اور مالاکنڈ میں آپریشن کے دوران اب تک چھے ہزار سے زائد شہری ہلاک ہوئے ہیں یہ تعداد حکومت کے بیان کردہ " دہشت گردوں " کی ہلاکتوں کے علاوہ ہے۔ یعنی چھے ہزار سے زائد بے گناہ شہری ان آپریشنوں میں جاں بحق ہوئے ہیں ان میں جماعت اسلامی کے سابق ممبر قومی اسمبلی ہارون الرشید کی معمر والدہ اور کم عمر بھانجی بھی شامل ہے جن کو گھر میں بارود فٹ کرکے قتل کیا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ کو یہ بھی بتاتے چلیں کہ گزشتہ ہفتے اورکزئی ایجنسی کی جس مسجد پر میزائل حملہ کرکے باسٹھ سے زائد مشتبہ دہشت گردوں کو ہلاک کیا گیا ان کے بارے میں اطلاع یہ ہے کہ وہ مسجد بھی تبلیغی جماعت کے زیر انتظام تھی اور اس حملے میں جاں بحق ہونے والے تمام افراد بھی کسی عسکریت پسند گروپ کے نہیں بلکہ تبلیغی جماعت کے لوگ تھے۔ بین الاقوامی میڈیا ان کو تبلیغی جماعت کے ارکان قرار دے رہا ہے لیکن ہماری اپنا میڈیا اور حکومت ان کو دہشت گرد قرار دے رہی ہیں۔ ان چیزوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ

سوات اور مالاکنڈ وغیرہ میں جاری آپریشن میں بڑی تعداد میں بے گناہوں کی ہلاکتیں ہورہی ہیں لیکن ان کو چھپایا جارہا ہے۔

لیکن کب تک یہ حقائق قوم سے چھپائے جائیں گے جس طرح یہ جعلی ویڈیو بنانے والا فرد پکڑا گیا ہے، اسی طرح وقت کے ساتھ ساتھ حقائق قوم کے سامنے آتے رہیں گے لیکن اس وقت تک کئی بے گناہ اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے، قبائلی علاقوں میں پاک فوج کے خلاف نفرتوں کی خلیج ناقابل بہت وسیع ہوجائے گی۔ آخر میں میں ایک سوال کرنا چاہتا ہوں کہ جن لوگوں نے اس جعلی ویڈیو کی بنیاد پر ایک واویلا مچایا تھا، اسلامی تعلیمات کو بدنام کیا تھا، اور یوم سیاہ منائے تھے کیا اب وہ اس ویڈیو کے جعلی ثابت ہونے پر اپنے اس طرز عمل کی قوم سے معافی مانگیں گے؟

حقائق تو یہ ہیں: زید حامد اور یوسف کذاب کی حقیقت

جب ہم زید زمان کے بارے میں بات کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس کے پیر و مرشد، جھوٹے نبی ابوالحسنین یوسف علی کذاب کے بارے میں کچھ آگاہی حاصل کریں کیوں کہ اس کے بغیر زید حامد کا کردار کسی کی سمجھ میں نہیں آئے گا اور عام لوگوں کی تو بات ہی کیا ہے بلکہ اچھے خاصے پڑھے لکھے، دین دار اور عاشق رسول اس کو نیک اور دیندار مسلمان سمجھتے ہیں بہر حال ہر کسی کو حق حاصل ہے کہ وہ کسی کے بارے میں کیا سوچ رکھتا ہے اور ہمیں بھی یہ حق حاصل ہے کہ ہم اگر کسی فتنے کو پہچانتے ہیں تو اس سے عوام کو جس حد ہوسکے آگاہ کریں۔ واضح رہے کہ ہم نے کبھی کسی عام فرد کے بارے میں کبھی بھی یہ نہیں کہا کہ یہ فرد ملعون ہے یا لادین ہے بلکہ جو علماء کرام کی رائے تھی ہم نے اسی رائے کو اختیار کیا اور اسی کے مطابق بات کی ہے۔

یوسف علی فیصل آباد کی تحصیل جڑانوالہ میں پیدا ہوا اس کے باپ کا نام وزیر علی تھا۔ یوسف علی پاک فوج کا کمیشنڈ آفیسر تھا کپتان کے عہدے پر اس فوج سے نکال دیا گیا تھا، فوج سے نکلنے کے بعد اس شخص نے ایم اے اسلامیات کیا اور ایران سے بھی دینی تعلیم حاصل کی۔ یوسف علی کی شادی طیبہ نامی خاتون سے

ہوئی جو کہ گلبرگ گرلز کالج لاہور میں اسسٹنٹ پروفیسر تھی۔ یوسف علی کئی سال تک جدہ میں مقیم رہا اور بظاہر کوئی کام نہ کرتا تھا لیکن اس کو ایک ادارے سے تنخواہ مل جاتی تھی۔ سعودیہ میں یہ معروف اسکالر ڈاکٹر ملک غلام مرتضٰی مرحوم کے گھر میں ان کے ساتھ رہتا تھا لیکن اس کی حرکتوں کے باعث ڈاکٹر صاحب نے اس کو اپنے گھر سے نکال دیا تھا۔ ۱۹۸۸ میں یوسف علی پاکستان آگیا یہاں آ کر اس نے مختلف اخبارات و رسائل کو مختلف دینی موضوعات پر مضمون لکھ کر دینا شروع کئے۔ آغاز میں یہ یوسف علی کے نام سے لکھتا تھا بعد ازاں اس نے ابوالحسنین کے نام سے لکھنا شروع کیا۔

۱۹۹۲ مس اس نے روزنامہ پاکستان میں مضامین لکھنا شروع کئے اور اس میں سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موضوع پر اس طرح مضامین لکھتا کہ پڑھنے والے کو کچھ تشنگی محسوس ہوتی اور قاری اس سے رابطہ کرتا، جس کے بعد یہ قاری کو اپنے گھر آنے کی دعوت دیتا کہ وہاں آئیں اور دین سیکھیں جب لوگ وہاں آتے تو یہ فرد وہاں تمام ہی مکتبہ فکر کے علماء پر تنقید کرتا اور ان کو جاہل قرار دیتا اور اس کا یہ دعویٰ تھا کہ پاکستان میں کوئی فرد ایسا نہیں ہے جو کہ قرآن مجید کو سمجھ سکا ہو اور رسول صلی اللہ علیہ وآنہ وسلم کی تعلیمات کو جان چکا ہو (واضح رہے کہ اس دور میں مولانا شاہ احمد نورانی رحمت اللہ علیہ، مولانا یوسف لدھیانوی اور ڈاکٹر ملک غلام مرتضٰی جیسی

شخصیات نہ صرف حیات تھیں بلکہ پاکستان میں موجود تھیں) اس دوران یوسف علی نے شادمان لاہور کی ایک مسجد میں خطبہ جمعہ دینا شروع کیا لیکن اس میں بھی یہ ذو معنی اور قابل اعتراض جملے ادا کرتا جس کے باعث اس کو مسجد سے ہٹا دیا گیا

اس نے ملتان روڈ پر مسجد بیت الرضا کا انتخاب کیا اور ڈیفنس میں کوٹھی خرید کر شفٹ ہو گیا۔ مسجد بیت الرضا کے ساتھ ملحقہ دربار میں اس نے نماز جمعہ کے بعد محفلیں منعقد کرنا شروع کیں، جس میں بڑی تعداد میں لوگ شریک ہوتے اور ان کے اہل خانہ بھی، یہاں لوگوں کی محفلوں میں اس نے یہ کہنا شروع کیا کہ جب تک آپ لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیدار نہیں کر لیں گے اس وقت تک آپ کو موت نہیں آئے گی۔ یہ سن کر لوگ جذباتی ہو جاتے اور اس پر خوب نذرانے نچھاور کرتے، جب یہ دیکھتا کہ کوئی فرد زیادہ ہی بے تاب ہے تو یہ اس سے خوب نذرانے اینٹھتا اور کسی سے گاڑی مانگ لیتا، کسی سے رقم اور کسی سے گھر کے کاغذات، حب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سرشار پروانے جب اس کی ہر بات مانتے اور یہ دیکھتا کہ اب لوہا گرم ہے تو یہ اپنے مطلوبہ فرد کو ایک الگ کمرے میں لیجاتا اور کہتا کہ اب آپ کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیدار نصیب ہوگا اور کہتا کہ آنکھیں بند کر لو، تھوڑی دیر کے بعد کہتا آنکھیں کھولو اور پھر پوچھتا کہ دیدار ہوا، جب وہ عاشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہتا نہیں ہوا تو یہ مردود اس کو کہتا (نقل کفر کفر نہ باشد

انا محمد، میں ہی محمد ہوں آنکھیں نہیں ہیں کیا (نعوذ باللہ، (استغفر اللہ، استغفر اللہ، استغفر اللہ) سننے والا ہکا بکا رہ جاتا، کوئی خاموشی سے واپس آجاتا اور کوئی علماء کرام سے فتویٰ لینا شروع کردیتا۔ اس طرح ملاقات کرنے والے آہستہ آہستہ کم ہوتے گئے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کے خلاف باتیں بھی ہونے لگیں۔

آخرکار یہ باتیں اخبارات میں آنا شروع ہوئیں اور جب میڈیا پر اس کا ذکر آیا اور اس کا فتنہ منظر عام پر آیا تو علماء کرام نے اس کے خلاف کام کرنا شروع کیا، علماء کرام نے اس کی تحریریں پڑھنے، ویڈیو دیکھنے اور آڈیو سننے کے بعد متفقہ فیصلہ دیا کہ یہ شخص مردود، ملعون اور قابل گردن زدنی ہے۔ اس حوالے سے جب مولانا شاہ احمد نورانی مرحوم سے رابطہ کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ "یوسف علی نے جو کچھ کہا، آڈیو کیسٹ میں جس طرح صحابہ کرام کو پیش کیا اور جس طرح اس کے گواہان بتاتے ہیں وہ گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اور واجب القتل ہے۔ اس کے لئے کسی فتوے کی ضرورت نہیں کیونکہ اس فتویٰ ۱۴۰۰ سال پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دیدیا تھا اور اندرونی و بیرونی طور پر مملکت کے حالات خراب ہونے کے باوجود بڑے بڑے سپہ سالاروں کو واپس بلا لیا تھا اور سب سے پہلے مسیلمہ کذاب کے فتنے کا خاتمہ کیا تھا۔ جب حضرت نبی

اکرم صلی اللہ علیہ ؑآلہ وسلم کے پاس مسیلمہ کے دو آدمی پیغام لیکر آئے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا تھا کہ کیا آپ بھی ان کے ماننے والوں میں سے ہیں پیغام لانے والوں نے اثبات میں سر ہلایا جس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر پیغام لانے والوں کو قتل کرنے کی اجازت ہوتی تو میں تمہاری گردنیں کاٹ دیتا۔ یوسف کذاب خود ہی نہیں بلکہ اس کے ماننے والے بھی واجب القتل ہیں، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے بعد اب کسی فتوے کی گنجائش نہیں، یہ جتنا عرصہ زندہ رہا حکمرانوں پر عذاب آتا رہے گا۔" قارئین یہ رائے میری یا کسی عام آدمی کی نہیں تھی بلکہ نہایت بلند پایہ عالم دین اور ہمارے محترم بزرگ مولانا شاہ احمد نورانی کی تھی۔

جماعت اہلسنت کراچی کے صدر شاہ تراب الحق صاحب کا اس بارے میں کہنا تھا انہوں نے کذاب یوسف کی آڈیو اور ویڈیو کیسٹ سنی، اس کا کفر واضح ہے، وہ توہین" رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی کرتا ہے اور توہین اللہ بھی، وہ قرآنی آیات کو غلط پڑھتا ہے اور ان کا ترجمہ بھی غلط کرتا ہے۔ وہ اپنی زبان سے کہتا ہے کہ الصلوٰت والسلام علیک یا انسان کامل ،اب دیکھیں الصلوٰت والسلام علیک تو عربی کے لفظ ہو گئے اور انسان کامل فارسی کا لفظ ہے اس سے وہ اپنی ذات مراد لیتا ہے اور یہاں بھی اس کی گستاخی واضح ہو جاتی ہے اگر

حکومت نے اس کو مہلت دی یا کسی عدالت نے اسے ضمانت پر رہا کیا تو اس فتنے کا مقابلہ کرنا فتنہ قادیانیت سے زیادہ مشکل ہو جائے گا۔" قارئین یہ اہلسنت والجماعت کے ایک جید عالم کی رائے ہے ہماری نہیں اور ان کی بات بلکل درست ثابت ہو رہی ہے کہ اس فتنے کا مقابلہ کرنا فتنہ قادیانیت سے بھی زیادہ مشکل ہو جائے گا، آج اچھے خاصے لوگ اس کے خلیفہ (زید زمان یا زید حامد) کے حلقہ اثر میں ہیں اور اس کے سحر میں گرفتار ہیں۔

قارئین یہ مختصر ہسٹری ہے زید حامد کے پیر و مرشد یوسف علی کذاب کی اور اس کے بارے میں علماء کی رائے، اب ان ساری باتوں کو سامنے رکھیں اس کے بعد یہ دیکھیں کہ زید حامد نے اس ملعون کا کیس لڑا، اس کے لئے تگ ودو کی، ملعون یوسف کذاب کی حفاظت کے لئے گارڈ مہیا کیے، ملعون یوسف کذاب کے خلاف مقدمہ کرنے والے علماء اور گواہوں کو ڈرایا دھمکایا اور کیس سے دستبردار کرنے کی کوشش کی، اور جب یوسف کذاب کے قتل کے کافی عرصے بعد یہ منظر عام پر آیا تو اس نے کبھی بھی یوسف کذاب کی مخالفت نہیں کی اور نہ ہی اس کے بارے میں پوچھے گئے کسی سوال کا واضح جواب دیا بلکہ آخر میں منظر عام پر آنے والی ایک ویڈیو میں اس مکار شخص نے انتہائی چالاکی سے یوسف کذاب کے فتنے کو دیوبندی بریلوی فسادات میں تبدیل کرنے کی کوشش کی۔

اب ہم یہ سوال کرنا چاہیں گے کہ کیا ایسے شخص کو صاحب ایمان کہا جاسکتا ہے، جو فرد گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت کرے،اس کی دل و جان سے مدد کرے کیا اس کو مسلمان کہا جائے گا، جبکہ مولانا شاہ احمد نورانی مرحوم نے واضح طور پر کہا کہ اس کے ماننے والے بھی واجب القتل ہیں۔ پھر یہ بھی غور کرنا چاہئے کہ آج تک زید حامد نے کسی بھی میڈیا کے سامنے اس بات کا اعتراف نہیں کیا کہ وہ اپنے ماضی پر شرمندہ ہے، وہ یوسف کذاب کی حمایت کرنے پر توبہ کرتا ہے۔ دوسری بات کہ کلمہ تو قادیانی بھی پڑھتے ہیں وہ بھی نبی مہربان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبی مانتے لیکن آخری نبی نہیں مانتے، پھر یہ بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک عام فرد اور ایک مرتد میں فرق ہوتا ہے عام فرد اگر صرف یہ کہہ دے کہ میں مسلمان ہوں تو اس کی بات پر اعتبار کیا جائے گا لیکن جس کا کفر اور ارتداد واضح ہو اس کے لئے صرف یہ کہہ دینا کافی نہیں ہوگا بلکہ اس کو سب سے پہلے اعلانیہ توبہ کرنی ہوگی اس کے بعد تجدید ایمان کرنا ہوگا اور پھر اس کے بعد اس کو مسلمان مانا جائے گا۔ کیا زید حامد نے یہ سب کیا؟؟ جواب ہے کہ نہیں اس نے ایسا کچھ نہیں کیا۔

مفتی سعید جلال پوری کی شہادت کے بعد زید حامد نے ایک پریس کانفرنس کی اور اس میں جامعہ نعیمیہ کے مہتمم مفتی نعیم صاحب سے ایک جھوٹ منسوب کیا کہ وہ

بھی میرے خلاف کاٹی گئے ایف آئی آر کے خلاف ہیں اس پر جب مفتی نعیم صاحب سے رابطہ کیا گیا تو انہوں نے واضح طور پر اس کی تردید کی جس کا لنک یہاں دیا جارہا ہے اس میں دیکھا جاسکتا ہے۔

http://www.youtube.com/watch?

v=3deJ4IfOmyc&feature=related

مفتی نعیم صاحب تو اہلسنت والجماعت حنفی دیوبندی مسلک سے تعلق رکھتے ہیں لیکن یہاں تو معاملہ یہ ہے کہ اس نے مفتی غلام سرور قادری صاحب جو کہ فیڈرل شریعت کورٹ کے جج رہ چکے ہیں اور ان کے سامنے یوسف کذاب کا مقدمہ پیش کیا گیا تھا، زید حامد نے یہاں بھی جھوٹ بولا اور مفتی غلام سرور قادری صاحب سے یہ جھوٹ منسوب کیا کہ مفتی صاحب نے اس کیس کو کبھی جھوٹی نبوت کا کیس نہیں سمجھا بلکہ وہ اس کو دیوبندی بریلوی کا جھگڑا کہتے رہے۔ اس کی ویڈیو منظر عام پر آنے کے بعد جب مفتی غلام سرور صاحب سے رابطہ کیا گیا تو انہوں نے بھی اس کی تردید کی اور اس کو واجب القتل، گمراہ۔ اور ملعون قرار دیا۔ واضح رہے کہ مفتی غلام سرور صاحب اہل سنت والجماعت حنفی بریلوی مسلک سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہاں اس ویڈیو کا بھی لنک دیا جارہا ہے۔ اس کو دیکھ کر فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ زید حامد کی کیا حیثیت ہے۔

http://www.youtube.com/watch?v=0_d-PPedI0U&feature=related

قارئین کرام ہم نے کوشش کی ہے کہ یہاں زید حامد کے بارے میں دونوں مکاتب فکر کے علما کی رائے کو آپ کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ یہ واضح رہے کہ زید حامد کا مسئلہ دیوبندی.بریلوی کا جھگڑا نہیں ہے بلکہ دراصل اس فتنے نے.بڑی چالاکی سے بھولے بھالے لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ ساری باتیں دیکھنے کے بعد بھی اگر کوئی فرد یہ سمجھتا ہے کہ زید حامد ایک سچا مسلمان ہے اور اس کے بارے میں جھوٹا پروپیگنڈا کیا جارہا ہے تو اس کے لئے ہم صرف دعا ہی کرسکتے ہیں۔

موبائل فون: رب سے دوری کا سبب

قارئین ذرا سوچ کر یہ بتائیں کہ اگر ہمارا باس ہمیں اپنے پاس طلب کرے یا ہمیں کسی بڑے عہدے دار یا کسی سرکاری افسر کے پاس جانا ہو یا کسی وزیر منسٹر سے ہماری کوئی ملاقات طے ہو تو کیا یہ ممکن ہے کہ ادھر ہم باس یا وزیر یا سرکاری افسر کے سامنے جائیں اور اُدھر ہمارے موبائل کی گھنٹی بج جائے اور ہم سب کو ایک طرف چھوڑ کر موبائل سننے لگ جائیں اور اطمینان سے اپنا فون سننے کے بعد اپنے باس یا اس وزیر کی بات سنیں ؟ یقیناً آپ کا جواب نفی میں ہوگا اور آپ یہی کہیں گے کہ نہیں اصولی طور پر ہمیں اپنا موبائل بند کرکے پہلے ان کی پاس جانا چاہیے اور ان کی بات سننے کے بعد یا ان سے ملاقات کرنے کے بعد اپنے موبائل کی جانب متوجہ ہونا چاہیے۔ اور ویسے بھی اخلاقی طور پر یہ درست نہیں ہے کہ ہم سے کوئی عام فرد بھی ملنے آئے اور وہ ہم سے توجہ کا متقاضی ہو اور ہم اپنے موبائل سے کھیل رہے ہوں۔

آپ کی بات بالکل درست ہے ایسا ہی ہونا چاہیے لیکن بد قسمتی سے ہم اپنے رب کے ساتھ جو کہ ہمارا خالق، ہمارا مالک، ہمارا رازق، ہمارا حاجت روا اور رب العالمین ہے اس رب کے ساتھ ہمارا معاملہ یہ ہے کہ ہم اپنے رب کے دربار میں

پیش ہوتے ہیں اور محض اپنے موبائل کی وجہ سے اس دربار سے ہماری واپسی ہو جاتی ہے یا پھر یہ کہہ لیں کہ ہم مالک کے حضور سکون و دلجمعی اور یکسوئی کے ساتھ متوجہ نہیں ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں جو ہمارا مشاہدہ ہے وہ ہم آپ کے سامنے رکھیں گے اور اس کے مطابق بات کریں گے۔ ہمارے آفس کے سامنے ایک مسجد ہے جہاں ہم اور ہمارے کئی ساتھی نماز کی ادائیگی کے لئے جاتے ہیں وہاں کئی دفعہ ایک عجیب سی بات ہوئی جس نے ہمیں مجبور کیا کہ ہم اس موضوع پر کچھ لکھیں۔ ایک دن جب ہم مسجد میں داخل ہوئے اور وضو کر رہے تھے، جماعت کھڑی ہونے والی تھی اتنے میں ایک صاحب مسجد میں داخل ہوئے غالباً ان کا وضو پہلے سے تھا اسی لئے وہ سیدھا صفوں کی جانب بڑھے کہ اچانک ان کے موبائل کی گھنٹی بجی، گھنٹی کی آواز سنتے ہی وہ صاحب رکے، واپس پلٹے اور فون سننے لگ گئے ہماری توجہ ان کی جانب تھی ہم نے دیکھا کہ وہ موبائل پر اپنی کاروباری سرگرمیاں نمٹا رہے تھے اور دوسری جانب جماعت کھڑی ہو گئی اور ہمارے جماعت میں شام ہونے تک وہ صاحب فون پر ہی گفتگو کر رہے تھے۔

اسی طرح ایک دفعہ اور اسی مسجد میں یہ واقعہ پیش آیا کہ عشاء کا وقت تھا ہم مسجد کی جانب جارہے تھے ہم سے آگے چند نوجوان تھے وہ بھی ہمارے ساتھ وضو خانے میں داخل ہوئے اور ہم سے پہلے وضو کرکے وہ صفوں کی جانب بڑھ گئے جماعت کھڑی ہونے والی تھی ہم نے اپنا اپنا وضو مکمل کیا اور صفوں کی جانب

روانہ ہوئے ہم نے دیکھا کہ مذکورہ نوجوانوں میں سے ایک پہلی صف میں پہنچ گیا تھا کہ اچانک اس کے موبائل کی گھنٹی بجی اور وہ نوجوان صف میں جانے کے بجائے دوبارہ پیچھے چلا گیا اور اس دوران جماعت کھڑی ہو گئی اور وہ نوجوان اس بات سے بے نیاز اپنے موبائل میں گفتگو کرنے میں مگن تھا جب نماز مکمل ہوئی تو میں دیکھا کہ وہ فرد جو کہ پہلی صف میں جاچکا تھا اب وہ آخر کے نمازیوں میں شامل تھا اور اس کی دو رکعتیں نکل چکی تھیں۔ ایسے دو واقعات اور بھی ہمارے سامنے پیش آئے۔

ذرا سوچیں کہ یہ کیا ہے؟ کیا یہ موبائل اتنا اہم ہے کہ ہم اپنے رب کے حضور اطمینان قلب کے ساتھ حاضری بھی نہیں دے سکتے ہیں۔ کیا فون کرنے ولا ہمارے رب سے بھی زیادہ معتزز اور اہم ہے کہ اس کی بات سننے کے لئے ہم اپنے رب کے دربار سے نکل آئیں یا اگر رب کے سامنے کھڑے بھی ہوں تو دل اسی جانب لگا رہے کہ کہیں موبائل کی گھنٹی نہ بج جائے؟ اگر ہمیں کسی عام سے افسر یا اپنے باس کے پاس بھی جانا ہوتا ہے تو ہم اپنا موبائل بند کردیتے ہیں یا کم از کم ان کے سامنے موبائل فون کی جانب متوجہ نہیں ہوتے کہ کہیں صاحب ناراض نہ ہوجائیں کہ میں تم سے بات کر رہا ہوں اور تم موبائل فون میں لگے ہوئے ہوں ! نماز بھی تو رب سے ملاقات کا نام ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جب میں یہ چاہتا ہوں کہ اللہ مجھ سے بات کرے تو میں قرآن پڑھتا ہوں اور جب

میں چاہتا ہوں کہ میں اللہ سے بات کروں تو میں نماز پڑھتا ہوں اب اس قول کو سامنے رکھیں اور بتائیں کہ کتنی بد قسمتی کی بات ہے کہ ہم اپنے رب سے گفتگو کرنے جائیں جب ہماری اپنے رب سے ملاقات کا وقت ہو تو ہم اس اہم وقت کو موبائل فون سننے میں گنوا دیں۔ ہے نا بد قسمتی کی بات۔

ہمارے تبلیغی بھائی ایک بات کہتے ہیں کہ ایمان اور یقین ہونا چاہے اور یہ دونوں چیزیں لازم و ملزوم ہیں اگر ایمان ہوگا تو پھر لامحالہ یقین بھی ہوگا اور اگر یقین نہ ہو تو سمجھ لیں کہ ایمان بھی کمزور ہے۔ ہمیں یہ تو یقین ہے کہ اگر افسر یا باس کی شان میں گستاخی ہو گئی تو وہ ناراض ہوگا لیکن یہ یقین نہیں ہے کہ اگر اللہ نافرمانی کی تو اللہ ناراض ہوگا۔ اس بات کو سوچیں اور غور کریں کہ ہم اپنے رب کے ساتھ ملاقات کرنے جائیں تو ہمارا کیا رویہ ہونا چاہئے؟ آخر میں ہم یہ بات کہنا چاہیں گے کہ جب بھی مسجد میں داخل ہوں تو اپنا موبائل فون خاموش (Silent) کرنے کے بجائے مکمل طور پر بند کردیں تاکہ ہمارے اور رب کے درمیان ملاقات میں کوئی مخل نہ ہو، حضورِ قلب کے ساتھ اللہ کے دربار میں پیش ہوں اللہ سے ملاقات کریں، ملاقات کے آخر میں اللہ کے حضور عاجزی سے اپنی گزارشات (دعائیں) رکھیں نہایت ادب سے یہ ملاقات ختم کریں اور اس کے بعد اپنے معمول کی کاموں کی جانب متوجہ ہوں اور موبائل بھی اس کے بعد ہی کھولیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے دوست احباب اور جن لوگوں کو بھی

آپ اپنا موبائل نمبر دیں تو ان کو تاکید بھی کردیں کہ نماز کے اوقات میں فون نہ کریں۔

حقائق تو یہ ہیں: شکریہ ڈاکٹر عامر لیاقت دیر آید درست آید

ایک دفعہ ایک بزرگ نے مجھ سے سوال پوچھا تھا کہ بتاؤ سب سے مشکل اور بڑی قربانی کیا ہوتی ہے؟ میں نے جواب دیا کہ مال کی قربانی، انہوں نے مجھے مسکرا کر دیکھا اور نفی میں سرہلا دیا پھر میں نے کہا جان کی قربانی سب سے مشکل ہوتی ہے، ان کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ آخر کونسی قربانی سب سے مشکل اور بڑی ہوتی ہے؟ میں نے زچ ہو کر سوال کیا۔ تب وہ مسکرا کر بولے کسی انسان کے لئے سب سے بڑی قربانی اس کی رائے اس کی سوچ کی قربانی ہوتی ہے اور اپنی سوچ اپنے فیصلوں سے رجوع کرنا سب سے مشکل کام ہوتا ہے۔ یہ بات ہمیں اس لئے یاد آئی کہ بروز اتوار گیارہ اپریل کو ڈاکٹر عامر لیاقت نے اپنے پروگرام " عالم آن لائن " میں سوات میں لڑکی کو کوڑے مارنے کی جعلی ویڈیو کو موضوع گفتگو بنایا۔ (واضح رہے کہ اس موضوع پر ہم انتیس مارچ کو ہی ہماری ویب کے اسی فورم پر نشاندہی کر چکے تھے اور اس پر تاحال بحث جاری ہے)۔

ڈاکٹر عامر لیاقت نے جس موضوع کو منتخب کیا اس پر ہم انہیں مبارکباد پیش کرتے ہیں اور ہمیں خوشی ہے کہ کسی نے تو اس پر آواز اٹھائی اور جس طرح کہ ہم نے کہا تھا کہ جیسے یہ ویڈیو تمام ہی چینلز نے بریکنگ نیوز کے طور پر

چلائی ایسے ہی ان تمام چینلز کا فرض ہے کہ اب وہ اس ویڈیو کے جعلی ہونے کی بھی بریکنگ نیوز چلائیں۔ ڈاکٹر عامر لیاقت صاحب نے اپنی گفتگو کے آغاز میں ہی یہ بات کہی کہ جب یہ ویڈیو جاری کی گئی تو تمام ہی لوگوں نے اس کی مذمت کی اور بغیر سوچے سمجھے اسلامی سزاؤں پر اعتراض کیا اور دنیا بھر میں یہ پیغام گیا کہ اسلام کی سزائیں اتنی وحشیانہ ہوتی ہیں انہوں نے کہا کہ میں بھی اس میں شامل تھا اور ہمارا چینل بھی اس میں شامل تھا۔ یہ ان کی گفتگو کا خلاصہ تھا اس کے ساتھ ہی انہوں نے یہ کہا کہ اس پروگرام کے کرنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ بات ریکارڈ پر آجائے کہ مذکورہ ویڈیو جعلی تھی۔

ہمیں خوشی ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے صاف گوئی سے کام لیا اور اپنی غلطی کا بھی اعتراف کیا اور اپنی رائے سے رجوع کیا نہ صرف رجوع کیا بلکہ اپنے دستیاب وسائل سے اس کو عام بھی کیا یہ ایک نہایت ہی لائق تحسین کام ہے اور اس کو نہ سراہنا زیادتی ہوگی۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے اس ضمن میں ممتاز علماء کرام کی گفتگو بھی چینل پر پیش کی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا دیگر چینلز اور اینکر پرسنز ان کی تقلید کرتے ہوئے اپنی رائے سے رجوع کرتے ہیں یا نہیں؟ اور اس کے ساتھ ہی ہم یہ بھی دیکھنا چاہیں گے کہ " میں نہ مانوں گروپ " جو کسی بھی حال میں اس ویڈیو کو جعلی

ماننے کو تیار نہیں تھے تو اب جبکہ پاکستان کے سب سے بڑے اور معروف چینل کے ایک معروف پروگرام میں اس کی تردید آ گئی ہے کیا وہ بھی اپنی رائے سے رجوع کرتے ہیں یا حسب سابق میں نہ مانوں کی رٹ لگاتے ہوئے اس کی بھی تاویلات پیش کرتے ہیں؟

ڈاکٹر اسرار احمد: ایک اور چراغ گل ہوا

ممتاز اسکالر اور مذہبی رہنما، تنظیم اسلامی کے بانی اور لوگوں میں قرآن کا پیغام عام کرنے والے ہر دلعزیز ڈاکٹر اسرار احمد صاحب بروز بدھ 14 اپریل کی شب حرکت قلب بند ہو جانے کے باعث انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ! مرحوم کی عمر تقریباً ۷۹ (اناسی) برس تھی۔ انہوں نے ساری زندگی قرآن کا پیغام عام کرنے میں گزاری، ان کی وفات نہ صرف اہل پاکستان بلکہ دنیا بھر کے مسلمانوں کے لئے ایک دھچکہ ہے اور ان کا خلاء ایک طویل عرصے تک پر نہیں ہو سکے گا۔ بقول شاعر

ع ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

ڈاکٹر صاحب کی وفات کا دکھ اپنی جگہ لیکن اس سے بھی افسوس ناک بات ہمارے میڈیا کا رویہ ہے کیوں میڈیا نے اس بات کو محسوس ہی نہیں کیا کہ ہمارے درمیان سے ایک انتہائی قابل فرد، ایک باعمل مسلمان، ایک جدید اسکالر اور امت کا درد رکھنے والا، قرآنی تعلیمات اور پیغام کو عام کرنے والا ایک شخص رخصت ہو گیا ہے لیکن میڈیا پر ان کے انتقال کی خبر بلیٹن میں چوتھے یا پانچویں نمبر پر چلائی جاتی رہی اور وہ بھی بمشکل ایک منٹ کی خبر اور میڈیا

پر اول نمبر پر حسبِ معمول شعیب ملک اور ثانیہ مرزا کا معاملہ چھایا رہا گویا کہ ہمارے میڈیا کے نزدیک علمی شخصیات کے بجائے اوسط درجے کے کھلاڑی شعیب ملک کی اہمیت زیادہ ہے۔ یہ رویہ ہمارے اخلاقی انحطاط کی نشاندہی کرتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب 26, اپریل 1932 مشرقی پنجاب کے ضلع ہریانہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مکمل کرنے کے بعد انہوں نے کنگ ایڈورڈ کالج، لاہور سے گریجویشن کیا (1954) بعد ازاں انہوں نے 1965 میں جامعہ کراچی سے اسلامک اسٹڈیز میں ماسٹرز کیا۔ ڈاکٹر صاحب ابتدائی عمر سے ہی بہت فعال اور متحرک انسان تھے۔ تحریک آزادی میں انہوں نے مسلم اسٹوڈینس فیڈریشن کے ساتھ ایک فعال کردار ادا کیا قیام پاکستان کے بعد انہوں نے اسلامی جمعیت طلبہ میں شمولیت اختیار کی۔ تعلیم مکمل کرنے بعد جب وہ اسلامی جمعیت طلبہ سے فارغ ہوگئے تو اس کے بعد انہوں نے جماعت اسلامی میں شمولیت اختیار کی۔ لیکن 1957 میں انہوں نے بعض نظریاتی اور پالیسی اختلافات کے باعث جماعت اسلامی کی رکنیت سے استعفیٰ دیدیا اور بعد ازاں اپنی ایک تنظیم " تنظیم اسلامی " (1975) قائم کی۔

اسلامی جمعیت طلبہ میں شمولیت کے بعد زمانہ طالبعلمی میں ہی ان کی شناخت

ایک مدرس کے طور پر ہوتی گئی اور انہوں نے درس قرآن دینے شروع کردئے تھے۔
جماعت اسلامی سے استعفٰی دینے کے بعد بھی انہوں نے اپنے دروس قرآن کا سلسلہ جاری رکھا اور بالخصوص 1965 کے بعد انہوں نے اپنا زیادہ تر وقت قرآن پاک کی تعلیم حاصل کرنے اور اس کو عام کرنے کے لئے وقف کردیا تھا۔ 1967 میں انہوں نے ایک کتاب "Islamic Renaissance: The Real Task Ahead (اسلامی نشاط ثانیہ، کرنے کا کام) لکھی، جس میں انہوں نے اپنے کام کی وضاحت کی ہے۔ انہوں نے واضح کیا کہ اسلام کی نشاَط ثانیہ کا انحصار مسلمانوں کے ایمان کی تقویت پر ہے بالخصوص تعلیم یافتہ طبقے کے مسلمانوں کی مضبوطی پر۔ ایمان کی جلاکے لئے قرآنی تعلیمات کو جدید انداز میں پیش کرنے کی ضرورت ہے تاکہ جدید طبعی علوم اور معاشرتی سائنس اور دوسری طرف اسلامی الہامی علوم باہم مربوط ہوجائیں۔
1971 کے بعد ڈاکٹر صاحب نے اپنی میڈیکل پریکٹس مکمل طور پر ترک کرکے اپنا تمام وقت اسلام کی خدمت کے لئے وقف کردیا۔1972 میں انہوں نے مرکزی انجمن خدام القرآن کو مستحکم کرنا شروع کیا جبکہ 1975 میں تنظیم اسلامی قائم کی، جبکہ 1991 میں انہوں نے تحریک خلافت کا آغاز کیا۔ 1978 میں ڈاکٹر صاحب نے پی ٹی وی پر پروگرام ال کتاب کے نام سے پروگرام کرنا شروع کیا جو کہ عوام میں بہت مقبول ہوا اور اس پروگرام کو پی ٹی وی (پاکستان ٹیلیوژن) کی تاریخ

کے مقبول ترین مذہبی پروگرام کا درجہ حاصل ہے۔ جبکہ الہدیٰ نامی پروگرام سے ان کی شناخت پاکستان کے ہر گھر میں پہنچ گئی۔ ان کے ٹی وی پروگرام کے لیکچرز کا مرکزی خیال یہ ہوتا تھا کہ اسلامی تہذیب کا احیاء یا اسلام کی نشاط ثانیہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہم قرآن کی تعلیمات کو اپنائیں اور ان پر عمل کریں۔ وہ جدید جمہوری نظام کے بھی ناقد تھے اور انہوں نے اس پر سخت نکتہ چینی کی۔ انہوں نے اس پر بحث کرتے ہوئے اس کی خامیوں کی نشاندہی کی کہ اس نظام میں اسلامی ریاست کا سربراہ (صدر) کو یہ اختیار ہے کہ وہ منتخب شدہ اسمبلی کی رائے (فیصلوں) کو مسترد کرسکتا ہے (یعنی فرد واحد اکثریت کی رائے کو مسترد کرسکتا ہے) جبکہ ذاتی طور پر وہ اس چیز کو پسند نہ کرتا ہو۔

ان کی خدمات کے اعزاز میں 1981 میں انہیں ستارہ امتیاز دیا گیا۔ ڈاکٹر صاحب ساٹھ سے زائد کتابوں کے مصنف تھے جن کا موضوع اسلام اور پاکستان ہے ان میں سے نو کتابوں کا انگریزی اور دیگر زبانوں میں ترجمہ بھی کیا گیا ہے۔ وہ ARY Q TV اور PEACE TV پر مستقل طور پر درسِ قرآن پیش کرتے تھے۔ صحت کی خرابی کے باعث وہ 2002 میں تنظیم اسلامی کی امارت سے دستبردار ہوگئے اور ان کی زندگی میں ہی حافظ عاکف سعید کو امیر مقرر کردیا گیا تھا اور رفقاء نے ان کے ہاتھ پر بیعت کرلی تھی۔ ان کی ساری زندگی قرآن کا پیغام عام کرنے میں گزاری۔

14 اپریل 2010 کی شب قرآن کا یہ خادم، امت کا درد رکھنے والا اور قرآن کے پیغام کو عام کرنے والا داعی لاکھوں لوگوں کو سوگوار چھوڑ کر اپنے خالق حقیقی سے جاملا۔

آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

(نوٹ: یہ مضمون جمعرات ۱۵ اپریل کو لکھا گیا لیکن نجی مصروفیات کے باعث ہمیں نادرن سندہ جانا پڑا جس کے وجہ سے یہ مضمون بر وقت آن لائن نہ ہو سکا اور اس مضمون کی تیاری میں معروف ویب سائٹ ویکیپیڈیا سے مدد لی گئی ہے جبکہ عثمان پبلک اسکول کیمپس ۸ کی انتہائی قابل احترام پرنسپل صاحبہ نے اس مضمون پر نظر ثانی کی جس کے لئے ہم ان کے انتہائی مشکور ہیں)

بلیک واٹر، را اور طالبان۔ ان میں کون ہے ظالمان

ملک میں ایک طویل عرصے سے دہشت گردی اور خوف کا راج ہے۔ آئے دن بم دھماکے، اور ٹارگٹ کلنگ ہو رہی ہیں ہر واردات کے بعد اربابِ اختیار طالبان اور القاعدہ کا راگ الاپنا شروع کر دیتے ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ہمارے اربابِ اختیار طالبان کا شور مچاتے رہتے ہیں لیکن ہر واردات کے بعد تفتیشی افسران طالبان یا القاعدہ کے بجائے را، اور بھارت کا نام لیتے ہیں لیکن حکومت کی ایک ہی رٹ ہوتی ہے کہ میں نہ مانوں، بھارت میں ممبئی حملوں کا الزام بھی مذہبی جماعتوں پر لگایا گیا، اور بھارت نے ایک مبینہ کشتی برآمد کر کے دعویٰ کیا کہ یہ پاکستانی کشتی ہے اور دہشت گرد اس کشتی میں سوار ہو کے پاکستان سے ممبئی آئے تھے۔ ابھی بھارت نے اس دعویٰ کا ڈھول بجانا شروع کیا تھا کہ ہمارے انتہائی ذہین وزیر داخلہ نے بھی ایک دوسری کشتی برآمد کر لی اور کہا کہ دہشت گرد دراصل اس کشتی میں سوار ہو کر بھارت میں داخل ہوئے تھے۔ اب بھارتی وزیر داخلہ اور پاکستانی وزیر داخلہ میں سے کوئی ایک تو جھوٹا تھا لیکن وقت نے بتایا کہ دونوں ہی جھوٹ بول رہے تھے اور ایک امریکی باشندے نے ممبئی حملوں کی ذمہ داری قبول کر کے دونوں کے دعوے کو جھوٹا ثابت کر دیا۔

بے نظیر بھٹو صاحبہ کا قتل بھی طالبان کے کھاتے میں ڈالا گیا اور بیت اللہ محسود کو اس میں نامزد کیا گیا لیکن حکومت کی اپنی درخواست پر تحقیقات کے لئے آنے والے کمیشن نے بیت اللہ محسود کے بجائے سابق حکومت کو اس کو ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔ سانحہ عاشورہ پر بھی ایسی ہی کہانی کی گئی اور دھماکے کے فوراً بعد ہی اس کو خود کش حملے کہا جانے لگا اور ایک عدد خود کش بمبار کا سر بھی تلاش کر لیا گیا اور ایک کہانی بھی تیار ہو گئی کہ کس طرح رینجرز کے ایک اہلکار نے جان پر کھیل کر خود کش بمبار کو روکا اور اس اہلکار کو بعد از مرگ ستارہ جرات بھی عطا کیا گیا لیکن بعد میں ہونے والے تحقیقات سے یہ بات سامنے آئی کہ جس کو خود کش حملہ آور کہا گیا وہ اسکاؤٹس کا لیڈر تھا اور یہ کہ دھماکہ خود کش نہیں ریموٹ کنٹرول ڈیوائس سے یہ دھماکہ کیا گیا تھا۔

ہمارے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ حکومت عوام کو مسلسل گمراہ کرنے میں مشغول اور دہشت گردی کے خلاف نام نہاد جنگ میں امریکی آلہ کار کا کردار ادا کر رہی ہے۔ دہشت گردی کا نشانہ بننے والوں نے بھی طالبان کے بجائے بلیک واٹر، را یا کسی تیسری قوت کی نشاندہی کی ہے جو ملک میں افراتفری اور فساد پھیلانا چاہتی ہے لیکن ڈالرز کی چمک میں حکمرانوں کو کچھ نظر نہیں آرہا ہے۔ اس بات کے کئی شواہد ملے ہیں کہ ملک میں ہونے والی دہشت گردی میں بھارت اور امریکہ

ملوث ہے۔ کئی بار امریکی شہریوں کو مشکوک حالت میں غیر قانونی اسلحہ سمیت پکڑا گیا لیکن ان کو وزارت داخلہ اور حکومتی مداخلت پر چھوڑا گیا۔ یہ ساری باتیں کچھ اور ہی کہانی ظاہر کر رہی ہیں اب ہم زرا ملک میں ہونے والے دہشت گردی کی وارداتوں کا جائزہ لیں تو کئی اہم باتوں کا انکشاف ہوتا ہے۔

اگر ہم ذرا سی باریک بینی سے جائزہ لیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ ابھی تک دہشت گردی کا نشانہ ان مقامات اور ان لوگوں کو بنایا گیا ہے جو کہ مذہبی مقامات ہیں یعنی مساجد، امام بارگاہ اور مزارات وغیرہ یا پھر اسکولوں کو نشانہ بنایا گیا اس کے ساتھ ساتھ عوامی مقامات یعنی مارکیٹوں اور سرکاری دفاتر کو نشانہ بنایا گیا ہے۔ ہر واردات کے پیچھے بقول حکومت طالبان یا القاعدہ کا ہاتھ ہے لیکن یہ بڑی عجیب بات ہے کہ طالبان اور القاعدہ کے لوگ ایسے مقامات کو نشانہ بنا رہے ہیں جن سے ان کے خلاف نفرتوں میں اضافہ ہو اور امریکہ کے حق میں ہمدردی کا اضافہ ہو یہ بات کچھ ہضم نہیں ہوتی ہے۔ ہم اپنی بات کو زرا اور وضاحت سے بیان کرتے ہیں کہ مبینہ طالبان جو بھی کاروائی کرتے ہیں اس سے ان کے خلاف اور مذہب و مذہبی جماعتوں کے خلاف نفرت پیدا ہوتی ہے اور لوگ یہ بات سوچنے لگتے ہیں کہ امریکہ درست ہی کر رہا ہے جو ان لوگوں کو مار رہا ہے۔

جبکہ میینہ طالبان نے آج تک کسی ایسی جگہ دھماکہ نہیں کیا جو کہ مذہبی لحاظ سے ناپسندیدہ ہو، یعنی آج تک کسی سینما گھر میں دھماکہ نہیں ہوا، آج تک کسی میلے یا فلمی نمائش میں دھماکہ نہیں ہوا، کسی ریڈ لائٹ ایریا میں دھماکہ نہیں ہوا، کسی فحاشی کے اڈے پر کوئی کاروائی نہیں ہوئی، کسی شراب خانے میں آج تک کوئی دھماکہ نہیں ہوا، کسی کلب میں کوئی دھماکہ نہیں ہوا، یہ سب کیا ہے؟ کیا یہ بات اتفاقی ہے یا ایک باقاعدہ منصوبہ بند پروگرام کے تحت یہ سب کیا جارہا ہے؟

ایسا کیوں ہورہا ہے کہ جو جگہیں امریکہ اور لادین طبقے کی پسندیدہ جگہیں ہیں وہاں کوئی دھماکہ نہیں ہوتا ہاں ایسی تمام جگہیں جہاں کسی نہ کسی حوالے سے امریکہ مخالف بات کی جاتی ہے وہاں دھماکے ہوتے ہیں ہماری مسجد و منبر سے آج بھی امریکی استعمار اور ظلم کے خلاف، اسرائیلی مظالم کے خلاف آواز بلند کی جاتی ہے اس لئے وہاں دھماکے ہوتے ہیں۔ شیعہ حضرات امام خمینی اور خامنہ ای کی تعلیمات کے مطابق امریکہ کے خلاف ہیں اس لئے ماتمی جلوسوں اور امام بارگاہوں پر دھماکے ہوتے ہیں۔ افواج پاکستان دنیا کی مضبوط ترین افواج میں سے ایک ہیں اور ہمارے بہادر سپاہی اپنے مظلوم مسلمان فلسطینی اور کشمیری بھائیوں کے ساتھ ہمدردی رکھتے ہیں اس لئے ان کے اوپر حملے کرکے ان کو مجاہدین کے خلاف صف آراء کردیا گیا ہے اور تازہ ترین واردات جماعت اسلامی

جو کہ امریکی استعمار کے خلاف ایک مضبوط مؤقف رکھتی ہے اور امریکی و اسرائیلی مظالم اور بھارتی سازشوں کے خلاف آواز بلند کرتی ہے اس کی ایک ریلی جو کہ ایک عوامی مسئلے کے اوپر منعقد کی گئی تھی اس کے اوپر حملہ کیا گیا۔ اب ذرا سوچیں کہ یہ کیسے امریکہ مخالف طالبان ہیں جو صرف امریکہ مخالف لوگوں پر ہی حملہ کرتے ہیں؟ اور پھر یہ سوچیں کہ بلیک واٹر، را اور طالبان ان میں سے ظالمان کون ہیں؟

یہ ہوتی ہے ماں

ماں کا لفظ سنتے ہی ذہن میں ایک شفیق اور مہربان ہستی کا تصور ابھرتا ہے جس کے ساتھ صرف محبت، شفقت، اور رحمت ہی رحمت وابستہ ہے۔ ماں کی عظمت پر کوئی بات کرنا تو ایسا ہے جیسے کہ سورج کو چراغ دکھایا جائے۔ اہل مغرب سال میں ایک دن مدرز ڈے مناتے ہیں۔ ویسے تو ماں کی عظمت اور ماں کو خراج تحسین پیش کرنے کے لئے پورا سال بھی ناکافی ہے لیکن اہل مغرب سال میں ایک دن ماں کے لئے مخصوص کرکے یہ سوچتے ہیں کہ ہم نے ماں کا حق ادا کردیا۔ اگرچہ ایک دن سے ماں کا حق تو ادا نہیں ہوتا لیکن اگر اس کو مغربی معاشرے کے تناظر میں دیکھا جائے تو یہ بہت بڑی بات ہے ہے کہ وہ کم از کم ایک دن کو ماں کو یاد کرتے ہیں۔ مدرز ڈے مغرب سے در آنے والے خرافات کے طوفان میں ایک اچھی چیز ہے۔ ماں کیا ہوتی ہے اس کو سمجھنے کے لئے میں یہاں ایک مختصر افسانہ پیش کرنا چاہوں گا۔ اس افسانے میں بڑی خوبصوتی کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ ماں دراصل کیا ہوتی ہے؟

دسمبر کی ایک سرد دوپہر جب اسکول کی چھٹی ہوئی اور میں گھر جانے کے لئے اسکول سے نکلا تو میں نے دیکھا کہ گہرے بادل چھائے ہوئے ہیں اور بارش کے آثار نظر آرہے تھے، میرا خیال تھا کہ میں بارش شروع ہونے سے پہلے گھر پہنچ

جاؤنگا۔ ابھی آدھا فاصلہ طے کیا تھا کہ بارش شروع ہو گئی۔ بارش میں بھیگتا ہوا گھر پہنچا، سردی سے میرا برا حال تھا اور میں کانپ رہا تھا کہ بھائی نے مجھے اس طرح ڈانٹا "دیکھ نہیں رہے تھے کہ بارش ہو رہی ہے۔" باجی نے غصے سے کہا "تھوڑی دیر رک نہیں سکتے تھے کہ بارش تھم جاتی پھر آتے لیکن تمہیں کون سمجھائے" اور ابا نے غصے سے لال پیلا ہو کر کہا "بہت سوق ہے نا تمہیں بارش میں بھیگنے کا، اب کانپ کیوں رہے ہو اور نہاؤ بارش میں" کسی کو بھی میری حالت کا اندازہ نہیں تھا کہ سردی سے میرا کیا حشر ہو رہا ہے۔ اتنے میں ماں تولیہ لیکر دوڑتی ہوئی آئی اور میرا سر پونچھتے ہوئے اس نے آسمان کی جانب دیکھا اور شکایتی لہجے میں کہنے لگی "یا اللہ یہ بارش تھوڑی دیر رک نہیں سکتی تھی کہ میرا بیٹا گھر پہنچ جاتا"۔

دوستوں یہ ہوتی ہے ماں

ہمارے بے حس اور بے حمیت وزراء

اس وقت پی پی پی کی حکومت میں شامل رتنوں کی بات کی جائے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایک سے ایک نگینہ اور جوہر قابل یہاں موجود ہے۔ یہ سارے رتن اور پی پی کے جیالے بے غیرتی اور بے حیمتی میں اپنی مثال آپ ہیں اس کے ساتھ ساتھ ان کی جو ایک اور خاصیت جو کہ دوسرے لوگوں میں زرا کم ہی ہوتی ہے وہ ہے ڈھٹائی۔ موجودہ حکومت کے وزراء کی کارکردگی کا جائزہ لیا جائے تو ایسا لگتا ہے کہ یہ سارے پاکستان کے نہیں بلکہ کسی اور ہی ملک کے وزیر اور ذمہ داران ہیں اور یہاں ان کو کسی نے وزٹ کے لئے بیھجا ہے۔ (ویسے حقیقت تو یہی ہے کہ حکومت کے جاتے ہی ان میں سے اکثریت بیرون ملک فرار ہوجائے گی)۔

سب سے پہلے ہم جائزہ لیں گے محترم وزیر خارجہ شاہ محمود قرشی صاحب کا، یہ کہنے کو تو پاکستان کے وزیر خارجہ ہیں لیکن ان کے کسی بھی بیان یا کسی بھی بات سے نہیں لگتا کہ پاکستانی ہیں بلکہ ان کی ساری صلاحیتیں اور طاقتیں پاکستان کے خلاف اور پاکستان دشمنوں کے حق میں استعمال ہورہی ہیں۔ بھارت ہمارا پانی چرا رہا ہے۔ ہمیں بانجھ بنانے کی سازش کررہا ہے۔ بھارت نے موجودہ حکومت کے دور میں بگلیہار ڈیم مکمل کیا ہے اور اطلاعات ہیں کہ بھارت

مقبوضہ کشمیر میں چھوٹے چھوٹے کم و بیش بیس ڈیم بنانے کے منصوبے شروع کر رہا ہے۔ آبی ماہرین اس پر چلا رہے ہیں، پانی کی کمی پر دہائی دے رہے ہیں۔ پانی کی کمی کے باعث ہماری زراعت سمٹتی جارہی ہے۔ ہمارا تاریخی اور قدیم دریائے سندھ سوکھتا جارہا ہے اور اس وقت حالت یہ ہے کہ دریائے سندھ ایک ندی کی حیثیت اختیار کرگیا ہے۔ یہ ساری باتیں ایک طرف اور محترم وزیر خارجہ کا بیان ایک طرف ہے۔ موصوف فرماتے ہیں کہ "بھارت پاکستان کا پانی نہیں چوری کر رہا ہے" یہ بیان پڑھ کر ہم تو اپنا سر پیٹ کر رہ گئے کہ یہ کس قسم کے لوگ ہیں بخدا اگر سرخی کے آخر میں شاہ محمود قریشی صاحب کا نام نہ موجود ہوتا تو ہم یہ سمجھتے کہ شائد یہ کسی بھارتی وزیر کا بیان ہے۔

اسی طرح وزیر داخلہ رحمان ملک صاحب ہیں ان کی ساری پھرتیاں صرف اور صرف امریکی مفادات کا تحفظ کرنے، اسلام پسندوں کو دیوار سے لگانے اور اپنے اتحادیوں کے جرائم پر پردہ ڈالنے میں صرف ہوتی ہیں۔ ملک میں جیسے ہی کوئی بم دھماکے کی واردات ہوتی ہے موصوف کہیں بھی موجود ہوں یہ فوراً ہی میڈیا کو بتاتے ہیں کہ یہ فلاں تنظیم کی کاروائی ہے اور اس میں فلاں لوگ ملوث ہیں اگرچہ بعد میں تحقیقات ان کی باتوں کو غلط ثابت کردیتی ہیں لیکن یہ ایسی باتوں سے بد دل نہیں ہوتے بلکہ ڈھٹائی کے ساتھ ایک نیا مؤقف اپنا لیتے ہیں۔ ان کے بیانات ہمیشہ دہشت گردی کے خلاف ہوتے ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ

پاکستان کے خلاف دہشت گردی میں غیر ملکی ملوث ہیں (یہاں غیر ملکیوں سے ان کی مراد عرب اور افغان باشندے ہیں امریکی نہیں) اور کسی کو ملک میں دہشت گردی کی اجازت نہیں دی جا سکتی لیکن جب اسلام آباد میں امریکی دہشت گرد رنگے ہاتھوں پکڑے جاتے ہیں تو یہ خود ان کو چھڑاتے ہیں۔

ایک اور صاحب ہیں احمد مختار ان کا نام بڑا خوبصورت ہے ان کے نام میں مختار کا لفظ آتا ہے لیکن یہ بے چارے کسی بھی بات کے مختار نہیں ہیں سوائے اپنے ہی لوگوں کے خلاف طاقت کے استعمال میں، ان سے جب کہا جاتا ہے کہ جناب امریکہ ڈرون حملے کر رہا ہے ان کو روکا جائے تو یہ موصوف جو کہ وزیر دفاع ہیں اور ان کی یہ ذمہ داری ہے کہ ملک کی سرحدوں کی حفاظت کریں لیکن انہوں نے تو بات ہی ختم کر دی، انہوں نے فرما دیا کہ "ہم ڈرون حملے نہیں روک سکتے" لو جی کر لو جو کرنا ہے۔

یہ ہمارے تین وزراء کی کارکردگی ہے۔ ان تینوں حضرات کی بہترین کارکردگی ایک بار پھر عوام کے سامنے آئی ہے جب امریکہ میں ایک پاکستانی نژاد امریکی فیصل شہزاد کو دہشت گردی کے الزام میں گرفتار کیا گیا۔ ابھی فیصل شہزاد کو گرفتار کیا ہی گیا تھا کہ ان کے لوگوں کی پھرتیاں شروع ہو گئیں ادھر امریکہ نے کہا کہ یہ دہشت گرد اور مجرم ہے اُدھر ان لوگوں نے امریکہ کی ہاں میں

ہاں ملانا شروع کر دی۔ وزیر داخلہ نے فرمادیا کہ ہاں یہ موالث ہو سکتا ہے۔ وزیر خارجہ نے کہہ دیا کہ یہ ڈرون حملوں کا رد عمل ہے۔ اور وزیر دفاع نے تو بڑی اہم بات کہہ دی کہ فیصل شہزاد نے اس طرح اسلام کی کوئی خدمت نہیں کی ہے۔ دیکھیں فیصل شہزاد ہو سکتا ہے کہ اس واردات میں ملوث ہو لیکن ابھی تو تفتیش ابتدائی مراحل میں ہے ابھی کیس بھی دائر نہیں کیا گیا ابھی وہ پولیس کسٹڈی میں ہے، اور پولیس کسٹڈی میں دئے گئے بیان کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی ہے لیکن اس کے باجود ان سب لوگوں نے اس کو وقت سے پہلے ہی مجرم بنا دیا ہے۔ اور یہ بات بڑی اہم ہے کہ وزیر اطلاعات محترم قمر زمان کائرہ اور دیگر وزراء نے اس کو پاکستانی ماننے سے انکار کر دیا ہے۔ کیوں کہ ان کے بقول وہ امریکی شہری ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اب اگر کوئی فرد جس کے پاس دہری شہریت ہو اور دیار غیر میں کسی مشکل میں پھنس جائے تو وہ پاکستانی حکمرانوں سے کسی مدد کی توقع نہ رکھے۔ یہ حکمرانوں کی ساری باتیں جب سامنے آتی ہیں تو پھر ہم ان کو نرم ترین الفاظ میں بے حمیت اور بے حس ہی کہہ سکتے ہیں۔

بارہ مئی دوہزار سات اور بارہ مئی دوہزار چار

بارہ مئی دو ہزار سات جب اس ملک کے سب سے بڑے شہر میں ایک ہی دن میں پچاس لاشیں گرادی گئیں۔ ان لوگوں کا قصور کیا تھا؟ان لوگوں کا قصور صرف اتنا تھا کہ وہ جمہوری طریقے سے اپنا احتجاج ریکارڈ کرانا چاہتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ ایک آمر کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے والے چیف جسٹس کا استقبال کریں اور یہ بتا دیں کہ وہ آمریت کو ناپسند کرتے ہیں لیکن وہ آمر ہی کیا جو عوام کو ان کا جمہوری حق دیدے۔
اور جب چیف جسٹس آف پاکستان جسٹس افتخار محمد چوہدری نے کراچی میں آنے کا پروگرام بنایا تو جنرل مشرف نے انکو سبق سکھانے کا پروگرام بنایا اور اس مقصد کے لئے ایک دہشت گرد گروہ کو شہہ دی۔ ویسے یہ اس گروپ کی اپنی بھی بقا کا مسئلہ تھا کہ اگر کراچی سے لاکھوں لوگ چیف جسٹس کے استقبال کے لئے نکل آتے تو کراچی کے مینڈیٹ کا پول کھل جاتا، پولنگ اسٹیشن پر قبضہ کرکے لاکھوں ووٹ حاصل کرنے والوں کے ووٹوں کی قلعی کھل جاتی اس لئے اس دفعہ پولنگ اسٹیشن کے بجائے پورے شہر کو یرغمال بنایا گیا اور مخالفین کو سبق سکھانے کے لئے ایک ہی دن میں پچاس سے زائد لاشوں کو تحفہ قوم کو دیا گیا۔
اس حادثے میں متاثر ہونے والوں میں پی پی پی۔ اے این پی اور جماعت اسلامی

کے لوگ شامل تھے۔(اگرچہ متحدہ کا دعویٰ ہے کہ ان کے کارکنان بھی ہلاک ہوئے ہیں لیکن تحقیق سے یہ بات سامنے آئی کہ انہوں نے لاوارث لاشوں پر قبضہ کرکے ان پر اپنے کارکن ہونے کا دعویٰ کیا) اس وقت پی پی پی اور اے این پی اقتدار میں اور دلچسپ بات یہ ہے کہ وہ اسی دہشت گرد گروہ کے ساتھ شریک اقتدار ہیں جو کہ اس سانحے کا ذمہ دار ہیں۔ اس لئے یہ توقع رکھنا کہ یہ لوگ بارہ مئی کے سانحے کے ذمہ داران کو سزا سنائیں گے بالکل بچکانہ سوچ ہوگی۔

بارہ مئی دو ہزار سات تو پورے پاکستان کو یاد ہے لیکن کیا کسی کو بارہ مئی دو ہزار چار بھی یاد ہے؟ جی بارہ مئی دو ہزار چار کو بھی اسی گروہ نے شہر میں قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا تھا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ بارہ مئی دو ہزار سات کو پی پی اور اےاین پی کے لوگ بھی ہلاک ہوئے ہیں اور بارہ مئی دو ہزار چار کو صرف جماعت اسلامی کے لوگوں کو قتل کیا گیا۔ بارہ مئی دو ہزار چار کو شہر میں کچھ نشستوں پر ضمنی الیکشن منعقد ہوئے اور اس میں جماعت اسلامی نے بھی حصہ لیا تھا۔ اور مخالفین نے جماعت اسلامی کو سبق سکھانے کے لئے ایک دن میں اس کے نو کارکن قتل کئے۔ شاہ ولایت اسکول گلبرگ میں جماعت اسلامی کے لوگوں پر براہ راست فائرنگ کی گئی اور ان کے لوگوں کو پولنگ اسٹیشنوں پر یرغمال بنایا گیا اور ان کو تشدد کا نشانہ بنایا گیا اور اس میں مرد و خواتین کی کوئی تخصیص نہیں کی گئی۔

غریب آباد میں بھی یہی کہانی دہرائی گئی اور یہاں بھی پولنگ اسٹیشن پر قبضہ کرکے جماعت اسلامی کے لوگوں کو تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ راقم خود لیاقت آباد نمبر چار کے اسکول میں بطور پولنگ ایجنٹ موجود تھا اور وہاں کی صورتحال یہ تھی کہ جب ہم لوگوں نے جعلی ووٹ بھگتانے کی ان کی کوششوں کو ناکام بنایا تو انہوں نے تین بجے کے بعد بڑی کاروائی کا منصوبہ بنایا اور ہم جس جعلی ووٹر کو بھی واپس کرتے وہ ہمارے سامنے ہی اس کو کہتے کہ "کوئی بات نہیں تین بجے کے بعد آنا ہم دیکھ لیں گے" ظہر کے وقت جب میں نماز اور کھانے کے لئے پولنگ اسٹیشن سے نکلنے لگا تو میں نے دیکھا کہ اسکول میں جگہ جگہ ان کے لوگ کھڑے تھے اور وہ یہی باتیں کررہے تھے "یہ جماعت والے ان کی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ کوئی کام نہیں کرنے دے رہے لیکن تین بجے کے بعد ہم ان کو دیکھ لیں گے" نماز کے بعد مجھے کہا گیا کہ پولنگ اسٹیشن میں تو آپ کی جگہ پولنگ ایجنٹ موجود ہے آپ باہر پولنگ کیمپ پر موجود رہیں۔ میں جب پولنگ کیمپ میں رکا تو مجھے وہاں کی صورتحال کشیدہ نظر آئی اور یہ ماحول تھا کہ متحدہ کے کارکنان موٹر سائیکلوں پر سوار آتے تھے ہمارے کیمپ پر کھڑے ہو کر فحش گالیاں دیتے اور نعرے لگاتے لیکن ہم صبر و سکون کے ساتھ اپنے کام میں مصروف رہے اسی کشمکش میں پانچ بج گئے اور پولنگ اسٹیشن کے گیٹ بند کردئے گئے۔ جب گیٹ بند کئے گئے تو اچانک ایک جانب سے متحدہ کے کارکنان سوزوکیوں میں کئی

لوگوں کو بھر کر لائے اور پولنگ اسٹیشن کے دروازے کھلوانے کی کوشش کی، ہمارے لوگوں نے پولیس سے کہا کہ جناب جو لوگ پانچ بجے تک پولنگ کے لئے آئے تھے ان کو ہم نے پولنگ اسٹیشن میں بھیج دیا ہے اب گیٹ نہیں کھلے گا۔ اس بات پر صورتحال انتہائی کشیدہ ہو گئی اور متحدہ کے کارکنوں نے جن کی تعداد کم و بیش ڈیڑھ سو کے قریب تھی جماعت کے لوگوں پر دھاوا بول دیا اور گیٹ پر موجود جماعت کے لوگوں کو شدید زدو کوب کیا جس سے ایک ساتھی ہلاک ہو گئے۔ گیٹ کھلوانے کے بعد اس گروہ نے پولنگ کیمپ کا رخ کیا اور جماعت کے پولنگ کیمپ پر موجود لوگوں کو شدید تشدد کا نشانہ بنایا اور براہ راست فائرنگ کی گئی۔ راقم اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ بمشکل تمام تپلی تپلی گلیوں سے نکل کر بھاگا اور اپنی جان بچائی۔ اس دن جماعت اسلامی کے نو لوگوں کو قتل کیا گیا۔ ان میں لائنز ایریا کے ایک کونسلر بھی شامل ہیں جو کہ گھر میں موجود تھے اور ان کو گھر سے باہر بلا کر سر پر گولی ماری گئی۔

بارہ مئی دو ہزار چار کا واقعہ میڈیا میں جگہ نہ بنا سکا کیوں اس میں کسی سیکولر جماعت کے بجائے جماعت اسلامی کے لوگوں کو مارا گیا تھا لیکن اگر بارہ مئی دو ہزار چار کے قاتلوں کو گرفتار کیا جاتا تو بارہ مئی دو ہزار سات کا سانحہ رونما نہ ہوتا۔ اور اگر بارہ مئی دو ہزار سات کے قاتلوں کو گرفتار کیا جاتا تو پھر نو اپریل کا سانحہ نہ ہوتا اب بھی اگر یہ قاتل

گرفتار نہ ہوئے تو پھر ملک میں مزید خونریزی ہوگی اور قاتلوں کی حوصلہ افزائی ہوگی۔
اس لئے ضرروت اس بات کی ہے کہ سپریم کورٹ اس معاملے میں از خود نوٹس لیکر
سانحہ بارہ مئی دو ہزار چار اور بارہ مئی دو ہزار سات کے ذمہ داران کو کیفر کردار تک
پہنچائے۔ ویسے ایک بات تو ہے بارہ مئی دو ہزار چار کے بعد بارہ مئی کی تاریخ جماعت
اسلامی کے لئے ایک ڈراؤنا خواب بن گئی تھی اور مکافات عمل کے تحت اب بارہ مئی
کی تاریخ متحدہ کے لئے ایک ڈراؤنا خواب بن گئی ہے اب متحدہ کچھ بھی کرے وہ بارہ
مئی سے پیچھا نہیں چھڑا سکتی۔

گستاخ کارٹونسٹ، فیس بک اور نادان مسلمان

گیارہ مئی ۲۰۱۰ کو سویڈن میں ایک یونیورسٹی نے نبی مہربان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گستاخانہ خاکے شائع کرنے والے ملعون کارٹونسٹ کو ایک لیکچر کی دعوت دی، یونیورسٹی کے آڈیٹوریم میں سینکڑوں طلبہ وطالبات موجود تھے جن میں مسلمان طلبہ و طالبات بھی تھے۔ اپنے لیکچر کے دوران اس خبیث اور ملعون نے ایک بار پھر اپنی خباشت کا ثبوت دیتے ہوئے نبی مہربان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ایک نہایت ہی گھٹیا اور گستاخانہ ویڈیو دکھانی شروع کی۔ جس پر مسلمان طلبہ مشتعل ہوگئے اور ایک طالب علم محمد المانی نے اس ملعون پر حملہ کردیا، یونیورسٹی انتظامیہ نے فوراً مداخلت کرکے اس ملعون کو بچایا، اور غیور محمد المانی کی آنکھوں پر مرچوں کا اسپرے کرکے اس کو قابو کیا۔ اس سارے ہنگامے کے دوران ہال میں اللہ اکبر کے نعرے گونجتے رہے اور وہ ملعون کارٹونسٹ جس کا یہ دعویٰ تھا کہ وہ کسی سے نہیں ڈرتا وہ ڈائس کے پیچھے جاکر چھپ گیا جہاں سے وہ سیکورٹی گارڈز کی حفاظت میں باہر نکالا گیا۔ اس واقعے کے بعد یونیورسٹی انتظامیہ نے سخت مؤقف اختیار کیا آئندہ اس کو کسی بھی پروگرام میں نہ بلانے کا اعلان کیا۔ یہ ایک بہت بڑا واقعہ تھا لیکن حسب معمول یہ واقعہ بھی ہمارے میڈیا پر جگہ نہ

پاسکا، کسی ایک فرد نے بھی اس بات پر کوئی پروگرام یا کوئی مذاکرہ منعقد نہیں کیا کہ کیوں اس ملعون نے یہ گستاخانہ حرکت کی تھی۔ اس سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ ہمارا میڈیا دراصل ہمارا میڈیا نہیں ہے بلکہ دراصل یہ ہم پر مسلط کیا گیا جو کہ ہمارے معاشرہ کی برین واشنگ کر رہا ہے۔

سویڈن کے اس واقعے کو بنیاد بناتے ہوئے معروف سوشل نیٹ ورک فیس بک نے بھی ایک تصویری مقابلے کا اعلان کیا ہے جس میں دنیا بھر سے لوگوں کو دعوت دی گئ ہے کہ وہ نبی مہربان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گستاخانہ خاکے بنا کر یہاں بھیجیں اور بیس مئی کو یہ خاکے فیس بک پر شائع کئے جائیں گے۔ اور تقریباً بارہ سو ملعون اس مقابلے کے لئے رجسٹرڈ ہیں جو کہ یہ شیطانی کام سرانجام دیں گے یہاں ایک سوال اور بھی پیدا ہوتا ہے کہ نبی مہربان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک تو اتنی بابرکت اور اتنی پاک صاف ہے کہ اپنے تو اپنے غیر مسلم اور سخت متعصب مؤرخ بھی جب تاریخ اسلام کی بات کرتے ہیں تو نہ چاہتے ہوئے بھی وہ نبی مہربان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کردار کی تعریف کرنے پر مجبور ہوتے ہیں کیونکہ نبی مہربان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات روشنی کا ایک مینار ہے اور اس روشنی کے مینار کو چھپانا یا اس کو گہنانا کسی کے بس میں نہیں ہے۔ تو پھر اس طرح کی حرکت کا کیا مقصد ہے؟ اس کا جواب بہت صاف اور واضح ہے کہ دنیا میں دراصل دو ہی قومیں ہیں ایک رحمانی

اور ایک شیطانی، ایک نیکی کا قبیلہ ہے اور بدی کا، ایک خیر کی طاقت ہے اور ایک شر کی طاقت ہے۔ تہذیبیں بھی دراصل دو ہی ہیں مسلم تہذیب اور غیر مسلم تہذیب۔
الکفر ملت واحد کے تحت کفر تو ہی ایجنڈے پر کام کر رہا ہے اور وہ ہے اسلام کی بیخ کنی، اور مسلمانوں کی نسل کشی اور مسلمانوں کو دیوار سے لگانا، مسلم اسپین سے مسلمانوں کے زوال سے لیکر برصغیر میں مسلمانوں کی بادشاہت کا خاتمہ، اور اس کے بعد مختلف ممالک میں مسلمانوں کی نسل کشی اس بات کا بین ثبوت ہے۔ چاہے وہ چیچنیا میں مسلمانوں کی نسل کشی ہو، روس میں مسلمانوں کو دیوار سے لگانے کا عمل ہو، فلسطین میں مسلمانوں کو محدود کرنے کی بات ہو، یا افغانستان اور عراق میں مسلمانوں کا قتلِ عام ہو، ہندوستان میں مسلمانوں کی نسل کشی، قتل عام اور ان کا معاشی قتل ہو یا وانا، وزیرستان اور شمالی علاقہ جات میں امریکی ڈرون حملوں میں مسلمانوں کا قتل عام ہو۔ ہر جگہ مسلمان ہی مارے جا رہے ہیں اور ان کو ہی دیوار سے لگایا جا رہا ہے۔ اور ستم ظریفی یہ ہے کہ مسلمانوں کو ہی مجرم اور دہشت گرد قرار دیا جا رہا ہے۔
یہ ساری باتیں زبان حال سے کہہ رہی ہیں کہ کفر تو متحد ہے چاہے وہ عیسائی ہوں، چاہے یہودی ہوں چاہے ہندو ہوں یا نام نہاد سیکولر یہ تمام ہی ایک

ایجنڈے پر متفق ہیں لیکن ہم اس بات کو نہیں سمجھ پا رہے ہیں۔ ہم ابھی تک روشن خیال مسلمان، انتہا پسند مسلمان کی تفریق میں الجھے ہوئے ہیں ہم کفر کی نظروں میں سرخرو ہونے کے لئے اپنے اپنے دین سے رشتہ کمزور کرتے جا رہے ہیں کہ شائد وہ ہم سے راضی ہو جائے لیکن یہ لوگ تو کبھی بھی ہم سے راضی نہ ہونگے تا وقتیکہ کہ ہم اپنا دیین چھوڑ کر ان کے دین میں شامل ہو جائیں اور پھر بھی ہم ان کی نظر میں نا قابل اعتبار ہی ٹھہریں گے۔ کیا ہم لوگوں نے چیچنیا اور سربیا کی تاریخ جو کہ ماضی قریب ہی کی تاریخ ہے اس کو فراموش کر دیا ہے۔ روسی قبضے میں جانے کے بعد مسلم ریاستیں چیچنیا، بوسنیا، وغیرہ کے مسلمانوں نے اپنا رہن سہن تبدیل کر لیا، اپنے دین کو چھوڑ دیا، نماز روزے کو ترک کر دیا، مساجد کو فراموش کر دیا، وہ لوگ مکمل طور ہر سیکولر یا کیمونسٹ دہریے) بن گئے ان کے نام بھی روسیوں جیسے ہو گئے۔ جب روس زوال کا شکار ہوا) اور اس نے ان ریاستوں کو آزاد کر دیا تو پھر اس کے ساتھ آزاد ہونے والی دیگر غیر مسلم ریاستوں نے چیچنیا اور بوسنیا کے لوگوں پر ہلہ بول دیا جب وہاں کے لوگوں نے سوال کیا کہ ہمیں کیوں مارا جا رہا ہے تو جواب ملا کہ تم مسلمان ہو؟ کہا گیا کہ اب تو ہم تمہارے ہی رنگ میں رنگ گئے ہیں اب تو ہم تم ہی میں سے ہیں تو جواب ملا کہ ہاں لیکن ہو تو تم مسلمانوں ہی کی نسل سے اور پھر اس بنیاد پر وہاں مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا۔ اسی طرح ترکی کا معاملہ بھی سب کے سامنے ہے کہ وہ بھی ایک عرصے سے یورپی یونین کی رکنیت کے

لئے مرا جارہا ہے اس چکر میں وہاں اذان پر پابندی لگائی گئی، وہاں حجاب پر پابندی لگائی گئی، وہاں داڑھی رکھنے پر پابندی لگائی گئی۔ وہاں اسلامی تعلیم ممنوع قرار دی گئی لیکن اس کے باوجود یورپ نے اس کو اپنا حصہ نہ بنایا۔

افسوس کہ مسلمانوں کو اس بات کی سمجھ نہیں آرہی ہے اور اب ان لوگوں کے حوصلے اتنے بڑھ گئے ہیں کہ ان لوگوں نے رحمت اللعالمین حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک کو نشانہ بنانا شروع کردیا ہے اور ہم سو رہے ہیں۔ میں اس مضمون کے توسط سے تمام ہی قارئین سے گزارش کرونگا کہ وہ فیس بک پر جاکر وہاں کی انتظامیہ کو میل کریں کہ وہ اس عمل سے باز رہیں اور نبی مہربان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک کو نشانہ نہ بنائیں اور اربوں مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس نہ پہنچائیں۔ یاد رکھیں کہ ہماری اس کوشش سے چاہے یہ مقابلے نہ رکے لیکن بروز قیامت جب اللہ ہم سے پوچھے گا کہ میرے محبوب کی شان میں گستاخی ہورہی تھی تو تم نے کیا کیا اس وقت ہم تو اپنے رب کے حضور کہہ سکتے ہیں کہ یا اللہ جو کہ ہمارے بس میں تھا اس کے مطابق ہم نے اپنی کوشش کی تھی۔ اور اس کے ساتھ ساتھ میں یہ بھی گزارش کرونگا کہ خدارا کفر کے اس پروپگینڈے کے اثر سے نکل آئیں کہ انتہا پسند مسلمان الگ ہیں اور اعتدال پسند مسلمان الگ ہیں کفر کی نظر میں ہم صرف مسلمان ہیں اور بس چاہے

ہم مغربی تہذیب میں کتنا ہی رنگ جائیں وہ ہم سے راضی نہیں ہونگے۔

جن بھائیوں کو فیس بک پر رپورٹ کرنے کے لئے مطلوبہ لنک نہ ملے تو وہ اس آئی ڈی پر بیس مئی سے پہلے میل کریں ان کا پیغام فیس بک انتظامیہ تک بھیج دیا جائے گا۔

Asadunnabi92@gmail.com

جلدی کریں بیس مئی قریب ہے۔

فیس بک پر پابندی اور کامران خان کی گستاخی

ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر حکومت پاکستان نے فیس بک پر پاکستان میں پابندی عائد کردی جو کہ ایک انتہائی مستحسن قدم ہے اور موجودہ حکومت کا ایک اچھا قدم کہا جاسکتا ہے۔ اس پابندی سے نام نہاد روشن خیالوں کے بھی منہ بند ہوجانے چاہئیں جن کا یہ موقف تھا کہ احتجاج سڑکوں پر نکل کر نہیں بلکہ ان کی مصنوعات کا بائکاٹ کرکے کرنا چاہیے۔ اور اپنے ملک کو نقصان پہنچانے کے بجائے اس حرکت کے مرتکب گروہوں کو نقصان پہنچایا جائے۔

اس پابندی کو ابھی چوبیں گھنٹے بھی نہیں گزرے تھے کہ فیس بک پر یہ مقابلہ منعقد کروانے والی ملعون گستاخ کارٹونسٹ نے مسلمانوں سے معافی مانگ لی ہے۔ لیکن یہ ایک لولا لنگڑا معافی نامہ ہے یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کہ پہلے تو آپ اربوں مسلمانوں کی دل آزاری کریں اور اس کے بعد سکون سے معافی مانگ لیں، جبکہ معافی مانگتے ہوئے انہوں نے جو بات کی وہ کسی بھی طرح قابل یقین نہیں ہے۔ ان کا کہنا ہے" انکا ایسا کوئی مقابلہ منعقد کروانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا بلکہ اس کی بات کو غلط انداز میں لیا گیا اور وہ کبھی ایسی حرکت کا سوچ بھی نہیں سکتی۔" قارئین یہ بات اس لئے ناقابل یقین ہے کہ فیس بک پر دس مئی سے ہی اس مقابلے کے خلاف احتجاج شروع ہوگیا تھا، اس مقابلے کے خلاف ای میلز، اور بلاگز لکھے جارہے تھے۔ اس کے خلاف سڑکوں پر احتجاج شروع ہوچکا تھا۔ اس وقت انہوں نے اس کی وضاحت کیوں نہیں کی اس کا اس کا ایسا مقابلہ منعقد کروانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ جب فیس بک اور یو

ٹیوب پر پاکستان میں پابندی لگی اور ان کی آمدنی متاثر ہوئی تو ان کو خیال آیا کہ اب معافی مانگی جائے اس سے یہ بات صریح طور پر عیاں ہوتی ہے معافی ایک ڈھکوسلا اور ڈھونگ ہے اور صرف پاکستان میں فیس بک پر لگی پابندی کو ختم کروانے کی ایک کوشش ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ ایک افسوس ناک بات یہ بھی ہوئی ہے کہ معروف اینکر" کامران خان" لشکر کفار کے دلال بن کر سامنے آئے ہیں۔ یہاں ہم ایک بار پھر قارئین کو یہ بات بتاتے چلیں کہ ہمارا میڈیا دراصل آزاد نہیں بلکہ یہ بھی مغربی آقاؤں کے ایجنڈے پر چلتا ہے (اس حوالے سے ہم نے ہماری ویب کے مائی رپورٹ کے فورم پر ایک ویڈیو بھی پیش کی تھی جس میں معروف اینکرز اسلام آباد میں امریکی سفارتخانے میں بلیک واٹر اور امریکی سی آئی اے کے اہلکاروں کے ساتھ عیاشیوں میں مصروف ہیں) اور ان کی گائیڈ لائن کے مطابق پروگرامات ترتیب دیتا ہے اور جناب کامران خان کی تازہ ترین کوشش اس کی ایک مثال ہے۔

کامران خان نے اپنے پروگرام" آج کامران کان کے ساتھ" میں اس بات پر انتہائی افسوس کا اظہار کیا ہے کہ پاکستان میں فیس بک اور یوٹیوب پر پابندی عائد کی گئی ہے۔ ان کا یہ کہنا تھا کہ اس کارٹونسٹ نے تو معافی مانگ لی ہے اس لئے اب معاملہ ختم کردینا چاہئے ان کے مطابق یہ احتجاج کا طریقہ درست نہیں ہے بلکہ لوگوں کو چاہئے تھا کہ وہ فیس بک پر جاکر اپنا احتجاج ریکارڈ کراتے،اس کے ساتھ ساتھ ان کا یہ بھی کہنا

ہے کہ فیس بک اور یوٹیوب جیسی مفید ویب سائٹس پر پابندی سے طلبہ کا نقصان ہو رہا ہے اور اس سے لاکھوں طلبہ متاثر ہو رہے ہیں ۔ جبکہ انہوں نے اس بات پر بھی افسوس کا اظہار کیا کہ فیس بک اور یوٹیوب پر صرف پاکستان میں پابندی لگائی لگئی یے جبکہ تمام اسلامی ممالک بشمول سعودی عرب کسی بھی ملک نے ان ویب سائٹس کو بند نہیں کیا ہے" قارئین کرام ان کے زریں خیالات کا خلاصہ ہم نے آپ کے سامنے پیش کیا ہے۔

اب ہم ان کی باتوں کا جائزہ لیں تو صاف نظر آتا ہے کہ انکے تمام ہی دلائل انتہائی بودے اور ناقص ہیں لیکن نہ جانے کیوں وہ اس کے باوجود پوری قوم کے جذبات و احساست کو ٹھیس پہنچاتے ہوئے ان گستاخانہ ویب سائٹس کی حمایت کر رہے ہیں۔سب سے پہلے تو معافی کا معاملہ ہے۔یہ بات بالکل درست ہے کہ نبی مہربان صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک صرف محبت ہی محبت اور رحمت ہی رحمت ہے۔اور یہ بھی درست ہے کہ نبی مہربان صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بدترین دشمنوں کو بھی معاف کردیا لیکن اب نبی مہربان صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد بطور امتی اب ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم گستاخان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جہاد کریں۔اور ہمیں یہ اختیار نہیں ہے کہ ہم ایسے گستاخوں کو معاف کردیں نبی مہربان صبی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو انہوں نے خلافت سنبھالتے ہیں پہلا کام مسیلمہ کذاب جس نے جھوٹی نبوت کا دعویٰ کرکے شان رسالت میں گستاخی کی تھی کے خلاف لشکر کو روانہ کیا گیا اور اس کو کیفر کردار تک پہنچایا۔

دوسری بات جو انہوں نے کہی کہ احتجاج کا یہ طریقہ درست نہیں بلکہ مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ فیس بک پر جا کر اپنا احتجاج ریکارڈ کراتے۔ ان کی یہ بات بھی بالکل غلط ہے کیونکہ انہی لوگوں کے بقول سڑکوں پر احتجاج نہیں کرنا چاہیے اپنی ہی املاک کو نقصان نہیں پہنچانا چاہیے تو جب حکومت نے قوم کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے ان ویب سائٹس کو بند کیا تو کیا غلط کیا؟ پھر یہ بات کہ پاکستان میں فیس بک پر پابندی انیس مئی کی شام کو لگائی گئی ہے اور انیس مئی کی شام تک لوگ اس مقابلے کے خلاف فیس بک پر جا کر اپنا احتجاج ریکارڈ کروا رہے تھے لیکن فیس بک انتظامیہ پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا اور نہ ہی ان لوگوں نے کسی قسم کی معذرت، معافی یا مقابلے کو منسوخ کرنے کی بات کی، اس لئے کامران خان کا یہ کہنا کہ پابندی عائد کرنے کے بجائے مسلمان احتجاج کراتے بالکل غلط ہے۔

تیسری بات جو انہوں نے فرمائی کہ فیس بک اور یوٹیوب جیسی مفید ویب سائٹس پر پابندی سے طلبہ کا تعلیمی حرج ہو رہا ہے اور اس سے لاکھوں طلبہ اپنی علمی پیاس بجھاتے تھے۔ اب اس بات پر ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ ۔ جناب کامران خان آپ کس کو بیوقوف بنانے کی کوشش کر رہے ہیں، فیس بک کو میں نے بہت کم استعمال کیا لیکن جو لوگ فیس بک مستقل استعمال کرتے ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں پاکستان میں فیس بک عمومی طور پر ایک تفریحی اور ڈیٹنگ سائٹس کے طور پر استعمال ہوتی ہے یقیناً

سو فیصد لوگ اس سائٹ کو اس مقصد کے لئے نہیں استعمال کرتے لیکن اسی سے نوے فیصد لوگ اس کو صرف ڈیٹنگ سائٹ اور ایک تفریحی سائٹ کے طور پر ہی استعمال کرتے ہیں کم از کم میں نے اس سائٹ پر کوئی علمی یا ادبی مواد نہیں دیکھا۔ اسی طرح یوٹیوب کا معاملہ ہے یقیناً یوٹیوب پر اچھی اور تعلیمی ویڈیوز بھی ہوتی ہیں لیکن آپ لوگ خود بتائیں کہ کیا یوٹیوب کو ایک تعیلمی یا علمی سائٹ قرار دیا جاسکتا ہے؟ کیا یوٹیوب کو ایک ایسی سائٹ کہا جسکتا ہے جس کو آپ لوگ اپنی فیملی کے سامنے متعارف کرائیں؟ دیکھیں میں اپنی بات کی وضاحت اس طرح کرونگا کہ جو لوگ واقعتاً انٹرنیٹ کو تعلیم کے لئے استعمال کرتے ہیں تو ان کے لئے یوٹیوب پہلی چوائیس تو ہو سکتی ہے آخری چوائیس نہیں اور انٹرنیٹ پر بے شمار علمی اور تعلیمی سائٹس موجود ہیں جہاں سے کوئی بھی فرد اپنی علمی پیاس بجھا سکتا ہے اس لئے تعلیم کا بہانہ بنا کر ان گستاخان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کرنا انتہائی مکروہ اور قابل نفرت فعل ہے۔

چوتھی بات جو انھوں نے کہی کہ دیگر اسلامی ممالک میں یوٹیوب یا فیس بک پر پابندی عائد نہیں کی گئی اور سعودی عرب میں بھی یہ دونوں ویب سائٹس اوپن ہیں اور لوگ ان سے استفادہ کر رہے ہیں۔ اس حوالے سے ہم انکی خدمت میں عرض کر دیں کہ پہلی بات تو یہ پاکستان اور دیگر اسلامی ممالک میں ایک واضح فرق ہے اور وہ فرق یہ ہے کہ دنیا میں پاکستان اور اسرائیل دو ایسی ریاستیں ہیں جو مذہب کے نام پر وجود میں آئیں ہیں۔ پاکلستان اسلام کے نام پر قائنم ہوا ہے اور یہاں کی عوام کو یہ بات اچھی طرح پتہ ہے

اگرچہ گزشتہ دس سالوں سے اس حوالے سے عوام کو کنفیوز کرنے کی کوشش کی جارہی ہے لیکن عوام کا اپنے دین کے ساتھ رشتہ مضبوط ہے اور وہ ایسی کسی بھی حرکت کو پسند نہیں کرتے ہیں جو کہ دین اسلام کے منافی ہو کجا یہ کہ نبی مہربان صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی جائے۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی عرض کردیں کہ سعودی عرب یا دیگر ممالک ہمارے لئے حجت نہیں ہیں اور یہ لازمی نہیں ہے کہ اگر وہ اس معاملے ہر ہماری طرح احتجاج نہیں کررہے ہیں تو ہم بھی چپ بیٹھ جائیں۔ اور اگر ہم کامران خان صاحب کی بات مان لیں تو پھر صرف اس معاملے میں سعودی عرب کی تقلید کیوں کی جائے پھر ہر معاملے میں آپ سعودی عرب کی مثال دیں۔ سعودی عرب میں شریعت نافذ ہے جبکہ ہمارے یہاں شریعت نافذ نہیں ہے۔ سعودی عرب میں بادشاہت ہے جبکہ ہمارے یہاں جمہوریت (نام نہاد) ہے اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ان کے علم میں ہوگا وہاں میڈیا پر بھی بڑی سخت پابندی ہے اور آپ حکومت پر تنقید نہیں کرسکتے۔ (کامران خان صاحب آپ یہ بات بھی تو لوگوں کو بتائیں) پھر اگر آپ سعودی عرب کی مثال پیش کررہے ہیں تو یہ بھی عوام کو بتائیں کہ سعودی عرب میں سینما ہال کتنے ہیں؟ اگر آپ سعودی عرب کی مثال دیتے ہیں تو پھر مکمل مثال دیں عوام کو گمراہ کرنے کے لئے صرف فیس بک کی بات نہ کریں۔ اور یہ بھی آپ کے علم میں ہوگا کا سعودی عرب میں میڈیا کے ساتھ ساتھ سائبر سنسر بھی بہت سخت ہے اور جس طرح پاکستان میں فحش ویب سائٹس تک بچے بچے کی رسائی ہے تو سعودی عرب میں ایسی تمام ویب سائٹس کو

سرکاری طور پر بند کیا گیا ہے۔کیا ایمانداری کا تقاضہ یہ نہ تھا کہ اگر آپ فیس بک اور یوٹیوب پر پابندی کے معاملے میں سعودی عرب کی مثال پیش کرتے ہیں تو پھر سعودی عرب کی طرح یہاں بھی ایسی ویب سائٹس پر پابندی کی بھی بات کرتے۔

قارئین کرام ہم اپنی گفتگو کو سمیٹتے ہوئے یہی کہیں کہ وہ اس ویب سائٹ اور اس مقابلے کے ذمہ داران کے خلاف اپنا احتجاج و بائیکاٹ جاری رکھے اور نام نہاد معافی کے جال میں نہ آئے ۔اس کے ساتھ ساتھ ہم حکومت سے بھی یہ درخواست کریں گے کہ ان گستاخانہ ویب سائٹس کے ساتھ ساتھ تمام ہی قسم کی فحش ویب سائٹس کو بھی بلاک کیا جائے۔کامران خان صاحب سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ پوری قوم کی دل آزاری کرنے اور گستاخان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت پر اللہ رب العزت سے توبہ واستغفار کریں اور پوری قوم سے معافی مانگیں

ویٹ ہے یا عوام کی " واٹ " لگائی جارہی ہے؟

آج کل ملک میں جہاں سیاسی گرما گرمی اور ہلچل مچی ہوئی ہے وہیں تجارتی حلقوں میں بھی ایک ہلچل اور تشویش پائی جاتی ہے۔ اور یہ حکومت کی جانب سے ایک مجوزہ ٹیکس VAT یعنی ویلیو ایڈڈ ٹیکس یا ویٹ کے باعث ہے۔ ہم کوئی ماہر معیشت یا عالمی بینک کے نمائندے نہیں ہیں اس لئے ہمیں نہیں پتہ کہ اس کے کیا مضر اثرات ہونگے اور یہ کیسے نافذ ہوگا اور پھر عوام کو اس سے کیا نقصان ہوگا لیکن تیز رفتار میڈیا کے اس دور میں اِدھر اُدھر سے سن گن لینے اور بیسیوں لوگوں کے تبصرے سننے کے بعد ہم کچھ کچھ اس لائق ہوگئے ہیں کہ اس کے بارے میں آپ کو بتا سکیں۔ اور ویسے بھی موجودہ حکومت کا اعزاز ہے کہ آپ کو چاہے کوئی کام آتا ہو یا نہ آتا ہو، چاہے آپ کے پاس وزارت کے لئے کسی مضمون کی " ڈگری " ہو یا نہ ہو لیکن اگر آپ یہ ظاہر کردیں کہ آپ اس کام کے ماہر ہیں یا آپ کے پاس (جعلی) ڈگری ہے تو پھر آپ کے وارے نیارے ہیں۔ خیر یہ تو بات بلاوجہ کہیں اور نکل گئی۔

نہ جانے کیوں جب ہم دیکھتے ہیں کہ VAT کو ویٹ کہا جارہا ہے تو ہمیں غلط لگتا اور ہمیں لگتا ہے کہ اس کا مخفف ویٹ کے بجائے " واٹ " ہونا چاہئے۔ اللہ بھلا کرے ہمارے کامیڈین بالخصوص عمر شریف صاحب وغیرہ کا کہ ان لوگوں

نے اردو زبان میں چند ایسے الفاظ متعارف کرائے ہیں جو کہ لغت میں تو موجود نہیں ہیں لیکن ان کے معنی اور مفہوم سے پورا پاکستان اور ہندوستان واقف ہے ان میں دو الفاظ تو بہت مشہور ہیں ایک " پنگا " اور ایک " واٹ " عوامی اصطلاح میں واٹ کا مطلب ہوتا ہے بدحال کرنا، بے حال کرنا، حشر نشر کرنا، حلیہ بگاڑ دینا، ایسی تیسی کرنا اور یہ لفظ کئی جگہ استعمال ہوتا ہے کسی کی پٹائی لگا دی جائے تو کہا جاتا ہے کہ آج تو میں مار مار کر اس کی واٹ لگا دی، کسی میچ کے دوران کہا جاسکتا ہے کہ آج تو کامران اکمل نے چھکے مار مار کر بھارت کی واٹ لگا دی، یا آج ہم نے اچھو بھائی کی دعوت میں ان کے پیسوں کی واٹ لگا دی۔ اس لفظ یعنی واٹ کے معنی و مفہوم کی وضاحت کیوں ضروری ہے یہ آپ کو کالم کے آخر میں پتہ چلے گا۔

کو یکم جون سے نافذ کردیا جائے VAT ہم بات کر رہے تھے ویٹ کی۔ کہا جارہا ہے کہ سے ہمیں قرضے کی نئی قسط نہیں ملے گی اور IMF گا اور اگر یہ ٹیکس نافذ نہ کیا گیا تو عالمی سے قرضے کی نئی قسط نہیں ملے گی IMF حکومت کے ذمہ داران کو یہ پریشانی ہے کہ اگر تو ہم غریب حکومتی ارکان اپنا خرچہ کیسے چلائیں گے ؟ بے چارے وزیروں مشیروں کی تنخواہ کیسے پوری ہوگی ؟ رہے عوام تو وہ تو بس ایسے ہی چیختے چلاتے رہتے ہیں ان کی تو خیر ہے۔ وہ زیادہ سے زیادہ کیا کرلیں گے یہی نہ کہ سپریم کورٹ میں چلے جائیں گے تو جناب من حکومت نے

کے معاملے پر مان لے گی۔ ہونہہ یہ VAT پہلے سپریم کورٹ کی کونسی بات مانی ہے جو غریب عوام سمجھتے ہیں کہ حکومت کو ہلا دیں گے۔ (قارئین کرام یہ حکومت کے خیالات ہیں ہمارے نہیں)۔

کے نفاذ کے بعد ملک میں مہنگائی کا ایک اور طوفان آئے گا کیونکہ VAT کہا جارہا ہے کہ یعنی جنرل سیلز ٹیکس نافذ ہے اور وہ سولہ فیصد ہے یعنی اگر ایک GST ابھی تو ہر چیز پر چیز دکان دار کو سو روپے میں پہنچتی ہے تو وہ اس کو ایک سو سولہ روپے میں بیچتا ہے بھی ادا کرنا ہوگا اور یوں جو VAT کے بعد جنرل سیلز ٹیکس کے ساتھ ساتھ VAT لیکن چیز اس وقت ایک سو سولہ روپے کی مل رہی ہے وہ ایک سو بتیس روپے میں ملے گی۔ اب زرا سوچیں کہ ایک تو ویسے ہی ہر چیز یعنی ایک روپے والی ماچس کی ڈبیہ سے لیکر لاکھوں روپے کے الیکٹرونکس آئٹمز پر پہلے ہی سولہ فیصد ٹیکس لاگو ہے اور جب یہ ٹیکس بڑھ کر بتیس فیصد ہو جائے تو مہنگائی کا کیا عالم ہوگا۔ ہر چیز کے ریٹ ایک دم آسمان کی جانب رخ کریں گے اور پھر جس کے پاس زر ہوگا یعنی جو زردار ہوگا وہی زندگی کے مزے لوٹے گا اور عوام جو کہ پہلے ہی جسم و جان کا رشتہ بمشکل برقرار رکھتے ہوئے روکھی سوکھی کھا کر گزارہ کر رہے ہیں اس ٹیکس کے بعد وہ مزید مشکلات کا شکار ہونگے اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا

کہ اول تو غریب اپنے بچوں کو جو سرکاری اسکول میں ایک واجبی سی تعلیم دلاتا ہے، اس کا سلسلہ بھی منقطع ہوجائے گا اور لاکھوں بچے اسکول جانے سے رہ جائیں گے دوسری جانب والدین انہی بچوں کو کسی نہ کسی فیکٹری، کارخانے، گیراج، یا کسی بنگلے پر محنت مزدوری کے لئے بھیجیں گے اور اس طرح چائلڈ لیبر میں بھی اضافہ ہوجائے گا (لیکن حکمرانوں کو اس سے کیا ان کے بے نظیر فیصلوں سے کسی کے اوپر کیا گزرتی ہے ان کو اس سے کوئی مطلب نہیں ہے) گداگروں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوجائے گا اور چونکہ ہر فرد تو اپنی خودداری اور عزت نفس کو قربان کرکے ہاتھ نہیں پھیلا سکتا اس لئے کئی لوگ اپنی جانیں قربان کردیں گے اور ملک میں خودکشیوں کا رجحان بھی بڑھ جائے گا۔ اچھا یہاں ایک چیز کی وضاحت کرنا میں ضروری سمجھتا ہوں کہ تاجر طبقہ اس ٹیکس کے خلاف آواز اٹھا رہا ہے اور اس کا مؤقف ہے کہ وہ پہلے ہی سولہ فیصد سیلز ٹیکس ادا کر رہا ہے اس لئے اب دہرے ٹیکس کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کی بات بالکل درست ہے کہ ایک ٹیکس کی موجودگی میں دوسرے ٹیکس کی ضرورت نہیں ہے لیکن ان کا یہ کہنا کہ وہ جنرل سیلز ٹیکس ادا کر رہے ہیں بالکل غلط ہے۔ اس لئے کہ جنرل سیلز ٹیکس تاجر نہیں بلکہ عوام یعنی میں اور آپ اور ہم سب ادا کرتے ہیں تاجر اس میں ایک پیسہ بھی ادا نہیں کرتا۔

شائد میری بات آپ لوگوں کی سمجھ میں نہیں آئی۔ دیکھیں ہم جب مارکیٹ سے کوئی بھی چیز خریدتے ہیں تو اس کے اوپر قیمت لکھی ہوتی ہے مثلاً اگر ہم گھی کا پانچ کلو کا پیکٹ خریدنے جائیں اور اس کی قیمت کا لیبل چیک کریں تو وہ کچھ یوں ہوگا۔

قیمت 600 روپیہ

+ سیلز ٹیکس 16% 96

کل قیمت 696= روپے صرف

یعنی اس گھی کے پیکٹ کی اصل قیمت تو چھے سو روپیہ تھی لیکن تاجر نے گھی کی اس فروخت پر حکومت کو جو سیلز ٹیکس دینا تھا وہ اس نے اپنی جیب سے دینے کے بجائے ہماری جیب سے نکال لئے اور گھی کا پیکٹ ہمیں چھے سو چھیانوے روپے میں خریدنا پڑا۔ اس کا حاصل یہ ہوا کہ تاجر کو تو کوئی نقصان نہیں ہوا البتہ جو سیلز ٹیکس نافذ کیا گیا تھا وہ میں نے اور آپ نے حکومت کو ادا کیا۔ محترم بھائیوں اور بہنوں ہم ایک روپے کی جو ماچس خریدتے ہیں اس پر بھی ہم اپنی جیب سے ٹیکس ادا کرتے ہیں تاجر، صنعت کار، یا سرمایہ کار اس میں سولہ پیسے بھی ادا نہیں کرتا۔ (اور حکومت اور عوام پر رعب بھی جماتا ہے کہ میں ٹیکس ادا کرتا ہوں) اب اس چیز کو سامنے رکھیں تو پھر ہم اچھی طرح اندازہ لگا سکتے ہیں کہ VAT کے نفاذ کے بعد بھی یہی کچھ ہوگا کہ یہ سرمایہ کار و صنعت

کار و تاجر برادری کی جیب سے تو ایک پیسہ بھی نہیں جائے گا بلکہ یہ ٹیکس بھی ہمیں ہی بھرنا پڑے گا۔

ویٹ VAT ان سب باتوں کو سامنے رکھیں تو پھر آپ بھی یہیں کہیں گے کہ واقعی یہ واٹ ہے یعنی حکومت کی جانب سے عوام کی " واٹ " لگائی گئ ہے۔ VAT نہیں

نوٹ : ہم معذرت خواہ ہیں کہ اس مضمون کو ادب و مزاح کے شعبے میں پیش کر رہے ہیں حالانکہ اس میں ہمارے حساب سے کوئی ادبی بات نہیں ہے بلکہ یہ طنز و مزاح کی ایک کوشش ہے لیکن چونکہ طنز و مزاح کا کوئی الگ شعبہ نہیں ہے اس لئے اس کو ادب و مزاح کے زمرے میں پیش کرنا پڑا۔ امید ہے کہ اس مضمون کے بعد ہماری ویب کے منتظمین طنز و مزاح کو الگ کردیں گے اور ادب کا ایک الگ شعبہ قائم کریں گے۔

فیس بک یا مائی پیج؟ اصل امتحان اب ہے

ہماری ویب کا مائی پیج اگرچہ فیس بک پر گستاخانہ مقابلے سے کافی پہلے بنایا گیا تھا لیکن اس کو اصل پذیرائی فیس بک پر پابندی کے بعد ملی اور بیس مئی کے بعد مائی پیج کے ممبران کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ اس پذیرائی کی کئی وجوہات ہیں سب سے پہلے تو ہماری قوم اور بالخصوص نوجوان نسل کی نبی مہربان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا جذبہ جس نے عوام کو مائی پیج کی جانب راغب کیا، اس کے ساتھ ساتھ ہماری ویب انتظامیہ کا مائی پیج میں نت نئی چیزوں کا اضافہ کرنا مثلاً میسجز اور چیٹ کا اضافہ اور مزید بہتری کی کوشش کرنا اور یہ زیادتی ہوگی اگر میں اس سلسلے میں سب سے بڑی کوشش کو نظر انداز کردوں میرا مطلب ہے کہ اس حوالے سے ہماری ویب کے ایک لکھاری ساتھی محترم عشرت اقبال وارثی صاحب نے جو کام کیا ہے (یعنی مائی پیج کے بارے میں لوگوں کو آگاہ کرنا اور مائی پیج اور فیس بک کا تقابلی جائزہ پیش کرنا) وہ انتہائی لائق تحسین ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ دراصل یہی سب سے اہم کام ہے کیوں کہ اگر انتظامیہ مائی پیج کو کتنا ہی اپ گریڈ کرلے لیکن جب تک لوگوں کو اس جانب متوجہ نہ کیا جاتا تو یہ کامیابی جو اس وقت حاصل ہوئی ہے یہ بہت دیر میں حاصل ہوتی۔ اس لئے میں اس فورم پر جناب عشرت اقبال وارثی صاحب کو مبارکباد پیش کرنا

چاہونگا۔ یہاں یہ بات غور کرنے کی ہے کہ محترم عشرت اقبال وارثی صاحب نے یہ آرٹیکلز یا مضامین کسی لالچ کے بغیر محض حب نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بنیاد پر لکھے ہیں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس کاوش کو قبول کرے اور یہ نیکی آخرت میں ان کے کام آئے، آمین۔

قارئین کرام گزشتہ روز میں نے اپنے ایک ساتھی کو مائی پیج کی جانب متوجہ کیا اور ان کو مائی پیج کا وزٹ کرایا تو وہ متاثر ہوئے لیکن ان کی ایک بات جو کہ سولہ آنے درست ہے اس نے مجھے مجبور کیا کہ میں اس موضوع پر قلم اٹھاؤں۔ انہوں نے مائی پیج کو پسند کیا اور جب میں نے کہا کہ مائی پیج کے ممبران کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے تو انہوں نے فوراً کہا سلیم بھائی یہ سب اکتیس مئی تک ہے جیسے ہی فیس بک پر سے پابندی ہٹے گی لوگ ایک بار پھر فیس بک کی جانب چلے جائیں گے۔ محترم بھائیوں اور بہنوں دراصل یہی ہمارا امتحان ہے کیوں کہ یہ ایک فطری بات ہے کہ جب ہماری کوئی پسندیدہ چیز دستیاب نہیں ہوتی ہے تو ہم اس کے متبادل کے طور پر کسی دوسری چیز کو پسند کر لیتے ہیں اور وہ چیز ہمیں اچھی بھی لگتی ہے لیکن اصل امتحان تو یہ ہے کہ جب ہماری پسندیدہ چیز بھی دستیاب ہو اور اس کے مقابلے کی دوسری چیز بھی مارکیٹ میں دستیاب ہو تو پھر اس صورتحال میں کسی ایک چیز کا انتخاب کرنا۔

فیس بک پر سے اکتیس مئی کو پابندی ہٹادی جائے گی اور یہ شیطانی چکر ایک بار پھر شروع ہو جائے گا۔ اس کے ساتھ ساتھ مائی پیج بھی آپ لوگوں کے سامنے ہے۔ فیصلہ ہم نے خود کرنا ہے کہ ہم نے ایک بار پھر فیس بک کی جانب جانا ہے اور اس کو پذیرائی بخشنی ہے یا مائی پیج جو کہ خالصتاً ہمارے اپنے لوگوں کی ایک کاوش ہے۔ ایک مکمل پاکستانی سوشل نیٹ ورکنگ سائٹ جس کو کسی بھی لحاظ سے کسی بھی مغربی سائٹ سے کم نہیں کہا جاسکتا ہے۔ اب اگر ہم ایک بار پھر فیس بک کو پذیرائی دیتے ہیں تو ہمارے وزٹ کے باعث اس کی ریٹنگ میں اضافہ ہوگا جس کی بنیاد پر اس کو اشتہارات ملیں گے اور ان اشتہارات کی کمائی کو وہ ہمارے ہی لوگوں کے خلاف استعمال کرے گا۔ جب فیس بک انتظامیہ یہ دیکھے گی کہ ایک بار پھر ہم نے اسے پذیرائی دی ہے تو کچھ بعید نہیں کہ مستقبل میں وہ ایک بار پھر ایسی گستاخی کرے کیونکہ یہ لوگ باز آنے والے نہیں تاوقتیکہ ان کو ان کی زبان میں سمجھا دیا جائے اور یاد رکھیں کہ یہودی دو چیزوں سے بہت ڈرتا ہے ایک موت سے اور دوسرا اپنے مالی نقصان سے۔ فیس بک پر پاکستان میں پابندی سے اس کو لاکھوں ڈالر کا نقصان پہنچتا رہا ہے اسی لئے وہ مختلف حیلوں بہانوں سے ہمیں اس جانب راغب کرنے کی کوشش کرتا رہا ہے کبھی معافی کے نام پر اور کبھی غیر جانبداری کے نام پر لیکن ہم یہ فیصلہ کرلیں کہ اب فیس بک کو استعمال نہیں کرنا۔

دوسری جانب مائی پیج ہے جو کہ مکمل پاکستانی ویب سائٹ ہے اور ایک متوازن ویب سائٹ ہے یہ ایک ایسی ویب سائٹ ہے کہ جس کو آپ فیملی ویب سائٹ کہہ سکتے ہیں۔ اس ویب سائٹ نے کچھ ہی عرصے میں پاکستانی کی سب سے زیادہ وزٹ کی جانے والی ویب سائٹ درجہ حاصل کرلیا ہے۔ مائی پیج بھی اسی ویب سائٹ کی ایک کاوش ہے اب یہ ہمارا کام ہے ہم اس کو پذیرائی دیں اور اس کو کامیاب کریں کیوں کہ اس کی کامیابی ہی فیس بک یا ٹوئیٹر کی ناکامی ہوگی۔ فیس بک پر اکتیس مئی کو پابندی ختم ہوجائے گی فیس بک کی سروس ایک بار پھر پاکستان میں شروع ہوجائے گی۔ اب فیصلہ ہمارے ہاتھ میں ہے فیس بک یا مائی پیج۔

برطانیہ: ممبران پارلیمنٹ پبلک بس میں سفر کریں گے

ہمارے ملک میں جب بھی بجٹ آنے لگتا ہے تو عوام کے دلوں کی دھڑکن بے قابو ہونے لگتی ہے، ان کو وسوسوں کے ناگ ڈسنے لگتے ہیں کہ پتہ نہیں اس بجٹ میں ہمارے اوپر کیا بجلی گرائی جائے گی۔ ہر حکومت اپنے پیش کئے ہوئے بجٹ کو عوام دوست کہتی ہے۔ (ویسے وہ بھی درست ہی کہتی ہے کیوں کہ اربوں پتی لوگوں کے لئے لکھ پتی لوگ بھی عوام ہوتے ہیں اور ہر بجٹ لکھ پتی لوگ ہی برداشت کرپاتے ہیں آٹھ دس ہزار روپے ماہانہ کمانے والے تو بجٹ کے نام سے ہی دہل جاتے ہیں) پچھلے سال میں ایک بجٹ آتا تھا پھر میاں نواز شریف صاحب کے دور میں منی بجٹ کی بدعت شروع ہوئی اور سال میں دو بجٹ آنے لگے لیکن اب سال میں بارہ مہینے بجٹ آتا ہے، ہر پندرہ دن بعد پیٹرولیم مصنوعات کی قیمتیں بڑھائی جاتی ہیں۔ سال کے کسی بھی مہینے میں کوئی بھی نیا ٹیکس لگا دیا جاتا ہے اور ستم تو یہ ہے کہ اگر کسی ٹیکس کا اعلان یکم مئی 2010 کو کیا جاتا ہے تو اس کو نافذ العمل جنوری 2010 سے کیا جاتا ہے اور گزشتہ مہینوں پر بھی ٹیکس لاگوں کرکے اس کو واجبات میں ظاہر کرکے عوام کی جیب سے وہ رقم بھی لوٹی جاتی ہے۔

ہماری ہر حکومت ہر سال بجٹ کے موقع پر دو کام بڑے خشوع و خضوع سے سرانجام دیتی ہے ایک عوام پر نئے ٹیکس لگانا اور ان کو کسی بھی چیز پر حاصل برائے

نام سبسڈی کو بجٹ خسارے کے نام پر ختم کرنا اور دوسرا منتخب نمائندوں کی تنخواہوں اور مراعات میں اضافہ کرنا اور وہ جو برائے نام ٹیکس وغیرہ ادا کرتے ہیں ان میں چھوٹ دینا یا ارکان اسمبلی کو ان سے مستثنیٰ قرار دینا۔

ایک بار پھر بجٹ آ رہا ہے اور عوام ایک بار پھر منتظر ہیں کہ دیکھیں اس دفعہ ہمارے اوپر کونسی بجلی گرائی جاتی ہے۔ قارئین ہمارے حکمران ہمیں مختلف ملکوں کی مثالیں دیتے ہیں کہ فلاں ملک میں مہنگائی ہم سے زیادہ ہے۔ فلاں ملک میں بجلی ہم سے زیادہ مہنگی ہے۔ فلاں ملک میں بیروزگاری ہم سے زیادہ ہے۔ اس طریقے سے حکمران طبقہ عوام پر یہ احسان جتلاتا ہے کہ میاں شکر کرو اگر ہم بھی فلاں فلاں ملک کی طرح مہنگائی کر دیں تو تم کہیں کے نہ رہو گے۔ آج ہم بھی ایک گستاخی کرتے ہوئے حکمرانوں کو بھی ایک دوسرے ملک کی مثال پیش کرتے ہیں اور یہ ملک ہمارے لیے کوئی اجنبی ملک نہیں ہے بلکہ یہ ہمارا سابق آقا برطانیہ ہے (ہمارا تو یہ سابق آقا ہے لیکن مقتدر طبقہ کا آقا ہمیشہ یہ مغربی ملک ہی رہے ہیں)۔ برطانیہ میں حالیہ عام انتخابات کے بعد ایک مخلوط حکومت قائم ہوئی اور اس مخلوط حکومت نے رواں ماہ اپنا بجٹ پیش کیا ہے۔ اور اس بجٹ میں انہوں نے کئی ایسے اقدامات کئے ہیں جن کو انقلابی کہا جاسکتا ہے اور ہمارے حکمرانوں کے لئے یہ ایک آئینہ ہے وہ اس میں اپنا چہرہ دیکھ لیں کی عوامی حکومت اور حقیقی جمہوریت کیا ہوتی ہے۔؟

سب سے پہلی بات کہ وہاں وزیر اعظم کی سیکورٹی کے لئے کوئی لمبا چوڑا قافلہ نہیں ہوتا اور نہ ہی وزیر اعظم صاحب کے کہیں سے گزرنے کے لئے گھنٹوں پہلے سڑکیں بند کردی جاتی ہیں بلکہ وہاں وزیر اعظم کے پروٹوکول کے لئے تین موٹر سائیکلیں ہوتی ہیں ایک موٹر سائیکل ان کی گاڑی کے آگے جاری ہوتی ہے اور اس کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ وزرا اعظم کی گاڑی کے راستے کو کلیئیر کرنا تاکہ وزیر اعظم کی گاڑی کا کہیں ایکسیڈنٹ نہ ہوجائے اور دو موٹر سائیکلیں انکی گاڑی کے دائیں بائیں چلتی ہیں تاکہ دیگر گاڑیاں وزیر اعظم کی گاڑی سے نہ ٹکرا جائیں۔ ان موٹر سائیکلوں پر کوئی کمانڈو وغیرہ نہیں ہوتے بلکہ فقط ایک ٹریفک پولیس کا افسر ہوتا ہے جو کہ بائیکل چلا رہا ہوتا ہے اور بس یہ ہوتا ہے وہاں وزیر اعظم کا پروٹوکول۔

اب بات کرتے ہیں وہاں کے بجٹ کی! وہاں کی نو منتخب حکومت نے جو نیا بجٹ پیش کیا ہے اس کی جھلک ہم یہاں پیش کرتے ہیں۔ وہاں کی وزارت خزانہ نے ملک کے خسارے کو کم کرنے کے لئے نئے ٹیکسز کے بجائے بجٹ میں چھ ارب پونڈ کی کٹوتیاں کیں ہیں اور یہ کٹوتیاں بھی عوامی سہولیات یا سبسڈی کو ختم کرنے کے بجائے زیادہ تر حکومتی مشیروں اور غیر ترقیاتی اخراجات میں کمی کرکے کی ہے۔ ان کی بجٹ کٹوتیوں کے مطابق اب وزارء کو کاریں اور ڈرائیور رکھنے کی

اجازت نہیں ہوگی۔ وزارء کو جہاں جانا ہوگا وہ اس کے لئے پبلک بس میں سفر کریں یا پیدل جائیں۔ اسی طرح وزرا کو فضائی سفر کی صورت میں فرسٹ کلاس کے بجائے اکانومی کلاس میں سفر کرنا ہوگا اس سے وہاں کے بجٹ میں پیتالیس ملین پونڈ کی بچت ہوگی۔ جبکہ سرکاری ملازموں سے کہا گیا ہے کہ وہ فضائی سفر سے گریز کریں تاکہ ملکی خزانے پر بوجھ کم ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ غیر ضروری سرکاری بھرتیوں کو روک کر بجٹ میں سات سو ملین پونڈ کی بچت کی جائے گی۔

یہ تو بجٹ کی بات تھی اس کے اگلے روز ملکہ برطانیہ نے بھی ایک اصلاحاتی بل پیش کیا ہے جس کو پارلیمنٹ میں بحث کے لئے پیش کیا جائے گا انہوں نے بائیس اصلاحات پیش کی ہیں جن میں سے چند کا ذکر ہم یہاں کریں گے۔ ملکہ برطانیہ کی پیش کردہ اصلاحات کے مطابق بیوروکریسی کے غیر ضروری اخراجات میں کمی کرکے سالانہ ایک ارب پونڈ کی بچت کی جائے، جبکہ ایک اہم تجویز یہ پیش کی گئی ہے کہ وزیر بننے کے لئے ڈالے گئے ووٹوں کا پچاس فیصد حاصل کرنا لازمی ہے اس کے بغیر کوئی رکن پارلیمنٹ وزیر نہیں بن سکے گا۔ جبکہ یہ تجویز بھی پیش کی گئی ہے کہ ووٹروں کو یہ اختیار حاصل ہوگا کہ وہ کسی سنگین غلطی پر اپنے وزیر یا رکن پارلیمنٹ کو ہٹا سکیں اور اس کے لئے سادہ سے طریقہ کار یہ ہے کہ کسی بھی حلقے کے دس فیصد ووٹر اگر ایک پیٹیشن پر دستخط کرکے اس ممبر پر اظہار عدم اعتماد کریں تو اس ممبر کی رکینت ختم کرکے وہاں ضمنی انتخابات کرائے

جائیں گے یعنی عوام کے ووٹوں سے منتخب ہونے والا اگر اچھی کارکردگی نہ دکھائے تو اس ممبر کو عوام خود ہی برطرف کر سکیں گے۔

قارئین کرام یہ ایک جھلک تھی کہ اچھی جمہوریت اور عوامی حکومت کیا ہوتی ہے۔ اچھی جمہوریت اور عوامی حکومت میں ہمیشہ عوام کی بھلائی کی بات کی جاتی ہے نہ کہ عوام سے تن سے کپڑا اور منہ سے نوالہ چھینا جاتا ہے۔ برطانیہ کے بجٹ اور وہاں کی اصلاحات کو سامنے رکھیں تو ہمارا سر شرم سے جھک جاتا ہے۔ ہم مغربی معاشرے کی ہر برائی، ہر خرابی کو تو فوراً اپنا لیتے ہیں لیکن نہ جانے کیوں وہاں کی اچھی چیزوں کو اپناتے ہوئے ہمارے حکمرانوں کو خوف آتا ہے۔ ہمارے ملک کا وزیر اعظم تو دور کی بات ہے ایک عام وزیر یا رکن پارلیمنٹ بھی کم از کم آٹھ دس گاڑیوں کے قافلے کے بغیر سفر نہیں کرتا، اور صدر اور وزیر اعظم کے پروٹوکول کے لئے پچاس سے ستر گاڑیاں مختص ہوتی ہیں اور ان سب چیزوں کے اخراجات عوام سے وصول کیئے جاتے ہیں۔ حکمران اپنی عیاشی کے لئے غیر ملکی بینکوں اور دیگر ممالک سے قرض لیتے ہیں اور ان قرضوں کی ادائیگی عوام کو ٹیکسوں کی صورت میں بھگتنا پڑتی ہے۔ یہاں یہ بات بھی بتاتا چلوں کہ گزشتہ پندرہ سالوں میں صرف دو دفعہ ایسا ہوا ہے حکمرانوں نے اپنے اخراجات کو کنٹرول کیا ہے۔ ایک دفعہ اس وقت جب ملک معراج صاحب عبوری وزیر اعظم بنے اور انہوں نے اپنا یہ دور انتہائی سادگی کے ساتھ مکمل کیا اور دوسری بار اس

وقت جب ۲۰۰۲ میں صوبہ خیبر پختونخواہ اور اس وقت صوبہ سرحد میں ایم ایم اے کی حکومت قائم ہوئی تو انھوں نے اپنے بجٹ میں وزراء کی تنخواہوں میں دو ہزار ماہانہ کی کمی کا اعلان کیا اور سب سے پہلے سینئر وزیر سراج الحق نے اپنی تنخواہ میں چار ہزار کی کمی کا اعلان کیا اور اس کے بعد تمام ممبران کی تنخواہ میں دو ہزار روپے ماہانہ کی کمی کا اعلان کیا گیا۔ اس کے علاوہ کوئی ایسی مثال ہمیں نہیں ملتی کہ ممبران نے اپنی مراعات کو کم کیا ہو یا اپنی تنخواہ کو کم کیا ہو۔ اب ایک بار پھر بجٹ کی آمد آمد ہے اور دیکھنا ہے کہ اس بار عوام پر کیا بجلی گرائی جاتی ہے۔

مزار قائد کو کسی دوسرے شہر پہنچادو

سر جان ہارورڈ ہوٹل (عالمی سطح پر مشہور و معروف ماہر آثار قدیمہ) جب انتظار گاہ میں داخل ہوئے تو ان کے چہرے سے تھکن کے آثار ظاہر تھے، انہوں نے آتے ہی کہا " میں معذرت چاہتا ہوں کہ آپ کو انتظار کی زحمت اٹھانا پڑی لیکن میں ابھی ابھی موئن جو دڑو سے کراچی پہنچا ہوں "۔

ہوٹل کے ویٹنگ روم میں صحافی، پریس فوٹو گرافر، نجی ٹی وی چینلز کے نمائندے، یونیورسٹی کے طلبہ اور بڑی تعداد میں بیوروکریسی کے افسران اور سرکاری اہلکار موجود تھے۔ ایک صحافی نے سر جان ہارورڈ سے پوچھا " موئن جو دڑو کی زمین کو ایک عرصے سے سیم (سیم و تھور) کھا رہا ہے۔۔۔۔۔" یہ ایک سیاسی سوال ہے سر جان ہارورڈ نے صحافی کی بات کاٹتے ہوئے کہا " میں اس کا جواب نہیں دے سکتا "۔

یونیورسٹی کے ایک طالبعلم نے ان کو مخاطب کرکے کہا " موئن جو دڑو کے قدیم کھنڈرات کو بچانے کے لئے آپ کیا کر رہے ہیں ؟" یہ سوال آپ اپنی حکومت سے پوچھیں " انہوں نے سرکاری اہلکاروں کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

ایک ٹھگنا، بھدا اور نہایت بے ڈول شخص طلبہ، صحافیوں اور ٹی وی چینلز کے نمائندوں کو دھکیلتا اور تقریباً روندتا ہوا آگے آیا اور ٹوٹی پھوٹی اور انگریزوں کی روح کو عذاب دیتی ہوئی انگریزی میں اس نے سر جان ہارورڈ کو اپنا تعارف کرایا" میں یہاں کا سب سے بڑا اور کامیاب ڈرامہ پروڈیوسر ہوں" میں معذرت چاہتا ہوں مسٹر پروڈیوسر۔۔ سر جان ہارورڈ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا" لیکن ہم نے حکومت کو سختی سے کہا ہے کہ موئن جو دڑو میں کسی قسم کے ڈرامے یا فلموں کی شوٹنگ نہ ہونے دیں" " مجھے موئن جوڈرو سے کوئی دلچسپی نہیں ہے" بے ڈول شخص نے تیز لہجے میں جواب دیا" کھنڈرات کی شوٹنگ کرکے مجھے اپنے پیسے حرام نہیں کرنے ہیں"۔

توپھر تم کیا چاہتے ہو؟" سر جان ہارورڈ نے حیرت سے پوچھا"

کچھ عرصہ پیشتر میں مصر میں ایک فرعونِ مصر کی قدیم عبادت گاہ اور مقبرے کو پانی سے بچانے کے لئے بنیادوں سمیت اکھیڑ کر اس کے اصل مقام سے اٹھا کر ایک دوسری اور محفوظ جگہ پہنچایا گیا تھا بے ڈول اور بھدے پروڈیوسر نے کہا ہمیں تم سے ایسا ہی ایک کام کرانا ہے!

" سرجان هارورڈ نے استعجاب سے پوچھا" تم مجھ سے کیا کرانا چاہتے ہو؟

ہر سال 14 اگست، 25 دسمبر، 11 ستمبر، 23 مارچ، 28 مئی کو اور ان دنوں کے علاوہ عام دنوں میں بھی ملک بھر سے سرکاری اہلکار، وزیراعظم۔ صدر مملکت، وزرائے اعلیٰ، اور وزیر داخلہ و وزیر خارجہ مزار قائد پر حاضری دینے آتے ہیں۔ ان کے آنے سے ٹریفک گھنٹوں بند ہوجاتا ہے، شہر میں کوئی کام نہیں ہو پاتا ہے، سارے شہر کی پولیس اور انتظامیہ ان کے استقبال اور حفاظت میں لگ جاتی ہے، پورا شہر غیر محفوظ ہوجاتا ہے۔ جبکہ ٹریفک جام ہونے کے باعث ایمبیولینس میں مریض دم توڑ دیتے ہیں اور رکشوں اور ٹیکسیوں میں بچے پیدا ہوتے ہیں" بھدے اور بے ڈول پرڈیوسر نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا" ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ مزار قائد کو یہاں سے بنیادوں سمیت اکھیڑ کر کسی دور دراز اور کم آبادی والے شہر میں منتقل کردیں، تم اس سلسلے میں ہماری کیا مدد کرسکتے ہو؟

اور سرجان ہارورڈ اس کی شکل دیکھتے رہ گئے

مرکزی خیال سندھی ادب سے ماخوذ ہے

کیا بے غیرتی کی کوئی حد ہوتی ہے؟

کیا بے غیرتی کی کوئی حد ہوتی ہے؟ یہ میرا سوال ہے اور آپ اس سوال کا جواب سوچیں جب تک میں کچھ باتیں آپ سے شئیر کرلوں، سوال کا جواب مضمون کے آخر میں دونگا۔ بات کرتے ہیں موجودہ حکومت کی موجودہ حکومت کی کیا بات کی جائے، اس حکومت میں ایک سے بڑھ کر ایک نگینہ ایک سے بڑھ کر ایک ہیرا پڑا ہوا ہے جو کہ آئے دن اپنی قابلیت اور عقل کا مظاہرہ عوام کے سامنے کرتے رہتے ہیں اور جس کی ایک مثال محترمہ فوزیہ وہاب صاحبہ کا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان تھا۔ اب ان نگینوں میں سے ایک اور نگینہ محترمہ عابدہ حسین صاحبہ نے بھی اپنے شیریں لب کھولے ہیں اور نئی گوہر افشانی کی ہے۔ آپ بھی ان کا تازہ ترین بیان سنیے۔ محترمہ ایک فرمایا ہے کہ " جب فاٹا میں ڈرون حملے ہو سکتے ہیں تو پھر ہم سب ایک ہی قوم ہیں اس لئے جنوبی پنجاب میں ڈرون حملے کیوں نہیں ہو سکتے۔ ان کا کہنا تھا کہ پنجاب میں بھی ڈرون حملے ہونے چاہئیں"۔

قارئین کرام جب یہ بیان میری نظر سے گزرا تو مجھے خیال آیا کہ یہ کس قسم کے لوگ ہیں جو اپنے ملک کے ایک حصے میں غیر ملکی حملے بند کروانے یا رکوانے کے بجائے اس کو جواز بنا کر ملک کے دوسرے حصوں میں بھی غیر ملکی حملوں کی

خواہش ظاہر کر رہے ہیں۔ اصولی طور پر تو جب وہ ڈرون حملوں کی حمایت کرتی ہیں تو ان کو موجودہ حکومت میں رہنے کا کوئی جواز نہیں ہے کیونکہ ملک میں امن و امان قائم کرنا، تخریب کاری و دہشت گردی کو ختم کرنا اور عوام کی جان و مال کا تحفظ کرنا تو حکمرانوں کی ذمہ داری ہوتی ہے نا کہ کسی دوسرے ملک کی کہ وہ ہمارے ملک میں مداخلت بے جا کا مرتکب ہو۔ اور اگر کوئی حکومت اس لائق نہیں کہ وہ عوام کی جان و مال کا تحفظ کر سکے تو اس کو اقتدار چھوڑ دینا چاہیے۔ لیکن جب ضمیر مردہ ہو جائیں، تو پھر ایسا ہی ہوتا ہے۔

اب اگر ان کے بیان کا تجزیہ کیا جائے تو اس میں کئی اہم باتیں ہیں اول تو یہ کہ جب انہوں نے فاٹا پر ڈرون حملوں کو جواز بنا کر پنجاب میں ڈرون حملوں کی بات کی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ محترمہ نے یہ مان لیا کہ فاٹا میں ڈرون حملوں میں صرف دہشت گرد مارے جا رہے ہیں جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ امریکی ڈرون حملوں میں بے گناہ لوگ مارے جا رہے ہیں اور پرویز مشرف کے دور سے یہ سلسلہ جاری ہے۔ مشرف کے دور میں باجوڑ میں ایک مدرسہ پر میزائل مارے گئے اور اس میں دو درجن کے قریب بے گناہ طلبہ مارے گئے، اس کاروائی کا جواز یہ دیا گیا کہ سیٹلائٹ کے ذریعے انہوں دیکھا کہ رات کو دہشت گرد اٹھ کر دہشت گردی کی مشق کرنے کی تیاری کر رہے ہیں جبکہ حقیقت میں مدرسے کے معصوم طلبہ نماز تہجد کی تیاری کر رہے تھے کہ اس دوران ان پر قیامت گزر گئی اور اس

حملے میں شہید ہونے والے طلبہ کی عمریں دس سے سولہ سال کے درمیان تھیں۔ اسی طرح گزشتہ سال ایک بارات پر ڈرون طیارے کے ذریعے میزائل داغے گئے اور اس میں بے گناہ عورتیں اور بچے شہید ہوئے۔ سن دو ہزار آٹھ میں امریکی کمانڈوز نے باقاعدہ پاکستانی حدود میں داخل ہو کر گھروں میں گھس کر ہمارے لوگوں کو شہید کیا جبکہ وہ لوگ اپنے گھروں میں سو رہے تھے۔ اسی طرح اسی سال ماہ اپریل میں ایک مسجد میں ڈرون حملے میں چالیس بے گناہ لوگ شہید ہو گئے ہمارے میڈیا اور امریکہ نے دعویٰ کیا کہ مرنے والے سارے کے سارے دہشت گرد تھے لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ مرنے والے تمام افراد کا تعلق نہ تو کسی سیاسی جماعت سے تھا نہ کسی کالعدم تنظیم سے ان کا تعلق تھا اور نہ ہی وہ وہاں لوگوں کو جہاد کے لئے تیار کر رہے تھے بلکہ ان تمام افراد کا تعلق " تبلیغی جماعت " سے تھا (اور سب جانتے ہیں کہ تبلیغی جماعت کا کسی سیاسی و غیر سیاسی تنظیم سے کوئی تعلق نہیں ہوتا اور وہ لوگ جہاد کے بجائے سہ روزہ اور چلے کے ذریعے تزکیہ نفس پر زور دیتے ہیں) لیکن محترمہ عابدہ حسین صاحبہ نے اپنے ایک بیان کے ذریعے امریکہ کی تمام بدمعاشی اور قتل عام کو سند جواز دیدیا اور مرنے والے تمام ہی افراد کو دہشت گردوں کی لسٹ میں شامل کرلیا۔

اس کے ساتھ ساتھ دوسرے لفظوں میں انہوں نے حکومت کی ناکامی کا بھی اعتراف کیا جیسا کہ ہم نے کالم کے آغاز میں عرض کیا تھا کہ " ملک میں امن وامان

قائم کرنا، تخریب کاری و دہشت گردی کو ختم کرنا اور عوام کی جان و مال کا تحفظ کرنا تو حکمرانوں کی ذمہ داری ہوتی ہے نا کہ کسی دوسرے ملک کی کہ وہ ہمارے ملک میں مداخلت بے جا کا مرتکب ہو۔" اگر وہ سمجھتی ہیں کہ حکومت کے بجائے امریکہ دہشت گردوں کو ختم کرے تو ان کو اخلاقی طور پر اقتدار چھوڑ دینا چاہیے لیکن ! لیکن صاحبو یہ کام تو ضمیر والے کرتے ہیں درد دل رکھنے والے کرتے ہیں اعلیٰ اخلاقی اقدار کے حامل افراد کرتے ہیں ہم معذرت کے ساتھ یہ عرض کردیں کہ اگر محترمہ عابدہ حسین صاحبہ نے اقتدار چھوڑنا ہوتا تو وہ کبھی بھی مسلم لیگ چھوڑ کر پی پی پی میں شامل نہیں ہوتیں، خیر یہاں ہم پارٹی تبدیلی کے حوالے سے کوئی بات نہیں کریں گے کیونکہ عین ممکن ہے کل پی پی پی کی حکومت ختم ہونے کے بعد محترمہ ایک بار پھر مسلم لیگ جوائن کرنے کی کوشش کریں اور میاں صاحب انہیں بسر و چشم نہ صرف قبول کریں گے بلکہ ان کو کسی نہ کسی حلقہ سے انتخابات لڑنے کے لئے پارٹی ٹکٹ بھی دیدیں گے (یہاں سب کا یہی حال ہے)۔

تو قارئین مضمون کے آغاز میں ہم نے سوال کیا تھا کہ کیا بے غیرتی کی کوئی حد ہوتی ہے؟ اب یہ سوال سامنے رکھیں، میری مندرجہ بالا باتیں بھی سامنے رکھیں تو جواب مل جائے گا اور جواب یہ ہے کہ غیرت کی تو حد ہوتی ہے لیکن بے غیرتی کی کوئی حد نہیں ہوتی، عزت کی تو ایک حد ہوتی ہے لیکن ذلت کی کوئی حد

نہیں ہوتی ہے۔ بلندی کی تو ایک حد ہو سکتی ہے لیکن پستی کی کوئی حد نہیں ہوتی اور جب کوئی انسان یا گروہ یا قوم ایک بار ذلت کے ساتھ سمجھوتہ کر لے، بے غیرتی کے ساتھ جینا شروع کر دے اور پستی کے سفر کا آغاز ہو جائے تو پھر اس کی کوئی انتہا نہیں ہوتی ہے اور مثال آپ کے سامنے ہے کہ کہاں تو امریکہ ہم سے اڈے مانگتا تھا، پھر ہمارے کمانڈو صدر نے ایک فون پر ڈھیر ہو کر ان کے مطالبات مانے یعنی ایک دفعہ ہمارے ذلت اور پستی جو سفر شروع ہوا تو ہو اس حد تک پہنچا ہے کہ اب ہمارے ارباب اقتدار امریکہ کی مداخلت کو مداخلت نہیں سمجھ رہے بلکہ اس کو جواز بنا کر مزید ایسی کاروائیوں کا موقع فراہم کر رہے ہیں اور یہ سفر ابھی ختم نہیں ہوا اگر یہ سلسلہ جاری رہا تو ہم اس سے بھی زیادہ ذلت آمیز مناظر دیکھیں گے۔

لیکن دوستوں کہا جاتا ہے کہ جیسی روح ویسے فرشتے، جیسے عوام ویسے حکمران ،اگر آج ہمارے اوپر ایسے نااہل اور بے ضمیر لوگ حاکم بن گئے تو ہمیں اللہ سے رجوع کرنا ہوگا اور اپنے گناہوں کی معافی مانگنی ہوگی اور صرف توبہ واستغفار ہی نہیں کرنا بلکہ موجودہ حالات کو بدلنے کے لئے سعی و جہد بھی کرنا ہوگی نیک اور صالح لوگوں کو منتخب کرنا ہوگا۔ یاد رکھیں اللہ بھی اس قوم کی حالت نہیں بدلتا جس کو آپ اپنی حالت کے بدلنے کا خیال نہ ہو۔

قادیانی ہمارے بھائی ہیں ! کیا واقعی ؟

قادیانیوں کی عبادت گاہ پر حملے کے بعد ایک بار پھر قادیانی میڈیا کا موضوع بن گئے ہیں۔ ان کی عبادت گاہ پر حملے کیوں کیے گئے، اصل وجوہات کیا تھیں؟ اس واقعے کا پس منظر کیا ہے؟ ہم ان باتوں پر بحث نہیں کریں گے کیوں کہ اس حوالے سے کئی لوگوں نے سیر حاصل گفتگو کی ہے اور ہماری ویب کے فورم پر بھی جناب عشرت اقبال وارثی صاحب اور محترم عبدالقدوس محمدی صاحب نے بہت اچھے مضامین لکھے ہیں اسلیے ہم اس پر بات کرکے آپ لوگوں کا وقت ضائع نہیں کریں گے البتہ ہم یہاں اس بات کی وضاحت کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ قادیانیوں کی عبادت گاہ پر حملے کے بعد کئی چینلز نے انکی عبادت گاہ کو مسجد کا نام دیا اور کہا کہ " قادیانیوں کی مسجد " پر حملہ کیا گیا ہے حالانکہ نہ تو ان کی عبادت گاہ مسجد ہے اور نہ انکی عبادت کو نماز کہا جاسکتا ہے اس لئے تمام بھائی بہنیں اس حوالے سے احتیاط برتیں۔ بہر حال اس وقت ہمارا موضوع جناب میاں محمد نواز شریف صاحب کا قادیانیوں کے حوالے سے تازہ ترین بیان ہے۔

اتوار 6 جون کو میاں صاحب کا بیان اخبارات میں شائع ہوا کہ انہوں نے قادیانیوں کی عبادت گاہ پر حملے پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ "

قادیانی اس ملک کا سرمایہ اور ہمارے بہن بھائی ہیں" وزیر اعلیٰ پنجاب میاں شہباز شریف کو ہدایت کی ہے کہ دہشت گردی کے خاتمے کو اولین ترجیح دی جائے، دہشت گرد جہاں بھی ہوں ان کے خلاف کاروائی ہونی چاہئے" قارئین کرام جہاں تک قادیانیوں کی عبادت گاہ پر حملے کا تعلق ہے تو بطور مسلمان ہم بھی اس کی مذمت کرتے ہیں اور بطور مسلم ہمارا یہ ایمان ہے کہ کسی بھی مذہب کی عبادت گاہ پر حملہ درست نہیں ہے، یہ کام جن لوگوں نے بھی کیا ہے غلط کیا ہے اور ان کو اپنے اس فعل کی قرار واقعی سزا ملنی چاہئے۔ اس کے ساتھ ساتھ میاں صاحب کی یہ بات بھی درست ہے کہ دہشت گردی کے خاتمے کو اولین ترجیح دینی چاہیے اور دہشت گرد جہاں کہیں بھی ہوں ان کے خلاف کاروائی ہونی چاہیے۔ یہ ساری باتیں درست ہیں لیکن یہ جو انہوں نے کہا ہے کہ " قادیانی ہمارے بھائی ہیں " کیا یہ بھی درست ہے؟

دیکھیں بہت سے لوگوں کے نزدیک قادیانی مسلمانوں کا ہی ایک فرقہ ہیں اور وہ اس حوالے سے بہت بڑی غلط فہمی کا شکار ہیں۔ جبکہ ملک کے عوام کی اکثریت ایسی بھی ہے جو انکو غیر مسلم تو سمجھتی ہے لیکن ان کے نزدیک جس طرح عیسائی، یہودی اور ہندو وغیرہ غیر مسلم ہیں اسی طرح قادیانی بھی غیر مسلم ہیں۔ جبکہ یہ بات بھی غلط ہے۔ دیگر غیر مسلموں اور قادیانیوں میں بھی ایک واضح فرق ہے اور وہ یہ کہ عیسائی و ہندو وغیرہ کو تو ہم واضح طور پر پہچانتے ہیں اور وہ

لوگ اپنے آپ کو عیسائی یا ہندو کے طور پر ہی متعارف کراتے ہیں جبکہ قادیانیوں کا معاملہ یہ ہے کہ وہ محض غیر مسلم نہیں ہیں بلکہ وہ امت کے غدار ہیں اور وہ اپنے آپ کو مسلم جب کہ مسلمانوں کو کافر قرار دیتے ہیں اور مسلمانوں کے درمیان رہ کر ان کے ایمان پر نقب لگاتے ہیں۔ (ان کے عقائد ے بارے میں ہم انہیں صفحات پر پہلے بھی بہت تفصیل سے بات کرچکے ہیں جن کا لنک ہم یہاں پیش کر رہے ہیں۔

توہین رسالت کا قانون، الطاف حسین اور قادیانی "

http://hamariweb.com/article.aspx?id=4612

قادیانی نواز اور قادیانی عقائد http://hamariweb.com/article.aspx?id=4762

قادیانیوں کے اسرائیل سے روابط کا ثبوت

http://hamariweb.com/article.aspx?id=4907)۔

یاد دہانی کے لئے ایک بار پھر ان کے کچھ بنیادی عقائد بیان کر دیتے ہیں تاکہ کسی کو کوئی ابہام نہ رہے۔

قادیانی مذہب کے جدامجد مرزا غلام احمد قادیانی صاحب نے پہلے تو مسلمانوں کے بنیادی عقیدے یعنی عقیدہ ختم نبوت پر ضرب لگائی، وہ فرماتے ہیں " یہ کس قدر لغو اور باطل عقیدہ ہے کہ ایسا خیال کیا جائے کہ بعد آنحضور صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کے وحی الہیٰ کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہوگیا اور آئندہ کو قیامت تک اس کی کوئی بھی امید نہی ۔ صر قصوں کی پوجا کرو، پس کیا ایسا مذہب کچھ مذہب ہو سکتا ہے جس میں براہ راست خدا تعالیٰ کا کچھ پتہ نہیں لگتا؟ " (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۸۳ بحوالہ قادیانی مسئلہ اور اس کے مذہبی، سیاسی اور سماجی پہلو از مولانا سید ابو لاعلیٰ مودودی)۔

مجھے اپنی وحی پر ایسا ہی ایمان ہے جیسا کہ تورات اور انجیل اور قرآن کریم پر "
اربعین نمبر ۴ مرزا غلام احمد صاحب صفحہ نمبر ۲۵، بحوالہ قادیانی مسئلہ اور اس کے) "
مذہبی، سیاسی اور سماجی پہلو از مولانا سید ابو لاعلیٰ مودودی)۔

میں بموجب آیت (وآخرین منھم لما یلحقو بھم) بروزی طور پر وہی خاتم النبیاء ہو اور خدا نے آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں میرا نام محمد اور احمد رکھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہی وجود قرار دیا " (ایک غلطی کا ازالہ از مراز غلام احمد)۔

اس امت میں نبی کا نام پانے کے لئے میں ہی مخصوص کیا گیا اور دوسرے تمام لوگ اس (نام کے مستحق نہیں ہیں (حقیقت الوحی ، مرزا غلام احمد ، صفحہ ۳۹۱

جب مرزا صاحب نے واضح طور پر نبوت کا اعلان کر دیا اور یہ کہہ دیا کہ وہ خاتم النبیاء ہیں (نعوذ باللہ) تو پھر اس دعوے کا لازمی نتیجہ نہ نکلنا تھا کہ اب ان کی ایک امت بھی ہو۔ اور اس امت کا کوئی نام بھی ہو اس لئے انہوں نے بڑی چالاکی سے خود کو مسلمان کہا اور مسلمانوں کو اپنے عقائد کی رو سے کافر اور جہنمی قرار دیا ملاحظہ کیجئے۔ مرزا غلام احمد صاحب کے عقیدے اور دعوے کے مطابق " جو شخص مسیح موعود کو نہیں مانتا یا ماننے کی ضرورت نہیں سمجھتا وہ بھی حقیقت میں اسلام اور غائت نبوت اور غرض رسالت سے بے خبر محض ہے اور وہ اس بات کا حق دار نہیں کہ اس کو سچا مسلمان، خدا اور اس کے رسول کا سچا تابع دار اور فرماں بردار کہہ سکیں۔۔۔۔۔۔۔ اس کے نہ ماننے والوں اور اس سے انحراف کرنے والوں کا نام فاسق رکھا ہے " (حجتہ اللہ تقریر لاہور از مرزا غلام احمد منقول از النبوت فی الاسلام، مولوی محمد علی ایم اے صفحہ ۲۱۴) ۔
" جو شخص تیری پیروی نہیں کرے گا اور تیری بیعت میں داخل نہیں ہوگا اور تیرا مخالف رہے گا وہ خدا اور رسول کی نافرمانی کرنے والا جہنمی ہے" (اشتہار معیار الاخیار از مرزا غلام احمد، ۲۵ مئی ۱۹۰۰) ۔

اب جبکہ یہ مسئلہ بالکل صاف ہے کہ مسیح موعود کے ماننے کے بغیر نجات نہیں ہو سکتی " تو کیوں خوامخواہ غیر احمدیوں کو مسلمان ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے " (کلمتہ الفضل صفحہ ۱۲۹)۔

ہر ایک شخص جو موسیٰ کو تو مانتا ہے مگر عیسیٰ کو نہیں مانتا یا عیسیٰ کو مانتا ہے مگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں مانتا یا محمد کو مانتا ہے مگر مسیح موعود کو نہیں مانتا وہ صرف کافر بلکہ پکا کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔" (کلمتہ الفضل صفحہ ۱۱۰)۔

اب یہاں تک اگر جائزہ لیں تو یہ بات سامنے آئی کہ پہلے انہوں نے نبوت کے ختم ہونے کا انکار کیا، اس کے بعد خود نبی اور مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا، اس دعوے کے نتیجے میں خود کو ایک الگ امت قرار دیا اور مرزا غلام احمد صاحب کی نبوت کو انکار کرنے والے مسلمانوں کو کافر قرار دیا۔ جب امت الگ ہو گئی اور ان کو کافر قرار دیا گیا تو اب لامحالہ یہ بھی لازمی ہو گیا کہ ان کے عقیدے کے مطابق جو کافر ہیں ان سے سماجی تعلقات میں بھی فرق آئے گا جس کی جانب مرزا صاحب نے اس طرح اشارہ کیا ہے۔

(جاری ہے)

قادیانی ہمارے بھائی ہیں ! کیا واقعی ؟ آخری حصہ

(گزشتہ سے پیوستہ) اب یہاں تک اگر جائزہ لیں تو یہ بات سامنے آئی کہ پہلے انہوں نے نبوت کے ختم ہونے کا انکار کیا، اس کے بعد خود نبی اور مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا، اس دعوے کے نتیجے میں خود کو ایک الگ امت قرار دیا اور مرزا غلام احمد صاحب کی نبوت کو انکار کرنے والے مسلمانوں کو کافر قرار دیا۔ جب امت الگ ہو گئی اور ان کو کافر قرار دیا گیا تو اب لامحالہ یہ بھی لازمی ہوگیا کہ ان کے عقیدے کے مطابق جو کافر ہیں ان سے سماجی تعلقات میں بھی فرق آئے گا جس کی جانب مرزا صاحب نے اس طرح اشارہ کیا ہے۔

اس کے بعد حضرت مسیح موعود نے صاف حکم دیدیا کہ غیر احمدیوں کے ساتھ ہمارے تعلقات ،ان کی غمی اور شادی کے معاملات نہ ہوں۔ جب ان کے غم میں ہم نے شامل ہی نہیں ہونا تو پھر جنازہ کیسا (الفضل ۱۴ دسمبر ۹۲۰)

یہ اعلان بغرض آگاہی عام شائع کیا جاتا ہے کہ احمدی لڑکیوں کے نکاح غیر احمدیوں سے کرنے ناجائز ہیں۔ آئندہ احتیاط کی جائے (اعلان ناظر امور عامہ، قادیان الفضل ۱۴ فروری ۱۹۳۳)

حضور مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ غیر احمدیوں کی لڑکی لینے میں کوئی حرج نہیں ہے (کیونکہ اہل کتاب عورتوں سے بھی نکاح جائز ہے (الفضل ۱۶ دسمبر ۱۹۲۰

میرا یہ عقیدہ ہے کہ جو لوگ غیر احمدیوں کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں ان کا جنازہ جائز نہیں۔ کیونکہ میرے نزدیک وہ احمدی نہیں، اسی طرح جو لوگ غیر احمدیوں کو لڑکی دے دیں اور وہ اپنے اس فعل سے توبہ کئے بغیر فوت ہو جائیں، ان کا جنازہ بھی جائز نہیں (مرزا بشیر الدین محمود کا خط، الفضل ۱۳ اپریل ۱۹۲۶)

حضرت مرزا صاحب نے اپنے بیٹے (مرزا فضل احمد مرحوم) کا جنازہ محض اس لئے نہیں (پڑھا کہ وہ غیر احمدی تھا (الفضل ۱۵ دسمبر ۱۹۲۱

قارئین محترم قادیانی مذہب کے یہ چیدہ چیدہ عقائد ہم نے آپ کے سامنے بیان کئے ہیں ان کی روشنی میں یہ اچھی طرح دیکھا جا سکتا ہے کہ آیا قادیانی واقعی مسلمانوں کا ایک گروہ اور فرقہ ہے یا مسلمانوں کے ایمان پر نقب لگانے والے امت مسلمہ کے غداروں اور مرتدوں کا گروہ ہے۔ ان عقائد کے بعد کیا ہم میں سے کوئی ان کو اپنا بھائی اور بہن کہہ سکتا ہے؟ ہم سمجھتے ہیں کہ میاں نواز

شریف صاحب نے یہ بات کہہ کر انتہائی غیر ذمہ داری کا ثبوت دیا ہے اور محض سیاسی پوائنٹ اسکورنگ کے لئے انہوں نے یہ حرکت کی جو کہ انتہائی قابل مذمت ہے۔

چلتے چلتے ایک اور بات کی بھی وضاحت ہو جائے کہ جب قادیانیوں کی عبادت گاہوں پر حملہ ہوا تو اس موقع پر مغربی تہذیب کے علمبرداروں اور دین بیزار طبقوں نے فوراً ہی یہ کہنا شرع کیا کہ " یہ کونسا اسلام ہے اور کسی کی عبادت گاہوں پر حملہ اسلام نہیں ہے، اسلام میں اقلیتوں کے بھی حقوق ہیں اور اسلام اقلیتوں کی جان و مال کے تحفظ کا درس دیتا ہے " ہمیں ان لوگوں کی کسی بھی بات سے انکار نہیں ہے انہوں نے ساری باتیں بالکل درست بیان کی ہیں بے شک اسلام میں اقلیتوں کے بھی حقوق ہیں، (لیکن قادیانی تو محض اقلیت نہیں بلکہ مرتد اور امت کے غدار ہیں) اقلیتوں کے حقوق کی بات کرنے والے ادھوری بات کیوں کرتے ہیں پوری بات کیوں نہیں بتاتے کہ اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے، اور یہاں اسلامی ریاست تو ہے ہی نہیں کیونکہ اسلامی ریاست سے مراد ایسی ریاست ہے جہاں شرعی قوانین مکمل طور پر نافذ ہوں۔ اور یہ بڑی عجیب بات ہے کہ اقلیتوں کے حقوق کے علمبرداروں نے ہمیشہ مملکت خداداد پاکستان میں شرعی قوانین کی مخالفت کی۔ زیادہ پرانی بات نہیں ہے جب جناب پرویز مشرف صاحب نے کہا تھا کہ " شریعت نافذ کر کے کیا میں ساری قوم کو

ٹھنڈا کردوں " اس طرح انہوں نے نہ صرف شرعی قوانین کی مخالفت کی بلکہ ان کا مذاق اڑایا، اور یہ بھی پرانی بات نہیں ہے کہ جب حدود آرڈیننس کو ختم کرکے بدنام زمانہ حقوق نسواں بل پیش کیا گیا تو اس میں بھی یہی دین بیزار دبقات پیش پیش تھے۔ یعنی ہر موقع پر دینی و شرعی قوانین کا مذاق اڑانے والوں کو اس موقع پر اسلامی ریاست یاد آرہی ہے۔ ہم ان سے کہتے ہیں کہ جناب آپ پہلے ہمارے ساتھ مل کر اس ملک کو ایک اسلامی ریاست میں تو تبدیل کریں، یہاں مکمل اسلامی و شرعی قوانین نافذ کریں اس کے بعد ملک کا ایک ایک فرد از خود اقلیتوں کے حقوق کا پابند ہوگا، اور آخری بات یہ کہ چلیں آپ کی بات مان لیں کہ اسلام میں اقلیتوں کے حقوق ہیں اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی یاد رکھیں کہ اقلیتوں کے حقوق اور ان کی جان مال عزت و آبرو کی پاسداری کے عوض اقلیتیں اسلامی ریاست کو ایک ٹیکس ادا کرتی ہیں جس کو جزیہ کہا جاتا ہے کیا قادیانی حضرات مملکت خداداد پاکستان کو جزیہ ادا کرتے ہیں؟ اگر نہیں تو پھر اصولی طور پر اسلامی ریاست ان کے معاملات کی ذمہ دار نہ ہوگی بلکہ ان غیر مسلم اقلیتوں کو جو کہ جزیہ ادا نہ کریں کسی اسلامی ریاست میں رہنے کا بھی حق نہیں ہے۔ اس لئے اقلیتوں کے حقوق کی جب بات کریں تو عوام کو پوری بات بتائیں۔ ادھوری باتیں نہ بتائیں۔

اور قارئین کرام قادیانی فتنہ کے بارے میں کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں یہ منکریں ختم نبوت کا گروہ ہے جس کو تمام مکاتب فکر کے علماء نے کافر قرار دیا ہے اس لئے اس کے بارے میں کسی

پروپگینڈے میں نہ آئیں اور ان کی حیثیت کو پہچانیں اور لوگوں کو بھی اس کے بارے میں زیادہ سے زیادہ بتائیں۔

بھائی، دوست، دشمن اور قادیانیت

تحریر: شوکت علی مظفر

ہم نے ہمیشہ پرویز مشرف کے خلاف ہی لکھا اور وجہ یہ تھی کہ انہیں کتے بہت پسند ہیں اور ہمیں سخت ناپسند۔ میاں نواز شریف ہمیں اچھے لگتے تھے تو اس وجہ سے کہ وہ پائے کے بہت شوقین ہیں اور میری بھی پسندیدہ ڈش یہی ہے اسی وجہ سے ٹلکٹ مجھے "بڑے پائے کا مزاح نگار" سمجھتا ہے، لیکن میاں صاحب نے ایک ایسی حرکت کر دی کہ ہمیں مشرف صاحب ایک دم ہی اپنے کتوں سمیت اچھے لگنے لگے ہیں۔ ظاہر ہے جب میاں صاحب قادیانیوں کو "بھائی" کہہ کر گود میں بٹھائیں گے تو سابق صدر کا اچھا لگنا مجھ جیسے کمزور مسلمان کے لیے فطری بات ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ نواز شریف نے جس قسم کی "بھائی چارگی" کو فروغ دینے کی کوشش کی ہے تو ہمیں لفظ "بھائی" بھی آلودہ آلودہ سا لگ رہا ہے۔ اگرچہ ٹلکٹ نے ہمیں کہا بھی کہ "مسلمان مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔" تو معلوم نہیں ہمارے منہ سے خود بخود یہ سوال کیسے نکل گیا "کیا نواز شریف مسلمان نہیں رہے؟"

ٹلکٹ صاحب چونکہ معاملہ فہم انسان ہیں اس لیے کوشش کرتے ہیں کہ تلخی نہ

پیدا ہو اس لیے فرمایا" ہو سکتا ہے انسانیت کے ناطے میاں صاحب نے قادیانیوں کو "بھائی کہہ دیا ہو۔

مگر قادیانیوں کا سربراہ مرزا غلام احمد قادیانی تو خود کو انسان مانتا ہی نہیں تھا۔

ٹلکٹ نے تیوری چڑھائی" یہ تو جاہل سے جاہل انسان بھی جانتا ہے کہ وہ خود کو نبی، مسیح "موعود اور مہدی گردانتا تھا۔

ٹلکٹ جی آپ سمجھے نہیں۔ نبی بھی ہوتا تو انسان ہی ہے مگر قادیانیوں کا مرزا خود کو "انسان ہی نہیں مانتا۔

ٹلکٹ نے گھورا اور محلے کی زبان میں کہا" اشتیاق احمد نہ بن....ڈائریکٹ بات کر.... "مرزا خود کو کیا مانتا ہے؟

مرزا قادیانی خود کو انسان کی شرم والی جگہ (تعین خود کیجئے وہ کون سی جگہ ہوتی ہے) "مانتا ہے۔

تم کیسے کہہ سکتے ہو؟" ٹلکٹ نے شرم والی جگہ کا سن کر شرماتے ہوئے پوچھا۔ "

مرزا خود اپنی کتاب براہین احمدیہ حصہ پنجم ص 97 خزائن ج 21 ص 127 میں انکشاف"

کرتا ہے کہ

کرم خاکی ہوں میرے پیارے نہ آدم زاد ہوں

ہوں بشر کی جائے نفرت اور انسانوں کی عار

اس کا ترجمہ مولانا اللہ وسایا صاحب نے ایک مناظرے میں پنجابی زبان میں یوں کیا تھا، میں بندے دا پتر ای تئیں جیہڑی انسان دی سب توں شرم والی جگہ اے میں اَو ہاں۔ آگے کہتے ہیں، غلام احمد کو تو آپ "بندے دا پتر" ہی نہیں ثابت کر سکتے چہ جائیکہ " اسے نبی ثابت کیا جائے۔

یار! پھر میاں صاحب نے کس حساب سے انہیں اپنا بھائی کہا ہے؟" ملک نے پریشانی" سے میری طرف دیکھا۔

حساب تو میں واضح کرچکا ہوں، نتیجہ خود نکال لو۔"میں نے مختصر جواب دیا۔"

صحافت اور سیاست کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ میرے حساب سے سیاست کو چولی کا مقام حاصل ہے، کیونکہ "چولی کے پیچھے کیا ہے؟"سب کو معلوم ہے۔ صحافت کو دامن کے درجہ پر رکھا جاسکتا ہے، مگر سنا ہے (پڑھا بھی ہے) مرزا قادیانی نے اپنے زمانے میں اس دامن کو بھی داغدار کرنے کی کوشش کی تھی۔ کوئی اخبار

شخبار ان کی سرپرستی میں نکلتا رہا ہے اور اس میں بھی وہی کچھ ہوتا تھا جو ان کی کتابوں میں بھرا پڑا ہے۔ ڈاکٹر عبدالقدوس ہاشمی تو خوامخواہ ہماری تحریروں کے صاف جملوں سے بھی "اپنا مطلب" نکال کر خوش ہوتے ہیں اور پھر طنز بھی کرتے ہیں کہ میں جو اکثر جملے استعمال کرتا ہوں، ڈاکٹر صاحب انہیں صرف سوچ سوچ کر اندر اندر ہی خوش ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب! کیا آپ کو مرزا قادیانی کی تحریریں نظر نہیں آئیں جو کھلے عام حیض و نفاس اور خدا سے وہ والا کام کروانے کی باتیں لکھتا ہے جو کوئی شوہر اپنی بیوی کے ساتھ کرتا ہے۔ یقین نہیں آتا تو حوالہ حاضر ہے کہ مرزا قادیانی" اسلامی قربانی" نمبر ص 12 پر لکھتا ہے "اللہ تعالٰی نے میرے ساتھ وہ کام کیا جو مرد اپنی عورت کے 34 ساتھ کرتا ہے۔" اور کشتی نوح ص 48 خزائن ج 19 ص 50 پر خوشخبری دیتا ہے کہ "مجھے حمل ہوگیا۔" اس حمل سے کوئی اولاد ہونے کی اطلاع تو نہیں ملی البتہ یہ معلوم ہے کہ ان کا پیٹ خراب ہوگیا تھا جس کی وجہ سے دست بدست لڑتے لڑتے بیت الخلاء میں ہی "پتلی گلی" سے جان نکل جانے کے سبب لڑھک گئے۔

صحافت کا ایک نامور ستارہ مبشر لقمان بھی ہے میں نے چینل پر آج تک ان کے صرف دو پروگرام ہی دیکھے ہیں۔ ایک میں ہیجڑوں کا ڈائریکٹر "بوبی" مہمان تھا اور دوسرے پروگرام میں قادیانیوں کا موجودہ ڈائریکٹر "غلام احمد" مہمان تھا۔ اس سے میں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ پروگرام کس "لیول" کا ہے۔ مبشر

صاحب اپنے پروگرام کو "میں تو کرتا ہوں کھری بات" کے بینر تلے چلاتے ہیں، حالانکہ انہیں یہ لکھنا چاہئے "میں تو کرتا ہوں وَکھری بات۔" جو حضرات پنجابی نہیں جانتے وہ کسی پنجابی سے "وَکھری" کا ترجمہ کرالے لیکن خیال رہے پنجابی کہیں مرزا غلام قادیانی کی طرح کذاب اور جھوٹا نہ ہو ورنہ مطلب کیا سے کیا نکل جائے ہماری گارنٹی نہیں۔

ٹلکٹ کے دل میں پھر شیطان نے گدگدی کی تو اس نے کہا "تم بار بار مرزا کو جھوٹا کہہ رہے ہو۔ قادیانیوں نے اس کا ثبوت مانگ لیا تو پھر....؟؟"

میں تو صرف جھوٹا اور کذاب کہہ رہا ہوں جس کے حوالہ کے لیے مرزا قادیانی کی " اپنی کتابیں ہی بہت ہیں مگر قادیانی حضرات تو خود ہی نہ صرف اپنے بابائے دوزخ کی توہین کرتے ہیں بلکہ گالیاں دینے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ مجھے پتہ ہے ٹلکٹ! تم اس کا بھی ثبوت مانگوگے تو عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی کتاب "قادیانیوں سے فیصلہ کن مناظرے" کے صفحہ نمبر171 کے آخری پیرے میں تحریر ہے کہ آج سے برسوں پہلے کنری سندھ میں ایک مسلمان لوہار کی دکان پر ایک مرزائی آ گیا۔ اس نے مرزا غلام احمد قادیانی کی مدح و توصیف شروع کردی اور کہا کہ مرزا قادیانی تمام نبیوں کا سردار تھا۔ مسلمان لوہار دستے والی کلہاڑی کی دھار تیز کرتا رہا۔ جب مرزائی مبلغ کی تبلیغ کرتے کرتے منہ میں جھاگ تیرنے لگی تو مسلمان نے کلہاڑی لہرا کر مرزا قادیانی کو برا بھلا کہنا

شروع کر دیا اور مرزائی سے مطالبہ کیا کہ جو گالیاں مرزا قادیانی کو میں نے دی ہیں، تم بھی دہراتے چلو تاکہ سبق یاد ہو جائے۔ مرزائی ڈر کے مارے گفتنی و ناگفتنی ان گالیوں کی گردان مرزا قادیانی کو سنانے میں مسلمان لوہار سے بھی چند قدم آگے۔ اب مسلمان نے وہ تیز دھار کلہاڑی مرزائی کے ہاتھ میں تھما دی اور گردن جھکا کر اس کے سامنے بیٹھ گیا اور کہا کہ آپ مجھ سے یہ مطالبہ کریں کہ میں (نعوذ باللہ) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین کروں ورنہ کلہاڑی آپ کے ہاتھ میں ہے۔ یہ کہہ کر مسلمان لوہار رُو پڑا کہ میں مر جاؤں گا، ٹکڑے ٹکڑے ہونا قبول کرلوں گا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ یہ کہہ کر مسلمان لوہار اٹھ کھڑا ہوا اور کہا کہ مرزائی مبلغ صاحب آپ کے اور ہمارے سچے جھوٹے ہونے کی یہی دلیل ہے۔ سچے ہی کی توہین نا قابل برداشت، جھوٹے کی جتنی توہین کیے جاؤ، اس جھوٹے کے ماننے والوں پر اس کا اثر نہ ہوگا۔"

میاں نواز شریف تنہا ہی قادیانیوں کو بھائی کہنے والے نہیں ہیں دیگر بڑے بڑے سیاستدان بھی انہیں اپنا سمجھتے ہیں، جبھی تو ان کی حمایت میں بیانات اور ان کے حقوق کے لیے آوازیں اٹھاتے رہتے ہیں۔ ویسے بھی موجودہ سیاست کو گندگی کا ڈھیر ہی سمجھا جاتا ہے جس سے کبھی کسی غریب کو فائدہ نہیں پہنچتا اور قادیانیت بھی یہی کچھ ہے تو اگر میاں صاحب نے قادیانیوں کو اپنا بھائی

سمجھا ہے تو "سیاست کا اثر" ہے۔ دعا ہے، اللہ تعالیٰ انہیں "یوم تکبیر" کے صدقے عقل
دے تاکہ انہیں دوست دشمن کی پہچان ہو کے کیونکہ بات تو صرف چاہت کی ہوتی ہے
!ورنہ دوست اور دشمن شروع ایک ہی لفظ سے ہوتے ہیں

نوٹ: شوکت علی مظفر صاحب کا یہ مضمون ہمیں پسند آیا اور اسی لئے ہم نے سوچا کہ
اس کو آپ لوگوں سے شئیر کیا جائے کیونکہ اس وقت ہماری ویب اور میڈیا پر بھی یہی
موضوع زیر بحث ہے۔ امید ہے کہ ہماری یہ کاوش آپ کو پسند آئے گی۔

قائدِ اعظم کا تصورِ پاکستان - حصہ اول

بانیِ پاکستان حضرت قائدِ اعظم محمد علی جناح صاحب کے بارے میں وقتاً فوقتاً یہ شوشا چھوڑا جاتا ہے کہ وہ اسلامی نظام کے بجائے پاکستان کو ایک سیکولر ریاست بنانا چاہتے تھے۔ اس حوالے سے نام نہاد دانشور اور بد دیانت محققین حضرات قائدم اعظم صاحب کی اسلامی ریاست اور اسلام کے حوالے سے تمام گفتگو پس پشت ڈال کر ایک تقریر کا حوالہ دیتے ہیں کہ اس تقریر میں قائدِ اعظم نے سیکولر ازم کی بات کی ہے۔ روزنامہ جسارت میں اس حوالے سے ایک تحقیقی اور علمی مضمون چھپا ہے اس کی اہمیت اور افادیت کے پیشِ نظر ہم اس کو یہاں پیش کر رہے ہیں۔

یہ سوچنے اور جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ قائدِ اعظم کا تصورِ پاکستان کیا تھا؟ ان کے تصورِ پاکستان کو ہمارے چند ٹیلیوژن کے مکالموں اور اخبارات وغیرہ میں بعض دانشوروں، اردو اور انگریزی اخباروں کے سیکولر صحافیوں اور حکمران پارٹی کی طرف سے اُلٹے معنی پہنانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ جس مقصد کے لیے پاکستان بنایا گیا تھا، کیا ہم اُس کی طرف آگے بڑھ رہے ہیں یا ہمارے حکمران ہمیں اُلٹی سمت میں لے جارہے ہیں؟ پاکستان کی آئیڈیالوجی کیا تھی؟ سیکولرزم یا اسلام؟ نفاذِ لادینیت یا نفاذِ شریعت؟ پاک فوج کو مالاکنڈ

ڈویژن میں نفاذِ شریعت کے لیے استعمال کیا گیا یا اس تحریک کو کچلنے کے لیے؟ پاکستان میں شامل ہونے سے قبل جو شرعی نظام 110 سال سے سوات میں رائج تھا اس کو دوبارہ بحال کرنے کے لیے مولانا صوفی محمد نے حکومت سے ایک پُرامن معاہدہ کیا تھا۔ عوامی نیشنل پارٹی حکومت کا بھی یہ کہنا تھا کہ سوات کے عوام کا یہ متفقہ مطالبہ ہے۔ اس کی وجہ یہ بتائی جاتی تھی کہ اس شرعی نظامِ عدل سے عوام کو جلد انصاف مل جاتا تھا۔ اس معاہدہ کے نتیجہ میں مولانا صوفی محمد نے اس علاقہ کے طالبان کے لیڈر مولانا فضل اللہ کو راضی کر لیا تھا کہ وہ اپنی سرگرمیاں روک دیں اور حکومت سے اُنھوں نے جو معاہدہ کیا تھا اس پر عمل درآمد کرنے کا موقع دیں۔ مولانا فضل اللہ چونکہ مولانا صوفی محمد کے داماد بھی ہیں، اس لیے بھی وہ اپنے خُسر کی بات کو ٹال نہیں سکے اور طالبان کی ساری کاروائیاں اس طرح روک دی گئیں۔ جب چاروں طرف امن امان کا دور دورہ ہوگیا تو انڈین ایجنٹوں کو بھی موقع نہیں مل سکا کہ وہ طالبان کے نام پر اپنی دہشت گردی اور انسانیت سوز جرائم کو جاری رکھ سکیں۔ مالاکنڈ ڈویژن میں طالبان کا جہاد بھی رُک گیا تھا۔ اس علاقہ میں امن و امان قائم ہوگیا تھا۔ لیکن ہمارے سیکولر طبقہ کو ایسا امن جو شریعت کے نفاذ کے نام پر ہو، وہ ایک آنکھ نہیں بھایا اور خصوصاً ہمارے انگریزی اخبارات کے سیکولر صحافیوں نے اس امن معاہدہ کے خلاف اپنا قلمی جہاد شروع کر دیا۔ زرداری صاحب تو اپنی ٹوکیو کی تقریر میں پہلے ہی یہ وضاحت کر چکے تھے کہ ہماری پارٹی تو ایک سیکولر

پارٹی ہے۔ اپنے آپ کو یا اپنی پارٹی کو سیکولر کہنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم اور ہماری پارٹی کے جیالے اپنی انفرادی زندگیوں میں نماز، روزہ، حج، زکوۃ، ذکر اذکار، صدقہ و خیرات اور بزرگوں کی قبروں پر جا کر دعائیں اور منّتیں مانگنے کا کام تو سب کریں گے لیکن پاکستان میں نفاذِ شریعت کی مخالفت کریں گے اور کسی قیمت پر اس ملک میں مُلاؤں کو نفاذِ شریعت کے نام پر آگے آنے نہیں دیں گے۔ پارٹی کے سیکولر ہونے کا اعلان دوسرے الفاظ میں یہ ہے کہ ہماری پارٹی نفاذِ شریعت کے بجائے نفاذِ لادینیت کے لیے کوشاں رہے گی۔ شاید یہی وجہ تھی کہ اس سیکولر پارٹی کے سربراہ صدر زرداری نیشنل عوامی پارٹی کے مولانا صوفی محمد کے ساتھ کیے گئے معاہدہ پر دستخط نہیں کر رہے تھے۔ ان سے دستخط کروانے کے لیے پارلیمنٹ کو ایک متّفقہ قرارداد پاس کرنی پڑی۔ اس مجبوری کے تحت دستخط تو کر دیے گئے لیکن ایک سیکولر پارٹی کے سربراہ کی حیثیت سے وہ اسی تاک میں رہے کہ کسی طرح اس معاہدہ کو کالعدم کر دیا جائے۔ اُدھر ہماری حکومت کے آقا و مولا امریکی سرکار نے نفاذِ شریعت کے اس معاہدہ کو طالبان کے آگے ہتھیار ڈالنا قرار دیا تو پھر کیا تھا کہ اس معاہدہ کو توڑنے کے لیے مولانا صوفی محمد صاحب پر بے بنیاد جھوٹے الزامات کی بارش کی گئی اور امریکی سرکار کی خوشنودی اور ڈالر حاصل کرنے کے لیے پاک فوج کو ناپاک حکم دیا گیا کہ وہ اپنے ہی ملک کے ان لوگوں سے جنگ شروع کر دے جو نفاذِ شریعت کا مطالبہ کر رہے تھے۔ اسطرح امن کی فضاء کو جنگ کی صورتحال میں

تبدیل کر دیا گیا۔ اُدھر انڈین ایجنٹوں کو بھی موقع مل گیا کہ وہ مصنوعی طالبان بن کر مزید جرائم کریں اور سچے طالبان کے نفاذِ شریعت کے مطالبہ کو دفن در گور کر دیں اور انہیں دہشت گرد بنا کر ذرائع ابلاغ کے سامنے پیش کریں۔ اس طرح سیکولر قوتوں کا ایک بڑا اتحاد بن گیا۔ حکومت، انگریزی اخباروں کے صحافی، امریکہ اور انڈین ایجنٹ' سب کی بنائی اتحاد یہ تھی کہ پاکستان میں شریعت نہ آنے پائے جسے یہ سب مل کر مُلاؤں کا نظام کہتے تھے۔ اس کے نتیجہ میں 20 لاکھ سے زائد افراد بے گھر بھی ہوئے اور ان گنت معصوم بے گناہ مارے بھی گئے۔ مولانا صوفی محمد جیسے طالبان کو پُرامن کرنے والے اور شریعت کا نام لینے والوں پر بغاوت کا مقدمہ چلا کر ہماری حکومت یقیناً اپنے سیکولر ہونے کا ثبوت بھی پیش کر رہی ہے اور جنرل مشرف نے پاکستان میں نفاذِ لادینیت کے لیے لال مسجد والے بے گناہوں کو شہید کرنے اور 29 سالہ شرعی حدود قوانین کو منسوخ کرنے کے جو اقدامات کیے تھے، اُسی مہم کو آگے بڑھا کر پاکستان کے مقصدِ وجود اور اس کی آئیڈیالوجی کو دریا بُرد کرنے کے عزمِ صمیم کو واشگاف بھی کر رہی ہے۔
گزشتہ 62 سال کے دوران اسلامی قوتیں تو کمزور ہوتی چلی گئیں اور لادینی قوتوں کی یہ جرات ہو گئی ہے کہ نفاذِ شریعت کا نام لینے والوں کو لال مسجد میں گھس کر مار دیا جاتا ہے اور اگر کوئی زندہ بچ گیا ہو تو اس پر بغاوت کا مقدمہ چلایا جائے گا، جس کا پہلا شکار مولانا صوفی محمد کو بنایا جارہا ہے کیونکہ اُن کا اصلی جرم یہ ہے کہ انہوں نے

گزشتہ 110 سال کی طرح کا سوات میں شرعی نظامِ عدل کے قیام کا مطالبہ کیا تھا۔
پاکستان کی اصل آئیڈیالوجی کے خلاف لادینیت کی مہم کا آغاز جسٹس منیر نے کیا تھا۔ اُنھوں نے بانی پاکستان قائدِ اعظم محمد علی جناح ہی کو سیکولر یعنی لادین ثابت کرنے کی کوشش کی تھی۔ ان کی کتاب From Jinnah to Zia 1979 میں شائع ہوئی تھی جس میں انہوں نے یہ انکشاف فرمایا تھا قائدا عظم ایک لادین آدمی تھے۔ اس انکشاف کی بنیاد انہوں نے قائدا عظم کے نام سے ایک جھوٹے حوالہ پر رکھی تھی۔ اس کتاب کی اشاعت کے بعد 25 سال تک سارے سیکولر دانشور اور صحافی اس کو سچ سمجھ کر اسی حوالہ کو جسٹس منیر کے نام سے پیش کرتے رہے۔ پاکستان کی تاریخ میں یہ سب سے مشہور کتاب رہی۔ سارے لکھاری اسی کتاب کے حوالہ سے اپنے لادینی تصورِ پاکستان کو پیش کرتے رہے۔ 2005ء میں لندن سے ایک کتاب شائع ہوئی جس میں جسٹس منیر کے جھوٹے حوالہ کی پول کھولی گئی، ورنہ 25 سال تک سیکولر دانشور اس جھوٹ کو سچ کے نام سے "Secular Jinnah" کے طور پر پیش کرتے رہے۔ لندن سی 2005ء میں ایک کتاب شائع ہوئی ہے جس میں اس جھوٹ کا پول کھولنے والی مصنفہ سلینہ کریم کا کہنا ہے کہ جسٹس منیر نے قائدا عظم کے حوالہ سے یہ بتایا کہ قائدا عظم نے پاکستان کے بارے میں یہ الفاظ استعمال کیے ہیں کہ یہ ایک "جدید جمہوری مملکت" ہوگی جس میں "حاکمیت کا انحصار عوام کے ہاتھوں میں" ہوگا۔ مصنفہ کا کہنا ہے کہ اگر واقعی قائد اعظم نے اپنے تصورِ پاکستان کو ان الفاظ میں پیش کیا ہو تو یقیناً اس کا

مطلب ایک سیکولر یا لادین پاکستان ہوگا۔

(جاری ہے)

قائد اعظم کا تصور پاکستان - حصہ دوم

مصنفہ نے اپنی تحقیق سے بتایا کہ قائد اعظم نے یہ الفاظ کبھی نہیں استعمال کیے۔ جسٹس منیر نے جو حوالہ دیا ہے اس میں کہیں بھی یہ الفاظ نہیں ہیں، جسٹس منیر نے خود ہی اپنی طرف سے یہ الفاظ گھڑ کر قائد اعظم کے نام سے پیش کرکے دنیا کو دھوکا دیا ہے۔ مصنفہ نے اس جھوٹ کو کیسے پکڑا جسے 25 سال سے پاکستان کے سارے دانشور سچ سمجھتے چلے آرہے تھے، یہ ایک دلچسپ داستان ہے۔ جسٹس منیر کی کتاب میں قائد اعظم کے نام سے یہ الفاظ دیکھ کر مصنفہ پریشان ہوگئیں کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ قائد اعظم ایسی دوغلی باتیں کریں۔ کیونکہ مصنفہ کے سامنے قائد اعظم کا یہ بیان بھی تھا جو انہوں نے ریاست ہائے متحدہ امریکا کے لوگوں کے لیے فروری 1948ء میں ریڈیو پر نشر کیا تھا: "مجھے یقین ہے کہ پاکستان کا دستور جمہوری طرز کا ہوگا، جو اسلام کے بنیادی اُصولوں پر مبنی ہوگا.... اسلام اور اس کی اُصول پسندی نے ہمیں جمہوریت کا سبق دیا ہے۔ اسلام نے ہمیں تمام انسانوں کے ساتھ مساوات، انصاف اور ہر ایک کے ساتھ حُسنِ سلوک کا درس دیا ہے۔" یہ اور اس طرح کے کئی اور بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ قائد اعظم پاکستان کو ایک لادینی یا سیکولر ریاست نہیں بلکہ اسلامی ریاست بنانا چاہتے تھے۔ اور اسلامی ریاست میں جمہور نہیں بلکہ حاکمیت کا انحصار اللہ پر یعنی اللہ کی دی ہوئی شریعت

پر ہوتا ہے جسے کوئی عوامی یا جمہوری طاقت تبدیل نہیں کر سکتی۔ یہ تصور "عوام کی حاکمیت والی جدید جمہوری حکومت" سے مختلف ہے۔ اس لیے مصنفہ کو شبہ ہوا کہ جسٹس منیر کے حوالے میں ضرور کہیں غلطی ہے۔ مصنفہ نے جسٹس منیر کے حوالے کو بار بار خوب غور سے پڑھا تو اُنہیں اس میں انگریزی زبان کی بھی ایک غلطی نظر آئی۔ بظاہر غلطی معمولی تھی کہ جسٹس منیر کو جہاں لفظ will استعمال کرنا تھا، وہاں انہوں نے would استعمال کیا تھا۔ مصنفہ کو یقین تھا کہ قائدا عظم انگریزی زبان کی کبھی ایسی غلطی نہیں کر سکتے۔ جسٹس منیر نے قائدا عظم کے نام سے جو جھوٹا حوالہ دیا تھا، اس کے الفاظ یہ تھے:

The new state would be a modern democratic state with sovereignity resting in the people and the members of the new nation having equal rights of citizenship regardles of religion, caste or creed - Munir 1980, p.29, Empasis added by Munir

جسٹس منیر کی کتاب کا ذکر کئے بغیر ڈان کے کالم نگار اردشیر کاؤس جی نے 2000ء میں اپنے ایک کالم ''Back to Jinnah'' میں بھی قائدا عظم کے تصور پاکستان کو لادینیت پر مبنی قرار دینے کی کوشش میں اسی مذکورہ بالا جملے کا حوالہ دیا تھا۔ مصنفہ نے جب ان سے ایک ای میل کے ذریعے پوچھا کہ اس جملے کا اصلی متن کہاں مل سکتا ہی؟ تو انہوں نے گول مول جواب دیا کہ انہوں نے کہیں یہ پڑھا تھا لیکن انہیں یاد نہیں رہا کہ کہاں؟ لیکن کاؤس جی نے مذکورہ بالا جملے کی انگریزی صحیح کرکے اپنے کالم

میں اسے پیش کیا تھا۔ انہوں نے جسٹس منیر کی غلط انگریزی کو صحیح کرکے اپنے کالم میں
کا لفظ استعمال کیا تھا۔ شاید وہ اسی لیے جسٹس منیر کا نام لینے سے will کی جگہ would
پرہیز کررہے تھے کہ انہوں نے جسٹس منیر کے اصلی حوالے میں اپنی طرف سے ایک
لفظ کی ہیر پھیر کردی تھی۔ اس سے مصنفہ کی تشویش اور بڑھ گئی کہ جسٹس منیر نے
قائداعظم سے منسوب کرکے غلط انگریزی کیوں لکھی ہے۔ جب کاؤس جی بھی اس غلط
انگریزی کو اپنے کالم میں استعمال نہیں کررہے ہیں تو پھر بھلا ایسی غلط انگریزی قائداعظم
کیسے استعمال کرسکتے ہیں! انہیں یقین ہوگیا کہ دال میں کچھ کالا ضرور ہے۔ مصنفہ نے
قائداعظم کو سیکولر قرار دینے والے دوسرے بڑے بڑے دانشوروں کی کتابیں پڑھیں،
جن کے نام یہ ہیں: ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی (سابق وزیر اور سابق وائس چانسلر
کراچی یونیورسٹی)، عبدالستار غزالی (صحافی)، پروفیسر پرویز امیر علی ہود بھائی اور
پروفیسر حمید نیر۔ ان سب دانشوروں نے قائداعظم کے تصورِ پاکستان کو سیکولر قرار
دینے کے لیے جسٹس منیر کی کتاب کے مندرجہ بالا حوالے کو اپنی بنیاد بنایا تھا۔ جسٹس
منیر کا کہنا تھا کہ 1946ء میں نئی دہلی میں خبر رساں ایجنسی رائٹرز کے نمائندہ Donn
Campbell کو انٹرویو دیتے ہوئے قائداعظم نے یہ الفاظ استعمال کیے تھے۔ مصنفہ نے
بہت تلاش کیا لیکن کہیں اس انٹرویو کا اصلی متن نہیں مل سکا۔ یہ انٹرویو ملا تو ایک
دوسری تاریخ کا تھا May 21, 1947 کی تاریخ کا۔ Donn Campbell کے انٹرویو
کا اصل متن بزمِ اقبال کی طرف سے خورشید

احمد خاں یوسفی کی مرتبہ 4 جلدوں میں سے چوتھی جلد میں ملا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جسٹس منیر نے اپنے جھوٹ کو چھپانے کے لیے اس انٹرویو کی تاریخ ہی غلط بتا دی تاکہ اگر کبھی کوئی اس کو تلاش کرنے کی کوشش کرے تو اصل متن ہی نہ مل سکے جس سے ان کے جھوٹ کا پردہ چاک ہو۔ اس پورے متن میں کہیں بھی اس جملے کا کوئی وجود نہیں ہے جسے جسٹس منیر نے اپنی طرف سے گھڑ کر قائداعظم سے منسوب کردیا ہے۔ چوتھی جلد میں یہ انٹرویو آج بھی ہر شخص پڑھ کر دیکھ سکتا ہے کہ اس طرح کی کوئی بات قائداعظم نے کہیں نہیں کہی۔ اس کتاب میں اس انٹرویو کو روزنامہ ڈان May 22, 1947 کے حوالے سے شائع کیا گیا ہے۔ مصنفہ نے قائداعظم کو سیکولر کہنے والے سارے دانشوروں کا مطالعہ کیا ہے۔ ان کے دلائل کا جواب بھی دیا ہے اور یہ چیلنج بھی کیا ہے کہ قائداعظم نے اپنے سارے بیانات، تقاریر اور انٹرویوز میں کہیں بھی کبھی بھی Secular کا لفظ ایک جگہ بھی استعمال نہیں کیا۔ جس شخص نے اپنی زندگی میں کبھی بھی جس بات کا کہیں ذکر ہی نہ کیا ہو اُس کو زبردستی سیکولر ثابت کرنے کی کوشش کرنا سراسر زیادتی نہیں تو اور کیا ہے!

(جاری ہے)

قائد اعظم کا تصور پاکستان - آخری حصہ

اس کے برعکس لادینیت کے خلاف قائد اعظم کا ایک واضح بیان ملتا ہے۔ یہ تقریر انہوں نے کسی مسجد میں نہیں بلکہ وکیلوں کے سامنے کی تھی۔ وہ خود بھی ایک قانون دان، لندن کے فارغ التحصیل بیرسٹر تھے۔ اس تقریر میں وہ واضح کرتے ہیں کہ دوسرے مذاہب کی طرح اسلام محض ایک پوجا پاٹ' انفرادی عبادات اور روحانیت تک محدود مذہب نہیں ہے، بلکہ انسان کے سارے شعبہ ہائے حیات کو خدائی ہدایت پر ڈھالنے والا مذہب ہے۔ سیاست اور اقتصادیات جیسے ہر شعبے میں بھی ہمیں اللہ اور اس کے رسول کی ہدایات پر چلنا ہے۔ 25th January, 1948 کے روز کراچی بار ایسوسی ایشن کے میلادالنبی کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے قائد اعظم فرماتے ہیں: "اسلام صرف پوجا پاٹ، انفرادی عبادات، چند روایات و رسومات کے اہتمام اور کچھ روحانیت کے اُصولوں کو اختیار کرنے کا نام نہیں ہے۔ اسلام ایک ایسا مکمل نظامِ زندگی ہے جو ہر مسلمان کی زندگی، رویے، عمل و کردار کے ہر پہلو کو کنٹرول کرتا ہے، یہاں تک کہ اس کی سیاست اور معیشت کو بھی۔ یہ اعلیٰ کردار، وقار، ہر ایک کے ساتھ رواداری اور حق و انصاف کے انتہائی اعلیٰ اصولوں پر مبنی ہے۔ سارے انسانوں کے ایک خدا اور اس کے آگے سب کی برابری اور مساوات جیسے انسانیت کے اصول اسلام کی بنیادی تعلیمات کا حصہ ہیں۔ انسان اور انسان

کے درمیان فرق و تمیز پیدا کرنے والی کسی اونچ نیچ کا تصور اسلام میں نہیں ہے۔
مساوات، حریت، رواداری اور بھائی چارگی اسلام کے بنیادی اُصول ہیں۔" قائدا عظم کا یہ تصورِ اسلام، سیکولرازم اور لادینیت کے نفاذ کے ان اقدامات کی نفی کرتا ہے جنہیں جنرل پرویز مشرف اور زرداری حکومت نے پاکستان پر مسلط کرنے کی کوشش کی ہے۔
قائدا عظم نے اس پر بھی زور دیا ہے کہ وہ حصولِ پاکستان کے ذریعے محض یہی نہیں کہ مسلمانوں کو ہندو راج کے زیرِ نگیں آنے سے بچانا چاہتے ہیں بلکہ یہ بھی کہ برصغیر میں اسلام" کو بھی مٹنے سے بچانا چاہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر مسلمان جدید" جمہوریت کے نام پر ہندو اکثریت کے تحت ہندو راج کی غلامی میں رہنے پر مجبور ہو گئے تو پھر یہ آہستہ آہستہ اسلام سے بھی دور ہوتے چلے جائیں گی، اور جس طرح اسپین میں مسلمانوں کے عیسائیوں کے زیرِ نگیں آنے کے بعد اس ملک سے اسلام کا نام ونشان مٹا دیا گیا اور مسجدوں کو عیسائی کلیساؤں میں تبدیل کر دیا گیا، آج بھی مسلمانوں کے بادشاہ جس مسجدِ قرطبہ میں نماز پڑھا کرتے تھے اس کے بیچوں بیچ گرجا گھر بنا کر اسے ساری دنیا کے سیاحوں کو دکھایا جاتا ہے، اسی طرح برصغیر میں بھی اگر مسلمان ہندو راج کے تحت زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو گئے تو ان کو اسلام سے ہٹانے کی کوششیں بھی کی جائیں گی۔
انڈیا کی نئی نسل اب اس قابل بھی نہیں رہی کہ کئی صدیوں سے وہاں مسلمانوں کی جو زبان تھی اُس زبان میں اسلامی یا دوسری کتابیں پڑھ سکے۔ سب کو ہندی پڑھنی آتی ہے لیکن اپنے آباؤ اجداد کی

زبان اردو نہیں پڑھ سکتے۔ انڈیا میں مسلمانوں کو ہندو بنانے کی شدھی تحریک، بابری مسجد کی شہادت اور گجرات میں حکومتِ وقت کے وزیرِ اعلیٰ مودی کی زیرِ نگرانی مسلمانوں کے قتلِ عام جیسے واقعات قائدا عظم کی اس دور بینی اور دوراندیشی کی شہادت دیتے ہیں کہ تحریکِ پاکستان صرف مسلمانوں کو بچانے کے لیے ہی نہیں بلکہ برصغیر میں اسلام کو بچانے کے لیے بھی چلائی گئی تھی۔ 14 اپریل 1941ء کو مدراس میں منعقدہ آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں اپنے خطبہ صدارت میں قائدا عظم نے فرمایا: "پاکستان محض ایک قابلِ عمل منزلِ مقصود ہی نہیں، بلکہ یہی وہ واحد منزلِ مقصود ہی، اگر آپ چاہتے ہوں کہ اِس ملک میں اسلام کو مکمل ملیامیٹ ہونے سے بچایا جائے۔" 62 برس بعد پاکستان میں اسلام نافذ کرنے کی طرف قدم بڑھانے کے بجائے لادینیت لانے کے حکومتی اقدامات مقصدِ پاکستان کو قتل کرنے کے مترادف ہیں۔

قارئین کرام یہ تحریر ہماری نہیں ہے بلکہ جناب حسین خان صاحب نے ٹوکیو سے یہ تحریر روزنامہ جسارت کراچی کے لئے بھیجی تھی اور یہ تحریر تین حصوں میں روزنامہ جسارت میں شائع ہوئی تھی۔ اس کی اہمیت اور افادیت کے پیش نظر ہم نے اس کو یہاں آپ لوگوں کے ساتھ شئیر کیا ہے۔ اس امید کے ساتھ یہ تحریر آپ کو پسند آئے گی اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی معلوم ہوگا کہ کس طرح قائدا عظم کے نام پر بد دیانتی کر کے ملک کو ایک سیکولر ریاست بنانے کی کوشش کی جارہی ہے۔

شکریه

گستاخانہ خاکے، ہیلین تھامسن اور نام نہاد آزادی اظہار رائے

کیا آپ ہیلین تھامسن کو جانتے ہیں یا آپ نے کبھی اس کا نام سنا ہے؟ خیر اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ ہم جس کی بات کر رہے ہیں اس کا نام ہیلین ہے یا کچھ اور اصل بات یہ ہے کہ وہ مغربی دوغلے معیارات اور اظہار رائے کی آزادی کا تازہ ترین شکار ہیں۔ ہیلین کے بارے میں کچھ بتانے سے پہلے بات ہو جائے ذرا اظہار رائے کی آزادی کی۔ آج سے کم و بیش پانچ سال قبل جب پہلی بار گستاخانہ خاکے بنائے گئے اور اس پر عالم گیر احتجاج ہوا تو کہا گیا کہ مسلمان تو بڑے تنگ نظر ہیں کہ وہ کسی کو اظہار رائے کی آزادی بھی نہیں دینا چاہتے ہیں۔ کیا ہوا جو ایک اخبار جیلینڈ پوسٹ کے ایک کارٹونسٹ نے گستاخانہ خاکے بنائے ہیں۔ یہ اس کا حق ہے اور ہم اس کا حق اس سے نہیں چھین سکتے ہیں۔ اس طرح پوری مغربی دنیا نے اس گستاخ کارٹونسٹ کا دفاع کیا۔

معروف خاتون صحافی نواسی سالہ ہیلین تھامسن ۱۴ اگست ۱۹۲۰ کو پیدا ہوئیں، انہوں نے اپنے کیرئیر کی ابتدا واشنگٹن کے ایک چھوٹے سے اخبار مس بطور ایک کاپی گرل سے کی، اس کے بعد وہ رپورٹنگ کے شعبے میں آگئیں۔ رپورٹنگ کے شعبے میں آنے کے بعد ان کے جوہر کھلے، وہ ایک بے باک صحافی کے طور پر سامنے آئی

اور اس کے تند و تیز اور تلخ سوالات مخالفین کو پریشان کر دیتے۔ صدر جان ایف کینیڈی کے ابتدائی دور میں ہیلین نے وائٹ ہاؤس کی بریفنگ کی رپورٹنگ شروع کی۔ اور اس کے بعد انھوں نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔ اس وقت سے لیکرے جون ۲۰۱۰ تک وہ باقاعدگی سے وائٹ ہاؤس کی پریس بریفنگ میں شریک ہوتی رہیں۔ انھوں نے دس امریکی صدور کے ساتھ کام کیا۔ وہ وائٹ ہاؤس کی پریس بریفنگ کی رپورٹنگ کرنے والی واحد صحافی تھی جس کی وائٹ ہاؤس میں ذاتی نشست تھی جبکہ وائٹ ہاؤس میں پریس کی نشستیں صحافیوں کے بجائے اداروں کے نام ہوتی ہیں۔ انھوں نے امریکی صدر جان ایف کینیڈی سے لیکر صدر بارک اوبامہ تک تمام صدور کے ساتھ کام کیا۔ صحافتی حلقوں میں وہ ایک لیجنڈ کی حیثیت رکھتی ہے اور امریکی صدر بارک اوبامہ بھی اسے اپنی ذات میں ایک ادارہ قرار دے چکے تھے۔

پھر ایک دن ایک واقعہ ہوتا ہے ۲۷ مئی کو وائٹ ہاؤس میں منعقدہ ایک تقریب میں ایک یہودی ربی ڈیوڈ نیسن آف نے اس سے پوچھا تھا کہ " اسرائیل کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ " اور ہیلین تھامسن نے بغیر کوئی لگی لپٹی رکھے اس کو کہہ دیا کہ یہ لوگ قابض ہیں اور فلسطین سے نکل جائیں " جب پوچھا گیا کہ کہاں نکل جائیں تو " اس نے کہا کہ " جرمنی، ہنگری، پولینڈ امریکہ الغرض جہاں جہاں سے یہ یہودی فلسطین میں جمع ہوئے ہیں وہ تمام واپس اپنے ملکوں کو واپس چلے جائیں کیونکہ یہ ان کا وطن نہیں ہے بلکہ یہ فلسطینیوں کا وطن ہے۔"

ہیلین کی اس گفتگو کے بعد ایک طوفان کھڑا ہوگیا، زرائع ابلاغ اس کی کردار کشی اور مذمت کرنے میں لگ گئے اور بالآخر اس کو وائٹ ہاؤس نے نکال دیا گیا جہاں وہ پانچ دہائیوں سے رپورٹنگ کررہی تھی۔ ان کے ادارے Hearst نے (اس ادارے سے وہ گزشتہ دس سالوں سے وابستہ تھی) ان کو نوکری سے نکال دیا۔ جبکہ اس کی ایجنسی نائین اسپیکرز نے اعلان کردیا کہ ہم نے ہیلین کو اس کے بیان کے سبب ادارے سے الگ کردیا ہے۔ جبکہ اس کی مشہور کتاب کے شریک مصنف کریگ کرافورڈ نے آئندہ اس کے ساتھ کام کرنے سے انکار کردیا۔امریکی صدر بارک اوبامہ نے ان کے جبری استعفٰی کو درست قرار دیا اور اس کے رویے کو نامناسب اور جارحانہ قرار دیاہلیین کے ساتھ یہ سب کچھ صرف اسرائیل کے بارے میں سچ بولنے کی پاداش میں کیا گیا۔ اور وہی مغربی دنیا جو کہ تمام مسلمانوں کو رواداری اور تحمل و برداشت کا درس دیتی آئی ہے۔ جو کہ آزادی اظہار رائے کی قائل ہے اسی مغربی دنیا نے ہیلین کے معاملے میں ایک دفعہ بھی آزادی اظہار رائے کو سامنے نہیں رکھا، اس معاملے میں ان کا صبر جواب دے گیا اور تحمل، رواداری اور برداشت کا جو درس وہ مسلمانوں کو دیتے آئے ہیں وہ کہیں بھی نظر نہیں آیا۔ جبکہ یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ گستاخانہ خاکوں کو اظہار رائے کی آزادی قرار دینے والے مغربی ممالک میں یہودیوں کے نام نہاد ہولو کاسٹ کے خلاف بات کرنا سنگین جرم ہے۔ اس طرح مغرب کے دہرے معیار کا اندازہ

کیا جاسکتا ہے۔

جیلینڈ پوسٹ میں خاکوں کی اشاعت سے لیکر مئی ۲۰۱۰ تک کئی بار گستاخانہ خاکے شائع کئے گئے اور اس کے خلاف جب بھی احتجاج ہوا تو مغربی دنیا کے ساتھ ساتھ ہماری ہی صفوں سے مغرب کے جانثاروں نے اس احتجاج کے خلاف آواز اٹھائی اور ہمیں یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ اس گلوبل ولیج بنتی دنیا میں اب یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم سب کے اوپر اپنی مرضی تھوپیں اس لئے جو کچھ ہورہا ہے وہ " آزادی اظہار رائے " ہے اور اس کے خلاف آواز اٹھانا انتہاپسندی اور قدامت پرستی ہے۔ زیادہ پرانی بات نہیں ہے جب فیس بک پر گستاخانہ خاکے شائع کئے گئے اور اس کے باعث پاکستان میں فیس بک پر عارضی طور پر پابندی لگائی گئی تو کئی مغرب نواز لنکرز اور مغربی تہذیب کے دلدادہ نام نہاد دانشور میدان میں کود پڑے اور فیس بک پر پابندی کے خلاف آواز اٹھائی اور ہمیں یہ درس دینے کی کوشش کی کہ فیس بک پر پابندی غلط فیصلہ ہے اور اس سے دنیا میں پاکستان کا امیج خراب ہورہا ہے۔ (ان نام نہاد مفکرین میں کامران خان اور ڈاکٹر پرویز ہود بھائے شامل ہیں) اب ہیلین تھامس کے ساتھ ہونے والے واقعے کے بعد ان لوگوں سے پوچھا جانا چاہئے کہ " جناب وہ جو آپ آزادی اظہار رائے " کا راگ الاپ رہے تھے وہ جو آپ دنیا میں امیج بہتر بنانے کی بات کررہے تھے وہ جو آپ فیس بک پر پابندی کو غلط فیصلہ قرار دے رہے تھے، اس معاملے میں آپ

کیا کہتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ میں اپنے تمام بھائیوں اور بہنوں سے یہ گزارش کرونگا کہ مغربی تہذیب اور روشن خیالی کے جال میں نہ آئیں یہ سب کچھ کھلا دھوکہ ہے بلکہ اپنی روشن اور پاکیزہ اسلامی تہذیب سے رشتہ استوار کریں۔

ڈاکٹر ذاکر نائیک کی برطانیہ آمد پر پابندی اور نام نہاد آزادی اظہار رائے

ڈاکٹر ذاکر نائیک کے نام سے کون واقف نہیں ہے۔ بھارتی صوبے مہاراشٹر سے تعلق رکھنے والے ممتاز مسلم اسکالر ڈاکٹر ذاکر نائیک کو سب ہی جانتے ہیں۔ ان کی وجہ شہرت انکے ہندوؤں، عیسائیوں اور یہودیوں سے مناظرے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ ان کی ایک وجہ شہرت قرآن پاک کے علاوہ دیگر الہامی کتب کے بارے ان کا مطالعہ اور مکمل معلومات ہیں جس کے باعث وہ عیسائیوں، یہودیوں اور ہندوؤں کو ان کے مذہب ہی کی کتابوں سے حوالے دیکر لاجواب کر دیتے ہیں۔ (یہاں یہ واضح رہے کہ ڈاکٹر ذاکر نائیک کے طریقہ کار پر میں کچھ تحفظات بھی ہیں) اس کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر ذاکر نائیک اتحاد بین المذاہب کے بھی نہایت پرجوش حامی ہیں۔ اور وہ مختلف مذاہب میں مشترکات پر بات کرکے اتحاد بین المذاہب کی بات کرتے ہیں یہ ڈاکٹر ذاکر نائیک کی عمومی شہرت ہے۔ لیکن اب وہ میڈیا پر ایک نئے حوالے سے موضوع گفتگو ہیں اور وہ ہے ان کی برطانیہ آمد پر پابندی۔

قارئین کرام یہ پابندی دراصل مغربی دہرے معیارات کا ایک اور واضح ثبوت ہے۔ جیسا کہ ہماری ویب کے تمام یوزرز جانتے ہیں کہ گزشتہ کچھ دنوں سے ہمارا موضوع نام نہاد آزادی اظہار رائے اور مغربی دہرے معیار ہیں اور اللہ رب

العزت کی مہربانی ہے کہ وہ ہمیں اپنے موضوع کے حق میں مواد مہیا کر دیتے ہیں۔ ڈاکٹر ذاکر نائیک کا دورہ برطانیہ کئی روز سے برطانوی میڈیا میں موضوع بحث بنا ہوا تھا اور برطانوی اخبارات کئی روز سے ان کے دورے اور ان کے لیکچرز کے خلاف مہم چلا رہے تھے۔ اور برطانوی میڈیا نے ان پر سب سے بڑا الزام یہ لگایا ہے کہ " وہ اُسامہ بن لادن کی تعریف کرتے ہیں اور امریکہ کو دہشت گرد قرار دیتے ہیں"۔ قارئین کرام غور کریں کہ برطانوی میڈیا بھی اسی مغربی میڈیا کا ایک حصہ ہے جو کہ توہین آمیز خاکوں کی نمائش کو آزادی اظہار رائے کہہ کر حق بجانب سمجھتے ہیں۔ لیکن ایک بار پھر ان کا جھوٹ، ان کی منافقت، ان کا دہرا معیار ننگا ہو کر سامنے آگیا ہے۔ برطانوی ہوم سیکرٹری مسٹر تھریسا مے نے جمعہ کے روز ان کے برطانیہ میں داخلے پر پابندی لگاتے ہوئے کہا " ان کے (ڈاکٹر ذاکر نائیک کی) جانب سے کئی مواقع پر دئے گئے ریمارکس اس بات کے شاہد ہیں کہ ان کا رویہ برطانیہ کے لئے قابل قبول نہیں ہے۔ اور یہ رویہ اس بات کا متقاضی ہے کہ ان کی برطانیہ میں داخلے پر پابندی لگائی جائے۔"

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ڈاکٹر ذاکر نائیک کے رویے میں کیا خرابی ہے؟ اور وہ مغربی معاشرہ جہاں ہم جنس پرستی کو بھی بنیادی حق تسلیم کیا جاتا ہے، جہاں انبیاء کرام کی توہین کو اظہار رائے کی آزادی کہا جاتا ہے۔

وہاں ڈاکٹر ذاکر نائیک کی آمد پر محض اس لئے پابندی لگائی جارہی ہے کہ بقول برطانوی میڈیا کے وہ امریکہ کو دہشت گرد سمجھتے ہیں اور اسامہ بن لادن کی تعریف کرتے ہیں۔ لیجئے صاحبان ذرا غور کیجئے کہ آزادی اظہار رائے کا حامی معاشرہ اپنے خلاف زرا سی بھی تنقید برداشت کرنے کو تیار نہیں ہے اور اس تنقید کے جرم میں ایک عالمی شہرت یافتہ ممتاز اسکالر کے برطانیہ میں داخلے پر پابندی لگادی گئی ہے۔ کیا یہی آزادی اظہار رائے ہے۔

قارئین کرام ڈاکٹر ذاکر نائیک پر پابندی سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ مغربی معاشرے میں انبیا کرام اور پیغمبر اسلام نبی مہربان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں تو گستاخی کی جاسکتی ہے لیکن یہودیوں کے نام نہاد ہولوکاسٹ پر بات نہیں کی جاسکتی، مغربی معاشرہ میں عیسائی ننوں اور راہباؤں کو تو اسکارف پہننے کی اجازت ہے لیکن مسلم خواتین کے اسکارف پر پابندی ہے۔ مغربی معاشرہ میں عیسائی تو صلیب کا لاکٹ پہن سکتے ہیں، سکھ بڑی آزادی سے اپنی پگڑی باندھ سکتے ہیں اور داڑھی بڑھا سکتے ہیں لیکن کوئی مسلمان اللہ کے نام کا لاکٹ نہیں پہن سکتا، وہ اگر پگڑی پہنے گا تو دہشت گرد کہہ کر مار دیا جائے گا، مغربی معاشرہ جہاں سلمان رشدی اور تسلیمہ نسرین جیسے گستاخ رسول اور ننگ انسانیت لوگوں کو پناہ دی جاتی ہے۔ ان دونوں کو وہاں تحریر و تقریر کی آزادی حاصل ہوتی ہے، گستاخ کارٹونسٹ کو سامعین کی مرضی کے برخلاف

یونیورسٹی میں لیکچرز کے مدعو کیا جاسکتا ہے لیکن ڈاکٹر ذاکر نائیک کی آمد اور لیکچرز پر پابندی لگائی جاتی ہے۔ یہ ساری باتیں بہت کچھ کہہ رہی ہیں صرف چشم بینا کی ضرروت ہے۔ یہ ساری باتیں زبان حال سے یہ کہہ رہی ہیں کہ یہود و نصاریٰ کبھی بھی مسلمانوں کے دوست نہیں ہو سکتے، یہ ساری باتیں چیخ چیخ کر کہہ رہی ہییں کہ مغربی دنیا کی ساری پابندیاں صرف مسلمانوں کے لئے ہیں اور کسی کے لئے نہیں، اب اگر کوئی نہ سمجھنا چاہے تو اس کی مرضی۔

معروف پاکستانی نژاد.برطانوی سیاستدان اور سماجی شخصیت لارڈ نذیر احمد نے ڈاکٹر ذاکر نائیک پر پابندی پر اپنے رد عمل کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ " برطانوی حکومت نے یہ انے انتہائی غلط فیصلہ کیا ہے،.برطانیہ اور دنیا بھر میں کروڑوں لوگ ڈاکٹر ذاکر نائیک کو پسند کرتے ہیں اور ان کے لیکچرز کو شوق سے سنتے ہیں، ڈاکٹر ذاکر نائیک نے ہمیشہ امن کی بات کی ہے اور انھوں نے کبھی بھی دہشت گردی کی حمایت نہیں کی ہے ان پر پابندی کے نتیجے میں دائیں بازو کے انتہا پسندوں کو خوشی ہوگی اور ایسا لگتا ہے کہ حکومت نے یہ فیصلہ انگلش ڈیفنس لیگ کو خوش کرنے کے لئے کیا ہے"۔برطانیہ کے پہلے مسلم رکن پارلیمنٹ (سابق ایم پی) محمد سرور نے کہا ہے کہ ان کو حکومت کے اس فیصلے پر حیرت ہے اور ان پر پابندی اظہار آزادی رائے پر پابندی کے مترادف ہے، انھوں نے کہا کہ اگر کوئی شخص دہشت گردی یا انتہا پسندی کی سرگرمیوں میں

ملوث ہو تو اس پر پابندی لگائی جا سکتی ہے لیکن پر امن مذہبی اسکالرز پر پابندی درست نہیں ہے"۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا برطانوی حکومت عوامی دباؤ پر ڈاکٹر ذاکر نائیک کی پابندی کو ختم کرتی ہے یا اس کے برخلاف (جس کی امید زیادہ ہے) ان کی پابندی کو برقرار رکھتی ہے۔

خودکشیاں اللہ کی رضا ہیں، کیا بات ہے آپ کی ریاض پیرزادہ صاحب

بھئی بہت خوب کیا کہنے ہیں ہمارے عزیز سیاستدانوں کے، کتنی اچھی بات کہی ہے جناب ریاض پیرزادہ فرام قاف لیگ نے۔ موصوف نے گزشتہ روز قومی اسمبلی کے اجلاس میں گفتگو کرتے عوام کی خودکشیوں کے حوالے سے یوں گوہر افشانی کی ہے کہ " جو پیدا ہوا ہے اسے مرنا بھی ہے ہم اللہ کے کاموں میں کیوں دخل دیں " واقعی بات تو بالکل درست ہے کہ اللہ کے کاموں میں کون دخل دے سکتا ہے۔ یہ بھی بالکل درست ہے کہ جو پیدا ہوا ہے اسے مرنا بھی ہے۔ آپ کی یہ بات بھی بالکل بجا ہے بھلا بتائیں تو سہی کونسا انسان ہے جو کہہ سکتا ہے کہ میں قیامت تک زندہ رہوں گا۔ بھئی قیامت تک تو کوئی بھی زندہ نہیں رہ سکتا نا اب اگر کسی کے نصیب میں خودکشی سے مرنا لکھا ہے تو پھر ہمیں کیا ضرورت ہے کہ اس پر کوئی بات کریں یہ اس کا مقدر تھا۔

کئی سال پہلے ہمارے ایک سینئر ساتھی نے ایک واقعہ سنایا تھا وہ واقعہ ہم آپ لوگوں کو بھی سناتے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ " ایک دفعہ ایک مجذوب سے.بزرگ ایک وجد کی کیفیت میں بازار سے یہ کہتے ہوئے گزر رہے تھے کہ جو کرتا ہے اللہ ہی کرتا ہے، جو کرتا ہے اللہ ہی کرتا ہے۔ لوگ حیرت سے ان کی بات سن

رہے تھے کچھ لوگ مسکرا رہے تھے۔ اس بازار میں ایک دہریہ نہیں نہیں یہ لفظ تو شائد بہت سخت ہو جائے گا اس کو بدل دیتے ہیں ہاں ایک جدید تعلیم یافتہ مغربی تہذیب کی روشنی سے بہرہ مند ایک روشن خیال شخص بھی اس وقت وہاں موجود تھا، اس نے جب مجذوب.بزرگ کی یہ بات سنی تو اس کو مذاق سوجھا اور اس نے آگے.بڑھ کر ان

.بزرگ کے منہ پر ایک زور دار طمانچہ رسید کر دیا، اس طمانچے کی شدت سے ان.بزرگ کے گال سرخ ہو گئے اور وہ یکبارگی چونک کر اس روشن خیال شخص کو غور سے دیکھنے لگے۔ روشن خیال نے نہایت گستاخی سے.بزرگ سے کہا " .بڑے میاں اب دیکھ کیا رہے ہو تم نے ہی تو کہا تھا کہ جو کرتا ہے اللہ ہی کرتا ہے۔ تو بس یہ بھی اللہ نے ہی کیا ہے اس میں میرا کیا دوش ہے؟.بزرگ نے مسکرا کر جواب دیا" میاں میں اب بھی اپنی بات پر قائم ہوں کہ جو بھی کرتا ہے اللہ ہی کرتا ہے لیکن دنیا میں اللہ کچھ لوگوں کا منہ کالا کرتا اور کچھ کا منہ روشن کرتا ہے بے شک یہ طمانچہ جو میرے منہ پر مارا گیا ہے اس میں میرے رب کی مرضی شامل ہے لیکن میں تو یہ دیکھ رہا ہوں کہ اللہ نے کس کا منہ کالا کیا۔"

بات تو بالکل درست ہے کہ ہر کام میں اللہ ہی کی مرضی شامل ہوتی ہے لیکن اللہ تعالی نے اس فانی انسان کو کچھ محدود بلکہ بہت ہی محدود سی آزادی دی ہے اس ارادے کی کہ وہ نیکی اور بدی میں سے کوئی ایک راستہ اختیار کر لے ،جو

لوگ خودکشیاں کر رہے ہیں یقیناً ان کی موت بھی منجانب اللہ ہی ہے لیکن ان کی خودکشی کے عمل میں بھی دو قسم کے کردار سامنے آتے ہیں ایک وہ جنھوں نے اس کو اس حال میں پہنچایا کہ وہ مایوس ہو کر وہ خودکشی کر بیٹھے اور دوسرے وہ جنھوں نے مرنے والوں کی مدد کرنے کی کوشش کی ہوگی، ان کے حالات کو بہتر بنانے کی کوشش کی ہوگی۔ ان کو اس ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کی ہوگی۔یقیناً دونوں قسم کے کرداروں کے چہروں پر مختلف تاثر ہوگا اول قسم کے کرداروں کے منہ دنیا اور آخرت میں سیاہ ہونگے اور دوسری قسم کے کرداروں کے منہ دنیا اور آخرت میں روشن ہونگے۔

ویسے اطلاع کے مطابق ریاض پیرزادہ صاحب نے قومی اسمبلی میں اسلامی نظریاتی کونسل، شرعی عدالتوں اور شرعی قوانین کی مخالفت بھی کی ہے اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ دین کے معاملے میں ان کا علم کس قدرً وسیع ً ہوگا اور یقیناً اسی وجہ سے وہ خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور حکمرانی کی خصوصیات سے واقف نہیں ہونگے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ اگر دریائے فرات کے کنارے ایک کتا بھی بھوک سے مرگیا تو اس کی ذمہ داری مجھ پر ہوگی ً شائد ریاض پیرزادہ صاحب یہ بھی نہیں جانتے ہونگے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت میں راتوں کو بھیس بدل کر مدینے کی گلیوں میں گشت کیا کرتے تھے تاکہ رعایا کے حالات سے واقف

رہ سکیں۔ اور زرا یہ واقعہ بھی سنیے حضرت حسن ابن علی رضی اللہ عنہ سے ایک دفعہ ایک شخص نے اپنی کسی ضرورت کے لئے قرض مانگا، انھوں نے فوراً گھر سے رقم لا کر اس کو دی اور پھر گھر آ کر رونے لگے اہلیہ نے کہا اگر دولت سے اتنی ہی محبت تھی تو اس شخص کو رقم نہ دیتے' فرمایا مجھے رقم کا دکھ نہیں ہے بلکہ افسوس اس بات کا ہے کہ میں اس فرد کے حالات سے اتنا بے خبر رہا کہ میرے بھائی کو میرے سامنے دست سوال دراز کرنا پڑا، میں نے خود کیوں نہ بڑھ کر اس کی مدد کی۔

ویسے جناب ریاض صاحب چلیں ان سب باتوں کو چھوڑیں اس سے آپ کا موڈ خراب ہو جائے گا۔ آپ صرف یہ کریں کہ اپنی بات کا دائرہ ذرا وسیع کر لیں وہ اس طرح کہ صرف خودکشی ہی اللہ کی رضا نہیں ہے بلکہ ہر کام منجانب اللہ ہوتا ہے اس لئے براہ مہربانی آپ پنجاب میں موجودہ ن لیگ کی حکومت کو اللہ کی رضا سمجھ کر چھوڑ دیں اور اس کو پانچ سال تک سکون سے حکومت کرنے دیں، ارے بھئی یہ اللہ کی رضا ہے اور اب اگر آپ نے اس کی مخالفت کی تو اس کا مطلب آپ اللہ کے کاموں میں دخل دیں گے۔ اور ذرا ایک مشورہ پی پی پی حکومت کو بھی دیدیں کہ کیوں گڑے مردے اکھاڑتے ہو ارے بھئی بی بی کے نصیب میں اسی طرح لکھا تھا کہ وہ کسی کی گولی کا نشانہ بنیں اس لئے اب انکے قاتلوں کے بارے میں تفتیش کرنا،اس کی تحقیقات کرنا اس پر قوم کا پیسہ ضائع کرنا غلط ہے۔ اور پھر یہ

بھی کریں کہ اسمبلی کے فورم پر یہ بات بھی کریں کہ کیوں دہشتگردی کی ہر واردات کے بعد یہ حکومت والے موقع واردات پر پہنچ کر قاتلوں کی گرفتاری کی بات کرتے ہیں، کیوں مرنے والوں کے ورثاء کو معاوضہ دیتے ہیں۔اب ان کو اپنا فلسفہ سمجھائیں کہ بھئی ان لوگوں کی قسمت میں اسی طرح مرنا لکھا تھا اب کیوں قوم کا پیسہ برباد کر رہے ہیں۔

اور پھر آپ اپنے اس انقلابی منشور کرمزید آگے بڑھائیں اور صرف شرعی قوانین کی مخالفت نہ کریں بلکہ ملک بھر کے تھانے، عدالتیں، کچہریاں، سرکاری دفاتر بند کرادیں کہ یہ قوم کا پیسہ برباد کرنے کے مترادف ہے آپ اسمبلی کے ارکان کو قائل کریں کہ" بھئی کسی کے گھر میں چوری ہوتی ہے، کسی کا بچہ اغوا ہوتا ہے، یا کسی کا کوئی عزیز قتل ہوتا ہے تو اس میں اللہ کی رضا شامل ہے ہم کیوں خدائی کاموں میں دخل دیں جو ہو رہا ہے وہ ہونے دیں، بلا وجہ خزانے پر پولیس اور عدالتوں کا اتنا بوجھ ڈال دیا گیا۔ اور سب سے بڑی بات (جو کہ آپ جیسے لوگ کبھی بھی نہیں کر سکتے) کہ آرمی چیف کو ایک درخواست لکھیں اور اس میں اپنے اس انقلابی فلسفے کی روشنی میں ان کو کہیں کہ" اگر بھارت یا کوئی دوسرا ملک ہمارے اوپر حملہ کرتا ہے تو یہ اللہ کی رضا ہے اس لئے براہ مہربانی آپ فوج کا محکمہ ختم کردیں اور تمام کام اللہ کی مصلحت پر چھوڑ دیں۔ اور پھر اخلاقی طور پر آپ کو اپنی یہ سیٹ بھی چھوڑ دینی چاہیے کہ ملک

ی جو کچھ بھی ہو رہا وہ اللہ کی مرضی ہے اس لئے آپ بلا وجہ اسمبلی میں جا کر کسی قانون کے حق میں اور کسی قانون کی مخالفت میں بات کرکے اللہ کی رضا کے خلاف کام کریں گے اس لئے ہم منتظر ہیں اس خبر کے کہ آپ کب اپنا استعفیٰ پیش کرتے ہیں۔
دکھ ہوتا ہے ہمیں جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ کیسے کیسے لوگ ہمارے اوپر حکمران بن بیٹھے ہیں۔ محترم ریاض پیرزادہ صاحب یقیناً ہر کام اللہ کی مرضی سے ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا یہ نظام ہے کہ وہ اس کام کو بندوں کے ذریعے ہی انجام دلاتا ہے اور اس کے ذریعے کرداروں کو سامنے لاتا ہے (جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا تھا) تھوڑا سا عقل استعمال کریں تو آپ کی بہت سی چیزیں سمجھ آ جائیں گی۔ کیا نعوذ باللہ اللہ کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ دین اسلام کو براہ راست نافذ کر دیتا؟ کوئی بدر و حنین کا واقعہ نہیں ہوتا، نبی مہربان صلی اللہ علیہ وسلم کو طائف کی وادی میں پتھر نہ کھانے پڑتے، شعب ابی طالب میں محصور نہ ہونا پڑتا، اپنا عزیز شہر مکہ چھوڑ کر مدینہ ہجرت نہ کرنی پڑتی، اپنوں کے طعنے نہ سننے پڑتے، احد کا سخت معرکہ بھی پیش نہ آتا کیوں کہ اللہ رب العالمیں تو جب کسی چیز کو کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو وہ کہتے ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے (کُن فیکن)۔ لیکن یہ اللہ کی مصلحت ہے کہ اس نے انسانوں کو دنیا میں میں آزمائش کے لئے بھیجا ہے اور وہ وہ اس کے ذریعے دیکھتا ہے کون

ثابت قدم رہتا ہے اور کون اللہ کے راستے سے پھر جاتا ہے۔ نبی مہربان صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک ہے دنیا آخرت کی کھیتی ہے یعنی یہاں انسان جو بیج بوئے گا اس کی فصل اس کو آخرت میں کاٹنی ہو گی۔ لیکن یہ تو یقین کی بات ہے نہ۔ جو لوگ شرعی قوانین ہی کو نہ مانتے ہوں ان سے یہ امید کرنا کہ وہ کوئی اچھا کریں گے تو یہ ایک خیال خام ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر کام کے لئے جہد اور سعی کو لازم قرار دیا ہے یہ بالکل ممکن ہے میں اللہ سے سفر حج کی دعا کروں اور اللہ تعالیٰ چاہے تو مجھے یکبارگی اٹھا کر دیار نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پہنچا دیں لیکن یہ اللہ کا طریقہ کار نہیں ہے اللہ نے اس کے لئے جو طریقہ کار ہے اس کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور مجھے باقاعدہ پاسپورٹ بنوانا پڑے گا، ویزہ لگوانا پڑے گا، اور ٹکٹ لینا ہوگا اور اس کے بعد ہی میں اپنی منزل پر پہنچ پاؤں گا۔ ہاں اس میں یہ ضرور ہوگا کہ جب میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرونگا تو اللہ اس سفر کے اسباب مہیا کریں گے،اس سفر کے راستے کی رکاوٹیں دور کریں گے اور اس سفر کو میرے لئے آسان بنائیں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ کار ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمارے گناہوں سے درگزر کرتے ہوئے ہم سے آسانی کا معاملہ فرمائے اور ہمیں اچھے اور نیک حکمران عطا فرمائے۔

دہشت گردی کے خلاف جنگ نام نہاد ہے: رچرڈ ہالبروک

دنیا میں بھر میں جو سفارتی اہلکار یا ڈپلومیٹ تعینات کئے جاتے ہیں وہ لفظوں کے استعمال میں نہایت احتیاط برتتے ہیں تاکہ کہیں زبان کی کسی لغزش سے فریق مخالف فائدہ نہ اٹھالے یا اس کی کسی غلطی سے کسی دوست ملک کے تعلقات میں دراڑ نہ پڑ جائے۔ اور جب کسی ملک کا کوئی ذمہ دار اہلکار غیر ملکی دورے پر ہوتا ہے تو اس وقت وہ خاص طور پر اس معاملے میں احتیاط برتتا ہے۔ ان کو یہ احتیاط اس لئے بھی برتنی پڑتی ہے کہ اخبار نویس ایسے کسی موقع کی تلاش میں ہوتے ہیں کہ ادھر کوئی ایسا لفظ یا جملہ کہا جائے اور وہ اس کو اچک لیں۔ اس بات کا مشاہدہ ہم اس طریقے سے کر سکتے ہیں کہ جب کسی نیوز چینل پر کوئی اینکر کسی سرکاری عہدیدار، یا کسی تنظیم کے ذمہ دار کے ساتھ گفتگو کر رہا ہو، تو اس گفتگو کے دوران اپنی توجہ مذکورہ فرد پر مبذول رکھتے ہیں اور پھر بڑی مہارت سے ان کے ادا کئے گئے جملوں ہی کی مدد سے اس کا تیا پانچہ کردیتے ہیں۔

میڈیا کی جب بات آتی ہے تو اس معاملے میں پاکستانی میڈیا بھی کسی سے کم نہیں ہے تمام ہی چینلز ایک دوسرے سے بازی لیجانے کے چکر میں بڑھ چڑھ کر بریکنگ نیوز چلاتے ہیں۔ اور عوام کو اپنی جانب متوجہ کرنے کے لئے انہوں نے

مختلف نعرے یا سلوگن اپنا لیے ہیں کسی کا نعرہ ہے وہ " خبروں سے آگے " بڑھ کر بات کرتے ہیں، کوئی کہتا ہے کہ ان کی "ہر خبر پر نظر " ہے۔ کوئی خبر کے "اندر کی خبر " لانے کا دعویٰ کرتا ہے اور نہ جانے کیا کیا۔ لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ ان تمام ہی چینلز کا یہ دعویٰ جھوٹا ہے کیوں ۱۹ جون ۲۰۱۰ کو دو اتنے بڑے واقعات ہوئے لیکن کسی چینل نے ان پر بات کرنے کی کوشش نہیں کی۔ ایک واقعہ حیدر آباد میں ہوا جہاں ایم کیو ایم حقیقی نے حیدر آباد پریس کلب میں ایک پریس کانفرنس کا اہتمام کیا تھا لیکن اس سے پہلے ہی ایک لسانی تنظیم کے غنڈوں نے پریس کلب میں درجنوں صحافیوں اور چینلز کے نمائندوں اور پولیس اہلکاروں کی موجودگی میں وہاں فائرنگ کی، حقیقی کے عہدیداران کو اغواء کرنے کی کوشش کی اور میڈیا کے لوگوں کے سامنے ان کو مغلظات بکیں اور لعنتیں دیں لیکن درجنوں صحافیوں کے سامنے اور پریس کلب پر ہونے کے باوجود یہ واقعہ میڈیا میں جگہ نہ بنا سکا۔ اور کسی چینل نے یہ خبر اس طریقے سے نہیں چلائی اس واقعے پر مزید بات ہم الگ کالم میں کریں گے)۔)

دوسری اہم اور بڑی بلکہ ہمارے نزدیک گزشتہ دس سالوں کی سب سے بڑی خبر اسلام آباد میں بنی اور اس کو خبر کو وہیں " قتل " کر دیا گیا۔ ۱۹ جون کو افغانستان اور پاکستان کے لئے امریکہ کے خصوصی نمائندے رچرڈ ہالبروک نے پاکستانی وزیر خارجہ شاہ محمود قریشی کے ساتھ ایک مشترکہ پریس کانفرنس کی۔

اس پریس کانفرنس کی تفصیل اخبار میں آچکی ہے لیکن جو خبر وہیں دبا دی گئی اور کسی چینل نے اس کو " ہائی لائٹ " نہیں کیا۔ وہ ان کا ایک جملہ تھا۔ مشترکہ پریس کانفرنس میں جب وہ صحافیوں کے سوالات کے جواب دے رہے تھے تو ان سے ایک سوال دہشت گردی کے خلاف جنگ سے متعلق تھا اور۔۔۔۔۔۔۔ رچرڈ ہالبروک نے اس جنگ کو " نام نہاد جنگ " قرار دیدیا۔ اگرچہ کے اس کے ساتھ یہ انہوں نے یہ بھی کہا کہ پاکستان اور امریکہ مشترکہ خطرے کا سامنا کر رہے ہیں۔

محترم قارئین کرام غور کریں کہ اس وقت پوری دنیا کا نقشہ اسی ایک جنگ کے باعث تبدیل ہوچکا ہے۔ پوری دنیا اس وقت دو بلاکس میں تقسیم ہوچکی ہے ایک وہ جو امریکہ کے مطابق ہمارے ساتھ ہے یعنی امریکہ کے ساتھ ہے اور دوسرا وہ جو ان کے یعنی امریکہ کے خلاف ہے۔ اس نام نہاد جنگ کے باعث لاکھوں لوگ اپنی جان سے گئے، لاکھوں معذور ہوگئے، لاکھوں بچے یتیم ہوگئے، اس نام نہاد جنگ کے باعث افغانستان، اور عراق کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی۔ اسی نام نہاد جنگ کی بنیاد پر دنیا بھر میں مسلمانوں کا تشخص بگاڑا گیا، اسی نام نہاد جنگ کے باعث دشمنان دین نے نبی مہربان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گستاخانے خاکے بنائے، اسی نام نہاد جنگ کے باعث ہماری فوج کے جوانوں نے جام شہادت نوش کیا، اسی نام نہاد جنگ کے باعث ہمارا ملک اس وقت ایک افراتفری اور انتشار کا شکار ہے، اسی نام نہاد جنگ کے باعث آئے دن کے دھماکے اور حملے ہمارا مقدر

بن گئے۔ اسی نام نہاد جنگ کے باعث ہمارے ملک پر روزانہ ڈرون حملے ہو رہے ہیں اور روزانہ درجنوں لوگ قتل کئے جا رہے ہیں۔ ہم تو اس کو ابتداء ہی سے نام نہاد جنگ کہتے آئے ہیں لیکن اب جبکہ اس جنگ کا ڈھنڈورا پیٹنے والوں نے ہی اس کو نام نہاد کہہ دیا تھا تو ہمارا میڈیا اس انتہائی اہم معاملے پر چپ کیوں رہا؟ کہیں یہ حق نمک تو ادا نہیں کیا جا رہا وہ نمک جو گرانٹ، پلاٹوں اور ملٹی نیشنل اداروں کے کروڑوں روپے کے اشتہارات کی صورت میں کھلایا جا رہا ہے۔ اور اسی نمک حلالی کے چکر میں ملک میں تہذیب و اخلاق کا دامن تار تار کر دیا گیا ہے۔

ذرا غور کریں کہ ایک پی پی کی فوزیہ وہاب کوئی جملہ کہہ دیں تو اس پر کئی روز تک پروگرام کئے جاتے ہیں، مذاکرے اور مباحثے منعقد کئے جاتے ہیں اور باقاعدہ علماء سے فتویٰ لیے جاتے ہیں کہ انہوں نے جو کہا ہے اس کی شرعی حیثیت کیا ہے، لیکن اس معاملے پر سارے میڈیا والے چپ ہیں۔

یہاں ہم ایک بات کی وضاحت کر دیں کہ جیسا کہ ہم نے مضمون کے آغاز میں کہا تھا کہ سفارتی اہلکار و ڈپلومیٹ الفاظ کے استعمال میں محتاط ہوتے ہیں تو وہ کوئی ایسی بات نہیں کہتے جس سے ان کو نقصان پہنچے، الا یہ کہ وہ بات از خود ان کے منہ سے نکل آئے جیسا کہ رچرڈ ہالبروک کے معاملے میں ہوا۔ البتہ بہت

سے قارئین کے ذہن میں یہ بات آ سکتی ہے کہ ہم خوامخواہ بات کا بتنگڑ بنا رہے ہیں اور اگر اس نے بھولے سے یہ بات کہہ دی تو کیا ہوا انسان سے غلطی بھی تو ہو سکتی ہے۔

بات تو بالکل درست ہے کہ انسان سے غلطی بھی تو ہو سکتی ہے اور ہم بھی اس کو غلطی ہی سمجھتے اگر ہمارے سامنے دو مثالیں موجود نہ ہوتیں پہلی بات تو یہ کہ یہ بات ایک امریکی عہدیدار نے کہی ہے اور امریکہ کا یہ ریکارڈ ہے کہ جب وہ دیکھتا ہے کہ کسی ملک کے حکمران اس کے سامنے جھک گئے ہیں اور وہ لوگ اب مزاحمت نہیں کریں گے تو وہ اس ملک کے ذمہ داران کے سامنے اپنی اندر کی باتیں بڑی سفاکی سے کہہ دیتے ہیں کہ کرلو جو کرنا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ملک میں جب ڈرون حملوں کا آغاز ہوا تو اس وقت ہمارے سابق صدر جنرل پرویز مشرف اور دیگر ان حملوں کو اپنی کاروائی کہتے تھے لیکن کچھ وقت کے بعد جب امریکہ نے دیکھا کہ یہ لوگ مزاحمت نہیں کر رہے تو اس کے بعد امریکہ نے اس بات کا برملا اظہار کرنا شروع کیا کہ " یہ حملے تو ہم کرتے ہیں اور پاک فوج اس کی ذمہ داری قبول کرتی ہے " یہ ایک مثال ہے۔

دوسری مثال بہت اہم ہے اور اسی وجہ سے ہم اس خبر کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔

قارئین آپ لوگوں کو یاد ہوگا کہ ٹوئین ٹاورز پر القاعدہ کے مبینہ حملوں کے فوراً بعد سابق صدر جارج ڈبلیو بش نے ایک ہنگامی پریس کانفرنس منعقد کی تھی اور اس میں جارج بش نے کہا تھا کہ " یہ ایک نئی کروسیڈ یعنی صلیبی جنگ کا

آغاز ہے" اس وقت بھی جارج بش کے ان الفاظوں کو اہمیت نہیں دی گئی۔ خود جارج بش نے بھی یہ وضاحت کی یہ الفاظ غلطی سے ان کے منہ سے نکل گئے ہیں لیکن صرف چند ماہ میں ہی یہ بات ثابت ہو گئی کہ جارج بش نے یہ بات غلطی سے نہیں کہی تھی بلکہ یہی حقیقت تھی جو ان کے لبوں پر بے اختیار آ گئی۔ ہم سمجھتے ہیں کہ رچرڈ ہالبروک کا دہشت گردی کے خلاف جنگ کو" نام نہاد جنگ" قرار دینا بھی کوئی اتفاقی امر نہیں ہے بلکہ دراصل یہی اصل بات ہے جو بے اختیار ان کے لبوں پر آ گئی ہے اس لئے میڈیا اس معاملے میں ذمہ داری کا ثبوت دے اور رچرڈ ہالبروک کے اس بیان کی روشنی میں حکومت سے یہ مطالبہ کیا جانا چاہئے کہ جن سے وفاداری نبھانے کے لئے آپ یہ جنگ اپنے سر پر لے رہے ہیں وہ تو اس کو نام نہاد جنگ قرار دے رہے ہیں اس لئے فوری طور پر اس نام نہاد جنگ سے علیحدگی اختیار کر کے ملک کو بدامنی سے نجات دلائی جائے۔

فضائی جیب کترا: سب سے پہلے پاکستان

خبر کچھ اس طرح ہے کہ دبئی سے کراچی آنے والی ایک پرواز سے جیب کترا، ایک مسافر کی جیب کاٹتے ہوئے گرفتار ہوا ہے۔ اور اس کا تعلق کراچی پاکستان سے ہے۔ لو جی جناب عالی یہ "عزت افزائی" "نیک نامی" اور عالمی ریکارڈ" سب سے پہلے پاکستان" کے حصے میں آیا ہے کہ وہاں کے لوگوں نے فضائی جیب تراشی کی ابتدا کی اور اب جب بھی جیب تراشی کی تاریخ لکھی جائے تو اس میں سنہری لفظوں میں پاکستان کا نام لکھا جائے گا کہ اس ملک کے " کاریگر اور ذہین " لوگوں نے دنیا میں سب سے پہلے فضائی جیب تراشی کی۔ کیا خوب نام روشن کیا ہے جناب ان لوگوں نے وطن عزیز کا۔ ویسے یہ خبر سن کر ہمیں ایک بہت پرانا اور گھسا پٹا لطیفہ یاد آگیا ہے جو کہ ہم آپ سے شئیر کرلیتے ہیں کہ " ایک ہوائی جہاز جو کہ دنیا کے گرد چکر لگا رہا تھا اس میں ایک پاکستانی، ایک چینی اور ایک فرانسیسی سفر کر رہے تھے، دوران سفر اچانک فرانسیسی چلانے لگا کہ فرانس آگیا اور پیرس آگیا۔ لوگوں نے پوچھا کہ تمہیں کیسے پتہ چلا تو اس نے جواب دیا کہ جب میں نے کھڑکی سے جھانکا تو مجھے ایفل ٹاور نظر آیا اور میں سمجھ گیا کہ ہم پیرس کے اوپر پرواز کر رہے ہیں۔ کافی دیر بعد اچانک چینی باشندہ چلا اٹھا کہ لوگوں چین آگیا چین آگیا لوگوں نے پوچھا کہ تمہیں کیسے پتہ چلا تو اس نے جواب دیا کہ مجھے کھڑکی سے

دیوار چین نظر آ رہی تھی اس لئے میں سمجھ گیا کہ چین آگیا ہے۔ تھوڑی دیر بعد پاکستانی مسافر نے اپنا ہاتھ باہر نکالا اور غصے سے چلایا کہ پاکستان آگیا پاکستان آگیا دیگر مسافروں نے پوچھا کہ تمھیں کیسے پتہ چلا کیا تم نے مینار پاکستان دیکھا؟ پاکستانی نے جواب دیا کہ نہیں بلکہ جب میں نے اپنا ہاتھ کھڑکی سے باہر نکالا تو کسی نے میرے ہاتھ سے گھڑی چرا لی "۔

ہمیں کیا پتہ تھا کہ یہ لطیفہ ایک حقیقت بن جائے گا اور اب پاکستانی لوگ فضائی جیب کترے بھی بن جائیں گے۔ ویسے اس واردات کے بعد ذرا تصور کریں کہ کیا منظر ہوگا جب آپ کسی جہاز میں سفر کریں گے اور جہاز میں سوار ہونگے تو جہاز کی دیواروں پر اس قسم کی عبارت درج ہونگی " اپنے سامان کی حفاظت خود کریں " " جیب کتروں سے ہوشیار رہیں " وغیرہ وغیرہ۔ ویسے اس واردات سے ہمارے ایک خیال کی تصدیق ہو گئی۔ جب ہم اخبارات میں کسی واردات کی خبر پڑھتے تھے یا کسی گرفتار مجرم کی گفتگو پڑھتے تھے جس میں وہ غربت کو اپنے مجرم بننے کی وجہ قرار دیتا تھا تو دوستوں سے ہماری بحث ہوتی تھی کہ محض غربت کے باعث ایسا نہیں ہوسکتا کیوں کہ اگر کوئی فرد صرف غربت کی وجہ سے چوری کرے گا تو وہ ایک ہی بار کوئی بڑی واردات کرے گا اور اگر اس نے واقعی مجبوری میں چوری کی ہوگی تو اس واردات کے بعد وہ توبہ کرلے گا لیکن ہم دیکھتے ہیں عادی مجرم بھی اپنے جرم کا جواز غربت کو قرار دیتے ہیں تو یہ غلط ہے۔ اب ہمارے

خیال کی تصدیق اس طرح ہوتی ہے کہ یہ جیب کترا جہاز میں سوار تھا تو اس کا مطلب ہے کہ وہ کوئی مجبور یا غریب شخص نہیں ہے بلکہ اچھا خاصا کمانے والا فرد ہے جب ہی تو جہاز میں سفر کر رہا تھا بالفرض کہ وہ بذات خود اتنا امیر نہ ہو بلکہ کسی ادارے کا ملازم ہو اور ادارے کی جانب سے وہ سفر کر رہا ہو تو بھی اس کی اس حرکت کا جواز نہیں بنتا کیوں کہ اس کا مطلب کہ وہ برسر روزگار ہے اور اچھا کمانے والا فرد ہے۔ مقصد یہ ہے کہ یہ اس فرد نے غربت یا مجبوری کے باعث یہ حرکت نہیں کی ہے۔

بات دراصل یہ ہے کہ ایک چینی کہاوت ہے کہ مچھلی ہمیشہ سر کی جانب سے سڑنا شروع ہوتی ہے جب ہمارے حکمران، ہمارے وزراء ہمارے ارکان اسمبلی ہی کرپٹ اور فراڈی ہوں تو عوام کو اس بات کا حوصلہ ملتا ہے کہ ہم بھی کچھ کر گزریں۔ جہاں رکن اسمبلی سونے کا سیٹ چرانے کی کوشش کریں تو کیا ایک رکن اسمبلی غربت کی وجہ سے چوری کر رہی تھیں جی نہیں بلکہ عادتاً اور فطرتاً پیسے کی ہوس کی وجہ سے، غور کریں کہ بینکوں سے قرضے لیکر ہڑپ کرنے والے، قبضہ مافیا، بھتہ خور، فراڈ اسکیموں کے ذریعے لوگوں کی کمائیاں ہڑپ کرنے والے، چینی اور آٹے کی مصنوعی قلت پیدا کرکے عوام کے حق پر ڈاکہ ڈالنے والے، پیٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں کے ذریعے کمیشن کھانے والے، جعلی ڈگری پر اسمبلی میں پہنچنے والے اور خزانے کو نقصان پہنچانے والے، سرکاری سودوں میں اربوں اور

کروڑوں روپے کا کمیشن بنانے والے، اربوں روپے کا ٹیکس چوری کرنے والے کیا یہ سب لوگ غریب ہیں یا یہ لوگ مجبور ہیں، جی نہیں یہ سب لوگ غریب نہیں ہیں بلکہ لاکھوں روپے ماہانہ کمانے اور خرچ کرنے والے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ جو کہ پیسے کی ہوس کے باعث یہ سب کام کرتے ہیں اور ان کے پیٹ کا دوزخ ہے کہ بھرتا ہی نہیں وہ ہل من مزید کی صدا لگاتا رہتا ہے۔

رہ گیا بے چارہ غریب تو وہ اگر کسی بینک سے پچاس ساٹھ ہزار روپیہ قرض لے یا کوئی رکشہ وغیرہ قسطوں پر بینک سے لیتا ہے اور اس کی قسط ادا نہ کرسکے تو بینک اپنے " غنڈے اہلکاروں " کو اس کے پاس بھیجتے ہیں (ان غنڈوں اور بدمعاشوں کو " ریکوری آفیسر " کا رعب دار نام دیا جاتا ہے) یہ غنڈے اور بدتمیز لوگ اس غریب کو اتنا ذلیل کرتے ہیں کہ وہ بے چارہ خودکشی پر مجبور ہوجاتا ہے۔ جب کہ یہی بینک کروڑ پتی لوگوں کو مزید کروڑوں روپے کے قرضے دیتے ہیں اور پھر یہ قرضے معاف بھی کرالئے جاتے ہیں۔ غریب تو بے چارہ اپنے عزت نفس اور سفید پوشی کے باعث یا تو کسی دور دارز علاقے میں جہاں کوئی پہچاننے والا نہ ہو وہاں ہاتھ پھیلاتا ہے یا پھر غیرت اور خودداری کے باعث موت کو گلے لگاتا ہے لیکن چوری غنڈہ گردی پھر بھی نہیں کرتا۔ گزشتہ دنوں لاہور میں اجتماعی خودکشی کا واقعہ اس بات کا بین ثبوت ہے)۔)

بات دراصل یہ ہے کہ جب تک معاشرہ میں انصاف نہ ہوگا۔ مجرموں کو سزائیں نہ ملیں گی اس وقت تک یہ کام ہوتے رہیں گے۔

ضمنی انتخابات: جرم سیاستدانوں کا ہے تو عوام اور قومی خزانہ کیوں بوجھ اٹھائے؟

کیا آپ لوگوں کو کسی سرکاری یا نجی کمپنی کے کسی کام کا ٹینڈر بھرنے کا موقع ملا ہے یا اس کی معلومات ہیں؟ اگرچہ یہ ہماری فیلڈ نہیں ہے لیکن کچھ موٹی موٹی باتیں ہمیں معلوم ہیں کہ جس کام کا ٹھیکہ دیا جارہا ہوتا ہے اس کے لئے خواہشمند کمپنیوں اور اداروں سے ٹینڈر طلب کئے جاتے ہیں وہ خواہش مند کمپنیاں اور ادارے کام کی نوعیت کے حساب سے کام کی لاگت کا ایک تخمینہ لگاتے ہیں اور وہ اس کی کوٹیشن بنا کر دیدی جاتی ہے۔ اب جو کمپنی ٹھیکہ دے رہی ہوتی ہے وہ تمام کوٹیشنز کا جائزہ لیتی ہے اور اس میں دو باتوں کو ترجیح دی جاتی ہے اول یہ کوٹیشنز کا موازنہ کیا جاتا ہے اور جو کمپنیاں یا ادارے کم از کم لاگت میں مطلوبہ کام پورا کرنے کی پیش کش کرتی ہے ان میں سے کم از کم تین یا چار کو منتخب کرلیا جاتا ہے اور پھر یہ دیکھا جاتا ہے ان منتخب شدہ کمپنیوں کی مارکیٹ میں کیا ساکھ (گڈ وِل) ہے اس کا ریکارڈ کیسا ہے۔؟ اس کے کام کا معیار کیا ہے؟ آیا وہ مطلوبہ کام اپنے مقررہ وقت پر مکمل کر بھی سکے گا یا نہیں؟ ان تمام باتوں کے بعد کسی ایک کمپنی کو ٹھیکہ دیا جاتا ہے کہ وہ اپنی پیشکش کے مطابق کام شروع کرے اور اس میں دو باتیں سب سے اہم ہوتی ہیں پہلی بات تو یہ کہ جس کمپنی کو بھی ٹھیکہ دیا جاتا ہے وہ کام شروع کرنے سے پہلے مکمل لاگت کا دس

یا بیس فیصد حصہ بطور زر ضمانت وہاں جمع کراتی ہیں تاکہ اگر کمپنی ٹھیکہ لینے کے بعد کام ادھورا چھوڑ جائے تو اس کا زر ضمانت ضبط کرلیا جاتا ہے اور دوسری بات کہ ایسی کمپنی کو بلیک لسٹ کردیا جاتا ہے کہ اب آئندہ اس کمپنی کو کسی بھی ٹینڈر میں شامل نہیں کیا جائے گا۔ اور پھر یہ ہوتا کہ کوئی کمپنی اپنی دی ہوئی کوٹیشن اور معاہدے کے مطابق وہ کام نہ کرسکے اور کام چھوڑ جائے تو پھر اسی کام کے لئے نیا ٹینڈر نہیں جاری کیا جاتا بلکہ اس صورت میں جو کمپنی دوسرے نمبر پر ہوتی ہے اس کو اس کی پیش کش کے مطابق یہ ٹھیکہ دیدیا جاتا ہے۔ کیونکہ اگر اب نئے سرے سے ٹینڈر جاری کیا جائے تو ایک تو یہ کمپنی یا ادارے کے پیسے اور وقت کا زیاں ہوتا ہے اور پھر ایک نئے سرے سے سارے کام کو کیا جاتا ہے، اور اس میں یہ عین ممکن ہوتا ہے کہ کام مکمل نہ کرنے والی کمپنی یا گروپ کسی دوسرے نام سے یا دوسری کمپنی کی آڑ لیکر دوبارہ اس ٹینڈر میں شامل ہوجائے۔

قارئین کرام یہ کچھ موٹی موٹی باتیں تھیں جو کہ ہم نے آپ سے بیان کی ہیں یقیناً اس کی تفصیلات میں جائیں گے تو مزید باریکیاں بھی ہونگی جو ہمارا موضوع نہیں ہیں۔ اس وقت آپ لوگوں سے یہ ساری باتیں ہم اس لئے بیان کر رہے ہیں کہ اس وقت ملک میں ضمنی الیکشن کا موسم آیا ہوا ہے۔ کئی فراڈ ارکان اسمبلی کی جعلی ڈگری کے باعث ان کی اسمبلی کی رکنیت ختم کردی گئی اور پھر

وہاں ضمنی الیکشن منعقد کرائے گئے۔ کئی حلقہ جات میں الیکشن ہو چکے ہیں اور کئی حلقہ جات میں ابھی ہونا باقی ہیں۔ محترم قارئین یہ کتنی افسوس اور ظلم کی بات ہے کہ ایک فرد ایک جعلی ڈگری کی بنیاد پر ایک الیکشن جیتتا ہے، اس کی بنیاد پر وہ اسمبلی میں جانے کا حق حاصل کرلیتا ہے۔ ساری مراعات حاصل کرلیتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ جناب وہ تو جس ڈگری کی بنیاد پر اسمبلی کا رکن بنا ہے وہ ڈگری ہی جعلی تھی۔ اس رکن کو محض نا اہل قرار دے کر اسمبلی سے فارغ کیا جاتا ہے۔ اور جب ضمنی الیکشن ہوتے ہیں تو وہی فرد ایک بار پھر الیکشن میں حصہ لیتا ہے اور پھر رکن اسمبلی بن کر قانون اور آئین کا مذاق اڑا رہا ہوتا ہے۔ اور تو اور چور رکن اسمبلی بھی موجود ہیں جو کہ چوری کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑی گئی ہیں اور ان کو عدالت نے بری نہیں کیا بلکہ مدعی نے ان کو معاف کر دیا تو عدالت نے یہ مقدمہ خارج کرلیا ہے اور وہ رکن اسمبلی اب نہایت ڈھٹائی سے یہ کہتی ہیں کہ چونکہ جس بنیاد پر مجھے نا اہل قرار دیا گیا تھا وہ مقدمہ ختم ہوگیا ہے اس لئے اب میں دوبارہ عدالت سے رجوع کرونگی کہ میری نااہلی کا فیصلہ واپس لیا جائے اور میری اسمبلی کی رکنیت بحال کی جائے۔ (شرم تم کو مگر نہیں آتی

اب جب ضمنی الیکشن ہونگے تو اس میں حکومت کا لاکھوں روپے کا خرچہ ہوگا کیوں کہ اب نئے سرے سے یہاں کاغذات جمع کرائے جائیں گے، بیلیٹ پیپر پرنٹ کرائے

جائیں گے، اس حلقے میں الیکشن ڈیوٹی کے لئے کئی اسکول ٹیچرز اور عدالتی اسٹاف کو تعینات کیا جائے گا اور ان کو اس الیکشن ڈیوٹی کی مد میں بھاری الاؤنس ادا کئے جائیں گے۔ الیکشن والے دن اس حلقے میں سرکاری چھٹی کا اعلان کیا جائے گا تو اس مد میں معیشت کو پہنچنے والا نقصان الگ ہوگا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ جنرل الیکشن کے مقابلے میں ضمنی الیکشن میں لڑائی جھگڑے زیادہ ہوتے ہیں کیوں کہ صرف کسی ایک یا دو حلقے میں انتخابات ہو رہے ہوتے ہیں اس لئے تمام پارٹیاں اپنی افرادی قوت کو مجتمع کرکے وہاں پہنچا دیتی ہیں جس کے باعث خون خرابہ ہوتا ہے۔

گزشتہ رات لاہور میں بھی یہی ہوا، جبکہ اس سے قبل پنڈی میں ضمنی الیکشن کے)
دوران ایک فرد کو قتل کیا گیا، اس کے علاوہ بارہ مئی دو ہزار چار کو کراچی میں بھی ضمنی الیکشن کے دوران نو افراد کو قتل کیا گیا تھا) جبکہ اس ساری صورتحال میں نااہل رکن اسمبلی کا کیا بگڑا؟ جواب ہے کہ کچھ بھی نہیں نہ اس کو کوئی اثر ہوا، نہ اس کی پارٹی اس سے متاثر ہوئی بلکہ نااہل رکن اسمبلی دوبارہ الیکشن میں کھڑے ہو جاتے ہیں (اس کی مثال پی پی پی اور ن لیگ کے دو ارکان ہیں جنھیں عدالت نے جعلی ڈگری کی بنیاد پر نااہل قرار دیا اور پارٹی نے ان لوگوں کو دوبارہ ٹکٹ دیے اور وہ لوگ دوبارہ الیکشن میں کھڑے ہوئے۔ (

قارئین کرام یہ ساری باتیں دیکھ کر ہمارے ذہن میں یہ بات آئی کہ اس فورم کے

ذریعے متعلقہ حکام تک اپنی بات پہنچائی جائے کہ الیکشن میں بھی ٹینڈر کا طریقہ اختیار کیا جائے، یعنی تمام امیدواروں سے پانچ سال کی تنخواہ اور مراعات کا بیس فیصد بطور زر ضمانت پیشگی وصول کیا جائے اور یہ رقم اسمبلی کی معیاد پوری ہونے پر ان کو واپس کی جائے، جبکہ کرپشن، فراڈ، چوری یا کسی بھی وجہ سے نا اہل قرار دئے جانے کی صورت میں ان کی یہ رقم بحق سرکار ضبط کرلی جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ کسی بھی اخلاقی جرم میں ملوث ہونے کے باعث نا اہل ہونے کی صورت میں ان کو ادا کی گئی تنخواہ اور مراعات بھی واپس لی جائیں جبکہ نا اہل ہونے کی صورت میں الیکشن کمیشن کسی بھی حلقے میں ضمنی الیکشن نہ کرائے بلکہ چونکہ کرپٹ اور فراڈی رکن اسمبلی نے عوام کو دھوکہ دیا، قانون کی خلاف ورزی کی، اور ایک اہل شخص کا حق مارا اور چونکہ اس نے کرپشن اور فراڈ کے باعث اپنی سیٹ گنوائی ہے اس لئے اب اس کو یا اس کی پارٹی کو کوئی حق نہیں ہے کہ وہ اس حلقے میں ضمنی الیکشن کا مطالبہ کریں بلکہ جنرل الیکشن میں ووٹوں کے لحاظ سے جو بھی امیدوار دوسرے نمبر پر تھا اس کو رکن اسمبلی بنا دیا جائے۔ تیسری اور آخری بات یہ کہ اگر ضمنی الیکشن نا گزیر ہی ہو تو پھر جس پارٹی کا امیدوار کرپشن یا اخلاقی جرم میں ملوث پایا گیا اور اس کو نا اہل قرار دیا جائے تو پھر نہ صرف اس امیدوار کو بلکہ اس کی پارٹی کو بھی کم از کم اس حلقے میں الیکشن میں حصہ لینے کی اجازت نہ دی جائے تاکہ آئندہ دوسری پارٹیوں کو بھی عبرت حاصل ہو اور وہ کرپشن اور فراڈ

سے گریز کریں۔

یہاں ایک سوال یا اعتراض پیدا ہو سکتا ہے کہ اس طرح تو جو امیدوار دوسرے نمبر پر ہوگا وہ اپنے مخالف کو راستے سے ہٹانے کی کوشش کر سکتا ہے ہمارے پاس اس کا حل بھی موجود ہے اور وہ یہ کہ اگر کوئی رکن اسمبلی مناسب طور سے اپنا کام کر رہا ہو اور اس دوران خدانخواستہ اس کا انتقال ہو جائے یا اس کا قتل ہو جائے تو پھر اس صورت میں بھی ضمنی الیکشن کی کوئی ضرورت نہیں ہے بلکہ وہ فرد جس گروپ یا پارٹی کا ہے اسی پارٹی کو اختیار دیا جائے کہ وہ اپنے کسی دوسرے فرد کو اس حلقے سے اسمبلی کی رکنیت کے لئے نامزد کریں اور پھر اس نامزد فرد کو انتخابات کے بغیر براہ راست اسمبلی کی رکنیت دے دی جائے۔ اس قانون کا فائدہ یہ ہوگا کہ کسی مخالف امیدوار کے دماغ میں یہ خناس نہ آئے کہ میں اس کو راستے سے ہٹا دونگا تو اس کے بعد میرا نمبر آئے گا۔ بلکہ جب مخالف امیدوار کو پتہ ہوگا کہ مخالف کو راستے سے ہٹانے کے باوجود بھی یہ سیٹ مجھے نہیں ملے تو وہ اپنے ارادے سے باز رہے گا۔

قارئین محترم یہ ہماری تجاویز تھیں جو کہ ہم نے اپنے فہم و دانش کے مطابق دی ہیں ان میں کوئی کمی یا کمزوری رہ سکتی ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اگر ان باتوں پر عمل کیا جائے تو مجموعی طور پر اس کے بہت مثبت اثرات مرتب

ہونگے۔

نظریہ اواگون: مائیکل جیکسن کا دوسرا جنم: لاحول ولا قوۃ الا باللہ

جب سے پاکستان میں نجی چینلز کا قیام عمل میں آیا ہے اس وقت سے بہت تیز رفتاری سے معاشرے کو تبدیل کرنے کا عمل شروع کیا گیا۔ ہماری تہذیب و ثقافت کو چھوڑ کر بھارتی اور مغربی تہذیب و کلچر کو پروان چڑھایا جارہا ہے، صورتحال یہ ہے کہ اب ہم لوگ گھر والوں کے ساتھ بیٹھ کر ٹی وی نہیں دیکھ سکتے کیوں کہ اول تو ڈرامے ہی اتنے فضول، بے بنیاد اور ایلیٹ کلاس کلچر کو سامنے رکھ کر بنائے جارہے ہیں کہ وہ بالکل مصنوعی مصنوعی سے لگتے ہیں پھر انتہائی بولڈ موضوعات، اس کے ساتھ ساتھ جو نیوز چینلز ہیں وہ بھی انتہائی متنازعہ اور شعائر اسلام کے برخلاف موضوعات کو منتخب کرکے کبھی کال گرلز کے اوپر پروگرامز پیش کررہے ہوتے ہیں کبھی تیسری جنس کے شب و روز اور انکے اوپر پروگرام دکھائے جاتے ہیں، کبھی بچوں کو جنسی تعلیم دینے کی بات کی جاتی ہے، کبھی حدود اللہ کے خلاف اعلان جنگ کیا جاتا ہے اور کبھی قادیانیوں کو مسلمان ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اگر شومئی قسمت آپ کو کوئی اچھا اور دلچسپ پروگرام دیکھنے کو مل جاتا ہے تو اچانک وقفہ ہوتا ہے اور اس وقفے میں حیا سوز اشتہارات آپ کو مجبور کرتے ہیں کہ آپ فوراً چینل تبدیل کرلیں فیملی پلاننگ، اور خواتین کی پوشیدہ باتوں کو اگر اشتہار کا موضوع بنالیا جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ اس کے بعد کوئی

حد مزید رہ نہیں جاتی ہے اس کے بعد اب چینلز پر صرف برہنہ ہونے کی کسر باقی رہ گئی ہے ورنہ باقی سب کچھ تو بتا دیا ہے بقول حضرت علامہ اقبال ع زمانہ آیا ہے بے حجابی کا عام دیدار یار ہوگا۔ سکوت تھا پردہ دار جس کا وہ راز اب آشکار ہوگا اور راز تو آشکار ہو چکے اب آپ کسی دس بارہ سال کے بچے کی گفتگو سنیں تو آپ کو پتہ چل جائے گا کہ وہ کتنا "بڑا" ہو چکا ہے۔

دین اسلام کے برخلاف مہم کی تازہ ترین کڑی یہ ہے کہ جمعہ ۲۵ جون کو مائیکل جیکسن کے مرنے سالگرہ پر خصوصی نیوز بلیٹن پیش کئے گئے اور ایک معروف نجی چینل نے کم و بیش تین منٹ کی ایک خبر چلائی جس میں مائیکل جیکسن کے زندگی کے حالات و واقعات کو بیان کیا گیا اور خبر میں بتایا گیا مائیکل جیکسن کو ہم سے بچھڑے ہوئے ایک سال بیت گیا ہے اور مرنے کے بعد ان کی مقبولیت میں انتہائی اضافہ ہوا ہے۔ خبر میں مزید انکشاف کیا گیا کہ "مرنے کے بعد مائیکل جیکسن نے ایک کچھوے کی شکل میں اس دنیا میں دوبارہ جنم لیا ہے اور ایک ایسا کچھوا دریافت ہوا ہے جس کی پشت پر مائیکل جیکسن کی تصویر بنی ہوئی ہے اور اگرچہ کچھوا ایک سست جانور ہے لیکن اس کچھوے کے سامنے جب مائیکل جیکسن کا کوئی گانا بجایا جاتا ہے تو یہ کچھوا اس پر رقص کرتا ہے" یہی خبر اس وقت ہمارا موضوع ہے۔

سب سے پہلے ہم آپ کو یاد دلانا چاہیں کہ یہ مذکورہ نجی چینل اور دیگر نجی چینلز نے بھی معروف عالم دین، بہترین مدرس، سماجی شخصیت اور تنظیم اسلامی کے بانی جناب ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم کے انتقال پر بمشکل ایک منٹ کی خبر چلائی اور وہ بھی نیوز بلیٹن میں چوتھے یا پانچویں نمبر پر جبکہ مائیکل جیکسن کے مرنے کے پر یہی چینلز آدھے گھنٹے کے پروگرامز کرتے رہے اور اس کی آخری رسومات تک دکھائی گئیں جبکہ مائیکل جیکسن کے مرنے ایک سال بعد بھی یہ چینلز اس کو ایک ہیرو بنا کر پیش کر رہے ہیں اور اس کی بائیو گرافی چینلز پر پیش کی جارہی ہے اس سے میڈیا کی ترجیحات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

اب ہم بات کرتے ہیں کہ مائیکل جیکسن نے مرنے کے بعد ایک کچھوے کی شکل میں اس دنیا میں دوبارہ جنم لیا ہے۔ یہ انتہائی افسوس ناک بات ہے کہ ایک اسلامی ملک اور مسلم معاشرے میں اسلامی تعلیمات کے برخلاف بات کو درست اور اچھا بنا کر پیش کیا جارہا ہے، دوبارہ جنم لینا اسلامی تعلیم کے خلاف ہے یہ دراصل ہندوؤں کا نظریہ تناسخ یا آواگون (مکتی یا نروان) کا نظریہ ہے جس کو یہاں پیش کیا گیا۔ ہمارے عقیدے اور تعلیم کے مطابق انسان اس دنیا میں عارضی طور پر آیا ہے اور اس کو بالآخر یہاں سے کوچ کر جانا ہے، حضرت آدم علیہ السلام واماں حوا جنت کے باسی تھے اور شیطان کے بہکاوے میں آکر انھوں نے

جب اہوں نے شجر ممنوعہ کا پھل کھایا تو اس کی پاداش میں انہیں دنیا میں بھیج دیا گیا اور انکو بتا دیا گیا کہ تمہارا اصل گھر تو جنت ہی ہے لیکن اس جنت میں جانے کے لئے تمہیں اس دنیا میں اپنا وقت میرے (اللہ) کے راستے میں لگانا ہوگا اور میرے حکم کے مطابق زندگی گزارنی ہوگی اگر ایسا کروگے تو جنت حاصل کروگے نہیں تو جہنم تمہارا ٹھکانہ ہوگا۔ ہمارے عقیدے کے مطابق انسان جب عالم ارواح سے اس دار فانی میں آتا ہے تو اس کو پیدائش کا نام دیا جاتا ہے اور جب اس دار فانی سے کوچ کرجاتا ہے تو اس کو موت یا انتقال کا نام دیا جاتا ہے۔ انسان کی موت دراصل فنا نہیں ہے بلکہ منتقل ہونا ہے یعنی روح انسانی جسم کو چھوڑ کر اس عالم سے ایک اور عالم جس کو عالم برزخ کہا جاتا ہے وہاں چلی جاتی ہے۔ اور اول روز سے قیامت تک یہی سلسلہ چلے گا کہ مرنے کے بعد روح عالم برزخ میں قیام کرے گی۔ برزخ کے معنی علما نے پردہ کے بیان کئے ہیں یعنی روح جب جسم کو چھوڑ گئی تو اب اس کے اور ہمارے درمیان ایک پردہ حائل ہے اور اسی کو برزخ کا نام دیا جاتا ہے۔ علما کے مطابق عالم برزخ میں بھی روحیں اس دنیا کی طرح اپنے عزیزوں اور احباب کی روحوں کو پہچانتی ہیں اور ان کے درمیان رابطہ رہتا ہے اور روحیں اس دنیا یعنی عالم برزخ میں قیامت برپا ہونے تک رہیں گی۔ اور روز قیامت جب حشر کا میدان سجے گا اور انسانوں کے اعمال کا حساب کتاب ہوگا اس کے بعد روحوں کو جنت یا دوزخ کی جانب روانہ کردیا جائے گا، اس کے بعد موت کو بھی موت دیدی جائے گی اور

پھر کافر اور بدکار روحیں ہمیشہ دوزخ میں رہیں گی اور نیک اور مومن روحیں ہمیشہ جنت میں رہیں گی اور اس میں یہ بات سمجھنے کی ہے کہ مسلمانوں کو بھی اپنے اعمال کے مطابق سزا دی جائے گی البتہ جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا وہ ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا بلکہ اپنے اعمال کے مطابق سزا پوری ہونے کے بعد جنت میں رہے گا جبکہ کافر ہمیشہ جہنم میں ہی رہے گا (میں اس کی مزید تفصیل میں نہیں جاؤنگا کہ اول تو یہ کالم اس کا متحمل نہیں ہوسکتا اور دوسرا یہ ایک بہت مشکل اور پیچیدہ اور خالصتاً دینی و علمی موضوع ہے اور میں پوری دیانت داری سے یہ بات سمجھتا ہوں کہ میں اس موضوع کا حق ادا نہیں کرسکتا اس لئے اس بارے میں کچھ بنیادی باتوں پر ہی اکتفا کرونگا)۔

قارئین کرام ہمارے اس عقیدے اور تعلیم کے مطابق روحیں واپس اس دنیا میں نہیں آتی ہیں بلکہ عالم برزخ اور اس کے بعد جنت یا دوزخ میں سے کسی ایک ٹھکانے پر چلی جائیں گی اس لئے اگر کوئی فرد کسی کی روح کے واپس آنے یا دوبارہ جنم لینے کی بات کرتا ہے تو وہ بالکل غلط بات کرتا ہے۔ یہ تو اسلامی حوالے سے ہم نے بات کی ہے اور ہوسکتا ہے کہ ہمارے قارئین میں غیر مسلم بھی ہوں یا پھر روشن خیال اور اپنی تہذیب و ثقافت سے بیزار ایسے مسلم بھی ہوسکتے ہیں جو کہ ہماری ان باتوں کو دقیانوسی کہہ کر رد کردیں تو یہاں ہم

ان کی خدمت میں ہندوؤں ہی کے نظریہ تناسخ کے حوالے سے کچھ بات کریں گے وہ بھی بہت حیرت انگیز ہے دوبارہ جنم لینا یا روح کی واپسی دراصل ہندوؤں کا نظریہ آواگون یا نظریہ تناسخ ہے۔

نظریہ تناسخ ایک بالکل غلط اور بے بنیاد نظریہ ہے اس نظریے کے مطابق روح بار بار قالب یا جسم بدل کر اس دنیا میں آتی رہتی ہے، بعض جگہ ہم نے یہ پڑھا ہے کہ روح کم از کم سات دفعہ جسم بدلتی ہے اور اس کے بعد اس کو نروان یا مکتی مل جاتی ہے۔ اور اس عقیدے کے مطابق انسان کو موجودہ جنم کے اعمال وافعال کے مطابق نیا جسم ملے گا یعنی اگر موجودہ جنم میں انسان اچھے اعمال کرے گا تو اگلے جنم میں اس کو اچھا جسم ملے گا اور اگر برے اعمال کرے گا تو اس کو کوئی برا جسم ملے گا یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ نظریہ تناسخ کے مطابق روح کو ہر جنم میں جو نیا جسم یا قالب ملے گا اس میں انسان، جانور، چرند پرند، درخت وغیرہ سب شامل ہیں یعنی کوئی انسان مرنے کے بعد کسی جانور یا درخت یا پرندے کی صورت میں بھی جنم لے سکتا ہے (لاحول ولا قوۃ الا باللہ) اس عقیدے میں کئی کمزوریاں ہیں۔ سب سے پہلے تو اس عقیدے کے مطابق تو روح کے آغاز کا ہی پتہ نہیں چلتا یعنی اگر موجودہ جنم میں روح کسی انسان کی شکل میں آئی ہے لازماً پچھلے جنم میں وہ درخت وغیرہ ہوگی اور اگر وہ درخت وغیرہ ہے تو یہ اس کے اعمال کی سزا ہے اور اس سے پہلے وہ کچھ اور ہوگی یعنی ایک

گورکھ دھندہ ہے جس میں انسان الجھ کر رہ جاتا ہے۔

پھر یہ عقیدہ انسان کو آخرت کے تصور سے بیگانہ اور مایوسی کا شکار کردیتا ہے کیونکہ عقیدے کے مطابق اگر کسی نے برے کام کئے ہیں اور گناہ کئے ہیں تو اب اس کو لازماً اس کی پاداش میں اگلے جنم میں برا روپ ملے گا ممکن ہے کہ وہ روپ کسی جانور کا ہو یا کوئی اور برا روپ۔ تو پھر ایک گناہ گار انسان یہ سوچتا ہے کہ چلو اب تو مجھے سزا ملنی ہی ہے تو میں جی بھر کے گناہ کروں اس طرح یہ عقیدہ انسان کو مایوسی کا شکار کرکے اس کو گناہ آلود زندگی گزارنے پر مجبور کرتا ہے۔ پھر اس عقیدے کے مطابق اگر برے کام کئے ہیں تو برا ہی جنم ملے گا یعنی اس بات کو یوں سمجھیں کہ اگر ایک فرد نے گناہ کیا اور بری زندگی گزاری تو اس کو اگلے جنم میں کسی برے انسان کا روپ ملے گا، جب روپ ہی برے انسان کو ملا تو اب وہ روح جو نئے جنم میں ایک برے انسان کے روپ میں آئی تھی اس جنم میں مزید گناہ گار ہوئی اور اب اس کو مزید برا روپ کسی جانور یا درخت کی شکل میں ملے گا یعنی اس عقیدے کے مطابق روح پستی کی جانب تو سفر کرسکتی ہے لیکن معرفت یا اونچائی کی جانب سفر نہیں کرسکتی ہے۔

پھر اگر اس عقیدے کو درست مانا جائے تو پھر ہمیں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ درخت، چرند، پرندے سے بھی اعمال و افعال کی جوابدہی اور حساب کتاب لیا جائے

گا اور وہ بھی فطرت کے مطابق زندگی گزارنے کے بجائے انسان کی طرح ارادے اور عمل میں آزاد ہیں کیوں کہ اگر کسی روح کو جانور یا پرندے کا روپ ملا ہے تو اب وہ اس روپ سے نکلنے کے لئے اچھے کام کرے گی جبکہ اسلامی عقیدے کے مطابق چرند پرند، نباتات، جاندار تو ہیں لیکن ان کے اندر ارادے اور عمل کی قوت نہیں ہے اور نہ ہی ان سے حساب وکتاب ہوگا بلکہ یہ تمام جاندار اللہ نے جو انکی فطرت بنائی گئی ہے اس کے مطابق ہی عمل کرتے ہیں لیکن نظریہ تناسخ اس کے بالکل برخلاف بات کرتا ہے۔

قارئین کرام اسلام میں تو ناچ گانے کی ممانعت ہے اس میں تو کوئی شبہ نہیں ہے لیکن ہم نے آپ کے سامنے نظریہ تناسخ یا اواگون کی جو بنیادی باتیں بتائی ہیں اگر ان کی روشنی میں بھی جائزہ لیا جائے تو وہ اس بات کی تصدیق کرتی ہیں کہ گانا بجانا کوئی اچھی چیز نہیں ہے۔ دیکھیں ہمارے عقیدے کے مطابق مائیکل جیکسن اس دار فانی سے کوچ کر کے عالم برزخ میں پہنچ چکا ہے لیکن جو اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ وہ کسی کچھوے کی شکل میں واپس آیا ہے تو یہ بڑی ہی عبرت کا مقام ہے کیوں کہ اواگون کے نظریہ کے مطابق انسان کو اس کے موجودہ جنم کے اعمال کے مطابق اگلے جنم میں نیا جسم یا قالب ملے گا۔

اب غور کریں کہ اگر مائیکل جیکسن نے کوئی اتنا ہی اچھا اور نیک کام کیا تھا اور اگر موسیقی واقعی روح کی غذا ہے تو پھر تو مائیکل جیکسن ساری زندگی اپنی

روح کو غذا پہنچاتا رہا ہے اس کے مطابق تو اس جنم میں اسے کسی شاہ زادے، کسی طاقتور اور امیر کبیر فرد کے روپ میں جنم لینا چاہیے تھا لیکن وہ کھوے کی صورت میں ظاہر ہوا ہے تو اس کا مطلب یہ ثابت ہوا کہ موسیقی، ناچ گانا، راگ رنگ کی محفلیں گناہ کے کام ہیں اور یہ کہ مائیکل جیکسن کی ساری زندگی برے کاموں اور برائی کو عام کرنے میں گزری ہے اس لئے اس میں بڑی عبرت ہے اور موسیقی اور ناچ گانے سے پرہیز کرنا چاہئے۔

قارئین اگرچہ ہم نظریہ اواگون پر بالکل بھی یقین نہیں رکھتے لیکن جو لوگ بھی اس کو درست مانتے ہیں ان کو یہ سبق دینا ضروری ہے کہ اس عقیدے کے مطابق بھی ناچ گانا اچھی بات نہیں ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ہم میڈیا کے ذمہ داران سے بھی یہ بات کہتے ہیں کہ خدارا کچھ عقل کے ناخن لیں۔ اسلامی معاشرے میں غیر اسلامی اقدار کو فروغ نہ دیں بلکہ اپنی تہذیب و ثقافت اور بنیاد پر فخر کریں اور اس کو عام کرنے کی کوشش کریں ہمیں مغربی تہذیب و ثقافت کی جانب نہ دھکیلیں بقول علامہ اقبال اپنی ملت پہ قیاس اقوام مغرب سے نہ کر- خاص ہے اپنی ترکیب میں قوم رسولِ ہاشمی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ۔

نوٹ: مضمون کی تیاری میں انٹرنیٹ کی کچھ ویب سائٹس، مولانا مودودی کی تصنیف) اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی " اور اپنے بڑے بھائیوں جیسے "

مشفق اور مہربان دوست محترم مولانا پروفیسر محمد آصف خان علیمی، بانی مکتبہ عیلمیہ

سے رہنمائی لی گئی ہے)۔

قومی مفاہمتی پالیسی کے ڈھول کا پول

اس ملک میں ایک چیز کا بہت شور ہے اور وہ ہے مفاہمتی پالیسی۔ ہمارے اراکین اسمبلی اپنے ہر غلط کام کا جواز یہ دیتے ہیں کہ مفاہمتی پالیسی کے تحت ہم یہ کام کر رہے ہیں۔ میاں صاحب سے کہا جاتا ہے کہ جناب آپ اپوزیشن میں ہیں تو حکومت کے غلط اقدامات کو روکنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے؟ جواب ملتا ہے کہ ہم مفاہمتی پالیسی کے تحت ملک کے مفاد میں ان کو موقع دے رہے ہیں کہ جمہوریت پلتی رہے۔ پی پی پی اراکین سے جب پوچھا جاتا ہے کہ جناب سابق آمر جنرل پرویز مشرف کو گارڈ آف آنر دے کر کیوں رخصت کیا گیا؟ اس کا احتساب کیوں نہ کیا گیا؟ جواب ملتا ہے کہ ہم مفاہمتی پالیسی کے تحت ملک کے مفاد میں یہ کام نہیں کر رہے ہیں۔ اسی طرح دیگر حکومتی اتحادی بھی این آر او، عدلیہ سے حکومت کے ٹکراؤ، اور دیگر غیر قانونی و غیر آئینی اقدامات کو مفاہمتی پالیسی کا نام دیکر خاموشی اختیار کر لیتے ہیں۔ آئیں ذرا جائزہ لیتے ہیں کہ ملک کی تین بڑی جماعتیں جو کہ اس وقت حکومت میں بھی شامل ہیں اور اسمبلی میں موجود ہیں جو کہ ملکی مفادات کے خلاف ہر بات کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت کرکے مفاہمتی پالیسی کا نام دیتی ہیں وہ ذاتی مفادات میں کس طرح وسیع القلبی کا مظاہرہ کرتی ہیں اس کی ایک جھلک دیکھتے ہیں۔

اس وقت ملک میں پی پی پی کی حکومت ہے پی پی پی سب سے زیادہ مفاہمتی پالیسی کی بات کرتی ہے لیکن یہ بڑی عجیب بات ہے کہ ملک کے خلاف کوئی بات ہو تو اس کو مفاہمتی پالیسی کا نام دیا جائے لیکن اگر ذاتی دشمنی ہو یا ذاتی مفاد کو ٹھیس پہنچے تو ساری مفاہمتی پالیسی دھری رہ جاتی ہے۔ ۲۰ جون کو اخبارات میں بلاول ہاؤس کے ترجمان کا ایک بیان شائع ہوا جس میں انہوں نے سابق آئی جی سندھ رانا مقبول کی فوری گرفتاری کا مطالبہ کیا ہے۔ سابق آئی جی سنھ رانا مقبول کا قصور کیا ہے؟ جواب ہے کہ بقول پیپلز پارٹی سابق آئی جی رانا مقبول نے صدر آصف علی زرداری کی اسیری کے دوران ان پر تشدد کیا تھا۔ ترجمان بلاول ہاؤس کے مطابق انہوں نے صدر آصف علی زرداری کو جیل کسٹڈی سے غیر قانونی طور پر اغواء کرکے سول لائن تھانے میں تشدد کا نشانہ بنایا تھا۔ قارئین کرام اس بیان کو نوٹ کرلیں اب ہم آگے بڑھتے ہیں۔

۱۹ جون کو حیدرآباد میں ایم کیو ایم حقیقی کے یوم تاسیس کے سلسلے میں ایک پریس کانفرنس کا اہتمام کیا گیا تھا، یہ پریس کانفرنس حیدرآباد پریس کلب میں منعقد ہونی تھی لیکن پریس کانفرنس شروع ہونے سے پہلے ہی اس پر متحدہ کے کارکنان نے حملہ کیا اور پریس کانفرس کو درہم برہم کرکے شروع ہونے سے پہلے ہی ختم کردیا، یہ مسلح کارکنان پولیس اور صحافیوں کی موجودگی میں پریس کلب

حیدر آباد میں توڑ پھوڑ مچاتے اور فائرنگ کرتے رہے اور اس دوران انہوں نے پریس کلب آنے والے ایم کیو ایم حقیقی کے عہدیداران کو بھی اغواء کرنے کی کوشش کی، بعد ازاں ایم کیو ایم حقیقی کے ذمہ داران پولیس کی حفاظت میں اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوئے۔ متحدہ کے کارکنان نے پولیس کے سامنے ایم کیو ایم حقیقی کے کارکنان کو اغوا کرنے کی کوشش کی اور اس میں ناکامی پر ان کی گاڑیوں پر فائرنگ کی اور حقیقی کے ذمہ داران پر لعنتیں دیں۔ قارئین کرام آپ یہ خبر بھی نوٹ کرلیں اور اب ہم مزید آگے بڑھتے ہیں۔

مسلم لیگ ن اس وقت قومی اسمبلی میں اپوزیشن کا نام نہاد کردار ادا کر رہی ہے نام نہاد اس لئے کہ حکومت کے ہر فیصلے کی تائید کی جاتی ہے اور بعد میں عوام کو بیوقوف بنانے کے لئے ایک گرما گرم پریس کانفرنس کرکے اس فیصلے پر ناراضگی کا اظہار کیا جاتا ہے، مسلم لیگ ن پنجاب میں حکومت بھی کر رہی ہے۔ مسلم لیگ ن کے سربراہ میاں نواز شریف صاحب سے بھی جب کسی قومی مسئلے پر رائے لی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ آپ نے اس مسئلے پر آواز نہ اٹھائی یا احتجاج نہیں کیا تو ان کا جواب بھی یہی ہوتا ہے کہ ہم مفاہمتی پالیسی کے تحت خاموش ہیں یہی مسلم لیگ ن جو ہر قومی مسئلے پر مفاہمتی پالیسی کے تحت خاموشی اختیار کرتی ہے۔ وہی ملسم لیگ ن سابق صدر جنرل پرویز مشرف اور گورنر پنجاب سلمان تاثیر کو معاف کرنے کو تیار نہیں ہے۔ وہ ہر ہر موقع پر جنرل

پرویز مشرف کو لتاڑتی رہتی ہے جبکہ گورنر پنجاب کے معاملے میں تو ن لیگ کے رانا ثناء اللہ اخلاقیات کی حدوں کو بھی عبور کر جاتے ہیں۔ آخر ایسا کیوں ہے؟

جواب ہے کہ چاہے پی پی پی ہو، مسلم لیگ ن ہو یا متحدہ قومی موومنٹ یا کوئی اور پارٹی سارے صرف اپنے مفادات کے غلام ہیں کوئی فرد یا پارٹی اگر ملک کو نقصان پہنچائے تو اس کو مفاہمتی پالیسی کے تحت معاف کیا جا سکتا ہے، اس کو چھوڑا جا سکتا ہے، اس کے جرائم سے پردہ پوشی کی جا سکتی ہے لیکن اگر کوئی ذاتی مجرم ہو، کسی سے ذاتی دشمنی ہو یا کوئی کسی پارٹی یا فرد کے ذاتی مفادات کو نقصان پہنچائے تو وہ فرد قابل گردن زدنی ہے اس کو کسی بھی صورت میں معاف نہیں کیا جا سکتا۔ اگر صدر آصف علی زرداری صاحب اتنے یہ بڑے دل والے ہیں کہ ملک کی ایک بڑی لیڈر کے قاتلوں کو بھرے جلسوں میں معاف کرنے کا اعلان کرتے ہیں تو وہ سابق آئی جی کو معاف کیوں نہیں کرتے؟

جواب اس لئے کہ وہ ذاتی دشمن ہے۔ متحدہ جو کہ مفاہمت، رواداری اور اس قدر رواداری کہ قادیانیوں کو مسلم تسلیم کرانے پر تلی ہوئی ہے، کو کہ اتحاد کی بہت بڑی داعی ہے اور اس کا بہت زور و شور سے چرچا بھی کیا جاتا ہے۔ وہی متحدہ قومی موومنٹ ایم کیو ایم حقیقی کو برداشت کرنے کو تیار نہیں ہے کیوں کہ وہ قائد کے ذاتی دشمن ہیں۔ انہوں نے قائد کے مقابلے میں ایک متوازی تنظیم بنا ڈالی

ہے اور قائد کے اختیارات کو چیلنج کیا ہے اس لئے ان کو معاف نہیں کیا جاسکتا ہاں پی پی پی سے اتحاد ہوسکتا ہے جو کہ متحدہ کے آن دی ریکارڈ بیانات کے مطابق سانحہ پکا قلعہ اور کراچی آپریشن کے دوران متحدہ کے ہزاروں کارکنوں کو قتل کرچکی ہے (یہ ہم نہیں کہتے بلکہ خود متحدہ کے ذمہ داران کے بیانات ہیں) اس پی پی پی سے اتحاد ہوسکتا ہے لیکن قائد کے غدار حقیقی والوں کو معاف نہیں کیا جاسکتا۔

یہی حال میاں صاحب کا ہے کہ وہ ہر معاملے پر خاموشی اختیار کرتے ہیں لیکن چونکہ سابق صدر جنرل مشرف نے ان کے اقتدار کو نقصان پہنچایا تھا اس لئے ان کو معاف نہیں کیا جاسکتا۔ گورنر پنجاب سلمان تاثیر چونکہ ان کی حکومت کے خلاف بیان بازی کرتے ہیں اس لئے ان کو بھی معاف نہیں کیا جاسکتا، ہاں اس کے علاوہ ملک میں کچھ بھی ہو ان کو فکر نہیں ہے اور معذرت کے ساتھ یہ بھی عرض کردیں کی مسلم لیگ ن کتنا ہی قومی جماعت ہونے کا دعویٰ کرے حقیقت میں میاں صاحب ایک متعصب اور قوم پرست لیڈر ہیں اگرچہ ماضی میں بھی ہو جاگ پنجابی جاگ کا نعرہ لگا کر تعصب کو ہوا دے چکے ہیں لیکن حال ہی میں ان کی قوم پرستی اور تعصب ایک بار پھر کھل کر سامنے آیا ہے وہ اس طرح کہ وفاقی وزیر قانون بابر اعوان صاحب گزشتہ کچھ دنوں سے بار کونسلز کو رقوم کی فراہمی کے مشن پر نکلے ہوئے ہیں جب تک وہ جنوبی پنجاب یعنی ملتان، کراچی بار۔ اور

دیگر بارز کو رقوم تقسیم کرتے رہے اس وقت تک مسلم لیگ ن ان کے اس کام کو غیر قانونی و غیر آئینی کہتی رہی، چوہدری نثار صاحب نے قومی اسمبلی میں اس پر پر زور احتجاج کیا کہ وزیر قانون نوٹوں کے بریف کیس لیکر گھوم رہے ہیں۔ لیکن جب انہی وزیر قانون نے گزشتہ روز لاہور میں پنجاب بار کونسل کے لئے ڈیڑھ کروڑ روپے کی گرانٹ کا اعلان کیا تو میاں صاحب فرماتے ہیں کہ " رقوم کی فراہمی غیر قانونی نہیں ہے بلکہ اس موقع پر متنازع تقاریر کام خراب کرتی ہیں " بہت خوب میاں صاحب بہت خوب جب تک دیگر بار کونسلز کو رقوم دی جارہی تھیں وہ غلط اور غیر قانونی تھیں لیکن پنجاب بار کونسل کو رقوم دی گئیں تو یہ درست ہو گئیں بہت اچھے۔ قارئین کرام ان باتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قومی مفاہمتی پالیسی کا نام پر صرف اپنے مفادات کو تحفظ دیا جارہا ہے اور جہاں اپنے ذاتی اور تنظیمی مفادات کو نقصان پہنچتا ہے تو ساری مفاہمتی پالیسی دھری رہ جاتی ہے۔

داتا کی نگری لہو لہو: مجرم کون؟

میرا جب بھی لاہور جانا ہوا ہے تو میں داتا دربار ضرور جاتا ہوں اور دس پندرہ منٹ وہاں ضرور گزارتا ہوں ایک عجیب پر سکون سا ماحول ہے وہاں کا اور میں جب بھی جاتا ہوں تو داتا کی آخری آرام گاہ پر چار قل پڑھ کر صحن میں کچھ دیر بیٹھتا ہوں لیکن وہ داتا کی نگری بھی خون میں نہلا دی گئی۔ دشمن اپنی چال میں ایک بار پھر کامیاب ہوگیا اور ارباب اختیار حسب معمول ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہیں، وفاق پنجاب حکومت کو اس کا ذمہ دار ٹھہرا رہا ہے اور صوبائی حکومت اس کی ذمہ داری وفاقی حکومت پر ڈال رہی ہیں لیکن عملی اقدامات کرنے کو کوئی بھی تیار نہیں ہے۔ وزیراعظم فرماتے ہیں کہ ایسے واقعات کو روکنے کی ذمہ داری انٹیلی جنس اداروں کی ہے۔ انٹیلی جنس ادارے کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے چار دن پہلے یا دس دن پہلے ہی بتا دیا تھا کہ دہشت گرد فلاں فلاں جگہ کو نشانہ بنا سکتے ہیں یا اتنے اتنے دہشت گرد صوبے میں داخل ہوگئے ہیں۔ اور عوام یہ سوچتے ہیں کہ ہم کہاں جائیں؟ قانون نافذ کرنے والے ادارے، پولیس اور انٹیلی جنس ایجنسیاں وزیروں اور مشیروں کی حفاظت میں لگی ہوئی ہیں تو عوام کی حفقطت کیسے کی جا سکتی ہے؟ یادش بخیر چند ماہ پیشتر سندھ کے وزیر داخلہ جناب ذوالفقار مرزا نے ٹارگٹ کلنگ کے واقعات پر اسمبلی میں فرمایا تھا کہ مجھے کوئی کیوں نہیں

مارتا؟ اور ان کا یہ لطیفہ سن کر عوام ہنس بھی سکتے کہ ہمارے وزیر مصوف اتنی بچکانہ باتیں بھی کر سکتے ہیں۔ محترم وزیر داخلہ کبھی بغیر پروٹوکول اور بغیر کسی پروگرام کے کسی عوامی مقام پر جانے کی ہمت تو کریں اس کے بعد ہی ان کو حالات کا اندازہ ہوگا۔

مساجد، امام بارگاہوں اور عوامی مقامت کے بعد اب اولیاء کرام کے مزارات پر دہشت گردی کرنے والے درندے انسان کہلانے کے لائق نہیں ہیں۔ لیکن میں غلط کہہ رہا ہوں یہ تو درندے بھی نہیں ہیں درندے بھی صرف اپنی بھوک مٹانے کے لئے حملہ کرتے ہیں اور اس میں بھی وہ اپنی جنس اور اپنی نسل کے جانوروں پر حملہ نہیں کرتے یہ کیسے لوگ ہیں جو بغیر کسی وجہ کے اپنے ہی جیسے انسانوں کو بے دردی سے قتل کرتے ہیں۔؟ ان دھماکوں کے بعد ایک بار پھر اس یہ بات سامنے آئی کہ حکومت دہشت گردوں کے خلاف اقدامات کرنے میں سنجیدہ نہیں ہے، چاہے بم دھماکے ہوں یا ٹارگٹ کلنگ ہر موقع پر لاشوں کی سیاست کی جاتی ہے۔ ایسے مواقع پر مخالفین پر سیاسی حملے کیئے جاتے ہیں، ایک دوسرے پر نااہلی کے الزامات عائد کرکے سیاسی پوائنٹ اسکور کئے جاتے ہیں۔ اپوزیشن حکومت کو ذمہ دار قرار دیتی ہے اور حکومت اپوزیشن کو۔اور اسی کھینچاتانی میں عوام کا حال برا ہو رہا ہے۔

اور ہر دھماکے کے بعد سب سے آسان نسخہ یعنی خود کش بمبار پر ساری ذمہ داری ڈال کر قانون نافذ کرنے والے ادارے، حکومت اور انیٹلی جنس ایجنسیاں مطمئین ہوجاتے ہیں کہ جی خود کش دھماکہ تھا ہم کیا کر سکتے ہیں۔ حسب معمول اس دھماکہ کو بھی خود کش دھماکہ کہہ دیا گیا اور اس کے بعد نہ کوئی تفتیش، نہ تحقیق کہ جی بس خود کش دھماکہ تھا لیکن افسوس کہ ہمیشہ کی طرح اس بار بھی حکومت کا دعویٰ غلط ثابت ہوا ہے۔ کیوں کہ جس فرد کو انہوں نے خود کش حملہ آور کہا وہ تو خود کش حملہ آور تھا ہی نہیں وہ تو خود داتا دربار پر حاضری دینے والا داتا کا ایک عیقدت مند تھا۔

میڈیا پر جب دھماکے کی فوٹیج جاری کی گئی تو میں بھی اپنے دیگر ساتھیوں کے ساتھ وہ ویڈیو دیکھ رہا تھا کہ ہمارے انچارج صاحب نے کہا کہ " یار سلیم یہ دیکھو کہ رضا کار سلیم اختر جو کہ دہشت گرد کو پکڑنے کی کوشش کر رہا ہے اور جو دہشت گرد بھاگ رہا ہے دونوں نے ایک ہی جیسے کپڑے (یعنی رضاکاروں جیسی ٹوپی اور سینے پر پٹی) پہنے ہوئے ہیں اور یہ بھی بڑی عجیب بات ہے کہ دہشت گرد کی شناخت اس طرح ہوئی کہ اس کے بھائی اس کو ڈھونڈتے ہوئے وہاں آئے تھے۔ اور وہاں سے ان کو گرفتار کیا گیا۔" اور واقعی ایسا ہی تھا۔ کچھ دیر کے بعد جب یہ خبر چلائی گئی کہ دہشت گرد کی شناخت ہو گئی ہے تو معاملہ مزید گھمبیر ہوگیا کیوں کہ تحقیق کے مطابق جس فرد کو دہشت گرد کہا جارہا ہے وہ خود داتا

کا مرید اور گاؤں میں پیری مریدی کرنے والا فرد ہے اور اس کے گھر والوں کے بقول وہ ہر جمعرات داتا دربار جاتا ہے اور وقوعے والے روز بھی وہ گھر سے داتادربار کے لئے دودھ لیکر گیا تھا اور اس کا معمول تھا کہ وہ ہر جمعرات داتا دربار جاتا تھا اور رات گزارنے کے بعد جمعہ کو واپس آتا تھا اور اس کا کسی کالعدم یا دہشتگرد تنظیم سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ (یہاں میں یہ بات کہتا چلوں کہ میری بات پر کوئی بھی تبصرہ کرنے سے پہلے داتا دربار حملے کی فوٹیج کو روک روک کر زرا غور سے دیکھئے گا تو میری بات سمجھ میں آئے گی)

یہاں جو بات سوچنے اور سمجھنے کی ہے وہ نقطہ یا اہم بات جس کو میڈیا اور انٹیلی جنس اداروں نے نادانستہ یا شائد جان بوجھ کر اجاگر نہیں ہے۔ اگر ہم لوگوں کے بیانات اور ویڈیو فوٹیج کو دیکھیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ دونوں دھماکوں میں .بریف کیس استعمال کیا گیا ہے یعنی مبینہ دہشت گرد عثمان کے ہاتھ میں بھی.بریف کیس تھا جس کو لیکر وہ بھاگ رہا تھا اور دوسرے دھماکے کے وقت بھی ایک فرد.بریف کیس لیکر مزار کے اندر جاتا دکھائی دیا اور اس کے چند لمحوں بعد دھماکہ ہوگیا۔ یہاں ہماری پولیس اور قانون نافذ کرنے والے ادارے اس بات کی طرف دھیان کیوں نہیں دیتے کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ دھماکے خودکش نہ ہوں بلکہ ریموٹ کنٹرول یا ٹائم بم دھماکے ہوں اور کسی نے ان لوگوں کو استعمال کیا ہو کہ یہ.بریف فلاں فرد کو پہنچا دو اور اس کے بعد دھماکے ہوئے ہوں۔

یہاں یہ بات بہت اہم ہے کہ جس فرد کو مبینہ خود کش حملہ آور کہا گیا ہے وہ خود داتا دربار پر پابندی سے حاضری دینے والا اور داتا کا مرید تھا جبکہ اب تک دہشت گردوں کی جو پہچان یا شناخت بتائی گئی ہے وہ اس مکتبہ فکر سے مختلف ہے۔ اب کہنے کو تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ پیری مریدی کرنے والے بھی دہشت گرد ہیں لیکن یہ بات حقیقت کے خلاف ہے بات وہی ہے جو ہم ایک عرصے سے کہتے آرہے ہیں کہ پاکستان میں دہشت گردی میں بھارت اور امریکی سی آئی آے ملوث ہے اور اس طرح وہ ان دھماکوں سے کئی مقاصد حاصل کرتے ہیں۔

نمبر ایک ان دھماکوں سے ملک عدم استحکام کا شکار ہوتا ہے اور ملکی معیشت کو نقصان پہنچتا ہے اور غیر ملکی سرمایہ کار اپنا سرمایہ یہاں سے نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ نمبر دو ان دھماکوں سے ملک میں فرقہ واریت اور عوام کو لڑانے کی ایک بہت گہری اور گھناؤنی سازش کی جارہی ہے تاکہ ملک میں افراتفری اور خانہ جنگی کی نوبت آجائے۔ تیسرے ان دھماکوں کے ذریعے امریکہ، حکومت پاکستان کو بلیک میل کرتا ہے کہ اگر افغانستان سے ملحقہ علاقوں میں آپریشن ختم کیا گیا تو اس سے ملک کو نقصان پہنچے گا جبکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ افغان سرحد سے ملحقہ علاقوں آپریشن کرنے سے امریکی اور نیٹو افواج کو آسانی حاصل ہوتی ہے اور اسی لئے وہ افواج پاکستان اور حکومت پاکستان کو ان علاقوں میں

مصروف رکھنے کے لئے یہ کاروائیاں کرتے ہیں۔ غور کریں کہ ان سب باتوں سے کس کا فائدہ ہے؟

ہم دہشت گردوں کے خلاف کامیاب نہیں ہو سکتے، ہم اصل مجرموں تک نہیں پہنچ سکتے جب تک ہم پہلا درست قدم نہیں اٹھاتے جب ہم درست سمت میں قدم اٹھائیں گے تو انشاء اللہ یہ سارے دہشت گرد سلاخوں کے پیچھے ہونگے ہماری ارباب اختیار اور میڈیا کے ذمہ داران سے گزارش ہے کہ ہر واردات کے بعد سوچے سمجھے بغیر خود کش حملہ آوار کا راگ نہ الاپا کریں بلکہ تھوڑا سا تفتیش بھی کریں اور کچھ نہیں تو جو ویڈیو آپ لوگ پوری دنیا کو دکھاتے ہیں کم از کم اسے ہی غور سے دیکھ لیا کریں کہ وہ ویڈیو کیا ظاہر کر رہی ہے۔

جنگل جمہوریت اور بندر کی حکومت

عزیز دوستوں یہ تو آپ سب لوگوں کو پتہ ہی ہے کہ شیر جنگل کا بادشاہ ہوتا ہے اور یہ بات طے شدہ ہے کہ ایک شیر کے مرنے کے بعد دوسرا شیر ہی جنگل کا بادشاہ بنے گا اور کوئی دوسرا جانور بادشاہ نہیں بنے گا، لیکن ہم آج آپ کو جو کہانی سنانے جارہے ہیں وہ کچھ مختلف ہے۔

قصہ کچھ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ ایک جنگل ایک شیر تھا جو کہ لازمی سی بات ہے کہ جنگل کا بادشاہ تھا اب کرنا خدا کا یہ ہوا کہ وہ شیر اپنی عمر پوری کرکے مرگیا تو رسم کے مطابق اس کے بیٹے کو بادشاہ بنایا جانے لگا۔ یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں تھی لیکن جس دور کا یہ قصہ ہے وہ گلوبل ویلج کا دور تھا اور اب جنگل کی خبریں شہروں میں اور شہروں کی خبریں جنگل میں بجلی کی سرعت سے پہنچ جایا کرتی تھیں۔ اسی لیے اس جنگل میں بھی شہر کی خبریں پہنچتی رہتی تھیں اور جنگل کے جانوروں کو "جمہوریت" کا بھی کچھ کچھ علم تھا اسی لئے انہوں نے عین رسم تاجپوشی کے موقع پر ایک پھڈا ڈال لیا کہ "یہ شادی نہیں ہوسکتی" یعنی کہ شیر کا یہ بیٹا بادشاہ نہیں بن سکتا۔ شیر کی برادری والے تمام کے تمام حیران و پریشان ہوگئے کہ اور کہنے لگے "یہ کیسے ہوسکتا ہے بھئی شیر جنگل کا بادشاہ ہے اور اس کے مرنے کے بعد دوسرا شیر بادشاہ بنے

گا"۔

تمام جانوریک زبان ہو کر کہنے لگے کہ نہیں جناب یہ تو آمریت ہے، بادشاہت ہے جبکہ اب تو جمہوریت کا دور ہے اور اس میں یہ باشاہت نہیں چلے گی۔ اب الیکشن ہونگے اور اکثریت کا جو بھی فیصلہ ہوگا وہ سب کو قبول کرنا ہوگا۔ اب چونکہ تمام جانور اس بات پر متفق ہوگئے اس لئے شیروں کو بھی ان کی بات ماننا ہی پڑی اور جنگل میں الیکشن کرائے گئے اور جناب عالی ان انتخابات کے نتیجے میں ایک " بندر " جنگل کا بادشاہ یا صدر بن گیا۔ اس نے اپنے ہی جیسے تمام بندوروں کو کلیدی عہدے عطا کردئے کسی کو دفاع کا عہدہ کسی کو داخلہ کا عہدہ وغیرہ وغیرہ خیر اس طرح جنگل میں جمہوریت آگئی اور بندر کی حکومت قائم ہوگئی۔

ایک دن جب کہ جنگل میں معمول کے مطابق سارے معاملات چل رہے تھے کہ اچانک ایک ہرنی بھاگتی دوڑتی ہوئی آئی اور سیدھی وزیر داخلہ کے پاس پہنچی اور اس نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا "جناب کچھ کریں پڑوس کے جنگل سے ایک ظالم بھیڑیا گھس آیا ہے اور وہ میرے معصوم بچوں کو مار رہا ہے" یہ سنتے ہی وزیر داخلہ نے جو کہ اس وقت تازہ پھلوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے فوراً ایک زوردار بھڑک ماری اور کہا کہ یہ نہیں ہوسکتا اور میں یہ ہونے نہیں دونگا میں ابھی کچھ کرتا ہوں یہ کہہ کر انہوں نے فوراً تیزی کے ساتھ ایک درخت سے دوسرے

درخت پر ایک شاخ سے دوسری شاخ پر چھلانگیں لگانی شروع کر دیں جبکہ اس دوران وہ ہرنی اپنے بچوں کی جانب چلی گئی ہرنی کے جانے کے بعد بندر وزیر بھی چپ کر کے بیٹھ گئے اور دوبارہ پھل کھانے میں مشغول ہو گئے، لیکن کچھ ہی لمحوں بعد ہی ہرنی دوبارہ بھاگتی ہوئی آئی اور اس نے پھر کہا " جناب وزیر صاحب کچھ کریں وہ میرے ایک بچے کو مار چکا ہے اور اب دوسرے بچوں کو مارنے کی کوشش کر رہا ہے " یہ سن کر وزیر داخلہ نے حسب سابق ایک بھڑک ماری اور کہا میں ابھی کچھ کرتا ہوں تم بے فکر ہو جاؤ اور اس کے بعد حسب سابق تیزی کے ساتھ ایک شاخ سے دوسری شاخ اور ایک درخت سے دوسرے درخت پر چھلانگیں لگانی شروع کر دیں۔ ہرنی یہ دیکھ کر ایک بار پھر اپنے بچوں کی جانب چلی گئی اور بندر وزیر ایک بار پھر پھل کھانے میں مشغول ہو گئے۔ کچھ دیر کے بعد وہی ہرنی روتی ہوئی آئی اور کہنے لگی کہ " وزیر داخلہ صاحب میں کہاں جا کر فریاد کروں، وہ پڑوس کا بھیڑیا ایک ایک کر کے میرے بچوں کو کھا گیا اور اب ابھی وہ جنگل میں دندناتا پھر رہا ہے کوئی اس کو کچھ نہیں کہتا " یہ سن کر بند وزیر نے ایک بار پھر زوردار بھڑک ماری کہ میں سب کو دیکھ لونگا اس کے بعد پھر تیزی کے ساتھ ایک شاخ سے دوسری شاخ اور ایک درخت سے دوسرے درخت پر چھلانگیں لگانے، جبکہ ہرنی آنسو بہاتے ہوئے حیرت کے ساتھ اس کو دیکھ رہی تھی۔ کچھ دیر کے بعد وزیر موصوف نیچے آئے اور ہانپتے ہوئے

کہنے لگے " تم نے دیکھا کہ میں نے کتنی محنت کی ہے میں کس طرح بھاگ دوڑ کر رہا ہوں، تمہارے بچوں کو بچانے کے لئے بھی میں نے اسی طرح کتنی ہی کوشش کی لیکن کیا کروں میری ساری کوششوں کے باوجود تمہارا بچہ نہ بچ سکا تو اس میں میرا کیا قصور؟ میں نے تو اپنی پوری محنت کی نا!" " ہرنی یہ سن کر کچھ لمحوں کے لئے تو ہکا بکا رہ گئی اور پھر یہ کہتی ہوئی وہاں سے چلدی کہ جناب آپ کا قصور نہیں ہے قصور تو ہمارا ہے جو آپ کو وزیر بنایا جب بندروں کی حکومت ہوگی تو وہ سوائے اچھل کود کرنے کے کچھ بھی نہیں کر سکتے"۔

قارئین کرام یاد آیا کہ ملک میں آئے روز بم دھماکے، ٹارگٹ کلنگ، دہشت گردی میں روزانہ درجنوں لوگ مارے جارہے ہیں اور وزیر داخلہ صاحب آئے دن اسلام آباد سے کراچی، کراچی سے لاہور اور لاہور سے لندن اچھلتے پھرتے ہیں اور دہشت گرد ہیں کہ وہ اپنی کاروائیاں کرتے رہتے ہیں کوئی ان کو کچھ نہیں کہتا اور وزیر داخلہ صاحب کہتے ہیں کہ قوم دیکھ رہی ہے کہ ہم اپنی پوری کوشش کررہے ہیں اور ہم کتنی محنت کررہے ہیں۔ ارے بھائی اس بات کا اوپر سنائی گئی کہانی سے کوئی تعلق نہیں ہے وہ تو محض کہانی ہے اور وزیر داخلہ صاحب سے اس کی مماثلث محض اتفاق ہے۔ دیکھیں دیکھیں اگر آپ کسی وزیر کو بندر سمجھیں تو آپ کی مرضی ہم نے تو آپ لوگوں کو ہنسانے کے لئے ایک کہانی سنائی ہے۔

توہین قرآن: فیس بک نہیں بلکہ میں ذمہ دار ہوں

فیس بک نے ایک بار پھر اپنی خباثت کا ثبوت دیتے ہوئے توہین قرآن کردی اور ایک نیا پیج Eeryon can burn Quran بناڈالا جس میں دنیا بھرکے لوگوں کو دعوت دی گئی ہے کہ وہ قرآن پاک کو جلائیں (نعوذ باللہ)۔ یہ ان کی خام خیالی ہے کہ اس طرح وہ اللہ کے کلام کو کوئی نقصان پہنچا سکتے ہیں سورہ نور میں اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ (يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ (8:61) یہ لوگ اپنے منہ کی پھونکوں سے اللہ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں، اور اللہ کا فیصلہ یہ ہے کہ وہ اپنے نور کو پھیلا کر رہے گا، خواہ کافروں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔) نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ کلام اللہ کی توہین کرلیں گے حالانکہ قرآن کی حفاظت کا ذمہ تو خود اللہ تعالٰی نے اٹھایا ہے۔ ہاں لیکن فیس بک کی اس جسارت میں ہمارے لئے بہت سارے پیغام ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کے لئے الاؤ دہکایا جارہا تھا اور تمام لوگ بڑھ چڑھ کر اس عمل میں حصہ لے رہے تو ایک

ننھی سی چڑیا تھی جو اپنی چونچ میں پانی کا ایک قطرہ لاتی اور آگ کے پاس گرا دیتی ۔ کسی نے دیکھا تو ہنس کے کہا کہ اے ننھی سی چڑیا کیا تیرے اس پانی سے آگ بجھ جائے گی۔ اس پر چڑیا نے کہا میں جانتی ہوں کہ میرے اس پانی سے آگ نہیں بجھے گی لیکن میں بروز قیامت تماشہ دیکھنے والوں کی صف میں کھڑے ہونے کے بجائے آگ بجھانے والوں کی صف میں کھڑا ہونا چاہتی ہوں۔

یہاں مجھے فیس بک کی انتظامیہ سے کوئی شکوہ نہیں ہے۔ مجھے ان سے کوئی شکایت نہیں ہے کیوں کہ وہ تو غیر مسلم ہیں وہ تو اسلام کے دشمن ہیں وہ تو ہم مسلمانوں کے جذبات کو ٹیس پہنچانے کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے، تو دشمنوں سے کیا گلہ کرنا اس نے وار ہی کرنا ہے اور وہ کرے گا۔ مجھے شکایت تو اپنے آپ سے ہے،۔ شاعر مشرق حضرت علامہ اقبال نے کہا تھا کہ یورپ کی غلامی پہ رضامند ہوا تُو تو مجھے شکوہ تجھ سے ہے نا کہ یورپ سے ہے میرے دوستوں، بھائیوں اور بہنوں زیادہ پرانی بات نہیں ابھی دو ماہ قبل ہی اسی فیس بک نے توہین رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی جس کے باعث لاہور ہائی کورٹ نے فیس اور یوٹیوب پر پابندی لگائی تھی۔ اس پابندی سے فیس بک انتظامیہ کے ہوش ٹھکانے آگئے تھے اور محض دو دن بعد ہی وہ معافی تلافی پر اتر آئے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ انکے مقامی گماشتے بھی ان کی مدد کے لئے میڈیا پر اپنے ہتھیاروں سے لیس ہو کر آئے اور قوم کو یہ بتانے کی کوشش کی کہ فیس

بکاور یوٹیوب پر پابندی غلط ہے۔ ہم نے اس وقت بھی اس طرز عمل کی مخالفت کی تھی اور فیس بک و یوٹیوب پر پابندی کی حمایت کی تھی۔

جب تک فیس بک پر پابندی رہی تو میں صبر کرے بیٹھا رہااور جیسے ہی فیس بک سے پابندی ہٹی تو میں یہ بھول کراس ویب سائٹ کی انتظامیہ نے میرے نبی مہربان صلی کی شان مین گستاخی کی ہے اور میں ایک بار پھر اپنی دنیاداری اور اپنے دوستوں اور "اپنی دوستوں" میں مگن ہوگیامیں یہ بھول گیاکہ اگر میں اس ویب سائٹ کو استعمال کروں گاتواس کابزنس بڑھے گاجس سے یہ یہودی اپنا بینک بیلنس بڑھائیں گے اور پھر اسی بینک بیلنس اسی دولست سے یہ مزید شیطانی کام کریں گے، فلسطینیوں کے لئے مزید ہتھیار خریدیں گے۔ میں بھول گیاکہ اگراس ویب سائٹ کابائیکاٹ نہ کیاگیاتو یہ دوسری بار بھی میرے نبی مہربان صلی اللہ کی شان میں گستاخی کرے گی میرے دین کے خلاف کام کرے گی، مجھے تواپنی دوستیاں اور دنیاداری عزیز تھی اس لئے فیس بک انتطامیہ نے میری ہی بے غیرتی کے باعث یہ جسارت کی ہے میں کسی کوالزام نہیں دے رہا ہوں میں تواپنے آپ کو کہہ رہاہوں کہ میری بے حمیتی کے باعث آج فیس بک انتظامیہ نے کلام اللہ کی توہین کی ہے اگر میرے اندر غیرت ہوتی مجھے اپنے نبی صلی اللہ وسلم سے محبت ہوتی، میرے اندر دینی غیرت ہوتی تو میں اس ویب سائٹ کی طرف تھوکتا بھی نہیں لیکن افسوس کہ میں ایسا نہیں کرسکااور آج فیس

بک کی ملعون انتظامیہ نے میرے رب کے کلام کی توہین کی جسارت کی۔

میرے بھائیوں توہین قرآن کا ذمہ دار فیس بک یا کوئی اور نہیں ہے بلکہ میں خود ہوں اگرچہ میں بہت گناہ گار ہوں لیکن مایوسی بھی تو گناہ ہے اور اللہ تعالی قرآن میں فرماتے ہیں کہ

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ○ وَاَنِیْبُوْٓا اِلٰی رَبِّکُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَکُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ○ وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَکُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ○ (الزمر 39: 53۔55) اے رسول! کہہ دیجیے کہ اے میرے پیارے بندوں! جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ رہو، یقیناً اللہ سارے گناہ معاف کر دیتا ہے، بے شک وہ بہت زیادہ معاف فرمانے والا اور انتہائی مہربان ہے۔ پلٹ آؤ، اپنے رب کی طرف اور اطاعت گزار بن جاؤ اس کے، اس سے پہلے کہ تم پر کوئی عذاب آ جائے، پھر کہیں سے تمھاری مدد نہ ہو سکے، اور پیروی کرو، اس بہترین ہدایت کی جو تمھارے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے اس سے پہلے کہ تم پر اچانک عذاب آ جائے اور تمھیں

خبر بھی نہ ہو۔

تو میں آج اس مقدس دن اللہ کی جانب پلٹنے کا عہد کرتا ہوں اور میں اپنے گزشتہ طرز عمل پر اللہ سے توبہ کا خواستگار ہوں اللہ کی رحمت کا طلبگار ہوں اور میں یہ وعدہ کرتا ہوں کہ اب میں ان معلونوں کی اس ویب سائٹ کو بالکل بھی استعمال نہیں کرونگا اور حتی الامکان ان کی چیزوں سے اجتناب کرونگا اگرچہ یہ ایک مشکل فیصلہ ہے لیکن میرا رب مجھے استقامت عطا کرے آمین انشاء اللہ میرے اس طرز عمل کے بعد کسی کو توہین رسالت صلی اللہ علیہ وسلم یا توہین قرآن کی جسارت نہ ہوگی۔ انشاء اللہ

بلوچستان میں خون کی ہولی

۱۴اگست پاکستان کا یوم آزادی ہے۔ ہر سال ہم لوگ بڑے جوش و خروش کے ساتھ ۱۴اگست کا دن مناتے ہیں اور خوشی کا اظہار کرتے ہیں لیکن اس سال یہ ۱۴اگست ہمارے لیے آنسوؤں کا پیغام لائی ہے۔ ایک جانب ائر بلیو کا حادثہ دوسری جانب سیلاب کی تباہی نے پوری قوم کو اداس کردیا ہے اور ہر آنکھ اشک بار ہے لیکن اس سب سے زیادہ المناک اور خطرناک واقعہ بلوچستان میں ہوا ہے جہاں سولہ بے گناہ انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اخباری اطلاعات کے مطابق تیرہ اور چودہ اگست کی درمیانی رات میں ضلع بولان کے علاقے آب گم میں مسلح افراد نے لاہور سے آنے والی بس کو پہلے روکا اس کے بعد مسافروں کو اتار کر ان کی شناخت کی گئی اور شناخت کے بعد پنجاب سے تعلق رکھنے والے سولہ افراد کو ایک قطار میں کھڑا کرکے ان کو گولیوں سے بھون دیا گیا، جس سے دس افراد موقع پر ہی ہلاک ہوگئے جبکہ پانچ شدید زخمی ہوگئے۔ جبکہ دوسرا واقعہ صوبائی دارالحکومت کوئٹہ میں پیش آیا جہاں مسلح افراد نے ملتان سے تعلق رکھنے والے چھ مزدوروں کو گھر میں گھس کر قتل کردیا گیا۔ بلوچ قوم پرست جماعت نے ان واقعات کی ذمہ داری قبول کرلی ہے۔

اگرچہ سیلاب سے ہزاروں ہلاکتیں ہوئی ہیں لیکن اپنی شدت اور اثرات کے لحاظ سے یہ سولہ ہلاکتیں ان ہزاروں ہلاکتوں پر بھاری ہیں۔ یہ واقعات دراصل قوم کو منتشر کرنے اور عصبیت کی آگ بھڑکانے کی ایک گہری سازش ہے۔ یہاں سب سے پہلے ہم اس پر بات کریں گے کہ اخبارات اس واقعے میں قتل ہونے والے اور اس سے پیشتر بھی بلوچستان میں ایسے واقعات میں متاثر ہونے والوں کو آباد گار لکھتے رہیں ہیں۔ ہمیں اسی لفظ پر ہی اعتراض ہے۔ کیوں کہ کسی فرد کا تعلق چاہے بلوچستان سے ہو، پنجاب سے ہو، سندھ سے ہو یا پنجاب سے ہو، وہ اپنے ملک میں کہیں بھی جاکر رہ سکتا ہے وہاں آباد ہوسکتا ہے اور کاروبار کرسکتا ہے۔ یہ اس کا حق ہے اس لئے اس کو الگ سے آباد گار یا کچھ اور نہیں کہنا چاہئے بلکہ وہ مسلمان اور پاکستانی ہے۔ (یہاں واضح رہے کہ چیف جسٹس آف پاکستان مسٹر جسٹس افتخار محمد چوہدری صاحب بھی بلوچستان میں پلے بڑھے اور یہیں سے انھوں نے تعلیم حاصل کی ہے جبکہ ان کا آبائی تعلق بلوچستان سے نہیں ہے) اس لئے اخبارات کو اس بارے میں احتیاط کرنی چاہیے اور قوم پرستوں کا دیا ہوا لفظ آباد گار استعمال کرنے سے گریز کرنا چاہئے۔

پھر یہاں ہمیں سیاسی جماعتوں کی دہری پالیسی پر افسوس ہوتا ہے۔ کم و بیش ڈیڑھ عشرہ قبل ایسے واقعات کراچی میں ہوتے تھے تو اردو بولنے والوں کو بلا استثنا غدار کہا جاتا رہا، کراچی میں آپریشن کیا گیا اور یہاں بلوچستان میں

ایک عرصے سے دہشت گردی اور تخریب کاری کے واقعات ہو رہے ہیں لیکن تمام سیاست دان ان واقعات کو غداری کہنے کے بجائے ان کو ناراض بلوچ بھائیوں کا غصہ اور احساسِ محرومی کا ردِ عمل کہتے رہے اور اب بھی یہی ہو رہا ہے۔ غضب خدا کا یوم پاکستان کو یوم سیاہ کے طور پر منایا جاتا ہے، پاکستان کے خلاف ریلیاں نکالی جاتی ہیں، پاکستانی پرچم نذرِ آتش کیا جاتا ہے، دیگر قومیتوں کے لوگوں کو بے دردی سے قتل کیا جاتا ہے اور اس کے باوجود یہ لوگ معصوم ہیں اور احساسِ محرومی کا شکار ہیں۔ یہ دو رخی کیوں؟ (یہاں میں یہ واضح کرتا چلوں کہ میں ایم کیو ایم کی سابقہ سیاست یا دہشت گردی کی حمایت نہیں کر رہا ہوں بلکہ میں تو خود ایم کیو ایم کا ایک ناقد ہوں لیکن کیا یہ عجیب بات نہیں ہے کہ ایک چیز ایم کیو ایم کرے تو غدار اور دوسرے کریں تو معصوم؟)

۔

پھر یہاں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ اگر بلوچ قوم احساس محرومی کا شکار ہے، اس کی حق تلفی کی گئی ہے، اس کو اس کا جائز مقام نہیں دیا گیا تو کیا اس میں پنجاب یا سندھ یا خیبر پختونخواہ والوں کا قصور ہے یا ان کے اپنے وڈیروں اور سرداروں کا قصور ہے جو خود تو کراچی میں بوٹ بیسن اور کلفٹن جیسے مہنگے علاقوں میں رہتے ہیں، ان کے کاروبار دبئی اور مسقط اور اومان میں پھیلے ہوئے ہیں، ان کے بچے اعلیٰ ترین تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کرتے ہیں اور ان لوگوں نے اپنی قوم کے ساتھ کیا کیا؟ ان سرداروں اور وڈیروں

نے اپنے علاقوں میں اسکول اور کالج قائم نہیں ہونے دیے، ان لوگوں نے وہاں لوگوں کو اپنا غلام بنا کر رکھا، نواب اکبر بگٹی مرحوم اور دیگر سردار حکومت پاکستان سے اور سوئی سدرن گیس کمپنی سے کروڑوں روپے سالانہ وصول کرتے رہے اور اب بھی کرتے ہیں۔ لیکن یہ کروڑوں اور اربوں روپے سالانہ وصول کرنے والے سردار اور نوابوں نے کبھی اس بات کی کوشش نہیں کی کہ سوئی فیلڈ سے جو گیس پنجاب اور سندھ کے دور دراز علاقوں تک جارہی ہے اس گیس سے اپنے صوبے کو بھی مستفید کیا جائے۔ الغرض اگر جائزہ لیا جائے تو بلوچ قوم کی محرومی کے ذمہ دار دیگر قومیتوں کے لوگ نہیں بلکہ خود ان کے لیڈر وڈیرے، سردار اور نواب ہیں اگر بلوچ قوم کو انتقام لینا ہے تو اپنے ان لیڈروں سے لے اور قوم کو بے وقوف بنانے کے بجائے حقائق کا سامنا کریں۔

قوم پرستی کے جبر کے تحت جو بے گناہوں کا خون بہایا گیا تو اب اس کا دائرہ کار پھیل رہا ہے۔ آج کے اخبارات کی اطلاع کے مطابق ٹارگٹ کلنگ میں مارے جانے والوں میں چھے افراد کا تعلق ضلع وہاڑی کے علاقے جہانیاں کے علاقے لبستی رکن پور سے تھا اور ان مزدوروں کے لواحقین نے کوئٹہ کراچی روڈ بلاک کرکے ہنگامہ آرائی کی اور کوئٹہ سے تعلق رکھنے والے ٹرکوں کو روک کر ٹرک ڈرائیوروں پر تشدد کیا گیا۔ یہ اس آگ کی ابتدا ہے اور اگر اس پر بروقت قابو نہ پایا گیا تو پھر یہ آگ پورے ملک میں پھیل جائے گی۔ اس لئے ضرورت اس بات

کی ہے کہ قانون نافذ کرنے والے ادارے اس واقعے کا فوری نوٹس لیتے ہوئے اس میں ملوث ملزمان کو قرار واقعی سزا دیں تاکہ مستقبل کسی کو ایسی حرکت کرنے کی جرات نہ ہو۔

لڑکی نے چوہوں کو خط لکھا

کافی دنوں سے کچھ طبیعت کی ناسازی، کچھ گھریلو مصروفیات اور کمپیوٹر خراب ہونے کے باعث لکھنے لکھانے کا سلسلہ رکا ہوا ہے، حالانکہ اس دوران کئی اہم واقعات ہوئے، ملک میں سیلاب، سیال کوٹ میں دو بھائیوں کا بہیمانہ قتل، الطاف حسین صاحب کا تازہ بیان، کراچی میں ٹارگٹ اور دیگر کئی واقعات ہیں جن پر لکھنے کا ارادہ کیا لیکن مصروفیات کے باعث ذہن حاضر ہی نہیں ہو پا رہا اور خیالات کو کتنا ہی مجتمع کرنے کی کوشش کی لیکن خیالات منتشر ہی ہیں۔ روزنامہ جسارت کے ایک مضمون نے ہماری توجہ اپنی جانب کھینچ لی اور سوچا کہ اس کو آپ لوگوں سے شئیر کرکے دوبارہ ایک آغاز کیا جائے شائد اسی طرح دوبارہ طبعیت لکھنے لکھانے کی جانب راغب ہو جائے حالانکہ کمپیوٹر ابھی تک خراب ہے اور گھریلو مسائل ابھی بھی موجود ہیں، "لڑکی نے چوہوں کو خط لکھا"۔ یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح میونخ میں پھیل گئی۔ شہر کے سارے ہی اخبارات نے یہ خبر لگائی۔ خبر کے ساتھ تفصیلات بھی تھیں کہ لڑکی پڑھی لکھی ہے، اسکول میں ٹیچر ہے، اس کے گھر میں رات کو چوہے تنگ کرتے تھے اس لیے اس نے چوہوں کو خط لکھ دیا۔ اس خبر کے ساتھ ہی بہت سی بحثیں بھی چھڑ گئی تھیں۔ مثلاً چوہوں کی زبان کون سی ہوتی ہے، کیا لڑکی نے خط انگریزی میں لکھا ہے یا جرمن زبان میں، کیا مختلف ملکوں

اور علاقوں کے چوہے مختلف زبان بولتے ہیں، کیا جس ملک میں چوہے اور دوسرے جانور رہتے ہیں وہ وہاں کی مقامی زبان سمجھتے ہیں وغیرہ۔ لڑکی چونکہ نومسلم تھی اس لیے میڈیا کو اس بات کے اچھالنے میں مزید دلچسپی تھی۔ لڑکی کا نام اقصیٰ تھا۔ اس کا تعلیمی ریکارڈ بہت اچھا تھا، ہمیشہ اچھی پوزیشن لیتی رہی۔ اسکول میں بھی وہ ٹیچرز اور بچوں میں خوش اخلاق اور باوقار مشہور تھی۔ بچے اس ٹیچر کو پسند کرتے تھے۔

یہ لڑکی ڈاکٹر کوثر صاحب کے گھر جانے لگی۔ ڈاکٹر صاحب کے گھر نوجوانوں کی محفل رہتی تھی۔ ذکر کی مجلس ہوتی تھی۔ لڑکی ڈاکٹر صاحب کے گھرانے میں رہ کر اسلام سے متاثر ہوئی اور اس نے اسلام قبول کرلیا۔ اس کے بعد لڑکی نے کوشش کی کہ اپنے والدین کے گھر یا اکیلے رہنے کے بجائے وہ ان کے گھر مستقل رہے، لیکن بلدیہ کے قانون کے تحت پڑوسیوں نے شکایت کردی کہ اس گھر میں جو رقبہ ہے اس میں دو فیملی نہیں رہ سکتیں۔ مجبوراً لڑکی کو اپنے لیے الگ گھر کا انتظام کرنا پڑا کیونکہ آمدنی کم تھی اور مسلمان ہونے پر اسکول نے بھی کسی بہانے سے لڑکی کو فارغ کردیا تھا۔ اس لیے کسی اچھی جگہ گھر لینا ممکن نہ تھا۔ اس نے ایک قریبی نسبتاً سستے قدیم محلّہ میں گھر لے لیا۔ اس چھوٹے سے گھر میں چوہے تھے۔ آدھی رات کو جب یہ لڑکی اللہ کے دربار میں کھڑی ہوتی تو چوہے جائے نماز کے ارد گرد اچھلتے کودتے رہتے اور نماز میں تنگ کرتے۔ لڑکی

نے ڈاکٹر بخاری صاحب سے بات کی کہ چوہے مسئلہ کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا: جس رب کے حضور تم کھڑی ہوتی ہو اسی نے چوہے پیدا کیے ہیں، تم پیدا کرنے والے سے بات کرو یا چوہوں سے، یا دونوں سے۔ لڑکی نے کہا کہ میں اللہ سے دعا کروں گی لیکن اللہ کی مخلوق چوہوں سے کس طرح؟ کیا ماضی میں کبھی مسلمانوں کا انسانوں کے علاوہ کوئی مسئلہ نہیں ہوا، اور اگر ہوا تو کیسے حل کیا گیا؟

ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ حضرت عمر فاروق رض کے دور حکومت میں یہ واقعہ پیش آیا۔ مصر سے حضرت سعد رض نے لکھا کہ دریائے فرات میں خشک سالی ہے، یہاں کے قدیم رواج کے مطابق ایک نوجوان لڑکی کو دلہن بنا کر دریا کے سپرد کر دیتے ہیں، اس طرح دریا میں پانی آجاتا ہے۔ نبی کے صحابی نے کہا کہ اسلام تو عورتوں کو تحفظ اور عزت دینے آیا ہے، ہم یہ نہیں ہونے دیں گے۔ ان لوگوں نے کہا کہ اچھا پھر تم لوگ خود کوئی ایسا کام کرو کہ دریا میں پانی آجائے۔ انہوں نے حضرت عمر رض کو ساری صورت حال لکھ دی۔ حضرت عمر رض نے ایک خط دریائے فرات کے نام لکھ کر دیا، جس میں تحریر تھا "یہ خط اللہ کے خلیفہ عمر رض بن خطاب کی طرف سے ہے، میں خلیفہ کی حیثیت سے حکم دیتا ہوں کہ اگر تُو اللہ کے حکم پر چلتا ہے تو چل جا"۔ جب یہ خط مسلمان دریائے نیل میں ڈال رہے تھے تو وہاں موجود یہودی و عیسائی علما نے بہت مذاق اڑایا۔ دیگر کفار بھی

مذاق اڑا رہے تھے کہ بھلا دریا کو بھی خط لکھا جاتا ہے! دریا کی کون سی زبان ہوتی ہے! لیکن چند دن بعد ہی دریائے نیل کے ساتھ پہاڑوں پر بارش ہوئی، برف کے تودے پگھلنے لگے اور دریا میں پانی آگیا۔ خط کا جواب دریائے نیل نے اس طرح دیا کہ اُس وقت سے آج تک ہزار سال سے زیادہ عرصہ گزر گیا، دریائے نیل میں پانی خشک نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بارہا فرمایا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر تم ہمارے بن جاؤ تو زمین اور آسمان و ہوا وغیرہ تمہارے لیے مسخر کردیں گے۔ قرآن کا یہ دعویٰ عیسائی، یہودی علما نے بھی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ حضرت عثمان رض کے دور حکومت کا قصہ ہے کہ مسلمان مجاہدین افریقہ کے ایک ایسے علاقے میں پہنچے جہاں حشرات الارض سانپ، بچھو وغیرہ بہت تھے۔ سپہ سالار نے مدینہ خط بھیجا اور حضرت عثمان رض کو تفصیلی صورت حال سے آگاہ کیا۔ حضرت عثمان رض نے خلیفۃ المسلمین کی حیثیت سے دو خط لکھے۔ پہلا خط مسلمان مجاہدین کے کمانڈر کے نام تھا جس میں اسے بتایا گیا تھا کہ سب مجاہدین کو لے کر پہاڑ پر چڑھ جاؤ، اور اس کے بعد دوسرا خط کھول کر بآواز بلند پڑھنا۔

سپہ سالار نے مدینے سے خط موصول ہوتے ہی فوراً عمل کیا۔ سب مجاہدین ایک پہاڑ پر جمع ہوگئے اور دوسرے خط کے متن کے مطابق انہوں نے پکارا: یا حشرات الارض، یا حشرات الارض، منادی ہے خلیفۃ المسلمین، خلیفۃ اللہ عثمان رض بن

عفان کی طرف سے۔ مسلمان مجاہدین خود حیران رہ گئے کہ چھوٹے بڑے سانپ، بچھو اور مختلف طرح کے خطرناک جانور سب بلوں سے نکل کر جلدی جلدی آئے اور پہاڑی کے نیچے جمع ہوگئے۔ سپہ سالار نے حضرت عثمان رضی کا خط پڑھ کر باآواز بلند سنایا۔ خط میں حشرات الارض کو مخاطب کرکے بتایا گیا تھا کہ یہ مجاہدین اللہ کے نمائندے ہیں اور اللہ کی زمین پر اللہ کے کام سے نکلے ہیں اس لیے انہیں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ مجاہدین نے دیکھا کہ سانپ، بچھو اور کیڑے مکوڑے اس علاقے کو چھوڑ کر دور جارہے ہیں اور کچھ ہی دیر بعد علاقہ ان خطرناک جانوروں سے خالی ہوگیا۔ ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ میں نے خود ایتھوپیا کے قریب جاکر یہ علاقہ دیکھا۔ آج تک اس علاقے میں سانپ، بچھو نہیں ہوئے، حالانکہ قریبی جنگلات میں جانوروں کی بہتات ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے نومسلم لڑکی کو بتایا کہ یہ تو دورِ صحابہ رضی کے واقعات ہیں، اس کے بعد بھی بزرگانِ دین کے کئی ایسے واقعات ہیں۔ اس نومسلم نے کہا کہ بس میں بھی ایک خط لکھ کر چوہوں کے بل کے پاس رکھ دیتی ہوں کہ: "میں اللہ کی بندی ہوں، تمہیں جس رب نے تخلیق کیا ہے میں اس رب کی عبادت کرتی ہوں، مجھے ڈسٹرب نہ کرو"۔

لڑکی نے جب یہ ارادہ ظاہر کیا تو وہاں موجود پیدائشی مسلمانوں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی، انہی میں سے کسی نے میڈیا کو اطلاع کردی۔ میڈیا میں آنے کے بعد مسلمان علما کی ٹیم نے رابطہ کیا اور اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ

کہتے ہیں، اب مزید Backward ایسا نہ کرے، یہاں پہلے ہی مغرب میں مسلمانوں کو مسائل ہوں گے۔ لیکن وہ نہ مانی، اس نے یہ خط چوہوں کے بل کے قریب رکھ دیا۔ اللہ کی قدرت اُس رات کے بعد اس گھر سے کیا محلے سے چوہے غائب ہو گئے۔ علما، پیدائشی مسلمان اور مخالف سب حیران رہ گئے۔ ڈاکٹر صاحب نے بتایا انھوں نے مجھ سے پوچھا آپ حیران نہیں! ڈاکٹر صاحب نے کہا: ڈاکٹر اقبال کا یہ شعر سمجھنے کے لیے کافی ہے آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا مجھے یہ سن کر بالکل حیرانی نہیں ہوئی۔ میری والدہ نے بتایا کہ امروہہ میں ان کے محلے میں شاہ ولایت رح کی زیارت ہے۔ یہ بزرگ سینکڑوں سال پہلے گزرے ہیں۔ یہ اللہ کی مخلوق کی خدمت میں مصروف رہتے۔ انسان اور جانور سب ان سے مستفید ہوئے۔ اس جگہ بچھو بہت تھے، آپ نے بچھوؤں کو حکم دیا کہ یہاں آنے والے اللہ کا ذکر کرنے آتے ہیں، انہیں تکلیف مت دینا۔ میری والدہ نے بتایا کہ اب شاہ ولایت کے مزار کے احاطے میں سینکڑوں بچھو رہتے ہیں۔ بچھو کی فطرت ہے ڈنک مارتا ہی، لیکن بچپن میں ہم ان بچھوؤں سے کھیلتے تھے، ہاتھ پر لیتے لیکن وہ کچھ نہیں کہتے بلکہ بعض مرتبہ ہم انہیں کھیلنے کے لیے گھر لے آتے لیکن یہ ہمیں کوئی نقصان نہ پہنچاتے۔ بچھوؤں کی یہ نسل سینکڑوں سال سے اللہ کے ولی کے دنیا سے پردہ پوشی کرنے کے بعد بھی اس پر عمل کر رہی ہے اور انسانوں کو نقصان نہیں پہنچاتی۔ یہ معجزہ انٹرنیٹ پر بہت سی ویڈیو میں موجود ہے۔

مجھے نومسلم لڑکی کا یہ واقعہ سننے کے بعد ملنے کا اشتیاق ہوا۔ ابھی چند سال پہلے یہ فیملی کراچی میں سوسائٹی کے علاقے میں شفٹ ہو گئی۔ ڈاکٹر صاحب کے گھر ایک نشست ہو رہی تھی، کئی علما بیٹھے تھے، ایک بچے نے تلاوت قرآن کی۔ جب تلاوت ختم ہوئی تو رونے اور ہچکیوں کی آواز نے سب کو چونکا دیا۔ پردے کے پیچھے یہ نومسلمہ خاتون ہچکیوں سے رو رہی تھی۔ قرآن نے اللہ والوں کی یہ نشانی بتائی ہی، مفہوم ہے "جب ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو اللہ کے خوف سے ان پر رقت طاری ہو جاتی ہے اور وہ رونے لگتے ہیں"۔ میں نے چند برس پہلے اقصیٰ باجی سے ملاقات کی۔ میں جیسے ہی ان کے گھر پہنچا کچھ دیر بعد بجلی چلی گئی۔ انتہائی سرد ملک سے آئی ہوئی یہ خاتون بالکل پُرسکون تھیں۔ انہوں نے بتایا کہ پاکستان آنے میں ان کے لیے ایک بہت بڑا Charm یہ ہے کہ یہاں اذان کی آواز آتی ہے۔ مغربی معاشرے میں ہم اس سے محروم تھے۔ مجھے مسلمان پاکستانی بھائیوں کی باتوں کا خیال آگیا۔ یہ جس چیز کو اس ملک کی نعمت سمجھ رہی ہیں ہمیں اس کا احساس ہی نہیں۔ باجی نے بتایا کہ اس معاشرے میں بچوں کو سنبھالنا بہت مشکل ہے۔ میرے استفسار پر انہوں نے بتایا کہ بے پردگی، Sex Education، شراب کا عام ہونا جسے آپ بڑا مسئلہ سمجھ رہے ہیں، یہ مسائل تو گھر کی تربیت سے بآسانی حل ہو سکتے ہیں۔ ہمارے لیے بڑا مسئلہ بچوں کے اندر پیدا ہونے والی "i" (میں) ہے۔ ان کا اسکول سسٹم انسان میں خودغرضی پیدا

کرتا ہے۔ وہ "مَیں" جو انسان کی دشمن ہے۔ ڈاکٹر صاحب! یہ "میں" ہی تھی جس نے ایک عبادت گزار جن کو ابلیس بنا دیا۔ مغربی معاشرے کا سب سے بڑا مسئلہ خود غرضی ہے۔

میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کا یہ فیصلہ ٹھیک ہے؟ یہاں لوڈشیڈنگ ہے، گرمی ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ تکالیف اس آرام دہ ماحول سے کہیں بہتر ہیں۔ یہاں ہم اپنے بچوں کی تربیت اسلام کے مطابق کر سکتے ہیں۔ لیکن اسکول میں جیسے ہی ان کے بچے داخل ہوئے پرابلم شروع ہو گئی۔ ان کا بچہ ایک دن اسکول نہیں گیا، ٹیچر نے اگلے دن پوچھا، اس نے سچ سچ بتا دیا کہ میرا موڈ نہیں تھا۔ کلاس ٹیچر بہت خفا ہوئیں۔ پرنسپل تک بات پہنچ گئی۔ کہنے لگیں: اس معاشرے میں سچ بولنا بہت مشکل ہے۔ مغرب میں یہ تصور بھی نہیں کہ بچہ اسکول میں جھوٹ بول سکتا ہے۔ سچ بولنے کے علاوہ سچ سننے کی بھی اِس میں اسکول میں بتا دیتے ہیں۔ Routine معاشرے میں بہت کمی ہے۔ یہ بات بچے ایک دن ان کے بچے کی طبیعت خراب تھی، اسکول نے میڈیکل سرٹیفکیٹ کا کہا، انہوں نے کہا کہ کیا یہ بتا دینا کافی نہیں! ٹیچر نے بتایا کہ بچے کے گھر والے بہانا بھی کر سکتے ہیں۔ کہنے لگیں: ڈاکٹر صاحب! بہانہ بھی جھوٹ ہی ہے۔ یہ مسئلہ ہمیں سب سے زیادہ پیش آ رہا ہے۔

ایک دن ہم لوگ ان کے گھر گئے، انہوں نے بچوں کو ڈبل روٹی، بسکٹ، انڈا اور پراٹھا دیا، کہنے لگیں: ڈاکٹر صاحب جو تھا وہ حاضر کردیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مہمان کے لیے جو موجود ہو اسے حاضر کرنے کے لیے کہا ہے۔ ہمارے یہاں کوئی مہمان آجائے تو ذہنی پریشانی ہوجاتی ہے۔ بچے کو دوڑایا جاتا ہے، تکلفات کیے جاتے ہیں، مہمان برکت کے بجائے پریشانی کا باعث بنتا ہے۔ وہ کہنے لگیں: ڈاکٹر صاحب! ہم نے تو اپنی زندگی کا ایک نکاتی مشن بنالیا ہے، ہر کام نبی کے طریقے پر کرنے کی کوشش کرنی ہے۔ زندگی بہت پُرسکون گزر رہی ہے، کوئی ٹینشن نہیں۔ اقصیٰ باجی نے اپنا گھر بنوایا تو انہوں نے پہلے (Small Cow) ایک بچھڑے کا سائز منگوایا، پھر اس سے بڑا کچن کا دروازہ بنوایا، وجہ دریافت کرنے پر انہوں نے بتایا کہ قرآن میں کچن کے دروازے کا یہی سائز بتایا گیا ہے۔ "کس نے بتایا، یہ آپ نے کہاں سے پڑھ لیا! کسی بھی تفسیر میں یہ بات نہیں۔" انہوں نے بتایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دو مہمانوں کے لیے بھنا ہوا بچھڑا پیش کیا، یقیناً کچن کا دروازہ اتنا بڑا ہوگا جس میں سے بچھڑا باہر لایا گیا ہوگا۔ ہمیں حکم دیا گیا، ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کرو۔ ہمیں قرآن کا حکم سننے کے بعد بس عمل کی فکر ہونی چاہیے۔

باجی زیور نہیں استعمال کرتیں۔ سادہ کپڑے پہنتی ہیں۔ ایک انوکھی بات یہ تھی کہ وہ ایک تقریب میں شریک تھیں، انہوں نے سادہ سے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ اتنے

سادہ کپڑے پہننے پر کئی خواتین نے اعتراض کیا، انہوں نے خاموشی اختیار کی۔ وہ خواتین کہنے لگیں: اگر اللہ نے ہمیں دیا ہے تو کیا اس کا اظہار نہ کریں! بعد میں باجی نے بتایا کہ میں محفل میں ایسے کپڑے پہننے سے احتراز کرتی ہوں جن کو دیکھ کر محفل میں شریک غریب لڑکیاں Depres ہوں اور یہ خیال ان کے ذہن میں آئے کہ اللہ نے ہمیں کیوں نہیں اتنا دیا۔ اس طرح ان میں احساسِ کمتری پیدا ہوتا ہے۔ تقریب میں شریک غریب رشتہ داروں کے جذبات واحساسات کا ضرور خیال رکھنا چاہیے۔ اس طرح دوسروں میں حسد پیدا نہیں ہوگا۔ حسد ہی وہ خطرناک چیز ہے جو معاشرے کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ دکھاوا کرنے والے اپنے رویے اور کپڑوں کے اسٹائل سے پہلے دوسروں کو پریشان کرتے ہیں اور پھر جب دوسرے ان پر تبصرہ کرتے ہیں تو خود پریشان ہوتے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں تقریبات دکھاوے اور دوسروں کو جلانے کے لیے استعمال ہوتی ہیں۔۔بڑے۔بڑے نمازی، روزہ دار اور متقی اس کا شکار ہوجاتے ہیں اور پھر ذہنی طور پر متاثر ہوتے ہیں۔ باجی کے اس طرزِ عمل پر چلیں تو جس طرح وہپُرسکون اور ڈپریشن سے پاک زندگی گزار رہی ہیں اس طرح گزاری جاسکتی ہے۔ کہنے لگیں: ڈاکٹر صاحب مومنین کو قرآن کی نصیحت ہے: من شر حاسد اذا حسد۔ حاسدوں سے اللہ کی پناہ مانگیں۔ اور سادگی کے ذریعے دوسروں کا خیال کرکے حسد کے جذبے کو Discourage کریں، یہی پرسکون زندگی گزارنے کا طریقہ ہے۔

(نوٹ: ڈاکٹر خالد مشتاق صاحب کا یہ مضمون روزنامہ جسارت کے سنڈے میگزین میں شائع ہوا ہے۔ ہمیں یہ مضمون پسند آیا اس لئے سوچا کہ اس کو ہماری ویب کے قارئین سے شئیر کیا ہے۔)

پچیسویں تراویح

آج کی تراویح میں انتیسویں پارہ تبارک الذی کی تلاوت کی گئی ہے۔ سب سے پہلے سورہ الملک کی ابتداہی اللہ کی عظمت کے اظہار سے کی گئی ہے۔،بڑی عظیم اور برکت والی ہے وہ ذات جس کے قبضہ قدرت میں اس کائنات کی بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے،جس نے پیدا کیا موت کو اور زندگی کو تاکہ امتحان لے کہ تم میں سے کون سب سے اچھے اعمال والا بنتا ہے۔ نافرمانوں کو للکارا ہے کیا تم بے خوف ہو گئے ہو کہ اب تمہیں زمین میں دھنسانے اور آسمان سے پتھراؤ کرنے والا عذاب نہیں آسکتا؟ بتاؤ تمہارے پاس وہ کون سا لشکر ہے جو خدائے رحمان کے مقابلہ میں تمہاری مدد کر سکے؟ بتاؤ وہ کون ہے جو تمہیں روزی دے سکے اگر وہ اپنی روزی روک لے؟ ان سے پوچھو کہ اگر تمہارا یہ پانی نیچے اتر جائے تو کون ہے جو تمہارے لئے یہ صاف و شفاف پانی نکال کر لائے؟ کہہ دو وہ رحمان ہے ہم اس ہر ایمان لائے ہیں اور اسی پر ہم نے بھروسہ کیا ہے۔ عنقریب تم جان لوگے کہ کھلی گمراہی میں کون ہے؟

سورہ القلم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت، آپ کی لائی ہوئی کتاب اور آپ کے اعلیٰ کردار موزانہ قریش کے فاسق لیڈروں کے کردار سے کرکے یہ دکھایا

ہے کہ وہ وقت دور نہیں جب موافق و مخالف دونوں پر واضح ہو جائے گا کہ کن کی باگ ڈور فتنہ میں پڑے ہوئے لیڈروں کے ہاتھوں میں ہے جو ان کو تباہی کے راستے پر لئے جارہے ہیں اور کون لوگ ہیں جو ہدایت کے راستے پر ہیں اور وہی فلاح پانے والے بنیں گے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق گواہی دیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک اعلیٰ کردار پر ہیں اور قریش کا کردار بتایا گیا کہ جھوٹی قسمیں کھانے والے ذلیل، اشارہ باز لترے نیکیوں سے روکنے والے، حد سے تجاوز کرنے والے، لوگوں کا حق مارنے والے، سنگ دل اور شیخی باز اور یہ سب اس لئے کہ اللہ نے انہیں مال اور اولاد عطا کردی ہے۔ اس موقع پر ایک باغ والوں کی مثال دے کر سمجھایا کہ اس دھوکے میں نہ رہو کہ اب تمہارے عیش میں کوئی خلل ڈالنے والا نہیں جس خدا نے تمہیں یہ سب کچھ بخشا ہے اس کے اختیار میں ہے کہ وہ اس کو بھی چھین لے۔ آخرت کے انجام کی طرف سے توجہ دلاتے ہوئے سوال کیا کہ آخر انہوں نے خدا کو اتنا بے انصاف کیسے سمجھ رکھا ہے کہ وہ نیکوں اور بدوں میں کوئی فرق نہیں کرے گا، ساتھ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ آج جو باتیں یہ لوگ بنا رہے ان کا غم نہ کیجئے صبر کے ساتھ اپنے رب کا فیصلے کا انتظار کیجئے اور اس طرح کی جلدی دکھانے سے گریز کریں جس میں حضرت یونس علیہ السلام مبتلا ہوگئے اور انہیں آزمائش سے گزرنا پڑا تھا۔

سورالحاقہ میں رسولوں کی دعوت جھٹلانے والوں کاانجام بتاتے ہوئے قیامت کی ہولناک تصویر کھینچی گئی ہےاور فرمایایادرکھو! جب صور میں ایک ہی پھونک ماری جائے گی اور پہاڑوں کواٹھاکرایک ہی بار میں پاش پاش کردیاجائے تواس دن تمہاری پیشی ہوگی اور تمہاری کوئی بات ڈھکی چھپی نہیں رہے گی۔ پس پیشی کے دن جسے دائیں ہاتھ میں اعمال نامہ ملے گااس کی خوشی کاٹھکانہ نہ ہوگااور جسے بائیں ہاتھ میں اعمال نامہ دیاجائے گاکہ وہ حسرت سے موت مانگ رہاہوگاآوازآئے گی اس کو پکڑواس کی گردن میں طوق ڈالو، اس کو جہنم میں جھونک دواورایک زنجیر میں جس کی لمبائی ستر ہاتھ ہے جکڑدو یہ وہ ہے جس کو خدائے عظیم پرایمان نہیں رکھتا تھااور نہ مسکینوں کو کھاناکھلانے پرابھارتا تھا۔

سورہ المعارج میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صبر کی تلقین کی گئی ہے کہ یہ بہت تنگ نظر تھڑدلے لوگ ہیں اس وقت خدانے ان کو ڈھیل دی ہے توان کے پاؤں زمین پرنہیں پڑرہے۔ ذراپکڑ میں آجائیں توساری شیخی بھول جائیں گے اور تمنا کریں گے" کاش اس دن عذاب کے چھوٹنے کے لئے اپنے بیٹوں اپنی بیوی، اپنے بھائی اوراپنے کنبہ کو جس کا پشتی بان رہاہےاور تمام اہل زمین کو بدلہ میں دے کراپنی جان چھڑالے۔

سورہ نوح میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پچھلی سورہ میں تلقین کئے صبر کے نمونے کے طور پر حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ بیان کیا گیا کہ انہوں نے کتنے طویل عرصے یعنی ساڑھے نو سو برس صبر کے ساتھ اپنی قوم کو دعوت دی اور اتنے طویل صبر اور انتظار کے بعد ان کی قوم کو عذاب میں مبتلا کیا گیا۔ اس طرح داعیان حق کو بتایا گیا کہ اپنی آخری منزل کے لئے صبر اور انتظار کے کتنے مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ ساتھ ہی یہ بات بھی کہ اللہ تعالی جلد بازوں کو کی جلد بازی اور طعن و تشنیع کے باجود ان کو اگر چہ ایک طویل مدت تک ڈھیل دیتا ہے مگر بالآخر ایک روز پکڑ لیتا ہے اور جب وہ پکڑتا ہے تو کوئی ان کو چھڑانے والا نہیں ہوتا۔

ایک اہم بات حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت میں یہ بیان ہوئی کہ حقیقی معنوں میں خدا کی ہدایت کی پابندی دنیا میں بھی خوشحالی اور برکتوں کا ذریعہ ہے لیکن ان کی قوم کی بڑی تعداد نے ان کی نافرمانی کی، مذاق اڑایا اور ان لوگوں کی پیروی کی جن کے مال اور اولاد نے ان کی گمراہی میں اضافہ کیا پس ایک دن وہ اپنے گناہوں کی سزا میں پانی کے طوفان میں غرق کردئے گئے اور اسی راستے سے آگ میں داخل کردئے گئے۔ اس وقت کوئی ان کے کام نہ آیا جنہیں وہ خدا کے سوا پکارا کرتے تھے۔

سورہ جن میں قریش کو غیرت دلائی گئی ہے کہ جنات قوم جو قرآن کے براہ راست مخاطب نہیں ہیں وہ جب راستہ چلتے اس کو سن لیتے ہیں تو تڑپ اٹھتے ہیں اور اپنی قوم کے اندر اسے پھیلانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور ایک تم ہو کہ خاص تمہارے لیے اسے اتارا جارہا ہے اور اس کی برکتوں سے نوازنے کے لئے خدا کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم دن رات ایک کئے دے رہا ہے مگر تمہاری بد بختی کہ اس کی طرف دھیان دینا تو درکنار تم الٹے اس کے دشمن بن گئے ہو۔

سورہ المزمل اور المدثر دونوں سورتوں کی ابتدا اے چادر میں لپٹنے والے اور چادر لپیٹ رکھنے والے سے کی گئی ہے اس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ انبیاء کرام علہیم السلام مخلوق خدا کے لئے بے انتہا رحیم و شفیق اور اپنے رب کی ڈالی ہوئی ذمہ داریوں کے معاملہ میں بہت حساس واقع ہوتے ہیں وہ اپنی جان توڑ کوششوں کے باوجود جب دیکھتے ہیں کہ لوگوں کی ان سے دشمنی بڑھتی جارہی ہے تو انہیں خیال ہوتا ہے کہ کہیں انہی کے کام میں تو کوتاہی نہیں ہے اور یہ فکر ان کو غم زدہ کر دیتی ہے اور وہ چادر میں سمٹ کر اپنے ماحول سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہوئے اندر ہی اندر کوتاہیوں کی تلاش شروع کر دیتے ہیں۔ سورہ المزمل میں چادر اوڑھنے والے کے پیارے الفاظ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے ان کو اس حالت سے نکلنے کا راستہ بتایا گیا ہے کہ رات کے وقت اللہ کے حضور قیام کا اہتمام کرو، اس میں ٹھہر ٹھہر کر قرآن پڑھو اس سے

دل کو ٹھہراؤ ملے گا اور دماغ کو بصیرت حاصل ہو گی اور آگے کی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے کی اہلیت پیدا ہو گی۔

المدثر میں بھی اسی لقب سے پکار کر ہدایت کی کہ بس اب چادر اتار پھینکو اور لوگوں کو ڈرانے اور خبردار کرنے کے لئے کمربستہ ہو جاؤ، اٹھ کھڑے ہو اپنے رب کی بڑائی بیان کرو۔ اپنے دامن کو ہر قسم کے غبار سے پاک رکھو اور اپنی جدو جہد جاری رکھو۔ مخالفتوں کے باوجود حق پر ڈٹے رہو اللہ تعالیٰ آپ کی کوششوں کا نتیجہ ضرور ظاہر فرمائے گا۔

سورہ القیامہ میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے ثبوت میں انسانی ضمیر نفس لوامہ کو پیش کیا ہے اور واضح کیا کہ انسان خود ایک چھوٹے پیمانے پر کائنات کی حیثیت رکھتا ہے پس اس چھوٹی دنیا میں اپنے کئے پر ملامت کرنے والی حس کا ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ کائنات میں بھی نفس لوامہ ہے اور وہی قیامت ہے جو تمام لوگوں کی پوری زندگی کے اعمال کا محاسبہ کرے گی۔

سورہ الدھر میں قیامت کی یہ دلیل دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر سننے اور دیکھنے اور ان کے ذریعہ نیک و بد میں تمیز کرنے کی جو صلاحیت رکھی ہے اس کا تقاضہ ہے کہ ایسا دن آئے گا جس میں لوگوں کو ان کے کئے کا

بدلہ مل کے گا ورنہ پھر نیکی بدی کا کھڑاگ کھڑا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

آج کی تراویح کا بیان ختم ہوا۔ دعا ہے کہ اللہ ہمیں قرآن پڑھنے، سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین اللہ اس قرآن کی برکت سے ہمارے ملک اور شہر کے حالات بہت بنائے آمین

تحریر: مولانا محی الدین ایوبی

میچ فکسنگ تنازعہ اور گوروں کا متعصبانہ رویہ

پاکستان کرکٹ ٹیم اس وقت ایک بحران کا شکار ہے۔ میچ فکسنگ اسکینڈل نے پاکستان کا نام دنیا بھر میں بدنام کردیا ہے۔ اگرچہ ہمارے کھلاڑی کوئی بہت پارسا یا نیک نہیں ہیں لیکن یہ بڑی عجیب سی بات ہے کہ ایشین اور پاکستانی کھلاڑیوں پر ہمیشہ ایسے الزامات صرف آسٹریلیا اور انگلینڈ کی جانب سے ہی لگائے جاتے ہیں کسی اور ملک کی جانب سے نہیں۔ تو کیا صرف آسٹریلیا اور انگلینڈ ہی کرکٹ کو سمجھتے ہیں اور دیگر ممالک نہیں؟ نہیں ایسا نہیں ہے بلکہ دنیائے کرکٹ میں ایک وقت میں ویسٹ انڈیز نے راج کیا ہے اس کے بعد پاکستان کی ٹیم بھی دنیائے کرکٹ میں ایک خوف کی علامت بنی رہی بالخصوص اسی سے نوے کا عشرہ جب پاکستانی کرکٹ کے عروج کا دور کہا جاسکتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ بھارت نے بھی کرکٹ کے کئی ریکارڈز اپنے نام کئے ہوئے ہیں یعنی آسٹریلیا اور انگلینڈ کا یہ گمان کہ صرف وہی کرکٹ کو سمجھتے ہیں اور وہی چیمپئن ہیں غلط ہے بلکہ ایشن اور پاکستانی کھلاڑیوں پر الزمات لگانے کا بنیادی مقصد ابھرتے ہوئے ایسے کھلاڑی جن سے ان کو خوف محسوس ہو ان کا کیریر تباہ کرنا ہے۔ اور دوسری بات ان کا گوری چمڑی کا غرور اور تعصب اس کی وجہ ہے۔

یادش بخیر ستر کی دہائی میں ڈینس للی اور جاوید میانداد کا تنازعہ بھی مشہور ہوا تھا جس میں مغرور ڈینس للی نے پاکستانی اسٹار بلے باز جاوید میانداد پر بیٹنگ کے دوران بلے سے حملہ کردیا تھا اور انکو زدو کوب کیا تھا، بات صرف اتنی تھی کہ جاوید میانداد سلی پوائنٹ پر کھڑے تھے اور ڈینس للی کو اس پر اعتراض تھا بقول للی کے کہ میانداد کا سایہ پچ پر پڑ رہا ہے للی نے اس پر اعتراض کیا اور میانداد کو وہاں سے ہٹنے کا "حکم" دیا پاکستانی ٹیم کا مؤقف تھا کہ پچ سے کم از کم دو گز کی دوری ضروری ہے اور میانداد دو گز سے زیادہ دور کھڑے ہیں اس لئے للی کا اعتراض بے جا ہے۔ امپائرز نے پاکستان کا مؤقف درست مانا اور میانداد کو وہاں سے نہیں ہٹایا جس پر طیش میں آکر للی نے میانداد پر حملہ کردیا تھا۔

اسی طرح اسی کی دہائی میں انگینڈ کی ٹیم کے دورہ پاکستان کے موقع پر انگلش کپتان مائیک گیٹنگ اور پاکستانی امپائر شکور رانا کا تنازعہ بھی مشہور ہوا تھا جس میں انگلش کپتان سرار غلط تھے۔ واقعہ یہ ہوا کہ انگلش کپتان نے عین اس وقت جب کہ بالر نے اپنا رن اپ شروع کردیا تھا اس وقت انہوں نے فیلڈ میں تبدیلی کی جس پر پاکستانی امپائر نے اصولی طور پر ان کو اس بات سے منع کیا لیکن مہذب معاشرے کے دعوے دار فرد نے اس بات پر برافروختہ ہو کر امپائر سے بدتمیزی کی اور اپنی گوری چمڑی کے غرور میں امپائر کی بات ماننے سے انکار

کیا جب کہ وہ سراسر غلط تھے۔

اسی طرح نوے کی دہائی میں جب عمران خان کی ریٹائرمنٹ کے بعد سلیم ملک کو کپتان بنایا گیا اور سلیم ملک پاکستان کرکٹ کے کامیاب کپتانوں میں سے ایک تھے، ان کی کپتانی سے خائف ہو کر آسٹریلوی بالر شین وارن نے سلیم ملک پر الزام لگایا کہ انہوں نے مجھے میچ فکس کرنے کی آفر کی ہے جبکہ یہ بات جھوٹ تھی لیکن آئی سی سی کی متعصب انتظامیہ نے پاکستانی کپتان کو مجرم مانا اور ہماری اپنی عدالتوں نے بھی ان کو مجرم سمجھتے ہوئے ان پر تاحیات کرکٹ کھیلنے پر پابندی لگا دی، جبکہ بعد میں معلوم ہوا کہ خود شین وارن اور کچھ دوسرے کھلاڑی بھی میچ فکسنگ میں ملوث رہے تھے۔ (سلیم ملک نے طویل عرصے تک کیس لڑنے کے بعد پابندی کے خلاف کیس جیت لیا)۔

ماضی میں ہمارے وسیم اکرم اور وقار یونس کی جوڑی کرکٹ کی دنیا میں ایک خوف کی علامت بن گئے تھے اس دور میں ان کے کیریر کو تباہ کرنے کے لئے ان دونوں اور دیگر پاکستانی کھلاڑیوں پر بال ٹیمپرنگ کے الزامات عائد کرکے ان کے کیئریر کو تباہ کرنے کی مذموم کوشش کی گئی اور ان کے کئی قیمتی سال ضائع کئے گئے جبکہ خود آسٹریلیا اور انگلینڈ کے کئی بالرز بال ٹیمپرنگ میں ملوث رہے ہیں لیکن آئی سی سی بھی تعصب برتتے ہوئے ان کے خلاف کوئی کاروائی نہیں

کرتی۔

ایک اور مثال پیش کریں کہ عظیم سری لنکن بالر متیہا مرلی دھرن نے جب کرکٹ کی دنیا میں قدم رکھا تو اور گوروں کو ان کی بولنگ سے مشکلات پیش آئیں تو ان کے بولنگ ایکشن کو مشکوک قرار دینے کی کوشش کی گئی لیکن سری لنکن بورڈ کی جدوجہد کے نتیجے میں ان پر پابندی نہیں لگائی جا سکی ورنہ گوروں نے ان کا مستقبل بھی تباہ کرنے کی انتہائی کوشش کی تھی اور اس کی وجہ صرف اور صرف ایشن کھلاڑیوں سے تعصب ہے اور کچھ نہیں۔

اگر پاکستان کا جائزہ لیا جائے تو ایک اور پاکستانی بالر شبیر احمد جن کو دنیا کا طویل قامت بار کہا جارہا تھا اور وہ بھی ایک ابھرتے ہوئے کھلاڑی تھے ان کے بالنگ ایکشن کو بھی مشکوک قرار دیکر اس کا مستقبل تباہ کرنے کی کوشش کی اور آئی سی سی نے بھی متعصبانہ رویہ رکھتے ہوئے اس کھلاڑی کو کرکٹ کے میدانوں سے دور کردیا اور آج پاکستانی کرکٹ کا یہ ابھرتا ہوا ستارہ ابھرنے سے پہلے ہی ڈوب گیا، جبکہ کرکٹ کو سمجھنے والے جانتے ہیں کہ کرکٹ میں فاسٹ بالرز کے لئے طویل قد کی کتنی اہمیت ہوتی ہے جتنا لمبا قد ہوگا اتنی ہی خطرناک بولنگ ہوگی لیکن گوروں نے اپنے ایک حریف کو وقت سے پہلے ہی چت کردیا۔

اسی طرح اگر موجودہ اسکینڈل کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس میں محمد عامر کو ملوث کیا گیا ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ یہ معاملہ بالکل ہی جھوٹا ہے اور کھلاڑی بالکل سچے ہیں یقیناً ہمارے یہاں کچھ کالی بھیڑیں ہیں جو ملک سے زیادہ اپنے مفادات کو عزیز رکھتی ہیں لیکن محمد عامر کو اس اسکینڈل میں جان بوجھ کر ملوث کیا گیا ہے کیوں کہ محمد عامر نے بہت ہی کم عرصے میں کرکٹ میں اپنی دھاک بٹھا دی تھی اور اس کو مستقبل کا یک عظیم کھلاڑی اور وسیم اکرم کا متبادل قرار دیا جا رہا تھا اور اس کی کارکردگی سے انگلش بیٹسمین خائف تھے۔ ان کو محمد عامر کا سامنا کرنے میں مشکلات پیش آ رہی تھیں اسی لیے گوروں نے مستقبل کے اس لیجنڈ کو ابھی سے قابو کرنے کے لئے یہ ڈرامہ رچایا کہ اس کو بھی اس کیس میں پھنسایا جائے۔ دیکھیں میں ایک بار پھر یہ بات کہتا چلوں کہ میں یہ بات نہیں کہتا کہ یہ کیس بالکل ہی جھوٹا ہے یقیناً اس میں کچھ نہ کچھ سچائی ہوگی لیکن محمد عامر اس میں اس لئے ملوث نہیں ہو سکتا کہ کوئی بھی کھلاڑی کیریر کی ابتدا میں ایسی غلطی نہیں کر سکتا۔

البتہ اس معاملے میں حکومت پاکستان نے ماضی کے مقابلے میں فوری طور پر ایکشن بھی لیا اور پاکستانی کھلاڑیوں کا کیس بھی لڑا اور ان پر پابندیوں کے

خلاف آواز بھی اٹھائی۔۔برطانیہ میں پاکستانی ہائی کمشنر واجد شمس الحسن نے آئی سی سی کے رویے کو جانبدار قرار دیا اور کہا کہ اس نے یہ پابندی بلا جواز اور یک طرفہ طور پر لگائی ہے جبکہ دفتر خارجہ نے بھی اس معاملہ پر.برطنیہ اور آئی سی سی احتجاج کرنے کا اعلان کیا ہے۔اب دیکھیں کہ اس کیس کی تحقیقات کے نتیجے میں کیا بات سامنے آتی ہے۔ سچ یا جھوٹ کا فیصلہ چند روز میں ہو جائے گا۔

اپنی ہی مٹی پہ چلنے کا سلیقہ سیکھو

وطن عزیز میں ایک مزاج سا بن گیا ہے کہ ہم ہر قانون کی خلاف ورزی کرنے کو باعث فخر سمجھنے لگے ہیں، اس کی مثال ہم ٹریفک سگنل کی خلاف ورزی کرنے لیکر سے کسی بھی بینک میں یوٹیلیٹی بلز جمع کرنے کی قطار یا بورڈ آفس اور کالجز وغیرہ میں لگی فارم جمع کرانے کی قطاروں کو توڑنے سے پیش کر سکتے ہیں۔ یہ تو چھوٹی مثالیں ورنہ ہم جانتے ہیں کہ ہمارے ملک کا مقتدر طبقہ کیا کچھ نہیں کرتا بلکہ شائد میں غلط کہہ رہا ہوں بات مقتدر طبقے کی نہیں ہے بلکہ جہاں جس کا زور چلتا ہے وہاں وہ اپنا ہاتھ دکھا جاتا ہے۔ اور ہمارے معاشرے میں مجھ سمیت تمام لوگ کسی نہ کسی حوالے سے قانون شکنی کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں لیکن اجتماعی بے حسی اور مفاد پرستی کے اس دور میں ہم اپنی تمام ہی غلط باتوں کو سندِ جواز پیش کرکے اپنے ضمیر کو تھپکیاں دیکر سلا دیتے ہیں۔

اس وقت ہم اسی حوالے سے بات کریں گے اور ہمارا موضوع میڈیا اور کیبل آپریٹرز ہیں۔ گزشتہ دنوں حکومتِ پاکستان نے تمام بھارتی چینلز پر پابندی عائد کردی اور پیمرا نے تمام کیبلر آپریٹرز کو بھارتی چینلز کی نشریات جاری کرنے سے روک دیا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ ایک بہت اچھا اور مستحسن قدم ہے۔

لیکن جیسا کہ ہم نے عرض کیا تھا کہ ہم ہر قانون کی خلاف ورزی کرنے کو باعث فخر سمجھنے لگے ہیں تو اسی طرح یہاں بھی ہوا ہے کہ جیسے ہی بھارتی چینلز پر پابندی عائد ہوئی تو لوگوں کو بے چینی ہونے لگی اور انہوں نے کیبل آپریٹرز کو مجبور کیا کہ اگر بھارتی چینلز نہ دکھائے گئے تو ہم کیبل کی فیس ادا نہیں کریں گے۔

اس صورتحال میں کیبل آپریٹرز نے قانون کی خلاف ورزی کا نیا طریقہ نکالا (گو کہ یہ طریقہ بہت پرانا ہے) کہ وہ بھارتی چینلز کی نشریات کو ریکارڈ کرکے سی ڈی پر پیش کردیتے ہیں اور اس طرح جواز دیا جاتا ہے کہ ہم انڈین چینلز تو نہیں چلا رہے ہیں ہم تو سی ڈی چلا رہے ہیں۔ حالانکہ ہم سمجھتے ہیں کہ پابندی کا مقصد براہ راست نشریات کو روکنا نہیں بلکہ دراصل ان بھارتی چینلز کی وجہ سے ہمارے معاشرے میں جو بگاڑ پیدا ہوا ہے اور بالخصوص نوجوان نسل جس طرح اپنی تہذیب اور ثقافت سے دور ہوتی جارہی ہے اس کا تدارک کرنا تھا۔ اب اگر براہ راست نشریات کے بجائے نشریات کو ریکارڈ کرکے سی ڈی پر بھی دکھایا جائے تو اس کے بھی اثرات اسی طرح مرتب ہونگے جس طرح لائیو نشریات کے ہوتے ہیں۔

اگر ہم غور کریں تو ہمیں نظر آئے گا کہ کس طرح آج کل ہمارے نوجوان بزرگوں

سے بد تمیزی سے پیش آتے ہیں، کس طرح ہندووانہ رسمیں ہمارے معاشرے میں در آئی ہیں۔ میں اور آپ نے بھی دیکھا ہوگا کہ اب ہمارے یہاں شادی بیاہ میں فضول رسومات کی بھرمار ہو گئی ہے، مہندی کا آنا اور پھر مہندی کا جانا اور اس سارے تماشے میں جو طوفانِ بد تمیزی برپا ہوتا ہے وہ سب انہیں چینلز اور انڈین فلموں کا تحفہ ہے، پہلے پہل تو صرف رسمیں ہی ہوتی تھیں لیکن اب ایک نیا ٹرینڈ یہ بھی چلا ہے کہ مہندی وغیرہ بھی نوجوان لڑکے پیلے رنگ کے دوپٹے یا چادریں ڈال کر جاتے ہیں اور اس کا باقاعدہ اہتمام کیا جاتا ہے یہ سب ہمارے معاشرے میں پہلے تو نہیں تھا؟
اسی طرح اب اگر آپ کسی نوجوان کو ہندوؤں کے دیوی دیوتاؤں کی تصاویر دکھا کر پوچھیں کہ یہ کون ہیں تو وہ سب بتا دے گا کہ یہ گنیش دیوتا ہیں، یہ کالی دیوی ہے یہ فلاں فلاں ہیں۔ لیکن اگر ان سے شعائر اسلام کے بارے میں سوال کیا جائے تو ان کو کچھ بھی پتہ نہیں ہوتا۔ یہاں میں ایک مثال پیش کروں کہ ہمارے زمانہ طالبعلمی میں ہمارے ایک دوست مسلکی بنیاد پر ہم سے بحث و مباحثے کے خواہش مند ہوتے تھے اور ان کو اکسانے میں ان کے ایک دوست جو کہ ایک مخصوص مذہبی گروہ سے تعلق رکھتے تھے وہ پیش پیش ہوتے تھے میں اکثر کوشش کر کے کنی کترا جاتا تھا لیکن ایک دن تنگ آکر میں نے ان سے کہا چلو ٹھیک ہے آج تم سے بات کرتے ہیں اور گفتگو کے آغاز ہی میں میں نے ان سے پوچھا کہ آپ

کو پتہ ہے حضرت ابوبکر صدیق رض کون تھے؟ موصوف نے جواب دیا کہ ہاں ہاں میں جانتا ہوں وہ اللہ کے ایک نبی تھے اور کون تھے (استغفراللہ) اسی طرح جب میں ڈریم ورلڈ فیملی ریزورٹ میں ملازم تھا تو اس دوران ہمارے ایک کولیگ کی شادی ہوئی، شادی سے پہلے ہم ان سے ہنسی مذاق کرتے تھے، ایک دن ہم نے ان سے زرا سنجیدگی سے بات چیت کی اور پوچھا کہ یار تمہیں غسل کا طریقہ تو آتا ہے نا؟ جواب ملا ہاں کیوں نہیں بس جسم پر اچھی طرح پانی ڈالو اور غسل ہوگیا یعنی دینی معلومات کا یہ عالم اور دیگر باتوں میں سب سے آگے۔

خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا بات ہورہی تھی بھارتی چینل کے اثرات کی تو آج جو ہماری تفریح گاہیں شریف گھرانوں کے لئے علاقہ ممنوعہ بن گئیں ہیں، آج جو ہمارے معاشرے میں یہ بگاڑ پیدا ہوا ہے، آج ہمارے کسی بھی پارک، کسی بھی ساحل پر، حتیٰ کے مزار قاعد پر بھی جو کچھ ہورہا ہے اس کی بنیادی وجہ یہی میڈیا اور یہی بھارتی چینلز ہیں جنھوں نے نوجوان نسل کو یہ پیغام دیا ہے کہ یہ زندگی تمہاری ہے اس کو جس طرح چاہو گزارو اور اس پیغام کے باعث آج کا نوجوان ماں باپ سے باغی اور، خودسر ہے۔

بھارت ایک سیکولر ملک ہونے کا دعوے دار ہے، وہاں ہندوؤں کے ساتھ ساتھ مسلمان آبادی دوسری اکثریت ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ عیسائی، سکھ پارسی اور دیگر

مذاہب کے لوگ بھی بستے ہیں۔ بھارتی فلموں اور ڈراموں میں ہندوؤں، سکھوں، عیسائیوں، کے مذہبی تہوار، ان کے رسم و رواج، ان کی شادی بیاہ وغیر کی رسمیں تو بہت ذوق و شوق سے دکھائی جاتی ہیں، لیکن مسلمانوں کے تہوار، ان کے رسم و رواج کو کبھی اجاگر نہیں کیا جاتا۔ کیا یہ حیرت کی بات نہیں ہے؟ دیکھیں انڈین فلموں اور ڈراموں میں یہ تو دکھایا جاتا ہے کہ اگر کوئی ہندو مر جائے تو اس کو کس طرح شمشان پہنچایا جاتا ہے، کس طرح مردے کو آگ لگائی جاتی ہے لیکن یہی چینلز یہ نہیں دکھاتے کہ مسلمان کس طرح اپنے مردے کی آخری رسومات ادا کرتے ہیں؟ کس طرح مردے کو نہلایا جاتا ہے؟ اور پھر کس طرح میت کی عزت و تکریم کے ساتھ نمازِ جنازہ پڑھائی جاتی ہے اور اس کے بعد کس طرح اس کو ادب و احترام کے ساتھ قبر میں اتارا جاتا ہے؟ یہ باتیں وہاں نہیں دکھائی جاتی ہیں اسی طرح کم و بیش ہر بھارتی چینل اور فلم میں مندر کی پوجا، دیگر مذہبی رسومات تو نہایت تفصیل اور باریک بینی کے ساتھ دکھائی جاتی ہیں لیکن مسلمانوں کی عبادات یعنی نماز، روزہ حج وغیرہ کے بارے میں نہیں بتایا جاتا اس وقت بھی آپ لوگ دیکھیں کہ پوری دنیا میں مسلمان روزے رکھ رہے ہیں اور روزہ دین کا ایک اہم رکن ہے لیکن پورے ماہ میں کسی ایک بھی انڈین چینل سے اس حوالے سے کوئی پروگرام کیا گیا جواب ہے کہ نہیں؟ کسی انڈین چینل کسی انڈین فلم میں یہ نہیں دکھایا جاتا کہ مسلمان اپنے مال میں سے زکوٰت نکالتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ فطرہ کی رقم سے اپنے دیگر مسلمان

بھائیوں کی مدد کرتے ہیں۔ یہ باتیں ان تمام چینلز پر نہیں دکھائی جاتی ہیں۔
ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اس چیز کو سمجھیں اور نوجوان نسل کو اس سے آگاہ کریں اس کے ساتھ ساتھ کیبل آپریٹرز کو بھی حکومتی احکامات کی پابندی کرتے ہوئے تمام بھارتی چینلز کی نشریات بند کردینی چاہئیں اور اس کی ریکارڈنگ دکھانے سے بھی گریز کرنا چاہیے۔ جبکہ ہم عوام سے بھی گزارش کریں گے کہ بھارتی فلموں اور چینلز کے پیچھے بھاگنا چھوڑ دیں۔ یہ چینلز ہمارے معاشرے میں بگاڑ کا سبب بن رہے ہیں ان کا بائیکاٹ کریں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ہم پیمرا سے بھی گزارش کریں گے کہ صرف چینلز کی نشریات بند کرنے کے احکامات جاری کرکے نہ بیٹھ جائیں بلکہ جو کیبل آپریٹرز بھی بھارتی چینلز کی نشریات کی ریکارڈنگ دکھا رہے ہیں انکے خلاف کاروائی کی جائے۔
شکریہ

مقبوضہ اورنگی ٹاؤن کراچی

کراچی میں گزشتہ دو سال سے ٹارگٹ کلنگ جاری ہے اور اس ٹارگٹ کلنگ سے کوئی بھی سیاسی جماعت محفوظ نہیں ہے۔ تمام ہی سیاسی پارٹیاں اس سے متاثر ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے تک یہ ٹارگٹ کلنگ صرف سیاسی مخالفین تک محدود تھی لیکن اب اس کا دائرہ کار بڑھ کر عام لوگوں تک پہنچ گیا ہے اور گزشتہ دو سال سے کراچی میں جو آگ جل رہی ہے یعنی اے این پی اور متحدہ قومی موومنٹ کے درمیان چپقلش کی آگ اس آگ کی لپیٹیں بڑھتی جارہی ہیں اور اب اس کی زد میں صرف سیاسی کارکن نہیں آرہے ہیں بلکہ اب اس کا نشانہ لسانیت کی بنیاد پر عوام بن رہے ہیں۔ ہم نے پہلے بھی یہ بات کہی تھی کہ یہ دو پارٹیوں کی جنگ ہے جس کا نشانہ عوام بن رہے ہیں اور اب وہ یہ چیز کھل کر سامنے آگئی ہے۔

اور اس معاملے میں اگر دیکھا جائے تو دونوں پارٹیاں یعنی ایم کیو ایم اور اے این پی برابر کی شریک ہیں دونوں ہی لسانیت کو بھڑکانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی ہیں۔ اور اب یہ لسانیت سیاسی پارٹیوں سے نکل کر عوام کی جانب رخ کر گئی ہے۔ اردو بولنے والا پشتون علاقوں میں جانے سے ڈرتا ہے اور پٹھان متحدہ کے زیر اثر علاقوں میں جانے سے خوف کھاتے ہیں۔ اگر کسی پٹھان

رکشہ۔ یا ٹیکسی والے کو رات آٹھ بجے کے بعد آپ لیاقت آباد، عزیز آباد، یا ناظم آباد جانے کا کہیں تو وہ بڑی مشکل سے راضی ہوتا ہے۔ دوسری جانب یہ صورتحال ہے کہ اردو بولنے والے لوگوں کا مغرب کے بعد انٹر بورڈ آفس، شپ اونر کالج، کٹی پہاڑی، بنارس، قائد آباد اور الآصف اسکوائر پر جانا خطرے سے خالی نہیں ہوتا ہے۔ اس سے معاملے کی سنگینی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

یہاں اگر جائزہ لیں تو ایک بات بڑی شدت سے محسوس ہوتی ہے کہ میڈیا اور متحدہ مخالف حلقہ صرف متحدہ کو ٹارگٹ کلنگ اور اس ساری صورتحال کا ذمہ دار ٹھہراتا ہے اور عام طور سے لوگ یکطرفہ رائے قائم کرتے ہیں اور اس بات پر یقین نہیں رکھتے کہ پشتون آبادی والے علاقوں میں ایسا کچھ ہورہا ہے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کراچی میں صرف پٹھانوں کی دکانیں اور املاک جلائی جارہی ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ سب کچھ ہوا، ٹھیلے والوں کو، رکشہ چلانے والوں کو، موچیوں کو اور پٹھان ہوٹل والوں کے کاروبار بند کرائے گئے، ان کی املاک کو نقصان پہنچایا گیا اور ان کی ٹارگٹ کلنگ کی گئی لیکن دوسری جانب جو ہورہا ہے اس کی طرف کوئی آواز نہیں اٹھاتا ہے۔

دیکھیں میں ایم کیو ایم کی حمایت نہیں کررہا اور نہ ہی میں لسانیت پر یقین رکھتا ہوں اور نہ ہی میں اس فورم پر لسانیت یا کسی بھی قسم کا تعصب پھیلانے

کا سوچ سکتا ہوں میں کوشش کر رہا ہوں کہ معاملے کے دونوں پہلو آپ کے سامنے رکھوں۔ کراچی کے متاثرہ علاقوں میں اس وقت گلستان جوہر، کٹی پہاڑی، پاپوش نگر، بنارس چوک، اور مقبوضہ اورنگی ٹاؤن شامل ہیں۔ گلستان جوہر میں ایم کیو ایم کے ساتھ ساتھ اے این پی کے لوگ بھی بھتہ خوری اور غنڈہ گردی اور بدمعاشی میں شامل ہیں۔ ہماری معلومات کے مطابق گلستان جوہر میں زیادہ تر تصادم اسی بات پر ہوتا ہے کہ ایم کیو ایم والے اے این پی کے ایریا سے بھتہ لینے پہنچ جاتے ہیں اور اے این پی والے ایم کیو ایم کے علاقوں میں بھتہ لینے چلے جاتے ہیں جسکے باعث تصادم کی صورتحال پیش آتی ہے اس کے علاوہ شہر میں ہونے والے فسادت کا یہاں بھی بہت زیادہ اثر پڑتا ہے۔

البتہ میں اس وقت خاص طور سے ذکر کروں گا کراچی کے علاقے "مقبوضہ اورنگی ٹاؤن" کا یہاں میں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ لفظ استعمال کیا ہے۔ شہر میں جب بھی فسادات ہوتے ہیں تو ایک یا دو روز کے بعد حالات معمول پر آجاتے ہیں اور ہم اور آپ اپنے کاروبار زندگی میں مشغول ہوجاتے ہیں ہمیں لگتا ہے کہ پورا شہر اسی طرح نارمل صورتحال پر ہے لیکن ایسا نہیں ہے اورنگی ٹاؤن کا علاقہ عملی طور پر ایک مقبوضہ اور محصور آبادی میں تبدیل ہوگیا ہے۔ یہاں کے لوگ ہمارے اندازے سے زیادہ مشکلات کا شکار ہیں۔ ہمارے اسکول کی نارتھ ناظم آباد برانچ کی ماسیوں کا تعلق "مقبوضہ اورنگی ٹاؤن" سے ہے۔ ۲۰۰۸ میں جب فسادات

کا آغاز ہوا تھا تو میں آفس سے زرا جلدی نکل گیا تھا کیوں کہ مجھے آؤٹ ڈور کام کرنے تھے اور میں وہ کام نپٹاتے ہوئے کٹی پہاڑی (اس وقت تک مکمل نہیں ہوئی تھی) اور شپ اونر کی جانب سے جارہا تھا تو مجھے صورتحال کچھ غیر معمولی نظر آئی اور یہاں مجھے سادہ لباس میں ملبوس کچھ مسلح افراد نظر آئے جو کہ شارع نورجہاں تھانے کے پاس گلیوں میں کھڑے تھے میں اس وقت منی بس میں سوار تھا اور گاڑی والے نے فوراً گاڑی آگے بڑھادی، آگے عبداللہ کالج کے پاس پولیس کی بھاری نفری کھڑی تھی اور وہ لوگ عوام کو بنارس چوک کی طرف جانے سے روک رہے تھے۔ مجھے خیال آیا کہ ماسیوں کو آج دیر تک رک کر کام کرنا تھا میں نے اے او کلینک کے پاس اتر کر فوراً اسکول فون کرکے پرنسپل کو ساری صورتحال بتا کر کہا کہ ماسیوں کو فوری طور سے چھٹی دیدی جائے تاکہ وہ اپنے گھر چلی جائیں۔ پرنسپل نے فوری طور پر ماسیوں کو چھٹی دیدی، اس کے بعد ماسیاں دو دن تک کام پر نہیں آئیں اور نہ ہی ان سے کوئی رابطہ رہا دو دن بعد جب وہ کام پر آئیں تو انہوں نے بتایا کہ جب ہم لوگ اسکول سے واپس گئے اور بنارس کے پاس پہنچے تو وہاں آگے پٹھان حضرات کھڑے تھے اور پتھراؤ کر رہے تھے ہم نے سوچا کہ خواتین کا احترام کیا جائے گا یہی سوچ کر ہم لوگ آگے بڑھیں جب ہم انکے قریب پہنچے تو انہوں نے ہم پر بھی پتھراؤ کیا اور ہمیں پکڑنے کی کوشش کی، ہم نے بڑی مشکل سے اپنی جان بچائی اور اس کوشش میں ہم دونوں عورتیں سڑک پر گر بھی گئیں لیکن جیسے تیسے بچ بچا کر گھر پہنچ گئے۔ اور اسکے بعد وہاں

ایک کرفیوں کی صورتحال تھی کوئی پوچھنے والا نہیں تھا، گلیوں میں آ آکر فائرنگ کی جاتی اور اگر کوئی گھر سے باہر نکلتا تو اس کو زدوکوب کیا جاتا ہے۔

خیر جب حالات معمول پر آئے اور تقریباً چھ سات ماہ بعد دوبارہ یہی صورتحال ہوئی جس پر صوبائی وزیر داخلہ صاحب نے سندھ اسمبلی میں بڑی بڑھکیں ماری تھیں) ان) دنوں دھوم چینل پر " مقبوضہ اورنگی ٹاؤن " کی صورتحال دکھائی گئی تھی، عام لوگوں کی طرح ہمارا بھی یہی خیال تھا کہ یہ سب یکطرفہ ہے اور ایسی کوئی بات نہیں ہے اور ویسے بھی دھوم چینل تو متحدہ کا حامی چینل ہے اس لئے وہ ڈس انفارمیشن پھیلا رہا ہے۔

اول اول تو ہمارا یہ خیال تھا پھر سوچا کہ اپنی ماسیوں سے اس بارے میں معلوم کیا جائے، جب ہم نے ان سے معلوم کیا تو ان کا جواب تھا کہ سلیم صاحب آپ لوگ تو آرام سے بیٹھے رہے فسادات کے دنوں میں لیکن ہم لوگوں کی جان سولی پر لٹکی رہی تھی، میں نے پوچھا کہ یہ جو ٹی وی پر مناظر دکھائے گئے ہیں کہ آبادی محاصرے میں ہے اور پہاڑیوں سے فائرنگ کی جاتی ہے کیا یہ درست ہے؟ ان کا جواب تھا کہ صرف یہی نہیں بلکہ چادر اور چار دیواری کا تقدس بھی پامال کیا جارہا ہے اور یہ غنڈہ عناصر اسلحے کے بل پر گھروں میں بھی گھس جاتے ہیں اور خواتین کے ساتھ بدتمیزی بھی کرتے ہیں ہمارے بس میں ہو تو ہم کبھی اس جگہ نہ رہیں لیکن غربت کی وجہ سے ہم یہاں

رہنے پر مجبور ہیں۔

یہ تو گزشتہ سال کی صورتحال تھی لیکن اس وقت جو صورتحال ہے وہ زیادہ بدتر ہے اگرچہ بظاہر حالات معمول پر آچکے ہیں لیکن قصبہ کالونی، علیگڑھ کالونی، حسرت موہانی کالونی وغیرہ میں ابھی بھی ایک کشیدگی کی کیفیت ہے اور خوف کا عالم ہے عشاء کے بعد وہاں کی گلیوں میں ویرانی چھا جاتی ہے۔ اس کی وجہ صرف شہر کے حالات نہیں بلکہ اس مخصوص علاقے میں ہونے والے واقعات ہیں۔ ہمارے ایک ساتھی جو کہ "مقبوضہ اورنگی ٹاؤن" سے تعلق رکھتے ہیں وہ بتاتے ہیں کہ (کم و بیش ایک ماہ قبل کی یہ بات ہے) آفس آنے کے لئے جس گاڑی میں سوار تھا وہ مزدا بس جب بنارس کے پاس پہنچی تو کچھ مسلح افراد بس میں چڑھے اور غصے پوچھا کہ " اس بس میں کون کون مہاجر ہے وہ کھڑا ہوجائے " ایک نوجوان شخص جو کہ اپنی بیوی کے ساتھ مزدا میں موجود تھا وہ جذبات میں کھڑا ہوا اور کہا کہ ہاں میں ہوں تو انھوں نے سب کے سامنے اس کے سینے میں گولی مار کر قتل کردیا۔ اسی طرح انہی دنوں یہ خبر بھی اخبارات میں شائع ہوئی تھی کہ مقبوضہ اورنگی ٹاؤن" کا رہائشی جو کہ اپنی ڈیوٹی پر جانے کے لئے موٹر سائیکل پر نکلا" بنارس چوک کے قریب اس پر فائرنگ کی گئی اور وہ زخمی حالت میں موٹر سائیکل چلاتا ہوا ولیکا اسپتال تک پہنچا اور وہاں دم توڑ گیا اس طرح نوکری بچانے کے لئے جانے والا اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔

اور عید سے دو دن قبل ہونے والا واقعہ تو انتہائی افسوس ناک اور خوفناک ہے اور اس واقعے میں ایک نوجوان رکشے والے کو اس کی بیوی اور معصوم بچی کے سامنے مار مار کر قتل کردیا گیا۔ اخباری اطلاعات کے مطابق " مقبوضہ اورنگی ٹاؤن " کا رہائشی رکشہ ڈرائیور عید سے دو دن قبل اپنی بیوی اور بچی کو لیکر عید کی شاپنگ کرنے گیا، شاپنگ کے بعد جب وہ بیوی اور بچی کے ساتھ خوش و خرم واپس آرہا تھا تو ایک مزدا بس نے اس کے رکشہ کو ٹکر ماری اور جانے لگی جس پر کامران (رکشہ ڈرائیور) نے بس کا پیچھا کیا اور کچھ دور اس کو روک کر ڈرائیور سے احتجاج کیا جس پر مشتعل ہو کر ڈرائیور، کنڈیکٹر اور بس میں موجود ان کے کچھ ساتھیوں نے اس کو زدوکوب کرنا شروع کیا اور اس کو ادھ مرا کردیا، جبکہ اس دوران اس کی بیوی کا پرس اور موبائل بھی چھین لیا گیا، مار پیٹ کے بعد جب یہ لوگ فرار ہونے لگے تو کامران اپنی بیوی کا موبائل اور پرس لینے کے لئے دوبارہ مزدا کی جانب لپکا تو کنڈیکٹر نے اسے چلتی بس میں کالر سے پکڑ کر کھینچ لیا اور اس کو لیکر فرار ہوگئے اور ایک گھنٹے بعد کامران کی تشدد زدہ لاش چلتی گاڑی سے پھینک کر فرار ہوگئے، لاش بے انتہا تشدد زدہ تھی اور مقتول کا سر پھٹا ہوا تھا اور مغز باہر نکل آیا تھا جبکہ اس کے سینے میں کسی نوکدار چیز سے کیا گیا سوراخ بھی موجود تھا۔

ان سارے واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اے این پی قصداً مقبوضہ اورنگی ٹاؤن میں یہ سب کچھ کرا رہی ہے تاکہ عوام میں اپنی دہشت بٹھائی جائے اور بنارس سے آگے کا علاقے پر مکمل قبضہ کیا جائے تاکہ آئندہ یہاں سے کوئی ان کے خلاف آواز نہ اٹھائے اور نہ ہی کسی کو عام انتخابات یا بلدیاتی انتخابات میں ان کے مقابل کھڑے ہونے کی جرات ہو۔ یہ مکمل وہی ٹرینڈ ہے جو کہ آغاز میں ایم کیو ایم کا تھا اور ایم کیو ایم اور اے این پی کی اس لڑائی میں اورنگی ٹاؤن کے مکین کس جرم کی سزا کاٹ رہے ہیں یہ شائد ان کو بھی پتہ نہیں ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ملک پر رحم کرتے ہوئے عوام پر مسلط ان لوگوں کو تباہ کرے اور مقبوضہ اورنگی ٹاؤن کو آزاد کرائے۔ آمین

کیا بے غیرتی کی کوئی حد ہوتی ہے؟-2

قارئین کرام یہ سوال ہم نے پہلے بھی کیا تھا اور آج ایک بار پھر یہ سوال میرے سامنے ناگ بن کر کھڑا ہوا ہے اور مجھے ڈس رہا ہے کہ کیا بے غیرتی کی کوئی حد ہوتی ہے؟ اس کا جواب میں پہلے بھی دے چکا ہوں لیکن مزید بات کرنے سے پہلے میں کچھ بات کرونگا دہشت گردی کے خلاف نام نہاد جنگ کی، نائن الیون کے بعد جب امریکہ ایک ارنے بھینسے کی طرح افغانستان پر چڑھ دوڑا تھا۔ اس وقت امریکہ نے پاکستان کو پتھر کے دور میں پہنچانے کی دھمکی دے کر اپنے ساتھ اس نام نہاد جنگ میں شامل کرلیا تھا۔ اور امریکہ نے پاکستان سے مطالبہ کیا کہ پاکستان نہ صرف اس جنگ کی حمایت کرے بلکہ عملی طور پر اس جنگ میں حصہ لے اور امریکہ کو ائر بیس فراہم کرے جہاں سے وہ ہمارے پڑوسی مسلم ملک افغانستان میں حملے کر سکے۔ سابق کمانڈو صدر جنرل (ریٹائرڈ) پرویز مشرف نے ایک فون پر ہی امریکہ کے مطالبات مان لئے تھے۔ حالانکہ افغانستان ہمارا پڑوسی ملک ہے، اس کے ساتھ ہمارا دینی رشتہ بھی ہے اور سب سے بڑی بات کہ طالبان کی حکومت کو دنیا بھر میں صرف دو ممالک یعنی پاکستان اور سعودی عرب نے ہی تسلیم کیا تھا۔ لیکن پاکستان نے ان تمام حقائق کے باوجود امریکہ کا آلہ کار بننا منظور کیا۔

لیکن شائد بہت کم لوگوں کو یہ بات معلوم ہے کہ پاکستان کی طرح امریکہ نے بھارت اور ایران سے بھی اس نام نہاد جنگ میں تعاون مانگا تھا۔ لیکن ان دونوں نے بڑی صفائی سے اس کو جواب دیدیا امریکہ نے جب بھارت سے افغانستان اور طالبان کے خلاف جنگ کے لئے اڈے طلب کئے تو چالاک بنئے نے مستقبل کی صورتحال کو نظر میں رکھا اور امریکہ کو جواب دیا کہ بے شک ہم دہشت گردی کے خلاف جنگ میں اس کی حمایت کرینگے لیکن کسی ملک کے خلاف اپنے اڈے نہیں دے سکتے ہاں اقوام متحدہ اور کسی بھی فورم پر امریکہ کی حمایت ضرور کریں گے۔ اسی طرح جب امریکہ نے ایران سے بھی تعاون طلب کیا۔ ایران کی آبادی شیعہ مسلمانوں پر مشتمل ہے اور طالبان شیعہ مخالف ہیں اور نائن الیون سے پہلے ایران افغانستان سرحد پر دونوں ملکوں کی جھڑپیں ہوتی رہتی تھیں۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ تھا ایران اس سنہری موقع سے فائدہ اٹھاتا اور امریکہ کو سب سے پہلے اڈے فراہم کرتا تاکہ اس کے پڑوس میں اس کی مخالف حکومت کو ختم کیا جاسکے لیکن ایران نے اس موقع پر دانشمندی کا مظاہرہ کیا اور امریکہ کو جواب دیا کہ ٹھیک ہے کہ ہم دہشت گردی کے خلاف ہیں اور بجا کہ ایران طالبان کی حکومت کو تسلیم نہیں کرتا لیکن اس کے باوجود بھی امریکہ کو افغانستان پر حملے کے لئے اڈے فراہم نہیں کریں گے۔

اور اس دن کے بعد سے ہماری بد بختی کا دور شروع ہوا، اس دن کے بعد سے ہی

دنیا بھر میں ہماری ذلت و رسوائی کا باب کھل گیا۔ اڈے فراہم کرنے اور دہشت گردی کے خلاف جنگ میں اتحادی ہونے کے بعد ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ امریکہ پاکستان کا شکر گزار ہوتا۔ اس کے باشندوں کو عزت دیتا، لیکن ہوا یہ کہ اس کے بعد دنیا بھر میں پاکستانی پاسپورٹ کو دیکھتے ہیں ائیرپورٹ پر الگ لائن لگانے کا حکم دیا جاتا ہے، اور یہ بھی ہوا کہ پاکستانیوں کی برہنہ تلاشی تک لی جاتی رہی ہے۔ اس کے ساتھ ہی پاکستان میں امریکہ کے میزائل حملوں کا سلسلہ شروع ہوا، پاکستان نے اس پر کوئی احتجاج نہ کیا بلکہ اس وقت کے صدر جنرل پرویز مشرف کی پالیسی کے تحت حکومت پاکستان امریکہ کی ہر واردات کو اپنے سر لیتی رہی کہ فلاں میزائل حملہ ہم نے کیا تھا؟ فلاں جگہ بمباری امریکہ نے نہیں بلکہ ہم نے کی تھی۔ یہ حکومت عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے میں مشغول تھی کہ خیبر پختونخواہ سے تعلق رکھنے والے ایک بہادر صحافی حیات اللہ نے یہ بتایا کہ میزائل حملے پاکستان نہیں بلکہ امریکہ کر رہا ہے اور اس نے امریکی ساختہ میزائلوں کے ٹکڑے بھی پیش کئے (اور سچائی کے اس جرم میں حیات اللہ کو شہید کر دیا گیا)۔

پھر یہ سلسلہ مزید بڑھا اور امریکہ نے افغانستان سے پاکستان میں میزائل حملے کرنے کے بجائے جاسوس طیارے پاکستان کی حدود میں بھیجنے شروع کئے اور ڈرون حملوں کا سلسلہ شروع ہوا جو کہ آج تک جاری ہے۔ جبکہ اس دوران متعدد

بار افغان اور نیٹو افواج پاک افغان سرحد کی خلاف ورزی کرتی رہیں جبکہ ایک بار تو امریکہ نے ہیلی کاپٹروں کے ذریعے اپنے کمانڈوز کو پاکستان کی سرحد میں داخل کیا اور ان کمانڈوز نے باقاعدہ گھروں میں گھس کر بے گناہوں کو قتل کیا اور اطمینان سے انہی ہیلی کاپٹروں میں فرار ہو گئے لیکن حکومت نے محض زبانی جمع خرچ اور مذمت کر کے قوم کو دھوکا دیتی رہی۔ یہ سلسلہ نہ صرف گزشتہ دور میں بلکہ موجودہ حکومت میں بھی جاری ہے اور موجودہ حکومت بھی محض زبانی مذمت کر کے قوم کو بیوقوف بنانے کی کوشش کر رہی ہے۔

اب حکمرانوں کی بے غیرتی اور بے حمیتی سے ان صلیبی افواج کی ہمت اتنی بڑھ گئی ہے کہ امریکہ تو امریکہ اب نیٹو نے بھی پاکستانی حدود کی خلاف ورزی شروع کر دی ہے۔ اور چوبیس گھنٹے میں نیٹو کے ہیلی کاپٹروں نے پاکستانی حدود میں گھس کر تین حملے کئے ہیں اور ان تین حملوں میں ۵۶ افراد جاں بحق ہوئے ہیں۔ اور ان لوگوں کی دیدہ دلیری اتنی بڑھ گئی ہے کہ اب ان لوگوں نے پاکستان کے زبانی احتجاج کو بھی مسترد کر کے یہ کہا ہے کہ پاکستانی حدود کے اندر گھس کر از خود کاروائی کا حق رکھتے ہیں۔ جبکہ امریکی ڈرون حملے اس کے علاوہ ہیں۔

اب حکمرانوں نے اپنی نا اہلی اور بے غیرتی پر پردہ ڈالنے کے لئے جواز گھڑا

ہے کہ ان حملوں میں القاعدہ کے بہت اہم لیڈر مارے گئے ہیں قطع نظر اس کے کہ مرنے والے کون تھے؟ آیا واقعی دہشت گرد اور القاعدہ رکن تھے یا عام شہری تھے؟ یہاں بنیادی سوال یہ پیدا ہوتا ہے ان کو پاکستان کے اندر کارروائی کا حق کس نے دیا ہے؟ اور یہ کیسے ممکن ہوتا ہے کہ کوئی غیر ملکی طیارہ اور ہیلی کاپٹر ہماری فضائی حدود میں گھس آتا ہے اور واپس چلا جاتا ہے؟ کیا پاکستان ائیر فورس کو اس کی خبر نہیں ہوتی یا وہ حکومت کے احکامت کے تحت انکو طیاروں اور ہیلی کاپٹرز کو واپس جانے دیتے ہیں؟ اور اگر واقعی نیٹو کے ان حملوں میں حکومت کی مرضی شامل نہیں ہے تو پھر اب تک پاکستان سے نیٹو کو خوراک واسلحہ فراہم کرنے والے کنٹینروں پر پابندی کیوں نہیں لگائی گئی ہے؟

جب وقت اس نام نہاد جنگ کا آغاز ہوا تھا تو اس وقت امریکہ نے پاکستان کو عدم تعاون پر پتھروں کے دور میں بھیجنے کی دھمکی دی تھی۔ آج گزشتہ دس سال کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد سے ملک میں دو دفعہ طوفانی بارشیں ہوئیں اور چھوٹے سیلاب ان سے ہونے والی تباہی، پھر ملک کے شمالی حصوں میں قیامت خیز زلزلہ اور اس سے ہونے والے تباہی، جبکہ آئے روز کے بم دھماکوں اور خود کش حملوں میں ہونے والی تباہی الگ ہے، اور اب موجودہ تباہ کن سیلاب جس نے ملک کے ۸۰ فیصد حصے کو شدید متاثر کیا ہے اور لاکھوں ایکڑ قابل کاشت زمین نا قابل کاشت ہو گئی ہے۔ لاکھوں لوگ بے گھر ہوگئے، ہزاروں

اپنی جان سے گئے، سوچیں کیا اگر ہم امریکہ کا ساتھ نہ دیتے تو کیا اس سے زیادہ نقصان ہوتا۔؟ اور بھارت اور ایران نے امریکہ کو اڈے فراہم نہیں کئے تو کیا وہ پتھر کے دور میں پہنچ گئے؟ سوچیں کہ کہیں یہ اللہ کی جانب سے اشارے تو نہیں ہیں کہ اب بھی سنبھل جاؤ ورنہ اس کے بعد مہلت نہ ملے گی۔

اور آخری بات کہ ہم نے پہلے بھی کہا تھا اور اب پھر کہہ رہے ہیں کہ کہ غیرت کی تو حد ہوتی ہے لیکن بے غیرتی کی کوئی حد نہیں ہوتی، عزت کی تو ایک حد ہوتی ہے لیکن ذلت کی کوئی حد نہیں ہوتی ہے، بلندی کی تو ایک حد ہو سکتی ہے لیکن پستی کی کوئی حد نہیں ہوتی اور جب کوئی انسان یا گروہ یا قوم ایک بار ذلت کے ساتھ سمجھوتہ کرلے، بے غیرتی کے ساتھ جینا شروع کردے اور پستی کے سفر کا آغاز ہوجائے تو پھر اس کی کوئی انتہا نہیں ہوتی ہے اور مثال آپ کے سامنے ہے کہ کہاں تو امریکہ ہم سے اڈے مانگتا تھا، پھر ہمارے کمانڈو صدر نے ایک فون پر ڈھیر ہو کر ان کے مطالبات مانے یعنی ایک دفعہ ہمارے ذلت اور پستی جو سفر شروع ہوا وہ اب نیٹو افراج کی کاروائی تک پہنچا ہے اور اگر اب بھی نہ سنبھلے تو پھر تیار رہیں میرے منہ میں خاک اس خبر کے لئے کہ بھارتی طیاروں نے واہگہ اور سیال کوٹ باؤنڈری پر پاکستانی حدود میں گھس کر بمباری کی اور واپس چلے گئے۔

میں بابری مسجد پر کچھ نہیں لکھوں گا

گزشتہ ہفتے بھارت میں الہ آباد ہائی کورٹ نے تاریخی بابری مسجد کے تقریباً ساٹھ سالہ پرانے قضیے کا فیصلہ سنا دیا۔ سولہویں صدی میں خاندانِ مغلیہ کے جدامجد ظہیرالدین محمد بابر نے ایودھیا میں یہ مسجد تعمیر کی تھی۔ اور تین سو سال تک اس مسجد کی یہ یہی حیثیت تھی لیکن بیسویں صدی کے وسط میں یعنی ۱۹۴۹ میں قیام پاکستان کے بعد اس مسجد کو متنازعہ بنانے کی کوشش کی گئی اور کہا گیا کہ یہ جگہ دراصل رام کی جنم بھومی یعنی جائے پیدائش ہےاور مغل بادشاہ ظہیرالدین بابر نے یہاں قائم مندر کو مسمار کرکے بابری مسجد تعمیر کی تھی۔ جس پر مسجد رام جنم بھومی کا تنازعہ اٹھا۔ اپنے مؤقف کو سچاثابت کرنے کے لئے ایک رات ہندوانتہا پسندوں نے مسجد کے صحن میں کھدائی کرکے وہاں مورتیاں رکھ دیں اور پھر دعویٰ کیا کہ مسجد کے صحن کی کھدائی کی جائے تو وہاں سے مورتیاں برآمد ہونگی۔ چونکہ وہ لوگ راتوں رات کھدائی کرکے مورتیاں رکھ چکے تھے اس لئے ہندوؤں نے جس جس جگہ کی نشاندہی کی عین اسی جگہ سے مورتیاں برآمد ہوئیں جس کے بعد یہ تنازعہ مزید بڑھا اور فسادات کی نوبت آئی۔ اس دوران یہ کیس عدالت میں جاچکا تھا اور بھارتی عدالتوں نے اس کیس کا درست فیصلہ کرنے کے بجائے معاملے کو طول دیتے رہے۔

اس مسئلے نے 1992 میں اُس وقت خونریز شکل اختیار کر لی تھی، جب ایل کے ایڈوانی کی سربراہی میں ہندو انتہا پسندوں کے ایک گروپ نے بابری مسجد کو منہدم کر دیا تھا اور اُس کے بعد ایودھیا میں ہونے والے ہندو مسلم فسادات نے ہندوستان کی تاریخ میں فرقہ وارانہ خونریزی کا ایک نیا باب رقم کیا تھا۔پُرتشدد فسادات کے اُن واقعات میں دو ہزار مسلمان مارے گئے تھے۔ اور گجرات کے شہر سورت میں سابرمتی ایکسپریس کے نام نہاد واقعے پر ہونے والے فسادت بھی انہی فسادات کا تسلسل تھے۔ خیر یہ کیس عدالت میں چلتا رہا اور بالآخر باسٹھ سال کے طویل عرصے کے بعد اس کیس کا فیصلہ سنا دیا گیا۔ فیصلے کے مطابق مسجد کی زمین کو تین حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ جس میں سے ایک حصہ رام جنم بھومی گروپ، ایک حصہ نرموہی اکھاڑہ اور ایک حصہ مسلمانوں کو دیا جائے گا، جبکہ یہ بات قابل غور ہے کہ مسجد کا اندرونی حصہ ہندوؤں کو دیا گیا ہے یعنی اب وہاں مسجد بننے کا کوئی امکان نہیں ہے۔

مجھے بابری مسجد کی شہادت کا دکھ ہے مجھے بابری مسجد کی جگہ رام مندر بننے کا بھی دکھ ہے اور مجھے الہٰ آباد ہائی کورٹ کے اس غیر منصافہ فیصلے پر بھی افسوس ہے لیکن ۔۔۔۔۔۔۔ میں اس پر کوئی احتجاج نہیں کرونگا۔ میں اس کے خلاف کوئی آواز نہیں اٹھاؤں گا۔ کیونکہ ایک مضبوط پاکستان ہی بھارتی مسلمانوں کے

تحفظ کی ضمانت تھا کیا آج ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہمارا ملک مضبوط ہے؟ نہیں آج ہم داخلی اور خارجی طور پر جس طرح کے انتشار کا شکار ہیں، جس طرح سے ہم کمزور ہیں تو اس میں ہم کس طرح بھارت کو اس مجبور کر سکتے ہیں کہ وہ بابری مسجد کی جگہ رام مندر تعمیر نہ کرے اور بابری مسجد کی تاریخی حیثیت بحال کرے؟

اس کے علاوہ پھر یہ بات بھی ہے کہ میں کس منہ سے بھارت کی مذمت کروں کہ وہ مسجد کا تقدس پامال نہ کرے جبکہ خود میرے اپنے ملک میں مساجد خطروں کی زد میں ہیں۔ خود میرے اپنے ملک میں مساجد میں بم دھماکے، اور فائرنگ ہو رہی ہے۔

بزرگان دین کے مزارات بھی اس سے محفوظ نہیں ہیں۔ پہلے داتا صاحب کا مزار اور اب حضرت عبداللہ شاہ غازی کا مزار نشانہ بنایا گیا ہے تو میں کیسے کسی غیر مسلم اور غیر پاکستانی کو کہہ سکتا ہوں کہ وہ اپنی حرکات سے باز رہے؟ مساجد کا احترام کرے۔

پہلے مجھے اپنے ملک میں مساجد و مزارات کو تحفظ دینا ہے ان کو محفوظ و مامون بنانا ہے تاکہ کسی مسلمان بھائی کو مسجد جاتے ہوئے کسی بات کا خوف نہ ہو اور نہ ہی کسی عقیدت مند کو کسی بزرگ کی آخری آرام گاہ پر حاضری دینے میں کوئی جھجھک محسوس ہو۔ اور یہ کام حکومت وقت کا ہے کہ وہ اپنے شہریوں کی

جان و مال کا تحفظ یقینی بنائے اور ان کی حفاظت کا انتظام کرے اور یہ کام اسی وقت ہوگا جب حکومت کسی بھی قسم کی سیاسی وابستگی اور اتحادیوں کے ہاتھوں بلیک میل ہونے کے بجائے سنجیدگی سے اقدامات کرے اور مجرموں کو تحفظ نہ دے بلکہ ان کو کیفر کردار تک پہنچائے اور نہ ہی ہر واردات کو بلا سوچے سمجھے خود کش کہہ کر اپنی جان چھڑائے کی کوشش کرے۔ متعدد بار یہ بات ثابت ہوئی کہ جس واردات کو انتظامیہ اور حکومت نے خود کش قرار دیا وہ بعد میں ریموٹ کنٹرول یا ٹائم بم دھماکہ ثابت ہوا۔ سانحہ حضرت عبداللہ شاہ غازی کے معاملے میں بھی یہی ہوا کہ اس کو خود کش قرار دیا گیا اور بعد میں معلوم ہوا کہ جس نصیب گل کو خود کش حملہ کے طور پر شناخت کیا گیا وہ نصیب گل کچھ دن بعد اپنے گھر پہنچ گیا، گویا کہ پولیس نے روایتی طور پر کیس کو داخل دفتر کرنے کی کوشش کی ہے۔ جب تک اصل مجرموں کا تعین نہیں کیا جائے، سنجیدگی کے ساتھ انسانیت کے ان قاتلوں کو گرفتار کرنے کی کوشش نہیں کی جائے گی اس وقت تک بم دھماکے ہوتے رہیں گے اور ملک میں لاقانونیت کا راج رہے گا۔

اس کے ساتھ ساتھ ایک اور اہم بات کہ داتا دربار اور عبداللہ شاہ غازی کے مزارات پر حملوں کے بعد اہل سنت والجماعت کے رہنماؤں نے مزارات کی حفاظت کے لئے وارڈنز بھرتی کرنے کا مشورہ دیا ہے اور اس کے لئے ایک مخصوص مسلکی تنظیم کے سربراہ نے اپنے کارکنوں کو پیش کیا ہے کہ وہ اس کام کے لئے تیار

ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ چیز مزید انتشار کا سبب بنے گی اور کسی ایک گروہ کے مقابلے میں ایک دوسرے گروہ کی سرپرستی کرنا درست نہیں ہے کیونکہ بعد میں یہی گروپ جن کی آج حکومت سرپرستی کرے گی کل یہی گروپس معاشرے کے لئے مشکلات پیدا کریں گے۔ ماضی کے تجربات کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم اس بات کی شدید مخالفت کرتے ہیں۔ بنیادی بات یہ ہے کہ عوام کو عوام سے لڑانے کے بجائے حکومت، انتظامیہ اور قانون نافذ کرنے والے ادارے اپنا اپنا کام درست طریقے سے انجام دیں تو یہ سانحات رونما نہیں ہونگے۔ بصورت دیگر آئے روز بم دھماکے اور فائرنگ ہوتی رہے گی۔

جب ہم اپنے ملک میں ان مساجد و مدارس ومزارات کو تحفظ دیں گے اور یہاں امن وامان ہوگا، ہمارے اپنے ملک میں انتشار کا خاتمہ ہوگا اور ہم داخلی و خارجی طور پر مضبوط ہونگے تو پھر ہم بھارت سے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اور پورے اعتماد کے ساتھ بابری مسجد کی حیثیت بحال کرنے کا مطالبہ کر سکتے ہیں اس سے پہلے نہیں۔ اس لئے میں بابری مسجد پر کچھ نہیں لکھوں گا۔

آئی سی کی پاکستان کرکٹ بورڈ پر پابندی کی دھمکی

انٹر نیشنل کرکٹ کونسل نے اعلان کیا ہے کہ حالیہ دورہ انگلینڈ میں پاکستان اور انگلینڈ کے درمیان کھیلا جانے والا تیسرا ون ڈے میچ فکس نہیں تھا۔ اس طرح گویا کہ آئی سی سی نے پاکستان کو میچ فکسنگ کے الزامات سے بری کردیا ہے اور کئی خوش فہم لوگوں نے تو اس پر خوشی کا اظہار بھی کیا ہے اور اس کو پاکستان کرکٹ ٹیم کی فتح قرار دیا ہے

لیکن صاحبو شاعر نے کہا تھا کہ

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ

دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کھلا

تو جناب ہم سمجھتے ہیں کہ یہ اعلان کرکے آئی سی سی نے دراصل پاکستان کو میچ فکسنگ یا اسپاٹ فکسنگ کے الزام سے بری نہیں کیا بلکہ دراصل آئی سی سی نے یہاں بھی اپنے تعصب کا مظاہرہ کیا ہے اور بڑی صفائی سے انگلینڈ کی ٹیم کو بچالیا ہے کیوں کہ حالیہ دورہ انگلینڈ میں پانچ ایک روزہ میچوں کی سیریز میں سے پاکستان پہلا، دوسرا اور آخری ون ڈے میچ ہارا تھا جبکہ تیسرا اور چوتھا ون ڈے میچ جیتا تھا۔ اب اگر آئی سی سی حکام یہ کہتے کہ تیسرا ون ڈے میچ بھی فکس تھا تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ نہ صرف پاکستان بلکہ انگلش

کھلاڑی بھی کرپٹ ہیں اور وہ بھی میچ فکسنگ میں ملوث ہیں اور وہ پاکستان سے جان بوجھ کر ہارے ہیں۔ انگلینڈ کی ٹیم کو بچانے کے لئے ہی آئی سی سی نے یہ اعلان کیا ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ اب اگر مزید تفتیش ہوتی ہے تو آئی سی سی چوتھے میچ کو بھی کلئیر کردے گی اور فائنل میچ کو کہا جائے گا کہ وہ میچ فکس تھا۔ یعنی ہر حال میں گوروں کو تحفظ دیا جائے گا۔ ورنہ کیا وجہ ہے کہ جس فرد نے میچ فکسنگ کے الزامات لگائے یعنی مظہر مجید وہ تو ایک دن کے بعد ہی تمام ہی قسم کی انکوائری سے آزاد ہوگیا لیکن پاکستانی ٹیم ابھی تک ان الزامات کو بھگت رہی ہے۔ اور ان الزامات کا سارا ملبہ پاکستانی ٹیم پر ڈال دیا گیا ہے۔ ہم نے پہلے بھی کہا تھا کہ اس سارے ڈرامے کا مقصد محض ہمارے ابھرتے ہوئے ہیروز کی انٹر نیشنل کرکٹ میں کامیابیوں کا راستہ روکنا تھا۔ لیکن حالات بتا رہے ہیں کہ صورتحال اس سے بھی زیادہ سنگین ہے۔

دیکھیں اگر آئی سی سی کے اعلان کے مطابق میچ فکس نہیں تھا تو پاکستان کو کلئیر کردیا جانا چاہئے تھا لیکن اس کے برعکس اس اعلان کے ساتھ ہی پاکستان کی ٹیم پر پابندی لگانے کی دھمکی بھی دیدی گئی ہے۔ اس سے یہ بات صریح طور پر ظاہر ہوتی ہے کہ یہ سارا ڈرامہ پاکستان کرکٹ کو ختم کرنے کے لئے رچایا

گیا ہے۔ پاکستان میں انٹر نیشنل کرکٹ پہلے ہی نہیں ہو رہی ہے اس کا جواز پاکستان میں امن وامان کی خراب صورتحال کو ٹھہرایا گیا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہمارے ملک میں امن و امان کی صورتحال اچھی نہیں ہے لیکن بھارت میں منعقد ہونے والے کامن ویلتھ گیمز کے بعد کوئی بھی منصف مزاج فرد یہ بات محسوس کرسکتا ہے کہ بھارت کی انتظامی صورتحال پاکستان سے کئی گنا زیادہ خراب ہے، بھارت میں ایک درجن سے زائد علیحدگی کی تحریکیں چل رہی ہیں۔ وہاں بھی آئے روز بم دھماکے، اور فسادات ہوتے ہیں۔ کامن ویلتھ گیمز میں انتہائی ناقص انتظامات کے باوجود بھارت میں گیمز کا انعقاد دراصل بدترین تعصب کی واضح مثال ہے۔

انٹر نیشنل کرکٹ کونسل نے پاکستان کرکٹ بورڈ کو اپنے انتظامی معاملات ایک ماہ کے اندر درست کرنے کی ہدایت کی ہے بصورتِ دیگر پاکستان کو کہا گیا ہے کہ پاکستانی ٹیم کو معطل یا پاکستان کرکٹ بورڈ پر پابندی لگائی جاسکتی ہے۔ اسکے ساتھ ساتھ پی سی بی کے سربراہ جناب اعجاز بٹ صاحب کے انگلینڈ اور آئی سی سی کے خلاف بیان بازی کو بھی اس کا جواز بنایا گیا ہے۔ اور یہ دونوں ہی بڑی غیر منطقی باتیں ہیں پاکستان کرکٹ بورڈ کے جو بھی اندرونی معاملات ہیں یعنی ٹیم کی سلیکشن، کپتانوں کی تبدیلی، کوچ اور مینیجر کی تبدیلی یہ خالصتاً پاکستان کرکٹ کے اندرونی معاملات ہیں ان معاملات پر پاکستانی میڈیا

اور پاکستانی عوام احتجاج یا اعتراض کر سکتے ہیں لیکن آئی سی سی کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ٹیم کا مینیجر کون ہے یا کپتان کون ہے؟ اس لئے پاکستان کرکٹ بورڈ کے اندرونی معاملات کو جواز بنانا درست نہیں ہے۔ اسکے ساتھ ساتھ یہ بھی بڑی عجیب سی بات ہے کہ اگر پی سی بی کے سربراہ نے متنازعہ بیانات دئے ہیں تو صرف ان کی ہی ذات کو نشانہ بنایا جانا چاہیے تھا، ان کے اوپر جرمانہ لگایا جاتا یا ان پر انٹر نیشنل کرکٹ کی پابندی لگائی جاتی لیکن اس کے برعکس پی سی بی کے چئیر مین کے بیان کو جواز بنا کر پوری ٹیم کو معطل کرنے کی دھمکی دی گئی ہے جو کہ سراسر غلط اور ناجائز ہے۔ ہم اپنی بات کو سمجھانے کے لئے مثال دیتے ہیں کہ ہم اور آپ دیکھتے ہیں کہ کھیل کے دوران اکثر کھلاڑیوں کا رویہ خراب ہوتا ہے اور مخالف کھلاڑیوں، یا ایمپائر کے ساتھ بدتمیزی کرتے ہیں یا میچ کے بعد کوئی متنازعہ بیان دیتے ہیں تو ایسی صورت میں پوری ٹیم یا پورے بورڈ کو ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جاتا بلکہ صرف اسی ایک کھلاڑی کے اوپر جرمانہ، یا چند میچوں کی پابندی لگائی جاتی ہے لیکن متعصب آئی سی سی انتظامیہ نے پی سی بی چئیر مین کے متنازعہ بیانات کو جواز بنا کر جس طرح پاکستان کرکٹ ٹیم کو دھمکی دی ہے اس سے واضح طور پر محسوس ہوتا ہے کہ یہ سارا ڈرامہ پاکستان کرکٹ ٹیم پر پابندی اور پاکستان کو انٹر نیشنل کرکٹ سے دور رکھنے کی سازش ہے۔ واضح رہے کہ آئی سی سی کے سابق سربراہ نے ایک نجی نیوز چینل پر ٹیلیفون پر بات کرتے ہوئے اعتراف کیا ہے کہ

انٹر نیشنل کرکٹ کی تاریخ میں یہ پہلی بار کسی ملک کے خلاف اس طرح کا ایکشن لیا گیا ہے۔

اگرچہ آئی سی سی نے پاکستان کرکٹ بورڈ کو ایک ماہ کا وقت دیا ہے لیکن ہمارا اندازہ ہے کہ اگر پاکستان پوری سنجیدگی کے ساتھ تمام معاملات کو درست بھی کر لے گا تو اس کے باوجود متعصب آئی سی سی انتظامیہ کوئی نہ کوئی جواز بنا کر پاکستانی ٹیم پر پابندی لگانے کی کوشش کرے گی۔ ہم سمجھتے ہیں کہ پی سی بی کو آئی سی سی کی اس دھمکی کو سنجیدگی سے لینا چاہیے اور آئی سی سی سے اس بارے میں بات کرنی چاہئے اور صدر مملکت جناب آصف علی زرداری صاحب کو بھی چاہئے کہ بس بہت دوستی نبھا لی اب اپنے دوست احمد مختار کے بہنوئی اور کرکٹ بورڈ کے چیئرمین اعجاز بٹ صاحب سے جان چھڑا لی جائے ورنہ ان کی دوستی پاکستان کرکٹ کو بہت مہنگی پڑے گی۔

میں کس کے ہاتھ پر اپنا لہو تلاش کروں حصہ اول

آہ شہر کراچی ایکبار جل رہا ہے۔ ویسے تو روشنیوں کا شہر دو دہائیوں سے ہی جل رہا ہے جب سے اس شہر میں لسانیت کی آف بڑھکائی گئی ہے اس وقت سے ہی یہاں بوری بند لاشیں، اندھے قتل، کٹے پھٹے لاشے اور سیاسی مخالفین کا قتل شروع ہو چکا تھا۔ لیکن گزشتہ گزشتہ چند سالوں سے دہشت گردوں نے قانون اور عدلیہ کی حکمرانی کو جوتے کی نوک پر رکھا ہوا، بارہ مئی ۲۰۰۴ جب ضمنی الیکشن کے موقع پر ایک دن میں جماعت اسلامی کے نو کارکنان کو قتل کر دیا گیا، پھر سانحہ نشتر پارک جس دہشت گردی کی ایک ہی واردت میں جید علما کرام اور اہل سنت والجماعت کی پوری قیادت کو شہید کر دیا گیا، پھر بارہ مئی ۲۰۰۷ جب چیف جسٹس آف پاکستان جسٹس افتخار محمد چوہدری کی کراچی آمد کے موقع پر شہر کو دہشت گردوں اور قاتلوں کے حوالے کر دیا گیا اور ایک ہی دن میں پچاس سے زائد افراد کو قتل کیا گیا اور المناک بات یہ ہے کہ یہ قتل میڈیا کے ذریعے پورے پاکستان اور پاکستان سے باہر بھی براہ راست دیکھے گئے، قاتلوں کی پہچان بھی ہو گئی لیکن ۔۔۔۔ اس کے باوجود بارہ مئی کے شہداء کے قاتل آزاد ہیں پھر ۱۸ اکتوبر ۲۰۰۷ جب محترمہ بے نظیر بھٹو مرحومہ کی جلاوطنی کے بعد پاکستان آنے کے موقع پر کارساز پر بم دھماکہ جس میں ساٹھ سے زائد بے گناہ افراد اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے، تین سال گزرنے کے

باوجود ابھی تک قاتلوں کی ہی نشاندہی نہیں ہو سکی ہے تو قاتلوں کو گرفتار کرنا تو دور کی بات ہے۔ اس کے بعد ۲۷ دسمبر ۲۰۰۸ جب محترمہ بے نظیر بھٹو کے قتل کے بعد پورا ملک تخریب کاروں، اور دہشت گردوں کے رحم و کرم پر تھا۔ اور شہر قائد میں لوٹ مار، اغوا، اور قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا گیا اور یہ سلسلہ مسلسل تین دن تک جاری رہا۔

اس کے بعد نومبر ۲۰۰۸ سے شروع ہونے والے لسانی فسادت کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے اور ہوتا یہ ہے کہ لسانیت کی آگ بڑھکائی جاتی ہے، بیس پچیس بے گناہ انسان مارے جاتے ہیں۔ حکومت میں شامل جماعتیں ایک دوسرے پر الزام تراشی کرتی ہیں، پھر وفاقی وزیر داخلہ صاحب کراچی تشریف لاتے ہیں اور اتحادیوں کو منانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور ان کا پورا زور امن و امان قائم کرنے اور مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچانے کے بجائے محض اس بات پر صرف ہوتا ہے کہ اتحادی جماعتوں کو راضی کیا جائے کہ وہ حکومت سے علیحدہ نہ ہو ورنہ حکومت کمزور ہو جائے گی۔ اور حکومت کے اتحادی حکومت کی اس کمزوری سے اچھی طرح واقف ہیں اس لئے ایک دوسرے کے کارکنوں کے قاتلوں کو جاننے کے باوجود کوئی گرفتاری عمل میں نہیں لائی جاتی بلکہ انتہائی ڈھٹائی سے ان مقتولین کا خون طالبان اور کسی تیسری قوت کے سر منڈھ دیا جاتا ہے۔ وہ قوت جسے خود وفاقی وزیر داخلہ بھی نہیں جانتے لیکن عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لئے انتہائی

بے غیرتی سے یہ کام کیا جارہا ہے۔

ہفتہ سولہ اکتوبر کی شام سے شروع ہونے والا قتل غارت گری کا سلسلہ بدھ کی رات تک جاری رہااور جمعرات کو نسبتاً سکون رہا۔ لیکن ان پانچ دنوں میں نوے سے زائد افراد اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے، اور انہی پانچ دنوں میں شیر شاہ کی کباڑی مارکیٹ میں فائرنگ کا اندوہناک سانحہ بھی پیش آیا۔ اگر دیکھا جائے تو قتل و غارت گری کی اس موجودہ لہر کے ذمہ دار، اے این پی، متحدہ قومی موومنٹ، پی پی پی اور میڈیا بھی ہے۔ آپ حیران ہونگے کہ میڈیا آخر کس طرح اس قتل وغارت گری کا ذمہ دار ہے؟ تو اس کا جواب بالکل واضح ہے۔ یہ سارا معاملہ حلقہ این اے ایک سو پچانوے میں ضمنی الیکشن کے انعقاد سے شروع ہوا۔ یہ سیٹ متحدہ قومی موومنٹ کے رضا حیدر کے قتل ہونے کے بعد خالی ہوئی تھی۔ اور گزشتہ انتخابات میں رضا حیدر نے یہاں سے نواسی ہزار سے زائد ووٹ لیکر کامیابی حاصل کی تھی جبکہ دوسرے نمبر پر پی پی پی کے امیدوار تھے جن کو تقریباً بارہ ہزار ووٹ ملے تھے۔ جبکہ اے این پی کی اس حلقہ میں کوئی ویلیو نہیں تھی اور گزشتہ انتخابات میں اے این پی نے اس سیٹ سے محض ساڑھے نو سو کے قریب ووٹ حاصل کئے تھے۔ اگر میڈیا ذمہ داری کا مظاہرہ کرتا اور صرف گزشتہ الیکشن کے نتائج ایک بار پھر لوگوں کے سامنے

رکھتا اور اس کی بنیاد پر ٹاک شوز اور تجزیے کئے جاتے تو عوام کے ساتھ ساتھ اے این پی کو پتہ چل جاتا کہ وہ کتنے پانی میں ہے اور یہاں اس کی کیا حیثیت ہے۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ متحدہ نے جعلی ووٹ بھگتائے ہونگے، فرض کیا کہ متحدہ نے پچاس فیصد جعلی ووٹ ڈالے، اور اے این پی کے سو فیصد ووٹرز کو ووٹ ڈالنے سے روکا گیا تو اس صورت میں بھی نتیجہ متحدہ کے چالیس ہزار سے زائد ووٹ ہوتے اور اے این پی دو ہزار سے زائد ووٹ نہ لے سکتی تھی۔ تو کیا چالیس ہزار اور چار ہزار کا کوئی مقابلہ ہوتا؟ کیا اس حلقے میں واقعی کسی مقابلے کی توقع تھی؟ لیکن میڈیا نے ایسا ماحول بنایا گویا کہ متحدہ اور اے ای پی میں کانٹے کا مقابلہ ہے اور بس اے این پی تو یہ سیٹ جیت ہی جائے گی۔ ان گمراہ کن تجزیوں اور ٹاک شوز کا نتیجہ یہ نکلا کہ شہر میں کشیدگی بڑھتی گئی اور بالآخر اس صورتحال نے نوے سے زائد بے گناہ افراد کی جان لے لی۔ اس لئے ہم بجا طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ اس ساری صورتحال کی ذمہ داری حکومت اور اتحادی جماعتوں کے ساتھ ساتھ میڈیا پر بھی عائد ہوتی ہے۔

دوسری جانب اس سارے کھیل میں ایک کھلاڑی کا اضافہ ہوا یعنی پیپلز امن کمیٹی۔ پیپلز امین کمیٹی کیا ہے اور اس کے کیا مقاصد ہیں؟ اور اس میں کس ٹائپ کے لوگ شامل ہیں اس پر پھر کبھی بات کریں گے لیکن یہ بڑی عجیب سی بات ہے کہ متحدہ قومی موومنٹ جو کہ ایک دن پہلے تک قتل و غارت گری کا ذمہ دار

اے این پی کو قرار دے رہی تھی اچانک اس نے تمام حالات کی ذمہ داری پیپلز امن کمیٹی پر ڈالنا شروع کی اور شیر شاہ کباڑی مارکیٹ کے افسوس ناک سانحے کا ذمہ دار بھی پیپلز امن کمیٹی کو قرار دیا۔ یہاں ایک بات کی وضاحت کرتے چلیں کہ پیپلز امن کمیٹی سردار عبدالرحمان بلوچ عرف رحمان ڈکیت عرف خان بھائی نے قائم کی تھی اور رحمان ڈکیت لیاری گینگ وار کا ایک اہم کردار تھا، قتل، اغوا برائے تاوان، منشیات فروشی اور کرائے کے قاتل کے طور پر اس کی شناخت تھی اور اس وقت نبیل گبول پیپلز امن کمیٹی کی سرپرستی کر رہے ہیں اگرچہ پی پی پی کے ذمہ داران امن کمیٹی کو اوون کرنے سے گریز کرتے ہیں لیکن درحقیقت اس میں پی پی پی کے حامیان ہی شامل ہیں۔ جبکہ لیاری گینگ وار کے دوسرے اہم کردار ارشد پپو گروپ جو کہ رحمان ڈکیت گروپ کا سخت مخالف اور جانی دشمن ہے۔اخباری اطلاعات کے مطابق اس کے رابطے متحدہ قومی موومنٹ سے ہیں۔ اس لئے بھی متحدہ قومی موومنٹ کے ذمہ داران امن کمیٹی کے خلاف سخت لب و لہجہ اختیار کئے ہوئے ہیں۔ سانحہ شیر شاہ کا ذمہ دار کون ہے ابھی تک اس کا تعین نہیں ہوسکا ہے لیکن شواہد یہی ہیں کہ اس میں لیاری گینگ وار کے لوگ ملوث ہیں البتہ یہ ابھی یہ واضح نہیں ہے کہ یہ کاروائی رحمان ڈکیت گروپ المعروف امن کمیٹی کی ہے یا ارشد پپو گروپ کی ہے۔

جاری ہے

خودکش حملے بمقابلہ ٹارگٹ کلنگ

ملک میں آئے روز بم دھماکے ہو رہے ہیں،اور اب ان دھماکوں میں اولیاء کرام کے مزارات کو نشانہ بنایا جارہا ہے۔ اگرچہ نام نہاد طالبان کے خلاف سوات، وزیرستان ہنگو میں دو سال سے آپریشن جاری ہے اور اس آپریشن میں اپنے ہی کلمہ گو بھائیوں کو ایک طرف اپنی ہی فوج کے ذریعے مارا جارہا ہے جبکہ دوسری جانب ڈورن حملے اور نیٹو افواج کے حملے بھی جاری ہیں۔ نام نہاد خودکش حملوں میں رواں سال 1208 افراد لقمہ اجل بنے ہیں جبکہ یہ بات قابل غور ہے کہ اکثر خودکش قرار دئے گئے دھماکے ریموٹ کنٹرول یا ٹائم بم ہوتے ہیں لیکن انکو خودکش قرار دیدیا جاتا ہے، اور بعد میں حقیقت کھلتی ہے مثلاً سانحہ عاشورہ کو پہلے خودکش دھماکہ قرار دیا گیا اور ایک خودکش بمبار کا سر بھی برآمد کیا گیا لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ جس کو خودکش حملہ آور کہا گیا وہ فقہ جعفریہ سے ہی تعلق رکھنے والا اسکاؤٹ تھا اور دھماکہ تو مقدس اوراق کے ڈبے میں رکھے گئے بم سے ہوا تھا۔

اسی طرح لاہور میں داتا دربار پر ہونے والے بم دھماکے کو بھی خودکش کہا گیا لیکن جس فرد کو خودکش بمبار کہا گیا اس کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ تو خود داتا صاحب کے عقیدت مندوں میں شامل تھا اور یہ فرد اپنے علاقے میں لوگوں کو

تعویز وغیرہ بھی بنا کر دیا کرتا تھا جبکہ ہر جمعرات کو رات بھر داتا صاحب کے دربار پر جا کر رہتا تھا اور جمعہ کو صبح واپس گھر آتا تھا۔ جبکہ سب سے بڑا لطیفہ تو کراچی میں حضرت عبداللہ شاہ غازی کے مزار کے دھماکے کے بعد ہوا کہ جن دو لوگوں کو خود کش کہا گیا وہ وہ دونوں اپنے اپنے گھروں کو زندہ سلامت پہنچ گئے ہیں اور پولیس کی بات جھوٹی ثابت ہوئی کہ یہ دھماکہ خود کش تھا۔ دراصل پولیس اور انتظامیہ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ایسی ہر واردات کو خود کش حملہ قرار دے کر ملک میں مذہبی منافرت اور فسادات کی آگ بڑھکانا چاہتی ہے اور یہ بالکل وہی انداز ہے جو کہ امریکہ کے زیر قبضہ عراق میں اپنایا گیا ہے اور وہاں بھی شعیہ سنی فسادات کی سازش کی گئی تاکہ مسلمانوں کو آپس میں باہم دست و گریباں کیا جائے۔ اور اب یہی کام پاکستان میں مزارات پر حملے کرکے اور اس کے بعد فوری طور پر ان کو خود کش حملہ قرار دیکر دیوبندی، بریلوی فسادات کرانے کی سازش کی جارہی ہے اس کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔
بہرحال یہ تو نام نہاد خود کش حملوں کی بات تھی اب ذرا بات کی جائے کراچی میں ٹارگٹ کلنگ کی ! پہلے آپ جیو نیوز کی یہ خبر ملاحظہ کریں (کراچی . . . فارن ڈیسک . قطر کے اخبار "گلف نیوز" کے مطابق کراچی میں ٹارگٹ کلنگ سے ہلاک ہونے . . والوں کی تعداد رواں برس ملک بھر میں خود کش دھماکوں میں ہلاک

ہونے والے افراد سے تجاوز کر گئی۔ رواں برس پاکستان میں 335 خود کش دھماکوں کے واقعات میں 1208 افراد جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ جبکہ صرف کراچی میں اسی عرصے میں 1233 افراد کو ٹارگٹ کلنگ کا نشانہ بنایا گیا۔ 'گلف نیوز' کے مطابق وزیر داخلہ کے بلند و بانگ دعوؤں کے برعکس نہ تو خود کش دھماکے رک سکے اور نہ ہی کراچی کے پر تشدد واقعات میں ہلاکتوں پر قابو پایا جا سکا۔ اگرچہ کراچی رواں برس خود کش اور پہلے سے نصب بموں کے نشانے پر رہا۔ جس میں 38 افراد ہلاک اور 188 زخمی ہوئے۔ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق کراچی میں جنوری میں 122، فروری میں 133 مارچ میں 130، اپریل میں 130، مئی میں 144، جون میں 122، جولائی میں 135، اگست میں 176، ستمبر میں 81 اور اکتوبر کے پہلے دو ہفتوں میں 13 سے زیادہ افراد کو، ٹارگٹ کلنگ کا نشانہ بنایا گیا۔) قارئین کرام یہ رپورٹ ہفتہ 23 اکتوبر کو جاری کی گئی تھی اور اس میں 21 اکتوبر تک ہونے والی ہلاکتوں کو شامل کیا گیا ہے یعنی اگر جمعرات اکتوبر تک ہونے والی ہلاکتوں کو شامل کیا جائے تو یہ تعداد 1250 سے بھی زائد 28 بنتی ہے۔اس خبر کا لنک یہاں دیا جارہا ہے تاکہ اگر کوئی قاری اس خبر کو دیکھنا چاہے تو اس کو مشکل نہ ہو

http://search.jang.com.pk/update_details.asp?nid=100497#

قارئین کرام نام نہاد حملے میں خود کش حملہ آور بھی اپنی جان سے جاتا ہے

لیکن ٹارگٹ کلنگ کرنے والا تاک تاک کرچُن چُن کر اپنے مخالفین کو اور بے گناہ لوگوں کو مارتا ہے لیکن خود اگلی وارداتوں کے لئے زندہ رہتا ہے۔ اسی طرح خود کش حملوں کے بارے میں یہ بات سامنے آچکی ہے کہ ان میں سے زیادہ تر وارداتیں ریموٹ کنٹرل یا ٹائم بم سے کی جاتی ہیں لیکن ٹارگٹ کلنگ کے معاملہ میں ایسا کوئی شبہہ نہیں پایا جاتا کہ یہ اتفاقیہ وارداتیں ہیں بلکہ ثابت ہو رہا ہے کہ مسلح گروہ اور سیاسی جماعتیں اپنے مخالفین کو نشانہ بنا کر قتل کر رہے ہیں۔ جبکہ نام نہاد خود حملوں میں رواں سال 1208 جبکہ ٹارگٹ کلنگ میں 1250 سے زائد ہلاکتیں ہوچکی ہیں۔ کراچی کے شہری ایک عذاب میں مبتلا ہیں۔ اور وہ مطالبہ کرتے ہیں کہ ان کے جان و مال کا تحفظ کیا جائے، اور مسلح گروہوں کے خلاف کاروائی کی جائے خواہ ان کا تعلق کسی بھی جماعت یا گروہ سے ہو لیکن افسوس صد افسوس کہ نام نہاد طالبان کی کاروائیوں کو جواز بنا کر سوات، ہنگو، وزیرستان وغیرہ میں آپریشن شروع کرنے والے پی پی پی کراچی کے معاملہ میں بلیک میل ہو رہی ہے اور یہاں جرائم پیشہ افراد اور مسلح گروہوں کے خلاف کوئی کاروائی کرنے سے گریزاں ہے۔ اے این پی کا اس حوالے سے موقف واضح ہے اور وہ کراچی میں فوجی آپریشن کے حق میں ہے لیکن سب سے حیرت انگیز اور معنی خیز رویہ متحدہ قومی موومنٹ کا ہے۔ وہی متحدہ قومی موومنٹ جو کہ سوات وغیرہ میں آپریشن کی پر زور حمایت کرتی ہے۔ جو کہ اس معاملہ پر پاک فوج پر داد و تحسین کے ڈونگرے برساتی ہے اور جس کے قائد محب وطن.

جرنیلوں کو اقتدار سنبھالنے کی دعوت دیتے ہیں، وہی متحدہ قومی موومنٹ کراچی میں فوج کی آمد کی سب سے بڑی مخالف ہے۔ یہ بہت ہی عجیب سی بات ہے جو کہ کئی سوالوں کو جنم دیتی ہے۔ کیا متحدہ قومی موومنٹ کراچی کا مسئلہ حل کرنے میں سنجیدہ نہیں ہے؟ کیا متحدہ قومی موومنٹ کو پاک فوج پر بھروسہ نہیں ہے کہ وہ غیر جانبداری اور دیانت داری سے اپنے فرائض سرانجام دے گی؟ یا پھر متحدہ قومی موومنٹ خود ٹارگٹ کلنگ اور دیگر وارداتوں میں ملوث ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ اگر قبضہ مافیا، بھتہ خوروں، اور ٹارگٹ کلرز کے خلاف کاروائی کی جائے تو اس میں خود متحدہ قومی موومنٹ کو نقصان پہنچے گا؟

حالیہ فسادات کے حوالے سے متحدہ قومی موومنٹ نے اے این پی سندھ کے صدر شاہی سید کی ایک تقریر کو تنقید کا نشانہ بنایا جس میں انہوں نے اسلحہ کو اپنا زیور قرار دیا ہے اور متحدہ کے رہنماؤں کا کہنا ہے جو اسلحہ کو اپنا زیور قرار دے رہے ہیں دراصل وہی ٹارگٹ کلنگ اور فسادات میں ملوث ہے لیکن شائد متحدہ رہنماؤں نے یہ بات فراموش کردی کہ عوام کو وی سی آر اور ٹی وی بیچ کر کلاشنکوف خریدنے کا مشورہ کس نے دیا تھا؟ قبضہ مافیا کے خلاف اعلانِ جنگ بہت اچھی بات ہے لیکن صرف نئے قبضے ہی نہیں بلکہ پرانے کیسز بھی نمٹائے جائیں اور دو دہائیاں قبل کراچی کے متعدد بلدیاتی حلقہ جات میں موجود چلڈرن پارکس پر قبضہ کرکے جو یونٹ اور سیکٹر آفسز قائم کئے گئے ہیں وہ بھی قبضہ

مافیا سے واگزار کرائے جائیں۔

قارئین کرام اگر نام نہاد خود حملوں کو جواز بنا کر سوات، ہنگو، وزیر ستان وغیرہ میں آپریشن کیا جاسکتا ہے تو کراچی میں نام نہاد خود کش حملوں سے زیادہ ہلاکتیں ہونے کے باعث یہاں بھی فوجی آپریشن شروع کیا جانا چاہیے اور کراچی کے مسلہ کا حل یہی ہے کہ یہاں ایک شفاف اور بے رحم آپریشن کیا جائے اور اس آپریشن میں تمام ہی دہشت گردوں کو خواہ ان کا تعلق کسی بھی گروہ یا جماعت سے ہو انکو گرفتار کرکے قرار واقعی سزا دی جائے اور اس آپریشن کو براہ راست پاک فوج کی نگرانی میں مکمل کیا جائے اور اس میں کسی قسم کا سیاسی دباؤ قبول نہ کیا جائے تاکہ ملک کے سب سے بڑے اور صنعتی شہر اور منی پاکستان کو ایک بار پھر امن کا گہوارہ بنایا جائے۔ اور یہاں کے عوام سکھ کا سانس لیں۔

پاک امریکا تعلقات: تاریخی پس منظر

پاکستان نے اپنے قیام کے فوراً بعد امریکا کے جمہوری دعوؤں اور سامراج کی گرفت سے آزاد ہونے والے ممالک کی تحریکاتِ آزادی کے بارے میں امریکی قیادت اور دانش وروں کے اعلانات کی روشنی میں معاشی تعاون اور سیاسی دوستی کا ہاتھ بڑھایا۔ خود قائدِاعظم نے میر لائق علی کے ذریعے امریکی صدر کو خصوصی پیغام بھیجا، لیکن اس کا کوئی بامعنی ردعمل رونما نہ ہوا۔ پھر جب خان لیاقت علی خاں کو اشتراکی روس کے دورے کی دعوت ملی تو امریکا نے نہ صرف ان کو دورے کی دعوت دے دی، بلکہ اس کے لیے سیاسی چال بازی سے بھی کام لیا جس کے نتیجے میں روس کا دورہ منسوخ اور امریکا کا دورہ کرنا منظور ہوا۔ اس دورے کے نتیجے میں عملاً کچھ حاصل کیے بغیر ہم اپنے اڑوس پڑوس میں روس سے دُور اور ہزاروں کلومیٹر دُور امریکا کے کیمپ کی طرف سرکتے بلکہ لڑھکنے لگے۔ اس موقع پر امریکا نے ایک نئی چال چلی، جس کے بڑے دور رس اثرات پاکستان کی پوری تاریخ، اس کے بین الاقوامی تعلقات کے رُخ اور سب سے بڑھ کر ملک کی اندرونی سیاست اور قومی سلامتی کی نئی صورت گری اور پاکستانی مسلح افواج کے سیاسی کردار کی شکل میں مرتب ہوئے۔ بلاشبہ اس میں پاکستانی افواج کی اس وقت کی قیادت کے اپنے عزائم کا بھی ایک اہم کردار ہے، لیکن یہ معاملہ یک طرفہ نہیں تھا۔ تالی کے دونوں

ہی ہاتھ سرگرم تھے۔ گویا ''دونوں طرف تھی آگ برابر لگی ہوئی''۔

پاکستان کے پہلے فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کا سرکاری سوانح نگار، ایک حاضر سروس لیفٹیننٹ کرنل، ان کی داستانِ حیات My Chief میں، جو ان کے دورِ اقتدار ہی میں شائع ہوئی، لکھتا ہے: پاکستان کے لیے امریکی فوجی امداد جنرل ایوب کی اقدامی کوشش سے ممکن ہوئی۔ یہ خیال ان کے دماغ میں آیا اور امریکا کے سیاسی اور فوجی قائدین سے ان کے مذاکرات کے نتیجے میں امریکی حکومت نے پاکستان کو باہمی دفاعی معاہدہ کرنے کی دعوت دی۔ (دیکھیے: My Chief، لیفٹیننٹ کرنل محمد احمد، ۱۹۶۰ء، ص ۷۳۔۷۴) جنرل ایوب خان کی کوششوں سے پاکستان سیٹو (SEATO) اور سنٹو (CENTO) کے جال میں پھنسا۔ دوسرے فوجی ڈکٹیٹر جنرل یحییٰ کے دورِ حکومت میں امریکا چین تعلق کا باب کھلا۔ تیسرے فوجی ڈکٹیٹر جنرل محمد ضیاء الحق کے زمانے میں فوجی اور معاشی تعاون نئی بلندیوں پر پہنچا۔ چوتھے فوجی ڈکٹیٹر جنرل پرویز مشرف نے امریکا کی 'دہشت گردی کے خلاف جنگ' میں پاکستان کو جھونک دیا، جس آگ میں افغانستان اور عراق کے ساتھ پاکستان بھی جل رہا ہے اور خصوصیت سے اس کے شمالی علاقے اور ان علاقوں میں بھی خصوصیت سے سوات، باجوڑ، شمالی اور جنوبی وزیرستان برستی آگ اور بہتے خون کی لپیٹ میں ہیں۔ اب 'اسٹرے ٹیجک

تعلقات' کے عنوان سے اس آگ کو شمالی وزیرستان میں بھی بھڑکانے کے لیے ترغیب و ترہیب کا ہر حربہ استعمال کیا جارہا ہے اور ۲ارب ڈالر کے وعدہ فردا پر مبنی فوجی امداد کا چکمہ بھی دیا گیا ہے۔

یہ تصویر کا ایک رُخ ہے، دوسرا اور اصل چہرہ یہ ہے کہ ہر دور میں پاکستان کو تو اپنے مقاصد کے لیے بے دریغ استعمال کیا گیا، لیکن جب بھی پاکستان پر کوئی کڑا وقت پڑا تو بے رُخی سے منہ دوسری طرف موڑ لیا گیا۔ جب ۱۹۶۵ء میں بھارت نے پاکستان پر حملہ کیا تو اسی لمحے امریکا نے پاکستان کی فوجی اور اقتصادی امداد کو بند کر دیا حتیٰ کہ ان فاضل پرزوں سے بھی فوج کو محروم کر دیا گیا، جو ملک کی سیکورٹی کے لیے ضروری تھے۔ یہی ڈراما دسمبر ۱۹۷۱ء میں ہوا۔ پھر اپنی بدترین شکل میں افغانستان سے روسی فوجیوں کے انخلا کے معاً بعد نہ صرف افغانستان کو غیر یقینی پن اور بدترین انتشار میں دھکیل دیا گیا اور پاکستان کو اس کے نتائج بھگتنے اور ۳۰لاکھ سے زائد مہاجرین کے بوجھ کو تن تنہا سنبھالنے کی آزمایش میں ڈال دیا گیا۔ یہی نہیں بلکہ چشم زدن میں امریکی صدر کو نیوکلیر پھیلاؤ میں پاکستان کا کردار بھی نظر آنے لگا اور اسے پوری بے دردی سے معاشی پابندیوں کا نشانہ بنا دیا گیا۔

یہی وجہ ہے کہ پاکستانی عوام امریکا کی دوستی کو محض مطلب براری کا ایک

ڈھکوسلا سمجھتے ہیں۔ دوسری جنگ عظیم (۴۵۔۱۹۳۹ء) کے بعد سے دنیا کے تقریباً ہر اس ملک سے، جسے امریکا نے اپنی دوستی کے جال میں پھنسایا ہے، اپنا کام نکالنے کے بعد ٹشو پیپر کی طرح پھینک دیا ہے۔ اس کا مقصد محض اپنے ایجنڈے کی تکمیل رہا ہے، کسی نوعیت کی حقیقی دوستی اور شراکت نہیں۔ امریکا کا کردار مفاد پرستی کے ساتھ ساتھ دوغلے پن، رعونت اور دوسروں کی تحقیر وتذلیل کا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے پاکستان کے عوام نے ۱۹۶۵ء کے بعد کبھی بھی امریکا کو اپنا دوست تصور نہیں کیا، حتیٰ کہ اس زمانے میں بھی جب افغان جہاد کے سلسلے میں امریکا، پاکستان اور عالمِ اسلام میں خاصی قربت تھی۔ عراق ایران جنگ کے دوران میں تو امریکا مخالف لاوا بری طرح پھٹ پڑا۔ تمام اسلامی ایشوز کے سلسلے میں امریکا کی پالیسیوں اور اس کی اسرائیل نوازیوں نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔

(پروفیسر خورشید احمد کے اشارات سے اقتباس)

امریکی اهداف اور قومی ترجیحات

امریکا کے اسٹرے ٹیجک مقاصد اور اہداف بالکل واضح ہیں۔ اس کا اصل مقصد اپنے مفادات کا تحفظ ہے۔ امریکا، پاکستان اور بھارت کے تعلقات کا جو ٹرائی اینگل اسلوب ۱۹۵۰ء کی دہائی سے قائم تھا، اسے بش کے دور میں درہم برہم کر دیا گیا اور اسے پاکستان اور بھارت کے امریکا تعلقات کے ربط ختم کرنے (de-hyphenization) کا عنوان دیا گیا حالانکہ اصل مقصد بھارت سے اسٹرٹیجک شراکت کا قیام تھا جسے ۲۰۰۶ء میں ایک واضح شکل دے دی گئی ہے اور پاکستان کے تمام خدشات و تحفظات کو یکسر نظرانداز کر دیا گیا ہے۔ اوباما صاحب کو نومبر ۲۰۱۰ء میں ہونے والا چار ممالک کا دورہ جس میں بھارت سرفہرست ہے امریکی حکمت عملی کا علامتی اظہار ہے، اس راستے میں پاکستان کہیں بھی نہیں ہے البتہ اشک شوئی کے لیے کہا جا رہا ہے کہ ۲۰۱۱ء میں پاکستان کا دورہ کیا جائے گا مگر امریکا نے اپنی ترجیحات واضح کر دی ہیں:

۞ اشتراکِ مقاصد و اقدار ۞ مشترک مفادات ۞ درج بالا مقاصد اور مفادات کے حصول کے لیے ذرائع اور طریق کار پر رضامندی طویل المدت، مستقل اور دیرپا پالیسیاں اور پروگرام باہمی اعتماد

اگر پاکستان اور امریکا کے تعلقات کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو ان دونوں ممالک کے باب میں یہ پانچوں چیزیں مفقود ہیں۔

امریکا کا مقصد اپنے عالمی غلبے کو باقی رکھنا اور کم از کم اکیسویں صدی کے اوّلین نصف میں اپنی عالمی بالادستی کا تحفظ اور ہر متبادل قوت کو اپنے گھیرے میں لینا ہے۔ اس وجہ سے وہ دنیا کے ۱۴۸ ممالک میں اپنی فوجیں رکھے ہوئے ہے اور سیاسی اور معاشی معاہدات کے ذریعے اپنی گرفت کو مستحکم رکھنا چاہتا ہے۔ 'دہشت گردی کے خلاف جنگ' کے نام پر یہ سارا منظرنامہ اس کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ سرد جنگ کے خاتمے سے جو خلا پیدا ہوگیا تھا، اسے اس نئی جنگ اور اس کی بنیاد پر کون کس کے ساتھ ہے؟ کے فلسفے کی روشنی میں عالمی سیاست کا دروبست قائم کیا گیا ہے۔ اس میں ناٹو کے لیے ایک نیا کردار تراشا جارہا ہے۔ اسرائیل، شرق اوسط کا اہم ترین کھلاڑی ہے۔ ایشیا کو اپنی گرفت میں رکھنے اور چین کے گرد گھیرا مضبوط کرنے کے لیے امریکا اور بھارت کی اسٹرے ٹیجک پارٹنرشپ وجود میں آئی ہے۔

ان امریکی مقاصد میں سے کوئی بھی ہدف پاکستان کے مقاصد سے ہم آہنگ نہیں ہے۔ ایسی عالمی بساط پر ہم کوئی کھلاڑی نہیں۔ چین سے ہمارا تعلق حقیقی اسٹرے ٹیجک نوعیت کا ہے، جب کہ ہمارے سارے تنازعات کا تعلق بھارت سے ہے۔

افغانستان اور ایران سے متعلق ہماری سرحدات تاریخی اعتبار سے محفوظ ترین تھیں اور سارے خطرات صرف بھارت کی طرف سے تھے۔ امریکا کی حکمت عملی ہمیں شمال اور شمال مغرب میں اُلجھانا ہے اور بھارت کے لیے برعظیم ہی میں نہیں جنوبی، شرقی اور وسطی ایشیا میں بھی کردار کو فروغ دینا ہے۔ اس فریم ورک میں امریکا اور پاکستان کے عالمی مقاصد میں کوئی مطابقت نہیں۔

جہاں تک مفادات کا تعلق ہے امریکا کا مسئلہ تیل اور دوسرے معاشی وسائل پر تسلط اور اپنی مصنوعات اور سرمایے کے لیے منڈیوں کا حصول ہے۔ اس کی نگاہ میں کسی بھی ملک اور خاص طور پر پاکستان، ایران، کوریا، عراق یا کسی بھی عرب ملک یا اسلامی ملک کی نیوکلیر صلاحیت ایک خطرہ ہے۔ ہر ایسی معاشی صف بندی جو دنیا کے ان ممالک میں خودانحصاری کی کیفیت پیدا کرے، امریکا اور عالمی سرمایہ دارانہ سامراج کے مفادات کے خلاف ہے، جب کہ عالمی تجارت کی راہوں کے کھلے ہونے کے ساتھ پاکستان، عالمِ اسلام اور تیسری دنیا کے ممالک کا مفاد اس میں ہے کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں۔ بنیادی ضروریات اور ٹکنالوجی کے میدان میں امریکا اور مغرب پر ان کا انحصار کم ہو۔ وہ خود اپنے وسائل کو اپنی ترجیحات اور اپنے عوام کی فلاح و بہبود کے لیے استعمال کر سکیں۔

یہاں بھی امریکا، مغرب کے سامراجی ممالک اور پاکستان، دوسرے مسلمان اور تیسری دنیاکے ممالک کے مفادات سے متصادم ہیں۔ پھر پاکستان کے فوری مسائل اور مفادات ہیں، جن کا تعلق مسئلہ کشمیر، مسئلہ فلسطین، پانی کا مسئلہ، خوراک میں خودانحصاری، معاشی ترقی اور استحکام اور نظریاتی اور تہذیبی شناخت کی حفاظت اور پرورش ہیں۔ یہاں بھی پاکستان اور امریکاکے مفادات میں فاصلے زیادہ اور قربت کم اور واجبی ہے۔

یہی معاملہ 'دہشت گردی کے خلاف جنگ' کا ہے، جس کی سب سے بھاری قیمت پاکستان، افغانستان اور عراق نے ادا کی ہے۔ امریکاکے جتنے فوجی اور شہری افغانستان اور عراق میں ہلاک ہوئے ہیں، ان سے کہیں زیادہ پاکستانی فوجی اور عام شہری محض امریکا کی جنگ میں شرکت کی سزا میں ہلاک ہو چکے ہیں۔ معاشی اور فوجی امداد کا بڑا چرچا ہے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اگر جانی نقصان کو نظرانداز کردیا جائے (گو ایسا کرنا ایک سنگین جرم ہوگا) اور صرف معاشی پہلو کو لیا جائے تو امریکا نے جو ۱۹بلین ڈالر گذشتہ نو سال میں دیے ہیں ان میں ۱۱بلین ڈالر ان اخراجات اور خدمات کی مد میں ہیں، جو پاکستان نے امریکی افواج اور ضروریات کے لیے انجام دی ہیں، اور جسے 'کولیشن سپورٹ فنڈ' کہتے ہیں، جب کہ اس جنگ میں شرکت کا جو معاشی نقصان پاکستان کو ہوا ہے، وہ وزارتِ خزانہ کے ہر اعتبار سے کم سے کم ترین پر تخمینوں کے مطابق بھی ۴۳ارب ڈالر سے زیادہ

ہیں، اور خود 'کولیشن سپورٹ فنڈ' کے اس وقت ڈھائی ارب ڈالر واجب الادا ہیں۔ یہ وہ خرچہ ہے جو حکومتِ پاکستان، اسٹیٹ بنک سے قرض لے کر کر چکی ہے، اور جس کی وجہ سے وہ اس وقت اسٹیٹ بنک کی ۱۸۵ارب کی مقروض ہے، اور جس پر ۲ ارب روپے ماہانہ سود بھی حکومتِ پاکستان کو ادا کرنا پڑ رہا ہے۔ یہ نفع کا سودا ہے یا صریح نقصان کا۔ یہ صورت حال مفادات کے اشتراک کی تصویر پیش کرتی ہے یا ان میں تصادم اور تناقض کی۔

تیسرے نکتے کا حال بھی ذرا مختلف نہیں۔ معاشی تعاون اور سرمایہ کاری میں اشتراک کے چند منصوبوں کو چھوڑ کر، زیادہ معاملات میں پاکستان اور امریکا کے درمیان اشتراکِ عمل کے جو پروگرام ہیں، وہ نمائشی زیادہ اور حقیقی کم ہیں۔ پھر ان تعلقات میں سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ یہ وقتی اور ہوا کے جھونکوں کے ساتھ بدل جانے والے ہیں۔ برابری کی بنیاد پر توازنِ قوت کے تفاوت کی وجہ سے معاملات مرتب کرنے کا کوئی امکان ہی نہیں ہے۔ لیکن کم از کم مقدار میں بھی ایک دوسرے کی آزادی، عزتِ نفس، قومی مفادات، نظریاتی اور تہذیبی اختلافات بلکہ احترام کا بھی فقدان ہے، اور تعلقات اور منصوبوں میں کوئی تسلسل اور دوام نہیں۔ آج دوستی میں گاڑھی چھن رہی ہے اور کل پابندیاں مسلط کر دی جاتی ہیں، تمام منصوبوں کو بیچ میں چھوڑ دیا جاتا ہے۔ دفاعی سسٹم کے باب میں بھی ایسا ہی ہوتا رہا ہے۔ دفاعی تنصیبات سے متعلق فاضل پُرزوں

اور مرمت تک کی سہولت کو منقطع کر دیا جاتا ہے، جس سے ملک کی سلامتی کو شدید خطرات درپیش ہوتے ہیں۔ مختلف عذرات کی بنیاد پر پاکستانی مصنوعات کو عالمی مارکیٹ تک رسائی حاصل نہیں ہو پاتی۔ جہاں تجارتی تعلقات ہیں وہاں بھی ایسی ہی امتیازی پالیسیاں اختیار کی جاتی ہیں جو ترقی پذیر ممالک کے مفادات کے خلاف ہیں۔ اپنے پسندیدہ ممالک کو اور جہاں ضرورت محسوس ہو تحفظ دیا جاتا ہے، لیکن دوسروں کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اپنے قومی مفاد کی روشنی میں انھی حربوں کو استعمال کریں۔ اس طرح تیسرے اور چوتھے دونوں نکات کے سلسلے میں بھی اتفاق کے نکات کم اور محدود اور اختلاف کے وسیع ہیں۔

رہا معاملہ باہمی اعتماد کا تو اس کا دُور دُور تک وجود نہیں اور یہی وجہ ہے کہ لالچ اور خوف ہی کارفرما قوتیں ہیں۔ اعتماد، ایثار اور شراکت کی کوئی صورت نظر نہیں آتی ہے۔ ان حالات میں ہمارے ارباب حل و عقد کی جانب سے اسٹرے ٹیجک پارٹنرشپ کے دعووں کو خودفریبی کے سوا کس نام سے پکارا جاسکتا ہے۔ ہم پاکستان اور امریکا کے درمیان دوستانہ تعلقات کا فروغ چاہتے ہیں، لیکن یہ تاریخی تجربات اور زمینی حقائق کی بنیاد ہی پر ہو سکتے ہیں۔ امریکا ایک سوپر پاور ہے اور اس سے تصادم بلاشبہہ مفاد میں نہیں۔ بہت سے معاملات میں تعاون کے ہزاروں راستے نکالے جا سکتے ہیں، جس میں دونوں کے لیے بھلائی اور نفع ہو۔ عالمی تجارت کے اسی اصول پر فروغ پاتی ہے۔

چھوٹے ممالک کی بھی اسٹرے ٹیجک

اہمیت ہو سکتی ہے اور پاکستان کو یہ حیثیت حاصل ہے۔ مختلف ممالک باہمی رضامندی اور باہمی لین دین کے معروف اصولوں کی روشنی میں سب استفادہ کر سکتے ہیں۔ لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ حقائق کو کھلے دل سے قبول کیا جائے۔ ایک دوسرے کے جائز مفادات کو سامنے رکھ کر آزاد مرضی سے معاملات طے کیے جائیں۔ پستول تان کر یا رشوت اور دھونس جما کر ایک پارٹی دوسرے پر اپنی رائے مسلط نہ کرے اور کمزور ممالک میں اپنے طفیلی عناصر کو حکمران بنا کر ان کے ذریعے قوم کی تمناؤں، عزائم اور مفادات کے برعکس پالیسیاں مسلط نہ کی جائیں۔

ہر ملک اور قوم کی اپنی ترجیحات اور ضرورتیں ہیں اور آزادی، عزتِ نفس، نظریاتی اور تہذیبی تشخص اور سیاسی اور معاشی مفادات ہر ایک کے لیے اہم ہیں۔ اس لیے انصاف اور تعاون باہمی کی بنیاد پر تو سب سے تعلقات خوش گوار رہ سکتے ہیں اور یہی مطلوب ہے۔ امریکا سے تعلقات بھی اسی زمرے میں آتے ہیں اس سے ہٹ کر جو راستہ بھی اختیار کیا جائے گا وہ جبر اور مجبوری کی حد تک تو کچھ عرصے کے لیے چل سکتا ہے لیکن نہ وہ دیرپا ہو سکتا ہے اور نہ اس کے نتائج سے خیر و فلاح کی توقع کی جا سکتی ہے۔ امریکا کی قیادت کو اس بات پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے کہ ایک سوپر پاور ہوتے ہوئے اور دنیا کے مختلف علاقوں اور ممالک میں بعض اچھے اور مفید کام کرنے کے باوجود بھی دنیا کے ممالک کی ایک عظیم اکثریت کے عوام میں اس کے خلاف بے زاری، نفرت اور مخالفت کے جذبات

کیوں موجزن ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ ع

ہم الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

بلاشبہ امریکی نظامِ حکومت، معاشرے اور تمدن میں بہت سی چیزیں مثبت بھی ہیں، جن میں تمام کمزوریوں اور مفاد پرست عناصر کے سارے کھیل کے باوجود بڑی حد تک دستور اور قانون کی حکمرانی کا ایک نسبتاً قابلِ بھروسا نظام موجود ہے۔ اس کے پہلو بہ پہلو ڈاکٹر عافیہ صدیقی اور دوسرے مسلمان، عرب، میکسی کن اور خود افرو امریکی حضرات کے باب میں کی جانے والی کھلی کھلی ناانصافیوں اور تعصب کے مظاہر بھی موجود ہیں۔ اسی طرح شخصی، سیاسی اور معاشی آزادی کی روایات، تعلیم، تحقیق، ایجاد و اختراع، معاشی اور سیاسی میدانوں میں بڑی حد تک ترقی کے مواقع کی موجودگی اور فراہمی، خوش حال معاشرے کا قیام اور احتساب کا نظام مثبت پہلو ہیں، جن کا اعتراف نہ کرنا حق وانصاف کے منافی ہوگی۔ پھر اپنی قوم سے قیادت کی وفاداری اور بحیثیت مجموعی قومی مفاد کو ذاتی مفاد پر فوقیت دینا قابلِ قدر پہلو ہے۔ اسی طرح جیساکہ ہم نے عرض کیا باہمی مفاد کی بنیاد پر سیاسی، سماجی، معاشی، تعلیمی اور حتیٰ کہ عسکری تعاون کی گنجائش بھی موجود ہے۔

امریکا پر ہماری تنقید کی بنیادی وجہ امریکا کی وہ پالیسیاں ہیں جو ہمارے

مسلم اُمہ کے اور دنیا کے مظلوم عوام کے مفاد کے خلاف، اور اس کے اپنے جہانگیری اور سامراجی مقاصد اور عزائم کے حصول کے لیے اس نے اختیار کی ہیں۔ بین الاقوامی میدان میں اپنی مرضی کو دوسروں پر مسلط کرنے اور ان کے مفادات کو بے دردی سے کچلنے کا ذریعہ ہیں۔ یا پھر وہ منافقت اور دورنگی ہے، جو قول و عمل کے تضاد یا انسانوں، گروہوں اور اقوام کے درمیان امتیازی سلوک اور سفاکانہ رویوں کا مظہر ہیں۔ اگر امریکا کو یہ حق ہے کہ وہ اپنے مقاصد اور اپنے مفادات کے لیے کام کرے تو یہی حق ہم کو اور دنیا کی دوسری اقوام اور اہلِ مذہب کو بھی حاصل ہے۔ بین الاقوامی امن اور انصاف کسی ایک کو دوسرے پر اپنی رائے قوت، جبر اور دھوکے سے مسلط کرنے کا حق نہیں دیتے۔ دوطرفہ تعلقات صرف افہام و تفہیم اور ایک دوسرے کے حقوق اور مفادات کے احترام سے حاصل ہو سکتے ہیں اور یہی وہ چیز ہے جو پاکستان اور امریکا کے تعلقات میں مفقود ہے۔

(پروفیسر خورشید احمد کے اشارات سے اقتباس)

پاکستان اور امریکا: اسٹرے ٹیجک تعلقات یا مغالطہ انگیزی اور دھوکا دہی؟

۲۰ تا ۲۲ اکتوبر ۲۰۱۰ء واشنگٹن میں پاکستان اور امریکا کے درمیان 'اسٹرے ٹیجک مذاکرات' کے نام سے جاری بات چیت کا تیسرا دور منعقد ہوا، جس میں پاکستانی وفد کی قیادت وزیر خارجہ شاہ محمود قریشی نے انجام دی ہے۔ ۱۳ وزارتوں کے نمائندوں (بشمول پانچ وزرا) نے ان مذاکرات میں شرکت کی ہے لیکن پاکستان کی جانب سے کلیدی کردار بری افواج کے چیف آف آرمی اسٹاف جنرل اشفاق پرویز کیانی ہی نے ادا کیا ہے۔

جنرل صاحب حسب معمول خاموش ہیں، لیکن پاکستانی وزیر خارجہ اور وزیر اطلاعات پھولے نہیں سمارہے اور یہ دعویٰ تک کر رہے ہیں کہ: ''ہمیشہ امریکا ہمیں سناتا اور مطالبات کرتا تھا، لیکن اب وہ ہماری بھی سن رہا ہے اور ہم نے 'برابری کی بنیاد' پر بات چیت کی ہے''۔ ایک وزیر صاحب نے ارشاد فرمایا: ''امریکا ہمیں کمزور نہیں دیکھنا چاہتا''۔ ایک اور شریکِ سفر وزیر کا فرمانا ہے: ''امریکا ملک کے شمال مغربی علاقے میں دو چھوٹے ڈیم بنانے کے مصارف برداشت کرے گا''، اور سب ہی آواز میں آواز ملا کر کہہ رہے ہیں: ''ان مذاکرات کے نتیجے میں پاکستان اور امریکا کے تعلقات کو نئی زندگی اور تقویت میسر آئی ہے''۔

ملک کے کم و بیش تمام اخبارات نے اپنے ادارتی تبصروں میں، حزبِ اختلاف کے تمام قائدین نے بیانات کے ذریعے، اور ٹی وی کے معروف ٹیلی میزبانوں میں سے بیش تر نے اپنے تجزیاتی پروگراموں میں ان دعوؤں کو بڑی حد تک ہوائی باتیں اور حقیقت سے عاری اور خوش فہمی پر مبنی خام خیالیاں قرار دیا ہے۔ امریکا سے پاکستان کے خارجہ تعلقات کی تقریباً ۶۰ برسوں پر پھیلی ہوئی تاریخ کی روشنی میں اس دعوے کو تسلیم کرنے کے لیے کوئی بنیاد موجود نہیں ہے کہ پاک امریکی تعلقات محض وقتی اور مالیاتی لین دین کے مرحلے (transanctional framework) سے نکل کر اب زیادہ اصولی، دیرپا اور بنیادی نوعیت کے تعاون میں داخل ہوگئے ہیں، جسے بین الاقوامی تعلقات کی اصطلاح میں برابری کے اسٹرے ٹیجک تعلقات کہا جاتا ہے۔ زبانی کلامی ایسے دعوؤں کا آغاز بش کے آخری دور میں ہوگیا تھا، مگر اس کو ایک متعین شکل اب صدر اوباما کے دور میں دی جارہی ہے اور عملاً اس کا آغاز فروری ۲۰۱۰ء سے ہوا ہے۔ حالیہ مذاکرات اس سلسلے کی تیسری کڑی ہیں اور چوتھا راؤنڈ ۲۰۱۱ء کے آغاز میں متوقع ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ زیادہ گہرائی میں جاکر پاکستان اور امریکا کے تعلقات کی اصل حقیقت کو متعین کریں، تاکہ قوم، پارلیمنٹ، میڈیا اور اگر اللہ توفیق دے تو موجودہ قیادت حالات کا صحیح صحیح ادراک کرسکے اور اس کی روشنی میں سیاسی، عسکری، معاشی اور تہذیبی حکمت عملی کی صورت گری کرے۔

خارجہ پالیسی کا مسلّمہ اصول

ویسے تو خارجہ تعلقات کا ایک مسلّمہ اصول یہ ہے کہ بین الاقوامی تعلقات میں نہ دوست مستقل ہوتے ہیں اور نہ دشمن، مستقل اور دائمی اگر کوئی چیز ہے تو وہ صرف مفادات ہیں۔ اس لیے ایک ملک کی خارجہ پالیسی انھی مفادات کے گرد گردش کرتی ہے۔ البتہ ان مفادات کے تعین میں متعلقہ ملک کے عالمی اور علاقائی مقاصد اور اہداف، اس کے سیاسی اور معاشی عزائم اور اس کی معاشی، عسکری اور سیاسی قوت پر مشتمل عناصر کارفرما ہوتے ہیں۔ ہمہ وقت بنتے اور بدلتے تعلقات پر جہاں وقتی عناصر اور تقاضے اثرانداز ہوتے ہیں، وہیں کچھ دیرپا تعلقات اور روابط بھی ہیں جو لنگر کی حیثیت اختیار کرلیتے ہیں، اور ان کا انحصار بھی مقاصد کی ہم آہنگی، اقدار میں اشتراک اور مفادات کی یکسانی پر ہوا ہے اور انھی کی بنیاد پر ایک تعمیری یا افادی انداز میں تزویراتی (strategic) شراکت وجود میں آتی ہے۔

نظری طور پر ایسی حکمت عملی کے تصور کا شجرہ نسب یونان کے مفکرین سے جا ملتا ہے۔ یونانی زبان میں اس کا اصل مفہوم generalship ہے، جس کے معنی جنگ میں اعلیٰ ترین سطح پر مقاصد اور حکمت عملی مرتب کرنے کا نظام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسٹرے ٹیجی حکمت کاری]کا تصور فلسفۂ جنگ کا ایک کلیدی تصور رہا ہے]

اور وہیں سے یہ علمِ سیاست اور بین الاقوامی تعلقات میں داخل ہوا اور پھر تزویراتی خود ایک مستقل مضمون بن گیا۔ دورِ حاضر میں strategic structure ہیکل یا جنگ اور اس کی صورت گری کرنے والے داخلی اور خارجی عوامل، اور خود جنگ کی حکمت عملی اور اس حکمت عملی کو عمل کا روپ دینے اور معاملات کا گہرائی کے ساتھ جس شخص نے مطالعے کا آغاز کیا ہے، وہ ایک جرمن فوجی کمانڈر اور استاد کارل وون کلازے ایک کلاسیک کی حیثیت رکھتیOn War ویٹز (۱۸۳۳ء۔۱۷۸۰ء) ہے، جس کی کتاب کے فرق کو نمایاں کیا ہے۔ (tactic) ہے۔ اس میں اس نے اسٹریٹیجی اور چال تزویری حکمت عملی کا تعلق مقصد اور اصل جنگی اہداف سے ہے، جب کہ ٹیکٹک ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے استعمال کیے جانے والے ذرائع، اعمال اور تنفیذی اقدام سے متعلق ہیں۔ گذشتہ دو صدیوں میں ملٹری سائنس، علمِ سیاسیات اور بین الاقوامی تعلقات میں اپنے اپنے انداز میں ان تصورات کو مزید نکھارا گیا اور اسٹریٹیجی میں بھی 'عظیم تر اسٹریٹیجی' اور 'عملی اسٹریٹیجی' کی درجہ بندی کی گئی۔ پھر جنگ، سرد جنگ، توازن، قوت وغیرہ کے پس منظر میں ان تصورات کو مزید ترقی دی گئی۔ اخارجہ سیاست کے ان مباحث کی روشنی میں اگر دیکھا جائے، تو ایک عالمی طاقت کی حیثیت سے امریکا کے اسٹریٹیجک تعلقات صرف تین ممالک سے ہیں، یعنی برطانیہ، جو اب ایک صدی پر محیط ہیں، اور اسرائیل اور ناٹو ممالک جو تقریباً ۶۰ سال کے نشیب و فراز دیکھ چکے ہیں۔ دنیا کے باقی ممالک سے اس کے تعلقات محض کاروباری معاملہ

فہمی کی حد تک رہے ہیں اور مفادات کی دھوپ چھاؤں کے مطابق اس میں تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں، جس کی زیادہ تر حیثیت آنکھ مچولی کی رہی ہے۔ کلنٹن کی صدارت کے دور میں بھارت سے امریکا کے تعلقات کو کاروباری سطح سے بلند کرکے اسے اسٹرے ٹیجک تعلقات کی طرف لے جانے کا آغاز ہوا۔ گذشتہ ۱۰، ۱۵ برسوں میں آہستہ آہستہ معاشی، عسکری اور سیاسی میدانوں میں اس سمت میں پیش رفت ہوئی، جسے بالآخر صدربش کے دور میں ۲۰۰۶ء میں نیوکلیر تعاون کے معاہدے کے ذریعے اسٹرے ٹیجک پارٹنرشپ کی شکل دے دی گئی۔ امریکا میں بھارتی کمیونٹی نے بھی اس سلسلے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اب صورت حال یہ ہے کہ صدراوباما کی حکومت کے ایک درجن سے زیادہ کلیدی مناصب پر بھارتی نژاد امریکی رونق افروز ہیں۔ بھارت اور امریکا کی تجارت کا حجم اس وقت ۶۱ ارب ڈالر سالانہ ہے۔ پھر بھارت اور امریکا کی براہِ راست سرمایہ کاری ۱۶ارب ڈالر سالانہ سے متجاوز ہے۔ امریکا سے کمپیوٹر ٹکنالوجی کی ہر پانچ کمپنیوں میں سے دو بھارت میں اپنا کام پھیلا چکی ہیں اور دفاعی میدان میں اسلحے کی خریداری، بھارتی مسلح افواج کی جنگی تربیت اور مشترکہ شعبوں میں تعاون کے لیے حیرت انگیز حد تک اضافہ ہو رہا ہے۔ بھارت نے اگلے پانچ سال کے لیے جس ۱۰۰ ملین ڈالر کی جنگی خریداریوں کا منصوبہ بنایا ہے، اس کا بڑا حصہ امریکا اور اسرائیل سے حاصل کیا جانا ہے۔ بھارت اور امریکا کا نیوکلیر تعاون کوئی حادثاتی یا وقتی تعاون کا معاہدہ نہیں ہے، بلکہ ہموار تعلقات کا ایک حصہ ہے، جس میں بھارت

کو چین کے مقابلے ایک علاقائی سوپر پاور سے بڑھ کر ایک عالمی جنگی کھلاڑی کے کردار پر مامور کرنے کی مشترک حکمت عملی کا حصہ ہے۔ افغانستان میں بھی بھارت کے کردار کا معاملہ اسی 'عظیم تر حکمت عملی' کا ایک پہلو ہے۔

اس پس منظر میں پاکستانی قوم اور قیادت دونوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ حقیقت پسندی کے ساتھ پاکستان اور امریکا کے تعلقات کے حال اور مستقبل کے امکانات کا صحیح صحیح ادراک کرے، اور محض خوش فہمیوں، سر ٹکرانے کی مشقوں اور خوش نما مگر بے معنی الفاظ کے طلسم کا شکار ہو کر، اسٹرے ٹیجک مغالطوں اور دھوکوں کی دلدل سے ملک و قوم کو محفوظ رکھے۔ حال اور مستقبل کا کوئی مبنی بر حقیقت نقشہ ماضی کے تجربات کی روشنی میں عالمی اور علاقائی حالات کو سمجھے بغیر بنانا ممکن نہیں ہے۔

(پروفیسر خورشید احمد کے اشارات سے اقتباس)

تحفظ ناموسِ رسالت اور ہماری ذمہ داری

پاکستان کی داخلی سیاست میں ہر تھوڑے عرصے کے بعد، خصوصاً ایسے مواقع پر جب ملک کو سخت معاشی بحران اور سیاسی انتشار کا سامنا ہو، بعض ایسے معاملات کو جو غیر متنازع اور اُمت کے اندر اجماع کی حیثیت رکھتے ہوں، نئے سرے سے کھڑا کر دیا جاتا ہے تاکہ عوام کی توجہ کو معاشی اور سیاسی مسائل سے ہٹا کر ان معاملات میں اُلجھا دیا جائے اور غیر متنازع امور کو متنازعہ بنا دیا جائے۔ اس سلسلے میں الیکٹرونک میڈیا باہمی مسابقت اور بعض دیگر وجوہ سے مسئلے کو اُلجھانے میں اور ان سوالات کو اُٹھانے میں سرگرم ہو جاتا ہے جو نام نہاد حقوق انسانی کے علَم بردار اور سیکولر لابی کے پسندیدہ موضوعات ہیں۔

ان موضوعات میں ایک قانونِ ناموس رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہے جس میں سیکولر لابی اور بیرونی امداد کے سہارے چلنے والی این جی اوز اور انسانی حقوق کے نام پر کام کرنے والے بعض ادارے نہ صرف خصوصی دلچسپی لیتے ہیں بلکہ منظم انداز میں سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے ملک کو تصادم کی طرف دھکیلنے میں اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔

آج کل ایک مسیحی خاتون آسیہ بی بی کے حوالے سے ملکی صحافت اور ٹی وی چینل عوام الناس کو یہ باور کرانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ مروجہ قانون ایک انسانی قانون ہے۔ یہ کوئی الٰہی قانون نہیں ہے، اس لیے اسے تبدیل کرکے شاتمِ رسولؐ کے لیے جو سزا قانون میں موجود ہے، اسے ایسا بنا دیا جائے جو 'مہذب دنیا' کے لیے قابلِ قبول ہوجائے (حالانکہ اس 'مہذب دنیا' کے ہاتھوں دنیا کے گوشے گوشے میں معصوم انسانوں کے خون سے ہولی کھیلی جارہی ہے، اسی 'مہذب دنیا' نے 'دہشت گردی کے خلاف جنگ' کے نام پر پوری دنیا میں دہشت گردی کا بازار گرم کر رکھا ہے جس سے لاکھوں افراد لقمہ اجل بن چکے ہیں اور اب بھی ہزاروں کو محض شبہے کی بنیاد پر گولیوں اور میزائل کا نشانہ بنایا جارہا ہے)۔ واضح رہے کہ موصوفہ کا معاملہ ابھی عدالتِ عالیہ میں زیر سماعت ہے اور عوام کو گمراہ کرنے کے لیے ایک طوفان برپا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

گورنر پنجاب نے بھی اپنے اخباری بیان میں اسی بات پر زور دیا کہ یہ ایک انسان کا بنایا ہوا قانون (بلکہ العیاذ باللہ ان کے الفاظ میں: 'کالا قانون') ہے اور اسے تبدیل کیا جانا چاہیے۔ وہ اپنے منصب کے دستوری تقاضوں کو پامال کرتے ہوئے جیل میں پہنچ گئے اور ملزمہ کے ساتھ ایک پریس کانفرنس تک منعقد کرڈالی جو ملک میں نافذ دستور اور نظامِ قانون کی دھجیاں بکھیرنے کے مترادف تھی۔ ہم چاہیں گے کہ اس موضوع پر انتہائی اختصار کے ساتھ معاملے کے چند

بنیادی پہلوؤں کی طرف صرف نکات کی شکل میں اشارتاً کچھ عرض کریں۔

مسئلے کا سب سے اہم اور بنیادی پہلو وہی ہے جسے ایک صوبائی گورنر نے متنازعہ بنانا چاہا ہے، یعنی شاتمِ رسولؐ کی سزا کیا انسانوں کی طے کی ہوئی شے ہے، یا یہ اللہ کا حکم ہے جس کی بنیاد قرآن و سنت کی واضح ہدایات اور نصوص ہیں، نیز کیا یہ حکم اسلام کے ساتھ خاص ہے یا یہ الٰہی قانون تمام مذاہب اور تہذیبوں کی مشترک میراث ہے۔ مناسب ہوگا کہ قرآن کریم یا سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آنے سے قبل یہ دیکھ لیا جائے کہ کیا قبلِ اسلام اس نوعیت کا کوئی الہامی یا الٰہی حکم پایا جاتا تھا یا نہیں۔

یہودیت اور عیسائیت میں

یہودی اور عیسائی مذہب کی مقدس کتابوں عہد نامہ قدیم اور عہد نامہ جدید پر نظر ڈالی جائے تو عہد نامہ قدیم میں واضح طور پر یہ الفاظ ملتے ہیں:

you shall not revile God (Exodus 22: 28)

اس کا مفہوم یہ ہوگا: ''تو خدا کو نہ کوسنا'' اور بُرا بھلا نہ کہنا'' (ملاحظہ ہو، کتاب مقدس پرانا اور نیا عہد نامہ، لاہور ۱۹۹۳ء، بائبل سوسائٹی، ص ۷۵)۔ عہد نامہ قدیم میں آگے چل کر مزید وضاحت اور متعین الفاظ کے ساتھ یہ بات کہی گئی: اور جو خداوند کے نام پر کفر بکے ضرور جان سے مارا جائے۔ ساری

جماعت اسے قطعی سنگسار کرے خواہ وہ دیسی ہو یا پردیسی جب وہ پاک نام پر کفر بکے تو (وہ ضرور جان سے مارا جائے۔ (ایضاً احبار، باب ۱۵: ۲۴۔۱۷، ص ۱۱۸

انگریزی متن کے الفاظ بھی غور سے دیکھنے کی ضرورت ہے:

And he that blasphemeth the name of the Lord, he shall surely be put to death, and all the congregation shall certainly stone him: as well as the stranger, as he that is born in the Land, when he blashphemeth the name of the Lord, shall be put to death. (Leveticm 24: 11-16).

میثاقِ جدید کے یہ الفاظ بھی قابلِ غور ہیں:

Wherefore I say unto you, all manner of sin and blasphemy shall be forgiven unto men: but to blasphemy against the Holy Christ, shall not be forgiven unto men. (Mathen 12:31).

اس کا مفہوم یہ ہوگا: ''اس لیے میں تم سے کہتا ہوں کہ آدمیوں کا ہر گناہ اور کفر تو معاف کیا جائے گا مگر جو کفر روح مقدس کے بارے میں ہو، وہ معاف نہ کیا جائے گا'' (متی باب ۱۲: ۳۱، کتاب مقدس، مطبوعہ بائبل سوسائٹی، انارکلی لاہور، ۱۹۹۳ء، (میثاقِ جدید، ص ۱۵

قرآن و سنت کی رو سے

کرتا (treason) اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جو شخص بغاوت

ہے، قرآن کریم نے اس کی سزا کو واضح الفاظ میں بیان کیا ہے چنانچہ فرمایا گیا:

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْھِمْ وَاَرْجُلُھُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ط ذٰلِکَ لَھُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَلَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ o (المائدہ ۵:۳۳) جو لوگ اللہ سے اور اس کے رسولؐ سے لڑتے ہیں اور زمین میں اس لیے تگ و دو کرتے پھرتے ہیں کہ فساد برپا کریں ان کی سزا یہ ہے کہ قتل کیے جائیں، یا سولی پر چڑھائے جائیں، یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ ڈالے جائیں، یا وہ جلاوطن کردیے جائیں۔

سورۂ مجادلہ میں بھی اس طرف اشارہ کیا گیا، چنانچہ فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَآدُّوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ کُبِتُوْا کَمَا کُبِتَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ وَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰیٰتٍ بَیِّنٰتٍ ط وَلِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابٌ مُّھِیْنٌ o (المجادلہ ۵۸:۵) جو لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ کی مخالفت کرتے ہیں وہ ذلیل کیے جائیں گے جس طرح ان سے پہلے لوگ ذلیل کیے گئے تھے اور ہم نے صاف اور کھلی آیتیں نازل کر دی ہیں جو نہیں مانتے ان کو ذلت کا عذاب ہوگا۔

کی سزا بنی اسرائیل کے لیے، (blasphemy) گویا الٰہی قانون میں توہینِ رسالت عیسائی مذہب کے پیروکاروں کے لیے، اور اُمت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یکساں طور پر مجرم کا قتل کیا جانا ہے۔

ایک لمحے کے لیے اس پہلو پر بھی غور کر لینا مفید ہوگا کہ کیا ایسی سزا کا نفاذ ایک ایسی ہستی کے مزاج، طبیعت اور شخصیت سے مناسبت رکھتا ہے جسے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے تمام عالَموں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہو، جو خون کے پیاسوں کو قبائیں دینے کا حوصلہ رکھتا ہو، جو اپنے چچا کے قاتلوں کو بھی معاف کر دینے کا دل گردہ رکھتا ہو۔ بات بڑی آسان سی ہے۔ سیرتِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے تابناک ابواب میں سے فتح مکہ کے باب کا مطالعہ کیجیے تو معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے ہر ممکنہ ظلم مکی دور میں آپؐ پر کیا، حضرتِ یوسفؑ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے آپؐ نے ان سب کو معاف کر دیا، لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ___ لیکن بات یہاں رُک نہیں گئی ___ اس عظیم معافی کے باوجود وہ چار افراد جو ارتداد اور توہینِ رسالتؐ کے مرتکب ہوئے پیش کیے گئے تو ان کے قتل کا فیصلہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا اور ان تین مردوں اور ایک خاتون کو موت کی سزا دی گئی۔ ان میں سے خاتون قریبہ جو ابن اخلی کی لونڈی تھی مکہ کی مغنیہ تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم کی شان میں گستاخی اور ہجو پر مبنی گیت اس کا وتیرہ تھے۔ (ملاحظہ ہو: بخاری، فتح مکہ (اور شبلی نعمانی کی سیرت النبیؐ، جلد اوّل، اعظم گڑھ، مطبع معارف، ۱۹۴۶ء، ص ۵۲۵ یہ محض ایک واقعے سے استدلال نہیں، نبی اکرمؐ کے ایک قانونی فیصلے کا معاملہ ہے جو اُمت کے لیے ہمیشہ کے لیے حجت ہے۔

قرآن و سنتِ رسولؐ کے ان نصوص کے بعد قرآن اور حدیث کو سند اور حجت ماننے والا کوئی شخص کس طرح یہ کہہ سکتا ہے کہ شاتمِ رسولؐ کی سزا قتل کے علاوہ کچھ اور ہو سکتی ہے۔ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس پر اُمت مسلمہ کا اجماع ہے۔ چنانچہ وہ اہلِ سنت ہوں یا اہلِ تشیع، ۱۵ سو سال میں اس مسئلے پر کسی کا اختلاف نہیں پایا جاتا۔ اس سلسلے میں فقہائے اُمت میں علامہ ابن تیمیہ کی الصارم المسلول علی شاتم الرسولؐ، تقی الدین سبکی کی السیف المسلول علی من سب الرسولؐ، ابن عابدین شامی کی تنبیہ الولاۃ والحکام علی احکام شاتم خیر الانامؐ ان چند معروف کتب میں سے ہیں جو اس اجماعِ اُمت کو محکم دلائل اور شواہد کے ساتھ ثابت کرتی ہیں۔

پاکستان کے تناظر میں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ سیکولر لابی عموماً اس

معاملے میں اپنا نزلہ مولویوں پر ہی گراتی ہے کہ یہ ان کا پیدا کردہ مسئلہ ہے ورنہ جو لوگ روشن خیال، وسیع القلب اور تعلیم یافتہ شمار کیے جاتے ہیں، وہ اس قسم کے معاملات میں نہ دلچسپی رکھتے ہیں اور نہ ایسے مسائل کی توثیق کرتے ہیں۔ مناسب ہوگا کہ اس حوالے سے صرف دو ایسی شخصیات کا تذکرہ کردیا جائے جنھیں سیکولر لابی کی نگاہ میں بھی 'روشن خیال'، 'وسیع القلب' اور 'تعلیم یافتہ' تسلیم کیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ مغربی قانون اور فلسفہ قانون پر ان کی ماہرانہ حیثیت بھی مسلّم ہے۔ گویا کسی بھی زاویے سے انھیں مولویوں کے زمرے میں شمار نہیں کیا جاسکتا، یعنی بانیٔ پاکستان قائدِاعظم محمد علی جناح اور تصورِ پاکستان کے خالق اور شارح علامہ ڈاکٹر محمد اقبال۔

اس خطے میں جب غازی علم الدین شہید نے ایک شاتمِ رسولؐ کو قتل کیا تو ملزم کا وکیل کوئی 'مولوی' نہیں وہی 'روشن خیال' برطانیہ میں تعلیم پانے والا، اصول پرست اور کھرا انسان محمد علی جناح تھا جس نے کبھی کوئی جھوٹا یا مشتبہ مقدمہ لڑنا پسند نہیں کیا اور اپنے ملزم کے دفاع میں اور ناموسِ رسولؐ کے دفاع میں اپنی تمام تر صلاحیت کو استعمال کیا۔ اور جب غازی علم الدین کی تدفین کا مرحلہ آیا تو 'روشن دماغ' علامہ اقبال نے یہ کہہ کر اسے لحد میں اُتارا کہ ''ایک ترکھان کا بیٹا ہم پڑھے لکھوں پر بازی لے گیا''۔

سوچنے کی بات صرف اتنی سی ہے کہ کیا یہ دو ماہر قانون دان 'حریت بیان'، 'قلم کی آزادی' ، 'انسان کے پیدائشی حقِ اظہار' سے اتنے ناواقف تھے کہ 'جذبات' میں بہہ گئے۔

نوٹ:

ڈاکٹر انیس احمد صاحب کا یہ مضمون ماہنامہ ترجمان القرآن کے دسمبر کے شمارے میں شائع ہوا ہے۔ اس کی اہمیت کے پیش نظر ہم اسے یہاں پیش کر رہے ہیں۔ مضمون کی طوالت کے باعث اس کو ایک ہی کالم کے بجائے اصل مضمون میں دئے گئے اس کے ذیلی عنوانات کے تحت اس کو حصوں میں شائع کیا جارہا ہے۔

جو لوگ اس مضمون کو براہ راست اور ایک ہی نشست میں پڑھنا چاہیں ان کے لئے یہاں اس مضمون کا لنک دیا جارہا ہے۔

http://www.tarjumanulquran.org/2010/12_december/ishraat001/1.htm

ہولوکاسٹ پر تنقید جرم

تحفظ ناموسِ رسالت اور ہماری ذمہ داری (حصہ دوم)

بنیادی انسانی حقوق کی خلاف ورزی

معاملے کا دوسرا پہلو حقوقِ انسانی سے تعلق رکھتا ہے۔ ہر انسان کو یہ حق ہے کہ وہ اپنی رائے کا اظہار کرے اور اگر کوئی چیز قابلِ تنقید ہو تو اس پر تنقید بھی کرے، لیکن کسی بھی انسان کو آزادیِ قلم اور حریت بیان کے بہانے یہ آزادی نہیں دی جا سکتی کہ وہ کسی دوسرے فرد کی عزت، ساکھ، معاشرتی مقام اور کردار کو نشانہ بنا کر نہ صرف اس کی بلکہ اُس سے وابستہ افراد کی دل آزاری کا ارتکاب کرے۔

اگر یورپ کے بعض ممالک میں (مثلاً ڈنمارک، اسپین، فن لینڈ، جرمنی، یونان، اٹلی، آئرلینڈ، ناروے، نیدرلینڈ، سوئٹزرلینڈ، آسٹریا وغیرہ) آج تک blasphemy یا مذہبی جذبات مجروح کرنے پر قانون پایا جاتا ہے اور برطانیہ جیسے رواداری والے ملک میں ملکہ کے خلاف توہین blasphemy کی تعریف میں آتی ہے، تو کیا کسی کارٹونسٹ یا کم تر درجے کے ادیب یا ادیبہ بلکہ کسی بھی فرد

کو یہ حق دیا جاسکتا ہے کہ وہ گھٹیا ادب کے نام پر جو ہرزہ سرائی چاہے کرے۔ معاملہ تحریر کا ہو یا تقریر کا، ہر وہ لفظ اور ہر وہ بات جو ہتک آمیز ہو، اسے 'آزادیِ رائے' کے نام پر جائز قرار نہیں دیا جاسکتا۔ یہ ایسی بدیہی حقیقت ہے جس کا انکار کوئی عقل کا اندھا ہی کرسکتا ہے۔ کسی بھی مہذب معاشرے میں آزادیِ رائے کے نام پر کسی دوسرے کے حقِ شہرت، حقِ عزت کو پامال نہیں کیا جاسکتا۔ اگر ایسا کیا جائے گا تو یہ بنیادی انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہوگی۔

ھولوکاسٹ پر تنقید جرم

سیکولر اور آزاد خیال دنیا جس چیز کو اہم سمجھتی ہے، اس پر حرف گیری کو جرم قرار دیتی ہے اور عملاً اپنے پسندیدہ تصورات اور واقعات پر تنقید، محاسبے اور بحث واستدلال تک کو گوارا کرنے کے لیے تیار نہیں۔

آج جو لوگ اللہ کی مقدس کتابوں کی تحقیر وتذلیل اور اللہ کے پاک باز رسولوں کو سب وشتم کا نشانہ بنانے سے روکنے کو آزادیِ رائے اور آزادیِ اظہار کے منافی قرار دیتے ہیں اور ان گھناؤنے جرائم کے مرتکبین کو پناہ دینے میں شیر ہیں، ان کا اپنا حال یہ ہے کہ جرمنی میں ہٹلر کے دور میں یہودیوں پر جو مظالم ڈھائے گئے اور جنھیں بین الاقوامی قانون اور سیاست کی اصطلاح میں 'ہولوکاسٹ' کہا جاتا ہے محض یہودیوں اور صہیونیت کے علَم

برداروں کو خوش کرنے کے لیے ان پر تنقید کو اپنے دستور یا قانون میں جرم قرار دیتے ہیں۔ ایسے محققین، مؤرخین اور اہلِ علم کو جو دلیل اور تاریخی شہادتوں کی بنا پر ہولوکاسٹ' کا انکار نہیں صرف اس کے بارے میں غیر حقیقی دعوؤں پر تنقید و احتساب' کرتے ہیں، نہ صرف انھیں مجرم قرار دیتے ہیں بلکہ عملاً انھیں طویل مدت کی سزائیں دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر آسٹریا کا قانون National Socialism Prohibition Law 1947 amended 1992 کی رُو سے جو مندرجہ ذیل جرم کا ارتکاب کرے گا:

Whoever denies, grossly plays down, approves, or tries to excuse the National Socialist genocide or other National Socialist crimes against humanity in print publication, in broadcast or other media....will be punished with imprisonment from one to ten years, and in cases of particularly dangerous suspects or activity be punished with upto twenty years imprisonment

جو کوئی طباعتی، نشری یا کسی اور میڈیا میں انسانیت کے خلاف قومی سوشلسٹ جرائم یا قومی سوشلسٹ نسل کشی کا انکار کرتا ہے، یا اسے بہت زیادہ کم کرکے بیان کرتا ہے یا اس کے لیے عذر فراہم کرتا ہے، اسے ایک تا ۱۰ سال کی سزائے قید اور خصوصی طور پر خطرناک مجرموں کو یا سرگرمیوں پر ۲۰ سال تک کی سزائے

قید دی جاسکے گی۔

آسٹریا میں یہ قانون کتابِ قانون کی صرف زینت ہی نہیں ہے بلکہ عملاً دسیوں محققین، اہلِ علم، صحافیوں اور سیاسی شخصیات کو سزا دی گئی ہے اور برسوں وہ جیل میں محبوس رہے ہیں۔ اس سلسلے کے مشہور مقدمات میں مارچ ۲۰۰۶ء میں برطانوی مؤرخ ڈیوڈ ارونگ کو ایک سال کی سزا اور جنوری ۲۰۰۸ء میں وولف گینگ فروچ کو ساڑھے چھے سال کی سزا دی گئی اور عالمی احتجاج کے باوجود انھیں اپنی سزا بھگتنی پڑی۔ حقوقِ انسانی کے کسی علم بردار ادارے یا ملک نے ان کی رہائی کے لیے احتجاج نہیں کیا اور نہ سیاسی پناہ دے کر ہی انھیں اس سزا سے نجات دلائی۔ یورپ کے جن ممالک میں محض ایک تاریخی واقعے کے بارے میں اظہار یا تخفیف کے اظہار کو جرم قرار دیا گیا ان میں آسٹریا کے علاوہ بلجیم[۱]، چیک ری پبلک[۲]، فرانس[۳]، جرمنی[۴]، ہنگری[۵]، سوئٹزرلینڈ لکسمبرگ[۷]، ہالینڈ[۸] اور پولینڈ[۹] میں قوانین موجود ہیں۔ اسی طرح اسپین، پرتگال، [۶] اور رومانیہ میں بھی قوانین موجود ہیں۔

سوال یہ ہے کہ اگر ایک عام آدمی کی عزت کی حفاظت کے لیے Law of Libel and Slander آزادیِ اظہار کے خلاف نہیں اور ہولوکاسٹ کے انکار یا بیان میں تحقیر یا تخفیف کو جرم قابلِ سزا تسلیم کیا جاتا ہے تو اللہ کے رسولوں اور

انسانیت کے محسنوں اور رہنماؤں کی عزت و ناموس کی حفاظت کے قوانین نعوذ باللہ 'کالے قوانین' کیسے قرار دیے جاسکتے ہیں۔'

رہی آج کی مہذب دنیا جو انسانی جان، آزادی اور اظہار رائے کی محافظ اور علَم بردار بن کر دوسرے ممالک اور تہذیبوں پر اپنی رائے مسلط کرنے کی جارحانہ کاروائیاں کررہی ہے، وہ کس منہ سے یہ دعویٰ کر رہی ہے جب اس کا اپنا حال یہ ہے کہ محض شبجے کی بنیاد پر دوچار اور دس بیس نہیں لاکھوں انسانوں کو اپنی فوج کشی اور مہلک ہتھیاروں سے موت کے گھاٹ اُتار رہی ہے۔ بیسویں صدی انسانی تاریخ کی سب سے خوں آشام صدی رہی ہے۔ جس میں صرف ایک صدی میں دنیا کی کُل آبادی کا ۳ء۷ فی صد استعماری جنگوں اور مہم جوئی کی کاروائیوں میں لقمۂ اجل بنا دیا گیا ہے اور اکیسویں صدی کا آغاز ہی افغانستان اور پاکستان میں بلاامتیاز شہریوں کو ہلاک کرنے سے کیا گیا ہے

اتنی نہ بڑھا پاکیِ داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ، ذرا بند قبا دیکھ

نوٹ:

ڈاکٹر انیس احمد صاحب کا یہ مضمون ماہنامہ "ترجمان القرآن" کے"

دسمبر کے شمارے میں شائع ہوا ہے۔ اس کی اہمیت کے پیشِ نظر ہم اسے یہاں پیش کر رہے ہیں۔ مضمون کی طوالت کے باعث اس کو ایک ہی کالم کے بجائے اصل مضمون میں دئے گئے اس کے ذیلی عنوانات کے تحت حصوں میں شائع کیا جارہا ہے۔ جو لوگ اس مضمون کو براہ راست اور ایک ہی نشست میں پڑھنا چاہیں ان کے لئے یہاں اس مضمون کا لنک دیا جارہا ہے۔

http://www.tarjumanulquran.org/2010/12_december/ishraat001/1.htm

قانون توھینِ رسالت کی ضرورت

تحفظ ناموسِ رسالت اور ہماری ذمہ داری (حصہ سوم)

تیسرا قابلِ غور پہلو اس قانون کا اجماعی قانون ہونا ہے۔ یہ کسی آمر کا دیا ہوا قانون ہے یا پارلیمنٹ کا پاس کردہ، اس پر تو ہم آگے چل کر بات کریں گے۔ یہاں صرف یہ بتانا ہے کہ اس قانون کی ضرورت کم از کم چار وجوہات کی بنا پر تھی:

اوّل، یہ قانون ملزم کو عوام کے رحم و کرم سے نکال کر قانون کے دائرے میں لاتا ہے۔ اس طرح اسے عدلیہ کے فاضل ججوں کے بے لاگ اور عادلانہ تحقیق کے دائرے میں پہنچا دیتا ہے۔ اب کسی کے شاتم ہونے کا فیصلہ کوئی فرد یا عوامی عدالت نہیں کر سکتی۔ عوام کے جذبات اور دخل اندازی کی گنجائش ختم ہو جاتی ہے۔ جب تک فاضل عدالت پوری تحقیقات نہ کر لے، ملزم کو صفائی کا موقع فراہم نہ کرے، کوئی اقدام نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے یہ قانون سب سے زیادہ تحفظ ملزم ہی کو فراہم کرتا ہے اور یہی اس کے نفاذ کا سب سے اہم پہلو ہے۔

دوم، یہ قانون دستورِ پاکستان کا تقاضا ہے کیونکہ دستورِ پاکستان ریاست کو اس بات کا ذمہ دار ٹھراتا ہے کہ وہ اسلامی شعائر کا احترام و تحفظ کرے اور ساتھ ہی مسلمان اور غیر مسلم شہریوں کے حقوق کو پامال ہونے سے بچائے۔

سوم، یہ قانون پاکستان کی ۹۵ فی صد آبادی کے جذبات کا ترجمان ہے جس کا ہر فرد قرآن کریم اور حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی رُو سے اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ اپنی جان، اپنے والدین، دنیا کی ہر چیز والد والدہ اور تمام انسانوں سے زیادہ محبوب نہ رکھے۔ (بخاری، مسلم)

یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ National Commission for Justice & Peace کی رپورٹ یہ بتاتی ہے کہ ۱۹۸۶ء سے ۲۰۰۹ء تک اس قانون کے حوالے سے پاکستان میں کُل ۹۶۴ مقدمات زیر سماعت آئے جن میں ۴۷۹ کا تعلق مسلمانوں سے، ۳۴۰ کا احمدیوں سے، ۱۱۹ کا عیسائیوں سے، ۱۴ کا ہندوؤں سے اور ۱۲ کا دیگر مسالک کے پیروکاروں سے تھا۔ ان تمام مقدمات میں سے کسی ایک میں بھی اس قانون کے تحت عملاً کسی کو سزائے موت نہیں دی گئی۔ عدالتیں قانون کے مطابق انصاف کرانے کے عمل کے تمام تقاضے پورا کرتی ہیں، جب کہ سیکولر لابی ہر ملزم کو مظلوم بنا کر پیش کرتی ہے۔ انصاف کے عمل کو سبوتاژ کیا جاتا ہے۔ میڈیا وار اور

بیرونی حکومتوں، اداروں اور این جی اوز کا واویلا قانون کی آنکھوں میں دھول جھونکنے، قانون کی عمل داری اور انصاف کی فراہمی کے عمل کو ناکام کرنے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ ایک شخص اگر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ہتک، توہین، سب وشتم کا ارتکاب کرتا ہے تو عدالت کو حقیقت کو جاننے اور اس کے مطابق مقدمے کا فیصلہ کرنے سے روک دیا جاتا ہے۔ صحافت اور الیکٹرونک میڈیا اور این جی اوز اس کی ہمدردی اور 'مظلومیت' میں رطب اللسان ہو جاتے ہیں، حالانکہ مسئلہ ایک عظیم شخصیت انسانِ کامل اور ہادیِ اعظم کو نشانہ بنانے کا اور کروڑوں مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کرنے کا ہے۔ کیا اہانت اور استہزا کو محض 'آزادیِ قلم ولسان' قرار دیا جاسکتا ہے؟ کیا اسی کا نام عدل و رواداری ہے؟

حقیقی مظلوم کون ہے؟

جو کھیل ہمارے یہ آزادی کے علَم بردار کھیل رہے ہیں وہ نہ اخلاق کے مسلّمہ اصولوں سے مطابقت رکھتا ہے اور نہ انصاف کے تقاضوں سے ان کا کوئی تعلق ہے۔ یہ محض جانب داری اور من مانی کا رویہ ہے۔ اسلام ہر فرد سے انصاف کا معاملہ کرنے کا حکم دیتا ہے اور ایک شخص اس وقت تک صرف ملزم ہے مجرم نہیں جب تک الزام عدالتی عمل کے ذریعے ثابت نہیں ہو جاتا۔ لیکن جس طرح عام انسانوں کا جذبات کی رو میں بہہ کر ایسے ملزم کو ہلاک کر دینا ایک ناقابلِ معافی جرم

ہے، اسی طرح ایسے فرد کو الزام سے عدالتی عمل کے ذریعے بری ہوئے بغیر مظلوم قرار دے کر اور سیاسی اور بین الاقوامی دباؤ کو استعمال کر کے عدالتی عمل سے نکالنا بلکہ ملک ہی سے باہر لے جانا بھی انصاف کا خون کرنا ہے اور لاقانونیت کی بدترین مثال ہے۔

حالیہ مقدمہ اور قانون کی تنسیخ کا مطالبہ

قانونِ توہینِ رسالت پر جس کیس کی وجہ سے گرد اُڑائی جارہی ہے، اب ہم اس کے بارے میں کچھ معروضات پیش کرتے ہیں: آسیہ کیس کے بارے میں دی نیوز کی وہ رپورٹ بڑی اہمیت کی حامل ہے جو ۲۶ نومبر کے شمارے میں شائع کی گئی ہے اور جس میں اس امر کی نشان دہی کی گئی ہے کہ یہ واقعہ جون ۲۰۰۹ء کا ہے جس کو ایس پی پولیس کی سطح پر واقعے کے فوراً بعد شکایت کرنے والے ۲۷ گواہوں اور ملزمہ کی طرف سے پانچ گواہوں سے تفتیش کے بعد سیشن عدالت میں دائر کیا گیا۔ ملزمہ نے ایک جرگے کے سامنے اپنے جرم کا اعتراف کیا اور معافی کی درخواست کی۔ مقدمے کے دوران کسی ایسے دوسرے تنازعے کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا جسے اب وجہِ تنازع بنایا جارہا ہے۔ جس جج نے فیصلہ دیا ہے وہ اچھی شہرت کا حامل ہے اور ننکانہ بار ایسوسی ایشن کے صدر راے ولایت کھرل نے جج موصوف کی دیانت اور integrity کا برملا اعتراف کیا ہے۔ رپورٹ میں یہ بات بھی صاف الفاظ میں درج ہے کہ: علاقے کی بار ایسوسی ایشن کا دعویٰ ہے کہ اصل فیصلے کو پڑھے

بغیر شور و غوغا کیا جا رہا ہے، حالانکہ عدالت میں ملزمہ کے بیان میں کسی دشمنی یا کسی سیاسی زاویے کا ذکر نہیں جس کا اظہار اب کچھ سیاست دانوں یا حقوقِ انسانی کے چیمپئن اور این جی اوز کی طرف سے کیا جا رہا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اصل فیصلے کے مندرجات کو یکسر نظرانداز کر کے اس کیس کو سیاسی انداز میں اُچھالا جا رہا ہے اور قانون ناموسِ رسالت کو ہدف بنایا جا رہا ہے۔ ہم اس رپورٹ کے باوجود یہ سمجھتے ہیں کہ ابھی عدالتی عمل کے اہم مراحل موجود ہیں۔ ہائی کورٹ میں اپیل اور سپریم کورٹ سے استغاثہ وہ قانونی عمل ہے جس کے ذریعے انصاف کا حصول ممکن ہے اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو سکتا ہے۔ لیکن اس عمل کو آگے بڑھانے کے بجائے ایک گروہ اسے سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کر رہا ہے، اور اس سے بھی زیادہ قابلِ مذمت بات یہ ہے کہ تحفظ ناموس رسالتؐ کے قانون ہی کی تنسیخ یا ترمیم کا کورَس برپا کیا جا رہا ہے جو ایک خالص سیکولر اور دین دشمن ایجنڈے کا حصہ ہے۔ پاکستان کی حکومت اور قوم کو اس کھیل کو آگے بڑھنے کی اجازت نہیں دینا چاہیے۔

آزادیِ اظہار کے نام پر جرم کی تحلیل اور مجرموں کی توقیر کا دروازہ کھلنے کا نتیجہ بڑی تباہی کی شکل میں رونما ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ ہم نے عرض کیا یہ قانون ایک حصار ہے اور ایک طرف دین اور شعائر دین کے تحفظ کا ذریعہ ہے تو

دوسری طرف سوسائٹی میں رونما ہونے والے کسی ناخوش گوار واقعے کو قانون کی گرفت میں لانے اور انصاف کے عمل کا حصہ بنانے کا ذریعہ ہے ورنہ معاشرے میں تصادم، فساد اور خون خرابے کا خطرہ ہو سکتا ہے جس کا یہ سدباب کرتا ہے۔ قانون اپنی جگہ صحیح، محکم اور ضروری ہے۔ قانون کے تحت پورے عدالتی عمل ہی کے راستے کو ہر کسی کو اختیار کرنا چاہیے، نہ عوام کے لیے جائز ہے کہ قانون اپنے ہاتھ میں لیں اور نہ ان طاقت ور لابیز کو یہ زیب دیتا ہے کہ وہ قانون کا مذاق اُڑائیں اور عدالتی عمل کی دھجیاں بکھیرنے کا کھیل کھیلیں۔ معاشرے میں رواداری، برداشت اور قانون کے احترام کی روایت کا قیام ازبس ضروری ہے اور آج ہر دو طرف سے قانون کی حکمرانی ہی کو خطرہ ہے۔

حق تو یہ ہے کہ یہ قانون نہ صرف اہلِ ایمان بلکہ ہر ایسے انسان کے لیے اہمیت رکھتا ہے جو رواداری، عدل و انصاف اور معاشرے میں افراد کی عزت کے تحفظ پر یقین رکھتا ہو۔ یہ معاملہ محض خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس کا نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کے لیے ہر نبی اور ہر رسول کی عزت و ناموس محترم ہے۔ اس لیے اس قانون کو نہ تو اختلافی مسئلہ بنایا جاسکتا ہے اور نہ اسے یہ کہہ کر کہ یہ محض ایک انسانی قانون ہے، تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ ہاں، اگر کہیں اس کے نفاذ کے حوالے سے انتظامی امور یا کاروائی کو زیادہ عادلانہ بنانے کے لیے طریق کار میں بہتری پیدا کرنے کی ضرورت ہو، تو دلیل اور تجربے

کی بنیاد پر اس پر غور کیا جاسکتا ہے اور قانون کے احترام اور اس کی روح کے مطابق اطلاق کو مؤثر بنانے کے لیے ضروری اقدام ہو سکتے ہیں تاکہ عدالت جلد اور معقول تحقیق کرنے کے بعد فیصلے تک پہنچ سکے۔

بیرونی دباؤ اور عالمی استعمار اور سیکولر لابی کی ریشہ دوانیوں کے تحت قانون کی تنسیخ یا ترمیم کا مطالبہ تو ہمارے ایمان، ہماری آزادی، ہماری عزت اور ہماری تہذیب کے خلاف ایک گھناؤنی سازش ہی نہیں ان کے خلاف اعلانِ جنگ ہے جس کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے کی ضرورت ہے۔ معذرت خواہانہ رویہ دراصل کفر کی یلغار اور دشمنوں کی سازشوں کے آگے ہتھیار ڈالنے کے مترادف ہوگا۔

نوٹ:

ڈاکٹر انیس احمد صاحب کا یہ مضمون ماہنامہ "ترجمان القرآن" کے دسمبر کے شمارے میں شائع ہوا ہے۔ اس کی اہمیت کے پیش نظر ہم اسے یہاں پیش کررہے ہیں۔ مضمون کی طوالت کے باعث اس کو ایک ہی کالم کے بجائے اصل مضمون میں دئے گئے اس کے ذیلی عنوانات کے تحت حصوں میں شائع کیا جارہا ہے۔ جو لوگ اس مضمون کو براہ راست اور ایک ہی نشت میں پڑھنا چاہیں ان کے لئے یہاں اس مضمون کا لنک دیا جارہا ہے۔

http://www.tarjumanulquran.org/2010/12_december/ishraat001/1.htm

نام نہاد حق پرستوں کا مکروہ کردار

محترم قارئین اور کالم نگار حضرات ایک بات اچھی طرح جانتے ہونگے کہ اگر آپ کسی اور کی تحریر کو اپنے کالم یا مضمون میں استعمال کر رہے ہیں تو اصولی طور پر اس کا حوالہ دیا جانا چاہئے، نہ کہ اس تحریر کو توڑ موڑ کر اپنے نام سے پیش کیا جائے۔ایسا کرنے والے فرد کو اچھا نہیں سمجھا جاتا اور یہ بات غیر اخلاقی بھی ہے۔خیر آمدم بر سر مطلب ہمارے ایک ساتھی نے گذشتہ دنوں لگاتار تین چار کالم جماعت اسلامی اور ایم ایم اے کی مخالفت اور مولانا فضل الرحمان صاحب کی" عزت افزائی" میں اسی فورم پر پیش کئے۔ ہمیں نہ تو جماعت اسلامی پر تنقید پر اعتراض ہے اور نہ ہی ایم ایم اے یا مولانا فضل الرحمان کی مخالفت پر۔ کیوں کہ ہر فرد کا یہ حق ہے کہ وہ اپنی رائے کا اظہار کرے، صرف ہم یہ بات یہاں بیان کرنا چاہتے ہیں کہ نام نہاد حق پرستوں کے بارے میں ہم جو بات کہتے ہیں کہ یہ لوگ اپنے مقصد کے لئے کسی بھی حد تک جا سکتے ہیں اور کسی بھی قسم کی اخلاقیات کی ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں ہوتی تو ہمارے معزز کالم نگار بھائی نے بھی ہماری بات سچ ثابت کر دی۔

ہمیں بہت خوشی ہوتی اگر ہمارے یہ بھائی اپنی محنت سے کوئی تحریر سامنے لاتے

لیکن ان مضامین کو پڑھنے کے بعد ہمیں دال میں کچھ کالا محسوس ہوا اور بالاخر یہ بات سامنے آئی کہ موصوف نے انٹرنیٹ پر شائع ہونے والے مضامین .بڑی دیدہ دلیری سے اپنے نام سے یہاں پیش کئے اور دلچسپ بات یہ ہے کہ ان مضامین میں سے .بڑی صفائی سے اپنے مطلب کی عبارت لیکر کچھ کا کچھ بنا دیا ہے۔ اسد اللہ خان غالب صاحب کا www.millat.com پر شائع مضمون جو کہ ایم ایم اے کی حمایت میں لکھا گیا تھا اور ہوا تھا اس میں سے .بڑی صفائی سے اپنے مطلب کی عبارت لیکر الٹا اس مضمون کو ایم ایم اے اور مذہبی جماعتوں کے خلاف استعمال کرنے کی مذموم کوشش کی گئی۔ اس حرکت سے نام نہاد حق پرستوں کا اصل چہرہ بھی سامنے آتا ہے اور یہ بات بھی کہ یہ لوگ جو جرائم خود کرتے ہیں .بڑی دیدہ دلیری سے اس کا الزام دوسروں پر دھرتے ہیں یعنی چور مچائے شور۔ تاکہ لوگ ان کے اس شور شرابے سے مرعوب ہو کر ان کے جرم کو نہ دیکھیں۔ دیکھیں ہماری ویب پر شائع ہونے والا مضمون" بانی و تحریک پاکستان کے دشمن" اور ذیل میں ہم یہ اصل اور مکمل مضمون یہاں پیش کر رہے ہیں تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوسکے۔ لیکن ہمیں پتہ ہے کہ نام نہاد حق پرستوں اور ان کے حامیوں پر کوئی اثر نہ ہوگا کعبے کس منہ سے جاؤگے غالب۔

شرم تم کو مگر نہیں آتی کیوں کہ ان لوگوں کا کام ہی کٹ حجتی ہے اور اعتراض .برائے اعتراض ہے۔ ڈھیٹ لوگ ہیں ان کا علاج تو علامہ اقبال بقول پھول کی پتی

سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر مرد ناداں پہ کلام نرم و نازک بے اثر بہر حال اصل مضمون کا عنوان ہے اینٹی ایم ایم اے نسخہ تحریر اسد اللہ خان غالب

لنک :http://www.millat.com/news.php?id=3756

ایم ایم اے کی سیاست کا باب ختم تو نہیں ہوا، بس بیانات کے ذریعے ایم ایم اے کی پارٹیاں اپنے کارکنوں کے جذبات کو گرمانے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن "تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں"۔ایم ایم اے کو مستقبل قریب کی شاطرانہ چالوں سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ یہ بات تو ایم ایم اے کو بھی معلوم ہے کہ جب تک اس کا خاتمہ نہیں ہوتا کسی کو چین نہیں آئے گا۔آخر شب دید کے قابل تھی بسمل کی تڑپ۔اس وقت ایم ایم اے کی کیفیت دلچسپ ہو رہی ہے۔ گو اس میں زندگی کی رمق باقی ہے اور سانس کی ڈوری چل رہی ہے، لیکن کب تک۔اگر ایک منصوبے کے تحت کام کیا جائے تو ایم ایم اے بہت جلد ایک قصہ ماضی بن کر رہ جائے گی اور مورخ۔۔ فاعتبرو یااولی الابصار۔۔کے عنوان سے آنے والی نسلوں کے لئے اسکا نوحہ تحریر کرے گا۔

سرگوشیاں ہو رہی ہیں کہ ایم ایم اے کے تضادات کو نمایاں کیسے کیا جائے۔اس کے لئے ایک جامع جائزہ مرتب کیا جانا چاہئے کہ ایم ایم اے میں کون کون سی پارٹیاں شامل ہیں، ان کی انتخابی حیثیت کیا ہے، کس پارٹی کے کتنے

صوبائی، قومی اسمبلی اور سنیٹ کے رکن ہیں، جب سیٹیں الگ الگ گوشواروں میں درج ہوں گی تو پھر ہر پارٹی کی جوہری قوت کا بھید کھل جائے گا۔

بعض تجزیوں میں یہ ظاہر کیا جا سکتا ہے کہ گزشتہ انتخابات میں ایم ایم اے کو طالبان سے ہمدردی کا نہیں، اصل میں ملٹری الائنس کی وجہ سے ووٹ ملے۔ اس تجزیے کی بنیاد یہ ہو سکتی ہے کہ صدر مشرف کو پارلیمنٹ اور صوبوں میں مولوی درکار تھے جن کے بل بوتے پر وہ امریکہ کے سامنے ایک ہوا کھڑا کر سکیں۔ اس تجزیے کے آخر میں کہیں درج کیا جا سکتا ہے کہ اب صدر مشرف کو مولوی کی ضرورت باقی نہیں رہی کیونکہ ان کی موجودگی میں اعتدال پسند، آزاد فکر، روشن خیال اور مغرب پرست نظریے کی نفی ہوتی ہے۔ اس نظریے کو پروان چڑھانا ہے تو مولوی کی سیاست کا قلع قمع کرنا بہت ضروری ہے۔

وار کہاں سے کیا جائے، اس پر زیادہ سوچنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ جماعت اسلامی اور جمعیت علمائے اسلام دونوں نے تحریک پاکستان، بانی پاکستان اور پاکستان کی مخالفت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ مولانا مودودی کی اس کتاب کا اصل نسخہ ڈھونڈنے کی کوشش کی جائے جس میں انہوں نے پاکستان کے بارے میں انتہائی نازیبا ریمارکس دیے تھے۔ پاکستان بنتے دیکھ کر اس کتاب میں تحریف کر دی گئی اور یہ ریمارکس حذف کر دیے گئے لیکن قلم اور منہ سے نکلی ہوئی

بات آخر کیسے واپس ہو سکتی ہے۔
یہی قصہ جے یو آئی کا ہے جو کانگریس کا ایک دست و بازو تھی۔اور جس نے قائداعظم کے سامنے گاندھی کا اوتار کھڑا کر رکھا تھا۔اس تجزیے میں علامہ اقبال کی ایک رباعی بھی کام آ سکتی ہے۔جس میں انہوں نے کہا تھا کہ ۔۔ز دیو بند حسین احمد ایں چہ بو العجبیست۔۔ میں معذرت خواہ ہوں کہ میرے بیشتر قارئین کو اس کا مطلب نہیں آتا لیکن علامہ اقبال نے جن کے بارے میں یہ رباعی لکھی تھی ان کو اس کی اچھی طرح سمجھ آ جاتی ہے۔
پاکستان بننے کے بعد بھی ان دونوں جماعتوں کو زیادہ عقل نہیں آئی۔ کشمیر کا مسئلہ پیدا ہوا تو مولانا مودودی نے جہاد کشمیر کے خلاف فتویٰ دے دیا اور یوں پاکستان کی شہ رگ اور اس کے ایک اٹوٹ انگ پر کاری ضرب لگائی۔ مولانا مودودی نے یہ رکاوٹ نہ کھڑی کی ہوتی تو صرف قبائلی لشکری ہی نہیں پاکستان کے چپے چپے سے مجاہدین کا بگولہ اٹھتا۔کشمیر میں ڈوگرہ اور بھارتی افواج کو خس و خاشاک کی طرح " رول" دیتا۔کشمیریوں کی محکومی اور قتل عام کی ذمہ داری.بڑی آسانی سے مولانا مودودی کے اس فتوے پر ڈالی جا سکتی ہے۔
مولانا سمیع الحق کی پوزیشن بے حد کمزور ہے۔ان کا مدرسہ تو.بڑا سادہ سا ہے

لیکن اس نے طالبان کی کئی نسلوں کی تربیت کی ہے اور افغانستان اور پاکستان ہی نہیں پوری دنیا میں اس نے ایک فساد کی بنیاد رکھی ہے۔ان طالبان کی فہرستیں آج بھی اکوڑہ خٹک میں جامع حقانیہ سے ملحقہ مدرسے کے ہر کلاس روم کے باہر آویزاں ہیں۔اس فہرست کی روشنی میں مولانا سمیع الحق اور ان کے خاموش طبع فرزند مولانا حامد الحق پر فرد جرم عائد کرنا مشکل کام نہیں ہونا چاہیے۔

حافظ حسین احمد تو اتنا بولتے ہیں کہ ان کے خلاف مزید مواد کی ضرورت نہیں۔ان کے خلاف اصل الزام یہی ہونا چاہیے کہ مولوی اور حافظ ہو کر سنجیدہ نہیں ہیں اور مخولیہ طبیعت کے مالک ہیں۔جو شخص بات بات پر مذاق کرنے کا عادی ہو،اس کی بات کو سنجیدگی سے کیسے لیا جا سکتا ہے،حافظ حسین احمد پر یہ الزام بھی عائد کیا جا سکتا ہے کہ وہ اسمبلی میں نہیں بولتے لیکن ہر ٹی وی چینل پر چہکتے دکھائی دیتے ہیں۔وہ تنخواہ تو پارلیمنٹ کے خزانے سے لیتے ہیں لیکن اپنی صلاحیتوں کے جوہر ایوان سے باہر دکھاتے ہیں۔

مولویوں کے بارے میں عمومی تبصرے یہ بھی ہو سکتے ہیں۔فتوے تو دے سکتے ہیں،استعفے نہیں دے سکتے۔ان کا اپنا انجن جام ہے،پہیہ جام کیسے کریں گے۔72 فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں،وہ ایک ایم ایم اے کی گدڑی میں اکٹھے کیسے رہ

سکتے ہیں۔حالیہ بلدیاتی انتخابات میں الگ الگ الیکشن لڑنے سے ان کی جو درگت بنی ہے، خاص طور پر جماعت اسلامی کو جو سبق حاصل ہوا،اس سے اسے اپنی اوقات سمجھنے میں غلطی نہیں کرنی چاہیے ۔ سینیٹ کے الیکشن میں مولویوں نے کروڑوں کی رقم حلوہ سمجھ کر ہضم کی ہے ،جہاں مسلم لیگ کا نام ونشان نہیں تھا، وہاں سے سیف اللہ خاندان کی جیت اسی چمک کا نتیجہ ہی تو ہے۔ جماعت اسلامی اور جے یو آئی میں پاکستان کی مخالفت کے سوا کوئی قدر مشترک نہیں۔مذہب سے ان جماعتوں کا کوئی لگاؤ ہوتا تو مذہب دشمن تحفظ حقوق نسواں بل پر یہ استعفے دینے میں دیر نہ کرتیں۔یہ جماعتیں دراصل اقتدار کی بھوکی ہیں پارلیمنٹ سے ملنے والی مراعات کو چھوڑنا ان کے بس کی بات نہیں۔

میں نے ایم ایم اے پر کاری وار کرنے کے لئے تیر بہدف نسخے درج کئے ہیں۔ بس ایک احتیاط ضروری ہے کہ ایم ایم اے پر حملہ اس قدر شدید ہونا چاہیے کہ کہ اسے جوابی وار کرنے کا موقع نہ ملے اور وہ حکمرانوں کے تضادات کو نمایاں نہ کرسکے۔ایم ایم اے کے خلاف پراپیگنڈا کے لئے بیک وقت تمام ذرائع استعمال ہو سکتے ہیں۔ اخبارات،ٹی وی ریڈیو اور کانا پھوسی کی مہم۔کالم نویس اس مہم میں ہراول دستہ کے کردار ادا کر سکتے، ہیں کیونکہ وہ ایک فقرے میں تحفظ حقوق نسواں بل کے مضمرات کو اُجاگر کرتے ہیں۔ دوسرے فقرے میں حکومت پر تنقید کی بجائے ایم ایم اے سے استعفے مانگتے ہیں جیسے یہ بل حکومت نے نہیں ایم ایم

اے نے منظور کیا ہو۔مادر زاد برہنہ رقص کے بعد تو ایم ایم اے کو پاکستان بدری قبول کر لینی چاہئے کہ یہ روز سیاہ ان کی غفلت کی وجہ سے دیکھنا پڑا۔

اخبارات کو اگلے چند ہفتوں میں احتیاط سے کام لیتے ہوئے ق لیگ، ن لیگ اور پی پی پی کے خلاف ریمارکس کی اشاعت سے احتراز کرنا ہوگا تاکہ ایم ایم اے کا کریا کرم کرنے کے لئے لوگ یکسو ہو سکیں۔آج کے اخبارات میں سپریم کورٹ کے ریمارکس تو بہر حال شائع ہونے ہی تھے کہ قرض اتارو ملک سنوارو کا فنڈ کون کھا گیا۔توہین عدالت سے بچنے کا طریقے یہ ہے کہ نیوز ایڈیٹرز اس خبر کو اندرونی صفحات پر سنگل کالمی پھینک سکتے ہیں۔

مولانا فضل الرحمٰن کے لئے ہوا صرف ایک ہی ہے اور وہ ہے سینیٹرز خاندان جس نے ڈیرہ اسماعیل خان سے ان کی سیاست کا صفایا کر دیا ہے۔اگر جونیئر سینیٹر کو کھل کھیلنے کا موقع دیا جائے تو اپوزیشن لیڈر کا تیا پانچا کرنے کے لئے کسی اور کو زور آزمائی کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔

ایم ایم اے کے خلاف مہم کی کامیابی کے لئے میرے پاس اور بھی مشورے موجود ہیں۔ اخبار کی تنگ دامانی آڑے آ رہی ہے۔براہ راست رابطہ مفید رہے گا۔میں یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ جیتنے میں ایم ایم اے کی کس

پارٹی نے اہم کردار ادا کیا ہے۔۔ ہے نا پتے کی بات!
جی قارئین کرام تو یہ نام نہاد حق پرستوں کا مکروہ و چہرہ اور مکاری دکھانے کی پہلی کوشش، ہم اسی فورم پر دوسرے مضامین کا بھی پوسٹ مارٹم کریں گے۔

نام نہاد حق پرست : شرم تم کو مگر نہیں آتی

قارئین کرام جیسا کہ ہم نے کہا تھا کہ نام نہاد حق پرستوں کا مکروہ اور اصل چہرہ دکھانے کی مزید بھی کوششیں کی جائیں گی تو اس حوالے سے مزید ثبوت بھی آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ نام نہاد حق پرستوں کے پرزور حامی ہمارے ان محترم بھائی نے ؑ ایم ایم اے کی بحالی اور مولانا و قاضی صاحبان ؑ کے نام سے تین حصوں میں کالم ہماری ویب کے فورم پر پیش کیے۔ ان کالمز کا پوسٹ مارٹم کیا تو کیا نتیجہ نکلا یہ ہم ابھی آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔ لیکن بہرحال ان کی اس حرکت سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ ہمیں ایم کیو ایم فوبیا لاحق نہیں ہے اور نہ ہی ہم ایم کیو ایم کے خلاف کوئی جھوٹا اور من گھڑت مواد شائع کرتے ہیں اور نہ ہی حقائق کو توڑ مروڑ کر ان کے خلاف سامنے لاتے ہیں (جیسا کہ نام نہاد حق پرستوں اور ان کے حامیوں کا ہم پر الزام ہے)

لیکن یہ لوگ کس طرح جماعت اسلامی اور دیگر مذہبی جماعتوں کو بدنام کرکے اپنے مذموم مقاصد حاصل کرتے ہیں۔ یہاں یہ بات واضح رہے کہ موصوف نے جو حرکت کی ہے وہ فرد واحد کی نہیں ہے بلکہ دراصل یہ متحدہ کے کارکنان و لیڈران اور حامیوں کے کردار کی ایک ہلکی سی جھلک ہے کہ اپنے مخالفین کو راستے سے ہٹانے

کے لئے ہر حد سے گزر جاؤ، اخلاقیات کو پائمال کردو، اور مظلومیت کا ڈھنڈورا پیٹتے رہو اور اس کے ساتھ ساتھ لوگوں کو یہ باور کراتے رہو کہ ہم نے یہ مذموم فعل کو ملک و قوم کی فلاح لئے اپنی ایک عظیم خدمت گردانتے رہو اور جہاں تک ممکن ہو کے مخالفین پر کیچڑ اچھالتے رہو۔۔ بہرحال ۱۷ دسمبر کو شائع ہونے والے مضمون" ایم ایم اے کی بحالی اور مولانا و قاضی صاحبان" کا پہلا اور دوسرا حصہ روزنامہ آج کل کی ویب سائٹ دس دسمبر کو پر شائع ہونے والے سجاد حیدر کے کالم کو چوری کرکے اور اس میں کچھ اپنی باتیں شامل کرکے اس کو انتہائی دیدہ دلیری سے اپنے نام سے پیش کردیا گیا۔ لیکن یہاں مزید ظلم یہ کیا گیا کہ اس کالم میں جو جو باتیں جماعت اسلامی اور قاضی حسین احمد صاحب کی تعریف وحمایت میں تھیں ان کو اڑا کر صرف اپنے مطلب کی لائیں لیکر قارئین کی آنکھوں یں دھول جھونکنے کی بھونڈی کوشش کی گئی ہے۔ اب ہم یہاں اصل مضمون پیش کررہے ہیں۔ اس کو سامنے رکھ کر موصوف کے مضامین کا جائزہ لیں تو نظر آتا ہے کہ جناب نے کس طرح قائد سے وفاداری نبھانے کی کوشش کی ہے۔

روزنامہ آج کل نیٹ ایڈیشن مضمون : ایم ایم اے نظریہ ضرورت کی گرفت میں

۔ تحریر : سجاد حیدر

مضمون کا لنک :

http://www.dailyaaj.com.pk/articledetails.php?

ColumnId=2707&ColumnistId=23

اصل مضمون درج ذیل ہے

بعض مبصرین کا خیال تھا کہ مولانا محمد خان شیرانی کی چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل کی حیثیت سے تقرری کے عوض جمعیت علمائے اسلام (ف) ریفارمڈ جنرل سیلز ٹیکس کے معاملے پر وفاقی حکومت کی حمایت کرے گی لیکن سینٹ میں جے یو آئی (ف) کی جانب سے آر جی ایس ٹی کی شدید مخالفت سے ان مبصرین کی رائے کی نفی ہوئی۔ شاید یہ تبصرہ نگار بھول گئے تھے کہ مولانا محمد خان شیرانی کی بحیثیت چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل تعیناتی جے یو آئی (ف) کی تازہ شرط نہیں تھی بلکہ یہ معاملہ تو اس وقت سے متعلق تھا جب رواں سال مئی جون اور جولائی کے مہینوں میں متحدہ مجلس عمل کو سرد خانے سے نکال کر اس کے مفلوج جسم میں نئی روح پھونکنے کی کوششیں کی گئیں۔

قوم نے دیکھا کہ مولانا فضل الرحمان کو اچانک ایم ایم اے کی بحالی کے لئے فعال کردار ادا کرنے کی فکر لاحق ہوئی اور انہوں نے ذاتی طور پر مذہبی سیاسی جماعتوں جنہیں سیاسی مذہبی جماعتیں کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ غیر فعال اتحاد کی بحالی میں دلچسپی لی اور اس حوالے سے قاضی حسین احمد سے خصوصی طور پر ملاقات بھی کی۔ اس سلسلے میں 13 جون کو لاہور میں مجلس عمل

کی بحالی کے حوالے سے متعلقہ جماعتوں کے سربراہان کا اجلاس منعقد ہوا جس کے اختتام پر صحافیوں سے بات چیت کرتے ہوئے مولانا فضل الرحمان نے کہا کہ اگر ایم ایم اے کی تمام جماعتیں اتفاق رائے سے جے یو آئی (ف) سے حکومت سے علیحدگی کا مطالبہ کریں تو وہ یہ مطالبہ مان لیں گے۔ بعد ازاں جے یو آئی (ف) کی اپنی پارلیمانی پارٹی نے بھی جمعیت کی مرکزی مجلس عاملہ سے حکومت سے علیحدگی کا فیصلہ کرنے کا مطالبہ کیا۔ بائیس جولائی کو اسلام آباد میں ایم ایم اے کے سربراہی اجلاس میں بھی ایم ایم اے کی بحالی کے حوالے سے کوئی فیصلہ نہیں ہو سکا اور یہ طے پایا کہ تمام رہنما اپنی اپنی متعلقہ جماعتوں کی مجالس عاملہ سے رجوع کرکے 22 جولائی کے اجلاس میں سامنے آنے والی تجاویز کے حوالے سے حتمی رائے لینے کے بعد مجلس کے آئندہ سربراہی اجلاس میں جو ابوالخیر محمد زبیر کی سربراہی میں منعقد ہو گا حتمی فیصلوں کا اعلان کریں گے۔ اس موقع پر یہ توقع ظاہر کی گئی کہ تقریباً ایک ماہ بعد ایم ایم اے کا سربراہی اجلاس دوبارہ منعقد ہو گا جس میں تمام معاملات کو حتمی شکل دی جائے گی انہی ایام میں متعدد مبصرین کی رائے تھی کہ مولانا فضل الرحمان وفاقی حکومت سے اپنے کچھ مطالبات منوانے کے لئے ایم ایم اے کی بحالی کے دباؤ کا حربہ استعمال کر رہے ہیں جن میں سرفہرست مولانا شیرانی کی اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین کی حیثیت سے

تقرری ہے اور چونکہ اس مطالبے کی تکمیل کی یقین دہانی کردی گئی ہے اس لئے اب جے یو آئی (ف) ایم ایم اے کی بحالی کے حوالے سے فعال نہیں رہے گی۔

بائیس جولائی کو گزرے تقریباً ساڑھے چار ماہ ہو گئے ہیں اور اب تک نہ ہی مجلس عمل کے سربراہان کا وہ اجلاس منعقد ہو سکا جو ابوالخیر محمد زبیر کی سربراہی میں منعقد ہونا تھا اور نہ ہی مولانا فضل الرحمان کی جانب سے ایم ایم اے کی بحالی میں وہ غیر معمولی دلچسپی دوبارہ دیکھنے میں آئی جو جون اور جولائی میں نظر آئی تھی، جس سے ان تبصروں کو جو مذکورہ مہینوں میں مولانا شیرانی کی چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل تقرری کے حوالے سے کئے گئے تھے تقویت ملتی ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ مولانا شیرانی کی تقرری کا آر جی ایس ٹی کے نفاذ کے معاملے پر جے یو آئی (ف) کی حمایت حاصل کرنے سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ یہ تقرری سابقہ یقین دہانیوں کا ثمر ہے۔

خیر بات ہو رہی تھی ایم ایم اے کی بحالی کی۔ چند ہفتے قبل جے یو آئی (ف) کے صوبائی سربراہ شیخ الحدیث مولانا امان اللہ نے اپنے دورہ ملاکنڈ کے دوران قاضی حسین احمد کو ایم ایم اے کی بحالی میں رکاوٹ قرار دیا جو اس لحاظ سے ایک ذمہ دار شخص کا غیر ذمہ دارانہ بیان ہے کہ ایم ایم اے کے قیام میں قاضی حسین احمد کا کردار سب سے زیادہ مخلصانہ اور فعال رہا۔ قاضی حسین

احمد نے ایم ایم اے کو حقیقت کا روپ دینے اور پروان چڑھانے میں وہی کردار ادا کیا جو کسی اجڑے ہوئے چمن کو سرسبز و شاداب بنانے میں مالی کا یا کسی بنجر زمین کو لہلہاتے ہرے بھرے کھیت کا روپ دینے میں دہقان کا ہوتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کھیت میں اگنے والی فصل اور اس باغ میں لگنے والے پھلوں کا زیادہ حصہ مولانا امان اللہ کی جماعت کے حصے میں آیا۔

سوچنے والی بات یہ ہے کہ آخر کب تک جماعت اسلامی ایم ایم اے کے تناظر میں ناکردہ گناہوں کی سزا بھگتتی رہے گی۔ ملک میں شریعت کے نفاذ اور تعمیر و ترقی کے لئے اتحاد و اتفاق کی ضرورت سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا لیکن جس اتحاد کا مقصد مخصوص سیاسی اہداف کی تکمیل رہ جائے اور جو اپنے قیام کے مقاصد کو پس پشت ڈال دے اس اتحاد کو باقی رکھنے کا کیا فائدہ۔ یہ کیا کہ جب کسی کو ایم ایم اے کا نام استعمال کرنا مقصود ہو گا تو اتحاد کے سربراہان کی ملاقاتیں بھی ہو جائیں گی اور سربراہی اجلاس بھی منعقد ہو جائیں گے اور جب اس نام کے استعمال کی ضرورت نہیں رہے گی تو متعلقہ جماعتوں کے دوسرے اور تیسرے درجے کے قائدین کی ایک دوسرے کے خلاف بیان بازی ہوتی رہے گی اور اتحاد کسی نئی ضرورت کی تکمیل کے لئے استعمال ہونے کے انتظار میں سرد خانے میں پڑا رہے گا۔

شرعی تقاضوں کی بنیاد پر قائم ہونے والا یہ سیاسی اتحاد اپنے منشور اور قیام کے مقاصد کی حد تک ہر دلعزیز اور خوش کن تھا لیکن عمل کے میدان میں ان توقعات کی تکمیل میں ناکام رہا جو اس سے وابستہ کی گئیں لہٰذا آنے والے وقت میں اگر نظریہ ضرورت کے تحت اس اتحاد کے مفلوج جسم میں جان ڈال بھی دی جاتی ہے تو یہ ملک اور خصوصاً خیبر پختونخوا کے عوام کے ساتھ زیادتی ہو گی جو جماعت اسلامی کے کردار اور مقام سے میل نہیں کھاتی لہٰذا کم از کم جماعت اسلامی کو جو اس اتحاد کی حقیقی معنوں میں خالق ہے ایم ایم اے کے حوالے سے واضح اور دو ٹوک لائحہ عمل اختیار کرنا چاہئے اور اپنے اصولوں کی پاسداری کے لئے اگر جماعت اسلامی کو کوئی کڑوا گھونٹ بھی پینا پڑے تو اسے بروقت پی لینا چاہئے تاکہ وہ مستقبل کے سیاسی لائحہ عمل کے تعین میں آزاد ہو کر مکمل یکسوئی کے ساتھ اپنے فیصلے کر سکے۔

قارئین ہم اس سلسلے میں نام نہاد حق پرستوں کی مزید حرکتیں بھی آپ کے سامنے لائیں گے۔

نام نہاد حق پرست ایم ایم سے کی بحالی سے خوف زدہ کیوں؟

محترم قارئین ۷ ادسمبر کو شائع ہونے والا کالم" ایم ایم اے کا کوئی مستقبل ہے نہ جماعت اسلامی اسکے احیا کی خواہاں" بھی متحدہ اور اس کے حامیوں کے گھناؤنے کردار کی ایک جھلک ہے۔ لیکن یہاں اس بات کا اعتراف ضرور کرنا پڑے گا کہ اس مضمون میں فاضل کالم نگار نے بہرحال تھوڑی سی محنت ضرور کی ہے اور انہوں نے کم از کم یہ ضرور کیا کہ اصل تحریر کے پیرگراف کی ترتیب بدل ڈالی یعنی جاگر ایک پیراگراف شروع میں تھا تو اس کو آخر میں کردیا اور آخر کے پیراگراف کو شروع میں کردیا اور دو تین خبروں یا تجزیات کو ملا کر ایک تحریر کی شکل دیدی۔ لیکن کیا ہی اچھا ہوتا کہ اگر میرے دوست اپنی یہ صلاحیت دینی جماعتوں کو بدنام کرنے کی مذموم کوشش کے بجائے کسی اور استعمال میں لاتے تو شائد بہتر ہوتا لیکن خیر۔ البتہ ان مضامین کے ذریعے ہم نے متحدہ اور اس کے حامیان کے کردار کی ایک جھلک قارئین کو دکھانے کی کوشش کی ہے تاکہ شہر کراچی سے باہر رہنے والے بہت سارے قارئین اور متحدہ کے اصل چہرے سے ناواقف ہیں تو وہ دیکھ لیں کہ یہ کس طرح کی تنظیم ہے۔ جو اپنی مخالفین کے خلاف کسی بھی حد تک جانے کو تیار ہیں ان کے نزدیک کسی قسم کے اخلاقیات کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ ہم اب اس سلسلے کو یہیں ختم کرتے ہیں اور یہاں اصل تحریروں کو پیش کرنے کے

بجائے صرف اس کا نام اور لنک یہاں دے رہے ہیں تاکہ قارئین اس کو دیکھ لیں۔
اسلام ٹائمز ۹ جون ۲۰۱۰ خبر بعنوان :" مجلس عمل کے احیاء کے لئے جے یو آئی کی 'کوششیں دم توڑ گئیں'

لنک :http://www.islamtimes.org/vdciv3ar.t1ayz27sct.html

اسلام ٹائمز ۲۷ جون ۲۰۱۰ خبر بعنوان :ایم ایم اے کی بحالی، حکومت میں شامل کچھ دوست رکاوٹ ہیں، قاضی حسین

لنک:http://www.islamtimes.org/vdcdfs0x.yt0n56342y.html

ان لنکز پر جاکر دیکھا جاسکتا ہے کیا فنکاری کی گئی ہے۔ یہاں یہ بات واضح رہے کہ کسی بھی دوسرے اخبار یا فرد کے مضمون کو اگر اپنے کالم یا مضمون میں استعمال کیا جاتا ہے تو اس میں اخلاقی طور پر لکھاری یا اخبار یا ادارے کا حوالہ دیا جاتا ہے لیکن کسی دوسرے کی خبر یا مضمون یا تحریر کو اپنے نام سے شائع کرنا قانونی اور اخلاقی جرم ہے۔اگر میرے دوست یہاں ان ویب سائٹس اور آن لائن نیوز پیپرز کا حوالہ دیکر بات کرتے تو بہتر ہوتا لیکن افسوس انہوں نے ایسا نہ کیا۔
یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ متحدہ اور اس کے حامی مذہبی جماعتوں بالخصوص ایم ایم اے کی بحالی سے اتنے خائف کیوں ہیں کہ اس کے خلاف پروپیگنڈے کا

کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا جاتا اور اس طرح سے اس کی کردار کشی کیوں کی جاتی ہے؟ اس کا جواب بہت آسان ہے کہ یہ بات بالکل درست ہے کہ دینی جماعتوں پر مشتمل اتحاد ایم ایم اے اپنے قیام کے تمام مقاصد حاصل نہیں کئے، اور نہ ہی مشرف دور میں حکومت میں رہ کر ایم ایم اے نے بہت زیادہ اچھی کارکردگی یا یوں کہہ لیں کہ جس کارکردگی کی ایم ایم اے سے توقع تھی وہ کارکردگی نہ دکھا سکی اور اس میں ایک بہت بڑا ہاتھ مولانا فضل الرحمان صاحب کے طرز سیاست کا تھا، لیکن ان سب کے باوجو ملی یکجہتی کونسل اور بعد ازاں ایم ایم اے کے قیام سے بہرحال فرقہ وارانہ کشیدگی میں بہت کمی آئی تھی، سابقہ صوبہ سرحد اور موجودہ خیبر پختونخواہ میں ایم ایم اے کے وزراء نے مثالی کارنامے سرانجام دئے اور ملکی تاریخ میں پہلی بار وزراء نے اپنی تنخواہوں میں سالانہ اضافے کے بجائے دو دو ہزار روپے کی کمی کی۔ لیکن ایم کیو ایم کے لئے سب سے تکیف دہ پہلو یہ تھا کہ کراچی سے ایم ایم اے نے قومی و صوبائی اسمبلی کی نشستیں ایم کیو ایم کے علاقوں لوگوں کو ہرا کر جیتی تھیں اور نصراللہ خان شجیع جمشید روڈ، جیل روڈ لئیق خان، حمید اللہ ایڈوکیٹ اورنگی ٹاؤن، یونس بارائی گلستان جوہر و گلشن، اقبال، مرحوم عبدالستار افغانی کلفٹن، شبیر ابو طالب کھارادر (جو کہ فروق ستار کا حلقہ آبائی حلقہ ہے) موجودہ امیر جماعت اسلامی کراچی محمد حسین محنتی گارڈن، قاری محمد عثمان کیماڑی ٹاؤن اور اسد اللہ بھٹو نیو کراچی و معمار کے علاقے سے کامیاب ہوئے

تھے۔ جبکہ ڈاکٹر معراج الہدیٰ صدیقی اور سید منور حسن لیاقت آباد عزیز آباد، گلبرگ اور فیڈرل بی ایریا پر مشتمل بالترتیب صوبائی و قومی اسمبلی کی نشستوں پر کھڑے ہوئے تھے اور یہاں ایم کیو ایم کو اپنی سیٹیں بچانا مشکل ہوگیا تھا۔ لیکن بہرحال کسی نہ طرح یہاں سے سیٹیں بچا کر عزت بچالی گئی۔ اب اس کے بعد سے متحدہ نے یہ پالیسی بنالی ہے کہ ہر جگہ، ہر فورم پر ایم ایم اے کے خلاف پروپیگنڈا کیا جائے، لوگوں کو اس کے خلاف بھڑکایا جائے اور لوگوں کو اس سے متنفر کیا جائے تاکہ اول تو یہ اتحاد بحال ہی نہ ہوپائے (گزشتہ دنوں الطاف حسین صاحب کو سید منور حسین صاحب کو فون اسی سلسلے کی کڑی ہے کہ کسی طرح مولانا فضل الرحمان اور دینی جماعتوں کو منتشر کردیا جائے تاکہ ان کا اتحاد بحال نہ ہوسکے) اور اگر یہ اتحاد بحال ہو بھی جائے تو منفی پروپیگنڈے کے ذریعے لوگوں کو اس سے متنفر کردیا جائے اور اپنی سیٹیں بچائی جائیں کیوں کہ ایم ایم اے کی بحالی سے ایم کیو ایم کی کراچی اور حیدرآباد میں اجارہ داری خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ بہرحال اللہ نے اسی فورم پر نام نہاد حق پرستوں اور ان کے طرز سیاست کا مکروہ چہرہ لوگوں کو دکھادیا۔ یہاں ہم یہ بات واضح کرتے چلیں کہ اگرچہ لوگوں نے موصوف کے ان مضامین کو کوئی خاص پذیرائی نہیں بخشی تھی اور ہمارے لئے بہت آسان تھا کہ ہم ان کے اس ”کارنامے“ کو نظرانداز کردیتے لیکن اس طرح لوگوں تک اصل بات نہ پہنچتی۔ شکریہ

بِاَیِّ ذَنۡۢبٍ قُتِلَتۡ اسے کس جرم میں مارا گیا؟

روزنامہ جنگ کراچی اتوار 26 دسمبر کو صفحہ نمبر ۲ پر ایک خبر شائع ہوئی ہے۔ پہلے خبر کا خلاصہ آپ کے سامنے بیان کرتے ہیں پھر ہم اپنی بات کریں گے۔ خبر کے مطابق ''گینگ ریپ کا ایک اور واقعہ سامنے آیا ہے جس میں درندہ صفت ملزمان نے بچی کو گڑیا دکھانے کے بہانے لے جا کر زیادتی کا نشانہ بنایا اور لاش گندے نالے میں بہا دی۔ خبر کے مطابق گلستان جوہر سے متصل بختاور گوٹھ میں رہائش پذیر محمد داؤد کی پانچ سالہ بیٹی زیب النسا 31 اکتوبر 2010 کو گھر سے کوئی چیز لینے کے لئے دکان پر گئی اور پھر واپس نہ آئی اور 3 نومبر 2010 کو دبئی ہاؤس کے قریب ایک تالاب سے اس بچی کی لاش برآمد ہوئی۔ 7 نومبر کو عینی شاہدین کی گواہی کی بنیاد پر ان دلدوز سانحے کے ذمہ دار ملزمان کو گرفتار کیا گیا، جنہوں نے دوران تفتیش اعتراف کیا کہ انہوں نے اس ڈر سے کہ بچی ایک محلے میں رہنے کی وجہ سے ان کو شناخت کر لے گی اس لئے اس کو گلا دبا کر ہلاک کر دیا گیا۔'' قارئین یہ اس خبر کا خلاصہ ہم نے آپ کے سامنے پیش کیا۔ لیکن کیا یہ اس نوعیت کا واحد واقعہ ہے؟ نہیں بلکہ اگر ہم غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ہمارے معاشرے میں معصوم بچے اور بچیوں کے ساتھ ایسی گھناؤنی وارداتوں کے ارتکاب میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ ایک نجی ٹی وی کے مطابق چند دن پیشتر ایک اور

واقعے میں پولیس نے ایک کم عمر نوجوان کو گرفتار کیا تھا اور اس نے بھی ایک کم عمر بچی کو زیادتی کا نشانہ بنانے کے بعد جان سے مار دیا تھا۔

ہمارے معاشرے میں تو یہ رجحان پہلے نہیں تھا اب ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ کیوں ایسی وارداتیں بڑھتی جا رہی ہیں؟ ہم نے جب غور کیا تو اس کی کچھ وجوہات ہمیں سمجھ میں آتی ہیں جو ہم آپ سے شئیر کریں گے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اسلام سے دوری کے ہی باعث ہو رہا ہے۔جب تک ہم اسلام کی تعلیمات پر عمل نہیں کریں گے اس وقت تک معاشرے میں بگاڑ ہی پیدا ہوگا۔اللہ تعالیٰ سورہ نور میں ارشاد فرماتے ہیں جس کا مفہوم ہے کہ (جو لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ مومنوں میں بے حیائی پھیلے ان کو دنیا اور آخرت میں دکھ دینے والا عذاب ہوگا اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ سورہ نور آیت 19) اور آگے فرمایا جا رہا ہے مفہوم (مومنوں ! شیطان کے قدموں پر نہ چلنا اور جو شخص شیطان کے قدموں پر چلے گا تو شیطان تو بے حیائی اور برے کام ہی بتائے گا اور اگر تم پر اللہ کی مہربانی نہ ہوتی تو ایک شخص بھی تم میں سے پاک نہ ہو سکتا مگر اللہ جس کو چاہتا ہے پاک کر دیتا ہے اور اللہ سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔ سورہ نور آیت 22)

یہاں واضح طور پر بے حیائی کے کاموں سے منع کیا جا رہا ہے بلکہ ایسے کاموں

کو شیطان کے پیروی کا نام دیا جارہا ہے گویا کہ برائی اور بے حیائی کے کام شیطان ہی بتاتا ہے اور اس کے پیروکار ہی اس پر عمل کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے بے حیائی کے کاموں سے منع کیا ہے لیکن ہمارا میڈیا اور ہمارے اربابِ اختیار اور مختلف این جی اوز اس کے بالکل مخالف طرز عمل اختیار کئے ہوئے ہیں۔میڈیا پر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ بے حیائی اور برائی کے فروغ کا سب سے برا ذریعہ بنا ہوا ہے۔کوئی اشتہار، کوئی ڈرامہ، کوئی شو ناچ گانے کے بغیر مکمل نہیں سمجھا جاتا ہر اشتہار میں ایک سے ایک بیہودگی اور بے ہنگم ناچ گانا دکھایا جاتا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ انٹرنیٹ جو کہ معلومات تک رسائی کا ایک بہترین ذریعہ ہے اس کو بھی ہمارے معاشرے میں انہی مقاصد کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اور نیٹ کیفیز کے نام پر منی سینما گھر قائم ہو گئے ہیں جہاں نام تو انٹرنیٹ کا ہوتا ہے لیکن بنیادی طور پر وہاں سرور پر فلمیں محفوظ ہوتی ہیں اور وہاں سے شئیر کر کے وہ فلمیں دیکھی جاسکتی ہیں اور اس وقت اکثر نیٹ کیفز میں یہی کچھ ہو رہا ہے۔

فحش فلمیں وی سی ڈیز اور ڈی وی ڈیز کی صورت میں کھلے عام بِک رہی ہیں۔صدر کراچی، مال روڈ لاہور میں ٹھیلوں پر بلیو پرنٹ اور عریاں ڈانسز کی سی ڈیز بیچی جارہی ہیں۔ گویا کہ برائی کو آسان بنایا جارہا ہے یہاں ہمارے اربابِ اختیار اور انتظامیہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس مذموم کاروبار کو بند کرائیں

لیکن انتظامیہ اس سے چشم پوشی کرتی ہے بلکہ ہم نے خود یہ بات دیکھی ہے کہ بیچنے والوں کو پکڑنے کے بجائے پولیس اہلکاروں نے اس کو کمائی کا ذریعہ بنالیا ہے اور جو لوگ یہاں سے سی ڈیز وغیرہ خرید کر کچھ دور ہی جاتے ہیں تو پولیس اہلکار (جو کہ ٹھیلوں سے تھوڑا ہٹ کر کھڑے ہوتے ہیں اور سب کو دیکھ رہے ہوتے ہیں) اس کو گھیر لیتے ہیں اور اس کی تلاشی لینے کے بعد اس کو تھانے میں بند کرنے کی دھمکیاں دیکر پیسے بٹورے جاتے ہیں۔ ہم ایک ایسے ہی واقعے کے گواہ ہیں کہ ہم صدر سے بس میں سوار ہوئے ۔ بس ابھی وہیں رکی ہوئی تھی کہ اچانک بس میں دو پولیس اہلکار داخل ہوئے اور سیدھا ایک مسافر کے پاس گئے جو کہ صدر ہی سے بس میں بیٹھا تھا (اور بس ابھی رکی ہی ہوئی تھی چلی نہ تھی) اس سے پوچھا کہ ابھی وہ یہاں سے سی ڈیز خرید کر آیا ہے۔اس کے بعد اس مسافر کو اتار کر انھوں نے تلاشی لینا شروع کی اور پھر سی ڈیز برآمد کرکے اس سے جوڑ توڑ شروع کردیا۔یعنی برائی کو ختم کرنے کے بجائے اس کو کمائی ذریعہ بنالیا گیا ہے۔

میڈیا اور انتظامیہ کا تو ہم نے ذکر کردیا لیکن اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ جو مغرب زدہ این جی اوز ہیں وہ کس طرح اس عمل میں حصہ دار ہیں؟ وہ کس طرح بے حیائی و برائی کو پھیلانے میں معاون و مددگار ہیں؟ اس کا جواب بھی بہت آسان ہے۔ایسی تمام این جی اوز کے کچھ بنیادی نکات ہوتے ہیں جن میں سر فہرست

خواتین کو آزادی کے خوبصورت نعرے کی آڑ میں انہیں گھروں کے محفوظ سائبان سے باہر لانا ہے۔(یہ نکتہ کم و بیش تمام ہی این جی اوز کے منشور میں شامل ہے)۔اس کے بعد اکثر این جی اوز تعلیمی اداروں بالخصوص گرلز کالجز و اسکولز میں سروے کے نام پر ان کو ورغلانے کی کوشش کرتی ہیں اور ان کے جنسی جذبات کو بھڑکانے کی کوشش کرتی ہیں، (ایسا ہی ایک سروے مشرف دور میں آغا خان والوں نے کرایا تھا جس میں اسکول و کالج کی بچیوں سے صحت کے نام پر پوچھے گئے سوالات میں یہ بھی شامل تھا کہ اب تک انہوں نے کتنی دفعہ ''جنسی تجربہ''کیا؟ اس تجربے کو انہوں نے کیسا محسوس کیا؟ اور کیا اس دوران ان کے ساتھی نے کنڈوم استعمال کیا یا نہیں؟ یہ سوالات ایک گرلز کالج کی لڑکیوں سے پوچھے گئے تھے جس پر انہوں نے احتجاج کرتے ہوئے ان کے سروے فارم پھاڑ دئے تھے اور شدید احتجاج کیا تھا۔) پردے کو دقیانوسی قرار دیکر ان کو چراغِ خانہ کے بجائے شمع محفل بنانے کی کوشش کرنا، مخلوط سوسائٹی کو فروغ دینا، جنسی بے راہ روی کو روکنے کے بجائے اس کے محفوظ طریقے بتانا جس سے ''کسی بدنامی'' کا خدشہ نہ ہو۔ (یہاں ہم یہ بھی واضح کرتے چلیں کہ خدمت خلق کرنے والی دو معروف تنظیموں نے شہر میں کئی مقامات پر جھولے نصب کئے ہیں اور ان پر لکھا ہوتا ہے کہ قتل نہ کریں یہاں ڈال دیں یہ لوگ بھی اس برائی میں ایک لحاظ سے حصہ دار ہیں کہ یہ برائی اور گناہ کو ختم کرنے کی کوشش کے بجائے اس کا محفوظ راستہ بتا رہے ہیں) نوجوان لڑکیوں کو آزادی کے نام پر

حتی الامکان گمراہ کرنے اور جنسی جذبات بھڑکانے کے بعد شادی سے روکنا۔جی ہاں کئی این جی اوز کا یہ مشن ہے کہ وہ کم عمری کی شادی کے نام سے نوجوان لڑکیوں کو شادی نہ کرنے کی ترغیب دیتی ہیں اور ان کی کوشش ہے کہ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں شادی نہ کریں۔ غور کریں کہ اسلام تو اس بات کی ترغیب دیتا ہے کہ نوجوان
لڑکیوں، لڑکوں، اور عورتوں اور مردوں کو بھی تجرد کے بجائے نکاح کی ترغیب دیتا ہے لیکن یہاں معاملہ اس کے برعکس ہے کہ شادی کو ایک زنجیر اور قید کا نام دیکر اس سے روکا جاتا ہے۔اور کم عمری کی شادی کو صحت و مذہب کے خلاف ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

اس کے بعد میڈیا کے ذریعے ایک اور برائی "اسٹیٹس" کے نام سے ہمارے معاشرے میں پیدا ہو گئی ہے۔ اب ایک نوجوان لڑکا یا لڑکی شادی کی عمر کو پہنچنے کے بعد بھی شادی کرنا چاہیں تو وہ نہیں کر سکتے کیوں کہ خاندان، مان مرتبہ، دولت ہی اب سب کچھ
ہے۔اب کسی لڑکی کا اخلاق، اس کی شرم و حیا، اس کی شرافت، اس کی پاکیزگی سب ایک طرف رہ جائیں گی اگر اس کے ماں باپ کے پاس جہیز نہیں ہے۔اگر وہ اپنے داماد کو سلامی میں کم از کم موٹر سائیکل نہیں دے سکیں گے تو ان کی بیٹی گھر بیٹھی رہے گی اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی المیہ ہے کہ اکثر کیسز میں یہ سب مسائل نہیں ہوتے یعنی لڑکی کے گھر والے اچھے خاصے کھاتے پیتے ہیں، دولت کی ریل پیل بھی ہے لیکن معلوم ہوا کہ خاندان سے باہر شادی نہیں کی

جاسکتی اور اب خاندان میں لڑکی کے جوڑ کا رشتہ موجود نہیں ہے تو وہ بیچاری اپنی خاندانی راوایات کی بھینٹ چڑھا دی جائے گی۔۔اسی طرح ایک نوجوان لڑکا جو کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے، با اخلاق ہے اس کے ساتھ بھی یہی مسائل ہوتے ہیں اور اس طرح نکاح جیسی سنت جس کو نصف ایمان بھی کہا گیا ہے انتہائی مشکل اور دشوار بنا دیا گیا۔

اب غور کریں کہ جب برائی کے اسباب مہیا ہوں، جذبات کو برانگیختہ کرنے کا سامان موجود ہو، کیبل کے ذریعے ہر گھر میں فحش پھیلایا جائے، گناہ کو آسان بنایا جائے، نکاح کو مشکل بنایا جائے تو پھر ایسے سانحات ہی جنم لیتے ہیں۔اور معصوم بچیاں ان درندہ صفت بدکار لوگوں کے آسان شکار ہوتے ہیں۔ ہم لوگ اپنی اپنی جگہ چیختے رہیں گے، یہی این جی اوز بھی ایسے واقعات کو خوب اچھال کر اپنی پبلسٹی کرتی رہیں گی لیکن ان جرائم کا سد باب نہ ہوسکے گا جب تک کہ برائی اور گناہ کے اسباب کو ختم نہ کیا جائے گا،جب تک نکاح کو آسان نہ بنایا جائے گا۔برائی ختم نہ ہوگی اور معصوم بچیاں ان برائیوں کا، ان گناہوں کا کفارہ ادا کرتی رہیں گی اور جب روز قیامت اللہ تعالٰی ان معصوم جانوں سے پوچھے گا'' بِاَیِّ ذَنۢبٍ قُتِلَتۡ اسے کس جرم میں مارا گیا'' تو وہ معصوم اس پورے معاشرے کو مجرم قرار دیگی۔ میں اور آپ بھی اس جرم میں شریک ہونگے۔

نواز شریف، "بھائی" اور آمر کا دودھ

جیسی روح ویسے فرشتے : جیسا قائد ویسے کارکن

روایات دم توڑتی جارہی ہیں اور سیاست میں شرافت اور نظریاتی اختلاف کو برداشت کرنے کا حوصلہ کم سے کم ہوتا جارہا ہے جبکہ اب تنقید برداشت کرنا تو انتہائی مشکل ہوگیا ہے۔ ایک وقت تھا کہ سیاسی قائدین اور ان کے کارکنان اپنے اختلافات کو صرف سیاسی اور نظریاتی حدوں تک ہی رکھتے تھے اور سیاسی اختلافات کو دشمنی میں نہیں بدلا جاتا تھا اور نہ ہی مخالفین کے بارے میں بازاری زبان استعمال کی جاتی تھی۔ لیکن ذوالفقار علی بھٹو صاحب کے دور میں مخالفین ڈرانے، دھمکانے، اور ان کو برسراسٹیج اور میڈیا کے سامنے برا بھلا کہنے کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ ان کے بعد کسی لیڈر نے اپنے مخالفین کے بارے میں نازیبا اور بازاری زبان استعمال نہیں کی لیکن گزشتہ روز تو جو کچھ ہوا اس کے بعد شریف لوگ حیران و پریشان ہیں کہ یہ کیا ہورہا ہے۔

دسمبر کے سرد سرد موسم میں پاکستان کے سیاسی درجہ حرارت میں اچانک اضافہ ہوگیا ہے۔ حکومت کے اتحادی اپنے مطالبات منوانے کے لئے اتحاد سے الگ ہونے کی دھمکیاں دینے لگے ہیں تو دوسری جانب میاں نواز شریف حسبِ معمول فرینڈلی

اپوزیشن کے کردار نبھاتے ہوئے پوری کوشش کر رہے ہیں کہ پی پی کی موجودہ حکومت کو گرنے نہ دیا جائے۔ اسی کشمکش کے دوران میاں نواز شریف نے آزاد کشمیر میں مسلم لیگ ن کے قیام کے دیرینہ پروگرام پر عمل کرتے ہوئے گزشتہ ہفتے مظفر آباد میں ایک جلسہ منعقد کیا۔ اور اس جلسے میں دیگر باتوں کے ساتھ ساتھ کراچی کی صورتحال کا بھی ذکر کردیا۔ اور اس میں انہوں نے بالخصوص تین باتوں کا ذکر کیا ایک بارہ مئی 2007 جب چیف جسٹس آف پاکستان جسٹس افتخار محمد چوہدری کی کراچی آمد پر شہر کو نو گو ایریا بنا دیا گیا اور شہر میں قتل عام کیا گیا، دوسری بات انہوں نے ایک ایم پی اے (رضا حیدر) کے قتل پر سو لاشیں گرنے کے واقعے کا تذکرہ کیا اور تیسری بات انہوں نے ڈاکٹر عمران فاروق کے قتل پر کراچی میں لاشیں گرنے کی بات کی (جو کہ غلط ہے ڈاکٹر عمران فاروق کے قتل پر کراچی میں کوئی ہنگامہ آرائی نہیں ہوئی)۔ جبکہ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے یہ بھی کہا کہ گیارہ سال تک آمر کا ساتھ دینے والے انقلاب کی بات کر رہے ہیں اگرچہ یہاں انہوں نے نام نہیں لیا تھا لیکن سمجھنے والوں نے سمجھ لیا کہ اشارہ کس طرف ہے۔

اس کے بعد سے متحدہ اور مسلم لیگ ن کے درمیان بیان بازی کا سلسلہ جاری ہوا اس بیان بازی کے سلسلے میں گزشتہ روز ایم کیو ایم کے قائد الطاف حسین صاحب نے.براہ راست حصہ لیا اور اپنے ٹیلیفونک خطاب میں میاں نواز شریف صاحب کی

کلاس لی۔ محترم الطاف حسین صاحب جن کو ان کے کارکنان و معتقدین ''بھائی'' کہتے ہیں ویسے بڑی عجیب بات ہے کہ ممبئی میں انڈر ورلڈ کے غنڈوں کو بھائی کہا جاتا (ہے)۔تو بھائی نے میاں نواز شریف کی خوب خوب خبر لی۔ ان کو ایسا لتاڑا کہ میاں صاحب بھی سوچتے ہونگے کہ کہاں پھنس گیا۔ اگر ''بھائی'' ان کی کلاس مہذب انداز میں لیتے اور ان کی باتوں کا مہذب انداز میں جواب دیتے تو بھی کافی تھا اور ان کے مخالفین کو پتہ چل جاتا کہ ''بھائی'' ناراض ہیں لیکن ''بھائی'' کو اس قدر غصہ تھا کہ بھائی بھول گئے کہ وہ لندن جیسے مہذب شہر میں بیٹھے ہیں بلکہ جس قدر خطاب بھی میڈیا پر سنایا گیا ہمیں تو ایسا لگا گویا کہ لالوکھیت یا اورنگی ٹاؤن کے کسی محلے کی لڑائی میں کوئی جاہل شخص اپنے دشمن کے لتے لے رہا ہے۔

جیسا کہ ہم کہتے ہیں کہ یہی دراصل متحدہ کا اصل کردار ہے۔ یہ لوگ سماج سدھار، ملکی ترقی، انقلاب، اور اٹھانوے فیصد غریب عوام کی بھلائی کی صرف باتیں ہی کرتے ہیں عملاً یہ کیا ہیں اس کا اندازہ ''بھائی'' کے خطاب سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ بھائی کے خطاب کا مطلب دراصل یہ ہے کہ مخالفین اگر راستے میں آئیں تو ان کو ہٹانے کے لئے کسی بھی حد تک گزر جاؤ اس سے پہلے کہ لوگ اس کی باتوں کا جواب آپ سے مانگیں الٹا لوگوں کو دوسری طرف لگادو،اخلاقیات کا دامن چھوڑ دو،اور اس قدر گھٹیا پن اور بازاری پن دکھاؤکے

شریف آدمی کانوں کو ہاتھ لگائے کہ میرے باپ کی توبہ جو آئندہ ان سے ٹکر لی۔

دراصل یہ ان کا فلسفہ ہے اور یہی ان کی ''فکری نشستوں'' کا بنیادی نکتہ اور مقصد بھی ہے کہ کارکن کی برین واشنگ کرکے اس کو یہ سکھایا جائے کہ اپنا (یعنی بھائی کا) مفاد اور مقصد ہی سب کچھ ہے۔ اپنے مفاد کے لئے اگر علما کو گالی دینی پڑے تو دیدو، اگر اپنے کارکنوں کے (بقول متحدہ) قاتلوں سے بھی ہاتھ ملانا پڑے تو ملا لو، ایک دن ایک فرد اور پارٹی کو ملک و قوم کا دشمن نمبر ایک اور غدار کہو اور اگر مفاد ہو تو دوسرے ہی دن اس کے گھر جاکر مفاہمت کی باتیں کرو۔ اگر دشمن کو گالی دینی پڑے تو دیدو، اگر راستے سے ہٹانا پڑے تو ہٹا دو۔ میرے خیال میں لوگ بھولے نہیں ہونگے جب ۲۰۰۷ میں اچانک کراچی کی سڑکوں پر بے ہودہ اور فحش قسم کے نعرے عمران خان کے خلاف لکھے گئے تھے اور شہر کی دیواروں پر عمران خان کے خلاف شرمناک چاکنگ کی گئی تھی۔

کیا ہی بات ہے جی اس طرز سیاست کی، زیادہ پرانی بات نہیں ہے کہ بریگیڈیئر امتیاز نامی ایک صاحب نے انکشافات کے نام پر ایک سرکس لگایا تھا اور اس سرکس میں انہوں نے انکشاف کیا تھا کہ کراچی آپریشن میاں نواز شریف نے شروع کرایا تھا۔ اور وہ آپریشن غلط تھا۔ اس کے بعد ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ میاں نواز شریف سے ان باتوں کا حساب لیا جاتا۔ چوہدری شجاعت اس دور میں وزیر

داخلہ تھے۔ ان کے خلاف ایف آئی آر کٹوائی جاتی، پی پی پی کی حکومت سے بھی کراچی آپریشن کا حساب لیا جاتا اور جنرل نصیر اللہ بابر جن کو متحدہ نے جنگی جرائم کا مجرم قرار دیا تھا اس حوالے سے بات کرتے۔ لیکن چونکہ یہ سارے معاملات کارکنوں سے متعلق تھے ''بھائی'' سے متعلق نہیں تھے اس لئے صرف میڈیا پر شور مچانے پر اکتفا کیا گیا۔ اور نہ صرف اکتفا کیا گیا بلکہ چند ماہ پیشتر جب مسلم لیگ ن کے اسحٰق ڈار کراچی آئے اور نائن زیرو کا دورہ کیا تو ان کو پر جوش طریقے سے ویلکم کہا گیا۔ اور اس وقت یہ بات کہی گئی کہ مسلم لیگ ن اور ایم کیو ایم میں کچھ نظریاتی اختلافات ہیں اور کوئی بات نہیں۔ لیکن جب میاں صاحب نے براہ راست قائد پر بات کی کہ ''گیارہ سال تک آمر کا ساتھ دینے والے انقلاب کی بات کر رہے ہیں'' تو بھائی سے برداشت نہ ہوا اور ''بھائی'' کو اور متحدہ کے دیگر قائدین کو اچانک دوبارہ یاد آیا کہ میاں نواز شریف نے تو'' آمر کا دودھ پیا'' ہے۔ ان لوگوں کو اچانک یاد آگیا ہے کہ میاں صاحب کے دور میں کراچی آپریشن کا آغاز کیا گیا تھا اور تو اور یہ بھی یاد آگیا کہ میاں صاحب کے دور میں سپریم کورٹ پر حملہ کیا گیا تھا۔ غالباً جس وقت اسحٰق ڈار صاحب نے نائن زیرو کا دورہ کیا تھا اس وقت تک ان لوگوں کو پتہ نہیں تھا کہ میاں صاحب یہ سب کچھ کر چکے ہیں۔

بہرحال گزشتہ روز کی تقریر سن کر ایسا لگ رہا تھا کہ گویا کہ گلی محلے کا

کوئی لفنگا اپنے مخالفین کو للکار رہا ہے۔ اور جس جماعت کا قائد ایسا ہو تو پھر اس کے کارکن جو کچھ بھی کریں وہ کم ہے۔ لیکن کم از کم لوگوں کو یہ اندازہ تو ہو گیا ہو گا کہ اس جماعت کا، اس کے قائدین کا اور اس کے کارکنوں کا عمومی کردار کیا ہے۔

سیاسی جماعتیں اور آمریتیں

پاکستان میں موجود سیاسی جماعتوں سے اگر آمریت کے بارے میں سوال کیا جائے تو جواب میں ایک دلچسپ بات سامنے آئے گی کہ سیاسی جماعتوں کے نزدیک آمریت یا مارشل لا دراصل فوجی حکمرانی کا نام نہیں ہے بلکہ ان کے نزدیک مارشل لا دراصل اس وقت کا نام ہے جب ان کی پارٹی کی حکومت کو برطرف کیا گیا یا ان کے مخالفین کے حامی جنرلز کی حکومت کا نام مارشل لا ہے اور ان کے حامی جنرلز کی حکومت مارشل لا نہیں ہے۔ ہے نا عجیب بات لیکن حقیقت یہی ہے۔

پاکستان پیپلز پارٹی تین دفعہ حکومت میں آچکی ہے اور اس وقت اس کا چوتھا دور حکومت ہے۔ پیپلز پارٹی مسلم لیگ کے مقابلے میں خود کو جمہوری اقدار کی امین گردانتی ہے اور مسلم لیگ کو آمریت کی پیداوار۔ جبکہ ان کے رہنما بھی سارا زور آمریت کی مذمت میں ہی لگاتے ہیں اور ہمیشہ جمہوری اقدار کی باتیں کرتے ہیں اور ان کو یہ شکایت ہے کہ ایک آمر (جنرل ضیا الحق) نے ان کے محبوب لیڈر ذوالفقار علی بھٹو کو قتل کیا اور میاں نواز شریف کو پروموٹ کیا۔ یہ بات درست بھی ہے اور یہی حقیقت بھی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ پی پی پی کے بانی چیئرمین ذوالفقار علی بھٹو صاحب بھی فوجی

جرنیلوں کے سہارے ہی سیاست بھی داخل ہوئے تھے اور فیلڈ مارشل ایوب خان کے دور میں انہوں نے عملی سیاست بھی حصہ لینا شروع کیا اور بہت جلد ان کی کابینہ میں وزیر خارجہ کے عہدے پر فائز ہوگئے۔ ذوالفقار علی بھٹو مرحوم وقت کے آمر فیلڈ مارشل ایوب خان کو ''ڈیڈی'' کہتے تھے۔ ایک فیلڈ مارشل کو وہ ڈیڈی کہتے تھے اور اس کے بعد آنے والے آمر جنرل یحیٰ خان کے ساتھ ان کی دوستی بھی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ جس وقت پاکستان دولخت ہورہا تھا، مشرقی پاکستان ''بنگلہ دیش'' بن رہا تھا اور مشرقی پاکستان میں فسادات رونما ہو رہے تھے اس وقت ذوالفقار علی بھٹو مرحوم نے جنرل یحیٰ خان لاڑکانہ میں شکار کی دعوت دی تھی اور عینی شاہدین کے مطابق جس وقت ڈھاکہ جل رہا تھا ذوالفقار علی بھٹو مرحوم عین اسی وقت یحیٰ خان اور دیگر فوجی جرنیلوں کے ساتھ شراب نوشی میں مشغول تھے۔ جنرل ضیا الحق کو بھی انہوں نے اپنے ہی مقاصد کے لئے سینئر جنرلز کو نظر انداز کرکے چیف آف آرمی اسٹاف بنوایا تھا جس کے پس پردہ ان کا مقصد یہ تھا کہ یہ جونئیر ہے، ہمیشہ احسان مند رہے گا اور ہمارے کام آئے گا۔ لیکن ''تدبیر کند بندہ تقدیر زند خندہ'' کے مصداق ان کے ساتھ اس کے برعکس ہوا اور وہی ضیا الحق ان کے زوال کا باعث بن گئے۔ یاد رہے کہ چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کا عہدہ بھی مرحوم ذوالفقار علی بھٹو نے ہی تخلیق کیا تھا اور خود کو ہی اس عہدے پر فائز کیا تھا۔ لیکن پی پی پی ان سب باتوں کو فراموش کرکے صرف جنرل ضیا الحق کی آمریت کا رونا روتی ہے اور

نواز شریف و دیگر کو آمریت کی پیداوار کہتی ہے۔

اسی طرح اگر مسلم لیگ (ن) کے نزدیک مارشل جنرل (ر) پرویز مشرف کی حکومت کا نام ہے اس سے پہلے کے آمری ادوار ان کے نزدیک مارشل لا نہیں ہیں۔ مسلم لیگ ن کے قائد میاں نواز شریف کو جنرل ضیاالحق نے اپنی سرپرستی میں لیا تھا اور ان کی سیاسی تربیت کی اور اس کا مقصد پنجاب میں پی پی پی کی مقبولیت کو ختم کرکے لسانی بنیادوں پر پنجاب میں میاں صاحب کو متعارف کرایا جائے تاکہ سندھی اور پنجابی کی تقسیم کی جائے اور پی پی پی کو پنجاب سے ختم کیا جاسکے (لیکن ان کی اور میاں صاحب کی تمام تر کوششوں کے باوجود ابھی تک ایسا نہ ہوسکا ہے)۔ جنرل ضیاالحق کے دور میں پاکستان کو چار تحفے ملے، ہیروئن، کلاشنکوف، افغان مہاجرین، اور ایم کیو ایم۔ ہیروئن نے ہماری نوجوان نسل کو نشے کا عادی بناکر انہیں کہیں کا نہیں چھوڑا، اور آج تک یہ لعنت ہمارے ملک سے ختم نہیں کی جاسکی ہے، پاکستان کو نشے کی لعنت اسی دور میں ملی، اسی دور میں پاکستان میں کلاشنکوف کلچر متعارف کرایا گیا اور یہ کلچر بھی آج تک ہمارے ملک میں رائج ہے نہ صرف رائج ہے بلکہ اس نے ترقی کرتے کرتے سیاست میں بھی قدم رکھ دیا ہے اور اب ہماری سیاست بھی ایک لحاظ سے کلاشنکوفی سیاست بن چکی ہے (ایم کیو ایم کے الطاف حسین صاحب نے تو جلسہ عام میں کہا تھا کہ ”ٹی وی سی آر بیچو اور کلاشنکوف خریدو“)۔ افغان مہاجرین کو اس دور میں

پاکستان میں بسایا گیا،اگر ان کو کیمپوں تک ہی محدود رکھا جاتا تو شائد آج ہمارے ملک کی یہ حالت نہ ہوتی لیکن ان کو کیمپوں تک محدود کرنے کے بجائے پورے ملک میں پھیلا دیا گیا اور انہوں نے یہاں کاروبار کرنے اور جائیدادیں خریدنے شروع کردیں ۔اس کے ساتھ ساتھ یہ لوگ اسمگلنگ اور منشیات کے دھندوں میں بھی ملوث رہے ہیں۔ ہمارے سرکاری اداروں کے ناقص انتظامات اور رشوت کے باعث ان لوگوں نے پاکستانی شناختی کارڈ اور پاسپورٹس تک بنالئے اور اسی سبز پاسپورٹ کی بنیاد پر انہوں نے منشیات کی اسمگلنگ کی (یہ ایک حقیقت ہے کہ سعودیہ میں سر قلم کئے جانے والے پاسپورٹ کے لحاظ سے تو پاکستانی ہی ہوتے ہیں لیکن ان میں سے اکثریت افغانی النسل ہوتے ہیں)۔

جنرل ضیا الحق کے دور میں ہی لسانی بنیادوں پر عوام کو تقسیم در تقسیم کرنے کا عمل شروع کیا گیا اور پنجاب میں میاں نواز شریف کو سپورٹ کیا گیا جبکہ کراچی میں ایک طالبعلم لیڈر الطاف حسین کو پروموٹ کیا گیا اور کراچی میں ان کو پروموٹ کرنے کا مقصد کراچی سے مولانا شاہ احمد نورانی کی جمعیت علما پاکستان اور جماعت اسلامی کو کمزور کرنا تھا اور کراچی عوام کی مذہبی تنظیموں کے وابستگی اور مارشل لا کی مخالفت کی سزا دینے کے لئے ایک سیکولر پارٹی تخلیق کی گئ جس کی سیاست کی بنیاد لسانیت پر رکھی گئ تاکہ کراچی کا اسلامی تشخص ختم کیا جاسکے لیکن ناموس رسالت کے حوالے سے اکتیس دسمبر کو

پورے ملک میں ہونے والی پر امن ہڑتال جس میں ایک پتھر نہیں مارا گیا، ایک گولی نہیں چلائی گئی، ایک گاڑی نہیں جلائی گئی اور کراچی میں (پیر صاحب پگارا کے ہڑتال کی حمایت نہ کرنے کے باوجود) لاکھوں افراد پر مشتمل ریلیوں نے ثابت کیا کہ پاکستان اور بالخصوص کراچی کے لوگ آج بھی اپنے دین پر مر مٹنے کا جذبہ رکھتے ہیں۔ واضح رہے کہ ماضی بعید اور ماضی قریب میں کراچی میں ہڑتال کی کامیابی اسی صورت میں ممکن ہوتی ہے کہ ایک دن قبل سے ہی جلاؤ گھیراؤ شروع کر دیا جائے اور جب تک بارہ پندرہ گاڑیاں نہ جلائی جائیں اور آٹھ دس بے گناہ لوگوں کی جان نہ لی جائے اس وقت تک کوئی ہڑتال کامیاب نہیں ہو سکتی۔ لیکن مسلم لیگ (ن) کے نزدیک مارشل لا صرف پرویز مشرف کی حکومت کا نام ہے جس نے ان کی حکومت کو برطرف کیا جبکہ ضیا الحق دور کا مارشل لا ان کے نزدیک مارشل لا نہیں ہے۔ اگرچہ آج کل وہ اس سے برائت اور تمام ہی جنرلز کے احتساب کا نعرہ لگا رہے ہیں لیکن وہ اس میں کس قدر مخلص ہیں یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا۔ یہاں ایک بات اور بتاتا چلوں کہ موجودہ وزیر اعظم سید یوسف رضا گیلانی، موجودہ وزیر خارجہ مخدوم شاہ محمود قریشی صاحب بھی جنرل ضیا الحق کی مجلس شوریٰ میں شامل رہے ہیں لیکن چونکہ وہ اس وقت پی پی پی میں اس لئے ان کو آمریت کی پیداوار نہیں کہا جاتا البتہ اگر وہ کسی اور پارٹی میں ہوتے تو پی پی پی انکو بھی آمریت کی پیداوار قرار دے چکی ہوتی۔

ایم کیو ایم اگرچہ آمریت کی مخالفت کا دعویٰ کرتی ہے لیکن حقیقت یہی ہے کہ وہ جنرل ضیاالحق کے دور میں پروان چڑھائی گئی اور جنرل مشرف کے دور میں اس کو نئی زندگی بخشی گئی۔ جنرل پرویز مشرف جس نے ملک کی بنیادوں تک کو کھوکھلا کردیا اور جنرل مشرف نے بھی قصداً پاکستان کا اسلامی تشخص اور نظریاتی اساس ختم کرنے کے لئے اقدامات کئے، مجاہدین کو دہشت گرد قرار دیا گیا، کشمیر کے ایشو پر الٹی قلابازی لگائی گئی، ملک میں خلاف اسلام قانون سازی کی گئی، اسلامی شعائر کا مذاق اڑایا گیا، ملک میں غیر ملکی مداخلت کا دور شروع ہوا۔ ڈرون حملے ہونا شروع ہوئے، اپنی ہی فوج کو اپنے ہی عوام کے ساتھ لڑا دیا گیا۔ مہنگائی کا جو طوفان مشرف دور میں برپا ہوا وہ آج تک ویسا ہی ہے کیوں کہ پیٹرولیم قیمتوں میں ہر پندرہ دن بعد نظرِ ثانی کا کام مشرف دور میں ہی شروع کیا گیا اور عوام پر ہر پندرہ دن بعد پیٹرول بم گرائے جانے لگے۔ واضح رہے کہ مشرف دور سے پہلے پیٹرول بیس روپے لیٹر تھا جو کہ مشرف دور کے آغاز میں بڑھنا شروع ہوا اور مشرف دور میں ہی اس کی قیمت ستر روپے لیٹر تک پہنچ گی، (اور یکمشت دس تا بارہ روپے تک بھی قیمت بڑھائی گئی) ایم کیو ایم کے نزدیک مشرف کی حکومت مارشل لا نہیں ہے بلکہ عین جمہوری حکومت تھی۔ اور آئندہ کے لئے بھی ایم کیو ایم اس بات کی کوئی یقین دہانی نہیں کراتی کہ وہ کسی آمر کا ساتھ نہیں دے گی بلکہ وہ ایسی باتوں اور سوالات کے جواب میں گھما پھرا کر بات کو گول کرجاتی ہے۔

(اس مضمون کا دوسرا اور آخری حصہ آئندہ پیش کیا جائے گا)

گورنر پنجاب کا قتل: حکومت ذمہ دار ہے

اور سلمان تاثیر کو قتل کر دیا گیا۔ مرنے کے بعد ہر انسان اپنے فطری انجام کو پہنچ جاتا ہے اور ہماری کوشش ہوتی ہے کہ کسی کے انتقال کے بعد اس کے کردار کے حوالے سے کوئی بات نہ کی جائے، اسی لئے ہم نے ڈاکٹر عمران فاروق کے قتل کے بعد ان کے بارے میں اس فورم پر کوئی بات نہیں کی حالانکہ نظریاتی طور پر وہ ہمارے مخالف تھے۔ لیکن گورنر سلمان تاثیر کا معاملہ کچھ مختلف ہے کیوں کہ ہم سمجھتے ہیں کہ ان کی متنازع شخصیت اور ان کے قتل کے بعد میڈیا پر ان کی قتل کو ایک غلط رخ دینے کی جو کوشش کی جارہی ہے اس پر ہم سمجھتے ہیں کہ چپ نہیں رہنا چاہیے۔۔ گورنر پنجاب سلمان تاثیر اپنے متنازع بیانات کے باعث اکثر میڈیا میں رہتے تھے۔ ان کی ایک وجہ شہرت تو ن لیگ کے ساتھ ان کی مخاصمت تھی لیکن نومبر 2010 میں گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آسیہ مسیح کی حمایت میں اس کی جانب سے از خود معافی کی درخواست لکھنا اور پھر توہین رسالت کے قانون کو کالا قانون کہنے اور اس میں ترامیم یا اس قانون کو ختم کرنے کی کوششوں پر وہ اس وقت انتہائی متنازع شخصیت بن گئے تھے اور تمام ہی مکاتب فکر کے علما نے ان کو گورنری سے الگ کرنے کیلئے حکومت پر دباؤ بڑھانا شروع کیا تھا اور اسی حوالے سے تمام ہی مکاتب فکر کے علما و مذہبی تنظیموں نے گورنر کی برطرفی اور اس

قانون کو ختم یا ترمیم کرنے کے خلاف ''ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم '' کا آغاز کیا تھا اور 31 دسمبر 2010 کو ہونے والے ملگ گیر ہڑتال اسی سلسلے کی کڑی تھی۔ ہم سمجھتے ہیں کہ گورنر پنجاب کے قتل کی ذمہ داری مکمل طور پر حکومت ،دین بیزار این جی اوز اور خود سلمان تاثیر صاحب پر عائد ہوتی ہے کیوں کہ جب آپ کسی کی بات نہ سنیں، قانون پر عمل نہ کریں اور لوگوں کے مذہبی و دینی جذبات مجروح کریں تو پھر ایسے واقعات ہوتے ہیں۔ دیکھیں گورنر پنجاب کی جانب سے توہین رسالت کے قانون کو کالا قانون کہنے اور ملعونہ آسیہ مسیح کی حمایت کے باعث لوگوں کے دلی جذبات مجروح ہوئے تھے ،اس پر عوام اور مذہبی جماعتوں کی جانب سے گورنر کو اپنی پوزیشن واضح کرنے اور حکومت سے ان کو گورنری سے .برطرف کرنے کا مطالبہ کیا جارہا تھا جو کہ غلط نہیں تھا کیوں کہ اول تو بطور گورنر ان کی از خود ایک قیدی کے پاس جاکر ملنا اور اس کی جانب سے از خود معافی کی درخواست لکھنا بجائے خود ایک غلط کام تھا اور یہاں یہ بھی واضح کرتے چلیں کہ گورنر پنجاب کے بقول وہ انسانی ہمدردی کی بنیاد پر اس معاملہ کو دیکھ رہے تھے لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ ڈیڑھ سال سے زائد عرصے تک چلنے والے آسیہ کے مقدمے کے دوران کسی حکومتی عہدیدار نے اس معاملہ کو نہیں دیکھا تا وقتیکہ کہ اس کو سزائے موت سنائی گئی اور سزائے موت سنائے جانے کے

بعد ویٹی کن سٹی سے پوپ بنی ڈکٹ نے اس سزا کے خلاف آواز اٹھائی اور حکومت سے آسیہ کی رہائی کا مطالبہ کیا اور اس کے بعد ہی حکومت نے عیسائی ایجنڈے پر عمل کرتے ہوئے ملعونہ آسیہ کی رہائی کی کوششیں شروع کر دیں۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے انسانی ہمدردی نہیں بلکہ پوپ اور دیگر غیر مسلم قوتوں کے کہنے پر یہ سارا کام کیا جارہا تھا۔

دوسری بات کہ جب ملک میں ایک قانون موجود ہے کہ اگر کسی کو سیشن یا مقامی عدالت سے کوئی سزا سنائی جاتی ہے تو اس ملزم کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس فیصلے کے خلاف اعلیٰ عدالت میں رجوع کر سکتا ہے اور وہاں اپنی بات کر سکتا ہے تو اس قانون کے ہوتے ہوئے تمام دین بیزار این جی اوز، گورنر پنجاب و دیگر اس حق کو استعمال کرنے کے بجائے صرف اور صرف اس قانون کی منسوخی یا ترمیم کی ہی کوشش کیوں کر رہے تھے؟

تیسری بات کہ اگر آسیہ مسیح کے خلاف اس قانون کو انتقامی طور پر استعمال کیا گیا تو اصولی طور پر اس کے خلاف مقدمے کرنے والے مولوی سالم، غلط ایف آئی آر کاٹنے والے پولیس اہلکاروں، اور جھوٹی گواہی دینے والوں کے خلاف جوابی مقدمہ دائر کیا جاتا اور ان کے خلاف میڈیا پر بات کی جاتی لیکن قارئین خود یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس پورے معاملے میں ایسا نہیں ہوا

بلکہ ہر وہ دین بیزار فرد جس کو دین کی معمولی باتوں کا بھی علم نہیں وہ لٹھ لیکر اس قانون کے پیچھے پڑا ہوا ہے کہ اس قانون کو ختم کیا جائے۔ اور ہم پھر یہ بات کہتے ہیں اگر قانون کا غلط استعمال ہوا ہے تو اس غلط استعمال کے مرتکب افراد کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے ناکہ اس قانون کو ہی ختم کیا جائے۔

میڈیا پر ان کے قتل کے بعد ایک بار پھر دین بیزار طبقے نے اس کو کیش کرنے کی کوشش کی اور اچانک ہی تمام لوگوں کو اسلام کی تعلیمات یاد آگئیں اور ان کو پتہ چلا کہ اسلام تو امن و آشتی کا مذہب ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کو یہ بھی یاد آیا کہ ہر معاملے پر صبر و تحمل اور برداشت کا ثبوت دیا جانا چاہیئے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی کہی جارہی ہے کہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لینا اچھی بات نہیں ہے۔ بے شک یہ ساری ہی باتیں درست ہیں الغرض ایک ایسا تاثر دیا جارہا ہے گویا کہ کل گورنر پنجاب نے کوئی بیان دیا تھا اور اس کے ردعمل میں آج ان کو قتل کردیا گیا۔ ہم اسی حوالے سے اپنی بات کریں گے۔

دیکھیں یہ درست ہے کہ اسلام امن و آشتی کا درس دیتا ہے، اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لینا نہیں چاہئے اور بجا کہ مسلمانوں کو صبر و برداشت کا ثبوت دینا چاہئے۔ سب سے پہلی بات کہ قانون کا احترام کرنا

چاہیے اور قانون کو اپنے ہاتھ میں نہیں لینا چاہئے۔ اور اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنا چاہئے وہ میڈیا اور حکومتی ارکان جو اس واقعے پر بڑھ چڑھ کر بول رہے ہیں کسی نے ان سے ایک سوال نہیں کیا کہ ملزم ملک ممتاز قادری کے والد اور چار بھائیوں کو کس جرم میں گرفتار کیا گیا؟ جب ایک ملزم کو رنگے ہاتھوں گرفتار کیا گیا اور اس نے قبول کیا کہ قتل اسی نے کیا ہے اور اس کی وجہ بھی بتا دی تو پھر جائے واردات سے دیگر چار لوگوں کو کیوں گرفتار کیا گیا؟ اسلام کی تعلیمات کا درس دینے والوں کو یہ بات یاد نہیں آئی کہ ''باپ کے جرم کا بدلہ بیٹے سے نہیں لیا جائے اور بیٹے کے جرم باپ کو گرفتار نہیں کیا جاسکتا اسلام کی تعلیمات کیمطابق تو جو مجرم ہے اسی کو سزا دی جانی چاہئے تو پھر اس کے بھائیوں کو کیوں گرفتار کیا گیا؟ اپنے مطلب کے لئے اسلام کا نام لینے والوں کی نیت میں فتور کا اندازہ تو اسی بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ خود قانون شکنی اور اسلام کی تعلیمات کے برخلاف عمل کر رہے ہیں۔

صبر و برداشت اور بات چیت کے ذریعے معاملے کو حل کرنے والے ایک بار پھر عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کر رہے ہیں کیوں کہ ایسا نہیں ہے کہ گورنر پنجاب نے قتل سے ایک دن قبل کوئی بیان دیا تھا بلکہ انہوں نے 20 نومبر کو ملعونہ آسیہ سے جیل میں ملاقات کی تھی اور متنازعہ بیان

دیا تھا۔ اس بات کو بھی تقریباً ڈیڑھ مہینہ گزر گیا، اس دوران عوامی احتجاج، گورنر کے خلاف پٹیشن، صدر سے ان کو برطرف کرنے کا مطالبہ، یہ سب باتیں کی گئیں لیکن حکومت نے نہ اس معاملہ پر کوئی کردار ادا نہیں کیا اور نہ ہی خود گورنر پنجاب نے اپنے بیان پر کسی ندامت یا شرمندگی کا اظہار کیا۔ اصولی اور قانونی طور پر جو فرد شعائر اسلام کے خلاف بات کرے اس کو اعلیٰ عہدے نہیں دیے جاسکتے، (وزیر داخلہ صاحب کو سورہ اخلاص نہیں آتی، جمشید دستی عدالت میں پہلا کلمہ نہیں سنا سکے، اور گورنر صاحب کی شراب نوشی و دیگر قبیح عادات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں تھیں) جب آپ عوام کی بات نہ سنیں، خود قانون پر عمل نہیں کریں اور قانون کا مذاق اڑائیں اور طاقت اور اقتدار کے زور پر عوام کے مذہبی و دلی جذبات مجروح کریں اور ان کو ان بند گلی میں لاکھڑا کریں تو پھر ایسے واقعات ہی ہوتے ہیں۔ غازی علم دین کے معاملے میں بھی یہی ہوا کہ جب گستاخ کو جان بوجھ کر ڈھیل دی گئی اور قانون پر عمل نہیں کیا گیا تو اس کو جہنم واصل کیا گیا تھا اور گورنر پنجاب کے معاملے پر بھی یہی کچھ ہوا ہے۔ اس لئے ہم سمجھتے ہیں ان کے قتل کی اصل ذمہ دار حکومت اور مغربی ایجنڈے پر چلنے والی دین بیزار این جی اوز ہیں۔ اور یہ بھی ہم آپ کو بتاتے چلیں کہ توہین رسالت کے قانون پر عمل درآمد اور سختی سے ہی ایسے واقعات کو روکا جاسکتا لیکن اگر اس قانون کو ختم کیا گیا یا ایسے مجرمین کا تحفظ کیا گیا تو پھر عوام قانون اپنے ہاتھ میں لینے پر مجبور ہوجائیں گے۔

ہاں جماعتِ اسلامی ناکام جماعت ہے

سیاسی جماعتیں اور آمریتیں

ہاں جماعت اسلامی ناکام جماعت ہے اسے موقع پرستی نہیں آتی ، وہ چاہتی تو آمروں کے لگائے گئے مارشل لاء کی حمایت کرکے کئی فوائد حاصل کرسکتی تھی لیکن جماعت اسلامی نے ہر دور میں مارشل لاء کی مخالفت کی ہے۔ ایوب دور میں مولانا مودودی کو سزائے موت سنائی گئی جو بعد ازاں عالمی دباؤ پر ختم کی گئی۔ مولانا مودودی کو جب سزائے موت سنائی گئی تو سنانے کے بعد جج نے پوچھا "مولانا آپ کو اس پر کچھ کہنا ہے اور مولانا نے بلاتامل جواب دیا کہ مجھے اس پر کچھ نہیں کہنا ہے زندگی اور موت کے فیصلے زمین پر نہیں بلکہ آسمانوں پر ہوتے ہیں" ایوب ہی کے دور میں جماعت اسلامی کے خلاف کریک ڈاؤن کیا گیا اور اس کو کالعدم قرار دیا گیا۔ ایوب ہی کے دور میں جماعت اسلامی کے جلسہ عام میں فائرنگ کی گئی اور ایک کارکن کو شہید کیا گیا اور اسی جلسہ عام میں مولانا مودودی اسٹیج پر کھڑے تھے اور کسی نے کہا "مولانا گولیاں چل رہی ہیں آپ بیٹھ جائیں" تو مولانا مودودی نے تاریخی جملہ کہا تھا "اگر آج میں بھی بیٹھ گیا تو کھڑا کون رہے گا ؟" ایسے لوگ بھلا کہیں کامیاب ہوتے ہیں؟ ہاں مشکل وقت میں ملک سے بھاگنے والے، آمروں سے ڈیل کرنے والے، موقع کی مناسب سے

اصول اور پارٹیاں بدلنے والے ہی کامیاب ہوتے ہیں جماعت اسلامی تو ناکام جماعت ہے۔

جماعت اسلامی نے ضیاء الحق کے مارشل لاء کی بھی مخالفت کی، ابتدا میں جماعت اسلامی نے ضیاء الحق کو پارلیمنٹ کے ذریعے باہر کرنے کی کوشش کی اور اس کی کابینہ میں شامل رہی لیکن محض آٹھ یا نو ماہ بعد ہی اس کی کابینہ سے الگ ہو گئی۔ اس حوالے سے جب اس وقت کے امیرِ جماعت میاں طفیل محمد سے سوال کیا گیا تو مجھے اس وقت پورا فقرہ یاد نہیں لیکن انہوں نے کچھ اس قسم کا جملہ کہا تھا کہ "اگر شیشے کے گھر میں ایک بھپرا ہوا سانڈ گھس جائے تو آپ کیا کریں گے؟ اس کے ساتھ سختی کریں گے تو وہ پورے گھر کو تہس نہس کر دے گا اس لئے گھر کو بچانے کے لئے ضروری ہے کہ سانڈ کو پچکار کر قابو کیا جائے" جماعت اسلامی پر ضیاء الحق کی باقیات کا طعنہ تو دیا جاتا ہے لیکن لوگ بھول جاتے ہیں کہ مسلم لیگ جونیجو گروپ، میاں نواز شریف، مخدوم شاہ محمود قریشی، جناب سید یوسف رضا گیلانی جیسے لوگ بھی ضیا الحق کی کابینہ میں شامل تھے اور اس وقت ایم کیو ایم نو مولود تھی اس لئے اس کو اہمیت نہیں دی گئی ورنہ اس کے ریکارڈ کو دیکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ اگر موقع ملتا تو وہ بھی اس سے پورا فائدہ اٹھاتی۔

مشرف دور میں جماعت اسلامی نے ایم ایم اے کے پلیٹ فارم سے الیکشن میں حصہ لیا، اور جنرل مشرف کی سترہویں ترمیم پر حمایت کے لئے ایک معاہدہ کیا جس کے تحت جنرل مشرف کو ۳۱ دسمبر ۲۰۰۴ تک آرمی چیف کا عہدہ چھوڑنے کا پابند کیا۔ وعدہ خلافی مشرف نے کی، معاہدہ مشرف نے توڑا لیکن افسوس کہ ہمارے سیاست دان اور سیاسی پارٹیاں اور ان کے حامی اخلاقی گراوٹ کی اس سطح پر ہیں کہ ایک جھوٹے اور فریبی وعدہ خلاف فرد کو کچھ کہنے کے بجائے جماعت اسلامی اور ایم ایم اے کو موردِ الزام، ٹھہراتے ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ جو لوگ ایم ایم اے کو مشرف کی حمایت پر طعنہ دیتے ہیں وہی تمام لوگ مشرف کی کابینہ میں شامل تھے، ایم کیو ایم مشرف کے آٹھ سالہ دور میں مزے کرتی رہی، اس دور میں صوبائی وزارت داخلہ، مذہبی امور کی وزارت، پورٹ اینڈ شپنگ کی وزارت اور دیگر اہم پوسٹس، کراچی و حیدرآباد کی نظامت ایم کیو ایم کے پاس تھی۔ ق لیگ آج تمام خرابیوں کی جڑ مشرف کو کہتی ہے لیکن اس وقت وہ مشرف کو بیس سال تک باوردی صدر منتخب کرنے کا اعلان کر رہی تھی۔ پی پی پی اور بی بی بیک وقت سیاسی جماعتوں، امریکہ اور مشرف سے مذاکرات کرتے رہے ایک طرف سیاسی جماعتوں کو اپنے ساتھ لگائے رکھا اور دوسری جانب مشرف کے ساتھ بھی ڈیل کی جاتی رہی۔ یہ ساری باتیں ایک طرف لیکن جب آمریت کے ہاتھ مضبوط کرنے کی بات آتی ہے تو سب کا نزلہ ایم ایم اے

اور اس میں بھی جماعت اسلامی پر ہی گرتا ہے۔

سترہویں ترمیم پر جماعت اسلامی کو طعنہ دینے والوں سے ایک سوال پوچھنا چاہوں گا کہ کیا جنرل مشرف کو سترہویں ترمیم پر صرف جماعت اسلامی یا ایم ایم اے نے ووٹ دیا تھا؟ کیا دیگر تمام جماعتوں نے اس ترمیم کے خلاف ووٹ دیا تھا؟ اور محض جماعت اسلامی کے اکیلے ووٹوں سے سترہویں ترمیم منظور کی گئی تھی۔؟ اس سوال کا جواب معلوم کریں گے تو سارے لوگ بغلیں جھانکتے نظر آئیں گے۔ جواب ہے کہ نہیں۔

جماعت اسلامی اگر اس کی مخالفت کرتی جب بھی سترہویں ترمیم منظور کرالی جاتی، لوٹے اس وقت بھی موجود تھے۔ ہارس ٹریڈنگ اس وقت بھی عروج پر تھی اور گھوڑے تیار تھے کہ اگر ہماری قیمت لگائی جائے تو ہم بکنے کو تیار ہیں لیکن جماعت اسلامی نے ایک کوشش کی کہ اپنے ووٹ کے ذریعے آمر کو وردی اتارنے پر مجبور کیا جائے اور اس مطلق العنان آمر کو معاہدہ کرنا پڑا، لیکن اگر کوئی فرد وعدہ کرکے مکر جائے تو کیا کہا جاسکتا ہے؟

جو لوگ بھی جماعت اسلامی کے اندر داخل ہوئے اور بعد میں الگ ہوئے اس کی وجہ جماعت اسلامی کی کمزوری نہیں بلکہ جماعت اسلامی کے اخلاقی معیار کی بلندی ہے جس کو ہر کوئی فرد نہیں پاسکتا۔ لوگ جماعت اسلامی کو بھی ایک عام جماعت

سمجھ کر اس میں شامل ہوتے ہیں لیکن جب معلوم ہوتا ہے کہ جناب جماعت اسلامی آپ کے غلط کام میں مددگار نہیں ہوگی، میرٹ کے خلاف آپ کی سفارش نہیں کرے، آپ چاہے کوئی ٹاؤن ناظم ہیں یا رکن اسمبلی آپ سے سے پندرہ روزہ اور ماہانہ بنیادوں پر آپ کے معمولات کی رپورٹ طلب کی جائے گی کہ جناب ذرا بتائیں کہ اس ماہ کتنی نماز فجر باجماعت ادا کی گیں؟ کتنے کارکنان سے ملاقات کی؟ حلقے میں کتنے لوگوں سے رابطہ کیا؟ اور ایسے دیگر معاملات ہیں جن پر جماعت اسلامی اپنے کارکنان کی بازپرس کرتی ہے تو جو تھڑدلے ہوتے ہیں، وہ جو جماعت اسلامی کو اپنے مفاد کے لئے استعمال کرنا چاہتے ہیں، وہ جو جماعت اسلامی کو ایک عام سیاسی جماعت سمجھتے ہیں، وہ جماعت اسلامی (یا جمیعت) سے نکلنے میں ہی عافیت محسوس کرتے ہیں۔ کیوں کہ عدالت، نیب، پولیس، تھانہ کچہری تو بعد کی بات ہے یہاں تو ہر ماہ آپ کو اپنا احتساب کرنا ہوتا ہے۔

وہ وقت بہت کڑا ہوتا ہے جب ہر ماہ کے آخر میں جائزہ کا اجتماع ہوتا ہے۔ اور اجتماع کے آخر میں ناظم یا امیر خواہ حلقے کا ہو۔ زون کا، شہر کا ہو یا صوبے کا، وہ اپنے آپ کو پیش کرتا ہے اور پکارتا ہے "ناظم کا احتساب" اور اس کے بعد کارکنان جس بے رحمی سے اپنے ناظم کے پورے ماہ کے روز شب کے دوران ناظم سے سرزد ہونی والی غلطیوں اور اس کی کوتاہیوں پر اس سے بازپرس کرتے

ہیں۔ اس کے غلط فیصلوں پر بے رحمی سے تنقید کرتے ہیں۔ جماعت اسلامی پر تنقید کرنے والے اس سخت قسم کے احتساب کا تصور بھی نہیں کر سکتے، اس لئے کہ ان کے نزدیک جو ذمہ دار ہوتا ہے، جو انچارج ہوتا ہے۔ جو سربراہ ہوتا ہے وہ ہر تنقید ہر احتساب سے بالاتر ہوتا ہے لیکن جماعت اسلامی میں ذمہ دار سب سے پہلے خود اپنے آپ کو احتساب کے لئے پیش کرتا ہے اس کے بعد کسی کارکن کا احتساب کرتا ہے۔ یہ شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا ہے لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا۔

ہاں جماعت اسلامی ایک ناکام جماعت ہے کیوں کہ اس کو اصولوں کو قربان کرکے مفادات حاصل کرنا نہیں آتا، زیادہ دور نہ جائیں اسی دور میں دیکھ لیں کہ کیا مسلم لیگ ن، کیا ق لیگ، کیا صدر، کیا وزیر اعظم اور کیا رحمان ملک و دیگر، جس کو دیکھو وہ ایم کیو ایم کی منتیں کرتا نظر آتا ہے اور نائن زیرو کے چکر لگاتا نظر آتا ہے، لیکن اسی ایم کیو ایم کا اعلیٰ سطح کا وفد خود چل کر جماعت کے مرکز منصورہ پہنچتا ہے اور اسے تعاون طلب کرتا ہے۔ اگر جماعت اسلامی ایک کامیاب جماعت ہوتی، اگر اس کو سیاست آتی تو وہ اس موقع سے فائدہ اٹھاتی، کچھ مفادات حاصل کرلیتی، لیکن انہوں نے بطور مہمان ایم کیو ایم کے وفد کا استقبال ضرور کیا لیکن وقتی مفادات کے تحت موجودہ سیاسی کشمکش کا حصہ بننا گوارہ نہ کیا۔

ہاں جماعت اسلامی ایک ناکام جماعت ہے کیوں کہ جس ملک میں عوامی نمائندے اقتدار میں آکر اپنی جیبیں بھرتے ہیں، اپنے مفادات حاصل کرتے ہیں اسی ملک میں صوبہ خیبر پختنخواہ کا سینیئر وزیر جب بجٹ پیش کرتا ہے تو معلوم ہوتا ہے اس نے وزیروں کی تنخواہوں میں اضافے کے بجائے ان میں ایک ایک ہزار روپے کمی کی ہے اور سب سے پہلے اپنی تنخواہ میں دو ہزار روپے کمی کی ہے۔ (پاکستان کی تریسٹھ سال کی تاریخ میں کوئی ایسی مثال ہے تو پیش کردیں (

جس ملک میں اولاد کی تعلیم کو والدین ایک بوجھ سمجھتے ہیں اور اپنا پیٹ کاٹ کر اپنے بچوں کو تعلیم دلاتے ہیں اس ملک کے ایک صوبے خیبر پختونخواہ میں، بچیوں کے لئے تعلیم پرائمری تک تعلیم مفت کردی جاتی ہے۔ اور کراچی جیسے شہر میں تو سٹی ناظم نعمت اللہ ایک انوکھی مثال قائم کرتے ہیں کہ مڈل تک بچیوں کی نہ صرف تعلیم مفت کرتے ہیں بلکہ ان کے لئے سٹی گورنمنٹ کی جانب سے وظیفہ بھی مقرر کیا جاتا ہے تاکہ والدین بچیوں کو تعلیم دلا سکیں (تریسٹھ سال میں کوئی ایسی مثال ہے تو پیش کریں) اور یہ بھی واضح رہے کہ ان کے بعد آنے والے سٹی ناظم نے اس پروگرام کو ختم کردیا تھا۔

ہاں جماعت اسلامی ایک ناکام جماعت ہے جس ملک میں عوامی نمائندے اقتدار میں

آنے کے بعد لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم کرتے ہیں، اپنی جائیدادیں بناتے ہیں، اس ملک میں جماعت اسلامی کے لوگ اقتدار کے ایوانوں سے واپس آئے ہیں تو پلے کچھ بھی نہیں ہوتا۔ سابق ایم پی اے نصر اللہ خان شجیع ۵ سال تک اسمبلی کے ممبر اور ڈپٹی پارلیمانی لیڈر رہتے ہیں لیکن جب ۵ سال کے بعد اقتدار سے باہر آتے ہیں معلوم ہوتا ہے ان کے پاس آج تک اپنی ذاتی موٹر سائیکل تک نہیں ہے۔ محمد حسین محنتی منتخب ہونے سے پہلے جس جگہ رہتے تھے آج بھی اسی گھر میں رہائش پذیر ہیں۔ لئیق خان اورنگی ٹاؤن سے منتخب ہوتے ہیں اور ۵ سال کے بعد جب حکومت ختم ہوتی ہے تو اسی اورنگی ٹاؤن میں اسی مکان میں رہ رہے ہیں۔

ہاں جماعت اسلامی ناکام جماعت ہے کہ اس کو موقع سے فائدہ اٹھانا نہیں آتا، صوبہ خیبر پختونخواہ کے سینئر وزیر ۵ سال تک اقتدار میں رہتے ہیں اور جب حکومت ختم ہوتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے حکومت میں آنے سے پہلے وہ جس دو کمرے کے چھوٹے سے مکان میں رہتے تھے آج بھی اسی مکان میں رہائش پذیر ہیں۔ جس ملک میں عوامی نمائندے اور حکومتی اہلکار غیر ملکی دوروں پر اربوں روپے اڑاتے ہیں اور جب یہ مرد درویش غیر ملکی دورے پر جاتا ہے تو وہاں کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں ٹھہرنے کے بجائے مسجد میں قیام کرتا ہے اور اپنے ساتھیوں کو بھی اپنے ساتھ ہی مسجد میں ٹھہراتا ہے۔ ایک ایسے (تریسٹھ سالوں میں کوئی ایسی مثال ہے تو پیش کریں) ایک ایسے ملک میں جہاں عوامی نمائندے

اپنے آپ کو احتساب سے بالاتر سمجھتے ہیں کوئی فرد یا کارکن تو دور کی بات ملکی عدالتیں چیختی چلاتی رہ جاتی ہیں اور یہ لوگ قانون کا مذاق اڑاتے رہتے ہیں ۔ایسے ملک میں، ایک مرد درویش اقتدار کے ۵ سال پورے کرنے کے بعد پہلا جمعہ پشاور کی تاریخی مسجد مہابت خان میں ادا کرتا ہے اور نماز کے بعد مسجد میں یہ اعلان کرتا ہے کہ " کہ لوگوں میں پانچ سال تک تمہارے صوبے کا سینیئر وزیر رہا ہوں،اس دوران میں نے کوئی زیادتی کی ہو، کسی کا حق مارا ہو، کسی کے ساتھ ظلم کیا ہو، کوئی غلط کام کیا ہو تو میں یہاں موجود ہوں آؤ اور میرا احتساب کرو، مجھ سے حساب لو" (اعتراض کرنے والے تریسٹھ سالوں میں کوئی ایک تو ایسی مثال پیش کردیں) یہ کوئی الف لیلیٰ زمانے کے قصے میں آپ کو نہیں سنا رہا بلکہ یہ سب اسی دور کے واقعات ہیں۔

ہاں جماعت اسلامی ایک ناکام جماعت ہے اسے اصولوں کو بیچنا نہیں آتا،اسے ذاتی مفادات کی سیاست نہیں آتی،۔ شعر میں ذرا سی ترمیم کے ساتھ عرض کیا ہے کہ

ان کا جو کام ہے وہ اہل سیاست جانیں
ہمارا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے

فتنہ خوارج : بنیادی عقائد اور پہچان

اسلام کے ابتدائی دور میں ہی کچھ فتنے اٹھے جنھوں نے اسلام کی شمع کو گل کرنے کی کوشش کی اور اس میں تفرقے کی بنیاد ڈالی، یوں تو متعدد گروہ وقتاً فوقتاً اٹھے اور اپنی موت آپ مر گئے لیکن کچھ گروہ ان میں قابل ذکر ہیں جنھوں نے نہ صرف یہ کہ ابتدائی دور میں اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچایا بلکہ ایسے گروہ آج بھی ہماری صفوں میں موجود ہیں اور اس وقت بھی مسلمانوں میں تفرقہ و فساد کی کوششوں میں مشغول ہیں۔ ایسے فرقوں میں سب سے اہم اور بڑا فرقہ '' خوارج '' کا ہے۔ خارجی عقائد کے ماننے والوں نے نہ صرف ابتدائی دور میں اسلام کے خلاف سازشیں کیں، صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین پر لعن طعن کا دروازہ کھولا بلکہ آج بھی ایسے لوگ موجود ہیں ضرورت ہے کہ ان کو پہچانا جائے اور ان کی چالوں سے بچا جائے۔ ہم یہاں فتنہ خوارج کے بارے میں مختصراً بیان کریں گے تاکہ قارئین ایسے لوگوں سے ہوشیار رہیں اور رہبر کے روپ میں کہیں رہزنوں کے ہتھے نہ چڑھ جائیں اس لئے نقل کفر کفر نہ باشد کے تحت ہم یہاں ان کے عقائد بیان کریں گے۔ معروف اسکالر اور گزشتہ صدی کے عظیم مفکر سید ابو الاعلیٰ مودودی فتنہ خوارج کے بارے میں کہتے ہیں کہ ''یہ گروہ جنگ صفین کے زمانہ میں اس وقت پیدا ہوا جب حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ اپنے اختلافات کا تصفیہ کرنے

کے لئے دو آدمیوں کو حَکَم مقرر کرنے پر راضی ہوگئے۔ اُس وقت تک تو یہ لوگ حضرت علیؓ کے حامیوں میں سے تھے۔ مگر تحکیم پر اچانک یہ لوگ بگڑ گئے اور انہوں نے کہا کہ خدا کے بجائے انسانوں کو فیصلہ کرنے والا مان کر آپ کافر ہوگئے ہیں۔ اس کے بعد یہ اپنے نظریات میں دور سے دور نکلتے چلے گئے اور چونکہ ان کے مزاج میں انتہائی تشدد تھا، نیز یہ اپنے سے مختلف نظریات رکھنے والوں کے خلاف جنگ اور غیر عادل حکومت کے خلاف خروج (یعنی مسلح بغاوت) کے قائل تھے، اس لئے انہوں نے ایک طویل مدت تک کشت و خون کا سلسلہ برپا رکھا یہاں تک کہ عباسی دور میں ان کی قوت کا بالکل خاتمہ ہوگیا۔ ان کا بھی سب سے زیادہ زور عراق میں تھا اور بصرہ و کوفہ کے درمیان البطائح کے علاقے میں ان کے بڑے بڑے اڈے قائم تھے۔ ان کے نظریات کا خلاصہ یہ ہے۔

ا۔ وہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کو خلافت کو درست مانتے تھے مگر حضرت عثمانؓ ان کے نزدیک اپنی خلافت کے آخر زمانہ میں عدل اور حق سے منحرف ہوگئے تھے اور قتل یا عزل کے مستحق تھے۔ حضرت علیؓ نے بھی جب غیر اللہ کو حکم بنایا تو گناہ کبیر کا ارتکاب کیا۔ نیز دونوں حَکَم (یعنی حضرت عمروؓ بن العاص اور حضرت ابو موسیٰؓ اشعری) اور ان کو حَکَم بنانے والے (یعنی حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ) اور ان کی تحکیم پر راضی ہونے والے (یعنی حضرت علیؓ و حضرت معاویہؓ کے سب ساتھی) گناہ گار تھے۔ جنگ جمل میں شریک ہونے والے سب

لوگ بھی حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ ام المومنین سمیت گناہ عظیم کے مرتکب تھے۔ (واضح رہے کہ یہ خوارج کے عقائد ہیں۔ اہل سنت والجماعت سمیت کسی بھی مسلمان گروہ کا یہ عقیدہ نہیں ہے۔ سلیم اللہ)

۲۔ گناہ ان کے نزدیک کفر کا ہم معنی تھے اور ہر مرتکب کبیرہ کو (اگر وہ توبہ و رجوع نہ کرے) وہ کافر قرار دیتے تھے اس لئے اوپر جن بزرگوں کا ذکر ہوا ان سب کی انہوں نے علانیہ تکفیر کی، بلکہ ان پر لعنت کرنے اور انہیں گالیاں دینے سے بھی وہ نہ چوکتے تھے۔ علاوہ بریں عام مسلمانوں کو بھی انہوں نے کافر ٹھہرایا، کیوں کہ اول تو وہ گناہوں سے پاک نہیں تھے۔ دوسرے وہ مذکورہ بالا اصحاب کو نہ صرف مومن بلکہ اپنا پیشوا مانتے ہیں اور ان کی روایت کردہ احادیث سے احکام شرعیہ ثابت کرتے ہیں۔

۳۔ خلافت کے بارے میں ان کی رائے یہ تھی کہ وہ صرف مسلمانوں کے آزادانہ انتخاب سے ہی منعقد ہو سکتی ہے۔

۴۔ وہ (یعنی خوارج) یہ بات نہیں مانتے تھے کہ خلیفہ کا قریشی ہونا ضروری ہے۔ وہ کہتے تھے کہ قریشی یا غیر قریشی، جس صالح آدمی کو بھی مسلمان منتخب کریں وہ جائز خلیفہ ہوگا۔

۵۔ ان کا خیال تھا کہ خلیفہ جب تک عدل اور صلاح کے طریقے پر قائم رہے تو اس کی اطاعت واجب ہے، مگر جب وہ اس طریقے سے ہٹ جائے تو پھر اس سے لڑنا اور اس کو معزول یا قتل کر دینا بھی واجب ہے۔

٦۔ قانونِ اسلام کے بنیادی مآخذ میں سے وہ قرآن کو تو مانتے تھے، مگر حدیث اور اجماع دونوں کے معاملے میں ان کا مسلک عام مسلمانوں سے مختلف تھا۔ ان میں سے ایک بڑا گروہ (جو النّجدات کہلاتا تھا) اس بات کا قائل تھا کہ خلافت (یعنی ریاست) کا قیام سرے سے غیر ضروری ہے۔ مسلمانوں کو خود ہی حق کے مطابق اجتماعی طور ہر عمل کرنا چاہیۓ۔ تاہم اگر وہ خلیفہ منتخب کرنے کی حاجت محسوس کریں تو ایسا کرنا بھی جائز ہے۔

ان کا سب سے بڑا گروہ (ازارِقہ) اپنے سوا تمام مسلمانوں کو مشرک کہتا تھا۔ اس کا مسلک یہ تھا کہ خوارج کو اپنے سوا کسی کی اذان پر نماز کے لئے جانا روا نہیں، نہ کسی دوسرے کا ذبیحہ حلال ہے، نہ کسی دوسرے سے شادی بیاہ کا تعلق جائز ہے، نہ ہی خارجی و غیر خارجی ایک دوسرے کے وارث ہو سکتے ہیں۔ یہ دوسرے تمام مسلمانوں کے خلاف جہاد کو فرض عین سمجھتے تھے، اُن کی عورتوں اور بچوں کو قتل کرنا اور ان کے مال لوٹ لینا مباح جانتے تھے اور خود اپنے

گروہ کے اُن لوگوں کو بھی کافر قرار دیتے تھے جو اس جہاد کے لئے نہ نکلیں۔ وہ اپنے مخالفین کے ساتھ خیانت کو حلال سمجھتے تھے۔ ان کے تشدد کا حال یہ تھا کہ غیر مسلموں کو ان کے ہاں مسلمانوں کی نسبت زیادہ امان نصیب تھی۔ (خلافت وملوکیت از مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی)

قارئین کرام ہم اس فورم پر نہ تو کسی کو کافر قرار دے رہے ہیں اور نہ ہی کسی کے اوپر خارجی ہونے کا الزام لگا رہے ہیں بلکہ نقلِ کفر کفر نہ باشد کے مصداق ہم نے بحالت مجبوری انکے یہ عقائد یہاں بیان کئے ہیں تاکہ عوام کو ان کے بارے میں آگاہی دی جاسکے اور ان کے عقائد کی روشنی میں ان کو پہچاننا آسان ہو جائے، بالخصوص اگر اوپر بیان کیے گئے ان کے عقائد میں سے پہلے، دوسرے، اور چھٹے عقیدے کا بغور مطالعہ کیا جائے تو اس گروہ کے ارکان کو جاننے میں بہت آسانی ہو جائے گی۔

لاہور کا سانحہ: اہم حقائق و رپورٹس

لاہور میں جمعرات 27 جنوری کو ایک امریکی باشندے نے فائرنگ کر کے دو نوجوانوں کو قتل کر دیا جبکہ مذکورہ امریکی باشندے کی مدد کو آنے والی دوسری گاڑی نے ایک موٹر سائیکل سوار نوجوان کو کچل ڈالا جو کہ اگلے روز ہسپتال میں دم توڑ گیا۔ ٹی وی چینلز میں اس واقعے کی خبر سنتے ہیں میرے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا کہ کیا نو آبادیاتی دور واپس آ گیا ہے؟ یہی کچھ برٹش راج میں برصغیر کے باشندوں کے ساتھ ہوتا تھا،ان کو غلام سمجھا جاتا تھا۔ ان کے ملک کو مفتوحہ علاقہ سمجھا جاتا تھا اور '' گورا ساب'' کو ہر قانون سے استثنٰی حاصل ہوتا تھا کیوں کہ وہ آقاؤں کی قوم سے تعلق رکھتا تھا۔

واقعے کی تفصیلات کے لاہور کے ایک معروف اور گنجان علاقے میں اس امریکی باشندے جس کا نام ریمنڈ ڈیوس بتایا جاتا ہے نے اپنی گاڑی سے ٹکر مار کر ایک رکشہ الٹ دیا اور دوسری گاڑیوں کو سائڈ مارتا ہوا نکلنے لگا جس پر ٹریفک وارڈن اور اہل علاقہ نے اسے پکڑنے کی کوشش کی،اسی اثنا میں موٹر سائیکل پر سوار دو نوجوان اس کی گاڑی کے پاس آئے تو اس امریکی باشندے نے گاڑی کے اندر بیٹھے بیٹھے ہی ان پر فائرنگ کر دی،جس سے ایک نوجوان موقع پر ہی ہلاک جبکہ

دوسرا زخمی ہوگیا۔زخمی نوجوان کو اس امریکی نے اپنی کار سے کچل کر ہلاک کر ڈالا۔ بات یہاں ختم نہیں ہوجاتی بلکہ دونوں نوجوانوں کو قتل کرنے کے بعد ریمنڈ نے اپنے موبائل سے ان کی تصویریں بنائیں اور قریباً ساتھ آٹھ منٹ تک جائے وقوع پر موجود رہا۔ اس دوران ریمنڈ نے اپنی مدد کے لئے اپنے ساتھیوں سے رابطہ کیا جو کہ تھوڑی دیر کے اندر اندر وہاں پہنچ گئے۔ اس دوران عوام کو ہجوم بڑھتا گیا اور ان میں اشتعال پھیلتا رہا۔ یہ صورتحال دیکھ کر ان لوگوں نے فرار ہونے کی کوشش کی اور کوشش میں ریمنڈ کی مدد کے لئے آنے والی گاڑی نے ایک اور موٹر سائیکل نوجوان کو کچل ڈالا جس سے وہ شدید زخمی ہوگیا اور بعد ازاں زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے ہلاک ہوگیا۔ ملزم کی مدد کے لئے آنے والے اس کے ساتھی تو گاڑی سمیت فرار ہوگئے لیکن ملزم کو لوگوں نے پکڑ لیا۔ ملزم کے قبضے سے بغیر لائسنس اسلحہ، ممنوعہ بور کے ہتھیار اور وائرلیس سیٹ برآمد ہوا، جبکہ جس گاڑی میں وہ سفر کر رہا تھا وہ سفارت خانے کی نہیں تھی بلکہ کرائے پر حاصل کی گئی تھی اور اسکی نمبر پلیٹ بھی جعلی تھی۔ اور ابتدائی تفتیش کے دوران معلوم ہوا کہ ملزم امریکی سفارت خانے کا ملازم ہے۔ شاعر نے کہا ہے کہ ع

وقت کرتا ہے گردش برسوں حادثہ ایک دم نہیں ہوتا

دیکھا جائے تو یہ واقعہ بھی اچانک پیش نہیں آگیا بلکہ دراصل ہمارے حکمرانوں کی بزدلی، امریکی چاپلوسی اور اپنے اقتدار کو طول دینے کے لئے امریکی

مطالبات ماننے کا جو سلسلہ جنرل پرویز مشرف کے دور میں شروع کیا گیا، وہ سلسلہ موجودہ حکومت نے بھی جاری رکھا اور امریکی اہلکاروں کے جرائم پر گزشتہ کئی سالوں پردہ ڈالا جاتا رہا جس کے باعث ان امریکیوں کے حوصلے اتنے بڑھ گئے کہ اب انہوں نے ہمارے شہریوں کو قتل بھی کرنا شروع کر دیا۔ کیا امریکی کارندوں کی پاکستان میں یہ پہلی کاروائی ہے؟ جواب ہے کہ نہیں بلکہ امریکی حکام اور خفیہ اہلکار کئی برسوں سے ایسے جرائم کرتے چلے آ رہے ہیں۔ محب وطن عناصر اور پاکستانی انٹیلی جنس اداروں نے متعدد بار اس امر کی نشاندہی کی کہ پاکستان کے اندر حالات کی خرابی اور دہشت گردی کے ذمہ دار امریکی و بھارتی ایجنٹ ہیں اور وہ پاکستان میں تخریب کاری کی کاروائیوں میں ملوث ہیں لیکن حکمران بے غیرت بنے رہے اور بڑی ڈھٹائی سے ایسی تمام کاروائیوں کو طالبان اور مذہبی جماعتوں کے سر ڈالتے آئے اور اس طرح ملک میں فرقہ وارانہ فسادات کی امریکی سازش کو پروان چڑھاتے آئے ہیں۔

آج سارے حکومتی ارکان پریشان ہیں اور ابھی تک کسی حکومتی رکن ، کسی نام نہاد عوامی لیڈر نے اس واقعے کی مذمت نہیں کی ہے۔ نواز شریف، چوہدری شجاعت، الطاف حسین، صدر آصف زرداری، وزیر اعظم گیلانی، رحمان ملک، بابر اعوان سب کے سب آئیں بائیں شائیں کرنے میں لگے ہوئے ہیں لیکن کسی نے بھی کھل کر اس وقعے کی مذمت نہیں کی ہے۔ ہاں وہ مذہبی جماعتیں (جماعت اسلامی، جمعیت علماء پاکستان) جن کو

امریکی ایجنٹ ہونے کا طعنہ دیا جاتا ہے، جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کے پاس عوامی مینڈیٹ نہیں ہے، جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ " ایک سیٹ والے سیاسی لیڈر (عمران خان) ہیں" انہی لوگوں نے اس واقعے کی مذمت بھی کی اور اس کے خلاف مظاہرے بھی کئے۔افسوس ناک بات یہ ہے کہ پاکستانی دفتر خارجہ نے اس واقعے پر امریکہ سے احتجاج کرنے کے بجائے الٹا لاہور کے پولیس حکام سے کہا ہے کہ وہ ملزم کو سفارت خانے کے حوالے کریں جس پر پولیس حکام کا کہنا ہے کہ معاملہ عدالت میں ہے اس لئے زبانی کہنے کے بجائے ملزم کی رہائی کا تحریری حکم دیا جائے۔

امریکہ اپنے مذموم مقاصد کے لئے پاکستان میں دہشت گردی کو فروغ دے رہا ہے اور اس کے لئے بدنام زمانہ امریکہ ایجنسی "بلیک واٹر (ایکس زی) " کو اہداف سونپے گئے ہیں اور حقیقت یہی ہے کہ طالبان کے بھیس میں اس وقت امریکی اہلکار ہی ملک میں دہشت گردی کر رہے ہیں۔اخباری اطلاعات کے مطابق پچھلے چند برسوں میں متعدد بار کئی امریکی باشندوں اور خفیہ اہلکاروں کو مشکوک حالات میں،اور تخریب کاری کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑا گیا لیکن امریکی مداخلت پر ان کو چھوڑ دیا گیا۔ سال 2009 میں اسلام آباد میں چار امریکی باشندوں کو کالے شیشوں والی جیپ میں آٹو میٹک ہتھیاروں سمیت ایک ناکے پر روکا گیا تو انہوں نے اپنا تعارف بلیک واٹر کے تعلق سے کرایا،جب انہیں تھانے لیجایا گیا

توامریکی سفارت خانے کے افراد وہاں پہنچ گئے جن کے ساتھ ایک ایس پی آفتاب ناصر اور سرکاری افسر تھے، جنھوں نے تھانے والوں کو ڈرا دھمکا کر ان چاروں ملزمان کو رہا کرایا۔ اگست 2009 میں نیدرلینڈ کے دو سفارتکار پرائیوٹ نمبر کی گاڑی میں بھاری اسلحے سمیت اسلام آباد میں پکڑے گئے، ان کے پاس سے دو سموک بم، دو فلیش بم، دو ہینڈ گرنیڈ، چار میگزینز کے علاوہ چھے بلٹ پروف جیکیٹس بھی برآمد ہوئیں۔ ڈچ سفارت کار اس اسلحے کی برآمدگی کا کوئی جواز نہ پیش کرسکے،ان دونوں سفارت کاروں کو بھی امریکی سفارت کاروں کی مداخلت پر اسلحے سمیت جانے دیا گیا۔

جب کہ سال 2008 میں ایک اہم واقعہ پیش آیا تھا اور اگر اس واقعے کی سنجیدگی سے تفتیش کی جاتی تو بہت سے اہم انکشافات ہو سکتے تھے لیکن اس واقعے کو بھی دبا دیا گیا۔ واقعے کے مطابق اسلام آباد کے انتہائی اہم سیکٹر ایف ایٹ تھری میں چار مسلح امریکی باشندوں کو جعلی نمبر پلیٹ والی گاڑی میں ''افغانوں کے بھیس'' میں گرفتار کیا گیا۔ یہ چاروں امریکی رات گئے اس علاقے میں مشکوک انداز میں گشت کر رہے تھے اور اہم عمارتوں کی تصاویر بنا رہے تھے۔ گرفتاری کے بعد انکشاف ہوا کہ جن کو طالبان سمجھ کر گرفتار کیا گیا وہ توامریکی باشندے نکلے۔ ان امریکی باشندوں کے قبضے سے آٹومیٹک رائفلیں،اور دستی بم برآمد ہوئے۔ اگر ان گرفتار شدگان سے پولیس '' پاکستانی انداز'' میں تفتیش

کرتی تو کئی اہم انکشافات ہو سکتے تھے لیکن افسوس ان چاروں ملزمان کو بھی امریکی سفارت خانے کی مداخلت پر چھوڑ دیا گیا۔

جنوری 2010 کو گوادر میں پولیس حکام نے ایک امریکی قونصلیٹ کی جعلی نمبر پلیٹ 7 کی حامل گاڑی کو تربت سے گوادر جاتے ہوئے روکا۔تلاشی کے دوران اس گاڑی سے امریکی قونصلیٹ کراچی کی جعلی نمبر پلیٹیں بھی برآمد ہوئیں۔ لیکن اس بارے میں کوئی کاروائی نہیں کی گئی اور اس معاملے کو بھی دبا دیا گیا۔ 25اگست 2009 کو چار امریکیوں کو غیر قانونی اسلحہ سمیت پشاور موڑ پنڈی سے گرفتار کرکے مارگلہ تھانے لایا گیا لیکن ان لوگوں کے خلاف کیس نہیں بننے دیا گیا اور ان کو بھی رہا کر دیا گیا۔ یہ کچھ اہم واقعات ہم نے یہاں بیان کئے ہیں جبکہ ایسے واقعات بھی ہمارے علم میں آئے ہیں کہ سوات میں فوجی آپریشن سے قبل سیکورٹی اہلکاروں کی فائرنگ سے ہلاک ہونے والے کئی طالبان کے بارے میں معلوم ہوا کہ سرے سے مسلمان ہی نہیں بلکہ را کے ایجنٹ اور ہندو ہیں۔ جبکہ کئی مقامی لوگوں نے اس بات کی نشاندہی کی کہ طالبان کے سوات میں طالبان کے روپ میں گھومنے والے افغانی یا پختون نہیں بلکہ امریکی اہلکار ہیں جو کہ اردو اور پشتو بھی جانتے ہیں۔

ان سب واقعات کو نظر میں رکھیں اور پھر حالیہ سانحے کا جائزہ لیں تو بہت

ساری باتیں سامنے آتی ہیں اطلاعات کے مطابق لاہور کے واقعے کا مرکزی ملزم ریمنڈ ڈیوس جس کو سفارتی اہلکار ظاہر کیا گیا ہے دراصل سفارتی اہلکار نہیں ہے، وہ 9 دفعہ پاکستان آیا ہے اور ہر دفعہ سفارتی ویزے کے بجائے وزٹ ویزا پر یہاں آیا ہے۔ اس واقعے سے چند ماہ قبل بھی وہ جعلی نمبر پلیٹ کی گاڑی پر سفر کرتے ہوئے پکڑا گیا تھا۔ یہ ملزم بھی اردو اور پشتو زبانیں جانتا ہے اور جائے وقوع پر اس نے لوگوں سے اردو میں بات چیت کی۔ اس کے پاس سے غیر قانونی اور بغیر لائسنس اسلحہ برآمد ہوا ہے۔ جبکہ ایک اہم بات یہ ہے کہ اس کے پاس سے ممنوعہ بور کے کارتوس (BULLETS) برآمد ہوئے ہیں۔ بتایا گیا ہے کہ ملزم نے اپنے پستول کو ممنوعہ گولیوں ''ہالو پوائینٹ'' سے لوڈ کر رکھا تھا۔ یہ گولیاں آج سے سو سال قبل 1899 میں ممنوعہ قرار دی گئی ہیں اور عالمی کنونشن کے مطابق وار زونز اور شہری علاقوں دونوں میں ان گولیوں کے استعمال پر پابندی ہے۔ اس گولی کی خاص بات یہ ہے کہ اس گولی کے خول میں تین مزید گولیاں ہوتی ہیں جو کہ جسم کے کسی بھی حصے میں داخل ہو کر پھٹ جاتی ہیں اور متاثرہ حصہ مکمل بیکار ہو جاتا ہے اور آپریشن کے قابل بھی نہیں رہتا۔ ملزم کے بارے میں یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ وہ بدنام زمانہ تنظیم بلیک واٹر کا کمانڈر اور سی آئی اے کا سابق ملازم ہے۔ (اس خیال کو اس بات سے بھی تقویت ملتی ہے کہ پنجاب کے وزیر قانون رانا ثنا اللہ نے پریس کانفرنس کے دوران ملزم کے بلیک واٹر سے تعلق کے سوال پر کوئی جواب نہیں دیا اور خاموشی

اختیار کی۔) ملزم کے پاس سے وائر لیس سیٹ بھی برآمد ہوا ہے اور وہ جس گاڑی میں سفر کر رہا تھا اس کی نمبر پلیٹ بھی جعلی تھی۔

ان سب شواہد سے یہ بات واضح طور پر نظر آتی ہے کہ ملزم اس علاقے میں کسی واردات کی نیت سے گھوم رہا تھا اور مشکوک حرکات پر جب لوگوں نے اس کو پکڑنے کی کوشش کی تو اس نے بھاگنے کی کوشش کی اور مزاحمت پر دونوں نوجوانوں کو ہلاک کردیا۔ یہ بات واضح رہے کہ گزشتہ سال سے لاہور دہشت گردی کی وارداتوں کا نشانہ بنا ہوا ہے اور چند دن پیشتر بھی حضرت امام حسینؓ کے چہلم کے موقع پر بھی لاہور میں دہشت گردی کی ایک بڑی واردات ہوئی ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ ملزم کسی واردات ہی کی منصوبہ بندی کرنے اور ریکی کرنے کے لیے مزنگ چوک کے اس گنجان آباد علاقے میں آیا ہو؟

اب یہ کیس ہمارے حکمرانوں کے لئے ایک آزمائش ہے کہ آیا وہ غیرت و حمیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس ملزم کو کیفر کردار تک پہنچاتے ہیں یا پھر امریکہ کی تابعداری کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑے جانے والے اس مجرم کو امریکہ فرار کراتے ہیں؟ اس کے ساتھ ساتھ اب یہ بھی دیکھنا ہے کہ وہ حکمران جنھوں نے ناکردہ گناہ کی پاداش میں مظلوم ڈاکٹر عافیہ صدیقی کو 86 سال قید کی سنانے پر امریکہ سے کوئی احتجاج نہیں کیا تھا اب وہ رنگے ہاتھوں پکڑے جانے والے

مجرم امریکی کے بارے میں کیا رویہ اختیار کرتے ہیں؟ حکمرانوں کے ساتھ ساتھ عوام کے لئے بھی یہ سوچنے کا مقام ہے کہ وہ غور کریں کہ اس وقت ملک میں جو انتشار، دہشت گردی اور امن وامان کی بگڑتی صورتحال ہے اس کے اصل ذمہ دار کون ہیں؟ امریکہ چاہتا ہے کہ ملک میں بدامنی و فسادات ہوں، عوام باہم دست و گریباں ہو، اس مقصد کے لئے پہلے پہلے شعیہ سنی فسادات کی کوشش کی گئی اس میں ناکامی کے بعد اب دیوبندی اور بریلوی فسادات کی کوشش کی جارہی ہے عوام کو چاہئے کہ آپس میں الجھنے کے بجائے اصل دشمن کو پہچانیں۔ وزیرستان کے علاقے میں گزشتہ سال، آئی ایس آئی کے سابق افسر کرنل امام ،اور ایک برطانوی صحافی سمیت چار افراد کو طالبان نے اغواء کرلیا، ان میں سے ایک خالد خواجہ کو گزشتہ سال قتل کردیا گیا۔ رواں ماہ کرنل امام جو کہ طالبان کے پرجوش حامی اور ان کے خلاف فوجی کاروائی کے مخالف تھے ان کو بھی قتل کردیا۔ جبکہ گزشتہ ماہ انہی طالبان نے ایک امریکی گلوکار کو بھی اغواء کرلیا تھا لیکن اس کو چند دنوں بعد ہی چپ چاپ رہا چھوڑ دیا گیا۔ کیا یہ عجیب بات نہیں ہے کہ طالبان نے اپنے ایک اہم اور پرجوش حامی کو تو قتل کردیا لیکن انہیں طالبان نے دشمن قوم کے ایک فرد اور وہ بھی گلوکار کو زندہ چھوڑ دیا؟ اگر قارئین اس بات پر غور کریں گے تو بہت سی باتیں سمجھ میں آجائیں گی۔

مولانا مودودی اور درود و سلام

مولانا مودودی مرحوم و مغفور پر منجملہ دیگر الزامات کے ایک الزام یہ بھی ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام کے قائل نہیں ہیں ۔ یہ ایک بے بنیاد اور جھوٹا الزام ہے جو اس صاحبِ علم پر لگایا جاتا ہے۔ ربیع الاول کی مناسبت سے ہم ان کی ایک تحریر کے کچھ اقتباسات یہاں پیش کر رہے ہیں۔ اس تحریر کو پڑھ کر کوئی بھی باضمیر اور انصاف پسند فرد مولانا مودودی مرحوم پر ایسا الزام لگانے کا نہیں سوچ سکتا اور رہے وہ لوگ جنہیں ہر حال میں صرف تنقید ہی کرنی ہے تو ان کے لئے ہم صرف دعا ہی کر سکتے ہیں۔

اللہ اور اس کے ملائکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں ۔اے لوگوں ! جو ایمان لائے ہو، تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو ۔

اللہ کی طرف سے اپنی نبی پر صلوۃ کا مطلب ہے کہ وہ آپ ﷺ پر بے حد مہربان ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف فرماتا ہے،آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کام میں برکت دیتا ہے،آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بلند کرتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی رحمت کی بارش فرماتا ہے۔ملائکہ کی طرف سے آپ صلی

اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ کا مطلب یہ ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے غایت درجے کی محبت رکھتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ سے زیادہ بلند مرتبے عطا فرمائے اور آپ کے دین کو سربلند کرے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو فروغ بخشے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام محمود پر پہنچائے۔ سیاق و سباق پر نگاہ ڈالنے سے صاف محسوس ہو جاتا ہے کہ اس سلسلہ بیان میں یہ بات کس لئے ارشاد فرمائی گئی ہے۔ وقت وہ تھا کہ جب دشمنانِ اسلام دینِ مبین کے فروغ پر اپنے دل کی جلن نکالنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف الزامات کی بوچھاڑ کر رہے تھے اور اپنے نزدیک یہ سمجھ رہے تھے کہ اس طرح کیچڑ اچھال کر (نعوذ باللہ) وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اخلاقی اثر کو ختم کر دیں گے جس کی بدولت اسلام اور مسلمانوں کے قدم روز بروز بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ ان حالات میں یہ آیت نازل کرکے اللہ تعالیٰ نے دنیا کو یہ بتایا کہ کفار و مشرکین اور منافقین میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بدنام کرنے اور نیچا دکھانے کی جتنی چاہیں کوشش کر دیکھیں، آخر کار وہ منہ کی کھائیں گے۔ اس لئے کہ میں اس پر مہربان ہوں اور ساری کائنات کا نظم و نسق جن فرشتوں کے ذریعے چل رہا ہے وہ سب اس صلی اللہ علیہ وسلم کے حامی و ثنا خواں ہیں۔ وہ اس کی مذمت کرکے کیا پا سکتے ہیں جبکہ اُس کا نام بلند کر رہا ہوں اور میرے فرشتے اس کی تعریفوں کے چرچے کر رہے ہیں۔ وہ اپنے اوچھے ہتھیاروں سے اس کا کیا

بگاڑ سکتے ہیں جبکہ میری رحمتیں اور برکتیں اس کے ساتھ ہیں اور میرے فرشتے شب و روز دعا کر رہے ہیں کہ رب العالمین، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ اور زیادہ اونچا کر اور اس کے دین کو اور زیادہ فروغ دے۔

دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہے کہ " اے لوگوں جن کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت راہِ راست نصیب ہوئی ہے تم ان کی قدر پہچانو اور ان کے احسانِ عظیم کا حق ادا کرو۔ تم جہالت کی تاریکیوں میں بھٹک رہے تھے۔ اس شخص نے تمہیں علم کی روشنی دی۔ اخلاق کی پستیوں میں گرے ہوئے تھے اس شخص نے تمہیں اٹھایا اور قابل بنایا کہ آج محسودِ خلائق بنے ہوئے ہو۔ تم وحشت اور حیوانیت میں مبتلا تھے۔ اس شخص نے تم کو بہترین انسانی تہذیب سے آراستہ کیا، کفر کی دنیا اسی لئے اس شخص پر خار کھا رہی ہے کہ اس نے یہ احسانات تم پر کئے، ورنہ اس نے کسی کے ساتھ ذاتی طور پر کوئی برائی نہ کی تھی۔ اس لئے اب تمہاری احسان شناسی کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ جتنا بغض وہ اس خیر مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف رکھتے ہیں اسی قدر بلکہ اس سے زیادہ تم اس کے گرویدہ ہو جائے، جتنی وہ اس کی مذمت کرتے ہیں اتنی ہی بلکہ اس سے زیادہ تم اس کی تعریف، جتنے وہ بدخواہ ان کے بدخواہ ہیں اتنے ہی بلکہ اس سے زیادہ تم ان کے خیر خواہ بنو اور ان کے حق میں وہ دعا کرو جو اللہ کے فرشتے شب و روز اس کے لئے کر رہے ہیں کہ " اے ربِ دو جہاں، جس طرح تیرے نبی صلی اللہ علیہ

وسلم نے ہم پر بے پایاں احسانات فرمائے ہیں، تو بھی ان پر بے حدوحساب رحمت فرما ۔ان کا مرتبہ دنیا میں بھی سب سے زیادہ بلند کر اور آخرت میں بھی انہیں تمام مقربین سے بڑھ کر تقرب عطا فرما۔

سلام کا لفظ بھی دو معنی رکھتا ہے ایک ہر طرح کی آفات اور نقائص سے محفوظ رہنا جس کے لئے ہم اردو میں سلامتی کا لفظ بولتے ہیں۔دوسرے صلح و اور عدم مخالفت۔پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں سَلِّمُو تَسلِیماً کہنے کا ایک مطلب یہ ہے کہ تم ان کے حق میں کام سلامتی کی دعا کرو اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ تم پوری طرح دل و جان سے ان کا ساتھ دو،ان کی مخالفت سے پرہیز کرو اور ان کے سچے فرمانبردار بن کر

رہو۔۔۔۔باقی رہی درود کی فضیلت اور اس کا موجب اجر و ثواب ہونا اور اس کا ایک بڑی نیکی ہونا تو اس پر ساری امت متفق ہے۔اس میں کسی ایسے شخص کو کلام نہیں ہو سکتا جو ایمان سے کچھ بھی بہرہ رکھتا ہوں۔درود تو فطری طور پر ہر اُس مسلمان کے دل سے نکلے گا جسے یہ احساس ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالٰی کے بعد ہمارے سب سے بڑے محسن ہیں۔اسلام اور ایمان کی جتنی قدر انسان کے دل میں ہوگی،اتنی ہی زیادہ قدر اس کے دل میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات کی بھی ہوگی اور جتنا زیادہ آدمی ان احسانات کا قدر شناس ہوگا،اتنا ہی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم درود بھیجے گا۔پس درحقیقت کثرتِ درود ایک پیمانہ ہے جو ناپ کرتا

دیتا ہے کہ دینِ محمد سے ایک آدمی کتنا گہرا تعلق رکھتا ہے اور نعمتِ ایمان کی کتنی قدر اس کے دل میں ہے۔ اسی بنا پر نبی صلی اللہ علیہ نے فرمایا ہے ترجمہ ”جو شخص مجھ پر درود بھیجتا ہے ملائکہ اس پر درود بھیجتے رہتے ہیں جب تک وہ مجھ پر درود بھیجتا رہے۔

احمد و ابن ماجہ) ۔)

جو شخص مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے اللہ اس پر دس بار درود بھیجتا ہے۔ (مسلم) ۔

قیامت کے روز میرے ساتھ رہنے کا سب سے زیادہ مستحق وہ ہوگا جو مجھ پر سب سے

(زیادہ درود بھیجے گا۔ (ترمذی

بخیل ہے وہ شخص جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔

(ترمذی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے فرمایا ہے کہ مجھ پر درود بھیجنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ ”اے اللہ، تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیج۔“ نادان لوگ جنہیں شعور نہیں ہے اس پر فوراً اعتراض جڑ دیتے ہیں کہ یہ تو عجیب بات ہوئی، اللہ تعالیٰ تو ہم سے

فرما رہا ہے کہ تم میرے نبی پر درود بھیجو مگر ہم الٹا اللہ سے کہتے ہیں کہ تو درود بھیج۔ حالانکہ دراصل اس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو یہ بتایا ہے کہ تم مجھ پر صلوٰۃ" کا حق ادا کرنا بھی چاہو تو نہیں کر سکتے اس لئے اللہ ہی سے دعا کرو کہ وہ مجھ پر" صلوٰۃ" فرمائے۔ظاہر سی بات ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مراتب بلند" نہیں کر سکتے، اللہ ہی بلند کر سکتا ہے۔ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات کا بدلہ نہیں دے سکتے، اللہ ہی ان کا اجر دے سکتا ہے۔ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رفع ذکر کے لئے اور آپ کے دین کو فروغ دینے کے لئے خواہ کتنی ہی کوشش کریں۔اللہ کے فضل اور اس کی توفیق وتائید کے بغیر اس میں کامیابی نہیں ہو سکتی حتیٰ کہ حضور کی محبت و عیقدت بھی ہمارے دل میں اللہ ہی کی مدد سے جا گزیں ہو سکتی ہے۔ ورنہ شیطان نہ معلوم کتنے وساوس دل میں ڈال کر ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے منحرف کر سکتا ہے۔اعاذ نا اللہِ من ذالک۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ کا حق ادا کرنے کی کوئی بھی صورت اس کے سوا نہیں ہے کہ اللہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پر صلوٰۃ کی دعا کی جائے۔ جو شخص اللھم صلی علیٰ محمد کہتا ہے وہ گویا اللہ کے حضور اپنے عجز کا اعتراف کرتے ہوئے عرض کرتا ہے کہ "خدایا، تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ کا جو حق ہے اسے ادا کرنا میرے بس میں نہیں ہے، تُو ہی میری طرف سے اس کو ادا کر اور مجھ سے اس کے ادا کرنے میں جو خدمت چاہے لے لے۔

قارئین کرام یہ تحریر اس بات کی گواہ ہے کہ مولانا مودودی مرحوم و مغفور اور ان کی جماعت کے کارکنان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کے خلاف نہیں ہیں اور نہ ہی درود سلام کے منکر ہیں لیکن تفرقہ پھیلانے کے لئے عام مسلمانوں میں ایسی باتیں پھیلائی جاتی ہیں تاکہ لوگ آپس میں باہم دست و گریباں رہیں اور ان کے درمیان غلط فہمیاں رہیں تاکہ سیکولر اور لادین عناصر اپنا کام کرتے رہیں اور ان کی طرف کسی کا دھیان نہ جائے۔ سوچیں اور غور کریں۔

مولانا مودودی اور درود وسلام حصہ دوم

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

اللہ اور اس کے ملائکہ نبیؐ پر درود بھیجتے ہیں اے لوگوں جو ایمان لائے ہو تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔

یہ حکم جب نازل ہوا تو متعدّد صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ، سلام کا طریقہ تو آپؐ ہمیں بتا چکے ہیں (یعنی نماز میں السّلام علیک ایّھا النّبی ورحمۃاللہ و برکاتہٗ اور ملاقات کے وقت السّلام علیک یا رسول اللہ کہنا) مگر آپ پر صلوٰۃ بھیجنے کا طریقہ کیا ہے ؟اس کے جواب میں حضورؐ نے بہت سے لوگوں کو مختلف مواقع پر جو درود سکھائے ہیں وہ ہم ذیل میں درج کرتے ہیں :

کعب بن عُجْرہؓ : اللّٰہم صل علیٰ محمد و علیٰ اٰل محمد کما صلیت علیٰ ابراہم و علی ال ابراہیم انک حمید مجید و بارک علیٰ محمد و علیٰ اٰل محمد کما بارکت علیٰ ابراہیم و علیٰ اٰل ابراہیم انک حمیدٌ مجید یہ درود تھوڑے

تھوڑے لفظی اختلافات کے ساتھ حضرت کعب بن عجرؓ سے بخاری، مسلم، ابو داؤد ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، امام احمدؒ، ابن ابی شیبہ، عبدالرزاق، ابن ابی حاتم اور ابن جریر نے روایت کیا ہے۔

ابن عباسؓ : ان سے بھی بہت خفیف فرق کے ساتھ وہی درود مروی ہے جو اوپر نقل (ہوا ہے (ابن جریر

ابوُحمید ساعدیؓ : اللھم صلی علی محمد وازاجہ وذریتہ کما صلیت علی ابراہیم وبرک علی محمد و ازواجہ وذریتہ کا بارکت علی ال ابراہیم انک حمیدٌ مجید (مالک، مسلم، ابو داود، ترمذی (نسائی، احمد، ابن حِبان، حاکم،،

اَبُو مسعود بدریؓ: اَللّٰھُمَّ صَلِّ علیٰ مُحَمَّدٍ وَ علیٰ اٰل محمَّدٍ کَما صَلّیتَ علیٰ اِبراھیمَ وَبارک علیٰ محمد و علیٰ اٰل محمَّدٍ کما بارک علیٰ ابراھیم فی العالمین انک حمیدٌ مَّجید (مالک، مسلم، ابوداود، (ترّمذی، نَسائی، احمد، ابن جریر، ابن حبان، حاکم

ابو سعید خُدریؓ : اللھم صل علی محمد عبدک ورسولک کما صلیت علی ابراھیم و بارک علی محمد و علی ال محمد کما برکت علی ابرھیم (احمد بخاری نسائی، ابن

(ماجہ

ابوہریرہؓ : اللہم صل علی محمد و علی ال محمد و بارک علی محمد و علی ال محمد کما صلیت و برکت (علی ابراہیم فی العالمین انک حمیدؓ مجید (نسائی

طلحہ : اللہم صل علی محمد و علی ال محمد کما صلیت علی ابراہیم انک حمید مجید و بارک علی محمد (و علی ال محمد کما بارکت علی ابراہیم انک حمیدؓ مجید (ابن جریر

یہ تمام درود الفاظ کے اختلاف کے باوجود معنی میں متفق ہیں۔

(تفہیم القرآن ، سورہ الاحزاب آیت نمبر ۵۶ حاشیہ نمبر ۱۰۷)

ویلنٹائین ڈے : ایک دل ایک محبت

14فروری کو دنیا بھر میں محبت کا عالمی دن منایا جاتا ہے جس کو ویلنٹائین ڈے کہتے ہیں۔ ہمارے ملک میں بھی اب یہ دن کسی تعارف کا محتاج نہیں رہا کم و بیش پندرہ سولہ سال قبل تک تو شائد پاکستان میں خال خال لوگ ہی اس دن سے واقف ہوتے تھے لیکن اب ایسا نہیں ہے آج ہر تیسرا افرد اس دن سے واقف ہے۔ اس کی دن تاریخ بھی عجیب و غریب ہے اور اس حوالے سے دو تین روایات بیان کی جاتیں ہیں، ان روایات کے بارے میں ہم اپنے ایک مضمون میں بات کرچکے ہیں اس لیے اس پر مزید بات نہیں کریں گے اس مضمون کا لنک یہاں دیا جارہا ہے اس لنک پر جاکر وہ مضمون بھی دیکھا جاسکتا ہے۔

http://www.hamariweb.com/articles/article.aspx?

id=2330

فی الوقت ہمارا موضوع یہ ہے کہ کیا کسی دل میں ایک ساتھ دو مختلف و متضاد قسم کی محبتیں پروان چڑھ سکتی ہیں؟
اس بات کا جواب اگر کسی محبت کرنے والے سے مانگیں تو اس کا جواب یقیناً نفی میں ہوگا۔ بات تو درست بھی ہے کہ ایک دل میں ایک ہی قسم کی محبت پروان چڑھ

سکتی ہے۔ اگر (الف) نام کا لڑکا (ب) نام کی لڑکی سے محبت کرتا ہے تو یہ نا ممکن ہے کہ اس کے ساتھ ساتھ وہ (ث) نام کی لڑکی کے ساتھ بھی محبت کرے۔ یقیناً وہ محبت کسی ایک کے ساتھ کرتا ہے اور ایک سے صرف محبت کے جھوٹے دعوے کرتا ہے (یہی مثال لڑکیوں کے لئے بھی استعمال کی جا سکتی ہے)۔اسی طرح اگر ایک فرد کو اپنے دوست سے محبت ہوگی تو یہ نا ممکن ہے کہ وہ اپنے دوست کے دشمن سے بھی محبت رکھے،دوستی کا تقاضا تو یہ ہے کہ وہ دوست کے دوست کو دوست رکھے اور دوست کے دشمن کو دشمن سمجھے۔ اگر کوئی فرد دوست کے دشمن سے بھی محبت رکھے اور پھر دوست سے دوستی کا دعویٰ بھی کرے تو کوئی بھی عقل رکھنے والا اور باضمیر فرد اس کے اس دعویٰ کو سچا نہیں سمجھے گا بلکہ وہ یہی کہے کہ " جناب آپ جھوٹ کہتے ہیں اگر آپ کے دل میں دوست کی محبت ہوتی،دوستی کی قدر ہوتی تو آپ کبھی بھی دوست کے دشمن کو اپنا دوست نہ کہتے،اس سے محبت نہ رکھتے "

اچھا ایک بات اور بھی ہے محبت کا معاملہ بڑا عجیب ہوتا ہے۔انسان جس سے محبت کرتا ہے کوشش کرتا ہے کہ اس کی پسند و ناپسند کو بھی اپنائے۔ اگر محبوب کو گلاب کا پھول پسند ہے تو عاشق بھی گلاب کے پھول کو پسند کرنا شرع کردے گا۔ چاہے اس سے پہلے اس کو گلاب کا پھول نا پسند ہی کیوں نہ ہو۔ اگر محبوب کہے کہ میں شلوار قمیص کے بجائے آپ کو پینٹ شرٹ میں دیکھنا چاہتا ہوں تو عاشق

فوراً شلوار قمیص کو خیر باد کہہ کر پینٹ شرٹ کو اپنا لے گا۔اگر محبوب کہے کہ مجھے چوٹی کے بجائے کھلے بال پسند ہیں تو محبوبہ اگلے دن سے بالوں کو باندھنے کے بجائے ان کو کھلا چھوڑ دے گی اگر محبوب کہے کہ تم گلابی کے بجائے نیلے سوٹ میں زیادہ اچھی لگتی ہو تو محبوبہ گلابی رنگ کے سوٹ کر خیر باد کہہ کر نیلے رنگ کو اپنا لے گی کہ محبت کا یہ اصول ہے،یہی تقاضا ہے۔

ایک محبت وطن کی بھی ہوتی ہے۔یہ ناممکن سی بات ہے کہ اگر ہمیں اپنے وطن سے بھی سچی محبت ہو اور اس کے ساتھ ساتھ وطن دشمنوں سے بھی محبت ہو۔ وطن سے محبت کا تقاضا یہی ہے کہ وطن دشمنوں سے محبت نہ کی جائے۔ جو وطن کا دشمن ہو اس کو اپنا دشمن سمجھا جائے اگر ہم وطن سے محبت کا دعویٰ بھی کریں اور وطن دشمنوں سے محبت بھی رکھیں تو ہمارا دعویٰ خود بخود باطل ہو جائے گا اور کوئی بھی باضمیر فرد ہماری وطن سے محبت کے دعویٰ کو سچا نہیں سمجھے گا۔ وطن سے محبت کا تقاضا ہے کہ وطن دشمنوں سے تعلق کو محدود اور بقدر ضرورت ہی رکھا جائے۔

پھر اسی طرح اپنے دین ،اپنے نبی سے محبت کا معاملہ ہے۔اگر ہمیں اپنے دین سے محبت ہو گی تو یقیناً کیا یہ ممکن ہے کہ ایک ہی دل میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی محبت ہو اور اس کے ساتھ ساتھ نبی مہربان صلی اللہ علیہ

وسلم کے دشمنوں کی بھی محبت بس جائے؟کیا یہ ممکن ہے کہ ایک فرد نبی اکرم ﷺ سے محبت کا دعویٰ بھی کرے اور پھر نبی مہربان ﷺ کی لائی ہوئی شریعت اور احکام قرآنی کے برخلاف عمل بھی کرے؟اگر کوئی فرد ایسا عمل کرے تو کوئی بھی باشعور فرد اس کے دعویٰ کو جھوٹا کہہ دے گا۔ ویلنٹائین ڈے ایک مغربی تہوار جس کی بنیاد سفلی و نفسانی جذبات پر رکھی گئی ہے۔ کیوں کہ جب ویلنٹائن ڈے کی بات آتی ہے تو دن سے مراد صرف اور صرف ایک مرد و عورت،لڑکا یا لڑکی عاشق و معشوق کی محبت ہی لی جاتی ہے۔ دل کو بہلانے کے لئے کہہ دیا جاتا ہے کہ محبت تو ماں باپ اور دوستوں سے بھی کی جاتی ہے لیکن عملی طور پر ایسا نہیں ہوتا۔آگے بڑھنے سے پہلے قرآن کی کچھ آیات ہمارے پیش نظر ہونی چاہئیں۔ اللہ تعالیٰ سورہ نور میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ترجمہ اے نبی مومن مردوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی) حفاظت کریں یہ ان کے لئے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے، جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اس سے باخبر رہتا ہے۔ اور اے نبی ، مومن عورتوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، اور اپنا بناؤ سنگھار نہ دکھائیں بجز اس کے جو خود ظاہر ہو جائے اور اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیوں کے آنچل ڈالے رہیں۔ وہ اپنا بناؤ سنگھار نہ کریں مگر ان لوگوں کے سامنے، شوہر، باپ، بھائی، شوہروں کے باپ،اپنے بیٹے، شوہروں کے بیٹے، بھائی، بھائیوں کے بیٹے، بہنوں کے بیٹے، اپنے میل جول کی عورتیں اپنے لونڈی غلام ،وہ زیر دست مرد جو کسی اور قسم،

کی غرض نہ رکھتے ہوں اور وہ بچے جو عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے ابھی واقف نہ ہوئے ہوں۔ وہ اپنے پاؤں زمین پر مارتی نہ چلا کریں کہ اپنی جو زینت انہوں نے چھپا رکھی ہو اس کا علم لوگو کو ہو جائے۔اے مومنوں تم سب مل کر اللہ سے توبہ کرو توقع ہے کہ فلاح پاؤگے۔ سورہ نور آیت 30.31)

ترجمہ (اے لوگوں جو ایمان لائے ہو، نہ مرد دوسرے مردوں کا مذاق اڑائیں، ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔۔۔۔۔ سورہ الحجرات آیت 11)

مردوں اور عورتوں کا الگ الگ ذکر کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مردوں کے لئے عورتوں اور عورتوں کے لئے مردوں کا مذاق اڑانا جائز ہے، دراصل جس وجہ سے دونوں کا الگ الگ ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ اسلام سرے سے مخلوط سوسائٹی کا قائل ہی نہیں ہے۔ایک دوسرے کی تضحیک، عموماً بے تکلف مجلسوں میں ہوا کرتی ہے اور اسلام میں یہ گنجائش رکھی ہی نہیں گئی کہ غیر محرم مرد اور عورتیں کسی مجلس میں جمع ہو کر آپس میں ہنسی مذاق کریں اس لئے اس بات کو ایک مسلم معاشرے میں قابل تصور نہیں سمجھا گیا ہے کہ ایک مجلس میں مرد کسی عورت کا مذاق اڑائیں گے یا عورتیں کسی مرد کا مذاق اڑائیں گی۔

جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں کے گروہ میں فحش پھیلے وہ دنیا اور آخرت میں دردناک سزا کے مستحق ہیں۔ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ سورہ نور آیت 19)

اے لوگوں جو ایمان لاہ ہو شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو۔ اس کی پیروی کوئی کرے گا تو (وہ اسے فحش اور بدی کا ہی حکم دے گا۔۔۔ سورہ نور آیت 21

مذکورہ بالا آیات سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اصل میں غض بصر کا حکم دیا گیا ہے جس کا ترجمہ عام طور پر نگاہ نیچی کرنا یا رکھنا کیا جاتا ہے لیکن اس حکم کا مطلب ہر وقت نیچے ہی دیکھتے رہنا نہیں ہے بلکہ پوری طرح نگاہ بھر کر نہ دیکھنا اور نگاہوں کو دیکھنے کے لئے بالکل آزاد نہ چھوڑنا ہے۔یہ مفہوم ''نظر بچانے سے'' سے ٹھیک ادا ہوتا ہے۔۔ اور یہ بات سیاق و سباق سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ یہ پابندی جس چیز پر عائد کی ہے وہ مردوں کا ۔عورتوں کو دیکھنا یا دوسرے لوگوں کے ستر پر نگاہ ڈالنا یا فحش مناظر پر نگاہ جمانا ہے

ایک بار پھر سوچئے اور دل پر ہاتھ رکھ کر بتائیں کہ کیا ایک دل میں ایک ہی وقت میں حب اللہ حب نبی اکرم ﷺ بھی ہو اور اس کے ساتھ ساتھ یہ دنیاوی و سفلی محبت بھی ہو؟

آیئے اور دیکھیں کہ قرآن اس بارے میں کیا کہتا ہے۔ ترجمہ : (اے نبی ! لوگوں سے کہہ دو کہ " اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرؤ اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں سے در گزر فرمائے گا۔ وہ بڑا مہربان کرنے والا اور رحیم ہے" ۔ اُن سے کہو کہ " اللہ اور رسول کی اطاعت قبول کرلو" پھر اگر وہ تمہاری یہ دعوت قبول نہ کریں تو یقیناً یہ ممکن نہیں کہ اللہ ایسے لوگوں سے محبت کرے جو اس کی اور اس کے رسول کی اطاعت سے انکار کرتے ہوں۔ سورہ آل عمران آیت 31.32)

ترجمہ : (نہیں اے محمد تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی نہ محسوس کریں بلکہ سربسر تسلیم کرلیں۔ سورہ النساء آیت 65) علما کرام کے مطابق اس آیت کا حکم صرف حضور ﷺ کی زندگی تک محدود نہیں ہے بلکہ قیامت کے لئے ہے۔ جو کچھ اللہ کی طرف سے نبی ﷺ لائے ہیں اور جس طریقہ پر اللہ کی ہدایت و رہنمائی کے تحت آپ ﷺ نے عمل کیا ہے وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کے درمیان فیصلہ کن سند رہے گا اور اس سند کو ماننے یا نہ ماننے ہی پر آدمی کے مومن ہونے اور نہ ہونے کا فیصلہ ہے۔ حدیث میں اسی بات کو نبی ﷺ نے ان الفاظ میں ارشاد فرمایا

ہے کہ تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی خواہش نفس اس طریقہ کی تابع نہ ہوجائے جسے میں لیکر آیا ہوں (تفہیم القرآن از سید ابوالاعلیٰ مودوودی جلد اول صفحہ 329)

ترجمہ (البتہ جو ان میں سے تائب ہوجائیں اور اپنے طرز عمل کی اصلاح کرلیں اور اللہ کا دامن تھام لیں اور اپنے دین کو اللہ کے لیے خالص کردیں۔ایسے لوگ مومنوں کے ساتھ ہیں اور اللہ مومنوں کو ضرور اجرِ عظیم عطا فرمائے گا۔ (سورہ النساء آیت 46)
یہاں اپنے دین کو اللہ کے لئے خالص کردینے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کی وفاداریاں اللہ کے سوا کسی اور سے وابستہ نہ ہوں،اپنی ساری دلچسپیوں اور محبتوں اور عقیدتوں کو اللہ کے آگے نذر کردے، کسی بھی چیز کے ساتھ اس کا ایسا لگاؤ باقی نہ رہے کہ اللہ کی رضا کے لئے اُسے قربان نہ کیا جاسکتا ہو۔ (تفہیم القرآن از سید ابوالاعلیٰ مودودی جلد اول صفحہ 412)

آیئے دیکھیں کہ محبت اور ایمان کے بارے میں احادیث نبوی ﷺ کیا کہتی ہیں حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”تو قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوتا جب تک اس کو میری محبت اپنے باپ اور اولاد سے زیادہ نہ ہو۔“ اور کم وبیش یہی حدیث الفاظ کی تھوڑی تبدیلی کے ساتھ حضرت انسؓ سے بھی روایت کی گئی ہے

کہ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کو میری محبت اپنے باپ، اپنی اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ نہ ہو" (صحیح بخاری جلد اول کتاب الایمان

حضرت ابنؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جس میں تین باتیں ہونگی وہ ایمان کا مزہ پائے گا۔ایک تو اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی محبت اس کو سب سے زیادہ ہو، دوسرے کسی بندے سے خالص اللہ کے لئے دوستی رکھے، تیسرے پھر کفر میں جانا جب اللہ نے اس کو کفر سے چھڑا دیا اتنا ہی برا سمجھے جیسے آگ میں ڈالا جانا۔

مذکورہ بالا آیات اور احادیث نبویؐ ﷺ کی روشنی میں بہ آسانی اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ہم درحقیقت کس کے ساتھ ہیں، کس سے محبت کرتے ہیں بلکہ دراصل یہی تو ایک پیمانہ ہے ایک میزان ہے کہ اس میں ہم یہ اندازہ لگائیں کہ اللہ ہم سے کتنی محبت کرتا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" جو شخص یہ جاننا چاہتا ہے کہ اللہ کے نزدیک اس کا مقام (قدر و منزلت) کیا ہے وہ یہ دیکھے کہ اللہ کا مقام اس کے نزدیک کیا ہے۔" اس حدیث مبارکہ کو سامنے رکھیں اور دیکھتے جایئے ! ہمارے

دل میں اللہ کا کیا مقام ہے، ہمارے وقت میں اس کا کیا حصہ ہے؟ ہمارے مال میں اس کے لئے کتنا ہے؟ ہماری یاد اور توجہ اللہ کے لیئے کس قدر ہے بس اسی سے معلوم ہو جائے گا کہ اللہ کے نزدیک ہمارا مقام کیا ہے۔

آج ہم نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کو پس پشت ڈال دیا ہے اسی لیے ہم پریشان حال ہیں۔ اسی لیے رسوا ہیں اور جب ہم نے اللہ کے احکامات پر خواہشات نفسانی کو ترجیح دینا شروع کی تو مسائل اور آلام میں گھر گئے ہیں۔ آج ہم نے اپنے دلوں میں دنیا کی محبتیں بھر لی ہیں لیکن دعویٰ ہے کہ ہمیں تو اللہ اور اس کے نبی ﷺ سے محبت ہے۔ لیکن یہ ساری باتیں تو مخبر صادق حضرت محمد مصطفیٰ نے آج سے ساڑھے سودہ سو سال قبل ہی ہمیں بتا دی تھیں کہ اگر ہم احکامت الٰہی سے رو گردانی کریں گے تو کیا صورتحال پیدا ہو گی حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں اس وقت تمہارا کیا حال ہو گا جب تمہاری عورتیں حدود سے باہر نکل پڑیں گی تمہارے نوجوان نافرمان ہو جائیں گے اور تم جہاد کو چھوڑ بیٹھو گے! صحابہ کرام نے کہا: اے اللہ کے رسول کیا واقعی ایسا بھی ہو گا؟

آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے عنقریب اس سے بھی بڑھ کر ہو گا۔ صحابہؓ پوچھا اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس وقت تمہارا حال یہ ہو گا کہ تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ

بیٹھو گے!

صحابہ کرامؓ نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ کیا ایسا بھی ہونے والا ہے؟ (پھر آپ ﷺ نے فرمایا) قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اس سے بھی کہیں زیادہ ہوگا۔

صحابہؓ نے کہا اے اللہ کے رسول اس سے زیادہ اور کیا ہوگا؟

آپ ﷺ نے فرمایا اس وقت تمہارا حال یہ ہوگا کہ معروف کو منکر اور منکر کو معروف سمجھنے لگو گے!

صحابہؓ نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ کیا وہ دن بھی آنے والا ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا ہاں اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ میری ذات کی قسم (جب ایسی صورتحال ہوجائے گی تو) میں ان کے لیے ایسا فتنہ برپا کردوں گا جس میں صاحبان عقل و ہوش حیران و ششدر رہ جائیں گے (ابن ابی الدنیا بحوالہ کلام نبوی ﷺ کی صحبت میں از (خرم مراد ترجمان القرآن فروری 1995

حیّ علیٰ خیرالعمل حیّ علیٰ خیرالعمل

سارے صنم مسمار کر، خیرالبشر سے پیار کر
رکھ کر نبی کو سامنے، آرائشِ کردار کر
اپنائے گی رحمت تجھے، مل جائے گی جنت تجھے
اپنے عذابوں سے نکل، حیّ علیٰ خیرالعمل

جہادِ کشمیر حرام ہے : مولانا مودودی

عنوان پڑھ کر آپ لوگ چونک گئے ہونگے کہ میں نے یہ بات کیسے کہہ دی؟ واقعہ یہ ہے کہ مولانا مودودی مرحوم جیسے جید عالم دین، مفکر اور مجتہد سے یہ بات منسوب کرنے والے دراصل مخالفت برائے مخالفت میں اتنے اندھے ہوچکے ہیں کہ ان کو اس بات کا احساس ہی نہیں ہے کہ مرنے کے بعد اللہ کو بھی جواب دینا ہے ورنہ جس فرد کی پہلی تصنیف ہی اسلام کے فلسفہ جہاد کے بارے میں ہو، جس کی جماعت جہاد کی پرزور حامی ہو تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ جہاد کے حرام ہونے کا فتویٰ دیں؟۔ دوسری بات یہ کہ ایسے بات کہنے والے دو قسم کے لوگ ہیں اول وہ لوگ جنہوں نے سوچ سمجھے منصوبے کے تحت مولانا مرحوم سے یہ بات منسوب کرکے ان کی کردار کشی کی انتہائی بھونڈی کوشش کی تھی۔ یہ جنریشن وہ تھی جو مولانا مرحوم کے معاصرین میں شمار ہوتے تھے اور ان کے دور میں انکی مخالفت میں پیش پیش تھے۔ ان لوگوں کو اصل بات کا اچھی طرح پتہ تھا لیکن جانتے بوجھتے یہ لوگ حق کو چھپاتے رہے اور مولانا کی کردار کشی کرتے رہے۔

دوسری قسم کے لوگ میرے نزدیک بددیانت اور جھوٹے ہونے کے ساتھ ساتھ بیوقوف بھی ہیں کیوں کہ آج مولانا مودودی مرحوم پر یہ الزام لگانے والوں کو اصل

واقعے کا ذرہ برابر بھی علم نہیں ہے لیکن جو کچھ انہوں نے لوگوں سے سنا، بغیر سوچے سمجھے اسے آگے بڑھا دیا نہ صرف آگے بڑھا دیا بلکہ یہ لوگ ایک قومی اور دینی خدمت سمجھ کر یہ فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔ یہ بالکل ایسی ہی بات ہے کہ جیسے آج لوگ البدر و الشمس کے حوالے سے جماعت اسلامی پر بڑھ کر حملے تو کرتے ہیں لیکن جب ہم ان سے سوال کرتے ہیں کہ بتائیں آپ لوگ البدر و الشمس کے بارے میں کیا جانتے ہیں؟ تو یہ لوگ بغلیں جھانکنے لگتے ہیں۔ (اے لوگوں! جو ایمان لائے ہو، اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لیکر آئے تو تحقیق کرلیا کروایسا نہ ہو کہ تم نادانستہ کسی گروہ کو نقصان پہنچا بیٹھو اور پھر اپنے کئے پر پشیمان ہو۔ الحجرات آیت 5)۔

بہرحال یہ اچھی بات ہے کہ اس ویب سائٹ پر مولانا مودودی مرحوم پر یہ الزام دہرائے جاتے ہیں اور ہمیں اس بہانے اصل بات لوگوں تک پہنچانے کا موقع ملتا ہے ورنہ ہم اگر خود سے یہ باتیں لکھیں تو لوگ تنظیمی وابستگی کے باعث ایسی کوشش کو ہماری خودستائشی یا خود نمائی سمجھتے۔ بہرحال اب ہم اصل بات کی طرف آتے ہیں کہ یہ مولانا مرحوم سے یہ بات کب اور کیسے منسوب کی گئی؟ اور اس واقعے کا پس منظر کیا ہے؟

دراصل یہ الزام پاکستان کے پہلے وزیراعظم خان لیاقت علی خان کے دور حکومت میں لگایا گیا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ پاکستان بننے کے بعد مولانا مودودی نے یہ مطالبہ اٹھایا تھا کہ ”چونکہ پاکستان

اسلام کے نام پر قائم ہوا ہے۔ اور یہاں کے باشندوں کی اسلام کے ساتھ وابستگی ہے اور وہ دین اسلام کو اس خطے میں نافذ کرنا چاہتے ہیں اس لئے حکومت جلد از جلد اسلامی قوانین کے نفاذ کا اعلان کرے، جبکہ لیاقت علی خان صاحب کی حکومت اس کام میں سنجیدہ نہیں تھی۔ اسی لئے قائد اعظم محمد علی جناح مرحوم کے انتقال فرمانے کے فوراً بعد انہوں نے یہ جھوٹا الزام لگا کر مولانا مودودی مرحوم کو گرفتار کر لیا۔ ان کا خیال تھا کہ اس طرح جماعت اسلامی اور مولانا مودودی پاکستان میں اسلامی قوانین کے نفاذ کے مطالبے سے باز آ جائیں گے۔

ڈاکٹر عمر حیات ممبر دستوریہ اور سابق وائس چانسلر جامعہ پنجاب نے اپنے ایک انٹرویو میں اس واقعے کی تفصیلات بتاتے ہوئے کہا کہ " یہ بات غالباً مارچ 1948 کی ہے کہ جب پہلی دستور ساز اسمبلی کا اجلاس کراچی میں ہو رہا تھا مولانا مودودی کے خصوصی نمائندے (چوہدری غلام محمد) اسمبلی کے ارکان سے ملے تاکہ انہیں پاکستان کے بنیادی نظریئے اور مقاصد پر مبنی قرارداد پاس کرنے پر آمادہ کر سکیں اس وقت صاف دکھائی دے رہا تھا کہ اسمبلی کے اکثر لوگ اس بات پر آمادہ نہیں ہیں کہ پاکستان کے نظریاتی مملکت ہونے کا کوئی اعلان کرے۔ میں نے اس کیفیت اور عملی صورت حال سے مایوس ہو کر مولانا مودودی کو ان کے خصوصی نمائندے کی زبانی پیغام بھجوا دیا کہ یہ لوگ نہ تو اسلامی حکومت

چاہتے ہیں اور نہ اسے قائم ہونے دیں گے اور نہ ہی اس سے انکار کریں گے، اگر آپ اس ملک میں اسلامی نظام کا نفاذ چاہتے ہیں تو ارکان اسمبلی کو ان کے حال پر چھوڑ کر عوام کا شعور بلند کریں کیوں کہ رائے عامہ کے دباؤ سے مجبور ہو کر ہی یہ لوگ پاکستان کو نظریاتی اور اسلامی مملکت بنانے کے اصول کو تسلیم کرنے پر مجبور و تیار ہو سکیں گے۔ چنانچہ اس کے بعد ہی جماعت اسلامی نے اسلامی نظام کے مطالبے کی مہم کا آغاز کیا، جس سے تجدد پسند مغرب زدہ مسلم لیگی اور اشتراکی عناصر بری طرح بوکھلا اٹھے انہوں نے اس مطالبے کو سبوتاژ کرنے کے لئے طرح طرح کی سازشیں کیں حتیٰ کہ مرکزی کابینہ کے اجلاس میں مولانا مودودی کو کڑی سزا دینے کی تجویز بھی پیش کردی اور وہاں چوہدری محمد علی (سابق وزیر اعظم پاکستان) نے بہ دلائل اس تجویز کا پس منظر بیان کیا۔ بالآخر قائد اعظم نے اس تجویز کو سختی سے مسترد کردیا۔ شومئی قسمت سے انہی دنوں قائد اعظم وفات پاگئے اور اربابِ اختیار کو موقع ہاتھ آگیا اور چند روز بعد ہی مولانا مودودی کو (جہاد کشمیر کے خلاف فتویٰ دینے کے الزام میں) گرفتار کرلیا گیا (انٹرویو ڈاکٹر عمر حیات ملک روزنامہ جسارت کراچی 25 جون 1982)۔

قائد اعظم کے انتقال کو ابھی 24 دن ہی ہوئے تھے کہ 4 اکتوبر 1948 کو مولانا مودودی کو انکے دو ساتھیوں امین احسن اصلاحی اور میاں طفیل محمد کے ہمراہ

گرفتار کرلیا گیا۔ گرفتاری کی وجہ مولانا مودودی کا جہاد کشمیر کے بارے میں ''فتویٰ'' بتایا گیا۔ واقعہ یہ ہوا کہ مولانا مودودی مرحوم اپریل 1948 میں جماعت اسلامی صوبہ سرحد کے ارکان و متفقین کے ایک اجتماع میں شرکت کے لئے پشاور گئے تو وہاں نبی بخش نظامی جو کہ آزاد کشمیر حکومت کے پروپیگنڈہ سیکرٹری تھے انہوں نے تخلیئے میں مولانا مودودی مرحوم سے ایک ملاقات کی اور کشمیر میں جاری جنگ کے بارے میں پوچھا، اور پھر دوسرے دن ان کی باتوں کو توڑ موڑ کر اخبارات میں '' مولانا مودودی جہاد کو حرام قرار دیتے ہیں '' کی سرخیوں کے ساتھ شائع کرا دیا۔ خود مولانا مودودی مرحوم نے اس واقعے کی تفصیلات بتاتے ہوئے کہا کہ '' میں نے اس قسم کا کوئی فتویٰ نہیں دیا بات صرف اتنی ہوئی کہ تھی کہ حکومت آزاد کشمیر کا پبلسٹی سیکرٹری (نبی بخش نظامی)، ایک دن پشاور میں میرے پاس آیا اور اس نے مجھ سے تخلیئے میں کچھ بات کرنی چاہی میں نے اسے تنہائی فراہم کی تو اس نے مجھ سے سوال کیا کہ آپ آخر جہاد کشمیر میں، حصہ کیوں نہیں لے رہے؟ میں نے اس سے کہا کہ اس کی وجہ میں دانستہ بیان نہیں کرنا چاہتا لیکن جب اس نے اصرار کیا تو میں نے کہا کہ اگر مجھے جہادِ کشمیر میں حصہ نہ لینے کی وجہ بیان کرنا پڑی تو میں یہ کام خود کرتا اس کے لئے مجھے آپ کی مدد لینے کی کیا ضرورت تھی کہ میں آپ کو بیان کروں اور آپ اُسے دنیا کے سامنے بیان کر دیں۔ وہ بولا میں یہ بات محض اپنے اطمینان کے لئے پوچھ رہا ہوں میرا مقصد اس معاملے کی ترویج واشاعت

کرنا نہیں ہے۔ میں نے کہا اگر واقعی یہ بات صرف اپنے اطمینان کے لئے پوچھ رہے ہیں تو سنئے ! " جہادِ کشمیر کے سلسلے میں میرے نزدیک یہ کوئی معقول بات نہیں ہے کہ وہاں لڑائی بھی ہو رہی ہو اور نہیں بھی ہو یعنی ایک طرف ہماری قوم حکومت دنیا کے سامنے اعلان کرے کہ ہم لڑ نہیں رہے بلکہ لڑنے والوں کو روک رہے ہیں اور دوسری طرف وہ لڑے بھی تو اس سے نہ صرف ہماری اخلاق پوزیشن کمزور ہوگی بلکہ ہم لڑ بھی نہیں سکیں گے۔ میرا بیان کردہ حکومت کا یہ مؤقف خود ظفر اللہ خان نے اقوام متحدہ میں بیان کیا تھا جو آج بھی ریکارڈ موجود ہے۔" بہر صورت گفتگو ختم ہوئی تو اس سے اگلے روز اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ " مودودی نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ کشمیر میں جہاد حرام ہے اور جو اس کا میں جان دے گا وہ حرام موت مارا جائے گا۔" میں نے اس خبر کی تردید بھیجی تو وہ کسی اخبار نے شائع نہیں کی۔ دوسرے دن موقع ملتے ہی ہندوستان ریڈیو نے میرے اس "فتویٰ" کو اچھالنا شروع کر دیا۔ اس صورتحال کو دیکھتے ہوئے میں نے ریڈیو پاکستان سے درخواست کی کہ وہ مجھے اس بات کی تردید کرنے کا موقع دے لیکن اس نے میری مدد کرنے سے انکار کر دیا"۔ (مولانا مودودی کے انٹرویو حصہ دوم صفحہ 183,184) جہاد کشمیر کو "حرام" قرار دینے کے الزام کے بارے میں مولانا مودودی مرحوم کے خلاف پروپیگنڈہ حقیقت میں اس وقت کی حکومت کا اسلامی نظام کے نفاذ سے فرار تھا۔

تو دوستوں ! یہ وہ ساری بات تھی جس کو بنیاد بنا کر مولانا مودودی مرحوم کے خلاف آج تک پروپگینڈہ کیا جاتا ہے لیکن اصل بات کو جاننے کی کوئی کوشش نہیں کرتا۔ یہاں یہ بات بھی اہم ہے کہ مولانا مودودی مرحوم سے الگ ہونے والے معروف عالم دین اور اسکالر ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم نے بھی اپنے ایک مضمون ''امت مسلمہ کی نصرت الہیٰ سے محرومی'' میں مولانا مودوی کے موقف کی تائید کی تھی۔ان کے الفاظ میں ''جہاد کشمیر کے آغاز میں مولانا مودودی کی جو رائے سامنے آئی وہ خالص اسلامی اور قرآنی بنیادوں پر استوار تھی،اس کی رو سے پاکستان کو چاہیئے تھا کہ وہ ہندستان کے ساتھ جنگ کا باقاعدہ اعلان کرتا۔سفارتی تعلقات بھی قائم ہو اور خفیہ طور پر دشمن کے خلاف کاروائی ، یہ طرزِ عمل اسلامی تعلیمات سے مطابقت نہیں رکھتا۔ (روزنامہ نوائے وقت 11 مارچ 1999) ان سب باتوں کو سامنے رکھیں اور پھر یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ جس فرد (نبی بخش نظامی) نے یہ سارا ہنگامہ کھڑا کیا اور مولانا مودودی مرحوم کے خلاف اتنا بڑا جھوٹ گھڑا اس نے مولانا مودودی مرحوم سے اس حرکت پر معافی بھی طلب کی، مولانا مودودی نے بتایا کہ ''یہ شخص جس نے اپنی نوکری کے لئے میرے بارے میں اتنا بڑا جھوٹ بول کر یہ ہنگامہ کھڑا کیا تھا، وہ ابھی چند روز ہوئے (فروری 1974) میں میرے پاس جماعت کے اس مرکز میں آیا اور میرا ہاتھ پکڑ کر بھری محفل میں کافی دیر تک زار و قطار روتا رہا،کہنے لگا مولانا مجھے معاف کردیجئے مجھ سے سخت غلطی ہوئی، نادم ہوں پیٹ کی خاطر میں نے یہ

شرمناک افتراء پردازی کی اور میری اس غلط بیانی سے آپ کو اس قدر صعوبتیں اٹھانی پڑیں'' (مولانا مودودی کے انٹرویو حصہ دوم صفحہ 183,184)۔

اب ذرا غور فرمائیں کہ ایک فرد نے اپنی نوکری پکی کرنے کی خاطر، اپنے پیٹ کی خاطر ایک جھوٹ گھڑا، افتراء پردازی کی اور اس جھوٹ کو آج تک پھیلایا جارہاہے۔ یہ جھوٹی بات کہنے والے فرد نے اگرچہ مولانا مودودی مرحوم سے اپنے اس گناہ کی معافی مانگ لی تھی لیکن افسوس کہ جو بیج انہوں نے بویا تھا جماعت اسلامی آج تک اس بیج کی فصل کاٹ رہی ہے۔ اور لوگ بغیر سوچے سمجھے مولانا مودودی مرحوم اور جماعت اسلامی پر ایسے الزامات کی جگالی کرتے رہتے ہیں۔ آئندہ مضمون میں ہم مولانا مودودی پر دیگر الزامات کے حوالے سے اپنی بات کریں گے۔

اس مضمون کی تیاری میں افتخار احمد صاحب کی کتاب ''عالمی اسلامی تحریک اسلامی کے عظیم قائدین سید ابو الاعلیٰ مودودی'' سے مدد لی گئی ہے۔اور ان کے لئے ہم ان کے مشکور ہیں۔

پیٹرول بم، نا انصافی۔ مسائل اور ان کا حل

اخباری اطلاعات کے مطابق حکومت نے عوام پر ایک بار پھر پیٹرول بم پھینکنے کا فیصلہ کرلیا ہے اور شنید ہے کہ پیٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں دس تا پندرہ فیصد تک اضافے کا امکان ہے جس کے بعد پیٹرول کی قیمت میں کم از کم سات روپے تک کا اضافہ ممکن ہے۔ ایک طرف تو حکومت کی جانب سے قیمتوں میں اضافے کا مسئلہ ہے دوسری جانب سرمایہ دارانہ سوچ کے حامل پیٹرول پمپ مالکان نے ہمیشہ کی طرح اس موقع پر بھی پیٹرول پمپس بند کردئے ہیں۔ اس طرح پیٹرول پمپس بند کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ پرانے ریٹ پر خریدے گئے پیٹرول پر ناجائز منافع کمایا جائے،اور اس ناجائز منافع کے چکر میں عوام کا بدترین استحصال کیا جاتا ہے۔
آج بروز پیر 28فروری کو بھی صبح سے یہی صورتحال تھی جس کے بعد شہریوں نے احتجاج شروع کردیا اور مظاہرے شروع کر دیئے ، گلستانِ جوہر میں ایک ایسے ہی مظاہرے کی قیادت کرتے ہوئے ایم ایم اے کے سابق ممبر اسمبلی یونس بارائی صاحب اور دیگر لوگوں کو گرفتار کرلیا گیا اور مظاہرین کو منتشر کرنے کے لئے لاٹھی چارج اور شیلنگ کی گئی جس کے بعد شہر میں ہنگامے پھوٹ پڑے ہیں۔ کئی جگہ جلاؤ گھیراؤ کیا گیا ہے۔اگر دیکھا جائے تو ہمارے مسائل خواہ وہ مہنگائی

کا مسلہ ہو، ٹارگٹ کلنگ کا مسلہ ہو، لینڈ مافیا، ناجائز تجاوزات ہوں ، کرپشن کا مسلہ ،دہشت گردی کا مسلہ ہو یا پولیس گردی کا مسلہ ، فراڈ اور جعلی ڈگریوں کا مسلہ ہو یا اور کوئی مسلہ سب کی بنیادی وجہ صرف اور صرف ایک ہی اور ہمارے نزدیک ان سب اور قانون کا احترام نہ کرنا ہے۔ حضرت علی (Injustice) مسائل کی جڑ نا انصافی رضی اللہ عنہ کا قول ہے جس کا مفہوم ہے کہ کفر پر مبنی معاشرہ تو چل سکتا ہے لیکن ناانصافی پر نہیں چل سکتا ہے۔اور بد قسمتی سے ہمارے معاشرے میں انصافی کا زہر سرایت کرچکا ہے۔ قانون کا احترام ایک مذاق بن چکا ہے ،اب قانون صرف غریبوں اور بے حیثیت لوگوں کے لئے رہ گیا ہے ۔ صاحبِ ثروت اور با اثر لوگوں کے لئے کوئی قانون نہیں ہے۔

حال یہ ہے کہ ملک میں دہشت گردی کی کوئی واردات ہوتی ہے اور شہر میں ناکے لگ جاتے ہیں لیکن ان ناکوں پر ،ان چیک پوسٹس پر روکا کس کو جاتا ہے؟ موٹر سائیکل والوں کو، رکشے اور ٹیکسی کے مسافروں کو روک روک کر ان کی سر عام تلاشی لیکر ان کی عزت نفس مجروح کی جاتی ہے ، جبکہ انہی چیک پوسٹس کے سامنے سے بڑی بڑی عالیشان کاریں پجیرو، اور لینڈ کروزر گزرتی رہتی ہیں لیکن کسی پولیس والے کی اتنی ہمت نہیں ہوتی کہ ان کو روک کر ان سے کوئی سوال کرسکے۔ایک متوسط طبقے کا فرد اگر بینک سے ہزاروں روپے کا قرض لے اور اس کی قسطوں کی ادائیگی بر وقت نہ کرسکے تو بینک کے بدمعاش اہلکار جس کو ریکوری

آفیسر کا نام دیا جاتا ہے وہ اس غریب انسان کا جینا دوبھر کر دیتے ہیں۔ اسکو دھمکیاں دی جاتی ہیں۔ ذلیل کیا جاتا ہے،اس کے گھر والوں کے سامنے اس کو بے عزت کیا جاتا ہے۔ایسے ہی ایک واقعے میں چند سال قبل ایک نوجوان نے خودکشی بھی کرلی تھی۔ لیکن یہی بینک کروڑ پتی لوگوں کو مزید کروڑوں روپے کے قرضے دیتے ہیں اور پھر وہ قرضے معاف بھی کر دئے جاتے ہیں۔

اگرایک فرد مجبوری کے باعث مسجد سے جوتا چرا لے تو وہ چور کہلاتا ہے۔ ساری سوسائٹی کے لوگ اس کو مل کر مارتے ہیں۔اس کے بعد اس کو حوالہ پولیس کیا جاتا ہے جہاں اس کی اچھی طرح دھنائی کی جاتی ہے لیکن ناجائز منافع خوری، کرپشن اور فراڈ کے ذریعے ایک فرد لوگوں کے لاکھوں روپے ہڑپ کر جاتا ہے،اور اس کو بزنس مین، سیاستدان، یا سرکاری افسر کہا جاتا ہے اور قانون کے لمبے ہاتھ اس کی گردن تک نہیں پہنچ سکتے۔

جب تک ہمارے معاشرے میں انصاف نہیں ہوگا اس وقت تک معاشرے میں بد امنی،انتشار،اور افراتفری رہے گی اس وقت تک ہم لوگ پریشان رہیں گے۔ لیکن جب معاشرے میں انصاف مہیا کیا جائے گا،جس فرد نے بھی ذرا سی بھی بے ایمانی، کرپشن، یا قانون شکنی کی ہوگی اس کو سزا دی جائے گی، قانون امیر غریب سب کے لئے برابر ہوگا تب ہی معاشرے کو سکون نصیب ہوگا۔اور یہ انصاف کسی

سیکولر ازم میں نہیں ہے، کسی سوشل ازم میں نہیں ہے، کسی کمیونزم میں نہیں ہے۔
انصاف اگر ہے تو وہ صرف اور صرف نبی مہربان صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت
میں ہے۔ اس ملک میں اسلامی قوانین کا نفاذ کرلیں انشاء اللہ تمام مشکلات کا حل اس
میں ہی ملے گا۔

پیپلز امن کمیٹی : لیاری گینگ وار کا معززانہ نام

ہم سنتے تھے کہ تاریخ کو مسخ کر دیا جاتا ہے۔ ہم سنتے تھے کہ حقائق تبدیل کر دیئے جاتے ہیں، ہم سنتے تھے کہ سچ کے اوپر جھوٹ کی اتنی تہیں چڑھا دی جاتی ہیں کہ سچ کہیں گم ہو جاتا ہے۔ لیکن موجودہ دور میں ہم نے اس کی جیتی جاگتی مثال اپنے سامنے دیکھی ہے۔ اور معاملہ یہ ہے اس وقت تو چونکہ ہمارے سامنے ساری بات ہے اور ہمیں اصل بات کا پتہ ہے اس لئے ہم تو تھوڑا بہت بات کر بھی سکتے ہیں لیکن کچھ عرصے بعد لوگ اصل بات کو بھول جائیں گے ۔۔ آپ سوچ رہے ہونگے کہ میں کس کے بارے میں یہ باتیں کر رہا ہوں؟ کیا سچ ہے؟ کونسی حقیقت کو لوگ بھول جائیں گے؟ میں بات کر رہا ہوں موجودہ سردار عبد الرحمان شہید عرف رحمان ڈکیت کی۔ میں بات کر رہا ہوں موجودہ پیپلز امن کمیٹی اور سابقہ رحمان ڈکیت گروپ کی .

پہلے بات ہو جائے امن کمیٹی کی۔ امن کمیٹی کے بارے میں اخبارات میں تو پڑھا اور لوگوں سے سنا ہی تھا لیکن پہلا براہ راست تعارف اگست 2010 میں ہوا۔ ہماری عادت ہے کہ ہر سال اگست کے مہینے میں بچوں کو بیجز، جھنڈے، جھنڈیاں وغیرہ دیتے ہیں تاکہ وہ پاکستان کا یوم آزادی شایانِ شان طریقے سے منا سکیں اور اس کے لئے کراچی میں پیپر مارکیٹ میں ہول سیل ریٹ پر یہ تمام چیزیں

ملتی ہیں۔ گزشتہ سال اگست کی غالباً دس تاریخ تھی جب ہم پیپر مارکیٹ گئے۔ پیپر مارکیٹ کی گلی / سڑک ون وے ہے۔اور ہم نے دیکھا کہ ایک رکشہ جس میں تین مسافر بھی سوار تھے وہ رانگ سائیڈ سے اس گلی میں داخل ہوچکا تھا، گلی میں یومِ آزادی کے حوالے خریداروں کا بے تحاشہ رش تھا اس پر مستزاد گاڑیاں بھی گلی میں موجود تھیں جس کے باعث گلی میں پیدل چلنا بھی محال تھا اور اس حالت میں یہ رکشہ جب رانگ سائیڈ سے گلی میں داخل ہوا تو ٹریفک مکمل جام ہوگیا۔ جب کافی دیر تک جام رہا تھا ٹریفک پولیس کا ایک سپاہی گلی میں داخل ہوا اور اس نے ایک نظر میں دیکھ لیا کہ ٹریفک جام کی وجہ یہ رکشہ ہے۔ اس نے رکشہ والے کو روکا اور اس کو کہا کہ وہ اپنے رکشہ کو واپس لے جائے کیوں کہ اس کی وجہ سے پوری گلی میں ٹریفک جام ہوگیا تھا اور اس کے اثرات گلی سے متصل ایم اے جناح روڈ پر بھی مرتب ہو رہے تھے۔

رکشہ والا بضد تھا کہ وہ رکشہ واپس لیکر نہیں جائے گا بلکہ وہ اسی گلی سے رانگ سائیڈ سے ہی رکشہ نکالے گا، سپاہی اور رکشہ والے میں تکرار ہونے لگی، اور رش بڑھتا گیا ہم بھی صورتحال کا جائزہ لینے وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ رکشہ ڈرائیور اور اس کی سواریوں کا تعلق لیاری سے ہے اور وہ ٹریفک پولیس کے سپاہی کو امن کمیٹی کے نام سے دھمکانے کی کوشش کر رہا تھا۔جب ٹریفک پولیس کا سپاہی انکے دباؤ میں نہیں آیا تو رکشہ ڈرائیور اور اس کے ساتھیوں نے

باقاعدہ اس کو باقاعدہ مغلظات بکنا شروع کردیں۔ اور اس کو دھمکانے لگے کہ ہم امن کمیٹی کے لوگ ہیں اور دیکھنا تیری پٹی اتروادیں گے۔ یہ صورتحال دیکھ کر ہم نے اور دیگر کچھ لوگوں نے سپاہی کی حمایت کی ,اور رکشہ ڈرائیور اور اس کے ساتھیوں سے کہاکہ وہ بلاوجہ بات نہ بڑھائیں اور اپنا رکشہ واپس لے جائیں لوگوں کے شور کرنے کے بعد وہ لوگ گالیاں بکتے اور دھمکیاں دیتے باالآخر وہاں سے روانہ ہوگئے۔ یہ میرا پیپلز امن کمیٹی سے پہلا تعارف تھا۔

دوسرا تعارف گزشتہ عید الاضحیٰ پر ہوا جب ہمیں عید کے پہلے دن اطلاع ملی کہ لیاری کے علاقے میں کچھ گڑبڑ ہوئی ہے اور وہاں کھالیں چھیننے کے مسئلہ پر دو گروپوں میں فائرنگ بھی ہوئی ہے۔ پھر ہم نے اپنے ایک کولیگ جو کہ لیاری ہی میں رہائش پذیر ہیں ان سے صورتحال کے بارے میں معلوم کیا تو پتہ چلا کہ لیاری کے نیازی محلّہ میں چوک پر قربانی کی جاتی ہے اور تقریباً ساری ہی نیازی برادری اسی چوک پر اپنے جانور ذبح کرتی ہے۔ لیاری کا یہ علاقہ گینگ وار کے اثر سے پاک ہے اور یہاں گینگ وار والوں نے کبھی مداخلت نہیں کی تھی۔ حسبِ معمول اس سال بھی لوگ یہاں قربانی کررہے تھے کہ اچانک یہاں بھی لیاری گینگ وار (امن کمیٹی) کے لوگ پہنچ گئے اور انہوں نے مطالبہ کیا کہ قربانی کے جانوروں کی کھالیں ہمیں دیدی جائیں، وہاں کے لوگوں نے انکار کردیا کہ یہ

کھالیں تو ہم پہلے ہی مختلف مدارس اور فلاحی تنظیموں کو دینے کا وعدہ کرچکے ہیں اس لئے آپ کو کھالیں نہیں دی جاسکتی، اس بات پر دونوں جانب سے تو تو میں میں ہونے لگی اور گینگ وار کے ایک فرد نے طیش میں آکر وہاں موجود لوگوں پر براہ راست فائرنگ کردی، جس کے باعث وہاں ہلاکتیں ہوئیں۔اور صرف اسی پر بس نہیں کیا گیا بلکہ اس علاقے کو اپنا مفتوحہ علاقہ سمجھتے ہوئے کئی گھنٹوں تک وہاں فائرنگ کی جاتی رہی، جبکہ پولیس کا کہیں اتا پتہ نہ تھا۔اس صورتحال کے بعد نیازی برادری نے اپنی مدد آپ کے تحت ان کا مقابلہ کرنے کی ٹھانی اور مساجد سے اعلان کئے گئے کہ پولیس اور رینجرز علاقے میں داخل نہیں ہوسکتی اس لئے اہل محلّہ ازخود اپنا اپنا اسلحہ لیکر آجائیں اور ان کا مقابلہ کریں۔کئی گھنٹوں تک نیازی محلّہ میدان جنگ بنا رہا۔اس کے ساتھ ساتھ جب ہم نے مزید معلومات حاصل کیں تو انکشاف ہوا کہ لیاری میں امن کمیٹی (گینگ وار) نے اپنے زیر اثر علاقوں میں اس سال ایک نیا ٹرینڈ متعارف کرایا ہے۔اور وہ یہ کہ انہوں نے قربانی کے جانور کے ریٹ مقرر کردیئے کہ گائے، بیل کی قربانی کرنے والا پانچ ہزار روپے، اور بکرا، دنبہ کی قربانی کرنے والا دو ہزار روپے ادا کرےاور قربانی کی کھال کہیں بھی دیدے اس سے ہمیں غرض نہیں ہے۔

کل کا بدنام ڈکیٹ، منشیات فروش، قاتل، اور اغواء برائے تعاون کا مجرم آج اس کو

ایک مظلوم کی صورت میں ایک سماجی رہنما کی صورت میں پیش کیا جارہا ہے۔ کل کا رحمان ڈکیت آج ''شہید سردار عبدالرحمان بلوچ عرف خان بھائی'' ہے۔ لیاری گینگ وار کے دو اہم کرداروں میں سے ایک رحمان ڈکیت پولیس مقابلے میں مارا جاچکا ہے جبکہ دوسرا اہم کردار ارشد پپو اس وقت پولیس کی حراست میں ہے۔ ایم کیو ایم نے لیاری میں قدم جمانے کے لئے ارشد پپو گروپ کو سپورٹ کیا تو جواباً پی پی پی نے رحمان ڈکیت گروپ کو ایک قانونی اور سماجی شکل دیکر اس کو پیپلز امن کمیٹی کا نام دیدیا ہے لیکن نام بدلنے سے چہرہ نہیں بدلا اور نہ ہی کردار بدلا ہے صرف یہ ہوا ہے کہ طریقہ واردات بدل گیا ہے۔ پہلے بھتے کی پرچی آتی تھی اب اس کو چندے کا نام دے دیا گیا ہے۔ پہلے لیاری میں کھالوں کی چھینا جھپٹی نہیں ہوتی تھی اب وہاں بھی یہ سلسلہ رہے گا۔ پہلے لوگ منشیات فروشوں اور جرائم پیشہ گروہوں سے اپنے تعلق کو چھپاتے تھے اب ایسے لوگ باقاعدہ ''کارکن'' کہلاتے ہیں۔

ہم سنتے تھے کہ تاریخ کو مسخ کردیا جاتا ہے۔ ہم سنتے تھے کہ حقائق تبدیل کردیئے جاتے ہیں، ہم سنتے تھے کہ سچ کے اوپر جھوٹ کی اتنی تہیں چڑھادی جاتی ہیں کہ سچ کہیں گم ہوجاتا ہے۔ لیکن موجودہ دور میں ہم نے اس کی جیتی جاگتی مثال اپنے سامنے دیکھی ہے۔ اور معاملہ یہ ہے اس وقت توچونکہ ہمارے سامنے ساری بات ہے اور ہمیں اصل بات کا پتہ ہے اس لئے ہم تو تھوڑا بہت بات کر بھی

سکتے ہیں لیکن کچھ عرصے بعد لوگ اصل بات کو بھول جائیں گے. چند سالوں بعد لوگ بھول جائیں گے کہ رحمان ڈکیت کون تھا بلکہ لوگ یہی سمجھیں گے کہ سردار عبدا لرحمان بلوچ عرف خان بھائی کو ان کے سیاسی مخالفین نے بدنام کرنے کے لئے ڈکیت کا نام دیا ہے۔

خرد کا نام جنوں پڑ گیا، جنوں کا خرد جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

الطاف حسین، نواز شریف: بار بار فوج کو دعوت کیوں؟

اب نواز شریف صاحب نے بھی وردی والوں کو دہائی دی ہے کہ وہ ملک کی حالت سنوارنے کے لئے مدد کریں۔ اخباری اطلاعات کے مطابق مسلم لیگ ن کے قائد میاں نواز شریف نے وزیر اعظم جناب یوسف رضا گیلانی صاحب کو فون کرکے فوج، عدلیہ اور سیاسی قیادت کے ساتھ مل کر ایک مشترکہ لائحہ عمل تیار کرنے کی حکمتِ عملی تیار کرنے کی تجویز دی ہے۔ یہ تجویز کتنی اچھی ہے یا اس کے کیا مضر اثرات ہیں اس پر بات کرنے سے پہلے ہم یہ بات کریں گے کہ آخر ہمارے سیاسی لیڈران گاہے بگاہے مسائل کے حل کے نام پر فوج کو کیوں آواز دے رہے ہیں۔ میاں نواز شریف صاحب سے قبل متحدہ قومی موومنٹ کے قائد الطاف حسین صاحب بھی فوج کو مداخلت کی دعوت دے چکے ہیں۔

ہمارے نزدیک اس کی اہم وجہ ریمنڈ ڈیوس کا کیس ہے۔ کیوں کہ ریمنڈ ڈیوس کا کیس امریکہ اور پاکستان دونوں کی حکومت کے لئے چھچھوندر کے گلے کی ہڈی بن گیا ہے جس کو نہ اگلا جاسکتا ہے اور نہ ہی نگلا جاسکتا ہے۔ ریمنڈ ڈیوس کے لئے امریکی پریشانی اور بے تابی تو سمجھ میں آتی ہے کہ وہ ان کا اہم ہتھیار، ایک اہم کارندہ ہے جس کو وہ گنوانے کا رسک نہیں لے سکتے لیکن اس حوالے سے پاکستانی حکومت، دفتر خارجہ اور حکومت کی اتحادی و اپوزیشن جماعتوں کا موقف

بہت غیر مبہم، ڈھکا چھپا اور خوف میں ڈوبا ہوا ہے۔ مذکورہ بالا جماعتوں نے اگرچہ لاہور کے سانحے کی مذمت تو کی ہے لیکن کسی نے بھی اس واقعے پر امریکی حکومت سے باقاعدہ احتجاج نہیں کیا ہے حتیٰ کہ پاکستانی حکومت اور دفتر خارجہ نے بھی نہیں! دیکھا جائے تو اس واقعے پر امریکی سفارت خانے اور قونصل ہاؤس پر احتجاج کرنے، اور حکومت کی جانب سے کمزور موقف کے خلاف آواز اٹھانے میں حکومتی اتحادی و اپوزیشن جماعتوں کے بجائے مذہبی جماعتیں، تحریک انصاف اور پاسبان وغیرہ نمایاں ہیں جبکہ مسلم لیگ ن ق، پی پی پی، ایم کیو ایم، اے این پی وغیرہ نے صرف بیانات کی حد تک لاہور کے سانحے کی مذمت کی ہے لیکن عوامی سطح پر کسی بھی قسم کا کوئی رابطہ یا احتجاج نہیں کیا گیا۔

اب صورتحال یہ ہے کہ وفاقی حکومت اس کیس کو پنجاب حکومت کے سر ڈال کر بری الذمہ ہونے کی کوشش کر رہی ہے اور رحمان ملک و بابر اعوان سمیت پی پی پی کے کئی اہم رہنما یہ بات کہہ چکے ہیں کہ ”ریمنڈ ڈیوس کا معاملہ پنجاب حکومت کا ہے وہ جانے اور امریکہ جانے“ ادھر صدر مملکت امریکہ کو بھی ناراض نہیں کرنا چاہتے اور دوسری جانب وہ کچھ کر بھی نہیں پا رہے ہیں اس لئے وہ اور ان کی پارٹی کے ترجمان و دیگر رہنما ریمنڈ ڈیوس کو ایک سفارت کار کے تحت سزا سے مستثنیٰ قرار دینے کی کوششوں میں مصروف ہیں، پی پی پی کی سابقہ سیکرٹری اطلاعات محترم فوزیہ وہاب صاحبہ نے تو گزشتہ ماہ کراچی پریس کلب پر ایک پر

ہجوم پریس کانفرنس میں باقاعدہ دستاویزات اور کتابیں ہاتھوں میں لیکر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ امریکی قاتل ایک سفارت کار ہے۔ اور دوسری جانب خادمِ اعلیٰ پنجاب اور ان کی پارٹی کھل کر یہ بھی نہیں کہتے کہ ریمنڈ ڈیوس ایک قاتل ہے اور قتل کی سزا سزائے موت ہے اور نہ ہی اس کی کھل کر حمایت کرتے ہیں بلکہ وہ ایک ڈپلومیٹک جواب دیتے ہیں کہ ”معاملہ عدالت میں ہے اور عدالت ہی اس کا فیصلہ کرے گی“

ویسے ایک لحاظ سے یہ پالیسی درست بھی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ضرورت اس بات کی ہے کہ امریکی قونصل خانہ اور امریکی سفیر و دیگر امریکی اہلکاروں پر یہ بات واضح کر دی جائے کہ وہ اس کیس میں مداخلت نہ کریں لیکن ایسا بھی نہیں ہو رہا ہے۔

اب چونکہ امریکی قاتل کا جرم واضح ہے، کیس مضبوط ہے اور اس کے خلاف شہادتیں بھی موجود ہیں، جبکہ سول سوسائٹی، سیاسی جماعتیں، میڈیا اور عدلیہ نے بھی اس حوالے سے قابل تحسین کردار ادا کیا ہے۔ اس لئے امریکی قاتل کا قانونی طور پر بچاؤ تو ممکن نہیں ہے اس لئے اب دو طرفہ پالیس کے تحت کام کیا جا رہا ہے۔ پہلی پالیسی تو یہ ہے کہ مقتولین کے اہل خانہ سے مذاکرات اور دھمکیاں دونوں باتیں کی جا رہی ہیں ایک طرف ان کو اسلامی قانون کے مطابق خون بہا اور تصفیہ کرنے کے لئے راضی کرنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ چوہدری شجاعت صاحب تو کھل کر اس کی حمایت کر چکے ہیں جبکہ اب مسلم لیگ ن نے بھی اس جانب اشارہ دیدیا

ہے۔ جبکہ دوسری جانب مقتولین کے اہل خانہ کو کو دھمکایا بھی جارہا ہے۔ کیس کے مدعیان کے گھروں پر نامعلوم افراد کی جانب سے گمنام ٹیلفون کے ذریعے سنگین نتائج کی دھمکیاں دی جارہی ہیں جبکہ مقتول فہیم کے ماموں کے گھر میں گھس کر ان کو زہر دینے کی بھی کوشش کی گئی ہے۔

الطاف حسین، نواز شریف : فوج کو دعوت کیوں؟

دوسری پالیسی کے تحت پی پی پی، حکومتی اتحادی جماعتوں اور میڈیا کی کچھ کالی بھیڑوں کے ذریعے یہ پیغام دیا جارہا ہے کہ ''امریکہ ایک سپر پاور ہے۔ اس سے ٹکر نہیں لینا چاہئے۔ ہم اس کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے، اگر ہم نے امریکہ کی بات نہ مانی تو ہماری امداد بند ہوجائے گی، ہماری معیشت تباہ ہوجائے، ہماری تجارت ختم ہوجائے گی وغیرہ وغیرہ'' جبکہ یہ ساری باتیں نئی نہیں ہیں بلکہ دس سال قبل نائن الیون کے بعد جنرل مشرف بھی قوم کو یہ ساری باتیں کہہ کر ڈراتے رہے ہیں کہ اگر امریکہ کی بات نہ مانی تو پتھر کے دور میں بھیج دیا جائے گا۔ (لیکن حقیقت یہ ہے کہ امریکہ کی بات مان کر ہم اس سے بھی بدتر حالات سے دوچار ہیں۔ ہماری میعشت تباہ ہورہی ہے، پوری دنیا میں ہمارا امیج خراب ہوا، ہمارا ملک بدامنی کا شکار ہوا،) یہ ساری باتیں تمام قارئین کے علم میں بھی ہیں۔ اس طرح کی باتیں کرکے عوام کے ذہنوں کو منتشر

کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

امریکہ کو اتنی محنت اس لئے کرنا پڑ رہی ہے کہ اس وقت ملک میں لولی لنگڑی، جیسی تیسی ہی سہی بہر حال جمہوریت موجود ہے اور جمہوریت میں دستور فعال ہوتا ہے پارلیمنٹ موجود ہوتی ہے جو دستور کے مطابق کام کرتی ہے۔ عدلیہ آزاد ہوتی، ہیں،میڈیا عوام تک حقائق پہنچانے میں آزاد ہوتا ہے۔ عوام کی آزادی (کم ہی سہی لیکن بہر حال کچھ آزادی تو ہے) سلب نہیں کی جاتی، فوج اپنے دائرہ کار میں رہتی ہے۔ اور صدر یا وزیراعظم مطلق العنان نہیں ہوتے بلکہ وہ بھی عوام اور پارلیمنٹ کے سامنے جواب دہ ہوتے ہیں (اگرچہ صرف نام کے لئے ہی سہی لیکن بہر حال جواب دہ تو ہوتے ہیں) ۔ جبکہ آمریت میں ایسا کچھ نہیں ہوتا ۔ایک فرد واحد ریاست کے سیاہ و سفید کا مالک ہوتا ہے۔دستور معطل ہوتا ہے۔پارلیمنٹ اول تو ہوتی ہی نہیں ہے اگر ہو بھی تو وہ ایک ربر اسٹمپ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی، عدلیہ آزاد نہیں ہوتی بلکہ وہ بھی فوجی آمر کی مرضی کی پابند کردی جاتی ہے،میڈیا پر پابندیاں عائد کردی جاتی ہیں کہ وہ صرف وہی دکھائے جو آمر دکھانا چاہتا ہے،وہی کہے جو وہ کہنا چاہتا ہے ۔ عوام کی آزادی سلب کردی جاتی ۔آمریت کے دور میں استعمار کو اپنے کسی بھی مقصد کے لئے کسی سیاسی جماعت، کسی لیڈر، کسی قانون کی پاسداری کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ فرد واحد سے معاملات طے کرلیے جاتے ہیں،اور بس بات ختم !

اسی لئے اس وقت پاکستان میں لولی لنگڑی اور کمزور سی جمہوریت بھی امریکی عزائم کی راہ میں رکاوٹ ہے۔اور اسی لئے امریکہ اپنے انہی ایجنٹوں کے ذریعے ایک بار پھر بہانے بہانے سے فوج کو سیاسی عمل میں مداخلت کی دعوت دے رہا ہے تاکہ جمہوریت کی بساط لپیٹ دی جائے۔ اس کے بعد کونسی عدالت، کونسا قانون، کیسا تصفیہ اور کیسا خون بہا۔ بس جو کرنا ہوگا وہ ایک فرد واحد کے ذریعے کردیا جائے گا۔ اور یہی وجہ ہے کہ سیاسی لیڈران کرام معاملات کے حل کے نام پر فوج کی جانب دیکھ رہے ہیں۔ ان کا یہ دیکھنا اپنی مرضی سے نہیں ہے بلکہ یہ سارے تو کٹھ پتلی ہیں۔ نواز شریف ہوں یا شہباز شریف، چوہدری برادران ہوں یا اے این پی، صدر زرداری ہوں یا الطاف حسین۔یہ لوگ آقاؤں کی مرضی کے مطابق ایجنڈا ترتیب دیتے ہیں اور پھر بڑی خوبصورتی سے اس کو عوامی مفاد کے نام پر عوام کے سر پر مسلط کرنے کی کوششیں شروع ہوجاتی ہیں۔اور ہوگئیں ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں جمہوری عمل میں فوج کو مداخلت کی دعوت دینا دراصل امریکی عزائم کی تکمیل کا راستہ ہموار کرنا ہے۔

مولانا مودودی اور تحریک پاکستان

مارچ کا مہینہ تحریک پاکستان کے حوالے سے انہائی اہمیت کا حامل ہے کیوں کہ 23 مارچ 1940 کو ہی مسلمانانِ ہند نے قرارداد پاکستان کے ذریعے اپنی الگ وطن کی تحریک کو جِلا بخشی اور عملی جدوجہد میں ایک نئے ولولے نئے جوش سے حصہ لیا جس کے باعث سات سال مختصر عرصے میں ہی مسلمانانِ ہند اپنے لئے ایک الگ وطن حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ تحریک پاکستان کے حوالے سے جماعت اسلامی اور مولانا مودودی پر کئی جھوٹے الزامات لگائے جاتے ہیں اگرچہ یہ الزامات گزشتہ باسٹھ سالوں سے لگائے جارہے ہیں لیکن کچھ عرصے سے ہماری ویب پر بالخصوص ایک لسانی ٹولہ جماعت اسلامی اور مولانا مودودیؒ کی کردار کشی کی مہم چلانے میں پیش پیش ہے۔ افسوس ناک بات یہ ہے کہ مولانا مودودیؒ اور جماعت اسلامی پر الزام لگانے والے اپنے الزامات کے حق میں کوئی دلیل ، کوئی شہادت نہیں پیش کرتے بس وہ یہ چاہتے ہیں کہ جو کچھ وہ کہتے ہیں اسی کو درست مان لیا جائے۔ بہرحال ان کی ایسی باتوں سے ہمیں فائدہ ہی ہوتا ہے کیوں کہ اسی بہانے ہمیں آپ لوگوں تک اپنی بات پہنچانے کا موقع ملتا ہے۔ ہم کوشش کریں گے کہ یہاں تحریک پاکستان، علامہ اقبالؒ ، قائدِاعظم محمد علی جناحؒ اور پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کے حوالے سے جماعت اسلامی اور مولانا مودودی مرحومؒ کی جدوجہد

کے بارے میں لوگوں کو بتائیں۔

سب سے پہلے ہم بات کریں گے کہ مولانا مودودیؒ پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ انھوں نے قائد اعظمؒ کو کافر اعظم کہا تھا۔ یہ بات کہنے والے آج تک اپنی بات کے حق میں کوئی شہادت پیش نہیں کر سکے ہیں اور نہ ہی کر سکتے ہیں کیوں کہ جب ایک بات ہوئی ہی نہیں ہے تو اس کے بارے میں شہادت کیسی۔ اصل بات جو کہ لوگوں کو کم ہی معلوم ہے اور جن کو معلوم بھی ہے تو وہ جان بوجھ کر حق کو چھپاتے ہیں۔ قائد اعظمؒ کو مولانا مودودیؒ یا جماعت کے کسی بھی لیڈر نے کبھی بھی کافر اعظم نہیں کہا بلکہ یہ جملہ اس وقت کے ایک مشہور احراری لیڈر مظہر علی اظہر تھے جنھوں نے لاہور کے ایک جلسۂ عام میں یہ بیہودہ بات کہی تھی اور اس جلسے کی صدارت غلام غوث ہزاروی صاحب کر رہے تھے۔ منیر انکوائری رپورٹ میں اس واقعہ کا تذکرہ دیکھا جا سکتا ہے۔

: مولانا مودودی اور دو قومی نظریہ

1937ء میں کانگریس کی سیاسی تحریک اس قدر زور پکڑ گئی کہ بہت سے مسلمان خود علماء کرام کی بہت بڑی تعداد بھی ہندوؤں کے ساتھ مل گئی۔ کانگریس یہ کہتی تھی کہ ہندوستان کے مسلمان اور ہندو سب مل کر ایک قوم ہیں۔ یہ ایک ایسی خطرناک بات تھی کہ اگر اسے مان لیا جاتا تو ہندستان میں مسلمانوں کی

علیحدہ حیثیت بالکل ختم ہوجاتی اور ان کا دین بھی خطرے میں پڑ جاتا۔ کانگریس کے اس نظرئے کو ''متحدہ قومیت'' یا ''ایک قومی نظریہ'' کا نام دیا جاتا تھا۔ سید مودودیؒ نے اس خطرے کی شدت کو محسوس کرتے ہوئے اس کے خلاف بہت سے مضامین لکھے جو کتابوں کی صورت میں ''مسئلہ قومیت'' اور ''مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش'' حصہ اول و دوم کے نام سے شائع ہوئے۔ ان مضامین میں سید مودودی نے زوردار دلیلوں سے ثابت کیا کہ مسلمان اور ہندو دو الگ الگ قومیں ہیں۔ کیونکہ دونوں کا تصورِ خدا، مذہبی عقیدہ، رہن سہن، اور طور طریقے سب جدا جدا ہیں، انہیں ایک قوم کہنا بالکل غلط ہے۔ 1940ء کی قرارداد پاکستان کے بعد مسلمانوں کے بڑے بڑے رہنما اور مسلم لیگ کے دوسرے لیڈر بھی یہی بات کہنے لگے۔ اسے '' دو قومی نظریہ'' کہا جاتا ہے۔ سید مودودی نے مسلمانوں کی علیحدہ قومیت کے نظرئے کو اتنے اچھے اور عمدہ طریقے سے پیش کیا کہ اس خوبی کے ساتھ اب کوئی اور شخص مسلمانوں کے علیحدہ قومی تصور کی مدلل وکالت نہیں کرسکا تھا۔ سید مودودی نے قرآن و حدیث سے دلائل دیئے۔۔۔۔اس طرح سید مودودی پہلے شخص تھے جنہوں نے نظریہ پاکستان کو علمی سطح پر دلائل کے ساتھ پیش کیا اور پاکستان کے حق میں دو قومی نظریہ کے لئے زبردست عقلی اور اسلامی دلائل فراہم کئے۔ ان دلائل کا کانگریس کے ساتھ وابستہ علماء کرام کے پاس بھی کوئی جواب نہ تھا۔ اس کے بعد پاکستان کا تصور مسلمانوں میں پختہ ہوگیا اور مسلم لیگ کے علیحدہ اسلامی اور قومی وطن کی

مہم کو سید مودودی کے ان دلائل سے زبردست تقویت ملی۔ (اب یہ مضامین ''تحریک آزادی ہند اور مسلمان'' حصہ اول و دوم کے نام سے چھپ چکے ہیں) پاکستان کے حق میں یہ سید مودودی کی یہ زبردست خدمت ہے جو انھوں نے علمی میدان میں سرانجام دی۔ (سید مودودی از اسعد گیلانی صفحہ 53-54

اپنے ان مضامین کے بارے میں خود مولانا مودودیؒ کے الفاظ ہیں کہ '' 1937ء میں مجھ کو حیدرآباد سے دہلی جانے کا اتفاق ہوا اس سفر کے دوران میں مَیں نے محسوس کیا کہ ہندستان کے چھ صوبوں میں کانگریس کی حکومت قائم ہوجانے کے بعد مسلمانوں پر کھلی کھلی شکست خوردگی کے آثار طاری ہوچکے ہیں۔ دہلی سے جب میں واپس حیدرآباد جارہا تھا تو ریل میں ایک مشہور ہندو لیڈر ڈاکٹر کھرے (ڈاکٹر کھرے 1937 کے انتخابات کے بعد سی پی کے وزیر اعلیٰ منتخب ہوئے تھے) اتفاق سے اسی کمپارٹمنٹ میں سفر کررہے تھے جس میں مَیں تھا اور بھی بہت سے مسلمان اس میں موجود تھے میں نے دیکھا کہ مسلمان ڈاکٹر کھرے سے بالکل اسی طرح باتیں کررہے ہیں جیسے ایک محکوم قوم کے افراد حاکم قوم کے فرد سے کرتے ہیں یہ منظر میرے لئے ناقابل برداشت تھا۔ حیدرآباد پہنچا تو یقین کیجئے کہ میری راتوں کی نیند اُڑ گئی سوچتا رہا کہ یا اللہ! اب اس سرزمین پر مسلمانوں کا کیا انجام ہوگا۔ آخر کار میں نے وہ سلسلہ مضامین لکھا جو ''مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش'' حصہ اول کے نام سے شائع ہوا۔ (جماعت

(اسلامی کے 29 سال صفحہ 17 ایڈیشن ستمبر 2009

مولانا مودودی اور تقسیم ہند

آج امن کی آشا، رواداری، وغیرہ کے نام پر ہندوستان کی تقسیم کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔میڈیا پر نام نہاد قسم کے دانشور حضرات بڑی شدومد سے نظریہ پاکستان کی مخالفت میں گفتگو کرتے ہیں اور اس کو رواداری اور برداشت کا نام دیا جاتا ہے اگر کوئی فرد اس کے خلاف بات کرے تو اس پر انتہا پسندی اور عدم برداشت کا الزام لگادیا جاتا ہے۔ایسے دین بیزار و ملک دشمن لوگ تو آزادی اظہار رائے کے نام پر ہر قسم کی ہرزہ سرائی کر سکتے ہیں لیکن ظلم یہ ہے کہ جن لوگوں نے قیام پاکستان کے وقت مسلمانوں کی رہنمائی کی ان کے بارے میں منفی پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے۔یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جماعت اسلامی اور مولانا مودوی پر پاکستان کی مخالفت کا الزام تو لگایا جات ہے لیکن یہ بات کہنے والے پتہ نہیں کیوں متحدہ کے قائد الطاف حسین کی انڈیا کے دورے میں کی گئی تقریر (جس میں انہوں نے واضح طور پر تقسیم ہند کو انسانی تاریخ کی ایک عظیم غلطی کہا تھا) کو بھول جاتے ہیں۔نہ جانے کیوں لوگ سندھ کے موجودہ وزیر داخلہ اور پی پی کے اہم رہنما ذوالفقار مرزا کی یہ بات نظر انداز کردیتے ہیں کہ ” بی بی کے قتل کے بعد ہم نے پاکستان توڑنے کا منصوبہ بنا لیا تھا“ گویا کہ اگر ان لوگوں کے نزدیک پاکستان کا وجود صرف

اپنے مفادات کے لئے ہی کارآمد ہے ورنہ اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ لاحول ولا قوۃ۔ایسے تمام لوگوں اے این پی کے ماضی کو نظر انداز کردیتے ہیں جب عبدالغفار خان صاحب کو ان کے پاکستان مخالف نظریات کی بناء پر ''سرحدی گاندھی'' کہا جاتا تھا۔

ان سب باتوں کو سامنے رکھیں اور پھر مولانا مودوی مرحومؒ کا کردار بھی سامنے رکھیں۔ ''جب مسلمانوں کے ایک گروہ نے کہا کہ ہندوستان کی تقسیم اور اس کو ٹکڑے ٹکڑے کردینے کو کیسے گوارہ کیا جاسکتا ہے تو مولانا مودودی صاحبؒ نے کہا کہ '' مسلمان ہونے کی حیثیت سے میری نگاہ میں اس سوال کی کوئی اہمیت نہیں کہ ہندستان ایک ملک رہے یا دس ٹکڑوں میں تقسیم ہوجائے، تمام روئے زمین ایک ملک ہے انسان نے اس کو ہزاروں حصوں میں تقسیم کررکھا ہے۔ اب تک کی تقسیم اگر جائز تھی تو آئندہ مزید تقسیم ہوجائے تو کیا بگڑ جائے گا۔اس بت کے ٹوٹنے پر تڑپے وہ جو اسے معبود سمجھتا ہو۔مجھے تو اگر یہاں ایک مربع میل کا رقبہ بھی ایسا مل جائے جس میں انسان پر خدا کے سوا کسی کی حاکمیت نہ ہو تو میں اس کے ایک ذرے خاک کو تمام ہندستان سے (زیادہ قیمتی سمجھوں گا۔ (سیاسی کشمکش حصہ سوم صفحہ 76-77

اسی طرح 1948 ء میں صوبہ سرحد میں ریفرنڈم کے موقع پر مولانا مودودی نے ایک

سوال کے جواب میں فرمایا کہ " استصواب رائے صرف اس امر سے متعلق ہے کہ تم کس ملک کے ساتھ وابستہ رہنا چاہتے ہو، ہندوستان سے یا پاکستان سے ؟ اس معاملے میں رائے دینا بالکل جائز ہے اور اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے۔ للہذا جن جن علاقوں میں استصوابِ رائے کیا جارہا ہے وہاں کے ارکان جماعت اسلامی کو اس کی اجازت ہے کہ وہ اس میں رائے دیں۔۔۔البتہ شخصی حیثیت سے میں کہہ سکتا ہوں کہ اگر میں خود صوبہ سرحد کا رہنے والا ہوتا تو استصواب رائے میں میرا ووٹ پاکستان کے حق میں پڑتا۔ (سہ روزہ کوثر مورخہ 5 جولائی 1947 ء بحوالہ تحریک آزادی ہند اور مسلمان حصہ دوم صفحہ 88)

ان سب باتوں کے بعد سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر جماعت اسلامی کے بارے تحریک پاکستان کے حوالے سے منفی پروپگنڈہ کیوں کیا جاتا ہے۔ تو اس کا جواب بالکل واضح ہے کہ قیام پاکستان کے بعد جب جماعت اسلامی نے اسلامی نظام کے نفاذ کا مطالبہ کیا تو اس کے بعد ہی جماعت اسلامی کے بارے میں منفی پروپیگنڈہ شروع کیا گیا۔" یو پی مسلم لیگ کی دعوت پر مولانا کی اجلاس میں شرکت تحریک پاکستان اور تاریخ پاکستان سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے توجہ طلب بات ہے۔ اس سے پہلے 1937ء سے 1939 ء تک مولانا نے مضامین کا ایک طویل سلسلہ شروع کیا جو کہ کتابی صورت میں مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش کے نام سے شائع ہوا۔ ان مضامین کو مسلم لیگ کے حمایتی پرچے مثلاً "ماہنامہ پیام

حق'' پٹھان کوٹ، ''القاسم ،امرتسر'' ، ''مشور'' دہلی، ''طلوع اسلام'' دہلی وغیرہ میں شائع کرکے لیگی کارکنوں میں مفت تقسیم کرتے رہے۔1937 ء سے 1947 ء تک مسلم لیگ کے صف اول کے سینکڑوں لیڈران پرچوں کے خریدار تھے لیکن کسی کے ذہن میں یہ بات نہ آئی کہ مولانا مودودی اوران کی جماعت تحریک پاکستان کی مخالفت کررہے ہیں ۔اچانک اسلامی دستور کے مطالبے کا سن کر لیاقت حکومت نے یہ انکشاف کیا ہے کہ مولانا اوران کی جماعت پاکستان کے مخالف تھے۔نہ کوئی دلیل نہ تحقیق نہ کوئی گواہ صرف جلسوں کو گرمانے کے لئے فرضی بیانات اور جھوٹی قسمیں'' (عالمی تحریک اسلامی کے عظیم قائدین از افتخار احمد صفحہ 49-50)

آج بھی دین بیزار اور ملک دشمن عناصر جو نہیں چاہتے کہ اس ملک میں کسی بھی طرح اسلامی نظام نافذ ہو، جو لوگ اپنے آپ کو نہیں بدل سکتے اس لئے چاہتے کہ اسلام کو بدل دیا جائے، جو لوگ اللہ کے پیغام (اسلام میں پورے کے پورے داخل ہوجائے) پر عمل نہیں کرسکتے اس لئے وہ چاہتے ہیں کہ اسلام کو ازکارِ رفتہ مذہب ثابت کیا جائے۔اسلام پسندوں کو انتہا پسند اور ملک دشمن و غدار ثابت کیا جائے ۔آئندہ ان شاء اللہ بشرطِ زندگی ہم انہی صفحات میں مولانا مودودی اور علامہ اقبالؒ و قائداعظمؒ حوالے سے بات کریں گے۔

ریمنڈ ڈیوس کیس کا ڈرامائی اختتام

بدھ 16 مارچ کی سہ پہر اچانک قوم کو پتہ چلا کہ لاہور کے مزنگ چوک پر دو پاکستانی نوجوانوں کو قتل کرنے والا امریکی جاسوس اور سی آئی اے کا اہلکار ریمنڈ ڈیوس رہا کر دیا گیا۔ یہ خبر مجھ سمیت تمام ہی پاکستانیوں پر بجلی بن کر گری ہے۔اور لوگ سکتے میں رہ گئے کہ یہ کیا ہوگیا؟ آج تو اس پر فرد جرم عائد کی جانی تھی اور آج ہی اچانک کیس نمٹا دیا گیا۔ایک ہی دن میں تمام مقتولین کے ورثاء نے ایک ساتھ جمع ہو کر جج کے رو برو پیش ہو کر ریمنڈ ڈیوس کو معاف کرنے کا اعلان کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی تمام کے تمام ورثا خون بہا (دیت) لینے پر بھی راضی ہوگئے۔ اس کے ساتھ ساتھ ملزم ریمنڈ ڈیوس پر ناجائز اسلحہ رکھنے کا کیس بھی نمٹا دیا گیا اور اس کی قید کی مدت کو سزا میں تبدیل کرکے تیس ہزار روپیہ جرمانہ کرکے وہ کیس بھی ختم کر دیا گیا۔ اور اس کے چند گھنٹوں بعد ہی قوم کو پتہ چلا کہ امریکی جاسوس اور سی آئی اے کا اہلکار ریمنڈ ڈیوس پاکستان سے روانہ ہوگیا۔۔ ذرائع کے مطابق امریکی ایئر فورس کا طیارہ 4 بجکر 45 منٹ پر لاہور سے بگرام ایئر بیس کیلئے روانہ ہوا۔ طیارے میں 12 افراد سوار تھے طیارہ ایک دن پہلے ہی رات سے ایئر پورٹ پر موجود تھا امکان ظاہر کیا گیا کہ ریمنڈ ڈیوس بھی اس طیارے میں موجود تھا تاہم ان 12 افراد کی شناخت کے بارے میں معلوم نہیں ہو سکا۔یا حیرت یہ اچانک کیا ماجرا ہوگیا؟

فی الوقت کوئی حتمی بات نہیں کہی جاسکتی کہ ریمنڈ ڈیوس کے کیس کے اس پر اسرار اور ڈرامائی انداز میں اختتام کے پس پردہ کیا حقائق ہیں؟ کون کون سے کرداروں نے اس میں اپنا حصہ ڈالا؟ اور کس نے کتنا ''حصہ'' وصول کیا؟ حکومتِ پنجاب کا موقف ہے کہ

ریمنڈ ڈیوس کیس میں تمام کے کے تمام اٹھارہ ورثاء کوٹ لکھپت میں ایڈیشنل جج کی عدالت میں پیش ہوئے اور انہوں نے فرداً فرداً جج کے سامنے ریمنڈ کو معاف کرنے کا اعلان کیا اور معافی نامے پر دستخط کرتے گئے۔ جبکہ اس موقع پر مقتولین کے ورثا کو 20 کروڑ روپے دیت بھی ادا کی گئی (بعض اطلاعات کے مطابق دیت 37 کروڑ روپے ادا کی گئی ہے)۔ حکومت پنجاب کے مطابق مقتولین کے ورثا پر کوئی دباؤ نہیں تھا اور انہوں نے بہ رضا و رغبت اور بلا جبر و اکراہ دیت کے معاملے کے تحت ملزم کو معاف کردیا ہے۔

جبکہ میڈیا کے رابطہ کرنے پر مسلم لیگ ن کے سعد رفیق صاحب نے کہا کہ اس معاملے میں پنجاب حکومت کا کوئی کردار نہیں ہے بلکہ مقتولین کے ورثا نے ہی اپنے مقتولین کا خون بیچا ہے اور پوری قوم کا سر جھکا دیا ہے۔ دوسری جانب مرکزی حکومت کی ترجمان فردوس عاشق اعوان صاحبہ نے بھی یہ فرمایا کہ اس معاملے میں مرکزی حکومت کا کوئی کردار نہیں ہے اور معاملہ عدالت کے ذریعے ختم ہوا اور عدالت نے ہی ریمنڈ کو قانونی کاروائی کے بعد ہی بری کیا ہے۔

یہ ایک موقف ہے۔ تاہم ڈیوس کی رہائی پر فیضان اور فہیم کے لواحقین کا کہنا ہے کہ ان سے زبردستی دیت کے کاغذات پر دستخط کرائے گئے اور ڈیوس کیس کی سماعت کے دوران 4 گھنٹے تک انھیں جیل میں رکھا گیا۔ جبکہ دوسری جانب مقتولین کے ورثا کے وکیل اسد منظور بٹ نے الزام عائد کیا کہ فیضان اور فہیم کے ورثا کو رات کو ہی گھروں سے اٹھایا گیا تھا جن سے کیس کی سماعت کے دوران زبردستی دیت کے کاغذات پر دستخط کرائے گئے ہیں جس کے بعد ڈیوس کو جیل سے فرار کرادیا گیا۔ میڈیا سے گفتگو میں اسد منظور

بٹ نے مزید کہا کہ ڈیوس کیس کی سماعت ہوئی اور نہ ہی ہمیں پیش ہونے دیا گیا جیل انتظامیہ نے ڈیوس کیس کی سماعت روک دی اور جیل سے امریکی سفارتخانے کی 4 گاڑیاں نکلنے کے بعد ورثا کو باہر نکالا گیا مقتولین کے وکیل نے دعویٰ کیا کہ ریمنڈ ڈیوس کو فرار کرایا گیا ورثا سے دیت کے کاغذات پر زبردستی دستخط کرائے گئے اسد منظور بٹ نے یہ دعویٰ بھی کیا کہ مقتولین کے ورثا کا ریمنڈ ڈیوس سے براہ راست رابطہ کرایا گیا ورثا کو صبح سے بلا کر طویل انتظار کروایا گیا۔

جبکہ ریمنڈ ڈیوس کی روانگی کے بعد امریکی وزیر خارجہ کا بیان میڈیا پر آیا کہ ''امریکی حکومت نے ریمنڈ کی رہائی کے لئے کوئی ادائیگی نہیں کی۔اور ریمنڈ ڈیوس کو معاف کرنے پر مقتولین کے ورثاء کے شکر گزار ہیں۔یہ متضاد قسم کی باتیں اس وقت سامنے موجود ہیں اور اس طرح کی صورتحال میں کوئی درست تجزیہ کرنا بہت مشکل ہے لیکن ہم چند باتوں کو سامنے رکھیں تو تصویر کچھ واضح ہوجاتی ہے۔ دیکھیں اس معاملے میں بدھ 16 مارچ سے پہلے تک مقتولین کے تمام ورثا کا یہی موقف تھا کہ وہ کسی بھی صورت کیس سے دستبردار نہیں ہونگے اور دیت کے بجائے قصاص (خون کا بدلہ خون) لیں گے اور اپنے پیاروں کے خون کا سودا نہیں کریں گے لیکن اچانک ان تمام لوگوں کا یکایک تصفیہ کرلینا بہت معنی خیز بات ہے۔پھر دیکھیں کہ ایڈیشنل سیشن کورٹ لکھ پت جیل سے قبل یہ کیس کھلی عدالت میں چلایا جارہا تھا اور اس کو چند دن قبل ہی یہاں ایڈیشنل سیشن کورٹ میں منتقل کیا گیا تھا۔اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی بہت اہم ہے کہ لاہور سے

بگرام روانہ ہونے والا امریکی طیارہ بھی گزشتہ روز سے ہی وہاں موجود تھا۔ اور کیس کے فیصلے کے بعد فوری طور پر ریمنڈ ڈیوس کو اس میں سوار کرکے پاکستان سے روانہ کردیا گیا۔ دوسری جانب یہ بات بھی سامنے آئی کہ کیس کے فیصلے والے دن سے قبل ورثا کبھی ایک ساتھ عدالت میں پیش نہیں ہوتے تھے بلکہ الگ الگ ہو کر آتے تھے لیکن گذشتہ روز یہ تمام ایک ساتھ وہاں موجود تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ مقتولین کے ورثا کا یہ کہنا کہ ان کو چار گھنٹے تک غیر قانونی حراست میں رکھا گیا، اور ورثا سے جبری طور پر دراضی نامے پر دستخط کرائے گئے تھے انتہائی اہم ہے کیوں کہ وفاقی اور صوبائی حکومت کا یہ کہنا ہے کہ مقتولین کے ورثا کو دیت ادا کی گئی ہے لیکن امریکی وزیر خارجہ کا کہنا ہے کہ ''کوئی ادائیگی نہیں کی گی'' معاملہ کو مشکوک بنا رہا ہے (اور ہمارے حکمرانوں کے ماضی کو سامنے رکھیں شبہ یہی ہوتا ہے کہ وہ لوگ جھوٹ بول رہے ہیں کیوں اس سے قبل یہ لوگ امریکی میزائل اور ڈرون حملوں پر بھی قوم کو عرصے تک گمراہ کرتے رہے اور امریکی حملوں کو اپنی کاروائی کہتے رہے۔) ۔اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی اہم بات ہے کہ آئی ایس آئی اور امریکی سی آئی اے کے بگڑے تعلقات میں بہتری آتی جارہی تھی اور دونوں ایجنسیوں میں ورکنگ ریلشن شپ کے حوالے سے معاملات طے پاگئے تھے۔ جس کے بعد خدشہ ظاہر کیا جارہا تھا کہ جلد یا بدیر امریکی جاسوس اور قاتل ریمنڈ ڈیوس کو رہا کردیا جائے گا۔

ان تمام باتوں سے بات ظاہر ہوتی ہے کہ امریکی اور پاکستانی حکومت یا خفیہ اداروں کے

درمیان معاملات طے پاگئے تھے اس کے بعد تمام ہی تیاری مکمل کی گئی، طیارہ تیار تھا، مقتولین کے ورثا کو بھی ایک ساتھ جمع کرکے جج کے سامنے پیش کیا گیا اور فوری طور پر ریمنڈ کو پاکستان سے فرار کرادیا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہاں عدالتی کاروائی بھی مشکوک لگتی ہے۔ بہر حال قصہ مختصر یہ کہ حکومت پاکستان نے امریکی دباؤ یا لالچ کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے اور امریکی جاسوس اور قاتل کو فرار کرادیا، یہاں ہمارا حکومت کو موردِ الزام ٹھہرانا اور عدالتی کاروائی کو مشکوک کہنا اس بنیاد پر ہے کہ ٹھیک ہے قتل کی صورت میں تو مقتول کے ورثا تصفیہ کرسکتے ہیں لیکن ریاست کے خلاف جاسوسی کا معاملہ تو قابل تصفیہ نہیں ہوتا اور امریکی جاسوس سے حساس جاسوس

آلات، کیمرہ، وائرلیس اور حساس مقامات کی تصاویر بھی برآمد ہوئیں تھیں اور اس کے بعد تو تصفیہ کی گنجائش ہی نہیں تھی لیکن ریمنڈ پر جاسوسی کی فرد جرم عائد نہ کرنا اور نہ ہی جاسوسی کا کیس قائم نہ کرنا ظاہر کرتا ہے کہ ملزم کو دیت کی بنیاد پر بری نہیں کیا گیا بلکہ امریکی دباؤ یا لالچ پر فرار کرایا گیا ہے اور پوری دنیا میں یہ پیغام دیا گیا کہ ہم ایک بے حس اور بے غیرت قوم ہیں۔ پہلے دنیا ہمارے بارے میں یہ جانتی تھی کہ ہم اپنے ہی لوگوں کو بیچتے ہیں لیکن اب ان کو پتہ چلے گا کہ صرف لوگوں کو ہی نہیں بلکہ ان کا خون بھی بیچتے ہیں۔ معاملہ یہ ہے کہ اس معاملے کو شرعی قانون ''دیت'' کے ذریعے حل کیا گیا ہے۔ مقتول کے ورثا اپنے مقتول کا خون تو معاف کرسکتے ہیں لیکن جاسوسی کے معاملات پر تو تصفیہ نہیں ہوسکتا تھا لیکن پنجاب اور وفاقی حکومت نے صرف ایک ہی رٹ لگائی ہوئی ہے کہ ورثا نے معاف کردیا تو معاملہ ختم ہوگیا

حالانکہ ریاست کے خلاف جاسوسی، جعلی کاغذات، ناجائز اسلحہ اور حساس مقامات کی تصاویر کے بعد تو یہ معاملہ قومی سلامتی کا تھا لیکن افسوس کہ حکمرانوں نے قومی سلامتی کا سودا کرلیا۔ یہاں معاملہ عدالتی کاروائی کا بھی ہے کہ اگرچہ یہ سارا کیس عدالت کے ذریعے حل کرایا گیا ہے لیکن قومی سلامتی کے معاملہ پر تو عدالت بھی از خود کسی کو نہیں چھوڑ سکتی ،اب اگر سپریم کورٹ واقعی فعال ہے تو وہ اس ایڈیشنل سیشن جج ،جس نے اس کیس میں ریمنڈ کو بری کیا، حکومتی ادارے ،اور تفتیشی افسران کو بھی عدالت میں طلب کرے کہ انہوں نے اس پر جاسوسی کے مقدمات کیوں قائم نہیں کئے؟

ایک حیرت انگیز بات یہ بھی سامنے آئی کہ وہ بار اعوان، قمر زمان کائرہ جہانگیر بدر اور عاصمہ جیلانی جو سپریم کورٹ تک کے فیصلوں پر پریس کانفرنسیں کرکے تنقید کیا کرتے تھے کل ان میں سے کوئی بھی ایک لفظ نہیں بولا ہے۔ کراچی میں کسی روڈ ایکسیڈینٹ میں کسی کے زخمی ہونے پر بھی لندن سے بیان جاری کرنے والے محترم الطاف حسین صاحب خاموش رہے۔ چوہدری شجاعت صاحب کا بھی کچھ پتہ نہیں تھا کہ زندہ بھی ہیں یا گزر گئے؟ رانا ثناء اللہ اور خواجہ سعد رفیق نے بھی عوام کو گمراہ کرنے کے لئے مقتولین کے ورثا پر ساری بات ڈالی کہ ورثا نے بیس کروڑ روپے دیت وصول کرلی لیکن یہ نہیں بتایا کہ ریمنڈ ڈیوس کے اوپر جاسوسی کا مقدمہ نہ قائم کرنے والے خفیہ ایجنسیوں نے ،اور ان کے لیڈران کرام نے اس سارے معاملے کو ہینڈل کرنے کا، کتنا معاوضہ وصول کیا؟ اور آیا یہ معاوضہ پاکستانی روپوں میں تھا یا امریکی ڈالروں میں ؟

لیکن کیا اس طرح معاملہ کرنا امریکہ اور پاکستانی معاشرہ کے لئے سود مند ثابت ہوگا؟ حکومت کا تو شروع ہی سے یہ موقف ہے کہ " ایک ایشو کی بنیاد پر امریکہ سے تعلقات نہیں بگاڑ سکتے " اور حکومتی ارکان و ریمنڈ ڈیوس کیس میں امریکی موقف کے حامیان کا یہ کہنا تھا کہ ریمنڈ ڈیوس کی رہائی سے پاک امریکہ تعلقات بہتر ہونگے لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ اس طرح دراصل پاکستان کے اندر امریکی غیر محفوظ ہونگے کیوں کہ کیس کے اس طرح کے انجام سے لوگوں تک یہ پیغام گیا کہ عدالت وغیرہ کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اور جس طرح کچھ عرصے قبل لوگوں کے اندر ایک خطرناک رجحان پیدا ہوا تھا کہ موبائل چھیننے والوں اور ڈاکوؤں کو زندہ جلایا جا رہا تھا، جس طرح سلمان تاثیر کو قتل کیا گیا۔ یہ سارے واقعات دراصل انصاف نہ ملنے اور سسٹم پر سے اعتماد ختم ہونے کے باعث پیش آئے اور اب ریمنڈ ڈیوس کی رہائی کے بعد آپ کچھ کہہ نہیں سکتے کہ قوم کا ذہنوں میں کیا رجحان فروغ پائے۔ امکان یہی ہے کہ اب لوگ ایسے کسی بھی مجرم یا ملزم کو بھی اگر موقع پر گرفتار کریں گے تو وہ عدالتی سسٹم یا پولیس کاروائی پر انحصار کرنے کے بجائے موقع پر ہی انصاف کا فیصلہ کریں گے اور معاشرے میں ایک افراتفری اور انتشار پیدا ہوگا لیکن شائد حکمرانوں کو اس کی پرواہ نہیں ہے کیوں کہ انہوں نے تو پاکستان کو ایک سرائے سمجھ لیا ہے جہاں وقتی طور پر حکومت کرنے آجاتے ہیں اور اس کے بعد دوبارہ غیر ممالک کو سدھار جائیں گے۔ لیکن عوام کہاں جائیں گے؟

ہم سب بے غیرت ہیں۔وزیر اعظم

وزیر اعظم سید یوسف رضا گیلانی صاحب نے کل یہ فرمایا ہے کہ " ریمنڈ ڈیوس کے معاملے پر کسی ایک ادارے کو قصور وار ٹھہرانا درست نہیں ہے" ہمیں بڑی خوشی ہے کہ کم از کم وزیر اعظم صاحب نے تو قوم سے سچ بولا ورنہ یہاں تو ہر لیڈر، ہر رہنما، ہر ادارہ اپنے آپ کو بچاتے ہوئے دوسرے اداروں کو موردِ الزام ٹھہراتا ہے۔ شکریہ وزیر اعظم صاحب بہت شکریہ ۔ اب اگر وزیر اعظم صاحب کے اس بیان کو آسان اردو اور عوامی زبان میں بیان کرنا ہو تو کہا جائے گا کہ " ریمنڈ ڈیوس کے معاملے پر کسی ادارے کو کچھ نا کہا جائے بلکہ ہم سب بے غیرت ہیں اور سب نے ہی اپنی بے غیرتی کی قیمت وصول کی ہے"۔

اور حقیقت تو یہی ہے کہ سارے ہی بے غیرت اور بے حمیت ہیں۔ خواہ وہ مسلم لیگ ن ہو یا پی پی پی ، ایم ایم کیو ایم ہو یا مسلم لیگ ق ، پاک آرمی ہو یا نام نہاد "آزاد عدلیہ" ہو وفاقی حکومت ہو یا پنجاب حکومت ، سب نے قومی وقار کو بیچنے میں حصہ بقدرِ جثۃ اپنی اپنی قیمت وصول کی ہے۔ وہ مسلم لیگ ن کے میاں نواز شریف اور شہباز شریف جو جلا وطنی ختم کرکے پاکستان آنے کے بعد درجنوں مرتبہ فرما چکے تھے کہ " آمر کا ساتھ دینے والے کسی فرد کے ساتھ

کوئی بات نہیں کی جائے گی''اور یہ کہ '' لوٹوں کو کسی صورت میں واپس نہیں لیا جائے گا'' لیکن پوری قوم نے دیکھا کہ اپنے وقت پڑنے پر انہی میاں برادران نے سارے '' لوٹوں '' کو گلے لگایا اور فرمایا کہ '' یہ لوٹے کہاں ہیں بلکہ یہ تو مسلم لیگ ن ہی کے افراد تھے جنہیں آمر نے اغوا کرلیا تھا اور آج بازیاب ہوگئے ہیں'' ۔ یہ حال ہے ان بے حمیت لوگوں کی زبان کا۔

کیا یہ عجیب اتفاق نہیں ہے کہ ریمنڈ ڈیوس کی رہائی سے چند دن قبل میاں صاحب لندن روانہ ہوتے ہیں اس کے بعد میاں شہباز شریف بھی روانہ ہوجاتے ہیں اور ریمنڈ ڈیوس کی رہائی کے چند گھنٹوں بعد یہ خبر جاری کی جاتی ہے کہ میاں نواز شریف صاحب کو دل کی تکلیف ہوگئی ہے اور شہباز شریف ان کی عیادت کے لئے لندن گئے ہیں۔ واہ واہ قوم کو کس طرح بیوقوف بنایا جارہا ہے۔ دل کی تکلیف سولہ مارچ کو ہوتی ہے اور شہباز شریف صاحب پندرہ مارچ کو ہی عیادت کے لئے روانہ ہوجاتے ہیں۔

پھر ایک اور بے غیرت صوبائی وزیر قانون رانا ثنا اللہ انتہائی ڈھٹائی کے ساتھ قوم کو بتاتے ہیں کہ ''ریمنڈ ڈیوس کو عدالت نے رہا کردیا ہے۔ وہ کہیں بھی جاسکتا ہے۔ اور اس کو مقتولین کے ورثا نے معاف کردیا ہے'' اس کے ساتھ ساتھ وہ انتہائی معصومیت کے ساتھ کہتے ہیں کہ '' اس معاملے میں ہمارا کوئی

ہاتھ نہیں ہے ،اس کو مقتولین کے ورثا نے دیت کے تحت معاف کر دیا ہے'' لیکن اگلے ہی دن قوم کو پتہ چلا کہ موصوف ہی نے سارے معاملات طے کرائے تھے۔ رات تین بجے مقتولین کے ورثا کو گھروں سے اٹھا کر کوٹ لکھپت جیل لایا گیا تھا اور انہوں نے ہی مقتولین کے ورثا کو مجبور کیا کہ '' جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں ہے عقل سے کام لو''۔

اس کے بعد ہماری آئی ایس آئی ، اور ایجنسیاں جنہوں نے ویسے ہی اپنی ہی شہریوں کو اغوا کرکے عالمگیر شہرت حاصل کی ہے، یہاں بھی انہوں نے حسبِ معمول غیر ملکی آقاؤں کی مدد کی اور جب تک ان کے سی آئی اے سے اختلافات تھے اس وقت تک انہوں نے ریمنڈ ڈیوس کے معاملے کو چھوڑا ہوا تھا اور جیسے ہی ان کے معاملات سی آئی اے سے درست ہوگئے اسی وقت سے یہاں تبدیلی آنا شروع ہو گئی ۔آئی ایس آئی کے سربراہ جنرل شجاع پاشا جن کی مدت ملازمت ختم ہو رہی تھی ، انکی مدت ملازمت میں توسیع کر دی گئی ۔ اور اس سے اگلے ہی دن انہوں نے اپنے مشہور زمانہ وکیل جو کہ گمشدہ افراد کے کیس میں بھی آئی ایس آئی کی وکالت کر رہے تھے ۔ ان کو اسلام آباد سے طلب کرکے ان کو مقتولین کا وکیل مقرر کر دیا گیا۔ اور انہوں نے بھی اپنی غیرت کی قیمت وصول کی۔

اور آزاد عدلیہ کی تو کیا ہی بات کی جائے۔ ہم نے اس دن رات جدو جہد کرکے

عدالتوں کی بحالی میں اس لئے ان کا ساتھ دیا تھا کہ قوم کو بے حمیت حکمرانوں پر اعتبار نہیں رہا تھا اور عدلیہ کی بحالی کے بعد یہ امید ہو چلی تھی کہ اب کم از کم معاملات بہتر ہو جائیں گے لیکن افسوس ایسا نہیں ہوا، اور ریمنڈ ڈیوس کے معاملے پر تا حال سپریم کورٹ نے کوئی ایکشن نہیں لیا حالانکہ یہ وہی سپریم کورٹ ہے جو اپنے معاملات میں عدالت کا وقت ختم ہونے کے بعد بھی کیسز کی سماعت کرتی تھی اور اپنے مفادات کے لئے انہی عدالتوں نے وقت ختم ہونے کے بعد بھی کیسز کے فیصلے سنائے ہیں۔ لیکن افسوس کہ قومی سلامتی کے ایک اہم معاملے پر سپریم کورٹ بھی خاموش ہے۔ یہاں عدالت نے بھی دہرے معیار کا ثبوت دیا کہ غیر ملکی آقا کو رہا کرنے کے لئے ''معزز'' جج صاحب کو صبح پانچ بجے طلب کیا جاتا ہے اور وہ پانچ بجے ہی سے ساری کاروائی کا آغاز کر دیتے ہیں۔ سارے معاملات انتہائی پھرتی اور سرعت کے ساتھ طے کیے جاتے ہیں ۔چند ہی گھنٹوں میں ملزم پر بنائے گئے سارے مقدمات نمٹا دئے جاتے ہیں، جبکہ عام افراد ایک معمولی سے کیس میں بھی سالوں تک عدالتوں کے چکر کاٹتے رہتے ہیں اور انصاف نہیں مل پاتا ہے۔

اب یہ سارے غدار، بے غیرت اور بے حمیت لوگ ایک بار قوم کو بیوقوف بنا رہے ہیں۔ دتہ خیل میں جرگے پر حملے میں اڑتالیس افراد کی شہادت کے بعد اب امریکہ سے احتجاج کیا جا رہا ہے۔ آرمی چیف فرماتے ہیں کہ '' ڈرون حملے

ناقابل برداشت ہیں۔امریکہ سے سخت احتجاج کریں گے۔'' ادھر دفتر خارجہ نے بھی امریکہ سفیر کو طلب کرکے احتجاج کیا ہے اور اس نازک موقع پر بھی ہمارے حکمرانوں کی حس مزاح برقرار ہے اور وہ امریکی سفیر کو طلب کرکے لطیفہ سناتے ہیں کہ ''پاکستان کو طفیلی ریاست نہ سمجھا جائے'' یہ موجودہ صدی کا سب سے بڑا لطیفہ ہے۔ادھر پنجاب اور خیبر پختونخواہ اسمبلی میں اس کے خلاف قرار دیں منظور کی گئیں ہیں۔اور اس طرح تاثر دیا جارہا ہے کہ گویا کہ حکمران اور پاک فوج امریکہ کے سخت خلاف ہیں اور بس اب اگلا ڈرون حملہ ہوا تو ان امریکیوں کی خیر نہیں ہے۔لیکن قوم ساری بات جانتی ہے کہ یہ سارے بکے ہوئے لوگ اب ایک نیا ڈرامہ کرکے قوم کی ہمدردی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔کیا امریکہ ان کی باتوں کو سنجیدگی سے لے گا۔ایک ایسا فرد جو کہ ڈرون حملوں کا نیٹ ورک چلا رہا تھا، جس کے ''نام نہاد طالبان'' سے رابطے تھے، جس کے پاس سے حساس مقامات کی تصاویر، نقشے اور جاسوسی آلات برآمد ہوئے تھے، جس کو ناپسندیدہ سرگرمیوں کی بنا سے پشاور بدر کیا گیا تھا، جس کی گرفتاری سے سی آئی اے، پینٹاگون اور وہائٹ ہاؤس تک ہل گئے تھے۔یہ موقع تھا کہ اس کو قرار واقعی سزا دی جاتی تو امریکہ کو اندازہ ہوجاتا کہ معاملہ سنجیدہ ہے اور پھر وہ یہاں سے اپنا نیٹ ورک وغیرہ سمیٹنے پر مجبور ہوتے لیکن ایسے فرد کو چھوڑنے کے بعد اب امریکہ کو آنکھیں دکھانے کا ڈرامہ کیا جارہا ہے۔

بند کرو یہ ڈرامے ! اب قوم کے ساتھ مزید کوئی مذاق مت کرو۔ کہہ دو امریکہ سے کہ ہاں ہم بکاؤ مال ہیں، لاؤ ساری قوم کی دیت ایک ہی دفعہ ادا کردو اور اس ملک کو ایک شکار گاہ، بنا دو جہاں امریکی خونخوار درندے ہمارے شہریوں کا شکار کرتے رہیں ۔ کہ یہ سب امریکہ سے اور قوم کو بھی بتا دو کہ ہم نے یہ وردی تمہاری حفاظت کے لئے بلکہ تمہیں ہی ڈرانے کے لئے پہن رکھی ہے۔ بتا دو قوم کو کہ ہم تمہارے نمائندے نہیں ہیں بلکہ غیر ملکیوں کے نمائندے ہیں اس لئے ہم سے کوئی امید نہ رکھو، بتا دو قوم کو کہ یہ عدالتوں کی بحالی صرف اس لیے ہیں کہ آئندہ کوئی بھی فرد چاہے کچھ بھی کرے، چاہے قوم کو بیچ کھائے لیکن ہماری جانب نہ دیکھے ۔ کہہ دو یہ ساری باتیں قوم سے تاکہ کم از کم ہم کوئی امید نہ رکھیں تم لوگوں سے ۔

وزیر اعظم سید یوسف رضا گیلانی صاحب نے کل یہ فرمایا ہے کہ " ریمنڈ ڈیوس کے معاملے پر کسی ایک ادارے کو قصور وار ٹھہرانا درست نہیں ہے" ہمیں بڑی خوشی ہے کہ کم از کم وزیر اعظم صاحب نے تو قوم سے سچ بولا ورنہ یہاں تو ہر لیڈر، ہر رہنما، ہر ادارہ اپنے آپ کو بچاتے ہوئے دوسرے اداروں کو موردِ الزام ٹھہراتا ہے۔ شکریہ وزیر اعظم صاحب بہت شکریہ ۔اور حقیقت تو یہی ہے کہ سارے ہی بے غیرت اور بے حمیت ہیں۔ خواہ وہ مسلم لیگ ن ہو یا پی پی پی ، ایم ایم کیو ایم ہو یا مسلم لیگ ق ، پاک " آرمی ہو یا نام نہاد "آزاد عدلیہ

ہو وفاقی حکومت ہو یا پنجاب حکومت ، سب نے قومی وقار کو بیچنے میں حصہ بقدرِ جثہ اپنی اپنی قیمت وصول کی ہے۔

توہین قرآن: برداشت اور رواداری کا درس دینے والے کہاں ہیں؟

گورنر سلمان تاثیر اور شہباز بھٹی کے قتل کے فوری بعد پورے ملک کا میڈیا متحرک ہوگیا اور اور سب نے ایک زبان ہو کر نام نہاد انتہا ہسندی اور دہشت گردی کی مذمت شروع کردی۔ گورنر کے قتل پر تو نجی چینلز نے باقاعدہ جانبدارانہ رویہ اپناتے ہوئے اس بات کی کوشش کی کہ سیاسی و مذہبی رہنماؤں سے اس قتل کی مذمت کرائی جاسکے لیکن چند ایک لوگوں کے علاوہ کسی نے بھی گورنر سلمان تاثیر کے قتل کی مذمت نہیں کی،اور نجی چینلز کو اس بات کا بہت صدمہ ہوا تھا۔ سارے نجی چینلز کا فوکس انتہا پسندی کی مذمت پر تھا لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان اپنے دین پر عمل کرنا چاہے تو وہ انتہا پسند کہلاتا ہے لیکن اگر کوئی فرد دین کے خلاف بات کرے اور اس بات کو جبری طور پر پورے ملک پر مسلط کرنے کی کوشش کرے تو وہ ”روشن خیال“ اور اعتدال پسند کہلاتا ہے۔ اس کا کوئی بھی عمل انتہا پسندی نہیں کہلاتا ہے۔

مذہبی رواداری،برداشت اور تحمل کا درس دینے والے اور گورنر اور شہباز بھٹی کے قتل پر آسمان سر پر اٹھانے والے میڈیا کے اینکرز نے ، کسی چینل نے بھی امریکی ریاست فلوریڈا میں انتہا پسند عیسائی پادری کے ہاتھوں قرآن پاک کو

جلانے کے معاملے پر کوئی پروگرام کیا؟ بتائیں کوئی پروگرام کیا؟ جواب ہے کہ نہیں کیا! شہبار بھٹی کے قتل کو مخصوص رنگ دینے کے لئے ہمارے عیسائی بھائیوں کے جذبات کو بھڑکانے کی کوشش کی گئی اور یہاں انتہا پسند عیسائی پادریوں کو چینلز پر بلا کر ان سے بات کی گئی لیکن کل کسی عیسائی رہنما نے اس پر کوئی بات نہیں کی ہے۔

کیا برداشت کا درس صرف مسلمانوں کے لئے ہے؟ کیا انتہا پسندی صرف مسلمانوں کا کام ہے؟ کیا ان معلون پادریوں کا یہ عمل انتہا پسندی نہیں ہے؟ کیا ان کا یہ عمل قابل مذمت نہیں ہے؟ کیا یہ عمل بین المذاہب اتحاد کے برخلاف نہیں ہے؟ کیا رواداری صرف اسی کا نام ہے کہ کسی بھی دہشت گردی کی واردات کو بلا سوچے سمجھے اسلام کے ساتھ جوڑ دیا جائے اور یہ جو انتہا پسند عیسائی اور یہودی اور ہندو جو کچھ بھی کریں اس پر خاموشی اختیار کی جائے؟

پاکستان میں یا کسی اسلامی ملک میں کسی مسلمان نے اگر نعوذ باللہ بائیبل یا انجیل جلانے کی بات بھی کی ہوتی تو اب تک ایک طوفانِ بدتمیزی مچ چکا ہوتا۔ سارے چینلز یک زبان ہو کر اسلام پر، اسلام کی تعلیمات پر اور علمائے کرام پر گز گز بھر کی لمبی زبان نکالے تنقید کر رہے ہوتے اور بیچارے علما کٹھمرے میں کھڑے وضاحتیں کر رہے ہوتے، ادھر دوسری جانب ویٹی کن سے لیکر امریکی وزیر

خارجہ اور امریکی صدر تک اس پر بیان جاری کرتے ، لیکن یہاں سب کو سانپ سونگھ گیا ہے کیوں کہ قرآن پاک کو جلایا گیا ہے نا تو یہودی اور عیسائی تو ویسے بھی پیغمبر اسلام ﷺ اور قرآن پاک سے بغض رکھتے ہیں اس لئے کسی بھی کچھ کہنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

لیکن اس میں قصور تو ہمارا ہی ہے نا ! ہمارے حکمران ہی اتنے بے حمیت ہیں کہ وہ ان مغربی انتہا پسندوں کی ان مذہبی دہشت گردیوں کی مذمت نہیں کرتے ، ان کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں او آئی سی بھی جب نیند سے جاگے گی تو ایک پھسپھسا سا بیان جاری کرکے اپنے فرض سے سبکدوش ہوجائے گی۔ لیکن میں یہاں صدرِ پاکستان آصف علی زرداری صاحب کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ انہوں نے پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس سے اپنے خطاب میں اس کی مذمت کی اور پارلیمنٹ کو ہدایت کی وہ اس پر مذمتی قرارداد پاس کرے اور پارلیمنٹ کی سطح پر امریکہ سے اس پر احتجاج کرنے کی ہدایت کی ہے۔ اگر چہ ان سے اختلافات اپنی جگہ ہیں لیکن اس مستحسن عمل کی تعریف کی جانی چاہئے۔

بہرحال انتہا پسندی کے خلاف جنگ کے سپہ سالار اور دنیا بھر میں رواداری ، امن کا درس دینے کے دعوے دار امریکہ کی ریاست میں ایک پادری نے اربوں مسلمانوں کی توہین کرکے اور قرآن پاک کو جلا کر انٹرنیشنل سطح کی دہشت گردی کی ہے۔

دیکھنا ہے کہ ہمارا میڈیا کب اس جانب توجہ دیتا ہے اور عیسائی انتہا پسندی کے خلاف کب کوئی پروگرام کرتا ہے۔

لوٹوں ! قائداعظم کو تو بخش دو

لوٹا کریسی تو وطن عزیز میں پہلے سے موجود تھی اور اس پر تمام لوٹوں کو ایک شرمندگی کا احساس بہرحال ہوتا تھا اور لوٹا بننے والا عوام سے اور میڈیا سے تھوڑا دب کر، تھوڑا شرمندگی سے بات کرتا تھا۔اپنی وفاداری کی تبدیلی کے لئے کئی جواز گھڑتا تھا لیکن ! پنجاب اسمبلی میں میاں.برادران نے ق لیگ سے ان کے لوٹے ارکان کو واپس لینے اور یونیفیکیشن بلاک بننے کے بعد لوٹا کریسی کو جو عروج حاصل ہوا ہے اور جو قانونی جواز عطا کیا گیا ہے وہ انتہائی شرمناک ہے۔ لوٹا کریسی اور ہارس ٹریڈنگ کے جواز میں کہا گیا کہ '' یہ ہمارے ہی تو ارکان تھے جنھیں ایک آمر نے اغوا کرلیا تھا اور اب بازیاب ہوگئے ہیں'' اس طرح لوٹا کریسی کی حمایت کرکے جس گھناؤنے فعل کا آغاز کیا گیا تھا، جن پست روایت کا آغاز کیا گیا تھا، اب وہ پستی کی انتہائی شکل میں جا پہنچا ہے۔اور نوبت یہاں تک پہنچی ہے کہ اب ہمارے یہ کرپٹ، فراڈی، بےحس و بے ضمیر سیاستدان اپنے ان مکروہ افعال کو بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ مرحوم کے عمل سے تشبیہہ دی جارہی ہے۔

گزشتہ روز یعنی 25 مارچ 20011 ء کو پنجاب اسمبلی کے اجلاس میں یونیفیکیشن

بلاک کے شیخ علاؤالدین کی جانب سے قائداعظمؒ کے بارے میں ہرزہ سرائی کی گئی ۔ ’’تفصیلات کے مطابق پنجاب اسمبلی میں یونیفکیشن بلاک کے شیخ علاؤالدین کی طرف سے قائداعظمؒ کے متعلق ریمارکس پر اس وقت ہنگامہ شروع ہوگیا جب نے یونیفیکیشن بلاک کے شیخ علاؤالدین نے کہاکہ بانی پاکستان قائداعظم نے بھی کانگریس پارٹی چھوڑ کر مسلم لیگ کو جوائن کیا تھااور وہ دونوں پارٹیوں کے ممبر کافی عرصہ رہے تھے۔ جس پر اپوزیشن نے زبردست احتجاج کرتے ہوئے واک آؤٹ کر دیا۔ شیخ علاؤالدین نے کہاکہ میں اس بارے 2 گھنٹے بحث کرنے کے لئے تیار ہوں میرے پاس ریکارڈ ہے۔ شیخ علاؤالدین نے دعویٰ کیاکہ 1913 سے لیکر 1920ء تک قائداعظم محمد علی جناح بیک وقت کانگریس اور مسلم لیگ کے رکن رہے اور اگر میں یہ بات ثابت نہ کرسکوں تو صرف میں ہی نہیں بلکہ ہمارے گروپ کے 47 اراکین اسمبلی استعفیٰ دیدیں گے۔ انہوں نے کہاکہ قائداعظم توبیک وقت دوپارٹیوں کے رکن رہے اور ہم نے تو پارٹی بھی نہیں چھوڑی آج بھی اپنی پارٹی میں ہی ہیں‘‘ اس پر مسلم لیگ ن کے رانا تجمل حسین نے کہا’’ میں شیخ علاؤالدین کو چیلنج کرتا ہوں مناظرہ کے لئے تیار ہوں۔ انہوں نے کہا کہ ہماری بانی پاکستان قائداعظمؒ سے جذباتی وابستگی ہے آپ لوگ اپنی خامیاں غلطیاں چھپانے کے لئے قائداعظمؒ کی مثالیں نہ دیں‘‘۔

گویاکہ اب یہ ’’ لوٹے‘‘ اپنی وفاداریوں کی تبدیلی،اپنی ضمیر فروشی اور بد

ترین ہارس ٹریڈنگ کو بھی قائدِ اعظم سے منسوب کریں گے۔ دیکھیں شیخ علاؤ الدین صاحب کی یہ بات تو درست ہے کہ قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ انڈین نیشنل کانگریس اور آل انڈیا مسلم لیگ کے ممبر رہے تھے بلکہ انہوں نے اپنے سیاسی سفر کی ابتداء آل انڈیا نیشنل کانگریس سے ہی کی تھی اور انہوں نے 1905 میں کانگریس کو جوائن کیا تھا،

ابتداء میں قائدِ اعظم بھی متحدہ قومیت اور ہندو مسلم اتحاد کے داعی تھے اور انہوں نے ہی 1916 میں کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان ایک معاہدہ (جو کہ میثاق لکھنو کہلاتا ہے) کرایا تھا، لیکن موہن داس کرم چند گاندھی کے تعصب اور ہندو قوم پرستی کے باعث انہوں نے 1920 میں کانگریس سے مکمل علیحدگی اختیار کی۔ جبکہ مسلم لیگ کے ساتھ قائدِ اعظم محمد علی جناح صاحب کا تعلق 1912 میں شروع ہوا۔ یہاں تک تو جناب شیخ علاؤ الدین کی باتیں درست ہیں لیکن ؟؟

لیکن سوچنے کی بات ہے کہ انہوں نے جو اپنی "لوٹا کریسی" کو قائدِ اعظم سے تشبیہہ دہی ہے تو کیا وہ درست ہے؟ کیا قائدِ اعظم محمد علی جناح مرحوم نے اپنے ذاتی مفادات کے لئے پارٹی بدلی تھی؟ کیا انہوں نے چڑھتے سورج کی پوجا کرتے ہوئے انڈین نیشنل کانگریس چھوڑ کر مسلم لیگ جوائن کی تھی؟ جواب ہے کہ نہیں! قائدِ اعظم نے اپنے مفادات کے لئے نہیں بلکہ مسلمانوں کے اجتماعی مفادات کی خاطر مسلم لیگ جوائن کی تھی، اس میں ان کا کوئی ذاتی مفاد نہیں

تھا۔اگر قائدا عظم محمد علی جناح چاہتے تو کانگریس میں ہی رہ سکتے تھے اور وہاں ان کی بہت قدر ہوتی ان کے لئے کونسل کی ممبری یا کوئی وزارت حاصل کرنا چنداں مشکل نہ تھا لیکن انہوں نے ان سب باتوں کے بجائے مسلمانوں کے اجتماعی مفاد اور الگ وطن کی جدو جہد کو ترجیح دی۔

دوسری بات کہ جب قائدا عظمؒ نے مسلم لیگ جوائن کی تھی اس وقت.برِ صغیر میں انڈین نیشنل کانگریس ہی ایک مضبوط جماعت تھی اور اس کے مقابلے میں آل انڈیا مسلم لیگ نوزائیدہ تنظیم تھی ۔اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی واضح رہنا چاہئے کہ جس وقت قائدا عظم نے کانگریس چھوڑی تھی اس وقت.برصغیر کے کئی چوٹی کے رہنما انڈین نیشنل کانگریس میں تھے،اور بظاہر مسلم لیگ کی کوئی اہمیت نہ تھی ۔ایسے حالات میں انہوں نے مسلم لیگ جوائن کی تھی۔

اب اس کے.برعکس ان ”لوٹوں“ کا عمل دیکھیں اور اس کے پس منظر پر نظر ڈالی جائے تو یہاں پارٹی بدلنے کی،وفاداریاں تبدیل کرنے کی، ضمیر فروشی کی واحد وجہ صرف اور صرف اقتدار کا حصول ہے۔ سب کسی بھی طرح حکومت میں شامل رہا جائے۔ اور یہ ابھی سے نہیں ہو رہا ہے بہت پہلے سے ہو رہا ہے۔ ہمارے پاس پرانے لوگوں کی تو نہیں لیکن موجودہ دور کے کئی سیاستدانوں کی مثال موجود ہے کہ انہوں نے اپنے مفادات کے لئے کس کس طرح پارٹیاں بدلی ہیں۔ البتہ ایک

بات ضرور ہے کہ ان ضمیر فروشوں میں، ''لوٹوں'' میں زیادہ تر لوگ مسلم لیگ سے ہی وابستہ رہے ہیں۔ یہاں ہم کسی کا نام نہیں لے رہے لیکن قارئین خود ہی غور کریں اور پھر سوچیں کہ جو جو لوگ آج ق لیگ میں شامل ہیں وہ کل کونسی جماعت میں تھے؟ جو لوگ آج ن لیگ میں ہیں ان میں سے کتنے ہیں جو کل کسی اور پارٹی میں تھے؟ اسی طرح پی پی پی میں نظر ڈالیں تو یہاں بھی یہی صورتحال ہے اب لوگ صرف دیکھیں اور یاد کریں کہ کل یہ لوگ کونسی پارٹی میں تھے اور آج کس پارٹی میں ہیں؟ اسی طرح اگر تمام لوگ ایک کام اور کریں کہ موجودہ دور کے پی پی پی، ق لیگ اور ن لیگ کے وزراء، اور ارکان اسمبلی کی فہرست بنائیں اور محفوظ کرلیں اور آئندہ الیکشن کے بعد دیکھیں کہ کتنے لوگ اسی پارٹی میں رہتے ہیں اور اور کتنے ایک بار پھر اپنے ضمیر کی قیمت لگاتے ہیں؟ یہ ضمیر فروش، بے حس لوٹے ہیں اور مقابلہ کرتے ہیں دنیا کے اور مسلمانوں کے عظیم لیڈر، بااصول اور قانون پسند، اور اعلیٰ اخلاق و کردار کے حامل قائد اعظم محمد علی جناح مرحوم سے! شرم آنی چاہئے ان لوگوں کو انکی جرائت کیسے ہوئی کہ وہ اپنے مکروہ فعل کو قائد اعظم کے کانگریس چھوڑنے کے عمل سے تشبیہہ دیں؟ میں اس فورم کے ذریعے ان سے مطالبہ کرتا ہوں کہ وہ تمام قوم سے اس بات کی معافی مانگیں اور مسلم لیگ ن کے رانا تجمل حسین کی بھی یہی کہونگا کہ جناب آپ کس

منہ سے ان کی مذمت کر رہے ہیں ؟آپ ہی کے لیڈر نے تو ان لوٹوں کو اپنے مغوی ارکان کہا تھا۔آپ ہی کے لیڈر نے تو یہ لوٹا کریسی شروع کی تھی ۔پہلے آپ اپنے لیڈر کی مذمت کریں اسکے بعد ہی شیخ علاؤالدین یا کسی اور کی مذمت کیجئے گا۔ میری ان لوٹے ارکان سے یہی گزارش ہے کہ خدارا اپنی اس گندی سیاست میں قائداعظم کو تو نہ گھسیٹیں ان کو تو بخش دیں۔

امریکہ اور بھارت کا وزیر داخلہ رحمان ملک

سمجھ نہیں آتا کہ وفاقی وزیر رحمان ملک صاحب پاکستان کے وزیر داخلہ ہیں یا امریکہ اور بھارت کے؟ان کی باتوں کا جائزہ لیا جائے تو نظر آتا ہے کہ وہ
مسلمانوں،پاکستانیوں سے زیادہ مسیحی اور ہندوؤں کے زیادہ حامی اور مددگار ہیں۔ ممبئی حملوں کے بعد جب بھارت نے یکطرفہ طور پر پاکستان کے خلاف واویلا مچانا شروع کیا تو اس وقت بجائے اس کے کہ وفاقی وزیر صاحب کچھ سوچ سمجھ کر،کچھ مشورہ کرکے کوئی بیان دیتے انہوں نے فوری طور پر بھارت کے موقف کی حمایت کی۔ نہ صرف یہ کہ حمایت کی بلکہ جب بھارت نے دہشت گردوں کی کشتی برآمد کرنے کا دعویٰ کیا تو ہمارے وزیر صاحب نے کچھ دنوں بعد ایک اور کشتی برآمد کرکے دعویٰ کیا کہ ہم نے بھی دہشت گردوں کی کشتی برآمد کی ہے۔ اسکا مطلب کہ یا تو بھارت جھوٹ بول رہا ہے یا وفاقی وزیر صاحب کیوں کہ اگر بھارت کا دعویٰ درست مانا جاتا ہے تو وفاقی وزیر صاحب کا دعویٰ جھوٹا ہوتا ہے اور یہ تو ہمارے ممبران پارلیمنٹ کی ذمہ داری تھی کہ وہ ان سے پوچھتے کہ اگر آپ نے کشتی برآمد کی ہے تو بھارت نے کیسے دعویٰ کرلیا؟ لیکن ایسی باتیں کوئی نہیں پوچھتا۔
اب انہوں نے ایک بار پھر انتہا پسند ہندوؤں اور عیسائیوں کی مدد کی ہے۔ آپ

پوچھیں گے کہ وہ کیسے ؟ اس کا جواب بہت واضح ہے کہ " ورلڈ کپ کے آغاز میں ہی بھارت کے انتہا پسند ہندو لیڈر بال ٹھاکرے نے دھمکی دی تھی کہ اگر پاکستانی ٹیم فائنل کھیلنے بھارت آئی تو اس بات کا فیصلہ شیو سینا کے سربراہ بال ٹھاکرے کریں گے کہ پاکستانی ٹیم کو میچ کھیلنے دیا جائے یا نہیں "۔ اس سے قبل بھی انتہا پسند ہندو تنظیم شیو سینا اور راشٹریہ سیوک سنگھ پاکستان کے دورہ بھارت پر اعتراضات کر چکی ہے اور 2005 میں پاکستان کے دورہ بھارت میں کئی ایسے گراؤنڈز جہاں پاک بھارت میچز ہونے تھے ان کی پچز اکھاڑ دی گئیں تھیں۔ حوالہ کے ملاحظہ کریں یہ لنک

http://www.bbc.co.uk/urdu/sport/story/2005/03/printable/050302_cricket_ashaar_as.shtml

اس کے علاوہ اب تو تحقیقات سے یہ بات بھی ثابت ہو گئی کہ بھارتی گجرات کے شہر سورت میں سابر متی ایکسپریس کو آگ لگا کر ہندو مسلم فسادات بھڑکانے میں بھی انہی انتہا پسند ہندوؤں کا ہاتھ تھا اور گجرات کے وزیر اعلیٰ نریندر مودی اس میں ملوث تھے ، سابر متی ایکسپریس کو آگ ہندوؤں نے ہی لگائی تھی لیکن اس کا الزام مسلمانوں پر لگا کر بدترین قتل عام کیا گیا۔ اس قتل عام کے بعد کی ایک ڈاکیومنٹری فلم جاری کی گئی تھی جس کا لنک یہ ہے

http://www.hamariweb.com/myreport/report.aspx?id=162

اسی طرح بھارتی ریاست آسام کے شہر مالیگاؤں میں 19 ستمبر 2008 کو تراویح کے دوران ایک مسجد میں بم دھماکہ کیا گیا جس میں 6 افراد شہید اور متعدد زخمی ہوئے تھے، مالیگاؤں کی جامع مسجد میں بم دھماکے میں بھی انتہا پسند ہندو اور بھارتی فوج کے حاضر سروس اور ریٹائرڈ افسران ملوث تھے۔ اس کیس کا مرکزی ملزم انتہا پسند ہندو لیڈر دیانند پانڈے کو پولیس نے گرفتار کر لیا تھا اور اس نے اپنے جرم کا اعتراف بھی کر لیا واضح رہے کہ بھارت نے اس دھماکے کا الزام پاکستانی تنظیم جیشِ محمد پر لگایا تھا، اور اہم بات یہ کہ اس کیس کی دیانت دارانہ تفتیش کرکے حقائق منظر عام پر لانے والے بہادر پولیس افسر ہیمنت کُرکُرے کو مبینہ ممبئ حملوں میں ہلاک کر دیا گیا تھا۔ گزشتہ دنوں یہ بات بھی سامنے آئی کہ 18 فروری 2007 کو سمجھوتہ ایکسپریس میں آتشزدگی کے اندوہناک سانحے میں بھی یہ انتہا پسند ہندو ملوث تھے، سانحہ سمجھوتہ ایکسپریس میں 75 افراد ہلاک ہوئے جن میں سے 60 کا تعلق پاکستان سے تھا۔ یہ واردات بھی انتہا پسند ہندو تنظیم راشٹریہ سیوک سنگھ (RSS) نے کی تھی اور اس میں بھی بھارتی فوج کے حاضر سروس اور ریٹائرڈ افسران ملوث ہیں۔ مکمل تفصیل کے لئے ملاحظہ کریں یہ لنک

http://www.islamtimes.org/vdciyqa5.t1az327sct.html

http://royalnews.tv/?p=5758

ان سارے حقائق کے بعد وزیر داخلہ اور مرکزی حکومت کو چاہئے تھا کہ وہ بھارتی حکومت سے شیو سینا کی دھمکی کے تناظر میں کھلاڑیوں کی بھرپور سیکورٹی کا انتظام کرنے کا مطالبہ کرتی اور آئی سی سی اور بھارتی حکومت سے اس بیان پر احتجاج کرتی لیکن اس کے بجائے وفاقی وزیر داخلہ صاحب نے پاکستان کے سیمی فائنل میں پہنچتے ہی بیان داغ دیا کہ ورلڈکپ کے دوران طالبان بھارت میں دہشت گردی کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد اچانک خبر آتی ہے کہ " کراچی سے سری لنکا جانے والے دہشت گردوں کو مالدیپ میں گرفتار کیا گیا ہے۔اور ورلڈکپ میں دہشت گردی کے منصوبے کو ناکام بنا دیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی رحمان ملک صاحب نے انکشاف کیا ہے کہ طالبان دہشت گرد بھارت پہنچ گئے ہیں" حیرت ہے کہ رحمان ملک صاحب کراچی میں 2008 سے جاری ٹارگٹ کلنگ ختم نہیں کراسکے ، اور نہ ہی اس میں ملوث افراد کو گرفتار کیا جاسکا۔ ملک میں ہونے والی کئی دہشت گردی کی وارداتوں کو طالبان اور دیگر تنظیموں سے جوڑا گیا لیکن تحقیقات سے وہ غلط ثابت ہوئے۔ محترم رحمان ملک صاحب اپنے ملک میں تو کوئی دہشت گردی ختم نہیں کراسکے لیکن یہ ضرور کیا کہ بھارت کے انتہا پسند ہندوؤں اور بھارتی حکومت کو ایک آڑ ضرور فراہم کردی۔ اب ورلڈکپ میں خدانخواستہ کوئی بھی دہشت گردی ہوتی ہے چاہے وہ کوئی بھی کرے لیکن اب اس کا الزام پاکستان اور طالبان پر آئے گا اور اس کے ثبوت میں محترم رحمان ملک صاحب کے بیانات پیش کئے جائیں گے۔ اس طرح انہوں نے ہندوؤں کی سازش کو بے نقاب کرنے

کے بجائے پیشگی ہی سارا ملبہ مسلمانوں پر ڈالنے کی حکمت عملی وضع کرلی اور اپنی پاکستان اور اسلام دشمنی کا ثبوت دیا ہے۔ یہ لوگ اسی میں خوش ہیں کہ بھارتی وزیر اعظم منموہن سنگھ نے صدر زرداری اور وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی صاحب کو موہالی میں پاک بھارت سیمی فائنل میچ دیکھنے کی دعوت دی ہے اور وہ دعوت فوری طور پر قبول کرلی گئی۔

اب اسی طرح رحمان ملک صاحب نے تازہ ترین احمقانہ بیان یہ دیا ہے کہ امریکہ میں قرآن پاک نذر آتش کرنے والے ملعون عیسائی پادری ٹیری جونز کا تعلق القاعدہ اور طالبان سے ہے اور وہ القاعدہ کا ایجنٹ ہے۔ گویا کہ اب یہ بات طشت ازبام ہوگئی ہے کہ موجودہ حکومت اور اس کے ذمہ دارانہ کے دلوں میں ذرا سا بھی خوفِ خدا نہیں رہ گیا ہے اور نہ ہی یہ لوگ ملک اور ملت سے مخلص ہیں۔ سمجھ نہیں آتا کہ ان کے اس بیان کو کیا سمجھا جائے؟ کل تک یہ باور کرایا جارہا تھا کہ القاعدہ اور طالبان انتہا پسند مسلمانوں کی تنظیمیں اور غیر مسلموں کے خلاف ہیں لیکن اب اچانک وفاقی وزیر داخلہ صاحب نے ملعون پادری کی حرکت پر عالمی برادری سے عیسائی پادری کی انتہا پسندی کا نوٹس لینے اور عیسائی انتہا پسندی کو سامنے لاتے، انہوں نے ضمیر فروشی کی اعلیٰ مثال قائم کرتے ہوئے اس واردات کو بھی مسلمانوں سے جوڑ دیا ہے۔ اب سوچیں کہ کیا ہمارے یہ بے غیرت اور بے حمیت حکمران ہمارے لئے کچھ کر سکتے ہیں؟

قرارداد مقاصد کی منظوری کا مطالبہ

سال ختم ہوتے ہوتے مسلمانوں کی رائے عام پوری طرح اُس مطالبہَ حق پر متفق ہو گئی جو آغازِ سال میں پیش کیا گیا تھا، اور مارچ ۱۹۴۹ء میں دستور ساز اسمبلی کو طوعاً و کرہاً قرارداد مقاصد پاس کرنی پڑی۔

جماعت اسلامی کو یہ دعویٰ نہیں ہے کہ مطالبے کی یہ مہم سراسر اس کی طاقت سے کامیاب ہوئی ہے۔ بلاشبہ ملک کی تمام اسلامی جماعتوں اور تمام دین پسند عناصر کی قوت اس میں شریک تھی، اور اس میں ان لوگوں کا بھی حصہ تھا جو نہ اُس وقت جماعت کے دوست تھے، نہ آج ہیں۔ مگر اس سے کون انکار کرسکتا ہے کہ جماعت اسلامی ہی اُس کی اصل محرک تھی اور اگر یہ منظم طاقت اس کی پشت پر نہ ہوتی تو اُن منتشر آوازوں سے جو وقتاً فوقتاً اسلامی نظام کے حق میں اُٹھتی رہتی تھیں، اس مطالبے کا ایک باقاعدہ مہم کی شکل اختیار کرنا، اور پھر کامیابی کی منزل تک پہنچنا کسی طرح ممکن نہ تھا۔ اس حقیقت کو وہ لوگ بھی جانتے ہیں جنھوں نے اس مہم کے سلسلے میں کچھ کام کیا ہے اور وہ برسرِ اقتدار گروہ بھی جانتا ہے جسے اس کے آگے سرِ تسلیم خم کرنا پڑا ہے۔

جو لوگ سیاسی معاملات کا فہم نہیں رکھتے وہ شاید آج تک بھی یہ اندازہ نہیں کر سکے ہیں کہ یہ کس قدر اہم اور ضروری قدم تھا جو جماعت نے اُٹھایا اور کس قدر بروقت اُٹھایا۔ آج اس کی اہمیت اور اس کے دُور رس نتائج ہم بیان بھی کریں تو وہ ان کی سمجھ میں نہیں آ سکتے، لیکن اگر خدانخواستہ ہم اس میں ناکام ہوگئے ہوتے اور یہاں آئینی طور پر لادینی اصولوں کو ریاست کی بنیاد بنانے کا فیصلہ ہوچکا ہوتا، تو ہمارے بھائیوں کو معلوم ہو جاتا کہ یہاں اسلام کے علَم برداروں کا مستقبل کیسا خطرناک ہے۔ اب یہ سراسر اللہ کا فضل ہے کہ کم از کم اس نوزائیدہ ریاست کا دستوری نصب العین تو اسلام کے عین مطابق بن چکا ہے اور آئینی حیثیت سے کفر کے مقابلے میں اسلام کی پوزیشن مضبوط ہو گئی ہے۔ اس پر مزید فضل یہ ہے کہ رائے عام پوری طرح اس آئینی پوزیشن کی حمایت پر کمربستہ ہے اور اس کو کسی فریب سے بدل ڈالنا کوئی آسان کام نہیں رہا ہے۔ (’اشارات‘، سید ابوالاعلیٰ مودودی، ترجمان القرآن، جلد ۳۵، عدد ۵، جمادی الاولیٰ ۱۳۷۰ھ، مارچ ۱۹۵۱ء، ص ۳۲)

مذکورہ بالا مضمون ماہنامہ ترجمان القرآن میں ساٹھ سال پہلے مولانا مودودی مرحوم نے لکھا تھا جو کہ ہم نے یہاں آپ لوگوں سے شئیر کیا ہے۔

ویل ڈن آفریدی

اور بالآخر کرکٹ کا بخار بھی اتر ہی گیا۔ پاکستان کرکٹ ٹیم دسویں ورلڈ کپ کے سیمی فائنل میں روایتی حریف بھارت سے ہار گئی۔ کھیل کو کھیل ہی رہنا چاہیۓ اس کو جنگ یا جنون نہیں بنانا چاہیۓ اور یہ بات یاد رکھنی چاہیۓ کہ کوئی بھی میدان ہو چاہے وہ کھیل کا میدان ہو، تعلیمی میدان ہو یا جنگ کا میدان ہو اس میں کوئی ایک فرد یا گروپ فاتح ہوتا ہے اور ایک فرد یا گروپ شکست سے دوچار ہوتا ہے۔ اور اسپورٹس مین اسپرٹ یا اعلیٰ ظرفی یہ ہوتی ہے کہ انسان فتح کے لئے پوری جان لڑا دیتا ہے لیکن شکست ہونے کی صورت میں اس کو بھی خوشدلی سے قبول کرلیتا ہے۔ اب ہمیں بھی اپنی شکست کو خوش دلی سے قبول کرلینا چاہیۓ اور اپنی ٹیم کو برا کہنے یا ان پر تنقید کرنے کے بجائے ان کا پُرجوش استقبال کرنا چاہیۓ۔ کھیل ذہنی تناؤ کو کم کرنے اور صحت مندانہ سرگرمیوں کے لئے کھیلے جاتے ہیں لیکن میڈیا مافیا نے پاک بھارت میچ کو ایک جنگ کی صورت دیدی اور ایسا ماحول بنا دیا کہ گویا کہ پاکستان اور بھارت کی جنگ چھڑ گئی ہے۔ ہم اپنی بات کرنے سے پہلے اس میچ کا ایک مختصر سا جائزہ لیں گے۔ جہاں تک اس میچ کا تعلق ہے تو اس میں پاکستان کرکٹ ٹیم نے کئی فاش غلطیاں

کیں ۔پہلی بات تو یہ کہ پاکستان کے مرکزی باؤلر عمر گُل نے توقع کے مطابق کر کردگی نہیں دکھائی،اسکے برعکس نووارد باؤلر وہاب ریاض نے شاندار کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ دوسری جانب ہماری قومی ٹیم کی فیلڈنگ انتہائی ناقص رہی اور میچ میں چھے کیچ ڈراپ کئے گئے جن میں سے چار کیچ تو صرف سچن ٹنڈولکر کے تھے،جب کہ اسٹمپ اور باوئنڈرینز بھی مِس کی گئیں جس کے باعث بھارت کی ٹیم نے 260 رنز کا مجموعہ حاصل کرلیا ورگرنہ تو بھارت کی ٹیم بمشکل 225/220 رنز پر ہی ڈھیر ہو سکتی تھی لیکن ناقص فیلڈنگ کے باعث 45/40 رنز اضافی بنے اور یہی اضافی رنز پاکستانی ٹیم کو لے ڈوبے۔اسکے بعد ہماری بیٹنگ لائن اپ اچانک جواب دے گئی اور اوپنرز ٹیم کو کوئی اچھا آغاز فراہم نہ کرسکے،اس کے بعد مڈل آرڈر بیٹسمین میچ کو ون ڈے کے بجائے ٹیسٹ میچ کی طرح کھیلنے لگے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مطلوبہ رن ریٹ بڑھتا گیا اور جیسے جیسے رن ریٹ بڑھتا گیا ویسے ویسے ٹیم پر دباؤ بھی بڑھتا گیا،اور پھر ہمارے کھلاڑی تیز کھیلنے کی کوشش میں وکٹیں گنواتے رہے۔ نائب کپتان مصباح الحق آخری اوورز میں تیز کھیلنے کی کوشش کرتے نظر آئے لیکن اس وقت تک ٹیم کی لُٹیا ڈوب چکی تھی ۔ بالآخر پاکستان ٹیم روایتی حریف بھارت سے انتیس رنز سے ہار گئی۔ یہ تو پاک بھارت کے درمیان ہونے والے سیمی فائنل میچ کا ایک جائزہ لیا گیا۔

اب ہم اپنی بات کریں گے ۔ ہم یہ بات اگر پہلے کہتے تو شائد لوگوں کو یہ بات

پسند نہ آتی اور لوگ ہمیں برا بھلا کہتے اس لئے ہم نے اس موضوع پر کوئی بات نہیں کی لیکن اب ہم سمجھتے ہیں کہ موقع ہے کہ اس بارے میں کچھ بات کی جائے اور اپنا نقطہ نظر یہاں رکھا جائے، شائد کہ تیرے دل میں اتر جائے میری بات اگر غور کریں تو پہلی بات تو یہ سمجھنے کی ہے کہ ہم نے اپنی ٹیم سے بہت زیادہ توقعات وابستہ کرلیں حالانکہ ہماری ٹیم نے راؤنڈ میچز سے لیکر سیمی فائنل میں پہنچنے تک غیر معمولی کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے۔ سوچیں کہ کیا یہ وہی ٹیم نہیں ہے جو ورلڈکپ کے معرکے میں جانے سے پہلے بحرانوں کا شکار تھی؟ کیا یہ وہی ٹیم نہیں تھی جس کو آئی سی سی نے اپنی نگرانی میں رکھا ہوا تھا اور ٹیم پر میچ فکسنگ کے الزامات تھے؟ کیا یہ وہی ٹیم نہیں ہے جس کے دو بہترین باؤلرز پر آئی سی سی کی جانب سے پابندی لگا دی گئی تھی اور ٹیم اپنے اچھے باؤلرز بالخصوص محمد عامر کی خدمات ٹیم کو حاصل نہیں تھی۔کیا یہ وہی ٹیم نہیں تھی جس کی ورلڈکپ میں روانگی تک کپتان کا اعلان تک نہیں کیا گیا تھا؟کیا یہ وہی ٹیم نہیں ہے جو حال ہی میں انگلینڈ، ساؤتھ افریقہ اور نیوزی لینڈ سے سیریز ہاری تھی؟ ذیل میں ہم ایک چارٹ پیش کر رہے ہیں جس میں ورلڈکپ سے پہلے قومی ٹیم کی آخری تین سیریز کا ریکارڈ پیش کیا گیا اس چارٹ کو بغور دیکھیں۔

پاکستان کا دورہ انگلینڈ 27 جون 2010 تا 22 ستمبر 2010

پاکستان بمقابلہ آسٹریلیا

فارمیٹ	میچز کھیلے	جیتے	ہارے	ڈرا / بے نتیجہ
ٹی 20	2	2	-	-
ٹیسٹ	2	1	1	-

پاکستان بمقابلہ انگلینڈ

فارمیٹ	میچز کھیلے	جیتے	ہارے	ڈرا / بے نتیجہ
ٹی 20	2	-	2	-
ٹیسٹ	4	1	3	-
ون ڈے	5	2	3	-

پاکستان بمقابلہ ساؤتھ افریقہ 26 اکتوبر تا 20 نومبر 2010 (ابوظہبی)

فارمیٹ	میچز کھیلے	جیتے	ہارے	ڈرا / بے نتیجہ
ٹی 20	2	-	2	-
ٹیسٹ	2	-	-	2
ون ڈے	5	2	3	-

پاکستان کا دورہ نیوزی لینڈ 23 دسمبر 2010 تا 5 فروری 2011

فارمیٹ	میچز کھیلے	جیتے	ہارے	ڈرا / بے نتیجہ
ٹی 20	3	1	2	-
ٹیسٹ	2	1	-	1
ون ڈے	6	3	2	1

جون 2010 تا فروری 2011 تک تینوں فارمیٹ کے کھیلے گئے میچز کا مجموعی نتیجہ

فارمیٹ	کھیلے گئے میچز	جیتے	ہارے	ڈرا / بے نتیجہ
ٹی 20	9	3	6	-
ٹیسٹ	10	3	4	3
ون ڈے	16	7	8	1

اب اس ریکارڈ کے بعد ذرا سوچیں کہ کیا اس ٹیم سے اتنی اچھی کارکردگی کی توقع تھی؟ جواب ہے کہ نہیں ! کسی کو بھی موجودہ پاکستانی ٹیم سے اتنی اچھی کارکردگی کی بالکل بھی توقع نہیں تھی لیکن پوری ٹیم نے متحد ہوکر کھیلا اور ایک ہاری ہوئی ٹیم کو جیت کے راستے پر گامزن کردیا۔جس کے لئے پوری پاکستانی کرکٹ ٹیم اور ان کے کپتان شاہد خان آفریدی مبارک باد کے مستحق ہیں۔ویل ڈن آفریدی آپ نے ٹیم کو دوبارہ جیت کے راستے پر گامزن کردیا۔جب ٹیم نے لگاتار تین میچز جیتے تو پھر عوام کی توجہ اپنی بھی اپنی ٹیم کی جانب مبذول ہوگئی اس کے بعد تو جناب میڈیا بھی انگڑائی لیکر بیدار ہوگیا اور پھر میڈیا پر صرف اور صرف کرکٹ ہی چھا گئی۔ بالخصوص جب پاکستان ٹیم نے کوارٹر فائنل کے لئے کوالیفائی کرلیا تو ہر ایک نے اپنی توقعات ٹیم سے وابستہ کرلیں ۔پاکستانی ٹیم پر سیمی فائنل کے بعد تنقید کرنے والوں کو سوچنا چاہئے کہ انگلینڈ اور ویسٹ انڈیز جیسی مضبوط ٹیمیں بڑی مشکل سے کوارٹر فائنل تک پہنچیں،اس کے بعد کوارٹر فائنل میں

آسٹریلیا، ویسٹ انڈیز، ساؤتھ افریقہ جیسی ٹیموں کا سفر بھی اختتام پذیر ہوگیا لیکن ہماری ٹیم نے تو کوارٹر فائنل کا مرحلہ بھی خوش اسلوبی سے طے کرلیا تھا۔ جب ہماری ٹیم نے کوارٹر فائنل کا مرحلہ بھی عبور کرلیا تو اس کے بعد انڈیا پاکستان کے میچ کو میڈیا نے کیچ کرلیا اور اس کو ایک میچ ،ایک کھیل سے زیادہ عزت، غیرت، اور قومی وقار کا مسئلہ بنا دیا اور پوری قوم کو کرکٹ کے بخار میں مبتلا کردیا۔

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ یہ وہی میڈیا ہے جو ناموس رسالت ﷺ کے معاملے پر تو قوم کو صبر اور غیر جانبداری کا درس دیتا ہے اور قوم کو غیر جذباتی سوچکی تلقین کرتا ہے۔ مسئلہ کشمیر کی بات ہو تو زمین حقائق کی بات کرتا ہے۔ عافیہ صدیقی کی بات کی جائے تو یہی میڈیا ہمیں بتاتا ہے کہ جذباتی پن چھوڑ کر دماغ سے کام لینا چاہئے۔ ریمنڈ ڈیوس کے معاملے پر ساری سرکاری مشنری اور ارباب حکومت قوم کو بتاتے ہیں کہ زمین حقائق کیا ہیں ؟ الغرض ملک و قوم کے ہر معاملے کو ایک کھیل کی طرح لیا جاتا ہے لیکن ایک کھیل کو جنگ کا درجہ دیدیا گیا۔ میڈیا نے صرف اپنی کمائی اور کمرشل ازم کے لئے پوری قوم کو کرکٹ کے بخار میں مبتلا کردیا، اور ایک ایسا تاثر دیا کہ گویا کہ پاکستانی ٹیم ورلڈکپ کی موسٹ فیورٹ ٹیم ہے اور بس اب ورلڈکپ ہم جیتے ہی جیتے۔ یہ سراسر میڈیا ہی کی کارستانی تھی کہ اس نے ایک نان ایشو کو ایشو بنا دیا اور حقائق

کے برعکس قوم کے جذبات سے کھیلا۔

یقیناً ہر فرد اپنی قومی ٹیم کے لیے دعائیں کرتا ہے اور ہماری بھی یہ خواہش تھی کہ پاکستان سیمی فائنل جیت جائے لیکن اس میچ میں بحیثیت قوم ہماری بے صبری اور جلد بازی کی عادت بھی نمایاں ہوئی کہ میچ سے پہلے ہی ہم نے ایسے بلند و بانگ دعوے کرنے شروع کر دیئے گویا کہ ہم انڈیا جیسی مضبوط ٹیم کے خلاف نہیں بلکہ کینیڈا وغیرہ جیسی کسی بے بی آف کرکٹ سے سیمی فائنل ہو رہا ہے۔ پھر میچ کے دن سندھ اور پنجاب کی صوبائی حکومت نے عام تعطیل جب کہ وفاقی حکومت نے آدھے دن کی تعطیل کا اعلان کر دیا۔ اس کے بعد جب میچ شروع ہوا تو آغاز میں ہی ہماری قوم نے ایسے جشن منانا شروع کر دیا گویا کہ ہم میچ جیت چکے ہیں۔ بھارت کی ہر وکٹ پر ایسے ہوائی فائرنگ، پٹاخے اور اچھل کود مچائی گئی گویا کہ میچ جیت لیا گیا ہے حالانکہ سب جانتے ہیں کہ کرکٹ کا کھیل آخری اوور تک غیر یقینی ہوتا ہے، اور ابھی بھارت کی پوری اننگ اور اس کے بعد پاکستان کی اننگ باقی تھی لیکن ہم نے انتہائی بے صبری اور جلد بازی بلکہ میں تھوڑا زیادہ سخت الفاظ میں کہوں گا کہ چھچھورے پن کا مظاہرہ شروع کر دیا۔ ایک طرف تو یہ عالم تھا اور جب میچ کا پانسہ پلٹنے لگا تو معلوم ہوا کہ وہی لوگ اب منہ بھر بھر کر پاکستانی ٹیم کو گالیاں دے رہے ہیں۔ یہ کس طرح کا رویہ ہے کہ ایک طرف تو ہم کسی کو بالکل دیوتا کا درجہ دیکر اس کو پرستش

شروع کردیتے ہیں، اس کو پلکوں پر بٹھاتے ہیں اور اس کے بعد یکایک اسی فرد کو نظروں سے گرادیتے ہیں۔ یہ رویہ درست نہیں ہمیں ہر حال میں اعتدال اور میانہ رویہ اختیار کرنی چاہئے۔

کھیل کو کھیل ہی رہنا چاہئے اس کو جنگ یا جنون نہیں بنانا چاہئے اور یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ کوئی بھی میدان ہو چاہے وہ کھیل کا میدان ہو، تعلیمی میدان ہو یا جنگ کا میدان ہو اس میں کوئی ایک فرد یا گروپ فاتح ہوتا ہے اور ایک فرد یا گروپ شکست سے دوچار ہوتا ہے۔ اور اسپورٹس مین اسپرٹ یا اعلیٰ ظرفی یہ ہوتی ہے کہ انسان فتح کے لئے پوری جان لڑادیتا ہے لیکن شکست ہونے کی صورت میں اس کو بھی خوشدلی سے قبول کرلیتا ہے۔ اب ہمیں بھی اپنی شکست کو خوش دلی سے قبول کرلینا چاہئے اور اپنی ٹیم کو برا کہنے یا ان پر تنقید کرنے کے بجائے ان کا پُرجوش استقبال کرنا چاہئے۔

قرآن کا ترجمہ سیاق و سباق کے ساتھ نہ کرنے کا نقصان

قرآن پاک اللہ کی عظیم کتاب ہے جو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی ہے۔ بہت سے بزعم خود عالم دین اور قرآن کو سمجھنے والے خود تو ٹھوکر کھاتے ہی ہیں لیکن نادانستہ یا دانستہ لوگوں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ ہمیں کوشش کرنی چاہئے کہ قرآن پاک سمجھ کر پڑھیں اور قرآن کی آیات کو اس کے سیاق و سباق میں دیکھ کر پڑھیں گے تو اصل بات سمجھ میں آئے گی۔ مثال کے طور پر اللہ تعالٰی نے قرآن پاک میں سورہ مائدہ میں تورات کے حوالے کچھ باتیں بیان کی ہیں اگر ان آیات کو سیاق و سباق کے ساتھ نہ پڑھا جائے تو معنی و مفہوم تبدیل ہوجائے گا اور بات کچھ کی کچھ ہوجائے گی۔ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں کہ

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ۭ فَاِنْ جَاۗءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَـيْـــًٔا ۭ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ٤٢؀ وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۭ وَمَآ اُولٰۗىِٕكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۴۳؀ سورہ مائدہ آیت ۴۲ تا ۴۳)

ترجمہ (یہ جُھوٹ سُننے والے اور حرام کے مال کھانے والے ہیں، لہٰذا اگر یہ تمہارے پاس (اپنے مقدمات لے کر) آئیں تو تمہیں اختیار دیا جاتا ہے کہ چاہو ان کا فیصلہ کرو ورنہ انکار کردو۔ انکار کردو تو یہ تمہارا کچھ بگاڑ نہیں سکتے، اور فیصلہ کرو تو پھر ٹھیک ٹھیک انصاف کے ساتھ کرو کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔۔۔ اور یہ تمہیں کیسے حَکَم بناتے ہیں جبکہ ان کے پاس توراۃ موجود ہے جس میں اللہ کا حکم لکھا ہوا ہے اور پھر یہ اس سے منہ موڑ رہے ہیں؟ اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ ایمان ہی نہیں رکھتے۔)

یہاں خاص طور پر (بنی اسرائیل) کے اُن کے مفتیوں اور قاضیوں کی طرف اشارہ ہے جو جُھوٹی شہادتیں لے کر اور جھُوٹی رودادیں سُن کر اُن لوگوں کے حق میں انصاف کے خلاف فیصلے کیا کرتے تھے جن سے انہیں رشوت پہنچ جاتی تھی یا جن کے ساتھ ان کے ناجائز مفاد وابستہ ہوتے تھے۔

یہودی اس وقت تک اسلامی حکومت کی باقاعدہ رعایا نہیں بنے تھے بلکہ اسلامی حکومت کے ساتھ ان کے تعلقات معاہدات پر مبنی تھے۔ ان معاہدات کی رُو سے یہودیوں کو اپنے اندرونی معاملات میں آزادی حاصل تھی اور ان کے مقدمات کے فیصلے انہی کے قوانین کے مطابق اُن کے اپنے جج کرتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یا آپ کے مقرر کردہ قاضیوں کے پاس اپنے مقدمات لانے کے لیے وہ

ازرُوئے قانون مجبُور نہ تھے۔ لیکن یہ لوگ جن معاملات میں خود اپنے مذہبی قانون کے مطابق فیصلہ کرنا نہ چاہتے تھے اُن کا فیصلہ کرانے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس اُمید پر آجاتے تھے کہ شاید آپ کی شریعت میں ان کے لیے کوئی دُوسرا حکم ہو "" () اور اس طرح وہ اپنے مذہبی قانون کی پیروی سے بچ جائیں۔

یہاں خاص طور پر جس مقدمہ کی طرف اشارہ ہے وہ یہ تھا کہ خیبر کے معزز یہودی خاندانوں میں سے ایک عورت اور ایک مرد کے درمیان ناجائز تعلق پایا گیا۔ توراۃ کی رُو سے ان کی سزا رجم تھی، یعنی یہ کہ دونوں کو سنگسار کیا جائے (استثناء – باب ۲۲ آیت ۲۳ - ۲۴) لیکن یہودی اس سزا کو نافذ کرنا نہیں چاہتے تھے۔ اس لیے انہوں – نے آپس میں مشورہ کیا کہ اس مقدمہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پنچ بنایا جائے۔ اگر وہ رجم کے سوا کوئی اَور حکم دیں تو قبول کر لیا جائے اور رجم ہی کا حکم دیں تو نہ قبول کیا جائے۔ چنانچہ مقدمہ آپ کے سامنے لایا گیا۔ آپ نے رجم کا حکم دیا۔ انہوں نے اس حکم کو ماننے سے انکار کیا۔ اس پر آپ نے پوچھا تمہارے مذہب میں اس کی کیا سزا ہے؟ انہوں نے کہا کوڑے مارنا اور منہ کالا کرکے گدھے پر سوار کرنا۔ آپ نے ان کے علماء کو قسم دے کر اُن سے پوچھا، کیا توراۃ میں شادی شدہ زانی اور زانیہ کی یہی سزا ہے؟ انہوں نے پھر وہ جھوٹا جواب دیا۔ لیکن ان میں سے ایک شخص ابن

صوریا، جو خود یہودیوں کے بیان کے مطابق اپنے وقت میں توارۃ کا سب سے بڑا عالم تھا، خاموش رہا۔ آپ نے اُس سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میں تجھے اُس خدا کی قسم دے کر پُوچھتا ہوں جس نے تم لوگوں کو فرعون سے بچایا اور طُور پر تمہیں شریعت عطا کی، کیا واقعی توراۃ میں زنا کی یہی سزا لکھی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ "اگر آپ مجھے ایسی بھاری قسم نہ دیتے تو میں نہ بتاتا۔ واقعہ یہ ہے کہ زنا کی سزا تو رجم ہی ہے مگر ہمارے ہاں جب زنا کی کثرت ہوئی تو ہمارے حُکّام نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ بڑے لوگ زنا کرتے تو انہیں چھوڑ دیا جاتا اور چھوٹے لوگوں سے یہی حرکت سرزد ہوتی تو انہیں رجم کر دیا جاتا۔ پھر جب اس سے عوام میں ناراضی پیدا ہونے لگی تو ہم نے توراۃ کے قانون کو بدل کر یہ قاعدہ بنا لیا کہ زانی اور زانیہ کو کوڑے لگائے جائیں اور انہیں مُنہ کالا کر کے گدھے پر اُلٹے مُنہ سوار کیا جائے۔" اس کے بعد یہودیوں کے لیے کچھ بولنے کی گنجائش نہ رہی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے زانی اور زانیہ کو سنگسار کر دیا گیا۔

دیکھیں یہ ایک واقعہ ہے جس کے پس منظر میں قرآن پاک کی آیات نازل ہوئیں اگر کوئی فرد اس پس منظر کو چھوڑ کر صرف یہ آیات پیش کرے گا تو مفہوم تبدیل ہو جائے گا۔

إِنَّآ أَنزَلْنَا ٱلتَّوْرَىٰةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا ٱلنَّبِيُّونَ ٱلَّذِينَ أَسْلَمُوا۟ لِلَّذِينَ هَادُوا۟ وَٱلرَّبَّٰنِيُّونَ
وَٱلْأَحْبَارُ بِمَا ٱسْتُحْفِظُوا۟ مِن كِتَٰبِ ٱللَّهِ وَكَانُوا۟ عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا۟ ٱلنَّاسَ وَٱخْشَوْنِ وَلَا
تَشْتَرُوا۟ بِـَٔايَٰتِى ثَمَنًا قَلِيلًا ۚ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْكَٰفِرُونَ ۴۴۰۰ وَكَتَبْنَا
عَلَيْهِمْ فِيهَآ أَنَّ ٱلنَّفْسَ بِٱلنَّفْسِ ۚ وَٱلْعَيْنَ بِٱلْعَيْنِ وَٱلْأَنفَ بِٱلْأَنفِ وَٱلْأُذُنَ بِٱلْأُذُنِ وَٱلسِّنَّ
بِٱلسِّنِّ ۚ وَٱلْجُرُوحَ قِصَاصٌ ۚ فَمَن تَصَدَّقَ بِهِۦ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُۥ ۚ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ
(فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ ۴۵۰۰ (سورہ مائدہ آیات ۴۵، ۴۴

ترجمہ (ہم نے توراۃ نازل کی جس میں ہدایت اور روشنی تھی۔ سارے نبی، جو مُسلِم تھے، اُسی کے مطابق ان یہودی بن جانے والوں کے معاملات کا فیصلہ کرتے تھے، اور اِسی طرح ربانی اور اَحبار بھی (اسی پر فیصلہ کا مدار رکھتے تھے) کیونکہ انہیں کتاب اللہ کی حفاظت کا ذمہ دار بنایا گیا تھا اور وہ اس پر گواہ تھے۔ پس (اے گروہِ یہود!) تم لوگوں سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو اور میری آیات کو ذرا ذرا سے معاوضے لے کر بیچنا چھوڑ دو۔ جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی کافر ہیں۔

توراۃ میں ہم نے یہودیوں پر یہ حکم لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت، اور تمام زخموں کے لیے برابر کا بدلہ۔ پھر جو قصاص کا صدقہ کردے تو وہ اس کے لیے کفّارہ ہے، اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی ظالم ہیں۔) (ربانی (یعنی علمائ اور احبار یعنی فقہا

اب خود غور کریں کہ اگر مذکورہ بالا آیات کو ان کے پس منظر اور سیاق و سباق سے ہٹ کر پڑھا جائے گا تو اس کا مفہوم یہ نکلے گا کہ قرآن کے ساتھ ساتھ تورات کو بھی پڑھا جائے اور اس سے بھی ہدایات حاصل کی جائے جبکہ یہ آیات خاص ایک واقعے کے پس منظر میں ہیں اور یہ آیات یہودیوں کے لئے ہیں کہ وہ اپنی آسانی کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم نہ بنایا کریں بلکہ ان کے پاس تورات موجود ہے وہ تورات میں سے اپنے فیصلے کیا کریں۔

اب اگر کوئی فرد جو کہ بزعمِ خود عالم دین یا قرآن کو سمجھنے کا دعویٰ کرے اور پچھلی آیات کو چھوڑ کر آگے کی دو آیات پیش کرے اور پھر اس سے من مانی تفسیر کرے یا من مانے معنی پہنانے کی کوشش کرے تو وہ غلط ہوگا۔ بہت سے لوگوں کو یہ کہنا ہے کہ قرآن پاک خاص عربی میں ہے اور اس وقت عربی زبان

کہیں نہیں بولی جارہی ہے تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ انہوں نے قرآن کا ترجمہ کرنے کے لئے عربی کہاں سے سیکھی ہے؟ اگر سارے علماء کرام نے قرآن کا ترجمہ اور تفسیر درست انداز میں نہیں کی تو پھر اس بات کی کیا سند ہے کہ انہوں نے جو ترجمہ اور تفسیر کی ہے وہ سو فیصد درست ہے؟

ہماری قارئین سے یہی گزارش ہے کہ رہبروں کے روپ میں رہزنوں کے ہتھے نہ چڑھیں اور ان سے بچ کر رہیں۔

(مضمون کی تیاری میں مولانا مودودی مرحوم کی شہرہ آفاق تفہیم القرآن سے مدد لی گئی ہے)

بھٹو کیس ری اوپن۔ بینظیر کیس فائل داخل دفتر، کراچی کی ہڑتال

لگتا ہے کہ پی پی پی کی قیادت نے سوچ لیا ہے کہ آئندہ اس نے اِس ملک میں نہیں رہنا اور نہ ہی انتخابات میں حصہ لینا ہے۔ ہم نے اس بات کا اندازہ پی پی پی کی موجودہ پالیسیز اور بالخصوص حالیہ ذوالفقار بھٹو پھانسی کیس پر نظرثانی کی درخواست سے لگایا ہے۔ پی پی پی کی قیادت نے اپنے موجودہ دور حکومت میں عوام کو کوئی ریلیف نہیں دیا ہے۔ مہنگائی، بیروزگاری، کمزور خارجہ پالیسی، داخلی انتشار، بدامنی، دہشت گردی، ڈرون حملے، خودکش حملے پی پی پی کے دور میں بے انتہا بڑھ گئے ہیں لیکن حکومت اور اپوزیشن سوائے ایک دوسرے کے خلاف بیان بازی اور پوائنٹ اسکورنگ کے علاوہ کوئی دوسرا کام نہیں کر رہے ہیں۔ ایک تشویشناک بات یہ بھی سامنے آرہی ہے کہ پی پی پی دعویٰ تو ملک گیر جماعت ہونے کا کرتی لیکن سپریم کورٹ کے فیصلے کے خلاف پورے ملک کے بجائے صرف سندھ میں ہڑتال کرائی جاتی ہے۔ ”پیپلز پارٹی سندھ نے چیئرمین نیب کی تقرری کالعدم قرار دینے کے سپریم کورٹ کے فیصلے کے خلاف آج (جمعہ) کو ہڑتال کا اعلان کیا ہے۔ پیپلز پارٹی سندھ کے جنرل سیکرٹری اور سندھ حکومت کے میڈیا کوآرڈی نیٹر تاج حیدر نے پریس کانفرنس میں تاجروں اور ٹرانسپورٹروں سے اپیل کی ہے کہ وہ آج اپنا کاروبار اور ٹرانسپورٹ بند رکھیں۔ انہوں نے پارٹی تنظیموں کو ہدایت کی کہ وہ

پر امن مظاہرے کریں۔ روزنامہ جنگ کراچی جمعہ 11 مارچ 2011) ذوالفقار مرزا صاحب بھی جب ن لیگ پر گرجتے ہیں تو وہ بھی یہ یہی کہتے ہیں کہ " پنجاب میں پی پی پی پر وار ہوا تو کراچی سے کشمور تک ن لیگ کا ایک بھی دفتر نہیں چھوڑیں گے" (21 فروری 2011 وزیر داخلہ سندھ ذوالفقار مرزا کا لیاری میں جلسے سے خطاب) ۔ جبکہ مرحوم بھٹو کی برسی کے موقع پر بھی پورے ملک میں عام تعطیل کے بجائے صرف سندھ بھر میں عام تعطیل کی جاتی ہے۔ یہ انتہائی خطرناک بات ہے کیوں کہ اس طرح سے پیپلز پارٹی شعوری طور پر ملک میں لسانیت اور عصبیت کی آگ کو بھڑکانے کی مذموم کوشش کر رہی ہے اور ایسی کسی بھی کوشش کے ملک و قوم کے اتحاد اور یکجہتی پر سنگین اثرات مرتب ہونگے اور عوام آپس میں باہم دست و گریبان ہو سکتے ہیں۔

اس کے بعد بات کرتے ہیں بھٹو پھانسی نظر ثانی کیس کی درخواست پر! یہ فیصلہ بھی بہت عجیب حالات اور غیر منطقی انداز میں کیا گیا ہے۔ غور کریں کہ پی پی پی تیئیس سال پرانے بھٹو کے پھانسی کے کیس کو توری اوپن کرا رہی ہے لیکن محترمہ بے نظیر بھٹو قتل کیس کی رپورٹ کو داخل دفتر کر دیا گیا اور اخباری اطلاعات کے مطابق پی پی پی کی سینٹرل ایگزیکٹیو کمیٹی نے بے نظیر قتل کسی کی رپورٹ منظرِ عام پر نہ لانے کا فیصلہ کیا ہے۔ یاد ش بخیر 27 دسمبر 2009 کو پی پی پی کے شریک چیئرمین اور صدر مملکت آصف علی زرداری نے بی بی کی برسی

کے موقع پر جلسے سے خطاب کرتے ہوئے انکشاف کیا تھا ’’میں بے نظیر بھٹو کے قاتلوں کو جانتا ہوں‘‘ لیکن ڈیڑھ سال کا عرصہ گزرنے کے باوجود انہوں نے قوم کو قاتلوں کے نام پتے نہیں بتائے اور نہ ہی ان کی نشاندہی کی۔ گزشتہ ماہ یعنی 25 مارچ 2011 کو وفاقی وزر داخلہ جناب رحمان ملک صاحب نے انکشاف کیا کہ ’’محترمہ بے نظیر بھٹو کے قتل کی سازش بے نقاب ہو گئی ہے اور تمام قاتلوں کو گرفتار کرلیا گیا‘‘ لیکن وفاقی وزیر موصوف نے اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ ’’ پی پی پی کی سینٹرل ایگزیکٹیو کمیٹی کے اجلاس میں پارٹی قیادت کو اعتماد میں لیا جائے گا اور اگر کمیٹی نے فیصلہ کرلیا تو پھر عوام کو اس سازش کے بارے میں حقائق سے آگاہ کیا جائے گا‘‘۔ گویا کہ اگر سینٹرل ایگزیکٹیو کیمٹی نے اس کی اجازت نہیں دی تو پھر عوام کو اس بارے میں کچھ نہیں بتایا جائے گا کہ قاتل کون ہیں؟ قتل کیوں ہوا؟ کون کون اس سازش میں شریک تھا؟ اور اس کے مقاصد کیا تھے؟ اس کے دوسرے معنی یہ ہوئے کہ پی پی کی سینٹرل ایگزیکٹیو کمیٹی قانون اور آئین سے زیادہ طاقتور ہے کہ وہ ایک بین الاقوامی شخصیت ،ایک قومی لیڈر کے قاتلوں کی گرفتاری کو ظاہر کرنے کی اجازت نہیں دیتی ، جو قاتلوں کو تحفظ دیتی ہے۔ سوچیں کہ کیا بے نظیر کا قتل صرف پی پی پی کا مسئلہ ہے یا ایک قومی معاملہ ہے؟ کہاں تو بے نظیر بھٹو کے قاتلوں کی گرفتاری کے لئے اسکاٹ لینڈ یارڈ اور اقوام متحدہ کی ٹیمیں بلائی جارہی تھیں اور کہاں یہ بے نیازی کہ قاتلوں کو گرفتار کرنے کا دعویٰ کرکے

یہ

بتایا جا رہا ہے کہ اگر سینٹرل ایگزیکٹیو کمیٹی فیصلہ کرے گی تو بی بی قتل سازش کیس کے کرداروں کو قوم کے سامنے لایا جائے گا ورنہ قوم اس بارے میں اندھیرے میں ہی رہے گی۔بات یہ ہے کہ نہ انھوں نے بینظیر کے قاتلوں کو گرفتار کرنا ہے اور نہ ہی ان کو مرحوم بھٹو سے کوئی محبت و عقیدت ہے۔ بھٹو پھانسی کیس ری اوپن کرنے کا مقصد اپنے اوپر سے دباؤ کم کرنا اور قوم کی توجہ اصل مسائل سے ہٹانا ہے۔

ادھر کراچی کا معاملہ بھی عجیب ہوتا جا رہا ہے بہت سے لوگوں کے نزدیک یہ کوئی گھمبیر یا الجھا ہوا مسئلہ ہے جو حل نہیں ہو پا رہا ہے لیکن اصل بات یہ ہے کہ یہ سارا بھتے اور حصہ کا جھگڑا ہے۔آئے روز کی بھتہ خوری اور پرچیوں کے خلاف کراچی کے تاجروں نے ہڑتال کا اعلان کیا لیکن ! لیکن یہاں تاجروں کے ساتھ ہاتھ ہوگیا اور متحدہ نے اس ہڑتال کو ہائی جیک کرلیا۔ اور پھر یہ ہوا کہ تاجروں کے ایک حصے نے ہڑتال موخر کرکے حکومت کو معاملات کے سدھار کے لئے دس دن کی مہلت دینے کا اعلان کیا لیکن متحدہ نے ہڑتال کے حامی دھڑے کی حمایت کی اور ہڑتال کی توثیق کردی۔اس کے بعد یہ ہوا کہ راتوں رات دکان داروں کو دھمکیاں دیدی گئیں کہ صبح دکان نہیں کھلنی چاہئے اور اس طرح ہڑتال کو کامیاب بنانے کی حکمت عملی وضع کرلی گئ۔ صبح کافی مارکیٹیں کھل گئیں لیکن ان کو متحدہ کے کارکنوں نے زبردستی بند کرایا،نرسری کی فرنیچر

مارکیٹ اور اسے متصل مارکیٹ کو دوپہر کو زبردستی بند کرایا گیا اور اس طرح اس ہڑتال کو کامیاب کرایا گیا۔ بعد ازاں جب تاجروں نے پولوں گراؤنڈ میں احتجاجی مظاہرہ کیا تو وہاں تاجروں کے دونوں دھڑوں میں تصادم ہوگیا اور نوبت ہاتھا پائی اور مار کٹائی تک جا پہنچی۔ کئی واقفان حال کا کہنا ہے کہ پولو گراؤنڈ میں ہنگامہ آرائی میں متحدہ کے کارکنان ملوث تھے اور انہوں نے ہی ہڑتال مخالف دھڑے یعنی قاسم تیلی گروپ کے مظاہرے کو سبوتاژ کیا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ متحدہ قومی موومنٹ نے اس سارے معاملہ میں اتنی دلچسپی کیوں لی؟ نہ صرف یہ کہ ہڑتال کی حمایت کا اعلان کیا بلکہ عملی طور پر تمام مرکزی مارکیٹوں کو بند کرایا۔ اس کی وجہ بہت سادہ سی ہے جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا تھا یہ سارا حصہ کا جھگڑا ہے تو بات یہ ہے کہ پہلے کراچی میں صرف ایک بھتہ مافیا تھی یعنی متحدہ قومی موومنٹ، جب اس نے بھتہ خوری کی ابتدا کی تو تاجروں نے خاموشی کے ساتھ بھتہ دینا شروع کردیا۔ اگر کسی سر پھرے نے مزاحمت کی کوشش کی تو اس کو نشانِ عبرت بنا دیا گیا، جس کے بعد کراچی کے دکان داروں اور تاجروں نے اس بھتہ خوری کو بحالتِ مجبوری قبول کرلیا۔ لیکن اب یہ صورتحال ہے کہ متحدہ کے ساتھ ساتھ کئی اور گروپ میں بھتہ خوری کر رہے ہیں اور تاجروں کی سمجھ میں نہیں آرہا کہ ہم کس کس کو بھتہ دیں، کئی علاقوں میں اے این پی بھتہ خوری میں ملوث ہے، کئی علاقوں میں امن

کمیٹی بھتہ خوری کر رہی ہے اور کئی علاقے ایسے ہیں جہاں سنی تحریک بھتہ خوری میں ملوث ہے۔ جب تک یہ سارے لوگ اپنے اپنے ایریاز تک محدود تھے اس وقت تک کوئی مسئلہ نہیں تھا لیکن اب ایک دوسرے کے علاقوں میں بھتہ کی پرچیاں دی جارہی ہے ۔اس ساری صورتحال کے باعث آئے روز شہر میں ہنگامے اور ٹارگٹ کلنگ کے واقعات ہورہے ہیں ۔ایم کیو ایم کا مسئلہ یہ ہے کہ اب اس کا حصہ کم ہوتا جارہا ہے اس لئے وہ امن کمیٹی وغیرہ کا واویلہ مچا کر ان کو راستے سے ہٹانے کی کوشش کر رہی ہے اور اس ہڑتال کے ذریعے بھی اس نے حکومت پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کی ہے۔

سنی تحریک کے نام پر شائد بہت سے لوگوں کو حیرت ہوئی ہوگی لیکن یہ حقیقت ہے کہ رنچھوڑ لائن، بولٹن مارکیٹ، گودھرا کیمپ وغیرہ میں بھتہ خوری میں ملوث ہے۔اب تاجر اس ساری صورتحال سے بے حد پریشان ہیں کہ ہم کس کو بھتہ دیں اور کس کو انکار کریں؟ ایک کو دیتے ہیں تو دوسرا مارتا ہے،اور پھر آئے دن ان لوگوں کے آپس کے جھگڑوں اور ٹارگٹ کلنگ کے بعد کبھی ایک گروپ ہڑتال کرکے مارکیٹیں بند کراتا ہے تو کبھی کوئی دوسرا گروپ مارکیٹیں بند کراتا ہے۔ ان سب لوگوں کو بھتہ دیکر خوش کریں تو بھی جان نہیں چھوٹتی کہ پولیس اہلکار بھی حصہ بقدر جثہ کے مصداق ان سے کچھ نہ کچھ رقم لیتے ہی ہیں۔ کہتے ہیں کہ گربہ کشتن روز اول ہم سمجھتے ہیں کہ اس صورتحال کی ذمہ داری ایک حد تک خود

ان تاجروں اور دکان داروں اور انکے نمائندوں پر بھی عائد ہوتی ہے کہ اگر یہ دو دہائیاں قبل ایم کیو ایم کی بھتہ خوری کے خلاف متحد ہوجاتے اور اس کا سدِ باب کر لیتے تو یہ صورتحال نہ ہوتی اور ایم کیو ایم کے بعد دوسری تنظیموں کو بھی بھتہ خوری کی ہمت نہ ہوتی لیکن اس وقت لوگوں نے ڈر، خوف،اور مصلحت کے تحت ایم کیو ایم کی بھتہ خوری کو.برداشت کیا اس دوسرے گروپ میں اپنا حصہ لینے آگئے ہیں۔اور یہ اسی وقت ختم ہوگی جب تمام دکان دار،تاجر،ٹرانسپورٹر، عوام متحد ہوجائیں اور ان دہشت گردوں اور بھتہ خوروں کے خلاف ڈٹ جائیں اور ان کے سرپرستوں کو اسمبلیوں میں نہ بھیجیں تو ہی کچھ ہوسکتا ہے ورنہ یہی صورتحال قائم رہے گی۔

جماعت اسلامی پر تنقیدی کالم: تضادات کا مجموعہ

یہ مضمون نہیں بلکہ ایک تبصرہ کہہ لیں ! لیکن چونکہ تبصرے میں اتنی گنجائش نہیں ہوتی اس لئے مجبوراً اس کو مضمون کی شکل میں لکھنا پڑا۔ یہ تبصرہ ہم نے ہماری ویب پر ہی شائع ہونے والے ایک مضمون (نام نہاد جماعت اسلامی درحقیقت جماعتیوں کی تاریخ ، حقیقت اور پینترے) کا مطالعہ کرنے کے بعد کیا ہے۔ یہ مضمون دراصل بے بنیاد اور جھوٹے الزامات کا مجوعہ ہے۔ اس کی بے بنیاد ہونے کا اندازہ اسی بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ صاحب مضمون کی تحریر میں کئی جگہ تضادات ہیں اور ان کی ایک بات ان کی دوسری بات کی نفی کرتی نظر آتی ہے۔

آپ مضمون کی تیسری لائن میں فرماتے ہیں کہ (جماعت اسلامی کے رہنماؤں نے قائد اعظم محمد علی جناح رحمتہ اللہ علیہ کو کافر اعظم کا خطاب دے ڈالا اسی پر بس نہیں کیا بلکہ ظالموں نے پاکستان کے نام کی بے عزتی اور بے توقیری کرتے ہوئے پاکستان کو ناپاکستان پکارنا شروع کیا۔)

اب اگر صاحب مضمون یہاں حوالہ دیتے کہ کب ، کہاں ، کس نے قائد اعظم کو کافر آعظم قرار دیا؟ اور کس نے پاکستان کو ناپاکستان قرار دیا تو ان کی بات میں

وزن ہوتا لیکن بے بنیاد باتوں کے لئے دلائل کی نہیں فقط دلی بغض اور نفرت کی ضرورت ہوتی ہے جو کہ ان کے مضمون سے ٹپک رہی ہے اس لئے انہوں نے کوئی حوالہ دینے کی کوشش نہیں کی۔ چلیں ٹھیک ہے حوالہ نہیں دیا لیکن اب اپنی ہی بات کی نفی تو نہ کرتے لیکن موصوف مضمون کے تیسرے پیراگراف میں رقم طراز ہیں کہ جماعتی اپنی ازلی منافقت کے سبب پہلے اپنے ہی تئیں کافر اعظم قرار دیے جانے والی) شخصت کی ہمشیرہ محترمہ فاطمہ جناح کی حمایت میں کمربستہ ہوگئے۔) یا اللہ یہ کیسے لوگ ہیں جو ایک سانس میں ایک بات کرتے ہیں اور دوسرے ہی لمحے اس کی نفی کرتے ہیں ۔بندہ خدا اگر قائد اعظم کو کافر اعظم قرار دیا تو ان کی ہمشیرہ کی حمایت کیوں کی؟ اس کا جواب موصوف کے پاس نہیں ہے۔

اب آگے چلیں تو مزید تضادات نظر آتے ہیں۔ ایک طرف موصوف کہتے ہیں کہ محترمہ فاطمہ جناح جب جنرل ایوب خان کے منعقدہ صدارتی الیکشن میں ایوب خان) کے خلاف صدارتی امیدوار کی حیثیت سے میدان سیاست میں آئیں تو جماعتی اپنی ازلی منافقت کے سبب پہلے اپنے ہی تئیں کافر اعظم قرار دیے جانے والی شخصت کی ہمشیرہ محترمہ فاطمہ جناح کی حمایت میں کمربستہ ہوگئے۔) اب ذرا سوچیں اور بتائیں کہ ایوب خان کون تھے؟ جواب ہے کہ ایوب خان ایک آمر تھے؟ صاحب مضمون کی اس بات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جماعت اسلامی آمریت کی مخالف رہی ہے

اور بلکہ کہنا چاہئے کہ اتنی مخالف کہ بقول صاحب مضمون کے کافراعظم کی ہمشیرہ کی بھی حمایت میں کمربستہ ہوگئے۔ واضح رہے کہ یہ ہمارے نہیں بلکہ صاحب مضمون کے الفاظ ہیں۔ لیکن اگلے ہی پیراگراف میں اپنی اس بات کی بھی خود ہی نفی کردی اور فرمایا کہ خصوصاً آمریت میں چونکہ آمر عوامی نمائندوں سے دور ہوتا ہے اسلیے ایک جماعت) تو ایسی ضرور رہی جو ہر ہر آمر کی حکومت میں اپنی اوقات سے زیادہ ہی حصہ حاصل کرتی رہی اور جب بھی دیکھا کہ آمر کی کرسی ڈوب رہی ہے یا ڈوب چکی ہے تو فوراً معصوم و جمہوریت پسند بن بیٹھتے رہے۔) بھائی آپ خود ہی بتادیں کہ ان ساری باتوں میں سے آپ کی کونسی بات کو درست مانا جائے؟ کافراعظم والی بات کو؟ آمریت کے مقابلے میں محترمہ فاطمہ جناح کی حمایت کو ؟ یا آمریت کے حامی ہونے ہو؟

آگے جہاد افغانستان کا ذکر کرتے ہوئے جو کچھ فرمایا ہے اس کے بارے میں سیدھی سی بات یہ ہے کل تک روس نے افغانستان میں مداخلت کی تھی اگر وہ غلط تھی تو امریکہ کی مداخلت کیسے درست ہو سکتی ہے؟ اگر کل روس نے افغانستان میں اپنی فوجیں اتاریں تو اس کے خلاف جہاد کیا گیا تو آج امریکہ نے اگر اپنی فوجیں افغنستان میں اتاری ہیں تو اس کے خلاف جہاد کیوں نہیں ہو سکتا؟ بات صرف یہ ہے جماعت اسلامی یا جہادی تنظیموں نے امریکہ کی حمایت نہیں کی بلکہ امریکہ نے اپنے مفادات کے لئے جماعت اسلامی اور جہادی گروپس کی حمایت کی

تھی۔ پالیسی امریکہ کی تبدیل ہوئی ہے جہادیوں یا جماعت اسلامی کی نہیں۔

اس کے بعد جب کوئی بات نہیں ملی تو ذاتیات پر اتر آئے اور جماعت اسلامی کے رہنماؤں کے جناح کیپ پہننے اور داڑھی پر ہی اعتراض کر ڈالا۔ لیکن یہاں بھی انتہائی بھونڈے انداز میں فرمایا کہ (وضع قطع کے لحاظ سے جماعتی رہنماؤں کی یہ روایت بن چکی ہے کہ وہ اپنے سر کو جناح کیپ سے ڈھانپتے ہیں اب آپ بتایئے ایک ایسی جماعت جو قائداعظم محمد علی جناح رحمتہ اللہ علیہ کو کافراعظم قرار دیتے تھے اب کئی دہائیاں گزرنے کے بعد یہ سوچ بیٹھے ہیں کہ قائداعظم کے زمانے کے لوگ تو چونکے اب کم ہی بچے ہیں اسلیے اپنی کافراعظم والی باتوں کو محو کرنے کے لیے سر پر قائداعظم کی مخصوص کیپ رکھتے ہیں تاکہ آنے والی نسل ان جماعتیوں کو پاکستان کے بزرگوار سمجھے) بات یہ ہے اگر یہ انسان بولنے سے پہلے تول لیا کرے تو ایسی باتیں نہ ہوں کیوں کہ جہاں تک داڑھی کا تعلق ہے تو ابھی سے نہیں بلکہ قیام پاکستان کے بعد سے ہی سیکولر اور لادین طبقے نے علما کو بدنام کرنے کے ان کی داڑھیوں کو ہدفِ تنقید بنایا ہے اور صاحب مضمون نے بھی داڑھی پر تنقید کرکے یہ ثابت کر دیا کہ ان کا تعلق کس گروہ سے ہے۔ رہی بات جناح کیپ کی تو موصوف کو یہ پتہ ہی نہیں کہ جماعت اسلامی کے رہنما ابھی سے نہیں بلکہ ابتدا سے ہی جناح کیپ پہنتے چلے آرہے ہیں۔ مولانا مودودی بھی ابتدا سے ہی جناح کیپ پہنتے آرہے تھے اس لئے ان

کا اعتراض ظاہر کرتا ہے ان کے اس مضمون کا مقصد اس فورم پر نفرت پھیلانا اور اپنے اندرونی بغض کا اظہار کرنا تھا۔

آخری پیراگراف میں آپ فرماتے ہیں کہ (جب موقع آیا مسلمانوں نے قائدِاعظم محمد علی جناح کی فکر و فلسفہ پر ایمان رکھتے ہوئے ایک آزاد قطعہ زمین پاک سرزمین کے حق میں ووٹ دے ہی ڈالا۔) اس کے جواب میں ہم نے پہلے بھی لکھا تھا اور اب بھی بتا دیتے ہیں کہ 1948ء میں صوبہ سرحد میں ریفرنڈم کے موقع پر مولانا مودودی نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ " استصواب رائے صرف اس امر سے متعلق ہے کہ تم کس ملک کے ساتھ وابستہ رہنا چاہتے ہو، ہندوستان سے یا پاکستان سے ؟ اس معاملے میں رائے دینا بالکل جائز ہے اور اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے۔ لہٰذا جن جن علاقوں میں استصوابِ رائے کیا جارہا ہے وہاں کے ارکان جماعت اسلامی کو اس کی اجازت ہے کہ وہ اس میں رائے دیں۔۔۔ البتہ شخصی حیثیت سے میں کہہ سکتا ہوں کہ اگر میں خود صوبہ سرحد کا رہنے والا ہوتا تو استصواب رائے میں میرا ووٹ پاکستان کے حق میں پڑتا۔ (سہ روزہ کوثر مورخہ 5 جولائی 1947ء بحوالہ تحریک آزادی ہند اور مسلمان حصہ دوم صفحہ 88) ۔

البتہ بیرون ملک میں مقیم ایک تنظیم کے رہنما جو کہ گزشتہ انیس سالوں سے

ملک سے باہر ہیں انہوں نے جب انڈیا کا دورہ کیا تھا تو وہاں انہوں نے قیام پاکستان اور نظریہ پاکستان کی مخالفت کی تھی۔ شائد صاحب مضمون کو اس کا ابھی تک پتہ نہیں چلا ورنہ وہ ان کی مخالفت میں بھی ایک کالم لکھ چکے ہوتے۔ بیرون ملک مقیم ان رہنما کا تعلق اتفاق سے کراچی سے ہی ہے جہاں سے صاحب مضمون کا تعلق ہے۔ ان کے اس بیان کی ویڈیو یہاں دیکھی جا سکتی ہے۔

http://www.youtube.com/watch?v=wnKd7LWTOxU

دیکھیں موصوف اس پر کب کوئی کالم لکھتے ہیں۔ یہ تو زیادہ پرانی بات بھی نہیں ہے اور بے بنیاد بھی نہیں ہے اس کا تو ثبوت بھی موجود ہے۔ اب دیکھتے ہیں کہ صاحب مضمون کتنے محب وطن ہیں۔

صاحب مضمون اور ان کے حامیان کا حال یہ ہے کہ یہ آسمان پر تھوک رہے ہیں ویسے صاحب مضمون کا اندازِ تحریر پتہ نہیں کیوں مانوس سا لگ رہا ہے۔ خیر بات یہ ہے کہ اگر کوئی فرد اپنے دعوے کے حق میں کوئی دلیل یا ثبوت لائے تو اس کی بات میں وزن ہوتا ہے لیکن انہوں نے پورے مضمون میں سوائے لفاظی کرنے کے اور کچھ نہیں کیا ہے۔ ان کے تمام الزمات کا جواب ہم اپنے مضامین میں دے چکے ہیں تحریک پاکستان میں جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کا کیا حصہ تھا؟ قائد اعظم کو کافر اعظم کس نے قرار دیا تھا؟ ان باتوں کے جواب

کے لئے ہمارے مضمون (مولانا مودودی اور تحریک پاکستان) کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے جس کا لنک مندرجہ ذیل ہے۔

http://www.hamariweb.com/articles/article.aspx?id=12123

ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے مولانا مودودی اور جماعت اسلامی پر جھوٹے الزامات لگائے گئے تھے اور جنھوں نے یہ الزام لگائے تھے انہوں نے بعد میں مولانا مودودی سے معافی بھی مانگی تھی۔ مولانا مودودی پر الزامات کی ابتدا کب اور کیوں کی گئی اس کا جواب مندرجہ ذیل آرٹیکل میں دیکھا جاسکتا ہے جس کا لنک مندرجہ ذیل ہے۔

http://www.hamariweb.com/articles/article.aspx?id=11811

اس کے علاوہ جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کے بارے میں مزید جاننے کے لئے اس مضمون کا مطالعہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ جس کا لنک مندرجہ ذیل ہے۔

http://www.hamariweb.com/articles/article.aspx?id=11517

http://www.hamariweb.com/articles/article.aspx?id=11547

ہم کس گلی کو جارہے ہیں؟

قارئین کرام آج ہم نے ایک سروے رپورٹ کا اپنا موضوع بنایا ہے، پہلے یہ سروے رپورٹ آپ کے سامنے رکھتے ہیں اس کے بعد اس پر بات کریں گے۔" حال میں کئے گئے ایک سروے کے مطابق والدین کی اکثریت یہ سوچتی ہے کہ ان کے بچوں سے ان کی معصومیت چھینی جارہی ہے ان کو زبردستی وقت سے پہلے بڑا کیا جارہا ہے۔ سروے کے مطابق والدین کا یہ کہنا ہے کہ بچوں کو قبل از وقت بالغ کرنے میں سیلیبرٹی کلچر، بالغوں جیسے کپڑوں اور میوزک وڈیوز کا سب سے زیادہ حصہ ہے۔ 88 فیصد والدین کی رائے ہے کہ بچوں کے قبل از وقت بالغ ہونے میں کمرشلائزیشن اور جنسیت زدگی کا دباؤ بنیادی کردار ادا کر رہا ہے۔ جبکہ 50 فیصد سے زیادہ والدین ٹی وی پر رات 9 بجے سے پہلے کے پروگراموں اور اشتہارات سے خوش نہیں ہیں۔ سروے کے مطابق والدین کا کہنا ہے کہ بچوں کو جو کپڑے پہننے پر مجبور کیا جاتا ہے وہ ان کی عمر سے مطابقت نہیں رکھتے۔ اسی طرح ان کے لئے بنائی جانے والی میوزک وڈیوز میں جنسی مواد اور سوپ آپیرا میں بالغوں والا مواد زیادہ ہوتا ہے۔ والدین کا یہ بھی کہنا تھا کہ بچے ایسے غیر ضروری آئٹمز کے لئے پریشر میں رہتے ہیں جو ان پر جبری مسلط کئے جاتے ہیں ان پر جبراً کمرشلائز اور جنسیت زدہ کلچر مسلط کیا جارہا ہے۔ جبکہ 40 فیصد والدین کی رائے یہ ہے کہ شاپ ونڈوز اور اشتہاری

بورڈز پر جو جنسیت زدہ مواد دکھائی دیتا ہے وہ بچوں کے لئے قطعی ناموزوں ہے۔41 فیصد والدین نے ٹی وی کے اشتہاروں اور "پروگراموں میں پیش کئے جانے والے مواد کو بچوں کو کے لئے ناموزوں قرار دیا ہے۔

قارئین کرام آپ سمجھ رہے ہونگے کہ یہ سروے شائد پاکستان میں کہیں کیا گیا ہوگا۔ تو ہم آپ کو بتاتے چلیں کہ یہ سروے پاکستان میں نہیں بلکہ برطانیہ میں کیا گیا۔ یہ سروے government-commissioned review into the sexualisation of children کی ایک ریسرچ کا ایک حصہ تھا۔ اور یہ سروے 1025 ایسے والدین سے کیا گیا جن کے بچوں کی عمریں 5 سے 16 سال کے درمیان تھیں ۔ اس سروے کا لنک یہاں دیا جارہا ہے

http://www.bbc.co.uk/news/uk-13034053 اور

http://www.google.com/hostednews/ukpress/article/ALeqM5iSaywhDQ7aKWFmkJ5QP80-bp5TGw?docId=N0511511302486864231A

اب ذرا غور کیجئے کہ جو چیز مغربی معاشرے کے لئے موزوں نہیں ہے، جس چیز سے مغربی معاشرہ بیزار ہوتا جارہا ہے ہم انہی چیزوں کو اپنا کر سوچتے ہیں کہ کامیاب ہوجائیں گے، ہم سمجھتے ہیں کہ شائد یہی مدر پدر آزادی، ناچ گانا، راگ رنگ، اور ایسی ہی چیزوں سے ہم ترقی کرلیں گے تو ہماری ناسمجھی ہی ہوگی۔ آج

اگر ہم اپنے اطراف میں نظر دوڑائیں تو چاروں طرف ایسے ہی جنسیت زدہ سائن بورڈز ہمارا منہ چڑا رہے ہوتے ہیں۔ گھروں میں اگر ٹی وی دیکھیں تو چاہے خبریں ہی کیوں نہ دیکھ رہے ہوں ان خبروں کے درمیان ایسے اشتہارات آجاتے ہیں کہ جب تک لوگ ریموٹ لیکر چینل تبدیل کریں اس وقت تک وہ اپنا کام کرچکا ہوتا ہے۔

اشتہارات میں کیا نہیں دکھایا جارہا ہے ؟۔اب گھروں میں بچوں اور خواتین کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہم لوگ فیملی پلاننگ ،نوجوانوں کی دوستیوں، خواتین کی پوشیدہ باتوں کے بارے میں ساری باتیں تفصیل کے ساتھ دیکھنے پر مجبور ہیں۔ جوسز کے اشتہارات دیکھیں تو وہ جوس کے اشتہار کم اور ماڈل گرل کے جسم کی نمائش اور سفلی جذبات کو بھڑکانے کا اشتہار زیادہ ہوتے ہیں۔اشتہارات میں ناچ گانا، اچھل کود اور جسم کی نمائش زیادہ ہوتی ہے اور پروڈکٹ کی مشہوری کم ! ڈراموں کی بات کیجائے تو ڈراموں میں تو لگتا ہے کہ اس وقت پسند کی شادی، کورٹ میرج، شادی شدہ مرد و خواتین کے افئیرز، اور روشن خیالی کے نام پر دین بیزاری کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔ ٹاک شوز کو دیکھا جائے تو ان میں سیاسی موضوعات کے علاوہ اگر کچھ ہوتا ہے تو وہ علما، شریعت اور شعائر اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ اور دین کے خلاف ذہن سازی کی جارہی ہوتی ہے۔ اس کے بعد اگر کچھ وقت بچتا ہے تو اس میں دنیا بھر میں ہونے والے فیشن شوز وغیرہ دکھائے

جاتے ہیں۔

مذکورہ بالا سروے رپورٹ دیکھیں اور پھر سوچیں کہ ہم کس طرف جارہے ہیں؟ کونسی منزل کی جانب رواں دواں ہیں؟ مغرب کی اندھی تقلید میں ہم نے یہ بھی جاننے کی کوشش نہیں کی کہ آیا مغربی معاشرہ خود بھی اپنے معاشرہ اور روایات سے مطمئن ہے یا نہیں؟ ان کی اسی روش اور مدر پدر آزادی ،مذہب سے دوری اور جنسیت زدہ زندگی نے انہیں سکون نہیں دیا،وہ فرسٹریشن کا شکار ہیں اسی لئے آئے دن وہاں یہ واقعات پیش آتے ہیں کہ کسی فرد نے بلاجواز فائرنگ کرکے لوگوں کو قتل کردیا۔(حال ہی میں برازیل میں بھی ایسا ہی لرزہ خیز واقعہ پیش آیا تھا جہاں ایک نوجوان نے 12 بچوں کو قتل کرکے خودکشی کرلی) اہلِ مغرب تو اپنی اس روش اور روشن خیالی سے تنگ ہیں اور ہم ان کی تقلید کی کوشش میں ایک ایسے سفر پر چل رہے ہیں جس کی کوئی منزل نہیں ہے اور یہ سفر ایک بند گلی میں اختتام پذیر ہوگا جہاں سے آگے جانے کا کوئی راستہ نہیں ہے اور باآخر ہمیں وہاں سے واپس ہی آنا ہے۔ تو پھر ہم ابھی سے اس سفر کو کیوں نہ ختم کرلیں؟ کیوں کہ نہ ہم اسی موڑ سے اپنی راہیں الگ کرلیں۔

غور کریں کہ یہ سروے جس چیز کی نشاندہی کررہا ہے کم و بیش 80 سال قبل روشن ضمیر اور دیدہ بینا رکھنے والے صاحب دل شاعر حضرت علامہ اقبال نے اس بات کی

پیش گوئی کردی تھی کہ یہی مغربی تہذیب اپنی روش سے بیزار ہو جائے گی۔ انہوں نے کہا تھا کہ

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خود کشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا

اب یہ ہمارے سوچنے کی بات ہے کہ ہم کسی نازک شاخ پر ناپائیدار آشیانہ بناتے ہیں یا اپنی تہذیب اور دین سے رشتہ جوڑ کر ایک مضبوط قلعے کی تعمیر کرتے ہیں۔

آہ معین اختر: نایاب ہیں ہم

''مجھے جب یہ پتہ چلا کہ مجھے ایک پروگرام میں جانا ہے اور وہاں ''معین اختر'' میرا انٹرویو کریں گے تو میں نے اس کو اپنے لئے ایک اعزاز سمجھا''۔ یہ الفاظ ہیں برصغیر کے معروف فنکار یوسف خان المعروف دلیپ کمار کے۔ دراصل یہ الفاظ معین اختر مرحوم کے کمالِ فن کا اعتراف ہے۔جب ٹی وی پر یہ خبر چلی کہ معین اختر کا انتقال ہوگیا ہے تو پتہ نہیں کیوں ایسا لگا کہ کوئی اپنا ہم سے جدا ہوگیا ہے۔1950 میں پیدا ہونے والے معین اختر مرحوم نے 1966 کو سولہ سال کی عمر سے اپنے فنی سفر کا آغاز کیا،اور اس کے بعد ان کے لئے یہ مثال پیش کی جاسکتی ہے کہ وہ آیا،اُس نے دیکھا اور وہ چھا گیا۔ سولہ سال کی عمر سے اپنے سفر کا آغاز کرنے والے معین اختر مرحوم نے تھیٹر،ٹی وی، ریڈیو،اور فلموں میں اپنی اداکاری و صداکاری کے جوہر دکھائے۔ وہ نہ صرف ایک اداکار بلکہ گلوکار، صداکار، کمپئیر ،اور میزبان تھے۔

میں معین اختر مرحوم کو کیوں پسند کرتا ہوں؟ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک ورسٹائل اور سچے فنکار تھے۔ جو لوگ اور اخبارات یہ کہہ رہے ہیں کہ ''کامیڈین ''معین اختر کا انتقال ہوگیا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ وہ مرحوم کے

ساتھ زیادتی کر رہے ہیں کیوں کہ معین اختر مرحوم کامیڈین ہی نہیں تھے بلکہ وہ ایک صحیح معنوں میں اداکار تھے۔ رول چاہے سنجیدہ ہو، یا مزاحیہ انھوں نے ہر قسم کے کردار کو بڑی خوبی سے نبھایا۔ میں آج تک ان کے لانگ پلے ''ہاف پلیٹ'' کو نہیں بھولا جس میں انھوں نے ایک شاعر کا کردار ادا کیا تھا جو کہ اپنے فن میں تو استاد ہوتا ہے اور دور دور سے لوگ ان سے تربیت لینے اور کلام کی اصلاح کے لئے اس کے پاس آتے ہیں لیکن خود وہ شاعر بڑی کسمپرسی اور غربت کی حالت میں زندگی بسر کرتا ہے اور اکثر اوقات اس کے گھر میں فاقے ہوتے تھے۔ یہ کردار انھوں نے جس خوبی سے ادا کیا اور جس طرح اس کردار میں ڈوب گئے وہ اپنی مثال آپ ہے۔

معین اختر مرحوم کو پسند کرنے کی ایک اور بڑی وجہ یہ ہے کہ آج کل جس طرح کامیڈی کے نام پر چھچھورا پن اور پھکڑ پن دکھایا جارہا ہے، اس کے برعکس انھوں نے ہمیشہ معیاری اور اعلیٰ سطح کی کامیڈی سے لوگوں کے لبوں کو مسکراہٹ بخشی۔ معین اختر مرحوم لوگوں کو ہنسانے کے لئے عامیانہ انداز اور ذاتیات کو نشانہ نہیں بناتے تھے بلکہ انتہائی صاف ستھرے اور نفیس انداز میں شائستہ طنز ومزاح کے ذریعے لوگوں کو ہنساتے تھے۔

معین اختر مرحوم کا ذکر ہو اور انور مقصود کا نام نہ لیا جائے تو یہ ناممکن

ہے۔ دونوں کا ایک ساتھ ذکر لازم و ملزوم ہے۔ معین اختر مرحوم کے زیادہ تر ڈرامے اور لانگ پلے انور مقصود صاحب کے ہی تحریر کردہ تھے۔ انور مقصود صاحب کا اسکرپٹ، ان کے تیکھے جملے، اور مزاح کی تہہ میں چھپا ہوا گہرا طنز جو کہ ہمارے معاشرے میں پائی جانے والی کمزوریوں اور خرابیوں کی نشاندہی کرتا ہے اور اس پر معین اختر مرحوم کی بے ساختہ اور نیچرل اداکاری اس ڈرامے کو چار چاند لگا دیتی تھی۔ اب یہ کہنا مشکل ہے کہ کون کس کی ضرورت تھا؟ شائد اللہ تعالی نے انور مقصود کو لکھنے کی صلاحیت اسی لئے دی ہے کہ وہ معین اختر کو سامنے رکھ کر اسکرپٹ لکھیں اور معین اختر مرحوم کو اسی لئے اداکاری کی صلاحیت بخشی کہ وہ انور مقصود کے تخلیق کئے ہوئے کرداروں کو امر کردیں۔ وہ اسٹوڈیوں ڈھائی ہو، اسٹوڈیو پونے تین ہو یا موجودہ پروگرام ''لوز ٹاک'' ہو۔ یہ بڑی ہمت اور صلاحیت کی بات ہوتی ہے کہ ایک تخلیق کار ہر ہفتے ایک نئے مسئلے کو اپنا موضوع بنائے، ہر ہفتے ایک نیا کردار تخلیق کرے اور ایک ہی اداکار ان تمام کرداروں کا رول بڑی عمدگی سے نبھائے،ایک ہفتے اگر وہ حکومت کے کسی عہدے دار کا رول نبھاتے تھے تو اگلے ہفتے اس کے برعکس عوام کا رول بھی اسی عمدگی سے کرتے تھے،ایک ہفتے اگر وہ کسی مل اونر، کسی سیٹھ کا رول نبھاتے تھے تو اگلی دفعہ کسی مزدور کے کردار میں جلوہ گر ہوتے تھے۔اور انور مقصود صاحب کی تحریر اور معین اختر مرحوم کی اداکاری کی خوبی یہ ہوتی تھی کہ ناظرین کبھی بھی ان دو ہی چہروں کو دیکھ کر اکتاتے نہیں تھے۔

انکے فنی کیئریر کا یادگار ترین ڈرامہ ''روزی'' تھا۔ جس میں انھوں نے ڈبل رول ادا کیا تھا خاص بات یہ تھی کہ ایک رول زنانہ تھا اور ایک رول مردانہ تھا لیکن انھوں نے اپنی جاندار اور بہترین اداکاری سے اس کردار کو یادگار بنا دیا تھا۔ اس کے علاوہ عید ٹرین، ہاف پلیٹ اور طویل ڈرامہ سیریل ''سچ مُچ'' میں ان کا مشہور کردار جو کہ بچے بچے کو یاد ہوگیا تھا یعنی ''سیٹھ منجور دانہ والا'' انکے لازوال ڈرامے ہیں۔ معین اختر مرحوم کے انتقال سے پاکستان کے عوام ایک اچھے اور بہترین اداکار سے محروم ہوگئے ایک ایسا اداکار جس نے گلیمر کی چکا چوند میں بھی اپنے دامن کو اسکینڈلز سے بچائے رکھا اور خاص بات یہ کہ جب کوئی اداکار مشہور ہوتا ہے تو فلم اور ٹی وی کا کیمرہ ان کے گھر تک پہنچ جاتا ہے لیکن آپ نے کسی بھی پروگرام میں ان کے کسی فیملی ممبر کو نہیں دیکھا ہوگا، ان کی اہلیہ نہ بچوں کو انھوں نے اپنی نجی زندگی کو گلیمر کی چکا چوند سے دور رکھا۔ شائد وہ جانتے تھے کہ گلیمر کی اس دنیا میں نیک نامی اور عزت کمانا تو بہت مشکل ہے لیکن بدنام ہونا بہت آسان ہے اور انھوں نے اپنے اہل خانہ کو ہمیشہ کیمرے کی آنکھ سے دور ہی رکھا۔ معین اختر ایک ایسے فنکار جنھوں نے مزاح اور پھکڑ پن کے درمیان موجود نازک سی لکیر کا بہت خیال رکھا انھوں نے کبھی بھی لچر پن یا چھچھورے پن سے لوگوں کو ہنسانے کی کوشش نہیں کی۔ ان کے ڈرامے اور پروگرامات اس قدر شاندار اور معیاری ہوتے

تھے کہ آپ بلا خوف وخطر پوری فیملی کے ساتھ یعنی آٹھ سال کے پوتے سے لیکر اسی سال تک کے دادا ایک ساتھ بیٹھ کران کے پروگرام کو دیکھ سکتے تھے اور یہ خوف نہیں ہوتا تھا کہ یہ کوئی بازاری یا گھٹیا جملہ بولیں گے۔ 22 اپریل 2011.بروز جمعہ کو یہ عظیم اداکار اور نفیس انسان اپنے خالق حقیقی سے جاملا۔ معین اختر مرحوم جیسے انسان بہت کم ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے اللہ رب العزت مرحوم کے تمام صغیرو کبیرہ، دانستہ نادانستہ گناہوں کو معاف فرمائے اور انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔اور ان کے لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ شائد اب کوئی دوسرا معین اختر پیدا نہ ہو۔

ع ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم

شاکر صاحب کے تبصرے پر جوابی تبصرہ

قارئین کرام سلسلہ یہاں سے شروع ہوتا ہے کہ ابو سیف اللہ نامی ایک صاحب نے جماعت اسلامی کے خلاف ایک کالم بعنوان: جماعت اسلامی درحقیقت جماعتیوں کی تاریخ، حقیقت اور پینترے لکھا۔ ہم نے یہ کالم پڑھا اور دیکھا کہ اس میں سوائے تنقید برائے تنقید اور نری لفاظی کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ اس لئے ہم نے اس کو نظر انداز کردیا لیکن احباب کی جانب سے مطالبہ آیا کہ اس کا جواب دیا جائے جس کے بعد ہم نے اس کالم پر ایک مفصل تبصرہ بعنوان: جماعت اسلامی پر تنقیدی کالم تضادات کا مجموعہ لکھا۔ اس کالم پر بھی بھائی لوگوں کے تبصرے شروع ہوگئے۔ جن کے جواب دینے کی ہم نے حتیٰ الامکان کوشش کی لیکن آج ایک صاحب شاکر علی کا تبصرہ تفصیلی جواب کا متقاضی تھا اس لئے مجبوراً اس کو بھی ایک کالم کی شکل میں لکھنا پڑا۔ اگرچہ ارادہ تو ایک اور موضوع پر کالم لکھنے کا تھا لیکن بھائی لوگ نہیں چاہتے کہ میں کسی اور موضوع پر کچھ لکھوں اس لئے سوچا کہ پہلے اس کا جواب دیدیا جائے۔ جواب سے پہلے میں محترم شاکر صاحب کا تبصرہ یہاں پیش کرونگا۔

Saleem Ullah Shaikh, mqm kay wajod se phlay hee poray mulk may lasaniyaat ka raaj raha hay.... punjabi sirf punjabi jamat yani muslim

lege kay mukhtaleef groups ko vote kartay rahay hain....
sindhi hamisha se ppp ko vote karti rahi hay....
sarhad or balochistan may bhi yahi sorathal hay lasani
jamatay jita karti haain...
app khud kabol karahay hoo kay karachi waloo kay sath
ziyati hoe thee or police walay urdu bolnay waloo ko joo
unkay hath lag raha thaa unko pakar rahay thay or katal
karahay thay.... extra judicicary killing hoee ... kia jamat
waloo nay koe protest kia thaa ?? NO.
Legal aid Committee ka bhi app se sonh raha hooo....
chalay maan lia app logo nay committee bani lakin kitnay
baygunnah logo ko app release karwa sakhay hongay ??? us
wakhat karachi may fooj or police ka raaj thaa ..... logo k
gharo may gush gush kar police walo nay golia mari hain....

mqm ko khatam karnay kay liay PPI banai gai jis nay punjabi area may urdu bolnay walo kay gharo ko jala kar rakh kardia....or khali makanoo per kabzay kiay joo ajj tak kabzay kiay rakhay hai.... ppi ki pool us wakhat logo kay samnay khuli jab ya loog drugs ka dhanda kartay howiay pakray gaiay thayyy....

orrr karachi may urdu bolnay walay hazaro katal hoiway hain...

kia jin ko katal kia gaya hay unkay agay pichay badla lanay ka haq nahi rakhta ...jis tarha khon ka badla khoon hay islam may ..... ajj drown attack k against sucide attacks horay police or fooj or pakistani mar rahay hain ya nahi.....

ya aik fitri amal hay koe kisi ko katal karay ga uska re-action bhi zaror aiay gaa...

Shakir Ali, Karachi 25 April, 2011

یہ وہ تبصرہ ہے جو محترم شاکر صاحب نے ہمارے مضمون پر لکھا ہے اب ہم کوشش کرکے ان کی باتوں کا جواب دیتے ہیں۔

محترم شاکر صاحب ذرا غور تو کیجیئے کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ آیئے ذرا آپ کی باتوں کا تجزیہ کرتے ہیں۔ پہلے آپ نے فرمایا کہ ملک میں ہمیشہ لسانی جماعتیں جیتا کرتی ہیں۔ یہی بات ہم نے اپنے ایک کالم کے تبصرے میں کہی تھی کہ جماعت کے کامیاب نہ ہونے کی وجہ لسانی اور علاقائی گروہ بندیا ہیں۔ آج آپ خود اس بات کو قبول کر رہے ہیں۔ اور اس کے باجود جماعت اسلامی پر طنز کے تیر برساتے رہتے ہیں۔
پھر آپ نے فرمایا کہ کراچی میں فوج اور پولیس کا راج تھا۔ ماورائے عدالت قتل ہوئے، لوگوں کے گھروں میں گھس گھس کر ان کو گولیاں ماری گئیں۔ یہی کہا نا آپ نے؟ اب مجھے بتائیں کہ یہ سب کس کے دور حکومت میں ہوا؟ محترم دوست یہ سب کچھ پی پی پی کے دور حکومت میں ہوا۔ پی پی پی کے وزیر داخلہ نصیر اللہ بابر کو ایم کیو ایم کی جانب سے کراچی کا قصائی کہا گیا، ان کو جنگی جرائم کا مرتکب قرار دیا گیا۔ اور کہا گیا کہ ہم ان پر جنگی جرائم کا مقدمہ چلائیں گے۔ یہی کہا جاتا تھا نا میرے بھائی؟ لیکن افسوس کہ آپ کی قیادت آپ جیسے جذباتی لوگوں کو بھڑکا کر خود انہی قاتلوں کے ساتھ اتحاد کر کے حکومت میں شامل ہوتی رہی ہے۔

مجھے بتائیں کہ پی پی پی کے بعد ایم کیو ایم نواز شریف کی اتحادی رہی۔ اس وقت نصیر اللہ بابر کے خلاف کیس کیوں نہ چلایا گیا۔ اس کے بعد جنرل مشرف کی حکومت میں بھی طاقتور پوزیشن میں رہی اس وقت بھی نصیر اللہ بابر یا کسی بھی پولیس افسر کے خلاف کوئی مقدمہ قائم نہیں کیا گیا؟ کیا آپ اپنی قیادت سے اس کا جواب مانگ سکتے ہیں کہ ایسا کیوں نہ کیا گیا؟ آپ کی قیادت کے بقول ہزاروں نوجوان مارے گئے کیا ان کا یہ حق نہ تھا کہ قیادت انکے قاتلوں کو سزا دلاتی۔؟ لیکن ان سب باتوں کے باوجود آپ کی قیادت نے اسی پی پی پی سے اتحاد کرکے شہداکے خون کا سودا کر لیا۔ یاد رکھیں اگرچہ کراچی آپریشن کے کئی پولیس افسران قتل ہوچکے ہیں لیکن جن لوگوں کو انھوں نے مارا ریکارڈ میں وہ دہشت گرد ہی ہیں۔ کیوں کہ قانونی طور پر ان کے قاتلوں کو کوئی سزا نہیں دی گئی۔

اب محترم شاکر صاحب مجھے بتائیں اس سارے معاملے میں جماعت اسلامی کیا کرسکتی ہے جب آپ کی قیادت ہی کچھ نہ کرنا چاہتی ہو۔ آپ کی اطلاع کے لیے عرض کردوں کہ جتنے بھی کارکن قتل ہوئے ہیں مبینہ طور پر ان کی مخبری آپ کے مرکز سے ہی ہوتی تھی۔ مجھے یہ بتائیں کہ فاروق دادا (بلدیہ ٹاؤن) ساؤتھ افریقہ میں روپوش ہوتا ہے۔ لندن قیادت کے علاوہ کسی کو نہیں پتہ کہ وہ کہاں ہے۔ وہ نام بدل اور پاسپورٹ بدل کر پاکستان آتا ہے صرف قیادت کو پتہ ہے کہ فاروق

دادا پاکستان جارہا ہے اور اسے ائیر پورٹ پر گرفتار کرکے پولیس مقابلے میں مار دیا جاتا ہے۔ پولیس کو کیسے پتہ چلا کہ فاروق دادا واپس آرہا ہے؟

اور مجھے بتائیں کہ نعیم شری، ریحان کان، ارشد کے ٹو، نایاب، یہ ایسے لوگ تھے جن کو سی آئی اے، ملٹری انٹیلی جنس بھی نہیں پکڑ سکی تھی وہ لوگ اجتماعی طور پر پولیس مقابلے مارے جاتے ہیں۔کیا یہ حیرت کی بات نہیں ہے؟ محترم آپ کی قیادت نے خود مخبریاں کر کرکے کارکنان کو مروایا کیوں کہ اس کے بعد انہوں نے مہاجر قومی موومنٹ سے متحدہ قومی موومنٹ بنا تھا اور اس میں یہ سارے لوگ جو مہاجر نام پر جمع ہوئے تھے اور مہاجر کے نام پر الطاف حسین کے پاس آئے تھے وہ سب مزاحمت کرتے اس لئے ان سب کو خود ہی ٹھکانے لگایا گیا۔

جماعت نے لیگل ایڈ کمیٹیاں اور پبلک ایڈ کمیٹیاں بنا کر حتیٰ الامکان لوگوں کی مدد کرنے کی کوشش کی۔ اور ایسے وقت میں کوشش کی جب آپ کے سارے نامی گرامی لیڈر، وزیر، مشیر اپنے لوگوں کو مرنے کے یہاں چھوڑ کر خود جانیں بچا کر بھاگ گئے تھے۔ جماعت اسلامی سے سوال کرنے سے پہلے آپ اپنی قیادت سے پوچھیں کہ اس وقت وسیم اختر کہاں تھے؟ اس وقت حیدر عباس رضوی کہاں تھے؟اس وقت مصطفیٰ کمال کہاں تھے؟ اس وقت فیصل سبزواری کہاں تھے؟ عمران فاروق کہاں تھے؟ سلیم شہزاد کہاں تھے؟ اور سب سے بڑے لیڈر محترم الطاف حسین کہاں تھے؟

جواب ہے کہ یہ سب عوام کو مرنے کے لئے چھوڑ کر اپنی جانیں بچا رہے تھے۔
پھر آپ نے فرمایا کہ ایم کیو ایم کو ختم کرنے کے لئے پی پی آئی بنائی گئی ,پی پی آئی نے اردو بولنے والوں کے گھروں کو جلا کر راکھ کر دیا,اردو بولنے والوں کے گھروں پر قبضہ کیا گیا جو کہ آج تک برقرار ہے,پی پی آئی کی پول اس وقت کھلی جب یہ لوگ ڈرگز کا دھندہ کرتے ہوئے پکڑے گئے۔ اب ذرا مجھے یہ بتائیں شاکر صاحب اس سارے معاملے میں بھی جماعت اسلامی کہاں ہے؟ بقول آپ کے پی پی آئی نے یہ سب کیا تو آپ کو پی پی آئی کے خلاف کالم لکھنا چاہئے تھا نہ کہ جماعت اسلامی کے خلاف, لیکن آپ لوگوں نے قیادت کی جانب سے برین واشنگ کے تحت تمام باتوں کو نظر انداز کرکے صرف جماعت اسلامی کو تختہ مشق بنائے رکھا ہے۔ البتہ یہاں آپ نے پھر ڈنڈی ماری ہے اور یہ نہیں بتایا کہ اس دور میں مہاجر کے ہاتھوں جو مہاجر قتل ہوئے وہ کس کھاتے میں جائیں گے؟ ایم کیو ایم حقیقی کے جو لوگ قتل ہوئے کیا وہ بھی پنجابی پختونوں کے ہاتھوں قتل ہوئے؟ اور حقیقی کے ہاتھوں جو لوگ قتل ہوئے وہ کس کھاتے میں جائیں گے کیا حقیقی میں بھی پنجابی پختون تھے جو یہ کاروائیاں کر رہے تھے؟ یہ کیسا المیہ ہے کہ مہاجر نام پر ساری قوموں سے جھگڑا کیا گیا اور اس کے بعد مہاجر ہی مہاجر کو قتل کر رہا ہے۔
مارنے والا بھی مہاجر, مرنے والا بھی مہاجر, رونے والا بھی مہاجر, رلانے والا بھی مہاجر, قبر میں اترنے والا مہاجر اور اس کو

قبر میں پہنچانے والا بھی مہاجر۔ شاکر صاحب کراچی کی تاریخ کے اس اہم باب کا تو آپ نے ذکر ہی نہیں کیا۔

اب آتے ہیں آپ کی آخری بات کی جانب! آپ لکھتے ہیں کہ جن کو قتل کیا جائے کیا ان کے آگے پیچھے بدلہ لینے کا حق نہیں رکھتا؟ جس طرح خون کا بدلہ خون ہے اسلام میں ،آج ڈرون اٹیک کے اگینسٹ خود کش حملے ہو رہے ہیں۔ پولیس اور فوج اور پاکستانی مر رہے ہیں یا نہیں؟ یہ ایک فطری عمل ہے۔ کوئی کسی کو قتل کرے گا تو اس کا ری ایکشن بھی ضرور آئے گا۔ ٹھیک جی یہی لکھا ہے آپ نے۔

دوست آپ کو اپنے مطلب کے لئے اسلام یاد آگیا ہے لیکن اگر جماعت اسلامی یا دیگر جماعتیں اسلامی قانون کے نفاذ کا مطالبہ کریں تو آپ ہی لوگ اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ پتہ نہی اس عمل کو منافقت کہا جاتا ہے یا کچھ اور۔ بہرحال میں آپ کی باتوں کی جانب آتا ہوں۔ میرے دوست جماعت اسلامی نے ہمیشہ ڈرون حملوں اور میزائل حملوں کے ساتھ ساتھ خود کش حملوں کی بھی مخالفت کی ہے، ہم یہ ضرور کہتے ہیں کہ یہ ڈرون حملوں کا رد عمل ہے لیکن کبھی بھی اس عمل کو اچھا نہیں سمجھا اور اس کی مذمت ہی کی ہے۔ کیوں کہ بے گناہوں کو مارنا، عوام کو دہشت زدہ کرنا اچھا عمل نہیں ہے اور نہ ہی اسلام اس کی اجازت دیتا ہے۔ لیکن آپ کی باتوں سے یہ معلوم ہوا کہ ایسا کرنا جائز ہے ورنہ آپ یہ نہ کہتے

کہ (جن کو قتل کیا جائے کیا ان کے آگے پیچھے بدلہ لینے کا حق نہیں رکھتا؟) چلیں بالفرض محال اس کو مان بھی لیا جائے تو بدلہ کس سے لیا جائے گا؟ آیا اس کا بدلہ مجرم سے ہی لیا جائے گا یا اس کی پوری قوم سے لیا جائے؟ اس کی زبان بولنے والے ہر فرد سے لیا جائے گا؟ اگر ایک پولیس افسر نے کسی کو ماورائے عدالت قتل کیا تو کیا اس کے بدلے میں پولیس کے کوئی بھی چھے ساتھ سپاہی مار دینا جائز ہوگا۔؟ اگر پنجابی افسر نے کس کو قتل کیا تو اس کے بدلے میں موسیٰ کالونی میں بارہ پنجابی مزدورں کو قتل کرنا جائز ہوگا؟ ہاں یا ناں میں جواب دیجئے گا اس بات کا۔ اگر آپ کہتے ہیں کہ ایسا کرنا جائز ہے تو طالبان بھی تو یہ کر رہے ہیں اور معذرت کے ساتھ کہوں گا کہ آپ اور آپ کی قیادت طالبان کے خلاف ڈھول پیٹنا چھوڑ دیں کیوں کہ جو کام طالبان آج کر رہے ہیں وہ کام تو آپ لوگوں نے سولہ سترہ سال قبل ہی شروع کر دیا تھا، آپ لوگوں کو چاہئے کہ جس طرح اس وقت انسانی حقوق کی تنظیموں کو خطوط لکھ کر کراچی کی صورتحال پر مدد مانگی گئی تھی اسی طرح سوات، وزیرستان، مالاکنڈ وغیرہ میں بھی جاری آپریشن کی مخالفت کریں اور آپریشن بند کرنے کا مطالبہ کریں کیوں کہ یہ وہی عمل ہے جو کہ آپ لوگوں نے کراچی میں کیا تھا۔ (یہ آپ ہی کی منطق کے تحت میں بات کر رہا ہوں)۔
اور اگر آپ کہتے ہیں کہ ایس کرنا ناجائز تھا، غلط تھا تو پھر یہ بھی مان لیں

کہ جس طرح آج ایک غلط عمل کے خلاف سوات، وزیرستان وغیرہ میں آپریشن جائز ہے اسی طرح کراچی میں کیا گیا آپریشن بھی بالکل درست اور جائز تھا۔ جس طرح آج اس آپریشن میں مرنے والے طالبان ظالمان اور دہشت گرد ہیں اسی طرح کراچی میں پولیس مقابلے میں مارے جانے والے سارے لوگ قاتل اور دہشت گرد تھے۔ اگر آج اس آپریشن کی حمایت کرنا جائز ہے تو اس وقت کراچی آپریشن کی حمایت کرنا بھی بالکل درست اور جائز تھا۔

اب اگر میں یہ ساری باتوں کا تجزیہ کروں جو بات سامنے آتی ہے وہ یہ کہ کراچی میں آپریشن نواز شریف کے دور میں شروع ہوا، پی پی دور میں گھروں میں گھس گھس کر لوگوں کو قتل کیا گیا، ایم کیو ایم کو ختم کرنے کے لئے پی پی آئی بنائی گئی جس نے کراچی میں اردو بولنے والوں کے گھروں کو جلا کر راکھ کر دیا اور ان کے گھروں پر قبضہ کر لیا۔ ان ساری باتوں میں جماعت اسلامی کا کوئی رول نہیں ہے لیکن آپ لوگوں نے بلاوجہ سارا نزلہ جماعت اسلامی پر گرا دیا اس سے یہ بات ایک بار پھر ثابت ہو گئی کہ ایم کیو ایم جماعت اسلامی کے خلاف بلاوجہ کا بغض اور عناد رکھتی ہے اور جماعت کے خلاف بلاوجہ پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے۔ تو بھائی لوگوں میں آپ لوگوں کو دعوت دونگا کہ آپ لوگ جماعت اسلامی کے لٹریچر کا مطالعہ کریں۔ اس کی تاریخ کا مطالعہ کریں اور اس کے ساتھ ساتھ اپنی قیادت سے یہ سوالات ضرور کیجئے گا کہ کیوں وہ لوگ قاتلوں کے

ساتھ اتحاد کرتے ہیں؟ کیوں آپ کے لوگوں کے قاتل افسران قتل تو ہو گئے لیکن مقتولین کے اوپر لگا ہوا دہشت گرد کا لیبل نہیں ہٹا۔ نصیر اللہ بابر چند ماہ قبل طبعی موت مر گئے لیکن ان کے اوپر کارکنان کے قتل کا مقدمہ کیوں نہ قائم کیا گیا۔؟ اور دوسری درخواست یہ کرونگا کہ اللہ نے آپ لوگوں کو بھی عقل و شعور دیا ہے اس سے کام لیں گے تو بہت سی باتیں سمجھ میں آئیں گی۔

سرکاری اسکولز میں سیکس ایجوکیشن ! ذمہ دار کون؟

پاکستان کی جغرافیائی سرحدوں پر ڈرون حملوں کا سلسلہ ایک عرصہ سے جاری ہے جس کے نتیجے میں بے شمار معصوم پاکستانی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں،اب سرکاری اسکولوں میں سیکس ایجوکیشن پڑھا کر اخلاقی سرحدیں پامال کی جارہی ہیں ۔

خبر یہ ہے کہ سرکاری اسکولوں میں چھٹی سے دسویں جماعت تک کے طلبہ وطالبات کو" زندگی گزارنے کی مہارتوں پر مبنی تعلیم "نامی جنسی مواد پر مشتمل متنازعہ کتاب پڑھائی جارہی ہے۔ماضی میں اس سے قبل نجی اسکولوں میں جنسی مواد پر مشتمل متنازع کتابیں پڑھانے کی بے شمار کوششیں کی گئیں ہیں، تاہم اس مرتبہ براہ راست سرکاری اسکولوں کو نشانہ بنایا گیا ہے جہاں غریب اور مڈل کلاس طبقہ کے طلبہ وطالبات تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے آتے ہیں۔ جنسی مواد پر مشتمل کتاب "زندگی گزارنے کی مہارتوں پر مبنی تعلیم "وطن عزیز کے تین شہروں کراچی ،ملتان اور ٹنڈو الہیار میں پڑھائی جارہی ہے۔ جس کا مقصد نئی نسل کو اخلاقی وذہنی طور پر بانجھ کرنا ہے۔

کتاب کے بارہویں باب میں چھپن ویں صفحہ پر طلبہ کو اپنے ساتھی کے ساتھ جنسی

تعلقات کے محفوظ طریقوں کے متعلق رہنمائی دی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ محفوظ طریقے سے جنسی تعلقات سے ایڈز اور ہیپاٹائٹس جیسی بیماریاں لاحق نہیں ہوتیں۔

اگلے پیراگراف میں بتایا گیا ہے کہ کسی بھی ایسے فرد کے ساتھ جسے آپ نہ جانتے ہوں یا پھر بیماری سے متاثرہ فرد کے ساتھ جنسی تعلقات کے دوران کنڈوم ضرور استعمال کیا جائے۔ متنازعہ مواد صرف بارہویں باب میں ہی نہیں بلکہ باب نمبر آٹھ کے صفحہ نمبر سینتیس، دسویں باب کے صفحہ نمبر چوالیس اور گیارہویں باب کے صفحہ نمبر اڑتالیس پر بھی موجود ہے۔ جبکہ ایک شادی کی تقریب کی تصاویر بھی ہیں،تاہم اس میں بھی روایتی شادی کے برعکس کورٹ میرج ہوتے دکھائی گئی ہے جبکہ سولہویں باب کے سترویں صفحہ پر ایک ماموں کے اپنی بھانجی سے مشتبہ رویے کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

کتاب لائف اسکل بیسڈ ایجوکیشن پروگرام کے تحت شائع کی گئی ہے یہ پروگرام ورلڈ پاپولیشن فاؤنڈیشن چلا رہی ہے۔جو یورپی یونین کے تحت چلنے والے ایک ادارہ ہے۔

ورلڈ پاپولیشن فاؤنڈیشن کو امداد یورپی یونین، عالمی بینک، ہالینڈ کی حکومت اور ہالینڈ کے بادشاہ کی جانب سے دی جاتی ہے۔ یہاں یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ کتاب متعارف کرانے سے پہلے معروف مقامی ہوٹل میں اساتذہ کی تین روزہ تربیتی ورکشاپ بھی منعقد کی گئی تھی۔

سال دو ہزار نو میں شہری حکومتوں کی سرپرستی میں مذکورہ این جی او نے ہمارا کل نامی پروگرام شروع کیا، جس کے تحت تین ہزار سے زائد اساتذہ کو تربیت دی گئی اور سال دو ہزار دس میں خاموشی سے جنسی تعلیم پر مشتمل قابل اعتراض مواد اسکولوں میں پڑھانا شروع کردیا۔ محکمہ تعلیم کے ایک افسر نے اپنا نام ظاہر نہ کرنے کی شرط پر بتایا کہ ورلڈ پاپولیشن فاؤنڈیشن اور آہنگ نے اس پروگرام کی دستاویزات پر دستخط کے وقت ایسی کوئی چیز منصوبے میں ظاہر نہیں کی تھی اور دو ہزار نو میں پہلے مرحلے میں بچوں کو کوئی ایسی چیز نہیں پڑھائی گئی تاہم دوسرے مرحلے میں انہوں نے ہمارے علم میں لائے بغیر متنازع کتاب پڑھانا شروع کر دی ہے۔ جبکہ ایک اور اطلاع کے مطابق سرکاری اسکولوں میں پڑھانے سے قبل منظوری کے لیے محکمہ تعلیم کے افسران کے پاس بھیجا گیا تھا لیکن محکمہ تعلیم کے افسران نے اس کتاب کو کھول کر پڑھنا بھی گوارا نہیں کیا اور اس کی منظوری دے دی گئی۔

لائف اسکل بیسڈ ایجوکیشن پروگرام کے تحت جن اسکولوں میں یہ کتاب پڑھائی جاتی تھی انہیں پچاس ہزار روپے فی اسکول بھی دیے گئے۔ متعدد ٹیچرز نے کتاب متعارف ہونے کے بعد اسے پڑھا اور پڑھانے سے معذرت کرلی۔ کتاب پر محکمہ تعلیم کے اندرونی حلقوں میں بھی شدید تنقید کے باوجود یہ کتاب نامعلوم وجوہات کی بناء پر شہر کے کئی اسکولوں میں متعارف کرائی گئی ہے۔ ہمارے ہاں تعلیمی

اداروں میں جنسی تعلیم کا تصور مغرب سے مرعوبیت کے سبب منتقل ہو رہا ہے۔ مغرب میں جنسی تعلیم کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اس بات کا جائزہ لینا بہت ضروری ہے۔ مغرب کا خاندانی نظام تباہ ہو چکا ہے، مغربی معاشرہ آزاد جنسی معاشرہ بن چکا ہے۔ بالغ ہوتے ہی جنسی تسکین کے لیے مخالف جنس کے آمادہ فرد سے تعلقات رکھنا وہاں روز مرہ کا معمول ہے۔ لہٰذا مغرب میں جنسی تعلیم اُن کے اپنے معاشرے کے نوبالغ بچے اور بچیوں کو ضروری معلومات اور حفاظتی تدابیر سکھانے پر مرکوز ہے۔ بلوغت کی سیڑھی پر قدم رکھنے والے بچے اور بچیوں کو محفوظ جنسیت کی تربیت دی جائے، انہیں بیماریوں اور وائریسز سے بچاؤ کے لیے تربیت دی جائے، مغربی معاشرے نے اس پس منظر میں جنسی تعلیم کے نصاب اور معلومات کو اپنے معاشرے کے مسائل پر طویل تحقیق کے بعد ترتیب دیا ہے۔

اسلام کے تصور شرم وحیا اور ستر (پردے) کے بنیادی احکامات سے ہی ایسا مواد نکالا جا سکتا ہے جو بچے کو ذہنی طور پر محتاط بنا دے گا۔ اور وہ کسی بدبخت کی بری حرکت یا کوشش کو محسوس کر سکے گا۔ ہم نے مشاہدہ کیا ہے کہ بہت سے بچے اپنے والدین کے علاوہ کسی اور سے بوسہ لینے میں شرم محسوس کرتے ہیں۔ اسلام غیر ضروری جنسی اختلاط کو ناپسند کرتا ہے۔ لہٰذا پرائمری سے بالائی سطح پر مخلوط تعلیم نہ صرف اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ نہیں بلکہ اس سے بے شمار جنسی و نفسیاتی مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس سطح پر بڑھتے ہوئے

مخلوط تعلیم کے رجحان کا سد باب ہمیں بے شمار جنسی مسائل و مشکلات سے بچا سکتا ہے جن کا مغربی معاشرہ آج شکار ہے اور جس کے حل کے لیے وہ بچوں کی معصومیت سے کھیلتے ہوئے انہیں چار پانچ سال کی عمر سے ہی باقاعدہ جنسی تعلیم دینے پر مجبور ہو رہے ہیں۔ انٹر میڈیٹ اور ڈگری سطح پر بچے مکمل بالغ ہو چکے ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس سطح پر ان کو وہ ضروری معلومات دینے میں کوئی حرج نہیں جن کا جاننا ہر بالغ فرد کے لیے ضروری ہے۔

ماہرین تعلیم اور طلبہ و طالبات کے والدین نے بھی کمسن بچوں کو جنسی تعلیم دینے پر شدید غم و غصہ کا اظہار کیا ہے۔

یقیناً پاکستانی قانون کے مطابق جن جرائم پر سزا ہے ان موضوعات پر تعلیم دے کر حکومت انتہائی سنگین جرم کی مرتکب ہو رہی ہے۔ پاکستان ایک اسلامی مملکت ہے' کیا ہم نے اس لیے پاکستان حاصل کیا تھا کہ یہاں مغربی تہذیب کی نقالی کی جائے۔ اس طرح کی تعلیم چھٹی، ساتویں اور آٹھویں جماعت کے سطح پر پڑھانے کی کیا ضرورت ہے۔ آخر کس نے حکومت کو کہا ہے کہ ایسی کتاب اس سطح کی کلاسز کے نصاب میں شامل کی جائے۔

مذکورہ بالا تحریر محترم حامد الرحمان صاحب کی ہے جو کہ روزنامہ جسارت سنڈے

میگزین میں شائع ہوئی تھی۔ اس کی اہمیت کے پیش نظر ہم نے اس کو یہاں پیش کیا ہے۔

اسامہ بن لادن : نہ کبھی جنازہ اٹھتا، نہ کہیں مزار ہوتا

مرزا غالب نے بہت پہلے ایک غزل کہی تھی یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصالِ یار ہوتا۔ اس غزل کے دو اشعار کل بہت یاد آئے، وہ اشعار یہ ہیں

کہوں کس سے کہ میں کیا ہے۔ شبِ غم بری بلا ہے
مجھے کیا برا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا
ہوئے مر کے ہم جو رسوا، ہوئے کیوں نہ غرقِ دریا
نہ کبھی جنازہ اٹھتا، نہ کہیں مزار ہوتا

یہ غزل ہمیں اس لئے یاد آئی کہ دو مئی 2011 کو بالآخر امریکہ نے اسامہ بن لادن کو شہید کرنے کا باقاعدہ اعلان کر ہی دیا۔ اور نہ صرف یہ کہ اعلان کیا بلکہ اس کے ساتھ ہی دو اعلانات مزید یہ کیے گئے کہ لاش کا ڈی این اے ٹیسٹ بھی کرلیا گیا اور اس سے بھی تصدیق ہوگئی کہ مرنے والا اسامہ بن لادن ہی ہے اور یہ کہ ان کی لاش اسلامی رسومات کی ادائیگی کے بعد سمندر برد کردی گئی ہے تاکہ عقیدت مند ان کا مزار نہ بنا سکیں۔ یاد رہے کہ اس سے قبل بھی امریکہ نے جب تورا بورا کی پہاڑیوں پر کارپٹ بمباری کی تھی تو اس وقت بھی یہی کہا گیا کہ اسامہ بن لادن کو ہلاک کردیا گیا ہے لیکن بعد میں اس کی

تردید آ گئی اور اب پھر ان کی ہلاکت کا اعلان کیا گیا ہے تو اس پر مرزا غالب کے مندرجہ بالا اشعار صادق آتے ہیں۔

اب آتے ہیں ہم اس واقعے کی جانب۔ اتوار اور پیر کی درمیانی شب ایبٹ آباد میں ملٹری اکیڈمی کاکول کے نزدیک بلال ٹاؤن کے ایک مکان میں فوجی آپریشن کے بعد القاعدہ کے سربراہ اسامہ بن لادن کو شہید کرنے کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ یہ آپریشن اور اس کے بعد امریکی دعوے دراصل ایک نئے گیم پلان کا حصہ ہیں اور اس کا مقصد پاکستان کے گرد گھیرا تنگ کرنا ہے۔ دیکھیں اصل بات کیا ہے یہ تو ہمارے اربابِ اختیار ہی بہتر جانتے ہیں یا پھر اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ معاملہ کیا ہے۔ ہم لوگ تو صرف اخبارات اور ٹی وی چینلز کے ذریعے جو بھی معلومات حاصل ہوتی ہیں ان کی بنیاد پر نتائج اخذ کرتے ہیں اور یہ نتائج اور تجزیات درست بھی ہو سکتے ہیں اور غلط بھی یہاں ہم صرف اپنی معلومات اور محدود عقل کی حد تک تجزیہ کر سکتے ہیں اور لازمی نہیں ہے کہ اس تجزیے سے تمام ہی لوگ اتفاق کریں۔

اس سارے کھیل کے ممکنہ طور پر دو مقاصد ہو سکتے ہیں اور یہاں ہم انہی دونوں ممکنہ مقاصد پر بات کریں گے۔ لیکن یہ بات واضح رہے کہ امریکہ کی جانب سے اسامہ بن لادن کی لاش کو مبینہ طور پر سمندر برد کر دینے سے یہ سارا معاملہ

مشکوک ہوگیا ہے اور عین ممکن ہے کہ اسامہ بن لادن کو شہید نہ کیا گیا ہو لیکن امریکہ کی ضرورت شائد اب اسامہ نہیں ہیں اس لئے یہ کھیل رچایا گیا۔ دیکھیں پہلی بات تو یہ کہ آپریشن کا آغاز پاکستان آرمی نے کیا اور اس کے بعد امریکی کمانڈوز اور ہیلی کاپٹرز نے اس میں حصہ لیا لیکن بعد میں عوام اور اپوزیشن کے ممکنہ رد عمل اور دہشت گردی کے خطرات سے بچنے کے لئے پاکستان نے اس آپریشن سے دستبرداری اختیار کی اور یہ کہا کہ سارا آپریشن امریکہ نے کیا۔ ہم نے صرف انٹیلی جنس کے ذریعے مدد کی۔ اگر ہم حکومت کی یہ بات مان لیں کہ سارا آپریشن امریکہ نے کیا تو یہ ہمارے لئے انتہائی شرمناک بات ہے کہ ہماری حدود میں گھس کر غیر ملکی افواج کاروائی کرتی ہیں اور ہم دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ اگر غیر ملکی فوجوں نے ہی ساری کاروائی کرنی ہوتی ہے اور پھر یہ جو سالانہ اربوں روپے کا بجٹ جو کہ دفاع کے نام پر مختص کیا جاتا ہے کیا وہ محض فوج کے افسران کو نوازنے کے کام آتا ہے؟ اگر ہماری افواج ملک کا دفاع نہیں کر سکتی، اگر ڈرون حملے نہیں روکے جاسکتے، اگر غیر ملکی افواج کو ملکی حدود میں کاروائی سے نہیں روکا جاسکتا، اگر ہماری افواج مبینہ دہشت گردوں کے خلاف خود کاروائی نہیں کر سکتیں تو پھر بہتر ہے کہ ان کا بجٹ کم سے کم رکھا جائے اور فوج کو اس کی اوقات میں رکھا جائے۔ جمہوریت میں فوج سول حکومت کے ماتحت ہوتی ہے اور کسی بھی احتساب سے بالاتر نہیں ہوتی ہے لیکن ہمارے ملک میں ایسا نہیں ہے۔ اور اب جبکہ یہ ثابت ہو رہا ہے

کہ ہماری افواج نااہل اور ناکارہ ہیں تو بہتر ہے کہ ان کو بھی اب قانون کے دائرے میں لایا جائے۔

اب دیکھیں کہ اس کاروائی کے ذریعے امریکہ اور نیٹو نے دو مقاصد حاصل کئے۔ پہلا مقصد تو یہ کہ افغانستان امریکہ کے لئے ایک خونی دلدل ثابت ہو رہا ہے اور امریکہ اپنی تمام تر طاقت، تمام تر غرور کے باوجود طالبان کو شکست دینے میں ناکام رہا ہے اور وہ افغانستان سے واپسی کا باعزت راستہ ڈھونڈ رہا ہے لیکن طالبان اسے یہ راستہ دینے کو تیار نہیں ہیں۔ امریکہ دنیا بھر کو اور بالخصوص پاکستان کو کہتا ہے طالبان دہشت گرد ہیں، واجب القتل ہیں، ان سے مذاکرات نہیں ہو سکتے، ان کے خلاف آپریشن کرو، فوجی کاروائیاں کرو، اور خود امریکہ بہادر افغانستان میں طالبان سے مذاکرات کی بھیک مانگتا ہے لیکن طالبان اسے یہ بھیک بھی دینے کو تیار نہیں ہیں۔ اس لئے اب واپسی کا باعزت راستہ یہی رہ جاتا ہے کہ دنیا کے سامنے اسامہ بن لادن کی موت کا اعلان کر دیا جائے اور پھر یہ کہہ دیا جائے گا کہ ہمارا مقصد اسامہ بن لادن کو کیفر کردار تک پہنچانا تھا وہ ہم نے پہنچا دیا اب افغانستان میں ہمارا کام ختم ! اور اس کے بعد افغانستان سے فوجوں کی واپسی کا اعلان کر دیا جائے گا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ایک دوسرا کام بھی کیا گیا ہے۔

وہ دوسرا کام یہ کیا گیا ہے کہ پاکستان کو غیر مستحکم اور انتشار کا شکار بنانے کے لئے اسامہ کی موجودگی اور ہلاکت پاکستان میں ظاہر کی گئی ہے۔ یہ ایک بہت خطرناک بات ہے۔ کیوں کہ اس طرح پوری دنیا کو یہ پیغام دیا گیا ہے دراصل پاکستان ہی دہشت گردی کا اصل مرکز ہے۔ یہ دہشت گردوں کی محفوظ ترین پناہ گاہ ہے۔ اور اس کے ثبوت میں یہ بتایا جائے گا کہ اسامہ پاکستان کے ایک حساس شہر میں ،ملٹری اکیڈمی کے علاقے اور ہائی سیکورٹی زون میں چھپا بیٹھا تھا اور پاکستان کو پتہ ہی نہیں تھا'' اس طرح دنیا میں پاکستان کو ایک ناکام ریاست ثابت کرنے کی کوشش کی جائے گی ۔ اور اس کا آغاز بھی ہو چکا ہے۔

امریکہ سینیٹر لیبر مین نے کل یہ بیان دیا ہے کہ '' پاکستان ثابت کرے کہ اسے اسامہ بن لادن کی موجودگی کا علم نہیں تھا'' یہ بیان دراصل آغاز ہے اس سارے کھیل کا جو آئندہ پاکستان کے خلاف کھیلا جائے گا کیوں کہ جو بیان امریکی سینیٹر لیبر مین نے دیا ہے اب آہستہ آہستہ اسی جانب پیش رفت کی جائے گی اور پاکستان کے خلاف مزید گھیرا تنگ کیا جائے گا۔ اگر اس کے ساتھ ہی بھارتی وزیر داخلہ پی چدم برم کا یہ بیان بھی سامنے رکھا جائے جو کہ انہوں گزشتہ روز دیا ہے کہ '' اسامہ کی ہلاکت سے ثابت ہو گیا کہ پاکستان دہشت گردوں کی محفوظ پناہ گاہ ہے'' روزنامہ جنگ انہوں نے مزید کہا ہے کہ ''بھارتی وزیر اعظم من موہن سنگھ نے اسامہ بن لادن کی ہلاکت کے بعد ہین

الاقوامی برادری اور خصوصاً پاکستان سے اپیل کی ہے کہ ایسے اقدامات کیے جائیں جس سے دہشت گرد گروپوں کو ختم کرنے میں کامیابی ملے۔ نئی دہلی میں ایک بیان میں انہوں نے کہا کہ اسامہ بن لادن کی پاکستان میں ہلاکت سے بھارتی موقف کی سچائی سامنے آ گئی ہے کہ تمام بڑے دہشت گرد پاکستان میں روپوش ہیں۔ ادھر بھارت وزیر خارجہ ایس ایم کرشنا نے کہا ہے کہ اسامہ کی ہلاکت سے دہشت گردی ختم نہیں ہوگی، دہشت گردی کا خاتمہ صرف اسی صورت ممکن ہے جب پاکستان میں موجود دہشت گردوں کیلئے محفوظ ٹھکانے، ان کی تربیت گاہوں کو ختم کیا جائے۔ دریں اثناء بھارتی وزیر داخلہ پی چدم برم نے کہا ہے کہ اسامہ بن لادن کی پاکستان میں ہلاکت بڑی تشویش کا معاملہ ہے اس سے ثابت ہوگیا کہ پاکستان میں دہشت گرد گروپوں کے محفوظ ٹھکانے موجود ہیں۔ خبر رساں ایجنسیوں کے مطابق اپنے بیان میں چدم برم نے نے کہا کہ ممبئی حملوں کے ملزمان سمیت پاکستان میں پناہ لئے ہوئے ہیں، ممبئی حملوں کے ملزمان کو کٹہرے میں لایا جائے۔

اس طرح یہ خدشات سچ ثابت ہوتے ہیں کہ پاکستان کے خلاف گھیرا تنگ کیا جارہا ہے۔

اب دیکھنا ہے کہ اس کھیل کا انجام کیا ہوتا ہے؟ آیا اسامہ بن لادن کو واقعی

شہید کر دیا گیا ہے یا کچھ دنوں بعد دوبارہ ان کے زندہ ہونے کا اعلان کیا جائے گا؟ پاکستانی حکومت ان بین الاقوامی سازشوں سے کیسے نپٹے گی؟ ان سارے سوالات کا جواب ایک دو ہفتوں میں سامنے آجائے گا جب تک ہم علامہ اقبال صاحب کا یہ شعر گنگناتے رہیں گے کہ یہ ڈرامہ دکھلائے کا کیا سین۔ پردہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ۔

ایبٹ آباد آپریشن اور تضاد بیانیاں

اسامہ بن لادن شہید تو اپنی منزلِ مراد پا چکے ہیں ۔ جیسا کہ ہم نے پہلے ہی کہا تھا کہ اس بارے میں سچ کیا ہے وہ تو ایک یا دو ہفتوں میں سامنے آجائے گا لیکن یہاں تو یہ عالم ہے کہ پیر کو اسامہ بن لادن کو شہید کرنے کا اعلان کیا گیا،اور منگل سے اب تک امریکہ اور پاکستانی حکام کی کئی تضاد بیانیاں سامنے آچکی ہیں۔اطلاعات کے اس جنگل میں اصل بات تو شائد اس وقت معلوم نہ ہوسکے اور لگتا ایسا ہے کہ شائد سال دو سال کے بعد ہی اس سارے واقعے کے متعلق حقائق سامنے آئیں گے۔ ہمارا اندازہ تو یہ ہے کہ اسامہ بن لادن کافی عرصہ پہلے شہید یا جاں بحق ہوچکے ہیں اور امریکہ کو یہ بات پتہ تھی لیکن وہ دس سالوں تک ان کا نام استعمال کرتے رہے اور اب انہوں نے محسوس کیا کہ اس کی ضرورت نہیں ہے اور افغانستان سے نکلا جائے تو انہوں نے ایک تیر سے کئی شکار کرتے ہوئے اول اپنی ناکامی کا ملبہ پاکستان کے سر ڈالا، دوم پاکستانی حکم اور ایجنسیوں کی امریکی حکام اور سی آئی اے سے ایک سرد جنگ جو چل رہی تھی اس کا بدلہ لینے کے لئے اسامہ کی موجودگی کو پاکستان ملٹری اکیڈمی کے قریب ظاہر کرکے دنیا بھر میں یہ پیغام دیا کہ پاکستانی ایجنسیاں یا تو اتنی نااہل ہیں یا اتنی دوغلی ہیں کہ اسامہ یہاں موجود تھا اور انہوں نے اس کی اطلاع نہیں دی۔ تیسری طرف میرے

منہ میں خاک پاکستان کی ایٹمی پلانٹ اور جوہری پروگرام کو رول بیک کرنے اور پاکستان کو غیر مستحکم اور ناکام ریاست ثابت کرنے کے ایجنڈے پر عمل شروع کر دیا گیا۔

غیر اس حوالے سے تو پوری دنیا کے میڈیا میں باتیں ہو رہی ہیں ہم اس مضمون میں ایبٹ آباد آپریشن سے متعلق تضاد بیانیوں کا جائزہ پیش کریں گے جن سے ہمارے ان خیالات کو تقویت ملتی ہے کہ یہ سارا آپریشن ڈرامہ ہے اور پاکستان کو پھنسانے کی ایک سازش ہے اور اس سازش میں ہمارے عسکری و سیاسی حکام بھی شامل ہیں۔

لیکن اس آپریشن سے متعلق جو ابتدائی خبر روزنامہ جنگ کی 2 مئی بروز پیر کی اشاعت میں شائع ہوئی۔ یہ خبر صفحہ اول پر تین کالمی صورت میں شائع کی گئی۔ خبر کے مطابق ملٹری اکیڈمی کاکول کے قریب 3 دھماکے ،فائرنگ، ہیلی کاپٹر گر کر تباہ۔ فورسز نے" علاقے کو گھیرے میں لے لیا۔ اگلے دن یعنی 3 مئی بروز منگل کو روزنامہ جنگ کراچی کی سرخی یہ تھی کہ " ایبٹ آباد میں امریکی آپریشن: اسامہ بن لادن ہلاک،لاش سمندر برد، پاکستان کے تعاون سے ٹھکانے تک پہنچے ،انصاف ہوگیا۔اوبامہ: کہا جارہا ہے کہ یہ آپریشن 40 منٹ میں مکمل کیا گیا لیکن اسی خبر کے اس خبر کے متن میں ایک عینی شاہد کا بیان بھی شائع ہوا ہے۔اور وہ بیان اس دعوے کی نفی کر رہا ہے عینی شاہد کے مطابق "کاکول کے قریب ٹھنڈا چوا کے علاقے میں فوجی کاروائی شروع ہونے کے کوئی 2 گھنٹے بعد

ایک دھماکے کے آواز سنائی دی، اس کے ساتھ ہی گولیاں چلنے کی آواز آئی، پھر توپ کے گولے کی طرح آواز سنی گئی انہوں نے کہا کہ اس کے ساتھ ہی ایک ہیلی کاپٹر ایک حویلی نما مکان کے باہر گر کر تباہ ہوگیا اور آگ لگ گئی" قارئین کرام اس کا مطلب یہ ہوا کہ اول تو ساری کاروائی 40 منٹ کے بجائے کم و بیش ڈھائی گھنٹے جاری رہی اور اس میں ہماری فورسز بھی شامل تھیں، ورنہ عینی شاہد فوجی کاروائی کا لفظ استعمال نہ کرتا۔ یہاں یہ بات بھی واضح رہنی چاہئے کہ 40 منٹ میں کاروائی کا سارا دعویٰ عالمی دہشت گرد اور جھوٹے امریکہ کی جانب سے کیا جا رہا ہے اور باقی سارا میڈیا امریکی بیان کو ہی آگے بڑھا رہا ہے۔

پھر اس کاروائی میں پاکستانی تعاون کا معاملہ بھی گھمبیر ہوتا جا رہا ہے۔ منگل کو شائع ہونے خبروں کے مطابق امریکی صدر باراک اوبامہ نے اسامہ بن لادن کی شہادت کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ "پاکستان کے تعاون سے ٹھکانے تک پہنچے ،انصاف ہوگیا۔اوبامہ۔ اسی روز پاکستانی وزیر اعظم سید یوسف رضا گیلانی نے ایبٹ آباد آپریشن کے حوالے سے بیان دیا کہ "اسامہ کے لئے انٹیلی جنس معلومات کا تبادلہ ہوا" 4 مئی روزنامہ جنگ کراچی کے صفحہ 12 شائع ہونے ایک خبر کے مطابق "امریکہ نے آپریشن کی تفصیلات سے ایک ہفتہ قبل آگاہ کردیا تھا: دونوں ممالک نے ہائی ویلیو ٹارگٹ سے متعلق اطلاعات کا تبادلہ کرکے آپریشن کی تفصیلات طے کیں" اس کے ساتھ ہی اگر 3 مئی کو شائع ہونے والے ترجمان دفتر

خارجہ کے بیان کو ملا کر پڑھا جائے تو صورتحال مزید واضح ہوتی ہے۔3 مئی کو روزنامہ جنگ کے صفحہ اول پر شائع ہونے والے ایک خبر میں ترجمان دفتر خارجہ نے فرمایا کہ امریکہ نے اپنی پالیسی کے تحت براہ راست کاروائی کی" ترجمان کے بیان کا لب ولہجہ یہ بتا رہا ہے کہ آپریشن ان کے لئے غیر متوقع نہیں تھا۔اسی دن روزنامہ جنگ کے صفحہ اول پر ہی ایک اور خبر بھی شائع ہوئی ۔اخبار کے نمائندے کے مطابق "اسامہ کے خفیہ ٹھکانے سے متعلق اہم معلومات آئی ایس آئی نے سی آئی اے تک پہنچائیں"۔ایک طرف یہ صورتحال کہ پاکستان کو اس آپریشن میں معاون ومددگار ثابت کیا گیا۔لیکن اس کے ساتھ ہی دوسری جانب کچھ دوسرے بیانات بھی سامنے آتے ہیں - منگل 3 مئی کو ہی روزنامہ جنگ میں ایک اور خبر بھی شائع ہوئی ہے جس کے مطابق "اسامہ بن لادن کے خلاف کاروائی سے پاکستان لاعلم تھا: امریکا۔خبر کے مطابق انسداد دہشت گردی کے امریکی سربراہ جان برینن نے اس بات کی واضح تردید کی کہ اسامہ بن لادن کے خلاف آپریشن میں پاکستان کا تعاون بھی شامل رہا ہے۔" بدھ 4 مئی کو امریکی خفیہ ادارے سی آئی اے کے سربراہ لیون پینیٹا نے باقاعدہ طور پر پاکستانی تعاون کی تردید کردی۔روزنامہ جنگ کراچی میں بدھ 4 مئی کو سی آئی اے کے سربراہ کا یہ بیان خبر شہ سرخی کے ساتھ جاری کیا گیا کہ "پاکستان کو بتاتے تو اسامہ بن لادن کے خلاف آپریشن ناکام ہوسکتا تھا: سی آئی اے چیف۔انہوں نے مزید کہا کہ " امریکہ نے کئی ماہ قبل ہی کاروائی کا سوچا تھا لیکن سی آئی سے کو پاکستان پر

بھروسہ نہیں۔پاکستانی حکام ٹارگٹ کو خبردار کردیتے: لیون پینیٹا کو امریکی جریدہ کو انٹرویو: ” دیکھا جائے تو یہ نام نہاد اسٹریٹجک پارٹنر کی انتہائی توہین اور پاکستانی حکام کے منہ پر ایک طمانچہ رسید کیا گیا ہے۔ حکام یہ سمجھتے ہیں کہ ہم امریکہ کی چاپلوسی کرکے اس کو خوش کرلیں گے لیکن امریکہ نے ہمیشہ اپنے دوستوں کے ساتھ ہی بیوفائی کی ہے دشمن تو اس کو ایسا سبق سکھاتے ہیں کہ یاد رکھتا ہے۔ویت نام اس کی ایک مثال) ہے) کیا خوب کہا تھا شاعر نے ع نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم ۔ نہ اِدھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

اس کے بعد امریکہ نے اسامہ بن لادن کی ہلاکت کی تصاویر جاری کرنے کا ڈرامہ کیا لیکن افسوس کہ یہ ڈرامہ بھی بہت برے طریقے سے ناکام ہوگیا۔1991 میں امریکیوں کے ہاتھوں ہلاک ہونے والے کسی نامعلوم فرد کی لاش کے چہرے کمپیوٹر گرافکس کے ذریعے اسامہ بن لادن کا چہرہ فٹ کردیا گیا لیکن یہ ڈرامہ اپنے آغاز کے چند گھنٹوں بعد ہی فلاپ ہوگیا۔

اس پر ہی بس نہیں کیا گیا بلکہ مزید ڈھٹائی کا ثبوت دیتے ہوئے ایک بار پھر اسامہ بن لادن کی لاش کی ایک نئی تصویر جاری کی گئی ۔ روزنامہ جنگ جمعرات 5مئی کی اشاعت میں صفحہ اول پر دو تصاویر شاع کی گئی. ایک تصویر کے متعلق دعویٰ کیا گیا ہے کہ یہ اسامہ بن لادن کے بیٹے یا گارڈ کی ہے جبکہ دوسری تصویر میں ایک امریکی سپاہی اسامہ بن لادن کی لاش کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے. تصاویر کے متعلق دعویٰ کیا گیا ہے کہ یہ ایبٹ آباد والے مکان میں آپریشن کے بعد لی گئیں ہیں لیکن جھوٹ کی حد یہ ہے کہ نامعلوم فرد کی لاش تو بالکل واضح اور صاف نظر آرہی ہے اور لیکن اسامہ بن لادن کی لاش کی تصویر "نائٹ وژن ' کیمرے سے لی گئی ہے اور دھندلی ہے. بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک ہی وقت میں ایک ہی جگہ ایک ہی فوجی آپریشن کے دوران دو تصاویر لی جائیں اور ایک تو بالکل واضح ہو جبکہ دوسری نائٹ وژن کیمرے سے لی گئی ہو.

(جاری ہے)

بارہ مئی 2007 اور 90 کی دہائی کی دہشت گردی کا ریکارڈ

12 مئی 2007 ہماری تاریخ کا ایک سیاہ ترین باب جب ایک فاشسٹ اور دہشت گرد گروہ نے ایک آمر مطلق کی خوشنودی حاصل کرنے اور اپنے دنیاوی اور وقتی اقتدار کو دوام بخشنے کی لاحاصل کوشش میں ملک کے سب سے بڑے شہر کو ایک مقتل میں تبدیل کردیا۔ پورے ملک کے میڈیا نے یہ سارے مناظر براہ راست نشر کئے۔ اور سارے ملک کے لوگوں نے اس دہشت گرد اور تخریب کار گروپ گروپ کی سفاکی اور امریکیت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اس دن کراچی شہر ایک جنگی قلعے میں تبدیل تھا ۔ کراچی کے ''دو نمبر'' ناظم شہر اور دہشت گردوں کے نمائندوں نے سارے وسائل اس ظلم کے لئے استعمال کئے۔ ذرا غور کیجئے، پولیس جو کہ سندھ گورنمنٹ کے ماتحت ہوتی ہے اور سندھ کا وزیر اعلیٰ ایک ایسا شخص تھا جو کہ ان دہشتگردوں کی آشیرباد سے مسند وزارت پر بیٹھا تھا اور گورنر ان کا حلف یافتہ اور دیرینہ کارکن ہے اس لئے پولیس کو سختی سے منع کردیا گیا کہ اس دن متحدہ کے دہشت گردوں کو کھلی چھوٹ ہے۔ کسی نے کچھ نہیں کرنا ہے۔ پھر مشیر داخلہ وسیم اختر جن کی ''طاقت گفتار'' اور ''اعلیٰ اخلاق'' کا مظاہرہ اہلیان پاکستان نے چند ماہ قبل ملاحظہ کیا جب پارلیمنٹ ہاؤس کے باہر انہوں نے اپنی لفاظی کے جوہر دکھائے اور مخالفین کی ماؤں بہنوں، کو سرعام لتاڑ دیا تھا۔ سیاست کے معرکے کو سر کرنے کے لئے چادر

اور چار دیواری کے تقدس کو بھی پامال کیا اور مخالفین کی ماں بہن تک کو ٹی وی اسکرین پر آن کیمرہ گالیاں دی گئیں، وہی وسیم اختر اس وقت مشیر داخلہ تھے اور انہوں نے بھی رینجرز اور پولیس کو کسی بھی معاملے میں مداخلت نہ کرنے کا کہا ہوا تھا۔

اس کے بعد کل تک لاروش ریسٹورنٹ کے مینیجر اور آج کے ایک بہت بڑے بلڈر، بابر غوری جو کہ اس وقت وزیر شپنگ اینڈ پورٹ تھے،انہوں نے پورٹ سے سینکڑوں کنٹینرز فراہم کرکے کے شہر کی ناکا بندی کی اور شکاریوں کی اصطلاح میں ''مچان باندھ'' کر مخالفین کا شکار کھیلا گیا۔ رہے دو نمبر سٹی ناظم تو انہوں نے سٹی گورنمنٹ نے اس دن اپنے نام نہاد جلسے کے انتظامات کے لئے سٹی گورنمنٹ کے سارے وسائل جھونک دیئے، سٹی گورنمنٹ کی گاڑیاں،اسنارکل،وغیرہ اور سٹی گورنمنٹ کا اسٹاف جلسے کے انتظامات میں جتے رہے۔یہی سارے لوگ اس وقت صوبہ سندھ کے عمومی اور کراچی کے تمام وسائل پر قابض تھے اور انہوں نے شہر میں قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا۔اور آج یہ لوگ عوام کو بیوقف بنانے کی کوشش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ '[اگر ایم کیو ایم کو اقتدار ملا تو یہ کردیا جائے گا،وہ کردیا جائے،انقلاب برپا ہوجائے گا وغیرہ وغیرہ'' لیکن یہی لوگ تو پچھلے بارہ سال سے اقتدار میں ہیں۔ جنرل مشرف کا دور ہو یا موجودہ پی پی پی کا دور ،یہی لوگ اہم وزارتوں پر فائز ہیں۔ عوام کی آنکھوں میں دھول

جھونکنے کے لئے روٹھنے ،اور حکومت سے باہر نکلنے کا ڈرامہ کیا جاتا ہے اور پھر مزید مراعات حاصل کرکے اسی حکومت کے ساتھ شامل ہوجاتے ہیں، یعنی کہ رند کے رند رہے۔ہاتھ سے جنت بھی نہ گئی۔

لیکن دوستوں ! بارہ مئی کو جو کچھ ہوا کیا وہ پہلی بار ہوا تھا؟ کیا اس سے پہلے شہر کراچی بالکل پرامن شہر تھا؟ کیا اس سے پہلے شہر میں ایسی قتل و غارت گری نہیں ہوئی تھی؟ ایسا نہیں ہے بلکہ اس سے پہلے بھی یہی گروہ شہر میں قتل و غارت گری اور مخالفین کو راستے سے ہٹانے کے کاموں میں سرگرم رہا ہے۔ بارہ مئی 2004 کو قومی اسمبلی کے حلقہ NA 147 پر ضمنی الیکشن کے موقع پر ایک ہی دن میں جماعت اسلامی کے نو کارکنوں کو شہید کیا گیا، لیکن چونکہ مرنے والے جماعت کے لوگ تھے اس لئے میڈیا نے اس واقعے کو اتنی اہمیت نہیں دی، اس وقت بھی اسی دہشت گرد اور قاتل موومنٹ کے کارکنوں نے ایک نشست کے لئے نو لاشیں گرا کر لوگوں کو یہ پیغام دیا گیا کہ یہ فاشسٹ اور دہشت گرد گروہ اپنے مفادات اور اقتدار کے لئے درجنوں بلکہ سینکڑوں انسانی جانوں کو ضائع کرسکتا ہے۔

یہ لوگ کراچی آپریشن کے حوالے سے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر کراچی آپریشن نہ کیا جاتا تو اس وقت پتہ نہیں کراچی کا کیا حال

ہوتا۔ یاد رکھیں کہ بارہ مئی 2007 اور بارہ مئی 2004 کو جو کچھ ہوا۔ یہ سب کچھ تو شہر کراچی کے عوام 1986 سے بھگت رہے ہیں۔ اس وقت سے شہر میں بوری بند لاشیں، بھتہ خوری، ٹارچر سیلز، مخالفین کو قتل کرنے کا کام جاری و ساری ہے۔ کراچی آپریشن کے ذریعے ان کو لگام دینے کی کوشش کی گئی تھی۔ یہاں ہم بینظیر بھٹو موحومہ کے دوسرے دور حکومت میں شہر کراچی میں ہونے والی قتل غارت گاری اور ڈکیتیوں کی صورتحال کی ایک ہلکی سی جھلک آپ کے سامنے پیش کریں گے اس کے بعد یہ فیصلہ کریں کہ کیا کراچی آپریشن درست نہیں تھا؟ یہاں یہ بات بالکل واضح ہونی چاہیئے کہ آج تو ہر واردات طالبان، امن کمیٹی، لینڈ مافیہ، اور اے این پی کے سر ڈال دی جاتی ہے ۔لیکن اس دور میں نہ تو امن کمیٹی تھی، نہ طالبان کا ظہور ہوا تھا اور نہ ہی اے این پی سیاسی طور پر اتنا اثر رسوخ رکھتی تھی کہ وہ شہر میں کوئی گڑبڑ کرا سکے۔ محترمہ بینظیر بھٹو کے دوسرے دور حکومت کا آغاز 20 اکتوبر 1993 سے ہوا اور چونکہ ایم کیو ایم اس سے قبل محترمہ کی پہلی حکومت سے الگ ہو کر ان کی مخالف ہو چکی تھی اور محترمہ کی پہلی حکومت کے دوران ہی سندھی مہاجر فسادات بھی کرائے گئے اس لئے محترمہ کی حکومت قائم ہونے کے ساتھ ہی اس کو غیر مستحکم کرنے کے لئے شہر میں قتل و غارت گری کا بازار گرم کردیا گیا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے اخراجات کو پورا کرنے کے لئے شہر میں ڈکیتیوں کی سینکڑوں وارداتیں کی گئیں یہ سارا ڈیٹا جو ہم یہاں پیش کریں گے ۔یہ اس وقت کے قومی اخبارات میں شائع ہوتا رہا

ہے۔

شہر میں سوختہ لاشیں ملنے کا سلسلہ شروع ہوگیا۔اسٹیل ٹاؤن کے22/10/1993
نالے سے 22سالہ نوجوان کی ایک سوختہ لاش ملی۔

کراچی میں سیاسی بحث کاالمناک انجام، پیپلزپارٹی کے کارکن کو قتل 23/10/1993
کردیاگیا۔

نومبر1993 کراچی میں پجیرو چھیننے پر مزاحمت پر فائرنگ، خاتون ہلاک ہوگئی۔2

نومبر1993لانڈھی میں پاک فوج نے ٹارچر سیل دریافت کیا۔14

نومبر1993 کراچی میں ڈکیتی کی متعدد وارداتیں،مزاحمت پر ڈرائیور کو قتل کردیا15
گیا۔

نومبر1993 کراچی میں تین دن میں 5 قتل ہوئے۔17

نومبر1993 کراچی میں ڈکیتی کی وارتوں میں اضافہ،ہ،مزاحمت پر ایک اور قتل22
کردیاگیا۔

دسمبر1993آئی آئی چندریگر روڈپر نوجوان کادن دیہاڑے قتل۔7

دسمبر1993پی آئی بی کالونی میں بم دھماکہ،ایک شخص ہلاک۔6زخمی۔16

ڈکیتیاں

اکتوبر1993 کراچی میں ڈاکوؤں نے 13لاکھ روپے سے زائد لوٹ لئے۔22

اکتوبر1993 کراچی میں ڈیڑھ درجن سے زائد ڈکیتی کی وارداتیں ہوئیں۔29

اکتوبر1993اورنگی میں صرافہ مارکیٹ میں چھے دکانیں لوٹ لی گئیں،دیگر 30
علاقوں میں بھی وارداتیں ہوئیں۔

نومبر1993 کراچی میں ڈکیتی کی دو درجن وارداتیں،ناظم آباد میں بینک سے 412
لاکھ روپے لوٹ لئے گئے، ایک چوکیدار کا قتل،نیو کراچی میں بھی بینک لوٹ لیا گیا۔

نومبر1993شاہ فیصل کالونی میں ڈکیتی، بینک کے سپاہی کی مشین گن بھی ڈاکو لے 5
گئے۔

نومبر1993 کراچی میں نو ڈکیتیاں مزحمت پر تین افراد کو گولی ماردی گئی۔8

نومبر1993 کراچی میں ڈیڑھ درجن سے سے زائد ڈکیتی کی وارداتیں، بینک کا15
چوکیدار اور اس کے رشتہ دار کا قتل،ڈھائی لاکھ روپے لوٹ لئے۔

نومبر1993 کراچی میں ڈکیتی کی 4 وارداتیں ہوئیں، قیمتی اشیاء، نقدی اور طلائی29
زیورات لوٹ لئے گئے۔

دسمبر1993 کراچی میں متعدد ڈکیتیاں لاکھوں روپے کے زیورات اور گاڑیاں اور5
گھڑیاں چھین لی گئیں۔

دسمبر1993جامعہ کراچی میں ڈکیتی،اسسٹنٹ پروفیسر کا گھر لوٹ لیا گیا۔7

دسمبر1993نیو ٹاؤن میں ڈاکو دفتر سے 4لاکھ روپے لوٹ کر لے گئے۔9

دسمبر1993 کرچی میں 8گاڑیاں اور لاکھوں روپے لوٹ لئے گئے، کراچی میں 11
ڈکیتی

میں ٹرکوں کا استعمال ،کاپر وائر اور دھاگے کے بورے چھین لئے گئے۔

29 دسمبر 1993 ائر پورٹ ٹرمینل میں واقع ڈاکخانہ لوٹ لیا گیا۔

یہ سارا ڈیٹا صرف ڈھائی ماہ یعنی 22 اکتوبر تا 29 دسمبر تک کا ہے اور اس میں اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کس قدر قتل وغارت گری اور چوری ،ڈکیتی اور گاڑیاں چھیننے کی وارداتیں ہوئی ہیں۔ انشاء اللہ ابھی ہم 1994 اور 1995 کا جائزہ بھی تاریخ وار آپکے سامنے پیش کریں گے۔

(جاری ہے)

ایبٹ آباد آپریشن اور تضاد بیانیاں: دوسرا اور آخری حصہ

اس آپریشن میں تعاون کے حوالے سے کچھ متضاد باتیں تو ہم نے آپ کو کالم کے آغاز میں بتائی تھیں اب اس میں زرا مزید تضاد بیانیاں ملاحظہ کیجئے۔ ایک طرف صدر پاکستان، وزیر اعظم پاکستان بڑھ چڑھ کر اس آپریشن میں اپنے تعاون کو اعلان کرتے ہیں بلکہ ہمارے وزیر اعظم تو بیگانی شادی میں عبد اللہ دیوانہ کے مصداق اس آپریشن کو ایک عظیم کامیابی قرار دیتے ہیں۔ منگل 3 مئی کو دفتر خارجہ کہتا ہے کہ ''امریکہ نے اپنی پالیسی کے تحت کاروائی کی''۔ کئی مفاد پرست کالم نگاروں نے اس کاروائی کو بالکل حق بجانب قرار دیا''' لیکن اگلے ہی روز پاکستان کا دفتر خارجہ اور عسکری ذرائع کچھ اور ہی کہانی بیان کرتے ہیں بدھ 4 مئی کو دفتر خارجہ کے ترجمان کا بیان شائع ہوتا ہے کہ '' سول اور عسکری قیادت 2 مئی کے آپریشن سے لاعلم تھی۔ پاکستان کے اندر کوئی اڈا ستعمال ہوا نہ پاک فوج نے معاونت دی، کاروائی کسی قاعدے کے تحت نہیں آتی ہے'' سوال یہ ہے کہ اگر کاروائی کسی قاعدے کے تحت نہیں آتی تو کیا اس بات کا آپ کو اچانک پتہ چلا؟ کیا ہمارے اتنے اہم شعبے کے ذمہ داران بین الاقوامی قوانین سے بالکل بھی ناواقف ہیں کہ پہلے دن تو کہا گیا کہ امریکہ نے اپنی پالیسی کے تحت کاروائی کی اور اگلے دن اس کی تردید فرمائی کہ کاروائی کسی قاعدے کے تحت نہیں آتی۔ اگر

کاروائی کسی قاعدے کے تحت نہیں آتی تو جنابِ والا ابھی تک امریکہ سے اس بات پر احتجاج کیوں نہیں کیا گیا؟ ابھی تک امریکی سفیر کو دفتر خارجہ بلا کر اپنا احتجاج ریکارڈ کیوں نہیں کرایا گیا؟ ابھی تک اقوام متحدہ میں اس حوالے سے کوئی رپورٹ کیوں نہیں کی گئی؟

تعاون کے حوالے سے جب بات کرتے ہیں تو پھر اس بات کو بھی مد نظر رکھنا چاہئے کہ جنرل کیانی نے اس واقعے کے بعد فوجی کمانڈروں سے مشاورت کی، کور کمانڈر کانفرنس میں امریکی آپریشن، پاکستان کو آگاہ نہ کرنے اور انٹیلی جنس معلومات نہ ہونے کا جائزہ لیا گیا" لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی دیکھیں کہ امریکہ، افغانستان اور پاکستان کے سہ فریقی اجلاس کے بعد جو مشترکہ اعلامیہ کیا گیا اس میں ایک بار پھر جنرل کیانی اور آئی ایس آئی کے بیان کی تردید کردی۔ مشترکہ اعلامیہ میں کہا گیا ہے " اسامہ کی ہلاکت مشترکہ کامیابی ہے، دہشت گردی کے خلاف تعاون جاری رہے گا: سیکرٹری خارجہ سلمان بشیر۔ اسی حوالے سے سیکرٹری خارجہ سلمان بشیر کا یہ بیان بھی مدِ نظر رہے کہ " اسامہ کے ٹھکانے سے متعلق دو سال قبل معلومات امریکہ کو دیدی تھیں: سیکرٹری خارجہ سلمان بشیر"۔

اب بات ہو جائے اس کمپاؤنڈ کی جہاں مبینہ طور پر اسامہ بن لادن کو شہید کیا

گیا۔ بدھ 4 مئی کو روزنامہ جنگ میں آئی ایس آئی کے ایک افسر کا بیان شائع ہوا جس میں وہ کہتے ہیں کہ " اسامہ جس مکان میں چھپا ہوا تھا اس کا علم 2003 سے تھا، اور آئی ایس آئی نے اسامہ کے ساتھی ابو الفرج اللبی کی تلاش میں (2003) میں یہاں چھاپا مارا تھا۔ آئی ایس آئی آفیسر"۔ یہ بیان ملک کے ایک مؤقر روزنامہ میں چھپا ہے اور یہ بیان کسی عام فرد کا نہیں بلکہ ائی ایس آئی کے ایک افسر کا ہے۔ لیکن اس کے برعکس ایک رپورٹ روزنامہ جنگ ہی میں جمعرات کو شائع ہوئی تھی وہ بھی ملاحظہ کیجئے اس رپورٹ میں ایبٹ آباد کے اسی کمپاؤنڈ کی تعمیر کرنے والے ٹھیکیدار کے حوالے سے خبر جاری کی گئی تھی کہ تفتیشی اداروں نے اس سے معلومات لینے کے بعد چھوڑ دیا اور اس خبر میں ٹھیکدار گل ملاح نے بتایا کہ " 2004 میں اس کمپاؤنڈ کی تعمیر شروع ہوئی اور 2005 کے تاریخی زلزلے سے دو ماہ قبل مکمل کیا گیا: ٹھیکدار گل ملاح"

اب مجھے بتائیں کہ اس میں ہم کس کی بات مانیں اگر آئی ایس آئی افسر کی بات درست مانتے ہیں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر تفتیشی اداروں نے کمپاؤنڈ کی تعمیر کرنے والے ٹھیکیدار کو غلط بیانی کرنے پر گرفتار کیوں نہیں کیا؟ اور اگر ٹھیکدار کی بات درست مانی جائے تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ آئی ایس آئی کے افسر نے غلط بیانی کیوں کی؟ اسی طرح مذکورہ آئی ایس آئی افسر والی خبر میں یہ بات بھی شامل تھی کہ " اسامہ کی یمنی نژاد بیوی نے بتایا تھا کہ وہ اس گھر میں چند ماہ پہلے ہی منتقل ہوئے تھے: آئی ایس آئی افسر"۔

ٹھیک ہے جی اب یہ دیکھیں کہ دس مئی کو اچانک تمام نجی چینلز پر غیر ملکی خبر رساں ادارے کے حوالے سے ایک خبر چلائی گئی کہ " اسامہ بن لادن کی یمنی نژاد بیوی نے بتایا ہے کہ وہ ایبٹ آباد والے مکان میں گزشتہ پانچ سال قبل منتقل ہوئے تھے۔ اور یہاں سے کہیں آتے جاتے نہیں تھے" اصولاً اس خبر کو یہاں ختم ہو جانا چاہئے لیکن خبر کو منفی تاثر دینے کے لئے اس میں یہ اضافہ بھی کیا گیا " یمنی نژاد بیوی سے اسامہ کی شادی نائین الیون سے ایک سال قبل ہوئی تھی جب اس کی بیوی کی عمر "صرف" اٹھارہ سال اور اسامہ کی عمر 43 سال تھی" یہاں شادی اور عمر کے ذکر کی بظاہر کوئی ضرورت نہیں تھی لیکن بڑی چالاکی سے اسامہ اور ان کی بیوی کی عمر کا فرق بیان کر کے ان کی شخصیت کو ایک منفی رخ دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

اب ذرا بات کرتے ہیں کہ اسامہ بن لادن کو مبینہ طور پر کس طرح شہید کیا گیا۔ اول اول جو خبر آئی وہ یہ تھی "امریکی کمانڈوز نے اسامہ بن لادن کو زندہ گرفتار کرنے کی کوشش کی لیکن مزاحمت پر ان کو سر میں گولی مار کر شہید کر دیا گیا۔" لیکن اس کے بعد دوسری خبر یہ آئی کہ اسامہ بن لادن کو پہلے گرفتار کیا گیا، اس کے بعد ان کا ڈی این اے ٹیسٹ کیا گیا، ڈی این اے ٹیسٹ کی رپورٹ وہیں کمپیوٹر کے ذریعے امریکہ بھجوائی گئی وہاں اسامہ بن لادن کی بہن کا ڈی این اے کا نمونہ موجود تھا، اس ڈی این اے کو ملایا، گیا اور تصدیق

ہونے کے بعد اسامہ بن لادن کو گولی مار کر شہید کردیا گیا'' غور کیجئے اس قدر افسانوی اور فلمی صورتحال پیش کی گئی ہے اور یہ تھیوری ایک معروف کالم نگار کہ جن کا قلم ہمیشہ حکومت وقت ہی کے حق میں لکھتا ہے اور جن کی گالیوں کی ٹیپ بھی انٹرنیٹ پر موجود ہے۔ موصوف نے یہ ساری کہانی بیان کی۔ لیکن اس کے بعد ایک تیسرا بیان بھی سامنے آیا کہ اسامہ بن لادن نے کوئی مزاحمت نہیں کی اور خود کو امریکی فوجیوں کے حوالے کردیا تھا لیکن انہوں نے اسامہ کے سر میں گولی مار کر انکو شہید کردیا اور مرحوم کی بارہ سالہ بیٹی اس کی گواہ ہے'' اب یہاں بھی ذرا غور کیجئے کہ اس قدر ہنگامہ آرائی اور قتل و غارت گری کے بعد جو زندہ افراد موجود تھے ان میں مرحوم کی ایک بیوی بھی شامل ہے، جو کہ ایک عاقل و بالغ اور سمجھدار خاتون ہیں لیکن ان کے بجائے موت کی شہادت بارہ سالہ بچی سے لی جارہی ہے جو کہ بجائے خود اس معاملے کو مشکوک بنادیتی ہے۔

اب ہم بات کرتے ہیں لاش کو دریا برد کرنے کی۔ اس پر بات کرنے سے پہلے ہم یہ بتاتے چلیں کہ اگر واقعتاً اسامہ بن لادن اس واقعے میں شہید ہوتے تو امریکہ کے لئے اس صدی کی اس سے بڑی خبر کوئی نہ ہوتی، امریکہ پوری دنیا کے اخباری نمائندوں کو ان کی لاش کی تصاویر دکھاتا اور گراؤنڈ زیرو پر جشن کا مزہ دوبالا کیا جاتا لیکن لاش کو سمندر برد کرنے کے دعوے سے یہ سارا معاملہ

مشکوک بن جاتا ہے۔ یہاں منگل دس مئی کو شائع ہونے والے ایرانی انٹیلی جنس افسر کے بیان کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ " اسامہ بہت پہلے ہلاک ہو چکے تھے، ٹھوس ثبوت موجود ہیں: ایران" یہ بیان دس مئی کو اخبارات کی زینت بنا ہے۔ اب ہم جائزہ لیتے ہیں لاش کو سمندر برد کرنے کے بیانات کا۔ پہلے کہا گیا کہ "لاش کو اس لئے سمندر برد کیا گیا کہ کوئی ملک اس کو لینے کو تیار نہ ہوتا: امریکی حکام (منگل 3 مئی) جبکہ اسی دن اخبارات میں امریکی حکام کا یہ بیان بھی شائع ہوا کہ " لاش کو اس لئے سمندر برد کیا گیا تاکہ اسامہ بن لادن کا مزار نہ بن جائے" امریکی حکام کہتے ہیں کہ کوئی ملک لاش کو لینے کو تیار نہ ہوتا جبکہ برطانوی اخبار نے دعویٰ کیا کہ امریکہ نے سعودی عرب کو لاش لیجانے کی پیش کش کی لیکن سعودی عرب نے انکار کر دیا اس کے بعد لاش کو سمندر برد کیا گیا۔ لیکن اگلے روز کے اخبارات میں سعودی عرب نے کہا کہ اسامہ کی لاش کو حوالے کرنے کی کوئی بات نہیں کی گئی" پھر ایک طرف کہا جاتا ہے کہ لاش کو اسلامی رسومات کی ادائیگی کے بعد سمندر برد کیا گیا لیکن اب ایک تازہ ترین بیان یہ آیا ہے کہ امریکی صدر نے سینیٹرز، انٹیلیجنس حکام کو کہا ہے اگر وہ چاہیں تو اسامہ بن لادن کی پوسٹ مارٹم کے بعد کی تصاویر دیکھ سکتے ہیں" یا اللہ یہ کون لوگ ہیں، جن کا کوئی دین ایمان نہیں ہے۔ 2 مئی سے لیکر 11 مئی تک کسی نے بھی اسامہ بن لادن کے پوسٹ مارٹم کا ذکر نہیں کیا اب اچانک انکشاف کیا جارہا ہے کہ 'پوسٹ مارٹم" کے بعد کی تصاویر

۔ غور کیجئے کہ تقریبا دو سے ڈھائی گھنٹے تک ایک آپریشن کیا جاتا ہے یعنی پاکستانی وقت کے مطابق رات کو تین بجے یہ آپریشن مکمل ہوتا ہے۔ اور پاکستانی وقت کے مطابق دن دو بجے کہا جاتا ہے کہ اسامہ کی لاش کو سمندر برد کردیا گیا یعنی گیارہ گھنٹے کے اندر اندر لاش پاکستان سے امریکہ بھی پہنچائی گئی،اس کے بعد لاش کا پوسٹ مارٹم بھی کیا گیا، لاش کا پوسٹ مارٹم کرنے کے بعد مبینہ طور پر سعودی عرب کو لاش لیجانے کی پیش کش بھی کی گئی، سعودی عرب نے منع بھی کردیا اس کے بعد لاش کو سمندر میں لیجایا گیا اور پھینکنے سے پہلے اس کی مبینہ طور پر اسلامی رسومات بھی ادا کی گئیں۔ صرف گیارہ گھنٹے میں ۔ جبکہ گیارہ گھنٹے بھی ہم نے خبر جاری ہونے حساب سے بتایا ہے کیوں کہ خبر کم از کم دو گھنٹے بعد جاری کی گئی ہوگی۔ گویا کہ محض نو گھنٹے میں یہ سارے کام پایہ تکمیل تک پہنچائے گئے۔

پھر ایک شوشہ یہ چھوڑا گیا کہ ” امریکی صدر، نائب صدر اور وزیر خارجہ نے وہائٹ ہاؤس میں اس آپریشن کی کاروائی براہ راست دیکھی، لیکن جب اسامہ کی تصاویر سے متعلق سوال کیا گیا تو جواب آیا کہ کاروائی تو براہ سات وہائٹ ہاؤس میں دیکھی گئی لیکن سیٹلائٹ اسامہ کی تصاویر لینے میں ناکام رہا“ اور اس کے چند دن بعد سی آئی اے کے سربراہ لیون پینیٹا فرماتے ہیں کہ ” امریکی صدر نے آپریشن کی کاروائی براہ راست نہیں دیکھی“۔

قارئین کرام جھوٹ اور مکر وفریب کا یہ سلسلہ پتا نہیں کہاں تک جائے گا۔ ہم نے تو صرف اپنے محدود علم اور اخبارات میں شائع ہونے والے خبروں میں ہی اتنی تضاد بیانیاں دیکھ لی ہیں لیکن اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ابھی مزید کتنے نئے انکشافات اور تضادات سامنے آئیں گے۔ فی الحال ہم اپنے اس سلسلے کو یہی ختم کرتے ہیں اور اگر مزید اس بارے میں مواد ملا تو پھر آپ لوگوں کی خدمت میں حاضر ہونگے۔

کوئٹہ میں جعلی پولیس مقابلہ ! حقائق کیا ہیں؟

صوبہ بلوچستان ایک طویل عرصے سے بدامنی کی لپیٹ میں ہے۔ یہاں آئے دن بم دھماکے، گیس لائن کو نقصان پہنچانا،اور ٹارگٹ کلنگ کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔ یہاں کی قوم پرست تنظیموں کا کہنا ہے کہ خفیہ ایجنسیاں اور ایف سی یہاں کے امن کی خرابی کی ذمہ دار ہے۔ صوبہ بلوچستان میں ایک خاص بات یہ ہے کہ یہاں سب سے زیادہ نوجوان لاپتہ ہوتے ہیں۔ مقامی افراد کا ماننا ہے کہ خفیہ ایجنسیاں اور ایف سی کے اہلکار ہمارے نوجوانوں کو اغوا کرکے لیجاتے ہیں اور پھر ان کو ماوارائے عدالت مقابلوں میں مار دیا جاتا ہے۔ گزشتہ روز بھی کوئٹہ سے چار مسخ لاشیں برآمد ہوئی ہیں۔ لیکن گزشتہ روز یعنی 17 مئی کو کوئٹہ میں پیش آنے والے واقعے نے صوبے میں ایف سی کے کردار اور پولیس مقابلوں ہونے والی ہلاکتوں پر ایک سوالیہ نشان لگا دیا۔

ابتدائی اطلاعات کے مطابق کہا گیا کہ کوئٹہ میں چمن بارڈر کے نزدیک ایف سی چیک پوسٹ پر مبینہ طور پر پانچ خود کش حملہ آوروں کو جن میں تین خواتین بھی شامل تھیں ،پولیس مقابلے میں ہلاک کردیا گیا۔ سی سی پی او کوئٹہ نے تو تفصیلات بتاتے ہوئے یہاں تک کہا کہ "ان خود کش حملہ آوروں

کو پولیس کی ایک چوکی پر روکا گیا جہاں پر انہوں نے خود کش جیکٹ دکھا کر کہا کہ ہم خود کش حملہ آور ہیں جس کے بعد پولیس نے انہیں روکنے کی کوشش نہیں کی اور اس کے بعد یہ پانچوں حملہ آور ایف سی کی چیک پوسٹ پر پہنچے جہاں انہوں نے خود کش حملہ کرنے کی کوشش کی لیکن اس سے پہلے ہی ایف سی کے اہلکاروں نے ان پر فائر کھول دیا اور کسی کو سنبھلنے کا موقع نہیں مل سکا اور یوں یہ پانچو ں خود کش حملہ آور موقع پر ہی ہلاک ہوگئے۔" اس کے بعد دوسری خبر یہ آئی کہ "ایف سی اہلکاروں نے انکو روکنے کی کوشش کی تو ان ملزمان نے ایف سی پر فائرنگ کردی اور ایف سی کی جوابی فائرنگ سے چار ملزمان ہلاک جبکہ ایک خود کش حملہ آور نے خود کو دھماکے سے اڑا دیا" ایف سی اور پولیس کے مطابق مبینہ حملہ آوروں نے خود کش جیکٹ پہن رکھی تھیں۔ انکے جسموں پر ہینڈ گرینیڈ بھی بندھے ہوئے تھے اور وہ مسلح بھی تھے۔

لیکن یہاں کچھ سوالات پیدا ہوئے کہ اگر ایک خود کش حملہ آور نے خود کو اڑا دیا تو دیگر کیسے محفوظ رہے؟ ان کی خود کش جیکٹس اور ہینڈ گرنیڈ کیوں نہ پھٹے؟ اور میڈیا کے نمائندوں نے ایک سوال یہ بھی اٹھایا کہ لاشوں کی پوزیشن یہ بتاتی ہے کہ ان کو یہاں لا کر مارا گیا ہے یا پھر کہیں اور سے مار کر یہاں ڈالا گیا۔ جب اس مقابلے کے بارے میں شکوک

پیدا ہوئے تو پھر چند ہی گھنٹوں بعد ساری حقیقت کھل کر سامنے آئی کہ "بہادر" پولیس اور ایف سی اہلکاروں نے ان نہتے نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کو چوکی کے سامنے فائرنگ کرکے ہلاک کیا ہے۔ نجی چینلز پر وہ فوٹیج بھی دکھائی گئی کہ پانچوں ہلاک شدگان ایف سی کی چیک پوسٹ کے سامنے لیٹے ہوئے ہیں اور ایف سی اہلکار ان پر گولیاں برسا رہے ہیں۔ جبکہ ایک لڑکی ہاتھ اٹھا کر ان سے زندگی کی بھیک مانگ رہی ہے لیکن اہلکاروں نے فائرنگ نہیں روکی اور ان کو وہیں قتل کردیا۔ جبکہ ہمارے پاس موجود دو تصاویر یہ ظاہر کرتی ہیں کہ ان لوگوں کو قتل کرنے سے پہلے ان کے ہاتھ پیر باندھے گئے تھے۔

اس جعلی مقابلے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بلوچستان کے قوم پرست رہنما اور ناراض بلوچ نوجوان بالکل درست کہتے ہیں کہ صوبہ میں بدامنی کی ذمہ دار ایف سی ہے۔ اگرچہ صوبہ بلوچستان کی صورتحال میں ہم بھارت کے ہاتھ کو نظرانداز نہیں کرسکتے اور یہ بات درست بھی ہے کہ بلوچستان میں بدامنی میں بھارت بہت زیادہ ملوث ہے لیکن ہم بھارت کو تو بعد میں کچھ کہیں گے پہلے ہمیں اپنی قانون نافذ کرنے والی ایجنسیوں کو لگام دینے کی ضرورت ہے۔ یہ واقعہ تو چونکہ بہت بڑا تھا اور اس میں غیر ملکیوں کی ہلاکت ہوئی ہے اس لئے اس میں میڈیا نے غیر معمولی دلچسپی لی اور سارے معاملے کو بے

نقاب کیا۔ لیکن کتنے ہی بے گناہ نوجوان ایسے ہیں جو پہلے لاپتہ کئے جاتے ہیں اور پھر ان کی لاشیں برآمد ہوتی ہیں۔ان کے قتل کی کہانیاں کب بے نقاب ہونگی؟

بہرحال اب حکومت کو چاہئے کہ وہ اس معاملے کو معمول کا کوئی واقعہ سمجھ کر نظرانداز نہ کرے بلکہ واقعے میں ملوث ایف سی اہلکاروں کو قرار واقعی سزا دے اور بلوچ نوجوان میں پائی جانی والی بے چینی کو ختم کرنے کے اقدامات کئے جائیں اور ان کے جائز مطالبات کو تسلیم کیا جائے تاکہ بلوچ نوجوان اپنی ناراضگی ختم کرکے قومی دھارے میں شامل ہوسکیں۔

نوے کی دہائی کی دہشگردیوں کا ریکارڈ: دوسرا حصہ

جنوری1994

ڈکیتیاں:

5 جنوری : کراچی میں ڈکیتی کی 18 وارداتیں، مزاحمت کرنے پر دو سگے بھائی ہلاک کردئے گئے۔

9 جنوری : کراچی شہر میں درجن بھر ڈکیتیاں

10 جنوری: دودھ کے بیوپاری سے 8لاکھ روپے چھین لئے گئے

12 جنوری: نارتھ ناظم آباد میں تربیتی مرکز میں ڈکیتی، ایک شخص کو گولی ماردی گئی

14 جنوری: 8 کلینک، شادی ہال اور پیٹرول پمپ سمیت 18 مقامات کر کراچی میں ڈاکے۔

31 جنوری: جوڑیا بازار میں ڈکیتی، مزاحمت پر تاجر کو قتل کردیاگیا

قتل وغارت گری: دہشت گردی،، ہنگامہ آرائی:

5 جنوری: شادی شدہ عورت کی عصمت دری کرکے پانچویں منزل سے نیچے پھینک دیا گیا، کراچی میں مزید تین افراد کا قتل

9 جنوری: کراچی سٹی کورٹ میں ہولناک دھماکہ ،ایس ڈی ایم زخمی، گاڑیاں اور موٹر سائیکل تباہ، 8افراد بھی زخمی،

10 جنوری: لانڈھی میں دو بسیں نزرآ آتش، تیسری بس پر فائرنگ

جنوری: کورنگی اور گلزار ہجری میں خاتون سمیت تین افراد کا قتل، تین سالہ بچی 23
فائرنگ سے زخمی

جنوری، لاڑکانہ جانے والی کوچ پر فائرنگ، مسافر ہلاک، تین زخمی 23

فروری 1994

:ڈکیتیاں۔لوٹ مار ہنگامہ آرائی

یکم فروری: نارتھ ناظم آباد میں 3 لاکھ روپے اور 50 تولہ سونے کی ڈکیتی، تین کاریں
اور ٹیکسی بھی چھین لی گئیں

فروری نیپئر روڈ پر بنک سے 50 لاکھ 26 ہزار روپے لوٹ لئے گئے۔ 8

فروری: کراچی میں ڈکیتی کی 13 وارداتیں، لاکھوں روپے کا قیمتی سامان لوٹ لیا گیا 11

فروری: کراچی میں کار چھیننے میں مزاحمت پر تاجر کو قتل کردیا گیا 17

:فروری: رضویہ مارکیٹ میں بینک لوٹ لیا گیا 23

فروری: ڈاکوؤں نے لیبر بورڈ میں تنخواہ کے چار لاکھ روپے لوٹ لئے 23

:فروری: کراچی میں متعدد ڈکیتیاں، متعدد گاڑیاں چھین لی گئیں 28

قتل و غارت گری، ہنگامہ آرائی، دہشت گردی

یکم فروری: ضلع شرقی میں زبردست ہنگامہ آرائی، چار افراد ہلاک، متعدد گاڑیاں

نذر آتش۔ کورنگی نمبر تین میں کوچ پر فائرنگ سے دو افراد جاں بحق، 5 زخمی، ایک خاتون گھر میں گولی لگنے سے ہلاک ہو گئیں

فروری: کراچی میں ہڑتال: دو افراد ہلاک، متعدد گاڑیاں جلادی گئیں۔ 4

فروری: اپوا کالج کی پروفیسر سنجیدہ سمیت کراچی میں تین افراد کا قتل 12

فروری: نارتھ ناظم آباد میں پولیس کی فائرنگ سے ایم کیو ایم الطاف گروپ کا 18 کارکن (تنویر) چاکنگ کرتے ہوئے ہلاک ہو گیا۔

فروری: ایم کیو ایم کے ہلاک ہونے والے کارکن تنویر کی تدفین کے موقع پر ہنگامہ 20 آرائی کی گئی، کراچی میں آتش زنی، توڑ پھوڑ کے واقعات

مارچ 1994

:ڈکیتیاں۔لوٹ مار ہنگامہ آرائی

مارچ: ناگن چورنگی پر ڈاکوؤں کی فائرنگ سے پولیس کا سپاہی جاں بحق 5

مارچ: سیکورٹی کمپنی کی وین لوٹ لی گئی، ایک ڈاکو ہلاک، دیگر ڈاکو ساڑھے سولہ لاکھ 7 روپے لیکر فرار، وین اور ساتھی کی نعش چھوڑ گئے۔مزاحمت پر دکان دار قتل

مارچ: ڈیفنس میں اے مارکیٹ کے بنک لاکر سے ملکی اور غیر ملکی کرنسی اور زیورات 7 لوٹ لئے گئے

مارچ: کراچی میں ڈکیتی کی ایک درجن وارداتیں، بینک لوٹ لیا گیا: عید کے موقع 9

پر ڈاکوؤں کی سرگرمیاں بڑھ گئیں

مارچ: کراچی میں چنگی ناکے سے 5 لاکھ روپے لوٹ لئے گئے۔22

مارچ: نارتھ ناظم آباد میں ڈکیتی کی لرزہ خیز واردات، ڈاکوؤں نے گھر میں گھس 29 کر بحریہ کے سابق کیپٹن کو گولی ماردی۔

مارچ: شہر میں ڈکیتی کی درجنوں وارداتیں، کئی گھر لوٹ لئے گئے۔ 30

قتل وغارت گری: دہشت گردی،، ہنگامہ آرائی :

مارچ: نیو کراچی میں مسجد الاخوان اور رکن قومی اسمبلی مظفر احمد ہاشمی کے دفتر پر 2 حملہ۔ شرپسندوں نے دو افراد کو زخمی کردیا

مارچ: لیاقت آباد عید بازار میں اندھا دھند فائرنگ، دو افراد جاں بحق۔ چار 4 زخمی، فائرنگ تین دہشت گردوں نے کی۔ دہشت گردوں نے کورنگی، گلشن اقبال، نیو کراچی، پاک کالونی، بلدیہ ،شاہ فیصل کالونی، ملیر، میں بھی فائرنگ کی۔ ایم کیو ایم کے مشتعل کارکنوں نے تین گاڑیاں جلادیں، عارف صدیقی کی پٹائی کا ردعمل

مارچ: ایم کیو ایم نے کراچی کو یرغمال بنا کر متوازی حکومت قائم کررکھی تھی۔ میجر 9 کلیم اور ان کے ساتھیوں کے جسموں پر تشدد کے نشانات تھے۔ میجر کلیم اور ان کے ساتھیوں کو برہنہ کیا گیا۔ بریگیڈئر سلیم کا خصوصی عدالت میں بیان

مارچ: بلدیہ ٹاؤن میں رینجرز کا کپتان، بلدیہ کا ایس ایچ او سمیت پانچ افراد 17 ہلاک، سیکٹر 4 اور 5 میں کرفیو :

بلدیہ ٹاؤن کے واقعے سے ایم کیو ایم کا کوئی تعلق نہیں: رابطہ کمیٹی کا اعلان

مارچ: غیر اعلانیہ کرفیو زدہ بلدیہ ٹاؤن میں دو پولیس اہلکاروں کی پر اسرار ہلاکت۔20

مارچ: کراچی کے ایک درجن علاقوں میں فائرنگ،گیارہ افراد زخمی، شہر میں خوف 21 وہراس

مارچ: فوج نے ایم کیو ایم کے خطرناک دہشت گرد اسرار احمد کو لانڈھی سے گرفتار 21 کرلیا،اسلحہ فراہم کرنے اور میجر کلیم کے اغواء میں ملوث ہے۔

مارچ: کلفٹن میں دھماکہ،لانڈھی میں فائرنگ،ایک شخص ہلاک، متعدد زخمی۔ سخی 27 حسن کے قریب منی بس کو نذر آتش کردیا گیا۔

مارچ: کراچی میں ہڑتال، فائرنگ سے تین فراد ہلاک، متعدد زخمی، متعدد گاڑیاں 28 جلادی گئیں۔ تین بینک، ریلوے بکنگ آفس بھی نذر آتش۔ایمبولینس اور کئی گاڑیاں چھین لی گئیں۔ تعلیمی ادارے،ٹرانسپورٹ اور تجارتی مراکز بند رہے۔

اپریل1994

:ڈکیتیاں۔لوٹ مار ہنگامہ آرائی

اپریل: کراچی میں ہائی کورٹ کے جج،اور جرمنی قونصل خانہ کی گاڑیاں چھین لی 3 گئیں۔ سندھ سیکرٹریٹ کے ملازمین کی تنخواہیں لوٹ لی گئیں۔ڈاکوؤں نے پولیس

اہلکار کو گولی ماردی۔

اپریل: ڈاکوؤں نے کراچی میں چار گاڑیاں اور لاکھوں روپے لوٹ لئے۔7

اپریل:کے ممتاز تاجر عبدالستار ہاشوانی کے بیٹے الطاف ہاشوانی کو ریسٹورینٹ کے باہر10 سے اغواء کرلیا گیا۔

اپریل: بینظیر کے سسر حاکم علی زرداری کی گاڑی سمیت کراچی میں دس گاڑیاں چھین24 لی گئیں

: قتل وغارت گری: دہشت گردی،، ہنگامہ آرائی

اپریل: (ایم کیو ایم حقیقی کے چئیر مین) آفاق احمد نے کہا ہے کہ الطاف حسین کو1 پاکستان لاکر پھانسی دی جائے۔سانحہ بلدیہ ٹاؤن، ناہید بٹ اور ہمارے 50کارکنوں کی ہلاکت کی عدالتی تحقیقات کرائی جائیں۔

اپریل: سابق رکن قومی اسمبلی ریحان عمر فاروقی کو کراچی میں قتل کردیا گیا16

اپریل: امام بارگاہ علی رضا میں فجر کے وقت بم دھماکہ ۔پیش امام سمیت چھے 17 نمازی زخمی ہوگئے۔

اپریل: ایم کیو ایم کے یونٹ انچارج کو اغواء کے بعد قتل کردیا گیا۔22

اپریل: خصوصی عدالت کے جج احمد علی جونیجو کے بھتیجے کو گولی مار کر ہلاک کردیا گیا۔28

اپریل: لیاقت آباد میں ایم کیو ایم کے کارکنوں اور پولیس میں مسلح تصادم، دو افراد30 ہلاک، متعدد زخمی۔دونوں طرف سے فائرنگ کا تبادلہ۔

مئی 1994

یکم مئی : (ایم کیوایم کے) یوم سوگ کے پہلے دن شدید ہنگامہ آرائی، سات افراد ہلاک، کراچی کی تمام سڑکوں پر ایم کیوایم کا راج۔ دو درجن سے زائد زخمی، 35 گاڑیاں نذر آتش۔

3 مئی : کراچی میں 48 گھنٹوں کے دوران 10 افراد ہلاک ہوئے، پولیس کنٹرول کرنے میں ناکام، فوج کا کنٹرول۔ چار روز میں مجموعی طور پر 19 افراد ہلاک ہوئے

4 مئی : کراچی میں فسادات کے پانچویں روز چھے افراد ہلاک ہوگئے۔ الطاف حسین نے کہا ہے کہ پیپلز پارٹی حقوق نہیں صرف وزارتیں دینا چاہتی ہے (آج ایم کیوایم صرف وزارتوں پر ہی خوش ہے)

5 مئی : کراچی کے مختلف علاقوں میں فائرنگ کا سلسلہ جاری ۔ ایک نوجوان ہلاک، 7 زخمی ہوگئے۔

7 مئی : کراچی میں چار افراد کو سفاکی سے قتل کردیا گیا

14 مئی : الطاف گروپ کے 10 دہشت گرد گرفتار کرلئے: پولیس کا دعویٰ

14 مئی : پریڈی کے علاقے میں دکان پر ڈکیتی، ویڈیو کیمرے اور وی سی آر لوٹ لئے گئے۔

20 مئی : ایدھی ایبولینس چھیننے کے الزام میں ایم کیوایم کے دو کارکن گرفتار۔

25 مئی : الخدمت جماعت اسلامی سینکڑوں کھالیں الطاف گروپ کے مسلح کارکنوں نے

چھین لیں

مئی: ملیر توسیعی میں فائرنگ ایک نوجوان ہلاک30

مئی: منصور چاچا کے دست راست منصور حسن کو قتل کردیا گیا31

کوئٹہ جعلی پولیس مقابلے کا ڈراپ سین

خروٹ آباد میں ہونے والے جعلی پولیس مقابلے کا معاملہ تو اب بالکل کھل کر سامنے آگیا ہے اور جو بات ہم نے کہی تھی وہی باتیں سامنے آرہی ہیں۔اس پورے جعلی مقابلے کے ڈرامے کا ڈراپ سین ہوگیا ہے۔لیکن ایک بات عرض کردیں کہ جس وقت ہم نے آرٹیکل پوسٹ کیا تھا اس سے پہلے ہی یہ خبریں آگئی تھیں کہ یہ مقابلہ مشکوک اور جعلی ہے لیکن اس کے باوجود ہمارے کچھ دوستوں نے اپنی دلی بغض کے باعث منفی تبصرے کئے یہ تبصرے دراصل اس بات کو ظاہر کرتے ہیں کہ مخالفین کو جماعت اسلامی سے اللہ واسطے کا بیر ہے اور چاہے جماعت اسلامی کوئی بھی بات کرے انہوں نے اس کی مخالفت ہی کرنی ہے۔ بالخصوص ہماری ویب پر کچھ ایسے لوگ موجود ہیں جو جماعت اسلامی پر جا و بے جا تنقید کرنا فرضِ عین سمجھتے ہیں۔ ہماری ان سے یہی درخواست ہے کہ محترم جماعت اسلامی اختلاف اپنی جگہ ہے لیکن کم از کم جو باتیں درست ہیں ان کو محض اس وجہ سے غلط نہ کہیں کہ وہ باتیں سلیم اللہ نے کہی ہیں تو اب اس کو ماننا نہیں ہے۔ یہ طریقہ درست نہیں ہے مجھ اس اختلاف ہے،جماعت اسلامی سے اختلاف ہے تو بات کریں بالکل اس پر تنقید بھی کریں لیکن سچ کو سچ ہی کہیں۔ محض اپنی دلی عداوت کی بنا پر حق کو نہ دبائیں۔ ویسے ان دوستوں ں کے ان منفی تبصروں سے ہماری یہ بات درست ثابت ہوئی کہ جماعت

اسلامی کے خلاف ہمیشہ جھوٹے اور بے بنیاد الزامات لگائے جاتے ہیں۔ دیکھیں سیدھی سی بات ہے کہ ایک ایسا واقعہ جس کی فوٹیج میڈیا پر دکھائی گئی، اخبارات نے اس کو مشکوک معاملہ کہا اور بعد میں ثابت بھی ہوا لیکن اس کے باوجود محض جماعت اسلامی سے بغض اور عداوت کے باعث جب ایک اتنے بڑے واقعے کو جھٹلانے کی کوشش کی گئی تو اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جماعت اسلامی پر جو الزامات لگائے جاتے رہے ہیں ان کی حقیقت کیا ہے۔

اب ہم اس واقعے کی جانب آتے ہیں۔ اس پورے ڈرامے کا ڈراپ سین یہ ہے کہ یہ بدقسمت خاندان افغانستان سے براستہ پاکستان ایران جارہا تھا۔ خاندان میں پانچ افراد شامل تھے جس میں گھر کا خاندان کا سربراہ جس کی عمر کا اندازہ پینتالیس سال لگایا گیا ہے۔اس کی پینتیس سالہ بیوی، دو بیٹیاں اور ایک بیٹا جن کی عمریں اٹھارہ سے بائیس سال کے درمیان تھیں۔اخباری اطلاعات کے مطابق اس خاندان نے کچلاک سے کوئٹہ جانے کے لئے گاڑی کرایہ پر گاڑی حاصل کی، روانگی کے فوراً بعد کچلاک تھانے کے اہلکاروں نے ان سے رشوت طلب کی اور بھتہ لیکر چھوڑ دیا لیکن اس کے ساتھ ہی اگلی چیک پوسٹ پر اطلاع دی کہ "اس نمبر کی گاڑی میں غیر ملکی ہیں، موٹی اسامی ہیں اپنا حصہ وصول کرلینا" یہ خاندان جب بلیلی چیک پوسٹ پر پہنچا تو یہاں بھی ان سے رشوت طلب کی گئی اور رقم لیکر آگے جانے دیا گیا لیکن اگلی چوکی پر اطلاع کردی گئی ۔ یہ خاندان

جب ائیر پورٹ تھانے کی چوکی پر پہنچے تو اس وقت تک انکے پاس نقد رقم ختم ہو چکی تھی
بعض اطلاعات کے مطابق بہت کم رہ گئی تھی) پولیس نے ان کو اتار دیا اور ان کے)
ہاتھ باندھ کر ان سے رشوت دینے کے لئے دباؤ ڈالتے رہے لیکن غیر ملکیوں نے کہا
کہ ہمارے پاس رقم ختم ہو گئی ہے۔اطلاعات کے مطابق پولیس کے ایک اے ایس آئی
اور دیگر سپاہیوں نے رقم نہ ملنے پر غیر ملکی خاتون سے بد تمیزی شروع کی اور ان کے
ساتھ نازیبا حرکات کرنا شروع کی،جب انہوں نے خاتون کو جنسی ہراساں کرنے کی
کوشش کی تو غیر ملکیوں میں سے ایک نے نازیبا حرکات کرنے والے اہلکار کے منہ پر
گھونسہ جڑ دیا اور بھاگ نکلے، یہ افراد بھاگتے ہوئے ایف سی کی چوکی کے نزدیک پہنچے اور
چوکی کی دیوار کے ساتھ پناہ لیکر بیٹھ گئے کہ اس دوران پولیس اہلکاروں نے مزید نفری
طلب کرکے ان کو گھیر لیا اور فائرنگ شروع کر دی، فائرنگ کے دوران ایف سی کی
نفری بھی پہنچ گئی، پولیس نے ان سے کہا کہ یہ غیر ملکی خود کش حملہ آور ہیں اور ان کے
پاس ہینڈ گرنیڈ اور جیکیٹس ہیں جس کے بعد ایف سی کے اہلکاروں نے بھی فائرنگ
شروع کر دی، اس دوران ایک خاتون ہاتھ اٹھا کر فائرنگ روکنے کا اشارہ کرتی رہی اور
لیکن فائرنگ نہ روکی گئی اور اس طرح ان پانچوں نہتے غیر ملکیوں کو ہلاک کر دیا گیا۔"
جبکہ ایسی اطلاعات بھی ہیں کہ پولیس نے ان کے ہاتھ باندھ کر ان کو ایف سی کی چوکی
جانب روانہ کیا اور ایف سی اہلکاروں سے کہا یہ خود کش ہیں حملہ کرنا چاہتے ہیں اس کے
بعد ان کو ایف سی کی چوکی کے نزدیک ہی

قتل کیا گیا۔

ابتداء میں تو پولیس نے روایتی طور پر خود کش حملے کا ڈرامے چلانے کی کوشش کی لیکن جب یہ ڈرامہ نہ چل سکا تو لاشوں کا پوسٹ مارٹم نہ ہونے دیا گیا، واقعے کے اگلے روز جب سی سی پی او کوئٹہ دوؤد جونیجو نے پریس کانفرنس کی اور وہاں جب صحافیوں‌نے ان سے سوالات کئے تو نہ صرف یہ کہ وہ ان کے تسلی بخش جوابات نہ دے سکے بلکہ اپنے گزشتہ روش کے بیان سے بھی مکر گئے کہ ان کو فائرنگ سے ہلاک کیا گیا بلکہ انہوں نے ایک نئی بات کہی یہ سارے کے سارے بم پھٹنے کے نتیجے میں ہلاک ہوئے ہیں۔ لیکن یہاں ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے کہ جیسا کہ ثابت ہوا کہ غیر ملکی غیر مسلح تھے تو ایف سی کا اہلکار کیسے جاں

بحق ہوا؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ کسی اہلکار نے اپنی کسی ذاتی رنجش کا بدلہ لینے کے لئے اپنے ہی ساتھی کو تو ہلاک نہیں کر دیا؟ یا پھر کہیں اس اہلکار نے سارے واقعے کو بے نقاب کرنے کا ارادہ کر لیا تھا جس کے بعد اس کو راستے سے ہٹایا گیا؟ کیوں کہ واقعے کے ابتدائی چند گھنٹوں تک تو سی سی پی او کوئٹہ اور ایف سی کے ذمہ داران نے میڈیا پر آن لائن یہ کہا کہ ہمارا کوئی جانی نقصان نہیں ہوا اور نہ ہی کوئی ساتھی زخمی ہوا ہے۔ تو پھر یہ اہلکار کیسے ہلاک ہوا۔ ابھی راز کھلنا بھی باقی ہے۔

کوئٹہ، خروٹ آباد واقعے میں ہلاک ہونے والی خاتون، جس کے پیٹ میں سات ماہ کا بچہ تھا اور وہ بھی پولیس کی گولیوں کا نشانہ بنا، کی پوسٹ مارٹم کے بعد لاش بی ایم سی ہسپتال میں رکھی ہوئی ہے۔

گزشتہ روز پولیس کے نا چاہنے کے باجود دباؤ کے باعث لاشوں کا پوسٹ مارٹم کیا گیا تو انکشاف ہوا کہ ایک خاتون تو سات ماہ کی حاملہ بھی تھی۔ کیا دہشت گرد ایسے ہوتے ہیں؟

کچھ لوگوں نے ہم پر اعتراض کیا کہ ہم فوج اور قانون نافذ کرنے والے اداروں پر ہونے والے حملوں کی تو مذمت نہیں کرتے لیکن دہشت گردوں کی حمایت میں کالم لکھتے ہیں تو میں ایسے ساتھیوں کی خدمت میں کچھ باتیں عرض کرنا چاہیں گے۔ پہلی بات تو یہ کہ ملک میں ہونے والے دہشت گردی کے واقعات میرے لیئے بھی اتنے ہی دکھ اور تکلیف کا باعث ہوتے ہیں جتنے کے کسی اور کے لئے ہو سکتے ہیں اور ہم ان واقعات کی مذمت کرتے بھی رہتے ہیں۔ دوسری بات یہ کہ دہشت گرد میری یا آپ کی مذمت سے نہیں رکتا، وہ آپ کے ملک کے قوانین کو نہیں مانتا، وہ آپ سے کوئی سرکاری طور پر ریلیف حاصل نہیں کرتا بلکہ وہ قانون اور معاشرے کی نظر میں ایک مجرم ہے۔ جبکہ اگر ایک سرکاری اہلکار کوئی جرم کرتا ہے بالخصوص وردی والا تو اس کے جرم کی شدت کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔ نمبر ایک وہ قانون کی پاسداری کا حلف اٹھاتا ہے اور قانون شکنی کا مرتکب ہوتا ہے۔ نمبر دو وہ اپنے جرم کو چھپانے کی اہلیت رکھتا ہے اور اپنے جرم کو بھی قانون سے کیش کرتا ہے جبکہ دہشت گرد کا جرم، جرم ہی کہلاتا ہے۔ نمبر تین جب قانون نافذ کرنے والے اداروں کے اہلکار ہی قانون شکنی کریں تو پھر معاشرے کے افراد کا ریاست کے اداروں سے اعتبار اٹھ جاتا ہے۔ ان کا قانون، عدالت اور انصاف سے جب اعتبار اٹھتا ہے تو وہ پھر افراد

قانون اپنے ہاتھ میں لیتے ہیں اس طرح وردی میں کی آڑ میں جرم کرنے سے معاشرے میں انارکی پھیلنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس لئے ضرورت اس بات کی ہوتی ہے کہ قانون نافذ کرنے اداروں کی کرپشن اور جرائم کو روکنے کی کوشش کی جائے تاکہ معاشرے میں انتشار اور بے یقینی پیدا نہ ہو۔

پی این ایس مہران پر حملہ ! مجرم کون؟

پی این ایس مہران پر دہشت گردوں کا حملہ قابل مذمت عمل ہے۔ دہشت گردی کی اس واردات سے افواج پاکستان کا مورال ڈاؤن کرنے کی ناکام و ناپاک کوشش کی گئی ہے۔ انشاء اللہ العزیز ہماری افواج کو ایسی کاروائیوں سے ڈرایا نہیں جاسکتا اور پاک فوج دہشتگردی کا نشانہ بننے کے باجود اپنے فرائض مکمل ذمہ داری سے سرنجام دیتی رہیں گی۔ تمام اہل وطن یہ بات سوچتے ہیں کہ یہ حملے، یہ کاروائیاں، کب رکیں گی؟ یہ سلسلہ کب تھمے گا؟ ملک میں دہشت گردی، بم دھماکے، فورسز پر حملے کب ختم ہونگے؟؟ ہماری ناقص رائے میں ان تمام سوالات کا ایک ہی جواب ہے اور وہ یہ کہ ہم امریکہ کی اس نام نہاد جنگ سے باہر نکل آئیں۔امریکہ کی کاسہ لیسی اور اس کی غلامی سے نکل آئیں اور دہشت گردی کی ان وارداتوں کے ذمہ داران کا تعین دیانت داری سے کریں۔ فی زمانہ پولیس اور سیکورٹی فورسز کے پاس اپنی جان چھڑانے کا تیر بہدف نسخہ یہ ہے کہ کہیں بھی کوئی بم دھماکہ ہو، فورسز پر کوئی حملہ ہو یا دہشت گردی کی کوئی بھی واردات ہو۔ فوری طور پر اس کا الزام طالبان اور القاعدہ پر لگادیا جاتا ہے اور ساتھ ہی کسی نامعلوم مقام سے طالبان کا کوئی رہنما (مغربی

خبر رساں اداروں کو فون کرکے) اس واقعے کی ذمہ داری بھی قبول کرلیتا ہے۔ اس کے بعد بس بات ختم! آپ لوگ مجھے دہشت گردوں کا ہمدرد کہہ لیں، مجھ پر طنز کے تیر برسالیں، مجھ پر تنقید کریں لیکن تھوڑا سا ٹھنڈے دل سے میری باتوں پر غور کرلیں تو مہربانی ہوگی۔

سب سے پہلے یہ دیکھیں کہ اِدھر دہشت گردی کی کوئی واردات ہوتی ہے۔ ابھی لوگ یہ دیکھ اور سمجھ ہی رہے ہیں کہ کیا واقعہ ہوا؟ کس نے کیا ہے؟ کتنا نقصان ہوا ہے کہ وفاقی وزیر داخلہ رحمان ملک صاحب فوراً سے پیشتر اس کی ذمہ داری "طالبان" یا نام نہاد القاعدہ" پر ڈال دیتے ہیں اور اس کے بعد اللہ خیر صلّا! نہ کوئی تفتیش نہ تحقیق بس" بات ختم! ویسے یہ رحمان ملک صاحب وہی ہیں نا جو برطانیہ میں خفیہ جاسوسی ایجنسی چلا رہے ہیں اور اس کے سربراہ ہیں۔ یہ وہی رحمان ملک صاحب ہیں جنھوں نے ممبئی دھماکوں کے بعد جب بھارت نے مبینہ دہشت گردوں کی ایک کشتی برآمد کی تھی تو اس کے جواب میں انھوں نے بھی ایک کشتی برآمد کرکے کہا تھا کہ اصل کشتی تو ہم نے پکڑی ہے۔ اور کیا یہ وہی رحمان ملک صاحب نہیں ہیں جنھوں نے کراچی میں سانحہ عاشورہ کو بھی خود کش حملہ قرار دیکر رینجرز کے ایک اہل کار کو تمغہ بھی عطا کردیا تھا اور بعد میں معلوم ہوا کہ دھماکہ تو ریموٹ کنٹرول تھا۔ یہ وہ رحمان ملک ہیں کراچی ہی میں حضرت عبد اللہ شاہ غازیؒ کے مزار پر دھماکے کے بعد دو لوگوں

کو خود کش حملہ آور کہا تھا اور کہا تھا کہ یہ لوگ حملے میں جاں بحق ہو گئے ہیں لیکن بعد میں یہ دونوں افراد زندہ سلامت اپنے گھروں کو پہنچ گئے تھے۔ تو وہی رحمان ملک صاحب پی این ایس مہران کے واقعے کو بھی طالبان کے سر ڈال رہے ہیں تو ان کی بات کا کیا اعتبار۔

اب ذرا غور کیجئے کہ امریکہ اور اس کے پالتو (پوڈل) برطانیہ نے دہشت گردی کے خلاف نام نہاد جنگ کے نام پر عراق کا بیڑا غرق کر دیا، لاکھوں مسلمانوں کو قتل کیا، افغانستان کی اینٹ سے اینٹ بجا دی، پاکستان کی خود مختاری کو پامال کر کے روزانہ کی بنیاد پر ڈرون حملے کیئے جا رہے ہیں، حتیٰ کہ امریکہ اور نیٹو افواج ملک کی حدود میں داخل ہو کر کاروائیاں کرتی ہیں۔ امریکی صدر کہتے ہیں کہ ہائی ویلیو ٹارگٹ کو نشانہ بنانے کے لئے ہر قسم کی کاروائی کی جا سکتی ہے۔ برطانیہ اور دیگر مغربی ممالک امریکہ کی اس غنڈہ گردی کو ہلا شیری دیتے ہیں لیکن ! لیکن دوستوں اسی امریکہ، برطانیہ اور فرانس کی خبر رساں ایجنسیوں کے نام نہاد طالبان سے رابطے ہیں۔ نام نہاد طالبان "فون" کر کے اپنی کاروائیوں کی اطلاع ان تینوں ممالک کے اخبارات تک پہنچاتے ہیں۔ لیکن وہی امریکہ جو دہشت گردی کے خلاف جنگ میں ہر قسم کی کاروائی کو جائز سمجھتا ہے وہ ان اخباری ایجنسیوں سے "طالبان" کے فون نمبر نہیں معلوم کر سکتا۔ وہ امریکہ جو جدید ترین ٹیکنالوجی رکھتا ہے جو ایبٹ آباد کا آپریشن بقول

امریکہ واشنگٹن میں براہ راست دکھا سکتا ہے وہ ان فون نمبرز کے ذریعے "دہشت گردوں" تک نہیں پہنچ سکتا۔ وہ یہ نہیں معلوم کرسکتا کہ طالبان کے نام سے جو ای میل اس کو وصول ہوئی ہے وہ کس آئی پی ایڈریس سے آئی ہے۔ سوچیں اور غور کریں کہ کیا اس جدید اور ڈیجیٹل دور میں ایسا ممکن ہے؟ جواب ہے کہ نہیں ممکن نہیں ہے! تو پھر اس کا کیا مطلب ہوا؟ اس کا مطلب یہ ہوا کہ طالبان اور القاعدہ کے نام پر دنیا کو بیوقوف بنایا جارہا ہے اور اس کی آڑ میں پاکستان کو پھنسایا جارہا ہے۔ پاکستان کے ایٹمی اثاثوں کے خلاف گھیرا تنگ کیا جارہا ہے۔

اب تھوڑی توجہ پی این ایس مہران کے واقعے پر! غور کیجئے تو معلوم ہوتا ہے کہ طالبان نے اس واقع کی ذمہ داری بعد میں قبول کی رحمان ملک صاحب نے پہلے ہی اس کا ذمہ دار طالبان کو قرار دیدیا۔ آخر کیسے؟ پھر دیکھیں کہ جب رحمان ملک اور نیوی کے ذمہ داران کے بیانات میں تضاد ہے۔ حملے اتوار کو رات گئے تک جو خبریں میڈیا کے ذریعے عوام ت پہنچائیں گئی اس میں نیوی حکام نے واضح طور پر بتایا کہ چار حملہ آور ہلاک اور چار گرفتار ہیں جبکہ پانچ سے دس مزید دہشت گرد اندر موجود ہیں لیکن جب اگلے دن رحمان ملک صاحب نے پریس بریفنگ دی تو انہوں نے پہلے تو امریکہ کا حقِ نمک ادا کرتے ہوئے طالبان کو برا بھلا کہا، اس کے بعد اسامہ بن لادن کے لئے فاتحہ خوانی کرنے والے اکرنا

پارلیمنٹ کو لتاڑا اور پھر انہوں نے یہ مضحکہ خیز بیان جاری کیا کہ حملہ آور دہشت گرد چھے تھے جن میں سے چار ہلاک ہوگئے جب کہ دو فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے۔ اس کے اس بیان نے افواج پاکستان کی اہلیت پر ایک سوال اٹھا دیا کہ اگر چار سے چھے دہشت گرد افواج کے بیس کے اندر گھس کر ان کو بے بس کر سکتے ہیں تو یہ ہماری حفاظت کیا کریں گی؟ یہ کیسے ملک کا دفاع کریں گے؟ خیر اس کے بعد اگلے روز یعنی بدھ 25 مئی کو نیوی حکام کا بیان جاری ہوا کہ "نیول چیف نے ابتدا میں جو بیان جاری کیا وہی درست ہے، حملہ آور 12 تھے ایف آئی آر میں تعدا غلط لکھی گئی ہے اس کو درست کیا جارہا ہے۔" سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ رحمان ملک صاحب نے غلط بیانی کیوں کی؟ انہوں نے دہشت گردوں کی تعدا کم کیوں بتائی؟ انہوں نے دہشت گردوں کی گرفتاری سے انکار کیوں کیا؟ وہ اس طریقے سے کس کو تحفظ دینا چاہتے تھے؟ ان سوالوں کا جواب آپ کو آخر میں ملک جائے گا۔

دیکھیں جرم و سزا کے معاملے میں ایک سیدھا سادہ قانون ہوتا ہے کہ اگر کوئی جرم یا واردات ہوتی ہے تو اس کی تفتیش میں دیگر چیزوں کے ساتھ دو بنیادی نکات کے ساتھ تحقیق و تفتیش کی جاتی ہے۔ پہلا نکتہ یہ ہے کہ کسی کو بھی شک و شبے سے بالاتر نہ سمجھا جائے، ہر زاویئے سے واردات کا جائزہ لیا جائے اور دوسرا اور اہم نکتہ یہ ہوتا ہے کہ واردات کے بعد سب سے زیادہ فائدہ کس کو

ملے گا۔ جس کو سب سے زیادہ فائدہ ملے گا وہی سب سے زیادہ شک و شبے کی زد میں آئے گا۔اب اس واردات کا جائزہ لیں اور غور کریں کہ اس کا سب سے زیادہ فائدہ کس کو ملے گا۔ طالبان کو یا امریکہ اور بھارت کو۔

اخباری اطلاعات کے مطابق دہشت گرد جس راستے سے بیس میں داخل ہوئے اس کے ایک فرلانگ پر ہی نیوی کی اہم تنصیبات موجود تھیں لیکن دہشت گردوں نے ان کو نقصان پہنچانے کے بجائے ڈیڑھ کلو میٹر پیدل جا کر نیوی کے دو اہم طیاروں پی سی 3 اورین کو نشانہ بنایا بلکہ سب سے پہلے انہی کو نشانہ بنایا۔ یہ طیارے پاک فضائیہ کی قوت تھے اور ان سے سمندری نگرانی کا کام لیا جاتا تھا۔ چار انجن والے یہ طیارے چوبیس گھنٹے تک فضاء میں رہ سکتے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ طیارے آبدوز کو بھی نشانہ بنا سکتے تھے۔ ان طیاروں کی تباہی سے پاک نیوی کا سمندری حدود کی فضائی نگرانی کی اہیلت بیس فیصد رہ گئی ہے۔ یہ طیارے آج تک طالبان کے خلاف استعمال نہیں کئے گئے۔ تو پھر ان طیاروں کی تباہی سے کس کو فائدہ ہوا۔ طالبان کو یا بھارت کو؟ اخباری اطلاعات کے مطابق دہشت گردوں نے بیس پر پاک بحریہ کو ٹیکنیکی معاونت فراہم کرنے والے چینی انجینیرز کو بھی نشانہ بنانے کی کوشش کی لیکن ان کو بحفاظت وہاں سے نکال لیا گیا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ چینی انجینئرز کو نشانہ بنا کر اور ان کو نقصان پہنچا کر پاک چین دوستی متاثر کرنے میں طالبان کا فائدہ ہے یا امریکہ

اور بھارت کا؟

اس واردت کے بعد پاکستان کے ایٹمی اثاثوں کی حفاظت کا معاملہ ایک بار پھر اٹھایا جارہا ہے کہ جو افواج اپنی بیس کی ہی حفاظت نہیں کرسکتی وہ ایٹمی اثاثوں کی حفاظت کیسے کرسکتی ہیں؟ پاکستان کے ایٹمی اثاثوں کو غیر محفوظ ظاہر کرکے ان کی آڑ میں پاکستان میں امریکہ اور نیٹو کو فوجی کاروائی کا موقع فراہم کرنے میں طالبان کا فائدہ ہے یا امریکہ اور بھارت کا؟ اگر سوچیں گے اور غور کریں گے تو بہت سی باتیں سمجھ میں آئیں گی۔ سوچیں اور غور کریں کہ کیا بھارت اتنا ہی شریف اور اچھا ہمسایہ ہے کہ پاکستان کو مشکل میں دیکھ کر اس کو غیر مستحکم کرنے کی کوئی کوشش نہیں کرے گا؟ کیا بلیک واٹر اور امریکی ایجنٹوں نے پاکستان کے خلاف کاروائیاں کرنے سے توبہ کرلی ہے؟ ایبٹ آباد آپریشن کے بعد ایک امریکی باشندے کو کہوٹہ پلانٹ کے نزدیک سے مشکوک حالت میں گرفتار کیا گیا تھا۔ وہ امریکی وہاں کیا کررہا تھا؟ دنیا کی واحد مسلم ایٹمی طاقت (پاکستان) کس کی نظروں میں کھٹکتی ہے؟ جواب ہے کہ امریکہ، بھارت اور اسرائیل کی نظروں میں کھٹکتی ہے۔ یاد رکھیں کہ رحمان ملک، صدر زرداری، احمد مختار اور ان جیسے دوسرے لوگ جانتے بوجھتے پاکستان دشمنوں کو تحفظ فراہم کرتے ہوئے امریکہ اور بھارت کی دہشت گردانہ کاروائیوں پر پردہ ڈالتے ہیں کیوں کہ ان لوگوں نے تو حکومت ختم ہونے کے بعد امریکہ، برطانیہ یا

دبئی میں جا کر بس جانا ہے بھگتنا تو مجھے اور آپ کو ہے۔

متحدہ۔اور وکی لیکس : میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا

کچھ لوگ اور گروہ ایسے ہوتے ہیں جو کہ شیشے کے گھروں میں بیٹھ کر دوسروں پر سنگ باری کرتے ہیں یا پھر کہنا چاہئے کہ چونکہ خود تو وہ کیچڑ میں لت پت ہوتے ہیں اور ان کا دامن داغ دار ہوتا ہے اس لئے وہ دوسروں پر کیچڑ اچھالتے رہتے ہیں اور دوسروں کا دامن بھی داغ دار کرنے کی ناکام کوشش کرتے رہتے ہیں تاکہ ان اپنے کے عیب نمایاں نہ ہوسکیں۔ لیکن تدبیر کند بندہ اقتدیر زن خندہ کے مصداق وہ دوروں پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش میں خود ہی مزید گندے ہوجاتے ہیں۔

گزشتہ ماہ منگل چوبیس مئی کو کراچی کے معروف روزنامہ "عوام" نے ایک خبر جلی سرخی کے ساتھ شائع کی تھی۔ یہ خبر وکی لیکس کے حوالے سے تھی اور وکی لیکس نے کراچی میں امریکی قونصل جنرل کے ایک واشنگٹن بھیجے گئے ایک خفیہ مراسلے میں یہ لکھا ہے کہ " متحدہ کے پینتیس ہزار مسلح جنگجو ہمارے ساتھ ہیں" ۔یہاں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ "روزنامہ عوام" کسی سیاسی جماعت کا اخبار نہیں ہے بلکہ پاکستان کے سب سے بڑے میڈیا گروپ جنگ گروپ آف پبلی کیشن کا ایک اخبار ہے اور اس کے ایڈیٹر سینئر

صحافی اور معروف تجزیہ نگار محترم نذیر لغاری صاحب ہیں۔اس لئے کسی کو یہ شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ یہ کسی سیاسی جماعت کے ترجمان اخبار نے خبر لگائی ہے۔ جبکہ عوام اخبار سے پہلے اتوار بائیس مئی کو روزنامہ ڈان نے یہ خبر جاری کی تھی۔ ذیل میں ہم اس خبر کا عکس پیش کر رہے ہیں۔

روزنامہ عوام کراچی

Daily Awam Karachi

کراچی میں متحدہ کے 35 ہزار جنگجو ہمارے ساتھی ہیں

اب میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ ایک "اللہ کا بندہ " دوسری جماعتوں پر امریکی ایجنٹ ہونے کا الزام لگاتا ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ افغانستان پر امریکی حملہ کے وقت کراچی میں "ویل کم امریکہ ریلی" ایک لسانی جماعت نکالتی ہے۔ اور امریکہ کو ویل کم کیا جاتا ہے۔

ایک "اللہ کا بندہ" لوگوں سے سوال کرتا ہے کہ اسلامی جماعتیں امریکی ایجنٹ اور پٹھو ہیں لیکن امریکی قونصل جنرل اپنے خفیہ مراسلے میں کچھ

اور ہی انکشاف کرتا ہے۔اور دوسرے لوگوں کے بارے میں بتاتا ہے کہ وہ ہمارے ساتھ ہیں۔

ایک "اللہ کا بندہ" اسلامی جماعتوں پر امریکی ڈالر لینے کا الزام لگاتا ہے اور امریکی ایجنٹ ہونے کی بھپتی کستا ہے لیکن حقائق تو کچھ اور ہی کہہ رہے ہیں۔ تو اللہ کا یہ بندہ آخر اس قدر جھوٹا پروپیگنڈہ کیوں کرتا ہے؟ کوئی مجھے اس سوال کا جواب دے گا؟

میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔کاش کوئی مجھ کو سمجھاتا

کراچی کا سانحہ: اب تو عادت سی ہے مجھ کو

کراچی میں رینجرز اہلکاروں کے ہاتھوں ایک نہتے نوجوان کا قتل ایک انتہائی افسوسناک اور دردناک سانحہ ہے جس نے صرف مقتول سرفراز بلکہ پورے ملک کو سوگوار کردیا ہے اور اس واقعے نے ایک بار پھر قانون نافذ کرنے والے اداروں کے اختیارات اور احتساب سے متعلق کئی سوالات کو جنم دیا ہے۔ صورتحال یہ ہے کہ ہماری ایجنسیز ، قانون نافذ کرنے والے ادارے اور ان کے اہلکار ایک بدمست سانڈ کی طرح ہوگئے ہیں جو ہر ایک کو ٹکریں مارتا پھرتا ہے اور کسی کی اتنی ہمت نہیں ہے کہ وہ اس بھپرے اور بدمست سانڈ کو روکنے کی کوشش کرے۔

ابھی خروٹ آباد والے وقعے کی انکوائری جاری ہی تھی کہ اس کے بعد کراچی کے واقعے نے لوگوں کو دہلا دیا ہے۔ لوگ یہ سوچنے پر مجبور ہیں کہ کیا پولیس، رینجرز، سی آئی اے اور دیگر فورسز کے اہلکار کسی قانون کے ماتحت نہیں ہیں؟ کیا ان لوگوں کو عوام کے قتل عام کا کھلا لائسنس دیدیا گیا ہے؟ کیا وجہ ہے کہ رینجرز اہلکار کو واقعے کے دو روز گزرنے کے بعد گرفتار کیا گیا، جبکہ اصولی طور پر تو اس کو اگلے ہی روز لاک اپ کردیا جانا چاہئے تھا۔

بوٹ بیسن پر جو کچھ بھی ہوا قطع نظر اس کے مقتول نوجوان جرائم پیشہ تھا یا نہیں تھا۔ لیکن رینجرز کو کس نے یہ اختیار دیا کہ وہ نہتے عوام کو ''سڑکوں پر انصاف'' کرتے ہوئے موقع پر ہی کسی بھی فرد کو مجرم کہتے ہوئے قتل کردیں؟ واقعے کی جو ویڈیو سامنے آئی اس نے لوگوں کو ہلا کر رکھ دیا ہے کہ اس قدر سفاکیت اور امریکیت کا مظاہرہ کیا گیا ۔ ایک نہتا نوجوان جس کو ایک فرد مارتا ہوا رینجرز کے حوالے کرتا ہے، اور پھر وہ رینجرز کے پانچ مشٹنڈے اس کو گھیر کر سر عام دن دیہاڑے قتل کرتے ہیں جبکہ وہ چیخ رہا ہے اور رحم کی بھیک مانگ رہا ہے۔ ویڈیو کو بغور دیکھیں تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ابتداء میں جو دو گولیاں چلائی گئیں وہ اتفاقی اور اضطراری حرکت تھی ، کیوں کہ جس اہلکار نے مقتول پر گن تانی اس نے مقتول کو زمین پر بیٹھنے کا ''حکم'' دیا۔ مقتول نوجوان یہ سمجھا کہ یہ مجھے گولی مارنے والا ہے اس نے مقتول نے فوری طور پر اس کی گن کی نال نیچے کردی، جس پر رینجرز کے دیگر اہلکار بھی مشتعل ہوگئے اور سب نے اس کو زور زور سے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ لیکن بد قسمتی سے مقتول سرفراز بیٹھنے کے بجائے بار بار اہلکار کی گن پکڑنے کر اس کی نال نیچے کرتا رہا، اور مذکورہ اہلکار کے قریب جاتا رہا کہ قریب سے یہ گولی نہیں مار سکے گا، اسی چھینا جھپٹی اور ہاتھا پائی میں ایک رینجرز اہلکار نے مقتول کو زور سے دھکا دیکر دور کیا اور دوسرے نے فوری طور پر گولی داغ دی۔ ویڈیو کے مطابق یہاں تک کا سارا وقعہ ایک حادثہ تھا کیوں کہ گولی چلتے ہی

رینجرز کے ایک اہلکار کے ہاتھ سے پسٹل چھوٹ گیا اور وہ دل پر ہاتھ رکھ کر گھوم گیا، جبکہ دسرے ہاتھ سے وہ فائرنگ روکنے کا اشارہ کر رہا ہے۔ لیکن نوجوان کے زخمی ہونے کے بعد رینجرز کی پوری ٹیم نے اپنے ساتھی کے جرم میں پردہ ڈالنے کے لئے انتہائی سفاکی کا ثبوت دیا اور مجرمانہ اعانتِ مجرمانہ کرتے ہوئے نوجوان کو سڑک پر تڑپنے دیا تاوقتیکہ کہ اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ دیکھا جائے تو اگر نوجوان کو فوری طبّی امداد مہیا کی جاتی تو وہ بچ بھی سکتا تھا لیکن رینجرز نے اپنے ساتھی کو تحفظ دیا اور نوجوان کو مرنے دیا تاکہ اپنی مرضی کا وقوع بنایا جاسکے۔

اس کے بعد اگلے دن کے ایک یا دو اخبارات کے علاوہ تمام ہی اخبارات میں یہ خبر تھی کہ لوٹ مار میں مصروف ڈاکو رینجرز کی فائرنگ سے ہلاک ہوگیا۔ عین ممکن تھا کہ یہی بات دب جاتی اور کسی کو پتہ بھی نہ چلتا کہ اصل واقعہ کیا ہے لیکن بینظیر پارک میں اس وقت ”آوازٹی وی“ کی ٹیم ایک پروگرام کی ریکارڈنگ میں مصروف تھی ان کے کیمرہ مین نے شور شرابہ سن کر کیمرے کا رخ اس جانب موڑ دیا اور اس طرح یہ سارا معاملہ کیمرے کی آنکھ میں محفوظ ہوگیا۔ اور اگلے دن لوگوں نے رینجرز کی سفاکیت کا مظاہرہ اپنے گھروں میں ٹی وی اسکرین پر دیکھا۔ سیکورٹی فورسز کو اب یہ عادت ہی ہو گئی ہے کہ وہ ملک دشمنوں اور دہشت گردوں کے خلاف کاروائیاں کرنے کے بجائے نہتے عوام پر شیر

ہوتے جارہے ہیں۔ خروٹ آباد اور کراچی کا واقعہ تو ابھی حالیہ واقعات ہیں لیکن اس سے پہلے بھی پولیس اور رینجرز اہلکاروں کی جانب سے عوام کے ساتھ زیادتیوں کو سلسلہ جاری رہا ہے جس کی ویڈیوز گزشتہ دن سے نجی چینلز پر چلائی جارہی ہیں لیکن کئی واقعات ایسے ہوتے ہیں جو میرے اور آپ کے سامنے پیش ہوتے ہیں لیکن جو کیمرے کی آنکھ سے اوجھل رہ جاتے ہیں۔اس لئے ان کا کہیں کوئی ذکر نہیں ملتا۔یہی رینجرز اور پولیس 12 مئی 2004،12 مئی 2007۔نومبر2008 میں کراچی کے فسادات، سانحہ عاشورہ،اور گزشتہ تین سالوں سے جاری ٹارگٹ کلنگ کو تو ختم نہیں کراسکے لیکن نہتے عوام پر یہ لوگ شیر ہیں۔ بقول شاعر اب تو عادت سی ہے مجھ کو ایسے جینے میں

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ کیوں ہورہا ہے اور اس کا حل کیا ہے؟ ہماری ناقص رائے میں اس کی سب سے پہلی وجہ انصاف کا نہ ہونا،دہرے معیارات کا ہونا ہے۔کیا وجہ ہے کہ ایک عام فرد اگر غلطی بھی کرے تو اس کو موقع پر ہی لترول، چھترول کی جائے، مرغا بنایا جائے۔اور اگر کوئی جرم کرے تو نہ صرف اس کو بلکہ اس کے اہل خانہ کو بھی ذہنی اذیت پہنچائی جاتی ہے۔اور اگر کوئی وردی والا، کوئی سیاسی لیڈر، کسی سیاسی جماعت کا کارکن ، یا کوئی با اثر فرد جرم کرے تو اس کو وی آئی پی پروٹوکول دیا جاتا ہے۔ جیل میں اے کلاس فراہم کی جاتی ہے اور سب سے بڑی بات کہ اس کو ہتھکڑی نہیں لگائی جاتی بلکہ اس کو

ہتھکڑی لگائے بغیر عدالت میں پیش کیا جاتا ہے۔جب تک تمام لوگوں کے لئے خواہ،وہ کوئی عام فرد ہو، کوئی لیڈر ہو، کوئی سرکاری افسر،وزیر، مشیر ہو،یا کوئی فورسز کا اہلکار ہو۔جرم کے مطابق یکساں سلوک کیا جائے تو ایسے واقعات کو کافی حد تک روکا جاسکتا ہے۔

دوسری چیز عدلیہ اور پولیس و رینجرز میں سیاسی مداخلت کو ختم کیا جائے جب تک سیاسی بنیادوں پر ایس ایچ اوز،ڈی ایس پیز اور دیگر من پسند افراد کے تقرر اور تبادلے ختم نہیں کیے جائیں گے،جب تک اس بات کو یقینی نہ بنایا جائے اگر کوئی فرد کسی جرم میں گرفتار ہو کر تھانے میں پیش ہو تو کسی سیاسی رہنما، کسی افسر کو یہ حق حاصل نہیں ہو کہ وہ اس میں مداخلت کرے اور نہ ہی کسی سیاسی رہنما، کسی سرکاری افسر، کسی وزیر مشیر کے کہنے پر کسی بے گناہ کو گرفتار کیا جائے۔جب یہ ساری چیزیں کردی جائیں گی تو پھر ہی یہ سارے معاملات کسی حد تک سدھر سکتے ہیں ورنہ حالات مزید خراب سے خراب تر ہوتے جائیں گے۔ اور اگر وردی والوں کا احتساب نہ کیا گیا۔ان کو ان کے جرم کی قرار واقعی سزا نہ دی جائے گی تو یاد رکھیں کہ آج تو رینجرز کے اہلکار لوگوں کو قتل کررہے ہیں۔کل عوام اپنے ہاتھوں میں اسلحہ اٹھالے گی اور معاشرہ بدامنی اور انتشار کا شکار ہوجائے گا اس لئے انصاف،اور سب لوگوں کے لئے یکساں قوانین کا نفاذ ہی معاشرے میں امن وسکون کی ضمانت ہے۔

متحدہ : توہین الطاف پر احتجاج اور توہین رسالت پر خاموشی۔۔

کراچی میں اے این پی سندھ کے رہنما شاہی سید کی رہائش گاہ پر منعقدہ ایک تقریب میں سابق وزیر داخلہ سندھ ذوالفقار مرزا نے خطاب کرتے ہوئے ایم کیو ایم کے قائد الطاف حسین کو بھگوڑا اور کرمنل قرار دیدیا۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے آفاق احمد کو مہاجروں کا حقیقی لیڈر قرار دیدیا۔ انہوں نے اس خطاب کے دوران کئی دیگر باتیں بھی کہیں ۔ ان کا یہ خطاب اور طرز خطابات کسی بھی طور پر قابل تعریف نہیں قرار دیا جاسکتا اور انہوں نے انتہائی غیر پارلیمانی انداز میں یہ خطاب کیا۔

ان کے اس خطاب کے رد عمل میں ایم کیو ایم نے بھی جوابی بیان دیا اور فیصل سبز واری نے کہا کہ " ذوالفقار مرزا کے لیڈر پاکستان توڑنے کی سازش میں شریک تھے، سارا پاکستان جانتا ہے کہ ٹین پرسنٹ کون تھا اور اگر یہی روش جاری رہی تو ہم پیپلز پارٹی کے رہنماؤں کی بدعنوانیوں کا کچا چٹھا کھول دیں گے۔ جس کے لیڈر پر عالمی عدالتوں پر مقدمات قائم ہوں پھر تو وہ عالمی کرمنل ہوا، جنہوں نے طیارے ہائی جیک کیے ہوں، جنہوں نے اپنی زبان سے پاکستان توڑنے کی بات کی ہو اس سے بڑی کم بختی کیا ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ اگر یہ زبان نہیں رکی تو پھر سارے راز، سارے راز سارے کچے چٹھے باہر آجائیں گے،ان کی امارت

کے ان کی بد عنوانیوں کے ان کی بڑھتی ہوئی سازشوں کے۔ فیصل سبز واری نے اپنے بیان میں بار بار ایک بات کہی کہ "اگر کوئی میرے قائد کے حوالے سے بات کرے گا تو اس کو جواب دیا جائے" کم و بیش یہی بات چند ماہ قبل مصطفیٰ کمال صاحب نے بھی ایک ٹی وی ٹاک شو میں مسلم لیگ ن کے ایک مقامی رہنما کی بات کے جواب میں کہی کہ " میرے قائد کی شان میں اگر کوئی گستاخی کرے تو اس کو جواب دیا جائے گا" ۔

یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ ایم کیو ایم کے کارکنان و رہنما اپنے لیڈر سے اتنی محبت کرتے ہیں۔ لیکن کیا ایم کیو ایم کے ان سارے کارکنوں اور رہنماؤں کے نزدیک الطاف حسین کا مرتبہ اور عزت نبی مہربان صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس سے بھی زیادہ ہے۔ نعوذ باللہ ثمہ نعوذ باللہ) میری یہ بات شائد بہت سے لوگوں کو بری لگی ہوگی کہ میں) یہ کیا بات کہہ دی ہے لیکن میرے دوستوں تھوڑا سا غور کیجئے اور سوچئے گا۔

کم و بیش آٹھ سال قبل ڈنمارک کے ایک گستاخ اخبار نے نبی مہربان صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی ناپاک جسارت کی اور حضور پاک ﷺ کے گستاخانہ خاکے شائع کئے،ان خاکوں کے شائع ہوتے ہی سارے عالم اسلام میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی اور پوری دنیا میں اس مذموم حرکت کے خلاف مظاہرے شروع ہوگئے۔

پاکستان میں اس حوالے سے مظاہرے کئے جاتے رہے اور اس میں تمام ہی مذہبی جماعتوں نے مشترکہ اور انفرادی طور پر جلسے، جلوس، ریلیاں، مظاہرے کئے گئے۔ لیکن ایم کیو ایم نے اس پر چپ سادھ رکھی تھی۔ نہ صرف یہ کہ چپ سادھ رکھی تھی بلکہ ایم کیو ایم کے قائد الطاف حسین اس حوالے سے احتجاج کرنے والی جماعتوں کو ہدف تنقید بناتے رہے اور ان کو رواداری، صبر، برداشت تحمل کا درس دیتے رہے۔

لیکن اپنی ذات کے حوالے سے انہوں نے تمام رواداری، صبر و تحمل کو ایک جانب رکھ دیا۔ ایم کیو ایم کے وہ کارکنان جو توہین رسالت ﷺ اور توہین قرآن کے معاملے پر بالکل خاموش بیٹھے رہے وہ اپنے قائد کے بارے میں ذوالفقار مرزا کے نازیبا ریمارکس پر سڑکوں پر آگئے۔ آٹھ سالوں متعدد بار یہودی و عیسائی انتہا پسندوں کی جانب سے توہین قرآن و توہین رسالت کی گئی، ناموس رسالت ﷺ پر حملے کئے گئے لیکن ایم کیو ایم نے کبھی اس کا نوٹس نہیں لیا لیکن اپنے نام نہاد قائد کے بارے میں ذرا سی بات سنتے ہیں آپے سے باہر ہوگئے ایک دن کے احتجاج میں درجن بھر سے زائد لوگوں کو مارا گیا، چالیس سے زائد گاڑیوں اور متعدد دکانوں کو جلایا گیا، صوبے بھر میں کاروبار زندگی معطل رہا۔ یہ سب کس کے لئے؟ ایک سیاسی لیڈر کے لئے ایم کیو ایم کے قائدین کہتے ہیں کہ "الطاف بھائی کروڑوں لوگوں کے لیڈر ہیں،" میرا ان سے سوال ہے کہ کیا نبی مہربان ﷺ

اربوں لوگوں کے محبوب نہیں ہیں؟ اور کیا وہ تمہارے بھی محبوب نہیں ہیں؟ اگر واقعی نبی مہربان ﷺ سے محبت ہوتی تو کم از کم کوئی ایک ریلی ،ایک مظاہرہ تو کیا جاتا لیکن دراصل اس غیر اعلانیہ ہڑتال، پر تشدد احتجاج نے ایک بار پھر ثابت کیا کہ ایم کیو ایم کا تعلق کس گروہ سے ہے۔

کیا اب بھی لوگوں کی آنکھیں نہیں کھلیں گی۔

لوٹ کے بدھو گھر کو آئے

اور بالآخر متحدہ ایک بار پھر حکومت سے الگ ہونے کا ڈرامہ کرنے کے بعد حکومت میں شامل ہو گئی۔ لیکن اس بار ڈرامے کے ہدایت کار نے زیادہ محنت کی اور ڈرامے کو حقیقت کا رنگ دیا۔ کراچی کے باسی اچھی طرح جانتے تھے کہ اقتدار کے ٹھنڈے میٹھے پانیوں کی مچھلی متحدہ قومی موومنٹ حزبِ اختلاف کے کھارے پانی میں زندہ نہیں رہ سکتی اور جلد یا بدیر یہ لوگ حکومت میں واپس آ جائیں گے۔ اس دفعہ متحدہ کی حکومت سے الگ ہونے پر دو قسم کے لوگوں نے اس عمل کی تعریف و توصیف کی اور متحدہ کے حق میں کالم نگاری کی اور تبصرے کئے۔ پہلی قسم کے لوگ وہ ہیں جو کراچی سے باہر کے رہائشی ہیں اور متحدہ کے طرز سیاست سے واقف نہیں ہیں۔ یہ بے چارے نادان ہیں، بھولے ہیں ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے تو بہتر ہے۔ دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو انتہائی شاطر اور حلف یافتہ لوگ ہیں۔ یہ جانتے بوجھتے متحدہ کے ہر جائز و ناجائز عمل کی تعریف و توصیف میں مصروف رہتے ہیں۔کچھ لوگوں نے تو متحدہ کے حالیہ ڈرامے کو "دانشمندانہ و بردبارانہ فیصلہ" قرار دیدیا۔ خیر ان لوگوں کو بھی کچھ کہنا بیکار ہے کیوں کہ اب یہ لوگ حکومت میں واپسی کے فیصلے کی بھی اسی جوش و خروش سے حمایت کریں گے۔

گزشتہ دس دنوں میں جس طرح کے تند و تیز بیانات جاری کئے گئے۔ متحدہ قومی موومنٹ کی جانب سے پی پی پی کو ملک کو دو لخت کرنے کا ذمہ دار، طیارے ہائی جیک کرنے والے، ملک کو بیچ کھانے والے، ملک توڑنے کی باتیں کرنے والے، اور صدر زرداری کو ٹین پرسنٹ اور سینٹ پرسنٹ، اور عالمی کرمنل قرار دیا گیا۔ پی پی پی کی حکومت کو پاکستان کی کم بختی قرار دیدیا گیا۔ ابھی ان بیانات کی گونج فضاؤں میں ہی تھی کہ متحدہ کی قیادت نے ایک الٹی قلابازی لگائی اور اپنے اقتدار کی خاطر ایک بار پھر اسی پی پی پی کی حکومت میں شامل ہو گئی جس پر انہوں نے خود الزامات لگائے تھے۔ عوام کو ایک سوال تو متحدہ کی قیادت سے کرنا ہی چاہئے کہ آپ کی حکومت میں واپسی کن شرائط پر ہوئی ہے؟ کیا جو الزامات انہوں نے پی پی پی پر لگائے تھے وہ سب ختم ہو گئے ہیں؟ کیا صدر زرداری اب عالمی دہشت گرد نہیں رہے؟ کیا صدر زرداری ٹین پرسنٹ نہیں تھے؟ اور کیا اب وہ سینٹ پرنسٹ نہیں رہے؟ اور اب اچانک ایسا کیا انقلاب آگیا ہے کہ جو لوگ ملک کی کم بختی تھے ان ہی کے ساتھ دوبارہ اتحاد میں شامل ہو گئے ہیں؟

متحدہ نے صرف اور صرف آزاد کشمیر کی دو نشستوں کے لیئے یہ سارا ڈرامہ رچایا اور بالآخر ان دو سیٹوں کے لالچ کے بعد ایک بار پھر حکومت میں شامل ہونے پر راضی ہو گئی۔ یہ ہے ان کی انقلابی سیاست اور یہی ان کی مفاہمتی پالیسی ہے جس

میں صرف اور صرف اپنا اقتدار ہی سب کچھ ہے چاہے اس کے لئے لسانیت کو فروغ دیکر سینکڑوں جانوں کو قربان کرنا پڑے، چاہے شہر کو آگ لگانی پڑے، چاہئے اس کے لئے تھوکا ہوا چاٹا جائے لیکن بس اقتدار اقتدار اور اقتدار مل جائے۔

گزشتہ جمعرات کو سابق صوبائی وزیر ذوالفقار مرزا کی جانب سے الطاف حسین صاحب کی شان میں گستاخی کی گئی تو قائد تحریک جو کہ پورے ملک کو صبر، برداشت اور رواداری کا درس دیتے رہتے ہیں آپے سے باہر ہوگئے اور اس کے بعد شہر کو آگ لگانے کا کام رات کو ہی شروع کردیا گیا۔آگے بڑھنے سے پہلے ہم اس بات کی وضاحت کرتے چلیں کہ کچھ "معصوم" لوگوں کی دانست میں یہ احتجاج بانیان پاکستان کے بارے میں نازیبا ریمارکس کے بارے میں تھا لیکن حقیقت یہی تھی کہ یہ سارا احتجاج صرف اور صرف شخصیت پرستی کے زیر اثر کیا گیا۔اس کے ثبوت میں متحدہ کے رہنما فیصل سبزواری کا یہ بیان ہی کافی ہے جس میں انہوں نے بڑی وضاحت سے یہ کہا کہ "میرے قائد کے بارے میں اگر کوئی بات کی گئی تو ہم انکا کچا چٹھا کھول دیں گے" اس کے ساتھ ساتھ یہ تصویر بھی ملاحضہ کریں.

اس یوم احتجاج میں ایک دن میں 15افراد اپنی جان سے گئے ،چالیس گاڑیوں کو آگ لگادی گئی،اور سندھ بھر میں جلاؤ گھیراؤ کیا گیا. کراچی اور حیدر آباد میں کاروبار زندگی معطل رہا.سوچیں اور غور کریں کہ گزشتہ بارہ سالوں میں درجنوں ہڑتالیں اور احتجاجی مظاہرے ہوئے ہیں لیکن کیا کوئی مظاہرہ اس قدر پر تشدد بھی تھا؟ متحدہ کے اس "پر امن یوم احتجاج" کی کچھ تصویریں ہم آپ کے سامنے رکھتے ہیں.

اب بھی وقت ہے کہ لوگ سوچیں اور سمجھیں اور فیصلہ کریں کہ کیا دوبارہ انہی قاتلوں اور بے ضمیروں کو منتخب کریں گے جو اپنے اقتدار کے لئے ہر حد سے گزرنے کو تیار ہیں.

جشنِ آزادی: 14 اگست 1947 اور آج کے حالات

مبارک ہو ! پوری قوم کو ارضِ وطن کا 64 واں یومِ آزادی مبارک ہو۔ لیکن مجھے یہ تو بتائیں کہ کیا ہم واقعی آزاد ہیں؟ کیا بحیثیت ریاست ہم اتنے آزاد ہیں کہ اپنی خارجہ پالیسی خود بنا سکیں؟ کیا ہماری پارلیمنٹ اتنی آزاد ہے کہ وہ قیامِ پاکستان کے مقاصد کے عین مطابق قانون سازی کر سکے؟ کیا ہماری افواج اتنی آزاد اور خود مختار ہیں کہ وہ اپنی سرحدوں کی حفاظت کر سکیں؟ سرحدوں کا دفاع تو دور کی بات ہے کیا وہ ملکی حدود میں گھس کر شہریوں کو قتل کرنے والے ڈرون طیاروں کو تباہ کر سکے؟

14 اگست 1948ء کو جب ارضِ وطن آزاد ہوا تھا اس وقت کا جذبہ آج کہیں نظر نہیں آتا۔ اس وقت ہم قوم کے بجائے ملت تھے۔ کلمہ طیبہ کی بنیاد پر برِ صغیر کے مسلمان ایک ہو گئے تھے جس کے باعث ہمیں الگ وطن ملا۔ لیکن آج وہ جذبہ مفقود ہے، ہم نے اللہ کی رسی کو چھوڑ دیا ہے۔ آج ہم صوبائیت، لسانیت اور قومیت کے علم بردار بن گئے ہیں۔ کل ہم نے اللہ سے دعا کی کہ ہمیں ایک الگ خطہ زمین مل جائے تو ہم اس میں اسلام کے مطابق قانون سازی کریں گے اور اسلامی قوانین کا نفاذ کریں گے۔ قائدِ اعظم محمد علی جناح نے اسلامیہ کالج پشاور میں ایک تقریب سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ " ہم نے پاکستان کا مطالبہ ایک

زمین کا ٹکڑا حاصل کرنے کے لئے نہیں کیا تھا بلکہ ہم ایک ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا چاہتے تھے جہاں ہم اسلام کے اصولوں کو آزما سکیں۔ (13 جنوری 1948ء)

جبکہ قیام پاکستان سے چند سال قبل قائد اعظمؒ نے فرمایا کہ ”وہ کونسا رشتہ ہے جس سے منسلک ہونے سے تمام مسلمان جسد واحد کی طرح ہیں؟ وہ کونسی چٹان ہے جس پر اس امت کی عمارت استوار ہے؟ وہ کونسا لنگر ہے جس سے اس امت کی کشتی محفوظ کر دی گئی؟

وہ رشتہ، وہ چٹان، وہ لنگر اللہ کی کتاب قرآن مجید ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جوں جوں ہم آگے بڑھتے جائیں گے ہم میں زیادہ اتحاد پیدا ہوتا جائے گا۔ ایک خدا۔ ایک رسول ﷺ۔ ایک کتاب۔ ایک امت (اجلاس مسلم لیگ۔ کراچی: 1943ء)

ہندوستان سے آنے والوں نے اللہ کے نام پر اپنے گھر بار، جائیدادیں، چھوڑیں، لاکھوں لوگ بے گھر ہوئے، ہزاروں شہید ہوئے، ماؤں اور بہنوں کی عصمتیں لٹیں۔ صرف اس لئے کہ ایک ایسا خطہ زمین حاصل کیا جائے جہاں اپنے دین کے مطابق زندگی گزاری جائے۔ اور جب یہ مہاجرین پاکستان آئے تو یہاں موجود ان کے سندھی، پنجابی، بلوچ پٹھان و دیگر بھائیوں نے ان کو گلے سے،

لگایا۔ان کے زخموں پر مرہم رکھا،ان کی دل جوئی کی۔ان کی مدد کی ۔ صرف اور صرف اسلام کے نام پر۔

اللہ رب العزت قرآن پاک میں فرماتے ہیں کہ " اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقے میں نہ پڑو) لیکن بد قسمتی سے آج ہم نے اللہ کی اس رسی کو چھوڑ کر صوبائیت، قومیت،، لسانیت اور فرقہ واریت کے علم تھام لیئے ہیں۔آج ہم تفرقے میں پڑ چکے ہیں۔ آج ہم مہاجر، سندھی، بلوچ پٹھان ، سرائیکی، دیوبندی، بریلوی وغیرہ وغیرہ ہیں ۔اسی لئے ایک دوسرے کا گلا کاٹا جارہا ہے،ٹارگٹ کلنگ ہو رہی ہے،املاک جلائی جارہی ہیں،ہڑتالیں کی جارہی ہیں۔اسی وجہ سے مہنگائی اور ذخیرہ اندوزی ہے کیوں کہ جب امت کا تصور ختم ہو جائے تو پھر صوبائیت، لسانیت،فرقہ واریت بھی نہیں رہتی بلکہ فرد صرف نفس کا بندہ بن جاتا ہے اور اپنے مفادات کو ہی دیکھتا ہے۔ غور کیجئے کہ کیا آج ہمارت معاشرے ییں ییی صورتحال نہیں ہے۔

بانی پاکستان کو اس بات کا اچھی طرح ادراک تھا کہ بر صغیر میں مسلمانوں کی مختلف زبانیں، قومیں، قبائل اور فرقے ہیں اسی لئے انہوں نے قومیت، صوبائیت، لسانیت وغیرہ کی مذمت کی اور اتحاد پر زور دیا۔ایک موقع پر فرمایا" میں صاف طریق پر آپ کو ان خطرات سے آگاہ کردینا چاہتا ہوں جو

پاکستان کو اور خصوصاً آپ کے صوبے کو اب تک لاحق ہیں۔پاکستان کے قیام کو روکنے کی کوشش میں ناکامی کے بعد اپنی شکست سے پریشان ہو کر دشمن اب مسلمانوں میں پھوٹ ڈال کر اس مملکت میں انتشار پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ان کوششوں نے اب صوبہ پرستی کو ہوا دینے کی صورت اختیار کی ہے۔جب تک آپ اپنی ملکی سیاست سے اس زہر کو نکال نہیں پھینک دیں گے اس وقت تک آپ خود کو ایک حقیقی قوم میں نہیں ڈھال سکتے اور نہ ویسا جوش اور ولولہ پیدا کر سکتے ہیں۔آپ کو چاہئے کہ بنگالی، سندھی، بلوچ پٹھان وغیرہ کی باتیں نہ کریں۔آپ سب ایک قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔(31 مارچ، 1948ء ڈھاکہ)

آپ کو اپنے صوبے کی محبت اور اپنی مملکت کی محبت کے درمیان امتیاز کرنا سیکھنا" چاہئے۔مملکت کی محبت بلکہ مملکت کی طرف سے عائد کردہ فرض ہمیں ایک ایسی سطح پر لے جاتا ہے جو صوبائی محبت سے بالاتر اور ماوراء ہے۔اس سطح پر آنے کے لئے وسیع تر بصیرت اور بلند تر حب الوطنی کی ضرورت ہوتی ہے۔مملکت کا فرض اکثر تقاضا کرتا ہے کہ ہم اپنی ذاتی یا مقامی وصوبائی مفادات کو مفاد عامہ کے تابع کرنے کے لئے ہمہ وقت تیار رہیں۔مملکت کا فرض پہلے ہے اور اپنے صوبے، اپنے ضلع ،اپنے قصبے اپنے گاؤں،کا فرض بعد میں آتا ہے۔یاد رکھئے ہم ایک ایسی مملکت کی تعمیر کر رہے ہیں جو پوری اسلامی دنیا کی تقدیر بدل دینے میں ایک اہم ترین کردار ادا کرنے والی ہے اس لئے ہمیں وسیع تر اور بلند تر

بصیرت کی ضرورت ہے۔ ایسی بصیرت جو صوبائیت، قوم پرستی اور نسل پرستی کی حدود سے ماوراء ہو۔ ہم سب میں حب الوطنی کا شدید اور قومی جذبہ پیدا ہو جانا چاہئے جو ہم سب کو ایک متحد اور مضبوط قوم کے رشتے میں جکڑ دے۔ یہ واحد طریقہ ہے اپنی منزل پر پہنچنے کا، اپنی جدو جہد کا نصب العین حاصل کرنے کا، وہ مقصد عظیم جس کی خاطر لاکھوں مسلمانوں نے اپنا سب کچھ لٹا دیا ہے اور اپنی جانیں تک قربان کر دی ہیں۔ (12 اپریل 1948 ء، اسلامیہ کالج پشاور)"

بلوچستان آزاد اور بہادر انسانوں کی سرزمین ہے اس لئے آپ کی نظروں میں قومی " آزادی، عزت اور طاقت کے الفاظ خاص قدر و قیمت رکھتے ہیں۔ یہ "ملکی" اور "غیر ملکی" کی باتیں نہ ملک کے لئے مفید ہیں نہ آپ کے شایانِ شان ہیں۔ اب تو ہم سب پاکستانی ہیں۔ ہم نہ بلوچی ہیں نہ پٹھان ہیں نہ سندھی ہیں نہ بنگالی نہ پنجابی۔ ہمارے احساسات اور طرز عمل بھی پاکستانیوں جیسے ہونے چاہئیں اور ہمیں چاہیے کہ بجائے کسی اور نام کے صرف "پاکستانی" کہلائے جانے پر فخر محسوس کریں (15 جون 1948 ء، کوئٹہ)

افسوس کہ ہم نے اللہ، رسول اللہ ﷺ کے پیغام کو بھلا دیا، قائد کے فرمودات کو پس پشت ڈال دیا اور اب یہ صورتحال ہے کہ دشمن ہمارا گھیرا تنگ کر رہا ہے۔ فرقہ پرستی و قوم پرستی کو ابھار رہا ہے۔ ہماری سرحدیں غیر محفوظ

ہیں، ہماری شہہ رگ کشمیر ابھی تک دشمن کے پنجہ استبداد میں ہے۔ اور ہم ابھی مستیوں میں مست ہیں ، ہمارا نوجوان انڈین گانوں اور فلموں کے سحر میں مبتلا ہے۔انٹرنیٹ اور sms میں الجھا ہوا ہے۔ارباب اختیار محض اپنے اقتدار کو طول دینے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں ۔بے گناہ انسانوں کا خون بہایا جارہا ہے لیکن کسی کو کوئی فکر نہیں ہے۔ خوف وہراس ہے اور ہر طرف ایک مایوسی کا عالم ہے۔ جشن آزادی منایا جارہا ہے لیکن سڑکوں پر سناٹے ہیں ۔لوگوں کے دل بجھے ہوئے ہیں ۔مجھے اب 14 اگست کو وہ جذبہ و جوش وخروش نظر نہیں آتا جو چند برسوں قبل تک تھا۔شائد اب لوگ مایوس ہو گئے ہیں کہ حالات تبدیل نہیں ہونگے اور کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔شائد یہی بات ہے۔
لیکن یہ کیا ؟ میں دیکھ رہا ہوں کہ اسکولوں کے ننھے منے طلبہ وطالبات ہاتھوں میں سبز ہلالی پرچم لہرا رہے ہیں ۔ان کے چہرے خوشی سے تمتا رہے ہیں ۔وہ جوش جذبے سے نعرے لگا رہے ہیں ۔

پاکستان کا مطلب کیا۔ لا اِلٰہ الا اللہ

تیرا میرا رشتہ کیا۔ لا اِلٰہ الا اللہ

پاکستان زندہ باد ۔ پاکستان پائندہ باد

قائد اعظم زندہ باد

یہ منظر کتنا سہانا ہے۔ ان معصوموں کا جذبہ قابل رشک ہے۔ وہ دیکھیں ایک بچہ فوجی وردی زیب تن کئے ہوئے اس بات کا اعلان کر رہا ہے کہ وہ ملک کی سرحدوں کا دفاع کرے گا اور وطن کی خاطر جان بھی قربان کر دے گا۔ وہ دیکھیں اس طرف ایک بچہ قائد اعظم کے روپ میں ہے اور وہ ہمیں یہ پیغام دے رہا ہے وہ قائد کے مشن کو جاری رکھے گا۔ اور یہ دیکھیں یہ ننھی منی بچیاں جوش و خروش سے نعرے لگا کر اس عزم کا اعادہ کر رہی ہیں کہ وطن کی خاطر وہ بھی کسی سے پیچھے نہیں رہیں گی بلکہ محترمہ فاطمہ جناح کی طرح یہ بھی اپنے بھائیوں کے شانہ بشانہ تعمیر وطن میں اپنا کردار ادا کریں گی۔ یہ کل کے معمار ہمیں درس دے رہے ہیں کہ مایوسی کفر ہے۔ حالات بہتر ہونگے اور یہ طلبہ و طالبات، یہ مستقبل کے معمار ہی تبدیلی لائیں گے۔ ان شاء اللہ

نہیں نومید اقبال اپنی کشت ویران سے
زرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

غزوہ بدر کا پیغام

17 رمضان المبارک 2 ھجری وہ دن ہے جب کفر و اسلام کا پہلا معرکہ پیش آیا تھا۔ بدر کا میدان اس معرکہ میں اہل ایمان کی کامیابی اور اہل کفر کی شکست فاش کا گواہ ہے۔ یہ وہ دن ہے جب اپنی "عددی اکثریت" ، "اسلحہ کی فراوانی" اور "مادی وسائل سے مالامال" ہونے کے غرور میں کفار نے یہ سوچا کہ وہ یثرب کی چھوٹی سی بستی جو کہ اب مدینۃ النبی بن گئی ہے اس پر چڑھائی کرکے اسلام کے چراغ کو گل کردیا جائے تاکہ جہالت کی تاریکی کبھی دور نہ ہو اور دنیا ایمان کی روشنی سے منور نہ ہونے پائے۔ لیکن بقول شاعر

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن۔ پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا۔

معرکہ بدر تاریخی واقعہ ہے جس کو مورخ کسی بھی طور نظر انداز نہیں کرسکتا۔ ایسا معرکہ جس میں اسلام نے کفر کو، اقلیت نے اکثریت کو، اور ایمان نے اسلحہ کو شکست دیدی تھی۔ غور کیجئے کہ ایک طرف 1000 کا طاقتور لشکر ہے۔ جس کے پاس مکمل اسلحہ ،مادی وسائل، تھے اور ساتھ ہی مختلف قبائل کا اتحاد بھی تھا۔ اس کے بر عکس دوسری جانب اہل ایمان کے لشکر میں محض 313 جانثار تھے۔ یہ لشکر بے سروسامانی کی حالت میں تھا۔ فاقہ کشوں کے اس لشکر کے پاس مکمل سامان حرب بھی

نہیں تھا۔313 کے لشکر میں صرف دو گھوڑے تھے اور ستر اونٹ تھے جن پر تمام لشکری باری باری سواری کرتے تھے۔ لیکن اس لشکر کے پاس ایمان کی طاقت تھی اور سینوں میں سرفروشی کا جذبہ موجزن تھا۔

جنگ شروع ہونے قبل رات کو اہل کفار کے لشکر میں ہنگامہ ہاؤ ہو تھا، عیش ونشاط کی محفلیں تھیں، راگ رنگ ناچ گانا ہو رہا تھا۔اور دوسری جانب اللہ کے نبی ﷺ اللہ کے دربار میں سر کو جھکائے ہوئے ہیں اور نہایت عاجزی سے دعائیں مانگ رہے ہیں اور آپ کی چادر آپ کے کندھوں سے ڈھلک جاتی تھی، یار غار اور رفیق سفر حضرت ابو بکرؓ بار بار اس چادر کو درست کر رہے ہیں۔ پیارے نبی ﷺ نے اللہ تعالی کے دربار میں دعا کی کہ "اے خدا! یہ قریش سامانِ غرور کے ساتھ آئے ہیں تاکہ تیرے رسول کو جھوٹا ثابت کریں۔اے اللہ اب تیری وہ مدد آجائے جس کا تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا۔اے اللہ! اگر آج یہ مٹھی بھر جماعت بھی ہلاک ہو گئی تو پھر روئے زمین پر تیری عبادت کہیں نہیں ہوگی" اور پھر اللہ تعالی نے اس جنگ میں اہل ایمان کی غیب سے مدد کی قرآن کے مطابق اللہ تعالی نے ایک ہزار فرشتوں کو مسلمانوں کی نصرت کے لئے بھیجا۔ سورہ انفال میں اللہ تعالی نے اس بات کو ذکر ان الفاظ میں فرمایا ہے۔"اور وہ موقع جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے جواب میں اس نے فرمایا کہ میں تمہاری مدد کے لئے پے در پے ایک ہزار فرشتے بھیج رہا ہوں، یہ بات اللہ نے تمہیں صرف اس لئے

بتا دی کہ تمہیں خوش خبری ہو اور تمہارے دل اس سے مطمئن ہو جائیں، ورنہ مدد تو جب بھی ہوتی ہے اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔ یقیناً اللہ زبردست اور دانا ہے (سورہ الانفال آیت 9-10)

جب جنگ شروع ہوئی تو کفار کے سر غرور سے تنے ہوئے تھے اور اکڑتے ہوئے چلتے تھے ان کا خیال تھا کہ محض ایک زور کا جھٹکا لگے گا اور مدینہ کی نوزائیدہ ریاست زمین بوس ہو جائے گی اور اسلام کا نام ونشان مٹ جائے گا (نعوذ باللہ) لیکن جب جنگ کا اختتام ہوا تو غرور سے تنے ہوئے سر ندامت سے جھکے ہوئے تھے، تکبر سے اٹھتے قدموں کے بجائے مرے مرے قدم تھے اور طاقتور جسم یا تو خاک میں مل چکے تھے یا زخم خوردہ۔ یوں اللہ تعالیٰ نے ان کے غرور کو توڑ کر رکھ دیا، اس غزوہ میں 14 مسلمان شہید ہوئے جبکہ کفار کے 70 افراد ہلاک ہوئے اور اتنے ہی قیدی بنا لئے گئے۔ ہلاک ہونے والوں میں مکہ کے کئی سردار اور بااثر افراد بھی تھے جن میں سر فہرست ابو جہل ہے جو کہ دو کم عمر صحابہ کرامؓ حضرت معاذ اور حضرت معوذؓ کے ہاتھوں جہنم رسید ہوا۔ اس کے علاوہ عتبہ بن ربیعہ، شیبہ، ولید بن عتبہ، امیہ بن خلف جیسے مشہور سرداران قریش میں اس جنگ میں کام میں آئے۔ فاعتبرو یا اولی الابصار

غزوہ بدر میں اللہ اہل ایمان کو رہتی دنیا تک کے لئے ایک سبق دیدیا کہ اگر

دلوں میں کامل ایمان ہو، دین پر مرمٹنے کا جذبہ ہو، اور اللہ پر توکل ہو تو باطل کی بڑی سے بڑی طاقت کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے۔ عددی اکثریت اور مادی وسائل کی کمی کے باوجود اہل ایمان ہی کامیاب ہونگے ۔اس ضمن میں کئی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ 9 ھجری میں ہونے والا غزوہ تبوک اس کی واضح مثال ہے جب رومیوں کے ایک لاکھ کے لشکر کے مقابلے پر تیس ہزار مسلمان تھے ،دیکھا جائے تو یہاں بھی غزوہ بدر کی طرح ایک اور سات کی نسبت تھی لیکن جب مسلمانوں نے اللہ پر توکل کیا، جذبہ جہاد سے سرشار ہو کر اپنی دنیاوی مال ومتاع اور کھیتی و فصلوں کو اللہ کی راہ میں چھوڑ دیا اور دین پر جان لٹانے کا عزم کیا تو اللہ کی رحمت جوش میں آئی اور وقت کی "سپر پاور" روم کو مقابلے پر آنے کی ہمت ہی نہ ہوئی۔ مسلمانوں کا لشکر مدینہ سے نکل کر تبوک کے میدان میں خیمہ زن ہوگیا اور دشمن کا انتظار کرتا رہا لیکن اللہ نے "سپر پاور" کے دل میں مسلمانوں کا ایسا خوف بٹھا دیا کہ لشکر کو مقابلے پر ہی نہیں آیا۔ البتہ یہاں نام نہاد مسلمانوں درحقیقت منافقین کا کردار بھی کھل کر سامنے آگیا۔ منافقین نے نہ صرف یہ کہ خود اس جہاد میں حصہ نہیں لیا بلکہ دیگر مسلمانوں کا حوصلہ بھی توڑنے کی کوشش کی ۔ان کو ڈرایا کہ روم جیسی طاقت سے ٹکر لینا کسی کے بس کی بات نہیں اس لئے جہاد پر جانے کے بجائے اپنے گھر والوں کی فکر کی جائے۔ کچھ کا خیال تھا کہ یہ وقت ایسا ہے کہ کھجوریں پک گئی ہیں اور اگر ان کو چھوڑ دیا گیا تو نقصان ہوگا اور ہماری معیشت تباہ

ہو جائے گی، ہم بھوکے مر جائیں گے۔ وغیرہ وغیرہ لیکن اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح یاب کیا اور منافقین کی ساری باتوں کو جھوٹا ثابت کیا۔ لیکن دوستوں کیا آج بھی یہی صورتحال نہیں ہے۔

زیادہ دور کیوں جائیں ابھی ماضی قریب میں بھی وقت کی ایک "سپر پاور" روس نے طاقت کے نشے میں افغانستان میں لشکر کشی کر دی۔ اس وقت بھی اللہ پر توکل کرنے والے میدان عمل میں نکل آئے قرآن کی اس آیت کی تفسیر بن کر کہ "نکلو اللہ کی راہ میں خواہ ہلکے ہو یا بوجھل" اس لئے سچے اہل ایمان دستیاب وسائل کے ساتھ مقابلے پر کھڑے ہو گئے۔ اس وقت بھی نام نہاد مسلمانوں درحقیقت منافقین نے نہ صرف یہ کہ خود جہاد میں حصہ نہیں لیا بلکہ دیگر لوگوں کا حوصلہ توڑنے کی بھی کوشش کی۔ کہا گیا کہ کہاں سپر پاور روس اور کہاں یہ خستہ حال افغان، ان کا اور روس کا تو کوئی جوڑ ہی نہیں ہے۔ شکست ان کا مقدر ہے اس لئے بہتر یہی ہے کہ مقابلے کے بجائے روس سے شکست مان لی جائے۔ کچھ کا کہنا تھا کہ سفید ریچھ '(روس) جس ملک میں داخل ہوا وہاں سے کبھی نہیں نکلا بلا وجہ اپنی جان کو جوکھوں میں نہ ڈالو۔ لیکن میرے رب نے ایک بار پھر اقلیت کو اکثریت پر فتح دی۔ ایک بار پھر اہل کفار کو شکست اور اہل ایمان کو فتح نصیب ہوئی۔ کھسیانی بلی کھمبا نوچے کے مصداق ان عقلیت پرستوں، روشن خیالوں نے روس کی اس شکست کا ایک جواز تراش کر مجاہدین کے کارنامے کو دھندلانے کی

کوشش کی۔ کہا گیا کہ آئی ایس آئی نے مجاہدین کو سپورٹ کی اور امریکہ نے مجاہدین کا ساتھ دیا اس لئے روس کو شکست ہوئی وگرنہ مجاہدین کو کبھی کامیابی نہیں ملتی۔

اس کے محض گیارہ بارہ سال بعد ہی اللہ نے ایک بار پھر سچے اہل ایمان کی مدد کی۔ ایک بار پھر افغانستان میدان جنگ بنا۔ اور اس بار سپر پاور امریکہ اپنے 22 اتحادیوں سمیت مجاہدین کے مقابلے پر تھا۔ اس بار آئی ایس آئی یا پاکستانی فوج بھی مجاہدین کی پشت پر نہ تھی۔ اپنی خستہ حالی اور بے سرو سامانی کے باوجود اہل ایمان مقابلے پر ڈٹ گئے۔ اس بار بھی روشن خیالوں۔ عقل پرستوں کا گروہ مجاہدین کو دیوانہ کہہ رہا تھا۔ اس بار بھی روشن خیال مفکرین دنیا کو یہ باور کرا رہے تھے کہ "اگر امریکہ سے ٹکر لی تو وہ ہمیں پتھر کے دور میں بھیج دے گا" امریکہ سپر پاور ہے، ایٹمی طاقت ہے، اس کے ساتھ اتحادی ہیں ہم اس سے ٹکر نہیں لے سکتے اس لئے بہتر یہی ہے کہ امریکہ سے جنگ کرنے کے بجائے شکست تسلیم کرلی جائے اور امریکہ کے آگے جھک جائیں " لیکن !

لیکن میرے رب کا وعدہ سچا ہے۔ جو کیفیت غزوہ بدر و تبوک میں تھی وہی کیفیت یہاں بھی تھی اور پھر دنیا نے دیکھا کہ وہی امریکہ جس نے افغانستان میں فوج کشی کے وقت صلیبی جنگ " کا نعرہ بلند کیا اور مجاہدین کے ساتھ غیر انسانی"

سلوک کیا،جب غیر انسانی سلوک پر احتجاج کیا گیا تو امریکہ نے رعونت سے کہا تھا کہ ہ انسان ہی نہیں ہیں بلکہ وحشی درندے ہیں ان پر انسانی قوانین لاگو نہیں ہوتے " وہی امریکہ آج مجاہدین سے مذاکرات کررہا ہے۔ آج اس کے اتحادی بد دل ہیں۔ فوج شکست خوردہ ہے،امریکہ مجاہدین سے باعزت واپسی کا راستہ مانگ رہا۔ وہ لوگ جنہیں انسان ہی نہیں سمجھا گیا تھا آج ان کو حکومت میں شامل کرنے کی باتیں کی جارہی ہیں۔ دنیا کو قرضے اور امداد دینے والے امریکہ کی معیشت تباہی کے دہانے پر پہنچ چکی ہے۔ آج اس کی کریڈٹ ریٹنگ کم ہوتی جارہی ہے۔آج کے آمدنی اور قرضوں کو حجم برابر ہوگیا ہے یعنی اس کی جتنی بھی آمدنی ہے وہ اس کے قرضوں کی ادائیگی میں ختم ہوجائے گی اور اس کو اپنی معیشت کو چلانے کے لئے مزید قرضے لینے ہونگے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار ! یاد کیجئے ماضی قریب میں جب روس نے افغانستان پر چڑھائی کی تھی تو گیارہ سال کی جنگ میں اس کی فوج کو بعد میں شکست ہوئی تھی اس کی معیشت پہلے تباہ ہوئی تھی،لوگ معاشی طور پر تباہ ہوگئے تھے،بیروزگاری بڑھ گئی تھی۔ بھوک کا یہ حال تھا کہ لوگ پھپھوندی لگی ڈبل روٹی کے لئے بھی بیکری کے سامنے قطاروں میں کھڑے ہوتے تھے۔آج امریکہ بھی اسی انجام سے دوچار ہونے ہولا ہے۔یہ وقت کس کی رعونت پہ خاک ڈال گیا۔ یہ کون بول رہا تھا خدا کے لہجے میں۔

ایسا کیوں ہوا؟ پہلے روس اور اب امریکہ کو شکست کیوں ہو رہی ہے؟ وجہ صرف اور صرف یہ تھی کہ مجاہدین نے دنیا کے دھوکے میں آنے کے بجائے اللہ پر توکل کیا، جذبہ جہاد کو زندہ کیا اور دین پر مرمٹنے کا عزم کیا تو اللہ نے فتح ان کی جھولی میں ڈال دی۔ دراصل غزوہ بدر میں ہمارے لئے یہی سبق ہے کہ مادی وسائل اور دشمن کی عددی برتری کے باوجود اگر مسلمان اللہ پر توکل کریں تو فتح ان کی ہی ہوگی۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو۔ اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

میرا کراچی لہو لہو

میرا کراچی ایک بار پھر لہو لہو ہے۔ صورتحال یہ ہے کہ پہلے ہم لوگ بارہ مئی 2007 کو روتے تھے لیکن اب تو یہاں روز ہی ایک بارہ مئی برپا ہوتا ہے، روز درجنوں بے گناہوں کے لاشے گرتے ہیں۔ روزانہ کئی مائیں اپنے جوان بیٹوں کی، بہنیں گھبرو اور محبت کرنے والے بھائیوں کی، سہاگنیں اپنے سہاگ کی لاشوں پر بین کرتی ہیں۔ بوڑھے باپ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ ان کی عمر بھر کی کمائی، ان کی بڑھاپے کا سہارا قبر میں اتارا جارہاہے۔ گھر اجاڑے جارہے ہیں اور ایک منظم سازش کے تحت یہاں لسانیت کو فروغ دیکر اپنے مذموم مقاصد پورے کئے جارہے ہیں۔ پہلے کراچی کا ہر علاقہ ہر ایک کا تھا یعنی لسانی و قومیت کے لحاظ سے لیکن اب ایسا نہیں ہے اب کوئی علاقہ بلوچوں کا ہے، کوئی مہاجروں کا اور کوئی پٹھانوں کا، عید سر پر ہے لیکن مارکیٹیں ویران ہیں لوگ خوفزدہ ہیں کیوں کہ پہلے فسادات ہوتے تھے تو اندھادھند واردات میں کوئی فرد ہلاک ہوجاتا تھا تو اور بات تھی یا کسی فائرنگ وغیرہ کی زد میں آتا تھا لیکن اب تو حد ہو گئی ہے کہ مسافروں سے بھری بسوں کو آگ لگائی جارہی
ہے، مسافروں کو بس سمیت اغواء کیا جارہا ہے اور پھر بوری بند، تشدد زدہ، مسخ لاشوں کی صورت میں یہ مغوی برآمد ہوتے ہیں۔ امن و امان کی ابتر صورتحال کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے

کہ جس دن دس یا بارہ بے گناہ افراد جاں بحق ہوں تو لوگ کہتے ہیں کہ آج کچھ امن تھا کہ صرف دس لاشیں ملی ہیں ورنہ اب تو 20 اور 30 لاشوں کا اوسط چل رہا ہے

ایک طرف یہ ساری صورتحال ہے دوسری جانب ارباب اختیار ابھی تک کسی قسم کے ایکشن کے بجائے پوائنٹ اسکورنگ کرنے اور مفاہمتی سیاست کی وجہ سے خاموش ہیں۔حکومت اور اس کے اتحادی اس صورتحال میں بھی عوام کو بیوقوف بنانے سے باز نہیں آتے ہیں ،امن وامان کی صورتحال میں بہتری کا دعویٰ کیا جاتا ہے،ان دوسرے پر الزام تراشیاں کی جاتی ہیں ،چینلز پر آکر اپنی اپنی مظلومیت کا رونا رویا جاتا ہے اور بے گناہوں کا خون بہتا رہتا ہے۔ کراچی میں فوج کو بلانے کی بات ساری پارٹیاں کرتی ہیں لیکن عملاً کیا صورتحال ہے؟ عملاً صورتحال یہ ہے کہ اربابِ اختیار کو مفاہمتی سیاست اور اقتدار کی ہوس نے بے بس کر رکھا ہے کیوں کہ اگر وہ متحدہ کے دہشت گردوں کے کے دہشت گردوں کے خلاف ANP خلاف کاروائی کرتی ہے تو متحدہ ناراض ہوتی ہے،اگر کاروائی کی جائے تو وہ اس کو امتیازی سلوک کہہ کر واویلا مچاتے ہیں اور رہے ’’گینگ وار المعروف امن کمیٹی والے ،وہ تو انوکھے لاڈلے ہیں ان کو خود پی پی پی نے ہی پروان ‘‘ چڑھایا ہے ،اس لئے اول تو ان کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کی جاتی لیکن اگر کبھی اعلان بھی کردیا جائے تو یہ لوگ فوراً قوم پرستی کا علم تھام کر بلوچوں کی نسل کشی کا شور مچانا شروع کردیتے ہیں۔ اور اس ساری صورتحال کا

خمیازہ عوام کو بھگتنا پڑتا ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ خون ریزی ، یہ جلاؤ گھیراؤ، یہ نفرتیں کیوں فروغ پارہی ہیں ؟ کراچی تو ایک غریب پرور شہر تھا جس نے پورے ملک کے لوگوں کو اپنے دامن میں سمیٹ لیا ، یہاں سندھی، مہاجر، بلوچ پٹھان پنجابی امن و چین سے رہ رہے تھے پھر یہ نفرتیں کیوں ؟ اس کا جواب بہت سیدھا سادہ ہے کہ نہ تو مہاجر دہشت گرد ہے اور نفرتیں پھیلا رہا ہے اور نہ ہی سندھی ، بلوچ پٹھان یا کوئی اور اس طرح کی وارداتیں کر رہا ہے بلکہ دراصل یہ غنڈے اور دہشت گرد ہیں جو اپنے مذموم مقاصد کے لئے یہ سارے کام کر رہے ہیں اور ان کی جماعتیں اور لیڈرز ان کی پشت پناہی کرتے ہیں۔ یہ سارا کھیل تو بھتہ اور قبضے کا تھا جس کو بڑی ہوشیاری سے لسانیت کا رنگ دیدیا گیا ۔ دیکھیں اور غور کریں کہ میرے آپ کے آفس میں، محلے میں ، فیکٹری ، میں کمپنی میں ہر زبان بولنے والے افراد ہیں ۔کیا ہمارے دلوں میں اپنے ساتھیوں کے لئے نفرت ہے؟ کیا ہم اپنے ساتھ کام کرنے والے ساتھیوں کے دکھ درد میں شریک نہیں ہوتے ؟ کیا دکھ سب کا سانجھا نہیں ہے؟ گذشتہ ہفتے میرے ایک ساتھی نے ایدھی مردہ خانے کی ایک تصویر دکھائی ۔ وہ تصویر بہت کچھ کہہ رہی تھی۔

تصویر میں ایک طرف پینٹ شرٹ پہنے ہوئے اردو بولنے والے نوجوان اپنی کسی

پیارے کی لاش لینے کے لئے گیٹ پر کھڑے ہیں۔ان کے چہروں پر اداسی کا ڈیرہ ہے اور ان کے بالکل ساتھ ہی دو بلوچ عورتیں اور ایک بلوچ نوجوان بھی اپنی کسی عزیز کی لاش لینے کے لئے کھڑے ہیں عورتوں کی آنکھوں میں آنسو ہیں اور ہاتھ آسمان کی جانب اٹھے ہوئے ہیں، جبکہ بلوچ نوجوان بھی غم واندوہ کی تصویر بنا ہوا ہے۔ یہ تصویر ہمیں بتا رہی ہے کہ مہاجر ہو یا بلوچ یا پٹھان سب ہی مظلوم ہیں۔ سارے ہی ظلم کا شکار ہیں۔ اسی طرح اخبارات میں اگر جاں بحق ہونے کے گھر والوں کی تصاویر یا ویڈیو دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ مہاجر ہو یا پٹھان یا سندھی بلوچ، مرنے کے بعد سب کے گھروں میں یکساں کہرام مچتا ہے،اب کی مائیں جھولی پھیلا پھیلا کر ظالموں کو بد دعائیں دیتی ہیں۔ ایک پٹھان لڑکی بھی اپنے محبت کرنے والے بھائی پر اتنی ہی جان چھڑکتی ہے جتنی محبت ایک اردو بولنے والی لڑکی اپنے بھائی سے کرتی ہے۔ اور اردو بولنے والے کی ماں بھی اپنے بچے سے اتنی ہی محبت کرتی ہے جتنی کہ ایک بلوچ ماں اپنے بچے سے کرتی ہے۔سب سے خاص بات جو کہ شائد کسی نے نوٹ نہیں کی ہوگی۔ ہر ماں جو ہاتھ اٹھا کر، دامن پھیلا پھیلا کر اپنی جوان اولاد کو قتل کرنے والوں کو بد دعائیں دیتی ہے تو وہ کبھی کسی قومیت کو بد دعا نہیں دیتی، کبھی کسی خاص زبان والے کو بد دعا نہیں دیتی وہ تو ایک ہی بات کہتی ہے کہ اللہ ظالموں کو غارت کرے،اللہ ظالموں کو نیست و نابود، کرے،شائد اس لئے کہ ایک ماں دوسری ماں کا دکھ سمجھتی ہے۔اسے شدید ترین غم اور دکھ میں بھی اندازہ ہوتا ہے کہ

اس کی ایک لغزش کتنی ماؤں کی گود اجاڑ سکتی ہے۔

اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم اس صورتحال کو بہتر بنانے میں اپنا کردار کس طرح ادا کر سکتے ہیں؟ دیکھیں ہم دہشت گردوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے، ہم بندوق کے جواب میں بندوق نہیں اٹھا سکتے لیکن نفرتوں کو کم کرنے میں تو ہم اپنا کردار ادا کر سکتے ہیں۔ میں اور آپ ! چاہے ہم مہاجر ہیں، سندھی ہیں، بلوچ ہیں ،پٹھان ہیں پنجابی وغیرہ سب سے پہلے تو ہم یہ کریں کہ جو شر انگیز اور افواہوں پر مبنی ایس ایم ایس آج کل لوگوں کو موصول ہوتے ہیں کہ فلاں جگہ مہاجروں نے پٹھان کو مار دیا ہے یا فلاں علاقے میں پٹھانوں نے حملہ کر دیا وغیرہ وغیرہ تو ایسے ایس ایم ایس بغیر تصدیق آگے نہ بڑھائیں کیوں کہ اللہ تعالٰی بھی قرآن میں فرماتا ہے کہ " اے لوگوں ! جو ایمان لائے ہو، اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لیکر آئے تو تحقیق کر لیا کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی گروہ کو نادانستہ نقصان پہنچا بیٹھو اور پھر اپنے کئے پر پشیمان ہو (سورہ الحجرات آیت نمبر 6)

پھر دوسری بات یہ کہ جب کسی محفل میں، خاندان میں ،دوستو یاروں کی مجلس میں بیٹھیں اور کراچی کی صورتحال پر بات ہو تو کوشش کریں کہ لوگوں کو یہ بات سمجھائیں کہ جھگڑا لسانیت یا قومیت کا نہیں ہے بلکہ یہ کھلم کھلا ظلم دہشت

گردی ہو رہی ہے۔اور اس ظلم کا شکار ہر قوم کے لوگ ہو رہے ہیں مہاجر بھی اس ظلم کا شکار ہیں ،پٹھان بھی اور بلوچ بھی ۔ حق کو صرف اپنی قوم یا مفادات کے تحت چھپانے کے بجائے ضمیر کی آواز پر لبیک کہیں اور لوگوں کو بتائیں کہ ہمارے رہنما،ہمارے لیڈرز چاہے وہ مہاجروں کے ہوں یا بلوچ اور پٹھانوں کے یا پی پی کے ان سب کے مفادات کے باعث کراچی بد امنی کا شکار ہے ۔مجھے یقین ہے کہ ہماری ان چھوٹی چھوٹی کاوشوں کا مجموعی اثر بہت مثبت اور نتیجہ خیز ہوگا،اور ہم کم از کم یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ ہم نفرتوں کی آگ بھڑکانے والے نہیں بلکہ اس الاؤ کو ٹھنڈا کرنے والے گروہ میں سے ہیں۔ ہماری یہ نیکی اللہ کی بارگاہ میں رائیگاں نہیں جائے گی۔

اللہ تعالٰی سے دعا ہے کہ وہ ہمارے ملک اور ملک کے سب سے بڑے شہر کراچی پر اپنا کرم فرمائے، نفرتوں کو آگ کو ٹھنڈا کرے اور دہشت گردوں اور ان کے پشتیبانوں کو ہدایت عطا فرمائے اور اے اللہ اگر ان بد نصیبوں کی قسمت میں ہدایت نہیں لکھی تو پھر اے اللہ ان کو نیشت و نابود کردے،ان کی رسی کو مزید دراز نہ کر،اے اللہ ان کو اتنی مہلت نہ دے کہ یہ مزید گھروں کو اجاڑیں۔آمین ثمہ آمین

کراچی: گینگ وار اور بھتے کی تاریخ

اہل کراچی بھتہ خوری سے اچھی طرح واقف ہیں۔آخر کار بیس سال سے زائد عرصہ ہوگیا ہے انہیں بھتے دیتے ہوئے۔بھتہ خوری کی وبا پہلے بہت محدود پیانے پر ہوتی تھی یعنی پہلے صرف کراچی پولیس پتھارے داروں سے بھتہ وصول کیا کرتی تھی۔اور یہ بھتہ بھی بہت معمولی ہوتا تھا یعنی دس روپے یا پندرہ روپے فی پتھارہ یا ٹھیلہ وصول کیا جاتا تھا۔پارٹی یا تنظیم کی سطح پر سب سے پہلے متحدہ قومی موومنٹ نے بھتہ وصولی شروع کی۔ابتداء میں مہاجر کاز کے نام پر مہاجر و دکان داروں مہاجروں کے گھروں سے چندے کے نام پر رقم وصول کی جاتی تھی اس کے بعد متحدہ قومی موومنٹ نے بھتے کو ایک صنعت کو درجہ دیدیا اور اپنے اخراجات پورے کرنے کے لئے اس کو فروغ دیا۔ پولیس والے صرف پتھارے داروں اور فٹ پاتھ پر ٹھیلہ یا اسٹال لگانے والوں سے بھتے لیتے تھے لیکن متحدہ قومی موومنٹ نے پوری پوی مارکیٹوں سے بھتہ وصول کرنا شروع کیا۔ جو دکان دار بھتہ دینے سے انکار کرتا اس کو نشانِ عبرت بنا دیا جاتا۔مرتا کیا نہ کرتا؟ دکانداروں نے اس صورتحال سے سمجھوتہ کرلیا۔بھتے کے ساتھ ساتھ متحدہ قومی موومنٹ نے شہر کی قبضہ گیری کی ابتدا بھی کی۔آج سے بیس سال پہلے تک شہر کی ہر یوسی میں دو تین پبلک پارک ہوا کرتے تھے۔لیکن متحدہ قومی موومنٹ نے اپنے یونٹ اور سیکٹر آفسز کے لئے ان

پبلک پارکس پر قبضے شروع کیے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس وقت شہر میں پبلک پارکس اب برائے نام ہی رہ گئے ہیں اور جو چند ایک بڑے بڑے فیملی پارکس شہر میں موجود ہیں ان کو الخدمت گروپ کے ناظم شہر نعمت اللہ خان نے دوبارہ آباد کیا اور ان کی تزئین و آرائش کرکے ان کو دوبارہ قابل استعمال بنایا وگرنہ ان پارکوں میں دھول اڑا کرتی تھی۔

1986ء سے لیکر 1992ء تک متحدہ قومی موومنٹ بلا شرکت غیرے شہر سے بھتہ وصول کرتی رہی اور اس کا کوئی مقابل نہ تھا لیکن 1992ء میں ایم کیو ایم حقیقی کی تشکیل کے بعد ان لوگوں نے بھی اپنے زیر اثر علاقوں میں بھتہ وصولی شروع کر دی۔

1992ء س 1997ء تک شہر کراچی کے باسیوں نے ایک نیا منظر یہ دیکھا کہ مہاجروں کے حقوق کے دعوے داروں نے ایک دوسرے کو قتل کرنا شروع کیا۔ اگر ایک دن حقیقی کے کسی آفس میں حملہ ہوتا تو اسکے چند دن بعد متحدہ کے کسی آفس میں حملہ کرکے اس کا حساب برابر کردیا جاتا۔ایک دن متحدہ کا کوئی کارکن یا کارکنان قتل ہوتے تو کچھ دنوں کے بعد حقیقی کے کچھ لوگ قتل ہوجاتے تھے.

اس دوران یہ ہوا کہ پی پی پی کی حکومت کی برطرفی کے بعد میاں نواز شریف برسر اقتدار آئے اور انھوں نے پی پی پی کی مخالفت کی بناء پر ایک بار پھر ایم کیو ایم سے اتحاد کیا (حالانکہ ایم کیو ایم کے خلاف آپریشن میاں صاحب

کی پہلی حکومت میں ہی شروع کیا گیا تھا) متحدہ کی حکومت میں شمولیت کے بعد حقیقی کے لئے مشکل دور کا آغاز ہوا۔ حقیقی کے بیشتر کارکنان روپوش ہو گئے، کئی ایک نے دوبارہ متحدہ میں شمولیت اختیار کی اور اسی دوران حقیقی کے بیشتر کارکنان نے ایک نسبتاً نئی مذہبی سیاسی جماعت سنی تحریک میں شمولیت اختیار کر لی۔

سنی تحریک اپنے آغاز سے ہی ایک انتہا پسند جماعت رہی ہے۔ دعوتِ اسلامی اور جمعیت علما پاکستان کا تعلق بھی مسلک اہل سنت والجماعت سے ہے لیکن یہ دونوں بہت پرامن جماعتیں ہیں ان کے برعکس سنی تحریک نے تشدد اور قبضے کے ذریعے اپنی تحریک کا آغاز کیا۔ سنی تحریک کا نعرہ تھا اور اب بھی ہے۔ جوانیاں لٹائیں گے۔ مسجدیں بچائیں گے۔ اس نعرے کے تحت اہلیان کراچی نے ایک نئی قسم کی جنگ کا منظر دیکھا۔ اور منظر یہ تھا کہ سنی ہی سنی سے برسرپیکار ہوئے۔ سنی تحریک نے مسجدوں پر قبضوں کا سلسلہ شروع کیا۔ جو آج بھی جاری ہے آئے دن آپ کی نظروں سے یہ خبریں گزرتی ہونگی کہ فلاں علاقے میں دو مذہبی گروہوں میں تصادم کے بعد فلاں مسجد کو سیل کر دیا گیا۔ یہ اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ نیو کراچی گودھرا کیمپ میں آئے روز ہونے والے فسادات کی وجہ بھی بھتہ خوری اور یہی مسجدوں پر قبضے کی جنگ ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ قربانی کی کھالیں اگرچہ اہل سنت والجماعت کے کئی گروپ جمع کرتے

ہیں لیکن وہ پرامن طریقے سے لوگوں سے اپیل کرتے ہیں اس کے برعکس متحدہ قومی موومنٹ کی طرح سنی تحریک نے بھی زور زبردستی کھالیں چھیننے کا کام شروع کردیا۔

متحدہ قومی موومنٹ اور حقیقی کے بعد یہ سنی تحریک وہ تیسرا گروپ ہے جس نے شہر میں بھتہ خوری اور قبضے گیری کا سلسلہ شروع کیا،اب یہاں متحدہ کو ایک اور حریف کا سامنا کرنا پڑا، کیوں کہ سنی تحریک کی بھتہ خوری کے باعث اس کے حصے میں کمی آنے شروع ہوئی ،ابتدا میں تو سنی تحریک کا نوٹس نہیں لیا گیا لیکن جب سنی تحریک نے اپنے ہاتھ پاؤں پھیلانے شروع کئے تو پھر متحدہ نے اس کے خلاف ایکشن لینا شروع کیا۔

کھارادر، چاکیواڑہ، نیو کراچی وغیرہ میں سنی تحریک نے اپنے قدم جمالئے ،اس کے ساتھ ساتھ سنی تحریک نے بھتے کا دائرہ کار بولٹن مارکیٹ، پیپر مارکیٹ، جامع کلاتھ وغیرہ تک پھیلا دیا۔ اسی وجہ سے متحدہ اور سنی تحریک کے درمیان مسلح تصادم کا سلسلہ شروع ہوا جو کہ ایک دو ماہ کے وقفے کے بعد دوبارہ جاری ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد بھی اہلیان کراچی کی آزمائش ختم نہیں ہوئی،ان تینوں گروپس کے بعد اے این پی نے بھی متحدہ اور سنی تحریک کے نقش قدم پر چلتے ہوئے بھتہ خوری اور قبضہ گیری میں اپنا نام پیدا کیا۔ اے این پی اگرچہ ایک ملک گیر جماعت

تھی اور کراچی کے لوگ پہلے بھی اس سے واقف تھے لیکن کراچی میں اس کا اثر رسوخ اور قوت نہ ہونے کے برابر تھی ۔ اگرچہ پختونوں کی کراچی میں آمد عرصہ دراز سے جاری تھی اور ان کی آبادیاں بھی یہاں موجود تھیں لیکن سیاسی طور پر یہ لوگ زیادہ منظم نہ تھے۔ شاہی سید کی اے این پی میں شمولیت (1999) ۔اور پھر چند سالوں بعد سندھ کا صدر بننے کے بعد کراچی میں پختون منظم ہونا شروع ہوئے ۔ غالباً 2006 میں ہم نے پہلی بار شاہی سید کے پوسٹرز اور بل بورڈز شہر میں لگے ہوئے دیکھے۔ اس کے بعد اے این پی نے بھی اپنے زیر اثر پختون علاقوں میں بھتہ وصولی کا کام شروع کیا۔ ابتداء میں یہ کام صرف بنارس ،اورنگی وغیرہ میں ہوتا تھا۔ اے این پی کی بد قسمتی کہہ لیجئے یا پھر شاید منصوبہ بندی کے تحت قبضہ گروپس ،منشیات فروش اس میں شامل ہوتے گئے۔ شہر کی زمینیوں پر قبضے کی جنگ میں اے این پی بھی شامل ہو گئی۔ اے این پی اور متحدہ کے درمیان تعلقات کی خرابی یا تصادم کی وجہ یہ بنی کہ بلدیہ ٹاؤن (اتحاد ٹاؤن) جہاں پختونوں کی اکثریت ہے وہاں انھوں نے زمینوں پر قبضے کا سلسلہ شروع کیا۔) یہ بات واضح رہے کہ اورنگی ٹاؤن کی پہاڑیوں اور اس کے قرب و جوار کے علاقوں میں پہلے ہی پختون قبضہ گروپس نے اپنی بستیاں بنا لی تھی (قبضے کا سلسلہ بڑھتا گیا یہاں تک اورنگی ٹاؤن تک پہنچ گیا۔ دوسری جانب اے این پی نے اپنی بھتہ خوری کے دائرے کو وسیع کیا اور اورنگی وغیرہ کے ساتھ ساتھ گلستان جوہر اور گلشن اقبال کے کئی علاقوں میں بھی بھتہ وصولی شروع کی۔جب کہ ان

علاقوں سے متحدہ قومی موومنٹ بھتہ وصول کرتی تھی۔زمینوں پر قبضے اور بھتہ خوری کے بڑھتے ہوئے سلسلے کے باعث متحدہ کو ایک اور حریف کا سامنا کرنا پڑا،البتہ یہ حریف اس کے دیگر حریفوں کے مقابلے میں طاقتور بھی تھا اور اسلحے میں خود کفیل بھی اس لئے شہر میں مہاجر پٹھان فسادات کا سلسلہ شروع ہوا۔ ابتداء میں چھوٹے چھوٹے تصادم ہوتے رہے لیکن 12 مئی 2007 کو قائدآباد، ناظم آباد پاپوش نگر اور دیگر کچھ علاقوں میں پختونوں کو خاص طور پر ٹارگٹ کیا گیا۔ جبکہ واٹر پمپ ایف بی ایریا کے سگنل کے قریب واقع پختونوں کی دکانوں کو نذر آتش کر دیا گیا۔

اس کے بعد نومبر 2008 میں ایک بار پھر مہاجر پٹھان فسادات ہوئے، جس میں درجنوں لوگ اپنی جانوں سے گئے۔ان میں بے گناہ مہاجر بھی تھے اور پختون بھی۔ ان فسادات کے دوران مہاجر آبادیوں میں واقع پختونوں کے ہوٹل بند کرائے گئے۔ ان کی دکانوں کو لوٹا گیا کئی جگہوں پر پٹھانوں کی املاک کو نقصان پہنچایا گیا۔ مفاہمتی سیاست کے تحت رحمان ملک اور صدر زرداری نے دونوں گروپوں میں صلح کرادی لیکن چھوٹے چھوٹے تصادم کا سلسلہ جاری رہا۔ 2009 میں ایک بار پھر شہر فسادات کی زد میں آیا۔ اس دفعہ بھی متحدہ اور اے این پی آمنے سامنے تھے۔ایک بار پھر درجنوں بے گناہ لوگ مارے گئے اور متحدہ نے ایک بار پھر بے گناہ پختونوں کو ٹارگٹ کرنا شروع کیا۔ ایک بار پھر پختونوں کے ہوٹلز اور

دکانوں کو خالی کرانے کی کوششیں کی گئیں۔ اسی سال سانحہ عاشورہ ہوا جس کی آڑ میں لائٹ ہاؤس کی مارکیٹ میں پختونوں کی دکانوں کو جلایا گیا۔ اگرچہ اس کو مشتعل عوام کے رد عمل کا نام دیا گیا لیکن حیرت انگیز بات یہ تھی کہ مظاہرین نے صرف سیدھے ہاتھ پر واقع پختونوں کی مارکیٹوں کو نقصان پہنچایا جبکہ الٹے ہاتھ پر واقع دکانوں کو ہاتھ تک نہیں لگایا گیا۔ بعد میں یہ معلوم ہوا کہ اس جلاؤ گھیراؤ میں متحدہ قومی موومنٹ ملوث تھی ۔ لیکن مفاہمتی سیاست کے تحت اس جلاؤ گھیراؤ میں ملوث عناصر کے خلاف کاروائی نہیں کی گئی۔ آج متحدہ کے انہی کارناموں کا خمیازہ اورنگی ٹاؤن کے عوام بھگت رہے ہیں وہ نشانہ بن رہے ہیں ۔ بنارس چوک، ولیکا اور اورنگی ٹاؤن میں اردو بولنے والوں کو نشانہ بنایا جارہا ہے لیکن یہ آگ تو خود متحدہ کی لگائی ہوئی تھی۔ اس نے نفرتوں کی جو فصل بوئی تھی اب وہی فصل کاٹ رہی ہے لیکن افسوس کا مقام ہے کہ س کا نشانہ عام افراد بن رہے ہیں۔

لیاری گینگز کراچی میں کم و بیش پچیس تیس سالوں سے موجود ہیں ۔ ابتداء میں یہ بابو ڈکیت اور حاجی لالو گروپ کے نام سے مشہور تھے اور ان کا دائرہ کار ڈکیتیاں یا پھر منشیات فروشی تک محدود تھا۔ جبکہ رحمان ڈکیت کا باپ داد محمد عرف دادل بھی ان کے گروپ میں شامل تھا۔ نوے کی دہائی کے آغاز میں انہوں نے منشیات فروشی کا بھی دھنداہ شروع کردیا دادل اور حاجی لالو آپس

میں دوست تھے اور دادل اکثر و بیشتر حاجی لالو کے گھر میں بھی آتا جاتا رہتا تھا۔ بعض اختلافات کے باعث ان کے گروپ الگ ہوگئے اور بابو ڈکیت نے اختلافات کے باعث رحمان ڈکیت کے چچا اور دادل کے بھائی کو قتل کردیا، رحمان ڈکیت نے اپنا ایک نیا گروپ تشکیل دیا۔ اسی دوران بابو ڈکیت کو پولیس نے گرفتار کرلیا۔ عدالت میں پیشی کے دوران رحمان ڈکیت نے بابو ڈکیت کو قتل کردیا اور فرار ہوگیا۔ کہا جاتا ہے کہ رحمان ڈکیت نے پولیس کو مخبری کرنے کے شبہہ میں اپنی ماں خدیجہ کو بھی قتل کیا تھا۔ ادھر دونوں گروپس کے اختلافات بڑھتے رہے اور چھوٹے موٹے تصادم ہوتے رہے لیکن 2001 میں رحمان ڈکیت نے حاجی لالو کے ایک فرد مہران کو لیاری کی ایک ٹرانسورٹ یونین کی صدارت سے ہٹا دیا، ارشد پپو نے رحمان ڈکیت سے مہران کو بحال کرنے کا مطالبہ کیا جو کہ رحمان نے نہیں مانا، جس کے رد عمل میں ارشد پپو نے رحمان ڈکیت کے ایک فرد فیض محمد عرف فیضو کو قتل کردیا جبکہ حاجی لالو نے اپنے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ رحمان ڈکیت کے لوگوں کو قتل کریں۔ جس کے بعد لیاری میں اس بدترین گینگ وار کا آغاز ہوا جو کہ ابھی تک جاری ہے ارشد پپو اور رحمان ڈکیت گروپ۔ یہ دونوں گروپس پرانا گولیمار، لیاری، لی مارکیٹ اور گارڈن کے علاقوں میں وارداتیں کرتے تھے اور ایک دوسرے کے علاقوں میں قبضے کی کوششیں کرتے تھے۔ پھر ان گروپوں نے محدود بھتہ خوری کا آغاز کیا، ابتداء میں یہ گروپس اپنے زیر اثر علاقوں میں موجود بلڈرز، اور ٹرانسپورٹرز سے بھتہ وصول کرتے تھے۔ جبکہ اس

دوران ان کی آپ کی جنگ چلتی رہی جو کہ لیاری گینگ وار کے نام سے مشہور ہوئی۔ رحمان ڈکیت گروپ نے ارشد پپو گروپ کو پسپا کر دیا اور اس کے کئی علاقوں میں قبضہ کر لیا۔ گینگ وار کے کارندے انتہائی سفاک اور ظالم ہیں یہ لوگ ایک دوسرے کے علاقوں میں قبضے کے دوران مخالفین کے مرحومین کی قبریں تک اکھاڑ دیتے تھے۔ جبکہ مخالفین کے لوگوں کو اغواء کر کے انہیں بدترین تشدد کا نشانہ بنا کر قتل کیا جاتا تھا۔ (اس حوالے سے گزشتہ ماہ ایک نجی چینل پر ایک ویڈیو بھی جاری کی گئی تھی جس میں ایک گروپ کے لوگ دوسرے گروپ کے فرد پر تشدد کر رہے ہیں اور اس پر کتے چھوڑ رہے ہیں۔) بعض اطلاعات کے مطابق متحدہ نے لیاری میں انٹری کے چکر میں ارشد پپو گروہ کو سپورٹ کرنا شروع کیا۔ ان اطلاعات میں کتنی صداقت ہے یہ تو ہم نہیں کہہ سکتے ہیں یہ ضرور ہوا کہ متحدہ کی جانب سے ارشد پپو گروپ کی سرپرستی کے بعد پی پی نے اس کے مقابلے کے لئے رحمان ڈکیت کو باقاعدہ سپورٹ کرنا شروع کر دیا۔ اور اس کو ایک سماجی کارکن ایک رہنما کے طور پر پیش کرنے کی کوشش کی، ہو سکتا ہے کہ اس کے پس پردہ یہ مقاصد ہوں کہ لیاری کے بے روزگار اور معمولی جرائم پیشہ افراد کو جرم کا رستہ چھوڑ کر باعزت زندگی گزارنے کا موقع دیا جائے۔ واللہ اعلم

اسی وجہ سے پیپلز امن کمیٹی کا قیام عمل میں آیا اور ماضی کا رحمان ڈکیت اب سردار عبدالرحمٰن بلوچ عرف خان بھائی بن گیا۔آغاز میں امن کمیٹی نے لیاری کے لوگوں کی خدمت کے ذریعے ان کا اعتماد حاصل کرنے کی کوشش کی۔اس دوران امن کمیٹی نے لیاری میں کئی فلاحی سرگرمیاں کی، غریبوں اور بیواؤں کی مدد،ڈسپنسری وغیرہ قائم کرکے ایک سماجی خدمات کا آغاز کیا گیا۔ ہوسکتا ہے کہ پی پی پی اپنے مقصد میں کامیاب ہوجاتی اگر پی پی پی کی حکومت میں ہی رحمان ڈکیت کی پولیس مقابلے میں ہلاکت نہ ہوتی۔ رحمان ڈکیت کی ہلاکت کے بعد امن کمیٹی پی پی پی سے دور ہوتی گئی اگرچہ اس کے ہمدرد اور کارکنان کا تعلق پیپلز پارٹی سے ہی ہے لیکن وہ پی پی پی کی موجودہ قیادت سے متنفر ہیں۔اس سارے پس منظر میں یہ ہوا کہ ارشد پپو گروپ تقریباً ختم ہوگیا اور ارشد پپو بھی گرفتار کرلیا گیا۔اس کے بعد ایم کیو ایم نے کچھی برادری کو سپورٹ کرکے لیاری میں انٹری کی کوششیں شروع کردی۔ جبکہ دوسری جانب امن کمیٹی نے باقاعدہ بھتہ خوری اور کھالوں کے چھیننے کا سلسلہ شروع کردیا۔جس کے باعث گذشتہ سال نیا آباد میں عید الاضحیٰ پر نیازی برادری اور امن کمیٹی کے درمیان مسلح تصادم ہوا جس میں امن کمیٹی کے کارندوں کی فائرنگ سے چار یا پانچ لوگ جاں بحق ہوگئے (جبکہ متحدہ کی لیاری میں انٹری کی کوششوں کے باعث امن کمیٹی اور متحدہ کے درمیان تصادم کی بھی ابتدا ہوگئی۔اس دوران متحدہ کے دباؤ پر امن کمیٹی کو تحلیل کردیا گیا اور اس وقت آن دی ریکارڈ پیپلز

(امن کمیٹی کو وجود نہیں ہے۔

امن کمیٹی کی تحلیل کے بعد لیاری گینگ وار کے کاندے اپنے رہنماؤں کی برائے نام نگرانی اور گرفت سے بھی آزاد ہوگئے اور انہوں نے لوٹ مار کا سلسلہ گرم کردیا۔ اسی سلسلہ میں گذشتہ سال شیر شاہ کی کباڑی مارکیٹ کا سانحہ پیش آیا جبکہ گینگ وار نے لیاری، پرانا گولیمار، گارڈن وغیرہ کے علاقوں سے نکل کر کھارادر، بولٹن، بیپر مارکیٹ، برنس روڈ تک اپنے پاؤں پھیلانے کی کوشش کی جس پر متحدہ اور لیاری گینگ وار کے درمیان جنگ تصادم کا آغاز ہوااور اس تصادم نے باقاعدہ جنگ کی صورت اختیار کرلی، حالیہ افسوس ناک حالات کی وجہ بھی انہی دونوں پارٹیوں کی آپس کی چپقلش اور لڑائی کا نتیجہ ہے جس کا خمیازہ ایک بار پھر بے گناہ عوام کو بھگتنا پڑا۔ حالیہ فسادت کی ابتداء پانچ بلوچ نوجوانوں کی ہلاکت کے بعد ہوئی، ان نوجوانوں کو طارق روڈ اور دیگر علاقوں سے اغواء کرکے تشدد کا نشانہ بنایا گیا اور پھر قتل کرکے پھینک دیا گیا جس کے بعد شہر مقتل بن گیا، لیاری اور کھارادر سے اردو بولنے والوں کو اغواء کرکے بدترین تشدد کانشانہ بنا کر قتل کیا گیا اور لاشیں بوری میں بند کرکے پھینک دی گئی۔ البتہ یہاں بات ذہن نشین رہے کہ حالیہ فسادت میں صرف لیاری گینگ وار نے لوگوں کو قتل نہیں کیا بلکہ متحدہ کے زیر اثر علاقوں سے بھی لوگوں کو اغواء کرکے انہیں قتل کے بعد بوری میں بند کرکے پھینک دیا گیا۔ ناظم آباد

اور نیو کراچی جیسے علاقوں سے بوری بند لاشیں اس کا ثبوت ہیں۔

جبکہ اسی دوران چکرا گوٹھ کا واقعہ پیش آیا جس میں دہشت گردوں نے سادہ لباس میں ملبوس پولیس مروت کوچ میں سوار پولیس اہلکاروں پر حملہ کر دیا، جس کے نتیجے میں چھ پولیس اہلکار و جاں بحق ہو گئے جبکہ پولیس کی جوابی فائرنگ سے دو دہشت گرد موقع پر ہی ہلاک ہو گئے جبکہ کچھ زخمی ہو گئے۔ ہلاک ہونے والے دہشت گردوں کی شناخت شاہد برگر اور شاہد چمن کے نام سے ہوئی اور ان کا تعلق متحدہ قومی موومنٹ سے تھا جبکہ زخمی ہونے والے ایک دہشت گرد کو جناح ہسپتال سے گرفتار کیا گیا جس کی شناخت کامران عرف مادھوری کے نام سے ہوئی ہے۔ جبکہ رینجرز کے آپریشن کے دوان گینگ وار کے چار کارندے بھی گرفتار کئے گئے ۔ جبکہ بلدیہ ٹاؤن سے متحدہ کے ایک دہشت گرد شاہد عرف چھوٹو کو بھی گرفتار کیا گیا۔

اس وقت کراچی میں امن ہے لیکن کوئی نہیں جانتا کہ امن کا یہ وقفہ کتنے دن کا ہے۔ضرورت اس بات کی ہے کہ کسی ایک گروپ یا گروہ کے خلاف کاروائی کرنے کے بجائے مکمل غیر جانبدارانہ آپریشن کرکے شہر کو اسلحے سے پاک کیا جائے ۔ بھتہ خوری ٹارگٹ کلنگ ، دہشت گردی میں ملوث افراد کو قرار واقعی سزا دی جائے سب سے بڑی، بات یہ کہ دہشت گردوں کے خلاف آپریشن کو سیاسی جماعتوں کی مداخلت سے پاک رکھا جائے۔اس کے بعد ہی شہر میں مکمل امن وامان قائم ہو سکتا ہے بصورتِ

دیگر وقتی امن کے بعد شہر میں فسادات برپا ہوتے رہیں گے۔ بے گناہ افراد مرتے رہیں گے۔ بھتہ خوری اور پرچی مافیا اپنا کام کرتی رہے گی۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے شہر کو ایک بار پھر امن کا گہوارہ بنائے۔ آمین

محبت کی بولی نہیں بولی جاتی

تحریر: ابو نثر

اخبار میں ایک خبر چھپی ہے جس کی سرخی ہے: "سندھ کے اِسکولوں میں چینی زبان پڑھانے کا حیرت انگیز فیصلہ" فیصلہ حیرت انگیز نہیں ہے۔ ہمارے لیے تو یہ سرخی ہی حیرت انگیز ہے۔ اگر سات سمندر پار کی زبان انگریزی کو پہلی جماعت سے لازمی قرار دیا جاسکتا ہے تو اپنے قریبی دوست اور ایسے ہمسائے کی زبان پڑھانے کا فیصلہ کیسے حیرت انگیز قرار دیا جاسکتا ہی، جس کی دیوار سے ہماری دیوار ملی ہوئی ہے اور جس کے رُخسار سے ہمارے رُخسار۔ خبر کی تفصیلات کے مطابق: "وزیرِاعلیٰ سندھ سید قائم علی شاہ کے زیر صدارت کراچی میں ہونے والے ایک اجلاس میں فیصلہ کیا گیا ہے کہ 2013ء سے چھٹی جماعت سے چینی زبان کی تعلیم کو لازمی قرار دیا جائے گا۔ اجلاس میں یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ جو طالب علم ابھی چینی زبان سیکھیں گے اُنھیں امتحانات میں اضافی نمبرز، اِسکالرشپ اور بیرون ملک جانے کا موقع بھی دیا جائے گا۔ وزیرِاعلیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ اِس حوالے سے طریقہ کار، قوانین اور تدریسی عمل کو حتمی شکل دی جائے۔ اجلاس میں یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ سندھ کے پٹارو کیڈٹ کالج میں بھی چھٹی جماعت سے چینی زبان کو لازمی قرار دیا جائے گا"۔ چینی زبان سیکھ

لینے کے بعد تو آدمی سوائے چین کے اور کسی " بیرونِ ملک " کا سوچ بھی نہیں سکے گا۔ بہت سے بہت جاپانیوں کے سینے پر (چینی) مونگ دلنے کے لیے جاپان جا پہنچے گا۔ مگر اس موقع پر جاپانی (ایٹمی ہتھیاروں کے خلاف ہونے کے باوجود) اُس کا جو حشر کریں گی، پھر وہ چین جانے سے بھی ڈرنے لگے گا: کہا: "ہم چین کو جائیں؟" کہا: "تم چین کو جاؤ" کہا: "جاپان کا ڈر ہی!" کہا: "جاپان تو ہوگا!"

چینی زبان پر یاد آیا کہ ہمارے صوبہ سندھ میں تو آج کل سارا مسئلہ ہی زبان کا ہے۔ آج کل کیا؟ اب تو 2012ء بھی آیا چاہتا ہی.... گویا یہ.... چالیس برس کا مسئلہ ہی، دو چار برس کی بات نہیں۔ جب 1972ء میں پہلی بار سرکاری سطح سے "اُردو، سندھی فساد" کروایا گیا تھا۔ جب رئیس امروہوی کی ایک نظم نے شہر بھر میں آگ لگادی تھی: اُردو کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے" جب شہر میں جا بجا اُردو نگر اور اُردو چوک قائم ہو گئے تھے۔ اور جب" شہدائے اُردو" کے مزارات بنائے گئے تھے جن کا آج جھاڑ جھنکار کے سوا کوئی پُرسانِ حال نہیں....اور جب ہر خون کی طرح یہ خونِ خاک نشیناں بھی رزقِ خاک ہو کر رائیگاں چلا گیا۔ "اُردو، سندھی لسانی فساد" کے اِس مسئلے نے بہت سے مسائل کو جنم دیا۔ اِن مسائل میں.... اُردو بولنے والوں کو بنا کر دیے جانے والے لیڈر الطاف حسین........ اور الطاف حسین کو بنا کر دی جانے والی تنظیم ایم کیو ایم بھی شامل ہیں۔ ہمارا شہر کثیر اللسانی شہر ہے۔ یہاں اُردو بولی جاتی ہے۔ سندھی بولی جاتی

ہے۔ پشتو بولی جاتی ہے۔ پنجابی بولی جاتی ہے۔ بلوچی بولی جاتی ہے۔ کچھی بولی جاتی ہے۔ مکرانی بولی جاتی ہے۔ گجراتی بولی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ برمی، بنگالی اور فارسی بھی بولی جاتی ہے۔ لیکن اگر نہیں بولی جاتی تو بس: محبت کی بولی نہیں بولی جاتی!

کوئی زبان سیکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ ہم تو کہتے ہیں کہ ہمارے بچوں کو حسبِ حاجت دُنیا کی ہر زبان سیکھنی چاہیے تاکہ وہ دُنیا کی ہر زبان میں دینِ فطرت اور محبت کا پیغام جا کر عام کرسکیں۔ لیکن ہمارے ہر بچے کی بنیادی ضرورت کی زبانیں.... ہماری قومی زبان اُردو (جو عملاً پورے ملک میں رابطے کی زبان بھی ہی).... ہماری دینی زبان عربی.... اور ہماری تمام پاکستانی زبانیں ہیں۔ لازمی انھی کو ہونا چاہیے۔ ہمارے جو بچے اضافی ثانوی زبانیں سیکھنا چاہیں اُن کو سکھانے کے لیے ہماری پہلی ترجیح ہماری خواہر (یعنی سسٹر) زبانیں ہونی چاہئیں۔ مثلاً فارسی، ترکی۔ اس کے بعد ہماری ہمسایہ علاقائی زبانیں: چینی، ہندی، رُوسی، کورین، جاپانی وغیرہ۔ پھر اِس کے بعد کہیں سات سمندر پار کی زبانوں انگریزی، فرانسیسی، جرمن، اسپینی، پرتگالی، لاطینی اور ڈچ وغیرہ کا نمبر آتا ہے کہ اِن زبانوں کو جنھیں بھی سیکھنا ہے وہ تحصیلِ علم کے لیے ضرور سیکھیں۔ لیکن خدارا ہمارے بچوں کے مُنھ میں اُن کی مادری زبان، قومی زبان اور دینی زبان کے سوا کوئی پرائی زبان زبردستی گھسیڑ کر اُن پر تاحیات

ظلم کی بنیاد نہ ڈالی جائے۔

قومی زبان کے بعد ہماری صوبائی زبان یعنی سندھی زبان.... ہمیں کہنے دیجیے کہ.... پاکستان کی سب سے میٹھی زبان ہے۔ پاکستان کی میٹھی زبانوں میں بلوچی زبان کا لہجہ بھی سندھی سے کم شیریں نہیں۔ (ایک سرائیکی زبان کو چھوڑ کر کہ وہ سندھی زبان کی چھوٹی بہن ہے باقی دیگر تمام زبانوں والے اپنے اپنے لہجہ میں مٹھاس گھولنے کی کوشش اگر آج سے شروع کردیں تو بیس پچیس برس میں اُن کی زبانیں بھی میٹھی ہوجائیں گی) ۔اِس تناظر میں دیکھیے تو آخر ہمیں کیا مار آئی ہوئی ہے کہ ہم چھٹی جماعت سے اپنے بچوں کو "گٹ پٹ، گٹ پٹ" کے ساتھ ساتھ "چاؤ چاؤں" کروانا بھی شروع کردیں؟ خود چینیوں نے، جن کے ملک "عوامی جمہوریہ چین" کا قیام 1949ء میں عمل میں آیا، مغربی اور غیر ملکی علوم کو تو اپنایا لیکن اِن علوم کو اپنانے کے لیے ان کے لسانی وسیلوں کو اپنانے سے انکار کردیا۔ وہاں آپ کو انگریزی کے چینی مترجم کے سوا کوئی بھی، خواہ وہ عام شہری ہو، کوئی قومی رہنما ہو یا کوئی انجینئر، ڈاکٹر، پروفیسر یا جج ہو، غرض کہ کوئی بھی ہو، وہ پٹر پٹر انگریزی بولتا نظر نہیں آئے گا۔ اُن کی جامعات تک میں سائنس اور آرٹس سمیت تمام مضامین چینی زبان میں پڑھائے جاتے ہیں۔ اُن کی ترقی کا راز کسی استعماری زبان میں پوشیدہ نہیں۔ چین میں قومی رابطے کی زبان کے طور پر ،زبان رائج ہے۔ اگر وہاں مقامی (Mandarin) مینڈرن

صوبائی اور علاقائی زبانوں کا فساد کھڑا ہو تو ہزاروں چینی زبانیں "چائیں چائیں" کرتی ہوئی اُٹھ کھڑی ہوں گی۔ فقط "ایک قومی زبان" نے یہ تاثر قائم کر رکھا ہے کہ "ایک چینی زبان" ہی اُن کی زبان ہے۔ جب کہ اُس وسیع الرقبہ ملک میں بھی ہر دو کوس چار میل) کے بعد زبان بدل جاتی ہے۔ ہمارے گلگت کی "شینا" زبان بھی چین میں) بولی اور سمجھی جاتی ہی، جب کہ چین کے صوبہ سنکیانگ (دارالحکومت کاشغر) کی زبان فارسی آمیز ترکی زبان ہے۔ لیکن کسی ملک کو متحد رکھنے والی واحد زبان "محبت کی زبان" ہوتی ہے۔

پوری خبر میں سے ہمیں وزیر اعلیٰ سندھ کے زیر صدارت ہونے والے اجلاس کا فقط ایک فیصلہ بہت پسند آیا۔ وہ ہے کیڈٹ کالج پٹارو میں چھٹی جماعت سے چینی زبان کی تعلیم لازمی کرنے کا فیصلہ۔ آپ کے علم میں ہوگا کہ ہمارے صدر صاحب بھی کیڈٹ کالج پٹارو کے فارغ التحصیل ہیں۔ اِس پس منظر میں وزیر اعلیٰ کا یہ خصوصی فیصلہ خاصا دور اندیشانہ اور عاقبت اندیشانہ نظر آتا ہے۔ اگر پٹارو کے ریگزاروں سے پھر کوئی زرداری اُٹھ کھڑا ہو تو اُسے پہلے ہی چینی زبان پڑھا پڑھا کر اُس سے "چیں" بلوا دیا جائے۔

بشکریہ روزنامہ جسارت

ایم کیو ایم کے کارکنوں کے لئے مخلصانہ مشورہ

جمعہ 9 ستمبر کی شب کو کئی نجی چینلز پر ایم کیو ایم کے قائد الطاف حسین کا کم و بیش ساڑھے تین گھنٹے طویل خطاب براہ راست نشر کیا گیا۔ یہ خطاب کسی سیاسی لیڈر کی پریس کانفرنس کے بجائے اسٹیج کے کسی مزاحیہ اداکار کا ون مین شو یا پھر کسی ذہنی مریض کی حواس باختگی کا کوئی نمونہ لگ رہا تھا۔اس لائیو شو میں انہوں نے سوائے بے ربط اور بے سروپا باتوں اور مخالفین پر الزامات لگانے کے سوا کچھ نہیں کیا تھا۔ ہاں اگر اس کے سوا کچھ تھا تو وہ قائد تحریک کی عمدہ اداکاری اور گلوکاری تھی۔اور معذرت کے ساتھ عرض کروں کہ عورتوں کی طرح لہک اور تھرک تھرک کے گاتے ہوئے وہ ایک عجیب مضحکہ خیز انسان نظر آرہے تھے۔

یہ پریس کانفرس محترم الطاف حسین کے ذہنی خلفشار اور پراگندگی کو ظاہر کر رہی تھی،انہوں نے تلاوت سے اپنی گفتگو کا آغاز کیا،اس کے بعد اچانک چھلانگ لگا کر پاکستان کی تاریخ کی جانب چلے گئے۔اس کے بعد ساری پریس کانفرس میں ان کا یہی حال تھا کہ وہ کبھی کراچی کی بات کرتے تھے، کبھی قرآن کریم کی بات کرتے تھے، کبھی 12 مئی کی اور کبھی کسی طرف نکل جاتے تھے۔اس پریس کانفرنس سے چند دن قبل مصطفیٰ کمال نے نائن زیرو پر ایک پریس کانفرنس کی

تھی اور اس میں انھوں نے ذوالفقار مرزا کے لگائے گئے الزامات کے جواب دینے اور پارٹی کو پریشر سے نکالنے کی حتی الامکان کوشش کی،اس کوشش میں انھوں نے غلط بیانی بھی کی۔میڈیا کو بھی تنقید کا نشانہ بنایا اور کافی تند و تیز لہجہ اختیار کیا۔ان کی پریس کانفرنس کے بعد میڈیا اور عوام میں ایم کیو ایم کی گرتی ہوئی ساکھ کو سہارا ملا تھا اور ایم کیو ایم پر تنقید پر کچھ کمی واقع ہوئی تھی لیکن الطاف حسین صاحب کی پریس کانفرنس نے وہ سارا تاثر زائل کر دیا۔

ہمیں الطاف حسین سے زیادہ انکے پارٹی رہنماؤں اور لیڈرز پر ترس آتا ہے کہ وہ ایک ایسے منتشر ذہن کے فرد کے پیچھے چل رہے ہیں جو کہ اپنے حواسوں میں ہی نہیں ہے۔اب جن لوگوں کا لیڈر اس کیفیت کا شکار ہو اس کے کارکنان اور پارٹی لیڈرز کی ذہنی سطح کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔اب لوگوں کو یہ بات سمجھ آ گئی ہو گی کہ ایم کیو ایم کے لوگ اپنے اوپر تنقید کیوں برداشت نہیں کرتے؟ وجہ صاف ظاہر ہے کہ ان کی ذہنی سطح ہی اتنی نہیں ہے کہ وہ اچھے برے میں تمیز کر سکیں،یا کسی اور جماعت کے لٹریچر، طریقہ کار اور طرزِ سیاست سے اپنی پارٹی کا موازنہ کر سکیں۔ان کی برین واشنگ کر دی جاتی ہے اور اس کے بعد ان کو سوائے ایم کیو ایم اور اطاف حسین کے تمام سیاسی پارٹیاں ، تمام مخالف لیڈرز جھوٹے اور نا اہل نظر آتے ہیں۔

بہر حال محترم الطاف حسین کی حالیہ پریس کانفرنس ان کی ذہنی کیفیت اور تناؤ کو ظاہر کرتی ہے اور ہمارا ایم کیو ایم کے کارکنوں اور لیڈرز کو یہ مخلصانہ مشورہ ہے کہ وہ اپنے قائد کا کسی اچھے نفسیاتی ہسپتال میں علاج کرائیں۔ اس وقت انہیں علاج اور آرام کی سخت ضرورت ہے۔

ہائے بے چارے متحدہ کے سادے کارکنان

چند دن پیشتر متحدہ کے قائد الطاف حسین صاحب نے پاکستان کے عوام کی تفریح کے لئے ایک لائیو شو کا اہتمام کیا تھا جس میں ایک اچھی فلم کی طرح ایکشن بھی تھا، سسپنس بھی، ٹریکیں بھی تھیں اور ناچ گانا بھی (پتہ نہیں لوگ اسے پریس کانفرنس کیوں کہہ رہے ہیں؟) خیر تو جناب انہوں نے اس لائیو شو میں تمام سیاسی پارٹیوں کو ولن قرار دیااور متحدہ قومی موومنٹ کو ہیرو کے طور پر پیش کیا۔ خیر تو اس لائیو شو میں انہوں نے اے این پی اور ان کے رہنماؤں پر خاصی نظر عنایت کی اور اپنے کارکنوں کو بتایا کہ 12 مئی کو مہاجروں کا قتل عام تو اسفندیار ولی نے کرایا تھا،اور یہ کہ امریکہ نے اے این پی کو الیکشن جیتنے کے لئے ڈالرز دیئے تھے۔ یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ انہوں نے یہ بات اپنے کارکنوں کو بتائی ہے کیوں کہ میڈیا، سیاسی جماعتیں اور قانون نافذ کرنے والے ادارے تو اچھی طرح جانتے ہیں کہ 12 مئی 2007 کو شہر کا سٹی ناظم کون تھا؟ صوبے کی وزارت داخلہ کس کے پاس تھی؟ پورٹ اور شپنگ کا وزیر کون تھا جس کے حکم کے بغیر پورٹ سے ایک بھی کنٹینر نکل نہیں سکتا تھا؟ اور یہ کہ مشرف کی پسندیدہ وہ کونسی جماعت تھی جس کے بارے میں جنرل مشرف نے لاہور میں جلسہ کے دوران مکہ لہرا کر کہا تھا کہ ”کراچی میں عوام نے اپنی طاقت دکھائی ہے“؟اب

چونکہ میڈیا، قانون نافذ کرنے والے اداروں اور ملک کے عوام کو تو اچھی طرح پتہ ہے کہ اس قتل عام کا ذمہ دار کون تھا لیکن اپنے کارکنوں کو بے وقوف بنانے کے لئے دیگر جماعتوں پر الزام لگایا جاتا۔

خیر تو صاحب اس لائیو شو کے بعد متحدہ کے کچھ جذباتی اور نا سمجھ کارکنان نے بڑے جوش و جذبے سے قائد کی اس بات پر لبیک کہتے ہوئے ویب سائٹس پر اے این پی کو تنقید کا نشانہ بنایا لیکن ! لیکن دوستوں ہوا یہ کہ اس لائیو شو کے تین چار دن بعد ہی اے این پی سے مفاہمتی سیاست کے تحت سمجھوتہ کرلیا گیا جس کی خبریں میڈیا پر آئیں اور اب گذشتہ روز متحدہ کے قائد نے اے این پی کے حوالے سے اپنا بیان واپس لے لیا ہے۔

اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب مفاہمت ہی کرنی تھی تو پھر عوام کو کیوں رلایا گیا؟ جب بقول آپ کے اے این پی مہاجروں کی قاتل جماعت اور غدار وطن اور امریکن ایجنٹ ہے تو پھر وطن دشمنوں اور قاتلوں سے مفاہمت کیسی؟ اور پھر اگر آپ کے پاس اے این پی کے خلاف کوئی ثبوت نہیں تھا تو پھر یہ سارا کھڑاک پھیلانے کی ضرورت کیا تھی؟ عوام کو بے وقوف بنانے کی ضرورت کیا تھی؟

لیکن دوستوں یہ سارے سوالت اور یہ ساری باتیں باشعور اور سمجھدار لوگ سوچتے

ہیں۔رہ گئے عقل و شعور سے بے بہرہ متحدہ کے ''بے چارے سادہ لوح کارکنان'' تو ان کے لئے تو کسی نے کیا خوب کہا تھا کہ '' عقل نہ ہووے تے موجاں ای موجاں'' تو بس وہ بیچارے کل اے این پی کو غدار اور قاتل کہنے قائد کے فیصلے پر چپ تھے اور اب اس فیصلے پر بھی چپ ہی رہیں گے۔ متحدہ کے یہ کارکن عقل سے اتنے پیدل ہیں کہ لندن کے لگژری علاقے میں رہنے والا ان کا قائد وہاں سے ٹیلفونک خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ''تمھیں کیا پتا کہ تمہارے الطاف بھائی کو یہاں دو وقت کی روٹی بھی ملتی ہے یا نہیں ؟'' اور یہ لوگ بغیر سوچ سمجھے قائد کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ قائد کتنے مظلوم ہیں۔

ہائے بیچارے متحدہ کے کارکن ! ان کے سینئر رہنما کا لندن میں قتل ہوتا ہے اور الطاف بھائی ان کے قتل پر غم سے نڈھال ہوجاتے ہیں،انکی ہچکیاں نہیں تھمنے میں آتی ہیں۔ قائد کہتے ہیں کہ وہ ایک عظیم انسان ،اور تحریک کا سرمایہ تھے۔ لیکن کوئی کارکن ان سے یہ نہیں پوچھتا کہ الطاف بھائی یہ عظیم انسان اور تحریک کا سرمایہ اور تحریک کے لئے قربانیاں دینے والا فرد دو سال سے معطل کیوں تھا؟ اسے سیکرٹریٹ آنے کی اجازت کیوں نہیں تھی؟ اور کارکنوں کو ان سے رابطہ کرنے سے کیوں منع کیا گیا تھا؟

لیکن یہ بیچارے کچھ نہیں سوچتے۔ اب پتہ نہیں الطاف بھائی کا اے این پی سے متعلق بیان واپس لینے پر یہ بھائی لوگ کیا کہتے ہیں؟

کلر کہار اسکول بس کا المناک حادثہ

ان کے چہرے خوشی سے دمک رہے تھے، وہ آج بہت خوش تھے کیوں کہ آج ان کے اسکول کی جانب سے ان کے لئے پکنک کا اہتمام کیا گیا تھا اور یہ لوگ پورے دن سیر تفریح کرنے کے بعد اب اپنے گھروں کو واپس جا رہے تھے۔ ویسے تو سارے ہی بچے بہت خوش تھے لیکن چھوٹی کلاسز کے بچوں کی خوشی تو دیدنی تھی۔ ان کے معصوم چہروں پر مسکراہٹیں تھیں، وہ دوستوں کے ساتھ خوش گپیاں کرتے، نعرے لگاتے ہنستے گاتے اس پکنک پر گئے تھے اور اب واپسی کے سفر میں یہ سوچتے ہوئے جا رہے تھے کہ گھر جا کر اپنے والدین کو آج کی پکنک کا احوال سنائیں گے کہ انہوں نے پورا دن کیسے گزارا۔ کئی بچے پورے دن کے سیر و تفریح کے بعد اب سیٹوں کی پشت پر ٹیک لگائے اونگھ رہے تھے۔ جبکہ بڑی کلاسز کے بچے ابھی بھی مستعد تھے کیوں کہ سینئر ہونے کے ناطے ان کی ذمہ داری یہ بھی تھی کہ وہ اپنے ننھے ساتھیوں کا خیال رکھیں گے۔ بس اپنی مخصوص رفتار سے منزل کی جانب رواں دواں تھی کہ اچانک بس کی رفتار غیر معمولی طور پر تیز ہو گئی اور پھر ڈرائیور نے کہا ''بریک فیل ہو گئے ہیں سب لوگ کلمہ پڑھ لیں'' یہ کہتے ہیں اس نے چلتی بس سے چھلانگ لگا دی اور پھر بس گہری کھائی میں جا گری۔

چند لمحوں پہلے جن چہروں پر مسکراہٹیں اور گزرے دن کی یادوں کا عکس تھا،اب وہ چہرے خوف سے مسخ ہوگئے تھے،جس گاڑی میں ابھی چند لمحوں پہلے ان معصوم طلبا کے نعرے اور نغمے گونج رہے تھے اب اس بس میں ان کی دردناک چیخیں تھیں۔رنگ برنگے لباسوں میں اب ایک نئے رنگ کا اضافہ ہوگیا تھا۔لہو کے سرخ رنگ کا۔

پیر کی شام کلر کہار سالٹ رینج کے نزدیک ایک افسوسناک حادثے میں اسکول کے وائس پرنسپل اور اسٹاف سمیت 41افراد جاں بحق ہوگئے،ہلاک شدگان میں 30 سے زائد اسکول کے طلباء شامل ہیں۔تفصیلات اس سانحے کی یہ ہیں کہ فیصل آباد کے ایک نجی اسکول کے کلاس ششم تا دہم کے طلباء تفریحی دورے پر کلر کہار آئے،واپسی پر شام 6 بجے کے قریب یہ بس کلر کہار سالٹ رینج کے پاس حادثے کا شکار ہوگئی۔ابتدائی رپورٹس کے مطابق یہ حادثہ بس کے بریک فیل ہوجانے کے باعث پیش آیا،حادثے میں زخمی ہونے والے ایک بچے کے مطابق اچانک بس کی رفتار تیز ہوگئی اور ڈرائیور نے بتایا کہ بریک فیل ہوگئے ہیں اور یہ کہہ کر ڈرائیور نے گاڑی سے چھلانگ لگا دی اور پھر یہ افسوسناک سانحہ رونما ہوا۔حادثے میں 41 جاں بحق ہونے کے ساتھ ساتھ 70 طلباء شدید زخمی بھی ہیں۔

چونکہ ہمارا تعلق بھی ایک تعلیمی ادارے سے ہے اس لئے فطری طور پر ہم نے اس

حادثے کو محض ایک حادثہ نہیں سمجھا بلکہ کوشش کی کہ اس کی وجوہات پر غور کیا جائے۔ یہاں کچھ باتیں قابل غور ہیں۔ سب سے پہلی بات تو یہ دیکھا جانا چاہئے کہ ایک بس میں عموماً کتنے افراد کے بیٹھنے کی گنجائش ہوتی ہے۔ بڑی بسیں دو قسم کی ہوتی ہیں ایک عام پبلک بسیں جو کہ 52 سیٹر ہوتی ہیں اور دوسری نسبتاً بڑی بسیں جو کہ انٹر سٹی بسیں یا کوچز کہلاتی ہیں یہ بسیں 62 یا 65 سیٹر ہوتی ہیں ۔ یہ تو ان بسوں کی سیٹوں کی تعداد ہے، لیکن جب گنجائش کی بات کی جائے تو وہ کچھ اور معاملہ ہے۔ دیکھیں اسکول میں بسیں جب بک کی جاتی ہیں تو بچوں کی تعداد کے ساتھ ساتھ ان کی کلاس اور عمر کے مطابق بک کرائی جاتی ہیں۔ اس بات کو یوں سمجھیں کہ اگر ہم کلاس نرسری، کے جی کلاس ون اور کلاس ٹو کے بچوں کے لئے گاڑی بک کرانے جائیں اور بچوں کی تعداد 80، سے 90 ہو تو ان کے لئے ایک 62 سیٹر بس کافی ہوتی ہے، کیوں کہ چھوٹے بچے بہت کم جگہ گھیرتے ہیں اور بس کی ایک سیٹ پر دو بچے بہ آسانی بیٹھ جاتے ہیں لیکن اسکولز ایک سیٹ پر دو اور دو کی سیٹ پر چار بٹھانے کے بجائے دو کی سیٹ پر تین اور تین کی سیٹ پر پانچ بچوں کو بٹھاتے ہیں جس کے باعث بچوں کو بھی تنگی محسوس نہیں ہوتی اور ایک بس میں یہ سارے بچے بہ آسانی سفر کر سکتے ہیں، جبکہ ان 90 بچوں کے درمیان ان کے اساتذہ کرام بھی بیٹھتے ہیں تاکہ بچوں کو سنبھالا جا سکے اور وہ دوران سفر بس کے اندر ہی کسی حادثے کا شکار نہ ہوں اور اس طرح مجموعی طور پر 100 افراد اس بس میں سفر کر سکتے ہیں۔

اس کے بعد اگر ہم بات کریں کلاس سوم تا کلاس پنجم کی تو اس میں گنجاش کچھ کم ہو جاتی ہے اور اس میں 62 سیٹر بس میں مجموعی طور پر 75 تا 80 افراد سفر کر سکتے ہیں جبکہ اگر بات کی جائے کلاس ششم تا کلاس نہم یا دہم کی تو اس لیول پر بچوں کو سیٹ ٹو سیٹ بٹھایا جاتا ہے یعنی 62 سیٹر بس میں کل 62 یا زیادہ سے زیادہ 65 افراد سفر کر سکتے ہیں ۔ یہ ساری پوزیشن ہم نے اندرون شہر بچوں کی پکنک یا اسٹڈی ٹور کے بارے میں بتائی ہے ۔ جبکہ اگر بچے اسٹڈی ٹور پر شہر سے باہر جائیں تو ان کے لئے انکی تعداد کے مطابق ایسی گاڑی کا انتخاب کیا جاتا ہے جس میں بچے صرف سیٹ تو سیٹ نہ بیٹھیں بلکہ کچھ سیٹیں خالی رہیں تاکہ دوران سفر اگر طلبہ لیٹنا یا آرام کرنا چاہیں تو ان کو پریشانی نہ ہو۔

یہ ساری باتیں ہم نے اس لئے آپ کے سامنے بیان کی ہیں تاکہ آپ کو اندازہ ہو سکے کہ اس سنگین حادثے میں کہاں کہاں کیا کیا کوتاہیاں ہوئی ہیں۔ اگر جائزہ لیں تو سب سے پہلی بات یہ کہ حادثے کا شکار بس کی فوٹیج دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ 52 سیٹر بس تھی لیکن بالفرض محال اگر وہ 62 سیٹر بھی تھی تو بھی اس میں کلاس ششم تا دہم کے زیادہ سے زیادہ 75 تا 80 افراد کی گنجائش تھی جبکہ اطلاعات کے مطابق بس میں اسکول کے ساتھ ساتھ وائس پرنسپل

اور دیگر سٹاف سمیت 110 افراد سوار تھے ۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسکول انتظامیہ نے اسکول کا خرچہ بچانے کے لئے دو کے بجائے ایک ہی بس سے کام چلانے کی کوشش کی اور بچوں کو اس بس میں ٹھونس دیا گیا،دیکھیں جب 65 سیٹوں والی بس میں آپ افراد بٹھائیں گے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ بچوں کو ٹھونس ٹھانس کر یہ کام کیا 110 جائے گا۔ یہ ایک صریحاً غلط حرکت ہے۔

اس کے بعد یہ دیکھیں کہ ایک نجی ٹی وی چینل پر فیصل آباد کے پرائیوٹ اسکول کی ایسوسی ایشن کے ایک ذمہ دار فرد سے جب یہ سوال کیا گیا کہ '' 110 طلبا کے لئے ایک ہی گاڑی کا انتظام کیا گیا اور کیا یہ بد انتظامی نہیں تھی؟'' تو اس کے جواب میں انہوں نے عجیب ہی بات کی کہ '' ہم والدین کو پہلے مطلع کرتے ہیں کہ جو والدین اپنے بچوں کو پکنک یا آؤٹنگ پر بھیجنا چاہیں تو پہلے سے اطلاع دیں لیکن کئی والدین عین پکنک والے دن ہی اپنے بچوں کی روانگی سے اسکول انتظامیہ کو مطلع کرتے ہیں جس کے باعث انتظامات میں مشکل ہوتی ہے'' یہ بات بالکل درست ہے اور ایسا ہی ہوتا ہے کہ کئی والدین پہلے اطلاع نہیں دیتے اور آخری دن یا عین پکنک والے دن ہی بچوں کو جانے کی اجازت دیتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہوتا ہے کہ کوئی بھی اسکول جب کسی پکنک یا آؤٹنگ کا پروگرام بناتا ہے تو پہلے یہ طے کیا جاتا ہے کہ کس کس کلاس کو لیکر جانا ہے ،اس کے بعد ان کلاسز کے تمام طلبا کی تعداد کے مطابق انتظامات

کئے جاتے ہیں یعنی کم از کم کے بجائے زیادہ سے زیادہ تعداد کو مد نظر رکھ کر انتظامات کئے جاتے ہیں ۔اس لئے یہاں پرائیوٹ اسکولز کے نمائندے کا والدین کو موردِ الزام ٹھہرانا درست نہیں ہے۔

تیسری بات یہ کہ جب اس میں حادثے کا شکار بس کے مالکان اور ڈرائیور بھی اس سنگین حادثے کے ذمہ دار ہیں ۔ایک سیدھی سی بات ہے کہ جب کوئی گاڑی کسی بکنگ وغیرہ پر جاتی ہے تو مالکان یا ڈرائیور اس کی اچھی طرح جانچ پڑتال کرتے ہیں،اس کے کل پرزوں کا معائنہ کیا جاتا ہے اور اس کے نقائص کو دور کیا جاتا ہے تاکہ دوران سفر کسی قسم کی مشکل نہ پیش آئے۔ اب یہاں حادثہ کی وجہ.بریک فیل ہونا بیان کی جارہی ہے لیکن سوچنے کی بات ہے کیا.بریک اچانک اور ایک دم فیل ہوجاتے ہیں۔.بریک فیل ہونے کی دو وجوہات ہوتی ہیں اگر گاڑی آٹو میٹک (ہائیڈرالک سسٹم) پر ہے تو اس میں یہ خرابی ہے کہ اگر خدانخواستہ کسی بھی وجہ سے دوران سفر گاڑی کا انجن بند ہوجائے تو اس کے.بریک،اور اسٹئیرنگ کام نہیں کرتا ۔پھر اس کو.بڑی مشکل سے آہستہ آہستہ رفتار کم کرتے ہوئے کنٹرول کیا جاتا ہے۔ جبکہ گاڑیوں میں.بریک فیل ہونے کی دوسری اہم وجہ یہ ہے کہ جب گاڑی چلنا شروع ہوتی ہے تو اس کا.بریک آئل آہستہ آہستہ ختم ہوتا جاتا ہے اور وہ ایک مقررہ و مخصوص فاصلے کے بعد مکمل ختم ہوجاتا ہے ، اور.بریک آئل ختم ہونے صورت میں.بریک کام کرنا چھوڑ دیتا ہے۔ جبکہ یہاں یہ بات بھی اہم

ہے کہ جیسے جیسے۔بریک آئل ختم ہوتا جاتا ہے ویسے ویسے۔بریک کی کارکردگی میں فرق پڑتا جاتا ہے اور گاڑی کے۔بریکس بتدریج کم ہوتے جاتے ہیں اور بالاخر۔بریک کام کرنا چھوڑ دیتا ہے۔اب یہ گاڑی چلانے والے کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ اپنی گاڑی کا۔بریک آئل چیک کرلیا کریں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ گاڑی کے مالکان اور ڈرائیور نے اتنے سارے بچوں کو سفر پر لیجانے سے پہلے گاڑی کا معائنہ نہیں کیا جس کے باعث یہ سنگین سانحہ رونما ہوا۔

بہر حال یہاں یہ ساری باتیں لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ جو افراد اس سانحے میں جاں بحق ہوئے ہیں وہ تو اب واپس نہیں آسکتے لیکن کم از کم اس حادثے کی وجوہات کو سامنے لا کر ہم آئندہ کے لئے ایسے حادثات کو روکا جاسکتا ہے۔

صوبہ سندھ میں سیلاب کی تباہ کاریاں تصاویر کے آئینے میں

صوبہ سندھ اس وقت بدترین سیلاب کی زد میں ہے، گزشتہ سال کے سیلاب کی تباہ کاریوں کے اثرات ابھی باقی تھے کہ اس سال دوبارہ سیلاب آگیا اور گذشتہ سال کے سیلاب متاثرین مزید مشکلات کا شکار ہوگئے۔ جبکہ کھڑی فصلیں تباہی کا شکار ہوگئیں، کپاس کی فصل مکمل طور پر تباہ ہوگئی جبکہ سبزیوں کی فصلوں کو بھی شدید نقصان پہنچا جس کے باعث پورے صوبے میں سبزیوں کی قلت ہوگئی اور سبزیوں کی قیمتیں آسمان پر پہنچ گئیں۔

لاکھوں لوگ بے گھر ہوگئے ،ان کے مال مویشی سیلاب کی نذر ہوگئے۔ اچھے خاصے عزت دار گھرانوں کے کھاتے پیتے اور سفید پوش لوگ ایک جھٹکے میں سڑک پر آگئے اور اس وقت کیمپوں میں بے چارگی کی حالت میں پڑے ہوئے ہیں۔ دیکھا جائے تو یہ سیلاب دراصل حکمرانوں اور مقامی انتطامیہ کی بدانتظامی کا نتیجہ ہے مقامِ حیرت یہ ہے کہ بارش اور پانی کو ترسے ہوئے قحط زدہ ضلع تھرپارکر میں بھی سیلاب آگیا حالانکہ وہاں تو بارش کا برسنا اللہ کی رحمت ہے لیکن نااہلوں نے اس رحمت کو بھی زحمت بنا دیا۔ سابقہ نوابشاہ اور موجودہ بے نظیر آباد، بدین، میرپورخاص تباہی سے دوچار ہوگئے ہیں اور ان اضلاع کو آفت زدہ

قرار دیدیا گیا ہے۔ میرپور خاص میں ہمارے محترم دوست، بھائی اور ہر دلعزیز قلم کار عشرت اقبال وارثی کی رہائش بھی ہے،ان سے رابطہ کرنے کی کوشش کی لیکن ان کا نمبر بند ملا۔ بالآخر اتوار کے روز ان سے بات ہوئی اور ان کی خیرت دریافت کرکے دلی خوشی ہوئی،ان سے شہر کے بارے میں معلومات بھی حاصل کیں ۔ عشرت بھائی نے بتایا کہ اگرچہ میرپورخاص بھی سیلاب سے متاثر ہوا ہے لیکن اللہ کی مہربانی سے بہت زیادہ نقصان نہیں ہوا البتہ ان کے مطابق یہاں بھی کچھ مفاد پرستوں نے یہ کوشش کی کہ شہر کو جان بوجھ کر مکمل طور پر ڈبو دیا جائے تاکہ پھر میرپورخاص کے نام پر بھی امداد وصول کرکے ہڑپ کی جاسکے۔ دراصل سابقہ اور موجودہ سیلاب کی اصل وجوہات یہی ہیں کہ بااثر لوگوں نے سیلابی ریلوں کا رخ اپنی زمینوں کی جانب سے موڑ کر عام لوگوں کی جانب کردیا اور اس طرح انتہائی سفاکی کا ثبوت دیتے ہوئے عوام کو تباہ کرنے میں اپنا کردار ادا کیا۔

اس کے علاوہ ان سے بات کرکے یہ بھی معلوم ہوا کہ میرپور خاص میں سیلابی کیفیت کی وجہ یہ ہے کہ
پانی کی نکاسی کے لئے جو تیس فٹ چوڑا نالہ بنایا گیا تھا اس نالے پر لوگوں نے آہستہ آہستہ تجاوزات قائم
کرلیں اور ان کے باعث 30فٹ چوڑا نالہ محض 5فٹ کی ایک نالی کی شکل اختیار کرگیا جس کے باعث
نقصان ہوا۔جبکہ انہوں نے مزید بتایا کہ اس وقت وہاں کئی فلاحی تنظیمیں متاثرین کی مدد کے لئے کام
کررہی ہیں جن میں جماعت اسلامی ،دعوت اسلامی،جماعت الدعوۃ،ہلال احمر اور دیگر تنظیمیں شامل ہیں۔

کئی دنوں سے سوچ رہا تھا کہ سیلاب متاثرین کے بارے میں کچھ لکھوں لیکن کچھ اپنی مصروفیات اور کچھ "مہربانوں کی مہربانی" سے دھیان دوسری جانب لگا رہا جس کے باعث میں اس موضوع پر نہ لکھ سکا ہاں البتہ اس دوران سیلاب سے متاثرہ اضلاع اور افراد کی کچھ تصاویر اپنے پاس محفوظ کرلیں اور آج جب لکھنے بیٹھا تو سوچا کہ ایک تصویر ہزار الفاظ اور درجنوں کالمز سے زیادہ موثر ثابت ہوگی۔ سیلاب سے متاثرہ ہمارے یہ بھائی ہماری مدد کے منتظر ہیں، ان کو دواؤں، خوراک، خیموں اور کپڑوں کی ضرورت ہے ان کی مدد کیجئے۔ جو خواتین و حضرات متاثرین کی مدد کرنا چاہیں تو الخدمت ان کی امانت کو دیانت داری سے مستحقین تک پہنچاتی ہے۔ الخدمت کے رضاکار متاثرین کی خدمت میں مصروف عمل ہیں اگر کوئی فرد سیلاب متاثرین کی امداد کے لئے ان سے رابطہ کرنا چاہئے تو رابطہ کرنا چاہے تو وہ مندرجہ ذیل نمبرز پر رابطہ کرسکتا ہے۔

الخدمت فاوئنڈیشن سندھ : UAN 111-503-504

(مختار احمد: (الخدمت

0332-3233751

بدین: سیلاب سے متاثرہ ایک خاتون ریلیف کیمپ میں کھانا بناتے ہوئے

سابق ناظم کراچی نعمت اللہ خان بارشوں سے متاثرہ ضلع بدین میں جماعت اسلامی اور الخدمت کے تحت جاری امدادی کام کا جائزہ لے رہے ہیں

نعمت اللہ خان (سابق سٹی ناظم کراچی) سیلاب متاثرہ علاقوں کا دورہ کرتے ہوئے

جو لوگ بھی میر پور خاص میں براہ راست کوئی امدادی کام کرنا چاہیں یا سیلاب متاثرین کی مدد کرنا چاہیں یا میر پور خاص کی صورتحال معلوم کرنا چاہیں تو تو وہ ہماری ویب کے قلمکار عشرت اقبال وارثی بھائی سے بھی رابطہ کرسکتے ہیں۔ ان کا نمبر درج ذیل ہے۔

عشرت اقبال وارثی (میر پور خاص)

0346-3900092

اس کے علاوہ ہلال احمر کے ذریعے جو افراد سیلاب زدگان کی مدد کرنا چاہیں تو ان کا

نمبر بھی درج ذیل ہے۔

(اطیب صدیقی (ڈائریکٹر آپریشن

92-51-9250487

کرکے بھی ہلال احمر کو عطیات دیئے جاسکتے SMS اس کے علاوہ اپنے موبائل فون سے

دس روپے عطیہ کئے جاسکتے SMS کرکے فی SMS ہیں اپنے موبائل سے 4611 پر

ہیں۔

جمہوریت ،الیکشن اور ہماری ٹائیں ٹائیں

الیکشن اور ضمنی الیکشن موجودہ جمہوریت کا تحفہ ہیں۔ عام انتخابات میں عوام ووٹ کے ذریعے نمائندوں کو منتخب کرکے ایوانوں میں بھیجتے ہیں تاکہ وہ ان کے مسائل حل کرسکیں۔ (یہ الگ بات کہ ایسا ہو نہیں پاتا)۔جبکہ عام انتخابات کے بعد خصوصی صورتحال میں ضمنی انتخابات کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ ضمنی انتخات منعقد کرنے کی کئ وجوہات ہوتی ہیں۔

١اگر الیکشن کمیشن امن وامان کی صورتحال کے باعث کسی حلقے میں پولنگ منسوخ کردے۔

٢اگر کوئی کامیاب امیدوار اپنی جیتی ہوئی نشست سے دستبردار ہو جائے۔

٣اگر کامیاب امیدوار کی پارٹی اپنے نمائندے سے استعفیٰ لیکر اس سیٹ سے دستبردار ہو جائے

٤اگر کسی حلقے کے انتخابی عمل پر اعتراضات اٹھائے جائیں اور اس کے خلاف عدالت میں پٹیشن دائر کردی جائیں

٥اگر کسی حلقے کے کامیاب امیدوار کا خدانخواستہ انتقال ہو جائے یا پھر خدانخواستہ کسی معذوری کے باعث وہ اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے کے قابل نہ رہے۔

٦اگر عدالت یا الیکشن کمیشن کسی کامیاب امیدوار کو کسی بھی وجہ سے نا اہل

قرار دیدے

مذکرہ بالا کسی بھی صورت حال میں ضمنی الیکشن منعقد کرائے جاتے ہیں اور عوامی نمائندوں کا انتخاب کیا جاتا ہے۔کہتے ہیں کہ نقار خانے میں طوطی کی آواز کوئی نہیں سنتا لیکن ہم پھر بھی کرپشن، دھاندلی، اقربا پروری، اور جھوٹ کی سیاست کے اس نقار خانے میں طوطی کی طرح ٹائیں ٹائیں کرتے رہیں گے چاہے کسی پر اثر ہو یا نہ ہو، یہ سوچ کر کہ شائد کبھی تو ہماری یہ ٹائیں ٹائیں کامیاب ہوگی۔

آج ہماری ٹائیں ٹائیں کا موضوع یہی ہے کہ ضمنی الیکشن کیوں اور کس لئے منعقد کئے جائیں؟ اگر ضمنی الیکشن منعقد کرنا ناگزیر ہیں تو پھر کیا ضروری ہے کہ سرکاری خزانے پر ہی اس کا بوجھ ڈالا جائے؟ سرکاری خزانہ یعنی میری آپ کی جیبوں سے جبری طور پر لئے گئے ٹیکس کے پیسوں سے ان کرپٹ اور دو نمبر لوگوں کو اسمبلی میں بھیجنے کا عمل پورا کیا جائے ،جو جعلی ڈگریاں بناتے ہیں، جو لینڈ مافیا کو سپورٹ کرتے ہیں، جو فراڈ کے کیسوں میں ملوث ہوتے ہیں، جو اپنی کرپشن چھپانے کے لئے پولیس اور تھانوں پر بھی حملے کرتے ہیں اور پھر جب ان کرپشن ،اور فراڈ کے کیسوں میں ان کو گرفتار کیا جائے تو بڑی ڈھٹائی اور بے غیرتی سے وکٹری کا نشان بھی بناتے ہیں۔

دیکھیں کسی بھی حلقے میں انتخابات منعقد کئے جانے کی صورت میں کروڑوں روپے صرف کئے جاتے ہیں، اس میں سب سے پہلے اس اسٹیشنری اور بیلیٹ پیپرز کی چھپائی کا خرچہ جو کہ انتخابات میں استعمال ہونگے۔ اس کے بعد عدالتی اور تعلیمی عملہ جو کہ پولنگ کے عمل میں الیکشن کمیشن کی معاونت کرے گا اس کے لئے اسپیشل الاونس کا خرچہ، پھر اس کے بعد پورے حلقے کے تمام پولنگ اسٹیشنز کی سیکورٹی پر ہزاروں سیکورٹی اہلکاروں کی تعیناتی اور ان کے اخراجات۔ یہ مجموعی طور پر کروڑوں کی رقم بنتی ہے جبکہ پارٹی اپنے امیدوار کو جب الیکشن میں کھڑا کرے گی تو چالیس پچاس ہزار روپے زر ضمانت جمع کرا کے الیکشن میں حصہ لے گی۔

اب ہم اپنے پوائنٹ کی طرف آتے ہیں۔ دیکھیں ہمارے خیال میں اوپر تحریر کی گئی وجوہات میں سے صرف پانچویں وجہ ایسی ہے کہ ضمنی الیکشن منعقد کئے جا سکتے ہیں جبکہ دوسری وجوہات میں ضمنی الیکشن معقد کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔اب ہم ترتیب وار تمام وجوہات کا جائزہ لیتے ہیں۔

اگر کوئی کامیاب امیدوار اپنی جیتی ہوئی نشست سے دستبردار ہو جائے

ایسی صورت میں ضمنی الیکشن منعقد کرانے کی بالکل بھی ضرورت نہیں ہے۔ ہمارے

یہاں عموماً یہ ہوتا ہے کہ ایک ہی فرد بیک وقت قومی اور صوبائی اسمبلی کے الیکشن میں حصہ لیتا ہے۔ یا صوبائی اور قومی اسمبلی کے دو تین حلقوں سے انتخابات میں حصہ لیتا ہے اول تو ایک امیداور کو ایک ہی حلقے سے انتخابات میں حصہ لینا چاہیۓ لیکن ایسا نہیں ہوتا ۔ اب ہوتا یہ ہے کہ ایک فرد ایک سے زائد نشستوں پر کامیاب ہوچکا ہے اور قانون کے تحت وہ ایک ہی نشست اپنے پاس رکھ سکتا ہے اس لئے وہ ایک نشست سے دستبردار ہوجاتا ہے۔ اب مجھے یہ بتائیں کہ اگر کسی فرد کو ایک حلقے کے عوام منتخب کریں اور ان کے مینڈیٹ کو ٹھکراتے ہوئے اس سیٹ سے دستبردار ہوجاتا ہے تو کیا وہاں دوبارہ انتخابات ہونے چاہئیں؟ ہمارے خیال میں تو نہیں ہونے چاہئیں کیونکہ جب ایک فرد نے خود ہی ایک سیٹ چھوڑ دی ہے تو بجائے دوبارہ الیکشن کرانے کے اس سیٹ پر کامیاب امیدوار کے قریب ترین حریف کو کامیاب قرار دیکر وہ سیٹ دوسرے امیدار کے نام کردینی چاہیۓ۔ تاکہ اس رجحان کی بیخ کنی ہوسکے۔

اگر کامیاب امیدوار کی پارٹی اپنے نمائندے سے اسمبلی کی رکینت سے استعفیٰ لیکر اس سیٹ سے دستبردار ہوجائے

یہ صورت حال بھی اوپر بیان کی گئی صورتحال سے مماثلث رکھتی ہے اسلئے یہاں بھی دوبارہ الیکشن کرانے کے بجائے سیدھے سادے طریقے سے کامیاب امیدوار کے قریب ترین امیدوار کی کامیابی کا اعلان کرتے ہوئے وہ سیٹ اس کے نام الاٹ

کردے۔ کیونکہ کسی بھی پارٹی کو یہ حق نہیں ہے وہ عوام کے پیسوں سے یا سرکاری خزانے کے بل بوتے پر عوام کو اپنی مکروہ سیاست کی بھینٹ چڑھائے، سیدھی سی بات ہے کہ عوام نے ایک پارٹی پر اعتبار کیا اور اس کے جھنڈے تلے الیکشن میں حصہ لینے والے امیدوار کو اسمبلی میں پہنچایا،اب اگر وہ پارٹی عوامی مینڈیٹ کی توہین کرتے ہوئے اپنے کامیاب نمائندے سے اسمبلی کی رکنیت سے استعفٰی طلب کرلیتی ہے تو اب اس پارٹی کو کوئی حق نہیں ہے کہ وہ دوبارہ اس سیٹ پر الیکشن کا کھڑاگ کرے بلکہ عوامی مینڈیٹ کی توہین کی سزا یہی ہے کہ اس کے قریب ترین حریف کو وہ سیٹ دیدی جائے۔

اگر عدالت یا الیکشن کمیشن کسی کامیاب امیدوار کو کسی بھی وجہ سے نا اہل قرار دیدے۔

یہ تو ایسی صورت حال ہے کہ اس میں مزید کسی بات کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ صاف سی بات ہے کہ ایک فرد نے عوام کو، عدالت کو،الیکشن کمیشن کو دھوکہ دیا۔ وہ الیکشن میں حصہ لینے کے قابل ہی نہیں تھا لیکن نے جعل سازی سے الیکشن میں حصہ لیا اور ایک اہل امیدوار کا حق مارتے ہوئے وہ اسمبلی میں پہنچ گیا۔ اب اس کی جعل سازی سامنے آنے کے بعد اس سیٹ پر تو دوبارہ انتخابات کرانے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اول تو اس فرد کے قریب ترین حریف کو کامیاب قرار دیکر سیٹ اس کے حوالے کی جائے۔ دوم اس فرد کے اوپر نہ صرف قید بلکہ جرمانے کی

سزا بھی عائد کی جائے اور اگر الیکشن کمیشن اس حلقے میں ضمنی الیکشن کرانا ضروری سمجھتا ہے تو اس کے تمام اخراجات فراڈی اور جعل ساز امیدوار سے وصول کئے جائیں۔ جبکہ فراڈی امیدوار کی پارٹی کو بھی اس حلقے سے الیکشن میں حصہ لینے کے لئے نا اہل قرار دیدیا جائے تاکہ اس پارٹی کا کوئی بھی فرد کم از کم اس حلقے سے الیکشن میں حصہ نہ لے سکے۔

گر الیکشن کمیشن امن و امان کی صورتحال کے باعث کسی حلقے میں پولنگ منسوخ کردے یا اگر کسی حلقے کے انتخابی عمل پر اعتراضات اٹھائے جائیں اور اس کے خلاف عدالت میں پٹیشن دائر کردی جائیں

ایسی صورتحال میں ضمنی الیکشن تو کرائے جائیں لیکن اول تو اس میں یہ دیکھا جائے کہ انکوائری رپورٹس کے مطابق کونسی پارٹی انتخابی عمل کو سبوتاژ کرنے،دھاندلی ،دنگا فساد میں ملوث تھی اور کس پارٹی کے باعث نقص امن کا خطرہ پیدا ہوا جس کے باعث انتخابی عمل متاثر ہوا اور عوام کا وقت اور پیسہ برباد ہوا۔ اور پھر اس عمل کے ذمہ دار امیدوار یا پھر اس کی پارٹی سے مذکورہ حلقے کے انتخابات میں ہونے والے تمام اخراجات وصول کئے جائیں اور ایسے امیدوار کو نا اہل قرار دیدیا جائے۔

اگر اس حلقے کے کامیاب امیدوار کا خدانخواستہ انتقال ہو جائے یا پھر

خدانخواستہ کسی معذوری کے باعث وہ اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے کے قابل نہ رہے۔
یہ ایک ایسی صورتحال ہے کہ جس میں ضمنی الیکشن منعقد کرائے جاسکتے ہیں لیکن اس میں بھی ہماری تجویز یہ ہے کہ اگر رکن اسمبلی کا تعلق کسی پارٹی سے تھا،اور مجموعی طور پر اس رکن اسمبلی کی کارکردگی سے حلقے کے عوام مطمئن تھے تو پھر ایسی صورت میں انتخابات کرانے کے بجائے اسی پارٹی کے ایسے ممبر کو جو کہ حلقے کی حدود میں رہائش پذیر ہو اور مجموعی طور پر اچھے کردار کا مالک ہو، ایسے فرد کو منتخب کرکے الیکشن کمیشن پارٹی کو کہے کہ وہ اس فرد کو نامزد کرے اور پھر اس فرد کو متوفی یا معذور رکن اسمبلی کی جگہ پر اسمبلی کی رکنیت دیدی جائے۔
تو قارئین ہمارے ملک کے اس جمہوری اور انتخابی نقار خانے میں ہماری ٹائیں ٹائیں ہے ۔آپ کو ہماری یہ ٹائیں ٹائیں کیسی لگی؟آپ کے تبصرے ہماری رہنمائی کریں گے۔

ارکان پارلیمنٹ کی رکنیت معطل231

تازہ ترین خبر ہے کہ الیکشن کمیشن آف پاکستان نے اثاثوں کے گوشوارے جمع نہ کرانے پر وزیر خزانہ ڈاکٹر حفیظ شیخ،وزیرداخلہ رحمٰن ملک سمیت 231 منتخب نمائندوں کی رکنیت معطل کر دی ہے۔تفصیلات کے مطابق الیکشن کمیشن نے اعلان کیا ہے قومی اسمبلی کے 103، 13 سنیٹرز' پنجاب کے 58' خیبر پختونخواکے 28' سندھ 23 اور بلوچستان کے 6 اراکین کی رکنیت معطل کی گئی ہے۔ 30 ستمبر تک مذکورہ اراکین نے اثاثوں کے گوشوارے جمع نہیں کرائے تھے۔ اثاثوں کے گوشوارے جمع کرانے پر مذکورہ ارکان کی غیر فعالیت کو ختم کر دیا جائے گا۔ پی پی پی،ق لیگ، ن لیگ سمیت دیگر جماعتوں کے ارکان کی رکنیت معطل کی گئی ہے۔ وزیر خزانہ ڈاکٹر حفیظ شیخ،وزیرداخلہ رحمٰن ملک، پانی و بجلی کے وزیر سید نوید قمر، وزیر پٹرولیم ڈاکٹر عاصم حسین، وزیر دفاع احمد مختار، وزیر پیشہ ورانہ تعلیم میاں ریاض پیرزادہ، وزیر تجارت امین فہیم، وزیر مملکت شیخ وقاص اکرم، وزیر مملکت سردار بہادر خان سیہڑ شامل ہیں۔ جبکہ جیو نیوز کے مطابق اس فہرست میں مسلم لیگ ن کے انجم عقل،پی پی پی کے صفدر وڑائچ،ایم کیو ایم کی خوش بخت شجاعت بھی شامل ہیں۔ الیکشن کمیشن نے ان تمام ارکان کو بطور ممبر اسمبلی کام کرنے سے روک دیا ہے۔

سوچیں اور غور کریں کہ یہ وہ لوگ ہیں جو ملک کی تقدیر سنوارنے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن اپنے اثاثے ظاہر کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ حالانکہ ارکان پارلیمنٹ کے اثاثے تو عوام کے سامنے بھی ظاہر ہونے چاہئیں تاکہ ان کو علم تو ہو کہ ان کے ارکان پارلیمنٹ ممبر بننے سے پہلے کتنی منقولہ و غیر منقولہ جائیداد کے مالک تھے اور اب رکن پارلیمنٹ بننے کے بعد اس میں کتنا اضافہ ہوا ہے اور پھر یہ بھی دیکھا جانا چاہئے کہ ان ممبران نے اپنے حلقہ جات میں کیا کام کیئے ہیں۔

جب یہ لوگ اپنے اثاثے ظاہر نہیں کرتے، جب یہ لوگ ٹیکس ادا نہیں کرتے، جب یہ لوگ ملک کی خاطر اپنی جیب سے کوئی پیسہ خرچ نہیں کرتے تو حب الوطنی کے ان کے دعوے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔ ہمارے کرپٹ ارکان پارلیمنٹ جب قدرتی آفات کے بعد عالمی برادری سے امداد کی اپیل کرتے ہیں تو اس کا مثبت جواب نہیں آتا تو اس کی بڑی یہی ہے کہ یہ لوگ ملک و قوم سے مخلص نہیں ہیں۔ ان کا مقصد صرف اور صرف اپنی جیبیں بھرنا ہے۔ اب یہ تو عوام کے سوچنے کی بات ہے کہ کیا وہ الیکشن میں دوبارہ انہی پارٹیوں اور انہی ممبران کو منتخب کریں گے یا دیانت دار قیادت کو منتخب کرتے ہیں۔

سرمایہ دارانہ نظام: شاخ نازک پر بنا ہوا آشیانہ

'ایک وقت آئے گا کہ جب کمیونزم خود ماسکو میں اپنے بچاؤ کے لئے پریشان ہوگا۔ سرمایہ دارانہ ڈیموکریسی خود واشنگٹن اور نیو یارک میں اپنے تحفظ کے لئے لرزہ براندام ہوگی۔مادہ پرستانہ الحاد خود لندن اور پیرس کی یونیورسٹیوں میں جگہ پانے سے عاجز ہوگا۔ نسل پرستی اور قوم پرستی خود برہمنوں اور جرمنوں میں اپنے معتقد نہ پاسکے گی۔اور آج کا یہ دور تاریخ میں ایک داستان عبرت کی حیثیت سے باقی رہ جائے گا کہ اسلام کے نام لیوا کبھی اتنے بے وقوف ہوگئے تھے کہ عصائے موسیٰ بغل میں تھا اور لاٹھیوں اور رسیوں کو دیکھ دیکھ کر کانپ رہے تھے'' یہ الفاظ تھے سید ابو الاعلیٰ مودودی کے جو انہوں نے آج سے تقریباً 64 سال قبل 1946ء میں سیال کوٹ میں ایک تقریب میں کہے تھے۔ اور ان کے یہ الفاظ بالکل درست تھے۔ جس وقت یہ الفاظ کہے گئے تھے اس وقت کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کمیونزم کبھی فنا بھی ہوسکتا ہے،روس آدھی دنیا پر قابض تھا۔ اور کہا جاتا تھا کہ روس جہاں جاتا ہے وہاں سے واپس نہیں آتا لیکن دنیا نے دیکھا کہ ایک وقت آیا کہ روس ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔کمیونزم کے نام لیوا اب کہیں نظر نہیں آتے ہیں۔اسی طرح جب انہوں نے کہا تھا کہ ''سرمایہ دارانہ ڈیموکریسی خود واشنگٹن اور نیو یارک میں اپنے تحفظ کے لئے لرزہ براندام ہوگی'' اس وقت کس

کو پتہ تھا کہ یہ الفاظ دراصل کوئی خالی الفاظ نہیں ہیں بلکہ پیش گوئی ہیں کیوں کہ مومن اللہ کے نور دیکھتا ہے اور مولانا مودودی کی دُور بین نظروں نے جو کچھ دیکھا تھا آج وہ سچ ثابت ہو رہا ہے۔

وہ سرمایہ دارانہ نظام جس نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا آج لرزہ براندام ہے۔اور اس کی بنیادوں کو کھوکھلا کرنے کا عمل کہیں اور سے نہیں بلکہ خود اس کے وطن نیو یارک سے شروع ہوا ہے۔ سود کو اللہ کے ساتھ جنگ کہا جاتا ہے اور عالمی سرمایہ داروں اور سود خور یہودیوں نے اس نظام کی بنیاد رکھ کر اللہ سے جنگ شروع کی تھی اور اس نظام کی بدولت کم و بیش آٹھ عشروں تک نہ صرف امریکہ بلکہ پوری دنیا کو اپنی گرفت میں رکھا۔ لیکن اب یہ گرفت کمزور پڑتی جارہی ہے۔

دوستو جب میں اور آپ کبھی امریکہ، برطانیہ یا یورپی ممالک کے بارے میں کوئی دستاویزی فلم، کوئی فیچر رپورٹ پڑھتے تھے تو ہمارے سامنے ایک تصویر بنتی تھی کہ اس معاشرے میں خوش حالی ہی خوش حالی ہے۔ ہر فرد بہت خوش اور مطمئن ہے،ان کے پاس رہنے کو بہترین سوئٹ، لگژری فلیٹ ہیں۔ان کے پاس پہننے کے لئے بہترین کپڑے ہیں،اس معاشرے کے لوگ بہت کم پبلک ٹرانسپورٹ استعمال کرتے ہیں کیوں کہ وہاں تقریباً ہر فرد کے پاس اپنی گاڑی ہے۔اسی طرح ہم سوچتے تھے کہ ان کا

نظام کتنا اچھا ہے کہ کیش سنبھالنے کا جنجھٹ ہی نہیں بس کریڈٹ کارڈ استعمال کرو اور خوش رہو۔

لیکن وقت نے بتایا کہ یہ ترقی، یہ خوشحالی، یہ چکاچوند جھوٹی ہے، امریکہ اور یورپ کا ایک عام فرد جو کہ بہترین فلیٹ میں رہتا ہے، جس کے پاس بہترین گاڑی، بہترین سوٹ، لیپ ٹاپ، ہیں اور جو کہ کھلے ہاتھ سے شاپنگ کرتا ہے دراصل وہ سب کچھ اس کے اپنا نہیں تھا بلکہ یہ سارے کام سودی نظام کی بدولت اس کو حاصل ہوئے تھے، بنکوں نے یہ سسٹم بنا لیا کہ اگر گھر خریدنا ہے، کار خریدنی ہے، لیپ ٹاپ، فرنیچر خریدنا ہے یا شاپنگ کرنی ہے تو سود پر قرضہ دیدیا جاتا ہے اس کے بعد وہ فرد اب اپنے لئے نہیں کماتا بلکہ وہ بنک کا ملازم بن جاتا ہے اور وہ بنک کے قرضے اتارنے کے لئے کماتا ہے، اس کی ساری کمائی بنکوں کے قرضے اور ان کے سود کی ادائیگی میں خرچ ہو جاتے ہیں اور پھر وہ روز مرہ اخراجات پورے کرنے کے لئے بنک سے مزید قرض لیتا ہے اور اس طرح سرمایہ دارنہ سودی نظام اس کو آکٹوپس کی طرح جکڑ لیتا ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ اس کا گھر، اس کی گاڑی، اس کا فرنیچر، کا لیپ ٹاپ سب کسی بینک کی ملکیت ہیں۔

لیکن اب یہ آکٹوپش اپنی موت آپ مرنے کو ہے۔ نیویارک سے شروع ہونیوالی وال سٹریٹ پر قبضہ کرو'' تحریک بڑھتی گئی اور اس کا دائرہ آہستہ آہستہ پوری دنیا''

تک وسیع ہوتا جارہا ہے۔اس تحریک کا آغاز تو رواں برس کے وسط میں ایک کینڈین Adbusters Media Foundation تنظیم نے کیا تھا۔انہوں نے دولت کی غیر منصفانہ تقسیم، جمہوری نظام پر سرمایہ داروں کے اثر رسوخ، بے روزگاری وغیرہ کے خلاف احتجاج سے کیا۔اور اس تنظیم نے ہی وال اسٹریٹ جو کہ امریکہ میں سرمایہ دار نظام کی ایک علامت ہے پرپُر امن قبضے کا خیال پیش کیا۔آہستہ آہستہ لوگ ان کے احتجاج میں شریک ہوتے گئے اس چیز کو محسوس کرتے ہوئے امریکی صدر بارک اوبامہ نے نئی فنانشل پالیسی میں امیروں پر غریبوں کے مقابلے میں زیادہ ٹیکس کی ادائیگی کا خیال بھی پیش کیا۔دوسری جانب یہ تحریک پوری دنیا میں پھیلتی چلی گئی اور نہ صرف امریکہ ،برطانیہ اور یورپی ممالک بلکہ بھارت اور پاکستان میں بھی اب اس کے خلاف احتجاج شروع ہوچکا ہے۔اللہ سے جنگ کرکے جس نظام کا آغاز کیا گیا تھا وہ نظام اب اپنی موت آپ مرنے کو ہے۔

علامہ اقبال نے کہا تھا کہ

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خود کشی کرے گی

جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا۔

اور یہ ناپائیدار آشیانے اب خزاں رسیدہ پتوں کی طرح گر رہے ہیں۔اور یہ بھی یاد رہے کہ علامہ اقبال نے اسی نظم میں ایک اور بات کہی تھی

نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
سُنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہشیار ہوگا

ہاں یہ بھی وقت آئے گا اور شائد ہم سے بہت سارے لوگ اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے ،اپنے وقت کی ایک سپر پاور، سلطنتِ برطانیہ جس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ سلطنت برطانیہ میں کبھی سورج غروب نہیں ہوتا ،وہ سپر پاور جب افغانستان میں داخل ہوئی تو بہت بری طرح پٹ کر نکلی،اور اس کے فوراً بعد ہی سلطنت برطانیہ نے اپنے زیر قبضہ بر صغیر (پاکستان،انڈیا،بنگلہ دیش) کو آزاد کیا،اور چلتا بنا۔
پھر یہی حماقت سوویت یونین نے کی،اور روس نے افغانستان پر چڑھائی کر دی،وہی روس جس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ روس جس ملک میں داخل ہوا پھر وہاں سے نہیں نکلا لیکن دنیا نے دیکھا کہ وہی روس افغانستان سے بری طرح شکست کھا کر نکلا اور ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔یہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ روس کے افغانستان سے نکلنے سے پہلے اس کی معیشت کا بھٹہ بیٹھ گیا تھا اور اب فرعون وقت امریکہ نے بھی یہ حماقت کی اور افغانستان پر چڑھ دوڑا ،یہ سوچ کر کہ بس چند دنو کی بات ہے اور افغانستان میرے قبضے میں ہوگا اس کے بعد ایران،پاکستان ،چین وغیرہ تو کہیں نہیں جائیں گے لیکن آج دس سال سے زائد

عرصہ گذر گیا ہے اور امریکہ وہاں پٹ رہا ہے،آج امریکہ انہی طالبان سے مذاکرات کی بھیک مانگ رہا ہے جن کو انسان ہی ماننے کو تیار نہ تھا۔دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر امریکہ دنیا میں جو دہشت گردی برپا کی تھی،اس دہشت گردی کے اخراجات نے آج اس کی معیشت کا بھٹہ بٹھا دیا ہے۔سرمایہ دارانہ نظام کا جادو جس نے کم و بیش آٹھ عشروں تک دنیا کو اپنا سحر میں جکڑا ہوا تھا،اس کا طلسم ٹوٹ چکا ہے۔

ایک وقت آئے گا کہ جب کمیونزم خود ماسکو میں اپنے بچاؤ کے لئے پریشان ہوگا۔سرمایہ دارانہ ڈیمو کریسی خود واشنگٹن اور نیو یارک میں اپنے تحفظ کے لئے لرزہ براندام ہوگی۔مادہ پرستانہ الحاد خود لندن اور پیرس کی یونیورسٹیوں میں جگہ پانے سے عاجز ہوگا۔نسل پرستی اور قوم پرستی خود برہمنوں اور جرمنوں میں اپنے معتقد نہ پاسکے گی۔اور آج کا یہ دور تاریخ میں ایک داستان عبرت کی حیثیت سے باقی رہ جائے گا کہ اسلام کے نام لیوا کبھی اتنے بے وقوف ہوگئے تھے کہ عصائے موسیٰ بغل میں تھا اور لاٹھیوں اور رسیوں کو دیکھ دیکھ کر کانپ رہے تھے'' یہ الفاظ تھے سید ابو الاعلیٰ مودودی کے جو انہوں نے آج سے تقریباً 64 سال قبل 1946ء میں سیال کوٹ میں ایک تقریب میں کہے تھے۔اور ان کے یہ الفاظ بالکل درست تھے۔جس وقت یہ الفاظ کہے گئے تھے اس وقت کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کمیونزم کبھی فنا بھی ہو سکتا ہے،روس

آدھی دنیا پر قابض تھا۔ اور کہا جاتا تھا کہ روس جہاں جاتا ہے وہاں سے واپس نہیں آتا
لیکن دنیا نے دیکھا کہ ایک وقت آیا کہ روس ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ کمیونزم کے نام لیوا
اب کہیں نظر نہیں آتے ہیں۔ اسی طرح جب انہوں نے کہا تھا کہ "سرمایہ دارانہ ڈیمو
کریسی خود واشنگٹن اور نیویارک میں اپنے تحفظ کے لئے لرزہ براندام ہوگی"

(سید ابو الاعلیٰ مودودی، دسمبر 1946ء سیالکوٹ)

احتجاج امریکہ اور ناٹو سے، اور گلہ اپنوں سے بھی

مہمند ایجنسی میں پاکستانی چوکیوں پر ناٹو (کچھ لوگوں کے مطابق امریکی) ہیلی کاپٹروں کی فائرنگ کے نتیجے میں پاک فوج کے 25 جوان شہید ہوگئے جبکہ دونوں چوکیاں مکمل تباہ ہوگئیں۔ اس وقعے کے بعد پورے ملک میں غم وغصے کی ایک شدید لہر دوڑ گئی اور پورا ملک سراپا احتجاج بن گیا۔ کیا بچے کیا بوڑھے، کیا وکیل کیا تاجر، کیا علماء کیا طلبائ، کیا عوام اور کیا سیاستدان، کیا سول سوسائٹی اور کیا مسلح افواج، سارے ہی سراپا احتجاج ہیں۔ بات ہی کچھ ایسی ہے کہ ملکی خود مختاری کو اس طرح چیلنج کیا گیا۔

اس وقعے کے بعد فوری طور پر ناٹو سے احتجاج کیا گیا، ناٹو کی سپلائی لائن بلاک کردی گئی جو کہ تادم تحریر معطل ہی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ جرمنی کے شہر بون میں ہونے والی کانفرنس میں شرکت سے بھی پاکستان نے احتجاجاً انکار کردیا۔ جبکہ آرمی چیف جنرل اشفاق پرویز کیانی نے کور کمانڈرز کی ایک ہنگامی کانفرنس بلائی اور اس کانفرنس کے بعد مراسلہ جاری کیا گیا کہ اب کسی بھی غیر ملکی جارحیت کی صورت میں کسی قسم کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے بلکہ موقع پر موجود افسر فوری طور پر فیصلہ کرکے جوابی کارروائی کرے گا۔ اطلاعات کے

مطابق اس فیصلے کے بعد سرحدی چوکیوں پر جدید اور بھاری اسلحہ بھی پہنچا دیا گیا تاکہ کسی بھی جارحیت کا منہ توڑ جواب دیا جائے۔ جبکہ ایک اہم فیصلہ شمسی ائر بیس کو بھی امریکہ سے خالی کرانے کا تھا، جس کے لئے حکومت نے امریکہ کو ڈیڈ لائن دیدی تھی اور امریکہ نے اس ڈیڈ لائن کے خاتمے سے پہلے ہی 4 دسمبر کو یہ فضائی اڈاہ خالی کر دیا ہے۔ واضح رہے کہ پاکستان پر حملے کرنے والے ڈرون افغانستان کے بجائے مبینہ طور پر شمسی ائر بیس سے ہی کنٹرول کئے جاتے ہیں۔

عزیزو یہ ساری باتیں بہت ہی دل خوش کن ہیں۔ مجھے بہت خوشی ہوئی ہے کہ بحیثیت قوم ایک طویل عرصے بعد ہماری حکومت اور مسلح افواج نے ایک درست اور عوامی امنگوں کے مطابق فیصلہ کیا ہے۔ لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ یہ معاملہ یہیں نہ روک دیا جائے بلکہ اس کو برقرار رکھا جائے اور یہ ایک سنہری موقع ہے کہ ہم حالات کی اس گرما گرمی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے امریکہ کی خود ساختہ "دہشت گردی کے خلاف جنگ" سے باہر آجائیں۔ ناٹو سپلائی عارضی طور پر نہیں بلکہ مستقل طور پر بند کر دی جائے۔

قارئین کرام یہ تو ناٹو اور امریکہ سے ہمارا احتجاج ہے لیکن کچھ گلہ ہم اپنوں سے بھی تو کرلیں۔ کہ گلہ بھی تو اپنوں سے ہی کیا جاتا ہے۔ ہمیں اپنی

فوج پر فخر ہے، کہ اس نے اس موقع پر بالکل درست فیصلہ کیا ہے۔ ہمیں اپنے سیاسی پارٹیوں (ماسوائے دو پارٹیوں کے) پر بھی فخر ہے کہ انہوں نے اس موقع پر عوامی جذبات اور احساسات کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنا احتجاج ریکارڈ کرایا، حتیٰ کہ مغرب اور امریکہ نواز ماضی رکھنے والی ایم کیو ایم نے بھی اس موقع پر ناٹو اور امریکی جارحیت کے خلاف پر زور احتجاج ریکارڈ کرایا۔ افسوس ہمیں پیپلز پارٹی، ن لیگ پر ہے کہ اس اہم ترین معاملے پر بھی یہ لوگ سیاست کرتے رہے،ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما رہے۔ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرائی، عدالتی کارروائی اور پریس کانفرنسز کرتے رہے۔

پاک فوج سیاسی پارٹیوں کا ناٹو اور امریکہ کے خلاف احتجاج اور کارروائی خوش آئندہ ہے لیکن کیا ناٹو یا امریکہ نے پہلی بار ملکی حدود کی خلاف ورزی کی ہے ؟کیا غیر ملکی حملوں میں پہلی بار ہمارے لوگ شہید ہوئے ہیں ؟کیا ارضِ وطن کے خلاف پہلی بار جارحیت کی گئی ہے ؟ چلیں میں یاد دلاتا ہوں

ڈرون حملوں کی اگر بات کی جائے تو پاکستان میں پہلا ڈرون حملہ طالبان کمانڈر مولوی نیک محمد کے خلاف 18 جون 2004 کو کیا گیا تھا یہ اس برس کا واحد ڈرون حملہ تھا۔ 2004 سے 2007 کے دوران صرف 9 حملے ریکارڈ کئے گئے۔ جن میں شمالی وزیرستان میں ہی 6 کئے گئے تھے۔ بہرحال سابق امریکی صدر اپنے دور اقتدار

کے آخری برس میں پاکستان کے اندر ڈرون میں تیزی لائے۔ نتیجتاً 2008ء میں 34 حملے ہوئے اور 296 جانیں ضائع ہوئیں (روزنامہ جنگ کراچی 27 نومبر 2011 انصار عباسی)

بہر حال ایسی خلاف ورزیاں اور پاکستانی خود مختاری کی پامالی کے کبھی بھی نہیں رکی۔ تفصیلات کے مطابق جون 2008ء کے دوسرے ہفتے کے امریکی قیادت میں غیر ملکی فورسز نے ایک فضائی حملے میں 11 ایف سی کے جوان اور 10 شہری مہمند ایجنسی میں نشانہ بنایا جو کہ اتفاقیہ طور پر نیٹو فورسز کی جانب سے جمعے کو ہی کیا گیا تھا۔ جون 2008ء کو ہونیوالا حملہ مہمند ایجنسی کے شیخ بابا میں ایف سی کی ایک سیکورٹی چیک پوسٹ پر کیا گیا تھا۔ جس میں ایک میجر بھی شہید ہوا تھا۔ ستمبر 2010ء میں نیٹو فورسز نے افغانستان میں اعلان کیا کہ انہوں نے 2 ہیلی کاپٹر حملوں میں پاکستانی سرزمین پر 30 شہریوں کو ہلاک کیا۔ کہا گیا تھا کہ نیٹو کی قیادت میں انٹر نیشنل سیکیورٹی اسسٹنس فورس (ایساف) کے اپاچی ہیلی کاپٹروں نے مشرقی افغانستان کی سرحد پار کی اور 'شدت پسندوں' کو نشانہ 2 بنایا۔ 30 ستمبر 2010ء کو پاکستان نے پاکستانی سرحد کی جارحانہ خلاف ورزی پر نیٹو کی سپلائی لائن معطل کر دی تھی، نیٹو ہیلی کاپٹر گن شپس نے کرم ایجنسی میں ایک سیکیورٹی چیک پوسٹ پر حملہ کیا جس میں 3 جوان شہید اور 3 ہی زخمی ہوئے تھے۔ ہیلی کاپٹروں نے 2 بار پاکستانی فضائی حدود کی خلاف ورزی کی

اور کرم کے قبائلی خطے کے مختلف علاقوں میں شیلنگ کی۔ نیٹو کے گن شپ ہیلی کاپٹروں نے افغانستان کے صوبہ پکتیا سے ملحقہ پہاڑی پر موجود سیکیورٹی فورسز کی ایک چیک پوسٹ پر 2 میزائل داغے۔ فروری 2010ء کے پہلے ہفتے میں شمالی وزیرستان ایجنسی میں بنگئی درچیک پوسٹ پر نیٹو اور افغان فورسز نے مارٹر فائر کئے جس میں ایک فوجی شہید اور دیگر 11 زخمی ہو گئے۔ اپریل 2011ء کے آخری ہفتے میں جنوبی وزیرستان کے انگور اڈہ کے سرحدی گاؤں میں سرحد پار سے ہونے والے شیلنگ کے تبادلے میں 3 پاکستانی فوجی شہید ہوئے اور ایک درجن سے زائد بشمول سیکیورٹی اہلکار و قبائلی زخمی ہو گئے تھے۔ رواں برس مئی میں نیٹو فورسز نے ایک بار پھر پاکستانی فضائی حدود کی خلاف ورزی کی کیونکہ 2 ہیلی کاپٹروں نے شمالی وزیرستان ایجنسی میں گھس کر پاکستانی فضائی حدود کی خلاف ورزی کی۔ نیٹو ہیلی کاپٹر پاکستانی علاقے میں گھس آئے اور انہوں نے یہاں ایک سرچ آپریشن کیا۔ اگست 2011ء کے آخری ہفتے میں افغان سرزمین سے آنے والے تقریباً 300 بندوں نے پاکستانی سرحد کی خلاف ورزی کی اور ڈیورنڈ لائن کے ساتھ 7 سیکیورٹی چیک پوسٹ پر ہلہ بول دیا جس سے درجنوں پاکستانی سیکورٹی اہلکار مارے گئے۔ یہ ہلاکتیں تقریباً 25 سے 60 کے درمیان تھیں۔ (روزنامہ جنگ کراچی 27 نومبر 2011ء انصار عباسی)

ڈمہ ڈولہ، 2004ء میں مقامی طالبان کمانڈر نیک محمد پر امریکی گائیڈڈ میزائل حملہ

ڈولا کے دینی مدرسے پر امریکی میزائل حملہ جس میں معصوم طلبا جن کی عمریں 10 سے 17 سال کے درمیان تھیں، شہید کیا گیا، انگور اڈہ میں امریکی کمانڈوز کا زمینی حملہ جس میں امریکی کمانڈوز نے وزیرستان کے علاقے انگور اڈہ میں زمینی کارروائی کرتے ہوئے بے گناہ افراد کو گھروں میں گھس کر شہید کیا، دو مئی 2011 کو ایبٹ آباد آپریشن، اور اس سے قبل سی آئی اے اہلکار ریمنڈ ڈیوس کے ہاتھوں دو پاکستانی کی ہلاکت اور امریکی سفارت خانے کی گاڑی کی ٹکر سے ایک اور شہری کی ہلاکت کا واقعہ بھی ہمیں یاد رکھنا چاہئے۔

اگر 2004 میں ہی نیک محمد کی شہادت کے بعد امریکہ کو سخت پیغام دیا جاتا تو شائد نوبت یہاں تک نہ پہنچتی لیکن ہماری حکومت اور مسلح افواج کے پس پیش کے باعث ہی یہ نوبت آئی کہ اب ہماری فورسز اور چوکیوں پر حملے ہو رہے ہیں۔ آج ہم مسلح افواج کے جوانوں کی شہادتوں پر احتجاج کر رہے ہیں اور امریکہ سے تعلقات پر نظرثانی بھی کر رہے ہیں لیکن کیا ڈمہ ڈولا کے شہید ہونے والے بچے اس لائق نہ تھے کہ ان کی شہادتوں پر بھی امریکہ سے کوئی احتجاج کیا جاتا؟ کیا انگور اڈاہ میں امریکی کمانڈوز کے زمینی آپریشن سے شہید ہونے والے پاکستانی شہری نہ تھے کہ ان کی شہادتوں پر ناٹو کی سپلائی لائن روکی جاتی؟ کیا وزیرستان میں شہید ہونے والے تبلیغی جماعت کے ارکان کی شہادتوں پر امریکہ سے شمسی ائر بیس خالی نہیں کرایا جاسکتا تھا؟ یا ان سب کا خون "خونِ خاک

نشیناں تھا جو رزقِ خاک ہوا" بہت اچھی بات ہے کہ آج ہم متحد ہیں اور امریکہ سے تعلقات پر نظر ثانی ہو رہی ہے لیکن پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ پشاور کے بہادر صحافی حیات اللہ کا کیا قصور تھا کہ اس کو پہلے اغواء اور پھر شہید کیا گیا؟ کیا اس کا قصور یہی تھا کہ اس نے نیک محمد کو ہلاک کرنے والے امریکی میزائل کے ٹکڑے میڈیا کے سامنے پیش کرکے دنیا کو یہ بتایا تھا کہ نیک محمد کو پاکستانی ایجنسیوں نے نہیں بلکہ امریکہ نے ہلاک کیا ہے؟ گذشتہ دنوں اخبارات میں ایک تصویر چھپی کہ امریکی سفارت خانے کے سامنے طلبا پاکستان کا طویل پرچم لیکر احتجاج کر رہے ہیں، بہت اچھی بات ہے لیکن اس سے قبل تو کبھی امریکی سفارتخانے کے سامنے احتجاج کرنے کی اجازت نہیں دی گئی بلکہ امریکہ سفارتخانے کی جانب جانے والوں پر لاٹھی چارج کیا جاتا تھا، شیلنگ کی جاتی تھی، کیوں؟ اور آخری سوال کہ اگر یہ حملہ پاکستانی چوکیوں کے بجائے کسی عام گاؤں پر کیا جاتا اور مرنے والے افراد فورسز کے اہلکاروں کے بجائے اگر عام افراد ہوتے تو اس وقت بھی کیا حکومت اور فوجی قیادت کا ردعمل یہی ہوتا؟

بہر حال درآید درست آید۔ دیر سے ہی سہی لیکن بالآخر ایک اچھا فیصلہ کیا گیا ہے۔ ہم اپنی مسلح افواج اور پارلیمنٹ کے لئے دعا گو ہیں کہ اللہ ان کو ہدایت اور استقامت عطا فرمائے اور ان کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ہم ان کے

-ساتھ ہیں۔ صبح کا بھولا جب شام کو گھر واپس آجائے تو اس کو بھولا نہیں کہا جاتا

عمران خان کا انقلاب: حقیقت یا ٹوپی ڈرامہ

25 دسمبر بروز اتوار کو عمران خان صاحب کو تحریک انصاف نے کراچی میں جلسہ کرنے کا اعلان کیا ہے اور جب تک آپ یہ سطور پڑھ رہے ہونگے اس وقت تک اس جلسے کی تیاریاں اپنے عروج پر پہنچ چکی ہونگی۔ عمران خان کی تحریک انصاف کو کم و بیش پندرہ سال ہوچکے ہیں ۔

1992ء میں کرکٹ ورلڈ کپ جیتنے میں کامیابی کے بعد عمران خان نے کرکٹ سے ریٹائرمنٹ کا اعلان کیا اور اپنے منصوبے ''شوکت خان میموریل کینسر ہاسپٹل'' کی تعمیر میں مگن ہوگئے۔ چند سال کا عرصہ وہ اپنے کام میں مصروف رہے اور پھر کینسر ہاسپٹل کی تکیمل کے بعد انہوں نے اپنے سیاسی خیالات و نظریات کا اظہار شروع کیا۔ اس کی ابتداانہوں نے اخبارات میں مختلف مضامین لکھنے کے ذریعے کی۔ ان کے مضامین اخبارات میں شائع ہوتے رہے۔ ابتدا میں ان کے مضامین میں مذہبی رنگ نمایاں ہوتا تھا اور انہوں نے اپنے پلے بوائے کے امیج کو تبدیل کرتے ہوئے ایک میچور فرد کے طور پر پیش کیا اور اس میں کوئی شک بھی نہیں ہے انہوں نے اپنے آپ کو مکمل طور پر تبدیل بھی کرلیا۔

کچھ عرصے بعد انہوں نے تحریک انصاف کے قیام کا اعلان کیا۔ لیکن ابتدائی طور

پر وہ ملکی سیاست میں کوئی ہلچل نہ پیدا کرکے اور نہ ہی انہیں ملکی سیاست میں کوئی نمایاں حیثیت حاصل تھی۔ جنرل مشرف کے مارشل لاء کے دور میں ان کی شخصیت زیادہ ابھر کر سامنے آئی اور انہوں نے مشرف کے اقدامات کی حمایت کی، مشرف سے ان کی قربت یہاں تک بڑھی کہ ان کے وزیر اعظم بننے تک کی چہ میگوئیاں ہونے لگیں لیکن یہ بیل منڈھے نہ چڑھ سکی۔ بعد ازاں انہوں نے جنرل مشرف سے دوری اختیار کی اور یہ ان کا بڑا پن ہے کہ وہ انہوں نے جنرل مشرف کا ساتھ دینے کو اپنی غلطی سمجھا اور اس کا اعتراف بھی کیا۔

جنرل مشرف کے ہی دور میں ان کا رجحان مذہبی جماعتوں کی جانب ہوا اور ایم ایم اے بالخصوص جماعت اسلامی) سے ان کی قربت بڑھی، اس تعلق کے نتیجے میں ان کے) حلیے میں بھی ایک خوشگوار تبدیلی آئی اور ان کے چہرے پر سنت نبوی بھی نظر آنے لگی۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد ہی نامعلوم وجوہات کی بناپر دوبارہ اپنا حلیہ تبدیل کیا اور ایک بار پھر کلین شیو ہو گئے۔

عدلیہ بحالی تحریک کے دوران بھی عمران خان اور تحریک انصاف کا رول نمایاں رہا۔ اسی تحریک کے دوران 12 مئی 2007ء کا واقعہ پیش آیا اور دیگر جماعتوں کے ساتھ ساتھ تحریک انصاف کے کارکن بھی تشدد کا نشانہ بنے اور ان کی ریلیوں پر بھی حملے کئے گئے۔ خان صاحب نے اس پر شدید رد عمل کا اظہار کیا اور ذمہ

داروں کے خلاف قانونی کاروائی کا اعلان کیا۔ جس کے جواب میں کراچی کی دیواروں پر ان کے خلاف شرم ناک نعرے اور گالیاں لکھی گئیں۔ خان نے الطاف حسین کے خلاف لندن میں مقدمہ قائم کرنے کا اعلان کیا تو جس طرح راتوں رات یہ نعرے لکھے گئے تھے اسی طرح راتوں رات وہ نعرے مٹا بھی دیئے گئے۔ لیکن اس سارے عمل کے دوران عمران خان اور تحریک انصاف ایک مضبوط اور بہادر سیاسی جماعت اور لیڈر کے طور پر سامنے آئے اور عوام نے عمران خان کا نوٹس لینا شروع کیا اور تحریک انصاف کو عوامی پذیرائی ملنی شروع ہوئی اور بالخصوص نوجوانوں کا رجحان تحریک انصاف کی جناب بڑھ گیا۔

تمہاری زلف میں پہنچی تو حسن کہلائی
وہ تیرگی جو میرے نامہ اعمال میں تھی

یہ شعر ہمیں اس لئے یاد آیا کہ جیسے جیسے تحریک انصاف کو عوامی پذیرائی ملتی گئی اور دیگر سیاسی جماعتوں کے کارکنان نے تحریک انصاف میں شمولیت اختیار کرنا شروع کی ویسے ویسے عمران خان صاحب اپنے انقلاب اور نظریات سے دور ہوتے جارہے ہیں۔ وہ عمران خان جو ایک سچے، کھرے اور بے لاگ سیاست دان کے طور پر سامنے آئے تھے اور جن کے بارے میں لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ ان کا دامن بے داغ ہے وہ کرپشن کو ختم کریں گے تو شائد اب ان کو اپنی رائے سے رجوع کرنا پڑے گا۔ تحریک انصاف کو تھوڑی سی کامیابی ملنے پر ہی انہوں نے جو رنگ

ڈھنگ دکھایا اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اگر ان کو اقتدار ملا تو کیا ہوگا۔
دیکھیں اگر لوگ ان کی صرف چند باتوں کا تجزیہ کریں تو ہماری باتیں سمجھ آئیں گی یعنی دیگ کے چند چاولوں کا نمونہ ہم پیش کردیتے ہیں اس کے بعد اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جب یہ دیگ تیار ہوگی تو کیسی ہوگی۔ سب سے پہلے ہم تحریک انصاف کے نومبر کے لاہور میں ہونے والے جلسہ عام کی بات کریں گے۔ لاہور کا جلسہ عام ایک بہت اچھا اور یادگار جلسہ عام تھا بالخصوص تحریک انصاف کے لحاظ سے تو یہ ایک تاریخی جلسہ کہا جاسکتا ہے۔ لیکن اس جلسے کی کامیابی کے بعد تحریک انصاف کے کارکنان اور رہنمایان کی گفتگو میں جو تکبر، جو غرور آیا وہ دیکھنے کے قابل تھا۔ ان کے لہجے ایسے ہوگئے گویا کہ بس اب یہ شائد ملک کے مالک ہوگئے ہیں اور اپنے مزارعوں کے بارے میں باتیں کررہے ہیں۔ یقیناً مجرموں کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کی جانی چاہیے اور ان کو قرار واقعی سزا ملنی چاہیے لیکن غرور و تکبر اللہ کو پسند نہیں ہے۔ جب آپ کو اقتدار ملے تو اس وقت مجرموں کا سزا دیں لیکن وقت ست پہلے ایسے تکبر بھرے الفاظ کہنا مناسب نہیں ہے۔
لیکن تحریک انصاف کے رہنماؤں اور کارکنوں نے یہ بتایا کہ وہ کامیابی کو ہضم نہیں کرسکیں گے۔

اس کے بعد آئی ایس آئی کے سابق چیف اور شاہ محمود قریشی کی تحریک انصاف میں شمولیت کے بعد تو گویا کہ تحریک انصاف میں شامل ہونے والوں کی ایک لائن ہی لگ گئی۔ اب یہاں بھی عمران خان نے اپنے عمل سے یہ ثابت کیا کہ انکی باتیں اور نعرے صرف نعرے ہی ہیں ان میں کوئی صداقت نہیں ہے۔ اگر ایک فرد (ن) لیگ سے ق) لیگ میں جائے تو وہ لوٹا ہے، اگر ایک فرد پی پی پی سے تعلق توڑ کر (ن) لیکھ یا) ق) لیگ جوائن کرے تو وہ لوٹا ہے اور یہ سارا عمل ہارس ٹریڈنگ ہے لیکن اگر ن ق) ج وغیرہ لیگ سے اور پی پی پی و دیگر جماعتوں سے ٹوٹ کر تحریک انصاف میں شامل ہوں تو یہ عمل لوٹا کریسی نہیں ہے بلکہ یہاں خان صاحب فرماتے ہیں کہ قائد اعظم نے بھی تو پارٹی تبدیل کی تھی۔ واہ خان واہ ع تمہاری زلف میں پہنچی تو حسن کہلائی یعنی جو بھی کرپٹ، دھوکے باز، فراڈ سیاستدان اگر دوسری پارٹی میں ہے تو وہ غلط ہے لیکن اگر وہ تحریک انصاف جوائن کرتا ہے تو بالکل ٹھیک ہے۔ اگر ایک فرد ق لیگ یا ن لیگ میں رہ کر کرپشن کرتا ہے تو خان صاحب کے بقول لیڈر شپ کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے یعنی جو لوگ بھی اس وقت کرپشن، فراڈ، جعلسازی، جعلی ڈگری ٹائپ کے سیاستدان ہیں وہ اپنی لیڈر شپ کی وجہ سے ہیں اور تحریک انصاف میں شامل ہونے کے بعد وہ کوئی غلط کام نہیں کریں گے اچھے بچے بن جائیں۔

اس کے بعد قصور کے حالیہ جلسے میں جو کچھ ہوا اور جس طرح لوگوں نے لوٹ مار کی، اور کرسیاں تک لوٹ کر لے گئے۔ اس جلسے کی ساری کارروائی کو سامنے رکھیں اور پھر اس پر خان کا ردعمل دیکھیں۔ جب خان سے اس بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کسی قسم کی شرمندگی کا اظہار کرنے کے بجائے بڑی ڈھٹائی سے کہا کہ " غربت کے مارے لوگ اگر کرسیاں نہ اٹھائیں تو کیا کریں" ۔ سوچیں کہ اگر یہی عمل کسی دوسری پارٹی کے جلسے میں ہوا ہوتا اور کسی دوسری پارٹی کے کارکنان نے یہ کام کیا ہوتا تو شائد خان نے ایک طوفان مچا دینا تھا۔ لیکن خان صاحب نے یہ بیان دیکر بتادیا کہ دیگر احتساب اور سزائیں صرف دوسری جماعتوں کے لئے ہونگی، تحریک انصاف کے کارکنان و لیڈران اگر کچھ کریں تو اس کا جواز تراشا جائے گا۔

اس کے بعد عمران خان صاحب کے جلسوں میں جس طرح میوزیکل شوز کا اہتمام کیا جاتا ہے اور اس کے ذریعے لوگوں کو اپنی جانب راغب کیا جارہا ہے تو یہ بھی قابل غور ہے۔ ابھی آج 13 دسمبر کے اخبارات میں ہی خان صاحب کا بیان شائع ہوا ہے کہ ""کراچی کے جلسے میں عوام کو بھرپور انٹرٹینمنٹ ملے گی" تو یہ معلوم ہوا کہ روشن خیالی کے نام پر جنرل مشرف نے جو کام شروع کیا تھا اور محترم عمران خان جو اس روشن خیالی کے ناقد تھے ،مشرف کے دور میں وہ جنرل مشرف کی روشن خیالی کو تنقید کا نشانہ بناتے تھے وہ سب غلط تھا اور اصل بات

یہ ہے کے عمران خان اسی روشن خیالی کو ہی پروان چڑھائیں گے اور ملک میں آج جو بے حیائی اور فحاشی کا ایک طوفان جنرل مشرف کے دور سے شروع ہوا تو عمران خان کے دور میں اس میں مزید شدت آئے گی۔

قارئین کرام ان سب باتوں کا خلاصہ نکالیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ نمبر ایک عمران خان صاحب اپنے اقتدار، اپنے مطلب کے لئے ہر قسم کے لوگوں کے ساتھ اتحاد کر سکتے ہیں ہر کرپٹ، فراڈ کو اپنے ساتھ ملا سکتے ہیں۔ نمبر دو احتساب، سزائیں، تنقید صرف دوسروں کے لئے ہوگی اور تحریک انصاف سے وابستہ افراد کو نہ صرف یہ کہ ہر قسم کی چھوٹ دی جائے گی بلکہ ان کے جرائم اور غلط عمل کے جواز تراشے جائیں گے جس طرح کہ پی پی پی ،ق لیگ، ن لیگ ایم کیو ایم وغیرہ تراشتے ہیں۔ اور پھر سوچنے کی بات ہے کہ کیا وہی آزمائے ہوئے ،لوٹے سیاستدان کیا کوئی انقلاب لا سکتے ہیں؟ نمبر تین یہ کہ مشرف اور دیگر سیاسی جماعتوں پر عمران خان کی تنقید محض ایک ڈھکوسلا ہے وقت آنے پر یہ بھی جنرل مشرف ہی کی پالیسیوں کو برقرار رکھیں گے اور چوتھی بات کہ یہ جو دہشت گردی کے خلاف جنگ پر تنقید کرتے ہیں وہ بھی وقت آنے پر غلط ثابت ہوگی اور لگتا یہ ہے کہ فی الحال چونکہ ان کے پاس اقتدار نہیں ہے اس لئے وہ ان ایشوز پر عوامی امنگوں کے مطابق بات کر رہے ہیں لیکن حالات یہ بتا رہے ہیں کہ اقتدار ملنے پر یہ اپنے اس موقف سے بھی پلٹ جائیں گے۔ شواہد اور حالات یہ بتا رہے

ہیں کہ ن لیگ، ق لیگ، پی پی پی ، متحدہ اور عمران خان کی تحریک انصاف میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔ ہاں انقلاب کے جھوٹے نعرے ضرور لگائے جا سکتے ہیں۔

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکہ یہ بازی گر کھلا

یاد رکھیں انقلاب وہی کامیاب اور حقیقی انقلاب ہوگا جو دین سے دوری نہیں بلکہ دین سے جڑا ہوا ہوگا، وہ انقلاب جس کی قیادت واقعتاً مخلص اور دین دار ہوگی۔ وہ انقلاب جس کا رابطہ دنیا بھر کی تحریکوں سے جڑا ہوا ہوگا۔ وگرنہ یہ انقلاب کے نعرے لگتے رہیں گے اور وقتی طور پر ایسا لگے گا کہ واقعی انقلاب آ بھی چکا ہے لیکن مفادات کے تحت اکٹھے ہونے والے کبھی انقلاب نہیں لا سکتے، ہاں وقتی طور پر ایک ہلچل ضرور مچا سکتے ہیں اور یہ عناصر جب دیکھیں گے کہ مفادات پورے نہیں ہو رہے تو پھر کسی طرف نکل جائیں گے۔ انقلاب آئے گا اور کامیاب بھی ہوگا لیکن صرف اسلامی انقلاب اور کوئی انقلاب نہیں۔

سقوط ڈھاکہ، البدر والشمس، اور محصورین کی کہانی تصویروں کی زبانی

دسمبر کا مہینہ ہے اور دسمبر کے مہینے میں ہی ہم بابائے قوم قائداعظمؒ کا یوم پیدائش مناتے ہیں۔ جب ہم ان کا یوم پیدائش مناتے ہیں تو اس موقع پر تمام اربابِ حکومت، سیاسی لیڈران، سماجی کارکنان اور عوام سب قائداعظمؒ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں، ان کے افکار و نظریات پر قائم رہنے کا عہد کرتے ہیں اور قیام پاکستان کے مقاصد کو حاصل کرنے کا عزم کرتے ہیں۔ یہ بڑی خوشی کی بات ہے۔زندہ قومیں اسی طرح اپنے اسلاف، اپنے ہیروز کو یاد رکھتی ہیں اور ان کی قربانیوں، ان کی جدو جہد کو کبھی نہیں بھلاتی ہیں اور ان کی جدو جہد و قربانیوں کی داستانوں کو اپنی اگلی نسلوں تک منتقل کرتی ہیں۔

دسمبر کے مہینے میں ہی ایک 16 دسمبر کی تاریخ بھی آتی ہے۔ وہ تاریخ جب قائداعظمؒ کا پاکستان دولخت ہوا، جب دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت کے دو ٹکڑے کردیئے گئے، جب ہمارا مشرقی بازو ہم سے جدا کردیا گیا، اور جب اندرا گاندھی نے یہ زہریلا جملہ کہا تھا کہ "آج ہم نے دو قومی نظریئے کو خلیج بنگال میں ڈبو دیا" اور" آج ہم نے مسلمانوں سے ایک ہزار سال کی غلامی کا بدلہ لے لیا" تدبیر کند بندہ۔ تقدیر زن خندہ دو قومی نظریہ خلیج بنگال میں تو کیا ڈوبتا

پہلے انڈیا کو پڑوس میں ایک مسلم ریاست کا سامنا تھا اب دو مسلم ریاستیں ہیں۔ دو قومی نظریہ تو اس وقت ڈوبتا جب بنگالی بھائی پاکستان سے الگ ہو کر انڈیا سے مل جاتے۔

1971ءکے پر آشوب دور میں جب پاکستان آرمی پہلے خانہ جنگی اور پھر باقاعدہ جنگ میں مصروف تھی اس کو دیگر مسائل کے ساتھ ساتھ چند بہت بڑی مشکلات کا سامنا تھا نمبر ایک بنگالی فوج اور پولیس کی بغاوت، اس بغاوت اور عدم تعاون کے باعث دیگر دو مسائل پیدا ہوئے وہ یہ کہ اول تو زبان کا مسئلہ کیوں کہ مغربی پاکستان سے جو سپاہی بھیجے جاتے وہ بنگالی زبان نہیں جانتے تھے اور دوسرا مسئلہ آب و ہوا اور جغرافیہ کا تھا ۔مشرقی پاکستان کی آب و ہوا مغربی

پاکستان سے بہت مختلف ہے ،اس کے ساتھ ساتھ پاکستانی فوج کو راستوں سے ناواقفیت کے باعث بہت نقصان اٹھانا پڑا۔ ایسی صورتحال میں مشرقی پاکستان میں موجود اردو بولنے والے افراد (جن کو عرف عام میں بہاری کہا جاتا) اور بنگالی بولنے والے محب وطن افراد نے پاکستانی فوج کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا۔ بہاریوں اور محب وطن بنگالیوں کے پاکستانی فوج کا ساتھ دینے کو،اپنے وطن کو ولخت ہونے سے بچانے کی کوششوں کو ایک جرم ،ایک گالی بنادیا گیا۔

16 دسمبر 1971ء کو ڈھاکہ میں جب جنرل نیازی نے بھارتی فوج کے جنرل وجے سنگھ اروڑاکے سامنے ہتھیار ڈالے ،اور فوج نے باقاعدہ شکست قبول کرلی اس کے بعد وہاں بہاریوں اور محب وطن بنگالیوں (البدر والشمس رضاکار) کا قتل عام کیا گیا۔ پوری پوری آبادیوں،پوری پوری بستیوں کو ختم کردیا گیا، ماں باپ اور بھائیوں کے سامنے ان کی بیٹیوں ، بہنوں کی عصمتوں کو پامال کیا گیا،المیہ یہ ہے کہ تاریخ میں پہلی بار ہندوؤں اور مسلمانوں نے ایک ساتھ مسلمانوں کا قتل عام اور خواتین کی عصمت دری کی ۔

رضا کار کا لفظ سنتے ہی ذہن میں ایک ایسی شخصیت کا تصور ذہن میں ابھرتا ہے جو سراپا اخلاص ہو،جو دردمند دل رکھتا ہو،جو انسانیت اور وطن کی بے لوث خدمت کے لئے ہمہ وقت تیار ہو اور اسے کسی معاوضے کی تمنا نہیں ہو۔ دنیا بھر میں رضا کاروں کو عزت دی جاتی ہے۔ لیکن بنگلہ دیش میں رضا کار کا لفظ ایک گالی بن چکا ہے۔وہاں رضا کاروں سے مراد وہ محب وطن پاکستانی ہیں جنہوں نے پاکستانی فوج کا ساتھ دیا،جنہوں نے وطن عزیز کی خاطر دکھ جھیلے صرف اس لئے کہ وطن دو ٹکڑے نہ ہو،جماعت اسلامی اور اسلامی جمعیت طلبہ سے تعلق رکھنے والے ان رضاکاروں کو بنگلہ دیش کے قیام کے بعد چن چن کر قتل کیا گیا،چن چن کر اس لئے کہ یہ اردو بولنے والے نہ تھے بلکہ بنگالی ہی تھے اور بنگالیوں کی آبادیوں میں رہائش پذیر تھے، اس لئے بنگلہ دیش کے قیام کے بعد ان لوگوں کو چن چن کر قتل کیا گیا،البدر کے رضاکاروں کی گرفتاریوں پر باقاعدہ انعامات رکھے گئے،کئی رضاکار جن کو پولیس نے پاکستانی فوج کا ساتھ دینے کے "جرم" میں گرفتار کرلیا تھا ان کو تھانوں اور جیلوں سے نکال کر اذیتیں دیکر

شہید کیا گیا۔ مشرقی پاکستان کی تاریخ سے تھوڑی بہت واقفیت رکھنے والے اور مشرقی پاکستان سے تعلق رکھنے والے میرے بزرگوں کو مولوی فرید کا نام اور کام اچھی طرح یاد ہوگا، مولوی فرید ایک سماجی و سیاسی رہنما اور غالباً پیشے کے لحاظ سے درس وتدریس سے وابستہ تھے، بنگلہ دیش بننے کے بعد مکتی باہنی کے غنڈوں نے پکڑ کر بے انتہا تشدد کیا، پاکستان سے محبت کے جرم میں اس بزرگ کے گلے میں اس کے شاگردوں کے سر کاٹ کر ان کے ہار بنا کر ڈالے گئے اور پھر ان کو بھی شہید کیا گیا۔ کئی رضاکاروں کو شیخ مجیب کے بیٹے شیخ کمال نے اپنے ہاتھوں سے قتل کیا۔

آج ہم نے تو ان محب وطن بہاریوں کو بھلا دیا ہے جو چالیس سال سے کیمپوں

یں بدترین زندگی گزارنے کے باوجود پاکستان کو نہیں بھولے ہیں۔ محصورین آج بھی وطن کی راہ دیکھ رہے ہیں، آج کیمپوں میں انکی تیسری نسل جوان ہو رہی ہے، انہوں نے پاکستان سے محبت اپنی تیسری نسل کو منتقل کر دی ہے لیکن بنگلہ دیش کی شہریت قبول نہیں کی ، وہ آج بھی ان کیمپوں میں پاکستان کا پرچم تھامے ہوئے ہیں۔ ہر سال 16 دسمبر ان کے لئے دہرا عذاب لاتا ہے، پہلا عذاب روحانی اور ذہنی ہوتا ہے جب پورا بنگلہ دیش آزادی کا جشن مناتا ہے تو وہ لوگ کیمپوں میں سوگ مناتے ہیں اور 1971 ئ کے اذیت ناک واقعات ان کے ذہنوں میں تازہ ہو جاتے ہیں، دوسرا عذاب جسمانی ہوتا ہے جبکہ آزادی کے متوالے ان کیمپوں کا گھیراؤ کرتے ہیں، ان محب وطن بہاریوں کو گالیاں دی جاتی ہیں، ان کے کیمپوں پر پتھراؤ کے واقعات بھی پیش آتے ہیں اور بہت پہلے جنگ اخبار کے میگزین میں اس حوالے سے ایک فیچر شائع ہوا تھا جس میں ایک بزرگ نے بڑے کرب سے یہ کہا تھا کہ " سولہ دسمبر کو ہم لوگ ان کے لئے حلال ہو جاتے ہیں" یعنی اس دن محصورین کو مارنا پیٹنا، عزت آبرو لوٹنا، قتل کر دینا ان لوگوں کے نزدیک کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ (شائد اب ایسا نہ ہوتا ہو(

ہم نے تو قائد کے فرمودات کو بھلا دیا، محصورین بنگلہ دیش کو بھلا دیا، اور البدر و الشمس کے رضاکاروں کو بھلا دیا لیکن بنگلہ دیش والوں نے پاکستان سے محبت کا جرم نہیں بھلایا ہے، اور آج چالیس سال بعد وہاں کی عدالتوں میں

جماعت اسلامی کے قائدین پر پاکستان کی حمایت کرنے پر جنگی جرائم کا مقدمہ کیا گیا ہے، جماعت اسلامی بنگلہ دیش کے اکہتر سالہ امیر مطیع الرحمان نظامی، جو کہ 1971ئ یں اسلامی جمعیت طلبہ (اسلامی چھاترو شنگھو) ڈھاکہ کے ناظم تھے آج اس بوڑھے کو عدالتوں میں گھسیٹا جا رہا ہے، صرف پاکستان سے محبت کے جرم میں، اپنے وطن کو دولخت ہونے سے بچانے کے جرم، لسانیت اور قوم پرستی کے مقابلے میں اسلام پسندی کے جرم میں۔ یعنی پاکستان سے محبت اتنا بڑا ہے جو کبھی معاف نہیں کیا جا سکتا۔

البدر اور الشمس ہماری تاریخ کا ایک درخشاں باب ہیں،اسی طرح محصورین بنگلہ دیش(بہاری) بھی ہمارے ہی وجود کا حصہ ہیں ۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے مشکلات

سہیں ، دکھ جھیلے، لیکن آج بھی پاکستان کا پرچم تھامے ہوئے ہیں۔ وہ آج بھی اپنے وطن
کی راہ تک رہے ہیں لیکن وطن والوں کا تو معاملہ ہی کچھ اور ہے یہاں بہاریوں کو بوجھ
اور البدر و الشمس کو غدار اور قاتل سمجھا جاتا ہے۔ پتا نہیں محصور بنگلہ دیش کب وطن
آئیں گے کیوں کہ ان کے نام پر سیاست کرنے والوں نے بھی ان کو بھلا دیا ہے اور پتا
نہیں ہم لوگ کس البدر و الشمس کے شہداء کی قربانیوں کی قدر کریں گے۔

امریکی "ڈھول سپاہی" ۔پیمپرز اور پتھر کا دور

خبر ہے کہ امریکہ بہادر اور نیٹو کے فوجی پیمپیر باندھ کر لڑتے ہیں ۔ کیونکہ جب "سپر پاور" کے ان "بہادر" اور "جانباز" سپاہیوں کا طالبان اور مجاہدین سے سامنا ہوتا ہے تو ان کا پیشاب اور ۔۔۔۔۔خطا ہو جاتا ہے۔بڑی حیرت انگیز خبر ہے لیکن سچ ہے۔ اب حقیقت کھلی کہ یہ ہے وہ "سپر پاور" کی "توپ" قسم کی فوج جس سے جنرل پرویز مشرف اور ان کے اس وقت کے نفس ناطقہ شیخ رشید احمد قوم کو ڈرایا کرتے تھے کہ اگر امریکہ سے پنگا لیا تو وہ ہمیں پتھر کے دور میں پہنچا دے گا۔

اب ذرا تصور تو کریں کہ اس وقت کیا عالم ہوتا ہوگا جب امریکہ کے یہ "ڈھول سپاہی "طالبان کی تلاش میں نکلتے ہونگے اور طالبان کا سامنا ہوتے ہیں ان کی پینٹ "گیلی" ہو جاتی ہوگی۔ خبر کے مطابق امریکی حکام نے پاکستانی حکومت سے درخواست کی ہے کہ کم از کم پیمپیرز تو فوری طور پر روانہ کئے جائیں جبکہ خبر میں مزید بتایا گیا ہے کہ یہ "بہادر" فوجی بکتر بند گاڑیوں میں ہونے کے باوجود رفع حاجت کے لئے باہر نہیں نکلتے بلکہ وہیں فارغ ہوتے ہیں۔ بظاہر تو یہ ہنسنے کی بات ہے لیکن دراصل یہ عبرت کا مقام ہے کہ دنیا کی سپر پاور کہلانے والی اور نیا کے ہر معاملے میں چوہدری کا کردار ادا کرنے والے ملک

کے فوجیوں کی ہمت اور دلیری کا یہ حال ہے کہ وہ آرام سے رفع حاجت بھی نہیں کر سکتے ہیں۔فاعتبر و یا اولی الابصار

بات یہ ہے کہ جدید اسلحہ،مادی وسائل ،اور کثیر تعداد میں ہونا ایک اور بات ہے لیکن بہادری اور دلیری کا تعلق اخلاقیات سے ہوتا ہے۔اس خبر کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ امریکیوں کو اس بات کا اچھی طرح ادراک ہے کہ وہ افغانستان کے نجات دہندہ نہیں بلکہ قابضین ہیں،اسی وجہ سے ان کے اندر وہ اخلاقی جرات اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے بہادری نہیں ہے۔انہیں اچھی طرح پتہ ہے کہ وہ جن سے مقابلہ کرنے آئے ہیں وہ اس گھر کے مالک ہیں اور کوئی چور یا قبضہ گیر چاہے کتنا ہی طاقتور اور با اثر کیوں نہ ہو اس کے دل میں چور تو ہوتا ہی ہے۔

اس کے برعکس مجاہدین (طالبان) یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ حق پر ہیں،وہ جانتے ہیں کہ عددی برتری،مادی وسائل کی کثرت کے باوجود اللہ تعالی حق کے ساتھ ہے۔وہ اسلام کی تاریخ سے اچھی طرح واقفیت رکھتے ہیں کہ کس طرح 313 نے 1000 کے لشکر کو شکست دی،کس طرح 10 ہزار نے تبوک کے میدان میں لاکھوں کے لشکر کو للکارا تھا اور وقت کی سپر پاور روم کا لاکھوں کا لشکر مقابلے پر آنے کی ہمت ہی نہیں کر سکا تھا۔نصرت اور تائید غیبی تو مجاہدین اور اہل

ایمان کے ساتھ ہی ہوتی ہے۔ذرا غور سے ان تصاویر کو دیکھئے

ایک جانب امریکہ اور ناٹو کے جدید اسلحے سے لیس وہ فوجی ہیں جنہوں نے مکمل حفاظتی لباس زیب تن کررکھا ہے،سر پر ہیلمٹ،سینے پر بلٹ پروف جیکیٹ،پتھریلے اور سخت راستوں پر چلنے کے لئے فل بوٹ،حتیٰ کہ گھٹنو ں اور کہنیوں پر حفاظتی پیڈز باندھے گئے تاکہ اگر کہیں زمین پر لیٹ کر آگے بڑھنا پڑے تو گھٹنے اور کہنیاں نہ چھلیں۔

اور اس کے بر عکس زرا مجاہدین اور تصاویر بھی دیکھیں،نہ کوئی ہیلمٹ،نہ بلٹ پروف جیکٹ حتیٰ کہ پیروں میں ایک جیسے جوتے تک نہیں لیکن پھر بھی اللہ کے راستے پر چلنے کے باعث،جہاد کی سنت کو زندہ کرنے کے باعث اللہ نے دشمنوں کے دلوں میں ان کا رعب ڈال دیا ہے اوران کو دیکھتے ہی امریکہ کے بہادر فوجیوں کا پیشاب خطا ہوجاتا ہے۔

تو جناب یہ ہے وہ توپ قسم کی فوج جس سے جنرل مشرف قوم کو ڈراتے رہتے تھے کہ اگر امریکہ کی بات نہ مانی تو وہ ہمیں پتھر کے دور میں پہنچا دے گا۔اور پھر یہ ہوا کہ پتھر کے دور سے بچنے کے لئے ہم امریکہ اور مغربی اقوام کے سامنے جھکتے چلے گئے،جہاد کو دہشت گردی،مجاہدین کو دہشت گرد کہا جانے لگا۔دین پر عمل کرنا مشکل بنایا جانے لگا،روشن خیالی کا تصور پروان چڑھایا جانے لگا۔دینی رجحان رکھنے والے ڈاکٹرز،انجنیئرز، اور تاجروں کو ماورائے عدالت

ایجنسیوں کی حراست میں لیا جانے لگا(اور درجنوں ایسے افراد آج بھی لاپتہ ہیں جن کی بازیابی کے لئے سپریم کورٹ میں کیس داخل کیا جاچکا ہے)۔ پتھر کے دور میں جانے سے بچنے کے لئے کشمیر کاز کو چھوڑ دیا گیا، کشمیر پالیسی پر یوٹرن لیا گیا، بھارت کو لچک دکھائی جانے لگی،اس قدر لچک کہ اب ان کی ثقافت ہمارے گھروں میں داخل ہو گئی ہے اور ہمارے نوجوان کمر لچکانے لگے ہیں۔یہ سارے کے سارے کام اس امید پر کئے گئے تھے کہ ان سب کے عوض ملک میں خوشحالی آئے گی،قرضوں سے نجات ملے گی، کشمیر کو آزادی نصیب ہوگی اور ملک کی سرحدیں محفوظ ہونگی اور امن وامان کی صورتحال مستحکم ہوگی مدنیا بھر ممالک میں ہمارا "سافٹ امیج" اجاگر ہوگا۔لیکن یہ سارے کام کرکے بھی ہم کچھ بھی حاصل نہ کرپائے

آیئے ذرا ایک انمول حدیث قدسی کا مفہوم آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،اللہ تعالیٰ انسان سے فرماتا ہے کہ اے ابن آدم ! ایک میری چاہت ہے اور ایک تیری چاہت ہے، ہوگا وہی جو میری چاہت ہے۔ پس اگر تو نے سپرد کردیا خود کو اس کے جو میری چاہت ہے تو وہ بھی میں تجھے دوں گا جو تیری چاہت ہے۔اگر تو نے مخالفت کی اس کی جو میری چاہت ہے، تو میں تھکا دوں گا تجھ کو اس میں جو تیری چاہت ہے۔ ہوگا پھر وہی جو

میری چاہت ہے۔
اور واقعی اللہ کا وعدہ سچا ہے " اگر تو نے مخالفت کی اس کی جو میری چاہت ہے، تو میں تھکا دوں گا تجھ کو اس میں جو تیری چاہت ہے۔" ہم نے اللہ کی نافرمانی کی راہ اختیار کی اور ترقی کرنا چاہی، استحکام پیدا کرنا چاہا، معیشت مضبوط کرنا چاہی، خزانہ بھرنا چاہا، کشمیر آزاد کرانا چاہا لیکن کچھ بھی حاصل نہ ہوا، کیوں کہ اللہ تعالٰی نے تو فرمادیا کہ 'ہوگا وہی جو میری چاہت ہے" آج ہم امریکہ اور صلیبی افواج کا ساتھ دینے کے باوجود پتھر کے دور میں پہنچ چکے ہیں۔ جی ہاں سوچیں اور غور کریں کہ کیا پتھر کے دور میں یہی کچھ نہ ہوتا تھا کہ کسی کے پاس کوئی روزگار نہیں ہے اور لوگ باگ چھین چھپٹ اور شکار کرکے اپنا پیٹ بھرتے تھے، آج ملک میں بیروزگاری ہے، چوری، ڈاکے، موبائل چھننے کی وارادتیں ہیں چھینا چھپٹی ہے۔ پتھر کے دور میں بجلی نہیں ہوتی تھی اور آج ہم بھی بجلی کی قلت کا رونا رو رہے ہیں، صنعتیں بند ہو رہی ہیں، پتھر کے دور میں گیس نہیں ہوتی تھی بلکہ لوگ باگ لکڑیاں وغیرہ جلا کر اپنا کام چلایا کرتے تھے، آج ہم گیس کی لوڈ شیڈنگ کا سامنا کر رہے ہیں، آج ہمارے چولہے بجھے ہوئے ہیں۔ ذرا اخبارات پر ایک نظر تو ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ ہر اخبار میں یہی خبریں ہوتی ہیں کہ فلاں جگہ گیس کی لوڈشیڈنگ کے باعث مظاہرے ہو رہے ہیں، فلاں جگہ بجلی کی لوڈ شیڈنگ کے خلاف لوگ

جمع ہو گئے، فلاں علاقے کے صنعت کاروں نے مظاہرہ کیا، فلاں علاقے میں صنعتیں بند ہونے سے ہزاروں لوگ بیروزگار ہو گئے۔ ہماری سرحدیں پہلے سے زیادہ غیر محفوظ ہیں، ہماری معیشت دگرگوں ہے، آج ڈالر 91 روپے کی بلند ترین سطح پر پہنچ چکا ہے، قرضوں کا حجم بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ اور ایٹمی پروگرام خطرات کی زد میں ہے اور ان سب کے باوجود دنیا بھر میں ہمارا امیج کیا ہے؟ ایک دھوکے باز ریاست کا امیج، ایک دہشت گرد ملک کا امیج۔

سوچیں اور غور کریں کہ کیا امریکہ کی مخالفت کرکے اس سے زیادہ نقصان ہو سکتا تھا؟ ہمارے خیال میں تو ایسا نہیں ہے بلکہ اس کے بالکل برعکس ہوتا، ہمارے پڑوس میں ایران امریکہ کو للکارتا رہتا ہے، امریکہ اور اس کے حواری آئے دن ایران کو دھمکاتے رہتے ہیں لیکن وہ ان کی دھمکیوں کو خاطر میں نہیں لاتا، تو کیا وہ پتھر کے دور میں پہنچ گیا؟ جی نہیں

بے سروسامان مجاہدین نے آج امریکہ غرور خاک میں ملا دیا ہے، وہی امریکہ جس کے لئے ملا عمر دنیا کے مطلوب ترین افراد میں سے ایک تھا اسی امریکہ نے ملا عمر کا نام مطلوب ترین افراد کی فہرست سے نکال دیا ہے۔ آج طالبان کو قطر میں

دفتر کھولنے کی اجازت دی جارہی ہے تاکہ وہاں موجودہ امریکی سنٹرل کمانڈ آفس طالبان سے بہ آسانی اور براہ راست رابطہ کرسکے اور واپسی کی بھیک مانگ سکے لیکن طالبان اسے یہ بھیک دینے کو تیار تو ہیں لیکن اپنی شرائط پر، حال ہی میں امریکہ نے طالبان سے مذاکرات کے بعد گوانتانا موبے میں قید پانچ طالبان کمانڈرز کو رہا کرنے کا فیصلہ کیا ہے اور عین ممکن ہے کہ جس ووقت آپ یہ سطور پڑھ رہے ہوں اس وقت ان کمانڈرز کو رہا کردیا گیا ہو۔آج رحمان ملک صاحب کبھی طالبان سے اپیل کرتے ہیں اور کبھی ان کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔کیوں کہ ان کے مائی باپ امریکہ نے بھی تو طالبان کی حقیقت کو تسلیم کرلیا ہے۔

امریکہ تو اس خطے سے جارہا ہے اور اس کو جانا ہی ہے لیکن اس مسئلہ تو ان لوگوں کا ہے جنہوں نے پرائی جنگ میں اپنے لوگوں کو قتل کیا، جو امریکی تہذیب و ثقافت کی غلاظت روشن خیالی کے نام پر یہاں پھیلانا چاہ رہے تھے ، جنہوں نے امریکہ کے ہر ہر اقدام کی حمایت کی ۔اب ان کو یہ فکر لگ گئی ہے کہ اگر امریکہ چلا گیا تو ہمارا کیا ہوگا؟ کچھ نہیں ہوگا ! وہی ہوگا جو اللہ چاہے گا۔

اللہ تعالٰی انسان سے فرماتا ہے کہ اے ابن آدم ! ایک میری چاہت ہے اور ایک" تیری چاہت ہے، ہوگا وہی جو میری چاہت ہے۔ پس اگر تو نے سپرد کردیا خود

کو اس کے جو میری چاہت ہے تو وہ بھی میں تجھے دوں گا جو تیری چاہت ہے۔ اگر تو نے مخالفت کی اس کی جو میری چاہت ہے، تو میں تھکا دوں گا تجھ کو اس میں جو تیری چاہت ہے۔ ہو گا پھر وہی جو میری چاہت ہے۔

بنگلہ دیش میں انتقامی کارروائیاں

بنگلہ دیش اور البدر کے حوالے سے ہم نے گذشتہ روز ایک مضمون لکھا تھا جس میں ان کی قربانیوں اور اس وقت انکی حالتِ زار کا ذکر کیا گیا تھا۔ اس سے قبل بھی ہم نے البدر کے حوالے سے مضامین لکھے تھے۔ روزنامہ جسارت میں بروز بدھ 11 جنوری کو حافظ محمد ادریس صاحب نے ایک مضمون لکھا ہے۔ اس مضمون ای حوالے سے تفصیلی بات کی گئی ہے۔ اس لئے ہم یہ مضمون آپ سے شئیر کر رہے ہیں

تحریر : حافظ محمد ادریس

بنگلہ دیش میں جماعت اسلامی کی مرکزی قیادت اور بنگلہ دیش نیشنلسٹ پارٹی (بی این پی) کے دو لیڈر صلاح الدین قادر چودھری اور عبد العلیم، عوامی لیگی حکومت کے قائم کردہ نام نہاد انٹرنیشنل کرائمز ٹریبونل میں مقدمات کا سامنا کر رہے ہیں۔ حسینہ واجد کی حکومت نے اپنی پچھلی مدتِ حکومت میں بھی جنگی جرائم کے الزامات لگا کر اپنے مخالفین کو نشان انتقام بنانا چاہا تھا، مگر بوجوہ اپنے ان عزائم کو وہ عملی جامہ نہ پہنا سکی۔ اس مرتبہ بھاری اکثریت سے کامیابی کے بعد عوامی لیگ نے اپنے ایجنڈے میں یہی ایشو سرفہرست رکھا۔ بنگلہ

دیش تحریک میں مشرقی پاکستان کی بنگالی آبادی نے بھی بلاشبہ کلیدی کردار ادا کیا تھا، مگر اس میں شک نہیں کہ اگر بھارت کی سرپرستی اور مکمل حمایت حاصل نہ ہوتی تو محض مکتی باہنی یا 6 نکاتی پروگرام کے علم بردار سیاسی کارکن یہ منزل سر نہ کرسکتے۔ خانہ جنگی کے اس عرصے میں جماعت اسلامی نے ایک محب وطن جماعت کی حیثیت سے مقدور بھر کوشش کی کہ بدامنی اور انتشار کے اس ماحول میں عوام کو تحفظ دیا جائے، تاہم 16 دسمبر 1971ء کو یہ سانحہ رونما ہوا کہ ملک دولخت ہوگیا۔ عوامی لیگ حکومت نے اپنی پے درپے ناکامیوں کے بعد، 40 برس گزرنے پر سیاسی حربے کے طور پر اپنے مدِمقابل راست فکر قیادت کو نشانہ بنانے اور راستے سے ہٹانے کے لیے جنگی جرائم کے نام سے جو ٹریبونل قائم کیا ہے، اس پر عالمی اداروں اور حقوقِ انسانی کی تنظیموں نے مکمل عدم اعتماد کا اظہار کردیا ہے۔ 20 نومبر 2011ء کو نائب امیر جماعت اسلامی بنگلہ دیش مولانا دلاور حسین سعیدی پر باقاعدہ فردِ جرم عائد کی گئی۔ ان کے علاوہ جو لوگ سال سے زیادہ عرصہ ہوا، جیل کی سلاخوں کے پیچھے بند کیے گئے ہیں، ان میں جناب مطیع الرحمان نظامی امیر جماعت اسلامی بنگلہ دیش اور علی احسن محمد مجاہد قیم جماعت اسلامی بنگلہ دیش کے علاوہ محمد قمر الزمان اور عبدالقادر ملا شامل ہیں۔ پروفیسر نذیر احمد، حمیدالرحمان آزاد، مولانا رفیع الدین احمد، مولانا اے ٹی ایم معصوم، رفیق النبی، عبدالرحمان اور مولانا عبدالمنان کو بھی جماعت اور اسلامی چھاترو شبر کے دیگر 21 راہ نماؤں کے ساتھ

گرفتار کرکے مختلف دیگر مقدمات میں ملوث کر دیا گیا ہے۔ اب تک دلاور حسین سعیدی صاحب کے بعد نظامی صاحب، مجاہد صاحب اور قمر الزمان صاحب پر بھی فرد جرم عاید کر دی گئی ہے۔ استغاثہ نے ٹربیونل کے سامنے اظہار کیا کہ ابھی تک پوری تفتیش مکمل نہیں ہو سکی۔ اس دوران مولانا دلاور حسین سعیدی کے خلاف گواہیاں شروع ہو گئی ہیں۔

ان پر لگائے گئے الزامات میں سے ایک یہ ہے کہ انھوں نے 1971ء میں پاکستان آرمی سے قریبی تعلق رکھا اور انھیں عوام کے خلاف کارروائیاں کرنے کی ترغیب دیتے رہے۔ ان کے خلاف 28 گواہ تیار کیے گئے ہیں۔ ان گواہوں پر مولانا سعیدی کے وکلا جرح کر رہے ہیں، جس کے دوران بہت دلچسپ تضادات سامنے آ رہے ہیں۔ تاہم عمومی رائے یہ پائی جاتی ہے کہ اگر عرب ملکوں کی طرح کوئی عوامی ریلا سڑکوں پر نہ نکلا اور عرب عوامی لہر کی طرح بنگلہ دیش عوامی لہر کا سماں پیدا نہ ہوا تو ٹربیونل حکومتی اشارے پر فیصلے صادر کردے گا۔ 17 سالہ مولانا سعیدی شوگر اور بلڈ پریشر کے مریض ہیں، انھیں علاج معالجے کی سہولیات بھی حاصل نہیں۔ انھیں اپنے خرچ پر اپنے معالج سے ملاقات کا بھی کم ہی موقع دیا گیا ہے۔ روزنامہ بنگلہ دیش ٹوڈے میں 16 دسمبر کو ایک رپورٹ چھپی ہے جس میں جماعت اسلامی کے وکیل بیرسٹر عبد الرزاق نے ٹربیونل کے سامنے یہ شکایت پیش کی کہ محض الزام لگنے سے کوئی شخص مجرم نہیں بن جاتا، جب کہ حکومتی ذرائع ابلاغ اور وزیر قانون بیرسٹر شفیق احمد ان لوگوں کو مجرم قرار دے رہے ہیں۔ چیئرمین ٹربیونل جسٹس نظام الحق نے ان کی شکایت

کو مبنی بر حق قرار دیا اور کہا کہ وہ خود بھی ذرائع ابلاغ کی اس روش کو دیکھ کر کڑھتے ہیں۔ پروفیسر غلام اعظم صاحب (عمر: 98 سال) کو بھی گرفتار کرنے کے لیے حکومت مسلسل دھمکیاں دے رہی ہے۔ غیر جانب دار حلقے ان تمام الزامات کو مضحکہ خیز اور انصاف کا گلا گھونٹنے کے مترادف قرار دے رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ایک اہم پہلو جسے مکمل طور پر نظر انداز کر دیا گیا وہ بنگلہ دیش میں مقیم بہاری آبادی پر ہونے والے طویل مظالم کی داستان ہے۔ بنگلہ دیش کی تخلیق کے وقت اس آبادی کو علیحدگی پسندوں نے جس ب±ری طرح سے قتل و غارت گری، لوٹ مار اور عصمت دری کا نشانہ بنایا، اس کی داستانیں تو باقاعدہ ثبوتوں کے ساتھ موجود ہیں مگر ان کی کہیں کوئی شنوائی نہیں ہو رہی۔ بھارت کے تجزیہ نگار کلدیپ نائر نے بنگلہ دیش میں گزشتہ مہینے 5 دن گزارے اور اس نے ان خیالات کا اظہار کیا کہ ٹربیونل قانون و انصاف کا مذاق اڑانے کے مترادف ہے۔ کلدیپ نائر کے بقول حسینہ واجد بھارت کو خوش کرنے کے لیے اپنے ہی ملک کو نقصان پہنچا رہی ہے۔ ایک انٹرویو میں اس نے یہ بھی کہا کہ حسینہ واجد حکومت نے یک طرفہ طور پر بھارت کو ٹرانزٹ کے حقوق دیے ہیں، جن کے تحت بھارت آسام میں علیحدگی پسندوں کو کچلنے کے لیے بنگلہ دیشی راہ داری استعمال کر رہا ہے۔ حسینہ واجد لوگوں کی نظروں میں عزت و احترام کھو بیٹھی ہے۔ اس نے جنگی جرائم کا ٹربیونل قائم کر کے خوف و ہراس پیدا کرنے اور اگلے انتخابات سے قبل اپنے مخالفین کو ٹھکانے لگانے کا جو فیصلہ کیا ہے، وہ خاصا خطرناک

4 دسمبر 2011ئ) بنگلہ دیش کے معروف صحافی انوار، Blitz قدم ہے۔ (ہفت روزہ حسین مانجو (جو مجلس قانون ساز کے ممبر اور وزیر بھی رہے ہیں اور بنگلہ دیش کے لیجنڈ صحافی تفضل حسین عرف مانک میاں کے فرزند ہیں) نے کہا ہے کہ ملک کے اندر حسینہ واجد حکومت کی غلط پالیسیوں کی وجہ سے ایک بغاوت کی کیفیت عوام میں پیدا ہو گئی ہے۔ عوام الناس آج ہر مجلس میں یہ کہہ رہے ہیں کہ ملک میں سیاست نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہی، محض لوٹ مار کا بازار گرم ہے۔ بنگلہ دیش کی عدالتوں کے بارے میں آج وکلا اور ماہرین قانون یہ کہہ رہے ہیں یہ عدالتیں انصاف کرنے کے بجائے حکومتی تیور دیکھ کر فیصلے صادر کر رہی ہیں۔ (ایضاً) عالمی ذرائع ابلاغ بھی کہہ رہے ہیں کہ یہ ٹربیونل انصاف کے لیے قائم نہیں کیا گیا بلکہ حکمران اپنے راستے سے مخالفین کو ہٹانا چاہتے ہیں۔ بنگلہ دیش سے تعلق رکھنے والے اشرف الزمان خان، جو ان دنوں امریکا میں مقیم اور گرین کارڈ ہولڈر ہیں، ان پر بھی فرد جرم عاید کرنے کے لیے استغاثہ نے کیس ٹربیونل میں پیش کر دیا ہے۔ ایک دوسری معروف شخصیت معین الدین چودھری جو برطانوی شہری ہیں، انھیں بھی البدر کا کمانڈر ہونے کے الزام کے تحت اسی فرد جرم کا مرتکب قرار دیا گیا ہے۔ نیویارک ٹائمز (30 نومبر 2001ئ) میں ٹام فیلکس جے نے یہ خدشہ ظاہر کیا ہے کہ ان لوگوں کو ان کی غیر حاضری میں سزا سنادی جائے گی۔ مضمون نگار نے تفصیلاً لکھا ہے کہ بہاری آبادی پر ڈھائے جانے والے مظالم کا تو کوئی تذکرہ نہیں، البتہ بنگالی آبادی کے قتل عام کا

بہت غلغلہ ہے۔ مضمون نگار کے بقول: انصاف کے تقاضوں کو ملحوظ رکھا جائے تو ان پر یہ الزام ثابت کرنا خاصا مشکل ہے۔ مضمون نگار نے لکھا ہے کہ 5771ء ایسے افراد کی فہرست غیر جانب دار لوگوں نے تیار کی ہے جن میں عوامی لیگ سے تعلق رکھنے والے افراد بھی مجرم قرار دیے گئے ہیں۔ مضمون نگار نے ایم اے حسن نامی ایک سماجی کارکن کا حوالہ دیا ہے جس نے جنگی جرائم کے حقائق جمع کیے ہیں، اس کے مطابق اگر جرم کا ارتکاب ہوا ہے تو مجرم دونوں جانب ہیں مگر طرفہ تماشا یہ ہے کہ قانونی کارروائی انتقامی) یک طرفہ ہو رہی ہے۔ ڈیلی اسٹار ڈھاکا (16 دسمبر 2011ئ) کے مطابق) مولانا دلاور حسین سعیدی کے خلاف حوالدار محبوب العالم کی گواہی پر مولانا کے وکیل دفاع بیرسٹر میزان الاسلام نے ایک دستاویز عدالت میں پیش کی، جس کے مطابق حوالدار نے وزیراعظم کی خدمت میں پیروج پور کے ڈپٹی کمشنر کی وساطت سے ایک درخواست پیش کی کہ اسے مکان تعمیر کرنے کے لیے سرکاری خزانے سے امداد دی جائے۔ جب حوالدار پر جرح کی گئی تو استغاثہ کے وکلا نے شور مچایا کہ یہ دستاویز جعلی ہے اور ٹربیونل کے چیئرمین جسٹس نظام الحق نے سماعت اگلے دن تک ملتوی کر دی۔ یہ ٹربیونل کا جو ڈھونگ رچایا گیا ہی، کچھ معلوم نہیں کہ اس سے کیا برآمد ہوگا؟ نیوز ویک نے 23 دسمبر کے شمارے میں بنگلہ دیش پر خصوصی نمبر شائع کیا ہے۔ بحیثیت مجموعی تمام مضامین بنگلہ دیش کی تخلیق ہی کے حوالے سے لکھے گئے ہیں، مگر بین السطور جگہ جگہ ٹربیونل اور اس کی انتقامی کارروائیوں کا

حوالہ بھی ملتا ہے۔ بنگلہ دیش کے حالات سے باخبر اہلِ دانش کی رائے ہے کہ عالمِ عرب میں طویل خاموشی اور مردنی کے بعد جو بیداری کی لہر اٹھی ہی، اس نے ساری مسلم دنیا پر گہرے اثرات ڈالے ہیں۔ بنگلہ دیش کے عوام سیاسی لحاظ سے بہت پختہ اور کئی تجربات کے حامل ہیں۔ موجودہ گھٹن کے نتیجے میں یہاں بھی بنگالی بہار کا سماں پیدا ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالٰی کا ارشاد ہی: "بعض اوقات تم کسی چیز کو ناپسند کرتے ہو مگر اس میں تمھارے لیے بھلائی (پنہاں) ہوتی ہے"۔

گھر میں اجنبی اور پاکستان میں غیر ملکی

سقوطِ مشرقی پاکستان کے تقریباً آٹھ سال بعد جب میں اپنے ایک بنگالی دوست کے ہمراہ سائیکل رکشہ پر ڈھاکہ یونیورسٹی اور ریس کورس گراؤنڈ کی درمیانی شاہراہ سے گزر راہ تھا تو اپنے رفیق سفر سے پوچھا "آپ سے " البدر "میں شامل (شہید) دوستوں کے بارے میں کچھ تفصیل سے جاننا چاہوں گا"

اس سوال پر اس کا ہشاش بشاش چہرہ اداس ہوگیا، آنکھیں اشک آلود ہوگئیں' ریس کورس کی جانب اس نے درد بھری نظر ڈالی اور دھیرے دھیرے کہنے لگا:

If you wish to know about the martyres of " AL-" BADAR........ i have no courage to tell you.... when i think of the tyranny to which they were subjected, courage fails me.....my heart bleeds and my soul shudders.....You had better ask the Race course Ground and the wall of the Dhaka University campus, with all their silence, they recount the tragic tale so clearly, that i cannot do justice to the subject.......So, in this respect, brother I cannot control my tears,..... every inch of this land is cloured with the blood of our

dear fellows .....the tragedy is that, We cannot even express our agony..... The nation does not recognize our sadifice, The Muslim ummah does not realise its significance... We are strangers at home and foreingers in Pakistan.

اگر تم "البدر" کے شہیدوں کے بارے میں جانا چاہتے ہو تو یہ بتانے کی مجھ میں سکت " نہیں۔۔ میں جب اس ظلم و استبداد کے بارے میں سوچتا ہوں ' جس کا نشانہ وہ بنائے گئے تو میرا دل چھلنی ہو جاتا ہے اور روح لرز جاتی ہے۔ می ں اس موضوع سے انصاف نہ کر سکوں گا اس لئے تم ریس کورس گراؤنڈ اور ڈھاکہ یونیورسٹی کی خاموش دیواروں سے پوچھو، ان کی زبانی اس داستانِ رنج و الم کو بہتر انداز میں بیان کر سکے گی۔۔۔۔ بھائی میں تصور کرتا ہوں تو) اپنے آنسو ضبط نہیں کر سکتا کہ اس سرزمین کا چپہ چپہ ہماری محبوب (ہستیوں کے خون سے لہو رنگ ہے مگر دکھ تو یہ ہے کہ ہم اس المیے کا اظہار بھی نہیں کر سکتے، قوم ان قربانیوں کی معترف بھی نہیں اور مسلم امت نے اس کی قدر نہیں پہچانی، ہم گھر (بنگلہ دیش) میں اجنبی ہیں پاکستان میں غیر ملکی۔۔۔۔۔"

اس کی آواز میں لمحوں کے جبر، قربانیوں کی ناقدری اور سیکولر سیاست کی چنگیزیت کے خلاف مجبوروں کا احتجاج پنہاں تھا۔ یہ آشوبِ تاریخ ہے کہ قوموں

نے اپنے محسنوں کی ناقدری ہے۔لیکن مسلمانوں میں ناقدری کی روایت بڑی پرانی اور دردناک ہے، جو قومیں اپنے محسنوں کو بھلا دیتی ہیں' وہ کسی بھی وقت اپنی آزادی کی زندگی سے محروم ہو سکتی ہیں۔

جنوبی ایشیا میں باب الاسلام کھولنے والے نوجوان محمد بن قاسم جو خود مسلمانوں کے ہاتھوں ہی شہید ہوئے ،مدتوں مطلق العنان حکمرانوں نے اسے مسلم تاریخ می جائز مقام نہ دیا، لیکن وقت نے جب ناانصافی کی گرد ہٹائی تو ابن قاسم کا روشن چہرہ روشن تر ہوگیا اور تاریخ کے اوراق نے اس سینے سے لگالیا،اور غیرت مندوں نے حمیت کی علامت بنالیا۔ پھر اسی سرزمین پر سید احمد شہیدؒ، شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے وادی بالا کوٹ جہاد کیا ان مجاہدین کی پشت میں کچھ غدار خوانین نے چھرا گھونپا اور سکھوں کا ساتھ دیا، انگریزوں کی مراد بر لائی گئی۔دریائے کنہار کی شوریدہ سر لہروں میں اس تحریک، کا مقدس لہو مل گیا۔انگریزی استعمار نے مجاہدین کے لئے وہابیت کی گالی وضع کی اور اپنے زیر اثر علماء سو کے ذریعے ہر خاص و عام میں پھیلا دیا گیا۔اس سب کے باوجود تاریخ نے مجاہدین کو بلند مقام عطا کیا کہ وہ جنوبی ایشیا میں حقیقی جہاد اسلامی کی سب سے پہلی اور سب بڑی تحریک کے نقیب بن کر ابھرے۔اس (گذشتہ صدی) کے چوتھے عشرے میں سرزمین فلسطین پر غاصبانہ قائم ہونے والی یہودی ریاست اسرائیل کا خنجر توڑنے کے لئے بھی سب سے پہلے اخوان المسلمون

کے کارکن آگے بڑھے، انہوں نے سر دھڑ کی بازی لگادی' اخوان کی تحریکِ جہاد کامیابی سے ہمکنار ہوا ہی چاہتی تھی کہ مصر و اردن کے مسلم بادشاہوں نے اپنے مغربی سرپرستوں کے اشارے پر اخوان پر سنگدلانہ وار کیا۔ اخوان کے مرشدِ عام امام حسن البناء شہیدؒ کو سر بازار گولی مار کر شہید کردیا، پھر مشرق و مغرب کے زیر اثر عرب ریاستوں پر قابض آمروں اور کچھ قلم کاروں نے اخوانی مجاہدین کو گردن زدنی قرار دیا ۔ان کے لٹریچر پر پابندی عائد کردی اور صفِ اول کے قائدین کو پھانسی پر لٹکا دیا، اسی قسم کے لوگ افغان مجاہدین کے عظیم ترین جہاد اور ان کی قربانیوں کا مقام و مرتبہ گھٹانے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔

اس تناظر میں اگر البدر کی شہادتوں پر دو قومی نظریے کی تعبیر پاکستان اور بنگلہ دیش میں گواہی دینے والی زبانیں گنگ، نطق و حرف مفلوج اور قلم ٹوٹ گئے ہیں تو کوئی حیرت کی بات نہی ہونی چاہئے کہ نفاق کے اس اندھیرے میں ادنی مفادات کی بیسا کھیوں کے سہارے چلنے والے دانشوروں کی سوچ روشنیوں کے اس سفر کا تصور اور ادراک نہیں کر سکتی۔

(سلیم منصور خالد کی تصنیف "البدر" سے ایک اقتباس)

عمران خان: انقلاب کے چہرے سے نقاب اتر رہا ہے

تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان نے 22 جنوری کو سرگودھا میں جلسے سے خطاب کرتے ہوئے جہاں اپنے مخالفین پر تنقید کی اور ملک سے 90 روز میں کرپشن ختم کرنے کا دعویٰ کیا، اس کے ساتھ ساتھ ہی انہوں نے اپنے مستقبل کے ارادوں سے بھی قوم کو آگاہ کیا اور انہوں نے کہا کہ " بھارت سے برابری کی بنیاد پر تعلقات چاہتے ہیں مسئلہ کشمیر کا حل سیاسی ہے فوجی نہیں، اقتدار میں آ کر بھارت کے خلاف دہشت گردی ختم کرادوں گا، پاکستانی سرزمین بھارت کے خلاف استعمال نہیں ہونی چاہیے۔"

قارئین کرام بھارت سے برابری کی بنیاد پر تعلقات ہونے چاہئیں اس میں کوئی شک نہیں ہے اور مسئلہ کشمیر کا حل بھی پرامن طریقے سے ڈھونڈنا چاہیے لیکن خان صاحب نے یہ کیا کہہ دیا کہ "اقتدار میں آ کر بھارت کے خلاف دہشت گردی ختم کرادوں گا، پاکستانی سرزمین بھارت کے خلاف استعمال نہیں ہونی چاہیے" کیا عمران خان صاحب غاصب قوتوں کے خلاف جہاد کو دہشت گردی اور مجاہدین و حریت پسندوں کو دہشت گرد سمجھتے ہیں؟ اور ان کی باتوں کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ اب تک پاکستان کی سرزمین بھارت کے خلاف دہشت گردی کے لئے استعمال ہوتی رہی ہے۔

قارئین کرام یہ جملے نئے تو نہیں ہیں بلکہ یہی باتیں، یہی پالیسی سابق صدر جنرل (ر) پرویز مشرف کی بھی تھی۔ حیرت انگیز بات ہے کہ عمران خان جنرل مشرف کے بہت بڑے ناقد بنتے ہیں ہیں لیکن ان ہی کی پالیسیز کو اپناتے جارہے ہیں۔ یہی باتیں، یہی جملے، یہی پالیسی تو جنرل مشرف کی بھی تھی۔

آج سے ٹھیک ایک ماہ قبل ہم نے ایک مضمون "عمران خان کا انقلاب: حقیقت یا ٹوپی ڈرامہ" کے نام سے لکھا تو یہ مضمون 23 دسمبر کو آن لائن ہوا تھا۔ اس میں ہم نے کچھ باتیں کہی تھیں جن پر عمران خان صاحب کے حامیوں نے بہت شدید ردعمل کا اظہار کیا تھا۔ کرنا بھی چاہئے کیوں کہ کوئی فرد اپنے لیڈر، اپنی پارٹی کے خلاف کوئی بات سننا پسند نہیں کرے گا۔ بہر حال ہم نے اس مضمون میں لکھا تھا کہ "نمبر تین یہ کہ مشرف اور دیگر سیاسی جماعتوں پر عمران خان کی تنقید محض ایک ڈھکوسلا ہے وقت آنے پر یہ بھی جنرل مشرف ہی کی پالیسیوں کو برقرار رکھیں گے اور چوتھی بات کہ یہ جو دہشت گردی کے خلاف جنگ پر تنقید کرتے ہیں وہ بھی وقت آنے پر غلط ثابت ہوگی اور لگتا یہ ہے کہ فی الحال چونکہ ان کے پاس اقتدار نہیں ہے اس لئے وہ ان ایشوز پر عوامی امنگوں کے مطابق بات کررہے ہیں لیکن حالات یہ بتا رہے ہیں کہ اقتدار ملنے پر یہ اپنے اس موقف سے بھی پلٹ جائیں گے۔ شواہد اور حالات یہ بتا رہے ہیں کہ ن لیگ، ق

لیگ، پی پی پی، متحدہ اور عمران خان کی تحریک انصاف میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔ ہاں "انقلاب کے جھوٹے نعرے ضرور لگائے جا سکتے ہیں۔

قارئین کرام غور کیجئے کہ ہمارا اندازہ غلط نہیں ہے ہو سکتا ہے کہ ان کا مطلب و مقصد کچھ اور ہو لیکن بادی النظر میں انہوں نے جنرل مشرف کی پالیسیز کو ہی برقرار رکھتے ہوئے مقبوضہ کشمیر کی جنگ آزادی کو دہشت گردی اور مجاہدین کو دہشت گرد کہہ دیا ہے اور اس کے ساتھ ہی پاکستان کی سرزمین کو انڈیا کے خلاف دہشت گردی کا مرکز بنا دیا ہے۔ تو اس طرح عمران خان صاحب کے انقلاب اور سونامی کی حقیقت آہستہ آہستہ کھلتی جا رہی ہے، اس انقلاب کے چہرے سے نقاب اترتی جا رہی ہے۔

ہم نے اس وقت بھی ایک بات کہی تھی آج پھر وہی بات کر رہے ہیں کہ "انقلاب وہی کامیاب اور حقیقی انقلاب ہوگا جو دین سے دوری نہیں بلکہ دین سے جڑا ہوا ہوگا، وہ انقلاب جس کی قیادت واقعتاً مخلص اور دین دار ہوگی۔ وہ انقلاب جس کا رابطہ دنیا بھر کی تحریکوں سے جڑا ہوا ہوگا۔ وگرنہ یہ انقلاب کے نعرے لگتے رہیں گے اور وقتی طور پر ایسا لگے گا کہ واقعی انقلاب آ بھی چکا ہے لیکن مفادات کے تحت اکٹھے ہونے والے کبھی انقلاب نہیں لا سکتے، ہاں وقتی طور پر ایک ہلچل ضرور مچا سکتے ہیں اور یہ عناصر جب دیکھیں گے کہ مفادات پورے

نہیں ہو رہے تو پھر کسی طرف نکل جائیں گے۔ انقلاب آئے گا اور کامیاب بھی ہو گا لیکن صرف اسلامی انقلاب اور کوئی انقلاب نہیں۔"

بظاہر حالات بہت حوصلہ شکن ہیں لیکن ہم اللہ کی ذات سے مایوس نہیں ہیں، یہ انقلاب آئے ہماری زندگی میں نہ سہی لیکن آئے گا ضرور، مصر میں پچاس سال سے زائد عرصے تک اخوان المسلمون اور دیگر مذہبی جماعتوں کو کارنر کیا جاتا رہا لیکن جب جبر کے بادل چھٹے، عوام کو حقیقتاً اپنی رائے دینے کی آزادی دی گئی تو وہاں کے انتخابات میں اخوان المسلمون نے پچاس فیصد سے زیادہ نشستیں حاصل کرلی ہیں اور سلفی جماعت نے بیس فیصد سے زائد نشستیں حاصل کرلی ہیں۔ وہ سیکولرازم، وہ لادینی سیاست جو وہاں کے عوام پر جبراً مسلط تھی اب وہ نہیں ہے۔ انشاءاللہ یہاں بھی ایسا ہو گا۔ جب مافیاز کا زور ٹوٹے گا، جب جبر کے کالے بادل چھٹیں گے۔ جب پولنگ اسٹیشنز کو یرغمال نہیں بنایا جاسکے گا اور عوام کو حقیقتاً اپنی رائے کی آزادی میسر آئے گی تو یہاں بھی ایسا ہی ہو گا۔ انشاءاللہ

صوبائی وزیر نے قتل ہوتے دیکھا اور چپ رہے!

پاکستان کا صوبہ "بلوچستان" ایک عرصہ سے بد امنی کا شکار ہے۔ اس کی کئی وجوہات ہیں۔ اول بلوچ عوام کو حقوق نہ ملنا، دوئم بیورو کریسی اور فورسز کا بے لگام ہونا، غیر ملکی طاقتوں کی اس خطے میں دلچسپی اور مفادات بالخصوص گوادر پورٹ اور اب ریکوڑک وغیرہ، وسائل کی غیر منصفانہ تقسیم، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ بلوچ عوام کے لیڈروں کی خود غرضی اور مفاد پرستی!

آئے روز بلوچ نوجوانوں کا اغوا، اور پھر کسی دن کسی چوک سے مسخ شدہ لاشوں کی صورت میں ملنا، گیس پائپ لائنز اور دیگر سرکاری تنصیبات پر حملے، غیر بلوچوں بالخصوص پنجاب سے تعلق رکھنے والوں کی ٹارگٹ کلنگ۔ جیسا کہ ہم نے آغاز میں عرض کیا کہ اس صورتحال کی کئی وجوہات ہیں لیکن سب سے اہم وجہ بلوچ عوام کے لیڈروں کی خود غرضی اور مفاد پرستی شامل ہے۔ علیحدگی پسند جماعتیں اپنے مذموم مقاصد کے لئے غیر ملکی ایجنڈے پر عمل کرتے ہوئے بلوچ عوام کے ساتھ زیادتی کو بنیاد بنا کر صوبے میں تخریبی کارروائیاں کرتی ہیں لیکن کوئی یہ نہیں بتاتا کہ یہاں کے نوابوں، وڈیروں، میروں نے عوام کے لئے کیا کیا؟؟

ہم بات کر رہے تھے کہ بلوچستان میں بدامنی کی بڑی وجوہات میں سے ایک سیکورٹی فورسز کا بے لگام ہونا اور دوسرا بلوچوں کے لیڈروں کی خود غرضی اور مفاد پرستی۔ پیر 6 فروری کو بلوچستان اسمبلی میں میر صادق عمرانی کے بیان نے اس بات کو ثابت بھی کیا۔ میر صادق عمرانی پاکستان پیپلز پارٹی کے صوبائی صدر اور صوبائی وزیر ہیں۔ آج کل اپنی پارٹی کے ساتھ ان کے معاملات گڑبڑ چل رہے ہیں اور وہ اپنی پارٹی سے ناراض ہیں۔ اب یہ اتفاق کہہ لیں یا لیڈروں کی بے حسی کہ جب تک وہ اپنی حکومت یا پارٹی سے خوش رہتے ہیں اور پارٹی ان کے مفادات کا خیال رکھتی ہے تو وہ عوام اور میڈیا کے سامنے حکومت کے ہر اچھے برے کام کی حمایت کرتے رہتے ہیں اور "سب اچھا ہے" کی رپورٹ جاری کرتے رہتے ہیں لیکن جہاں ان کے اپنے مفادات پر ضرب پڑتی ہے تو پھر ان پر سچ کا دورہ پڑتا ہے اور وہ "سچائی کی قے" کرنا شروع کرتے ہیں۔ پھر اچانک ان کی آنکھیں کھلتی ہیں اور ان پر کئی نئے نئے انکشافات ہوتے ہیں۔ بات کہیں سے کہیں نکل جاتی ہے۔ بات ہو رہی تھی میر صادق عمرانی کی، عمرانی صاحب نے پیر 6 فروری کو بلوچستان اسمبلی میں یہ انکشاف کیا کہ " گزشتہ دنوں آغا عرفان کریم کی والدہ کے اظہار تعزیت کے بعد وہ صوبائی وزیر داخلہ میر ظفراللہ زہری صوبائی وزیر اطلاعات محمد یونس ملازئی کے ہمراہ قلات سے واپس آرہے تھے کہ انہوں نے دیکھا کہ سیکورٹی اہلکاروں نے دو نوجوانوں کو سڑک کنارے کھڑا کیا ہوا تھا

جن کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے اور آنکھوں پر پٹیاں بندھی تھیں اور اہلکاروں نے ان پر فائرنگ کردی دوسرے روز ان کی لاشیں ملی "بقول ان کے یہ واقعہ کم و بیش چار ماہ قبل پیش آیا تھا۔

قارئین کرام: ! یہ انکشاف دراصل ہمارے نام نہاد لیڈروں کی بے حسی، مفاد پرستی، ضمیر فروشی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ غور کیجئے کہ صوبائی وزیر داخلہ، صوبائی وزیر اطلاعات، اور ایک صوبائی وزیر کی موجودگی میں فرنٹیئر کور نے دو نوجوانوں کو سرعام قتل کیا، اور یہ مفاد پرست لیڈر خاموش رہے۔ جب تک ان کے مفادات پورے ہوتے رہے اس وقت تک ان کی زبان بند رہی اور جب ان کے حکومت اور اپنی پارٹی سے معاملات خراب ہوئے تو انہوں نے بڑی بے شرمی سے اس بات کا انکشاف کرلیا۔

یہاں پر صوبائی وزیر حاجی علی مدد جتک نے صادق عمرانی کے انکشاف پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ " تین وزراء نے اگر ایف سی کو قتل کرتے ہوئے دیکھا ہے اور وہ گواہی بھی دے رہے ہیں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ چار ماہ تک خاموش کیوں تھے انہوں نے اس پر احتجاج کیوں نہیں کیا ہمیں عوام نے منتخب کرکے بھیجا ہے تاکہ ہم ان کی جان و مال کے تحفظ کے لئے اقدامات کریں" ۔ بات بالکل درست ہے کہ مذکورہ وزراء نے جب اپنے سامنے یہ واردات ہوتے دیکھی تو

اس کو روکنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟ بالفرض محال اگر ان کی مداخلت سے پہلے ہی ایف سی نوجوانوں کو قتل کرچکی تھی تو انہوں نے اس کھلی جارحیت و بدمعاشی کے خلاف کیا ایکشن لیا؟مذکورہ تینوں وزراء چار ماہ تک خاموش کیوں رہے؟ انہوں نے اس عرصے میں کسی بھی فورم پر آواز کیوں نہیں اُٹھائی؟ اور اس معاملے میں ملوث ایف سی اہلکاروں کے خلاف کوئی ایکشن کیوں نہیں لیا گیا؟ کیا اس طرح شہادت حق کو چھپا کر انہوں نے اعانتِ مجرمانہ کا ثبوت نہیں دیا؟ اور ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ آخر ہماری فورسز کسی کے کنٹرول میں بھی ہیں یا نہیں؟ خروٹ آباد کا واقعہ ہو یا کراچی میں رینجرز کے ہاتھوں نوجوان کا قتل، پولیس اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کی غنڈہ گردی اور بھتہ خوری ہو یا خفیہ اداروں کے ہاتھوں شہریوں کا اغواء۔ کسی بھی معاملے پر ان کو روکنے والا کوئی نہیں ہے؟ کیا یہ لوگ خوف خدا نہیں رکھتے؟ کیا ان کو آخرت میں جوابدہی کا کوئی احساس نہیں ہے؟

افسوس اس بات پر ہے کہ اتنے بڑے معاملے پر بھی میڈیا خاموش ہے، منگل 7 ستمبر کے اخبارات میں بلوچستان اسمبلی کی کارروائی کی خبر تو موجود ہے لیکن کئی اخبارات نے اس انتہائی اہم خبر کو اہمیت نہیں دی، جسارت اخبار کے علاوہ کسی اخبار نے اس بات کو اہمیت کے قابل نہیں سمجھا۔ادھر چھوٹے چھوٹے اور غیر ضروری معاملات کو بریکنگ نیوز کے طور پر چلانے والے میڈیا کی زبان بھی

گنگ ہے۔ پنجاب کے کالجز میں کنسرٹ اور ڈانس پارٹیز پر پابندی کے خلاف شور مچانے والے میڈیا کے نزدیک شائد یہ کوئی اہم بات نہیں ہے۔

افسوس کا مقام ہے کہ ملک کے انتہائی ذمہ دار عہدوں پر فائز لوگوں کی عاقبت نا اندیشی کے باعث ہی آج صوبہ بلوچستان جہنم بنا ہوا ہے۔آخری بات ہم اس فورم کے توسط سے بلوچستان کے قوم پرستوں اور علیحدگی پسندوں سے اپیل کریں گے کہ بے گناہ اور معصوم لوگوں کو لسانی بنیادوں پر قتل کرنے اور لوگوں کے سامنے اپنی محرومیوں اور ناانصافی کا رونا رونے کے بجائے پہلے اپنے ہی لیڈروں کا قبلہ درست کریں، یہ آپ ہی کے ہم قبیلہ،ہم زبان اور اہل شہر ہیں جو معصوم نوجوانوں کو قتل ہوتے دیکھتے ہیں اور خاموش رہتے ہیں، یہ اردو یا پنجابی بولنے والے نہیں ہیں اور نہ ہی یہ اسلام آباد یا پنجاب کے رہنے والے ہیں بلکہ یہ آپ ہی کے ووٹوں سے منتخب ہونے والے آپ کے درمیان رہنے والے آپ ہی کے لیڈر ہیں۔خدارا اس بات کو سمجھیں۔

معمارِ کراچی۔۔۔ نعمت اللہ خان

دنیا میں کچھ لوگ اپنی محنت اور صلاحیتوں کے بل بوتے پر اپنا نام کماتے ہیں اور تاریخ میں زندہ رہتے ہیں اور کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو چاہتے ہیں کہ کام نہ کریں البتہ دوسروں کے کارنامے اپنے کھاتے میں ڈال کر تاریخ میں زندہ رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وقتی طور پر تو ایسے لوگ سچ پر جھوٹ کی چادر تان کر لوگوں کو بیوقوف بناتے ہیں لیکن جب سچائی سے پردہ اٹھتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ حقائق تو کچھ اور ہی ہیں۔ ایسا ہی معاملہ کراچی کا ہے۔

کراچی میں الخدمت گروپ کے منتخب سٹی ناظم "نعمت اللہ خان" نے ریکارڈ ترقیاتی کام کیئے، انڈر پاسز، ماڈل پارکس، فلائی اوورز، پارکنگ فیس کا خاتمہ، بچیوں کی مفت تعلیم، اور بچیوں کے لئے ماہانہ تعلیمی وظیفے کا اجرا، تاکہ لوگ بچیوں کی تعلیم کو بوجھ نہ سمجھیں اور اپنی بچیوں کو تعلیم دلائیں، شہر کراچی میں امراضِ قلب کا نیا اور جدید ہسپتال کا قیام، عباسی شہید ہسپتال میں ترقیاتی کام، اس کے علاوہ متعدد ترقیاتی کام کرائے گئے، جن میں سے بیشتر ان کے دور میں مکمل ہوگئے اور کئی منصوبوں کو سازش کے تحت فنڈز روک کر مکمل نہ ہونے دیا گیا۔ آگے چلنے سے پہلے ہم معروف ویب سائٹ (WIKIPEDIA)

میں نعمت اللہ خان اور کراچی کے بارے میں جو لکھا ہے وہ آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔
وکیپیڈیا کہتا ہے کہ

Nazim of Nazim of Karachi

He was first Nazim of Karachi after devolution plan. He belongs to Jamaat-e-Islami. Naimatullah Khan was elected City Nazim (Mayor) in 2001. . Nematullah Khan achieved to get an amount of Rs.2900 million for reconstruction of Karachi,city council passed various projects such as 18 flyovers, six underpasses, two signal free roads and a huge water supply scheme for the people of Karachi. It was first time in the history of Karachi that all the stake holders in Karachi were incorporated for the developmental works in Karachi. The Karachi development plan comprises signal free main roads, many flyovers, underpasses and the replacement of water and sewage lines.

http://en.wikipedia.org/wiki/Naimatullah_Khan

نعمت اللہ خان صاحب 2001 سے مئی 2005 تک کراچی کے سٹی ناظم (میئر) رہے۔
انٹرنیٹ اور کچھ دوستوں کی مہربانی سے ہمیں نعمت اللہ خان صاحب کے دور نظامت کی کچھ یادگار تصاویر حاصل ہوئیں، کچھ تصاویر ہم نے یوٹیوب کی ویڈیو

کی مدد سے بنائی ہیں اور کچھ تصاویر آن لائن نیوز پیپرز کی خبروں Screen shot سے کی ہیں تھوڑی سی محنت سے ہم نے یہ چیزیں حاصل کر لی ہیں، ہم نے سوچا کہ ہم قارئین سے یہ چیزیں شئیر کر لیتے ہیں۔

نعمت اللہ صاحب نے یہ بات محسوس کر لی تھی کہ کراچی کے بنیادی مسائل میں سے ٹریفک کا مسئلہ ایک اہم مسئلہ ہے اس لئے انہوں نے ٹریفک کے نظام کو درست کرنے اور ٹریفک کو رواں دواں رکھنے کے لئے متعدد انقلابی اقدامات کئے۔سب سے پہلے لیاقت آباد انڈر پاس کا ذکر ہو جائے ،آج دنیا کو یہ باور کرایا جاتا ہے کہ انڈر پاسز کا تمام منصوبہ مصطفی کمال صاحب نے بنایا اور اس کی بنیاد بھی انہوں نے رکھی جو کہ درست نہیں ہے یہ تمام منصوبے نعمت اللہ خان صاحب نے شروع کئے تھے، کراچی کا پہلا انڈر پاس جس کی بنیاد رکھی گئی وہ لیاقت آباد، غریب آباد انڈر پاس ہے اور اس کی بنیاد دسمبر 2004ء میں رکھی گئی اور نعمت اللہ خان صاحب نے اس پر کام شروع کیا تھا۔

نیچے دی گئی تصویر روزنامہ ڈان کے آن لائن ایڈیشن کی ہے اور ڈان اخبار نے انڈر پاس کے منصوبے کے افتتاح کے موقع پر یہ خبر جاری کی تھی۔

http://archives.dawn.com/2004/12/08/local2.htm

اس کے بعد ہم بات کرتے ہیں سہراب گوٹھ فلائی اوور کی۔سہراب گوٹھ فلائی اوور کا کام بھی نعمت اللہ خاں صاب کے دور میں شروع ہوا ، 28اپریل 2005 کو اس کے کام کا آغاز کیا گیا تھا۔ لیکن ان کے دور نظامت کے ختم ہونے کے باعث وہ یہ کام مکمل نہ کراسکے لیکن انہوں نے اس کا تمام فائل ورک مکمل کرکے پراجیکٹ کو منظور کرالیا اور اس پر کام کا آغاز کردیا تھا۔
تفصیلات کے لئے یہ لنک دیکھا جاسکتا ہے .
https://www.youtube.com/watch?v=GST28kZAu_I&feature=related

آج اہلیان کراچی نمائش چورنگی کی جو خوبصورتی دیکھتے ہیں یہ نعمت اللہ صاحب کے دور سے قبل نہ تھی، اس سے پہلے یہاں ایک بڑی سی چورنگی تھی اور کوئی سگنل نہ تھا اور یہاں عموماً ہر شام کو جب دفاتر کی چھٹی ہوا کرتی تھی تو ٹریفک جام ہوجایا کرتا تھا۔ نعمت اللہ صاحب نے یہاں چورنگی کو ختم کرکے سگنل نصب کیا گیا۔ مارچ 2003ءمیں اس کام کا آغاز کیا گیا اور یہ ان کے دور میں ہی مکمل ہوا۔اہلیان کراچی آج بھی اس سے مستفید ہورہے ہیں۔

نمائش چورنگی سے تھوڑے ہی فاصلے پر بابری چوک المعروف "گرومندر" چورنگی ہے۔ ایم اے جناح روڈ کا یہ حصہ بھی انتہائی مصروف اور ٹریفک سے بھرا رہتا ہے۔ یہاں سے دو تین یا چار نہیں بلکہ چھے سات راستے آپس میں ملتے ہیں اور یہاں کا ٹریفک کا سسٹم انتہائی پیچیدہ تھا۔ یہاں قریب قریب دو چورنگیاں تھیں،ایک جہانگیر روڈ سے متصل تھی جبکہ دوسری سبیل والی مسجد سے متصل تھی۔یہاں پر بھی ٹریفک کے سسٹم کو درست کرنے کی کوشش کی گئی اور یہاں ٹریفک کا رخ تھوڑا سا تبدیل کیا گیا، اب یہاں ایک چورنگی ہے (جو کہ قصاب خانے کے گرد گھوم رہی ہے) اور اس کے ساتھ ہی سگنل بھی نصب کیا گیا۔ جنوری 2004ءمیں اس کام کا آغاز کیا گیا اور یہ بھی اہلیان کراچی کے لئے نعمت اللہ صاحب کا ایک خوبصورت تحفہ ہے۔

نارتھ کراچی اور نارتھ ناظم آباد کے سنگم پر بھی ایک پیچیدہ چوراہا تھا، بلکہ اس کو چھے راہا کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا، نارتھ ناظم آباد سخی حسن کی جانب سے یہاں آئیں تو ایک روڈ نارتھ ناظم آباد کو نارتھ کراچی سے ملاتی ہے۔انتہائی دائیں جانب سے سہراب گوٹھ سے آنے والا ٹریفک یہاں لنک کرتا تھا اس کے ساتھ ہی ایک راستہ بفرزون اور نیو کراچی کی جانب جاتا ہے۔ بائیں جانب نارتھ کراچی (انڈہ موڑ) کی طرف جانے والی سڑک ہے جبکہ سامنے نارتھ کراچی سلیم سینٹر کو جانے والا راستہ ہے۔ یہ تعارف ہے سابق ناگن چورنگی کا (اس کا نام تبدیل کر کے شاہ ولی اللہ چورنگی کردیا گیا ہے)۔ یہ ایک انتہائی خطرناک روڈ تھا اور یہاں آئے دن حادثات رونما ہوتے رہتے تھے، نعمت اللہ صاحب اور ان کی ٹیم نے یہاں ٹریفک کی سنگین صورتحال کا ادارک کرتے ہوئے ٹریفک کے نظام کو درست کیا گیا اور یہاں چورنگی کو مختصر کرکے سگنل نصب کیا جس کے باعث یہاں ٹریفک کی روانی بہتر ہوئی اور حادثات میں نمایاں کمی آئی۔ دسمبر 2003ءمیں اس منصوبے کا سنگ بنیاد رکھا گیا اور یہ منصوبہ بھی ان کے دور

میں پایہ تکمیل تک پہنچ گیا۔ جبکہ اس سے قبل نومبر 2001ء میں اسی شارع کے دوسرے حصے سہراب گوٹھ تا نارتھ کراچی روڈ کی تعمیر کا آغاز کر دیا گیا تھا۔ ذیل میں اس کی تصاویر اور یوٹیوب کا لنک دیا جارہا ہے۔

https://www.youtube.com/watch?v=E76ryiFTsn4&feature=related

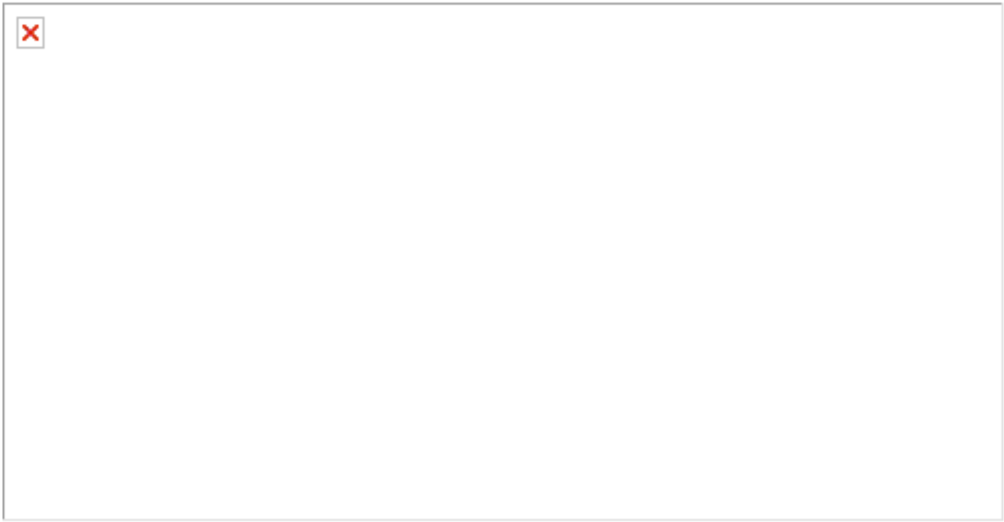

کراچی کے ٹریفک سسٹم کی بات کی جائے اور یہاں کی ٹرانسپورٹ کا ذکر نہ کیا جائے تو بات ادھوری رہ جائے گی۔ اہلیان کراچی جب اپنے کاروبار اور جابس پر جانے کے لئے گھر سے نکلتے تھے تو بسوں میں اردو کے سفر کے بجائے انگریزی کا SUFFER کرتے تھے۔غیر آرام دہ ،ٹوٹی پھوٹی سیٹوں والی بسوں پر عوام انتہائی

تکلیف دہ حالت میں سفر کرتے تھے۔ عوام کی اس مشکل کا اندازہ کرتے ہوئے شہر میں پہلی بار ماحول دوست گرین بسیں متعارف کرائی گئیں اور اہلیان کراچی نے انتہائی سستے بسوں میں سفر کا لطف اٹھانا شروع کیا۔ جبکہ اسی سلسلے میں AC ٹکلس میں آرام دہ اربن ٹرانسپورٹ سکیم)کا آغاز کیا گیا۔ گرین بسیں نارتھ کراچی تا ٹاور،) UTS UTS نارتھ کراچی تا لانڈھی، ملیر اور دیگر روٹس پر جبکہ کئی روٹس پر نئی سی این جی بسیں چلائی گئیں تاکہ عوام کو ریلیف دیا جاسکے۔ لیکن افسوس صد افسوس کہ نعمت اللہ خان صاحب کی نظامت ختم ہوتے ہی یہ بسیں اچانک شہر سے غائب کردی گئیں، چند ایک روٹس جیسے ،اورنگی ٹاؤن، ملیر کے روٹس پر یہ بسیں کچھ عرصے تک چلتی رہیں اس کے بعد یہ بسیں بھی سڑکوں سے غائب ہوگئیں اور پھر یہ ہوا کہ سابق سٹی ناظم مصطفی کمال صاحب نے انہی روٹس پر دوبارہ گاڑیاں چلائیں لیکن قابل صد افسوس بات یہ ہے کہ انھوں نے بد دیانتی کا ثبوت دیتے ہوئے اس پروجیکٹ کو بھی اپنا کارنامہ قرار دیا بسیں نعمت اللہ خان صاحب UTS حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ کراچی میں گرین بسز اور نے نومبر 2002ء میں متعارف کرائیں۔ ذیل میں اس موقع کی تصویر اور ڈان اخبار کی خبر کا لنک دیا جارہا ہے۔

http://archives.dawn.com/2002/09/26/local3.htm

http://archives.dawn.com/2005/07/29/local24.htm

جاری ہے

قوموں کی عزت کے گہنے مائیں، بیٹیاں، بہنیں

قوموں کی عزت کے گہنے مائیں، بیٹیاں، بہنیں یہ وہ نعرہ تھا جو کہ متحدہ قومی موومنٹ نے خواتین کے جلسہ عام سے پہلے بلند کیا تھا اور شہر کی سڑکوں پر جابجا یہ نعرہ لکھا گیا، نعرہ بہت دلکش ہے اور اس میں ایک کشش بھی ہے۔ واقعی ایک عورت کی سب سے بڑی خواہش یہ ہوتی ہے کہ اس کا احترام کیا جائے، اسے عزت دی جائے، اس کا مان رکھا جائے۔ اس نعرے کی بنیاد پر خواتین کا جلسہ منعقد کیا گیا، پورے سندھ بھر سے قافلے گاڑیاں بھر بھر کر خواتین کو لاتے رہے۔ لیکن افسوس صد افسوس کہ متحدہ نے حسبِ روایت لوگوں کے جذبات سے کھیلا اور ان کا استحصال کیا۔ جن خواتین کو عزت اور خود مختاری کے نام پر بلایا گیا، جلسے کے بعد ان کو نچوایا گیا، اور نہ صرف یہ بلکہ میڈیا پر بھی اس کی کوریج کا خاص اہتمام کیا گیا۔ کیا یہی خواتین کی عزت ہے؟ کیا یہی خود مختاری ہے؟ اور کیا جو لوگ یہاں مہاجروں کی ماؤں بیٹیوں کو نچوا رہے تھے کیا وہ اپنے گھر کی خواتین کو اس طرح آن کیمرہ رقص کرنے کی اجازت دیں گے؟ یعنی بابر غوری، حیدر عباس رضوی، مصطفیٰ کمال، وغیرہ اور جو لوگ اس خواتین کے اس استحصال کو اپنی کامیابی گردان رہے ہیں اور اس کی حمایت کر رہے ہیں اور اس کا دفاع کر رہے ہیں ان سے بھی میرا یہی سوال ہے کہ کیا وہ اپنے گھر کی خواتین کو اس طرح سر عام

رقص کی اجازت دیں گے ؟؟ کہنا تو بہت کچھ ہے لیکن ہماری بات بہت سے لوگوں کو بری لگ جاتی ہے اور کچھ یہ بھی ہے کہ ہم بہت منہ پھٹ ہیں اس لئے ہم اس حوالے زیادہ کچھ کہنے کے بجائے "جسارت سنڈے میگزین" میں شائع ہونے والے علی خان صاحب کے مضمون کو آپ سے شئیر کرلیتے ہیں۔ یہ مضمون روزنامہ جسارت میں 26 فروری کو شائع ہوا ہے۔

باتیں تو اور بہت سی ہیں جن پر بات بنائی جاسکتی ہے لیکن ہم اب تک گزشتہ اتوار کے " نظاروں کے خمار میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ پنجاب میں بیٹھ کر تو ہم صرف ٹی وی اسکرین ہی پر یہ کلچر دیکھ پائے۔ اہل کراچی داد کے مستحق ہیں۔ کسے اندازہ تھا کہ اس شہر میں لاکھوں کے حساب سے فنکار پڑے ہوئے ہیں۔ کچھ چہرے تو ایسے تھے جن کو ہم اب تک فن اور فنکاری سے محروم سمجھتے رہے لیکن صاحب ! کیا ٹھمکے تھے، کیا لچک اور تھرک تھی۔ اہل پنجاب تو منہ پیٹتے رہ گئے جن کے بارے میں ایم کیو ایم کے رہنما وسیم اختر نے فتویٰ دیا تھا کہ پنجاب کے تو گھر گھر میں مجرا ہوتا ہے۔ ممکن ہے ان کا آنا جانا ایسے گھروں میں ہوتا ہو آخر کو ایم کیو ایم پنجاب میں بھی تو پیر پھیلا رہی ہے اور جلسوں کی رونق بڑھانے کے لیے یہاں بھی "خوش اداؤں" کی ضرورت پڑی ہوگی۔

گو کہ ان کے ٹھمکے میں کہیں خوش ادائی نہیں ہوتی۔ محض مشقت معلوم ہوتی ہے۔

تاہم باغ جناح میں اتنی بڑی تعداد میں خوش اداؤں کو جمع کرنے کی غرض و غایت سمجھ میں نہیں آئی۔ وہاں تو ہمارے محترم الطاف حسین ہی کافی تھے۔ وہ کیا کسی سے کم ہیں، اپنے فن کا بارہا مظاہرہ کرچکے ہیں' ناچ کر، گا کر۔ ان کا پسندیدہ گانا ہے "لے کر پہلا پہلا پیار، بھرکے آنکھوں میں خمار، جادو نگری سے آیا ہے کوئی جادوگر۔" اور یہ اشارہ ان کی اپنی ذات شریف کی طرف ہوتا ہے۔ آنکھوں سے بلاشبہ خمار چھلک رہا ہوتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ وہ جادو نگری سے آئے نہیں بلکہ جادو نگری میں جا بیٹھے ہیں اور وہیں سے پاکستان کی عفت مآب خواتین کو اپنے انداز میں خود مختاری عطا کر رہے ہیں۔ انہیں یہ اختیار دے دیا ہے کہ وہ متعدد کیمروں کے سامنے آزادی سے ٹھمکے لگائیں کہ پاکستان اسی طرح مضبوط ہوگا۔ زندہ باد الطاف بھائی۔ محترمہ نسرین جلیل، حیدر عباس رضوی کے ساتھ محو رقص تھیں۔ خوش بخت شجاعت بھی تھرک رہی تھیں اور بابر غوری ڈھولکی بجا رہے تھے۔ بہت دلکش منظر تھا۔ پنجاب میں تو بقول وسیم اختر گھر گھر مجرا ہوتا ہے لیکن متحدہ قومی موومنٹ نے مجرے کو گھر سے نکال کر میدان میں جمع کر دیا، کون گھر گھر جائے۔ ہم بہت دیر تک یہی سوچتے رہے کہ کراچی والوں کی غیرت کو کیا ہوگیا، کیا یہی کراچی کی خواتین کی پہچان ہے؟ اقبال نے ان کے بارے میں تو نہیں کہا تھا کہ "زمانہ آیا ہے بے حجابی کا، عام دیدار یار ہوگا۔"

آفاق احمد تبصرہ ہے کہ "گزشتہ دنوں باغ جناح میں کیا جانے والا پروگرام شرمناک اور قوم کی بہن، بیٹیوں کو سرعام رسوا کرنے کا سبب بنا ہے۔ حکومت کے ایک اتحادی وزیر نے پنجاب کے عوام کو جن فحش القابات سے نوازا اور مغلظات بکیں، وہی کچھ اس پروگرام کے ذریعہ قوم کی بہن، بیٹیوں کے سر تھوپ دیا گیا۔ خواتین کو جس طرح سر بازار رسوا کیا گیا اس کو قائداعظم یا فاطمہ جناح سے منسوب کرنا شرانگیزی ہے، یہ مہاجر قوم کا کلچر ہرگز نہیں ہے۔" یہ صریحاً الطاف کلچر ہے۔ لیکن ان بہنوں، بیٹیوں کو کیا ہوگیا تھا۔ کیا یہی وہ آزادی ہی، خود مختاری ہے جو ہماری بیٹیاں الطاف حسین کے ذریعہ حاصل کرنا چاہتی ہیں۔ سرعام ناچنے کی آزادی تاکہ پاکستان مضبوط ہوجائے۔ ستم یہ کہ ناچ، گانے سے بھرپور یہ پروگرام ماہ ربیع الاول میں پیش کیا گیا جس مہینے میں رحمت اللعالمین دنیا میں تشریف لائے تھے اور عورت کو شرف بخشا تھا۔ مسلمان عورت کو ہدایت کی گئی تھی کہ وہ اپنا آپ نہ دکھاتی پھرے اور گھر میں ٹک کر بیٹھے۔ زمانہ جاہلیہ میں عورت اپنا بناؤ سنگھار دکھاتی پھرتی اور مردوں کو لبھاتی تھی۔ قرآن کریم میں مسلمان عورت کے لیے پردے کا حکم ہے لیکن الطاف بھائی کا فکر اور فلسفہ کچھ اور ہے اور یہی کچھ ہے جس کا مظاہرہ ساری دنیا نے دیکھا۔ یہ وہ لبرل ازم اور ماڈرن ازم ہے جس کا اسلام سے تعلق ہے نہ مسلمان عورت سے۔ ستم یہ ہے کہ بے ہودگی کے اس اجتماعی مظاہرہ پر اس قوم کے لبرل صدر اور ماڈرن وزیراعظم کی طرف سے تعریفوں کے ڈونگرے برس رہے ہیں۔

جناب زرداری سے تو کیا کہیں لیکن کیا شیخ عبدالقادر جیلانی سے نسبت رکھنے والے ملتان کے سید زادے یوسف رضا گیلانی یہ پسند کریں گے کہ ان کے گھر کی بہو، بیٹیاں بھی اسی طرح سب کے سامنے رقص کریں' ٹھمکے لگائیں اور چیئر گرلز کی طرح مٹکتی پھریں؟
گیلانی صاحب ایمان داری سے جواب دیجیے گا۔ جب جنرل پرویز مشرف نے عورتوں کی میراتھن ریس کا اہتمام کیا تھا تو اس وقت قاضی حسین احمد نے جنرل صاحب کے دست راست چودھری شجاعت سے پوچھا تھا کہ کیا آپ اپنے گھر کی بہن، بیٹیوں کو اس طرح سڑکوں پر دوڑانا گوارہ کریں گے؟ وہ لاجواب ہو کر خاموش ہو گئے اور ممکن ہے یہ کہا ہو کہ مٹی پاؤ، ہماری بہو، بیٹیاں ایسی حرکت کریں تو ٹانگیں توڑ دیں گے۔ دوسروں کی بہو، بیٹیوں کو نچانا اور محظوظ ہونا بہت آسان ہے۔ بلاشبہ 19 فروری کو ہونے والا خواتین کا یہ اجتماع بہت بڑا تھا، پاکستان ہی نہیں شاید دنیا کی تاریخ میں سب سے بڑا زنانہ اجتماع۔ ایم کیو ایم کا دعویٰ ہے کہ 10 لاکھ خواتین تھیں۔ ضرور ہوں گی۔
پورے سندھ کی) آبادی میں سے الطاف کلچر کی اتنی شیدائی نکل سکتی ہیں اور یہ دعویٰ) درست ہے کہ کوئی اور سیاسی ومذہبی جماعت ایسا اجتماع نہیں کر سکتی۔ الطاف حسین چاہیں تو یہ دعویٰ بھی کر سکتے ہیں کہ اتنی عورتیں تو حج کے موقع پر بھی جمع نہیں ہوتیں جتنی انھوں نے ہنستے، گاتے جمع کرلیں۔ اب کسی کا یہ تبصرہ تو بڑی زیادتی ہے جس پارٹی میں مرد نہیں ہوتے وہ عورتوں کی مدد لیتی ہے۔ اب کیا پیپلز پارٹی میں مرد نہیں تھے کہ اپنی سربراہ ایک

خاتون کو بنا رکھا تھا۔ میاں نواز شریف جب زیر عتاب آئے تھے تو بیگم کلثوم میدان میں نکلی تھیں۔ قومی اسمبلی کی اسپیکر ایک خاتون ہیں۔ تو کیا یہ سمجھا جائے کہ پورے ایوان میں کوئی مرد اس قابل نہیں ہے؟ اب اگر الطاف حسین خواتین کو آگے لا رہے تو کیا ہو گیا۔ انہوں نے اپنے گنگناتے ہوئے خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ بیویوں کو برابر کے حقوق دو، انہیں اپنا دوست بناؤ۔ ہمیں یقین ہے کہ خود جناب الطاف حسین نے اپنے اس فلسفہ کا اطلاق اپنے گھر میں بھی کیا ہوگا اور اپنی اہلیہ کو دوست بنا کر برابر کے حقوق دیے ہوں گے۔ پھر نجانے کیا ہوا کہ وہ چھوڑ کر چلی گئیں۔ افواہیں تو بہت سی ہیں مثلاً یہ کہ جھگڑے کی بنیاد ہی حقوق کا حصول تھا۔ لیکن جو شخص اپنی اہلیہ کو نہ سنبھال سکا، اسے خود مختاری دے کر پاکستان نہ سہی اپنے گھر ہی کو مضبوط کیا ہوتا۔ الطاف بھائی کم از کم اب تو بتا دیں کہ انہوں نے اپنی اہلیہ کو کیسے کیسے حقوق دے رکھے تھے، دوستی کس طرح کی تھی تاکہ ان کے معتقدین بھی اس پر عمل کریں اور اپنے اپنے گھروں کو اسی طرح مضبوط بنائیں۔ الطاف بھائی کا اپنے مریدوں سے یہ شکوہ بھی آن ریکارڈ ہے کہ بہت کہتے تھے الطاف بھائی بھابھی لاؤ، بھابھی لاؤ۔ اب تم لوگوں کو کیا پتا کہ الطاف بھائی کو دو وقت کی روٹی بھی ملتی ہے یا نہیں۔ بے چارے الطاف بھائی۔ اب تو سنا ہے کہ کئی وقت کی روٹی مل رہی ہے، صحت اس کا ثبوت ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ اعتراضات بھی بے معنی ہیں کہ مغرب کی اذان ہو رہی تھی اور الطاف بھائی بغیر کوئی وقفہ دیئے

خطاب کرتے رہے جبکہ ان کی جاںثار خواتین تک نے اذان کے احترام میں دوپٹوں سے سروں کو ڈھانک لیا تھا۔ اب ایک لبرل، ماڈرن شخص سے ایسی توقع کیا رکھنا کہ وہ شعائر اسلام کا احترام بھی کرے گا۔ البتہ خواتین کے ردعمل سے یہ اطمینان تو ہوا کہ ابھی اذان کا احترام باقی ہے۔ الطاف بھائی کو مزید محنت کرنا ہوگی۔ لیکن دین دار خواتین ان کی محنت پر پانی پھیرے دے رہی ہیں۔ عورت کی عصمت وحرمت کے لیے ریلیاں نکال رہی ہیں اور ان کا نعرہ ہے کہ "پاک وطن کو پاک کرنا ہوگا۔" یہ الطاف بھائی کے فکر اور فلسفے کے منافی ہے۔ ان کے خیال میں تو عورت کا ناچنا، گانا، اور ہر شعبہ میں مرد کے برابر حقوق کا حصول ہی پاکستان کو مضبوط بنا سکتا ہے۔ ممکن ہے وہ وراثت میں بھی عورت کے برابر کے حصہ کا مطالبہ کردیں' وہ کچھ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اب وہ خود فقیہہ دوراں ہیں، کم از کم اپنے مریدوں کے لیے۔ ان کی فکر اور فلسفہ ایک متبادل عقیدہ بن چکا ہے اور جہاں عقیدہ آجائے وہاں معتقدین اپنی عقل کو ایک طرف رکھ دیتے ہیں۔ ایسا نہ ہوتا تو نہایت پڑھے لکھے ہندو بھی اپنے تراشے ہوئے پتھروں کو معبود نہ بنا لیتے۔ انبیاء کرام کو بار بار اسی لیے بھیجا گیا کہ لوگوں کے عقیدہ درست کرائیں۔ مگر شیطان بھی اپنی سی کرتا رہا اور آج کل تو اس کی موجیں ہیں۔ قرآن کریم میں واضح کہا گیا ہے کہ مرد کو عورت "قوام" بنایا گیا ہے اور ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ جب تم عورت کے اشاروں پر چلنے لگو تو تمہارے لیے زمین کی پیٹھ سے زمین کا پیٹ بہتر ہے۔

بلاشبہ ہمارے

معاشرے میں عورت کے ساتھ زیادتی ہوتی ہے لیکن اس کی وجہ جہالت اور اس سے بڑھ کر لاقانونیت ہے۔ الطاف حسین جس خود مختاری اور برابر کے حقوق کی بات کر رہے ہیں ان کے ملک برطانیہ سمیت پورے یورپ، امریکا کی خواتین کو حاصل ہیں' ان کو مغرب کے مرد نے بری طرح بے وقوف بنایا ہے۔ اب وہ دفتروں، کارخانوں میں مرد کے برابر کام بھی کرتی ہے اور بچے بھی پالتی ہے۔ خود مختار خواتین بغیر شادی کے ماں بن جاتی ہیں تو جادو نگری کا جادوگر انہیں چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے اور بچے بھی مائیں ہی پالتی ہیں۔ یہ ہے ان کی خود مختاری جس سے مغرب کی عورت بری طرح بے زار ہو کر گھر کی تلاش میں ہے اور یہاں گھر برباد کیے جا رہے ہیں۔ یہ تجربہ مغرب میں ناکام ہوگیا، اب یہاں کیا جا رہا ہے۔ مغرب کی عورت اپنی بے توقیری سے پریشان ہو کر ایک کھونٹے سے بندھنا چاہتی ہے اور یہاں گھر کے کھونٹے، مرد کی ڈور سے بندھی عورت کو رسہ گیر اچکنا چاہتے ہیں۔ جن کا اپنا گھر نہیں بسا وہ بسے بسائے گھروں کو کس طرح برداشت کر سکتے ہیں۔ عورت کی خود مختاری اور احترام کی ایک نادر مثال خود متحدہ نے پیش کر رکھی ہے۔ متحدہ کے یو سی ناظم (سلمان بلوچ، بلدیہ ٹاؤن) نے اجلاس کے دوران بیلٹ اتار کر ایک خاتون رکن کی پٹائی کی تھی۔ شاید وہ اس طرح یونین کونسل کو مضبوط بنا رہے تھے۔ اہل کراچی خوب جانتے ہیں کہ بھائی لوگ دوسروں کی خواتین کا کس قدر احترام کرتے رہے ہیں۔ یہ اور بات کہ بولنے کی ہمت نہیں رکھتے۔ کوئی کچھ کہے ہمیں تو یہ شو اچھا لگا۔ ہم تو شیلا کی

جوانی اور منی بدنام ہوئی بار بار دیکھ کر بور ہوگئے تھے۔ خواتین کورس میں گا کر الطاف بھائی کو پیغام دے رہی تھیں "پیا، اب تو آ جا۔" لیکن پیا اتنے بھولے بھی نہیں۔ وہ اپنی واپسی کا معاملہ رابطہ کمیٹی پر ڈال دیتے ہیں جو حسب منشا انہیں روک دیتی ہے۔ بمشکل تمام تو جان بچا کر نکلے ہیں۔ انہیں منزل مل چکی۔ کارکن اسی نعرے پر خوش ہیں کہ "ہم کو منزل نہیں رہنما چاہیے" عجیب فلسفہ ہے۔ رہنما ہوتا کس لیے ہے، منزل کی نشاندہی کے لیے، اور جب منزل ہی درکار نہیں تو ایسے رہنما کا کیا کرے کوئی۔ الطاف بھائی ایک بات بڑے تواتر سے کہتے ہیں کہ ایم کیو ایم میں موروثی سیاست نہیں ہے۔ ارے بھائی، کوئی وارث ہو تو موروثی سیاست کی بات ہوتی ہے۔ ابھی تو آپ خود ہی مورث اعلیٰ ہیں۔ کوئی وارث تو پیدا کرلیں۔ یہ بھی صحیح ہے کہ متوسط طبقے کو ٹکٹ دیے گئے۔ لیکن یہ طبقہ اب کہاں سے کہاں پہنچا، کچھ اس کا حساب بھی کیا۔ مثلاً بابر غوری صاحب پہلے کیا تھے، اب کس طبقہ میں ہیں، بے شک جلسہ میں ڈھولکی بجا رہے تھے۔ ایک اخبار میں علی شیر نوائی نے اس جلسہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "یہ صاحبانِ فن شاید غلط پیشے میں آ گئے ہیں، کہیں اور انہیں زیادہ عزت و شہرت مل جاتی۔ کراچی والوں نے کس قبیل کے مراثیوں اور بھانڈوں کو اپنا لیڈر بنا رکھا ہے۔" ہم اس تبصرے پر شدید احتجاج کرتے ہیں۔ آخر ہم بھی تو ایک عرصہ کراچی میں رہ چکے ہیں۔ پھر آپ کو محظوظ کرنے کے لیے آپ سے کوئی پیسہ، ٹکا تو نہیں لیا۔ مفت کی تفریح بھی ہضم نہیں ہو رہی۔ لیکن

کیا واقعی یہ کراچی کا چہرہ تھا؟
ہمارا بھی اہلیان کراچی سے یہی سوال ہے کہ کیا واقعی یہ کراچی کا چہرہ تھا۔

ارباب غلام رحیم کی چھٹی اور وحیدہ شاہ پر پابندی

لیجئے صاحب اخبارات کے ذریعے ہمیں یہ خبر ہوئی کہ سابق وزیر اعلیٰ سندھ ارباب غلام رحیم صاحب گزشتہ چار سال سے چھٹیوں پر ہیں۔ اب تک تو ہم یہی سمجھ رہے تھے کہ شائد وہ موجود تو ہیں لیکن گوشہ نشین ہوگئے ہیں لیکن معلوم ہوا کہ یہاں تو معاملہ کچھ اور ہے اور موصوف ملک میں موجود ہی نہیں ہیں۔ اب بھی یہ معاملہ نہیں کھلتا اگر سندھ اسمبلی میں ان کی چھٹی کی درخواست مسترد نہ کی جاتی۔

الامان الحفیظ! ایک عوامی نمائندہ، سابق وزیر اعلیٰ، رکن اسمبلی جس کو عوام نے منتخب کیا تھا کہ وہ پارلیمنٹ میں ان کے مسائل کو اجاگر کرے گا، لیکن وہ تو گزشتہ چار سال سے ملک میں موجود ہی نہیں ہیں۔ جبکہ اس دوران وہ تنخواہ اور دیگر الاؤنسز سے فیضیاب بھی ہوتے رہے ہیں۔ کیا یہ عوام کے ساتھ زیادتی نہیں ہے؟ جب محترم ارباب رحیم صاحب ملک میں موجود ہی نہیں ہیں تو ان کو کوئی حق نہیں تھا کہ وہ ایک سیٹ روک کر رکھتے بلکہ اصولی طور پر انہیں اسمبلی کی رکنیت سے استعفیٰ دیدینا چاہیے تھا۔ حیرت تو اس بات پر بھی ہے کہ پارلیمنٹ میں موجود کسی پارٹی نے اس جانب توجہ نہیں دلائی کہ ایک منتخب رکن اسمبلی چار سال سے غیر حاضر ہے، اسی کو کہا جاتا ہے کہ ایک ہی تھیلی کے چٹے

بنے (اگر چہ وہ رخصت پر ہی ہے لیکن عوامی نمائندہ/ سماجی کارکن تو کبھی رخصت پر نہیں ہوتا کجا یہ کہ منتخب رکن اسمبلی چھٹی پر چلا جائے)۔جب ایک فرد کوئی ذمہ داری ادا نہیں کرسکتا تو اخلاقی طور پر اسے خود ہی پیچھے ہٹ جانا چاہئے۔بہر حال سینیٹ کے انتخابات مکمل ہونے کے بعد سندھ اسمبلی نے ان کی مزید رخصت کی درخواست مسترد کردی ہے۔ اب دیکھتے ہیں کہ آگے کیا ہوتا ہے۔

ادھر دوسری جانب الیکشن کمیشن نے پی پی پی کی نو منتخب ہتھ چھٹ رکن اسمبلی وحیدہ شاہ کو نا اہل قرار دیتے ہوئے ان پر دو سال کے لئے انتخابات میں حصہ لینے پر پابندی عائد کردی ہے۔جبکہ حلقے کے انتخابات کو کالعدم قرار دیتے ہوئے وہاں دوبارہ الیکشن کا حکم دیا ہے۔ یہ ایک اچھا فیصلہ ہے،اس فیصلے سے کسی حد تک جاگیردارانہ ،وڈیرانہ سوچ رکھنے والے، عوام اور سرکاری اہلکاروں کو اپنے مزارع اور کمی کمین سمجھنے والے مغرور نام نہاد سیاستدان کچھ محتاط ہوجائیں گے۔وحیدہ شاہ نے جس طرح کار سرکار میں مداخلت کرتے ہوئے سرکاری ڈیوٹی پر معمور خواتین پر سرعام تھپڑ برسائے تھے وہ انتہائی افسوسناک سانحہ تھا،اس سانحے کا سنگین پہلو یہ بھی تھا کہ جن خواتین کو انہوں نے زدوکوب کیا وہ کوئی عام سرکاری ملازم نہیں بلکہ معاشرے کی قابل احترام استانیاں تھیں جو کہ مستقبل کے معماروں کی تعلیم وتربیت کا فریضہ سرانجام دیتی ہیں۔اس طرح سرعام ان پر تشدد سے ملک بھر کے اساتذہ میں بھی ایک بے

چینی پائی جاتی تھی۔ بہر حال یہ ایک اچھا فیصلہ ہے لیکن ہمارے نزدیک الیکشن کمیشن کو اس سے بھی بڑھ کر یہ کرنا چاہئے تھا کہ وحیدہ شاہ کو نا اہل قرار دینے کے ساتھ ہی اس حلقے سے رنر اپ امیدوار کو کامیاب قرار دیدیا جاتا، لیکن اگر ایسا ممکن نہ تھا تو کم از کم یہ تو کیا جاتا کہ اس حلقے میں دوبارہ انتخابات کرانے کے تمام اخراجات وحیدہ شاہ اور پی پی پی سے وصول کئے جاتے۔

لیکن بہر حال جو فیصلہ آیا وہ بھی درست ہے اس سے کم از کم آئندہ کے لئے کار سرکار میں مداخلت اور سرکاری ملازمین و قابل احترام اساتذہ پر تشدد کا واقعہ نہیں دہرایا جائے گا۔

لندن میں ایم کیو ایم کے خلاف اشتہار

لیجئے صاحب خبر ہے کہ لندن میں مقامی کمیونٹی نے ایم کیو ایم کے خلاف پمفلٹ تقسیم کئے ہیں اور عوام کو ان دہشت گردوں سے ہوشیار رہنے کا مشورہ دیا گیا ہے۔ تو کیا یہ سمجھا جائے کہ مکافات عمل شروع ہو گیا ہے؟؟

خبر کے مطابق "برطانیہ کے عوام نے لندن میں مقیم ایم کیو ایم (اے) کی مرکزی قیادت کو اپنے لیے سیکورٹی رسک قرار دیتے ہوئے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ ان کی اور ان کے ساتھیوں کی سیاسی پناہ کی سہولیات اور شہریت کو کالعدم قرار دیتے ہوئے برطانیہ سے بے دخل کردے، لندن میں تقسیم ہونے والے پمفلٹ میں مقامی افراد کو ایم کیو ایم سے محتاط رہنے کا مشورہ دیا گیا ہے اور الطاف حسین سمیت لندن میں مقیم ایم کیو ایم کی 9 رکنی قیادت سے متعلق معلومات معہ نام اور تصاویر برطانوی عوام تک پہنچائی گئی ہیں اور انہیں مطلع کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ الطاف حسین، طارق میر، سلیم شہزاد، طارق جاوید، محمد انور، سلیم دانش، مصطفیٰ عزیزآبادی، قاسم علی رضا، انیس احمد دہشت گرد ہیں، ان سے اپنے خاندان اور دوستوں کو محفوظ رکھیں۔ تفصیلات کے مطابق لندن میں گزشتہ دنوں ایک پمفلٹ تقسیم کیا گیا ہے جس میں مقامی آبادی کو بتایا گیا ہے کہ

دہشت گردوں نے لندن کے شہر ایجور کے مرکز میں واقع انفینٹس اسکول کے قریب اپنا ہیڈ آفس قائم کر رکھا ہے ، پمفلٹ میں حکومت اور مقامی کونسل پر افسوس کا اظہار کیا گیا ہے کہ دہشت گرد ہمارے درمیان مقیم ہیں جس کی ذمہ دار حکومت ہے ، پمفلٹ میں برطانوی حکومت سے سوال کیا گیا ہے کہ ایک دہشت گرد تنظیم کو ہمارے درمیان کیوں رکھا گیا ہے ، پمفلٹ کے ذریعے برطانوی عوام کا مطالبہ پیش کرتے ہوئے حکومت سے کہا ہے کہ دہشت گرد الطاف حسین اور اس کے ساتھیوں سے ملک وقوم کو نجات دلائے ، کیونکہ ایم کیو ایم کو کینیڈا کی عدالت دہشت گرد قرار دے چکی ہے ،۔۔۔ پمفلٹ میں بتایا گیا کہ کینیڈین عدالت کے جج جسٹس مائیکل ایل پھیلن نے اپنے ایک فیصلہ میں واضح طور پر کہہ چکے ہیں کہ ایم کیو ایم دہشت گردی میں ملوث ہے۔ پمفلٹ میں متحدہ کے دفتر جو کہ ایجور میں واقع ہے، کی بھی نشاندہی کی گئی ہے جو کہ ایجور انفینٹس اسکول کے ساتھ واقع ہے اور وہاں کے مقامی افراد کو اس دفتر سے دور رہنے کی بھی تلقین کی گئی ہے۔ پمفلٹ میں لندن کی پولیس اور انسداد دہشت گردی کے محکموں اور متحدہ کے مقتول رہنما ڈاکٹر عمران فاروق کی تصویر بھی آویزاں کی گئی ہے اور ایک انٹرنیٹ لنک بھی لکھا www.bbc.co.uk/news/uk-england-london-11340976 گیا ہے جس میں ڈاکٹر عمران فاروق کے قتل کے بعد پاکستان اور بالخصوص کراچی میں رد عمل کے طور پر دہشتگردی کے حوالے سے کی کارروائیوں کا ذکر ہے۔

یقینی طور پر ایم کیو ایم کے کارکنوں کے لئے یہ خبر غیر متوقع ہے اور عین ممکن ہے کہ وہ اس خبر کو جھوٹا اور من گھڑت قرار دیدیں جیسا کہ وہ ایم کیو ایم کے خلاف پیش ہونے والی ہر خبر اور ہر واقعے کے بارے میں کہتے ہیں لیکن کیا اس سے حقائق بدل جائیں گے؟؟ دیکھیں شور و غوغا کرنے ،چیخنے چلانے، اور جوابی طور پر مخالفین پر کیچڑ اچھالنے سے وقتی طور پر تو معاملہ دب جاتا ہے لیکن حقیقت تو وہی رہتی ہے وہ بدل نہیں جاتی ہے۔

معمار کراچی۔۔ نعمت اللہ خان - دوسرا حصہ

جی قارئین کرام اپنے گذشتہ مضمون میں ہم نے نعمت اللہ صاحب کے چند منصوبوں کی خبریں اور تصاویر پیش کی تھیں تو ہمارے کچھ "مہربان" دوستوں نے نہایت "محبت"، "خندہ پیشانی"، "کشادہ دلی" اور "حق پرستی" کا ثبوت دیتے ہوئے ان مضامین کو بہت "سراہا" اور اپنے "محبت بھرے" تبصروں سے ہمیں نوازا۔ لبِ لباب ان تبصروں کا یہ تھا کہ نعمت اللہ صاحب نے صرف یہی چند ایک کام کرائے ہیں، یا یہ کہ یہ کوئی اہم کام نہیں ہیں یا پھر یہ کہ یہ سارے کام شروع تو نعمت اللہ صاحب نے کئے لیکن ان کو مکمل دنیا کے "دو نمبر" میئر مصطفیٰ کمال نے کیا (اب بھائی لوگ "دو نمبر میئر" کہنے پر ناراض نہ ہوجائیں یہ ہم نہیں بلکہ وہ خود کہتے ہیں)
خیر ہم اپنے موضوع کی طرف آتے ہیں اور بات کرتے ہیں KIHD یعنی کراچی انسٹیٹیوٹ آف ہارڈ ڈیسیز۔ کراچی کے علاقے فیڈرل بی ایریا کے بلاک 16 میں واقع یہ ایک جدید اور خوبصورت ہسپتال ہے۔

کراچی انسٹیٹیوٹ آف ہارٹ ڈیسیسز کی عمارت کا بیرونی منظر

سابق سٹی ناظم جناب مصطفیٰ کمال شدو مد سے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ منصوبہ ان کے دور نظامت میں شروع اور مکمل ہوا جبکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ امراض قلب کے لئے یہ ہسپتال نعمت اللہ صاحب کے دور میں شروع کیا گیا اور انہی کے دور میں الحمد اللہ نہ صرف یہ مکمل ہوا بلکہ نعمت اللہ صاحب کے دور میں ہی اس میں پہلے مریض کی انجیو پلاسٹی بھی کی گئی۔شہر قائد کراچی میں امراض قلب کا یہ دوسرا بڑا ہسپتال ہے۔ 2002 کے وسط میں نعمت اللہ صاحب کے کو آرڈی نیٹر ڈاکٹر فیاض عالم صاحب نے اس ہسپتال کے قیام کی تجویز پیش کی تھی۔

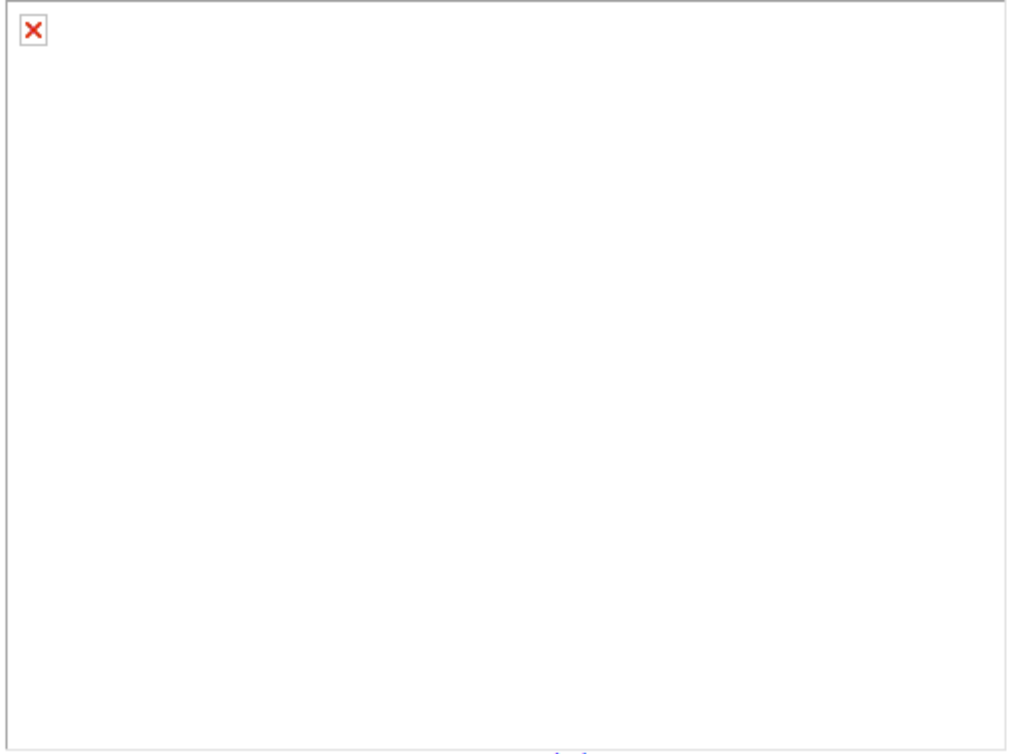

ڈاکٹر فیاض عالم

19ستمبر 2002کو سوک سنٹر میں اس حوالے ایک میٹنگ منعقد کی گئی۔2جنوری 2003کو سٹی کونسل میں KIHDکی تعمیر کے حوالے سے قرارداد (قرارداد نمبر 211) متفقہ طور پر منظور کی گئی۔الخدمت کی سٹی کونسلر محترمہ ریحانہ افروز صاحبہ نے یہ قرارداد پیش کی تھی۔

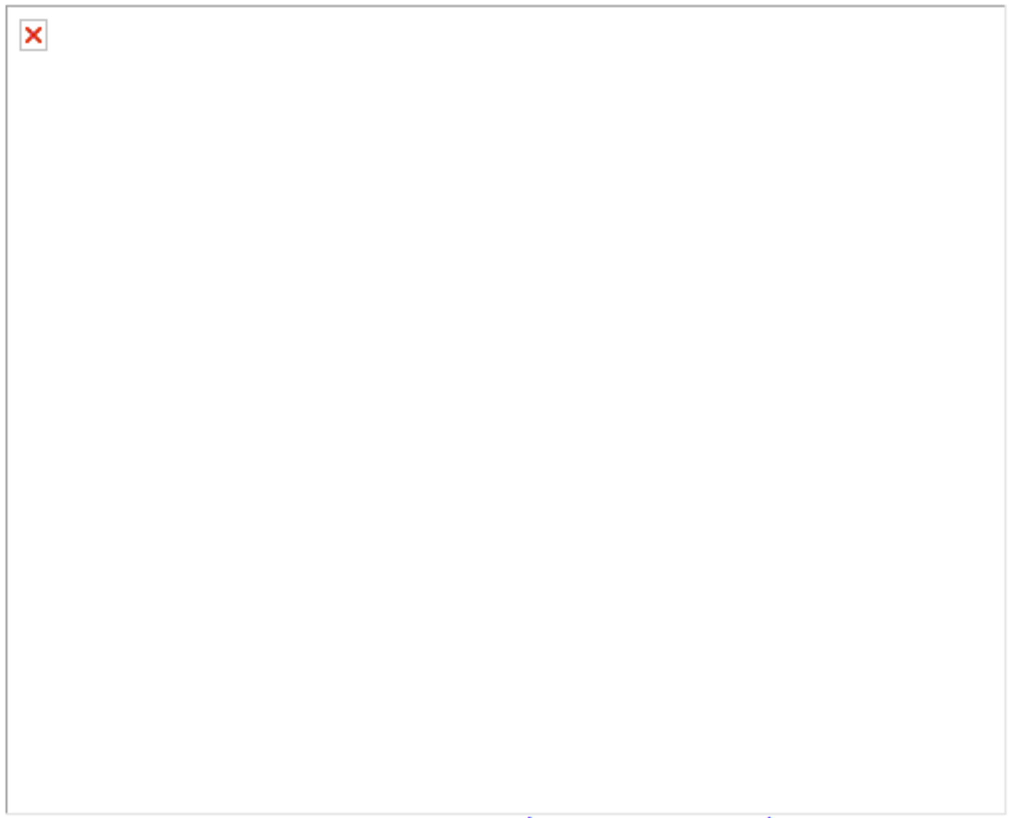

سٹی کونسل میں پیش کی گئی قرارداد نمبر 211کا عکس

اس منصوبے کے لئے کراچی میڈیکل اینڈ ڈینٹل کالج کی پرانی جگہ اور اس سے متصل پلاٹ کا انتخاب کیا گیااور 9جنوری 2004کو ایک پروقار تقریب میں اس منصوبے کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔

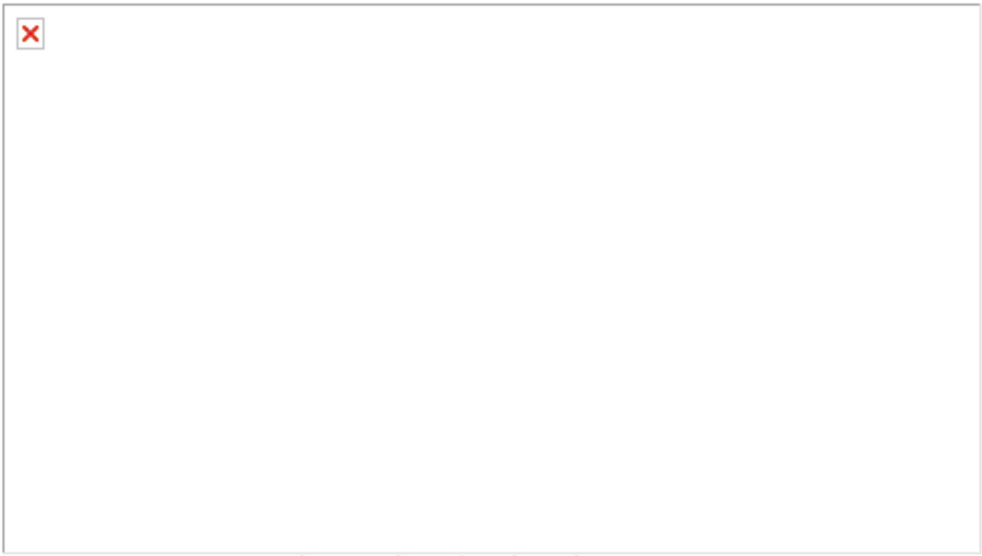

KIHDکی گورننگ باڈی کا گروپ فوٹو

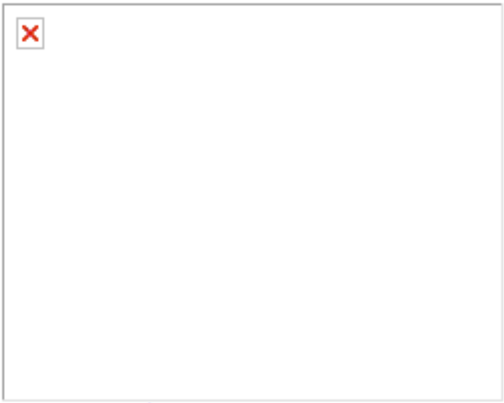

9جنوری 2004کو سابق سٹی ناظم

کا سنگِ بنیاد KIHD
رکھتے ہوئے،
ڈاکٹر عبد الصمد و
دیگر بھی موجود ہیں

کا سنگ بنیاد تصویرKIHD

کا آغاز کردیا گیا تھا جبکہ 28مئی 2005 وہ مبارک اورOPD میںKIHD کے اوائل میں2005
تاریخ ساز دن تھا جب پروفیسر ڈاکٹر عبد الصمد نے بلوچستان کے علاقے "اوستہ محمد" سے
نے کام شروع کردیا۔ KIHD آئے ہوئے پہلے مریض کی انجیو گرافی کی اور اس طرح

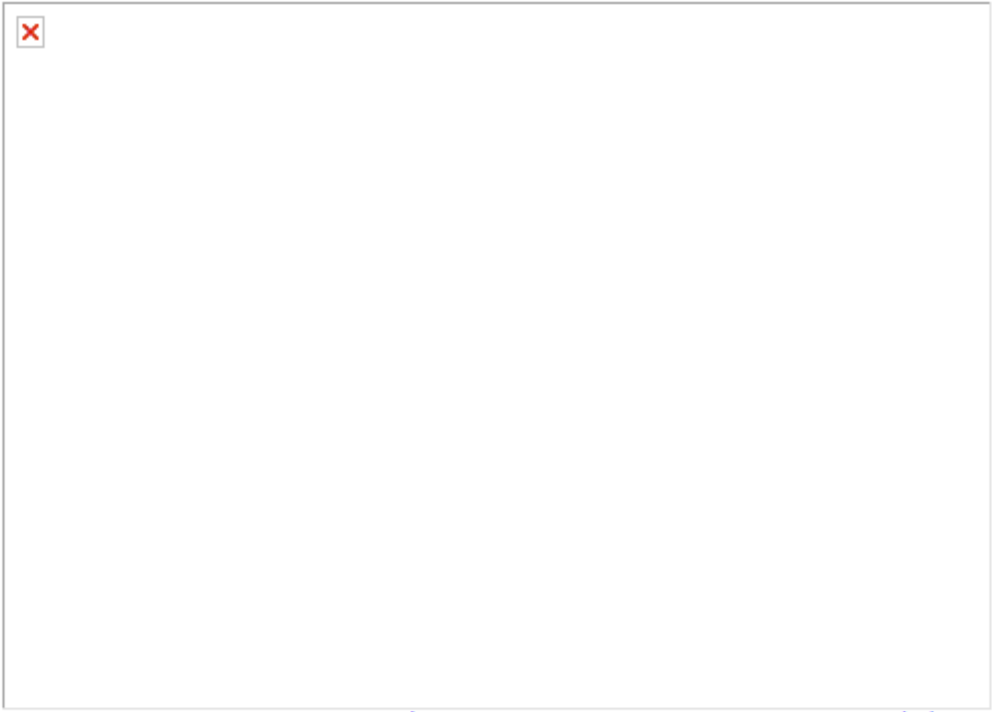

ڈاکٹر عبد الصمد KIHDمیں پہلے مریض کی انجیوگرافی کرتے ہوئے 28 مئی 2005

اس کے بعد ڈاکٹر عبد الصمد کی درخواست پر سٹی ناظم نعمت اللہ خان نے 3جون 2005کو ہسپتال کے منصوبے کے پہلے مرحلے کی تکمیل پر ایک تقریب منعقد کرکے ہسپتال کا باقاعدہ آغاز کردیا ۔

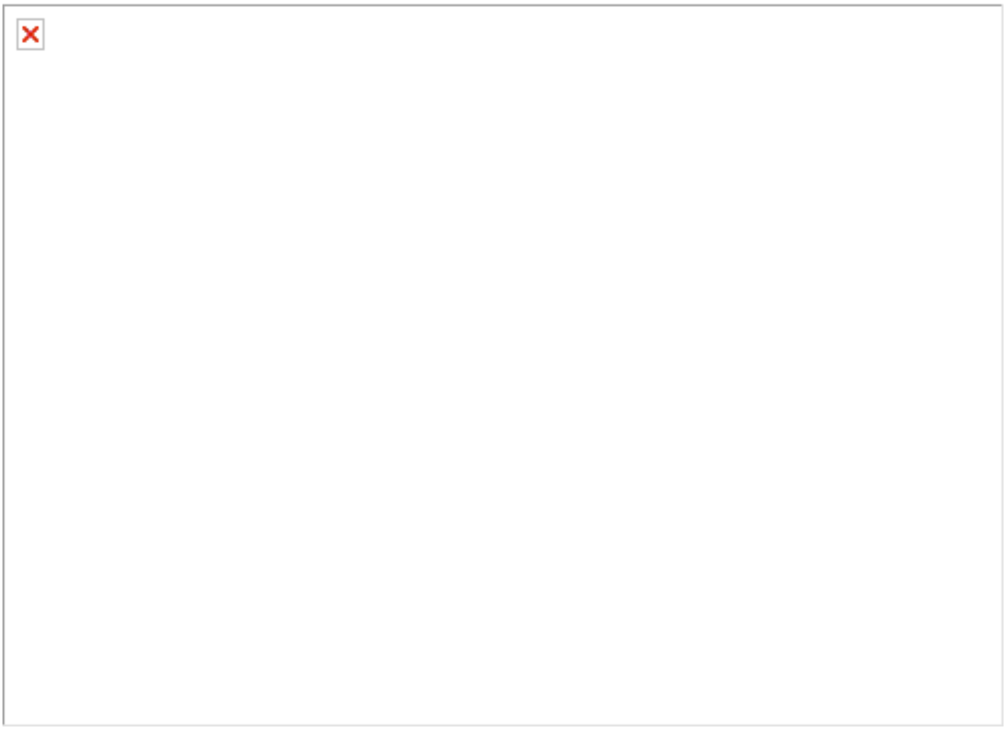

کا باقاعدہ افتتاح کیا جارہاہے۔ KIHD تعمیر مکمل ہونے کے بعد

واضح رہے کہ اوپی ڈی اور اس کے بعد انجیو گرافی کا آغاز دنیا کے "دونمبر" مئیر مصطفیٰ کمال کے ناظم سٹی بننے سے کم و بیش چھے ماہ قبل ہوچکا تھا۔ اس طرح یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ یہ منصوبہ نعمت اللہ صاحب کا تھا یا کسی اور کا؟

اس بارے میں مزید اور مفصل معلومات کے لئے مندرجہ ذیل لنک چیک کئے جاسکتے ہیں۔
http://www.youtube.com/watch?v=F2x96YRURTU&feature=relmfu
http://www.youtube.com/watch?v=jqtPD2RuxJc&feature=relmfu

(جاری ہے)

قرار داد پاکستان اور قیام پاکستان کا مقصد

ہیرا منڈی کلچر کا فروغ اور ہماری ذمہ داری

روزنامہ جنگ کی سولہ اپریل کی اشاعت میں انصار عباسی صاحب کا یہ مضمون شائع ہوا تھا جو کہ ہم یہاں قارئین کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔

میرا ارادہ تو تھا کہ میں انجمن غلامان امریکا کی طرف سے پاس کی گئی قرارداد پر کچھ لکھتا۔ میں نے یہ بھی سوچ رکھا تھا کہ اعتزاز احسن کی طرف سے جنگ گروپ کے کچھ صحافیوں کو بے روزگار کرنے کی دھمکی پر بھی تبصرہ کرتا اور یہ کہ رعونت زدہ لوگ کیسے اپنے آپ کو رازق سمجھ بیٹھتے ہیں مگر دی نیوز کے سینئر رپورٹر خالد مصطفٰی کی فون کال نے مجھے اُس موضوع پر لکھنے پر مجبور کر دیا جو عمومی طور پر ہر پاکستانی کا مسئلہ ہے اور جس پر میں پہلے بھی بارہا لکھ چکا ہوں اور انشاء اللہ اُس وقت تک لکھتا رہوں گا جب تک کسی بہتری کا رستہ نہیں نکلتا۔ قدرے غصہ میں خالد نے ایک خاتون کی میزبانی میں چلنے والے ایک تفریحی شو کا حوالہ دیتے ہوئے استفسار کیا کہ میں نے وہ شو دیکھا یا نہیں۔ میں نے جواب دیا کہ کبھی اُس شو کو دیکھنے کا موقع ملا اور نہ ہی کبھی خواہش ہوئی۔ خالد کا کہنا تھا کہ وہ اپنے فیملی کے ساتھ شو دیکھ رہا تھا کہ پروگرام میں شامل ایک مہمان نے کہا کہ گزشتہ پانچ سال سے وہ کسی

عورت کے ساتھ نہیں سویا جبکہ اسی پروگرام میں مدعو ایک فاحشہ نے کہا کہ وہ اپنے بھی کرتی ہے جس پر Kiss ہندوستانی مرد دوست سے بغل گیر بھی ہوتی ہے اور اُسے اُسے کوئی شرمندگی نہیں۔ اُس فاحشہ کا کہنا تھا کہ اس میں کیا برائی ہے اور یہ کہ کسی دوسرے کو اس پر کیوں تکلیف ہے؟؟ خالد مصطفیٰ کا رونا تھا کہ انٹرٹینمنٹ کے نام پر میڈیا فحاشی و عریانیت کی تمام حدوں کو پھلانگ چکا ہے مگر پیمرا، حکومت، عدالت، پارلیمنٹ اور سیاسی جماعتیں سب اپنی اپنی ذمہ داری سے عاری آنکھیں بند کئے بیٹھے ہیں۔ اب تو حالات ایسے ہو چکے ہیں کہ گھر بیٹھ کر ہم پاکستانی چینلز بھی نہیں دیکھ سکتے۔ نہیں معلوم کب کس قسم کی بے ہودگی ٹی وی سکرین پر چل پڑے اور دیکھنے والے خاندان کے لوگ شرمندگی میں ایک دوسرے کے ساتھ آنکھیں ملانے سے کترانے کی کوشش کرتے رہیں۔ میرے اس صحافی دوست نے بتایا کہ امریکا سے پاکستان منتقل ہونے والی اس کی ہمسائی خاتون نے بھی اس سے کیبل کے ذریعہ فحاشی و عریانیت کے فروغ پر بات کی اور بتایا کہ وہ اپنے بچوں کو امریکا چھوڑ کر پاکستان اس لئے لائی تاکہ ان بچوں کو اپنی اقدار سکھائی جائیں اور اُنہیں اُس فحش ماحول سے دور رکھا جائے جس کا سامنا مغربی دنیا کو ہے۔ مگر اس خاتون کا گلہ یہ ہے کہ پاکستان کا ماحول تو انتہائی ابتری کا شکار ہے اور میں کیبل ٹی وی نیٹ ورک کا بہت اہم کردار ہے۔

قصاص میں زندگی ہے

اس وقت میرے سامنے شہر قائد میں گزشتہ ایک ہفتے کے دوران ٹارگٹ کلنگ اور دہشت گردی کے مختلف واقعات کی خبریں ہیں ۔ اور اخبار نے اس حوالے سے بڑی سنسنی خیز سرخیاں جمائی ہیں۔ میں آپ کے سامنے یہ سرخیاں رکھتا ہوں۔ان سرخیوں کو دیکھیں ان کے اعداد و شمار انتہائی ہولناک ہیں۔ایک ہفتے میں 56افراد یعنی اوسطاً آٹھ افراد روزانہ قتل ہورہے ہیں۔ واضح رہے کہ ان اعداد و شمار میں گھریلو جھگڑوں، خاندانی دشمنی وغیرہ کی وجہ سے ہونے والی ہلاکتیں شامل نہیں ہیں۔

اے لوگوں جو ایمان لائے ہو، تمہارے لیے قتل کے مقدموں میں قصاص کا حکم لکھ دیا گیا ہے۔ آزاد آدمی نے قتل کیا ہو تو آزاد ہی سے بدلہ لیا جائے، غلام قاتل ہو تو غلام ہی قتل کیا جائے،اور عورت اس جرم کی مرتکب ہو تو اس عورت ہی سے قصاص لیا جائے۔ ہاں اگر کسی قاتل کے ساتھ اس کا بھائی کچھ نرمی کرنے کے لیے تیار ہو، تو معروف طریقے کے مطابق خوں بہا کا تصفیہ ہونا چاہیے اور قاتل کو لازم ہے کہ راستی کے ساتھ خوں بہا ادا کرے۔ یہ تمہارے رب کی طرف سے تخفیف اور رحمت ہے۔ اس پر بھی جو زیادتی کرے، اس کے لیے دردناک سزا ہے۔ عقل و خرد رکھنے والو! تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے۔ امید ہے کہ تم اس قانون کی خلاف ورزی سے پرہیز کروگے۔ (سورہ البقرہ،آیات 178.179)

مجھے بڑی حیرت ہوتی ہے اور ہنسی بھی آتی ہے جب میں ٹی وی چینلز کے ٹاک شوز دیکھتا ہوں یا جب کسی اینکر پرسن کو مائیک سنبھالے شہر کی سڑکوں پر اس حالت میں دیکھتا ہوں کہ وہ شہریوں کو روک روک کر کراچی کی بدامنی کا سبب اور اس بدامنی کے خاتمے کا سبب پوچھ رہے ہوتے / ہوتی ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ اینکر پرسن جو لوگوں سے سوالات کررہے ہوتے ہیں کیا یہ لوگ کراچی سے تعلق نہیں رکھتے ہیں؟ کیا ان کو پتا نہیں ہے کہ شہر قائد میں کون کون سی پارٹیاں قتل و غارت گری میں ملوث ہیں؟ کیا ان کو نہیں پتا کہ اپنے ایک کارکن کے بدلے دس دس بیس بیس شہریوں کو قتل کرنے والی پارٹیاں کون سی ہیں؟ یقیناً ان

کو سب پتا ہے کیوں کہ لینکر پرسنز کا تعلق بھی کراچی سے ہی ہے (اور یہی وجہ ہے کہ وہ اصل بات نہیں بتاتے ہیں کیوں کہ ان کا دفتر بھی کراچی میں ہے اور ان کی فیملی بھی (کراچی میں ہے۔

کراچی کے مسئلے کا سبب ہی یہ ہے کہ یہاں قانون کی حکمرانی نہیں ہے۔ حکمران طبقہ اپنے اقتدار کو فروغ دینے کے لئے ہمیشہ کراچی کے واقعات کو دوسرا رخ دیتا ہے، کبھی طالبان کو ان واقعات کا مجرم قرار دیا جارہا ہے اور کبھی نامعلوم تیسری قوت کو ذمہ دار ٹھہرایا جاتا ہے۔ پورے ملک میں اور بالخصوص کراچی میں مجرموں کو سیاسی پارٹیوں، با اثر افراد اور مافیاز کی سرپرستی حاصل ہے۔جب بھی شہر کراچی میں بدامنی ہوتی ہے، قتل و غارت گری کا بازار گرم ہوتا ہے، تو وفاقی وزیر داخلہ صاحب کراچی تشریف لاتے ہیں اور اتحادی جماعتوں کے مجرم کارکنوں کو تحفظ فراہم کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ کراچی کے واقعات میں تیسری قوت ملوث ہے‘ ‘ لیکن چار سال سے زائد عرصہ" گزرنے کے باوجود وہ یہ بتانے سے قاصر ہیں کہ اگر کراچی کی بدامنی کا سبب اتحادی جماعتیں (ایم کیوایم، اے این پی، پیپلزپارٹی) نہیں ہیں تو پھر یہ تیسری قوت کونسی ہے؟ اس تیسری قوت کو بے نقاب کیوں نہیں کیا جاتا ہے؟

شہر میں لسانیت کی آگ بھڑکائی جارہی ہے، مختلف علاقوں کو نو گو ایریا بنایا

جارہا ہے۔ کوئی ایریا پٹھانوں کے لئے نو گو ایریا ہے، کوئی ایریا اردو بولنے والوں کے لئے نو گو ایریا ہے۔ کسی ایریا میں بلوچ داخل نہیں ہو سکتا ہے۔ قتل و غارت گری کا بازار گرم ہے۔ بے گناہوں کا خون بہہ رہا ہے اور صرف کراچی میں ہی نہیں بلکہ پورے ملک میں یہی صورتحال ہے۔اب ان مسائل کے حل کی جب بات کی جائے تو حل وہی ہے جو اوپر قرآن کریم کی آیت بیان کی گئی ہے۔یعنی قصاص میں زندگی ہے۔ معاملہ یہی ہے کہ ہم نے قاتلوں کو چھوٹ دے رکھی ہے۔ قاتلوں کو سیاسی پارٹیوں اور بااثر گروہوں کی سرپرستی حاصل ہے۔کے ای ایس سی کے ایم ڈی شاہد حامد کا قاتل صولت مرزا جیل میں ہے۔ اعلیٰ عدالتیں اس کو پھانسی کی سزا سنا چکی ہیں لیکن ۔۔۔۔۔اس کی سزا پر عملدرآمد نہیں ہو سکتا۔ کامران مادھوری پولیس کی حراست میں ہے۔ اس پر بھی قتل کے کئی مقدمات ہیں لیکن اس کو بھی سزا نہیں ہو سکتی ہے۔ اسی طرح اجمل پہاڑی جو کہ اس وقت پولیس کی حراست میں ہے۔ سو سے زائد قتل کرچکا ہے اور قتل کا اعتراف بھی کرچکا ہے لیکن اسے بھی سزا نہیں سنائی جا سکتی کیوں کہ ماضی میں اس مخصوص گروپ کے خلاف کارروائیاں کرنے والے پولیس افسران کو چن چن کر مارا جاچکا ہے، اس لئے نہ تو کوئی پولیس آفیسر اب ایسا کوئی رسک لینے کو تیار ہے اور نہ ہی کوئی فرد گواہی کے لئے آگے آئے گا۔ارشد پپو لیاری گینگ وار کا ایک اہم کردار ہے۔

اس پر قتل ،اقدام قتل، ڈکیتی، اغوا برائے تاوان اور بھتہ خوری کے الزامات ہیں۔ ارشد پپو کو گرفتار کرکے جیل بھیج دیا گیا تھا لیکن گذشتہ دنوں حکومت نے اپنے مفادات کی خاطر اس قاتل کو رہا کردیا تاکہ اس کے ذریعے لیاری میں امن کمیٹی کو لگام دی جاسکے۔ جبکہ پیپلز امن کمیٹی کو موجودہ پی پی حکومت کی خاموش سرپرستی حاصل ہے۔ سندھ سے تعلق رکھنے والے کئی وزراء اور پی پی کے کئی اہم رہنما امن کمیٹی کے خلاف کارروائیوں کے مخالف ہیں۔ بدنام زمانہ دہشت گرد اور لیاری گینگ وار کے اہم کردار "رحمان ڈکیت" کو سرکاری سرپرستی ہی کے باعث خان بھائی اور بعد ازاں سردار عبدالرحمان بلوچ کا نام دیا گیا تھا۔ یہ سارے گروہ جن کا میں نے ذکر کیا ہے ان کا ایک معاملہ یہ بھی ہے کہ یہ اپنے ایک فرد کے قتل کے بدلے میں کئی بے گناہوں کو قتل کرتے ہیں جبکہ افسوس ناک بات یہ ہے کہ ان کے افراد کے قاتل پھر بھی محفوظ رہتے ہیں۔

معروف مفکر، اسکالر اور عالم بے بدل مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اپنی شہرہ آفاق تصنیف "تفہیم القرآن میں اوپر بیان کی گئی آیات کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ قِصاص، یعنی خون کا بدلہ ، یہ کہ آدمی کے ساتھ وہی کیا جائے، جو اس نے دوسرے آدمی کے ساتھ کیا۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ قاتل نے جس طریقے سے مقتول کو قتل کیا ہو، اسی طریقے سے اس کو قتل کیا جائے، بلکہ مطلب صرف یہ ہے کہ جان لینے کا جو فعل اس نے مقتول کے ساتھ کیا ہے وہی اس کے

ساتھ کیا جائے۔

جاہلیت کے زمانے میں لوگوں کا طریقہ یہ تھا کہ ایک قوم یا قبیلے کے لوگ اپنے مقتول کے خون کو جتنا قیمتی سمجھتے تھے، اتنی ہی قیمت کا خون اس خاندان یا قبیلے یا قوم سے لینا چاہتے تھے جس کے آدمی نے اسے مارا ہو۔ محض مقتول کے بدلے میں قاتل کی جان لے لینے سے ان کا دل ٹھنڈا نہ ہوتا تھا۔ وہ اپنے ایک آدمی کا بدلہ بیسیوں اور سینکڑوں سے لینا چاہتے تھے۔۔۔۔ اور یہ حالت کچھ قدیم جاہلیت ہی میں نہ تھی۔ موجودہ زمانے میں جن قوموں کو انتہائی مہذّب سمجھا جاتا ہے، ان کے باقاعدہ سرکاری اعلانات تک میں بسا اوقات یہ بات بغیر کسی شرم کے دنیا کو سنائی جاتی ہے کہ ہمارا ایک آدمی مارا جائے گا تو ہم قاتل کی قوم کے پچاس آدمیوں کی جان لیں گے۔ اکثر یہ خبریں ہمارے کان سنتے ہیں کہ ایک شخص کے قتل پر مغلوب قوم کے اتنے یرغمالی گولی سے اڑائے گئے۔

ایک "مہذّب" قوم نے اِسی بیسویں صدی میں اپنے ایک فرد "سرلی اسٹیک" کے قتل کا بدلہ پوری مصری قوم سے لے کر چھوڑا۔ (جبکہ موجودہ زمانے میں ہی دنیا میں انتہائی مہذب کہلانے والے امریکہ نے ٹوئن ٹاورز کے واقعے میں دو ہزار افراد کی ہلاکت کا بدلہ افغانستان، عراق اور پاکستان کے ہزاروں افراد کو قتل کرکے لیا ہے اور اس کی آتش انتقام ابھی تک نہیں بجھی ہے۔ راقم) دوسری طرف اِن نام نہاد مہذب قوموں کی باضابطہ عدالتوں تک کا یہ

طرزِ عمل رہا ہے کہ اگر قاتل حاکم قوم کا فرد ہو اور مقتول کا تعلق محکوم قوم سے ہو، تو ان کے جج قصاص کا فیصلہ کرنے سے گریز کرتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔جس طرح اہلِ جاہلیت کا ایک گروہ انتقام کے پہلو میں افراط کی طرف چلا گیا، اسی طرح ایک دوسرا گروہ عفو کے پہلو میں تفریط کی طرف گیا ہے اور اس نے سزائے موت کے خلاف اتنی تبلیغ کی ہے کہ بہت سے لوگ اس کو ایک نفرت انگیز چیز سمجھنے لگے ہیں اور دنیا کے متعدّد ملکوں نے اسے بالکل منسوخ کر دیا ہے۔ قرآن اسی پر اہلِ عقل کو مخاطب کرکے تنبیہ کرتا ہے کہ قصاص میں سوسائٹی کی زندگی ہے۔ جو سوسائٹی انسانی جان کا احترام نہ کرنے والوں کی جان کو محترم ٹھیراتی ہے، وہ دراصل اپنی آستین میں سانپ پالتی ہے۔ تم ایک قاتل کی جان بچا کر بہت سے بے گناہ انسانوں کی جانیں خطرے میں ڈالتے ہو۔

جب قاتلوں کو سزا نہیں دی جائے گی، جب مجرموں کو چھوٹ ملے گی تو معاشرہ افراتفری، انتشار اور بدامنی کا ہی شکار ہوگا نہ کہ یہاں دودھ کی نہریں رواں ہونگی؟ قتل و غارت گری اسی طرح ہوتی رہے گی۔ ضروت صرف اس بات کی ہے قرآن کریم کے قصاص کے قانون پر عمل کیا جائے۔

ہمارے محترم دوست پروفیسر مولانا آصف خان علیمی کے ساتھ ایک دفعہ اس حوالے سے گفتگو ہوئی تو انھوں نے کہا کہ "جب ہم درس نظامی کر رہے تھے، اس دوران

قصاص اور دیت کے قانون کے حوالے سے جب درس دیا گیا تو ہمارے استاد نے مذکورہ آیت تلاوت فرمائی، میں نے پوچھا کہ استاد محترم جب کوئی فرد قتل ہوتا ہے تو اس کی تو جان چلی جاتی ہے اس کا گھرانہ بھی متاثر ہوتا ہے لیکن اس کے قصاص میں قاتل کو قتل کرنے میں زندگی کہا ہے؟ یہ تو موت ہے اور ایک دوسرا گھرانہ بھی متاثر ہوگا۔استاد نے ہماری بات توجہ سے سنی اور فرمایا کہ جب کسی قاتل کی کھلے میدان میں مجمع کے سامنے گردن اڑائی جائے گی تو اس عمل سے کتنے ہی ایسے شریروں کو عبرت حاصل ہوگی جن کے دل و دماغ میں بھی ایسا ہی خناس بھرا ہوا ہوگا، اور وہ ان کے اندر سے فاسد خیالات تحلیل ہوجائیں گے اور دوسرا کوئی فرد کسی انسان کو قتل کرتے وقت کئی دفعہ سوچے "کہ میرا انجام بھی ایسا ہی ہوگا۔

حقیقت تو یہی ہے کہ جب کسی ایک قاتل کو موت کی سزا دی جائے گی تو کئی ممکنہ قاتل راہ راست پر آجائیں گے، جب ایک چور کا ہاتھ سر عام قلم کیا جائے گا اور وہ ٹنڈا ہو کر پھرے گا تو اس عمل سے ہزاروں انسانوں کو عبرت ہوگی۔ دین سے دوری اور قانون پر عمل درآمد نہ ہونے کے باعث ہی آج ہمارے معاشرے کی یہ حالت ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں کہ "عقل و خرد رکھنے والو! تمہارے لیے

”قصاص میں زندگی ہے۔ امید ہے کہ تم اس قانون کی خلاف ورزی سے پرہیز کروگے

لیاری، لیاقت آباد۔ امن کمیٹی اور ایم کیو ایم

کراچی کے علاقے لیاری میں جمعہ 27 اپریل سے کالعدم پیپلز امن کمیٹی کے خلاف پولیس نے آپریشن کا آغاز کیا۔ جرائم پیشہ افراد اور گروہوں (مافیاز) کے خلاف پولیس کو ایکشن لینا چاہئے اور ان کا قلع قمع کرنا چاہئے خواہ ان کا تعلق کسی بھی سیاسی، مذہبی ، لسانی گروہ سے ہو ان کے خلاف بلاامتیاز کارروائی ہونی چاہئے لیکن اس میں خیال رکھا جائے کہ عام افراد متاثر نہ ہوں۔اس کے علاوہ یہ بھی انتہائی ضروری ہے کہ جرائم پیشہ افراد کے خلاف کوئی بھی کارروائی صرف حکومت اور ریاستی اداروں کو کرنی چاہئے ۔یہ نہ ہو کہ کسی سیاسی گروپ، جرائم پیشہ گینگ یا مافیا کے خلاف کارروائی کے لئے کوئی دوسرا گروپ تخلیق کیا جائے یا ایک مافیا کے خلاف اس کی مخالف مافیا کی سرپرستی نہیں کرنی چاہئے۔

ماضی میں کراچی میں مذہبی جماعتوں کا زور توڑنے کے لئے ایم کیو ایم کو تخلیق کیا گیا، خیبر پختونخواہ میں طالبان کے خلاف مقامی لشکر تشکیل دیئے گئے، کراچی میں جب ایم کیو ایم عفریت بن گئی تو اس کو لگام دینے کے لئے پیپلز امن کمیٹی قائم کی گئی ۔تاریخ کا سبق یہ ہے کہ تاریخ سے کوئی سبق نہیں سیکھتا اور تاریخ نے یہ بتایا کہ کسی سیاسی گروہ کو کارنر کرنے کے لئے

یا کسی جرائم پیشہ گروپ کو ختم کرنے کے لئے مصنوعی طور پر گروپ تخلیق کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا ہے بلکہ جن گروپس کو تخلیق کیا جاتا ہے بعد میں وہ خود اپنے خالقوں کے لئے مسئلہ بن گئے۔ یہی معاملہ ایم کیو ایم کا ہے، یہی معاملہ پیپلز امن کمیٹی کے ساتھ ہوا اور یہی معاملہ خیبر پختونخواہ میں مقامی لشکروں کا ہوگا۔ سر دست ہمارا موضوع امن کمیٹی، لیاری آپریشن اور کراچی کی صورتحال ہے تو ہم اس پر ہی بات کریں گے۔ اخباری اطلاعات کے مطابق لیاری آپریشن میں پولیس کی معاونت کے لئے ایم کیو ایم اور ارشد پپو گروپ کے کارندوں کو استعمال کیا جارہا ہے یعنی وہی بات ہوئی کہ اب پیپلز امن کمیٹی جب قابو سے باہر ہورہی ہے تو اس کو لگام دینے کے لئے ایک بار پھر ایم کیو ایم اور کراچی گینگ وار کے اہم کردار ارشد پپو کو استعمال کیا جارہا ہے۔ لیکن اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ ارشد پپو گروپ ہمیشہ پولیس اور حکومت کے ساتھ رہے گا، یہ گروپ صرف اپنے مخالف کو ختم کرنے کے لئے اس وقت تو حکومت کا اور پولیس کا ساتھ دیں گے لیکن وقت نکلنے کے بعد یہی گروپ عوام کے لئے اذیت کا باعث بنیں گے۔ (یہ بات واضح رہے کہ ہم نے پہلے ہی یہ بات کہی تھی کہ لیاری اور قرب و جوار کے علاقوں میں فسادات اور بدامنی کی وجہ یہی ہے کہ ایم کیو ایم نے لیاری میں داخل ہونے کے لئے ارشد پپو گروپ کو استعمال کرنے کی کوشش کی جس کے باعث ہی پیپلز پارٹی نے ارشد پپو گروپ کے مخالف رحمان ڈکیت گروپ کو سپورٹ کرکے پیپلز امن کمیٹی قائم کی تھی اور اب لیاری

آپریشن میں ارشد پپو اور ایم کیو ایم کے لوگوں کی شمولیت سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے)۔

ایک ہفتہ گزرنے کے باوجود پولیس اور ایف سی کا لیاری میں چیل چوک سے آگے نہ بڑھنا کئی سوالات کو جنم دیتا ہے۔پہلی بات کہ لیاری میں جب اسقدر اسلحہ آرہا تھا تو اس وقت کیوں نہ روکا گیا؟؟لیاری گذشتہ بیس پچیس سالوں سے منشیات فروشوں کی جنت بنا ہوا تھا۔اس کو پہلے ہی مرحلے پر ختم کیوں نہ کیا گیا؟؟اور پھر سوال یہ بھی ہے کہ اگر ہماری پولیس مٹھی بھر دہشت گردوں کے مقابلے میں چند گلیوں پر کنٹرول نہیں حاصل کرسکتی تو یہ پولیس دہشت گردی کے واقعات کو کیسے روک سکتی ہے۔جبکہ زمینی حقائق یہ ہیں کہ اس آپریشن میں جرائم پیشہ افراد کے بجائے عام افراد زیادہ متاثر ہوئے ہیں،ایک ہفتے سے علاقے کے محاصرے کے باعث وہاں اشیائے خورد ونوش کی شدید قلت ہو گئی ہے، جبکہ فائرنگ کے باعث بجلی کے ٹرانسفارمرز بھی تباہ ہوگئے ہیں اور علاقہ مکین اس گرمی کے موسم میں کھانے پینے کی اشیاء کے ساتھ ساتھ بجلی سے بھی محروم ہیں اور اپنے گھروں میں محصور ہیں۔

افسوس ناک بات یہ ہے کہ اس آپریشن میں اپنی ناکامی کے باعث پولیس فورس شدید جھنجھلاہٹ کا شکار ہے اور اب ان کا نشانہ جرائم پیشہ افراد کے بجائے عام

افراد ہیں ۔ رواں ہفتے جماعت اسلامی نے لیاری کے متاثرین کے لئے ایک امدادی قافلہ تشکیل دیا تاکہ لیاری کے محصور عوام تک خوراک، ادویات اور امدادی سامان پہنچایا جاسکے۔ اس قافلے میں امیر جماعتِ اسلامی کراچی محمد حسین محنتی، سابق سٹی ناظم نعمت اللہ خان، سابق ممبر صوبائی اسمبلی یونس بارائی، جنرل سیکرٹری جماعت اسلامی کراچی نسیم صدیقی شامل تھے۔ یہ قافلہ جب لیاری کے لئے روانہ ہوا اور لیاری کی حدود میں پہنچا تو لوگ گھروں سے نکل کر اس قافلے کا حصہ بنتے گئے اور چیل چوک تک پہنچتے پہنچتے سیکڑوں لوگ قافلے میں شامل ہو چکے تھے۔ پولیس نے قافلے کو دیکھ کر اس پر براہ راست فائرنگ کی اور ذمہ داران کو وہاں جانے سے روکا، اس سے اگلے روز پولیس نے ایدھی فاؤنڈیشن کے ان رضاکاروں کو حراست میں لیا جو کہ متاثرہ علاقے میں کھانے پینے کی اشیاء تقسیم کرنے گئے جبکہ گذشتہ روز الخدمت فاؤنڈیشن کی ایمولینس اور نجی ٹی چینل کی گاڑیوں پر بھی براہ راست فائرنگ کی گئی جو کہ متاثرہ علاقے میں لوگوں کی امداد اور وہاں کی صورتحال کا جائزہ لینے کے لئے گئے تھے۔ اس طرح یہ بات سامنے آئی کہ پولیس عوام اور میڈیا سے حقائق چھپانے کی کوشش کر رہی ۔ اس طرح کے اقدامات اس آپریشن کی شفافیت پر ایک سوالیہ نشان ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ پولیس میڈیا کو اس ایریا میں جانے نہیں دے رہی ہے؟؟ میڈیا، عوامی نمائندوں، اور سماجی کارکنوں کو وہاں جانے سے روکنا اور ان کو ہراساں کرنے کے کیا مقاصد ہیں؟؟ کیا واقعی لیاری کے اندر دہشت گرد مزاحمت کر رہے ہیں یا

پھر ایک ہفتے سے کوئی اور ہی گیم کھیلا جارہا ہے جس کو چھپانے کے لئے یہ سارے اقدامات کئے جارہے ہیں۔

دوسری جانب ایک بار پھر ایم کیو ایم کی منافقت اور دہرا معیار سامنے آیا ہے۔ایک جانب تو ایم کیو ایم لیاری آپریشن پر بہت خوش ہے اور اس کا کہنا ہے کہ لیاری کے جرائم پیشہ افراد کے خلاف آپریشن ہونا چاہئے ، دہشت گردوں کا قلع قمع ہونا چاہئے اور غیر قانونی اسلحہ برآمد کیا جانا چاہئے جبکہ ہمارے ذرائع کے مطابق دوسری جانب لیاقت آباد سی ایریا قبرستان اور تین ہٹی سے ملحق حاجی الیاس گوٹھ میں ایم کیو ایم کے شر پسند جدید اسلحے سے لیس موجود ہیں اور انھوں نے وہاں پولیس کی مدد سے متعدد بار آپریشن اور خود حملے کرکے پیپلز امن کمیٹی کو وہاں سے پسپا کردیا ہے اور وہاں مقتول منشیات فروش ماجد بلوچ کے بھائی کی سرپرستی شروع کردی ہے اور اب وہاں ایم کیو ایم کے شر پسند اور ماجد بلوچ کے کارندوں نے قبضہ کرلیا اور جدید اسلحے کے ساتھ وہاں موجود ہیں اور ایم کیو ایم کی سرپرستی ہی میں وہاں منشیات فروشی کا کاروبار شروع کردیا گیا۔

ذرائع نے یہ بھی بتایا کہ لیاقت آباد سی ایریا قبرستان اس وقت ایک میدان جنگ بنا ہوا ہے اور گذشتہ ماہ سے اب تک وہاں کئی دفعہ ایم کیو ایم اور امن

کمیٹی کے مابین مسلح تصادم ہوچکا ہے جبکہ منشیات فروشوں کے کارندے بھی ایم کیو ایم کے ساتھ ساتھ ہیں۔اب صورتحال یہ ہے کہ قبرستان اور تین ہٹی سے ملحق حاجی الیاس گوٹھ میں تو ایم کیو ایم کا قبضہ ہے جبکہ قبرستان کی دوسری جانب موجود حاجی مرید گوٹھ میں امن کمیٹی کے کارندے موجود ہیں ۔امن کمیٹی کے کارندے حاجی مرید گوٹھ سے نکل کر قبرستان کے اندر اندر سے حاجی الیاس گوٹھ (المعروف بلوچ پاڑا) کی جانب بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں جبکہ سی ون ایریا کی جانب سے ایم کیو ایم کے مسلح کارکنان کئی دفعہ حاجی مرید گوٹھ میں داخل ہونے کی کوشش کرچکے ہیں تاہم تاحال انہیں کوئی کامیابی نہیں ملی ہے۔اطلاعات یہ ہیں کہ پولیس اور سی آئی ڈی نے گذشتہ ہفتے ایک چھاپہ مار کارروائی میں حاجی مرید گوٹھ میں امن کمیٹی کے ذمہ دار شاہد بکلک عرف شاہد چنگاری کو گرفتار کرلیا ہے اور وہ اس وقت پولیس کی حراست میں موجود ہے لیکن اس کے باوجود صورتحال میں کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے اور وہاں صورتحال انتہائی کشیدہ ہے۔

اس ساری صورتحال کے باعث وہاں کے مکین خوفزدہ اور ذہنی پریشانی کا شکار ہیں۔قبرستان کے دوسری جانب موجود محمدی کالونی کے مکین اس صورتحال سے سب سے زیادہ متاثر ہیں کیوں کہ انہیں اپنی ملازمتوں ، اسکول کالجز جانے اور خریداری وغیرہ کرنے کے لئے حاجی الیاس گوٹھ یا پھر قبرستان سے ہوتے ہوئے سی ون ایریا آنا پڑتا ہے لیکن اس کشیدہ صورتحال کے باعث لوگوں نے گھروں سے نکلنا کم کردیا ہے اور ان وہاں کے لوگ کافی لمبا چکر کاٹ کر

سابقہ فلستان سینما (نشتر روڈ) کی جانب سے ہوتے ہوئے تین ہٹی پر پہنچتے ہیں اور پھر وہاں سے اپنے کاروبار زندگی کا آغاز کرتے ہیں۔

پولیس کا کہنا ہے کہ لیاری آپریشن ایک سے دو دن کے اندر ختم کردیا جائے گا۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس آپریشن کے مقاصد حاصل کئے جاسکے ہیں؟؟

کیا وہاں سے جرائم پیشہ افراد اور گروہوں کا خاتمہ کیا جاسکا ہے؟؟

کیا ادھورا اور ناکام آپریشن دہشت گردوں کے حوصلے مزید بلند کرنے کا باعث نہیں بنے گا؟؟

کیا اس طرح ایک گروپ کے خلاف دوسرے گروپ کی سرپرستی کرنا درست اقدام ہے؟؟

لیاری میں تو امن کمیٹی کے خلاف اس قدر سخت آپریشن کرلیا گیا لیکن کیا شہر میں موجود دیگر مسلح گروہوں کے خلاف بھی کارروائی کی جائے گی؟

ایم کیو ایم جو اس آپریشن پر بہت خوش ہے اور صوبائی اور وفاقی حکومت سے اس آپریشن پر اظہار اطمینان کررہی ہے، کل اگر ایم کیو ایم کے دہشت گردوں کے خلاف بھی ایسا ہی آپریشن کیا جائے اور مہاجر آبادیوں کا اسی طرح محاصرہ کیا جائے تو کیا وہ اس کی بھی اسی طرح حمایت کرے گی۔

ہمارا موٴقف صرف یہ ہے کہ کسی خاص گروپ یا علاقے کے بجائے غیر جانبدارانہ

طور پر پورے شہر میں آپریشن کیا جائے اور تمام ہی مسلح گروہوں کے خلاف کارروائی کی جائے اور شہر میں بھتہ خوری، قبضہ مافیا، منشیات فروشوں کو ختم کیا جائے۔

ایم کیو ایم کو چاہئے کہ وہ منافقت کرکے کوئی ایک اصولی موقف اختیار کرے۔ لیاری میں جرائم پیشہ افراد کے خلاف آپریشن پر خوشی اور لیاقت آباد میں جرائم پیشہ افراد کی سرپرستی سے اس کی منافقت سامنے آ گئی ہے، اسے یاد رکھنا چاہئے کہ ماضی میں ایم کیو ایم کے خلاف بھی آپریشن کیا گیا تھااور ایم کیو ایم آج تک اس آپریشن پر واویلا مچاتی ہے لیکن ایک مخصوص گروپ کے خلاف جانبدارانہ اور یکطرفہ آپریشن کی حمایت کرکے اس نے یہ ثابت کیا ہے کہ ماضی میں ایم کیو ایم کے خلاف کیا جانے والا آپریشن بھی درست تھا۔

حضرت مولانا الیاس قادری دامت برکاتہم کے ساتھ ایک نشست

مولانا الیاس قادری دامت برکاتہم دعوت اسلامی کے امیر ہیں اور دعوت اسلامی دعوت وتبلیغ کی عالمی غیر سیاسی تنظیم ہے۔ جس کا مشن دنیا بھر میں نبی مہربان ﷺ کی سنتوں کو عام کرنا ہے۔ بنیادی طور پر دعوت اسلامی کا تعلق مسلک اہلسنت والجماعت (بریلوی) مکتبہ فکر سے ہے۔ اس وقت ہمارے معاشرے میں ایک دوسرے کے مسالک کے بارے میں انتہائی شدید غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں ضرورت اس بات کی ہے کہ باہم بیٹھ کر ایک دوسرے سے تبادلہ خیالات کیا جائے اور اسلام کی تبلیغ کے سب سے سادہ اصول یعنی اختلاف کے بجائے جو بات ہم میں مشترک ہے اس کی طرف دعوت دی جائے۔

ماہ اپریل میں ہمارے دفتر میں دعوت اسلامی کے کچھ نمائندے آئے اور انہوں نے امیر دعوت اسلامی حضرت مولانا الیاس قادری دامت برکاتہم کی جانب سے ایک نشست کی دعوت دی کہ امیر اہلسنت نے صحافی حضرات کے ساتھ ایک نشست رکھی ہے۔ ہم اگرچہ صحافی تو نہیں ہیں لیکن صحافیوں کے طفیل ہم نے اس نشست میں شرکت کی۔

یہ نشست دعوت سنت کے عالمی مرکز فیضان مدینہ میں رکھی گئی تھی۔ فیضان مدینہ

کراچی میں پرانی سبزی منڈی کے پاس عسکری پارک سے متصل ایک وسیع و عریض مرکز ہے۔ گرچہ اس طرف جانا تو ہوتا تھا اور ایک دو دفعہ یہاں کے اسٹالز سے کچھ چیزوں کی خریداری بھی کی لیکن پہلی بار اس مرکز کے اندر جانا ہوا۔

موجودہ حالات کے پیش نظر مرکز اور حضرت مولانا الیاس قادری دامت برکاتہم کی سیکورٹی کا معقول انتظام تھا، پروگرام کا وقت رات گیارہ بجے کا تھا اور ہم تقریباً اسی وقت وہاں پہنچ گئے۔ سب سے پہلے مرکز کے دروازے سے تھوڑا دور ایک استقبالیہ بنایا گیا تھا جہاں انتظامیہ کی ذمہ داری پر معمور اسلامی بھائیوں نے ہمارا استقبال کیا۔ یہاں ہمارے کوائف کے اندارج کے بعد ایک شناختی کارڈ دیدیا گیا کہ اس کو گلے میں پہن لیں۔ اس کے بعد دو ساتھی ہمیں اپنی رہنمائی میں مرکز کی جانب لے گئے۔ مرکزی دروازے پر واک تھرو گیٹ ہوتے ہوئے ہم اندرونی دروازے پر پہنچے۔ یہاں پر ایک ساتھی نے ہمارا ساتھ یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ میں اس سے آگے نہیں جاسکتا البتہ ایک ساتھی ہمارے ساتھ ہی موجود تھے انہی کی رہنمائی میں ہم اندرونی گیٹ تک پہنچے، یہاں ایک بار پھر تلاشی اور واک تھرو گیٹ سے ہوتے ہوئے ہم مسجد میں داخل ہوئے اور بخدا اندر داخل ہوتے ہیں پہلا تاثر ہی انتہائی خوشگوار تھا کیوں کہ مسجد کا انتہائی وسیع و عریض صحن ہمارے سامنے تھا اور اس کو دیکھ کر ذہن میں ایک خوشگوار تاثر ابھرتا ہے۔

یہاں پر ساتھی نے ہم سے درخواست کی کہ ہم اپنی چپلیں یا جوتے اتار کر جمع کرادیں اور ٹوکن حاصل کریں۔ یہاں اس بھائی نے ہمارے جوتے خود اتارنے کی کوشش کی جس کو ہم نے فوراً ناکام بنایا اور خود ہی جوتے اتار کر جمع کرائے اور ٹوکن حاصل کیا۔ایک طرف پینے کے پانی کے کئی نل لگے ہوئے تھے اور ان کے ساتھ ہی ایک بہت بڑا وضو خانہ بھی موجود تھا۔ یہاں سے ہم اندرونی ہال کی جانب روانہ ہوئے جہاں امیر صاحب موجود تھے اور یہی ہال مدنی چینل کا ریکارڈنگ روم بھی ہے۔

یہاں مزید سخت سیکورٹی کا انتظام تھا، یہاں بھی سیکورٹی سے بخیر و عافیت گزرتے ہوئے اندر ہال میں داخل ہوئے جہاں کھانے کا اس وقت مدعوین کی ضیافت کا انتظام تھا۔

یہاں انتہائی خوشگوار حیرت کا سامنا کرنا پڑا جب میں نے دیکھا کہ حضرت مولانا الیاس قادری دامت برکاتہم خود ہی شرکاء کو پانی پلاتے نظر آئے ،آپ پانی کا جگ لیکر صفوں کے درمیان گھومتے ہوئے لوگوں کو پانی پلا رہے تھے۔جب ہم وہاں پہنچے تو انہوں نے خندہ پیشانی سے ہمارا استقبال کیا اور یہ محسوس ہی نہ ہوتا تھا کہ ہم ان سے پہلی بار مل رہے ہیں بلکہ ایسا رویہ گویا کہ ہمارا آپس میں برسوں پرانا تعلق ہے۔ حضرت صاحب سے مصافحہ و معانقہ کرکے ہم بھی ضیافت میں شریک ہوئے اور یہاں بھی سنت نبوی ﷺ

کو مد نظر رکھتے ہوئے سادہ (خشکہ) چاول اور دال لوکی سے مہمانوں کی تواضع کی جارہی تھی (لوکی یا کدو نبی مہربان ﷺ کی پسندیدہ سبزی تھی) ۔

ضیافت کے دوران ہی امیر صاحب نے اپنی نشست سنبھال لی اور جیسے جیسے لوگ ضیافت سے فارغ ہوتے گئے وہ تخت کے سامنے بیٹھتے گئے ۔ اور تھوڑی دیر بعد ہی اس پروگرام کا باقاعدہ آغاز ہوگیا۔ یہ پروگرام بنیادی طور پر ایک مذاکرہ تھا اور حضرت صاحب نے صحافیوں سے نشست اس لئے رکھی تھی کہ موجودہ دور میں جھوٹ، مکر فریب اور سنسنی خیزی کے بجائے مثبت رپورٹنگ اور صحافت کیسے کی جائے اور معاشرے کو انتشار سے بچانے میں صحافی حضرات اور ذرائع ابلاغ کیا کردار ادا کرسکتے ہیں۔

یہاں نشستوں کی ترتیب اس طرح تھی کہ مولانا صاحب دامت برکاتہم کے دائیں جانب غالبًا ان کے نائب یا مرکز کے امور عامہ کے نگران جناب عمران عطاری قادری تشریف فرما تھے اور آپ کے بائیں جانب دو مفتی حضرات تشریف فرما تھے۔ (یہ اس لئے کہ مولانا صاحب کوئی بھی دینی مسئلہ بتاتے ہوئے جہاں ضرورت ہوتی اسی وقت مفتی حضرات سے رائے لیتے اور پھر مسئلہ بیان کرتے تھے) ۔

سب سے پہلے حمد باری تعالٰی پیش کی گئی ، اس کے بعد نعت رسول مقبول ﷺ پڑھی

گئی۔ اس کے بعد جناب عمران عطاری قادری نے اس مذاکرے کے اغراض و مقاصد بیان کئے اور حضرت صاحب سے درخواست کی کہ مذاکرہ کے آغاز سے قبل شرکاء کی رہنمائی کی جائے کہ کسی نشست کے کیا آداب ہوتے ہیں اور کسی بھی کام کے لئے نیت کی کیا اہمیت ہے اور یہاں موجود شرکا کو کیا کیا نیتیں کرلینی چاہیے۔

اس کے جواب میں مولانا صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں قرآن و حدیث کے مطابق سب سے پہلے نیت کی اہمیت بیان کی، اس کے بعد شرکاء سے مختلف باتوں کی نیت کرائی گئی اور یوں مذاکرہ کا باقاعدہ آغاز کیا گیا۔

یہاں سب سے پہلے کچھ صحافی حضرات نے سوالات ریکارڈ کرکے بھیجے تھے، وہ سنوائے گئے اور مولانا صاحب دامت.برکاتہم نے ان کا معقول و مدلل جواب دیا اور جہاں جہاں ضرورت محسوس ہوئی مفتی صاحبان سے بھی رائے لیتے گئے۔ جب کہ درمیان میں شرکاء نے.براہ راست بھی حضرت صاحبؒ سے سوالات کئے، کچھ شرکاء نے سخت اور تند سوالات بھی کئے جن کا حضرت صاحب نے انتہائی ٹھنڈے انداز میں جواب دیا۔ سوال وجواب کے دوران ہی چائے پیش کی گئی ۔ چائے پینے کے بعد جب گھڑی دیکھی تو رات کے ڈھائی بج گئے تھے ۔ اگرچہ اس نشست سے اٹھنے کا دل تو نہیں چاہ رہا تھا لیکن نیند کے غلبے کے باعث ہم اس نشست کو ادھورا چھوڑ کر جانے پر مجبور ہوئے بعد میں ساتھیوں نے بتایا کہ یہ مذاکراہ کم و بیش چار

بجے تک جاری رہااور مولانا صاحب نے صحافیوں کی رہنمائی کے ساتھ ساتھ دعوت اسلامی کے بارے میں لوگوں کی غلط فہمیاں بھی دور کی اور دعوت اسلامی کی بنیاد اور تاریخ کے بارے بھی لوگوں کو آگاہ کیا۔ یہ بات ہمیں بعد میں معلوم ہوئی کہ مدنی چینل پر یہ مذاکرہ براہ راست دکھایا جارہا تھا۔

حضرت مولانا الیاس عطاری قادری صاحب کے لئے دل میں احترام تو پہلے بھی تھا لیکن اس نشست کے بعد الحمدللہ ان کے لئے محبت کے جذبات پیدا ہوگئے۔ مجھے انکی سادگی، مہمان نوازی اور بالخصوص سنت نبوی ﷺ کے عین مطابق ہر بات کا جواب مسکرا کر دینا اور انتہائی تلخ اور تند باتوں کو بھی برداشت کرکے صبر و تحمل کے ساتھ ان کا جواب دینا پسند آیا۔

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

اللہ تعالیٰ حضرت مولانا دامت برکاتہم صاحب کی عمر و علم میں برکت عطا فرمائے تاکہ خلق خدا ان کی ذات سے فائدہ اٹھاتی رہے۔ اور دعا ہے کہ ہم لوگ مسالک اور فرقہ واریت کے جھگڑوں کے بجائے آپس میں رابطہ بڑھائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہمارے درمیان دوریوں کی جو ایک خلیج پیدا ہو چلی ہے وہ دور ہوجائے اور مسلمان خواہ وہ بریلوی ہو یا دیوبندی یا کوئی اور مسلک کا ماننے

والا ہو آپس میں متحد ہو جائیں۔

منفعت بھی ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی ، دین بھی ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی ، اللہ بھی قرآن بھی ایک
کیا بڑی بات تھی جو ہوتے مسلمان بھی ایک

آج بارہ مئی ہے

بارہ مئی 2004ء اور بارہ مئی 2007ء پاکستان بالخصوص کراچی کی تاریخ کے سیاہ ترین دن ہیں ۔ وہ دن جب اقتدار اور طاقت کے نشے میں چور ایک دہشت گرد گروپ نے سر عام بے گناہ انسانوں کے خون سے ہولی کھیلی۔ بارہ مئی 2007ء تو سب لوگوں کو یاد ہے مگر بارہ مئی 2004ء بہت کم لوگوں کو یاد ہے۔ بارہ مئی 2004ء کو کراچی میں قومی اسمبلی کے تین اور صوبائی اسمبلی کے ایک حلقے میں ضمنی انتخابات ہورہے تھے۔ لیکن اصل معرکہ حلقہ این اے 246ء عزیز آباد کی نشست پر تھا کیوں کہ جنرل الیکشن 2002ء میں ایم ایم اے کے امیدوار راشد نسیم نے یہاں سے 32 ہزار سے زائد ووٹ لئے تھے۔ عزیز آباد کے حلقے سے ایم ایم اے کے امیدوار کو بتیس ہزار سے زائد ووٹ ملنا ایم کیو ایم کے لئے خطرے کی گھنٹی تھی۔ اس لئے انہوں نے پوری کوشش کی کہ یہاں اپنا مکمل کنٹرول کرکے جعلی ووٹ بھگتائے جائیں تاکہ دنیا کو یہ تاثر دیا جاسکے کہ یہاں ایم کیو ایم کے علاوہ کوئی دوسری قوت موجود نہیں ہے۔ لیکن ایم ایم اے نے بھی اس بار مکمل تیاری کے ساتھ الیکشن میں حصہ لیا تھا اور جعلی ووٹنگ کو ناکام بنانے کا عزم کررکھا تھا۔ اور ایک بجے تک جب ایم کیو ایم کی پوری کوشش کے باوجود جعلی ووٹنگ نہ ہوسکی تو پھر انہوں نے کھلم کھلا دہشت گردی شروع کردی اور سب سے پہلے غریب آباد

کے علاقے میں ایم ایم اے کے پولنگ کیمپ پر حملہ کرکے براہ راست فائرنگ شروع کردی۔ اس کے بعد سراج الدولہ کالج، پھر شاہ ولایت اسکول اور سب سے آخر میں لیاقت آباد چار نمبر کے پولنگ اسٹیشن پر قبضہ کرکے جعلی ووٹ بھگتائے گئے اور پھر ایک سیٹ حاصل کرنے کے لئے جماعت اسلامی کے نو افراد کو قتل کیا گیا۔ افسوس ناک بات یہ ہے کہ آٹھ افراد کو تو پولنگ اسٹیشن اور پولنگ کیمپ پر حملہ کرکے قتل کیا گیا لیکن لائنز ایریا میں الخدمت کے کونسلر عشرت عرف پٹن بھائی کو گھر سے باہر بلا کر گولی ماری گئی تھی۔

تین سال کے بعد 2007ء میں ٹھیک بارہ مئی والے ہی دن ایک بار پھر ایم کیو ایم تھی اور بیگناہوں کے تڑپتے لاشے تھے، لیکن 2004ء اور 2007ء میں ایک بہت بڑا فرق تھا۔ 2004ء میں مرنے والوں کا تعلق صرف جماعت اسلامی سے تھا، تین سال پہلے تک میڈیا اتنا ایڈوانس نہیں تھا اور تین سال پہلے تک جنرل مشرف اپنی مقبولیت کی انتہاؤں پر تھے۔ اس وقت انہوں نے مذہبی و جہادی تنظیموں کے خلاف کریک ڈاؤن شروع کیا تھا جس کے باعث وہ مغربی لابی اور سیکولر ازم کے حامی تنظیموں اور پریس کی آنکھ کا تارا تھے اس لئے جماعت اسلامی کے ان نو افراد کی شہادت کے دکھ کو صرف جماعت اسلامی نے ہی محسوس کیا، نہ پریس نے اس کو ہائی لائٹ کیا، نہ کسی تنظیم نے اس بارے میں زیادہ بات کرنے کی ضرورت محسوس کی اور نہ ہی کسی اینکرپرسن نے اس سانحے کو موضوع گفتگو بنانے کی

زحمت کی۔

لیکن 2007ء میں معاملہ کچھ اور تھا۔ نمبر ایک جنرل مشرف اپنی مقبولیت کھوتے جا رہے تھے۔ نمبر دو یہ کہ میڈیا بہت حد تک آزاد اور ایڈوانس ہو چکا تھا۔ تیسری بات یہ کہ مقتولین و مجروعین کا تعلق صرف جماعت اسلامی سے نہیں تھا بلکہ اس دفعہ سیکولرازم کی حامی جماعتیں (اے این پی، پی پی پی) بھی ایم کیو ایم کی دہشت گردی کا نشانہ بنی تھیں اس لئے بھی یہ معاملہ بہت زیادہ ہائی لائٹ ہوا، میڈیا میں ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے کے جذبے کے تحت قتل و غارت گری کے سارے مناظر براہ راست نشر کر دیئے اور اس طرح پورے ملک نے ایم کیو ایم کا وہ اصلی چہرہ دیکھ لیا جو پوری دنیا سے چھپا ہوا تھا۔اس سانحے کے فوری بعد جب میڈیا نے اس حوالے سے اپنے پروگرامات میں عوام کی براہ راست ٹیلیفون کالز کا سلسلہ شروع کیا تو ایم کیو ایم کے مینڈیٹ کی قلعی بھی کھل گئی، ٹی وی چینلز، ایف ایم چینلز، اخبارات میں مراسلوں کے ذریعے جس طرح ایم کیو ایم کی دہشت گردی، غنڈہ گردی کے خلاف آواز اٹھائی گئی اس چیز نے ایم کیو ایم کو خوفزدہ کر دیا اور پھر یہ ہوا کہ ٹی وی چینلز پر سیاسی ٹاک شوز اور مذاکروں میں براہ راست کالز کا سلسلہ بند کر دیا گیا جو کہ آج تک بند ہے (آپ سمجھ تو گئے ہونگے) ۔

بارہ مئی کی ایک اور اہم بات یہ ہے کہ اس وقت سندھ میں ایم کیو ایم کا گورنر تھا گورنر یعنی وفاق)، مشیر داخلہ بھی ایم کیو ایم کا تھا (وزیر یا مشیر داخلہ یعنی رینجرز،) پولیس اور قانون نافذ کرنے والے ادارے بھی ان کے ماتحت تھے)، سٹی گورنمنٹ بھی ان کے قبضے میں تھی (یعنی شہر میں اگر کہیں کنٹینر لگائے جارہے تھے تو سٹی گونمنٹ کو پتا کیوں نہ چل سکا)، وزیر اعلیٰ بھی ایم کیو ایم کا حمایت یافتہ تھا اور پورٹ اینڈ شپنگ کی وزارت بھی انکے پاس تھی (سارے کنٹینز کے پی ٹی سے نکلوائے گئے)۔ جبکہ بارہ مئی کو پورے دن کی قتل و غارت گری کے بعد جنرل مشرف نے لاہور میں جلسۂ عام میں اس دہشت گردی کی مذمت کے بجائے ایم کیو ایم کو شاباش دی اور اس ساری قتل و غارت گری کو ''عوام کی طاقت'' قرار دیا۔

اس سانحے کے بعد سندھ ہائی کورٹ نے اس پورے معاملے کا از خود نوٹس لیکر سارے واقعے کی عدالتی تحقیقات کا حکم دیدیا لیکن جب کورٹ کی کارروائی شروع ہوئی تو ایم کیو ایم کے دہشت گردوں نے ایک بار پھر عدالتوں کا گھیراؤ کرلیا، وکلاء کو زدوکوب کیا گیا اور اس واقعے کی تحقیقات ، تفتیش، عدالتی کارروائی نہیں ہونے دی اور پھر ایک اور سانحہ ہوا جب دہشت گردوں نے 9 اپریل 2008ء کو وکلاء کے چیمبر میں آگ لگا کر وکلاء کو زندہ جلا دیا گیا، جس کے بعد اس معاملے کی تحقیقات سرد خانے کا شکار ہو گئیں اور آج بھی اس معاملے

میں کوئی پیش رفت نہیں ہوئی۔

بارہ مئی 2004ء اور بارہ مئی 2007ء پاکستان بالخصوص کراچی کی تاریخ کے سیاہ ترین دن ہیں۔ وہ دن جب اقتدار اور طاقت کے نشے میں چور ایک دہشت گرد گروپ نے سر عام بے گناہ انسانوں کے خون سے ہولی کھیلی۔

بارہ مئی 2004ء اور بارہ مئی 2007ء کے متاثرین آج بھی انصاف کے منتظر ہیں۔

بارہ مئی کے واقعات اعلیٰ عدالتوں کی کارکردگی کے لئے بھی ایک سوالیہ نشان ہیں؟؟

کیا بارہ مئی کے متاثرین کو انصاف ملے گا؟؟

سانحۂ بارہ مئی کے ذمہ داران اس دنیا میں تو شائد بچ جائیں، یہاں تو شائد چرب زبانی، جھوٹ، اور پروپیگنڈے کے ذریعے لوگوں کو گمراہ کرلیں، یہاں تو شائد ان کے خلاف کوئی گواہی دینے کو تیار نہ ہو، یہاں تو شائد وہ سزا سے بچ جائیں لیکن وہ یاد رکھیں ایک عدالت اوپر بھی ہے جہاں کسی کے ساتھ ناانصافی نہ ہوگی۔وہاں کسی گواہی کی ضرورت نہ ہوگی۔

حالانکہ کے تم پر نگہبان مقرر ہیں، عالی قدر (تمہاری باتوں کے) لکھنے

والے، جو کچھ تم کرتے ہو وہ اسے جانتے ہیں۔ (سورہ انفطار آیت نمبر 10,11,12)

اس روز لوگ متفرق حالت میں پلٹیں گے تاکہ ان کے اعمال ان کو دکھائے جائیں۔ پھر جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر بدی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا۔ (سورہ الزلزال آیت نمبر 6,7,8)

لندن چائلڈ سیکس کیس

فی زمانہ اسلام کو برا بھلا کہنا ایک فیشن بن گیا ہے۔ منتشر ذہن، سیکولر ازم و کمیونزم کے ماننے والے دنیا کی ہر برائی ہر خامی کا ذمہ دار اسلام اور مسلمانوں کو قرار دیتے ہیں۔ وطن عزیز میں گزشتہ ایک عشرے سے دین بیزار، سیکولر لابی نے اپنے پر پرزے نکال لئے ہیں۔ جبکہ اس وقت موجود نجی چینلز بھی پاکستان اور اسلام کے بجائے بھارتی، امریکی، اور مغربی اقدار کو فروغ دے رہے ہیں اور اپنے پروگرامات کے شعائر اسلام کے خلاف مذموم پروپیگنڈہ کر رہے ہیں ۔ جبکہ ٹاک شوز، ڈراموں، اور فلموں میں اب کھلم کھلا اسلام کے خلاف باتیں کی جاتی ہیں اور لوگوں کے اندر دین بیزاری پیدا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

اسی مہم کا ایک حصہ مدارس کے خلاف منظم پروپیگنڈہ بھی ہے۔ مدارس کے اساتذہ کو ظالم، جابر، وحشی بنا کر پیش کیا جاتا ہے جبکہ دینی مدارس کو دہشت گردی کے مراکز کہا جارہا ہے۔ دینی مدارس کے بارے میں ایک اور مذموم مہم یہ چلائی جاتی ہے کہ مدارس میں ہم جنس پرستی اور بچوں کے ساتھ جنسی زیادتی عام ہے۔ یہ گھناؤنا پروپیگنڈہ اس لئے کیا جاتا ہے کہ لوگ مدارس سے متنفر ہوجائیں اور اپنی اولادوں کو دینی تعلیم سے دور رکھیں۔ (لیکن الحمد اللہ اس تمام کے

باجود دینی مدارس میں داخلوں کا رجحان بڑھتا جارہا ہے)۔

کسی بھی قسم کے جرائم کو کسی خاص گروہ یا فرقے کی سے منسوب نہیں کرنا چاہئے بلکہ اس کو ایک جرم اور گناہ ہی سمجھا جانا چاہئے ۔ہم جنس پرستی اور بچوں کے ساتھ زیادتی کے جرائم انتہائی گھناؤنے پن اور پست ذہنیت کی علامت ہیں لیکن ان کو مدارس کے ساتھ مخصوص و منسوب کرنا اس سے بھی بڑا جرم ہے۔ کیا ہمارے معاشرے میں عام طور سے یہ جرم نہیں ہوتا؟؟ کیا کم سن بچیوں کے ساتھ زیادتی کے واقعات کا رجحان بڑھ نہیں گیا ہے؟؟ کیا دہشت گردی کے واقعات میں عام اضافہ نہیں ہوگیا ہے؟؟اور کیا کراچی و دیگر شہروں میں دہشت گردی، ٹارگٹ کلنگ، موبائل چھننے اور ڈکیتی کی وارداتوں میں کالجز اور یونیورسٹیوں کے فارغ التحصیل افراد ملوث نہیں ہیں؟ تو کیا ان باتوں کو جواز بنا کر ہم کالجز اور یونیورسٹیز کے خلاف مہم چلانا شروع کردیں اور ان اداروں کو بند کرنے کا مطالبہ کردیں؟ اور کیا چند ایک ایسے لوگوں کے مکروہ کردار کے باعث ہم یونیورسٹی اور کالجز کے تمام ہی طلبہ وطالبات کے بارے میں یہ گمان کرلیں کہ یہ سارے کے سارے بد کردار اور جرائم پیشہ ہیں؟؟ ایسی خبریں بھی سامنے آئی ہیں کہ اسکول اور کالجز کے اساتذہ نے طلبہ وطالبات کے ساتھ زیادتی کی یا امتحانات میں کامیابی کے عوض ان کا جنسی استحصال کیا اور بعد میں بلیک میل بھی کیا (جامعہ پنجاب کے پروفیسر افتخار کی مثال سامنے ہے)۔

تو کیا ہم یہ کہنا شروع کر دیں کہ اسکول اور کالجز کے تمام ہی اساتذہ بے راہ رو ہیں اور وہ طلبہ و طالبات کے ساتھ جنسی زیادتیاں کرتے ہیں؟؟ میرے خیال میں کوئی بھی عقل و شعور رکھنے والا فرد ہماری اس بات سے اتفاق نہیں کرے گا۔ تو پھر دینی مدارس کو ہی دہشت گردی کے مراکز قرار دینا اور دینی مدارس کے اساتذہ و طلبہ پر ہم جنس پرستی اور بچوں سے زیادتی کا ذمہ دار ٹھہرانا درست ہوگا؟۔ دیکھیں جرائم کے بڑھنے کی کچھ اہم اور بڑی وجوہات ہیں۔ ایک دین سے دوری اور تعلیم کا نہ ہونا، دوسرا قانون پر عمل درآمد نہ ہونا، تیسری اور اہم بات میڈیا کے ذریعے وی آئی پی کلچر کا فروغ اور جذبات کو برانگیختہ کرنے والے بے ہودہ پروگرامات اور بے حیائی پر مبنی ڈراموں اور فلموں کا عام ہونا جس کے باعث لوگوں کے جذبات بھڑک اٹھتے ہیں اور پھر یہ جنسی درندے معصوم بچوں اور بچیوں کو اپنی ہوس کا نشانہ بناتے ہیں، جبکہ وی آئی پی کلچر، امیرانہ طرز زندگی اور شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ پر مبنی ڈرامے اور پروگرامات لوگوں میں بالخصوص نوجوانوں میں احساس محرومی پیدا کرتے ہیں اور یہ نوجوان اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے ہر جائز و ناجائز کام کرنے کو تیار ہوجاتے ہیں جس کے باعث اغوا برائے تاوان، ڈکیتیوں اور موبائل چھننے کی وارداتوں میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔

تمہید بہت طویل ہو گئی ہے ہم اصل بات کی طرف آتے ہیں اور یہ ایک خبر ہے جس

نے بطور ایک مسلمان اور پاکستانی میرا سر شرم سے جھکا دیا ہے۔آپ بھی یہ خبر پڑھیں۔اس وقت یہ خبر پوری دنیا کے اخبارات اور انٹرنیٹ پر گردش کر رہی ہے اور اسلام اور پاکستان کا نام "روشن" ہو رہا ہے۔آپ گوگل سرچ پر جا کر صرف child groming case london لکھیں تو اس کیس سے متعلق کئی پیجز کھل جائیں گے۔اب آپ لوگ یہ خبر پڑھیں۔

چائلڈ سیکس گرومنگ کیس میں 8 پاکستانیوں سمیت 9 افراد کو نابالغ لڑکیوں کی " گرومنگ، انہیں ریپ کرنے اور انہیں جنسی تسکین کے لئے دوسرے مردوں کو فراہم کرنے کے جرائم ثابت ہونے پر طویل عرصہ کے لئے جیل بھیج دیا ہے۔لیورپول کراؤن کورٹ نے ان افراد کو منگل کے روز مجرم قرار دیا تھا اور اس کیس میں ملوث 59 سالہ شخص پر گرومنگ اور ریپ کے تمام الزامات ثابت ہو گئے ہیں جس کے بعد اسے 19 سال قید کی سزا سنائی گئی۔ عدالت کو بتایا گیا کہ ان سفید فام دوشیزاؤں کو دو ٹیک اویز کے باہر پھانسا جاتا تھا اور ان میں سے اکثر کو انہی ٹیک اویز کے اوپر والے کمروں میں لے جا کر ریپ کیا جاتا تھا۔ بعض اوقات ڈرنک لڑکیوں کو بھی ریپ کیا جاتا تھا۔ایک کمسن لڑکی نے عدالت کو بتایا کہ اسے دو مردوں نے ایک رات میں اس وقت ریپ کیا جب وہ سخت نشے میں تھی اور الٹیاں کر رہی ہے۔ کراؤن کورٹ کے جج جیرالڈ کلنٹن نے 59 سالہ شخص کو رنگ لیڈر قرار دیتے ہوئے کہا کہ اس نے 15 سالہ لڑکی کو ٹیک اوے کے ورکر

کبیر حسن کے ساتھ سیکس کرنے پر مجبور کیا۔ عدالت نے اسے ریپ، گرومنگ اور لڑکیوں کو سپلائی کے جرم میں 19 سال قید کی سزا دی۔ اور کراس ایوینو، اولڈھم کے ساله کبیر حسن کو ریپ کے جرم میں 9 برس قید اور ریپ کی سازش پر تین سال 25 قید کی سزا دی گئی۔ دونوں سزائیں ایک ساتھ شروع ہوں گی۔ آرمسٹرانگ ہرسٹ کلوز راچڈیل کے تین بچوں کے باپ 41 ساله ٹیکسی ڈرائیور عبدالعزیز کو لڑکیاں سپلائی کرنے اور جنسی تسکین کے الزامات ثابت ہونے پر 9 سال قید کی سزا دی گئی۔ عدالت کو بتایا گیا کہ لڑکیوں کو سپلائی کرنے والا مرکزی کردار عبدالعزیز ہی تھا۔ ڈیری روڈ راچڈیل کے پانچ بچوں کے باپ 43 ساله عبدالرؤف نابالغ لڑکیوں کی سپلائی اور سیکس ایکسپلائٹیشن کے جرائم ثابت ہونے پر 6 سال کے لئے جیل کی سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیا گیا۔ مذہبی سٹڈیز کے ایک ٹیچر نے ایک 15 ساله لڑکی سے کہا تھا کہ اگر اس کے پاس اس کی عمر کی چھوٹی لڑکیاں ہیں تو وہ ان کو ساتھ لائے تاکہ انہیں بھی جنسی تسکین کے لئے دوسروں کے پاس بھیجا جائے۔ اوسوالڈ سٹریٹ راچڈیل کے 42 ساله عادل خان کو بھی انہی جرائم میں 8 سال قید کی سزا دی گئی۔ عادل خان شادی شدہ اور ایک بچے کا باپ ہے۔ اس پر الزام ہے کہ اس نے ایک 13 ساله لڑکی کو حاملہ کردیا تھا۔ جنیفر سٹریٹ راچڈیل کے 35 ساله محمد ساجد کو ریپ اور 16 سال سے کم عمر لڑکیوں کے ساتھ جنسی تعلقات قائم کرنے کے جرائم میں 12 سال قید کی سزا سنائی گئی۔ اس کو سزا پوری ہونے پر پاکستان ڈی پورٹ کرنے کا حکم بھی

دیا گیا ہے۔ فالنگ روڈ فالنگ کے 45 سالہ محمد امین کو جنسی تشدد کے جرم میں 5 سال قید کی سزا سنائی گئی۔ وہ ایک ٹیکسی ڈرائیور تھا اور "کارزیرو" کے نام سے جانا جاتا تھا۔ سالہ افغان نژاد حامد صافی کو لڑکیاں سپلائی کرنے کے جرم میں 4 سال قید کی سزا 22 دی گئی۔ رمزے سٹریٹ راچڈیل کے 44 سالہ عبدالقیوم عرف ٹائیگر کو 5 سال کے لئے جیل بھیج دیا گیا۔ جنسی گرومنگ کے ریپ گروپس پر الزام تھا کہ اس نے 16 سال سے کم عمر لڑکیوں کو نہ صرف اپنی جنسی تسکین کے لئے استعمال کیا بلکہ انہیں دوسرے افراد کو جنسی تشدد کے لئے بھیجا کراؤن کورٹ کو بتایا کہ ان میں سے بعض افراد نے سال تک کی عمر کی لڑکیوں کو بھی نہیں چھوڑا اور ان میں یہ ایک 13 سالہ لڑکی 13 حاملہ بھی ہو گئی تھی عدالت کو یہ بتایا گیا کہ ان افراد نے لڑکیوں کو شراب اور منشیات کے عوض اپنی ہوس کا نشانہ بنایا اور دوسروں کو بھی اس مقصد کے لئے یہ لڑکیاں سپلائی " کی گئیں۔

آپ لوگوں نے یہ خبر ملاحظہ کی۔ اب غور کیجئے کہ ان میں سے کسی کا تعلق بھی کسی مدرسے سے نہیں ہے۔ یہ لوگ کوئی جاہل یا اجڈ نہیں ہیں بلکہ پڑھے لکھے افراد ہیں۔ یہ لوگ کسی پسماندہ اور تہذیب و تمدن سے دور کسی علاقے کے رہنے والے نہیں ہیں بلکہ عشروں سے یہ لوگ دنیا کے مہذب ترین ملکوں میں سے ایک ملک برطانیہ میں مقیم ہیں ۔پھر یہ سب کیا ہے؟؟؟ اب کیا اس واقعے کی بنا پر

ہم یہ کہہ دیں کہ تمام ہی تارکین وطن ایسے ہی سرگرمیوں میں ملوث ہیں۔

ہم اب اس پر مزید کوئی تبصرہ یا بات کرنے کے بجائے یہ کام قارئین پر چھوڑتے ہیں کہ وہ اس بارے میں کیا رائے دیتے ہیں۔ہماری درخواست صرف اتنی ہے کہ کسی بھی جرم کو کسی مخصوص مذہب، قوم، یا طبقے سے منسوب نہ کیا جائے بلکہ صرف مجرم کو ہی اس کی سزا دی جائے اس کی کمیونٹی کو نہیں اس کے جرم کی سزا نہ دی جائے اور نہ ان کے خلاف پراپیگنڈہ کیا جائے۔ بالخصوص اسلام، مسلمان اور مدارس کے خلاف مذموم مہم نہ چلائی جائے۔

زرداری صاحب ! بزرگان دین کے نام پر تو فراڈ نہ کریں

آٹھ اپریل کو پاکستان کے صدر آصف علی زرداری صاحب نے انڈیا کا ایک نجی دورہ کیا۔ اس دورے کا مقصد ایک منت پوری کرنے کے لئے حضرت خواجہ غریب نواز رح کے مزار پر حاضری دینا بتایا گیا تھا۔ زراری صاحب نے جو بقول ان کے "نجی دورہ" تھا اس دورے میں ان کے ہمراہ ان کے صاحب زادے بلاول بھٹو زرداری بھی تھے جبکہ ان کی کابینہ کے کئی افراد بھی ان اس موقع پر موجود تھے۔ اس دورے میں انہوں نے خواجہ صاحب کے مزار پر حاضری کے ساتھ ساتھ بھارتی وزیر اعظم من موہن سنگھ کے ساتھ ایک مختصر ون ٹو ون ملاقات بھی کی تھی۔

خیر جناب تو اس نجی دورے" میں انہوں نے خواجہ صاحب کے مزار پر حاضری کے موقع پر مزار کے لئے دس لاکھ ڈالر چندے کا اعلان بھی کیا۔ اگرچہ یہ اعلان بھی غیر متوقع ہی تھا اور اس میں صدر صاحب نے بہت ہی زیادہ کشادہ دلی اور سخاوت کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس اعلان کے ساتھ ہی چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں ۔ ہمیں بھی بڑی حیرت ہوئی کہ ایک ایسی قوم جو قرضوں میں ڈوبی ہوئی ہے، جہاں غربت ہے، بے روزگاری ہے، لوگ خود کشیاں کر رہے ہیں۔ وہاں کے صدر صاحب نے اتنی خطیر رقم کا اعلان کر دیا۔

خیر صاحب صدر صاحب تو وہاں اپنی واہ واہ کروائی اور اسی دن شام کو واپس پاکستان پہنچ گئے۔ گذشتہ دنوں ایک بھارتی شہری نے انڈین ایکٹ" رائٹ تو انفارمیشن " کے تحت مزار شریف کی انتظامیہ سے اس چندے اور اس کے اخراجات کی بابت دریافت کیا، اس کے جواب میں مزار کی انتظامیہ نے جو خط لکھا اس میں واضح طور پر کہا کہ آٹھ اپریل کو صدر زرداری صاحب نے دس لاکھ ڈالر چندے کا اعلان کیا تھا لیکن آج آٹھ مئی (جب خط لکھا جارہا تھا) تک کوئی رقم موصول نہیں ہوئی ہے۔

ادھر پاکستان میں بھی دس لاکھ ڈالر کے چندے کی بابت کئی سوالات کئے گئے سب سے بنیادی سوال جو اپوزیشن کی جانب سے اٹھایا گیا تھا وہ یہ کہ چونکہ صدر زرداری صاحب کا یہ نجی دورہ تھا اور یہ اعلان بھی انہوں نے سرکاری نہیں بلکہ ذاتی حیثیت میں کیا تھا تو کیا یہ دس لاکھ ڈالر صدر صاحب اپنی جیب سے ادا کریں گے یا سرکاری خزانے سے یہ رقم ادا کی جائے گی؟ ایک ماہ تک اس حوالے سے گومگو کی کیفیت کے بعد آخر کار صدارتی ترجمان فرحت اللہ بابر نے بالآخر یہ تسلیم کیا کہ یہ رقم سرکاری خزانے سے ادا کی جائے گی۔ صدرِ مملکت یہ رقم اپنی جیب سے ادا نہیں کریں گے۔

واہ زرداری صاحب ! دنیا والوں کے ساتھ تو آپ فراڈ کرتے ہی تھے، دنیا والوں کو تو اپنی سیاست سے گھما ہی رہے تھے لیکن یہ کیا کہ بزرگان دین کے ساتھ اور ان کے نام پر بھی اپنے مکروہ عزائم کی تکیمل سے باز نہیں آئے۔کہتے ہیں کہ نانی نے خصم کیا برا کیا، کرکے چھوڑ دیا اور بھی برا کیا۔ محترم ذرداری صاحب اول بات تو یہ کہ بزرگان دین آپ کے میرے، یا کسی کے بھی روپے ، پیسے ، نذر نیاز کے محتاج نہیں ہیں۔ یہ تو عقیدت مند اپنیجانب سے عقیدت، محبت کے اظہار اور بزرگان دین سے وابستگی کے باعث ان کے مزاروں پر چندے، نذر نیاز چڑھاتے ہیں ورنہ تمام ہی بزرگان دین کی ذات بابرکت ان چیزوں کی محتاج نہیں ہے۔ خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ کی ذات شریف کو بھی نہ تو آپ کے اس جھوٹی شان و شوکت سے کوئی واسطہ ہے اور نہ ہی آپ کے اس جھوٹے اعلان سے ان کو کوئی فرق پڑے گا، ارے زرداری صاحب یہ اولیاء کرام تو وہ ہیں کہ بادشاہ وقت بھی ان سے ملنے کے لئے ترستے تھے، ان کے لئے اشرفیوں، درہم و دیناروں کی ہر وقت بارشیں ہوتی رہتی تھیں لیکن اللہ کے یہ برگزیدہ بندے اس مال دنیا کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے تھے، بادشاہ وقت بھی جب ان اولیاء کرام سے ملنا چاہتا تھا تو تاریخ یہ بتاتی ہے کہ کسی کسی ولی اللہ نے کبھی بادشاہ کے دربار میں اس غرض سے قدم نہیں رکھا کہ بادشاہ وقت نے بلایا ہے بلکہ بادشاہ وقت خود چل کر ان کے پاس حاضری دینے آتے تھے (ہاں تاریخ یہ ضرور بتاتی ہے کہ جب کبھی بادشاہوں کو نصیحت کرنی ہوتی تھی ، ان کو اللہ کی

نافرمانی سے روکنا ہوتا تھا تو اس وقت یہی ولی اللہ خود بادشاہ کے دربار میں جا کر بے خوفی کے ساتھ کلمہ حق بلند کرتے تھے)اصل معاملہ یہ ہے کہ دنیا بھر کی نظروں میں اب پاکستان کا ایک امیج یہ بھی بنے گا کہ ان کے اعلیٰ ترین عہدوں پر فائز لوگ مقدس ہستیوں تک کے نام پر سیاست چمکاتے ہیں۔

جب آپ نے اعلان کر ہی دیا تو فوری طور پر اس پر عمل درآمد کراتے اور یہ رقم مزار کی انتظامیہ کے حوالے کرتے لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا۔ دوسری بات کہ یہ ساری رقم آپ کو اپنی جیب سے ادا کرنی چاہئے سرکاری خزانے سے نہیں۔ میرا محدود مطالعہ اور میرا ناقص علم یہ بتاتا ہے کہ کبھی بھی اولیاء کرام نے خلق خدا کو تکلیف دے کر کوئی راحت حاصل نہیں کی بلکہ خود تکلیفیں اٹھا کر خلق خدا کو راحتیں فراہم کی ہیں ۔ یہاں ایک ایمان افراز واقعہ بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ بات کو سمجھنے اور سمجھانے میں آسانی ہو جائے۔

بغداد میں ایک مشہور صوفی بزرگ ابن ساباط رح ہوا کرتے تھے۔ درویشی اور فقر اختیار کرنے سے پہلے آپ بغداد کے مشہور چور تھے، اور اسی باعث ان کا ایک ہاتھ بھی قلم کر دیا گیا تھا۔ ان کی توبہ کا واقعہ بھی ایمان افروز ہے۔ مختصراً اس کا بیان یہ ہے کہ ایک دن ابن ساباط ایک گھر میں چوری کے لئے گئے، ابھی مکان کا جائزہ لے ہی رہے تھے کہ ایک اور فرد کمرے میں داخل ہوا

یہ گھبرا گئے لیکن نوارد نے کہا کہ گھبراؤ نہیں ایسا کرو پہلے کچھ کھا پی لیتے ہیں، یہ کہہ کر نوارد نے مکان کے باورچی خانے سے دودھ کا ایک پیالہ بھر کر ان کو دیا، اب یہ سمجھ گئے کہ یہ بھی کوئی میرا ہم پیشہ چور ہے اور ہم غلطی سے ایک ہی مکان میں چوری کے لئے داخل ہو گئے ہیں۔ انہوں نے نوارد کو سختی سے کہا کہ دیکھو اس مکان میں پہلے میں داخل ہوا ہوں اس لئے زیادہ حصہ میرا ہوگا، نوارد نے کہا کہ کوئی بات نہیں تم سارا سامان لے جانا۔ اس کے بعد سامان سمیٹنے کا مرحلہ آیا تو ابن ساباط کو ایک ہاتھ کی وجہ سے مشکل پیش آئی، تو نوارد نے وہ سامان بھی اکٹھا کرکے اس کے ساتھ گٹھری باندھی، گھٹری بہت وزنی تھی ابن ساباط سے اٹھائی گئی تو انہوں نے نوارد کو کڑک کر کہا کہ یہ گھٹری میرے ساتھ لیکر چلو، نو وارد نے بلا چوں چراں وہ گھٹری اٹھائی، گھٹری بہت بھاری تھی اور نوارد بہت کمزور اور ضیعف تھا۔ بہرحال گرتے پڑتے ابن ساباط کے ٹھکانے تک پہنچے۔ وہاں پہنچ کر نوارد نے کہا کہ بھائی مجھے اس سامان میں سے کوئی حصہ نہیں چاہئے وہ مکان بھی میرا ہی تھا۔ یہ سامان میری طرف سے تم رکھ لو۔ ابن ساباط کہتے کہ میں حیران رہ گیا، جبکہ نوارد اندھیرے میں غائب ہوگیا۔ صبح ابن ساباط دوبارہ اسی محلے میں اسی مکان پر پر پہنچے کہ دیکھوں تو سہی یہ کس سیٹھ، تاجر یا مالدار کا مکان ہے جس نے اپنا سامان خود ہی مجھے دیدیا۔ لیکن وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہ کسی دنیا دار کا مکان نہیں بلکہ حضرت خواجہ جنید بغدادی رح کا مکان ہے اور رات

آپ نے خود ہی ابن ساباط کو سارا سامان دیدیا تھا۔ ابن ساباط کے دل پر اس واقعے نے اتنا اثر کیا کہ اسی وقت خواجہ جنید بغدادی رح کے قدموں میں گر کر معافی مانگی اور سچے دل سے توبہ کرلی۔ ابن ساباط رح فرماتے ہیں کہ سزا کی سختیاں، قید و بند اور ہاتھ قلم کرنے کے باوجود میں نے کبھی توبہ نہیں کی تھی لیکن ایک سچے مرد مومن اور ولی اللہ کے حسن سلوک نے مجھ سے توبہ کروائی۔ (یہی مکمل واقعہ ہماری ویب پر "کچھ وقت (اولیاء کرام کی صحبت میں ۔ تیسرا حصہ " میں شائع ہوچکا ہے

توزرداری صاحب اولیاء کرام آپ کی اس جھوٹی شون و شوکت کے طلب گار نہیں ہیں انہوں نے تکلیفیں اٹھا کر خلق خدا کو آسانیاں فراہم کی ہیں۔ اپنی گندی اور مکروہ سیاست میں اولیاء کرام کو شامل نہ کریں، ساڑھے چار سال تک تو آپ نے ساری اپوزیشن اور ساری اتحادی جماعتوں کو بے وقوف بنا کر گزار لئے لیکن ایسا نہ ہو کہ بزرگان دین کے ساتھ یہ چھچھورا مذاق کرنے کی پاداش میں کہیں آپ کا برا وقت نہ شروع ہوجائے۔ اس لئے توبہ کریں اور جس رقم کا آپ نے اعلان کیا ہے اس کو اپنی جیب سے ادا کریں سرکاری خزانے سے نہیں اور آئندہ بزرگان دین کے نام پر سیاست کرکے ان کے متعقدین کے جذبات سے نہیں کھیلیں۔

جناح پور کا سر کٹا جن اور سندھ محبت ریلی پر فائرنگ

پاکستان میں اس وقت نئے صوبوں کا ایک معاملہ اٹھ کھڑا ہوا ہے۔ سب سے پہلے یہ معاملہ خیبر پختونخواہ کے نام کی تبدیلی کے بعد ہزارہ۔برادری کی جانب سے اٹھایا گیا تھا، ان کا موقف تھا کہ سابقہ صوبہ سرحد اور موجودہ خیبر پختونخواہ میں صرف پشتو بولنے والا یا پٹھان ہی نہیں رہتے بلکہ دیگر قومیں بھی وہاں بستی ہیں اس لئے نام کی تبدیلی میں ان کا خیال بھی رکھا جاتا، اور پھر ہزارہ ڈویژن میں بابا حیدر زمان نے تحریک صوبہ ہزارہ کا آغاز کیا۔ حکومت مخالف جماعتوں نے حکومت کے خلاف ایک نیا محاذ اٹھتے دیکھا تو فوراً اس کی پذیرائی کی اور جبکہ اے این پی کی صوبائی حکومت نے اس کی سختی سے مخالفت کی۔ جبکہ ایم کیو ایم نے حکومت میں ہوتے ہوئے بھی تحریک صوبہ ہزارہ کی حمایت کی۔ آگے بڑھنے سے پہلے ایک حدیث مبارکہ یہاں پیش کرنا چاہوں گا۔

نبی اکرم ﷺ کی حدیث مبارکہ ہے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے عصبیت کی دعوت دی وہ ہم میں سے نہیں جس نے عصبیت پر لڑائی کی وہ ہم میں سے نہیں جس کی موت عصبیت پر ہوئی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

یہ انتہائی اہم حدیث مبارکہ ہے۔ اس حدیث میں مسلمانوں کو عصبیت سے بچنے کی ترغیب دی گئی ہے اور عصبیت کی خاطر بلانے والوں، لڑنے والوں، جان دینے والوں کے بارے میں یہ تنبیہہ کی گئی ہے کہ وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ اب اس حدیث کی مزید تشریح و تفہیم و علماء کرام ہی کر سکتے ہیں۔ ہم نہ تو کوئی مفتی ہیں اور نہ ہی کسی کو جنت و دوزخ کا پروانہ راہداری دینے کے مجاز ہیں اور نہ ہی کسی کو دائرہ اسلام سے خارج کر رہے ہیں بلکہ ہر فرد اس حدیث مبارکہ کے آئینے میں اپنا عکس دیکھ لے کہ وہ کہاں کھڑا ہے۔

یہاں یہ حدیث بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ نئے صوبے بننے میں کوئی حرج نہیں ہے اگر وہ انتظامی ضرورت کے بنائے جاتے ہیں لیکن کسی خاص قومیت یا فرقے کے نام پر کوئی صوبہ یا ضلع بننے کا مقصد یہ ہوا کہ قوم کو متحد کرنے کے بجائے منتشر کر دیا جائے، ان کو ٹکڑوں میں بانٹ دیا جائے۔ لیکن بد قسمتی سے ہمارے سیاستدانوں نے اپنے مفادات کی خاطر عصبیت کو ابھارنے کی شعوری کوشش کی، مسلم لیگ ن اور ایم کیو ایم نے ہزارہ صوبے کی حمایت کی، پی پی پی نے مسلم لیگ کو کمزور کرنے کے لئے سرائیکی صوبے کا شوشہ چھوڑ دیا تاکہ مسلم لیگ ن کے ووٹ بینک کو توڑا جا سکے۔ ادھر ایم کیو ایم نے فوری طور پر اس کی بھی حمایت کی اور نہ صرف حمایت کی بلکہ پنجاب کی صوبائی حکومت کو اس صوبے کی حمایت نہ

کرنے کی صورت میں لانگ مارچ کی دھمکی بھی دے ڈالی، خیر مسلم لیگ ن نے اس بار ایک اچھا کام یہ کیا کہ سرائیکی صوبے کے بجائے صوبہ بہاولپور کی بحالی اور جنوبی پنجاب صوبے کی قرار داد پیش کردی۔ اگرچہ یہ پنجاب میں ایک کے بجائے دو صوبوں کی قرار داد تھی لیکن بنیادی طور پر یہ کسی خاص قومیت کے نام پر نہیں بلکہ انتظامی لحاظ سے مطالبہ پیش کیا گیا ہے یعنی ان مجوزہ صوبوں میں سرائیکی بولنے والوں کے علاوہ جو دیگر زبانیں بولنے والے بستے ہیں ان کے اعتراض کی کوئی گنجائش نہ رکھی اور نہ ہی اس میں کہیں عصبیت کی بو محسوس ہوتی ہے۔

کراچی میں ایم کیو ایم نے مہاجروں کے نام پر اپنی سیاست کا آغاز کیا، اس کے ساتھ ساتھ متحدہ نے جناح پور کے قیام کو بھی اپنی ترجیحات میں شامل رکھا۔ نوے کی دہائی میں ایم کیو ایم کے خلاف آپریشن کے دوران الاعظم اسکوائر میں قائم ان کے مرکز پر چھاپے کے دوران جناح پور کے نقشے برآمد کئے گئے۔ آپریشن کے دوران اور بعد میں ایم کیو ایم نے جناح پور کے معاملے سے وقتی طور پر ہاتھ کھینچ لیا بلکہ مہاجر حقوق اور مہاجر نام سے ہی دستبردار ہو گئی۔ انیس سو ستانوے میں ایم کیو ایم مہاجر قومی موومنٹ سے متحدہ قومی موومنٹ میں تبدیل ہو گئی اور پورے ملک میں اپنی سیاسی سرگرمیوں کا آغاز کردیا۔ یہ ایک بڑی خوش آئند بات تھی اور ہے کیوں کہ لسانی سیاست سے لڑائی، جھگڑے اور

تعصبات کو فروغ ملتا ہے۔

ایم کیو ایم نے جب صوبہ ہزارہ اور پنجاب میں نئے صوبوں کی ہوا چلتی دیکھی تو فوراً اس کی حمایت کی اور اس حمایت کی ایک بہت بڑی وجہ جناح پور یا مہاجر صوبے کے لئے سازگار ماحول تیار کرنا تھا۔ پی پی پی جس نے پنجاب میں مسلم لیگ ن کو کمزور کرنے کے لئے نئے صوبوں کا شوشہ چھوڑا تھا اور پنجاب میں نئے صوبوں کی کھل کر حمایت کی تھی، اس کو اندازہ ہی نہیں تھا کہ اب وقت کی لگام ان کے ہاتھوں سے نکل گئ ہے۔ کیوں کہ پی پی پی اگر چہ ایک قومی جماعت ہے اور پورے ملک میں اس کا ووٹ بینک ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ سندھ کے اندر پی پی پی سے بڑی کوئی قوم پرست جماعت بھی نہیں ہے۔ سندھ کے اندر پی پی پی کو ہمیشہ سندھی وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو اور سندھی قوم پرستی کا ووٹ ملا ہے، اب پی پی پی کے لئے یہ انتہائی مشکل مرحلہ تھا کہ پنجاب میں تو سرائیکی صوبے کی بات کی جائے، پنجاب کی تقسیم کی بات تو کی جائے لیکن سندھ کی تقسیم کا مطلب ہے کہ اپنے سب سے مضبوط قلعے اور سب سے بڑے ووٹ بینک کو منتشر کردینا ہے۔ اس لئے ایسے موقع پر پی پی پی نے ہمیشہ سندھی قوم پرستوں کو آگے کیا ہے اور اس بار میں سندھ کی تقسیم اور مہاجر صوبے کے خلاف سندھ کے قوم پرست اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔

اب ایم کیو ایم کا معاملہ یہ ہے وہ چونکہ اپنے آپ کو قومی جماعت کہتی ہے، پورے ملک میں اپنے یونٹ اور سیکٹر آفسز قائم کر رہی ہے اور پورے ملک سے انتخابات میں حصہ لینے کا ارادہ رکھتی ہے۔ ایم کیو ایم نے بڑی مشکل سے ایک قومی جماعت کا امیج بنایا ہے اگر چہ اس کی دہشت گردی کے معاملات جاری ہیں) ۔اب وہ کھل کر جناح پور یا) مہاجر صوبے کی حمایت نہیں کر سکتی، اس لئے مہاجر صوبہ تحریک کے نام سے غیر معروف لوگوں کو آگے کیا گیا ہے جو کہ پورے ملک میں نئے صوبوں کے لئے سازگار ماحول میں مہاجر صوبے کی تحریک چلا رہے ہیں ۔ اس حوالے سے چند ماہ سے کراچی میں مظاہرے، اور ریلیوں کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے۔ ایم کیو ایم کہتی ہے کہ اس کا مہاجر صوبہ تحریک سے کوئی تعلق نہیں ہے لیکن مہاجر صوبہ تحریک کے مظاہروں اور ریلیوں کو منظم کرنے اور کنٹرول کرنے میں ایم کیو ایم کے یونٹ اور سیکٹر کے کارکنان آگے آگے ہیں۔ ایم کیو ایم کے تنظیمی سیٹ سے واقفت رکھنے والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ اگر ایم کیو ایم کا کارکن قائدین کی مرضی اور حکم کے بغیر کسی دوسری جماعت یا تحریک کی سرگرمی میں حصہ نہیں لے سکتا۔ اس لئے یہ بالکل واضح ہے کہ مہاجر صوبے کے پیچھے درحقیقت ایم کیو ایم ہی ہے۔ لیکن چونکہ وہ کھل کر اس کی حمایت نہیں کرتی اس لئے ہم یہاں "جناح پور کا سرکٹا جن " کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ (یہ اصطلاح دراصل جسارت میگزین کے لکھاری علی خان صاحب کی وضع کردہ ہے) سرکٹا اس لئے کہ بظاہر اس کا کوئی چہرہ نہیں ہے کہ کون اس کو

چلا رہا ہے۔ آج ہی اخبار کی خبر ہے کہ "سندھ محبت ریلی" پر فائرنگ کے سلسلے میں اہم شواہد ملنے کے بعد رینجرز نے ایم کیو ایم کے کئی دفاتر پر چھاپے مارے ہیں اور وہاں سے اٹھائیس دہشت گردوں کو حراست میں لیا ہے جبکہ دفاتر سے مہاجر صوبہ تحریک کا لٹریچر میں بڑی تعداد میں برآمد ہوا ہے۔ اس سے بھی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مہاجر صوبے کے پیچھے دراصل ایم کیو ایم ہی ہے۔

مہاجر صوبہ تحریک کے مظاہروں اور ریلیوں کے رد عمل میں سندھ کے قوم پرست میں میدان میں آ گئے اور انہوں نے اس کی مخالفت کا اعلان کر دیا۔ گذشتہ روز اسی سلسلے میں سندھ محبت ریلی کا اہتمام کیا گیا تھا۔ اس ریلی کا اہتمام عوامی تحریک کی جانب سے کیا گیا تھا اور اس میں مسلم لیگ ن، اے این پی، اور پیپلز امن کمیٹی کو شرکت کی دعوت دی گئی تھی۔ ریلی کا روٹ لیاری تا پریس کلب تھا لیکن جب یہ ریلی لی مارکیٹ نگار سینما کے قریب پہنچی تو ریلی اطراف کی عمارتوں میں مورچہ بند دہشت گردوں نے ریلی کے شرکاء پر براہ راست فائرنگ کر دی، دہشت گردوں کا نشانہ ریلی کی قیادت تھی بالخصوص پیپلز امن کمیٹی کے سربراہ عزیر جان بلوچ تھے۔ فائرنگ کے بعد عذیر جان بلوچ اور دیگر قائدین واپس چلے گئے۔ دہشت گردی کی اس کارروائی اور اس کے رد عمل کے نتیجے میں اطلاعات کے مطابق 14 افراد اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ جبکہ ابھی عوامی تحریک نے اس کے خلاف بدلہ لینے کا اعلان کیا ہے۔

اس ریلی پر فائرنگ کا مطلب یہ ہے کہ سندھ میں ایک بار پھر توے کی دہائی کے لسانی فسادات شروع ہونے والے ہیں، ان فسادات میں نقصان صرف اور صرف عوام کا ہوگا۔ اور ان فسادات سے علیحدگی پسندوں کے عزائم کی تکیمل ہوسکے گی۔ جبکہ اس وقت ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر قسم کے اختلافات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ملک کے دفاع اور استحکام کے لئے متحد ہوا جائے۔ یہ انتشار، تعصبات، لسانیت کا نام پر جھگڑے ملک کے مفاد میں نہیں ہیں۔

اے کاش کہ ہمارے یہ حکمران اور سیاست دان اپنے وقتی مفادات کے بجائے ایسے فیصلے اور ایسی پالیسیاں تشکیل دیں جو کہ ملک کے مفاد میں ہوں اور جن سے عوام کو ریلیف ملے۔ جماعت اسلامی کے سابق سربراہ قاضی حسین احمد نے اس سلسلے میں کوششیں کی ہیں اور ایک بار پھر تمام مکتبہ فکر کے علماء کو ایک ہی پلیٹ فارم پر جمع کرنے میں کامیاب ہوگئے ہیں اور ملی یکجہتی کونسل کو دوبارہ فعال کردیا گیا ہے۔ یادش بخیر ملی یکجہتی کونسل بھی توے ہی کی دہائی میں تشکیل دی گئی تھی جب ملک میں فرقہ وارانہ فسادات عروج پر تھے اور مساجد و امام بارگاہوں پر حملوں کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا۔ اس وقت قائد اہل سنت اور ہر دلعزیز مولانا شاہ احمد نورانی مرحوم کی محنت اور قاضی حسین احمد کی کاوشوں سے ملی یکجہتی کونسل تشکیل دی گئی تھی۔ اور اس کی تشکیل کے

بعد فرقہ وارانہ فسادات میں نمایاں کمی آئی تھی۔ اے کاش کہ عوامی مینڈیٹ کا دعویٰ کرنے والی جماعتیں بھی صرف عوام کو لڑانے کے بجائے عوام کو متحد کرنے کی بھی کوئی سنجیدہ کوشش کریں۔

نفرتوں کے سوداگر

اس وقت پورے ملک میں قوم پرستی کی آگ بھڑکائی جارہی ہے صوبہ سندھ اور بلوچستان میں اس آگ کی تپش کچھ زیادہ ہی ہے۔ ایک بڑا عجیب معاملہ یہ ہے کہ سندھی قوم پرست خود علی الاعلان سندھو دیش کا نعرہ لگائیں، سندھ کو توڑنے کی بات کریں۔ ان کے جلسوں اور ریلیوں میں پاکستان توڑنے کی بات کی جائے۔ زیادہ پرانی بات نہیں ہے جب مرحوم بشیر قریشی نے کراچی میں ریلی نکالی تھی۔ نمائش چورنگی پر یعنی مزار قائدؒ کے سامنے "کون توڑے گا پاکستان۔ بشیر خان بشیر خان" کے نعرے بلند کئے گئے تھے۔ (اب یہ اتفاق ہے کہ اس ریلی کے چند دن بعد ہی اللہ تعالیٰ نے بشیر خان مرحوم کو اپنے پاس بلالیا) ایک طرف تو یہ حال ہے دوسری جانب اگر کوئی دوسری پارٹی سندھ میں مزید صوبوں کا مطالبہ بھی کردے تو یہی قوم پرست فوراً حب الوطنی کا لبادہ اوڑھ کر اس کی مخالفت کرنا شروع کردیتے ہیں۔ ایسے کسی بھی موقع پر معلوم ہوتا ہے کہ شائد ان کے سے بڑھ کر کوئی بھی پاکستان کا خیر خواہ نہیں ہے لیکن جب بھی ان کو موقع ملتا ہے تو یہ سندھو دیش اور پاکستان توڑنے کی باتیں شروع کردیتے ہیں۔ یہ بات بھی آن ریکارڈ ہے کہ محترمہ بے نظیر بھٹو کے انتقال کے موقع پر گڑھی خدا بخش لاڑکانہ میں "پاکستان نہ کھپے کا نعرہ" بلند کیا گیا تھا۔ سندھ کے سابق وزیر داخلہ ذوالفقار مرزا یہ

انکشاف بھی آن ریکارڈ ہے کہ " بی بی کے قتل کے بعد ہم نے پاکستان توڑنے کا منصوبہ بنا لیا تھا مگر صدر زرداری نے ہمیں ایسا کرنے سے روک دیا " اگرچہ انہوں نے یہ بات صدر آصف علی زرداری کی حمایت میں کہی تھی لیکن بہر حال سچ تو سامنے آگیا۔

سندھ پاکستان کا حساس ترین صوبہ ہے۔ سیاسی پارٹیاں اپنے مفادات کے لئے ایک سے ایک شوشہ چھوڑتی رہتی ہیں یہ سوچے بغیر کہ اس کا انجام کیا ہوگا؟؟ لسانی بنیاد پر صوبے کے نام کی تبدیلی سے لسانیت کی جو آگ بھڑکائی گئی تھی وہ بڑھتی ہی جارہی ہے، سیاسی پارٹیاں اور نام نہاد قومی لیڈرز اس آگ کو بجھانے کے بجائے اس مزید پیٹرول چھڑک رہے ہیں۔اے این پی، پی پی پی ، مسلم لیگ نواز، ایم کیو ایم سب کے سب صرف پوائنٹ اسکورنگ میں لگے ہوئے ہیں یہ سوچے بغیر کہ ان کے کہے گئے چند الفاظ سے عوام پر کیا گزرتی ہے۔ کیا کبھی سندھی قوم پرستوں نے یہ سوچا ہے کہ وہ جو ایم کیو ایم اور مہاجروں کے خلاف بیان بازی کرتے ہیں اس کا کراچی میں موجود سندھیوں پر کیا اثر پڑتا ہے؟؟ اور کیا ایم کیو ایم نے کبھی یہ نہیں سوچا ہے کہ وہ جب سندھی اور پختون قوم پرستوں کے خلاف بیان بازی کرتے ہیں تو اس کا اندرون سندھ اردو بولنے والوں پر کیا اثر ہوتا ہے؟؟ یا کراچی کے کچھ مخصوص علاقوں میں رہنے والے مہاجروں پر کیا گزرتی ہے؟ میرے خیال میں ہمارے یہ لیڈرز اس بات کی کوئی پرواہ نہیں

کرتے بلکہ شائد قصداً وہ ایسے بیانات دیتے ہیں جس سے فسادات ہو جائیں اور ان لوگوں کی سیاست چمکے، عوام آپس میں دست و گریباں ہوں، اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کریں، ایک ہی محلے میں برسوں سے ساتھ رہنے والے ایک دوسرے کے جانی دشمن بن جائیں اور۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ لیڈرز دو دن بعد اسمبلی میں یا میٹنگوں میں ایک دوسرے کے ساتھ خوش گپیوں میں مشغول ہوتے ہیں۔

پختونخواہ میں ہزارہ صوبہ اور پنجاب میں سرائیکی صوبے کی بات چلی تو سندھ کیوں پیچھے رہتا، یہاں بھی مہاجر صوبے کی تحریک شروع ہو گئی۔ اب اس میں کوئی شک نہیں رہ گیا کہ اس کے پیچھے ایم کیو ایم ہی ہے۔ بہر حال مہاجر صوبے کی بات سنتے ہیں وہ سندھی قوم پرست جو دو ماہ پہلے تک سندھو دیش اور پاکستان توڑنے کے نعرے لگا رہے تھے اچانک محب وطن بن گئے اور اس مطالبے کو انہوں نے غداری کہتے ہوئے کراچی میں سندھ محبت ریلی نکالی، اس ریلی کے شرکاء پر گولیاں برسائی گئیں، اس سانحے میں بارہ افراد اپنی جان سے گئے۔ اب یہ بھی سامنے آگیا ہے کہ فائرنگ کرنے والے کون تھے اور مقصد کیا تھا؟ ادھر کراچی میں سندھ محبت ریلی پر فائرنگ کی گئی اس کے چند دن بعد ہی نوابشاہ میں مسافر بس پر فائرنگ کا اندوہناک سانحہ پیش آیا، اس سانحے میں آٹھ افراد جاں بحق اور 25 مسافر شدید زخمی ہوئے تھے۔ 29 مئی کو پولیس نے اس سانحے کے مرکزی ملزم اعجاز پیرادہ کو گرفتار کرلیا ہے۔ ملزم کا تعلق جئے سندھ

قومی محاذ ہے۔

قوم پرستی کی آگ میں جھلسے ہوئے یہ گروہ بے گناہ لوگوں کا خون بہا رہے ہیں اور کوئی نہیں سوچ رہا ہے کہ اس کا انجام کیا ہوگا؟؟؟ مجھے یہ بتایں کہ سندھ محبت ریلی پر فائرنگ کے متاثرین، انکے اہل خانہ اور دیگر دوست احباب کیا اب اردو بولنے والوں کے لئے اچھی رائے رکھیں گے؟ کیا ان کے دلوں میں مہاجروں کے خلاف نفرت نہیں بیٹھ جائے گی، اگر کوئی بہت ہی سمجھ دار ہوگا تو وہ شاید پوری کمیونٹی کو برا نہ کہے لیکن سانحے کے ذمہ داران کے بارے میں تو اس کے دل میں ہمیشہ نفرت رہے گی۔ اسی طرح سانحہ نوابشاہ کے جو متاثرین ہیں کیا وہ سندھیوں کے بارے میں کوئی اچھی رائے قائم کریں گے؟؟ کیا وہ سندھی قوم اور سندھ کے ہمیشہ کے لئے دشمن نہیں بن جائیں؟؟ بالخصوص سندھی قوم پرستوں کے لئے تو اب ان کے دلوں میں ہمیشہ نفرت ہی رہے گی۔

انہی نفرتوں کا شاخسانہ ہے کہ کراچی پھر لہو لہو ہے، ایک جانب بلوچ ٹارگٹ کلنگ کا شکار ہیں تو دوسری جانب اردو بولنے والوں کی ٹارگٹ کلنگ ہو رہی ہے۔ آئے روز بوڑھے ماں باپ جوان بچوں کی لاشیں اٹھا رہے ہیں اور نفرتوں کے سوداگر اسی میں خوش ہیں۔ ان لاشوں پر سیاست چمکائی جاتی ہے۔ سندھ ریلی میں فائرنگ سے انسان ہلاک ہوئے تھے، لیکن لطیف پلیجو نے اس موقع کو اپنی سیاست

کے لئے استعمال کیا اور مرنے والوں کے لئے کہا گیا کہ سندھی مرے ہیں۔ اسی طرح ایم کیو ایم کا معاملہ ہے، وہ بھی لاشوں کی سیاست کر رہی ہے۔ سارے لوگ عوام کی لاشوں پر سیاست چمکا رہے ہیں اور ان کو اس سے کوئی غرض نہیں ہے کہ مرنے والوں کے اہل خانہ پر کیا بیت رہی ہے؟؟ ان لوگوں کو تو ایسی ہر واردات سے خوشی ہوتی ہے کہ چلو ایک اور شہید کا اضافہ ہوگیا، چلو اب کچھ دن تک ان پر بیان بازی کی جائے گی۔
لیکن میں عوام سے یہ کہوں گا کہ خدا کے لئے اس بات کو سمجھیں کہ جب تک ہم قوم پرستی کی لعنت میں مبتلا رہیں گے یہ معاملات ایسے ہی رہیں گے۔ اللہ تعالٰی قرآن میں فرماتے ہیں کہ "اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ نہ کرو" (اللہ کی رسّی سے مراد اس کا دین ہے، اور اس کو رسّی سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ یہی وہ رشتہ ہے جو ایک طرف اہلِ ایمان کا تعلق اللہ سے قائم کرتا ہے اور د وسری طرف تمام ایمان لانے والوں کو باہم ملا کر ایک جماعت بناتا ہے۔ اس رسّی کو ± مضبوط پکڑنے" کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کی نگاہ میں اصل اہمیت "دین" کی ہو، "اسی سے ان کو دلچسپی ہو، اسی کی اقامت میں وہ کوشاں رہیں اور اسی کی خدمت کے لیے آپس میں تعاون کرتے رہیں۔ جہاں دین کی اساسی تعلیمات اور اس کی اقامت کے نصب العین سے مسلمان ہٹے اور ان کی توجہات اور دلچسپیاں جزئیات و فروع کی طرف منعطف ہوئیں، پھر

ان میں لازماً وہی تفرقہ و اختلاف رونما ہو جائے گا جو اس سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی امتوں کو ان کے اصل مقصدِ حیات سے منحرف کرکے دنیا اور آخرت کی رسوائیوں میں مبتلا کر چکا ہے۔"سید ابو الاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن ") ۔ جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لیس منا من دعا الی عصبیۃ ولیس منا من قاتل عصبیۃ ولیس منا من مات علی عصبیۃ۔ رواہ ابوداؤد ترجمہ : جس نے عصبیت کی طرف دعوت دی وہ ہم میں سے نہیں، جس نے عصبیت کے لیے جنگ کی وہ ہم میں سے نہیں، جو عصبیت پر مرا وہ ہم میں سے نہیں ہے " آپ بھی ان لوگوں سے اعلانِ برات کر دیں۔ پاکستان اسلام کے نام پر بنا تھا ہزارہ، سرائیکی، سندھی یا مہاجر کے نام پر نہیں۔ اس لئے قوم پرستی کی سیاست کرنے والوں کو رد کر دیں اور آپس میں اتحاد و اتفاق برقرار رکھیں۔

نام نہاد آزاد اور بے باک میڈیا بے نقاب

مختلف سازشوں اور اسکینڈلز کے بعد اب میڈیا بھی اسکینڈلز کی زد میں آگیا ہے۔ بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ میڈیا بے نقاب ہوگیا ہے۔ ہم بارہا یہاں یہ بات کہہ چکے ہیں ہمارا میڈیا نہ تو آزاد ہے اور نہ ہی دیانت دار بلکہ مغربی ایجنڈے پر چلتا ہے اور میڈیا کے نام نہاد اینکرز مغربی ایجنٹ ہیں۔ اب حال ہی میں یو ٹیوب کے ذریعے منظر عام پر آنے والی ویڈیو نے یہ بات واضح کردی کہ پورے ملک میں اخلاقیات، ایمانداری، قانون پسندی کا راگ الاپنے والے اندر سے کیا ہیں۔ یہاں یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ ہم نے کم وبیش ڈھائی سال قبل نجی ٹی وی چینلز کی خاتون اینکرز کی سی آئی اے ارکان کے ساتھ ''بے تکلفانہ انداز'' میں بنوائی گئی تصاویر قارئین سے شئیر کی تھیں۔ اس کے علاوہ انہی صفحات پر ہم نے مبشر لقمان کے بارے میں یہ کہا تھا کہ یہ فرد قادیانی لابی کا آدمی ہے۔ خیر اب صورتحال یہ ہے کہ ویڈیو میں یہ بات بے نقاب ہوئی کہ کس طرح ایک پلانٹڈ انٹرویو لیا گیا اور اس میں مبشر لقمان اپنی مرضی کے سوالات کرنے کے لئے ساتھی اینکر پر دباؤ ڈالتے رہے جبکہ انٹرویو کے دوران عبدالقادر گیلانی کی کال بھی آئی کہ فلاں فلاں بات بھی پوچھوں ملک ریاض سے۔

دنیا نیوز کی اس ویڈیو کو تمام ہی چینلز نے اپنا موضوع بنایا لیکن جیو نیوز نے خاص طرپر اس پر کئی پروگرامات کیئے، شائد اس کی وجہ یہ ہو کہ مبشر لقمان نے حامد میر کا نام لینے کی کوشش کی تھی۔ اب ہوا یہ کہ اس ویڈیو کے منظر عام پر آنے کے بعد دنیا نیوز اور جیو نیوز کے درمیان کشیدگی کا آغاز ہوا اور جیو نے مبشر لقمان کے کچے چٹھے کھولنے شروع کیئے۔ اس کے جواب میں اب دنیا نیوز نے بھی جیو کے خلاف ایک پروگرام کرڈالا ہے ۔لیکن بنیادی بات یہ ہے کہ میڈیا کے نمائندوں میں اکثریت دین بیزار، سیکولرازم کے حامی، اور مغربی ایجنڈے کو چلانے والوں کی ہیں جو کہ غیر ملکی این جی اوز سے ان خدمات کا ٹھیک ٹھاک معاوضہ وصول کرتے ہیں، ابھی تو یہ دیکھیں کہ اس بحر کی تہہ سے کیا نکلتا ہے۔

ہم یہاں ایک خبر قارئین سے شئیر کریں گے جس میں لوگوں کی فہرست ہے جو کہ ملک ریاض سے رقوم وصول کرتے رہے ہیں۔

ملک ریاض سے مالی فوائد لینے والے معروف و معتبر صحافی و اینکرز

پاکستانی تاریخ کے بڑے اسکینڈل کے مرکزی کردار ملک ریاض کی جانب سے متعدد معروف اور معتبر ''صحافیوں و اینکرز کو رقوم اور پلاٹ دینے کے دستاویزی شواہد'' سامنے آئے ہیں۔ بحریہ ٹاؤن کارپوریٹ ہیڈ آفس راولپنڈی، اسلام آباد کے

لیٹر ہیڈ پر جاری تفصیلات کے مطابق ملک ریاض کی جانب سے جن صحافیوں و اینکرز کو رقوم اور پلاٹس دیے گئے ان میں مبشر لقمان، ڈاکٹر شاہد مسعود، نجم سیٹھی، کامران خان، حسن نثار، حامد میر، مظہر عباس، مہر بخاری، ماروی سرمد، ارشد شریف، نصرت جاوید اور مشتاق منہاس وغیرہ شامل ہیں۔ بحریہ ٹاؤن کی جانب سے جاری کیے گئے دستاویزی شواہد کے مطابق ملک ریاض مبشر لقمان کو تین قسطوں میں 2 کروڑ 85 لاکھ روپے (جو نیشنل بینک میں ان کے اکاؤنٹ میں منتقل کیے گئے) اور مرسیڈیز بینز دی۔ ڈاکٹر شاہد مسعود کو ایک کروڑ 7 لاکھ روپے دیے (جو یکمشت نیشنل بینک میں ان کے اکاؤنٹ منتقل ہوئے)۔کے علاوہ 7 بار دبئی کا دورہ اور وہاں ہوٹل میں قیام کے اخراجات اور کرایے پر کار فراہم کی۔ میڈیا کے ایک بڑے گروپ کے ڈائریکٹر کرنٹ افیئرز نجم سیٹھی نے ایک کروڑ 94 لاکھ روپے وصول کیے (جو مسلم کمرشل بینک ڈی ایچ اے لاہور سے بحریہ ٹاؤن پرائیوٹ لمیٹڈ کے اکاؤنٹ ٹائٹل سے نجم سیٹھی کے اکاؤنٹ منتقل ہوئے)۔کے علاوہ بحریہ ٹاؤن لاہور میں MUCBPKKAA سوئفٹ کوڈ 7-14 ایک کنال پلاٹ لیا اور امریکا کا 3 دفعہ دورہ کیا جس میں تمام اخراجات ملک ریاض نے برداشت کیے۔ کامران خان نے 62 لاکھ روپے وصول کیے (جو NIBC بینک لمیٹڈ بحریہ ٹاؤن برانچ اکاؤنٹ نمبر 8263982 سے ان کے اکاؤنٹ میں منتقل ہوئے)۔ اس کے علاوہ ملک ریاض نے انہیں بحریہ ٹاؤن میں 2 کروڑ کا گھر دینے کا وعدہ کیا تھا جو مئی 2012 تک انہیں نہیں ملا۔ حسن نثار نے ایک کروڑ 10 لاکھ روپے وصول کیے۔ (یہ رقم ان کے اکاؤنٹ

میں بحریہ ٹاؤن کے اکاؤنٹ ٹائٹل کے نمبر 2-42279 کے علاوہ حبیب بینک لمیٹڈ
سے منتقل HABBPKKAX315 ایل ڈی اے پلازہ برانچ، لاہور کوڈ1315 سوئفٹ،
کی گئی)،اس کے علاوہ انہوں نے بحریہ ٹاؤن میں 10 مرلہ کا پلاٹ بھی لیا۔ دوسروں
کی پگڑیاں اچھالنے والے ایک معروف اینکر حامد میر نے ملک ریاض سے 2 کروڑ50
بینک لمیٹڈ، بحریہ ٹاؤن برانچ کے اکاؤنٹ نمبر NIBC لاکھ روپے وصول کیے (یہ رقم
سے ان کے بینک اکاؤنٹ میں منتقل ہوئی۔)حامد میر نے اسلام آباد میں 8284050
کنال کا پلاٹ بھی لیا۔مظہر عباس کو 10 لاکھ روپے (جو ان کے مسلم کمرشل بینک 5
اکاؤنٹ نمبر 007523220100012 4 میں ٹرانسفر ہوئے) اور لاہور میں 10
مرلہ کا پلاٹ دیا گیا۔ مہر بخاری کو ایک اور اینکر کاشف عباسی سے شادی کے موقع پر
لاکھ کی سلامی دی گئی اور اسلام آباد میں ایک کنال کا پلاٹ دیا گیا۔ماروی سرمد 50
بینک لمیٹڈ، بحریہ ٹاؤن NIBC نے 10 لاکھ روپے وصول کیے (جو ان کے اکاؤنٹ میں
برانچ کے اکاؤنٹ نمبر8284059 سے منتقل کی گئی)۔ارشد شریف کو ملک ریاض کے
کہنے پر نجی ٹی وی چینل دنیا نیوز کا بیورو چیف بنایا گیا۔اس کے علاوہ انہوں نے دو قسطوں
اکاؤنٹ نمبر UBL37100154 میں 85 لاکھ روپے لیے (جو ان کے اکاؤنٹ میں
سے منتقل کی گئی)۔ایک اور معروف، مظلوم اور معتبر اینکر نصر جاوید جو حب الوطنی کی
تصویر بنے نظر آتے ہیں، نے 78 لاکھ روپے وصول کیے (یہ رقم ان کے اکاؤنٹ میں
مسلم کمرشل بینک ڈی ایچ اے لاہور کے بحریہ ٹاؤن پرائیوٹ لمیٹڈ کے ٹائٹل اکاؤنٹ
نمبر 14-7 سوئفٹ کوڈ

سے منتقل کی گئی) اس کے علاوہ انہوں نے نذرانے میں ٹویوٹا MUCBPKKAA نمبر کرولا بھی لی۔ دستاویزی ثبوت کے مطابق ملک ریاض سے مالی فائدہ حاصل کرنے والوں میں آخری نام معروف صحافی مشتاق منہاس کا ہے جنہوں نے ملک ریاض سے دو قسطوں میں 55 لاکھ روپے لیے (یہ رقم بحریہ ٹاؤن پرائیوٹ لمیٹڈ کے اکاؤنٹ نمبر اور حبیب بینک لمیٹڈ، ایل ڈی اے پلازہ برانچ، لاہور کے کوڈ نمبر 6-51077 سے ان کے بینک اکاؤنٹ منتقل کی گئی۔ HABBPKKAX315 سوئفٹ نمبر 1315 جبکہ ابھی مزید تفصیلات سامنے آنا باقی ہیں۔اس کے بعد آپ خود ہی فیصلہ کرلیں کہ میڈیا کے بارے میں ہم جو کچھ کہتے رہے ہیں کیا وہ غلط تھا؟؟ اور کیا میڈیا پر جو بے حیائی، فحاشی، سیکولرازم، اور دینی مدارس و شعار اسلام کے خلاف جو مہم چلائی جارہی ہے اس کے کیا مقاصد ہو سکتے ہیں۔ اور جو لوگ پورے ملک کی برین واشنگ کرنے میں مصروف ہیں ان کا اپنا کردار کیا ہے اور وہ ہمارے معاشرے کو کس طرف لیجانا چاہتے ہیں۔

ہمیں قائد اعظم کا پاکستان دے دو

اس وقت میدان سیاست میں ہندو مسلمانوں کی جنگ ہو رہی ہے۔ لوگ پوچھتے ہیں کون فتح یاب ہوگا؟ علم غیب خدا کو ہے لیکن میں ایک مسلمان کی حیثیت سے علی الاعلان کہہ سکتا ہوں کہ اگر ہم قرآن مجید کو اپنا آخری اور قطعی رہبر بنا کر شیوہ صبر و رضا پہ کاربند ہوں اور اس ارشاد خداوندی کو کبھی فراموش نہ کریں کہ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں تو ہمیں دنیا کی کوئی ایک طاقت یا کئی طاقتیں مل کر بھی مغلوب نہیں کر سکتیں۔ ہم تعداد میں کم ہونے کے باوجود فتح یاب ہونگے اور اسی طرح فتح یاب ہونگے جس طرح مٹھی بھر مسلمانوں نے ایران و روم کی سلطنتوں کے تختے الٹ دیئے تھے۔ (حیدر آباد دکن میں جلسہ عام سے خطاب 11 جولائی 1946ء)

میرا ایمان ہے کہ ہماری نجات اس اسوہ حسنہ پر چلنے میں ہے جو ہمیں قانون عطا کرنے والے پیغمبر اسلام نے ہمارے لیے بنایا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی جمہوریت کی بنیادیں صحیح معنوں میں اسلامی تصورات و اصولوں پر رکھیں (شاہی دربار، سبی بلوچستان میں خطاب 14 فروری 1948ئ)

یاد رکھیے کہ پاکستان کا قیام ایک ایسا واقعہ ہے کہ جس کی تاریخ میں کوئی

مثال نہیں مل سکتی۔ یہ دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت ہے اور اگر ہم نے دیانت داری، تن دہی اور بے غرضی کے ساتھ کام کریں تو یہ بھی سال بہ سال شاندار ترقی کرتی رہے گی۔ مجھے عوام پر کامل بھروسہ ہے اور یقین ہے کہ ہر موقع پر وہ اسلام کی تاریخ، شان وشوکت اور روایات کے مطابق عمل پیرا ہونگے۔ (پاکستان کی پہلی سالگرہ 14 اگست 1948ء پر قائد اعظمؒ کا بیان)

پاک سرزمین پاکستان کا 65 واں یوم آزادی منایا جارہا ہے۔ میں نے مضمون کی ابتدا حضرت قائد اعظمؒ کے تین اقوال سے کی ہے۔ ان تینیوں میں اسلام، اسوہ رسول، امت اور اسلامی اصولوں کی بات کی گئی ہے۔ یہ اقوال تحریر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جب ہم پاکستان کی بات کرتے یں، جشن آزادی مناتے ہیں تو ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ قیام پاکستان کا مقصد کیا تھا؟ اس کی غرض و غایت یہی تھی کہ مسلمانوں کے لیے ایک ایسا خطہ حاصل کیا جائے جہاں ہم اسلامی اصولوں کے مطابق قانون سازی کرکے ایک عظیم اسلامی مملکت قائم کی جائے۔

ارض وطن جس کے حصول کے لیے دہائیوں تک جدو جہد کی گئی، گردنیں کٹوائی گئیں، عصمتیں لٹیں، جوان اولاد کے لاشے اٹھائے، صرف اس لیے کہ ہم ایک آزاد اسلامی ملک قائم کرسکیں لیکن بد قسمتی ۔۔۔۔۔۔ بد قسمتی سے حضرت قائد اعظمؒ قیام پاکستان کے بعد زیادہ عرصہ حیات نہ رہے۔ موت نے ان کو مہلت نہ دی اور

وہ پاکستان کو علامہ اقبال کے خواب کو تعبیر میں تبدیل نہ کر سکے۔ان کے بعد ان کے دیرینہ رفیق اور تحریک آزادی کے ساتھی قائد ملت خان لیاقت علی خان کو شہید کر دیا گیا۔

اس کے بعد عنان حکومت لبرل، سیکولر، عناصر کے ہاتھوں میں آ گئی۔ان مفاد پرست لوگوں نے اپنے مفادات کے لیے ملک کی نظریاتی سرحدوں کو کمزور کیا، ملک کو انتشار میں مبتلا کیا۔وہ پاکستان جسے ملک دنیا کے لیڈر کا کردار ادا کرنا تھا، جسے عالمی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دینا تھا اسے امریکہ اور مغربی طاقتوں کا باج گزار بنا دیا گیا۔وہ پاکستان جسے دنیا بھر کے مظلوم مسلمانوں کے اوپر ہونے والے مظالم کے خلاف آواز اٹھانی تھی، وہ اپنے ہی ایک حصے کشمیر کو بھارت سے آزاد نہیں کرا سکا ہے۔

میڈیا پر آج کل ایک بات کا بڑی شدومد سے چرچا کیا جاتا ہے کہ "ہمیں قائد اعظم کا پاکستان چاہیے" ایسا کہنے والے قائد اعظم کے لاتعداد اقوال اور تقاریر جو کہ اسلام، اسوہ حسنہ، امت مسلمہ اور اسلامی بھائی چارے سے متعلق ہیں ان اقوال کو چھوڑ کر ان کے چند ایک ایسے اقوال کو توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہیں جس میں اقلیتوں کے حقوق کی بات کی گئی، یہ سیکولر عناصر ان اقوال کی بنیاد پر کہتے ہیں کہ قائد اعظم اسلامی ملک کے بجائے سیکولر اسٹیٹ حاصل

کرنے چاہتے تھے۔ایسے تمام افراد کی خدمت میں ہم قائدِ اعظمؒ کے ایک انٹرویو کا اقتباس پیش کرنا چاہتے تھے۔انہوں نے آسٹریلیا کے ایک نامہ نگار کو 30 اکتوبر 1947ء میں دیا تھا۔آپ نے فرمایا" پاکستان دنیا کے نقشے پر جو لاتعداد ممالک سے بھرا پڑا ہے، محض ایک اور نام کا اضافہ نہیں ہے حقیقت یہ ہے کہ پاکستان اسلامی ممالک کی طویل صف میں ایک نہایت اہم اضافہ ہے۔آسٹریلیا کے پیغامات اور مراسلات بحیرہ روم اور یورپ تک اسلامی دنیا سے ہی گذر کر ہی پہنچ سکتے ہیں۔پاکستان قدرتی طور پر اسلامی ممالک سے بہتر قریبی تعلق رکھتا ہے۔(آسٹریلیا کے نامہ نگار کو انٹرویو 30 اکتوبر 1947ئ)

آیئے زرا یہ دیکھیے کہ 24 دسمبر 1947ء کو شرق اوسط کے سفیر کا استقبال کرتے ہوئے کیا کہا تھا۔" اسلام ہماری زندگی اور ہمارے وجود کا بنیادی سرچشمہ ہے۔اسلام نے ثقافتی اور تہذیبی ماضی اور ہماری گذشتہ روایات کو عرب دنیا سے اتنا وابستہ گہرا قریب کر رکھا ہے کہ اس امر میں تو کسی کو شبہ ہی نہیں ہونا چاہیے کہ ہم عربوں اور ان کے مسائل اور مقاصد سے مکمل ترین ہمدردی رکھتے ہیں۔

اس کے علاوہ ذرا یہ بھی دیکھیے کہ قیام کے اگلے سال عید کے موقع پر آپ نے عالم اسلام کو عید کا پیغام کن الفاظ میں دیا تھا۔"تمام اسلامی مملکتوں کو

عید مبارک ہو۔ میرا عید کا پیغام سوائے دوستی اور بھائی چارے کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ ہم سب یکساں طور پر خطرناک اور کٹھن دور سے گذر رہے ہیں۔ سیاسی اقتدار کا جو ڈرامہ فلسطین، انڈونیشیا اور کشمیر میں کھیلا جا رہا ہے، وہ ہماری آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہونا چاہیے۔ ہم اپنے اسلامی اتحاد ہی کے ذریعے دنیا کے مشورہ خانوں میں اپنی آواز کی قوت محسوس کرا سکتے ہیں (28 اگست 1948ء عالم اسلام کے نام عید کا پیغام)

آج جب دنیا بھر میں مسلمانوں پر ہونے والے مظالم کے خلاف پاکستان میں آواز اٹھائی جاتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ " کیا ہم نے پوری دنیا کا ٹھیکہ لے رکھا ہے؟" ان کی خدمت میں ہم کریں گے کہ ہاں ہم نے پوری دنیا کا تو نہیں لیکن عالم اسلام کا ٹھیکہ ضرور لے رکھا ہے اور یہ درس ہمیں حضرت قائد اعظمؒ نے ہی دیا ہے۔ آج ہمارا میڈیا برما کے مسلمانوں پر ہونے والے مظالم کی کوریج کا بائیکاٹ کرتا ہے اور کوئی خبر جاری نہیں کی جاتی، فلسطین میں اسرائیلی فوج کی جانب سے فلسطینی مسلمانوں کو شہید کیا جاتا ہے، ان کے گھروں پر بلڈوزر چلائے جاتے ہیں، آئے روز کشمیر میں بے گناہوں کو شہید کیا جاتا ہے، درجنوں افراد زخمی ہوتے ہیں لیکن ہماری حکومت اور ہمارا میڈیا اس پر آواز نہیں اُٹھاتا ہے۔ جبکہ بانی پاکستان قائد اعظمؒ نے فلسطین پر اسرائیلی قبضے کے وقت سے ہی اس کے خلاف آواز اٹھانی شروع کی تھی جبکہ اس قت پاکستان قائم بھی

نہیں ہوا تھا۔

آیئے دیکھیں کہ فلسطین کے بارے میں قائد اعظمؒ کے خیالات و نظریات کیا تھے؟"فلسطین کے بارے میں ہمارے موقف کی صراحت اقوام متحدہ میں پاکستانی وفد کے سربراہ محمد ظفر اللہ خان نے کردی ہے۔مجھے اب بھی یہ امید ہے کہ تقسیم کا منصوبہ مسترد کردیا جائے گا، ورنہ ایک خوفناک ترین اور بے مثال چپقلش کا شروع ہونا ناگزیر اور لازمی امر ہے۔یہ چپقلش صرف عربوں اور منصوبہ تقسیم کو نافذ کرنے والے اختیار کے مابین نہ ہوگی بلکہ پوری اسلامی دنیا اس کے فیصلے کے خلاف عملی طور پر بغاوت کرے گی، کیونکہ ایسے فیصلے کی حمایت نہ تاریخی اعتبار سے کی جاسکتی ہے اور نہ سیاسی اور اخلاقی طور پر۔اس صورت میں پاکستان کے پاس اس کے سوا کوئی اور چارہ نہ ہوگا کہ عربوں کی مکمل اور غیر مشروط حمایت کرے اور خواہ مخواہ اشتعال اور ناجائز دست درازیوں کو روکنے کے لیے جو کچھ اس کے بس میں ہے پورے جوش و خروش اور طاقت سے بروے کار لائے۔ (رائٹر کے نمائندے کو انٹرویو25اکتوبر1948ئ

یہ سارے اقوال دیکھ لیں، یہ ساری باتیں سن لیں۔اس کے بعد ہم سیکولر عناصر سے، حکومت سے اور مقتدر قوتوں سے یہی کہیں گے کہ ہاں " ہمیں بھی قائد اعظم کا پاکستان چاہیے" ان اقوال کی روشنی میں واضح ہوجاتا ہے کہ قائد اعظم

پاکستان کو ایک سیکولر اسٹیٹ نہیں بلکہ اسلامی سلطنت بنانا چاہتے تھے۔ ہمیں کسی ملا کا، کسی سیاسی جماعت کا، کسی فرقے کا پاکستان نہیں چاہیے، ہمیں کوئی امن کی آشا نہیں چاہیے جو دو قومی نظریے کی نفی کرتی ہو، ہمیں سب سے پہلے پاکستان کا گمراہ نعرہ بھی نہیں چاہیے بلکہ قائد اعظم کا پاکستان ہی چاہیے۔ ہمیں قائد اعظم کا پاکستان دیدو۔

پاکستان زندہ باد

توڑ پھوڑ اور جلاؤ گھیراؤ کا ذمہ دار کون؟

آفس وین میں خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ دن بھر کے تھکے ہارے لوگ جب گھروں کی جانب روانہ ہوتے ہیں تو عموماً ایسا ہی ہوتا ہے۔ ہاں صبح سویرے جب انسان آفس کے لیے روانہ ہوتا ہے اس وقت کیفیت کچھ اور ہوتی ہے۔ اس وقت انسان کا موڈ خوشگوار ہوتا ہے، اس کو شوخیاں سوجھ رہی ہوتی ہیں فقرے لبوں سے خود بخود مچل رہے ہوتے ہیں لیکن واپسی پر ایسا نہیں ہوتا ہے۔ پھر ہمارا تو کام بھی ایسا ہے کہ رات کو واپسی ہوتی ہے۔ دفتر سے نکل کر وین موبائل مارکیٹ، ایم اے جناح روڈ سے ہوتی ہوئی اپنے مخصوص روٹ پر چلی جاتی ہے۔ اس خاموشی کو ایک ساتھی کی آواز نے توڑا'' یار اتوار کو پھر ریلی ہے؟''

دوسرے نے لقمہ دیا'' لیکن حکومت نے تو آج ہی سے جلسے جلوس پر تین دن کی پابندی لگا دی ہے''

''ارے یار حکومت کی سنتا کون ہے؟ یہاں دیکھ لینا ریلیاں نکلیں گی اور پھر ہنگامہ ہوگا۔'' ایک اور ساتھی نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔ ان سب کی گفتگو کا مرکز اتوار تیس ستمبر کو ایک مذہبی جماعت کی جانب سے منعقد کی

جانے والے ریلی اور جمعہ اکیس ستمبر کو یومِ عشق رسولؐ پر ہونے والی توڑ پھوڑ اور جلاؤ گھیراؤ تھا۔

بلاشبہ اکیس ستمبر کو جو کچھ بھی ہوا وہ انتہائی قابل افسوس اور قابل مذمت فعل تھا بالخصوص اس حوالے سے کہ وہ دن پیارے حبیبؐ کے عشق کے طور پر منایا جارہا تھا۔ ہمارے پیارے حبیبؐ تو سراسر رحمت ہی رحمت ہیں، آپؐ کے نام سے موسوم دن کی حرمت کا تقاضہ یہی تھا کہ اس دن پر امن احتجاج ریکارڈ کرایا جاتا لیکن ایسا نہیں ہوسکا۔ کراچی، اسلام آباد اور پشاور میں احتجاج پر تشدد رنگ اختیار کرگیا اور جلاؤ گھیراؤ شروع ہوگیا۔ یہ انتہائی قابل افسوس واقعات ہیں اپنے ہی ملک کی املاک کو نقصان پہنچانا، اپنے ہی لوگوں کے مال کو جلانا، اپنے ہی بھائیوں کو مارنا کسی طور بھی جائز نہیں کہا جاسکتا۔

لیکن افسوس تو میڈیا پر بھی ہے کہ وہ صرف اس دن ہونے والے جلاؤ گھیراؤ کی فوٹیج دکھاتا رہا جبکہ ان تین شہروں کے علاوہ ملک کے طول و عرض میں تمام لوگوں نے بلا امتیاز رنگ و نسل اور بلاامتیاز عقیدہ و فرقہ لاکھوں افراد پر مشتمل پر امن ریلیاں اور جلوس نکالے جو کہ درود سلام کا ورد کرتے ہوئے پرامن طور پر منتشر بھی ہوئے۔ کئی مقامات پر ایسا بھی دیکھا گیا کہ ایک دوسرے کے جلوسوں اور ریلیوں کا خیر مقدم بھی کیا۔ کراچی ہی میں دو مقامات

پر میں نے خود ایسے مناظر دیکھے کہ مختلف مسالک کی ریلیوں کا جب آمنا سامنا ہوا تو انہوں نے ایک دوسرے کے لیے راستہ بنایا اور ایک دوسرے کو خوش آمدید کہا۔ لیکن دین بیزار میڈیا نے ایسی تمام ریلیوں کا بلیک آوٹ کرتے ہوئے قصداً پوری دنیا میں صرف جلاؤ گھیراؤ اور توڑ پھوڑ کے مناظر دکھائے اور پھر انہی کی بنیادوں پر مذاکرے اور مباحثے بھی منعقد کیئے اور پھر چشم فلک نے یہ منظر بھی دیکھا کہ ماضی میں ہفتے ہفتے بھر کی ہڑتالوں اور مہینے میں پندرہ پندرہ پر تشدد ہڑتالیں منعقد کرانے والے بھی عوام کو پر امن رہنے اور جلاؤ گھیراؤ کی مذمت کرتے نظر آئے۔ بہرحال بات کہیں سے کہیں نکل گئی۔

اتفاق کی بات ہے کہ آفس وین میں بھی اکثریت ایسے ہی لوگوں کی تھی جو مذہبی جماعتوں سے الرجک رہتے ہیں۔ اس لیے جب موضوع چھڑ گیا تو پھر جس جس کو موقع ملا اس نے گفتگو میں حصہ ڈالنا ضروری سمجھا اور گفتگو کا رخ اب کچھ طرف مڑ گیا۔ میں خاموشی سے ان کی باتیں سن رہا تھا اور کوشش کر رہا تھا کہ بیچ میں دخل نہ دوں کیوں کہ میرا اصول ہے کہ یا تو خاموش رہو، یا پھر کھل کر بولو!

''ارے یار کاہے کا احتجاج بس ان ملاؤں کو شور کرنا ہوتا ہے''

''اور کیا یار دیکھو ذرا اپنے ہی ملک کو نقصان پہنچا رہے ہیں''

''دنیا بھر میں مظاہرے ہوئے لیکن ایسا تو کہیں نہیں ہوا یار جیسا یہاں ہوا تھا''

"سارے لٹیرے تھے بھئی، چیزیں لوٹ رہے تھے"

ارے بھئی توڑ پھوڑ سے بہتر ہے کہ ان کی چیزوں کا بائیکاٹ کرو، وہ تو کرتے نہیں اور "چلے ہیں احتجاج کرنے"

بائیکاٹ! اگر آپ بائیکاٹ کریں اور جواب میں انہوں نے اپنی چیزیں بند کردی تو آپ کیا کرلیں گے، دوائیاں تک تو آپ امریکہ اور یورپ کی استعمال کرتے ہیں،

"داوائیاں تک تو آپ کے پاس نہیں ہوتی ہیں، مرنے لگیں گے سارے

"اور کیا یار جب کچھ کر نہیں سکتے تو بیٹھ جاؤ بلا وجہ قوم کو ٹینشن میں مبتلا کیوں کرنا"

ان کی باتیں اب برداشت کرنا مشکل ہوتا جارہا تھا۔ پھر میں نے بولنا شروع کیا۔

احتجاج قوم کا حق ہے۔ عوام نے اپنے احتجاج ریکارڈ کرایا۔ دنیا بھر میں جب احتجاج ہوا" تو وہاں کی حکومت نے اپنے ہی عوام کو تشدد کا نشانہ نہیں بنایا، ان کو احتجاج کا موقع فراہم کیا۔ تشدد کی بات کرتے ہیں تو پھر معلوم ہونا چاہیئے کہ لیبیا میں امریکی سفارتخانے میں توڑ پھوڑ کی گئی اور امریکی سفیر

سمیت چار اہلکاروں کو قتل کر دیا گیا، امریکہ نے کیا کر لیا وہاں ؟؟ لیبیا کی حکومت نے امریکہ سے معافی مانگ لی اور بس بات ختم ! یہ نہیں ہوا کہ اپنے ہی لوگوں کو مارنا شروع کر دیا۔ دنیا بھر میں جب احتجاج ہوتا ہے تو لوگ متعلقہ ملک سفارت خانے جاتے ہیں اس کے باہر احتجاج کرتے ہیں پھر وہاں کا کوئی نمائندہ ان سے بات کرتا ہے اور اس نمائندے یا سفیر کو یادداشت پیش کی جاتی اور احتجاج ریکارڈ کرایا جاتا ہے۔ ہمارے حکمرانوں نے صاف کہہ دیا کہ امریکی سفیر کو طلب کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں۔غلام لوگ ! ارے یار امریکہ ہمارا باپ ہے کیا؟ ان لوگوں نے امریکہ کو اپنا باپ بنا لیا۔ اگر حکومت پہلے دن سے درست اقدام اٹھاتی ، امریکی سفیر یا ناظم الامور کو دفتر خارجہ طلب کیا جاتا، اس سے احتجاج کیا جاتا ، اس کے ذریعے امریکی حکمرانوں تک اپنی بات پہنچائی جاتی تو شائد عوام اور سیاسی جماعتوں کو سڑکوں پر نکلنے کا کوئی جواز نہیں ملتا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ مہذب ملکوں کی بات کرتے ہیں تو معلوم ہونا چاہیے کہ دنیا بھر میں حکومتیں امریکہ سے زیادہ اپنے عوام کے مفادات کو دیکھتی ہیں۔ عوام احتجاج کرنا چاہتے ہیں تو ان کو سفات خانے جانے سے روکا نہیں یہاں تو امریکہ کی غلامی میں اپنے ہی لوگوں کو مارا جاتا ہے۔ امریکی سفارت خانے کو جانے والے راستے میلوں پہلے سے کنٹینر لگا کر بند کر دیئے جاتے ہیں۔ ایسے میں عوام کیا کریں گے ؟؟؟ شاہ سے زیادہ شاہ کے وفادار ہیں یہ لوگ ! اور جو لوٹ مار کی بات ہے نا میرے بھائی تو اگر ریلیوں میں شریک لوگ لٹیرے

ہوتے، اگر ان کا مقصد صرف لوٹ مار ہی کرنا ہوتا تو کراچی میں نشاط سینما کے سامنے ہی کراچی کی سب سے بڑی موبائل مارکیٹ ہے۔ اس موبائل مارکیٹ میں بھی ایک سنیما جلایا گیا ہے لیکن سینما کے ساتھ موجود موبائل کی دکانوں کا بال تک بیکا نہ ہوا۔ جلاؤ اور توڑ پھوڑ کی گئی بے شک کی گئی لیکن اگر مقصد صرف لوٹ مار ہوتا تو موبائل مارکیٹ کی ایک دکان بھی ثابت نہ بچتی، یہاں ایک ایک دکان میں لاکھوں روپے کے موبائل موجود ہیں۔ لاکھوں کا مجمع تھا ریلیوں میں کون روک سکتا تھا ان کو اگر وہ موبائل مارکیٹ پر ہلہ بول دیتے لیکن ایسا نہیں ہوا۔

میری ان باتوں کا جواب کسی کے پاس نہیں تھا وین میں خاموشی چھا چکی تھی۔

رمشاء کیس: دونوں گواہ منحرف، پولیس نے جبری بیان لیا

جنوں کا نام خرد پڑ گیا ہے، خرد کا جنوں
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

یہ شعر صادق آتا ہے ہمارے پاکستانی میڈیا کے اوپر۔ معاملہ یہ ہے کہ یہ جب چاہیں کس بھی غیر ضروری معاملے کو ضروری بنا کر پیش کردیں اور کسی بھی ضروری معاملے کو پس پشت رکھ لیں بلکہ اس کا بلیک آؤٹ کرلیں۔ ایسے معاملات تو عام طور سے سامنے آتے رہتے ہیں جس کی ایک اہم ترین مثال اکیس ستمبر یوم عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر میڈیا کا جو رویہ رہا یعنی پورے ملک میں ہونے پرامن مظاہروں اور ریلیوں کا بلیک آؤٹ کرتے ہوئے چند جگھوں پر ہونے والے پُرتشدد مظاہروں کو ہی ہائی لائٹ کیا جاتا رہا۔

اسی طرح رمشاء مسیح کیس کا معاملہ ہے۔ جب یہ معاملہ میڈیا پر آیا تو میڈیا نے پہلا جو موقف اختیار کیا کہ رمشاء مسیح ایک نابالغ اور ذہنی معذور لڑکی ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ اس حوالے سے ایک معصوم بچی کی تصویر دکھا کر رمشاء مسیح کے لئے عوامی ہمدردی حاصل کی گئی اور اس کے ساتھ ہی دنیا بھر میں پاکستان اور مذہبی حلقوں کو بدنام کرنے کی سازش میں حصہ لیا گیا۔ نوبت بہ ایں رسید

کہ امریکہ اور برطانیہ تک اس معاملے میں بول پڑے۔ اس کیس میں ایک انتہائی اہم موڑ اس وقت آیا جب اس کیس کے مدعی قاری خالد جدون کے خلاف ان کے نائب زبیر چشتی نے بیان دیا کہ رمشاء نے توہین قرآن نہیں کی بلکہ مقامی لوگوں نے وہاں سے عیسائی آبادی کو بے دخل کرنے کے لیے یہ معاملہ اٹھایا تھا اور جب یہ معاملہ قاری خالد جدون کے پاس آیا تو انہوں نے جلائے گئے صفحات میں مزید اوراق شامل کئے تاکہ کیس مضبوط کیا جاسکے۔ ادھر اس بیان کا آنا تھا کہ میڈیا کے ہاتھ میں تو ایک اہم ہتھیار آگیا۔ خبر نشر ہونے کے تھوڑی دیر بعد ہی اس پر مباحثے شروع ہوگئے۔ مغربی ایجنٹ لبنکر پرسنز نے اس موقع کو اپنے حق میں خوب استعمال کیا۔ اسلام کو براہ راست تو کچھ کہہ نہیں سکتے اس لئے مولویوں اور مدرسوں کی آڑ میں اسلام کو بدنام کیا گیا۔ نام نہاد سول سوسائٹی اور ہیومین رائٹس کے نمائندوں نے بھی دل کھول کر مذہبی حلقوں کو بدنام کیا اور اس موقع کو توہین قرآن کی مبینہ ملزمہ کو بے گناہ ثابت کرنے کے لئے استعمال کیا۔ قاری خالد جدون کے خلاف ایک اور گواہی آنے کے بعد رمشاء مسیح کو ضمانت پر رہا کردیا گیا اور وہ اس وقت نامعلوم مقام پر موجود ہیں۔

رمشاء مسیح کی ضمانت پر رہائی کے وقت میڈیا کا پہلا جھوٹ بے نقاب ہوا کہ جس معصوم بچی کو وہ رمشاء مسیح بنا کر میڈیا پر پیش کرتا رہا وہ تصویر

رمشاء مسیح کی تھی ہی نہیں بلکہ معلوم یہ ہوا کہ وہ تصویر تو آٹھ اکتوبر کو آزاد کشمیر میں قیامت خیز زلزلے سے متاثرہ ایک بچی کی تھی جس کو میڈیا نے اپنے مقصد کے لیے استعمال کیا۔ دوسرا جھوٹ یہ سامنے آیا کہ رمشاء مسیح جسے میڈیا گیارہ بارہ سال کی بچی کہتا رہا وہ گیارہ بارہ سال کی بچی نہیں بلکہ کم وبیش اٹھارہ بیس سال کی بالغ لڑکی ہے۔ (عین ممکن ہے کہ چند دنوں بعد یہ معلوم ہو کہ وہ ذہنی معذور بھی نہیں ہے)

یہاں تک تو میڈیا نے اس معاملے کو خوب اچھالا لیکن یکم اکتوبر کو اس کیس میں قاری خالد جدون کے خلاف گواہی دینے والے دونوں گواہان اپنے سابقہ بیان

سے مکر گئے۔ کیا آپ تک یہ خبر پہنچی ہے؟؟؟ میرا خیال نہیں بلکہ مجھے یقین ہے کہ کئی لوگوں کے لیے یہ خبر بالکل نئی ہوگی اور انہوں نے یہ خبر کسی چینل سے نہیں سنی ہوگی یا کسی اخبار میں ان کو یہ خبر نہیں نظر آئی ہوگی۔ کم از کم نمایاں تو نظر نہیں آئی ہوگی کیوں کہ میڈیا نے قاری خالد جدون کے خلاف دی جانے والی گواہی کو تو بریکنگ نیوز اور سب سے اہم خبر کے طور پر نشر کیا لیکن اس خبر کا مکمل طور پر بلیک آؤٹ کیا گیا۔ پہلے ہم آپ کے سامنے یہ خبر پیش کرتے ہیں۔ یہ خبر معروف خبر رساں ادرے آئی این پی اور آن لائن نے جاری کی تھی۔

اسلام آباد (آئی این پی/آن لائن) اسلام آباد ہائیکورٹ یں توہین قرآن کیس میں" رمشا مسیح کے خلاف مقدمے میں مولانا خالد جدون کیخلاف گواہی دینے والے 2 گواہان اپنے بیانات سے منحرف ہوگئے۔انہوں نے موقف اختیار کیا کہ پولیس نے ان پر تشدد کرکے مرضی کے بیانات لئے۔ مولانا خالدجدون نے شہادتوں میں کوئی ردو بدل نہیں کیا تھا۔ پیر کو لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس اقبال حمید الرحمٰن نے رمشا مسیح کیس کی سماعت کی تو اس دوران ڈرامائی تبدیلی اس وقت سامنے آئی جب کیس کے دو مرکزی گواہان دانش اور خرم نے عدالت میں بیان دیا کہ انہوں نے اس سے قبل جو بیانات دئے تھے وہ پولیس تشدد کے باعث دئے اور ان کو ختم کیا جائے۔ عدالت میں دانش اور خرم نے موقف اختیار کیا کہ پولیس نے

ان پر تشدد کرکے مولوی خالد جدون کیخلاف بیان لئے ہیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ۔ گواہان نے عدالت کو بتایا کہ امام مسجد خالد جدون نے شہادتوں میں کوئی ردو بدل نہیں کیا۔فاضل چیف جسٹس نے توہین قرآن کیس میں رمشا مسیح کے خلاف مقدمے کے اخراج کی درخواست پر حکم امتناع میں 17 اکتوبر تک توسیع کر دی ہے۔رمشاکے وکیل نے ہائی کورٹ میں دائر اپنی درخواست میں موقف اختیار کیا ہے کہ ان کی موکلہ کے خلاف درج کی جانے والی ایف آئی آر کا اندراج غلط ہے۔ حافظ زبیر کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولوی خالد جدون کا بیان جھوٹ پر مبنی ہے۔ مولوی خالد جدون نے غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے مقدمہ درج کرایا۔درخواست کے مطابق دو گواہان نے دفعہ 164کے تحت اپنے بیانات میں رمشا کو بے گناہ قرار دیا تھااور اس سارے معاملے کا کسی اور کو ذمہ دار ٹھہرایا گیا تھا۔جس پر اسلام آباد ہائی کورٹ نے ماتحت عدالت کو مقدمے کے فیصلے تک سماعت سے روک لیا تھا۔پیر کو درخواست کی سماعت کے دوران وکیل استغاثہ کے نمائندے ملک عماد نے عدالت کو بتایا کہ ان کے وکیل اسلام آباد سے باہر ہیں لہٰذا انہیں مہلت دی جائے۔جس پر عدالت نے ان کی استدعا منظور کرتے ہوئے حکم امتناع میں 17اکتوبر تک توسیع کرتے ہوئے سماعت ملتوی کردی۔ادھر مقدمہ میں گرفتار مولانا خالد جدون نے اسلام آباد مقامی عدالت میں درخواست ضمانت دائر کر دی ہے جس میں موقف اختیار کیاکہ وہ بے گناہ ہیں ۔رمشا مسیح کے خلاف گواہی دینے پر ان کے خلاف جھوٹا مقدمہ درج کیا گیا اس کیس کی

”مزید تفتیش ہونی چاہیے اور ان کی درخواست ضمانت کو منظور کیا جائے۔

اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ میڈیا آخر کس کے کہنے پر چل رہا ہے؟ اس کا ایجنڈا کیاہے؟ اس کو پاکستان اور اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے سے کیا فائدہ ہورہا ہے؟؟ اور سب سے اہم سوال کہ کیا یہ میڈیا جس کو ہم اپنا پاکستانی میڈیا کہتے ہیں کیا یہ واقعی ہمارا میڈیا ہے بھی یا نہیں؟؟ ذرا سوچیے!

کراچی خانہ جنگی کی طرف

کراچی میں یوں تو قتل و غارت گری اب معمول کی بات بن گئی ہے۔ روز کے دس سے پندرہ افراد کا قتل اب اس قدر عام ہوگیا ہے کہ نیوز چینلز کے لیے اب اس میں کوئی کشش نہیں رہ گئی ہے اور اب اتنے افراد کے قتل کی خبریں بلیٹن میں عام انداز میں پیش کی جاتی ہیں۔ یہ قتل و غارت گری تو اپنی جگہ لیکن اب کراچی میں مزید خونریزی کا خدشہ پیدا ہوگیا ہے، اور کراچی میں خانہ جنگی کے آثار پیدا ہو گئے ہیں۔
اس کی ابتداء ملالہ یوسف زئی پر طالبان کے مبینہ حملے کے بعد ہوئی ہے۔ملالہ یوسف زئی پر طالبان کے مبینہ حملے کے بعد میڈیا نے ایک عجیب و غریب ماحول بنادیا اور ایسا لگ رہا تھا کہ اس وقت پاکستان کا سب سے بڑا مسئلہ ملالہ پر حملہ ہی ہے۔ (ملالہ پر حملے کا ڈرامہ تو آہستہ آہستہ بے نقاب ہوتا جارہے)۔ خیر ملالہ پر حملے کے بعد سیکولر لابی نے ایک طوفانِ بد تمیزی مچا دیا، کیا میڈیا، کیا نام نہاد حقوق انسانی کی غیر سرکاری تنظیمیں، کیا سرکاری مشینری اور کیا سیکولر لابی سب نے اس موقع پر اپنے اپنے مفادات کے لیے استعمال کیا لیکن متحدہ کے قائد الطاف حسین نے سب سے بڑھ کر اس میں شور مچایا اور انھوں نے ایک قدم بڑھ کر یہ کہا کہ تمام آئمہ مساجد لازماً ملالہ پر حملے کی مذمت

کریں اور جو کوئی ایسا نہ کرے گا تو اس کی فہرست مرتب کی جائے گی۔ یہ بیان صریحاً انتہا پسندی، دہشت گردی اور آئمہ مساجد کو کھلی دھمکی تھی لیکن میڈیا اور حکومت نے اس پر کوئی توجہ نہ دی، انہوں نے اپنے خطاب میں ایک بار پھر یہ ثابت کیا کہ وہ پاکستان اور مسلمانوں کے بجائے یہود نصاریٰ کے ساتھی ہیں انہوں نے اپنی ایک تقریر میں غازی علم دین شہید کے بارے میں بھی نازیبا الفاظ استعمال کیے۔ غازی علم دین شہید کے بارے میں توہین آمیز الفاظ پر ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ تمام ہی سیاسی و سماجی تنظیمیں اس پر اپنے رد عمل کا اظہار کرتیں لیکن افسوس کہ ایسا نہیں ہوا البتہ مذہبی جماعتوں نے اس پر شدید رد عمل کا اظہار کیا۔

اس کے فوری بعد الطاف حسین نے اپنے کارکنوں کو آئمہ کرام کی فہرستیں مرتب کرنے کا حکم دیدیا اور آئمہ کرام کے بارے میں سروے کرکے ان کی فہرستیں مرتب کی جارہی ہیں۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ الطاف حسین نے کس اتھارٹی کے تحت یہ کام شروع کیا؟؟ ان کو یہ اختیار کس نے دیا کہ وہ ذاتی یا کسی جماعت کے سربراہ کی حیثیت سے یہ کوئی حکم جاری کریں؟؟ کیا یہ آئین و قانون کی خلاف ورزی نہیں ہے؟؟ اور کیا یہ بھی انتہا پسندی اور دہشت گردی نہیں ہے؟؟ کیا میڈیا کی نظر سے یہ باتیں نہیں گزری ہیں؟؟ اگر طالبان یا کوئی اور گروہ اگر سوات یا وزیرستان میں ایسا ہی کوئی حکم جاری کرتے تو اس وقت میں یہ

سارا میڈیا، سرکاری مشینری، نام نہاد این جی اوز خاموش رہتیں؟ جان کا خوف اور مال کا لالچ لوگوں کے ایمان کو کمزور کر دیتا ہے اور لوگ شہادت حق کو چھپاتے ہوئے جھوٹ کا ساتھ دیتے ہیں

بہر حال الطاف حسین کے ان اقدامات سے آئمہ مساجد اور دینی حلقوں میں ایک بے چینی پائی جاتی تھی، اب الطاف حسین نے ایک اور شوشہ چھوڑ دیا اور اب انہوں نے ایک ریفرنڈم کرانے کا اعلان کیا کہ عوام کو کس کا پاکستان کا چاہیے ؟؟ قائد اعظم کا یا طالبان ! بظاہر تو یہ بڑی اچھی بات کہ کسی بھی قومی مسئلے پر عوامی ریفرنڈم منعقد کر کے عوام کی رائے معلوم کی جائے۔ میں خود اس بات کے حق میں ہوں کہ پاکستان کو قائد اعظم اور علامہ اقبال کا پاکستان بننا چاہیئے (اور اس حوالے سے اپنے مختلف بلاگز میں یہ بات وضاحت سے پیش کی ہے اور ایک مضمون " ہمیں قائد اعظم کا پاکستان دیدو بھی تحریر کیا تھا) لیکن یہاں پھر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ قائد اعظم کیسا پاکستان " چاہتے تھے ؟؟ اس میں کوئی دو رائے نہیں ہے کہ پاکستان اسلام کے نام پر بنا تھا اور تحریک پاکستان کے وقت " پاکستان کا مطلب کیا ! لا الہ الا اللہ " کے نعرے نے بر صغیر کے مسلمانوں کو متحد کر دیا تھا۔ لیکن سیکولر لابی ان کی تقریر کے ایک جملے کو لیکر یہ بات کہتی ہے کہ قائد اعظم محمد علی جناح سیکولر تھے اور وہ پاکستان کو سیکولر بنانا چاہتے تھے۔

الطاف حسین بھی اسی مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے ہیں جن کے نزدیک قائدِ اعظم محمد علی جناح صاحب سیکولر تھے ، اب ظاہر سی بات ہے کہ عوام تو یہ بات جانتے ہیں کہ پاکستان اسلام کے نام پر بنا تھا اور دو قومی نظریہ اس کی بنیاد ہے۔ اسی وجہ سے وہ لا محالہ یہی کہیں گے کہ ہمیں طالبان کا نہیں قائدِ اعظم کا پاکستان چاہیے جبکہ سیکولر لابی ریفرنڈم کے ان نتائج کو اپنے حق میں اپنی سوچ کے مطابق استعمال کرے گی اور اس کے نتیجے میں ملک میں مزید انتشار اور افرا تفری پیدا ہوگی۔

دوسری جانب یہ بھی ہے کہ الطاف حسین اور دین بیزار طبقے کے نزدیک اسلام پر عمل کرنے والے تمام ہی لوگ طالبان ہیں، خواہ وہ کوئی داڑھی رکھنے والا مرد ہو یا پردہ کرنے والی عورت ان کے نزدیک یہ سب رجعت پسند اور طالبان ہیں ۔ اس لیے اس ریفرنڈم کی آڑ میں تمام ہی دینی طبقوں کو نشانہ بنایا جائے گا جبکہ الطاف حسین اس ریفرنڈم اور طالبان مخالف مہم کے ذریعے سب سے پہلے اپنی مخالفین اور دینی سیاسی جماعتوں کونشانہ بنائیں گے ، اس کے بعد کراچی پر بلا شرکت غیرے اپنا حق جتانے کے لیے اے این پی اور پختون آبادی کو اپنے نشانے پر لائیں گے ، اور اس کے بعد دیگر مذہبی غیر سیاسی جماعتوں کو ٹھکانے لگایا جائے گا۔ یہ دراصل ایک گہری منصوبہ بندی کے بعد تشکیل دیا گیا پلان ہے اور اس کے ذریعے ایک تیر سے کئی شکار کیے جائیں گے۔

ادھر تحریک طالبان پاکستان نے اپنے خلاف ریفرنڈم کے انعقاد کے رد عمل میں متحدہ کو مرتد اور ظالم جماعت قرار دیتے ہوئے اس کے خلاف کارروائی کا اعلان کر دیا ہے۔ یہ ایک بہت سنگین اعلان ہے۔ اس کے نتیجے میں فسادات کا انتہائی خدشہ موجود ہے۔ اور جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا کہ متحدہ اور الطاف حسین طالبان کی آڑ میں پختون آبادی اور اے این پی کو نشانہ بنائیں گے تو خدشہ ہے کہ کراچی میں مزید قتل و غارت گری بڑھ سکتی ہے۔

بات دراصل یہ ہے کہ متحدہ قومی موومنٹ نے لسانی بنیادوں پر ووٹ لیکر عوام کو بیوقوف بنایا، اس کے بعد متحدہ کے نام پر ووٹ لیکر عوام کا استحصال کیا، اور گذشتہ بیس سالوں میں انہوں نے عوام کو سوائے قتل و غارت گری کے کچھ نہیں دیا ہے۔ عوام اس بات کو اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ ایم کیو ایم دراصل مفاد پرستوں کا ایک ٹولہ ہے جو کہ ہر حال میں اقتدار میں رہنے کو مقدم سمجھتا ہے اور یہ عوام کے لئے کچھ کرنے کو تیار نہیں ہے۔ یہ بات متحدہ کے قائدین بھی اچھی طرح جانتے ہیں اس لئے اب انہوں نے بین المذاہب ہم آہنگی" اور ایک "امن پسند قائد" کے طور پر الطاف حسین کی شخصیت" کو پیش کرنا شروع کیا ہے تاکہ اب عوام کو اس طریقے سے بیوقوف بنایا جاسکے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ پاکستان کو اپنے حفظ وامان میں رکھے اور اس کی حفاظت فرمائے

بالخصوص کراچی کے لوگوں کو مفاد پرستوں سے نجات دلائے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم اللہ تعالی سے دعا گو ہیں کہ پاکستان کو حقیقی معنوں میں قائداعظم کا پاکستان بنائے وہ پاکستان جس کی شہہ رگ کشمیر ہے، وہ پاکستان جو کہ دو قومی نظریے کی بنیاد پر قائم ہوا تھا نہ کہ امن کی آشا والا پاکستان

ملالہ ڈرامہ: کیا اب بھی کوئی شبہ باقی ہے؟

لیجیے ملالہ ڈرامہ اب بے نقاب ہوتا جارہا ہے۔ اور اب اس ڈرامے کی تازہ ترین قسط یہ ہے کہ ملالہ کے والد ضیاء الدین کو برطانیہ میں پاکستانی قونصلیٹ میں نوکری دی جارہی ہے۔ کسی قونصلیٹ میں نوکری کرنا کوئی اچھنبے کی بات نہیں ہے اور نہ ہی یہ دنیا میں کوئی ایسا انوکھا واقعہ ہے کہ اس کو موضوع گفتگو بنایا جائے، لیکن یہاں بات کچھ اور ہے۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے ہمیں ملالہ یوسف زئی کے منظر عام پر آنے سے بات شروع کرنی ہوگی۔ ملالہ یوسف زئی نے 2009 میں گل مکئی کے فرضی نام بی بی سی پر ڈائری لکھنا شروع کی۔ اس کے ڈائری لکھنے کی وجہ اس کا اسکول بند ہونا بتایا گیا ہے کہ طالبان نے اس کا اسکول بند کردیا تھا اور ملالہ کو اپنی تعلیم جاری نہ رکھنے کا بہت رنج تھا۔ قارئین کرام یہاں یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ ملالہ یوسف زئی اپنے والد ضیاء الدین کے اسکول ”خوشحال پبلک اسکول اینڈ کالج سوات“ میں زیر تعلیم تھی اور اس اسکول کو نہ تو اس وقت تک دھمکیاں دی گئیں تھیں اور نہ ہی بند کیا گیا تھا اس لیے یہاں یہ بات غلط ثابت ہوئی کہ ملالہ کا اسکول بند ہوگیا تھا جس کے باعث اس نے ڈائری لکھنا شروع کی۔

اس کے بعد ڈائری کا معاملہ بھی مشکوک ہے سوات میں ملٹری آپریشن فروری 2009 میں کیا گیا ہے لیکن ملالہ یوسف زئی اپنی تین جنوری کی ڈائری میں لکھتی ہے کہ "میں نے کل ایک خوف ناک خواب دیکھا جس میں ملسح طالبان اور ہیلی کاپٹر دکھائی دیئے، سوات میں ملٹری آپریشن سے قبل بھی مجھے ایسے خواب آیا کرتے تھے" سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فروری میں ہونے والے آپریشن کا جنوری کی تین تاریخ کو کیسے ذکر کیا جارہا ہے؟؟ پھر اس ڈائری کی زبان اور اندازِ تحریر کسی چھٹی یا ساتویں کلاس کی بچی کا نہیں بلکہ کسی پختہ کار انسان کا نظر آتا ہے۔ غور کریں تو ایسی اور بھی باتیں سامنے آتی ہیں جو کہ اس ڈائری کو مشکوک ٹھہراتی ہیں۔

اب ہم درمیانی باتوں کو چھوڑ کر ملالہ پر حملے کے بعد کی بات کرتے ہیں۔ ملالہ پر حملے کے بعد میڈیا پر جو خبر اور فوٹیج جاری کی گئی اس کے مطابق ملالہ یوسف زئی کو سر پر گولی لگی ہے اور وہ گولی سر سے ہوتی ہوئی کاندھے کی طرف نکل گئی ہے۔ جبکہ فوٹیج میں اس کی پیشانی پر زخم کا نشان دکھایا گیا تھا۔ (یہ خبر اور فوٹیج میڈیا پر اسی طرح جاری کی گئی) پیشانی پر زخم آنے کا مقصد یہ ہوا کہ گولی نے دماغ کو بہت برے طریقے سے متاثر کیا ہے اور اس کی حالت تشویشناک ہے اور اصولاً ایسا ہونا بھی چاہئے تھا کہ جس اندز میں گولی لگی ہے اس میں تو زخم کاری ہی آتا ہے۔ پنڈی میں اس کا آپریشن کرکے

گولی نکال لی گئی اور اس کے بعد میڈیا پر کہا گیا کہ آپریشن کامیاب ہوگیا ہے اور وہ روبہ صحت ہے۔ لیکن اس خوشخبری کے بعد ہی اچانک اس کو ''علاج'' کے لیے برطانیہ روانہ کردیا گیا۔ یہاں یہ بات سمجھ نہیں آئی کہ جب اس کا پاکستان میں آپریشن بھی کامیاب ہوگیا تھا اور وہ روبہ صحت بھی تھی تو پھر اس کو برطانیہ کیوں بھیجا جارہا ہے؟؟ لیکن اس کا جواب آگے آئے گا۔

برطانیہ میں چند روز ہسپتال میں رہنے کے بعد ملالہ کی تصویر جاری کی گئی اس خوشخبری کے ساتھ کہ ملالہ نے تعلیم دشمنوں کو شکست دیدی ہے اور وہ اب تیزی سے صحت مند ہورہی ہے۔ یہ بڑی اچھی بات ہے کہ ایک بے گناہ بچی جو ظلم کا شکار ہوئی ہے اب وہ صحت مند ہورہی ہے اور اس کو ہونا بھی چاہئے اللہ اس کو لمبی عمر اور زندگی دے۔ آمین لیکن جو یہاں پھر ایک معاملہ بڑا عجیب نظر آیا کہ اب اس کی جو تصاویر جاری کی گئیں اس میں کہیں پر بھی اس کے چہرے پر یا پیشانی پر زخم کا کوئی نشان نہیں تھا۔ یا اللہ یہ کیا ماجرا ہے؟ کہاں تو کہا جارہا تھا کہ ایسا زخم کہ گولی پیشانی پر لگی اور وہاں سے ہوتی ہوئی کندھے تک جا پہنچی اور کہاں ایسا صاف شفاف ماتھا کہ جس پر زخم کا کوئی نشان تک نہیں تھا۔

چلیے یہاں بھی عوام نے کوئی خاص رد عمل نہیں دکھایا اور نہ ہی کسی نے اس

بات کو محسوس کیا، ظاہر ہے کہ میڈیا نے ماحول ہی ایسا بنایا ہوا ہے کہ جس میں سوائے طالبان کی مخالفت اور ملالہ کی مظلومیت کے کچھ نظر ہی نہیں آ رہا ہے۔ لیکن اب جو تازہ ترین صورتحال سامنے آئی ہے یعنی ملالہ کے والد کو برطانیہ میں پاکستانی قونصلیٹ میں ملازمت دینے کی بات (اس بات کی تصدیق خود ملالہ یوسف زئی کے والد نے بھی کی ہے کہ ان کی قونصلیٹ میں نوکری کے حوالے سے بات چیت ہوئی ہے اور ان کا انٹرویو بھی لیا گیا) تو اس ملازمت کا جواز بہت ہی عجیب اور بھونڈا دیا گیا۔ کہا گیا ہے کہ ملالہ یوسف زئی جس کے بارے میں عوام کو یہ خوشخبری سنائی گئی کہ اس کا کامیاب آپریشن پاکستان میں ہو چکا ہے اور جس کی برمنگھم کے ہسپتال سے جو تصاویر جاری کی گئیں ان میں معجزانہ طور پر سر پر گولی یا زخم کا کوئی نشان نہیں تھا اور کہ وہ بہت تیزی سے روبہ صحت ہے، اس ملالہ یوسف زئی کے بارے میں اب کہا جا رہا ہے کہ اس کی صحت ایسی نہیں کہ اس کو ہسپتال سے فوری ڈسچارج کیا جائے اور اس کو مکمل طور پر صحت یاب ہونے کے لیے کم و بیش دو سال کا عرصہ درکار ہوگا، اس دو سال کے عرصے میں ان کے والد محترم یہاں کیسے رہیں گے، گزر بسر کیسے ہوگی، اخراجات کیسے پورے ہونگے؟ اس کے لیے ان کو قونصلیٹ میں ملازمت دی جائے گی۔

جی کچھ بات سمجھ میں آ رہی ہے؟؟ کہاں تو عوام کو خوشخبریاں سنائی جا رہی تھیں ملالہ کی صحت یابی کی اور کہاں یہ کہ اس کو دو سال کا عرصہ لگے گا۔ ایک طرف

تو کہا جارہا ہے کہ پوری دنیا میں اس کے لیے محبتیں ہیں، اس کے لیے چیرٹی فنڈ قائم کر دیا گیا رضاکارانہ طور پر اس کو علاج کی پیش کش کی جاتی ہے دوسری جانب اس کے والدین کے اخراجات اٹھانے کو کوئی تیار نہیں ہے، ہے نا حیرت کی بات!

پھر اگر اخراجات ہی کا مسئلہ ہے تو جناب من.برطانیہ نے جہاں اتنے قربانی دی ہے تو کیا اس کے والدین کا اخراجات نہیں.برداشت نہیں کر سکتا؟؟ اس کے علاوہ اگر ان کو ملازمت ہی دینی ہے تو کیا پورے.برطانیہ میں ان کے لیے کسی معقول ملازمت کا بندوبست نہیں ہوسکتا، کیا وہاں موجود پاکستانی کمیونٹی اور.بڑے.بڑے پاکستانی.بزنس مین کیا ملالہ کے والدکے لیے کسی ملازمت کا انتظام نہیں کر سکتے ؟؟ ملالہ کے والد ایک.بڑا اسکول اور کالج چلاتے ہیں کیا ان کے لیے وہاں ملازمت ملنا کوئی مشکل مرحلہ ہوتا بالخصوص ملالہ یوسف زئی کے حوالے سے ؟؟ یقیناً ان سب باتوں کا جواب نفی میں ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ ملالہ کے والد ضیاء الدین صاحب کو قونصلیٹ میں ملازمت کی پیش کش کی جارہی ہے اور وہ بھی کوئی معمولی نہیں بلکہ ایڈمنسٹریٹر کی ملازمت کی آفر کی گئی ہے اور بہت جلد وہ وہاں بطور ایڈمنسٹریٹر یعنی منتظم اعلیٰ کے طور پر اپنی ذمہ داریاں سنبھال لیں گے۔

ضیاء الدین صاحب کو پاکستانی قونصلیٹ میں ملازمت دینا دراصل ان ساری باتوں اور شکوک کو تقویت دیتا ہے کہ وہ مغربی لابی کے آلہ کار ہیں، انھوں نے اپنے مفادات کے لیے اپنی بیٹی کو استعمال کیا اور اس کی جان کو خطرے میں ڈالا، انھوں نے ہی اپنی بیٹی کی ملاقات امریکی نمائندے گراسمین سے کرائی، بی بی سی کے نمائندے سے بھی انھوں نے ہی اپنی بیٹی کو ملوایا اور بی بی سی کے سوات میں موجود اس نمائندے نے ہی مبینہ طور پر ملالہ کی مشہور ڈائری لکھی ہے۔ امریکہ اور برطانیہ کی اس خدمت کے صلے میں اب ان کو قونصلیٹ میں ملازمت دینے کی کوشش کی جارہی ہے تاکہ ایک جانب تو ان کا برطانیہ میں رکنے کا جواز پیدا کیا جاسکے دوسری جانب قونصلیٹ میں اپنا ایک آدمی داخل کیا جاسکے تو کہ وہاں ہونے والی ساری سرگرمیوں کی نگرانی کرے اور اپنے آقاؤں کو اس کی رپورٹ پیش کرتا رہے۔

مجھے ملالہ یوسف زئی سے ہمدردی ہے کہ اس کے والد ہی اس کے دشمن ہیں جو کہ اپنے مفادات کے لیے اس کو استعمال کررہے ہیں اور انھوں نے ہی اس کی جان کو خطرے میں ڈالا، ملالہ پر گولی تو دہشت گردوں نے چلائی اب خواہ وہ دہشت گرد طالبان ہوں یا کوئی اور لیکن ملالہ کو دہشت گردوں کے نشانے پر لانے والے اس کے والد اور اس کے بعد ہمارا میڈیا ہے۔ ذرا سوچیے!

جماعت اسلامی صرف سیاست کرتی ہے خدمت نہیں

جماعت اسلامی قیام پاکستان سے پہلے قائم ہوئی تھی۔ جماعت اسلامی کے قائم ہوتے ہیں اس پر اعتراضات اور تنقید کی بوچھاڑ کردی گئی، لوگ جماعت اسلامی پر مختلف اعتراضات کرتے ہوئے مولانا مودودی سے رابطہ کرتے تھے یا براہ راست ان سے ملتے تھے اور پھر جماعت اسلامی کے کارکن بن کر واپس جایا کرتے تھے کیوں کہ مولانا مودودی اور ان کے رفقائے کار معترضین کی بات تحمل سے سنتے اور پھر اس کا تسلی بخش جواب دیتے۔ یہ صورتحال سیکولر ازم اور کیمونزم کے پرستاروں، کرپٹ سیاستدانوں اور دین اسلام کو مشکل بنا کر عوام کو گمراہ کرنے والے مذہبی عناصر ان تمام ہی کے لیے ناقابل قبول تھی۔ اس لیے اب یہ ضروری ہوا کہ اول تو ان پر بے سروپا الزامات واعتراضات کی بوچھاڑ کردی اور دوسرے نمبر پر جھوٹا پروپیگنڈہ اور تیسرے نمبر پر یہ بات کہ اپنے حامیان، ووٹرز، مریدین اور عوام کو یہ بات کہی کہ مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کا لٹریچر ہی نہ پڑھیں اور نہ ہی ان کی باتیں سنیں۔ یہ کام اس لیے کیا گیا کہ جب کوئی فرد اپنے لیڈران و دیگر اصحاب کی باتیں سن کر حقیقت حال جاننے کے لیے مولانا مودودی مرحوم سے ملتا یا ان کا لٹریچر پڑھتا یا جماعت اسلامی کے ارکان و ممبران سے ملتا تو اس کو اصل بات پتہ چل جاتی کہ کون سچا ہے کون جھوٹا، کون صحیح ہے اور کون غلط۔

اس لیے تمام ہی جھوٹوں نے مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کے لٹریچر کو پڑھنے سے ہی اپنے لوگوں کو روکا بلکہ اب بھی روکا جاتا ہے کہیں یہ کہہ کر یہ جھوٹی باتیں ہیں کہیں یہ کہہ کر کہ اگر ان کی کتابیں پڑھوگے تو گمراہ ہوجاؤگے۔

جب میں لوگوں کی ایسی باتیں سنتا اور دیکھتا ہوں تو مجھے عہد نبوی اور اس دور کے جھوٹے لوگ یاد آتے ہیں۔ تاریخ یہ بتاتی ہے کہ جب نبی اکرمؐ نے دعوت دین کا آغاز کیا تو لوگوں سے پہلا سوال اپنے اخلاق و کردار کے بارے میں پوچھا، اور مخالفین نے بھی آپ کے کردار کی عظمت کو سراہا۔ یہ حال مولانا مودودی کا تھا کہ مخالفین بھی ان کے کردار پر انگلی نہیں اٹھا سکتے ۔ کفار مکہ نے اس کے بعد مناظرے و مباحثے اعتراضات) کرنا شروع کیے۔ جو فرد بھی نبی اکرمؐ کے پاس اعتراضات لیکر جاتا اور) پھر کلمہ طیبہ کا ورد کرتا ہوا واپس آتا۔ یہ حال دیکھ کر کفار مکہ نے لوگوں سے کہنا شروع کردیا کہ محمدؐ کی بات نہ سننا ورنہ نعوذ باللہ گمراہ ہوجاؤگے۔یہی حال مولانا مودودیؒ کے مخالفین کا ہے یعنی جب انھوں نے دیکھا کہ ان کے سارے اعتراضات اور الزام تو غلط ثابت ہورہے ہیں تو اس کے بعد اب یہی پروپیگنڈہ رہ جاتا ہے کہ مولانا مودودی اور جماعت اسلامی پر الزام در الزام لگاتے جاؤ اور ان کی کوئی بات سننے کی کوشش نہ کرو اور مولانا مودودی کتابیں پڑھنا ہی ممنوع قرار دیدی

جائیں۔

آج بھی جماعت اسلامی پر مختلف نوعیت کے الزامات لگائے جاتے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جماعت اسلامی صرف سیاست کرتی ہے دین کا کوئی کام نہیں کرتی ہے۔ اب مجھے نہیں پتہ کہ یہ بات کہنے والوں کے نزدیک دین کا کام کس کو کہتے ہیں۔ بہر حال ایسا کہنے والوں سے ایک سوال ہے کہ انہوں نے کبھی جماعت اسلامی کے کسی درس قرآن یا درس حدیث میں شریک ہونے کی کوشش کی ہے؟؟ پورے ملک میں جماعت اسلامی کے تحت مختلف مساجد اور گھروں پر درس کے حلقے قائم ہیں جہاں ہفتہ وار، پندرہ روزہ یا ماہانہ بنیادوں پر درس قرآن کا اہتمام کیا جاتا ہے اور عوام کو قرآن کی دعوت دی جاتی ہے۔

معترضین کو یہ بھی نہیں معلوم کہ جماعت اسلامی کے تحت ملک بھر میں ہزاروں مدارس ہیں جن میں چند ایک میں بتا دیتا ہوں ، جامعہ منصورہ ہالا سندھ، جامعہ حنیفیہ سعود آباد کراچی، جامعہ نعمان کراچی، مدرسہ الاخوان نیو کراچی اور اس کے علاوہ بھی ملک بھر میں سیکڑوں مدارس ہیں جہاں طلبہ کو درسِ نظامی، حفظ قرآن کے ساتھ ساتھ جدید تعلیم اور کمپیوٹر کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔اس کے علاوہ ملک بھر میں ہزاروں مدارس تفہیم القرآن کے نام سے موجود ہیں جہاں بچوں اور بچیوں کو قرآن پاک ناظرہ پڑھایا جاتا ہے۔ یہاں یہ بھی واضح

رہے کہ بچیوں کے لیے جماعت اسلامی کے تحت حافظہ اور معلّمہ کا انتظام کیا جاتا ہے تاکہ وہ سکون اور یکسوئی کے ساتھ تعلیم حاصل کریں۔

جماعت اسلامی کے تحت ملک بھر میں سکڑوں اسکول کام کر رہے ہیں جن میں سب سے مشہور اور وسیع سلسلہ دارِ ارقم اسکول ہے جس کے تحت پنجاب بھر میں سیکڑوں اسکولز ہیں۔ اس کے علاوہ حرا پبلک اسکول سسٹم، غزالی گرلز اسکول اینڈ کالج، گرین فلیگ پبلک اسکول، حینفیہ پبلک اسکول، عثمان پبلک اسکول سب سے بڑھ کر کچی آبادیوں میں قائم کیے گئے "بیٹھک اسکول" جس کا سلسلہ پورے ملک میں پھیلا ہوا ہے۔

ملک بھر میں کسی بھی طرح کی قدرتی آفات کے موقع پر جماعت اسلامی کے کارکنان میدان عمل میں نکلتے ہیں اور دامے درمے قدمے سخنے اپنے آفت زدہ بھائیوں کی مدد کرتے ہیں۔ جماعت اسلامی اور الخدمت کے تحت ریلیف کیمپ لگائے جاتے ہیں اور متاثرین کے لیے امداد جمع کی جاتی ہے۔ لوگوں کو یہ سن کر بہت حیرت ہوگی کہ کشمیر اور شمالی علاقہ جات میں دوہزار پانچ کے زلزلے کو شائد اب لوگ بھول گئے ہوں لیکن جماعت اسلامی آج بھی وہاں ریلیف کام کر رہی ہے۔ بلوچستان اور اندرون سندھ میں گذشتہ سال سے اب تک جماعت اسلامی وہاں موجود ہے اور سیلاب متاثرین کو اپنی ممکنہ حد تک ریلیف فراہم کر رہی ہے۔

الخدمت کے نام سے الحمد اللہ پورا ملک واقف ہے لیکن شائد لوگوں کو یہ نہیں پتہ کہ الخدمت کے تحت ملک بھر میں کئی علاقوں میں ہومیو کلینک اور ڈسپنسریز موجود ہیں جہاں انتہائی لوگوں کو سستے علاج معالجے کی سہولت فراہم کی جاتی ہے جبکہ الخدمت ہسپتال کا الگ شعبہ ہے جس میں ماہر ڈاکٹرز مریضوں کو علاج معالجے کی سہولت فراہم کرتے ہیں۔ جبکہ الخدمت کے تحت کئی میٹرنٹی ہومز بھی ہیں جہاں سہولیات آغا خان اور لیاقت نیشنل جیسی فراہم کی جاتی ہیں لیکن فیس کسی بھی عام پرائیوٹ ہسپتال جتنی بلکہ کچھ کم اور اس میں بھی اگر کوئی فرد فیس دینے میں تنگی محسوس کرے تو اس میں مزید رعایت بھی دی جاتی ہے۔

ملک میں مہنگائی اور بیروگاری کا جو حال ہے وہ سب کے سامنے ہے۔ لوگ بھیک مانگنے پر مجبور ہیں اور جو لوگ نہ تو یہ برداشت کر سکتے ہیں اور نہ ہی کسی کے سامنے ہاتھ پھیلا سکتے ہیں ان کے پاس خود کشی کا ہی راستہ بچتا ہے۔ جماعت اسلامی ممکنہ حد تک لوگوں کو ریلیف فراہم کرتی ہے اور اس وقت ملک بھر میں ہزاروں گھروں میں جماعت اسلامی کے تحت ماہانہ بنیادوں پر راشن فراہم کیا جارہا ہے۔ جبکہ رمضان المبارک میں لاکھوں خاندانوں میں راشن بیگز کی تقسیم اس کے علاوہ ہے۔

ملک بھر میں ہزاروں گھرانے ایسے ہیں جہاں شادی کے لائق بچیاں ہوتی ہیں لیکن غربت کے باعث وہ اپنی بچیوں کی شادی نہیں کر سکتے ہیں، ہزاروں نوجوان شادی کے لائق ہیں لیکن صرف اس وجہ سے کہ وہ شادی کے اخراجات برادشت نہیں کر سکتے اور وہ کنوارے رہتے ہیں۔ جماعت اسلامی نے اس مسئلہ کو اول روز سے ہی اہمیت دی ہے اور جماعت اسلامی کا ایک مستقل شعبہ ''شعبۂ ہمسفر'' کے نام سے موجود ہے جہاں بچے اور بچیوں کے لیے مناسب رشتوں کا انتظام کیا جاتا ہے (واضح رہے کہ یہ کام فی سبیل اللہ کیا جاتا ہے شادی دفتر کی طرح یہاں پیسے نہیں بٹورے جاتے ہیں)۔ اس کے علاوہ غریب اور نادار بچیوں کے لیے مناسب جہیز کا انتظام بھی کیا جاتا ہے تاکہ وہ صرف جہیز نہ ہونے کے باعث گھر میں نہ بیٹھی رہیں۔ اس کے علاوہ یہ جو آپ پورے ملک میں اجتماعی شادیوں کا ایک ٹرینڈ چلا ہے جہاں غریب اور نادار لوگوں کے لئے ایک ہی جگہ اور ایک دن شادی کا انتظام کیا جاتا ہے تاکہ وہ وہاں پر اجتماعی طور پر اپنی شادی کی رسومات انجام دیں اور اجتماعی طور پر اپنے مہمانوں کی دعوت کر سکیں تاکہ کسی کی عزت نفس بھی مجروع نہ ہو اور ان پر بوجھ بھی نہ پڑے تو یہ طریقہ بھی جماعت اسلامی نے ہی متعارف کرایا ہے۔

عید الاضحیٰ کے موقع پر اجتماعی قربانی اور قربان گاہ کا انتظام بھی کیا جاتا ہے تاکہ لوگ یہ مذہبی فریضہ آسانی کے ساتھ ادا کر سکیں۔ اور قربان کا

انتظام بھی کیا جاتا ہے تاکہ جو لوگ جانور تو خرید لیتے ہیں لیکن اس کے بعد قصائی کے نخرے اور دیگر مسائل کا سامان نہیں کر سکتے وہ مناسب نرخ پر اپنا جانور وہاں ذبح کرا سکتے ہیں۔

یہاں یہ بات بھی بتا دوں کہ جماعت اسلامی اور الخدمت کا ہر سال باقاعدہ آڈٹ ہوتا ہے اور ان کے سال بھر کے آمدنی و اخراجات کی تفصیل باقاعدہ شائع کی جاتی ہے۔ اب اگر یہ ساری باتیں خدمت خلق اور دین کی خدمت نہیں ہیں تو پھر ان کو کیا کہا جائے گا؟؟ اور جو لوگ جماعت اسلامی پر اعتراضات کرتے ہیں کیا ان کے کریڈٹ پر جماعت اسلامی کی طرح یہ سارے کارنامے ہیں؟؟

متحدہ ایک بار پھر بے نقاب

سپریم کورٹ آف پاکستان نے جب دہری شہریت والے اسمبلی ارکان کے خلاف کارروائی شروع کی تو اس وقت متحدہ قومی موومنٹ کے قائد الطاف حسین نے اس پر بہت زیادہ واویلا مچایا تھا۔ اور گذشتہ ہفتے ان کے 6 ارکان کے نا اہل ہونے کے بعد عقدہ کھلا کہ ان کے شور مچانے کی وجہ کیا تھی۔ چلیں اسی بہانے متحدہ قومی موومنٹ کے حب الوطنی کے غبارے سے بھی ہوا نکل گئی، متحدہ قومی موومنٹ کے قائد اور لیڈرز اٹھتے بیٹھتے حب الوطنی کا راگ الاپتے رہتے ہیں لیکن دہری شہریت کے معاملے پر انہوں نے غیر ملک کی شہریت چھوڑنے کے بجائے اسمبلی کی رکنیت چھوڑنے کو ترجیح دی۔ ثابت ہوا کہ ملک پر آنے والی کسی بھی آزمائش کے موقع پر یہ لوگ تو ہاتھ ہلاتے ہوئے بیرون ملک بھاگ جائیں گے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ متحدہ کے قائد الطاف حسین اکیس سالوں سے پاکستان نہیں آئے اور آئندہ بھی نہیں آئیں گے۔

دہری شہریت والے جتنے بھی ارکان ہیں خواہ ان کا تعلق کسی بھی پارٹی سے ہو ان میں سے جنھوں نے بھی پاکستان کی اسمبلی کی رکینت پر دوسری شہریت کو ترجیح دی ہے ان کی حب الوطنی اور وفاداری مشکوک ہے۔

دہری شہریت کے معاملے میں پیپلز پارٹی، مسلم لیگ ن اور ایم کیو ایم کے ارکان کی اکثریت ہے۔ یہ ساری پارٹیاں آئین اور قانون کی پاسداری کی بات

کرتی ہیں جبکہ پیپلز پارٹی تو 73 کے آئین کو اپنا کارنامہ قرار دیتی ہے اُسی تہتر کے ائین میں ذوالفقار علی بھٹو مرحوم نے ہی دہری شہریت کے حوالے سے شقیں شامل کی تھیں لیکن یہ سارے ارکان اسمبلی آئین کی دھجیاں اڑاتے ہوئے ڈھٹائی کے ساتھ ایوان اقتدار میں براجمان رہے۔ یہاں رحمٰن ملک صاحب کا ذکر کرنا ضروری ہے جنھوں نے دہری شہریت کے بجائے سینیٹ کی رکنیت کو ترجیح دی اور اپنی برطانوی شہریت ترک کردی۔

ادھر دوسری جانب ووٹر لسٹوں میں بوگس ووٹوں کے اخراج اور فوج کی نگرانی میں گھر گھر ووٹوں کی تصدیق کے عمل پر بھی متحدہ قومی موومنٹ نے شدید رد عمل کا اظہار کیا ہے اور اس عمل کو متحدہ قومی موومنٹ کے خلاف سازش قرار دیا ہے۔ لیجیے صاحب یہاں بھی متحدہ قومی موومنٹ کا دہرا کردار جس کو عوامی زبان میں منافقت کہا جاتا ہے وہ بے نقاب ہوئی (ویسے منافقت کا لفظ متحدہ قومی موومنٹ اپنے مخالفین کے لیے بہت زیادہ استعمال کرتی ہے لیکن جتنی منافقت اور جھوٹ خود اس کے قائدین کرتے ہیں اس کا جواب نہیں ہے) گذشتہ چار سال سے جنوبی اور شمالی وزیرستان اور سوات میں فوجی آپریشن کی پرجوش حامی رہی ہے۔ ابھی ایک دو ماہ قبل ہی متحدہ کے قائد نے جنرل اشفاق کیانی کو اپنی بھرپور حمایت کا یقین دلایا تھا بلکہ ان کو پیش کش بھی کی تھی کہ اگر ضرورت پڑی تو متحدہ کے کارکنان فوج کے شانہ بشانہ چلنے کو تیار ہیں لیکن سپریم کورٹ کے حکم کو ایم

کیو ایم کے خلاف سازش قرار دیا جارہا ہے، وہی متحدہ جو کہ جنوبی اور شمالی وزیرستان میں فوجی آپریشن کی حمایت کرتی رہی ہے اس معاملے شور مچارہی ہے اور اس کو ایم کیو ایم کے خلاف سازش قرار دیا جارہا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پورے ملک کے ساتھ ساتھ اگر کرچی میں بھی فوجی آپریشن ہوتا ہے یا فوج کی نگرانی میں ووٹوں کی تصدیق کا عمل شروع کیا جاتا ہے تو اس میں ایم کیو ایم کے خلاف سازش کہاں سے آ گئی؟؟

یہ تو بڑی عجیب سی بات ہے کہ محترمہ بے نظیر بھٹو اپنی وزارت عظمیٰ کے در میں کہتی ہیں کہ "دہشت گرد بزدل چوہے ہیں" اور متحدہ والے شور مچاتے ہیں کہ ہمیں چوہے کہا جارہا ہے۔ کراچی میں دہشت گردوں کے خلاف فوجی آپریشن کی بات کی جاتی ہے متحدہ واویلا مچاتی ہے کہ ہمارے خلاف سازش ہو رہی ہے، کراچی میں بوگس ووٹوں کی چھان بین اور تصدیق کے لیے فوج کی نگرانی کی بات کی جاتی ہے اور ایم کیو ایم کے قائدین اس کو بھی متحدہ کے خلاف سازش قرار دیتے ہیں ۔اب ہمیں یہ سمجھ نہیں آ رہی کہ اس میں متحدہ کے خلاف کون سی بات ہے کسی بھی پارٹی نے ان عوامل کی نہ تو مخالفت کی ہے اور نہ ہی اس کو اپنے خلاف سازش قرار دیا ہے صرف متحدہ قومی موومنٹ نے ہی یہ شور مچایا ہوا ہے ۔ یہ تو سراسر چور کی داڑھی میں تنکا والی بات ہے۔ بھائی لوگ اس معاملے پر عدلیہ کے بھی خلاف ہوگئے ہیں ،یاد ش بخیر یہی سپریم کورٹ تھی جب اس نے کراچی بدامنی

میں یہ ریمارکس دیئے تھے کہ "کراچی میں ساری ہی پارٹیاں بھتہ وصول کرتی ہیں " تو اس پر متحدہ کے حامیان نے خوشی کا اظہار کیا تھا کہ چلو اب تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ سپریم کورٹ نے تو سب کو بھتہ خور قرار دیا ہے۔

دراصل متحدہ قومی موومنٹ کو اچھی طرح پتا ہے کہ ووٹر لسٹوں میں بوگس ووٹوں کا اندراج کس نے کرایا ہے، اس کو اچھی طرح پتا ہے کہ اگر کراچی میں فوج کی نگرانی میں ووٹوں کی تصدیق کا عمل شروع ہوگا تو جعلی ووٹوں کا اخراج ہو جائے گا وہ جعلی ووٹ جو کہ متحدہ نے بڑی محنت سے ان لسٹوں میں شامل کیے تھے۔ کراچی میں اگر فوج کی نگرانی میں دہشت گردوں کے خلاف آپریشن کا آغاز ہوگا تو اس کی زد میں سب سے زیادہ متحدہ قومی موومنٹ کے دہشت گرد ہی آئیں گے۔

ادھر دوسری طرف لندن میں بھی ڈاکٹر عمران فاروق کیس میں پیش رفت ہوئی ہے اور اسکاٹ لینڈ یارڈ نے لندن کے علاقے ایجوئر میں متحدہ کے دفتر اور سلیم شہزاد کے گھر کی تلاشی لی ہے اور ان کا کہنا ہے کہ یہاں سے کچھ ثبوت ملے ہیں۔ یہ معاملہ بھی ایم کیو ایم کے لیے ایک ایک درد سر بن گیا ہے اور جب تک ڈاکٹر عمران فاروق کے قاتل (چاہے وہ کوئی بھی ہوں) گرفتار نہیں ہوتے اس وقت تک متحدہ قومی موومنٹ کے قاء الطاف حسین کے سر پر ایک تلوار لٹکتی رہے

گی۔

بہر حال دہری شہریت، کراچی میں دہشت گردوں کے خلاف فوجی آپریشن اور فوج کی نگرانی میں ووٹوں کی تصدیق کے معاملے پر متحدہ قومی موومنٹ کی حب الوطنی، فوج کی حمایت اور ان کی منافقت کو بے نقاب کردیا ہے اور متحدہ قومی موومنٹ کا یہ سارا شور شرابہ اور واویلا چور کی داڑھی میں تنکا ہے اور کچھ نہیں۔ ویسے بھی متحدہ چور مچائے شور کی پالیسی پر ہی عمل پیرا رہی ہے۔ اب یہ معاملات کس کروٹ بیٹھیں گے یہ دیکھنا ہے

کوئٹہ دھماکے، پاکستان کی تاریخ کی بدترین دہشت گردی

گذشتہ روز بلوچستان کے شہر کوئٹہ میں تین مختلف دھماکوں میں تادم تحریر81افراد جاں بحق اور مجموعی طور سے دو سو سے زائد افراد زخمی ہوئے ہیں۔ان میں سے بیشتر زخمیوں کی حالت نازک ہے۔ ہماری نظر میں گذشتہ پانچ سالوں ہونے والی وارداتوں میں سے سب سے بڑی واردات ہے۔ یوں تو گذشتہ دس سال سے وطن عزیز دہشت گردی اور بدامنی کی لپیٹ میں ہے اور آئے روز مختلف خود کش حملوں، بم دھماکوں، ڈرون حملوں اور دہشت گردی کی دیگر وارداتوں میں روزانہ بیس سے پچیس افراد روزانہ جاں بحق ہورہے ہیں لیکن محترمہ بے نظیر کی آمد پر کراچی میں دھماکہ، سانحہ عاشورہ، سانحہ نشترپارک، سانحہ بارہ مئی نمایاں ہیں اور اب کوئٹہ میں ہونے والا سانحہ ۔ اس وقت ملک میں شائد ہی کوئی ایسا فرد ہوگا جس کا دل اس سانحے پر خون کے آنسو نہیں رورہا ہوگا۔ اس کے ساتھ ساتھ سوات میں بھی تبلیغی جماعت کے مرکز پر ہونے والے ایک دھماکے میں بائیس افراد جاں بحق ہوگئے ہیں۔اس طرح مجموعی طور پر 110 سے زائد افراد شہید ہوچکے ہیں۔

سمجھ نہیں آتا کہ قانون ، حکومت، حکومت کی رٹ، صرف ٹی وی والے وزیر داخلہ ان سب کا کہیں کچھ پتا نہیں ہے۔ وزیر داخلہ صاحب ملک میں امن وامان قائم

رکھنے کے بجائے سیاسی داؤ پیچ کھیلنے میں مصروف ہیں۔ان کو گیدڑ بھبکیوں سے فرصت ملے تو شائد وہ اپنی اصل ذمہ داری یعنی امن امان کے قیام پر بھی کچھ دھیان دیدیں۔وزیر داخلہ صاحب ہر واردات کے بعد کہتے ہیں ہمیں ایسی دہشت گردی کی اطلاعات تھیں اور ہم نے صوبائی حکومت کو مطلع کردیا تھا۔ کبھی وہ فرماتے ہیں کہ فلاں جگہ اور فلاں موقع پر دہشت گردی کا خدشہ ہے، کبھی وہ مختلف شہروں میں دہشت گردوں کے داخل ہونے کی اطلاع فراہم کرتے ہیں۔ جان کی امان پائیں تو ان کی خدمت میں عرض کریں کہ جنابِ والا! یہ دہشت گردی کے خدشات اور دہشت گردی کی امکانات کا اظہار کرنا اور دہشت گردوں کی نقل و حرکت کی اطلاع فراہم کرنا تو ہم عوام اور میڈیا والوں کا کام ہے، آپ کا کام عوام کو اطلاع دینا نہیں بلکہ ان چیزوں کو روکنا ہے۔ اب براہ مہربانی آپ مانڈوی گیری چھوڑ کر عوام کی جان و مال کے تحفظ کا بھی کچھ کام کرلیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔

صدر مملکت، وزیر اعظم، حکومتی ادارے، سیاسی جماعتیں (حکومت حزب مخالف اور پارلیمنٹ سے باہر والی) سب کے سب ہر واردات کے بعد صرف مذمت کرکے رہ جاتے ہیں ، کوئی مشترکہ لائحہ عمل اپنانے کے لیے تیار نہیں ہے۔ عوام پس رہے ہیں، عوام مر رہے ہیں لیکن ان کا کوئی پرسان حال نہیں ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہدہشت گردی کے واقعات کی روک تھام کے لیے بھی تمام جماعتیں ایک پلیٹ فارم

پر آئیں اور مشترکہ لائحہ عمل اپنائیں ۔ارکان پارلیمنٹ اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرتے ہوئے دہشت گردی کے خلاف صرف قانون نہ بنائیں بلکہ جو قوانین موجود ہیں ان پر عمل درآمد یقینی بنائیں تو یہی عمل دہشت گردی کو روکنے کے لیے بہت موؤر ثابت ہوگا۔ دہشت گردی روکنے کے لیے دہشت گردوں کی بیخ کنی ضروری ہے اور دہشت گردوں کو ختم کرنے کے لیے قانون کی بالاتری کو یقینی بنایا جائے۔ دہشت گرد کوئی بھی ہوں، طالبان، بلیک واٹر، کسی سیاسی جماعت کے کارکنان یا پیشہ ور قاتل کسی کے ساتھ کوئی رعایت نہ برتی جائے ، وارداتوں میں ملوث افراد کو سخت سزائیں دی جائیں تو پھر تو دہشت گردی اور خون خرابہ ختم ہونے کی امید ہے وگرنہ یہی کچھ ہوتا رہے گا۔

ایک بات ہمیں سمجھ نہیں آتی کہ اس جدید ٹیکنالوجی کے دور میں جب ای میل ایڈریس کے ذریعے لوگوں کے ٹھکانوں کا پتہ چلایا جاسکتا ہے، آئی پی ایڈریس ٹریس کیے جاسکتے ہیں، موبائل فون کی لوکیشن کی نشاندہی تو اب پرانی بات ہو گئی ہے اور سیٹلائٹ فون کو ٹریس کرنا تو مشکل ہی نہیں ہے لیکن ان سب باتوں کے باوجود معلوم دہشت گرد نامعلوم مقام سے میڈیا اور وزارت داخلہ کے ذمہ داران کو فون کرکے اپنی وارداتوں کی فخریہ اطلاع دیتے ہیں اور ان کا ٹھکانہ معلوم نہیں ہوپاتا ہے یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے۔ کہاں ہے حکومتی رٹ ؟؟؟ کہاں ہے سلامتی کے ادارے؟؟ کہاں ہے انٹیلی جنس بیورو جو کہ سیاستدانوں کے فون

ٹیپ کرنے، ان کی جاسوسی کرنے ان کی نقل و حرکت کا ریکارڈ مرتب کرنے میں طاق ہے لیکن عوام کی جان و مال کے تحفظ کے لیے ان کے پاس وقت نہیں ہے۔

دہشت گرد کوئی بھی ہو اس کو قرار واقعی سزا ملنی چاہیے ۔ اور جو لوگ بھی اسلام اور طالبان کے نام پر دہشتگردی کر رہے ہیں خواہ وہ کوئی بھی ہوں ان کا قلع قمع ہونا چاہئے۔ لیکن بڑی عجیب بات ہے کہ جب کوئی واردات ہوتی ہے تو وزیر داخلہ فوراً تحریک طالبان پر اس کی ذمہ داری ڈال دیتے ہیں۔ تحریک طالبان اگر کسی واردات کی ذمہ داری قبول کرے تو اسے درست مانا جاتا ہے لیکن جب تحریک طالبان نے ڈاکٹر طاہر القادری کو دھمکی دینے سے برئیت اظہار کیا تو یہی وزیر داخلہ کہتے ہیں کہ ہم طالبان کے جعلی نمائندوں کو نہیں مانتے۔ یاخدا یہ کیا ماجرا ہے ؟ جب یہ فرد کسی واردات کی ذمہ داری قبول کرے تو ٹھیک اور کسی واردات سے لاتعلّقی کا اعلان کریں تو وہ جعلی نمائندے بن جاتے ہیں ، کہیں ایسا تو نہیں کہ تحریک طالبان کے نام سے خود وزیر داخلہ صاحب ہی بیانات جاری کرتے ہوں اسی لیے انھوں نے دھمکی سے لاتعلّقی کا اعلان کرنے والوں کو جعلی نمائندہ کہہ دیا۔

ہمیں نہیں پتا کہ کون اصلی ہے کون جعلی؟؟ واردات تحریک طالبان پاکستان کرے، بلیک واٹر، کسی سیاسی جماعت کے لوگ ، کوئی پیشہ ور قاتل یا کوئی اور اس

سے ہمیں غرض نہیں کہ ہمیں ان درندوں سے نجات دلائی جائے چاہے وہ کوئی بھی ہوں۔ چاہے پورے ملک میں آپریشن کرنا پڑے، لوگوں کو پھانسیاں دینی پڑیں کچھ بھی کریں عوام کو تحفظ دیں، ایسا نہ ہو کہ عوام کسی بھی قسم کے نظام سے بد ظن ہو کر قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لیں اور ملک میں انارکی پھیل جائے اور اگر ایسا ہوا تو یاد رکھیں کہ پورا ملک بدترین خانہ جنگی کی لپیٹ میں آجائے گا، یہاں جنگل کا قانون نافذ ہوگا اس سے پہلے ہی کچھ کرلیں۔

آخری بات ! اللہ تعالی سوات، کوئٹہ اور کراچی میں دہشتگردی کا شکار ہونے والوں اور امریکی ڈرون حملوں میں شہید ہونے والوں کی مغفرت فرمائے اور ان کے درجات کو بلند فرمائے ان کے لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے، زخمیوں کو جلد صحت یابی عطا فرمائے اور بے گناہوں کے قاتلوں کو کیفر کردار تک پہنچائے اور انہیں عبرت ناک انجام سے دوچار کرے۔ آمین

لانگ مارچ، بھارتی حملے اور حکومت کا غیر ذمہ دارانہ رویہ

کسی ملک میں جب جمہوری نظام رائج ہو تو وہاں عوام کو کسی بھی معاملے پر احتجاج کرنے کا جمہوری حق حاصل ہوتا ہے۔ خواہ مہنگائی کا مسئلہ ہو، حکومتی پالیسیاں ہوں، یا کوئی اور معاملہ یہ عوام کا بنیادی جمہوری حق ہے کہ وہ اپنا احتجاج ریکارڈ کرائیں۔ اگر کبھی ایسا معاملہ پیش آجائے کہ کوئی پارٹی یا گروہ اپنے موقف کے حق میں کوئی تحریک یا احتجاج برپا کرنا چاہے اور فی لواقع ان کا موقف درست اور آئینی نہ ہو بلکہ غیر جمہوری اور غیر آئینی ہو تو ایسی صورت میں پہلے مذاکرات یعنی فریقین ساتھ بیٹھ کر گفت و شنید کریں، اپنے اپنے موقف کے حق میں دلائل دیں اور ایسے دوسرے کو قائل کریں اور پھر جو فریق غلطی پر ہو وہ اپنی غلطی کو تسلیم کرتے ہوئے دوسرے فریق کے مطالبات مان لے۔ (بد قسمتی سے ہمارے ملک میں اس کا رواج کچھ کم ہی ہے) ۔ مذاکرات ناکام ہوجانے کے بعد دوسرا مرحلہ یہ ہوتا ہے کہ اب حکومت اس معاملے سے کیسے نپٹتی ہے۔ اگر حکومت مناسب سمجھے تو سختی بھی کر سکتی ہے اور چاہے تو فریق مخالف کو فری ہینڈ دیکر خود عوام سے رجوع کرے اور عوام کی عدالت میں یہ سارا معاملہ رکھ دے اور ان سے فریق مخالف سے لاتعلق رہنے کی اپیل کرے۔ (یہ طریقہ بھی ہمارے یہاں نہیں اپنایا جاتا) ۔ تیسرا اور آخری راستہ یہ ہوتا ہے کہ حکومت اپنے خلاف اٹھنے والی

تحریک کو (خواہ وہ درست ہو یا غلط) طاقت کے بل پر دبا دے اور یہ جمہوریت میں یہ سب سے برا طریقہ سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اس سے بھی بری بات یہ ہوتی ہے کہ حکومت اپنے بل بوتے پر کچھ کرنے کے بجائے عوام کو باہم دست و گریبان کرنے کی کوشش کرے۔

خبر رساں ادارے کے مطابق گذشتہ روز رحمٰن ملک صاحب نے انتہائی غیر ذمہ دارانہ بیان دیتے ہوئے اسلام آباد کے تاجروں کو اکساتے ہوئے کہا ہے کہ وہ لانگ مارچ کے لیے بنائے گئے ٹوائلٹس اور کیمپس اکھاڑ پھینکیں میں اس کی اجازت دیتا ہوں۔ یہ صریحاً قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کی بات ہے اور وفاقی وزیر داخلہ کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ ملک میں امن و امان قائم رکھنے کے بجائے انتشار پھیلائیں۔ مجھے نہ تو طاہر القادری صاحب سے کوئی دلچسپی ہے اور نہ ہی ایم کیو ایم کی اس میں شرکت سے کوئی تعلق ہے۔

یہ لانگ درست موقف کی بنیاد پر کیا جارہا ہے یا غلط موقف پر؟ یہ لانگ مارچ قانونی اور آئینی ہے یا غیر آئینی ؟ ان سب باتوں پر لمبی بحث کی جا سکتی ہے لیکن تھوڑی دیر کے لیے ان سب باتوں کو بھولتے ہوئے وفاقی وزیر داخلہ صاحب کے بیان جائزہ لیں تو یہ خانہ جنگی اور عوام کو عوام سے لڑانے کی ایک بھونڈی کوشش ہے۔

ذرا چشم تصور سے یہ نظارہ دیکھنے کی کوشش کریں کہ اسلام آباد کے تاجروں نے

وزیر داخلہ صاحب کی شہہ پر لانگ مارچ کے خلاف کارروائی کردی ہے، ان کے کیمپس اکھاڑ پھینکے ہیں، ان کے عارضی بیت الخلاء توڑ دیئے گئے ہیں، اور دو دن بعد لانگ مارچ کے شرکاء جب وہاں پہنچتے ہیں اور جواباً وہ تاجروں کی املاک کو نقصان پہنچاتے ہیں تو ملک میں ایک افراتفری، انتشار کا سماں ہوگا۔ اگر خدانخواستہ یہ ہوجاتا ہے تو پھر یہی رحمٰن ملک صاحب ایک بار پھر میڈیا پر جلوہ گر ہوکر کہیں گے کہ دیکھا میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ یہ لوگ امن وامان خراب کرنے کے لیے آئے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح وہ تو اپنی سیاسی دکانداری چمکا کر چلے جائیں گے اور ویسے بھی اب تو ان کو جانا ہی ہے لیکن جاتے جاتے وہ عوام میں نفاق کا بیج بو دیں۔ اس قبیح حرکت سے دلوں میں جو کدورتیں پیدا ہوں گی وہ برسوں تک نہیں ختم ہوسکیں گی، ہماری دعا ہے کہ ہماری خدشات غلط ثابت ہوں اور دارالحکومت کے تاجران وفاقی وزیر داخلہ کے بیان کو نظر انداز کردیں۔ وزیر داخلہ صاحب کی خدمت میں عرض ہے کہ احتجاج کرنا عوام کا جمہوری حق ہے۔ اول تو انہیں لانگ مارچ کرنے دیں ان کو فری ہینڈ دیدیں اور اگر آپ کو تحفظات ہیں تو مذکرات کریں، اگر سمجھتے ہیں کہ مذاکرات ناکام ہیں تو پھر جو کارروائی مناسب ہو وہ کریں لیکن وہ کارروائی حکومت کی سطح پر ہونی چاہیے عوام کو باہم دست و گریبان کرنے کی مذموم کوشش نہ کیجیے۔

ادھر دوسری جانب بھارت نے پاکستان پر دوبارہ جارحیت مسلط کرنے کی کوششیں

شروع کردی ہیں اور گذشتہ چھے روز سے بھارتی افواج مسلسل پاکستانی سرحدوں اور لائن آف کنٹرول کی خلاف ورزی کرتے ہوئے پاکستانی چوکیوں اور دیہات پر گولہ باری کررہی ہیں جس ہمارے جوان اور عوام شہید ہورہے ہیں۔ اس اچانک جارحیت کی کوئی وجوہات بیان کی جارہی ہیں۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ پاکستان نے بھارت کو پسندیدہ ملک کا درجہ دینے کا اعلان کیا تھا اور اندرونی طور پر یہ طے کیا گیا تھا کہ سال دوہزار بارہ اختتام پر باقاعدہ اعلان کردیا جائے گا لیکن ابھی تک اس کا باقاعدہ اعلان نہیں کیا ہے، اس کی جھنجھلاہٹ ایک وجہ ہوسکتی ہے۔ دوسری جانب گذشتہ ماہ دہلی میں طالبہ کے ساتھ چلتی بس میں اجتماعی زیادتی اور بعد ازاں اس طالبہ کی موت کے باعث بھارتی حکومت شدید دباؤ میں ہے۔ اس واقعے کے بعد سے عوام سڑکوں پر تھی اور طالبہ کی موت کے بعد تو گویا ایک لاوا پھٹ پڑا تھا، بھارتی حکومت کو اس دباؤ سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں مل رہا تھا اس لیے انھوں نے اس معاملے سے عوام کی توجہ ہٹانے کے لیے سرحدوں پر جھڑپوں کا سلسلہ شروع کیا اور ان کے خاطر خواہ نتائج حاصل ہوئے اس وقت بھارتی میڈیا سے طالبہ کا کیس غائب ہوگیا ہے اور سرخیوں میں پاکستان کے ساتھ جھڑپیں چھائی ہوئی ہیں۔ وجہ کچھ بھی ہو اور میڈیا کچھ بھی کہے لیکن خود بھارت کے گھر کے بھیدیوں نے لنکا ڈھادی ہے اور بھارتی وزارتِ دفاع اور داخلہ نے ان معاملات پر تحقیقاتی رپورٹس پیش کی ہے اس میں واضح طور پر بھارتی فوج کو جارحیت کا ذمہ دار قرار دیا گیا ہے اور

بتایا گیا ہے کہ پہل بھارتی فوج نے کی اور پاکستان نے ان کا بدلہ لیا ہے۔

ایک جانب بھارتی وزارت داخلہ اور دفاع کی یہ رپورٹس دوسری جانب ہماری وزیر خارجہ کا افسوس ناک رویہ اور بیان ملاحظہ کیجیے۔ ان کو بھارت کی جارحیت، پاکستانی جوانوں کی شہادت اور پاکستانی فوج اور عوام کے جذبات کے بجائے اس بات کی زیادہ فکر ہے کہ بھارت کو اب بھی پسندیدہ ترین ملک کا درجہ دیدیا جائے اور وہ فرماتی ہیں کہ ان جھڑپوں سے آپس کے تعلقات پر کوئی فرق نہیں پڑے گا،مذاکرات کا عمل جاری رہے گا اور بھارت کو پسندیدہ ملک کا درجہ دینے میں چند ہفتوں کی تاخیر بری بات نہیں ہے''

وائے ناکامی کہ متاعِ کارواں جاتا رہا کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

کیا اب بھی بھارت کو پسندیدہ ملک کا درجہ دیدیا جانا چاہیے؟؟ میرا آپ سب سے صرف ایک سوال ہے کہ اگر پاکستان کی جانب سے ایسا کوئی واقعہ ہوتا تو کیا اس وقت بھارتی حکومت کا بھی یہی رویہ ہوتا؟؟ کیا وہ اس وقت بھی مذاکرات کی بات کرتے؟؟ اور کیا زندہ قوموں کا یہی چلن ہوتا ہے؟ صرف یاددہانی کے لیے عرض کرتا چلوں کہ ممبئ حملوں کے وقت اس وقت کے پاکستانی وزیر خارجہ بھارت کے دورے پر تھے اور بھارت نے کسی بھی قسم کے مذاکرات اور بات چیت سے انکار

کردیا تھا۔ اس وقت بھی بھارت جو مذاکرات اور بات چیت کر رہا ہے وہ صرف اپنے مفادات اور اپنی شرائط پر کر رہا ہے۔ امن ہونا اور امن کی آشا رکھنا بھی کوئی بری بات نہیں ہے لیکن امن برابری کے ساتھ ہونا چاہیے۔

دہری شہریت اور قائد تحریک کا قائد اعظمؒ پر ڈرون حملہ

متحدہ کے قائد نے گذشتہ دنوں اعلان کیا کہ وہ ایک ایسا سیاسی ڈرون حملے کرنے والے جس کا جواب کسی کے پاس نہیں ہوگا، ہمیں تو پتہ تھا کہ یہ صرف خالی خولی بیان بازی اور میڈیا میں رہنے کا ایک طریقہ ہے اور کچھ نہیں اور ان کے سیاسی ڈرون میں کوئی نئی بات نہیں ہوگی۔ لیکن لوگوں کو بڑی بے چینی سے اس کا انتظار تھا، کچھ افواہیں کراچی کی فضاؤں میں گشت کررہی تھیں کہ ''آفاق احمد دوبارہ ایم کیو ایم میں شامل ہورہے ہیں'' ''الطاف حسین واپس آرہے ہیں'' ''الطاف حسین سیاست سے کنارہ کشی کا اعلان کررہے ہیں وغیرہ وغیرہ لیکن جب ان کا خطاب منظر عام پر آیا تو اس میں سوائے فضولیات کے اور کچھ بھی نہیں تھا۔ہاں اگر کچھ تھا تو وہ یہ کہ انہوں نے ایک بار پھر قائد اعظمؒ کی ذات کو متنازع بنانے کی کوشش کی۔ یہ مضمون لکھنے کے دوران پتا چلا کہ الطاف بھائی نے ایک بار پھر قلابازی کھائی اور لانگ مارچ میں شریک ہونے علانات اٹھارہ گھنٹے سے بھی کم وقت میں واپس لے لیے گئے۔ یہ بارو میرے آزمائے ہوئے ہیں۔

خیر یہ تو متحدہ کا اندرونی معاملہ ہے ہم بات کررہے تھے کہ انھوں نے قائد اعظمؒ کی ذات کو متنازع بنایا اور ایک بار پھر لوگوں کو گمراہ کرنے کی

مذموم کوشش کی۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ابتداء میں بحیثیت گورنر جنرل جو حلف اٹھائے گئے وہ برطانوی آئین کے تحت اٹھائے گئے تھے لیکن کیا اس وقت پاکستان کا آئین موجود تھا؟؟ جواب ہے کہ نہیں اور الطاف صاحب نے خود بھی یہی بات کہی کہ بحالتِ مجبوری انھوں نے یہ حلف اٹھایا لیکن اس کے بعد انھوں نے قائدِ اعظمؒ سے اپنا اور دیگر دہری شہریت والوں کا موازنہ شروع کردیا۔ آگے بڑھنے سے پہلے یہ بات ہوجائے کہ آیا سپریم کورٹ نے تمام اوورسیز پاکستانیوں کے خلاف کوئی فیصلہ دیا ہے یا آئین پاکستان کے مطابق بات کی ہے؟ دہری شہریت کے معاملے پر ایم کیوایم پہلے روز سے ہی لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کررہی ہے اور سپریم کورٹ کے فیصلے کو اوورسیز پاکستانیوں کے خلاف ثابت کرنے کی کوشش کررہی ہے۔ پہلی بات تو یہ یاد رکھیں کہ تمام ہی اوورسیز پاکستانی ہمارے لیے بہت قابل احترام ہیں۔ وہ اپنے گھر والوں، ماں باپ، بیوی بچوں بہن بھائی سے مجبوری کی وجہ سے دور ہوتے ہیں اور دیار غیر میں رزقِ حلال کماتے ہیں۔ وطن اور اپنوں سے دوری کا کرب شائد میں اور آپ نہ جانتے ہوں اس کرب سے جو گذرتا ہے وہی اس کو بہتر بیان کرسکتا ہے۔ وطن سے دور یہ تمام لوگ پاکستان کے غیر اعلانیہ سفیر ہوتے ہیں اور انفرادی طور پر اپنے وطن کا نام روشن کرنے کی حتی الامکان کوشش کرتے ہیں۔ دوسری جانب یہی اوورسیز پاکستانی زر مبادلہ کی شکل میں پاکستانی معیشت کو بھی بہت سہارا دیتے ہیں۔ المیہ یہ ہے کہ یہ جو عام اوورسیز پاکستانی ہیں یہ بے چارے بھی

ہماری آپ کی طرح مظلوم ہیں اور ملک کے کرپٹ نظام اور دھوکا دہی کلچر کا شکار ہوتے ہیں، وطن واپسی پر ائر پورٹ سے نکلتے ہیں ان کو پولیس اور دیگر ایجنسی کے ارکان گھیر لیتے ہیں اور مختلف بہانوں سے ان سے رقم بٹوری جاتی ہے، اس کے بعد بھی ان کا پیچھا نہیں چھوڑا جاتا اور ان کے تعاقب کرکے گھر دیکھا جاتا ہے اور ایسے کئی واقعات ہوئے کہ ان اوورسیز پاکستانیوں کو وطن واپسی کے کچھ روز بعد ہی ڈکیتی کا سامنا کرنا پڑا۔ گذشتہ دنوں ایک انٹرنیشنل اردو اخبار میں مسلسل ایک فیچر چھپتا رہا جس میں اسلام آباد اور لاہور سے تعلق والے کئی اوورسیز پاکستانیوں کے ساتھ یہ ظلم ہوا کہ وہ بچارے وہاں سے پیسہ پیسہ جوڑ کر یہاں پلاٹ لیکر مطمئن ہوگئے کہ وطن واپسی سے پہلے اس پلاٹ پر اپنا گھر بنائیں گے لیکن جب کچھ سالوں کے بعد انہوں نے وطن آنے کے بعد اپنے پلاٹ کا وزٹ کیا تو معلوم ہوا کہ وہ جگہ تو اب کسی اور کی ہوچکی ہے ان کی زمینوں پر منظم مافیاز نے قبضہ کرلیا ہے اور یہ بے چارے ان کا کچھ بگاڑ بھی نہیں سکتے ہیں۔ مقصد یہ کہ اوورسیز پاکستانی بھی ہماری آپ کی طرح ملکی کرپٹ نظام اور دھوکا دہی کا شکار ہوتے ہیں۔

ایک طرف یہ عام اوورسیز پاکستانی ہیں دوسری جانب وہ کرپٹ، مفاد پرست سرمایہ دار اور سیاست دان ہیں جو کہ حالات سازگار دیکھ کر یہاں آتے ہیں، کرپشن کرتے ہیں، مفادات حاصل کرتے ہیں، اور ناموافق حالات کو دیکھتے ہوئے دوبارہ

یہاں سے رخصت ہو جاتے ہیں اور عوام کو یہ راگ سنایا جاتا ہے کہ ہمیں جلا وطن کر دیا گیا ہے حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں ہوتی ہے اگر کوئی فرد جرم کرے گا تو سزا کے لیے بھی تیار رہے۔ بہر حال سپریم کورٹ نے آئین کے مطابق دہری شہریت والوں کو پارلیمنٹ کی رکنیت کے لیے نا اہل قرار دیدیا۔ اس فیصلے کی زد میں عام اوورسیز پاکستانی تو کسی صورت نہیں آتے ہیں۔ اوورسیز پاکستانیوں کی نیت پر کوئی شبہ نہیں ہے لیکن جس طرح مجبوری کے تحت بقول الطاف بھائی دوسرے ملک کی وفاداری کا حلف اٹھایا جاتا ہے تو جب ایسے مجبور لوگوں کو پارلیمنٹ میں جانے کا موقع ملتا ہے تو اس کا مطلب کہ ان کی مجبوری ختم ہو گئی اب اگر ان کے دلوں اچانک میں قوم کا درد جاگ اٹھا ہے تو مجبوری" میں لی گئی دہری شہریت کا طوق اتار پھینکیں اور پھر پارلیمنٹ میں آئیں۔" شوکت عزیز دہری شہریت، ملک کے وزیر اعظم بنے، ان کے دور کی لگائی ہوئی آگ میں آج بھی وطن جل رہا ہے لیکن خود شوکت عزیز کہاں ہیں؟؟ کیا وہ پاکستان میں ہیں؟ جی نہیں وہ امریکہ کی شہریت رکھتے تھے واپس چلے گئے اب ان کو آنے کی کیا ضرورت ہے ہاں جب کبھی حالات بہتر ہونے جب عوام کی قربانیاں رنگ لائیں گی، ملک میں امن و امان ہوگا تو اس وقت یہ موصوف پھر نازل ہو جائیں گے۔ یہ کوئی حسین حقانی نام کے بھی ایک صاحب ہوا کرتے تھے، امریکہ میں امریکہ کے اوہ معاف کیجیے گا امریکہ میں پاکستان کے سفیر تھے ان کے خلاف یہاں

غداری کا مقدمہ چلا، وہ آئے حالات ناموافق تھے، سپریم کورٹ سے جھوٹ بولا کہ امریکہ سے اپنی چیزیں لیکر بس یوں گیا اور یوں آیا، انھوں نے تحریری وعدے کیے کہ جب عدالت طلب کرے گی میں حاضر ہوجاؤں گا۔ اب کئی ماہ ہوگئے ان کا واپس آنے کا کوئی ارداہ نہیں ہے ان کے پاس بھی امریکی شہریت ہے اس لیے اب ان کے نزدیک پاکستانی عدالتوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے ہاں جب حالات بہتر ہونگے اس وقت یہ صاحب یہ آکر ملک کو لوٹنے کا فریضہ سرانجام دیں گے۔ عوام کا حافظہ بہت کمزور ہوتا ہے ایک دو سالوں کے بعد لوگ بھول جائیں کے کہ یہ موصوف یہاں سے کیوں گئے تھے۔

موجودہ صدر آصف علی زرداری صاحب بھی نواز شریف کے دور سے لیکر مشرف دور کے آخری برسوں تک جیل میں تھے یہ بھی یہاں سے ضمانت پر رہا ہو کر سیدھے دبئ روانہ ہوگئے تھے اور بی بی کی وفات تک انھوں نے واپس آنے کی کوشش نہیں کی جب انھوں نے دیکھا کہ اب الیکشن کا دور دورہ ہے اور اسی دوران بی بی صاحبہ کی شہادت ہوگئی تو انھوں نے بھی موقع سے فائدہ اٹھایا اور پاکستان آگئے، یہاں آنے اور صدر بننے کے ابتدائی ایک سال میں ان کا قیام پاکستان سے زیادہ لندن اور دبئ میں رہا ہے۔ یہ جو وفاقی وزیر داخلہ صاحب ہیں انھوں نے اپنی شہریت کردی ہے ورنہ یہ بھی ملکہ برطانیہ کے حلف برداروں میں سے تھے۔ نواز شہباز شریف بھی مشکل وقت میں ملک چھوڑ گئے تھے۔ اب ان لوگوں اور ان جیسے دیگر

سیاست دانوں کا کردار دیکھیں اور پھر یہ فیصلہ کیجیے کہ کیا آئین کی یہ شق غیر ضروری ہے؟؟ کیا مفاد پرست سیاستدانوں کے طرز عمل کے بعد سپریم کورٹ کا اس معاملے میں فعال ہونا درست نہیں ہے؟؟؟ اور کیا ان ساری باتوں کا تعلق ان عام اوورسیز پاکستانیوں سے ہے یا وہ مفاد پرست ٹولہ جو ہر سیاسی جماعت میں موجود ہے وہ اس قانون کی ذد میں آتا ہے؟ اس لیے ہم سمجھتے ہیں کہ یہاں متحدہ کے قائد الطاف حسین اور دیگر رہنماؤں کی جانب سے سپریم کورٹ کے فیصلے کو اوورسیز پاکستانیوں کے خلاف سمجھنا اور لوگوں کو اس بارے میں گمراہ کرنا درست نہیں ہے ان کو چاہیۓ کہ وہ عوام کو گمراہ نہ کریں۔

(جاری ہے)

قائد تحریک کا قائد اعظمؒ پر ڈرون حملہ۔ آخری حصہ

کیا ہجرتِ مدینہ اور قائد تحریک کی لندن روانگی ایک ہی بات ہے؟

گذشتہ مضمون میں ہم نے اوورسیز پاکستانیوں کا ذکر کیا تھا اور یہ ذکر خاصا طویل ہوگیا لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ اس کے بغیر شائد بات سمجھانا مشکل ہوتا۔ خیر اب ہم اپنے موضوع کی طرف آتے ہیں یعنی الطاف حسین کا قائد قائد اعظمؒ کے بارے میں بقول خود انکشاف اور پھر قائد اعظمؒ سے اپنا اور اپنے جیسے دیگر لوگوں کا موازنہ کرنا۔ یہاں پہلی بات تو یہ عرض کردیں کہ قائد اعظم محمد علی جناحؒ نے برطانوی آئین کے تحت حلف نہیں اٹھایا تھا کس کے بارے میں الطاف حسین صاحب نے انکشاف کیا ہے بلکہ قائد اعظمؒ نے 1935 کے انڈین ایکٹ کے تحت اٹھایا تھا اور اس کو عبوری آئین کا درجہ حاصل تھا۔ اس حلف کی دوسری خاص بات یہ کہ قائد اعظمؒ نے حلف میں موجود شاہ برطانیہ سے وفاداری کے الفاظ کو اپنے قلم سے کاٹ دیا تھا اور اس کے بعد حلف لیا تھا۔ یہ بھی تاریخی حقائق ہیں اس لیے یہاں انھوں نے غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ اب جہاں تک الطاف حسین صاحب کا یہ کہنا ہے کہ انھوں نے مجبوری کے تحت حلف لیا تھا تو اگر میں نے بھی مجبوری میں برطانوی شہریت حاصل کی تو کیا غلط

کیا؟ان کا قائد اعظمؒ سے موازنہ بھی بالکل غلط ہے۔پہلی بات تو یہ کہ اس وقت سارے۔برصغیر کے لوگ۔برطانیہ کے غلام تھے لیکن یہ غلامی اختیاری نہیں تھی بلکہ پیدائشی اور مسلط شدہ تھی ، قائد اعظم محمد علی جناح نے۔برطانوی شہریت کی درخواست نہیں کی تھی بلکہ۔برطانیہ سے آزادی کی جدوجہد کی تھی ۔ جبکہ الطاف حسین صاحب نے از خود۔برضا و رغبت غلامی کا یہ طوق اپنے گلے میں ڈالا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے مجبوری میں۔برطانوی شہریت اختیار کی لیکن معذرت کے ساتھ عرض کرتا چلوں کہ "مجبوری" کے تحت حاصل کیے گئے۔برطانوی پاسپورٹ کے ساتھ انھوں نے جو تصویر جاری کی تھی وہ ان کی بات کی نفی کرتی ہے۔

اس تصویر کو غور سے دیکھیے اور قائد تحریک کے ہونٹوں پر مسکراہٹ اور چہرے پر پھیلی خوشی بتا رہی ہے کہ دراصل ان کی منزل یہی تھی یہ بات ان کی اپنی ہی بھارت میں کی گئی تقریر سے بھی ثابت ہوتی ہے جس میں انھوں نے برصغیر کی تقسیم کو تاریخ کی بہت "عظیم غلطی" قرار دیتے ہوئے کہا تھا کہ اگر میں 1947 میں ہوتا تو پاکستان کے حق میں کبھی ووٹ نہ دیتا اس لیے ان کی مجبوری کی بات میں بھی کوئی دم نہیں ہے۔
دوسری بات کہ مجبوری میں کیے گئے فیصلے مجبوری ختم ہونے کے بعد واپس لیے جاتے ہیں لیکن انھوں نے ایسا کبھی نہیں کیا۔ چلیں مان لیا کہ ان کی جان کو خطرہ ہے لیکن ان کے جو ساتھی یہاں موجود ہیں انھوں نے بھی دیگر ممالک کی دہری شہریت کو ترک کرنے کے بجائے پارلیمنٹ کی رکنیت چھوڑنا مناسب سمجھا ہے تو پھر ان کا مجبوری کا دعویٰ کہاں تک درست ہے؟؟ پتہ نہیں قائد تحریک اور ان کے ساتھی لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کیوں کرتے ہیں؟ اب مجھے بتائیں کہ کیا ان کو قائد اعظمؒ سے موازنہ کرنا زیب دیتا ہے؟؟
قائد تحریک یہ ساری غلط بیاناں کرتے رہے اور ان کے سارے ساتھی، ارکان اسمبلی، رابطہ کمیٹی کے ارکان ان کی ہاں میں ہاں ملاتے رہے، اور پھر انھوں نے ایک قدم آگے بڑھ کر نبی اکرم کی شان مبارک میں گفتگو کرنی شروع کی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ اب انھوں اپنی دہری شہریت اور ملک سے فرار کو نبی

اکرمؐ کی ہجرت سے تشبیہ دیدی۔ استغفراللہ ! افسوس کہ اس پورے مجمع میں کوئی ایسا فرد نہ تھا جو کہ قائد تحریک کو اس حوالے سے سمجھاتا بلکہ ان کی ہاں میں ہاں ملائی جاتی رہی۔ اب یہ ضروری ہے کہ یہاں بھی ان کی گستاخی کا جواب دیدیا جائے۔
موصوف کی خدمت میں عرض کردیں کہ نبی اکرم نے ہجرت اللہ کی راہ میں کی تھی، اللہ کے حکم کے مطابق کی تھی اور اللہ کے حکم کے مطابق ہی صحابہ کرامؓ کو ہجرت کا حکم دیا تھا۔ اس کا تعلق کسی بھی طرح سے الطاف حسین کی مفروری سے نہیں بنتا۔ نبی کرم کی حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ جس نے عصبیت کی طرف بلایا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ جس نے عصبیت پر جان دی وہ ہم میں سے نہیں ہے، جو عصبیت کی خاطر لڑا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ یعنی عصیبت کی طرف بلانے والے سے نبی اکرم نے اعلان برئیت کیا ہے۔ جس وقت الطاف حسین صاحب ملک سے فرار ہوئے اس وقت وہ "مہاجر قومی موومنٹ" کے قائد تھے، اس وقت وہ قومیت اور لسانیت کا پرچار کر رہے تھے، عصبیت کو ابھار رہے تھے اور ایسے لوگوں سے نبی پاک نے اعلانِ برات کیا ہے کجا یہ کہ موسوف عصبیت بھڑکانے کے بعد فرار ہونے کو ہجرت مدینہ سے مشابہ قرار دے دیا۔ پھر یہ دیکھیں کہ نبی اکرم نے پہلے تمام مظلوم مسلمانوں کو مکہ سے باہر بھیجا اور خود آخر میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ہمراہ ہجرت کے سفر پر روانہ ہوئے۔ جبکہ الطاف حسین کارکنوں کو بتائے

یہاں مصیبت میں چھوڑ کر خود عمرہ کرنے کے بہانے سعودیہ گئے اور وہاں سے پھر لندن میں جاکر جو ٹھہرے ہیں تو آج تک ان کی واپسی نہیں ہوئی ہے۔اس پر طرہ یہ کہ اپنے ان تمام اعمال کو نبی پاک اور قائدِ اعظمؒ کے معاملات سے ملا کر لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کریں۔

یہ کوئی اتفاقیہ خطاب نہیں ہے بلکہ دراصل یہی وہ فکری نشستیں ہیں جس میں نوجوانوں کی برین واشنگ کی جاتی ہے پہلے اس قسم کی گفتگو وہ اپنی مخصوص نشستوں میں کرتے تھے لیکن اب حکومت کی جانب سے شہہ ملنے کے بعد ان کا یہ حوصلہ ہوگیا ہے کہ وہ اپنے ان گمراہ کن عقائد اور نظریات کا سرعام پرچار کرنے لگے ہیں۔ یہ حکومتی سرپرستی کا ہی نتیجہ ہے کہ اب وہ مخالفین کو نجی محفلوں کے بجائے سرعام اور میڈیا کے سامنے گالیاں اور دھمکیاں دینے لگے ہیں اور صحافیوں کو بھی سرعام دھمکانے لگے ہیں۔اور ان سب کے باوجود دعویٰ کرتے ہیں حب الوطنی کا۔ یہاں ہمیں صحافی برادری پر بھی افسوس ہے کہ انھوں نے الطاف حسین سے احتجاج کیا بھی تو ادھورا، صحافی ہماری موصوف سے دست بستہ درخواست ہے کہ سیاست ضرور کریں لیکن اپنے اعمال کو نبی پاک اور قائدِ اعظمؒ جیسی ہستیوں سے نہ ملائیں ۔آپ کا اور ان کا کوئی موازنہ نہیں ہے۔آپ نے دانستہ یا نادانستگی میں جو گستاخیاں کی ہیں اللہ سے ان کی معافی طلب کریں اور توبہ کریں۔ ان کے کارکنوں سے بھی ادب کے ساتھ عرض کردیں کہ اسلام نے

اسی لیے شخصیت پرستی اور اندھی تقلید سے منع فرمایا ہے۔ آپ لوگ کم از کم یہ تو کریں کہ اپنے مقامی ذمہ داران کے توسط سے اپنی بات قائد تحریک تک پہنچائیں اور ان کو غلطیوں کا احساس دلائیں۔

اسوہ رسول ﷺ اور ہماری زندگی پیغام سیرتؐ

ربیع الاول کا بابرکت مہینہ ہم پر سایہ فگن ہے۔ یہ وہ بابرکت مہینہ ہے جس میں فخر کائنات ، رحمت اللعالمین ﷺ اس دنیا میں تشریف لائے۔ ربیع الاول کی بارہ تاریخ (بعض مورخین کے نزدیک نو تاریخ) کو آپ ﷺ اس دنیا میں تشریف لائے۔ ولادت باسعادت کے دن ایران کے آتشکدے میں مسلسل ہزار سال سے روشن آگ خود بخود بجھ گئی، قیصر روم کے محل کے کنگرے اچانک گر گئے، اور خانہ کعبہ میں موجود بت منہ کے بل زمین پر آ گرے۔ یہ ساری اس بات کی نشانیاں تھیں کہ اب اس دنیا میں باطل کی فرمانروائی اور حاکمیت کا دور ختم ، جھوٹے خداؤں کی خدائی اب نہیں چلے گی۔ اب صرف اور صرف اللہ کا قانون چلے گا یعنی رب کی دھرتی پر رب کا نظام اس بابرکت مہینے کے آتے ہیں لوگوں کے دل کھل جاتے ہیں اور وہ عقیدت واحترام اور جوش وجذبے کے ساتھ اس دن کو منانے کی تیاریاں شروع کردیتے ہیں۔ پہلی ربیع الاول سے ہی گھروں اور مساجد پر چراغاں شروع ہوجاتا ہے، سبز جھنڈوں کی بہار آجاتی ہے ، ہر طرف نعتوں کی آوازیں گونجنا شروع ہوجاتی ہیں، مساجد میں آئمہ کرام سیرت النبیﷺ پر تقاریر کرتے ہیں لیکن حق تو یہ ہے کہ ان سب کے باوجود آپؐ کی سیرت کا حق ادا نہیں ہوتا۔

سوچیے کہ کیا گھروں اور مساجد کو سجانے، چراغاں کرنے اور تقاریر کرنے سے حق ادا ہوجائے گا؟؟ سوچیے کہ ہم یہ سب چیزیں کریں لیکن اگر نبی مہربانؐ کے اخلاق حسنہ پر عمل نہ کریں، آپؐ کی احادیث مبارکہ کے پیغامات کو عام نہ کریں تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ ساری باتیں بیکار ہوجائیں گی۔یاد کیجیے وہ موقع کہ جب ابو جہل نے نبی اکرمؐ کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے آپؐ پر مٹی پھینکی اور پھر آپؐ کا سر مبارک زخمی کردیا، اس وقت ایک لونڈی یہ سارا ماجرا دیکھ رہی تھی، اسی شام جب آپ کے عزیز چچاحضرت حمزہؓ جو کہ ایک انتہائی بہادر، جری اور طاقتور انسان تھے شکار سے واپس آئے تو اس لونڈی یہ سارا ماجرا ان کو بتایا، نبی پاکؐ کے سر مبارک کے زخمی ہونے کی خبر نے آپؓ کو چراغ پا کردیا اور آپ ابو جہل کو ڈھونڈنے نکلے ، وہ اس وقت خانہ کعبہ میں موجود تھا، حضرت حمزہؓ نے اپنی کمان اس ذور سے اس کے سر پر ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا اور وہ لہولہان ہوگیا، اس کے بعد حضرت حمزہؓ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا'' بھتیجے میں نے ابو جہل سے تمہارا بدلہ لے لیا ہے''۔ یہ بات سن کر نبی اکرمؐ نے فرمایا چچا جان مجھے زیادہ خوشی اس وقت ہوگی جب آپ ایمان لے آئیں گے، یہ بات سن کر حضرت حمزہؓ کلمہ پڑھ کر ایمان لے آئے۔ غور کیجیے کہ حضرت حمزہؓ آپ ﷺ کی محبت سے سرشار تھے، آپؐ کو تکلیف پہنچنے پر وہ بے چین ہوگئے اور ابو جہل سے بدلہ بھی لیا لیکن نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ مجھے زیادہ خوشی اس وقت ہوگی جب آپ ایمان لے آئیں گے۔

! ایمان یعنی عمل

ایمان کیا ہے؟

ایمان دراصل یہ ہے کہ اللہ کی واحدانیت اور نبی اکرمؐ کی رسالت کا زبان سے اقرار کیا جائے، اس کو دل میں بسایا جائے اور عمل سے اس کا اظہار کیا جائے، اگر ہم زبان سے محبت کے دعوے کریں لیکن ہمارا عمل صرف گھر اور مسجد کو سجانے تک محدود رہے تو کیا یہ ایمان کامل ہوگا؟؟ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمارا جشن ولادت صرف شہر کے در و دیوار کو سجانے تک محدود نہ رہے بلکہ ہم اسوہ رسولؐ پر عمل پیرا ہوں اور آپؐ کی تعلیمات کو عام کریں۔

کسی غم گسارؐ کی محنتوں کا یہ خوب میں نے صلہ دیا
کہ جو میرے غم میں گھلا کیا، اسے دل سے میں نے بھلا دیا
جو جمال روح حیات تھا جو دلیل راہِ نجات تھا
اسی راہبر کے نقوشِ پا کو مسافروں نے مٹا دیا
میں تیرے مزار کی جالیوں ہی کی مدحتوں میں مگن رہا
تیرے دشمنوں نے تیرے چمن میں خزاں کا جال بچھا دیا
تیرے حسن خلق کی اک رمق میری زندگی میں نہ مل سکی
میں اسی میں خوش ہوں کہ شہر کے در و بام کو تو سجا دیا
تیرے ثور و بدر کے باب کے میں ورق الٹ کے گزر گیا

مجھے صرف تیری حکایتوں کی روایتوں نے مزا دیا
کبھی اے عنایتِ کم نظر تیرے دل میں یہ کسک ہوئی

عام انتخابات، سندھ اور متحدہ کی پریشانی

شہر متحدہ کے ہاتھوں سے نکلتا جارہا ہے۔ اور متحدہ کے رہنما اب اس شہر پر قبضہ برقرار رکھنے کی ناکام کوششوں میں مصروف ہیں۔ بہت پہلے ہم یہ بات کہہ چکے ہیں کہ اب متحدہ آئندہ انتخابات ایک بار پھر مہاجر کے نام پر لے گی اور اب یہ بات سچ ثابت ہوتی دکھائی دے رہی ہے۔ متحدہ قومی موومنٹ جو کہ جنرل پرویز مشرف کے دور سے لے کر پی پی کی موجودہ حکومت کے ساتھ چار سال اور گیارہ ماہ تک شامل رہی ہے، اب حکومت کی مدت ختم ہونے سے صرف ایک ماہ قبل متحدہ کے رہنماؤں پر یہ انکشاف ہوا کہ چار سال گیارہ ماہ اور چند دن تک ان کو کچھ ملا ہی نہیں ہے اور وہ تو بس پی پی حکومت کا شامل باجا تھے۔ یہ انکشاف ہونے کے بعد انہوں نے حکومت سے علیحدگی کا اعلان کردیا۔ دراصل یہ اعلان اہلیان پاکستان اور بالخصوص کراچی، حیدرآباد اور سکھر وغیرہ کے عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے کیا گیا تھا کہ اس طرح ایک ماہ حکومت سے باہر رہ کر ایک طرف تو مظلومیت کا ڈرامہ رچایا جائے گا دوسری جانب سینیٹ اور سندھ اسمبلی میں اپوزیشن کی نشستوں پر بیٹھ کر اور وہاں اپنا اپوزیشن لیڈر منتخب کرکے نگران حکومت پر اثرانداز ہونے کی کوشش کی جائے۔

حکومت سے علیحدگی کے لیے پیپلز امن کمیٹی کے رہنماؤں پر قائم مقدمات کی واپسی کو جواز بنایا گیا ہے، متحدہ نے تو الگ ہونا ہی تھا اگر اس معاملے پر نہ ہوتی تو کسی اور معاملے کو جواز بنا دیا جاتا۔ حکومت سے الگ ہونے کے بعد سے متحدہ نے عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کرتے ہوئے گذشتہ پانچ سالوں میں ہونے والی ہر تخریب کاری، عوام دشمن پالیسی، ناکام خارجہ پالیسی وغیرہ کو پی پی کے کھاتے میں ڈالنے کی کوششیں شروع کردی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ متحدہ نے شہر بدامنی پھیلانے کی کوششیں بھی شروع کردی ہیں۔

کوئٹہ میں ہونے والے دھماکوں کے بعد جب شیعہ برادری نے احتجاجی دھرنوں کا پروگرام بنایا تو متحدہ نے پوری کوشش کی کہ ہزارہ برادری اور حکومت کے درمیان مذاکرات ناکام ہوجائیں، لیکن شومئی قسمت کہ ایسا نہیں ہوا اور ہزارہ برادری نے اپنے مطالبات کی منظوری کے بعد دھرنوں کو ختم کرنے کا اعلان کردیا۔ یہ اعلان متحدہ کے پروگرام کے خلاف تھا اس لیے متحدہ نے دھرنے ختم کرنے کے واضح اعلان کے باجود کوشش کی کہ کراچی اور حیدرآباد میں دھرنے جاری رہیں لیکن مجلس وحدت المسلمین اس بات کو اچھی طرح سمجھ چکی ہے کہ متحدہ کو شیعہ یا سنی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے بلکہ وہ صرف اور صرف اپنے مفادات کے لیے شیعہ برادری کو استعمال کررہی ہے اس لیے انھوں نے دھرنے ختم کرنے کے حوالے سے الطاف حسین کے بیان پر سخت ردعمل کا اظہار کیا۔ اس کے

ساتھ ساتھ ابھی تک کی موصولہ اطلاعات کے مطابق مجلس وحدت المسلمین نے انتخابات میں حصہ لینے کا بھی اعلان کر دیا ہے۔

دراصل یہ اعلان متحدہ کے لیے بہت پریشان کن ہے کیوں کہ متحدہ کے ووٹرز میں اکثریت شیعہ برادری کی ہے اور جب سیاست اور مسلک میں سے کسی ایک کو ووٹ دینے کا معاملہ ہوگا تو لامحالہ شیعہ برادری کا ووٹ مجلس وحدت المسلمین کے حق میں ہوگا۔ایک جانب متحدہ قیادت ان کے اعلان سے خائف ہے دوسری جانب متحدہ ماضی میں پاکستان کی ہر سیاسی پارٹی سے جھگڑا مول چکی ہے، ہر قومیت سے لڑائی کر چکی ہے اس لیے اس بات کا امکان بہت کم ہے کہ آئندہ انتخابات میں وہ کسی بڑی پارٹی کے ساتھ سیٹ ایڈجسٹمنٹ یا انتخابی اتحاد قائم کرے البتہ عمران خان کی تحریک انصاف پی پی پی اور نواز لیگ کے مقابلے میں متحدہ کے لیے نرم گوشہ رکھتی ہے اس لئے تحریک انصاف کے متعلق فی الوقت کوئی پیش گوئی نہیں کی جا سکتی کہ وہ آئندہ انتخابات میں کس طرف جائے گی ۔ اس کے ساتھ ساتھ گذشتہ دنوں متحدہ اور اے این پی میں رابطہ ہوا ہے عین ممکن ہے کہ یہ دونوں پارٹیاں کراچی میں ایک دو مقامات پر سیٹ ایڈجسٹمنٹ کرلیں۔(یہ بھی ممکن ہے کہ پی پی پی اور متحدہ ایک بار پھر آپس میں اتحاد کرلیں)

۔دوسری جانب جماعت اسلامی نے اس بار کسی اتحاد کا حصہ بننے کے بجائے اپنے نام اور انتخابی نشان (میزان) سے انتخابات میں حصہ لینے کا اعلان کیا ہے۔جماعت

اسلامی نے اپوزیشن پارٹیوں کے ساتھ اپنے روابط کو مضبوط کرتے ہوئے اپنی انتخابی مہم کا آغاز کردیا ہے۔ جماعت اسلامی کسی بھی صورت متحدہ سے اتحاد نہیں کرسکتی، ہاں جماعت اسلامی اور ن لیگ اور جماعت اسلامی اور تحریک انصاف کا آپس میں سیٹ ایڈ جسٹمنٹ کا امکان موجود ہے۔

اس کے علاوہ ن لیگ کے میاں نواز شریف نے بھی اپنی انتخابی مہم کا آغاز کردیا ہے اور انھوں نے سندھ کو ہدف بنا کر کئی مقامات میں جلسے اور اجتماعات سے خطاب کیا ہے۔ ن لیگ کو موجودہ حکومت کی ناکام کارکردگی کے باعث ووٹ ملے گا اس لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ پی پی یا متحدہ سے کہیں سیٹ ایڈ جسٹمنٹ کرسکے۔ مولانا فضل الرحمان صاحب نے ایم ایم اے کے پلیٹ فارم سے انتخابات میں حصہ لینے کا اعلان کیا ہے۔ مولانا صاحب کی بڑی کوششوں کے باجود اس دفعہ جماعت اسلامی بغیر کسی تحریری معاہدے اور واضح اصولوں کے بغیر اس اتحاد کا حصہ نہیں بنی ہے۔ جماعت اسلامی کی غیر موجودگی میں ایم ایم اے کو ماضی میں ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے جب کہ گذشتہ انتخابات میں جماعت اسلامی نے بائیکاٹ کیا تھا لیکن اس دفعہ جماعت اسلامی اپنے نام کے ساتھ انتخابی عمل میں حصہ لے رہی ہے تو یہ بات مولانا صاحب کے لیے پریشانی کا باعث ہے۔ ممکن ہے کہ اگلے چند دنوں میں جماعت اسلامی اور ایم ایم اے میں سیٹ ایڈ جسٹمنٹ کا کوئی معاہدہ ہوجائے کیوں کہ سندھ اور پنجاب میں

مولانا صاحب جماعت اسلامی کو نظر انداز کرنے کی غلطی نہیں کر سکتے بصورتِ دیگر اگر جماعت اسلامی اور ایم ایم اے مد مقابل ہوتی ہیں تو دونوں کو نقصان پہنچے گا۔

یہ ساری صورتحال ایک طرف ہے اور نئی حلقہ بندیوں کا شور، ووٹر لسٹوں کی درستگی وغیرہ کا معاملہ اپنی جگہ ہے جب کہ شنید ہے کہ آئندہ انتخابات فوج کی نگرانی میں کرائے جانے کا امکان ہے ۔اگر ایسا ہوجاتا ہے تو یہ چیز متحدہ کے لیے قابل قبول نہیں ہوگی۔ اب اگر ساری صورتحال کا جائزہ لیا جائے تو یہ نظر آتا ہے کہ اگر متحدہ قومی موومنٹ انتخابات میں حصہ لیتی ہے تو اسے توقع سے کہیں زیادہ نقصان اٹھانا پڑ سکتا ہے ۔اور اگر وہ انتخابی عمل کا بائیکاٹ کرتی ہے تو پھر اس کے پاس کرنے کے لیے کچھ بھی نہیں رہ جائے گا کیوں کہ متحدہ ایک بلیک میلر پارٹی ہے جو کہ ہر صورت میں اقتدار میں رہنا چاہتی ہے اور اقتدار میں رہنے کے لیے الیکشن میں حصہ لینا ضروری ہے۔

اب متحدہ کی یہ کوشش ہوگی کہ جب تک کہیں سے کوئی واضح اشارہ اور یقین دہانی نہ ہو جائے اس وقت تک انتخابی عمل کو موخر کردیا جائے، انتخابی عمل کو موخر کرنے کے لیے متحدہ کراچی اور سندھ بھر میں دہشت گردی اور بدامنی پھیلانے کی پوری کوشش کرے گی اور اس کا آغاز ہوچکا ہے۔ سندہ بالخصوص کراچی

اور حیدرآباد کے بدامنی کی نئی لہر کے لیے تیار ہو جائیں۔

سانحہ بادامی باغ: کیا خوب "غیرتِ ایمانی" ہے

گزشتہ ہفتے لاہور کے مضافات میں واقع بادامی باغ میں عیسائی آبادی پر قیامت ٹوٹ پڑی جب ان کے گھروں پر شر پسندوں نے حملہ کرکے ان کی املاک کو باقاعدہ جلایا گیا۔ یہاں میں نے باقاعدہ کا لفظ اس لیے استعمال کیا ہے کہ اخباری اطلاعات کے مطابق شر پسندوں نے صرف ان کے گھروں کو آگ نہیں لائی بلکہ ان کے گھروں سے سامان نکال نکال کر اس کو بھی جلایا گیا۔ اس واقعے پر عیسائی آبادی کا مشتعل ہونا ایک فطری عمل ہے۔

جب اس واقعے کی تفصیلات اخبارات میں شائع ہوئیں تو بہت سی باتیں ایسی تھیں جنھوں نے مجھے مجبور کیا کہ میں اس پر کچھ بات کروں۔ آگے بڑھنے سے پہلے میں چاہوں گا کہ آپ میرے ساتھ ذرا ماضی کی سیر کیجیے۔ یہ سن ۹ ہجری ہے۔ رمضان کا مہینہ ہے اور نبی اکرمؐ کو اطلاع ملی کہ شام کے عیسائی روم کے بادشاہ ہرقل کی مدد سے مدینہ پر حملہ کرنے آرہے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ افواہ بھی پھیل گئی کہ ہرقل چالیس ہزار کا لشکر ساتھ لے کر چل پڑا ہے۔ نبی مہربانؐ نے یہ اطلاعات سن کر مسلمانوں کو تیاری کا حکم دے دیا۔ رمضان کا مہینہ ، سخت گرمی کا عالم، اس کے ساتھ ساتھ مکہ کی معیشت کی ریڑھ کی ہڈی یعنی کھجوریں بھی

تقریباً پک چکی ہیں لیکن اس وقت جہاد کی تیاری کا حکم ملتا ہے۔ بہر حال جب لشکر کی روانگی کا وقت آیا تو چشم فلک نے ایک عجیب منظر دیکھا۔ آج تک یہ ہوتا آیا تھا کہ جب کسی ملک پر جنگ کے بادل منڈلاتے تھے اس وقت بادشاہوں کی جانب سے رعایا پر مختلف ٹیکس لگا کر رقم بٹوری جاتی تھی تا کہ جنگی اخراجات پورے کیے جائیں لیکن یہاں معاملہ اس کے بالکل برعکس تھا اور مسلمان مدینے میں بسنے والے غیر مسلموں عیسائیوں اور یہودیوں) کو ان کے جزیے کی رقوم واپس کر رہے ہیں اور ساتھ ساتھ) یہ کہتے جاتے ہیں کہ یہ رقم ہم نے اس معاہدے کے تحت لی تھی کہ اس کے عوض آپ کی جان و مال کی حفاظت کی جائے گی لیکن اب جو معرکہ درپیش ہے شائد ہم آپ کی جان و مال کی کما حقہ حفاظت نہ کر سکیں اس لیے ہم سمجھتے ہیں کہ جزیے کی رقم پر ہمار کوئی حق نہیں ہے۔ ذرا اس منظر کو سامنے رکھیں اور پھر آج ہم اپنا طرزِ عمل دیکھیں تو خدا لگتی کہیے کہ کیا ہم لوگ مسلمان کہلانے کے لائق ہیں؟؟

اب ہم سانحہ بادامی باغ کی طرف واپس آتے ہیں۔ یہ واقعہ نہ صرف ہماری انتظامیہ کی بد انتظامی اور ناقص حکمت عملی کا شاہکار ہے بلکہ یہ ہماری منافقت اور دہرے معیارات و طرزِ عمل کا ایک منہ بولتا ثبوت ہے۔ تفصیلات اس سانحے کی یہ ہیں کہ ساون مسیح اور شاہد نامی نوجوان کا شراب نوشی کے دوران کچھ جھگڑا ہوا۔ دورانِ جھگڑا ساون مسیح نے مبینہ طور پر پیغمبر اسلام کی شان

میں گستاخانہ کلمات کہے۔جب مقامی آبادی میں یہ بات پھیلی تو وہاں اشتعال پھیل گیا۔ مقامی عیسائی آبادی کے معتبر افراد نے ازخود مبینہ ملزم ساون مسیح کو پولیس کے حوالے کردیا تاکہ فساد نہ پھیلے لیکن انتظامیہ نے ملزم کی گرفتاری ظاہر نہیں کی جس سے مقامی آبادی میں اشتعال مزید بڑھتا چلا گیا۔ انتظامیہ نے عیسائی افراد کی جانب سے توجہ دلانے اور درخواست کرنے کے باوجود نہ تو ملزم کی گرفتاری ظاہر کی اور نہ ہی عیسائی آبادی کے تحفظ کے لیے خاطر خواہ انتظامات کیے جس کے باعث یہ سانحہ رونما ہوا۔ دیکھیں توہین رسالت کے مرتکب افراد کو کیفر کردار تک پہنچایا جانا چاہیے تاکہ کسی بھی فرد کو یہ جرات نہ ہو کہ وہ نبی مہربانؐ کی ذات پاک پر گستاخانہ حملے کرے؟ ان کی ذات کو نشانہ بنائے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اعتدال کا دامن تھامنا بھی ضروری ہے۔ جو قصور وار ہو صرف اسی کو سزا دی جائے ۔ یہ انتہائی نامناسب بات ہے کہ کسی ایک فرد کے جرم کی سزا اس کے پورے خاندان یا اس کی پوری کمیونٹی کو دی جائے۔ اسلامی، اخلاقی اور قانونی طور اس بات کا کوئی جواز نہیں تھا کہ ایک فرد کے جرم کی پاداش میں اس کی پوری بستی کو تاراج کر دیا جائے۔ یہ اسلام نہیں ہے اور نہ ہی اسلام اس بات کی اجازت دیتا ہے۔

توہین رسالت کے بارے میں بات کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم توہین عدالت کی کچھ بات کریں تاکہ آگے جو بات کرنے والے ہیں وہ اچھی طرح سمجھ آجائے۔ توہین عدالت صرف یہ نہیں ہے کہ کوئی فرد عدالت یا ججز کو براہ راست گالیاں دے یا برا بھلا کہے بلکہ کمرہ عدالت کے آداب کا خیال نہ رکھنا، ججز کے کسی فیصلے پر تنقید کرنا، عدالتی نظام کو ہدف تنقید بنانا وغیرہ یہ ساری باتیں توہین عدالت کے زمرے میں آتی ہیں یا یہ کہہ لیں کہ ان باتوں پر توہین عدالت کے تحت کارروائی کی جاتی ہے۔

ذرا غور کیجیے دونوں نوجوانوں کا جھگڑا شراب نوشی کے دوران ہوا۔ یہاں یہ دونوں نوجوان توہین رسالت کے مرتکب ہوئے دونوں کے مذہب میں شراب نوشی حرام اور ناجائز ہے لیکن دونوں نے اپنے اپنے مذہب اور نبیوں کے واضح احکام کو پس پشت ڈالتے ہوئے غلط کام کیا اس طرح یہ دونوں توہین انبیاء کے مرتکب ہوئے۔ پھر مقامی آبادی کا ردعمل بھی ہماری منافقت کا ثبوت ہے۔ سورہ حجرات میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ”اے لوگو جو ایمان لائے ہو۔ اگر کوئی فاسق تمھارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کرلیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی گروہ کو نادانستہ نقصان پہنچا بیٹھو اور پھر اپنے کیے پر پشیمان ہو۔“ کیا مقامی لوگوں کے پیش نظر قرآن کی یہ آیت نہیں تھی؟ کیا ان کو نہیں پتا کہ اسلام نے اقلیتوں کے کیا حقوق رکھے ہیں؟؟ کیا ان کی نظروں سے تاریخ اسلام

کا یہ روشن باب (غزوہ تبوک) اوجھل رہا تھا؟

پھر یہاں ایک بات اور ہے کہ ہم زنا خوری کریں، رشوت، چوری، ڈاکا، قتل، اغوا، شراب نوشی کریں۔ معاشرے میں بے حیائی پھیلائیں، پردے کے احکام کو پس پشت ڈالیں، قرآن کے احکامات پر اپنے نفس کی باتوں پر عمل کریں تو ہم ان ساری باتوں کو تو کوئی اہمیت نہ دیں، خود ہم مسلم تو دن رات توہین اسلام، توہین رسالت کرتے رہیں لیکن جہاں کسی غیر مسلم کے بارے ذرا شک ہوجائے کہ اس نے کوئی ایسی ویسی بات کی ہے وہاں ہماری ایمانی غیرت انگڑائی لے کر بیدار ہوجاتی ہے۔ہم خود قدم قدم پر نبی مہربانؐ کے احکامات کو قدموں تلوں روند ڈالیں اس کا ہمیں کوئی احساس نہیں ہے۔ سوچیں اور غور کریں کہ کیا توہین رسالت یا توہین اسلام صرف یہی ہے کہ کوئی فرد پیغمبر اسلام کی ذات کو نشانہ بنائے ؟کیا پیغمبر اسلام کے احکامات پر عمل نہ کرنا توہین رسالت نہیں ہے؟؟

ذرا سوچیے!

احساسِ زیاں جاتا رہا

سابق صدر جنرل پرویز مشرف دوبارہ پاکستان آ گئے ہیں ان کو واپسی مبارک ہو۔ جنرل مشرف کے حوالے سے ہم نے متعدد لوگوں سے گفتگو کی اور اکثریت کا یہ ماننا ہے کہ جنرل مشرف کی صرف دو بڑی غلطیاں ہیں ایک لال مسجد اور جامعہ حفصہ پر فوج کشی اور دوسری عدلیہ سے محاذ آرائی، اگر وہ یہ دو کام نہ کرتے تو ان کا دور حکومت بہت اچھا تھا۔ یہ رائے دراصل ہماری نظریاتی اور فکری انحطاط کی بھیانک مثال ہے اس رائے کا مطلب ہے کہ عوام کی اکثریت کو جنرل مشرف کی پالیسیوں کا ادراک ہی نہیں ہے۔ یا ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ شعورِ عامہ اب صرف سامنے نظر آنی والی چیزوں پر ہی غور کرنے کے قابل رہ گیا ہے اور وہ کسی بھی شخصیت، واقعے یا پالیسی کے پس پردہ عناصر اور اس کے نتیجے میں مستقبل میں ہونے والی تبدیلیوں کا ادارک نہیں کرپارہا ہے۔ یہ صورتحال بہت خطرناک ہے۔

عوام کو جب نانِ شبینہ کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگانا پڑے تو ایسا ہی ہوتا ہے، روز افزوں مہنگائی، دہشت گردی، بدامنی کے باعث اب عوام صرف یہی سوچتے ہیں کسی طرح آج کا دن گزار لیں کل کی کل دیکھی جائے گی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جنرل مشرف کے یہ سیاہ کارنامے ان کے دور اقتدار پر ایک بد نما داغ ہیں لیکن یہ کوئی نہیں سوچتا کہ یہ دونوں واقعات دراصل مشرف کی شروع کی گئی نظریاتی اور فکری کشمکش اور بدترین کرپشن کے رد عمل میں ہی ظہور پذیر ہوئے تھے۔اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ جنرل مشرف کے دور میں عوام کا معیارِ زندگی بہتر ہوا، تنخواہوں میں اضافہ کیا گیا بالخصوص افواج کے سپاہیوں اور اساتذہ کی تنخواہوں میں خاطر خواہ اضافہ ہوا، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ مشرف کے دور میں اخلاقی قدروں کو روندا گیا۔ شعائر اسلام کا مذاق اڑایا گیا، جہاد کو دہشت گردی ، کشمیر کی جدوجہد آزادی کو دراندازی، مجاہدین کو دہشت گرد کہا گیا۔ فحاشی کو فروغ دینے کے خاطر خواہ اقدامات کیے گئے، نام نہاد حقوق نسواں بل منظور کیا گیا، مخلوط میراتھن ، ناچ گانے کی محفلوں کو فروغ دیا گیا۔ جنرل مشرف کے دور میں کیے گئے اقدامات کا ہی نتیجہ ہے کہ آج آپ پاکستان کے کسی بھی پبلک پارک میں اپنے اہل خانہ کے ساتھ نہیں جا سکتے ہیں۔ جامعہ حفصہ اور لال مسجد کا سانحہ دراصل اسی برائی اور فحاشی کو روکنے کے ”جرم“ میں ظہور پذیر ہوا۔ جامعہ حفصہ اور لال مسجد کے لوگوں کا یہ قصور تھا کہ انھوں نے اسلام آباد میں مساجد کو توڑنے کے خلاف احتجاج کیا، ان کا قصور یہ تھا کہ انھوں نے اسلام آباد میں فحاشی کے اڈوں کو روکنے کی کوشش کی۔

جنرل مشرف کے دور میں تعلیم پر حملہ کیا گیا اور نصاب سے جہادی آیات اور جہادی اسباق کو نکالا گیا، نصاب سے ان آیات کو بھی نکالا گیا جن میں یہود نصاریٰ سے دوستی کی ممانعت کی گئی تھی (بد قسمتی سے حال ہی میں پنجاب حکومت نے بھی یہ قبیح حرکت کی ہے)۔ ایک ایسے فرد کو وزیر تعلیم بنایا گیا جو ٹی وی پروگرام میں قرآن کے چالیس پاروں کی بات کرتے ہیں۔ ٹی وی کے پروگرامات میں جسم فروشی کے بارے میں مباحث کیے گئے اور اس کو ایک معاشرتی ضرورت باور کرانے کی کوششیں کی گئی، پردہ اور حجاب کے خلاف پروگرامات منعقد کیے گئے۔ علماء کرام کے مقابل اداکاراؤں اور گلوکاروں کو لایا گیا اور دین کے احکامات کے بارے میں علمائے کرائے کے علم اور رائے پر اُن کی رائے کو ترجیح دی گئی اور عوام کو یہ باور کرانے کی کوششیں کی گئیں کہ دراصل ناچ گانا، راگ رنگ کوئی غیر اسلامی چیزیں نہیں علماء نے خوامخوہ ان چیزوں سے عوام کو دور رکھا ہے۔

جنرل مشرف کے دور میں پاکستان کی نظریاتی بنیادوں پر حملہ کیا گیا۔ پہلی بار پاکستان میں یہ بحث شروع ہوئی کہ پاکستان اسلام کے نام پر نہیں بنا تھا، قائد اعظم محمد علی جناح سیکولر تھے، علامہ اقبال رجعت پسند تھے۔ کشمیر کے معاملے پر الٹی قلابازی کھائی، کشمیر کی آزادی کے بجائے دیگر معاملات یعنی تجارت، بس سروس، ٹرین سروس وغیرہ پر مذاکرات کیے گئے، اور ان اقدامات کا

نتیجہ یہ نکلا کہ سابقہ حکومت نے بھی انہی کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے کشمیر کی آزادی اور وہاں سے بھارتی افواج کی بے دخلی کے علاوہ ہر معاملے پر مذاکرات کیے اور اس وقت مسئلہ کشمیر مزید پیچیدہ ہوگیا ہے کیوں کہ جب ہم نے اپنے موقف سے پسپائی اختیار کی تو دراصل ہم نے بھارت کے موقف کو تسلیم کرلیا اور اب ہماری پوزیشن بہت کمزور ہے۔ مجاہدین کو دہشت گرد اور جدوجہد آزادی کو دہشت گردی مان کر ہم نے یہاں بھی بھارتی موقف کی تائید کی، مجاہدین کو کمزور کرنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ بھارت نے گذشتہ دس برسوں میں وہاں چھوٹے بڑے کئی ڈیم بنا لیے، پاکستان کے حصے کا پانی کم کردیا اور دوسرا بڑا معاملہ یہ کہ اب وہ جب چاہے پانی روک دے اور جب چاہے خاموشی سے پانی اچانک چھوڑ دیتا ہے جس کے باعث یہاں آئے روز سیلاب آرہے ہیں۔

جنرل مشرف کے دور میں ہی کرپشن کے ریکارڈ قائم کیے گئے۔ قومی اداروں کو اونے پونے داموں بیچا گیا۔ کے ای ایس سی کو جب بیچا گیا تو واقفانِ حال کا یہ کہنا تھا کہ جتنی اس کی قیمت لگائی گئی ہے اتنے کے تو صرف کھمبے ہی کراچی میں لگے ہوئے ہیں جبکہ کے ای ایس سی کی جائیدادیں، گاڑیاں، مشینری وغیرہ الگ ہیں۔ انتہائی اہم ادارہ پی ٹی سی ایل بیچا گیا، اسٹیل مل کو بیچنے کی کوشش کی گئی تو سپریم کورٹ ڈٹ گئی جس کے بعد جنرل مشرف کی عدلیہ سے محاذ آرائی

شروع ہوئی۔ یہ بات بھی واضح رہے کہ اگر اسٹیل مل کو سودا ہو جاتا تو اس کے بعد اگلا نمبر پی آئی اے کا تھا۔

یہ وہ سارے عوامل تھے جن کے باعث سانحہ لال مسجد اور عدلیہ سے محاذ آرائی شروع ہوئی اس لیے جب یہ کہنا کہ جنرل مشرف کے دامن پر صرف سانحہ لال مسجد اور عدلیہ سے محاذ آرائی کے داغ ہیں اور اس کے علاوہ ان کا دامن صاف ہے تو دراصل وہ اپنے نظریاتی اور فکری نقصان سے لاعلمی کا اظہار کرتا ہے۔ ایسا کہنے والا دراصل اس بات سے آگاہ ہی نہیں ہے کہ جنرل مشرف کی پالیسیوں نے کہاں کہاں نقب لگائی ہے۔ وائے ناکامی کہ متاعِ کارواں جاتا رہا۔کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا.

کراچی : شناختی کارڈ کی بوریاں برآمد

شہر میں امن و مان کی کیا صورتحال ہے یہ کسی سے ڈھکی چھپی بات نہیں ہے لیکن اس صورتحال میں شہر کی نمائندگی کے نام نہاد دعوے داروں کا کیا کردار ہے وہ بھی کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ رینجرز، پولیس شہر بھر میں ٹارگٹیڈ آپریشن کر رہے ہیں لیکن نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات۔ وجہ یہ ہے کہ سیاسی تنظیم کی آڑ میں مافیا چلانے والوں نے شہریوں کی زندگیوں کو اجیرن بنا رکھا ہے۔ بھتہ خوری، بوری بند لاشیں، اغوا، قتل ، ڈکیتی، پہلے شہر بھر کی گلیوں میں گیٹ اور اب بیریئرز، حد تو یہ ہے کہ محلے کی اندورنی گلیوں تک میں رکاوٹیں لگائی گئیں ہیں اور اس طرح شہر کو نو گو ایریا بنا دیا گیا۔اب تازہ ترین صورتحال یہ ہے کہ نام نہاد سیاسی تنظیم دراصل مافیا نے اپنے مذموم مقاصد کے لیے ایک بار پھر شہریوں کو استعمال کیا ہے۔ تازہ ترین اطلاعات کے مطابق ایم کیو ایم کے اپنے غیر قانونی اسلحہ کی ترسیل اور اس کو ڈمپ کرنے کے لیے شہریوں کی گاڑیوں کو استعمال کرنا شروع کردیا ہے۔ مؤقر اور معروف ”روزنامہ امت“ کی آج بروز ہفتہ ۳۰ مارچ کی اشاعت میں پہلے ہی صفحے پر یہ تین کالمی خبر چھپی ہے جو کہ ہم یہاں پیش کر رہے ہیں۔

متحدہ قومی موومنٹ کے دہشتگردوں نے گلیوں اور فلیٹوں میں کھڑی ہونے والی" گاڑیوں میں ہتھیار چھپانے شروع کردیے ہیں۔ گاڑی مالکان سے روت کو زبردستی چابیاں لے کر ان کی گاڑیوں میں اسلحہ ڈمپ کردیتے ہیں۔ لائنزایریا میں رینجرز کے آپریشن کے دوران علاقہ مکینوں کی گاڑیوں سے ہتھیار ملے ہیں۔ ذرائع کے مطابق متحدہ کے دہشت گردوں کی جانب سے گاڑی مالکان سے رات کو گاڑیوں کی چابیاں لے لی جاتی ہیں اور ہتھیار کے کٹ بیگ ان میں رکھ کر دہشت گرد علاقوں میں ڈیوٹیاں دیتے ہیں۔جب کوئی سرچ آپریشن ہوتا ہے تو گھروں کی تلاشی لی جاتی ہے، اس طرح گاڑیوں میں رکھا ہوا اسلحہ بچ جاتا ہے۔ ذرائع کا کہنا کہ نارتھ کراچی، لانڈھی، کورنگی، نارتھ ناظم آباد، لائنزایریا اور ملیر میں متحدہ دہشت گردوں کی جانب سے کھڑی گاڑیوں میں اسلحہ ڈمپ کیا جاتا ہے اور صبح کو اسلحہ نکلا کر اس گاڑی کی جگہ اپنی جاریننٹ اے کار کی گاڑی کھڑی کرکے اس میں منتقل کردیا جاتا ہے۔ رینجرز کی جانب سے مخصوص گھروں کے بجائے ہر مکان کی تلاشی کے بعد متحدہ دہشت گردوں نے گاڑیوں والی حکمتِ عملی بنائی ہے۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ گذشتہ روز رینجرز کے لائنزایریا میں سرچ آپریشن کے دوران گلیوں کے باہر کھڑی گاڑیوں سے ہتھیار ملے ہیں۔ مذکورہ ہتھیار متحدہ کے دیہشت گردوں نے علاقہ مکینوں کی گاڑیوں میں چھپائے تھے۔امت کو کورنگی سیکٹر کے ذرائع نے بتایا کہ متحدہ دہشت گردوں کو اپنے ساتھ ہتھیار رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ انہیں بتایا گیا ہے کہ وہ ہتھیار کسی قریبی

جگہ پر رکھیں تاکہ نہ تو ہتھیار پکڑے جائیں اور نہ ہی وہ گرفتار ہوں۔ ذرائع نے مزید بتایا ہے کہ لانڈھی سیکٹر آفس پر چھاپے کے دوران سلیم انقلابی کی غلطی کی وجہ سے بھاری تعداد میں ہتھیار پکڑے گئے ہیں۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ سلیم انقلابی کو چھڑانے کی ''متحدہ کی جانب سے ہر ممکن کوشش کی گئی لیکن اسے ناکامی کا سامنا کرنا پڑا

لانڈھی میں رینجرز کے آپریشن کے دوران رینجرز کو شناختی کارڈز سے بھری ہوئی دو بوریاں بھی ملی ہیں۔ روزنامہ جنگ کراچی کی جمعہ ۲۹ مارچ کی اشاعت میں صفحہ اول پر ایک دو کالمی خبر لگی ہے۔ اس خبر کے مطابق ''رینجرز نے ٹارگٹ کلرز اور جرائم پیشہ افراد کے خلاف جاری آپریشن میں گذشتہ شب لانڈھی کے مختلف علاقوں سے ایک ایک تنظیم'' سے تعلق رکھنے والے ۲۳ کارکنوں کو مختلف چھاپوں اور تلاشیوں کے'' دوران گرفتار کیا گیا۔ اس موقع پر رینجرز حکام کو تلاشی کے دوران ملے والی شناختی کارڈ سے بھری ہوئی دو بوریوں کی برآمدگی پر انتہائی حیرت ہوئی جبکہ رینجرز حکام کے ذرائع کا کہنا ہے کہ تلاشیوں کے دوران اسلحہ کی بھاری تعداد کے علاوہ لیپ ٹاپ، کمپیوٹر اور اسلحہ کی فہرست بھی برآمد ہوئی ہے۔ جس سے رینجرز حکام کو غیر قانونی اسلحہ برآمد کرنے میں اہم کامیابی متوقع ہے۔

یہاں جنگ اخبار کی اپنی پالیسی کے مطابق ایم کیو ایم کا نام ظاہر نہیں کیا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ شناختی کارڈز کی بوریاں اور اسلحہ ایم کیو ایم کے لوگوں سے.برآمد ہوا ہے۔ ان خبروں سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ایم کیو ایم شہر کراچی کی کتنی خیر خواہ ہے۔

جب کہ شناختی کارڈ کی بوریوں کے ملنے کا واضح مطلب یہ ہے کہ متحدہ نے انتخابات میں دھاندلی کا پروگرام بنالیا ہے۔ اب یہ واضح نہیں ہے کہ آیا ملنے والے شناختی کارڈ جعلی ہیں یا لانڈھی کورنگی کے مکینوں سے زبردستی حاصل کیے گئے ہیں۔ لیکن یہ طے ہے کہ اگر متحدہ نے انتخابات کا بائیکاٹ نہیں کیا تو پھر اس میں دھاندلی کا پروگرام بنالیا ہے۔

آخری بات یہ کہ امت اخبار کو جعلی اور جھوٹا کہنے والوں نے آج تک امت اخبار کے خلاف کوئی کیس نہیں کیا۔ نہ ہی کبھی اس کے خلاف کوئی مظاہرہ، کوئی ریلی نکالی گئی ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ امت اخبار کی خبریں جھوٹی نہیں ہوتی ہیں۔

کراچی میں نو گو ایریا

سپریم کورٹ میں کراچی بدامنی کیس کی سماعت کے دوران متعدد بار نو گو ایریاز کا ذکر سننے میں آیا۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ نو گو ایریاز کیا ہیں؟؟
جواب بہت آسان ہے کہ اب شہر کئی حصوں میں تقسیم ہے، کوئی حصہ پیپلز امن کمیٹی کا ہے، کوئی اے این پی کا اور کوئی متحدہ قومی موومنٹ کا۔ ایسا نہیں کہ ہر علاقے میں کوئی مسلح گارڈ یا پولیس موجود ہے جو کہ لوگوں کو وہاں جانے سے روکتی ہیں بلکہ مذکورہ بالا پارٹیوں کے مسلح کارکنان وہاں موجود ہوتے ہیں اور علاقوں کے داخلی حصوں پر کڑی نظر رکھتے ہیں کہ کون آرہا ہے اور کون جارہا ہے؟؟ کون کس سے ملنے آیا ہے؟ اسی وجہ سے اب کئی علاقے نو گو ایریاز بن چکے ہیں۔ عام لوگ عموماً اور تنظیمی افراد خصوصی طور پر مخالف علاقوں میں جانے سے گریز کرتے ہیں۔ پیپلز امن کیمٹی نے اپنے زیر اثر علاقوں میں اونچی بلڈنگز پر قبضہ کرکے وہاں مورچے بنائے ہوئے ہیں، ان کے پاس بھاری اسلحہ کے ساتھ ساتھ دوربین اور رات کو علاقے کی نگرانی کرنے کے لیے طاقتور سرچ لائٹس بھی موجود ہیں جن کی مدد سے یہ وقتاً فوقتاً علاقے کا جائزہ لیتے رہتے ہیں۔ جبکہ ان کے مسلح کارندے اپنے زیر اثر علاقوں میں سر

عام اسلحہ کی نمائش کرتے ہیں۔ پیپلز امن کمیٹی (سابقہ رحمٰن ڈکیت گروپ) گینگ وار اور منشیات فروشی میں بھی ملوث ہیں۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ ان کے علاقوں میں کوئی ان کی مرضی کے بغیر کوئی کام کرلے یا ان کے خلاف کوئی کارروائی کرسکے۔ گذشتہ برس ڈی ایس پی سی آئی ڈی چوہدری اسلم نے کئی روز تک لیاری کا محاصرہ کرکے وہاں داخل ہونے کی کوشش کی لیکن انھیں ناکامی کا منھ دیکھنا پڑا۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ کتنے بااثر ہیں۔ لیاری کے علاوہ منگھو پیر گرم چشمہ، پرانا گولیمار، ملیر، الیاس گوٹھ (لیاقت آباد) حاجی مرید گوٹھ (لیاقت آباد) اور حب ریور روڈ کے علاقے میں ان کا بہت اثر رسوخ ہے۔

ان سے بڑا سیٹ اپ متحدہ قومی موومنٹ کا ہے۔ متحدہ قومی موومنٹ ماضی میں تمام علاقوں میں بھاری آہنی گیٹ لگا کر اپنے تمام زیر اثر علاقوں کو قلعے میں تبدیل کرچکی تھی لیکن نوے کی دہائی میں ہونے والے فوجی آپریشن کے دوران یہ سارے گیٹ اکھاڑ دیئے گئے تھے اور شہریوں نے سکھ کا سانس لیا تھا۔ ماضی کے تجربے کو سامنے رکھتے ہوئے اب متحدہ نے گیٹ کے بجائے بیریئرز اور نام نہاد محلّہ کمیٹیوں کے ذریعے یہ کام شروع کیا اور یہ کام ابھی سے نہیں بلکہ جنرل مشرف کے دور سے اس کا اغاز ہوا۔ ابتدا میں نارتھ ناظم آباد اور بفرزون وغیرہ کے علاقوں میں سیکورٹی کے نام پر بیریئرز لگائے ئے۔ اس کے بعد گلبرگ

اور نارتھ کراچی میں اس کام کا آغاز ہوا اور پھر تو یہ سلسلہ پورے شہر میں پھیل گیا۔اب حال یہ ہے کہ کسی علاقے کی کوئی گلی ایسی نہیں ہے جہاں بیریئر نا لگا ہو۔ جبکہ عزیز آباد کے علاقے بالخصوص نائن زیرو کے اطراف کی گلیوں کو باقاعدہ قلعے میں تبدیل کردیاگیا ہے اور نائن زیرو کے داخلی راستوں پر متحدہ کے دہشت گرد سرعام اسلحہ کی نمائش کرتے ہوئے وہاں موجود ہوتے ہیں۔ان بیریرز کی وجہ سے اسکول و کالج کے طلبہ وطالبات کی گاڑیوں کو بھی مشکلات کا سامنا کرناپڑ رہاہے کیوں کہ ہر دوسری گلی میں بیریئر کی وجہ سے گاڑی بچوں کو ان کے گھر سے لینے اور گھرپر چھوڑنے کے بجائے گھر سے دور اتارتی ہے جس کے باعث والدین اور بچے ذہنی اذیت کا شکار ہیں۔ والدین چونکہ متحدہ کی بدمعاشی کے سامنے بول نہیں پاتے ہیں اس لیے ان کا سارا غصہ گاڑی والے پر اترتا ہے اور گاڑی والے کا موقف ہوتا ہے کہ آپ اپنے محلے والوں سے کہہ کر بیریئر کھول دیا کریں تو میں گھرتک گاڑی لے آؤں گا۔

متحدہ کے زیر اثر علاقوں میں ان کے کارکنان چوبیس گھنٹے پہرہ دیتے ہیں اور کارکنان کو ذمہ داریاں دیدی گئی ہیں کسی کی ذمہ داری صبح سے دوپہر تک کی ہے کسی کی دوپہر سے رات نو یادس بجے تک کی ہے اور کسی کی ذمہ داری دس بجے سے صبح آٹھ بجے تک کی ہے۔بیریئرز کے حوالے سے متحدہ اس قدر حساس ہے کہ انھوں نے محلوں کے داخلی دروازں پر ہی نہیں بلکہ اندرونی گلیوں تک میں رکاوٹیں

بنوائی ہیں تاکہ نہ صرف یہ کہ بیرونی طور پر کوئی علاقے میں مداخلت نہ کرسکے بلکہ اندرونی طور پر بھی ان کو ذکوۃ کے نام پر بھتہ اور کھالوں کی چھینا چھپٹی میں آسانی ہو۔ متحدہ کے زیر اثر علاقوں میں ایم کیو ایم حقیقی، پیپلز امن کمیٹی اور نو وارد پشتونوں کا داخل ہونا ان کی زندگی کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔

متحدہ قومی موومنٹ ٹارگٹ کلنگ کا شور مچاتی ہے لیکن حقائق یہ بتا رہے ہیں کہ ٹارگٹ کلنگ میں خود متحدہ قومی موومنٹ ملوث ہے۔ کراچی میں رینجرز کی جانب سے کیے جانے والے ٹارگٹیڈ آپریشنز میں کالعدم تنظیموں کے ساتھ ساتھ متحدہ کے کئی دہشت گرد بھی گرفتار کیے جاچکے ہیں جن کی گرفتاری سے متحدہ کو پریشانی لاحق ہو چکی ہے۔

عدلیہ کی فعالی، الیکشن کمشنر کے سخت اقدامات اور حکومت سے باہر ہونے کے باعث متحدہ اس وقت ایسی پوزیشن میں نہیں ہے کہ وہ دباؤ ڈال کر یا بلیک میلنگ کے ذریعے اپنے لوگوں کو گرفتار سے بچاسکے، اس لیے اب وقتاً فوقتاً متحدہ قائدین کی جانب سے الیکشن کمیشن، چیف جسٹس اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کے خلاف بیان جاری کیے جاتے ہیں۔ متحدہ کے قائد لندن میں بیٹھ کر چیف جسٹس اور الیکشن کمیشن کے خلاف باتیں کرنے کو اپنی بہادری گردانتے ہیں جب کہ حقیقت یہ ہے کہ وہ ملک سے باہر ہونے کے باعث یہ سمجھتے ہیں کہ وہ محفوظ ہیں اسی لئے وہ ان اداروں کے خلاف اول فول بکتے

رہتے ہیں۔ ان کی بہادری کے ثبوت میں یہی کافی ہے کہ وہ انیس سال سے وہ اپنے وطن آنے کی ہمت نہیں کر پارہے ہیں جبکہ اس دوران ان کے پاس کئی ایسے مواقع تھے کہ وہ پاکستان آسکتے تھے لیکن جان کے خوف سے وہ پاکستان آنے کی ہمت نہیں رکھتے ہیں۔ خیر یہ تو ایک الگ بحث ہے بات ہو رہی تھی ٹارگٹ کلنگ کی۔

گذشتہ ہفتے رینجرز کے ٹرک پر ہونے والے حملے کو متحدہ کا رد عمل بھی قرار دیا جارہا ہے۔ معروف و موٴقر اور بہادر اخبار ''امت'' کی خبر کے مطابق کورنگی میں رینجرز کے ٹرک پر دھماکے میں متحدہ قومی موومنٹ کے دہشت گردوں کے ملوث ہونے کے حوالے سے بھی تحقیقات شروع کردی گئی ہیں۔ تحقیقاتی اداروں کا دعویٰ ہے کہ رینجرز کی جانب سے گذشتہ دنوں لانڈھی کے علاقے میں متحدہ سیکٹر آفس پر چھاپہ مار کر سلیم انقلابی اور ناصر بختو سمیت آٹھ اہم دہشت گردوں کو حراست میں لیا گیا تھا۔ تحقیقاتی اداروں کا کہنا ہے کہ کالعدم تحریک طالبان کی جانب سے ذمہ داری قبول کرنے کے بعد کالعدم تحریک طالبان کے گروپوں کے حوالے سے تحقیقات کی جارہی ہیں اور اس بات کا تعین کیا جارہا ہے کہ کالعدم تحریک طالبان پاکستان کا نام استعمال کرکے ذمہ داری قبول کرنے کی جعلی کال نہ کی گئی ہو۔۔۔۔۔ کیوں کہ گذشتہ ایک ماہ میں رینجرز نے گینگ وار اور کالعدم تنظیموں کے دہشتگردوں کے ساتھ ہی لانڈھی، کورنگی، بلدیہ ٹاؤن، اولڈ سٹی ایریا سمیت لیاقت آباد کے علاقوں میں متعدد کارروائیاں کرکے متحدہ

کے درجنوں دہشت گردوں کو گرفتار کیا ہے جن سے بھاری اسلحہ بھی ملا ہے۔انہی کارروائیوں میں لانڈھی سیکٹر کے علاوہ بلدیہ کے رانگڑ محلے سے بھی متحدہ کے یونٹ 112 اے اور لائیزایریا میں یونٹ 64 کے دہشت گردوں کو حراست میں لیا گیا تھا۔یہی وجہ ہے کہ متحدہ کے دہشت گردوں کی جانب سے رینجرز پر حملہ کرکے انتقامی کرروائی کے پہلو پر تحقیقات کی جارہی ہیں۔(روزنامہ ''امت'' جمعرات ۴ اپریل ۲۰۱۳)

اب دیکھنا یہ ہے کہ شہر میں امن کب قائم ہوتا ہے اور نو گو ایریاز کب ختم ہوتے ہیں۔ ہم یہاں یہ بات پہلے ہی عرض کرچکے ہیں کہ شہر کے حالات کو خراب کرکے متحدہ قومی موومنٹ الیکشن سے فرار چاہتی ہے اور اس کی کوشش ہے کہ جب تک کوئی واضح یقین دہانی نہ ہوجائے اس وقت تک الیکشن مؤخر کردیئے جائیں۔الحمد اللہ ہماری یہ بات بھی درست ثابت ہورہی ہے اور متحدہ کے قائد الطاف حسین نے جمعہ 5 اپریل کو اپنے خطاب میں یہ کہہ دیا ہے کہ الیکشن کو ایک ماہ آگے بڑھا دیا جائے۔ ان کے اس خطاب کی تضاد بیانیوں پر ان شاء اللہ پھر کبھی بات کریں گے۔

میں اور آپ

کراچی شہر میں ہونے والے پے در پے دھماکوں میں بے گناہوں کی ہلاکت ایک لمحہ فکریہ ہے۔ ایک طرف انتخابات میں چند دن رہ گئے ہیں دوسری جانب کسی طرف سے بھی کوئی انتخابی سر گرمی نظر نہیں آ رہی ہے۔ المیہ یہ ہے کہ ان دھماکوں میں بے گناہ اپنی جان سے جا رہے ہیں۔ چاہے وہ مہاجر ہوں، یا پٹھان ہوں یا کوئی اور اصل بات یہ ہے کہ وہ بے گناہ ہے۔ ہم اس کی شدید مذمت کرتے ہیں کہ اس طرح بے گناہوں کو مارا جائے اور شہریوں کو خوفزدہ کیا جائے۔ ایم کیو ایم اور اے این پی سے ہمیں لاکھ اختلاف سہی لیکن اس بارے میں کوئی دو رائے نہیں ہے کہ دہشت گردی کو ختم ہونا چاہئے چاہے وہ تحریک طالبان کرے، یا کوئی سیاسی جماعت کرے، مرنے والوں کا سیاسی نظریہ چاہے کوئی بھی ہو در حقیقت وہ عام انسان ، متوسط بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ نچلے متوسط طبقے (LOWER MIDDLE CLASS) سے تعلق رکھنے والے لوگ ہیں۔ یہ بھی کسی بہن کے پیارے، ماں کے لعل اور باپ کے بڑھاپے کی لاٹھی، کسی کے باپ کسی کا سہاگ تھے جن کو یوں بیدردی سے قتل کر دیا گیا۔

غور کریں اور سوچیں کہ اپنی جان سے گذرنے والے یہ کون لوگ تھے ؟؟ یہ دراصل میں اور آپ ہیں ! میں اور آپ ہی ان دہشت گردوں کا آسان ہدف ہیں۔ کیونکہ ہم روز کنواں کھودتے

اور روز پانی بھرتے ہیں۔ روز ہم رزق کی تلاش میں گھر سے نکلتے ہیں ادھر میں اور آپ سہمے سہمے رہتے ہیں کہ پتہ نہیں کب کوئی بم دھماکہ ہو جائے؟ معلوم نہیں کس گولی پر میرا نام لکھا ہے؟ کسی جگہ جانے سے پہلے سوچتے ہیں کہ یہ جگہ جو کہ میرے ہی شہر میں واقع ہے کیا اب وہاں جانا مناسب ہوگا یا نہیں؟ ایسا تو نہیں کہ ادھر میں اپنے روزگار یا کسی ضروری کام سے کسی ''علاقہ غیر'' میں پہنچ جاؤں اور پھر وہاں یہ صورتحال ہو کہ امن کمیٹی کے لوگ مجھے ایم کیوایم کا مخبر سمجھ کر اغواء کرلیں، اگر ایم کیو ایم کا علاقہ ہو تو وہ مجھے اے این پی یا امن کمیٹی کا سمجھ کر نہ اٹھالیں۔ ایک بلوچ اور پٹھان اب اردو بولنے والوں کے علاقے میں جانے سے کتراتا ہے اور اردو بولنے والا بلوچوں اور پٹھانوں کے علاقوں میں جانے سے ڈرتا ہے؟؟ کچھ پتہ نہیں کہ کب کونسا علاقہ فسادات کی لپیٹ میں آجائے اور جان بچانا مشکل ہو جائے۔

دوسری جانب میرے اور آپ کے گھر والوں کا یہ حال ہے کہ ادھر ٹی وی پر کسی دھماکے یا واردات کی خبر چلتی ہے ادھر ان کے جسم سے جان نکل جاتی ہے کہ متاثرین میں میرا بیٹا، میرا بھائی، میرے ابو شامل نہ ہو۔ موبائل پر فون کرکے خیریت دریافت کی جاتی ہے۔ اگر گھر جانے میں معمول سے کچھ تاخیر ہو جائے تو گھر والوں کے دلوں میں کئی وسوسے پلنے لگتے ہیں اور پھر جب تک فون کرکے میری اور آپ کی خیریت نہ دریافت کی جائے اس وقت تک ان کی جان بھی سولی پر اٹکی رہتی ہے۔

میرا اور آپ کا یہ حال کیوں ہے؟؟ اگر دیکھا جائے تو اپنی حالت کے ہم خود ذمہ دار ہیں۔ہم نے اتحاد و اتفاق کو چھوڑ کر نفاق و انتشار کا راستہ اختیار کیا، ہم نے اخوت اسلامی کے بجائے لسانیت کا پرچار کرنے والوں کو اپنے سر پر سوار کیا۔ہم نے دیانت داروں کے بجائے خائنین کو چنا، ہم نے صالح کردار والوں کو دقیانوسی اور رجعت پسند کہہ کر مسترد کیا اور بد کرداروں کو جدت پسند اور روشن خیال کہہ کر اپنے سر پر بٹھایا۔ ہم نے قومی مفاد کے لیے کام کرنے والوں کے بجائے ذاتی مفادات کو ترجیح دی ، ہم لسانیت، صوبائیت، روشن خیالی، دین بیزاروں کو نجات دہندہ سمجھ کر ان کی پرورش کرتے رہے۔ کچھ سر پھرے پھر بھی میدان میں ڈٹ کر ان سارے طوفانوں کا مقابلہ کرتے رہے ، ان کو ہم نے ملا، مولوی، جاہل، دقیانوسی کہہ کر ان کا مذاق اڑایا۔

ان ساری باتوں کا منطقی نتیجہ یہی نکلنا تھا جو آج ہمارے سامنے ہے۔ لسانیت اور صوبائیت کے پرچار کے باعث ہم ایک دوسرے سے دور ہوتے گئے، سیکولر اور روشن خیال بننے کے جنون میں ہم اپنی بنیاد قرآن و سنت سے اپنا رشتہ توڑتے رہے۔ دوسری جانب جن کو ہم نے اپنا نجات دہندہ سمجھا، معلوم ہوا کہ لٹیرے تو وہی تھے، جن کو ہم نے اپنا رہنما سمجھ کر منزل پانے کی جستجو کی انہوں نے تو منزل کے بجائے رہنما کو ہی سب کچھ سمجھ لیا۔ ”ہمیں منزل نہیں رہنما چاہیے“ کا گمراہ کن نعرہ لگا کر قوم کو فریب میں مبتلا کیا۔ سوچیے کہ رہنما کا کیا کام ہوتا ہے؟؟ رہنما تو ہوتا ہی منزل تک پہنچانے کے لیے ہے لیکن دراصل کارواں والوں کی منزل کچھ اور تھی جبکہ رہنماؤں کی منزل کچھ

اور تھی اور آج رہنماؤں کو تو اپنی منزل مل گئی جب کہ قافلے ابھی تک راہوں میں ہیں بلکہ منزل کا نشان ہی کھو چکے ہیں۔

قافلے دلدلوں میں جا ٹھہرے
رہنما پھر بھی رہنما ٹھہرے

دوسری جانب سرخ سویرے کی نوید سنانے والوں کو بھی ہم نے اپنا رہنما سمجھا لیکن ان کا بھی معاملہ یہ ہے کہ کارواں کی منزل کچھ اور تھی رہنماؤں کی منزل کچھ اور تھی۔ لسانیت اور صوبائیت کا پرچار کرنے والوں نے ملک کو اندھیروں، نفرتوں ،لاشوں، بھتہ خوری کے سوا کچھ نہیں دیا۔ ہم نے ببول بوئے اور گلابوں کی توقع رکھی۔ سوچنے کی بات ہے ،کہ جب ببول بویا جائے گا تو اس میں کانٹے ہی آئیں گے

بے قدراں'' دی یاری کولوں فیض کسے نہ پایا''
ککّر تے انگور چڑھایا تے ہر گچھا زخمایا

آج میرے اور آپ کے پاس موقع ہے کہ ہم اپنی تقدیر کو بدلیں۔ ہمیں چاہیے کہ اس موقع سے پوری طرح فائدہ اٹھائیں۔ اہل اور دیانت دار لوگوں کو منتخب کریں، صالح کردار والوں کو منتخب کریں گے تو وہی مسائل کا حل تلاش کر سکتے ہیں، جن مفاد پرستوں کو ہم نے ہمیشہ اپنا خدا سمجھا انہوں نے ہمیشہ اپنے مفاد کو ترجیح دی۔ اب موقع ہے کہ ہم ان مفاد پرستوں سے اپنی جان چھڑائیں، بھتہ خوری، کرپشن، بوری بند لاشوں کا تحفہ دینے والوں کو مسترد کردیں۔ یاد رکھیں باکردار

لوگ ہی معاملات کو سلجھا سکتے ہیں۔ جن لوگوں کی وجہ سے یہ نفرتیں، یہ دہشت گردی، یہ اندھیرے ملے ہیں ان سے یہ توقع رکھنا بیکار ہے کہ وہ ان مسائل کو حل کر سکتے ہیں۔ جن لوگوں کو ہم نے خود ساختہ خدا سمجھا وہ پتھر کے صنم اب منہ کے بل گرنے کو ہیں اس لیے وہ نہیں چاہتے کہ میں اور آپ اس موقع سے فائدہ اٹھائیں، اس لئے وہ مجھے اور آپ کو ہی ڈرا دھمکا کر، مار کر، جان کے خوف سے اس چیز سے باز رکھنے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن ہمیں ان کو ناکام بنانا ہوگا۔ ہمیں نکلنا ہوگا۔ گرتی ہوئی دیواروں کو ایک دھکا اور دینا ہوگا۔ اگر ایسا نہ ہوا تو آئندہ بھی ظلم کا نشانہ کوئی نہیں بلکہ میں اور آپ ہی ہونگے۔

میں اور آپ

کراچی شہر میں ہونے والے پے در پے دھماکوں میں بے گناہوں کی ہلاکت ایک لمحہ فکریہ ہے۔ ایک طرف انتخابات میں چند دن رہ گئے ہیں دوسری جانب کسی طرف سے بھی کوئی انتخابی سرگرمی نظر نہیں آرہی ہے۔ المیہ یہ ہے کہ ان دھماکوں میں بے گناہ اپنی جان سے جارہے ہیں۔ چاہے وہ مہاجر ہوں، یا پٹھان ہوں یا کوئی اور اصل بات یہ ہے کہ وہ بے گناہ ہے۔ ہم اس کی شدید مذمت کرتے ہیں کہ اس طرح بے گناہوں کو مارا جائے اور شہریوں کو خوفزدہ کیا جائے۔ ایم کیو ایم اور اے این پی سے ہمیں لاکھ اختلاف سہی لیکن اس بارے میں کوئی دورائے نہیں ہے کہ دہشت گردی کو ختم ہونا چاہئے چاہے وہ تحریک طالبان کرے، یا کوئی سیاسی جماعت کرے، مرنے والوں کا سیاسی نظریہ چاہے کوئی بھی ہو در حقیقت وہ عام انسان ، متوسط بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ نچلے متوسط طبقے (LOWER MIDDLE CLASS) سے تعلق رکھنے والے لوگ ہیں۔ یہ بھی کسی بہن کے پیارے، ماں کے لعل اور باپ کے بڑھاپے کی لاٹھی، کسی کے باپ کسی کا سہاگ تھے جن کو یوں بیدردی سے قتل کردیا گیا۔

غور کریں اور سوچیں کہ اپنی جان سے گذرنے والے یہ کون لوگ تھے ؟؟ یہ دراصل میں اور آپ ہیں ! میں اور آپ ہی ان دہشت گردوں کا آسان ہدف ہیں۔ کیونکہ ہم

روز کنواں کھودتے اور روز پانی بھرتے ہیں۔ روز ہم رزق کی تلاش میں گھر سے نکلتے ہیں ادھر میں اور آپ سہمے سہمے رہتے ہیں کہ پتہ نہیں کب کوئی بم دھماکہ ہو جائے؟ معلوم نہیں کس گولی پر میرا نام لکھا ہے؟ کسی جگہ جانے سے پہلے سوچتے ہیں کہ یہ جگہ جو کہ میرے ہی شہر میں واقع ہے کیا اب وہاں جانا مناسب ہوگا یا نہیں؟ ایسا تو نہیں کہ ادھر میں اپنے روزگار یا کسی ضروری کام سے کسی "علاقہ غیر" میں پہنچ جاؤں اور پھر وہاں یہ صورتحال ہو کہ امن کمیٹی کے لوگ مجھے ایم کیو ایم کا مخبر سمجھ کر اغواء کرلیں، اگر ایم کیو ایم کا علاقہ ہو تو وہ مجھے اے این پی یا امن کمیٹی کا سمجھ کر نہ اٹھالیں۔ ایک بلوچ اور پٹھان اب اردو بولنے والوں کے علاقے میں جانے سے کتراتا ہے اور اردو بولنے والا بلوچوں اور پٹھانوں کے علاقوں میں جانے سے ڈرتا ہے؟؟ کچھ پتہ نہیں کہ کب کونسا علاقہ فسادات کی لپیٹ میں آجائے اور جان بچانا مشکل ہو جائے۔

دوسری جانب میرے اور آپ کے گھر والوں کا یہ حال ہے کہ ادھر ٹی وی پر کسی دھماکے یا واردات کی خبر چلتی ہے ادھر ان کے جسم سے جان نکل جاتی ہے کہ متاثرین میں میرا بیٹا، میرا بھائی، میرے ابو شامل نہ ہو۔ موبائل پر فون کرکے خیریت دریافت کی جاتی ہے۔ اگر گھر جانے میں معمول سے کچھ تاخیر ہو جائے تو گھر والوں کے دلوں میں کئی وسوسے پلنے لگتے ہیں اور پھر جب تک فون کرکے

میری اور آپ کی خیریت نہ دریافت کی جائے اس وقت تک ان کی جان بھی سولی پر اٹکی رہتی ہے۔

میرا اور آپ کا یہ حال کیوں ہے؟؟ اگر دیکھا جائے تو اپنی حالت کے ہم خود ذمہ دار ہیں۔ہم نے اتحاد و اتفاق کو چھوڑ کر نفاق و انتشار کا راستہ اختیار کیا، ہم نے اخوت اسلامی کے بجائے لسانیت کا پرچار کرنے والوں کو اپنے سر پر سوار کیا۔ہم نے دیانت داروں کے بجائے خائنین کو چنا، ہم نے صالح کردار والوں کو دقیانوسی اور رجعت پسند کہہ کر مسترد کیا اور بد کرداروں کو جدت پسند اور روشن خیال کہہ کر اپنے سر پر بٹھایا۔ ہم نے قومی مفاد کے لیے کام کرنے والوں کے بجائے ذاتی مفادات کو ترجیح دی ، ہم لسانیت، صوبائیت، روشن خیالی، دین بیزاروں کو نجات دہندہ سمجھ کر ان کی پرورش کرتے رہے۔ کچھ سر پھرے پھر بھی میدان میں ڈٹ کر ان سارے طوفانوں کا مقابلہ کرتے رہے ، ان کو ہم نے ملا، مولوی، جاہل، دقیانوسی کہہ کر ان کا مذاق اڑایا۔

ان ساری باتوں کا منطقی نتیجہ یہی نکلنا تھا جو آج ہمارے سامنے ہے۔ لسانیت اور صوبائیت کے پرچار کے باعث ہم ایک دوسرے سے دور ہوتے گئے، سیکولر اور روشن خیال بننے کے جنون میں ہم اپنی بنیاد قرآن و سنت سے اپنا رشتہ توڑتے رہے۔ دوسری جانب جن کو ہم نے اپنا نجات دہندہ سمجھا، معلوم ہوا کہ لٹیرے

تو وہی تھے، جن کو ہم نے اپنا رہنما سمجھ کر منزل پانے کی جستجو کی انہوں نے تو منزل کے بجائے رہنما کو ہی سب کچھ سمجھ لیا۔ "ہمیں منزل نہیں رہنما چاہیے" کا گمراہ کن نعرہ لگا کر قوم کو فریب میں مبتلا کیا۔ سوچیے کہ رہنما کا کیا کام ہوتا ہے؟؟ رہنما تو ہوتا ہی منزل تک پہنچانے کے لیے ہے لیکن دراصل کارواں والوں کی منزل کچھ اور تھی جبکہ رہنماؤں کی منزل کچھ اور تھی اور آج رہنماؤں کو تو اپنی منزل مل گئی جب کہ قافلے ابھی تک راہوں میں ہیں بلکہ منزل کا نشان ہی کھو چکے ہیں۔

قافلے دلدلوں میں جا ٹھہرے
رہنما پھر بھی رہنما ٹھہرے

دوسری جانب سرخ سویرے کی نوید سنانے والوں کو بھی ہم نے اپنا رہنما سمجھا لیکن ان کا بھی معاملہ یہ ہے کہ کارواں کی منزل کچھ اور تھی رہنماؤں کی منزل کچھ اور تھی۔ لسانیت اور صوبائیت کا پرچار کرنے والوں نے ملک کو اندھیروں، نفرتوں لاشوں، بھتہ خوری کے سوا کچھ نہیں دیا۔ ہم نے ببول بوئے اور گلابوں کی توقع رکھی۔، سوچنے کی بات ہے کہ جب ببول بویا جائے گا تو اس میں کانٹے ہی آئیں گے

بے قدراں "دی یاری کولوں فیض کسے نہ پایا"
کِکّر تے انگور چڑھایا تے ہر گچھا زخمایا

آج میرے اور آپ کے پاس موقع ہے کہ ہم اپنی تقدیر کو بدلیں۔ ہمیں چاہیے کہ اس موقع سے پوری طرح فائدہ اٹھائیں۔ اہل اور دیانت دار لوگوں کو منتخب کریں، صالح کردار والوں کو منتخب کریں گے تو وہی مسائل کا حل تلاش کر سکتے ہیں، جن مفاد پرستوں کو ہم نے ہمیشہ اپنا خدا سمجھا انھوں نے ہمیشہ اپنے مفاد کو ترجیح دی۔ اب موقع ہے کہ ہم ان مفاد پرستوں سے اپنی جان چھڑائیں، بھتہ خوری، کرپشن، بوری بند لاشوں کا تحفہ دینے والوں کو مسترد کردیں۔ یاد رکھیں باکردار لوگ ہی معاملات کو سلجھا سکتے ہیں۔ جن لوگوں کی وجہ سے یہ نفرتیں، یہ دہشت گردی، یہ اندھیرے ملے ہیں ان سے یہ توقع رکھنا بیکار ہے کہ وہ ان مسائل کو حل کر سکتے ہیں۔ جن لوگوں کو ہم نے خود ساختہ خدا سمجھا وہ پتھر کے صنم اب منہ کے بل گرنے کو ہیں اس لیے وہ نہیں چاہتے کہ میں اور آپ اس موقع سے فائدہ اٹھائیں، اس لئے وہ مجھے اور آپ کو ہی ڈرا دھمکا کر، مار کر، جان کے خوف سے اس چیز سے باز رکھنے کی کوشش کررہے ہیں لیکن ہمیں ان کو ناکام بنانا ہوگا۔ ہمیں نکلنا ہوگا۔ گرتی ہوئی دیواروں کو ایک دھکا اور دینا ہوگا۔ اگر ایسا نہ ہوا تو آئندہ بھی ظلم کا نشانہ کوئی نہیں بلکہ میں اور آپ ہی ہونگے۔

کراچی دھماکے اور کچھ حقائق

اور اب عزیز آباد میں دھماکہ ! سوچنے کی بات تو یہ ہے کہ کہیں یہ دھماکے الیکشن ملتوی کرانے کی سازش تو نہیں ہیں؟ اگر ایسا ہے تو پھر یہ سوچا جائے کہ اس کا فائدہ کس کو ہوگا؟؟ جواب بہت سیدھا سادہ ہے کہ اس کا فائدہ ان کو ہوگا جن کو شکست کا خوف ہے، جنہوں نے گذشتہ دس برسوں میں اقتدار کے مزے لوٹے لیکن عوام کو سوائے باتوں اور تسلیوں کے کچھ نہ دیا۔ عوام اس بات کو اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ اٹھانوے فیصد مظلوم عوام کی بات کرنے والے در حقیقت دو فیصد مراعات یافتہ طبقے کے ٹاؤٹ ہیں ۔ انہوں نے عوام کے ووٹوں اور نوٹوں کو اپنے مفادات کے لیے قربان کیا۔ آج انہیں اپنی شکست نظر آ رہی ہے تو عوام میں مظلوم بننے کے لیے بم دھماکوں کا ڈرامہ کیا جا رہا ہے۔

آیئے ذرا ان بم دھماکوں کا جائزہ لیتے ہیں ۔ کراچی میں یہ دھماکے فاروق ستار کی اس پریس کانفرنس کے بعد شروع ہوئے جس میں انہوں نے یہ واویلا مچایا کہ ایم کیو ایم کو الیکشن سے باہر کرنے کی سازش کی جا رہی ہے۔ یہ بات ریکارڈ پر ہے کہ اس سے پہلے نہ تو ایم کیو ایم نے انتخابی دفاتر پر حملے کا کہیں ذکر کیا اور نہ ہی ایسی کسی سازش کا ذکر کیا لیکن اس پریس کانفرس کے بعد ہی پر اسرار دھماکے شروع ہو گئے۔ پہلا دھماکہ پیپلز چورنگی کے نزدیک کچرا کنڈی

میں ہوا۔ یہاں ایم کیو ایم کا کوئی انتخابی دفتر نہیں ہے لیکن فوری طور پر اس دھماکے کو ایم کیو ایم پر حملہ قرار دیا گیا۔ لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ پورے میڈیا میں کہیں اس انتخابی دفتر کی کوئی تصویر جاری نہیں کی گئی۔ اور کیسے جاری کی جاسکتی تھی جب کہ دھماکہ دفتر پر ہوا ہی نہیں تھا۔ فوری طور پر میڈیا پر بیانات جاری کیے گئے ۔اس کے بعد اگلا دھماکہ مصطفیٰ آباد نصرت بھٹو کالونی میں ایم کیو ایم کے "بند" دفتر کے باہر ہوا۔ اس دھماکے کی خاص بات یہ تھی کہ شور کے لحاظ سے یہ انتہائی بھرپور لیکن تباہی کے اعتبار سے انتہائی کم تھا یعنی جس نے بھی یہ دھماکہ خیز مواد نصب کیا اس نے اس بات کا خاص خیال رکھا کہ شور زیادہ اور نقصان کم ہو۔ کیا یہ عجیب بات نہیں ہے؟؟ اس کے بعد اگلا دھماکہ اے این پی کی کارنر میٹنگ میں کیا گیا۔ واقفان حال کہتے ہیں جس جگہ یہ دھماکہ ہوا وہ جگہ عملاً نو گو ایریا ہے اور وہاں اے این پی کے لوگوں کا کڑا پہرا ہوتا ہے۔ اس دھماکے کی خاص بات یہ تھی کہ دھماکے میں ہلاکتیں کم ہوئیں البتہ دھماکے کے فوری بعد بشیر جان کے محافظوں کی اندھا دھند فائرنگ سے زیادہ نقصان ہوا۔ اس دھماکے میں کہا گیا کہ مفتی نظام الدین شامزئی صاحب کے بائی میں جاں بحق ہوئے۔ اب سوال یہ ہے کہ ان کا تعلق بھی کیا اے این پی سے تھا؟ جواب ہے کہ ایسا نہیں ہے دوسری بات یہ کہ وہ دھماکے میں نہیں بلکہ دھماکے کے بعد ہونے والے فائرنگ سے جاں بحق ہوئے۔ دھماکے اور فائرنگ کے بعد وہاں یہ شرمناک مناظر بھی دیکھے گئے کہ اے این پی کے کارکنوں

نے دکانوں کو لوٹا۔ جس کا رد عمل یہ ہوا کہ اگلے دن اہل محلّہ نے اس پورے ایریا سے اے این پی کے جھنڈے اتار یئے۔ اے این پی نے کوشش کی کہ جنازوں پر قبضہ کیا جائے لیکن اہل محلّہ نے جنازوں پر اے این پی کے جھنڈے لپیٹنے کی کوشش کو ناکام بنا دیا اور ان کے جھنڈے پھاڑ دیئے۔اور پھر یہ بھی واضح رہے کہ اس دھماکے کے متاثرین سے اظہار ہمدردی اور ان کے زخموں پر پھاہا رکھنے کے لیے کوئی اور نہیں بلکہ جماعت اسلامی آگے بڑھی اور جماعت اسلامی کے سابق ممبر قومی اسمبلی اور اس حلقے سے جماعت اسلامی کے امیدوار لئیق خان نے متاثرین کوچیک دیئے۔

اس سے اگلا دھماکہ قصبہ کالونی میں ہوا۔ یہاں بھی دھماکے کی آواز پورے شہر میں سنائی دی لیکن دھماکے کے لحاظ سے تباہ کاری کم ہوئی ۔ واقفان حال کا کہنا ہے کہ دھماکے سے چند روز قبل ایم کیو ایم کے سابق ایم پی اے کی نگرانی میں رات تین بجے یہاں بھاری مقدار میں اسلحہ اتارا گیا اور اس کے دو روز بعد یہاں دھماکہ ہوا ہے۔جب کہ دھماکے کے بعد ایم کیو ایم کے کارکنان ایک دوسرے سے یہ کہتے ہوئے پائے گئے کہ آگے مت جانا ابھی دو دھماکے باقی ہیں۔

اس کے بعد اگلا دھماکہ برنس روڈ پر ایم کیو ایم کے سیکٹر آفس میں ہوا۔ یہاں دہشت گردوں نے دھماکہ خیز مواد سیکٹر آفس سے ملحق مسجد میں نصب کیا، اس

دھماکے میں بھی مسجد کے وضو خانے میں موجود لوگ متاثر ہوئے کیوں کہ "اتفاق" سے یہ سیکٹر آفس بھی اس وقت تقریباً خالی تھا اور لوگ "انتخابی مہم" پر نکلے ہوئے تھے۔ جبکہ حالیہ دھماکہ عزیز آباد میں نائن زیرو کے قریب واقع مور پارک میں ہوا۔ یہ بڑی عجیب سی بات ہے کہ وہ عزیز آباد اور نائن زیرو کے آس پاس کا علاقہ جہاں عام حالات میں بھی انتہائی سخت سیکورٹی ہوتی ہے۔ اطراف کی گلیوں کو بیریئر لگا کر بند کیا جاچکا ہے جبکہ عزیز آباد کے داخلی راستوں پر ایم کیو ایم کے مسلح کارکنوں کا پہرہ ہوتا ہے تو ایسے حالات میں جب کہ ان کے دفاتر پر حملے ہو رہے ہیں تو پھر کوئی کیسے یہاں کوئی مواد نصب کر سکتا ہے؟؟ یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے؟؟

اس کے علاوہ یہ بھی بڑی عجیب بات ہے کہ ایم کیو ایم کے دفاتر پر ہونے والے سارے دھماکے ساڑھے آٹھ سے ساڑھے نو بجے شب کے درمیان کیے گئے، یہ بھی اتفاق ہے کہ اس دوران یا تو دفاتر بند تھے یا وہاں زیادہ کارکن موجود نہیں تھے۔ دراصل گزشتہ دس برسوں کی ناکام ترین کارکردگی کے باعث متحدہ قومی موومنٹ کو کراچی کی کئی نشستوں پر شکست نظر آرہی ہے، کراچی میں ایم کیو ایم کی مقبولیت کا حال یہ ہے کہ سخی حسن سے متصل سرینا ٹاورز، صائمہ ٹاورز اور دیگر فلیٹوں میں مکینوں کو زبردستی اپنی کارنر میٹنگز میں بٹھایا جارہا ہے، ان کو فلیٹوں سے نکال نکال کر اسلحے کے زور پر میٹنگز میں بیٹھنے پر مجبور

کیا جارہا ہے۔ یہی صورتحال فیڈرل بی ایریا میں یوسف پلازہ، یوکے اسکوائر، صغیر سینٹر اور دیگر فلیٹس میں ہے۔ اب ان باتوں پر یقین نہ کرتے اگر ہمارے ایک کولیگ جو کہ جماعت اسلامی کے ہمدرد اور سندھی بولنے والے ہیں وہ ہمیں یہ باتیں نہ بتاتے، ہمیں پھر بھی یقین نہیں آیا تو انھوں نے جھنپتے ہوئے کہا کہ سلیم بھائی اوروں کے بارے میں کیا کہوں مجھے خود ان کی کارنر میٹنگ میں جانا پڑااور وہاں بیٹھ کر تقریریں سننی پڑیں، اگر نہیں جاؤ تو یہ لوگ سنگین نتائج کی دھمکیاں دیتے ہیں۔ دوسری جانب متحدہ قومی جماعت ہونے کا دعویٰ کرتی ہے لیکن اپنی کارنر میٹنگز میں اس وقت سارازور مہاجر قومیت کے پرچار پر لگایا جارہا ہے (یہ بات ہم بہت عرصہ پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ اب ایم کیوایم الیکشن مہم مہاجر کے نام پر چلائے گی) ۔ لوگوں نے بھی بتایا اور خود ہمارے گھرکے قریب ایک کارنر میٹنگ میں بھی یہی باتیں دہرائی گئیں جو کہ ہم نے اپنے کانوں سے سنی ہیں۔ ایک طرف پیپلز پارٹی اور اے این پی سے اتحاد کی باتیں کی جارہی ہیں دوسری جانب کارنر میٹنگز میں سانحہ پکا قلعہ، سانحہ علی گڑھ، اور سانحہ سہراب گوٹھ کی یادیں تازی کرکے عوام کے جذبات کو مشتعل کیا جارہا ہے تاکہ وہ ایک بار پھر مہاجر حقوق کے نام پر ان کو منتخب کریں۔ کراچی کے باشعور عوام ان کا چہرہ اچھی طرح پہچان چکے ہیں اس لیے اب متحدہ الیکشن سے فرار چاہتی ہے۔ اب اس کی کوشش ہے کہ کسی طرح الیکشن ملتوی ہوجایئں لیکن ابھی تک ایسے کوئی آثار نہیں آرہے، متحدہ سے کچھ بعید نہیں کہ

یہ اپنے ہی کسی رہنما کو قربانی کا بکرا بنا دے اور اس بنیاد پر الیکشن کا التواء کرنے کی کوشش کرے۔ اور اگر ایسا نہ ہوا تو پھر آخری وقت پر بائیکاٹ کا آپشن تو موجود ہے

جماعت اسلامی کا انداز سیاست۔۔کچھ اعتراضات کے جواب

جماعت اسلامی اپنے قیام کے وقت سے ہی سیکولر اور لادین طبقے کے ساتھ ساتھ مذہبی طبقوں کی تنقید کا نشانہ بھی بنی رہی ہے۔ سیکولر طبقوں کی مخالفت کی وجہ تو ظاہر ہے کہ وہ کسی بھی دینی جماعت کو سیاسی سرگرمیوں میں برداشت نہیں کر سکتے کجا یہ کہ ایک ایسی جماعت جو کہ جدید تعلیم یافتہ لوگوں پر مشتمل ہو، جو دلیل سے بات کرنا جانتے ہوں اور جو جدید تعلیم کے ساتھ ساتھ قرآن و سنت سے بھی اپنا تعلق جوڑے رکھیں۔ لیکن مذہبی طبقوں کی مخالفت کی وجہ کیا ہے؟؟ جب عام لوگ مذہبی جماعتوں اور اہل جبہ و دستار کو جماعت اسلامی پر تنقید کرتے دیکھتے ہیں تو وہ سوچتے ہیں کہ جب ہمارے علماء اس کی مخالفت کررہے ہیں تو کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہوگی، اس طرح مذہبی طبقے عام لوگوں کو جماعت اسلامی سے برگشتہ کرنے کا کام دینی فریضہ سمجھ کر ادا کرتے ہیں۔ اس حوالے سے سب سے اہم ہتھیار مولانا مودودیؒ کی تحریروں پر اعتراض ہے لیکن کوئی بھی مذہبی طبقہ اپنے پیروکاروں کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ مولانا مودودی کے لٹریچر کا کھلے ذہن کے ساتھ مطالعہ کرے اور حق اور سچ کو خود جان لے اس کے برعکس یہ گروہ اپنے پیروکاروں اور عام لوگوں کو جماعت کے لٹریچر سے دور رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ دینی طبقے کی مخالفت کی بڑی اور اہم وجہ یہ ہے کہ مولانا مودودیؒ نے ان کے

اقتدار پر ضرب لگائی، دین کو عام فہم انداز میں لوگوں تک پہنچانے کی سعی کی اور کوشش کی کہ لوگ کسی بھی فرد کے ظاہر کے بجائے اس کے عمل اور کردار کو دیکھیں۔ مولانا مودودیؒ مرحوم و مغفور نے سیکولر اور لادین طبقے کے ساتھ ساتھ علماء کرام کے غلط طرز فکر کی بھی گرفت کی جس کے باعث اول روز سے ہی روایتی مذہبی جماعتیں ان کے خلاف صف آراء ہوگئیں۔ مولانا مودودیؒ پر انتہائی گھٹیا اور ذاتی حملے بھی کیے گئے لیکن مولانا مودودی اور ان کے رفقائے کار نے کبھی بھی ان کی زیادتیوں کا جواب ان کی زبان میں نہیں دیا بلکہ ہمیشہ درگزر سے کام لیا۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے علمائے کرام کے حوالے سے اپنے قلب و ذہن میں وسعت رکھی اور ان کی زیادتیوں کے باوجود ان کی عزت کیاور ان کی جانب دست تعاون بڑھایا۔

تمہید کچھ طویل ہو گئی ۔ اصل موضوع گذشتہ دنوں ہماری ویب پر شائع ہونے والے ایک مضمون پر کچھ تبصرہ کرنا ہے۔ "جماعت اسلامی کا اندازِ سیاست۔۔۔۔۔ کچھ نہ سمجھے کوئی خدا کرے کوئی" یہ اس مضمون کا عنوان ہے۔ ہم کوشش کریں گے کہ صاحب مضمون پر کسی بھی قسم کی ذاتی تنقید سے بچتے ہوئے صرف ان کے مضمون پر بات کی جائے۔

مضمون کے آغاز میں آپ کہتے ہیں کہ " جماعت اسلامی کبھی خود کو پانچویں مذہب اور مسلک کے طور پر پیش کرتی ہے اور کبھی خود کو کسی مکتبہ فکر کا حصہ باور

کراتی ہے۔" میری ناقص رائے میں یہاں صاحب مضمون نے درست بات نہیں کی ہے ۔جماعت اسلامی نے کبھی بھی خود کو کوئی نیا فرقہ، نیا مسلک، یا عام مسلمانوں نے سے جدا کوئی گروہ نہیں سمجھا ہے ہاں البتہ مذہبی طبقوں نے جب اپنی اجارہ داری ختم ہوتے دیکھی تو انھوں نے از خود جماعت اسلامی سے یہ باتیں منسوب کردیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ مولانا مودودیؒ سے لیکر سید منور حسن تک اور جماعت اسلامی کے اکابرین سے لیکر ایک عام کارکن تک کبھی کسی نے خود کو نیا فرقہ، نیا مسلک نہیں سمجھا اور نہ کہا ہے۔ جماعت اسلامی میں کٹر دیوبندی بھی ہیں،.بریلوی بھی ہیں، اہل حدیث بھی ہیں اور کچھ شیعہ بھی ہیں۔ جماعت اسلامی نے کبھی کسی مسلک کے پرچار کے بجائے ان نکات پر اپنی دعوت کی بنیاد رکھی ہے کہ "قرآن کی دعوت لے کر اٹھو اور ساری دنیا پر چھا جاؤ، اور رب کی دھرتی پر رب کے نظام کے لیے جدوجہد کی جائے اور جو اس جدو جہد میں ہمارا ساتھ دینا چاہے اس کے لیے جماعت اسلامی کے دروازے کھلے ہیں۔اس میں کہیں کسی مسلک، کسی فرقے یا کسی مخصوص گروہ کو نہ تو مخاطب کیا گیا ہے اور نہ ہی کسی خاص گروہ کے لیے دروازے بند کیے گئے ہیں بلکہ ہر مسلک اور فرقے کا فرد اپنے مسلک اور فرقے پر رہتے ہوئے جماعت اسلامی کی جدو جہد میں اس کے ساتھ شامل ہو سکتا ہے۔ آگے آپ کہتے ہیں" افکار و نظریات کے معاملے میں مولانا مودوی کی متنازع

تعبیرات اور قابل اعتراض عبارتوں پر بہت لے دے ہوچکی" یہ بات کہنے کے بات بڑی معصومیت سے کہہ دیا کہ آج کی نشست میں جماعت اسلامی کے فکری، مذہبی، مسلکی، اور نظریاتی پہلو پر گفتگو کرنا مقصود نہیں بلکہ محض جماعت اسلامی کی پالیسی اور انداز سیاست کے حوالے سے جو مخمصے ہیں انہیں زیر بحث لانا ہے" بہت اچھی بات ہے لیکن جب آپ نے ان پر بات نہیں کرنی تھی تو ساری تمہید ان باتوں پر کیوں باندھی؟؟ اس کا واضح مطلب ہے کہ صاحب مضمون نے "کچھ بھی نہ کہا اور کہہ بھی گئے" کی مثال پیش کرتے ہوئے یہاں بھی قارئین کے ذہنوں میں ابہام پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ خیر جہاں تک مولانا مودودیؒ کے قابل اعتراض عبارتوں،اور متنازع تعبیرات کا معاملہ ہے تو یہ سارے اعتراضات مولانا مرحومؒ کی زندگی ہی میں اٹھائے گئے تھے اور مولانا مرحوم نے اپنی زندگی ہی میں ان سب کا مدلل اور واضح جواب دیدیا تھا۔ یہاں میں اس پر مزید بات کرنے کے بجائے صرف اتنا کہوں گا کہ ایسے اعتراضات اور مولانا مودوی اور جماعت اسلامی کے حوالے سے لوگوں نے مولانا مودودی پر صرف اعتراض ہی نہیں کیا بلکہ مولانا مودودی مرحوم سے براہ راست سوال و جواب اور خط و کتابت کے ذریعے ان سے وضاحت بھی مانگی اور جوابات بھی پوچھے، یہ ساری باتیں ان کی کتاب " رسائل و مسائل" میں موجود ہیں اس کتاب کے کئی حصے ہیں اور ان ایسے اعتراضات اور دیگر سوالات کے جوابات موجود ہیں۔ جس کو کوئی ابہام ہو وہ کتاب منگوا کر دیکھ سکتا ہے اور یہ کتابیں انٹرنیٹ پر بھی موجود ہیں کوئی بھی فرد ان

سے استفادہ کرسکتا ہے اور اپنی تسلی کر سکتا ہے۔ صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے

۔

آگے آپ لکھتے ہیں کہ " موجودہ اور مروجہ انتخابی سیاست کے حوالے سے جماعت کی پالیسی۔۔۔ یہ ایک ایسا موضوع ہے جس پر بہت پہلے خود جماعت کی اپنی صفوں کے اندر اختلافات نے سر اٹھایا اور پھر جماعت کو شکست و ریخت سے دوچار ہونا پڑا۔ اگرچہ وقتی طور پر تو اس مسئلے پر قابو پالیا گیا لیکن صورتحال یہ ہے کہ آج تک جماعت اسلامی کوئی ایک لائن اختیار نہیں کرپائی ہے۔" ایسا لگتا ہے کہ صاحب مضمون نے جماعت اسلامی کے بارے میں بنیادی باتوں کو جانے بغیر ہی یہ باتیں کہہ دی ہیں، حقیقت یہ ہے کہ جماعت اسلامی اول روز سے ہی اس بات پر یقین رکھتی ہے کہ اپنے مقصد کی تکمیل کے لیے مروجہ طریقہ کار کے مطابق عمل کیا جائے گا۔جماعت اسلامی اپنے مقاصد کے حصول کے لیے کوئی خفیہ تحریک نہیں چلائے گی اور نہ ہی کوئی غیر قانونی عمل کیا جائے گا۔اس کے علاوہ مولانا مودودی مرحوم سے لیکر سید منور حسن تک سب امراء اور عام کارکن اس بات پر یکسو ہیں کہ جماعت اسلامی چونکہ دینی سیاسی جماعت ہے (واضح رہے کہ یہاں ہم نے قصداً مذہبی کے بجائے دینی سیاسی جماعت کا لفظ استعمال کیا ہے)۔ اس لئے وہ مروجہ سیاسی طریقہ کار کے مطابق انتخابات میں حصہ لے کر ہی قانون سازی اور معاشرے میں تبدیلی کا کام کر سکتی ہے۔ہاں یہ ضرور ہے کہ اس

کے طریقہ کار الگ ہو سکتا ہے کہ انتخابات میں اکیلے حصہ لیا جائے، سیٹ ایڈجسٹمنٹ کی جائے، یا کسی کے ساتھ اتحاد کیا جائے لیکن یہ بات واضح ہے کہ جماعت اسلامی انتخابات اور انتخابی عمل پر یقین رکھتی ہے۔ جو لوگ اس بات سے متفق نہیں تھے انہوں نے اپنا راستہ الگ کرلیا۔ لیکن یہ بھی واضح رہے کہ جن لوگوں نے اپنا راستہ الگ کیا ان کو اچھی طرح پتہ تھا کہ ہم جماعت کی واضح پالیسی سے اختلاف کر رہے ہیں اس لیے الگ ہونے کے بعد بھی ان لوگوں نے جماعت اسلامی کے نام سے کوئی جماعت نہیں بنائی اور نہ ہی جماعت کے ارکان وکارکنان کی قابل ذکر تعداد ان کے ساتھ شامل ہوئی۔ اگر ایسا نہیں ہوتا تو آج ایک جماعت اسلامی کے بجائے کئی جماعت اسلامی پاکستان میں موجود ہوتیں جیسا کہ جمعیت علماء اسلام کا معاملہ ہے کہ آج جمعیت علمائے پاکستان سمیع الحق گروپ، فضل الرحمٰن گروپ، نظریاتی گروپ موجود ہیں جبکہ فضل الرحمٰن گروپ میں ہی ایک شیرانی گروپ بھی موجود ہے۔ پھر سب سے حیرت انگیز اور دل چسپ بات یہ ہے کہ جن لوگوں نے جماعت سے اپنا راستہ الگ کیا انھوں نے جماعت اسلامی کے حوالے سے کبھی کوئی منفی بات نہیں کی البتہ دیگر غیر متعلق گروہوں نے اس سے فائدہ اٹھانے کی کی کوشش کی۔

پھر صاحب مضمون کہتے ہیں کہ ۔۔۔ یہ بھی سمجھنا مشکل ہے کہ جماعت اسلامی ایک اسلام پسند جماعت ہے یا سیکولر روشن خیال تنظیم ؟۔۔۔" اس بارے میں خود سے

کہنے کے بجائے میں اسی مضمون کی کچھ لائنیں یا پیش کرنا چاہوں گا اور اس کے بعد اپنی بات کہوں گا۔ اسی مضمون میں ایک جگہ لکھا ہے کہ " قبلہ قاضی حسین احمد مرحوم کی حیات مبارکہ کے آخری دنوں میں راقم الحروف کی مولانا محمد حنیف جالندھری اور اتحاد تنظیمات مدارس کے دیگر قائدین کی سربراہی میں قبلہ قاضی صاحب سے متعدد ملاقاتیں اور اجلاس ہوئے جن کا ایک نکاتی ایجنڈا تھا کہ مذہبی ووٹ بینک کو تقسیم ہونے سے بچایا جائے لیکن اے کاش ! ان کوششوں کے نتیجہ خیز ہونے سے قبل ہی قاضی حسین احمد اپنے خلوص اور دردِ دل سمیت اپنے اللہ کی بارگاہ میں تشریف لے گئے اور یہ خواب خواب ہی رہا" ذرا غور کیجیے اور پھر بتایئے کہ اگر بقول آپ کے یہ بھی سمجھنا مشکل ہے کہ جماعت اسلامی ایک اسلام پسند جماعت ہے یا سیکولر روشن خیال تنظیم ؟ تو پھر ایسی تنظیم سے آپ مذہبی ووٹ بینک کو بچانے کی بات کیوں کرتے ہیں؟؟؟ ایک ایسی متنازع جماعت کو آپ ایم ایم اے جو کہ خالصتاً مذہبی جماعتوں کا اتحاد ہے میں کیوں شامل کرنا چاہتے ہیں؟؟ ایسی جماعت سے آپ یہ توقع کیوں رکھتے ہیں کہ وہ کسی مذہبی اتحاد یعنی ایم ایم اے یا متحدہ دینی محاذ میں شمولیت اختیار کرلے؟؟ جناب عالی آپ اپنی ہی بات کی خود تردید کر گئے ہیں۔ (سچ تو سچ ہی ہوتا ہے چاہے اس کو کتنا ہی چھپایا جائے وہ ظاہر ہو ہی جاتا ہے) اگر جماعت اسلامی ایک متنازع جماعت ہے،اس کے بانی کی تعبیرات و نظریات متنازع ہیں اور ان کی تحریریں قابل اعتراض ہیں تو پھر ان سے اتحاد کیسا؟؟ اور اگر ان سب باتوں کو

جاننے کے باوجود آپ جماعت اسلامی سے اتحاد کے خواہاں ہیں یا تھے تو پھر ذرا سوچ کے بتایئے کہ آپ نے تو جماعت اسلامی کے بارے میں مطففین کا لقب استعمال کیا لیکن آپ لوگوں کے بارے میں کیا لقب اختیار کیا جائے؟؟؟

جناب عالی۔ آپ کی بات سے ہی یہ بھی واضح ہوگیا کہ دراصل جماعت اسلامی اپنا کندھا پیش نہیں کرتی بلکہ اسے استعمال کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور آپ جیسے کرم فرما ہی جماعت اسلامی کا کندھا استعمال کرنے کے بعد اس پر طعن و طنز کے تیر برساتے ہیں۔ ایم ایم اے کی بحالی میں سب سے بڑی رکاوٹ مولانا فضل الرحمٰن صاحب کا غیر سنجیدہ رویہ، ان کا اور ان کے رفیق خاص مولانا عبدالغفور حیدری صاحب کا طرز عمل ہے۔ آپ کا یہ مضمون اس پورے طرز عمل اور غیر سنجیدہ رویے کی عکاسی کر رہا ہے۔

جس طرح آپ نے جماعت اسلامی سے اتحاد میں مایوسی کے بعد جماعت اسلامی پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کی ہے ٹھیک اسی طرح کا رویہ مذکورہ دونوں اصحاب کا رہا ہے۔

اگر بات مذہبی ووٹ بینک کو تقسیم ہونے سے بچانے کی ہے تو یہاں ہم پہلے یہ بات کرتے چلیں کہ جب پہلی بار ایم ایم اے بنی تھی اس وقت سپاہ صحابہ اس اتحاد کا حصہ نہیں تھی۔ کیا یہ مذہبی ووٹ بینک کو تقسیم کرنا نہیں تھا؟؟؟؟ آج آپ مذہبی ووٹ بینک کو تقسیم کرنے کا ذمہ دار جماعت اسلامی کو قرار دیتے

ہیں۔ پھر جب بات افہام و تفہیم، قربانی اور ایثار کی آتی ہے تو ہر دفعہ قربانی جماعت اسلامی سے کیوں مانگی جاتی ہے؟؟؟ اتحاد کے دو طریقہ کار ہوتے ہیں۔ غیر مشروط یا پھر کچھ لو اور کچھ دو کی بنیاد پر اتحاد ہوتے ہیں۔ آپ لوگ ہمیشہ یہ کیوں چاہتے ہیں کہ جماعت اسلامی غیر مشروط اتحاد کرے؟؟؟ قربانی ایثار دیگر جماعتوں کی طرف سے کیوں نہیں ہوتا؟؟ کیا یہ ضروری ہے کہ اگر ایم ایم اے بحال ہو تو اس میں غیر مشروط طور پر سب سے زیادہ نشستوں پر جمعیت اپنے نمائندے کھڑے کرے؟؟؟ اگر جماعت اسلامی غیر مشروط اتحاد کے بجائے اصولی بنیادوں پر اتحاد کی بات کرتی ہے تو یہ سب کو برا لگتا ہے۔ پھر آپ لوگوں کو یاد آتا ہے کہ جماعت اسلامی کے بانی نے قابل اعتراض تحریریں لکھی ہیں، پھر آپ لوگوں کو خیال آتا ہے کہ جماعت اسلامی اپنے آپ کو پانچواں مذہب اور فرقہ کہتی ہے، پھر آپ کو خیال آتا ہے کہ پتہ نہیں جماعت اسلامی دینی جماعت ہے یا سیکولر اور روشن خیال جماعت ہے۔ جو باتیں محترم صاحب مضمون نے یہاں بیان کی ہیں ان سے صرف اتنا سوال ہے کہ کیا یہ ساری باتیں ان پر اچانک منکشف ہوئی ہیں یا ان کو پہلے سے ان کا پتہ تھا؟؟ اگر پہلے سے یہ ساری باتیں پتہ تھیں تو پھر جماعت سے تعاون کی امید اور اس کے تعاون کے طلب گار کیوں تھے؟؟ یہ ساری باتیں جاننے اور سمجھنے کے باوجود جماعت سے اتحاد کے خواہاں جو آج جماعت اسلامی کو مطففین کا طعنہ دے رہے ہیں ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر بتایئے کہ ان کا شمار کس میں کیا جائے؟؟؟ فتویٰ دینا ہمارا کام نہیں

ہے اور نہ ہی جماعت اسلامی نے کبھی کسی کو کافر یا منافق ہونے کا طعنہ دینا ہے۔ جماعت اسلامی اور دیگر گروہوں کا طرز عمل سامنے ہے خود فیصلہ کرلیں کہ آپ کے بارے میں کیا کہا جائے؟؟

باتیں تلخ ضرور ہیں اور کچھ انداز میں تیکھا ہوگیا جس کے لیے معذرت چاہونگا۔

پرنسس ڈیانا پاکستان میں بسنا چاہتی تھیں

پرنسس ڈیانا کی موت کے کم و بیش سولہ سالہ بعد ایک بار پھر برطانوی میڈیا میں ان کا ذکر ہو رہا ہے۔ ایک برطانوی جریدے وینیٹی فیئر نے انکشاف کیا ہے کہ پرنسس ڈیانا شہزادہ چارلس سے علیحدگی اختیار کرکے پاکستان میں مستقل سکونت اختیار کرنے اور ڈاکٹر حسنات سے شادی کرکے ان کی بیٹی کی ماں بننے کے بارے میں سوچ رہی تھیں۔ جریدے نے ایک رپورٹ شائع کی جس میں بعض رپورٹس کی تصدیق کی گئی ہے جن میں کہا گیا تھا کہ دراصل شہزادی ڈیانا، ڈاکٹر حسنات کی خاطر دو مرتبہ پاکستان گئی تھیں اور انہوں نے اس دوران ڈاکٹر حسنات کے ساتھ شادی اور پاکستان میں مستقل طور پر آباد ہونے کے امکانات کا جائزہ لینے کیلئے ڈاکٹر حسنات کی بہنوں اور بعض دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ ملاقاتیں بھی کی تھیں۔ جریدے نے بتایا ہے کہ ڈاکٹر حسنات عمران خان کے دور کے رشتہ دار بھی ہیں اور عمران خان کے کینسر ہسپتال کی فنڈ ریزنگ کے سلسلے میں شہزادی ڈیانا کا پاکستان جانا محض ایک بہانہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ ڈاکٹر حسنات کے ساتھ شادی کے امکان کا جائزہ لینے کیلئے پاکستان گئیں اور وہ اس بات کا بھی جائزہ لے رہی تھیں کہ پاکستان میں ان کے مستقل طور پر آباد ہونا س حد تک ممکن ہو سکتا ہے۔ شہزادی ڈیانا کے بہت سے

قریبی ساتھیوں کا کہنا ہے کہ شہزادہ چارلس کے بعد شہزادی ڈیانا کے ڈاکٹر حسنات کے ساتھ تعلقات انتہائی اہمیت کے حامل تھے۔ 1995ء سے 1997ء کے دوران ممتاز ہارٹ سرجن ڈاکٹر حسنات کے ساتھ تعلقات ان کے تعلقات تھے۔ اور شہزدی ڈیانا ان دو سال کے دوران ڈاکٹر حسنات کو دیوانہ وار چاہتی رہیں۔ وہ ڈاکٹر حسنات کے ساتھ شادی کرنا چاہتی تھیں اور ان کے ساتھ پاکستان میں مستقل طور پر رہائش اختیار کرنے میں بھی ان کو کوئی اعتراض نہیں تھا۔ شہزادی ڈیانا دو مرتبہ عمران خان کے ہسپتال کی فنڈ ریزنگ کے سلسلے میں پاکستان گئیں اور ان دوروں کے درمیان انہوں نے پاکستان میں مستقل رہائش کے حوالے سے مختلف لوگوں سے تبادلہ خیالات بھی کیا۔ جریدے کو شہزادی ڈیانا کے دوستوں نے بتایا کہ ایک موقع پر شہزادی ڈیانا چاہتی تھیں کہ ڈاکٹر حسنات خان کے خاندان کے بارے میں جانیں۔ خاص طور پر ان کی والدہ سے شادی کی منظوری لی جائے۔ تاہم انہیں بتایا گیا کہ ایک پشتون روایتی گھرانے میں کسی انگریزی عورت کا شادی کرکے جانا انتہائی ڈراؤنا خواب ہی تصور کیا جاسکتا ہے۔ جریدے کے مطابق جوں جوں ڈاکٹر حسنات اور شہزادی ڈیانا کے تعلقات آگے بڑھے تو ان دونوں نے شادی پر بھی غور شروع کردیا۔ جریدے کا کہنا ہے کہ شہزادی ڈیانا نے اپنے دو قریبی دوستوں کو بتایا تھا کہ وہ ڈاکٹر حسنات کی بیٹی کی ماں بننا چاہتی ہیں۔ شہزادی ڈیانا شدت سے چاہتی تھیں کہ ان کی شادی ڈاکٹر حسنات سے ہو جائے۔ اس سلسلے میں انہوں نے ان سے خفیہ طور پر شادی کے طریقوں پر غور بھی شروع

کردیا تھا لیکن ڈاکٹر حسنات خان اس منصوبے سے شدید خوفزدہ تھے۔تاہم ڈاکٹر حسنات نے شہزادی ڈیانا کو بتایا تھا کہ اس خفیہ منصوبے پر صرف اس صورت میں عمل ہو سکتا ہے جب وہ دونوں پاکستان میں ہوں کیونکہ وہاں پر میڈیا ان کو زیادہ تنگ نہیں کرے گا۔ اس کے فوراً بعد دودی الفائد کے والد نے شہزادی ڈیانا کا تعارف اپنے بیٹے سے کرایا۔

شہزادی ڈیانا نے اپنی ایک دوست روزا مینکٹن کو بتایا تھا کہ ڈاکٹر حسنات خان کی وجہ سے ان کا دل ٹوٹ گیا تھا اور اب دودی الفائد انہیں انگوٹھی پہنچانے کو تیار ہے۔ روزا نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ الفائد خاندان کے ہمراہ ٹریول نہ کریں ان کی دوست کا کہنا تھا کہ دودی الفائد کے ساتھ منگنی سے یقیناً ڈاکٹر حسنات خان کو تکلیف پہنچے گی اور ان کی جانب سے مائل ہوں گے۔ ان کے دوستوں کا کہنا ہے کہ چونکہ ڈاکٹر حسنات نے شادی نہ کرکے ان کا دل توڑ دیا تھا۔ اس وجہ سے وہ بہت زیادہ پریشان تھیں۔جریدے کے مطابق ڈیانا پر بننے والی ایک فلم میں ان کی زندگی کے آخری دو برسوں کی کہانی دکھائی گئی ہے جو ان کے ڈاکٹر حسنات کے ساتھ رومانس پر مشتمل ہے تاہم اس فلم کو بنانے میں تعاون سے ڈاکٹر حسنات نے انکار کردیا تھا۔برطانوی جریدے نے تو یہ دعویٰ کردیا ہے کہ شہزدی ڈیانا پاکستان میں مستقل سکونت اختیار کرنا چاہتی تھیں۔ آپ لوگ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟؟

حضرت عیسیٰؑ کی سزا عالمی عدالت میں چیلنج

جی ہاں عالمی عدالت انصاف (ICJ) میں حضرت عیسیٰؑ ابن مریم کے خلاف غیر منصفانہ مقدمے اور سزا کے خلاف دائر درخواست کی سماعت کے لیے ایک پینل تشکیل دیدیا گیا ۔یہ درخواست کینیا کے ایک وکیل اور کینیا کی عدلیہ کے سابق ترجمان '' ڈولا انڈیڈیز'' نے دائر کی ہے۔ڈولا انڈیڈیز کو یقین ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف بنایا گیا مقدمہ نا انصافی اور بدنیتی کی بنیاد پر قائم کیا گیا تھا۔وہ کہتے ہیں کہ میرا فرض ہے کہ میں یسوع مسیح کے وقار کو برقرار رکھنے کے لیے انہیں انصاف دلاؤں، کیوں کہ ان کے ساتھ نا انصافی کی گئی ہے، ان کو تعصب کا نشانہ بنایا گیا اور ان کے انسانی حقوق کے خیال نہیں رکھا گیا۔انڈیڈیز کو یقین ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ السلام کی دی جانے والے سزا کو کالعدم قرار دلا سکیں گے۔ انڈیڈیز نے اسرائیلی ریاست اور اٹلی کے خلاف ہرجانے کا دعویٰ بھی کیا ہے، جب کہ اس مقدمے میں اسرائیل اور اٹلی کے علاوہ اُس وقت کے یہودیا کے گورنر پیلاطس، بادشاہ ہیروڈیس، اس وقت کے یہودی کاہن اعظم کائفا، یہودی علماء، اور یہودی قانون دانوں کو فریق بنایا گیا۔انڈیڈیز کہتے ہیں کہ اس وقت کے گورنر پیلاطس (اور بادشاہ ہیروڈیس کو بھی) یہ پتا تھا کہ یسوع مسیح بے گناہ ہیں لیکن اس

کے باوجود اس نے امان او امان کو برقرار رکھنے کے لیے حضرت عیسیٰ کو مصلوب کرنے کا حکم جاری کیا۔ درخواست گذار نے دوران سماعت استغاثہ نے کی جانب سے یسوع مسیح سے تفتیش کے طریقہ کار کو بھی چیلنج کیا ہے۔

انڈیڈیز کہتے ہیں کہ عدالت نے مجھے مطلع کردیا ہے اور اب میں مقدمے کی سماعت شروع ہونے کا انتظار کررہا ہوں۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ کیا یہ ایک غیر سنجیدہ مقدمہ نہیں ہے؟؟ تو انہوں جواب دیا کہ کوئی جنونی معاملہ نہیں ہے بلکہ یہ قانون کا معاملہ ہے اور کونسل کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ قانون کی ترقی میں مدد کرے۔انڈیدیز کا کہنا ہے کہ میری تحقیق گمراہ کن یا جذباتی

نہیں ہے بلکہ یہ خالصتاً علمی معاملہ ہے اور میں نے بہت مضبوط کیس بنایا ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ اپنی زندگی میں انصاف ہوتے ہوئے دیکھوں گا۔ واضح رہے کہ انڈیڈنر نے عالمی عدالت انصاف سے اس وقت رجوع کیا جب نیروبی کی ہائی کورٹ ان کی دائر کردہ درخواست خارج کردی تھی۔

یہ اپنی نوعیت کا بہت ہی عجیب و غریب مقدمہ ہے اور درخواست گذار کو یقین ہے کہ وہ اس میں کامیاب ہوجائیں گے لیکن یہ بات ذہن نشین رہے کہ ان کے مقدمے کی ساری بنیاد ان کا تاریخی اور مذہبی لٹریچر ہے جس کے مطابق حضرت عیسیٰ السلام کو مصلوب کردیا گیا تھا اور عیسائی عقیدے کے مطابق انہوں نے مصلوب ہوکر اپنی امت کے سارے گناہوں کا کفارہ ادا کردیا ہے۔ جب کہ بحیثیت مسلمان ہم اس سے اتفاق نہیں کرتے قران پاک کی سورہ آل عمران میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں " اورجب اُس نے کہا اے عیسیٰ اب میں تجھے واپس لے لوں گا اور تجھ کو اپنی طرف اٹھالوں گا اور جنہوں نے تیرا انکار کیا ہے ان سے تجھے پاک کردوں گا "

اور سورہ مریم میں ارشاد پاک ہے کہ " خود کہا کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم کو قتل کردیا ہے، حالانکہ فی الواقع انہوں نے نہ اسکو قتل کیا اور نہ صلیب پر چڑھایا بلکہ معاملہ ان کے لیے مشتبہ کردیا گیا۔ اور جن لوگوں نے اس

بارے میں اختلاف کیا ہے وہ بھی دراصل شک میں مبتلا ہیں، ان کے پاس اس معاملے میں کوئی علم نہیں ہے، محض گمان ہی کی پیروی ہے۔ انہوں نے مسیح کو یقین کے ساتھ قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اس کو اپنی طرف اٹھالیا"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کی جانب سے لکھی اناجیل میں سے .برناباس کی انجیل میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے کہ جب ہیروڈیس کے سپاہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کرنے کے لیے آئے تو اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو اپنے پاس بلا لیا اور جس غدار نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تیس سونے کے سکوں کے عوض بیچا تھا وہ جب آپ کو پکڑنے کے لیے آپ کے حجرہ میں داخل ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس غدار "یہودہ اسکریوتی" کا حلیہ تبدیل کر کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حلیے سے تبدیل کردیا اور سپاہیوں نے اسی غدار کو حضرت عیسیٰ السلام سمجھ کر اذیتیں دے کر مار ڈالا اور درحقیقت اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے شر سے محفوظ رکھا تھا۔

ہمیں اس بات کا یقین ہے کہ اللہ رب العزت نے حضرت عیسیٰ السلام کو اپنے پاس بلا لیا ہے اور فتنہ دجال کے وقت آپ دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے، دجال کو قتل کریں گے، خنزیر کو ختم کریں گے اور صلیب کو توڑ ڈالیں گے اور آپؑ اس دنیا میں دینِ محمدی کے پیروکار کی حیثیت سے چالیس سال رہیں گے۔

سائبر کرائمز: بچوں کو خود کشی کا مشورہ دیا جارہا ہے

انٹرنیٹ کے باعث بہت سارے کام آسان ہو گئے ہیں مثلاً چیزوں کی قیمتوں کا اندازہ لگانا، ریلوے اور ائیر لائنز کے ٹکٹس کی بکنگ، موسم کا حال، سونے چاندی کا بھاؤ، کرنسی ریٹ، دنیا بھر کے نقشے، تعلیمی و تفریحی مواد، سیر و سیاحت کا موقع اور دنیا بھر کے حالات سے آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ جرائم کی دنیا میں ایک نئی اصطلاح سائبر کرائم (CYBER CRIME) میں رائج ہو گئی ہے جو کہ انٹرنیٹ کے ذریعے کیے جانے والے جرائم کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ ان جرائم میں کسی صارف کا ڈیٹا چرا لینا، کسی کی ذاتی معلومات سے رسائی حاصل کرکے اس کا غلط استعمال کرنا، بینک فراڈ، لوگوں کو جعلی ای میلز کے ذریعے لاٹری کا لالچ دے کر ان کے کریڈٹ کارڈز اور بینک اکاؤنٹ تک رسائی حاصل کرکے اس کی صفائی کرنا اور دیگر کئی جرائم شامل ہیں۔ اب انٹرنیٹ کے ذریعے لوگوں اور بالخصوص نو عمر بچے بچیوں کو ڈرا دھمکا کر خود کشی کی جانب مائل کرنے کا بھی انکشاف ہوا ہے۔

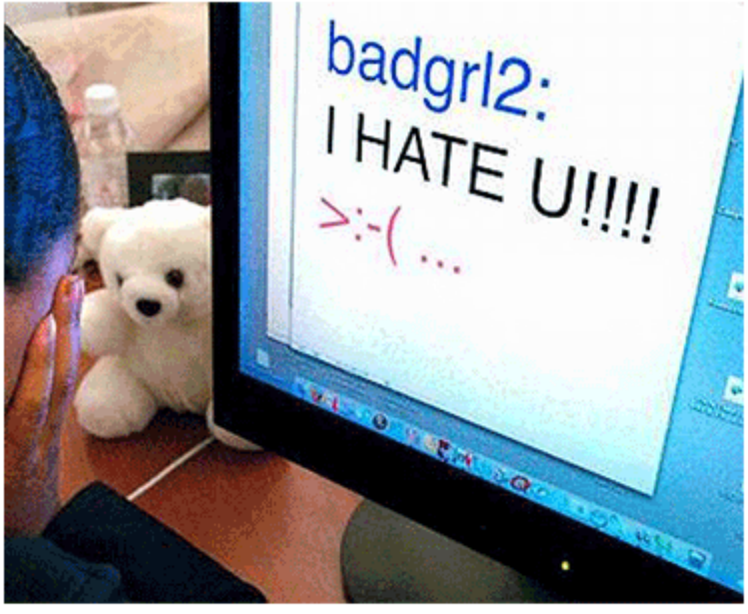

اطلاعات کے مطابق برطانیہ میں والدین نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ ٹین ایجر بچوں کی زندگیوں کو بچانے کے لئے ایسی ویب سائٹس بند کی جائیں جو بچوں کو خود کشی پرمجبور کردیتی ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق برطانیہ کے ہزاروں ٹین ایجر انٹرنیٹ پر موجود ایسی ویب سائٹس سے شدید متاثر ہوتے ہیں جو بچوں کو مشورے دینے کے بہانے تباہی کی طرف گامزن کردیتی ہیں۔ ان بچوں کو پہلے ان ویب سائٹس پر وزٹ کرنے کا عادی کیا جاتا ہے اور پھر ان کو ڈرایا دھمکایا جاتا ہے۔ جو بچے انٹرنیٹ کے ذریعے دھمکیوں سے خوفزدہ ہو جاتے ہیں ان میں سے بعض خود کشی کرلیتے ہیں۔

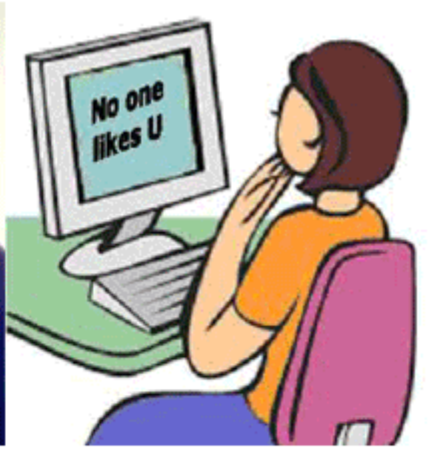

حال ہی میں ایک 14سالہ برطانوی بچی ہنّا اسمتہ کی خود کشی کا سانحہ رونما ہوا ہے ۔ ہنّا اسمتہ ایگزیما کی بیماری میں مبتلا تھی ۔ اس نے اپنی بیماری کے علاج کے لیے ایک ویب سائٹ (ہم بوجوہ یہاں اس ویب سائٹ کا نام نہیں لکھ رہے ہیں)سے رابطہ کرکے مشورہ مانگا ، لیکن یہاں اس کو کوئی اچھا مشورہ دینے یا اس کو بیماری سے لڑنے کا حوصلہ دینے کے بجائے اس کو اس قدر ڈرایا ، دھمکایا اور خوفزدہ کیا گیا اور اسے کہا گیا کہ اس کا مرجانا ہی دنیا کے لیے بہتر ثابت ہوگا، ان باتوں سے دلبرداشتہ ہوکر بالآخر ہنّا اسمتہ کو گلے میں پھندہ ڈال کر خود کشی کرنی پڑی اورجب اس کی 16 سالہ بہن نے اسے اپنے کمرے میں دیکھا تو وہ انتقال کر چکی تھی- ہنّا کے والد ڈیوڈ اسمتہ نے بتایا کہ ہنّا جی سی ایس ای کے لئے تیاری کررہی تھی اور کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ خود کو اس طرح ختم کردے گی وہ زندگی سے محبت کرنے والی اور خوش رہنے

والی لڑکی تھی۔ انہوں نے کہا کہ ہنا آخری وقت تک اپنی روز مرہ کی زندگی معمول کے مطابق گزار رہی تھی۔ اس کی خود کشی کے بعد اس کے والد ڈیوڈ نے اس کی بن سے ایک کاغذ نکالا جس پر لکھا ہوا تھا کہ وہ سمجھتی ہے کہ وہ کبھی ٹھیک نہیں ہو گی۔ وہ چاہتی ہے کہ اس دنیا کو چھوڑ دے اور خود کو زندگی کی قید سے آزاد کرا دے۔ اس نے لکھا کہ وہ اس زندگی سے خوش نہیں ہے اور مرنا چاہتی ہے۔ ڈیوڈ اسمتھ کا کہنا ہے کہ انٹرنیٹ پر اس قسم کی ویب سائٹس پر پابندی لگائی جانی چاہیے۔ انہوں نے والدین سے کہا کہ وہ انٹرنیٹ پر بیٹھنے والے اپنے بچوں کا خیال رکھیں کیونکہ بچے جب ویب سائٹس پر جاتے ہیں تو اکثر اوقات غلط جگہوں پر چلے جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کو تشدد کا نشانہ بننا پڑتا ہے۔

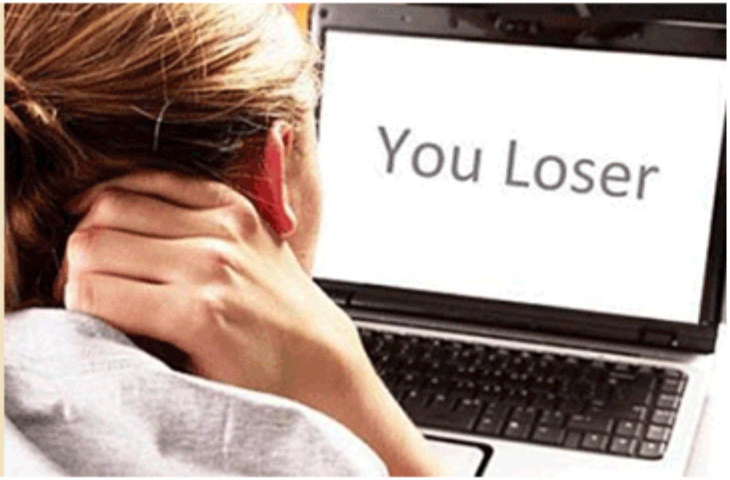

برطانوی اخبار ''دی مرر'' کے مطابق مذکورہ ویب سائٹ سے متاثر ہوکر امریکہ اور یورپ کے دوسرے ممالک کے کئی بچوں نے بھی خود کشی ہے اوراب برطانوی حکومت پر یہ مطالبہ بڑھ گیا ہے کہ اس طرح کی ویب سائٹس کو بند کیا جائے۔ ہَنّا کی 16 سالہ بہن جو اسمتہ نے کہا ہے کہ اسے بھی انٹرنیٹ میں اس طرح ڈرایا دھمکایا گیا تھا جس طرح اس کی بہن کو دھمکایا گیا اخبار نے لکھا ہے کہ انٹرنیٹ پر روزانہ ہزاروں بچوں کو خوفزدہ کیا جاتا ہے۔ اگر اس سلسلے میں کارروائی نہ کی گئی تو مزید اموات ہوسکتی ہیں۔
ادھر ایک خیراتی ادارے بیٹ بلنگ نے بچوں کو خوفزدہ کرنے والی ویب سائٹس کو بند کرنے کا مطالبہ کیا ہے ادارے کی بانی نے کہا کہ بچوں کو ڈرانے کے واقعات بڑھ گئے ہیں اور ہزاروں بچے اس طرح کے واقعات سے متاثر ہو سکتے ہیں۔

منور حسن صاحب کا سوال

منور حسن صاحب نے ایک سیدھا سا سوال اٹھایا تھا کہ " امریکی فوجی مرے تو وہ جہنم واصل ہو جائے اور جو اس کا ساتھ دے اس کو میں کیا کہوں ؟ یہاں میرے سامنے بھی ایک سوالیہ نشان کھڑا ہو جاتا ہے۔" یہ بات انہوں نے اپنے انٹرویو میں کہی تھی۔ اس میں کہیں بھی یہ نہیں کہا گیا ہے کہ فوج کا جوان شہید نہیں ہے یا انہوں نے کوئی فیصلہ سنا دیا۔ دراصل یہ تو ہر صاحب فکر کے سوچنے کی بات ہے۔

جماعت اسلامی اس وقت الزامات کی زد میں ہے۔ جماعت اسلامی کے امیر سید منور حسن نے سلیم صافی کے ایک پروگرام میں پوچھے گئے ایک سوال کے جواب میں ایک اور سوال اٹھایا تھا اور اس سوال کے یار لوگوں نے سید صاحب کا فتویٰ یا فیصلہ بنا کر چائے کی پیالی میں طوفان اٹھانے کی ناکام کوشش کی ہے۔ الحمد اللہ یہ طوفان تو وقت کے ساتھ ساتھ ختم ہی جائے گا۔ البتہ افسوس ہوتا ہے ان لوگوں کی ذہنیت پر جو کہ خود کو روشن خیال، لبرل، اور اظہار آزادی رائے کے علمبردار کہتے ہیں لیکن یہاں ان کے سارے نام نہاد فلسفے دھرے رہ گئے اور ہر جانب سے تنگ نظری، جنونیت کے مظاہرے کیے جارہے ہیں۔ کہاں تو آزادی رائے کو اتنی اہمیت دی جاتی ہے کہ ناموس رسالتؐ تک پر بات کر لی جاتی ہے، انبیاء

کرام کی شان میں گستاخی روا، دین کے احکامات پر اعتراضات اٹھانا بجا، گستاخانہ خاکوں کوتک کو نہ صرف برداشت کیا جاتا ہے بلکہ دوسروں کو بھی یہی درس دیا جاتا ہے کہ میاں دقیانوسیت چھوڑو اور اظہارِ رائے کی آزادی کا احترام کرو۔ خود یہ سیکولر لبرل طبقہ اپنے لیے ہر بات کو جائز اور روا سمجھتا ہے۔ لیکن منور حسن صاحب کا ایک سوال اٹھانا ان کو ناگوار گزر گیا۔ ایمانداری کی بات ہے کہ فوج سے مخلص اور وفادار تو یہ لوگ بالکل بھی نہیں ہیں ہاں چونکہ اس وقت معاملہ جماعت اسلامی اور منور حسن صاحب کا ہے اس لیے سارے شور مچا رہے ہیں یعنی یہ معاملہ حبِ علیؓ کا نہیں بلکہ بغض معاویہؓ والا ہے۔ اس ملک میں فوج کے جوانوں کو کراچی اور کوئٹہ میں سیکولر جماعتوں کے مسلح جتھوں نے قتل کیا، پاک فوج کو پنجاب فوج اور ناپاک فوج کہا گیا، یہی سیکولر طبقہ ضیاء الحق پر تنقید کرتے ہوئے فوج کو کیا کیا نہیں کہہ چکا ہے لیکن اس وقت سارے معصوم بنے ہوئے ہیں۔

جو لوگ اس موضوع کو لیکر جماعت اسلامی پر تنقید کر رہے ہیں ان سے کچھ سوال پوچھنا چاہوں گا۔ امید ہے کہ وہ ٹھنڈے دل سے ان پر غور کریں گے اور جواب دیں گے، ایم کیو ایم نے جماعت اسلامی پر پابندی لگانی کی ناکام کوشش کی پہلا سوال ان سے ہے۔

نوے کی دہائی میں فوجی آپریشن کے دوران ایم کیو ایم کے جو آرمی اور پولیس کے ہاتھوں مارے گئے کیا وہ شہید ہیں ؟ اگر آپ کہتے ہیں

کہ وہ شہید ہیں تو پھر ان کو شہادت کے منصب تک پہنچانے والے آرمی اور پولیس کے افسران جو اس آپریشن کے دوران قتل کیے گئے ان کو کیا کہا جائے گا؟ اگر وہ افسران بھی شہید ہیں تو پھر ایم کیو ایم کے لوگ کیسے شہید ہیں؟

نواب اکبر بگٹی کو آج پاکستان کی تمام سیاسی جماعتیں اور طبقہ فکر شہید کہتا ہے۔ جب کہ وہ بھی پاکستان آرمی کے ہاتھوں مارے گئے ہیں۔ اب ذرا سوچ کر بتایئے کہ اگر نواب اکبر بگٹی شہید ہیں تو پھر کوئٹہ میں آئے روز قتل ہونے والے فوج اور لیویز کے اہلکار وں کے قتل پر ان کو کیا کہا جائے گا؟

ذوالفقار علی بھٹو کو بھی شہید کہا اور سمجھا جاتا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ذوالفقار علی بھٹو شہید ہیں تو پھر ضیاء الحق صاحب کو کیا کہا جائے؟

سوالات بہت تلخ ہیں اور مجھے ایک سو ایک فیصد یقین ہے کہ اس کے جواب میں سوائے جماعت اسلامی پر تنقید اور ادھر اُدھر کی باتوں کے کوئی معقول تبصرہ نہیں آئے گا۔ لیکن بقول شاعر

ہم پہ الزام تو ویسے بھی ہے ایسے ہی سہی
نام بدنام تو ویسے بھی ایسے ہی سہی

جماعت اسلامی نے وطن پر آنے والی ہر مشکل کے وقت پاک فوج کے شانہ بشانہ کھڑے ہو کر وطن کا دفاع کیا ہے۔ بنگلہ دیش میں بیس ہزار شہادتیں اس بات کا ثبوت ہیں اور بنگلہ دیش میں پاکستان اور پاک فوج کا ساتھ دینے کی سزا جماعت اسلامی کے ارکان و کارکنان آج تک بھگت رہے ہیں، آج بھی وہاں کی عدالتوں میں ان پر پاک فوج کا ساتھ دینے کے مقدمات بنائے جا رہے ہیں اور ان کو سزائے موت سنائی جا رہی ہے۔

آزاد کشمیر میں پاک فوج کے جوانوں کے ساتھ ساتھ جماعت اسلامی اور جمعیت کے کارکنان بھی شہید ہوتے آئے ہیں اور جماعت نے کبھی بھی اس کا کوئی صلہ نہیں مانگا۔
جماعت اسلامی پر تنقید کرنے والے ذرا اپنے گریبان میں تو جھانکیں اور یہ بتائیں کہ خود انہوں نے پاک وطن اور پاک فوج کا کس قدر ساتھ دیا ہے؟
منور حسن صاحب نے ایک سیدھا سا سوال اٹھایا تھا کہ "امریکی فوجی مرے تو وہ جہنم واصل ہو جائے اور جو اس کا ساتھ دے اس کو میں کیا کہوں؟ یہاں میرے سامنے بھی ایک سوالیہ نشان کھڑا ہو جاتا ہے۔" یہ بات انہوں نے اپنے انٹرویو میں کہی تھی۔ اس میں کہیں بھی یہ نہیں کہا گیا ہے کہ فوج کا جوان شہید نہیں ہے یا انہوں نے کوئی فیصلہ سنا دیا۔ دراصل یہ تو ہر صاحب فکر کے سوچنے کی

بات ہے۔

عبدالقادر ! تُو راشد منہاس کا ساتھی تھا، البدر کی لاٹھی تھا

کہتے ہیں کہ وقت سب سے بڑا منصف ہوتا ہے اور وہی حقائق سامنے لاتا ہے۔ کل عبدالقادر ملا شہید کی پھانسی نے بھی یہی بات ثابت کی۔ 1947 سے پروپیگنڈہ کیا جاتا رہا کہ جماعت اسلامی پاکستان مخالف ہے، لیکن 1971 میں پاکستان کے دفاع اور سقوطِ مشرقی پاکستان کے خلاف سب سے زیادہ گردنیں جماعت اسلامی اور اسلامی جمعیت طلبہ کے کارکنوں کی کٹیں، ارضِ پاک کے دفاع کے لیے سب سے زیادہ لہو بھی ان کا ہی بہا۔ لیکن ان کی اس قربانی کو ان کا جرم بنایا گیا، کہا گیا کہ انہوں نے بنگلہ دیش میں قتل عام میں حصہ لیا، البدر اور الشمس نامی "دہشت گرد" تنظیمیں بنائیں، لیکن آج وقت نے گواہی دی کہ یہی لوگ حق پر تھے باقی لوگ باطل ہیں۔ کل بنگلہ دیش میں جماعت اسلامی کے سابق جنرل سیکرٹری عبدالقادر ملا کو 1971 میں افواج پاکستان کا ساتھ دینے اور بنگلہ دیش بننے کے خلاف جدوجہد کرنے کے جرم میں پھانسی دیدی گئی۔ اگر وطن کے لیے جان قربان کرنے والے غدار ہیں تو محبِ وطن کون ہے؟ یہ سوال ہے ہر صاحبِ فکر کے لیے !

شہید عبدالقادرؒ کے نام انٹرنیٹ پر شائع ہونے والی ایک آزاد نظم

سُن عبدالقادر! آج تیری آخری رات ہے
کل تیرا لاشہ ڈھاکہ کی زمیں نگل جائے گی
جُرم تیرا بہت بڑا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔
جناح سے وفاداری؟
تُو بڑا ظالم تھ، پاکستان توڑنے کا مخالف تھا
تُو راشد منہاس کا ساتھی تھا، البدر کی لاٹھی تھا
تب بھی لہو رنگ تھا دسمبر
آج بھی بھیگ رہا ہے
وطن سے محبت؟ اسلام سے عشق؟
کفر کیا تونے۔۔۔۔۔۔۔۔
"لے آج آگے بڑھ کر خود پہن لے پھندا اپنا"
سُن تیرے جرائم کی فہرست
بڑی طویل ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔
سقوطِ مشرقی پاکستان کی کہانی بڑی ثقیل ہے
ماضی بھول گئے سب،
شملہ میں ڈوب گئے سب
تمہارا خون بہت ارزاں تھا،
پھر بھی جہاں لرزاں تھا

اب کوئی وفا کی بات نہ کرے
حقائق کا پردہ چاک نہ کرے
مجھے لگتا ہے تو آخری چراغ ہے
اب کے دسمبر نوید سحر ہے

ہم محب وطن قوتوں کو کیا پیغام دے رہے ہیں؟

جرم بہت سنگین تھا ان کا اس لیے سزا بھی بہت سخت اور اپنے تئیں عبرت ناک دی گئ ہے۔ایک پینسٹھ سالہ بزرگ پر بنگلہ دیش کی وزیر اعظم حسینہ واجد نے جو ظلم کیا اس پر تو کوئی حیرت نہیں ہے کیوں کہ وہ تو شیخ مجیب الرحمٰن کی بیٹی ہے، مجیب الرحمٰن عوامی لیگ کا لیڈر تھا، بنگلہ دیش کا بانی تھا جب کہ جماعت اسلامی اور اسلامی جمعیت طلبہ عوامی لیگ کے پاکستان توڑنے کے عمل کے مخالف تھے اور نہ صرف مخالف تھے بلکہ عملی طور پر پاکستانی فوج کے ساتھ مل کر وطن کا دفاع کیا، اس لیے حسینہ واجد نے جو کیا اس پر حیرت نہیں ہے۔

سابق مشرقی پاکستان اور موجودہ بنگلہ دیش میں جب بھارتی مداخلت اور ایما پر علیحدگی کی تحریک شروع ہوئی تو اس وقت اس سیلِ بلا کو روکنے والا کوئی نہ تھا، اس ہنگامہ خیز اور خوفناک صورتحال میں جماعت اسلامی نے عالم اسلام کی سب سے بڑی مملکت کو دولخت ہونے سے بچانے کے لیے میدان عمل میں اترنے کا فیصلہ کیا، مملکتِ خداداد کی حفاظت کرنے کے لیے تن من دھن کی بازی لگادی اور پاکستانی فوج کے ساتھ ملک کر مادرِ وطن کا دفاع کیا، اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا، گردنیں کٹوائیں لیکن جب 16 دسمبر کو فوج نے ہتھیار ڈالے تو ان محب

وطن مجاہدین کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا گیا۔ سقوط ڈھاکہ کے بعد بنگلہ دیش کے مخالفین اور اردو بولنے والوں (بہاریوں) کا قتل عام کیا گیا، البدر و الشمس کے رضاکار جنہوں نے اس کڑے وقت میں پاکستانی فوج کا ساتھ دیا وہ اردو بولنے والے نہ تھے بلکہ محب وطن بنگالی تھے، ان کو بالخصوص نشانہ بنایا گیا، ان کو چن چن کر قتل کیا گیا، حتیٰ کہ جو لوگ قیدی بنا کر جیلوں میں ڈال دیئے گئے تھے مکتی باہنی کے غنڈوں نے انہیں جیلوں سے نکال نکال کر بھرے مجمع میں اذیتیں دے دے کر شہید کر دیا۔ ان سب کے باوجود کہا جاتا ہے کہ جماعت اسلامی پاکستان مخالف ہے (پاکستان سے فرار ہو کر لندن میں بیٹھنے والا دہشت گرد جو کہ جناح پور کی سازش پکڑے جانے کے بعد یہاں سے بھاگا تھا وہ کہتا ہے کہ جماعت اسلامی پاکستان توڑنے کی سازش کر رہی ہے۔ اب اس کی باتوں کی غصہ نہیں آتا بلکہ ہنسی آتی ہے کیوں کہ خود اس کے نام نہاد چاہنے والے بھی اس کی باتوں پر ہنستے ہیں۔)

بنگلہ دیش بن گیا، پاکستان نے اس کو تسلیم بھی کر لیا، شیخ مجیب الرحمٰن نے 1973 میں تمام لوگوں کو عام معافی بھی دیدی لیکن جماعت اسلامی کی پاکستان سے محبت سیکولر اور لادین طبقے کو ہضم نہیں ہوئی اس لیے سازشیں چلتی رہیں بالخصوص جب جب حسینہ واجد کو اقتدار ملا جماعت اسلامی پر کڑا وقت آیا۔ حسینہ واجد کی موجودہ حکومت اپنی بھارت نواز پالیسیوں کے باعث عوامی حمایت

کھوچکی ہے۔اپنی جماعت کے تنِ مردہ میں جان ڈالنے کے لیے حسینہ واجد نے ایک گھناؤنا کھیل شروع کیا اور بیالس سال پرانے مقدمات کو از سرِ نو شروع کیا گیا اور اپنے اقتدار کی ڈوبتی ناؤ کو بچانے کے لیے جماعت اسلامی کو نشانہ بنایا گیا، مولانا غلام اعظم، مولانا مطیع الرحمان نظامی، عبد القادر ملا اور دیگر کو ایک بار پھر گرفتار کرلیا گیا اور ان پر بنگلہ دیش کی مخالفت کے الزام لگا کر انہیں سزائیں سنائی گئیں، کنگرو کورٹس کے ذریعے اسّی اسّی اور ستّر ستّر سالہ بزرگوں کو نوے سال کی سزائیں سنائیں گئیں۔ مولانا عبد القادر شہید کو ٹریبونل نے عمر قید کی سزا سنائی، اس کے خلاف جب اپیل دائر کی گئ تو عدلیہ کی تاریخ کا یہ انوکھا واقعہ ہوا کہ کسی عدالت نے ماتحت عدالت کے فیصلے کے خلاف یا اس کی سزا کو برقرار رکھنے کے بجائے اس کو بڑھا دیا گیا اور عبد القادر شہید کی عمر قید کی سزا کو سزائے موت میں تبدیل کردیا گیا۔

جماعتِ اسلامی بنگلہ دیش کے رہنماؤں پر جب یہ مقدمات دوبارہ قائم کیے گئے تو انہوں نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ حسینہ واجد انہیں قتل کرنا چاہتی ہے، معافی نہیں مانگی بلکہ عدالتوں میں یہی موقف اپنایا کہ ہم نے جو کیا وہ درست تھا، جب البدر والشمس بنائی گئیں، جب جماعت اسلامی نے پاکستانی فوج کا ساتھ دیا اس وقت بنگلہ دیش قائم نہیں ہوا تھا اور یہ سارا خطہ حکومت

پاکستان کے ماتحت اور پاکستانی ریاست کا حصہ تھا، اس لیے جماعتِ اسلامی نے اس وقت دراصل بنگلہ دیش کے خلاف نہیں بلکہ اپنے وطن کے حق میں پاکستانی فوج کا ساتھ دیا تھا۔ پاکستان سے ان کی محبت کا یہ جرم ناقابل معافی ٹھہرا اور ان رہنماؤں کو سزائیں سنائی گئیں۔ عبدالقادر ملا تو شہید ہو کر اپنے رب سے جا ملے اور یقیناً وہ اس وقت جنت میں دیگر شہداء کے ساتھ ہونگے، لیکن یہ پاکستانی حکومت کو کیا ہوا؟

دفتر خارجہ پاکستان نے عبدالقادر ملا کی شہادت کو بنگلہ دیش کا اندرونی معاملہ قرار دیدیا۔ یہ انتہائی خوفناک صورتحال ہے جس کے مستقبل میں بھیانک نتائج سامنے آئیں گے۔ پاکستانی سیاسی جماعتوں نے عبدالقادر ملا کی سزائے موت سے لاتعلقی اختیار کرکے اور دفتر خارجہ نے یہ بیان جاری کرکے دراصل تمام محب وطن قوتوں کو یہ پیغام دیا ہے کہ وطن سے محبت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے ورنہ تمہارا انجام بھی یہی ہوگا اور کسی بھی مشکل صوررتحال میں ہم تم سے بھی لاتعلقی اختیار کرکے کہہ دیں گے کہ یہ ہمارا معاملہ نہیں ہے۔

غور کیجئے اور ذرا اس بیان کی روشنی میں مستقبل کی ایک جھلک ہماری نظروں سے دیکھنے کی کوشش کریں۔ بلوچستان میں عرصہ سے علیحدگی کی تحریک چل رہی ہے، نہ صرف بلوچستان میں بلکہ اب اس کے اثرات کراچی میں بھی بلوچ آبادیوں پر

اور BLA دیکھے جارہے ہیں اور یوم آزادی کے موقع پر کراچی کی کئی دیواروں پر بھی
کی جانب سے 14 اگست کو یوم سیاہ کے طور پر منائے جانے کی اپیل کے نعرے BSO
درج ہوتے ہیں۔ سندھ کے قوم پرستوں کے خیالات بھی کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں، جب
کہ کراچی میں ماضی میں جناح پور کی سازش پکڑی جاچکی ہے اور اس سازش کے بانی کی
جانب سے وقتاً فوقتاً دھمکی کے طور پر اس بات کو دہرایا جاتا ہے، فاٹا اور قبائلی علاقوں
کی صورتحال بھی کسی سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔ کسی بھی ملک کی فوج ایسی صورتحال کو
عوامی حمایت اور عوام کی مدد کے بغیر کنٹرول نہیں کرسکتی۔ لیکن فوج اور حکومت کی
جانب سے جماعت اسلامی کے معاملہ پر بے رخی بلکہ بے حسی کے مظاہرے سے تمام محب
وطن قوتوں کو یہی پیغام جائے گا کہ اپنی جان جوکھوں میں ڈالنے کے بجائے wait an
دیکھو اور انتظار کرو کی پالیسی پر عمل کرو۔ خیبر پختونخواہ میں فوج کی مدد کے watch
لیے قائم بنائے گئے امن لشکر، سندھ اور بلوچستان میں علیحدگی پسندوں کے خلاف
مزاحمت کرنے والی قوتیں بھی اس معاملہ سے متاثر ہوسکتی ہیں۔ ٹھیک ہے جماعت اسلامی
تو ہر دور میں سیکولر اور لادین طبقے کی تنقید کا نشانہ رہی ہے اور لیکن خدارا اس معاملہ کو
جماعت اسلامی کا معاملہ سمجھ کر نظر انداز نہ کریں۔ عبدالقادر ملا شہید، مولانا مطیع الرحمٰن
نظامی اور دیگر افراد پر ان کی سیاسی وابستگی کی بنیاد پر نہیں بلکہ پاکستان کا ساتھ دینے کے
جرم میں مقدمات قائم کیے گئے ہیں، ان کو پاکستانی فوج کا ساتھ دینے کی پاداش میں

سزائیں سنائی گئیں ہیں۔اس لیے کچھ دیر کے لیے ہی دنیا کو دکھانے کے لیے ہی سہی اس عمل کی مذمت کریں اور احتجاج کریں۔ کم از کم وہ طبقہ تو اپنا احتجاج ریکارڈ کرائے جو منور حسن صاحب کے منہ میں اپنی بات ڈال کر اخبارات اور سوشل میڈیا پر پاکستانی فوج کی حمایت کا ڈھول پیٹتا رہا ہے، وہ یہ تو سوچیں کہ جس فوج کی حمایت میں چند دن پہلے تک آپ لوگ رطب اللسان تھے اسی فوج کا ساتھ دینے پر ملا عبدالقادر کو شہید کیا گیا ہے، جس ملک پاکستان کی مخالفت کا جھوٹا الزام ستر سال سے آپ جماعت اسلامی پر لگاتے آئے ہیں ، اسی ملک کے دفاع کے لیے جماعت اسلامی کے سابق جنرل سیکرٹری کو موت کی سزا سنائی گئی ہے۔ جس وطن کی محبت کا آپ سوشل میڈیا اوراخبارات میں زبانی اظہار کرتے ہیں ، اس وطن کی محبت میں جماعت اسلامی اور اسلامی جمعیت طلبہ نے 20 ہزار سے زیادہ جانوں کی قربانی پیش کی تھی اور یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔ محبت کے دعوے کرنا بہت آسان ہے لیکن محبت نبھانا بہت مشکل کام ہے۔ بقول شاعر

تختۂ دار محبت کی سزا کی ٹھہری ہے
جان لینا میرے قاتل کی ادا ٹھہری ہے

قائداعظم: سیکولر یا مذہبی کی بحث کو ختم کیا جائے

گزشتہ چند برسوں سے ذرائع ابلاغ میں یہ بحث چل نکلی ہے کہ قائداعظمؒ سیکولر تھے یا مذہبی؟ میڈیا کے کچھ حلقے انہیں مذہبی رجحانات رکھنے والا قرار دیتے ہیں جب کہ کچھ کے نزدیک وہ سیکولر نظریات کے حامی تھے۔ میری ناقص رائے میں میڈیا پر یہ بحث چھیڑنا بالکل نامناسب ہے، قوم جو کہ اس وقت ویسے ہی صدمات کا شکار ہے اس کے علاوہ مذہبی، سیاسی، لسانی اور فرقہ واریت کے پھندوں میں پھنسی قوم کو اب اس حوالے سے مزید تقسیم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ قائداعظمؒ خواہ سیکولر تھے یا مذہبی وہ ہمارے متفقہ قائد ہیں، اور ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ ہم ان کے اقوال پر کس قدر عمل پیرا ہیں۔

30 اکتوبر 1947 کو ایک نشری پیغام میں آپ نے فرمایا کہ ” اب یہ ہر مسلمان مرد وزن کے لیے سنہری موقع ہے اور اس کی خوش قسمتی بھی کہ وہ اپنے حصے کا بھرپور اور مکمل کردار ادا کرے۔ بڑی سے بڑی ذاتی قربانی دے اور پاکستانی قوم اور ملک کو دنیا کی عظیم ترین قوم بنانے کے لیے مسلسل لیے انتھک شبانہ روز محنت کرے۔ اب پاکستان، اس کی لاج اور ترقی آپ کے ہاتھوں میں ہے۔“ یہاں قائداعظمؒ نے کہیں بھی سیکولر یا مذہبی حلقوں کو مخاطب نہیں کیا بلکہ ان

کے مخاطب پاکستان کے تمام ہی مسلمان ہیں۔ ہمارا ملک اس وقت شدید مشکلات کا شکار ہے، ایسی ہی صورتحال قیام پاکستان کے ابتدائی ایام میں بھی تھی، اس وقت قائد اعظمؒ نے افسرانِ حکومت سے خطاب کرتے ہوئے 11 دسمبر 1947 کو فرمایا تھا کہ ''ہمارے دشمنوں کی ریشہ دوانیوں کا موزوں ترین جواب یہ ہے کہ ہم اپنی مملکت کو مضبوط اور مستحکم بنیادوں پر تعمیر کرنے کا عذم مصمم کرلیں، ایسی مملکت جو ہمارے بچوں کے لیے موزوں جگہ ثابت ہو، اس کے لیے کام کی ضرورت ہے اور بہت زیادہ کام کی۔''

ہر سال 14 اگست کی تاریخ آتی ہے اور ہم صرف ہلہ گلا اور شور شرابے کے ذریعے اس دن کو منا کر سمجھتے ہیں کہ ہم نے پاکستان کی آزادی کا جشن منا لیا اور بس حق ادا ہوگیا۔ 14 اگست 1948 کو پاکستان کی پہلی سالگرہ کے موقع پر آپ نے قوم کے نام اپنے پیغام میں فرمایا کہ '' قدرت نے آپ کو ہر چیز سے سرفراز کیا ہے۔ آپ کے پاس لا محدود وسائل موجود ہیں۔ آپ کی ریاست کی بنیادیں مضبوطی سے رکھ دی گئیں ہیں اب یہ آپ کا کام ہے کہ اس کی تعمیر کریں اور جلد از جلد اور عمدہ سے عمدہ تعمیر۔ سو آگے بڑھیے اور بڑھتے ہی جائیں'' غور سے دیکھیں کہ کیا اس پیغام میں کہیں یہ کہا گیا ہے کہ یہ صرف سیکولر یا صرف مذہبی حلقوں کے لیے ہے؟

طلباء مستقبل کے معمار ہوتے ہیں، ان کے لیے قائداعظمؒ نے 26 ستمبر 1947 کو ولیکا ٹیکسٹائل ملز کی افتتاحی تقریب کے خطاب میں آپ نے فرمایا کہ " آپ تعلیم پر پور ادھیان دیں۔ اپنے آپ کو عمل کے لیے تیار کریں۔ یہ آپ کا پہلا فریضہ ہے۔ ۔۔۔۔ہماری قوم کے لیے تعلیم زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ دنیا اتنی تیزی سے آگے بڑھ رہی ہے کہ اگر آپ نے اپنے آپ کو تعلیم یافتہ نہ بنایا تو نہ صرف یہ کہ آپ پیچھے رہ جائیں گے بلکہ خدانخواستہ بالکل ختم ہو جائیں گے۔" آپ نے 31 اکتوبر 1947 کو طبہ کے ایک وفد سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا" آپ مستقبل کے معمار ہیں، اس لیے جو مشکل کام آپ کے سر پر کھڑا ہے اس سے نمٹنے کے لیے اپنی شخصیت میں نظم و ضبط پیدا کیجیے۔ مناسب تعلیم اور مناسب تربیت حاصل کیجیے، آپ کو پورا پورا احساس ہونا چاہیے کہ آپ کی ذمہ داریاں کتنی زیادہ اور کتنی شدید ہیں، ان سے عہدہ برآمد ہونے کے لیے ہر وقت تیار اور مستعد رہنا چاہیے۔" " آپ کی بھلائی آپ کے والدین کی بھلائی بلکہ ساری مملکت کی بھلائی اسی میں ہے کہ آپ کی توجہ صرف تحصیل علم کے لیے وقف رہے۔۔۔ صرف اس صورت سے آپ اسے دنیا کی ایک عظیم ترین طاقتور اور ترقی یافتہ قوم بنا کر منزل مقصود تک پہنچا سکتے ہیں۔" (24 مارچ 1948۔ ڈھاکہ یونیورسٹی) 23 اپریل 1948 کو کل پاکستان اولمپکس کھیلوں کے موقع پر آپ نے جو خطاب کیا وہ

ہمارے لیے مشعل راہ ہے،آپ نے فرمایا کہ ”زندگی کے ہر شعبے میں ہماری قوم کی کامیابی کا انحصار صحیح ذہنی ترتیب پر ہے۔آپ کے لیے میرا پیغام یہ ہے کہ جسمانی قوت پیدا کریں، جنگجویائی یا فوج گردی کے لیے نہیں بلکہ سپاہیانہ قوت پیدا کرنے کی خاطر، تاکہ آپ عمر بھر قومی زندگی کے ہر شعبے میں ہمیشہ کے لیے امن و آشتی، بین الاقوامی خیر سگالی اور محبت کا سرچشمہ بنے رہیں۔“

قائداعظمؒ کے بے شمار اقوام میں سے چند ہم نے یہاں نقل کیے ہیں۔ان کا بغور مطالعہ کیجیے اور پھر بتایئے کہ کیا ان میں کہیں سیکولر اور مذہبی کی تفریق ہے؟ کیا کوئی ایسا پیغام ہے جو صرف سیکولر طبقے کے لیے ہو اور مذہبی طبقے کے لیے نہ ہو ؟یقیناً ان پیغامات میں سیکولر، مذہبی، لسانی یا کسی قسم کی گروہی تقسیم نہیں ہے بلکہ ان کے یہ اقوال پاکستان کے تمام ہی باشندوں کے لیے ہیں، اس لیے خدارا قائداعظمؒ کی شخصیت کو متنازع بنانے کے بجائے ان کے پیغام پر دھیان دیا جائے اور ان پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کریں تاکہ ہم اس عظیم مملکت کی تعمیر و ترقی میں اپنا کردار ادا کر سکیں۔ ذرائع ابلاغ بالخصوص electronc media،برقی ذرائع ابلاغ کے نمائندوں سے بھی ہماری اپیل ہے کہ قائد اعظمؒ کے حوالے سے لایعنی مباحث منعقد کرانے کے بجائے ان کے پیغام کو عام کیا جائے۔

اردو کی حفاظت کریں

اردو ہماری قومی زبان ہے اور اس لحاظ سے ہمیں اس کو فروغ دینا چاہیے لیکن بد قسمتی سے ایسا نہیں ہے۔ اردو زبان کو فروغ دینے کے بجائے اس کا استعمال کم سے کم ہوتا جارہا ہے۔ اس کی ایک بہت بڑی وجہ تو انگریزی کا پاکستان کی سرکاری زبان ہونا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ کچھ دیگر عوامل میں اس میں شامل ہیں۔ اگرچہ میں کوئی ماہر لسانیات نہیں ہوں اور نہ ہی اردو ادب اور اردو زبان و بیان پر مکمل قدرت رکھنے کا دعویدار لیکن کچھ گزارشات قارئین کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔

اردو لشکری زبان ہے اور بنیادی طور پر یہ فارسی، ہندی، سنسکرت اور عربی زبان کے الفاظ پر مشتمل ہے۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ہر زبان کے الفاظ کو اپنے اندر جذب کرلیتی ہے اور بہت کم زبانوں میں یہ خاصیت ہوتی ہے لیکن اردو زبان کی یہی خاصیت اس کی دشمن بنتی جارہی ہے۔ کسی بھی زبان میں نیا لفظ اسی صورت میں شامل کیا جاتا ہے جب کسی چیز کے لیے اس زبان میں مطلوبہ لفظ نہ ملے، مثلاً انگریزی زبان کا لفظ ''پروگرام'' اردو میں بہت زیادہ استعمال ہوتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اردو میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جو کہ اس کے وسیع معنی و مفہوم کو ادا کرسکے، اردو میں اس کے لیے قریب ترین لفظ ''تقریب''

استعمال ہوتا ہے اگرچہ یہ لفظ مناسب ہے لیکن دیکھا جائے تو یہ انگریزی لفظ ''پروگرام'' کا مکمل مفہوم ادا نہیں کرتا، اس لیے اردو زبان میں یہ لفظ رائج ہوا اور میری ناقص رائے میں بالکل درست ہوا۔

مذکورہ بالا مثال پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ کسی زبان میں نیا لفظ اسی صورت میں شامل ہونا چاہیے یا ہمیں کسی دوسری زبان کا لفظ اسی صورت میں استعمال کرنا چاہیے جب ہماری زبان میں اس کا متبادل لفظ موجود نہ ہو، لیکن المیہ یہ ہے کہ آج کل بلاضرورت اردو زبان میں انگریزی اور ہندی الفاظ استعمال کیے جارہے ہیں نہ صرف الفاظ بلکہ اب تو پورے پورے جملے بھی اردو قواعد وانشاء کے بجائے ہندی تراکیب کے ساتھ استعمال کیے جارہے ہیں۔ مثلاً جب ہم کسی معاملے کے بارے میں بات کرتے ہیں اور اس بارے میں کسی سے رائے لینا چاہیں گے تو ہم یوں کہیں گے کہ '' شہر میں اچانک ہنگامے ہونے کے بارے میں جب ہم نے وزیر داخلہ سے دریافت کیا تو ۔۔۔۔۔'' ۔ لیکن آج کل ذرائع ابلاغ میں کچھ اس طرح کے جملے سننے کو ملتے ہیں '' شہر میں ہونے والے ہنگاموں کو لے کر جب ہم نے وزیر داخلہ سے ان کا تجزیہ لیا تو۔۔۔۔'' دوسرے جملے میں خط کشید جملہ دراصل ہندی میں استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح ہندی زبان میں کئی ''کہ'' کی جگہ اکثر وبیشتر ''کی'' استعمال کیا جاتا ہے، اور اب ہمارے یہاں بھی یہی ذرائع ابلاغ بالخصوص برقی ذرائع ابلاغ کے میزبان یہ غلطی کررہے۔

اردو حروفِ تہجی میں "غ" "خ" "ذ" اور "ز" کے حروف موجود ہیں، ان کا اپنا تلفظ ہے جب کہ ہندی میں ان کا درست تلفظ بہت کم ادا کیا جاتا ہے۔ ہندی ڈراموں، فلموں اور پروگرامات کی کثرت اور ذرائع ابلاغ کے نمائندوں کی بے توجہی سے ہماری نوجوان نسل بھی ان حروف کا درست تلفظ ادا نہیں کر پارہی ہے۔ اگر پانچویں سے نویں جماعت کے چالیس طلبہ و طالبات سے کچھ جملے زبانی ادا کروائیں تو پتہ چلتا ہے کہ ہم کہاں کھڑے ہیں، وہ جملے یہ ہیں " میں غلط بات برداشت نہیں کرتا اور حق بات کہنے میں کبھی خوفزدہ نہیں ہوا، سچائی کے لیے میں اپنا خون بھی بہا سکتا ہوں" یا" ملازم نے بطخ اور خرگوش کے بچے کو باجرہ کھلانے کے بجائے زیرہ کھلا دیا" آپ دیکھیں گے کہ نصف بچے یہ جملے اس طرح ادا کریں گے کہ " میں گلت بات برداش نہیں کرتا اور حق بات کہنے میں کبھی کھوفزدہ نہیں ہوا، سچائی کے لیے میں اپنا کھون بھی بہا سکتا ہوں" اور" ملازم نے بطق اور کھرگوش کے بچے کو باجرہ کھلانے کی بجائے جیرہ کھلا دیا" ۔ دیکھا جائے تو یہ بچوں کا قصور نہیں ہے بلکہ بچے جو سنیں گے وہی بولیں گے، جب وہ ٹیلی وژن پر ہندی ڈرامے اور فلمیں دیکھیں گے اور اس کے ساتھ ساتھ ذرائع ابلاغ کے نمائندے بھی ان کے سامنے ان حروف کا تلفظ اسی طرح ادا کریں گے تو لا محالہ بچے بھی یہی سیکھیں گے۔

اسی طرح اب ایک اور غیر محسوس طریقے کے ذریعے پاکستان سے اردو کو باہر نکالا جا رہا ہے، ابھی لوگوں کا اس کا اندازہ نہیں ہے لیکن اگلے چند برسوں میں اردو کی اہمیت کے لحاظ سے اس کے تباہ کن اثرات سامنے آئیں گے۔ وہ طریقہ ہے رومن اردو یعنی انگریزی رسم الخط کے ذریعے اردو زبان لکھنا۔ یہ طریقہ کار غیر ملکیوں کو اردو زبان سکھانے کے لیے تو شائد بہت اچھا ہو لیکن اس کو بہت زیادہ عام کرنا اور اردو کی جگہ استعمال کرنا انتہائی نقصان دہ ثابت ہوگا۔ رومن اردو پہلے پہل موبائل فون کے مختصر پیغامات '' ایس ایم ایس'' اور انٹرنیٹ پر ستعمال کی جاتی تھی اور اس کی وجہ بھی تھی کہ ہمارے معاشرے میں انگریزی زبان بہت زیادہ رائج نہیں ہے جب کہ انٹرنیٹ اور موبائل فونز میں پہلے اردو زبان نہیں ہوتی تھی اس لیے مجبوراً رومن اردو استعمال کی جاتی تھی لیکن اب تو موبائل فونز میں بھی اردو رسم الخط موجود ہوتا ہے اور انٹرنیٹ پر بھی ''یونی کوڈ'' کے نام سے اردو رسم الخط موجود ہے اس لیے اب رومن اردو استعمال کرنا غیر ضروری ہے، لیکن اس کے برعکس اب اخبارات و رسائل میں کئی مصنوعات کے اشہارات اور سڑکوں پر لگے اشتہاری بورڈ اور مصنوعات کے ڈبوں تک پر رومن اردو لکھی جا رہی ہے۔ اس وقت کوئی اس بات کی اہمیت کو محسوس نہیں کر رہا اور نہ ہی اس کے نقصانات کا اندازہ لگایا جا رہا ہے، اس کے تباہ کن اثرات اگلے دس برسوں میں ظاہر ہونگے جب ہمارے بچے اور نوجوان نسل اردو لکھنا بھی بھول جائے گی۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اردو کو اس کا جائز مقام دیں، غیر ضروری طور پر غیر ملکی زبانوں کے الفاظ اور جملے اردو کے ساتھ استعمال نہ کریں، جہاں ضرورت ہو صرف اسی جگہ ہم غیر ملکی زبان کے الفاظ استعمال کریں۔ رومن اردو کے بجائے اردو رسم الخط ہی میں اردو لکھی جائے ۔ ذرائع ابلاغ کے نمائندے اور اساتذہ کرام اس صورتحال میں اپنی ذمہ داری کو محسوس کریں اور اردو زبان کو بچانے کے لیے کوششیں کریں۔

علاج اب میلوں دور سے بھی ممکن ہوگا

قحط : عذاب یا آزمائش

گذشتہ روز ایک تعلیمی ورکشاپ کے دوران یہ سوال اٹھا کہ جب ہم طلباء کو سونامی کا سبق پڑھاتے ہیں اب مشکل یہ پیش آتی ہے کہ طلبا و طالبات کو یہ کیسے بتایا جائے کہ سونامی (جو کہ انڈونیشیا میں آیا تھا) وہ اللہ کا عذاب تھا یا آزمائش؟ اسی طرح 8 اکتوبر 2005 میں آنے والے زلزلے اور تھر کی حالیہ صورتحال کے بارے میں لوگوں کے ذہنوں میں ابہام پایا جاتا تھا۔ مختلف شرکاء نے اس کے مختلف جوابات دیئے۔ راقم الحروف نے بھی اس کا مختصر اور جامع جواب دینے کی کوشش کی اور الحمد اللہ تمام شرکاء اس سے متفق ہوئے اور اس کی تائید کی۔ اگرچہ ورکشاپ کے محدود وقت کے باعث تفصیلی جواب کا موقع نہ تھا لیکن خواہش تھی کہ اس بارے میں کچھ تفصیل سے بات کی جائے اور قارئین کو اس میں شریک کیا جائے۔

حقیقتاً لوگ اللہ کے عذاب اور اللہ کی طرف سے آزمائش یا WAKE UP CALL میں فرق محسوس نہیں کرتے اور ان کے ذہن ابہام کا شکار ہو جاتے ہیں۔ سب سے پہلے تو ہمارے ذہنوں میں یہ حدیث مبارکہ رہنی چاہیے "حضرت صہیبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہصلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ اس

کے ہر معاملہ اور ہر حال میں اس کے لئے خیر ہی خیر ہے۔ خوشی اور راحت ملنے پر وہ اپنے رب کا شکرادا کرے تو یہ اس کے لئے خیر ہی خیر ہے۔ اور اگر وہ کوئی دکھ اور رنج پہنچنے پر صبر کرے تو یہ صبر بھی اس کے لئے سراسر خیر اور موجبِ برکت ہوتا ہے۔ مسلم)۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ ہمیں ہر حال میں اللہ کا شکرادا کرنا چاہئے ، اللہ) کی مصلحتوں کو ہم نہیں سمجھ سکتے لیکن یہ بات پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ اللہ مخلوق پر ظلم نہیں کرتے۔

اب ہم دوبارہ اپنے موضوع پر آتے ہیں کہ سونامی، 2005 کا زلزلہ ، پاکستان میں گزشتہ چند برسوں میں آنے والے سیلاب اور یہ قحط کیا ہیں؟

: عذاب اور عذاب زدہ قومیں

قرآن پاک میں کئی ایسی قوموں کا ذکر ملتا جن پر اللہ کا عذاب نازل ہوا، مثلًا قومِ نوحؑ ، قوم عاد، قوم ثمود، قومِ لوطؑ ، بنی اسرائیل کے وہ لوگ جنہوں نے سبت کا قانون توڑا۔ ان تمام قوموں کے حالات کا مطالعہ ہمیں یہ بتاتا ہے کہ جب ان قوموں کے سروں پر عذاب منڈلانے لگا اس وقت ان کی کیفیت یہ تھی کہ یہ لوگ اللہ کے معاملے میں بحثیت مجموعی جری ہوگئے (معدودے چند نیک اشخاص کے) ، اللہ نے ان کے دلوں کو سخت کرلیا اس لیے یہ لوگ عذاب کو دیکھ کر بھی نہ سمجھ پائے ۔ عذاب کے بعد ان کی قومیں صفحہ ہستی سے مٹ گئیں، یا

اگر کوئی بچا بھی تو اس سے کسی نے کوئی ہمدردی نہیں محسوس کی بلکہ لوگ ان کے سائے سے بھی دور بھاگنے لگے، ان کو دیکھ کر عبرت پکڑنے لگے، یہاں تک کہ لوگ ان عذاب زدہ بستیوں سے بھی دور بھاگنے لگے۔

اس کے برعکس اللہ تعالی نے جب کسی پر کوئی آزمائش بھیجی تو ان کا معاملہ اس کے برعکس ہوتا تھا۔ ان کے دل مزید گداز ہوجاتے تھے، ان کی عبادت اور رجوع الی اللہ میں اضافہ ہوجاتا تھا، لوگ ان سے محبت کرتے اور ہمدردی محسوس کرتے۔ یہاں حضرت ایوب علیہ السلام کے واقعہ یاد رہنا چاہئے کہ جب ان پر اللہ کی طرف سے آزمائشیں آئیں تو وہ اللہ کے مزید قریب ہوگئے، لوگ ان سے ہمدردی محسوس کرتے، اگرچہ جذام (کوڑھ) کی آزمائش میں لوگوں نے انہیں بستی سے نکال دیا لیکن درحقیقت یہ اس دور کے مطابق کوئی انہونی بات نہیں تھی بلکہ ماضی قریب میں بھی لوگ جذام کے مرض میں مبتلا لوگوں اپنی بستیوں سے نکال دیا کرتے تھے کہ کہیں دوسروں کو بھی یہ مرض نہ لگ جائے۔ بالکل یہی معاملہ حضرت ایوب علیہ السلام کے ساتھ تھا کہ ان کو بستی سے نکالنے کی وجہ صرف یہی تھی۔ تاریخ میں ایسا کوئی ذکر نہیں ملتا کہ معاذ اللہ حضرت ایوب علیہ السلام سے لوگ نفرت کرنے لگے ہوں۔

مذکورہ بالا مثالیں سامنے رکھیں تو ہم مختصراً یہ کہہ سکتے ہیں کہ جو چیز

ہمیں اللہ کے قریب کردے، آپس میں جوڑ دے، لوگوں کو ہمارے قریب لے کر آئے اور ہمیں سنبھلنے کا موقع دے وہ اللہ کی طرف سے آزمائش ہے حدیث مبارکہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً منقول ہے کہ " اجروثواب کی زیادتی تکالیف برداشت کرنے کے بقدر ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ جب کسی قوم سے محبت فرماتے ہیں تو اس کو آزمائش میں مبتلا فرمادیتے ہیں تو جو اس پر راضی ہو جاتا ہے اس کے لیے اللہ کی رضا ہے اور جو ناراض اس کے لیے اللہ کی ناراضگی ہے۔" اور جو چیز ہمیں اللہ دور کردے، منتشر کردے، اور لوگ ہمارے قریب آنے کے بجائے ہم سے دور ہو جائیں اور لوگ ہمارے معاملے کو عبرت کی نظر سے دیکھیں تو وہ اللہ کا عذاب ہے۔ (اس سے بڑا عذاب اور کیا ہوگا کہ اللہ بندے کو خود سے دور کردے اور اس سے اپنی نظرِ کرم پھیر لے)۔

یہ تو معاملہ آفت ارضی و سماوی تھا۔ اب ہم بات کرتے ہیں سیلاب اور قحط کی صورتحال کی۔ پاکستان میں گذشتہ چند برسوں سے یہ صورتحال ہے کہ برسات کے موسم میں درمیانے درجے کے اور کبھی کبھی اونچے درجے کے سیلاب آتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بندے پر اس کی بساط سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے تو پھر یہ سیلاب اور قحط کیوں؟ سورہ الشوریٰ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ " جو بھی مصیبت تمہیں پہنچتی ہے وہ تمہارے اعمال ہی کی بدولت ہوتی ہے اور اللہ پاک کتنی ہی باتیں تو معاف فرمادیتے ہیں۔" اس آیت مبارکہ کو سامنے رکھیں

اور غور کیجیے ، ہر سال سیلاب کے بعد جب اس کی وجوہات پر تحقیقات ہوتی ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ سیلاب اللہ کی طرف سے نہیں بلکہ ہمارے اپنے ہی لوگوں کی بدانتظامی کی وجہ سے آتا ہے۔ بارشیں اللہ کی رحمت ہوتی ہیں اور ہمارے لیے زحمت اس لیے بن جاتی ہیں کہ ہم اس کو درست انداز میں استعمال کرنے کی منصوبہ بندی نہیں کرتے۔ ہمارے ڈرینج سسٹم بوسیدہ ہوچکے، ڈیم ہم نہیں بناتے۔.برساتی نالوں پر قبضہ کرکے ہم نے پلازے اور مکانات بنا لیے ایسی صورت میں اللہ رحمت بھی جب.برستی ہے تو وہ ضائع ہوجاتی ہے اور ہمارے لیے زحمت کا باعث بنتی ہے لیکن یہ اللہ کی طرف سے تو نہیں بلکہ ہماری ہی غلطیوں کی وجہ سے ہوا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیا میں اللہ کی مرضی کے بغیر ایک پتا بھی نہیں ہل سکتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل و شعور اور ایسے وسائل عطا کیے ہیں جن کی بدولت وہ بارشوں کو حقیقتاً رحمت بنادیتے ہیں، ہم لوگ اپنی نااہلی اور بدانتظامی کو اللہ کے کھاتے میں ڈال دیتے ہیں جو کہ درست نہیں ہے۔

تھر کے حالیہ قحط کو دیکھیں تو یہاں بھی یہی بات ہے کہ بالکل درست ہے کہ وہاں خشک سالی ہے اور لوگ بھوک سے مر رہے ہیں لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تھر اور ریگستانی خطوں میں عموماً خشک سالی ہی تو ہوتی ہے۔وہاں بارشیں بہت کم ہوتی ہیں اسی لیے ریگستانی خطوں میں رہنے والے لوگ بارشوں پر انحصار

نہیں کرتے بلکہ پانی کے چشموں اور کنوؤں پر انحصار کرتے ہیں، وہاں رہنے والے ایسے حالات کے لیے تیار رہتے ہیں، جبکہ متمدن دور میں حکومتیں ایسے معاملات کی ذمہ دار ہوتی ہیں کہ وہ اپنے عوام کے جان و مال کی حفاظت کی کوشش کرتی ہیں اور ریگستانی خطوں میں رہنے والے عوام کے لیے خوراک و پانی کی فراہمی کو یقینی بناتی ہے۔ تھر میں ہونے والی ہلاکتوں اور نقصانات دراصل اللہ کی طرف سے نہیں بلکہ یہ بھی ہماری ہی بد انتظامی اور نا اہلی کی وجہ سے ہیں۔ ذرائع ابلاغ میں یہ بات آچکی ہے کہ خوراک موجود تھی لیکن اس کو تقسیم نہیں کیا گیا اگر یہ خوراک بروقت تقسیم ہوجاتی تو یہاں ہلاکتیں نہیں ہوتیں۔ قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے کہ "اللہ کسی متنفس پر اس کی مقدرت سے بڑھ کر ذمہ داری کا بوجھ نہیں ڈالتا۔" (: البقرہ) اس لیے ہمیں اپنی نا اہلی اور بد انتظامی کا ذمہ دار اللہ کو نہیں ٹھہرانا چاہیے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمیں یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ کونسی چیز اللہ کا عذاب ہے اور کون سی چیز آمائش

کرکٹ کی تاریخ کا سیاہ ترین فیصلہ

بنگلہ دیش میں جاری ورلڈ ٹی 20 مقابلوں کے دوران بنگلہ دیش کرکٹ بورڈ نے تعصب اور تنگ نظیر کی انتہا کرتے ہوئے مقامی شائقین پر غیر ملکی ٹیموں کی حوصلہ افزائی کرنے پر پابندی لگادی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ کھیل کو سیاست سے پاک ہونا چاہیے اور کھیلوں کے ذریعے امن قائم کیا جاسکتا ہے، جبکہ کھلاڑیوں کو کسی بھی ملک کا سفیر کہا جاتا ہے لیکن شیخ حسینہ واجد کی بھارت نواز حکومت نے ان تمام باتوں کو غلط ثابت کرتے ہوئے کھیلوں کو بھی مکروہ سیاست کی نظر کردیا ہے۔ بنگلہ دیش کرکٹ بورڈ نے یہ سیاہ کارنامہ انجام دے کر کرکٹ کے بنگلہ دیش کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ لگا دیا ہے۔ کرکٹ جسے GAME OF GENTLLE MENS کہا جاتا تھا پہلے ہی سٹے بازی اور جوئے کے باعث بدنام ہوچکا تھا اب اس میں گندی سیاست بھی شامل ہو گئی ہے۔ 25 مارچ 2014 کا دن کرکٹ کی تاریخ کے سیاہ ترین دن کے طور پر یاد رکھا جائے۔
دیکھا جائے تو یہ بنیادی طور پر یہ پابندی بھارتی ایماء پر لگائی گئی ہے۔ ایشیا کپ اور T20 ٹورنامنٹ میں پاکستان اور بھارت کے درمیان میچز میں بنگلہ دیشی عوام نے پاکستانی ٹیم کو سپورٹ کیا اور وہ اپنی مثال آپ ہے، بھارت اور بنگلہ دیش کی بھارت نواز حکومت کو یہ بات بری طرح کھل گئی اور بنگلہ دیش

کرکٹ بورڈ نے یہ مقامی تماشائیوں پر غیر ملکی ٹیموں کی حوصلہ افزائی کرنے اور غیر ملکی جھنڈا لہرانے پر پابندی عائد کردی۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ T 20 مقابلوں میں سارے میچز بنگلہ دیش کے نہیں ہیں تو پھر بنگلہ دیشی عوام اسٹیڈیم جاکر میچ کیوں دیکھیں؟ یہ فیصلہ تو خود بنگلہ دیش کے حق میں نقصان دہ ثابت ہوگااور اگراس کو مثال بناتے ہوئے دیگر ممالک نے بھی ایسے ہی فیصلے صادر کردیئے تو پھر کرکٹ کے کھیل کا بیڑا غرق ہوجائے گا۔اگرچہ ICC کو اس پر فوری طور پر کوئی کارروائی کرنی چاہیے لیکن ماضی کی طرح اس بار بھی ICC کوئی ایسا فیصلہ نہ کرسکے گا جس سے بھارت کے مفادات کو کوئی زد پہنچے یا جس میں بھارت کی مرضی شامل نہ ہو کیوں کہ آخرکار بھارت بِگ تھری میں شامل ہے۔ بہرحال بنگلہ دیش کرکٹ ٹیم نے کرکٹ کی تاریخ کا سیاہ ترین فیصلہ کرکے گیم آف جنٹل مین کی روح کو داغدار کیا ہے۔

جماعت اسلامی اور چند مغالطے

جماعتِ اسلامی کے امیر جماعت کے حالیہ انتخابات کے بعد ذرائع ابلاغ اس پر اپنے اپنے انداز میں تبصرے کر رہے ہیں۔ ان سب تبصروں کا (خواہ وہ تنقیدی ہوں یا توصیفی) جائزہ لیا جائے تو ایک قدر مشترک نظر آتی ہے اور وہ یہ کہ تمام ہی لکھنے والے جماعت اسلامی سے متعلق بنیادی معلومات نہیں رکھتے اور نہ ہی جماعت اسلامی کے ارکان کے مزاج آشنا ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اس حوالے سے اخبارات کی شہ سرخیاں کچھ اور ہوتیں۔

روزنامہ ایکسپریس نے سرخی جمائی "منور حسن کو شکست، خیبر پختونخوا کے سینئر وزیر سراج الحق جماعت اسلامی کے نئے امیر منتخب" جبکہ ذیلی سرخی میں ایک جملہ یہ بھی تھا کہ "لیاقت بلوچ بھی امیدوار تھے" روزنامہ امت کی سرخی کچھ اس طرح تھی "جماعتِ اسلامی میں اپ سیٹ، منور حسن کی جگہ سراج الحق امیر منتخب" ذیلی سرخی ملاحظہ کیجیے "منور حسن کا جارحانہ مزاج، غیر محتاط بیانات فیصلے کا سبب بنے" روزنامہ قومی اخبار نے لکھا کہ "جماعت اسلامی کی تاریخ میں پہلی بار موجودہ امیر کو شکست سے دوچار ہونا پڑا، سراج الحق جماعت اسلامی کے مرکزی امیر منتخب، ان کے مدمقابل منور حسن

اور لیاقت بلوچ شامل تھے'' یہ چند قومی اخبارات کی خبروں کی سرخیاں ہم نے آپ کے سامنے پیش کی ہیں۔اس کے ساتھ ساتھ کالم نویسوں اور مضمون نگاروں نے بھی اس موضوع پر اپنے اپنے انداز سے طبع آزمائی کی ہے۔

پہلے ہم اخباروں کی سرخیوں کی بات کرتے ہیں۔پہلی بات تو یہ کہ جماعت اسلامی کے کسی بھی سطح کے امیر کے انتخاب میں کوئی امیدوار نہیں ہوتا اور نہ ہی کوئی فرد اپنے آپ کو امارت کے لیے پیش کرتا ہے اور نہ ہی اس حوالے سے کوئی لابنگ یا گروپنگ ہوتی ہے۔یہ بات واضح رہے کہ جماعت اسلامی میں صرف مرکزی امیر نہیں بلکہ حلقہ جات کی سطح تک ناظم یا امیر کو مقرر نہیں کیا جاتا بلکہ منتخب کیا جاتا ہے۔کسی بھی سطح کے امیر کے انتخاب کے لیے پہلے ایک ناظم انتخاب مقرر کیا جاتا ہے جو کہ اس تمام عمل کی نگرانی کرتا ہے اور اس کو پایہ تکمیل تک پہنچاتا ہے، ارکان جماعت کے بیلٹ ان کے مکمل نام اور پتے کے ساتھ ان تک پہنچائے جاتے ہیں ۔ مرکزی امیر کے انتخاب کے لیے اگرچہ کوئی امیدوار نہیں ہوتا اور ارکان اپنی آزاد مرضی سے اپنی رائے استعمال کرتے ہیں تاہم ناظم انتخاب ارکان کی رہنمائی کے لیے تین یا چار ارکان کے ناموں کو ہائی لائٹ کرتے ہیں ، یہاں یہ بات بالکل واضح رہنی چاہیے کہ ارکان کے نام ان کی مرضی سے ہائی لائٹ نہیں کیے جاتے اور ارکان صرف ان ناموں کو ہی رائے دینے کے پابند نہیں ہوتے۔

جس فرد کو کسی بھی سطح کے منصب یا امیر کی ذمہ داری سونپی جاتی ہے تو اس کی حالت دیدنی ہوتی ہے، احساسِ ذمہ داری سے اس کے کاندھے جھکے ہوتے ہیں اور آنکھیں پُرنم ہوتی ہیں۔ ان آنکھوں نے یہ مناظر بھی دیکھے ہیں کہ ادھر کسی کی امارات یا نظامت کا اعلان ہوتا ہے اور وہ غش کھا کر گرپڑا۔ جہاں امارت کو بوجھ سمجھا جاتا ہو وہاں فتح اور شکست کا کیا سوال؟ وہاں تو جو ناکام ہوجائے وہی خود کو خوش نصیب سمجھتا ہے، ہاں البتہ دیگر سیاسی پارٹیوں میں منصب نہیں ہوتے بلکہ عہدے ہوتے ہیں اور ان عہدوں کے ساتھ جڑے اختیارات اور آسائیش ہوتی ہیں اس لیے وہاں ہر فرد اپنا نام خود تجویز کرنے اور اپنے آپ کو پارٹی کا صدر، جنرل سیکرٹری بلکہ زون اور سیکٹر تک کی صدارت کے لیے ہر جائز و ناجائز حربہ استعمال کرتا ہے اور انتہائی افسوس کی بات ہے کہ ذرائع ابلاغ جماعت اسلامی اور دیگر سیاسی پارٹیوں کے اس اہم ترین فرق کو محسوس نہیں کرپائے اور جماعت اسلامی کو بھی اسی صف میں شامل کرلیا اور فتح وشکست کی سرخیاں لگا بیٹھے۔

میں اس کو لاعلمی تو ہرگز نہیں سمجھوں گا کیوں کہ ان سارے اخبارات کے مدیران اعلیٰ ترین صحافی اور اپنے شعبے کے ماہر ترین لوگوں میں سے ہیں بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ ان حضرات کی صحافتی بددیانتی اور جماعت اسلامی کو

تقسیم کرنے اور لوگوں میں سید منور حسن صاحب کا تاثر خراب کرنے کی ایک ناکام کوشش ہے۔ یہاں ایک بات کا تذکرہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ جب سید منور حسن صاحب امیر جماعت بننے کے بعد پہلی بار کراچی تشریف لائے تھے ،اس وقت ان کے استقبال کے لیے ہزاروں کارکنان کراچی ائر پورٹ پہنچ گئے ، جب منور صاحب ائر پورٹ سے باہر تشریف لارہے تھے اس دوران ہجوم کے باعث ایک نجی چینل کے کیمرہ مین کو دھکا لگ گیا، یہ ایک اتفاقی بات تھی اور کسی نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا تھا، موقع پر موجود ذمہ داران نے بھی اس کیمرہ مین سے معذرت کی لیکن منور حسن صاحب سے پرخاش رکھنے والے ذرائع ابلاغ نے اس موقع پر انتہائی افسوس ناک رویہ اختیار کیا اور ان کے ایک ہفتے کے دورہ کراچی کا مکمل بائیکاٹ کیا اور ان کی کسی تقریب کی نہ تو خبر لگائی گئی اور نہ ہی تقریب کو کوریج دی گئی۔ ذرائع ابلاغ کے یہی نمائندے دیگر سیاسی جماعتوں سے گالیاں اور قتل کی دھمکیاں بھی سن کر خاموش رہتے ہیں لیکن صرف جماعت اسلامی اور منور حسن صاحب سے پُرخاش کی بناپر تمام ذرائع ابلاغ متحد ہوگئے کیوں کہ ان کو اچھی طرح پتہ ہےکہ جماعت اسلامی کے کارکنان اخبارات کے مالکان اور) مدیران کو فون کرکے یہ نہیں کہتے کہ آپ کے بچے اور بچیاں فلاں اسکول میں پڑھتے ہیں اور آپ فلاں فلاں راستے سے گھر جاتے ہیں اور نہ ہی اخبارات کے دفاتر میں تالے لگا کر چابیاں ساتھ لے جاتے ہیں اور نہ ہی صحافیوں کو لفافوں میں کارتوس رکھ کر پیش کرتے ہیں) اور ذرائع ابلاغ کے نمائندوں کا یہ

رویہ ان کے پورے دورِ امارت تک ایسا ہی رہا بلکہ ان کی امارت ختم ہونے پر بھی منفی خبروں کے ذریعے ان کا تاثر خراب کرنے کی کوشش کی گئی۔

اخبارت میں خبریں چھپیں تو کالم نویس بھلا کسی سے پیچھے کیوں رہتے انہوں نے بھی چند اخبارات کی سرخیاں دیکھیں اور اس کے مطابق کالم پر کالم لکھ کر اخبارات کے صفحات سیاہ کرنے شروع کر دیئے۔ جماعت اسلامی کے انتخابی عمل کی تعریف سے کالم شروع کیا جاتا اور پھر اپنی خواہشات کو تجزیوں کی صورت میں بیان کرنا شرع کر دیا جاتا۔

اکثریت کی تان اسی بات پر ٹوٹتی کہ ارکان جماعت منور حسن صاحب سے مطمئن نہیں تھے اور ان کے فیصلوں اور متنازع بیانات کی وجہ سے ارکان نے انہیں فارغ کر دیا ہے۔پہلی بات تو میں یہ کہنا چاہوں گا کہ منور حسن صاحب کے جن بیانات کو متنازع کہا جارہا ہے وہ بیانات دوسروں کی نظر میں تو متنازع ہو سکتے ہیں لیکن جماعت اسلامی کے ارکان اور کارکنان کے لیے نہیں ۔جماعتِ اسلامی کے ارکان اور کارکنان نے منور حسن صاحب کے کسی بھی بیان کو نہ غلط کہا ہے، نہ سمجھا اور نہ ہی یہ تاثر درست ہے کہ جماعت اسلامی کے ارکان نے منور حسن صاحب کے ان بیانات کی وجہ سے ان کو منتخب نہیں کیا ہے۔جماعت اسلامی کے ارکان اور کارکنان کل بھی منور حسن صاحب سے محبت کرتے تھے اور آج بھی ان سے محبت کرتے ہیں، رہی منتخب نہ کرنے کی بات تو یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ منور حسن صاحب کئی بار اس بات کا اظہار کر چکے تھے

کہ ان کی عمر اور صحت انہیں اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ وہ اس بھاری ذمہ داری کا بوجھ اٹھا سکیں ، اس کے علاوہ یہ بھی حقیقت ہے کہ جب منور حسن صاحب امیر منتخب ہوئے تو اس وقت بھی انہوں نے امارت کا حلف اٹھانے سے معذرت کر لی تھی لیکن محترم قاضی حسین احمدؒ نے انہیں ہمت دلائی اور اس طرح انہوں نے امارت کا حلف اٹھایا تھا۔

ارکان جماعت کے پیش نظر یہ ساری باتیں تھیں اور اس کے ساتھ ساتھ سراج الحق صاحب کی سادگی، تقویٰ، عوام میں ان کی مقبولیت اور سیاست میں ان کا فعال کردار بھی سامنے تھا جبکہ وہ نسبتاً کم عمر بھی ہیں۔ سراج الحق صاحب کو امیر منتخب کرنے کی یہی وجوہات ہیں، اس کے علاوہ ذرائع ابلاغ میں جماعتِ اسلامی کے حالیہ انتخابات منور حسن صاحب اور جماعت اسلامی کے حوالے سے جو بھی باتیں پھیلائی جا رہی ہیں وہ محض لوگوں کی قیاس آرائیاں اور ان کی خواہشات ہیں جن کو کالموں اور مضامین کی شکل میں ظاہر کر دیتے ہیں۔ ایسے حضرات کی خدمت میں ادب کے ساتھ عرض ہے کہ جماعت اسلامی کے بارے میں منفی باتیں پھیلانے اور منور حسن صاحب کی شخصیت کو متنازع بنانے سے گریز کریں۔

اسباق کی منصوبہ بندی

اسباق کی منصوبہ بندی (Lesson Planning) تدریسی عمل کو مؤثر بناتی ہے اور اس کے ذریعے اساتذہ کرام اپنے وقت کو بہترین انداز میں استعمال کر سکتے ہیں اور کم سے کم وقت میں کمرۂ جماعت میں زیادہ سے زیادہ کام کر سکتے ہیں۔اس کے علاوہ تدریسی عمل کو طلبہ وطالبات کے لیے زیادہ سے زیادہ دلچسپ اور خوشگوار بنایا جاسکتا ہے جس کی وجہ سے اُن کی آموزش Learning کا عمل تیز ہو جاتا ہے اور طلبہ وطالبات سبق کو مؤثر انداز میں ذہن نشین کرلیتے ہیں۔ یہ سمجھ لیں کہ اگر ہم مؤثر منصوبہ بندی کے ساتھ تدریسی عمل کو شروع کریں اور اسی حکمتِ عملی کے ساتھ اس کو انجام دیں گے تو ہمارے طلبہ وطالبات سبق کو رٹنے کے بجائے اس کو سمجھ کر پڑھیں گے اور ''رٹو طوطے'' بننے کے بجائے سوچ سمجھ کر اپنا کام مکمل کریں گے اور یہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت تاعمر اُن کے کام آئے گی۔

اسباق کی منصوبہ بندی محض اپنے ذہن میں کرلینا کافی نہیں ہے بلکہ اس کو تحریری طور پر موجود ہونا چاہیئے، تحریری منصوبہ بندی کا سب سے بڑا فائدہ تو یہ ہوگا کہ معلم (Teacher) اپنے ہدف کے مطابق اپنے سبق کو ختم کرے گا اور اس سے مطلوبہ نتائج حاصل کرے گا، جب کہ دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ اگر کسی

جب متبادل استاد (Principal) وجہ سے معلم اسکول حاضر نہیں ہو سکا تو صدرِ مدرسہ کو بھیجیں گے تو وہ استاد منصوبہ بندی کے مطابق طلباء کو وہ کام کرادیں گے۔ یہ بالکل ممکن ہے کہ دوسرا استاد شائد سبق کو اس طرح نہ پڑھاسکے جیسا کہ آپ نے سوچا تھا لیکن کم از کم یہ ضرور ہوگا کہ طلباء کا اس دن کا وقت ضائع نہ ہوگا۔

سبق کی منصوبہ بندی کے لیے درج ذیل نکات ضروری ہیں جن کی وضاحت ذیل میں دی گئی ہے۔

خاکہ: سب سے پہلے منصوبہ بندی کا خاکہ بنایئے کہ آپ کی جماعت کون سی ہے؟ کتنے طلبہ ہیں؟ کون سا مضمون ہے؟ عنوان؟ دورانیہ ؟مثلاً

:جماعت: پنجم مضمون : اردو (نثر) تعداد طلبہ

عنوان: درختوں نے کہا دورانیہ (وقت) : ۵ دروس (5 پیریڈ) معلم اپنی سہولت کے مطابق دورانیہ کم یا زیادہ کم کر سکتے ہیں۔

مقاصدِ تدریس: مقاصد وہ ہوتے ہیں کہ آپ اس سبق کے ذریعے طلبہ کو کیا سکھانا چاہتے ہیں؟ یا آپ کے خیال میں اس سبق کی تدریس کے بعد طلبہ میں کس قسم کی صلاحیت پیدا کرنا چاہتے ہیں؟۔ مقاصد تدریس دو قسم کے ہوتے ہیں (۱) عمومی (۲) خصوصی

عمومی مقاصد: طلبہ کی پڑھائی کی استعداد کار کو بہتر بنایا۔ (۲) طلباء کے تلفظ

کو درست کرنا (۳) طلبہ کو نئے الفاظ سے روشناس کرانا (Pronunciation)

خصوصی مقاصد: اس سبق کی تدریس کے بعد انشاء اللہ طلباء اس قابل ہو سکیں گے کہ وہ

سبق کا خلاصہ تحریر کر سکیں گے۔ (۱)

کسی بھی موضوع پر کم از کم پندرہ جملوں پر مشتمل آپ بیتی لکھ سکیں۔ (۲)

سبق کے نئے الفاظ کو جملوں میں استعمال کر سکیں گے۔ (۳)

یہ بات ذہن نشین رہے کہ مقاصد تدریس قابل جانچ Measurable اور واضح ہونے چاہییں۔ مبہم اور غیر واضح مقاصد کی صورت میں سبق کی منصوبہ بندی بھی متاثر ہو گی اور مطلوبہ نتائج بھی حاصل نہ ہو سکیں گے۔

طریقہ تدریس: (۱) ذہنی آمادگی (۲) بلند خوانی (۳) تفہیمی سوالات (۴) نئے الفاظ کے معنی (۵) سرگرمیاں (۶) سبق کا خلاصہ (۷) تفویض کار (HOME WORK)

جب آپ منصوبہ بندی کا خاکہ بنا لیتے ہیں تو اس کے بعد آپ کو ایک ایک حصے کی

منصوبہ بندی کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ اب آپ ہر حصے کی منصوبہ بندی کر سکتے ہیں کہ یہ کام کیسے کیا جائے گا۔

(Effective Motivation) : مؤثر ذہنی آمادگی

سبق کی تدریس کے لیے مؤثر ذہنی آمادگی از حد ضروری ہے۔ سبق شروع کرنے سے پہلے طلبہ و طالبات میں اس کے لیے تجسس پیدا کرنا تاکہ وہ سبق میں بھرپور دلچسپی لیں اور سبق کو بوجھ سمجھ کر نہیں بلکہ اس سے لطف اندوز ہوتے ہوئے پڑھیں گے۔ جب طلبہ سبق میں بھرپور دلچسپی لیں گے تو استاد کا باقی کام آسان ہو جاتا ہے۔ یاد رکھیئے جب طلبہ و طالبات سبق میں بھرپور دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے پڑھیں گے تو وہ مشکل سے مشکل سرگرمی بھی بہ آسانی کر سکیں گے۔ اس کے برعکس جب ان کی سبق میں دلچسپی نہیں ہوگی تو وہ آسان مشق کو بھی درست طریقے سے نہیں کر سکیں گے۔ جب کہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقۂ تربیت بھی یہی تھا کہ آپؐ کوئی بھی بات کہنے سے پہلے لوگوں مں اس کے متعلق تجسس پیدا کرتے تھے تاکہ لوگ پوری طرح متوجہ ہو جائیں اور آپؐ کی بات توجہ اور دلچسپی سے سنیں۔

یہاں ہم آمادگی کی ایک مثال پیش کرتے ہیں۔ (اساتذہ کرام اس کے علاوہ بھی کوئی سرگرمی جس کو وہ مناسب سمجھیں کر سکتے ہیں)

مثال: استاد کمرۂ جماعت میں داخل ہو کر طلبہ/طالبات کو مخاطب کرکے یہ دریافت کریں گے کہ دنیا میں کون کون سی گیسیں پائی جاتی ہیں؟ طلبہ اس کا جواب دیں گے۔ پھر استاد دوسرا سوال پوچھیں گے کہ ہم سانس لینے میں کون سی گیس استعمال کرتے ہیں اور کون سی گیس خارج کرتے ہیں؟ طلبہ ان سوالوں کا جواب دیں گے کہ ہم آکسیجن گیس کی مدد سے سانس لیتے ہیں اور کاربن ڈائی آکسائیڈ خارج کرتے ہیں۔ پھر استاد طلبہ وطالبات کو بتائیں گے کہ اللہ تعالٰی نے ہمارے لیے درخت بنائے ہیں جو کہ کاربن ڈائی آکسائیڈ جذب کرکے آکسیجن خارج کرتے ہیں اور ہماری خدمت کرتے ہیں، اس کے علاوہ یہ ہمارے ماحول کو بھی بہتر بناتے ہیں۔ اللہ تعالٰی نے درختوں میں ہمارے لیے بے شمار فائدے رکھے ہیں اور اسی بارے میں آج ہم سبق ''درختوں نے کہا'' پڑھیں گے۔ اس کے علاوہ معاون امدادی اشیاء کے ذریعے بھی ذہنی آمادی کی جاسکتی ہے۔

بلند خوانی (Loud reading)

طلبہ سے بلند خوانی کرائی جائے گی۔ اس دوران معلم طلباء کی کمزوریوں کو نوٹ کریں گے اور ساتھ ساتھ ان کو الفاظ کا درست تلفظ اور ادائیگی کا طریقہ بھی سمجھاتے رہیں گے۔ بلند خوانی میں کوشش کی جائے کہ زیادہ سے زیادہ بچوں کو موقع دیا جائے اس لیے چند جملوں سے زیادہ کسی کو پڑھنے نہ دیا جائے۔ اس

کے علاوہ جو بچے پڑھنے سے کترا رہے ہوں ان کو سامنے لایا جائے تاکہ ان کی جھجک دور ہو اور ان کے اعتماد میں اضافہ ہو۔ایسے بچے ابتداء میں تو شرمائیں گے، گھبرائیں گے اور اٹک اٹک کر پڑھیں گے لیکن معلم کی ذرا سی توجہ سے ان بچوں کی یہ خامیاں دور ہو جائیں گی اور ان کے اعتماد میں بھی اضافہ ہوگا۔بلند خوانی کے دوران معلم ہر پیراگراف کے بعد طلباء کو اہم نکات سمجھاتے بھی رہیں گے اور ضرورت کے مطابق ان سے سوالات بھی پوچھتے رہیں گے تاکہ طلبہ یکسانیت کا شکار (Bore) نہ ہو جائیں اور وہ سبق پر بھرپور توجہ رکھیں۔

تفہیمی سوالات :(Relevant Questions)

سبق کی تدریس کے بعد تفہیمی سوالات کی اپنی ایک اہمیت ہے۔جب طلبہ وطالبات سبق پڑھ لیتے ہیں تو اس کے فوراً بعد موثر سوالات کے ذریعے سبق کا اعادہ کیا جاتا ہے اور سبق کے اہم نکات کو ذہن نشین کرایا جاتا ہے۔ویسے تو تدریسی عمل کے دوران سوالات کی تیکنک ایک الگ اور مکمل موضوع ہے لیکن فی الوقت ہم اپنی توجہ صرف منصوبہ بندی پر مبذول رکھتے ہیں۔سوالات اسی وقت اچھے اور موثر ہو سکتے ہیں جب معلم پہلے خود سبق کا اچھی طرح مطالعہ کرکے سبق سے متعلق سوالات تیار کریں گے۔یہاں ہم مثال کے طور پر چند سوالات پیش کر رہے ہیں۔

(۱) بچے نے خواب میں کیا دیکھا؟ (۲) کیا درخت بالکل نکمے اور بیکار کھڑے

ہوتے ہیں؟ (۳) ہمیں صاف ہوا اور آکسیجن کون فراہم کرتا ہے؟ (۴) درختوں سے ہمیں کیا کیا فوائد حاصل ہوتے ہیں؟ (۵) اگر اللہ ہمیں درختوں جیسی نعمت عطانہ کرتے تو دنیا کا ماحول کیسا ہوتا؟ (۶) اگر آپ درخت ہوتے تو انسانوں سے کس قسم کے سلوک کی امید رکھتے؟ (۷) ہم درختوں کا خیال کس کس طریقے سے رکھ سکتے ہیں؟

ہو جائے گا اور معلم کو یہ اندازہ (Revision) ایسے چند سوالات کے ذریعے سبق کا اعادہ بھی ہو جائے گا کہ بچوں نے ان کے درس کو کس قدر سمجھا ہے اور معلم طلباء تک اپنی بات پہنچانے میں کس حد تک کامیاب رہا ہے۔ اگر تدریس میں کوئی کمی رہ گئی ہے یا کوئی نکتہ وضاحت طلب ہے تو وہ تفہیمی سوالات کے ذریعے سامنے آجائے گا اور معلم فوری طور پر اس کمی یا کمزوری کو پورا کرلیں گے۔ ضرورت کے مطابق ایک یا دو تفہیمی سوالات کاپی میں تحریر بھی کرائے جاسکتے ہیں اور ان کو ٹیسٹ یا امتحان میں بھی شامل کیا جاسکتا ہے۔

: نئے الفاظ کے معنی

تفہیمی سوالات کے بعد سبق میں آنے والے ایسے الفاظ جو کہ طلباء کے لیے نئے ہوں ان پر تحریر کرائے جائیں گے۔ اس (Black/white Board) کے معنی تختہ سیاہ/سفید میں اضافہ ہوگا۔ (Voccabulary)کے ذریعے طلباء کے ذخیرۂ الفاظ

کے استعمال کی (Dictionary) الفاظ معنی لکھوانے کے ساتھ ساتھ طلباء کو لغات دیا جاسکتا ہے کہ وہ (Task) ترغیب بھی دی جائے گی اور اس کے لئے طلباء کو یہ ہدف اس کے علاوہ سبق کے سات یا آٹھ نئے الفاظ کے معنی لکھ کر لائیں۔

(Activities) : سرگرمیاں

سبق کی تدریس کے بعد مختلف سرگرمیوں کے ذریعے طلباء کی ذہنی صلاحیتوں کو ابھارا جاتا ہے اور طلبہ کھیل کھیل میں سبق کے اہم نکات کو ذہن نشین کرلیتے ہیں۔یہ بھی سبق کے اعادے کا ایک طریقہ ہے۔سرگرمیاں مختلف قسم کی ہوسکتی ہیں مثلاً طلباء سے کہا بنائیں۔درختوں کے Mind map جاسکتا ہے کہ وہ درختوں کے فوائد کا ایک چارٹ فوائد کارڈ شیٹ پر لکھ کر لائیں اور معلم طلبہ و طالبات کی ان کاوشوں کو کمرۂ جماعت میں نوٹس بورڈ یا کسی نمایاں جگہ پر آویزاں کریں تاکہ طلباء کو یہ محسوس نہ ہو کہ ان کی محنت بیکار جارہی ہے اور اس عمل سے طلبہ کے اندر مثبت مسابقت کا ایک جذبہ بھی بیدار ہوگا۔درختوں کے فوائد کا سورج بنوایا جاسکتا ہے۔اللہ کی ایسی دیگر نعمتوں کا چارٹ بھی بنوایا جاسکتا ہے۔ mind map

MIND MAP

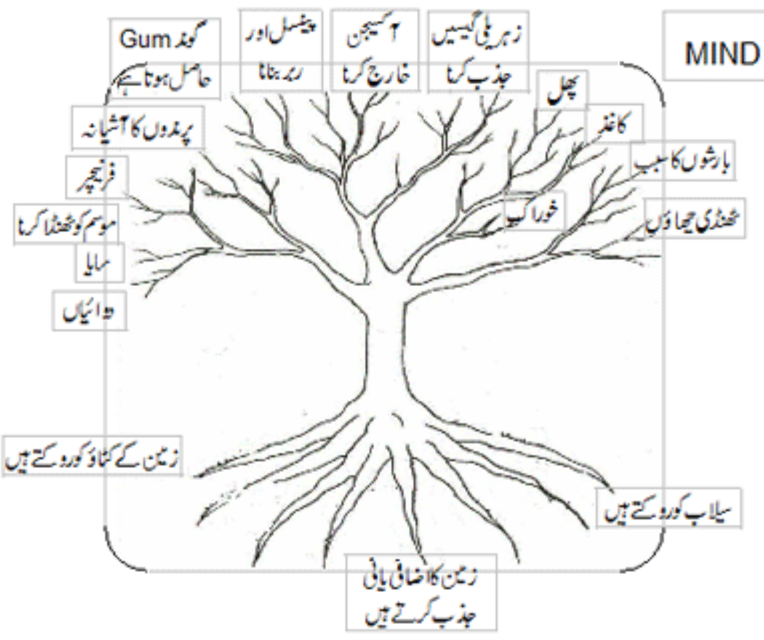

سبق کا خلاصہ: طلباء سے کہا جائے گا کہ وہ اس سبق کا خلاصہ تحریر کریں لیکن یہ بات ذہن نشین رہے کہ کلاس چہارم تا ششم تک کے طلباء از خود خلاصہ نہیں لکھ سکیں گے تا وقتیکہ کہ معلم ان کو بھرپور رہنمائی فراہم کرے اور ان کو پہلے یہ بات سمجھائیں کہ خلاصہ کیا ہوتاہے اور اُس میں سبق یا کہانی کے کون کون سے نکات سامنے لانے چاہییں، اس کے ساتھ ساتھ طلبہ کو یہ بھی بتایا جائے گا کہ خلاصہ لکھتے وقت کہانی کو تبدیل نہیں کیا جائے گا بلکہ صرف مختصر کیا جائے گا اور اس کے آخر میں اس کا نتیجہ یا Moral ضرور تحریر کیا جائے گا۔

تفویض کار: (HOME WORK) سبق کے آخر میں دیئے گئے سوالات تفویض کار (HOME WORK) کے طور پر دیئے جائیں گے۔

حرفِ دعا: مکمل منصوبہ بندی کے بعد بھی مطمئن نہیں ہو جا بلکہ اب اللہ تعالیٰ کے حضور دست بدعا ہو جائیں تا کہ وہ ہماری اس کوشش کو کامیاب کرے۔ یہ بھی نبی اکرم ﷺ کا طریقہ کار اور آپ ﷺ کی سنت مبارکہ ہے کہ آپؐ ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے تھے۔ دعا صرف اس وقت نہ مانگی جائے جب ہم کچھ کر نہ سکیں بلکہ تمام تر وسائل دستیاب ہونے اور بظاہر آسان ترین کام کی تکمیل بھی دراصل اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر نہیں ہو سکتی اس لیے آخر میں دعا ضرور مانگیں کہ "یا اللہ میں نے اپنے محدود علم کے مطابق یہ منصوبہ بندی کرنے کی کوشش کی ہے تُو اسے قبول فرما اور مجھے اس منصوبہ بندی کے مطابق اپنا کام مکمل کرنے کی توفیق عطا فرما اور مجھے ایک اچھا معلم بننے کی توفیق عطا فرما۔ آمین

نوٹ: تحریر کی گئی منصوبہ بندی کو حفاظت سے رکھیں یہ آئندہ بھی آپ کے کام آئے گی اور معلم طلبہ کی ذہنی سطح اور صورتحال کے مطابق اس میں مناسب تبدیلیاں کر کے اس کو دوبارہ بھی استعمال کر سکتے ہیں۔

کہانی میں سبق، سبق میں کہانی

پیارے بچوں ایک محلے میں دو لڑکے شاکر اور بابر رہتے تھے، شاکر اور بابر بہت گہرے دوست تھے۔ دونوں نہ صرف ہم مکتب بلکہ ہم جماعت بھی تھے۔ دونوں ہی پڑھنے لکھنے میں تیز اور ہم نصابی سرگرمیوں میں بھی آگے آگے ہوتے تھے لیکن بابر یہ دیکھتا تھا کہ ہر امتحان میں شاکر کے نمبر اس سے زیادہ ہوتے تھے اس کے علاوہ سارے اساتذہ کاپیوں کی جانچ کے دوران شاکر کو ستارہ امتیاز (STARS) اور شاباش بھی دیتے تھے جب کہ بابر کو بہت کم ستارے اور شاباش ملتی تھی۔ وہ اس بارے میں سوچتا رہتا لیکن وہ یہ جاننے میں ناکام رہتا کہ اس کے اور شاکر کے کام میں کیا فرق ہے۔

آخر کار ایک دن اس نے اپنے استاد سے اس بارے میں پوچھ ہی لیا۔ استاد اس کا سوال سن کر مسکرائے اور یوں گویا ہوئے "بابر آپ نے بہت اچھی بات پوچھی ہے، میں آپ کو بتاتا ہوں کہ آپ کے اور شاکر کے کام میں کیا فرق ہے۔ جب ہم آپ لوگوں کی کاپیاں جانچتے ہیں تو ہم صرف سوالوں کے جواب کو ہی نہیں دیکھتے بلکہ آپ کے کام کے طریقہ کار کو بھی جانچتے ہیں کہ آیا کام درست انداز میں کیا گیا ہے یا نہیں؟۔ شاکر کو ہم اس لیے زیادہ شاباش اور ستارہ امتیاز دیتے ہیں کہ وہ اپنا کام بہت اچھے انداز میں کرتا ہے۔ وہ اپنی کاپی میں کام شروع

کرتے ہوئے ساری باتوں کا خیال رکھتا ہے مثلاً

(۱) وہ کام شروع کرنے سے پہلے تاریخ اور عنوان صفائی کے ساتھ تحریر کرتا ہے۔ (۲) جہاں ضرورت ہو حاشیہ کھینچتا ہے۔ (۳) خوش خطی کا خیال رکھتا ہے۔ (۴) لکھتے وقت تراشی ہوئی نوک دار پینسل استعمال کرتا ہے۔ (۵) صفحے کی آخری سطر کے نیچے لکھنے سے گریز کرتا ہے۔ (۶) استاد کو کاپی دینے سے پہلے وہ خود اچھی طرح کاپی جانچ لیتا ہے کہ کام نامکمل تو نہیں ہے؟ کہیں کوئی غلطی تو نہیں ہے؟ (۷) استاد کی جانچ کے بعد وہ پہلی فرصت میں اپنی غلطیوں کی اصلاح کرتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ دوبارہ یہ غلطیاں نہ ہوں۔ اس کے علاوہ وہ اپنی کاپی، کتابوں اور دیگر سامان کو حفاظت اور صفائی سے رکھتا ہے۔ ان باتوں کا خیال رکھنے کے باعث اساتذہ اس کو پسند کرتے ہیں اور اس کو ستارہ امتیاز اور شاباش دیتے ہیں جس کی وجہ سے اس کو زیادہ نمبر ملتے ہیں۔

باسر نے اپنی جگہ جا کر اپنی کاپی کھولی، پہلے ہی کام میں تاریخ غائب تھی، حاشیہ سیدھا نہ تھا، الفاظ بھی واضح نہیں تھے اوہو! عنوان بھی تو نہیں تھا۔ "اسی لیے میں شاکر سے پیچھے رہ جاتا ہوں" اس نے دل شکستہ ہو کر سوچا۔ اس نے استاد کو مخاطب کر کے کہا" جزاك الله محترم استاد، آپ نے میری رہنمائی فرمائی ہے۔ اب میں بھی ان باتوں کا خیال رکھوں گا۔" استاد اس کے قریب آئے، اس کی پیٹھ تھپتھپائی اور کہا" یہ بہت اچھی بات ہے اور یاد رکھیے! محنت

کبھی رائیگاں نہیں جاتی، اللہ بھی ان کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔" بابر نے عزم کیا کہ اب وہ بھی ان باتوں کا خیال رکھے گا اور پھر اس نے اللہ سے مدد کی دعا مانگی۔

سوالات

(۱) بابر کس بارے میں سوچتا رہتا تھا؟ (۲) شاکر کو زیادہ ستارے اور شاباش کیوں ملتی تھی؟ (۳) شاکر کام شروع کرنے سے پہلے کیا کرتا تھا؟

(۴) استاد کی جانچ کے بعد شاکر کام کی اصلاح کرتا۔ اس سے کیا ہوتا ہے؟ (۵) اساتذہ شاکر کو کیوں پسند کرتے ہیں؟ اپنے الفاظ میں تحریر کیجیے۔

(۶) آپ ان تمام باتوں میں سے کن باتوں کا خیال رکھتے ہیں؟ (۷) اللہ کس کی مدد کرتا ہے؟ (۸) اس کہانی سے ہم نے کیا سبق حاصل کیا؟

مصنوعی جلد بھی بن ہی گئی

ثناء خوانِ تقدیسِ "پارلیمنٹ و آئین" کہاں ہیں؟

12 اگست سے قوم ایک ہیجان میں مبتلا ہے۔پی ٹی آئی اور عوامی تحریک کے کارکنان نے دھرنے اور احتجاج کے نام پر غنڈہ گردی اور بدمعاشی کا سلسلہ شروع کردیا۔ اس موقع پر حکومت کے فیصلے کی داد نہ دینا زیادتی ہوگی۔حکومت نے سانحہ ماڈل ٹاؤن سے سبق لیتے ہوئے اس بار مزاحمت اور سختی سے گریز کرتے ہوئے ان دونوں کو کھلی چھوٹ دیدی، اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ دونوں حضرات (عمران خان ، طاہرالقادری) قوم کے سامنے بے نقاب ہوتے چلے گئے۔ مارچ، مارچ کے بعد شاہراہِ دستور پر دھرنا، پھر پارلیمنٹ ہاؤس کے سامنے دھرنا اور پھر وزیر اعظم ہاؤس کے سامنے دھرنے کے نام پر قبضے کی کوشش کرنا۔

مطالبات، مذاکرات لیکن دونوں کی ہٹ دھرمی ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیے رہی تھی ،دونوں حضرات کسی کی کوئی بات سننے کے لیے تیار نہ تھے۔ ان کے ایک دو مطالبات کے علاوہ سارے مطالبات مان لیے گئے تھے لیکن ان دونوں کی ضد ختم نہیں ہو رہی تھی ۔ لیکن۔۔۔۔۔

لیکن اب تو سارا کھیل واضح ہوتا جارہاہے۔ معلوم ہوا کہ اس سارے کھیل کے پیچھے تو وردی ہے۔ منتخب پارلیمنٹ، اور منتخب حکومت کو پابند کیا جارہاہے کہ وہ ان مظاہرین دراصل ریاست کے باغیوں) کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھائے، انہیں فری ہینڈ دیا) جائے۔ سترہ اٹھارہ روز کے صبر کے بعد جب حکومت نے مظاہرین کو آگے بڑھنے سے روکنے کی کوشش کی تو وردی والوں کو یہ بات سخت ناگوار گذری، انہوں نے ایک دن پہلے ہی اپنا اجلاس بلا کر حکومت کو یہ پیغام دیدیا کہ مظاہرین کے خلاف طاقت کا استعمال کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ اس بات سے شہہ پاکر اگلے روز باغیوں نے سرکاری ٹی وی اسٹیشن پر قبضہ کرکے نشریات بند کرادیں۔

ادھر جاوید ہاشمی نے بروقت پریس کانفرنس کرکے عمران خان کے غبارے سے ہوا نکال دی اور سارا راز طشت از بام کردیا کہ اس کھیل کے پیچھے آرمی ہے، عمران خان اور طاہرالقادری آرمی کے ایجنڈے پر عمل کررہے ہیں۔ ان کی پریس کانفرنس سے برافروختہ ہوکر عمران خان نے انہیں پارٹی سے نکال دیا لیکن دیر ہوچکی تھی، جاوید ہاشمی نے درست وقت پر پریس کانفرنس کرلی ۔ یوں کہہ لیں کہ گھوڑے نے پہلے چھونک ماردی ۔ وقت کے فرق سے عمران اور جاوید ہاشمی کی بات میں زمین آسمان کا فرق ہوگیا۔ اگر عمران خان جاوید ہاشمی کو پہلے برخواست کرتے اور بعد میں وہ پریس کانفرنس کرتے تو جاوید ہاشمی کی پریس کانفرنس اور

ان کی باتوں کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی اور لوگ یہ کہتے کہ عمران نے ان کو الگ کر دیا اس لیے اب یہ ایسی باتیں کر رہے ہیں لیکن جاوید ہاشمی کی پریس کانفرنس کے بعد اب عمران خان کی بات کی کوئی اہمیت نہیں رہ جاتی ہے۔

سرکاری ٹی وی اور ریڈیو پر قبضہ کرنا بغاوت کے زمرے میں آتا ہے۔ دنیا میں جہاں جہاں بھی حکومت کا تختہ الٹا جاتا ہے وہاں سب سے پہلے سرکاری ٹی وی، ریڈیو اور ذرائع ابلاغ پر قبضہ کیا جاتا ہے۔ اس لیے پی ٹی وی پر قبضہ کرنا اور نشریات معطل کرنا دراصل ریاست کے خلاف بغاوت کا اعلان ہے لیکن حیرت انگیز طور پر ریاست اور آئین کی وفاداری کا حلف اٹھانے والی فوج نے سرکاری ٹی وی پر قبضہ کرنے والے باغیوں کو اطمنان سے فرار ہونے کا موقع فراہم کیا، باغی آرمی کے جوانوں کے سامنے نعرے بازی کرتے ہوئے چلے گئے اور کسی ایک کو بھی گرفتار کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ ان تمام باتوں سے یہ واضح ہوگیا کہ عمران خان اور طاہر القادری آرمی کے ایجنڈے پر کام کر رہے ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ ایجنڈا کیا ہو سکتا ہے اور آرمی کو اتنا لمبا کھیل چلانے کی کیا ضرورت ہے؟ ان سوالوں کا جواب دینے سے پہلے میں چاہوں گا کہ ذرا ماضی قریب کی کچھ بات کر لی جائے۔

زیادہ عرصہ نہیں گذرا جب جامعہ حفصہ کی باپردہ طالبات نے فحاشی کے اڈوں کے

خلاف حکومت کو درخواست دی اور جب ان درخواستوں پر عمل درآمد نہ ہوا تو ان بچیوں ہاتھوں میں ڈنڈے اٹھا لیے تھے۔ یہ بچیاں نہ تو مشرف کے استعفےٰ کا مطالبہ کر رہی تھیں نہ ان کے کوئی لمبے چوڑے مطالبات تھے۔ ان کا مطالبہ صرف یہ تھا کہ مساج سینٹرز کے نام پر فحاشی کے اڈے اور فحش سی ڈیز کا کاروبار ختم کیا جائے۔ ان بچیوں کے یہ مطالبات سامنے آتے ہی منافق میڈیا میں ایک بھونچال آگیا اور جامعہ حفصہ کو اس طرح پیش کیا گیا گویا کہ یہ لوگ ریاست اور پارلیمنٹ پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ پورے ملک میں ایک ایسا ہیجان برپا کر دیا گیا اور جامعہ حفصہ و لال مسجد کی آڑ میں شعائر اسلام پر حملے شروع کیے گئے اور دوسری جانب فوج نے جامعہ حفصہ کا محاصرہ کر لیا، کسی کو اس جانب جانے کی اجازت نہیں دی گئی، کوئی مذاکرات کامیاب نہیں ہونے دیئے گئے اور بالآخر جامعہ حفصہ کی ان طالبات پر فاسفورس بموں سے حملہ کیا گیا، سینکڑوں کا شہید کیا گیا، درجنوں لاپتہ ہو گئیں، مسجد گولیوں سے چھلنی کر دی گئ ، رات کی تاریکی میں درجنوں شہیدوں کی تدفین کی گئ اور عمل کو ریاست بچانے کے لیے لازمی قرار دیدیا گیا۔

طالبان کو اٹھتے بیٹھے گالیاں دینے والے میڈیا کو آج عمران خان اور طاہر القادری کا طالبان ازم نظر نہیں آ رہا۔ اگر کوئی مذہبی جماعت حکومت کی برطرفی کا مطالبہ کرتی اور کارکنان کو اسلام کی جانب لاتی تو اب تک ان کے

کارکنوں کا دسواں بھی منایا جاچکا ہوتا لیکن آج بیس دنوں ہونے کو آئے ہیں۔ دار الحکومت میں یہ باغی قبضہ کیے بیٹھے ہیں، حتیٰ کہ انہوں نے بغاوت کی علامت یعنی سول نافرمانی اور سرکاری ٹی وی پر قبضہ جیسے کام بھی کرلیے ہیں لیکن چند ایک کو چھوڑ کر تمام میڈیا اور فوج ان کی پشت پناہی کر رہے ہیں۔

اب ہم اس جانب آتے ہیں فوج کا ایجنڈا کیا ہوسکتا ہے؟ حتمی طور پر تو ہم کچھ نہیں کہہ سکتے لیکن تمام صورتحال اور عمران خان کا نیا پاکستان کا ذو معنی نعرہ سے کچھ اندازہ لگا سکتے ہیں۔ عمران خان کو یہ اندازہ ہو رہا ہے کہ اگر وہ آئینی حدود میں رہتے ہوئے انتخابات کے ذریعے وزیر بننے کی کوشش کرتے ہیں تو اس عمل میں بہت زیادہ وقت لگے گا اور عمران خان زیادہ دیر صبر کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں، اسی لیے فوج سہارا لینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ انکے دھرنے میں ناچ گانا، خواتین کا رقص اور آزادی اور ان کا نعرہ نیا پاکستان ہماری ناقص رائے کے مطابق 1973 کے متفقہ آئین کو معطل کرکے ایک نیا آئین بنانا ہے۔ فوج کا بھی یہی ایجنڈا ہے کہ تہتر کے آئین کو معطل کردیا جائے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تہتر کو آئین کو معطل کیوں کیا جائے؟ اور آرمی سیدھے سادھے طریقے سے قبضہ کیوں نہیں کررہی؟ جواب ہے کہ پاکستان کے آئین کا لازمی حصہ قرارداد مقاصد ہے جس کے مطابق پاکستان میں قرآن و سنت کے منافی کوئی بھی قانون سازی نہیں ہوسکتی اور ایسی کسی بھی کوشش کو چیلنج کیا جاسکتا ہے۔

دوسری بات یہ کہ 73 کا آئین متفقہ آئین ہے اور اس کی غیر موجودگی میں دوبارہ تمام صوبوں اور پارٹیوں کا کسی ایک آئین پر متفق ہونا ناممکن نہیں تو بہت زیادہ مشکل ضرور ہے یعنی قوم متحد ہونے کے بجائے منتشر ہو سکتی ہے اور ایسی صورتحال میں علیحدگی کی تحریکیں زور پکڑ سکتی ہیں اور خاکم بدہن سقوطِ ڈھاکہ جیسے سانحات رونما ہو سکتے ہیں۔ تیسری اور اہم وجہ یہ ہے کہ 73 کے آئین میں قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا ہے۔اس آئین کی موجودگی میں قادیانی کو اپنی مکروہ سرگرمیوں اور گمراہ کن عقائد کی تبلیغ میں مشکل پیش آتی ہے اس لیے بھی 73 کے آئین کو معطل کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں۔ (طاہر القادری تو بارہا اس بات کا اظہار کر چکے ہیں کہ وہ کسی آئین کو نہیں مانتے) ۔

اب رہ گئی یہ بات کہ فوج براہ راست حکومت پر قبضہ کیوں نہیں کرلیتی ؟اس کا جواب یہ ہے کہ ماضی کے تجربات کو مد نظر رکھتے ہوئے اس بار فوج براہ راست تختہ الٹنے کے بجائے ایسے حالات پیدا کررہی ہے کہ عوام سیاسی جماعتوں، سیاستدانوں اور جمہوری عمل سے متنفر ہوجائیں اور ان کے غیر آئینی اقدام کو غلط کہنے کے بجائے درست کہا اور سمجھا جائے اور انکے غیر اقدام کے خلاف جب سیاسی رہنما عوام کے پاس جائیں تو عوام ان کی بات نہ سنیں اور بغاوت کے خلاف کوئی عوامی تحریک یا مؤثر احتجاج نہ کیا جاسکے۔

بہر حال صورتحال کا جائزہ لینے سے تو یہی باتیں سامنے آرہی ہیں۔ حالات اب کیا کروٹ لیتے ہیں؟ اس بارے میں حتمی طور پر کچھ کہنا مشکل ہے البتہ میری رب پاک سے یہی دعا کہ میرے اندازے اور خدشات بالکل غلط ثابت ہوں تو بہت اچھا ہے، اور یہ بحران اور بے یقینی کی کیفیت جلد از جلد ختم ہو جائے۔

ذہنی بیمار دانشور

ایاز امیر ایک کہنہ مشق صحافی ہیں۔آپ کی خاص بات یہ ہے کہ آپ لبرل ازم اور روشن خیالی کے پردے میں اسلام کے خلاف باتیں کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ ہفتہ 18 اکتوبر کو بھی اپنے کالم ''نیا پاکستان نئے تقاضے'' میں آپ نے ایسی ہی باتیں بیان کیں ہیں۔

اپنے کالم کے آغاز میں آپ لکھتے ہیں کہ '' کیا اس نئے پاکستان میں منافقت جس کی فعالیت ہمارے یہاں سب سے زیادہ ہے کو دیس نکالا دیا جائے گا یا پھر حسبِ معمول بظاہر نیکی اور پرہیزگاری اور اندر سب چلتا ہے کا فارمولہ مستعمل رہے گا۔''

سب سے پہلے اس بات پر بات کرلی جائے کہ منافقت کیا ہوتی ہے؟ تاریخ اسلام کے مطالعے سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ منافق دراصل وہ لوگ تھے جو کہ مدینہ میں نبی اکرم ﷺ کی آمد سے خوش نہ تھے، یہ لوگ اسلام کے مخالف تھے لیکن مصلحتاً انہوں نے اسلام کا لبادہ اوڑھ لیا اور درحقیقت یہ لوگ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے رہے اور مسلمانوں کے مقابلے میں کفریہ طاقتوں

کا ساتھ دیتے رہے'' اب اس کی روشنی میں بہ آسانی فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ منافق دراصل کون ہے؟۔ انگریزی مقولہ ہے کہ Offence is the best defence یعنی حملہ کرنا سب سے بہترین دفاع ہے۔ اسی حکمتِ عملی کے تحت گروہ منافقین بڑھ چڑھ کر عام مسلمانوں پر حملہ آور ہوجاتے ہیں اور وہ بیچارے وضاحتیں پیش کرتے، دفاع کرتے رہ جاتے ہیں۔

کراچی کے نائٹ کلبوں میں مشرق و مغرب کی حسیناؤں کا رقص ہوتا تھا جبکہ لاہور میں فلیٹی ہوٹل کے فلور پر ہونے والی سرگرمیوں کی تشہیر پاکستان ٹائمز کے صفحہ 3 پر باقاعدگی سے کی جاتی تھی۔ اب محترم سے سوال کیا جاسکتا ہے کہ نائٹ کلب چلانا، حسینوں کا رقص ہونا کون سا اسلام ہے؟ یہ دراصل آپ جیسے منافقین جو بظاہر مسلمان لیکن درحقیقت اسلام دشمنی لوگوں کی سرگرمیاں ہیں، ان کو آپ اسلام سے کیوں جوڑتے ہیں۔ بقول آپ کے مسجد میں پانچ وقت کی اذان کی آواز گونجتی اور شام ڈھلے ہی بازار کی فضاء گہری ہونے لگتی ، بند دروازوں کے پیچھے سے گانے اور طبلے اور گھنگروؤں کی جھنکار، درزدیدہ نظروں سے جھانکنا اور منچلوں کے قہقہے ماحول کو گرماجاتے'' ۔

محترم ایاز امیر صاحب یہ بات بھولے نہیں بلکہ قصداً نظر انداز کرگئے کہ اسلام پہلے برائی کا دروازہ بند کرتا ہے اس کے بعد کسی حد کو جاری کرتا ہے۔ آپ برائی کا دروازہ تو بند نہیں کرنا چاہتے لیکن جب کوئی اس برائی کی دلدل میں پھنس جاتا ہے تو

اس پر فوراً منافقت کا لیبل چسپاں کر دیتے ہیں، آپ نہ صرف خود گناہ کرنے پر آمادہ ہیں بلکہ گناہ کی ترویج کا فریضہ سرانجام دینے اور برائی کو عام کرنے پر کمربستہ ہیں، چونکہ اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے اس لیے قرآن، حدیث، سیرت طیبہؐ اور خلفائے راشدینؓ کے دور کی کوئی مثال سامنے لانے کے بجائے کراچی اور لاہور مثالیں پیش کرکے لوگوں کو بیوقوف بنانے کی کوشش کررہے ہیں، ہمارے لیے کراچی، لاہور کی کوئی مثال یا عباسی واموی دور خلافت حجت نہیں ہے بلکہ ہمارے لیے حجت قرآن و سنت اور اس کے بعد خلفائے راشدین ہیں۔

آگے چل کر آپ لکھتے ہیں کہ " اسلام کا سنہری دور عباسی دور تھا اور اس دور کی سرگرمیوں کا خواص کے ساتھ عوام کو بھی علم ہونا چاہیے۔ اس حوالے سے دو کتابوں کا ذکر کرتا ہوں، ہیوگ کینڈی کی The court of caliph اور بنسن بوبرک کی The caliph's slender ۔ حیرت انگیز بات ہے کہ آپ تاریخ اسلام کی بات کرتے ہیں لیکن کسی مسلم مفکر یا مؤرخ کو اس لائق نہیں سمجھتے کہ ان کا حوالہ دیا جائے بلکہ آپ اس کے لیے مغربی لادین مصنفین کو معتبر سمجھتے ہیں۔ اوپر بیان کی گئی منافق کی تعریف کو سامنے رکھیں اور پھر یہ حوالہ بھی سامنے رکھیں تو پھر یہ واضح ہوجاتا ہے کہ منافق کون ہے؟۔ دوسری بات کہ یہاں بھی آپ کی منافقت اور دین بیزاری اپنے عروج پر نظر آتی ہے کہ پورے عباسی

دور خلافت میں آپ کو صرف جواں سال کنیزوں کی ہی مثال پیش کرکے، حالانکہ فقہ کی تدوین وتدریج، علم ادب، شعر سخن اور فن تعمیر کے حوالے بہت کچھ پیش کیا جاسکتا تھا لیکن ایک ذہنی بیمار فرد کی نظر صرف جواں سال کنیزوں اور شراب پر ہی جاکر ٹھہری اس مکھی کی طرح جو صاف ستھرا ماحول چھوڑ کر صرف گندگی پر ہی بیٹھنا پسند کرتی ہے۔

لبرل اور روشن خیالوں کا مسئلہ بڑا عجیب و غریب ہے، جب یہ لوگ تاریخ اسلام کا مضحکہ اڑانا چاہیں، یا مسلمان حکمرانوں کی خرابیاں بیان کریں تو سب سے پہلے وہ یہی کہتے ہیں کہ مسلمان صرف عیاشی میں پڑے رہے، لہو لعب میں وقت گزارتے رہے اور انہوں نے جدید علوم اور تعلیم کی ترقی کے لیے کچھ نہ کیا، لیکن جب مسلم تاریخ کا یہی رول ماڈل ان کو سب سے زیادہ پسند بھی آتا ہے اور اس کی وہ مثالیں بھی پیش کرتے ہیں جیسا کہ ایاز امیر صاحب نے کیا ہے۔ ویسے عباسی خلیفہ منصور ہی کا واقعہ گوش گزار کرنے کی جسارت کروں گا " منصور کے گھر میں کبھی لہو لعب کے مشابہ چیز کا بھی گذر نہ ہوا۔ ایک مرتبہ اس کے محل میں ایک غلام طنبور بجا رہا تھا اور لونڈیاں قہقہے لگا رہی تھیں، اس کے کانوں تک آواز پہنچی، پوچھا یہ کیا ہے؟ بتایا گیا طنبور، لیکن اس کو یہ طنبور کو بھی نہ جانتا تھا، پوچھا طنبور کسے کہتے ہیں؟ اس کی وضع وہیئت بتائی گئی، منصور اسی وقت اٹھا اور طنبور بجانے والے کے سر پر طنبور توڑ کر اسی وقت اس کو نکال دیا۔

مروج الذہب، مسعودی بحوالہ تاریخ اسلام جلد سوم از شاہ معین الدین ندوی)۔)

عباسی

خلفاء کے بارے میں یہ بھی مشہور ہے کہ یہ لوگ ملحدوں، زندیقوں کے سخت دشمن تھے، اور ان کا قلع قلع کرکے ہی دم لیتے تھے، عباسی دور خلافت میں کئی فتنوں نے سر اٹھایا مثلاً بابک خرمی، محمد نیشا پوری وغیرہ اور ان تمام فتنوں کو عباسی خلفاء نے ہی ختم کیا۔ اس کا ذکر کرنا آپ نے مناسب نہیں سمجھا گیا۔

آگے آپ لکھتے ہیں کہ اگر واقعی نیا پاکستان بنایا جائے تو اس میں عقیدے کے نام پر روا رکھی جانے والی منافقت کو ختم کرنا ہوگا"۔ جناب عالی ! ابھی آپ عباسی دور کو اسلام کا سنہرا دور قرار دے رہ تھے اور اب یہ بات کہہ رہے ہیں ۔ عباسی خلافت تو قائم ہی عقیدے اور انتقام کی بنیاد کی کی گئی تھی، اسی دور میں مخالفین کا قتل عام کیا گیا، حتیٰ کہ ان کی قبروں تک کو اکھاڑ کر ہڈیوں کو جلایا گیا، لاشوں کا مثلہ کیا گیا۔ یقیناً یہ سب کچھ آپ کے علم میں ہوگا لیکن یہ آپ کی منافقت اور مکاری ہے کہ آپ اپنی من پسند باتوں کی مثالیں دیکر عوام کو گمراہ کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ کیا عباسی دور کو واقعی اسلام کا سنہری دور کہلایا جاسکتا ہے؟ اگر یہ اسلام کا سنہری دور ہے تو پھر اگر طالبان، داعش یا بوکو حرام یہ کام کریں تو ان کی مخالفت کیوں؟ ۔ ہمارے لیے نہ تو طالبان و داعش کوئی قابل عمل مثال اور حجت ہیں اور نہ ہی عباسی خلافت بلکہ اسلام کا سنہری دور پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ پاک

اور اس کے بعد خلفائے راشدین کا دور ہے، جس میں عوام کی فلاح و بہبود کے کام کیے گئے، اسلام کی سلطنت کو وسعت دی گئی، بدترین مخالفین کو معاف کیا گیا، اس کے بعد کی تاریخ اسلام کا حصہ ضرور ہے لیکن اس کی ہر بات ہمارے لیے قابل تقلید اور حجت ہرگز ہرگز نہیں ہے۔

آگے آپ عمران خان کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "انہوں نے خواتین کے لیے عملی سیاست کے دروازے کھولے۔۔۔۔اور۔۔آج ان کے جلسوں اور دھرنوں میں نوجوان لڑکیوں کی تعداد سب سے زیادہ ہوتی ہے۔" حیرت ہے کہ طاہر القادری کی تعریف تو بہت کرتے ہیں لیکن ان کے جلسوں اور دھرنوں میں خواتین کا ذکر کرنا آپ بھول گئے، اس کے علاوہ قارئین کو یہ بتانا بھی آپ نے ضروری نہیں سمجھا کہ جماعت اسلامی کی خواتین عرصہ دراز سے عملی سیاست میں سرگرم عمل ہیں اور وہ قومی، صوبائی اور شہری حکومتوں کی سطح پر فعال کردار ادا کرچکی ہیں، جب کہ جماعت اسلامی کے جلسوں اور ریلیوں میں بھی خواتین کی ایک بہت بڑی تعداد شریک ہوتی ہے، لیکن فرق یہ ہے کہ طاہر القادری اور جماعت اسلامی کے جلسوں اور ریلیوں میں خواتین الگ حصے میں ہوتی ہیں، ان میں 80 فیصد خواتین باپردہ ہوتی ہیں، اور وہاں مخلوط پروگرامات نہیں ہوتے، یہ بات موصوف کی بیمار ذہنیت کے لیے قابل قبول نہیں ہے اس لیے انہیں صرف عمران خان کے جلسوں میں تھرکتی، جھومتی، بے پردہ نوجوان لڑکیاں ہیں نظر آئیں اور انہی کا ذکر

کیا گیا۔

آگے چل کر ایک بار پھر بورک کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ " اگرچہ قرآن میں الکوحل کی ممانعت ہے لیکن بغدادی دربار میں مشروبِ خاص اور کنیزیں رقص کرتی تھیں" کتنی عجیب بات ہے کہ ایاز امیر صاحب نے مضمون میں تاریخ اسلام کا جو بھی حوالہ دیا وہ مغربی ، غیر مسلم مؤرخ کا اور اس میں بھی صرف ناچ گانے، راگ رنگ کی مثالیں پیش کرسکے ہیں۔ یہ ساری باتیں ان کی دین بیزاری ،ذہنی بیماری اور منافقت و عیاری کو ظاہر کررہی ہیں لیکن پھر بھی منافقت کی پھبتی دوسروں پر کسی جاتی ہے۔

کالم کے آخر میں آپ لکھتے ہیں کہ " اگر ہم نئے پاکستان کو طالبان سے بچانا چاہتے ہیں ہمیں وہ سب کچھ کرنا ہوگا جس سے طالبان بدکتے ہیں" حالانکہ اصولی طور پر یہ بات سراسر غلط اور خلافِ حقیقت ہے۔ اگر ہم پاکستان یا نئے پاکستان کو طالبان سے بچانا چاہتے ہیں تو ہمیں شریعت کا نفاذ کرنا ہوگا، دینی تعلیم کو عام کرنا ہوگا اور بالخصوص نوجوانوں کو دین کی جانب راغب کرنا ہوگا تاکہ وہ غلط ہاتھوں میں جانے سے بچ سکیں، اچھے برے میں تمیز کرسکیں۔جب ایسا ہوگا تو لوگ از خود طالبان، داعش یا کسی بھی غلط گروہ کے پاس جانے بچیں گے اور خود ہی ان کا محاسبہ کریں گے ، لیکن اگر ہم لوگوں کو دین سے

دور کریں گے، تو اس کا لازمی نتیجہ یہی نکلے گا کہ کوئی بھی انہیں دین کے نام پر استعمال کر سکے گا۔

ہماری تمام لکھاریوں سے یہی گذارش ہے کہ اپنی دین بیزاری،، ناآسودگی اور ذہنی بیماری کو روشن خیالی اور لبرل ازم کے پردے میں نہ چھپائیں اور منافقت کو چھپانے کے لیے عام مسلمانوں کو منافق کہنے سے گریز کریں۔

مرادِ رسولؐ حضرت عمر فاروق

۱۳ ہجری زمانہ ہے، مکے کے کافروں کے ظلم و ستم سے تنگ مسلمان رسول اللہؐ کے حکم کے مطابق دو دو چار چار کی ٹولیوں میں چھپ چھپا کر مکہ سے یثرب ہجرت کرتے جارہے ہیں، وہ مکہ سے نکلنے میں احتیاط کررہے کہ کہیں کفارِ مکہ کو اُن کے ارادے کا علم نہ ہوجائے اور وہ ان کو روک نہ لیں۔ لیکن آج تو ایک عجیب و غریب اور معمول سے ہٹ کر واقعہ رونما ہوا ہے۔آج ایک صحابیؓ رسول اپنی کمر سے تلوار باندھے، کاندھے پر کمان اور گلے میں تیروں کا ترکش لٹکائے، نیزہ ہاتھ میں لیے بیت اللہ پہنچ گئے، انہوں نے پہلے نہایت اطمینان سے طواف کیا، نوافل ادا کیے، اس کے بعد بہ آوازِ بلند فرمایا'' اس شخص کا بھلا نہ ہو جو پتھروں کے ٹکڑوں کو اپنا خدا سمجھے۔'' اس وقت بیت اللہ میں بہت سے کافر جمع تھے، آپؓ نے ان کو مخاطب کرکے اعلان کیا کہ '' آج میں مکہ سے جارہا ہوں، میرے ساتھ میرے بھائی، بہنوئی، داماد اور خاندان کے دوسرے لوگ ہیں، جس کو اپنے بیٹوں کو یتیم اور بیوی کو بیوہ کرنا ہو، وہ مکہ سے نکل کر میرا مقابلہ کرے۔'' ان کی یہ بات سُن کر کافروں کو سانپ سونگھ گیا اور کسی کو بھی ان کے مقابلے میں اپنے دست و بازو آزمانے کی جرات نہ ہوئی۔ یہ جری اور دلیر صحابی جو علی الاعلان مکہ سے ہجرت کررہے تھے اور کفار جن سے خوفزدہ رہتے تھے، دوسرے خلیفہ راشد حضرت عمر فاروقؓ تھے۔

حضرت عمر فاروقؓ ہجرتِ مدینہ سے تقریباً چالیس سال قبل مکے میں پیدا ہوئے۔ آپؓ کا نام عمر، کنیت ابو حفص تھی لیکن ابن خطاب اور عمر کے نام سے زیادہ مشہور تھے۔ آپ کا تعلق قبیلہ قریش کی شاخ بنو عدی سے تھا، آپ کے والد کا خطاب بن نُفیل جبکہ والدہ کا نام حنتمہ بن ہاشم تھا۔ آٹھویں پشت پر آپؓ کا سلسلہ نسب پیارے نبی ﷺ سے مل جاتا ہے۔

آپؓ عرب کے ان چند گنے چنے افراد میں شامل تھے جو پڑھنا لکھنا جانتے تھے، اس کے علاوہ آپ کو علم الانساب میں بھی مہارت حاصل تھی۔ حضرت عمر فاروقؓ بہت طاقتور اور طویل القامت انسان تھے، آپؓ نے اس زمانے میں رائج تمام جنگی اور جسمانی علوم مثلاً شمشیر زنی، نیزہ بازی، تیر اندازی، گھڑ سواری اور پہلوانی میں کمال مہارت حاصل کر لی تھی اور آپ نے اس دور کے کئی نامی گرامی پہلوانوں کو کشتی میں پچھاڑا تھا۔

حضرت عمر فاروقؓ کو مراد رسولؐ بھی کہا جاتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ نبوت کے چھٹے سال جب مکے میں کافروں کے ظلم وستم بہت زیادہ بڑھ گئے اور انہوں نے مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کرنا شروع کیا تو ایک دن نبی اکرم ﷺ نے اللہ تعالی

کے حضور دعا کی کہ "اِلٰہی ! عمرو بن ہشام (ابو جہل) یا عمر ابن خطاب کے ذریعے اسلام کو قوت عطا فرما۔" پیارے نبی ﷺ کی یہ دعا حضرت عمر فاروقؓ کے حق میں قبول ہوئی اور اس دعا کے اگلے ہی روز یا چند روز بعد آپؓ کو اللہ تعالیٰ نے دولتِ ایمان سے نواز دیا۔اس وقت حضرت عمر فاروقؓ کی عمر تقریباً پینتیس برس تھی۔

جمادی الآخر ۲۲ھ میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کے انتقال کے بعد خلافت کی ذمہ داریوں کا بوجھ آپؓ کے کاندھوں پر ڈالا گیا اور تاریخ گواہ ہے کہ ان کا دورِ خلافت نہ صرف مسلمانوں کی تاریخ کا سنہرا دور ہے بلکہ ان کا طرزِ حکمرانی اپنی مثال آپ ہے، اور ان کے دورِ خلافت نے جدید مدنیت کی بنیاد بھی رکھی ،آج دنیا میں جتنی بھی فلاحی ریاستیں ہیں اور جو حکومتیں بھی عوامی فلاح و بہبود کے کام کرتی ہیں اور مدنیت کے جو اصول اپناتی ہیں ان کا بڑا حصہ اسی دور سے اخذ کیا گیا ہے۔ان کا طرزِ حکمرانی تمام مسلم حکمرانوں کے لیے ایک مثال ہے، ہم یہاں ان کے دورِ خلافت کی کچھ باتوں کا تذکرہ کریں گے۔

حضرت عمر فاروقؓ نہایت سادہ زندگی گزارتے تھے، خلیفہ بننے کے بعد آپؓ کی سادگی میں مزید اضافہ ہوا، آپؓ نے کبھی نرم ، ریشمی اور باریک کپڑے نہیں پہنے، ہمیشہ موٹے کھدّر کا کرتا پہنتے، کپڑے اگر پرانے ہو کر پھٹنے لگتے تو

اس میں چمڑے کا پیوند لگا لیتے۔ ایک دفعہ آپؓ خطبے دینے منبر پر آئے تو آپؓ نے جو چادر اوڑھی ہوئی تھی اس میں ۱۲ پیوند لگے ہوئے تھے، حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے آپؓ کے تہبند کے پیوند گنے تو وہ ۲۲ تھے۔ شام کی فتح کے بعد جب آپ وہاں پہنچے تو سفر کے دوران آپؓ کا کرتا اونٹ کے کجاوے میں الجھ کر پھٹ گیا، آپؓ نے وہ کرتا ایک پادری کو مرمت کے لیے دیا، اس نے آپؓ کے کرتے کی مرمت کے ساتھ ساتھ ایک نیا کرتا بھی سی کر انہیں پیش کیا، آپؓ نے اپنا پرانا کرتا ہی لیا اور کہا کہ " اس میں پسینہ خوب جذب ہوتا ہے۔

آپؓ کے دورِ خلافت میں اسلامی سلطنت میں توسیع ہوئی ، کئی ممالک فتح ہوئے۔ چند صحابہ کرامؓ نے حضرت عمر فاروقؓ کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ مختلف ممالک کے سفیر اور سردار آپؓ سے ملنے آتے ہیں، اس لیے آپؓ نئے اور اچھے کپڑے پہن لیا کریں۔ آپؓ نے اس تجویز کو رد کردیا اور فرمایا" اللہ نے ہمیں جو عزت اور شان و شوکت عطا فرمائی ہے وہ قیمتی کپڑوں عالی شان مکانات کی وجہ سے نہیں بلکہ اسلام کی وجہ سے ہے۔" آپؓ کا یہ جواب اور طرزِ حکمرانی ہمارے آج کے ان حکمرانوں کے لیے ایک مثال ہے جو قیمتی سوٹ اور کپڑوں کو ہی عزت و وقار کا باعث سمجھتے ہیں اور ایک دن میں کئی کئی بار سوٹ تبدیل کرتے ہیں۔

خلیفہ بننے کے بعد بھی آپؓ کا یہ حال تھا کہ آپؓ عام سے کپڑے پہنے بازاروں میں گشت کرتے رہتے، نہ کوئی محل، نہ دفتر، نہ دربان نہ ہٹو بچو کا شور۔ راتوں کو آپؓ مدینہ کی گلیوں میں گشت کرتے اور لوگوں کے حالات معلوم کرنے کی کوشش کرتے۔ایک دفعہ ملک روم کا سفیر اپنے بادشاہ کا پیغام لیکر مدینہ آیا، اس نے لوگوں سے دریافت کیا کہ تمہارے بادشاہ کا محل کہاں ہے؟'' لوگ اس کی بات سن کر ہنسنے لگے اور کہا'' کون سا بادشاہ، کیسا محل؟ ہم نے اپنے ہی لوگوں میں سے ایک شخص کو خلیفہ بنایا ہے، وہ سامنے اس کا گھر ہے۔'' یہ کہہ کر لوگوں نے حضرت عمر فاروقؓ کے گھر کی جانب اشارہ کیا، سفیر ان کا عام سے مکان دیکھ کر حیران رہ گیا، اس نے پوچھا کیا وہ اس وقت گھر پر موجود ہونگے؟ لوگوں نے کہا نہیں وہ وقت شہر سے باہر کی جانب گئے ہیں، تم اس طرف جاکر دیکھو وہ مل جائیں گے، سفیر نے حیرانی سے پوچھا لیکن میں انہیں پہچانوں گا کیسے؟ جواب ملا، انہیں آسانی سے پہچان لوگے، ان کے ہاتھ میں دُرہ ہوگا اور وہ بہت طویل قامت ہیں۔ سفیر، لوگوں کے بتائے گئے راستے پر چل پڑا، کچھ دور جاکر اس نے دیکھا کہ حضرت عمر فاروق ایک درخت کے نیچے، ایک اینٹ پر سر ٹکائے سو رہے ہیں، ان کا دُرہ ان کے قریب پڑا ہے اور آس پاس کوئی دربان، کوئی گارڈ، کوئی پولیس نہیں، کوئی ہٹو بچو کا شور نہیں ہے۔ یہ دیکھ کر اس پر ہیبت طاری ہو گئی، وہ کانپنے لگا اور اس کی زبان سے یہ الفاظ نکلے'' اے عمر تم اپنی رعایا کے سچے خیر خواہ ہو، اسی لیے تم لوگوں کے دلوں پر حکومت

کرتے ہو، اور تمہیں کسی پہرے دار اور سپاہی کی ضرورت نہیں ہے۔ ایک ہمارا بادشاہ ہے کہ بلند دیواروں والے شاندار محل کے اندر بھی آرام کی نیند نہیں سو سکتا، حالانکہ محل کے اندر اور باہر ہزاروں پہرے دار ہوتے ہیں۔"

ایک بار کسی نے ان کو بتایا کہ آپ کے ایک گورنر عیاض بن غنمؓ باریک کپڑے پہنتا ہے اور اس کے دروازے پر دربان مقرر ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس کی تحقیقات کرائیں تو یہ بات سچ ثابت ہوئی، آپؓ نے ان کو مدینہ بلالیا، جب عیاض بن غنمؓ مدینہ پہنچے تو ان کا قیمتی لباس اتروا کر بالوں سے بنے کمبل کا کرتا پہنایا اور ان کو جنگل میں بکریاں چرانے کے کام پر لگا دیا اور جب تک انھوں نے اپنے اس طرزِ عمل سے توبہ نہ کرلی انہیں ان کے عہدے پر بحال نہ کیا۔ ان واقعات کو سامنے رکھیں اور پھر آج کے حکمرانوں کے طرزِ عمل کو دیکھیں، ایک واضح فرق نظر آتا ہے۔ آج جب ہمارے حکمران اپنے عالی شان محلات سے باہر نکلتے ہیں تو محافظین کا ایک جمِ غفیر اُن کے ساتھ ہوتا ہے، اس کے باوجود عوام کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں ہوتی اس لیے ان کی آمد سے گھنٹوں پہلے ہی شاہراہوں کو عوام کے لیے بند کر دیا جاتا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ یہ قدرتی آفات سے متاثرہ علاقوں کا دورہ بھی عموماً فضائی کرتے ہیں۔

حضرت عمر فاروقؓ سرکاری مراعات اور بیت المال کی اشیا کے استعمال میں

انتہائی محتاط رویہ اپناتے تھے۔ وہ پوری کوشش کرتے تھے کہ وہ خود اور ان کے اہل خانہ بلا جواز کوئی سرکاری چیز استعمال نہ کریں۔ایک بار آپؓ بازار میں گشت کر رہے تھے ، دیکھا کہ ایک انتہائی موٹا تازہ ، صحت مند اونٹ فروخت کے لیے آیا ہے، انہوں نے دریافت کیا کہ یہ اونٹ کس کا ہے ؟ تو معلوم ہوا کہ وہ ان کے صاحبزادے حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ کا ہے۔ انہوں نے اپنے صاحبزادے کو بلا کر پوچھا کہ یہ اونٹ کیسا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ابا جان یہ اونٹ میں نے اپنی ذات ی رقم سے خریدا تھا،اس کے بعد میں نے اس کو سرکاری چراگاہ میں چھوڑ دیا تھا، وہاں پل کر یہ خوب تگڑا ہوگیا ہے، اب میں اس کو فروخت کر رہا ہوں تاکہ اچھا منافع مل سکے۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ بیٹا یہ اونٹ سرکاری چراگاہ میں پل کر بڑا ہوا ہے، اس لیے اس کو فروخت کرکے تم صرف اپنی اصل رقم لے اور باقی سارا منافع بیت المال میں جمع کرا دو۔

ایک دفعہ مالِ غنیمت میں قیمتی خوشبوئیں مشک و عنبر بھی تھیں، ان کو تقسیم کرنے کے ایسے فرد کی ضرورت محسوس ہوئی جو کہ اس کام کو بخوبی انجام دے سکے، حضرت عمرؓ کی زوجہ حضرت عاتکہؓ نے اس کام کے لیے اپنی خدمات پیش کیں، لیکن حضرت عمرؓ نے اس کو منع فرما دیا اور کہا کہ '' مجھے ڈر ہے کہ اس کی تقسیم کے دوران تمہاری انگلیوں پر بھی کچھ خوشبو لگ جائے گی ،اور یہ عام مسلمانوں سے زیادہ حصہ ہو جائے گا۔'' ایک دفعہ بیت المال کا ایک اونٹ کھو

گیا، اس کو ڈھونڈنے کے لیے آپ چلچلاتی دھوپ میں پریشان حال، مدینہ سے باہر بھاگے جارہے تھے، حضرت علیؓ نے یہ کیفیت دیکھی تو فرمایا" آپ نے اپنے بعد آنے والوں کو تھکا دیا"۔ایک طرف یہ صورتحال ہے اور دوسری جانب آج کے حکمرانوں کو دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ تو بیت المال کو شیرِ مادر سمجھ کر ہڑپ کرتے رہتے ہیں، سرکاری خرچ پر حج و عمرہ کیا جاتا ہے، غیر ملکی سرکاری دوروں پر اپنے اہل خانہ اور دوستوں کو بھی سرکاری خرچ پر سیر کرائی جاتی ہے۔ چشم فلک نے یہ منظر بھی دیکھا کہ ایک ہالی ووڈ ایکٹریس اقوام متحدہ کی جانب سے سیلاب زدگان کے حالات کا جائزہ لینے کے لیے آئی تو اس وقت کے وزیر اعظم صاحب نے سرکاری خرچ پر بذریعہ ہوائی جہاز اپنے گھر والوں کو وفاقی دار لحکومت میں بلا لیا کہ چلو اس ادا کرہ سے مل لو، بعد میں موقع ملے یا نہ ملے۔ حضرت عمر فاروقؓ کا طرزِ حکمرانی ایسے حکمرانوں منہ پر ایک طمانچہ ہے۔

آپؓ نے شرعی مسائل پر فیصلے دینے کے لیے پہلی بار باقاعدہ دالافتاء قائم کیا، یہ ادارہ شرعی مسائل اور عدالتوں کے مقدمات میں قاضیوں کی مدد کرتا تھا اور فتوے جاری کرتا تھا۔

ملک میں امن امان قائم رکھنے اور لوگوں کو برائیوں سے روکنے کے لیے پولیس کا

محکمہ قائم کیا، یہ محکمہ بازاروں میں ناپ تول کے نظام کو درست رکھتا، شراب نوشی کی بیخ کنی کرتا، سڑکوں کو تجاوزات سے پاک رکھتا۔ سب سے پہلے جیل خانے بھی آپؓ کے دور میں بنائے گئے۔

آپؓ پہلے خلیفہ تھے جنھوں نے قوموں اور قبیلوں کی درست تعداد معلوم کرنے کے لیے مردم شماری کرائی اور اس کا ریکارڈ سنبھالنے کا بھی انتظام کیا۔

اسلامی سکہ بھی سب سے پہلے حضرت عمر فاروقؓ نے ہی جاری کیا۔ اس سے پہلے رومی اور ایرانی سکہ رائج تھے، آپؓ نے ۱۸ ہجری میں ان کی جگہ اسلامی سکہ رائج کیا۔

سن ہجری بھی حضرت عمر فاروقؓ نے جاری کیا۔ آپؓ نے صحابہ کرامؓ سے مشاورت کے بعد پیارے نبی ﷺ کی مکہ سے مدینہ ہجرت سے اسلامی سال کا آغاز کیا، ہجرت ربیع الاول میں ہوئی تھی، صحابہ سے مشورے کے بعد اس سے تقریباً دو ماہ پہلے محرم سے اس کو شروع کیا گیا اور محرم کو ہجری سال کا پہلا مہینہ قرار دیا گیا۔

فوج کا باقاعدہ نظام قائم کیا۔ آپؓ نے باقاعدہ فوجیوں کی باقاعدہ تنخواہیں

مقرر کیں۔ان کا ریکارڈ مرتب کیا گیا، فوجیوں کی بیویوں اور بچوں کا وظیفہ مقرر کیا گیا۔ ملک میں جگہ جگہ سینکڑوں چھاؤنیاں قائم کی گئیں، چھاؤنیوں کے ساتھ بڑے بڑے اصطبل قائم کیے جہاں چار چار ہزار گھوڑے ہر وقت تیار رکھے جاتے۔ ہر فوجی کو یہ حق دیا گیا کہ وہ ہر چار ہنے بعد چھٹی لے کر اہل خانہ سے مل کر آ جائے۔ فوج میں خزانچی، طبیب اور جراح بھی بھرتی کیے جاتے۔ فوجیوں کی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا اور فوجیوں کے لیے قرآن کی تعلیم لازمی قرار دی گئی، فوجیوں کے لیے تعلیمی وظیفہ بھی جاری کیا گیا۔

عام مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے ہر منزل پر چوکیاں اور سرائے قائم کیں، مختلف شہروں میں سرکاری مہمان خانے تعمیر کرائے۔

ملک میں جگہ جگہ نہریں تعمیر کھدوائیں، آبپاشی کے نظام کو بہتر بنایا گا جس سے زراعت نے ترقی کی۔

ملک بے شمار سڑکیں اور پل بنوائے ۔نئے شہر بسائے، تقریباً چار ہزار نئی مساجد تعمیر کرائیں، ان کے ساتھ ساتھ مدارس بھی قائم کیے، اماموں کی باقاعدہ تنخواہیں مقرر کی گئیں۔ مسجدِ نبوی اور حرم کعبہ کو وسیع کیا گیا۔

تعلیم کو عام کرنے اور مسلمانوں میں علمی شعور بیدار کرنے کے لیے جگہ جگہ مدرسے قائم کیے، تعلیم وتربیت کے لیے باقاعدہ اساتذہ مقرر کیے اور ان کی تنخواہیں رکھی گئیں۔آپؓ نے فرمان جاری کیا تھا کہ ہر مسلمان کے لیے سورۃ البقرہ، النساء، المائدہ، الحج اور النور کی تعلیم اور ان کا سیکھنا لازمی ہے۔

۲۳ ہجری ۲۷ ذی الحج کو ایک مجوسی غلام ابو لؤلو فیروز نے ذاتی رنجش کی بِنا پر نمازِ فجر کے وقت ان پر خنجر سے حملہ کرکے آپؓ کو شدید زخمی کردیا، شہادت سے پہلے آپؓ نے اپنے صاحبزادے سے کہا کہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے جاکر کہو کہ عمرؓ آپ کو سلام کہتا ہے اور اپنے دونوں ساتھیوں کے پاس دفن ہونے کی اجازت طلب کرتا ہے۔حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ یہ جگہ میں اپنے لیے رکھی تھی لیکن آج میں عمرؓ کو اپنے سے زیادہ اس جگہ کا حقدار سمجھتی ہوں، حضرت عمرؓ کا معلوم ہوا تو آپؓ نے ان کا شکریہ ادا کیا۔ لیکن اس حالت میں آپؓ کو یہ گمان ہوا کہ ایسا نہ کہ انہوں نے مجھے خلیفہ ہونے کی بنیاد پر یہ اجازت دی ہے اس لیے بیٹے سے کہا جب میں مرجاؤں تو میرا جنازہ اٹھا کر وہاں لے جانا اور حضرت عائشہ کو سلام کرنا اور کہنا کہ عمرؓ بن خطاب آپ سے اجازت طلب کرتا ہے، اگر وہ اجازت دیں تو مجھے اندر جاکر دفن کرنا ورنہ عام قبرستان میں دفن کردینا۔ تین دن بعد یکم محرم ۲۴ہجری کو ان

زخموں کے باعث آپ کی شہادت واقع ہو گئی۔ شہادت کے وقت آپؓ کی عمر مبارک تریسٹھ برس تھی۔ آپؓ کی قبر نبی اکرم ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ کی قبر مبارک کے ساتھ بنائی گئی ہے۔

یہ اسلام نہیں ہے

یہ اسلام نہیں ہے۔ بخدا یہ اسلام نہیں ہے اور نہ یہ اسلام کی تعلیم ہے، نہ ہی اسلام کسی فرد یا مشتعل ہجوم کو یہ حق دیتا ہے کہ کسی بھی فرد پر الزام لگا کر خود ہی مدعی، خود ہی منصف بن کر اسے سزا سنائے اور اس سزا پر عمل درآمد کر گزرے۔ کوٹ رادھا کشن میں ہونے والا اندوہناک سانحہ ہمارے لیے ایک بدنما داغ ہے۔ یہ اسلام کے نام پر اسلام کو بدنام کیا گیا ہے، کس نے لوگوں کو یہ حق دیا ہے کہ وہ کسی غیر مسلم کو توہین قرآن یا توہین مذہب کا الزام لگا کر اسے سزائے موت سنا دے۔

میں وہاں موجود نہیں تھا لیکن مجھے یقین ہے کہ اس ہجوم میں دس فیصد لوگ بھی نماز کی پابندی نہیں کرتے ہونگے، نہ ہی اسلام کی دیگر تعلیمات پر عمل کرتے ہونگے لیکن مذہب کے ٹھیکدار بن کر انھوں نے خونِ ناحق بہا کر ظلم عظیم کیا ہے۔ کوٹ رادھا کشن سے آنے والی خبروں کے مطابق شہزاد مسیح اور اس کی بیوی شمع بی بی یوسف گجر کے اینٹوں بھٹے پر کام کرتے تھے۔ ان کا یوسف گجر سے رقم کی لین دین پر کوئی تنازع پیدا ہوا، جس پر یوسف گجر نے پہلے تو خود انہیں مارا پیٹا، بعد ازاں ان پر مقدس اوراق کی بے حرمتی کا الزام لگا کر

گاؤں والوں کو اکھٹا کیا اور پھر ان بے گناہ میاں بیوی کو مشتعل ہجوم نے پہلے تو مار مار کا ادھ مرا کیا اور پھر انہیں اینٹے پکانے والی بھٹی میں جھونک کر زندہ جلا دیا۔

میں جب جب اس جوڑے کی تصویر دیکھتا ہوں تو دل میں ایک ہوک سی اٹھتی ہے۔ کیا زندگی سے بھرپور جوڑا تھا، لیکن اب نہیں ہے۔ میں جب جب واقعے کی تفصیلات پڑھتا ہوں، تب تب میں ان دونوں میاں بیوی کے آخری لمحات کا تصور کرتا ہوں کہ کس طرح انہوں لوگوں سے زندگی کی بھیک مانگی ہوگی، کیسے گڑگڑائے ہونگے، اپنی بے گناہی کا یقین دلانے کی کوشش کی ہوگی، جب ان کو کمرے میں بند کردیا گیا تھا، وہ آخری لمحات تک یہ سوچتے رہے ہونگے کہ شائد اب یہ معاملہ ختم ہوجائے، شائد لوگوں کے دلوں میں رحم آجائے، شائد پولیس پہنچ کر ان لوگوں کو بچالے، لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا۔ اور میں چشم تصور سے دیکھتا ہوں کہ جب کمرے کی چھت اکھاڑی گئی ہوگی، کس طرح ان دونوں نے ایک دوسرے کو خود سے قریب کرلیا ہوگا، کیسیدونوں جڑ کر کھڑے ہونگے، کس طرح شمع بی بی نے شہزاد کے پیچھے چھپ کر خود کو بچانے کی کوشش کی ہوگی۔ لیکن درندوں کے جسموں میں دل نہیں ہوتا بلکہ محض گوشت کا لوتھڑا ہوتا ہے۔

توہینِ مذہب اور توہین قرآن کے نام پر یہ ظالمانہ کارروائی کرتے لوگوں نے

ایک بار بھی نہیں سوچا کہ جس قرآن کی حرمت کے نام پر یہ دو انسانوں کو زندہ جلا رہے ہیں، اس قرآن میں رب کائنات نے انسانی جان کی کیا حرمت بیان کی ہے؟ جس رسول پاک ﷺ کے نام پر یہ لوگ دو بغیر سوچے سمجھے دو بے گناہوں کو موت کے گھاٹ اتار رہے تھے ، انہوں نے خون ناحق کرنے والوں کو کس دردناک عذاب کی وعید سنائی ہے؟ قرآن پاک اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ''''جو کوئی قتل کرے ایک جان کو بلا عوض جان یا بغیر فساد کے ملک میں تو گویا قتل کر ڈالا اس نے سب لوگوں کو اور جس نے زندہ رکھا ایک جان کو تو گویا زندہ رکھا سب لوگوں کو۔'' (المائدہ: ۳۲) قتلِ نفس کا ارتکاب نہ کرو جسے اللہ نے حرام کیا ہے، مگر حق کے ساتھ۔ اور جو شخص'' مظلومانہ قتل کیا گیا ہو اس کے ولی کو ہم نے قصاص کے مطالبے کا حق عطا کیا ہے، پس چاہیے کہ وہ قتل میں حد سے نہ گزرے، اُس کی مدد کی جائے گی۔'' (بنی اسرائیل: ۳۳)

کلام پاک کی ان دونوں آیتوں کو سامنے رکھیں، ان کی تفسیر میں علما بیان کرتے ہیں کہ قتل ناحق صرف مسلمان کا قتل نہیں بلکہ کسی غیر مسلم کو بھی ناحق قتل کرنے کا کسی کو حق نہیں پہنچتا۔ اور جو شخص ناحق قتل کیا جائے ،ااسلام نے اس کے ورثا کو یہ حق دیا ہے کہ وہ ظلم کی چارہ جوئی کے لئے آواز

اٹھائیں اور مسلم حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ مظلوم کی داد رسی کرے۔اسی طرح قصاص اور دیت کا جو معاملہ ہے اس میں بھی صرف مسلم کے خون کی قصاص نہیں بلکہ ذمی اور معاہد کے ورثا کو بھی قصاص لینے کا حق ہے۔نبی اکرم ﷺ کی حدیث مبارکہ کا مفہوم ہے کہ ''قیامت کے دن سب سے پہلے جس مقدمہ کا فیصلہ ہوگا وہ خون کا مقدمہ ہو گا۔''اس حدیث پاک سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ رب العالمین کے نزدیک انسانی جان کی حرمت کس قدر ہے، لیکن افسوس کہ توہینِ قرآن کے نام پر دو بے گناہوں کی جان لینے والے قرآن کی تعلیمات سے واقف ہی نہیں ہیں۔

ایک طرف تو یہ دینی تعلیمات اور دین سے دوری کا نتیجہ ہے کہ لوگ فوری طور پر بغیر سوچے سمجھے ایسے ظالمانہ اور مکروہ کام کر گزرتے ہیں، دوسری جانب یہ قانون کی بالادستی نہ ہونے کا بھی ثبوت ہے۔اگر حکومت مجرموں کو سزا نہ دلا سکے، جب قانون برائے فروخت بن جائے، جب امیر کے لیے ایک اور غریب کے لیے دوسرا قانون ہو، سزا اور قانون کا خوف نہ ہو، تب ایسے ہی واقعات جنم لیتے ہیں، ملک بھر کے مختلف شہروں میں روزانہ قتل کے درجنوں واقعات ہوتے ہیں، غیرت کے نام پر بیٹیوں، بہنوں اور بیویوں کو قتل کردیا جاتاہے، گاؤں دیہات میں خاندانی دشمنیوں کی بنیاد پر عورتوں کی بے حرمتی اور عصمت دری کردی جاتی ہے، عزت ماب خواتین کو برہنہ کرکے بازاروں میں گھمایا جاتاہے

کم عمر بچیوں اور بچوں کو زیادتی کے بعد شناخت ظاہر ہونے کے خوف سے قتل کر دیا جاتا ہے لیکن اول تو مجرم پکڑے نہیں جاتے، اگر پکڑے بھی جائیں تو سزا نہیں ہو پاتی، اگر کوئی عدالت سزا سنا بھی دے تو اس کے خلاف اپیل دائر کر دی جاتی ہے۔ یعنی مجرم ہر لحاظ سے محفوظ ہوتا۔ اسی لیے پھر ایسے واقعات رونما ہوتے ہیں۔ اب یہ حکومت کے لیے ایک ٹیسٹ کیس ہے۔ وہ اس کو ایک مثال کے طور پر پیش کرے اور اس واقعے کے مرکزی ملزمان کو جلد از جلد عبرت ناک سزا سنائے اور اس پر عمل درآمد بھی کیا جائے۔ ان مجرموں کا مقدمہ عام عدالت کے بجائے انسدادِ دہشت گردی کی عدالتوں میں چلایا جائے۔ مجرموں کو سرِ عام پھانسی دی جائے تاکہ دوسروں کو عبرت حاصل ہو۔

اس کے ساتھ ساتھ ہم یہ بھی کہنا چاہتے ہیں کہ اس واقعے کی آڑ میں توہین رسالت کے قانون کو نشانہ بنانے کی کوشش نہ کی جائے، کیوں کہ اس واقعے کا تعلق کسی بھی طرح اس قانون سے نہیں ہے بلکہ یہ تو لاقانونیت ہے۔ اس اندوہناک سانحے کی آڑ میں ایک بار پھر توہینِ رسالت کے قانون کو ہدفِ تنقید بنایا جا رہا ہے۔ حالانکہ اس قانون کے تحت مجرموں نے یہ کارروائی کی ہے اور نہ ہی کسی بھی مکتبہ فکر کے علما نے انہیں اس کی اجازت دی تھی بلکہ انہوں نے اپنی جہالت کے باعث یہ شرمناک عمل کیا ہے۔ اس لیے اس واقعے کو مذہب سے نہ جوڑا جائے۔ ایک بار پھر حکومت سے یہ اپیل کریں گے کہ اس واقعے کو مجرموں کو جلد

از جلد سخت سے سخت سزا دی جائے تاکہ ایسے واقعات کی روک تھام ہو سکے۔
یہ اسلام نہیں ہے۔ بخدا یہ اسلام نہیں ہے اور نہ یہ اسلام کی تعلیم ہے، نہ ہی اسلام کسی
فرد یا مشتعل ہجوم کو یہ حق دیتا ہے کہ کسی بھی فرد پر الزام لگا کر خود ہی مدعی، خود ہی
منصف بن کر اسے سزا سنائے اور اس سزا پر عمل درآمد گزرے۔ یہ اسلام کے نام پر
اسلام کو بدنام کیا گیا ہے۔

سقوطِ ڈھاکہ اور نظروں سے اوجھل حقائق

16 دسمبر ہماری تاریخ کا وہ سیاہ ترین باب جب ہمارا شرقی بازو ہم سے جدا ہوا۔اس سانحے کے حوالے سے آج تک حقائق منظرِ عام پر نہیں آ سکے ہیں، اس سے بڑی ستم ظریفی اور کیا ہوگی کہ جن لوگوں نے وہاں پاکستانی فوج کے ساتھ مل کر تحفظِ پاکستان کی جنگ لڑی انہیں موجودہ پاکستان میں دہشت گرد، تخریب کار، قاتل وغیرہ کہا گیا جب کہ بنگلہ دیش میں انہیں غدار کہا جاتا رہا۔اس سانحے کے بیالیس سال بعد وقت نے گواہی دی کہ وہی لوگ سچے تھے، انہی لوگوں نے وطن کی خاطر جانیں قربان کی تھیں۔ لسانیت کا پرچار کرنے والوں نے ہمیشہ وطن کا دفاع کرنے والوں کو دہشت گرد کہا تاکہ خدانخواستہ اگر دوبارہ علیحدگی کی کوئی تحریک چلائی جائے تو عوام میں اس کے خلاف کوئی مزاحمت نہ پیدا ہو سکے، یہاں ان کو غدار، دہشت گرد، بنگالیوں کا قاتل کہا جاتا رہا اور چالیس سال بعد بنگلہ دیش کی قوم پرست حکومت نے دفاع وطن میں ہراول دستے کا کردار ادا کرنے والوں کو یہ کہہ کر گرفتار کرنا شروع کیا کہ " ان لوگوں نے بنگلہ دیش کی آزادی کے خلاف پاکستانی فوج کا ساتھ دیا تھا" یہ لوگ اس وقت بنگلہ دیش کے بجائے پاکستان کے ساتھ تھے، "۔پاکستان سے محبت کے جرم میں ملا عبدالقادر کو پھانسی دے کر شہید کیا گیا، پروفیسر غلام

اعظم کو 90 سال کی عمر میں عمر قید کی سزا سنائی گئی اور قید کے دوران ہی اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ ان دونوں شہداء کے جنازے ان کی سچائی اور بے گناہی کے ثبوت کے لیے کافی ہیں۔ مطیع الرحمٰن نظامی اور ان جیسے درجنوں لوگوں کو بھی سزائے موت سنائی جا چکی ہے اور وہ لوگ اس وقت بھی بنگلہ دیش کی جیلوں میں صبر و استقامت کے ساتھ پاکستان سے محبت کے جرم کی سزا کاٹ رہے ہیں۔

২৩ মার্চ ১৯৭১, ৩২ নং ধানমণ্ডির বাড়িতে উৎফুল্ল জনতার মাঝে স্বাধীন বাংলার পতাকা তুলে ধরলেন বঙ্গবন্ধু
Bangabandhu raises the flag of independent Bangladesh before the jubilant crowd at Road 32 — 23 March 1971

شیخ مجیب 23مارچ 1971کو آزاد بنگلہ دیش کا پرچم لہراتے ہوئے۔

کہا جاتا ہے کہ گھر کی گواہی ہی سب سے زیادہ معتبر گواہی

ہوتی ہے۔ سقوطِ ڈھاکہ کے حوالے سے ہم آج یہاں ایسے ہی گھر کے ایک بھیدی کی گواہی پیش کریں گے۔ لیفٹننٹ کرنل (ر) شریف الحق دالیم پاکستان آرمی کے ان افسران کے لیڈر تھے جو سب سے پہلے پاکستان سے بھاگ کر بھارت چلے گئے تھے۔ان کی کتاب ”پاکستان سے بنگلہ دیش۔ان کہی جدو جہد“ میں انہوں نے اس حوالے سے کئی چشم کشا انکشافات کیے ہیں۔یہاں یہ بات بھی واضح رہنی چاہیے کہ سقوطِ ڈھاکہ کا سانحہ دسمبر1971 کو پیش آیا جب کہ علیحدگی کی تحریک تو 1968 میں ہی اگرتلہ سازش کے ذریعے شروع ہوچکی تھی، عام بنگالی پاکستان کے ساتھ رہنا چاہتے تھے لیکن قوم پرست جماعتیں اور گروہ بھارتی شہہ پر علیحدگی کی راہ پر چل پڑے تھے اور بنگلہ دیش میں سول نافرمانی شروع ہوچکی تھی۔

بات ہورہی تھی شریف الحق دالیم کی۔ 25مارچ 1971 کو پاکستان آرمی نے بغاوت کو کچلنے کے لیے آرمی آپریشن شروع کیا۔ دوروزہ آپریشن کے بعد بظاہر تو حالات پُر سکون ہوگئے لیکن در حقیقت لاوا پھٹ پڑا تھا اور اب کھلے عام بغاوت شروع ہوچکی تھی۔ پاکستان آرمی کی عملداری صرف ڈھاکہ چھاؤنی اور اس کے ارد گرد کے علاقوں تک محدود تھی جب کہ دیگر شہروں میں مسلح بغاوت پھیل گئی تھی۔بقول کرنل عثمانی ” 25 مارچ کی رات کی وحشیانہ کارروائی کے بعد ایسٹ بنگال رجمنٹوں، ای پی آر، پولیس اور انصار اور مجاہد فورس کے بہادر اور دلیر بنگالی ممبران نے اس کھلم کھلا تشدد اور نسل کشی کے خلاف بغاوت کردی مسلح

مزاحمتی جدوجہد میں کود پڑے۔ وہ ریڈیو پر میجر ضیاء (سابق بنگلہ دیشی وزیر اعظم خالدہ ضیا کے خاوند بعد ازاں میجر ضیاالرحمٰن نے مجیب حکومت کا تختہ پلٹا) کی للکار کے جواب میں اسلحہ اٹھا کر میدان میں آ گئے۔۔۔۔ اس طرح آزادی کی یہ جنگ شروع ہوئی، شروع میں یہ معرکے رسمی انداز میں لڑے گئے۔۔۔۔۔ پالیسی یہ تھی کہ ان پاک فوج) کے راستے میں جس قدر ہو سکے رکاوٹیں کھڑی کی جائیں۔۔۔۔۔۔۔ چٹاگانگ، کومیلا، جیسور،) سلہٹ، راج شاہی، دیناج پور، رنگ پور، نواکھلی اور ملک کے دوسرے حصوں میں اسی طرح سے جنگیں لڑی گئیں۔'' (حوالہ: پاکستان سے بنگلہ دیش از شریف الحق دالیم۔ صفحہ 181

مسٹر تاج الدین پہلے عبوری وزیر اعظم کی حیثیت سے گارڈ آف آنر لیتے ہوئے، پیچھے کرنل عثمانی نمایاں ہیں۔

یہ تصویر کا ایک رخ ہے جو ہماری نظروں سے اوجھل ہی رہتا ہے۔مشرقی پاکستان میں مسلح بغاوت شروع ہوچکی تھی اور مغربی پاکستان میں موجود بنگالی افسران میں سے کئی ایک ان جنگ میں شریک ہونے کے لیے بے تاب تھے جیسا کہ شریف الحق دالیم نے اپنی کتاب میں کئی بنگالی افسران کا ذکر کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اپنے فرا ر اور پاکستان آرمی کو نقصان پہنچانے کے لیے انہوں نے کئی منصوبے بنائے تھے اور بنگالی افسران سے ان کا ذکر بھی کیا تھا۔لیفٹنٹ کرنل شریف الحق دالیم نے مارچ کے اوائل سے ہی بغاوت کا منصوبہ بنا رکھا تھا، 25مارچ کے بعد انہوں نے اس پر عمل درآمد شروع کیا،15اپریل کو انہوں نے فرار کے منصوبے کا آغاز کیا اور 16اپریل کو وہ سرحدی قصبے ہارون آباد کے راستے سے بھارتی سرحدی علاقے سری کرن میں پہنچ چکے تھے۔ 17اپریل کو وہ راجستھان کے شہر سری گنگا نگر میں تھے ، 18 اپریل کو وہ لوگ دہلی پہنچے اور 20 اپریل کو انہوں نے خود کو بھارتی حکام کے حوالے کردیا۔ وہاں ان سے تفتیش کی گئی ، جس میں انہوں نے اہم ملکی اور فوجی راز بھارتی حکام کو بتائے ۔(پائلٹ آفیسر مطیع الرحمن نے 20اگست 1971کو طیارہ اغوا کرنے کی کوشش کررہے تھے۔)

مارچ کے فوجی آپریشن کے 21دن بعدبعد عوامی لیگ اور بھارتی حکومت نے گٹھ25

جوڑ کرکے بنگلہ دیش کی آزادی کا اعلان کردیا، اس کا آغاز کلکتہ میں پاکستانی مشن نے بغاوت کردی اور پاکستانی حکومت سے منحرف ہوکر انھوں نے پاکستانی مشن پر بنگلہ دیش کا پرچم لہرا دیا۔ اس طرح بنگلہ دیش کی پہلی عبوری حکومت قائم کی گئی، کلکتہ میں پارک سرکس، 58 بالی گنج میں عبوری حکومت کا سیکریٹریٹ قائم کیا گیا جسے مجیب نگر کا نام دیا گیا، عبوری حکومت کے وزیر اعظم تاج الدین احمد، وزیر خارجہ کھنڈ کر مشتاق تھے جب کہ کرنل عثمانی اس کے کمانڈر انچیف تھے۔ یہاں بات پھر ذہن نشین رہے کہ ابھی دسمبر کا معرکہ شروع نہیں ہوا ہے، یہاں بنگلہ دیش کی عبوری حکومت بھی قائم ہوچکی تھی جس کو بھارت نے تسلیم بھی کرلیا تھا۔ جولائی 1971 میں برطانوی ارکان پارلیمنٹ کے وفد نے بھی اس عبوری حکومت کے ارکان سے ملاقات کی ۔ نہ صرف یہ بلکہ بھارتی حکومت نے تو اس عبوری حکومت کے ساتھ 25 سالہ ''ہند بنگلہ دیش تعاون، دوستی، اور امن معاہدہ'' بھی کرلیا تھا۔ 8 جولائی 1971 کو پاکستان آرمی کے بھگوڑوں اور مسلح باغیوں پر مشتمل فوج کے کمانڈروں کا اجلاس بھی مجیب نگر میں طلب کرلیا۔ اس اجلاس میں لیفٹیننٹ کرنل ایم اے رب چیف آف اسٹاف اور گروپ کیپٹن اے کے کھنڈ کر کو ڈپٹی چیف آف اسٹاف مقرر کیا گیا۔ (واضح رہے کہ البدر کی تشکیل 21 مئی 1971 کو کی گئی تھی جب کہ مسلح بغاوت اور آزاد بنگلہ دیش کی عبوری حکومت 17 اپریل 1971 کو قائم ہوچکی تھی)

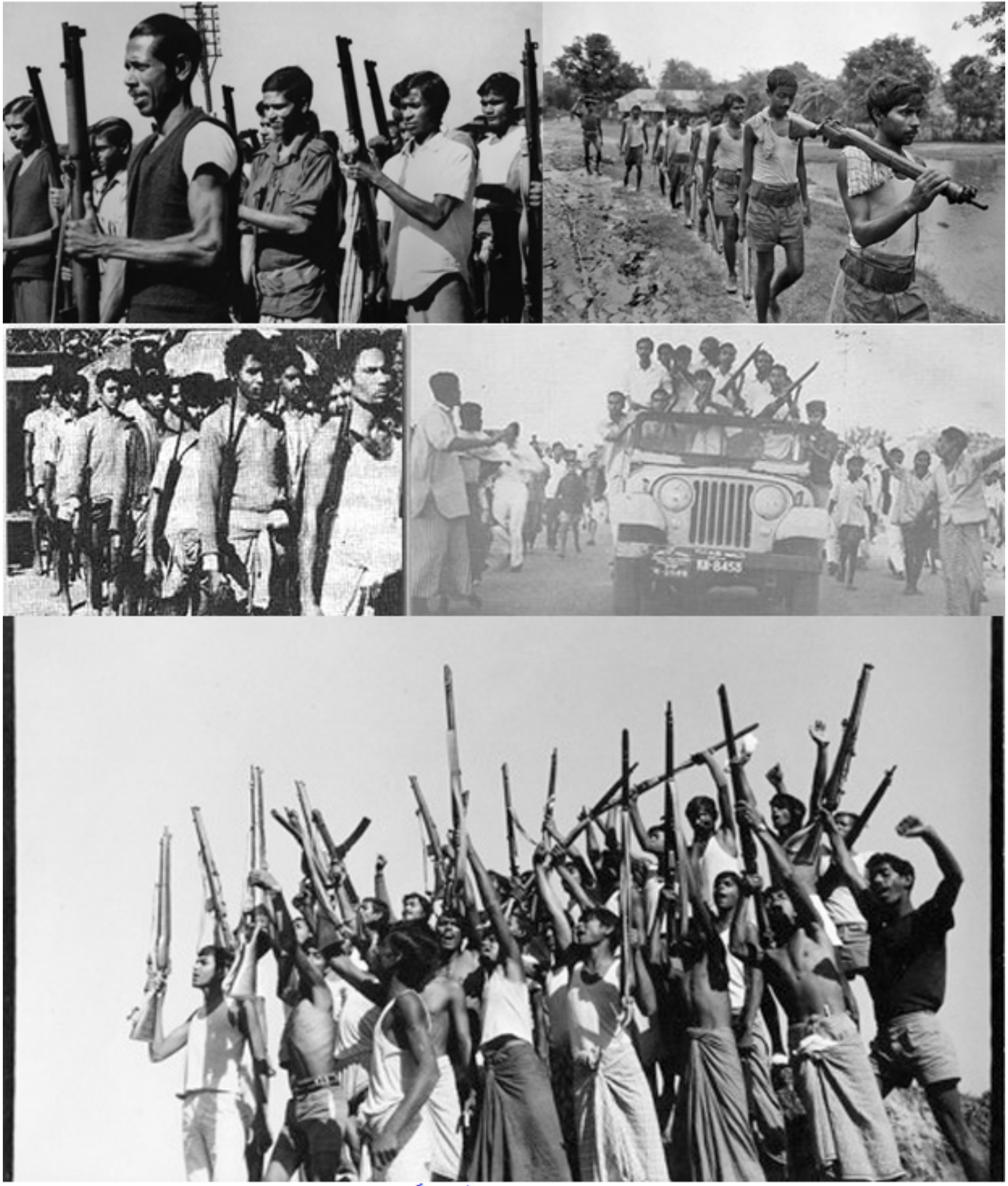

مکتی باہنی جا مسلح جنگجو

یہ تو انتظامی امور تھے، اب زرا عسکری امور اور ان کی کارروائیوں کا جائزہ لیتے ہیں۔8جولائی کو ہونے والی کمانڈرز کانفرنس کے بعد جنگی حکمت عملی کے نمایا نکات درج ذیل تھے۔

گوریلا جنگ کے اہداف:(الف) دشمن کے ساتھ تمام سمتوں سے لڑنے کے لیے بنگلہ دیش کے اندر انتہائی موزوں طریقوں اور راستوں سے گوریلوں کی ایک بڑی تعداد کو داخل کرنے کے انتظامات کرنے ہونگے۔
ب) کسی بھی صنعت کو چلنے نہیں دیا جائے گا، پاور اسٹیشن، سب اسٹیشنوں اور)

برقی تنصیبات کو تباہ کرنا ہوگا۔
ج) کسی بھی قسم کے خام مال یا تیار شدہ اشیا کی برآمد کو مکمل طور پر روکنا ہوگا،)
تمام گوداموں کو تباہ کرنا ہوگا۔
د) تمام قسم کے ذرائع مواصلات اور ذرائع آمد و رفت مثلاً سڑکیں، ریلوے لائینں،)
دریائی ذرائع آمد و رفت اور ریل وغیرہ کو مکمل تباہ کرنا ہونگے تاکہ دشمن رسد کی
لائن کو قائم نہ رکھ سکے۔
ہ) جنگی حکمتِ عملی کو اس طرح ترتیب دیا جانا چاہیے کہ دشمن مختلف علاقوں میں گھر)
کر رہ جائے
و) گوریلا دستوں کو لوگوں میں اس طرح گھل مل کر رہنے کی تربیت دی جائے جس)
طرح مچھلی پانی میں رہتی ہے اور دشمن کو نیست و نابود کرنے کے لیے ہر طرف سے
اس پر حملے کیے جانے چاہیئں۔
ز) پورے میدانِ جنگ کو گیارہ سیکٹروں میں تقسیم کیا گیا تھا اور ہر سیکٹر کو مزید سب)
سیکٹروں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ ہر سیکٹر میں ایک سیکٹر کمانڈر اور سیکٹر ہیڈ کوارٹرز تھا۔
(حوالہ: پاکستان سے بنگلہ دیش از شریف الحق دالیم۔ صفحہ 208)

مسلح خواتین فائٹرز

اب ہم ان گیارہ سیکٹرز کی افرادی قوت کا جائزہ لیتے ہیں۔

سیکٹر نمبر ۱: فوجیوں کی کل تعداد: 2100 + 20,000 مسلح جنگجو (گوریلے) کل تعداد: 22,100

سیکٹر نمبر ۲: فوجیوں کی تعداد: 4000 + 30,000 مسلح جنگجو (گوریلے) کل تعداد : 34,000

سیکٹر نمبر ۳: 10,000 مسلح جنگجو (گوریلے) کل تعداد 10,000

سیکٹر نمبر ۴: فوجیوں کی تعداد: 3000 + 12,000 مسلح جنگجو (گوریلے) کل تعداد: 15,000

سیکٹر ۵: فوجیوں کی تعداد: 800 + 6000 مسلح جنگجو (گوریلے) کل تعداد: 6,800

سیکٹر: ۶ فوجیوں کی تعداد: 1200 + 6000 مسلح جنگجو (گوریلے) کل تعداد

7,200

سیکٹر۷: فوجیوں کی تعداد: 8000 + 4000 مسلح جنگجو (گوریلے) کل تعداد

12,000

سیکٹر۸: فوجیوں کی تعداد: 3000 + 8000 مسلح جنگجو (گوریلے) کل تعداد

11,000

سیکٹر۹ : فوجیوں کی تعداد: 1500 + 15,000 مسلح جنگجو (گوریلے) کل تعداد

16,500

سیکٹر۱۰ :اس سیکٹر کی کوئی جغرافیائی حدود نہیں تھیں

سیکٹر۱۱: فوجیوں کی تعداد: 25,000 مسلح جنگجو (گوریلے) کل تعداد25,000

(حوالہ: پاکستان سے بنگلہ دیش از شریف الحق دالیم۔ صفحہ 208,209,210)

ان تمام سیکٹرز کی مجموعی تعداد بنتی ہے۔ 159600 جبکہ بعد میں باقاعدہ جنگ میں پانچ لاکھ بھارتی فوج الگ ہے۔ان سب کے مقابلے میں پاکستان آرمی کی تعداد کتنی تھی؟؟؟؟ نوے ہزار فوجی

مکتی باہنی کے نرغے میں محب وطن پاکستانی جن کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہے اور سینوں پر پاکستانی پرچم چسپاں کیا گیا ہے۔(ایسے ہزاروں لوگوں کو مکتی باہنی نے شہید کردیا)

ان تمام حقائق کو سامنے رکھیں ، حالات و واقعات کو تجزیہ کریں اور پھر سوچیں اگر آپ کے سامنے ایسی صورتحال پیش آتی ، توکیا آپ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے یا دفاع وطن کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے؟ اپنی فوج کو دشمنوں سے اکیلے نبردآزما ہونے دیتے یا اس کے دست و بازو بنتے؟ یقیناً آپ لوگوں کا جواب یہی ہوگا کہ ہم دفاع وطن کے لیے اٹھ کھڑے ہونگے، اپنی فوج کے دست و بازو بنیں گے۔ ایسا ہی ہے نا؟

برطانوی ارکان پارلیمنٹ کا وفد عبوری بنگلہ دیشی حکومت سے ملتے ہوئے۔

تو پھر سوچیں کہ اگر اسلامی جمعیت طلبہ اور جماعت اسلامی نے اس کٹھن صورتحال اور مشکل حالات میں پاکستان فوج کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا تو کیا یہ فیصلہ غلط تھا؟ اگر انہوں نے مسلح باغیوں کا ساتھ دینے کے بجائے ان کے خلاف جنگ میں حصہ لیا تو کیا ان کا یہ فیصلہ درست نہیں تھا؟ اگر انہوں نے دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت کودو لخت ہونے سے بچانے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگادی تو کیا یہ دہشت گردی تھی؟البدر اور الشمس کے رضاکاران محب وطن بنگالی تھے جنہوں نے دفاع وطن کا فریضہ سر انجام دیتے ہوئے بدر و احد کے معرکوں کی یاد تازہ کردی تھی۔ آج بنگلہ دیش میں تو ان کو پاکستان سے محبت

اور بنگلہ دیش کی آزادی کے خلاف کام کرنے پر مجرم ٹھہرایا جارہا ہے، ان کو سزائے موت سنائی جارہی ہے اور پاکستان میں انہیں دہشت گرد اور مجرم اور بے گناہوں کا قاتل کہا جارہا ہے۔ البدر و الشمس کے رضاکار نہ کل کسی صلے اور ستائش کے متمنی تھی اور نہ آج ہی انہیں کسی میڈل کی ضرورت ہے ہاں لیکن اتنا تو ضرور کیجیے کہ ان کے حق میں آواز تو اٹھایئے، جب کوئی کہے کہ یہ غدار اور دہشت گرد تھے تو زرا جرات مندی سے ان کا دفاع تو کریں، ایسا کرنے سے البدر کے مجاہدین کو کوئی فرق نہیں پڑے گا لیکن میرا اور آپ کا ضمیر مطمئن رہے گا، اور خدانخواستہ کل کو اگر پاکستان میں دوبارہ کوئی ایسی سازش شروع کی گئی تو لوگ ان کے عمل کو مشعل راہ بنا کر دفاع وطن کا فریضہ سر انجام دیں گے۔

معصوم شہیدوں کے خون کو رائیگاں نہ جانے دیں

سانحہ پشاور میں شہید ہونے والے معصوم بچوں نے اپنا لہو دیکر قوم کو متحد کر دیا ہے۔ اس دلدوز سانحے کی ہر جانب سے مذمت کی گئی اور قاتلوں کے لیے سخت ترین سزاؤں کا مطالبہ کیا گیا۔ یہ بات درست بھی ہے کیوں کہ جب تک مجرموں کو سزا نہ ملے ، وہ اپنے انجام کو نہ پہنچیں اس وقت تک امن قائم نہیں ہو سکتا اور نہ ہی جرائم کی بیخ کنی ہو سکتی ہے۔ دیکھیں ایک سیدھی سی بات ہے کہ جب ایک فرد کسی کا موبائل چھین لے، پولیس اسے گرفتار کرے اور معمولی سزا دیکر یا رشوت لیکر چھوڑ دے تو جانتے ہیں کیا ہوگا؟؟ اس موبائل چور کے دیگر دوست یار بھی یہ سوچیں کہ یہ تو بڑا آسان کام ہے، موبائل چھینو، بیچو اور پیسے کماؤ اگر پولیس پکڑ لے تو رشوت دو اور چھوٹ جاؤ ورنہ دو چار مہینے جیل میں گزارو اور پھر واپس آ جاؤ، اس کے برعکس اگر اسے فرد کو کڑی سزا دی جائے اور اسے نشانِ عبرت بنا دیا جائے تو کئی ایسے لوگ جن کے دماغ میں موبائل چوری کا کیڑا کلبلا رہا ہوگا وہ اپنی موت آپ مر جائے گا۔ یہی معاملہ قتل کا ہے جب تک قاتلوں کو سزائے موت نہ دی جائے تب تک قتل کے واقعات میں کمی نہیں آ سکتی۔ میں تو یہاں تک کہوں گا کہ ایسے مجرموں کو سزائے موت جیل کی چار دیواری کے بجائے کھلے میدان میں سرِعام دی جائے تاکہ لوگوں کو عبرت ہو۔ صد شکر کہ شہید طلبا وطالبات و

اساتذہ کی قربانی سے یہ فائدہ تو ہوا کہ یورپی یونین کے خوف سے سزائے موت پر لگائی گئی پابندی ہٹا لی گئی اور ابھی تک چھے مجرموں کو پھانسی پر لٹکا دیا گیا ہے۔

لیکن دوستو! اس واقعے کی آڑ میں میڈیا اور لبرل طبقے نے مدارس اور علما کے خلاف جو محاذ کھولا ہے وہ بھی درست نہیں ہے۔ اگر طالبان انتہا پسند ہیں تو لبرل، سیکولر طبقے کا یہ رویہ بھی انتہا پسندی ہی ہے۔ مولانا عبدالعزیز ایک جذباتی فرد ہیں اور اس سانحے سے قبل انھوں نے دو ٹی وی انٹریوز میں انتہا پسندانہ خیالات کا اظہار کیا، لیکن سانحہ پشاور کی تو انھوں نے بھی مذمت کی، اس کو پسند تو انھوں نے بھی نہیں کیا۔ پھر ان کے خلاف محاذ کھولنا، وہاں مظاہرے کرنا کس حد تک درست ہے۔ لبرل سیکولر طبقے کی انتہا پسندی اور تعصب کا یہ حال ہے کہ گزشتہ روز جماعت اسلامی کراچی کے دفتر کے باہر بھی مظاہرہ کیا گیا اور مطالبہ کیا گیا کہ جماعت اسلامی اس سانحے کی مذمت کرے۔ حالانکہ کہ جماعت اسلامی نے اس سانحے کی نہ صرف پُرزور مذمت کی بلکہ قاتلوں کے خلاف سخت ترین کارروائی کی سفارش کی، سانحے کے فوری بعد ہونے والے اجلاس میں امیر جماعت اسلامی سراج الحق اس سانحے کے ذمہ داران کے خلاف قوم کے ساتھ کھڑے ہوئے اور ہر معاملے ہر قوم کا ساتھ دینے کا اعلان کیا۔ نہ صرف یہ بلکہ انھوں نے تو پھانسی کی سزاؤں پر عملدرآمد کو بھی خوش

آئند قرار دیا۔ یہ ساری باتیں اخبارات اور میڈیا میں شائع ہوچکی ہیں لیکن اس کے باوجود اس موقع پر جماعت اسلامی کے خلاف مظاہرہ کرنا دراصل قومی یکجہتی کو پارہ پارہ کرنے کی مذموم کوشش اور لبرل سیکولر طبقے کا تعصب اور تنگ نظری ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ انتہا پسندی چاہے کسی کی بھی جانب سے ہو اس کا خاتمہ ہونا چاہیے، لیکن افسوس کا مقام ہے کہ اس واقعے کی آڑ میں صرف مذہبی اور دین جماعتوں کو نشانہ بنایا جارہا ہے۔ اگر اس رجحان کا خاتمہ نہ ہوا تو یاد رکھیں کہ ان معصوم بچوں کا خون رائیگاں جائے گا اور قومی اتحاد اور یکجہتی کی جو فضا قائم ہوئی ہے وہ ختم ہوجائے گی اور قوم ایک بار پھر منتشر ہوجائے گی۔ اس لیے خدارا قوم کے اتحاد اور یکجہتی کو توڑنے کی کوشش نہ کریں۔

جن سے مل کر زندگی سے پیار ہو جائے

2 جون 2014 کو اخبار کے دفتر جاتے ہوئے موبائل فون کی گھنٹی بجی، دفتر کے ایک ساتھی کا فون تھا، میں نے جیسے ہی فون آن کیا ان کا پہلا سوال تھا کہ ''سلیم بھائی پاکستان ٹور پر گئے ہوئے لوگوں کے حوالے سے کیا خبریں ہیں ؟ کوئی حادثہ ہوگیا ہے کیا؟ میں نے اپنی لاعلمی کا اظہار تو انہوں نے کہا کہ آپ معلوم کریں کچھ ایسی اطلاعات آرہی ہیں۔اتنی بات کرکے انہوں نے فون بند کردیا لیکن میرے دل میں وسوسے اٹھنے لگے اور دل ہی دل میں دعائیں مانگتے ہوئے میں نے شجیع بھائی کا نمبر ڈائل کیا لیکن کسی نے فون نہیں اٹھایا، تین چار بار کوشش کے بعد نعمان حمید اور صہیب بھائی کا نمبر ملایا لیکن نتیجہ وہی رہا۔اتنے میں ایک اور دوست کا فون آیا اور اس نے بھی مجھ سے حادثے کے متعلق دریافت کیا، میں نے کہا مجھے کچھ پتا نہیں ہے، ہوا کیا ہے؟، دوست نے کہاچینلز پر خبر چل رہی ہے کہ شجیع بھائی دریا میں ڈوب گئے ہیں ۔اُس کا جواب سن کر میرے اوسان خطا ہوگئے ، ایسا حادثہ ہوگا یہ تو میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔

نصرا للہ خان شجیع بہادری و شجاعت کا پیکر تھے، وہ اسم بامسمیٰ تھے ۔میری نصر اللہ بھائی سے پہلی ملاقات غالباً 1997 میں ہوئی تھی جب وہ ناظم کراچی تھے اور میں جمعیت کا رفیق تھا۔ ہمارے ناظم صاحب ناصر اشفاق بھائی نے ناظم کراچی سے انفرادی ملاقات کی پروگرام رکھا تھا ۔ اس ملاقات میں نصر اللہ بھائی سے میری پہلی باقاعدہ ملاقات ہوئی تھی۔اس ملاقات میں انہوں نے میری نمازوں ، مطالعہ قرآن ، مطالعہ حدیث اور جمیعت کے پروگرامات میں شرکت کے حوالے سے بات چیت کی۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے تعلق باللہ اور اجتماعیت کے ساتھ جڑنے کے حوالے سے مفید مشورے دیئے۔ انفرادی ملاقات کے بعد ناظم صاحب کے ساتھ ناشتہ کیا گیا۔نصراللہ بھائی یہ سے انفرادی ملاقات اور ان کے ساتھ ناشتہ میرے لیے ویسے بھی اعزاز کی بات تھی اور نصرا للہ بھائی کی شہادت کے بعد تو یہ لمحات اب زندگی کا سرمایہ محسوس ہوتے ہیں۔

اس ملاقات کے بعد نصر اللہ بھائی سے کبھی براہ راست ملاقات نہیں ہوئی ۔ نصرا للہ بھائی
صوبائی اسمبلی کے ممبر بھی بنے، جلسے جلوسوں کی قیادت بھی کرتے رہے، کم و بیش گیارہ
میں میرا تبادلہ ہوا۔ نصر اللہ بھائی بھی VIII بارہ سال بعد عثمان پبلک اسکول کیمپس
میں ہوتے تھے۔ میرا خیال تھا کہ جب میں ان کے پاس جاؤں گا تو وہ مجھے VIII کیمپس
پہچان نہیں پائیں گے، ایک تو اتنا عرصہ گذر گیا اور پھر نصر اللہ بھائی سابق ممبر صوبائی
اسمبلی اور انتہائی مصروف انسان ہیں ، انہیں بھلا یہ مختصر سی ملاقات کہاں یاد رہی ہو گی؟
پہنچا اور نصر اللہ بھائی سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے مجھے VIII لیکن جب میں کیمپس
دیکھتے ہیں اپنی مخصوص بھاری بھرکم آواز میں نعرہ بلند کیا" سائیں چھا حال آ ہے ؟"
معلوم ہوا کہ شجیع بھائی کو وہ مختصر ملاقات ابھی تک یاد تھی۔

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم

یہ مرحلہ تو گذر گیا اب ایک دوسرا مسئلہ درپیش تھا کہ مجھے ہنسی مذاق کی عادت ہے اور
میں آفس میں لطیفہ سناتا رہتا ہوں لیکن نصر اللہ بھائی کے خوف سے سہما سہما رہتا ، یہی
سوچتا کہ ان کو میری کوئی بات بری نہ لگ جائے لیکن چند دنوں میں ہی مجھے محسوس ہوا
کہ اسمبلی کی رکنیت نے ان کے مزاج پر کوئی اثر نہیں ڈالا تھا اور نہ ہی ان کی گردن میں
وہ مخصوص سریا جو کہ عموماً

ہمارے معمولی سے یونین یونسلر کی بھی گردن میں فٹ ہوتا ہے۔ نصراللہ بھائی انتہائی محبت ، خلوص اور خوش اخلاقی سے ہم لوگوں سے ملتے اور محسوس ہی نہیں ہوتا کہ ہمارے درمیان بیٹھنے والا یہ فرد قومی سطح کا انتہائی اہم رہنما ہے۔

آفس میں چائے کے وقفے میں سب لوگ کچھ رقم ملا کر کوئی نہ کوئی چیز منگواتے کبھی پیٹیز، کبھی بسکٹ، کبھی پراٹھا وغیرہ۔ مجھے کہا گیا کہ آپ بھی اس میں حصہ ملائیں اور اس کام کی ذمہ داری بھی آپ کی ہی ہوگی کہ روزانہ سب سے رقم جمع کرکے کچھ نہ کچھ منگوالیا کریں۔ میں نے صہیب بھائی کے مشورے سے روزانہ کا ایک مینو بنایا اور ان سے کہا کہ اگر تمام لوگ روزانہ پیسے دینے کے بجائے ماہانہ 300 روپے دیدیا کریں تو زیادہ آسانی ہوگی اور روزانہ مختلف اشیاء منگوانے کے بجائے ہم کوئی ایک کھانے کی چیز منگوالیں گے۔ اس تجویز کو نصراللہ بھائی نے بھی پسند کیا اور اس کی پابندی کی، دلچسپ بات یہ ہے کہ شجیع بھائی نے کبھی کوئی فرمائش نہیں کی کہ آج فلاں چیز منگوالیں یا فلاں چیز منگوالیں بلکہ مینو کے مطابق جو چیز منگوائی جاتی وہ سب کے ساتھ وہی چیز کھاتے ۔ ان کا یہ عمل اجتماعیت کے ساتھ رہنے اور دوسروں کی رائے کا احترام کرنے کی اعلیٰ ترین مثال ہے۔

اسلامی نظامت تعلیم نے عسکری پارک میں ''اسٹوڈینٹس گالا '' کا اہتمام کیا.اس میں سائنسی نمائش کا بھی اہتمام تھا ،اس میں ہمارے کیمپس کے طلبہ نے بھی حصہ لیا اور ہم نے وہاں تین اسٹال لگائے تھے۔ ان میں سے ایک سٹال غالباً جماعت پنجم کا تھا اور اس میں ہمارے ہونہار طالبعلم عبد الرحمن حبیب (جو کہ اس وقت پانچویں جماعت میں تھے) موجود تھے پہلے دن کا واقعہ ہے کہ ہمارے اسٹال تیار تھے ، لوگوں کا رش بھی تھا لیکن ہمارے اسکول کے اسٹال کی جانب کوئی نہیں آرہا تھا۔ نصرا اللہ بھائی اس صورتحال کو دیکھ رہے تھے، ان کے ساتھ صہیب بھی موجود تھے۔ میں نے نصرا اللہ بھائی سے کہا کہ شجیع بھائی چلیں اسٹال کا ڈیمو بناتے ہیں ، یہ کہہ کر میں عبدالرحمن کے اسٹال پر گیا اور ان سے پوچھا کہ آپ کا کس چیز کا اسٹال ہے؟ عبدالرحمن سمجھا کہ میں مذاق کررہا ہوں لیکن میں نے ان سے کہا کہ آپ مجھے بتائیں ، انہوں نے بتانا شروع کیا۔ ڈیٹی

ڈائریکٹر میڈم راحیلہ بھی وہاں موجود تھیں، جب عبد الرحمٰن نے بولنا شروع کیا تو میڈم بھی وہاں آگئیں، شجیع بھائی بھی آ گئے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اسٹال پر رش لگ گیا،
یہاں میں یہ بتاتا چلوں کہ ہم اپنے سارے ساز و سامان کے ساتھ آئے تھے لیکن) اتفاق سے اسکول کے نام کا ایک بھی بینر ساتھ لانا بھول گئے اور ہمارے اسٹال بغیر بینر کے تھے) اچانک میں نے عبد الرحمٰن کو روکا اور پوچھا " آپ کا تعلق کس اسکول سے ہے؟" انہوں نے اسکول کا نام بتایا تو میں پوچھا اور کیمپس کون سا ہے؟ انہوں نے کیمپس کا نام بتایا تو پھر میں نے اچھا اچھا اب آپ اپنے پروجیکٹ کے بارے میں بتائیں۔
عبد الرحمٰن نے پروجیکٹ کے بارے میں تفصیلات بتائیں، حاضرین نے بھی چند سوالات کیے۔ نصر اللہ بھائی یہ سارا ماجرا دیکھ کر مسکراتے رہے، بعد میں جب بھی وہ دیکھتے کہ اسٹال خالی ہے تو مجھے کہتے " سلیم بھائی جائیں ذرا ٹیپو بنائیں" اور جب میں جانے لگتا تو پیچھے سے شرارت بھری آواز میں کہتے " سلیم بھائی اسکول کا نام پوچھنا مت بھولیے گا" اور جب میں پلٹ کر دیکھتا تو وہ اور صہیب بھائی ہنس رہے ہوتے۔
کیمپس میں کوئی تقریب تھی شائد عید ملن ہو رہی تھی۔ چھٹی کے وقت بڑی جماعت کے طلبہ نصر اللہ بھائی کے ساتھ تصاویر بنا رہے تھے اور شجیع بھائی بھی ان کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے خوشدلی سے تصاویر بنوا رہے تھے، کیمپس کے خاکروب

موسیٰ کو بھی دل چاہ رہا تھا کہ وہ بھی شجیع بھائی کے ساتھ تصویر بنوائے لیکن یہ بات کہنے کی اس کی ہمت نہیں ہو رہی تھی وہ بار بار شجیع کے قریب آتا اور پھر جھجک کر پیچھے چلا جاتا، شجیع بھائی نے اس کی کیفیت بھانپ لی اور پکارا'' کیا ہوا موسیٰ تصویر بنوانی ہے؟'' اس نے اثبات میں سر ہلایا تو شجیع بھائی نے اس کو اپنے قریب بلایا اور اس کے ساتھ کھڑے ہو کر تصاویر بنوائیں۔

:احساسِ ذمہ داری

طلبہ کے مسائل اور ان کے معاملات میں شجیع بھائی گہری دلچسپی لیتے۔ بچوں نے پکنک پر جانا ہے، فارم ہاؤس پر رکنا ہے، اسکول میں کوئی تقریب ہے۔ شجیع بھائی ایک ایک چیز کو خود دیکھتے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ شجیع بھائی نے کوئی کام کسی کے ذمہ لگایا ہو اور خود بری الذمہ ہو گئے ہوں۔ فارم ہاؤس جانا ہے تو فارم ہاؤس منتخب کرنے میں وہ خود حصہ لیتے، خود جا کر دیکھتے کہ فارم ہاؤس کیسا ہے؟ کیا کیا سہولیات ہیں؟ جگہ کیسی ہے؟ اگر اسکول میں تقریب ہے تو ایک ایک چیز کو خود بھی دیکھ رہے ہیں سامان مکمل ہے؟ بچوں کی تیاری ہے؟ کوئی چیز رہ تو نہیں گئی ہے؟ پھر وہ کتنے ہی مصروف کیوں نہ ہوں طلبہ کے ساتھ فارم ہاؤس پر ضرور رکتے۔ رات میں جب سارے طلبہ اور سٹاف تھک ہار کر سوجاتا نصر اللہ بھائی اس وقت بھی جاگتے رہتے۔ ان کی شہادت دراصل ان کی فرض

شناسی اور احساسِ ذمہ داری کی ہی شہادت ہے۔
نگاہ بلند سخن دلنواز
شجیع بھائی کے ساتھ کام کرنے کے دوران کبھی انھوں نے ایک افسر بن کر ہم سے بات نہیں کی بلکہ تمام اساتذہ اور عملے کے ساتھ ان کا رویہ انتہائی نرم اور مشفقانہ ہوتا تھا۔ کسی کی بڑی سے بڑی غلطی پر بھی وہ بہت نرمی سے سرزنش کرتے، اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ انھوں نے صرف سرزنش کی ہو اور غلطی کو ازالہ کرنے کی صورت نہ نکالی ہو، بلکہ وہ صورتحال کے مطابق مسئلے کا حل نکالتے اور پھر سمجھاتے کہ اگر اس طرح کر لیتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔ پھر بات یہیں تک ختم نہیں ہوجاتے وہ اگلے کام کا بھی جائزہ لیتے، اس کی منصوبہ بندی میں اگر کوئی کمی یا خامی محسوس کرتے تو اس کو بھی درست کرواتے تاکہ غلطی کا امکان ہی نہ رہے۔
اسٹاف میٹنگ میں تو لگتا ہی نہیں تھا کہ ہم کسی میٹنگ میں ہیں بلکہ ایسا لگتا تھا کہ کوئی اجتماع ہو رہا ہے اور نصر اللہ بھائی تمام لوگوں سے بڑی نرمی اور ملائمت سے بات کر رہے ہیں۔ اگر کسی فرد نے کوئی غلطی کی ہے تو میٹنگ میں کبھی انھوں نے نام لیکر اس کی سرزنش نہیں کی بلکہ سنتِ رسولؐ کے عین مطابق شجیع بھائی عمومی انداز میں بات رکھتے تاکہ متعلقہ فرد تک بات پہنچ جائے

اور دیگر لوگ ایسی غلطی نہ کریں۔

شجیع بھائی آج ہمارے درمیان نہیں ہیں ان کی باتیں ہمیں یاد آتی رہیں گی۔ ان کے طلبہ اور ان کے ساتھی آج بھی انہیں یاد کرتے ہیں۔

بچھڑا کس اس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی
ایک شخص سارے شہر کو ویران کرگیا

(نوٹ: یہ مضمون شجیع بھائی کی یاد میں تیار ہونے والے مجلے کے لیے لکھا گیا تھا)

21ویں آئینی ترمیم اور دہشت گردی

21ویں آئینی ترمیم کی منظوری کے بعد مذہبی سیاسی جماعتوں اور دیگر سیاسی جماعتوں میں اختلافات سامنے آرہے ہیں۔ 6 جنوری 2015 کو سینیٹ اور قومی اسمبلی میں اس ترمیم پر رائے شماری کے موقع پر جماعتِ اسلامی اور جمعیت علما اسلام نے رائے شماری میں حصہ نہیں لیا جبکہ پاکستان تحریک انصاف ایوان سے غیر حاضر رہی۔ لیکن ایک عجیب سی بات یہ ہے کہ پیپلز پارٹی نے اگرچہ اس ترمیم کے حق میں ووٹ تو دیا لیکن مطمئن وہ بھی نہیں ہیں، رضا ربانی جیسے منجھے ہوئے اور سنجیدہ رہنما کا یہ کہنا تھا کہ آج میں نے ضمیر کے خلاف ووٹ دیا، اعتزاز احسن نے بھی ان خیالات کا اظہار کیا کہ اگر چہ وہ ذاتی طور پر اس ترمیم کے حق میں نہیں لیکن پارٹی کا جو فیصلہ ہوگا وہ اس کی پابندی کریں گے۔ اگلے روز بلاول بھٹو زرداری نے ٹوئٹر پر یہ پیغام دیا کہ اس ترمیم کے ذریعے پارلیمنٹ نے اپنی ناک کٹوا دی ہے۔ گویا کہ اس ترمیم پر تحفظات تو ووٹ دینے والوں کو بھی ہیں، تو پھر اپنے تحفظات کا کھل کر اظہار کرنے والوں اور تحفظات کے باعث ووٹ نہ دینے والوں کو ہی تنقید کا نشانہ کیوں بنایا جارہا ہے؟

مولانا فضل الرحمٰن وہ پہلے سیاسی رہنما ہیں جنہوں نے کھل کر اس کے خلاف بات

کی ۔ جماعت اسلامی کی مرکزی شوریٰ کے اجلاس کے بعد جماعت اسلامی نے بھی اس میں نظر ثانی کا مطالبہ کیا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب جماعت اسلامی ، جمعیت علما اسلام اور پی ٹی آئی نے نا چاہتے ہوئے بھی فوجی عدالتوں پر رضامندی ظاہر کر دی تھی تو پھر ایسی کیا بات ہوئی جس پر ان جماعتوں نے رائے شماری میں حصہ نہیں لیا؟ اس کا جواب بہت سادہ ہے کہ ابتدا میں دہشت گردی کے خلاف بات کی گئی اور بعد میں اس ترمیم کے ذریعے صرف مذہبی طبقے کو ہی نشانہ بنایا گیا ہے۔ اس ترمیم میں واضح طور پر یہ بات شامل ہے کہ '' اس میں قانون کے تحت منضبط کوئی سیاسی جماعت شامل نہیں ہے''۔ گویا کہ سیاسی جماعتوں کے پالے ہوئے دہشت گرد، بھتہ خور، ٹارگٹ کلرز جو کچھ بھی کریں اس کو دہشت گردی میں شامل نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی ان کے مقدمات فوجی عدالتوں میں چلائے جائیں گے۔ 21 ویں ترمیم کی منظوری کے بعد ایک خبر نظر سے گزری جس کے مطابق سیکورٹی ادارے اور سول ارکان کسی بھی وقت کسی بھی مدرسے یا مسجد کی تلاشی لے سکتے ہیں۔ اس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ قوم کو مذہبی طبقے نے نہیں بلکہ لبرل سیکولر طبقے اور جماعتوں نے دہشت گردی کے خلاف جنگ کے اس اہم موقع کو اپنے مفادات کے لیے استعمال کرنے کی کوشش کرکے ضائع کر دیا اور قوم کو دراصل اس طبقے نے تقسیم کیا ہے۔

اب ذرا ہم ان جماعتوں کے موقف کی بات کریں جنہوں نے اس ترمیم کے حق میں ووٹ

نہیں دیا۔ ان کا موقف کیا ہے؟ کیا انہوں نے فوجی عدالتوں کی مخالفت کی یا قومی اتفاق رائے کے برخلاف کوئی قدم اٹھایا ہے؟ انہوں نے تو صرف اتنی سے بات کی ہے کہ دہشت گردی کو مذہب سے نہ جوڑا جائے، اور ترمیم میں مذہبی دہشت گردی کے الفاظ میں سے مذہبی ہٹا کر صرف دہشت گردی کا لفظ لکھا جائے۔ کیا اصولی طور پر یہ بات غلط ہے؟ جب ہم کہتے ہیں کہ دہشت گرد کا کوئی مذہب نہیں ہوتا، وہ صرف دہشت گرد ہوتا ہے تو پھر دہشت گردی کے ساتھ مذہبی کا دُم چھلا کیوں لگایا جارہا ہے؟ جب ہم یہ بات جانتے ہیں کہ اس وقت پوری قوم دہشت گردی کے خلاف یکسو ہوچکی ہے تو پھر مذہبی اور غیر مذہبی کی بحث کیوں چھیڑی جارہی ہے؟

دراصل اس ترمیم میں دہشت گردی کے ساتھ مذہبی کا لفظ شامل کرکے سیاسی جماعتوں نے ایک دوسرے کے کرتوتوں پر پردہ ڈالنے کی اور ایک دوسرے کو سہارا دینے کی کوشش کی ہے۔ مجھے ایک بات بتائیں کہ کیا کسیدہشت گرد کو محض اس لیے چھوڑ دیا جائے کہ وہ کسی سیاسی جماعت کا کارندہ ہے؟ کسی پیشہ ور قاتل کو سیاسی جماعت کا کارکن ہونے کی بنیاد پر آزاد کردیا جائے؟ بھتہ خوری، جبرہ چندہ، جبری زکوۃ اور زبردستی کھالیں چھیننے والوں کو صرف اس بنیاد کو چھوڑ دینا انصاف ہوگا کہ وہ یہ کام مذہبی جماعت کے نام پر نہیں بلکہ سیاسی جماعت کے نام پر کررہے ہیں؟ انصاف تو اندھا ہوتا ہے،جب تمام سیاسی و مذہبی

جماعتیں دہشت گردی کے خلاف یک آواز ہو چکی تھیں تو اس وقت یہ شوشہ چھوڑنا لبرل سیکولر جماعتوں کی بد دیانتی اور تعصب ہے۔ مجھے بم دھماکے کرنے والوں، معصوم بچوں کی جان لینے والوں سے کوئی ہمدردی نہیں ہے اور ان کی صرف پھانسی کافی نہیں ہے بلکہ ان کو دن دیہاڑے اور سر عام پھانسی دی جائے لیکن سو قتل کرنے والوں، ایم ڈی کے ای ایس سی شاہد حامد کے قاتل دہشت گرد کو، ماڈل ٹاؤن میں نصف درجن انسانوں کے قاتلوں کو بھی انصاف کے کٹھرے میں لایا جائے۔

بچے تو بچے ہوتے ہیں نا! پشاور واقعے کے بعد پورا ملک اسی لیے سوگوار تھا کہ دہشت گردوں نے بچوں کو ظلم کا نشانہ بنایا لیکن میں ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں، زرا دل پر ہاتھ رکھ کر اور اچھی طرح سوچ کر اس کا جواب دیجیے کہ اگر ہمارا میڈیا اس واقعے کو اس طرح سے نہ اٹھاتا، اس کو اتنی کوریج نہ دیتا تو کیا اس وقت بھی آپ کا یہی رد عمل ہوتا جو اس وقت ہے؟ کیا اس وقت بھی آپ ظلم اور دہشت گردی کے خلاف اتنی ہی شدت سے آواز بلند کرتے جتنی اس وقت کر رہے ہیں؟ اگر آپ کا جواب نفی میں ہے تو اس کا مطلب آپ ایک حقیقت پسند انسان ہیں اور اگر آپ کا جواب اثبات میں ہے تو پھر میرا اگلا سوال ہے کہ جب 2004 میں باجوڑ کے مدرسے پر میزائل حملہ کر کے چھیاسی بچوں کو قتل کیا گیا اس پر خاموشی کیوں؟ وہ بھی تو دس سے سولہ سال تک کے بچے تھے۔ کیا صرف اس لیے کہ وہ امریکی میزائل سے مرے تھے؟ کیا ایک مدرسہ میں پڑھنے والے بچے

بچے نہیں ہوتے ؟ کیا ان کی مائیں نہیں ہوتیں ؟ کیا ان کی ماؤں کے سینوں میں دل کی جگہ پتھر ہوتا ہے ؟۔آرمی پبلک اسکول پر حملہ کرنے والے دہشت گردوں کو سر عام لٹکا دیں لیکن دو لفظ ان چھیاسی معصوم بچوں کے حق میں بھی کہیں جنہیں دہشت گرد کہہ کر میزائل سے اڑا دیا گیا۔

آخری بات بہت تلخ ہے اور بہت سے افراد کے لیے نا قابل برداشت بھی لیکن بات تو سچ ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ سارے قوانین پشاور واقعے کے بعد ہی کیوں بنائے جارہے ہیں؟ کیا اس سے پہلے اسکولوں پر حملے نہیں ہوئے ؟ کیا اس سے پہلے لوگوں کو قتل نہیں کیا گیا؟ کیا اس سے پہلے بچوں کو ٹارگٹ نہیں کیا گیا تھا؟ کیا وہ بچے انسان کے بچے نہیں تھے ؟ ابھی تک جتنے بھی دہشت گردوں کو پھانسی دی گئی ہے ان کے جرائم کی فہرست پڑھیں تو اکثریت کے جرائم میں ایک قدر مشترک نظر آئے گی ۔ اس پر غور کریں گے تو بہت کچھ سمجھ میں آئے گا۔

سانحہ میمن گوٹھ: حادثہ یا اجتماعی قتل

ابھی سانحہ ٹمبر مارکیٹ اور پرانی انارکلی کے پلازہ میں آتش زدگی کے متاثرین کا غم تازہ تھا، ابھی ان کے آنسو خشک نہ ہوئے تھے اور ابھی ان کی کماحقہ دادرسی نہ کی گئی تھی کہ نیشنل ہائے کے قریب ایک آئل ٹینکر اور مسافر بس کے تصادم میں 67افراد قتل کردیئے گئے۔ ایک بار پھر تحقیقات تحقیقات کا کھیل کھیلا جائے گا، کمیشن اور کمیٹیوں کا شور مچایا جائے گا، حکومتی ادارے مقتولین کو معمولی سی رقم خون بہا کے طور پر ادا کریں گے اور پھر چند روز بعد لوگ سب کچھ بھول جائیں گے، زندگی کا پہیہ اسی طرح رواں دواں رہے گا لیکن ! لیکن یہ جو 67 افراد قتل ہوئے ہیں یہ واپس نہیں آسکیں گے۔

آپ لوگ سوچ رہے ہونگے کہ یہ عجیب انسان ہے جو حادثے کا شکار افراد کے لیے مرحوم کا لفظ استعمال کرنے کے بجائے بار بار قتل اور مقتولین کا لفظ استعمال کررہا ہے۔ جی ہاں حادثہ وہ ہوتا ہے جو آپ کی تمام تر احتیاطی تدابیر اختیار کرنے بعد اچانک / ناگہانی طور پر رونما ہوتا ہے اور قتل وہ ہوتا ہے جس میں کوئی فرد، گروہ یا ادارہ منصوبندی کے تحت کسی فرد یا گروہ کی جان لیتا ہے یا ایسے حالات پیدا کرتا ہے کہ لوگ موت کے منہ میں چلے جاتے

ہیں ، ایسے واقعات میں بظاہر تو یہ حادثہ معلوم ہوتا ہے لیکن دراصل یہ قتل کے زمرے میں آتا ہے۔

آیئے ذرا جائزہ لیتے ہیں کہ یہ قتل ہے یا حادثہ۔ سب سے پہلے بس ڈرائیور اور ٹرانسپورٹ کمپنی کی بات کرتے ہیں۔ پہلی بات یہ کہ یہ بس میں موجود گیس سلنڈر کے پھٹنے کے باعث بس میں آگ لگی تھی۔ اطلاعات کے مطابق 48 مسافروں کی گنجائش والی بس میں 72 سے زائد مسافر سوار تھے جن میں سے کئی مسافر بس کی چھت پر سفر کر رہے تھے، اس کے علاوہ قتل گاہ بننے والی بس کے ہنگامی اخراج Emergancy Exit کی جگہ بھی سیٹیں لگا کر اس کو مستقل طور پر بند کر دیا گیا تھا۔ کیا بس ڈرائیور یا کمپنی کو یہ معلوم نہ تھا کہ بس میں گنجائش سے زائد مسافر ہیں؟ کیا انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ بس کی چھت پر مسافروں کو سوار کرنا ویسے بھی غیر قانونی اور انتہائی خطرناک کام ہے؟ انہیں یہ بھی پتا نہیں تھا کہ کسی بھی حادثے کی صورت میں ہنگامی خروج والا دروازہ بہت کارآمد اور قیمتی انسانی جانوں کو بچانے میں معاون ثابت ہوتا ہے ؟ یقیناً یہ عام فہم باتیں ہیں اور متعلقہ افراد کو ان سب کے بارے میں دیگر افراد سے زیادہ علم ہوگا لیکن چند پیسوں کے لالچ میں ان تمام چیزوں سے صرف نظر کیا گیا جو کہ غلطی نہیں بلکہ جرم ہے۔ سنگین جرم ! اور 67 افراد کے قتل میں یہ لوگ بھی حصہ دار ہیں۔

اب آئل ٹینکر کا معاملہ دیکھیں۔ اس کا ایک ٹریک مرمت کے لیے بند ہے اور سنگل ٹریک پر ہی دو طرفہ ٹریفک چلایا جارہا تھا۔ایسی صورتحال میں گاڑیوں کی رفتار کو قابو میں رکھا جاتا ہے اور بہت محتاط انداز میں ڈرائیونگ کی جاتی ہے بالخصوص اوورٹیک احتیاط سے کیا جاتا ہے لیکن ٹینکر اور ڈمپر مافیا ایسی کوئی بھی احتیاط روا رکھنا غیر ضروری سمجھتے ہیں اور مذکورہ حادثے میں بھی یہی ہوا کہ آئل ٹینکر کے ڈرائیور نے سنگل ٹریک پر اوورٹیک کیا اور مسافر ٹینکر سے جا ٹکرائی۔ اس طرح آئل ٹینکر کے ڈرائیور اور اس کی پشت پناہ مافیا نے بھی 67 افراد کے قتل میں حصہ لیا۔

پھر ٹریفک پولیس کا جرم دیکھیں۔حادثے کا شکار ہونے والی بس نے فٹنس سرٹیفکٹ بھی مستقل بند ہونے کے باوجود گاڑی کو فٹنس Emergancy Exit لیا ہوگا۔ہنگامی اخراج سرٹیفیکٹ کیسے جاری کر دیا گیا؟ اگر سرٹیفیکٹ جاری نہیں کیا گیا تو اس کے بغیر گاڑی سڑک پر کیسے آ گئی؟ اسے روکا کیوں نہیں گیا؟ اس کے علاوہ لانگ روٹ کی بسوں میں سی این جی سلنڈرز کی اجازت نہیں ہے تو پھر یہ گاڑی کیسے گیس سلنڈر پر چل رہی تھی۔ پھر اوور لوڈنگ کی شکایت تو عام ہے، ایسی گاڑیوں کے ڈرائیورز اور مالکان پر جرمانے کرنے اور سخت سزا دینے کے بجائے رشوت لیکر انہیں کھلی چھوٹ دیدی جاتی ہے۔علاوہ ازیں کم از کم کراچی کی حد تک ہم

یہ جانتے ہیں کہ رانگ سائیڈ جانا ایک عام مرض بن چکا ہے اور ٹریفک پولیس کی چوکیوں کے سامنے اور اہلکاروں کی موجودگی میں لوگ انتہائی سکون سے رانگ سائیڈ جارہے ہوتے ہیں کوئی ان کو روکنے ٹوکنے والا نہیں ہوتا ہے۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ ٹریفک پولیس کی نااہلی اور غیر ذمہ داری نے بھی اجتماعی قتل میں معاونت فراہم کی۔

اب ذرا فائر بریگیڈ کی ناقص ترین کارکردگی کا جائزہ لیتے ہیں۔ سانحہ ٹمبر مارکیٹ کے وقت بھی یہ باتیں سامنے آئیں تھیں کہ فائر بریگیڈ کا عملہ چالیس سے پچاس فیصد عملہ عموماً ڈیوٹی پر حاضر نہیں ہوتا، اطلاعات یہ ہیں کہ سانحے کے بعد جائے وقوع پر سب پہلے پولیس پہنچی ، اس کے بعد تقریباً12:35 پر میمن گوٹھ فائر اسٹیشن پر فون کیا جاتا رہا لیکن وہاں کسی نے فون اٹھانے کی زحمت نہیں کی ، کافی دیر کی کوششوں کے بعد یہ ہوا کہ وہاں سے کسی نے فون کاٹ دیا۔ بعد ازاں سہراب گوٹھ اسٹیشن کو اطلاع دی گئ تو وہاں سے بھی تقریباً رات :3:30 منٹ پر صرف ایک فائر ٹینڈر بھیجا گیا ، لیکن اس وقت تک بد نصیب بس کے مسافر جل کر کوئلہ بن چکے تھے۔ اس طرح محکمہ فائر بریگیڈ بھی اس اجتماعی قتل میں برابر کا شریک ہے۔

اور پھر حکومت ! یہ سارے محکمے صوبائی یا وفاقی حکومتں کے ماتحت ہیں ، ہر

سانحے کے بعد مختلف محکموں کی خامیوں اور کوتاہیوں کی جانب نشاندہی کی جاتی ہے، ذمہ داران کی غفلت کے بارے میں آگاہ کیا جاتا ہے لیکن کسی کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہوتی کیونکہ سرکاری اداروں میں عموماً سیاسی بنیادوں پر ملازمین کو بھرتی کیا جاتا ہے اور جس فرد کے خلاف کوئی کارروائی کی جاتی ہے اس کی پارٹی متعلقہ فرد کی پشت پناہ بن جاتی ہے، محکمہ جاتی کارروائیوں سیاست کی بھینٹ چڑھا دیا جاتا ہے اور نتیجہ یہ کہ غافل اور مجرم اہلکار اسی طرح دندناتے اور عوام کے سینوں پر مونگ دلتے رہتے ہیں۔ یعنی کہ اجتماعی قتل کی اس لرزہ خیز واردات کی اصل ذمہ داری حکومت پر ہی عائد ہوتی ہے۔

مذکورہ بالا تمام باتوں کو مدنظر رکھیں اور پھر یہ سوچیں کہ کیا یہ واقعی حادثہ تھا یا اجتماعی قتل

گستاخانہ خاکے: ملالہ یوسف زئی اور الطاف حسین

فرانسیسی میگزین میں توہین آمیز خاکوں کی اشاعت کے بعد مسلمانوں میں ایک اضطراب اور بے چینی پائی جاتی ہے۔ ملک بھر میں مظاہرے اور ریلیوں کا سلسلہ جاری ہوگیا ہے، پاکستان کے ارکانِ پارلیمنٹ نے بھی اس حوالے ایک ریلی نکالی اور اپنا احتجاج ریکارڈ کرایا ہے۔ سیاسی جماعتوں کے سربراہان نے بھی اس موقعے پر فرانسیسی جریدے کے اس عمل کی مذمت کی اور اقوامِ متحدہ سے اس معاملے پر نوٹس لینے کا مطالبہ کیا ہے۔ یہاں یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ فرانس میں پیش آنے والے فائرنگ کے واقعے کی حمایت کسی نے نہیں کی ہے لیکن یہ سوال ضرور اٹھایا ہے کہ اس کے علاوہ اور کیا حل چھوڑا گیا ہے؟ اظہارِ رائے کی آزادی کے نام پر مغرب کا دہرا معیار تو سب کے سامنے ہے کہ وہاں نام نہاد ہولوکاسٹ پر بات کرنا جرم لیکن انبیاء کی توہین پر کوئی تعزیر نہیں ہے۔ امریکی صدر اگر ایک خاتون کو کہے کہ وہ بہت اچھی لگ رہی ہیں ان پر بھی خاتون کی توہین کا الزام عائد کردیا جاتا ہے اور امریکی صدر کو بھی معافی مانگنی پڑتی ہے لیکن خاتم النبیینؐ کی توہین اور اربوں مسلمانوں کی دل آزاری کرنے کو اظہارِ رائے کی آزادی کا نام دیدیا جاتا ہے۔

اہل مغرب کے اس رویے کی ایک بہت بڑی وجہ ہمارا لبرل ، آزاد خیال اور نام نہاد مسلمان طبقہ بھی ہے۔ یہ لبرل سیکولر عناصر مغرب کے ایجنڈے پر چلتے ہوئے ان کے ہر ناجائز عمل کا جواز فراہم کرتے ہیں اور رد عمل ظاہر کرنیوالوں کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں، جس کی ایک مثال ملالہ یوسف زئی اور متحدہ قومی موومنٹ کے قائد الطاف حسین ہیں۔ ملالہ یوسف زئی اپنے مغربی آقاؤں کو خوش کرنے کے لیے داعش کی مذمت کرنے سوڈان پہنچ جاتی ہیں، دنیا بھر میں ہونے والے ہر قسم کے واقعات پر اپنا رد عمل ظاہر کرتی ہیں ، وقتاً فوقتاً سماجی رابطوں کی ویب سائٹ پر مسلمانوں کو لتاڑتی رہتی ہیں لیکن ابھی تک اس معاملے پر اس کا کوئی بیان سامنے آیا ہے، ان کو بھی سانپ سونگھ گیا ہے۔ ہاں بات تو ٹھیک ہے بھئی "منہ کھائے اور آنکھ لجائے" یا" جس کا کھاؤ اُسی کا گاؤ" جب غیر مسلموں کا کھائیں گے تو انہی کے گُن گائیں گے نا۔ بد قسمتی یہ ہے کہ ان کا تعلق بھی پاکستان سے ہے اور یہ بھی مسلمان ہیں۔

وضع میں تم ہو نصاریٰ، تو تمدّن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں ! جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

دوسری جانب متحدہ کے قائد الطاف حسین ہیں۔ ان کو بھی توہین رسالت کے معاملے پر احتجاج پر بہت تکلیف ہو رہی ہے۔ جب بھی کسی مذہبی معاملے پر احتجاج کیا جاتا ہے تو ان کا یہی حال ہوتا ہے۔ پھر ان کو ملکی معیشت، رواداری، اتحاد

بین المذاہب جیسی باتیں یاد آتی ہیں۔ ہمیں الطاف بھائی کی باتوں سے انکار نہ ہوتا اور ہم بھی ان کی باتیں مان لیتے کہ الطاف بھائی آپ ٹھیک کہتے ہیں لیکن جب آپ کا طرزِ عمل دیکھتے ہیں تو پھر ہمیں اپنی سوچ پر نظرثانی کرنی پڑتی ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ لندن میں الطاف حسین صاحب کی لندن میں گرفتاری پر کراچی بند کردیا جاتا ہے، یہاں دھرنے دیئے جاتے ہیں اورکاروبارِ زندگی معطل ہوجاتا ہے۔ اس وقت کوئی یہ نہیں سوچتا کہ لندن میں ہونے والے ایک معاملے پر کراچی کیوں بند کردیا گیاہے؟ اس وقت انہیں ملکی معیشت کیوں یاد نہیں آتی ہے؟ اس وقت الطاف حسین اور ایم کیوایم کے رہنما کارکنان کو صبر اور برداشت کا درس کیوں نہیں دیتے؟

خورشید شاہ اگر غلطی سے مہاجر لفظ کے بارے میں نازیبا بیان دیں تو اس پر ان کو منکر، کافر، دائرہ ایمان سے خارج اور گستاخ کہا جاتا ہے۔ (شہر کی دیواریں ابھی تک ان نعروں سے سجی ہوئی ہیں) اس وقت درباری علما قرآنی آیات کی من مانی تفاسیر پیش کرتے ہیں ، پورے سندھ میں احتجاج کیا جاتا ہے ۔ اس وقت ان کی رواداری کہاں چلی جاتی ہے۔ یادش بخیر پیپلز پارٹی کی حکومت کے وزیر ذوالفقار مرزانے ایم کیوایم کے قائد الطاف حسین کے خلاف برطانیہ میں

ثبوت لیجانے پرپُر تشدد احتجاج کیا جاتا ہے۔، درجنوں گاڑیاں جلادی جاتی ہیں، پورے شہر کو جام کردیا جاتاہے، اس وقت ان لوگوں کو ملکی معیشت کا خیال نہیں آتا۔اس وقت صبر و تحمل، برداشت کی باتیں کہاں چلی گئیں تھیں؟اس وقت ملکی معیشت کا خیال کیوں نہیں آیا؟

اصل بات یہ ہے کہ مغرب میں بسنے والے، مغرب کے ٹکڑوں پر پلنے اور ان کے ایجنڈے پر چلنے والوں ہی کی وجہ سے مغرب کے شیطانوں کی ہمت بڑھتی ہے اور توہین رسالت کرنے والے گستاخوں کے اصل سرپرست یہی لوگ ہیں۔اپنے مغربی آقاؤں کی ہدایت کے مطابق کبھی مولانا عزیز کو کافراور لال مسجد کو مسجد ضرار قرار دیتے ہیں اور دینی جماعتوں پر پابندی کی بات کرتے ہیں۔عوام ان کے کردار کو سامنے رکھیں اور ان کی باتوں میں نہ آئیں اور توہین رسالت کے معاملے پر اپنا احتجاج ریکارڈ کرائیں، اس کے خلاف مظاہروں میں ضرور شرکت کریں۔اگر کوئی نام نہاد مسلمان ملکی معیشت ، مذہبی رواداری اور صبر و برداشت کا درس دیتے ہوئے ان مظاہروں کی مخالفت کرے توذرا ہمت کرکے اس سے مذکورہ بالا باتوں کے بارے میں پوچھ لیجیے گا۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم

امریکی صدر بارک اوباما بھارت کا دورہ مکمل کرکے براستہ سعودیہ وطن روانہ ہوگئے۔ اپنے حالیہ دورے میں انہوں نے دفاع، تجارت ، ماحولیات اور دیگر شعبوں میں ہندوستان کے ساتھ تعاون کے فروغ پر اتفاق کیا، فوجی طیاروں کے آلات اور قابل تجدید توانائی پر بھی معاہدے کیے گئے ۔ امریکی صدر نے بھارت کو افغانستان میں اپنا قابل اعتماد پارٹنر بھی قرار دیا اور سلامتی کونسل میں مستقل رکنیت کے لیے بھی بھارت کی حمایت کی ۔ جاتے جاتے انہوں نے سرمایہ کاری اور قرضوں کی مد میں بھارت کو 4 ارب ڈالر دینے کا بھی اعلان کیا۔ دوسری جانب دہشت گردی کے خلاف جنگ میں اگلے مورچوں پر لڑنے والے ملک (فرنٹ لائن اسٹیٹ) کا کردار ادا کرنے والے پاکستان کے لیے اُن کے پاس طِفل تسلیوں اور DO more کے مطالبے کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔

تو کم و بیش 13 سالہ جنگ میں امریکہ کا ساتھ دینے اور پڑوسی ملک کے خلاف جارحیت میں اس کو اپنا کاندھا پیش کرنے کے بعد پاکستان آج اس مقام کہ امریکہ ، پاکستان کے ازلی دشمن بھارت کے ساتھ کھڑا ہے۔ بھارت گزشتہ دو ماہ سے سرحدوں پر غیر اعلانیہ جنگ چھیڑے ہوئے ہے، ہماری شمال مغربی سرحدیں غیر

محفوظ ہیں، افغانستان میں پاکستان مخالف حکومت قائم ہے اور خود ہمارا ملک دہشت گردی کی زد میں ہے، عالمی برادری میں ہمارا تاثر ایک غیر ذمہ دار ملک اور دہشت گردوں کی محفوظ پناہ گاہ کا ہے۔ اس جنگ میں ہمارے ہزاروں بے گناہ شہری اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں اور ہماری فوج اپنے ہی ملک کے اندر دہشت گردوں سے برسر پیکار ہے۔ امریکہ کی دوستی سے یہ سارے عذاب ہمارے حصے میں آئے ہیں بقول شاعر

یہ صلہ ملا ہے مجھ کو تیری دوستی کے پیچھے
کہ ہزاروں غم لگے ہیں میری زندگی کے پیچھے

امریکہ نے ایک بار پھر یہ ثابت کیا کہ وہ ایک بے رحم دشمن اور بے وفا دوست ہے کہ USE AND THROW کے اصول کے تحت پاکستان کے قریب آتا ہے اور مطلب پورا ہوتے ہی آنکھیں پھیر لیتا ہے۔

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اس جنگ میں پاکستان کے کردار کو سراہتے ہوئے بھارت کے مقابلے میں پاکستان کا ساتھ دیا جاتا، پاکستان کے قرضوں کو معاف کیا جاتا اور پاکستان کی معیشت کو سہارا دینے کے لیے اُس کے ساتھ اقتصادی اور تجارتی معاہدے کیے جاتے لیکن ایسا نہیں کیا گیا بلکہ قابل صد افسوس بات یہ ہے کہ گزشتہ ماہ جب نیٹو نے افغانستان میں اپنے مشن مکمل کرکے واپس جانے کا باضابطہ اعلان کیا تو اس موقع پر پاکستان کی قربانیوں کا اعتراف کرنے اور

پاکستان کو خراج تحسین پیش کرنا تو درکنار پاکستان کا نام تک نہیں لیا گیا

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

اس امریکی صدر باراک اوباما کے دورہ بھارت کے اہم موقع پر چیف آف آرمی اسٹاف جنرل راحیل شریف نے چین کا دورہ کرکے امریکہ کو ایک واضح پیغام دیا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ پاکستان اب تو امریکہ کے ساتھ اپنے تعلقات پر نظرِ ثانی کرتے ہوئے اسے یہ پیغام دے کہ جناب بس بہت ہوگیا۔ ڈو مور کے جواب میں نو مور کا جواب دیا جائے، امریکہ کے جھوٹے سہارے کے بجائے خطے میں اپنے پڑوسی ممالک سے تعلقات کو مزید بہتر بنایا جائے اور اپنی مدد آپ کے تحت ملک کی تعمیر و ترقی کے لیے قدم اٹھایا جائے۔

اُٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

ایم کیو ایم : یوز اینڈ تھرو پالیسی

میں کچھ دنوں سے ٹی وی چینلز پر ایک چیز تلاش کر رہا ہوں لیکن وہ نظر نہیں آ رہی ہے۔ آپ لوگ بھی اس حوالے سے میری مدد کریں۔ میں ان علماء کو تلاش کر رہا ہوں جنھوں نے لال مسجد کو جلانے ، ڈھانے اور گرانے کے الطاف حسین کے بیانات کی حمایت میں قرآنی آیات اور احادیث کے حوالے پیش کیے تھے۔ میں تلاش کر رہا ہوں کہ لفظ مہاجر کی توہین پر احادیث کے حوالے پیش کرنے والے یہ علماء خاموش کیوں ہیں؟ نائن زیرو سے اسلحے کی برآمدگی اور سزا یافتہ مجرموں کی گرفتاری کے بعد اب ذرا یہ لوگ قوم کی رہنمائی فرمائیں کہ ایسے لوگ جو مسجد کو جلانے اور گرانے کی بات کریں اور خود قاتلوں کے سرپرست ہوں۔ دوسروں کو دہشت گرد کہیں اور خود دہشت گردوں کی سرپرستی کریں، قانون کی رٹ بحال کرنے کا شور مچائیں اور خود سزا یافتہ مجرموں کو پناہ گاہ فراہم کرکے قانون کو جوتے کی نوک پر رکھیں، ایسے لوگوں کے بارے میں ذرا قرآن و سنت کی روشنی میں کچھ بیان کریں (اگر واقعی اللہ کا خوف رکھتے ہوں)۔

نائن زیرو پر چھاپے کے بعد رابطہ کمیٹی خاموشی سے صورتحال کا جائزہ لے رہی تھی کہ جناب الطاف حسین صاحب کی خودنمائی کے شوق نے انہیں مجبور کیا کہ وہ

ٹی وی چینلز اپنی رونمائی کریں، اور انہوں نے اپنے براہ راست خطاب میں کچھ ایسی باتیں کہہ دیں جو اب ایم کیو ایم اور الطاف حسین کے لیے مسائل کا سبب بن رہی ہیں۔
انہوں نے جوشِ خطابت میں کہہ دیا کہ ''مطلوب افراد کو چاہیئے تھا کہ وہ اکثریت کو مشکل میں نہ ڈالتے اور نائن زیرو پر نہ چھپتے، اللہ کی زمین اتنی بڑی ہے، کہیں اور چلے جاتے'' اس کے ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی فرمادیا کہ '' میں بھی تو 25 سال سے برطانیہ میں بیٹھا ہوا ہوں'' (گویا کہ انہوں نے یہ مان لیا کہ وہ جلا وطن نہیں بلکہ مفرور ہیں۔)

اس کے ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ جو اسلحہ دکھایا جارہا ہے وہ رینجرز والے کمبلوں میں اپنے ساتھ لیکر آئے تھے، لیکن شام کو رابطہ کمیٹی اس اسلحے کو اپنا اسلحہ کہہ رہی تھی اور اس کے لائسنس بھی دکھا رہی تھی۔ اس کا کیا مطلب ہوا؟ اس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ الطاف حسین صاحب حسب معمول جھوٹ بول کر لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کررہے تھے، لیکن وہ زمینی حقائق سے بے خبر نکلے انہیں شائد اندازہ نہیں کہ یہ نوے کی دہائی نہیں بلکہ نئی صدی ہے اور میڈیا اور سوشل میڈیا کے ذریعے عوام حقیقت کو جان لیتے ہیں۔

رابطہ کمیٹی الطاف حسین صاحب کے بیان پر پونچھا لگانے کی کوشش کرنے لگی اور پورا زور اس بات پر لگایا جانے لگا کہ مطلوب افراد نائن زیرو سے گرفتار

نہیں ہوئے بلکہ نائن زیرو کے اطراف کی گلیوں اور مکانات سے گرفتار ہوئے ہیں تا کہ اپنا تاثر بہتر کیا جاسکے لیکن اگلے دن الطاف حسین صاحب نے فرمایا کہ ''رابط کمیٹی کے کچھ افراد کو معلوم تھا کہ مطلوب افراد نائن زیرو پر موجود ہیں لیکن مجھے اس سے بے خبر رکھا گیا۔''اب اس کو بوکھلاہٹ کہہ لیں یا اللہ کی پکڑ کہ رابطہ کمیٹی اور الطاف حسین صاحب کے بیانات میں زمین آسمان کا فرق نظر آرہا ہے۔فاروق ستار صاحب نجی ٹی وی کے چینل پر فرماتے ہیں کہ رینجر سے تصادم کا تاثر نہیں دینا چاہتے اور نہ ہی فورسز کے خلاف کوئی بات کرنا چاہتے ہیں لیکن دوسرے دن الطاف حسین صاحب ایجنسیوں اور پاک فوج پر برس پڑے اور اچانک انہیں یاد آیا کہ بنگلہ دیش میں فوج نے بنگالیوں کا قتل عام کیا تھا (یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ اس سے قبل وہ متعدد بار یہ کہہ چکے ہیں کہ مشرقی پاکستان میں جماعت اسلامی نے بنگالیوں کا قتل عام کیا لیکن کہتے ہیں نا کہ دروغ گورا حافظہ نیست) ۔اس کے جواب میں جب چوہدری نثار اور سیاسی رہنماؤں نے سخت رد عمل کا اظہار کیا تو اگلے ہی دن لہجہ بدل گیا۔

یہ تصویر کا ایک رخ ہے۔ دوسری جانب متحدہ اور الطاف حسین نے مشکل وقت کو دیکھتے ہی اپنے ان تمام دہشت گرد کارکنان سے آنکھیں پھیر لیں۔الطاف حسین صاحب نے تو صولت مرزااور عمیر صدیقی کو پہچاننے سے انکار کردیا۔ صولت مرزاکے بارے میں کہا کہ میں اسے نہیں جانتا، اس کا ایم کیو ایم سے کوئی

تعلق نہیں ہے اور اگر کوئی تعلق تھا بھی تو وہ بیس پچیس سال پہلے ختم ہوگیا۔ صولت مرزا کے اہل خانہ کو نائن زیرو آنے سے منع کر دیا گیا اور اخباری اطلاعات کے مطابق انہیں نائن زیرو سے دھکے دیکر نکال دیا گیا۔ صولت مرزا کی اہلیہ نے اس کے بعد ایک پریس کانفرنس کے ذریعے حکومت سے رحم کی اپیل کی۔ اس موقع پر ان سے سوال کیا گیا کہ ایم کیو ایم کہتی ہے کہ صولت مرزا ہمارا کارکن نہیں ہے؟ اس کے جواب میں اہلیہ نے کہا کہ صولت مرزا ایم کیو ایم کا کارکن ہے اور پارٹی نے ہر موقع پر ہماری مدد کی ہے اب اگر وہ یہ کہتے ہیں تو پھر آپ یہ سوال ایم کیو ایم سے کریں مجھ سے نہیں۔ فاعتبر و یا، اولی الابصار

اس کے ساتھ ہی متحدہ کے قائد نے عمیر صدیقی کو اپنا کارکن ماننے اور پہچاننے سے انکار کر دیا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں عمیر صدیقی کو نہیں جانتا۔ جبکہ جاننے والے جانتے ہیں اور اب تو سوشل میڈیا پر عمیر صدیقی کی ایم کیو ایم کے اہم ترین رہنماؤں کے ساتھ تصاویر موجود ہیں۔ ان واضح ثبوتوں کے باوجود اس کو اپنا کارکن ماننے سے انکار کا مطلب کیا ہوا؟؟؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایم کیو ایم ایک مافیا ہے، اور مافیا میں ڈان لوگوں کو استعمال کرتا ہے اور صرف اپنی جان بچانے کی کوشش کرتا ہے، ذرا ان نعروں پر غور کریں تو بات زیادہ آسانی سے سمجھ میں آئے گی۔ ’’ جو قائد کا غدار ہے۔ وہ موت کا حقدار ہے‘‘ اور ’’ ہم کو منزل نہیں رہنما چاہیے‘‘ ۔ یہ تو ابھی آغاز ہے ابھی

مزید گرفتاریاں ہونگی اور انکشافات ہونگے تو یہ ان تمام افراد سے آنکھیں پھیر لیں گے اور ان کو اپنا کارکن ماننے سے انکار کردیں گے۔ایم کیو ایم کے لوگوں کے لیے موقع ہے کہ وہ حقیقت کو سمجھیں اور الطاف حسین کے جھوٹے فلسفے ”ہم کو منزل نہیں رہنما چاہیے“ کے سحر سے نکلیں، ورنہ آپ کو بھی ٹشو پیپر کی طرح استعمال کرکے پھینک دیا جائے گا۔ یہ ایم کیو ایم کے رہنماؤں کے لیے بھی ایک موقع ہے کہ وہ اب مفاد پرست قائد سے جان چھڑا کر حقیقی معنوں میں کراچی اور اردو بولنے والوں کے لیے کام کریں۔

لال مسجد اور وقت کے فرعون

تم نے دیکھا نہیں کہ تمہارے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟ کیا اُس نے اُن کی تدبیر کو اکارت نہیں کر دیا؟ اور اُن پر پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیج دیے جو اُن پر پکّی ہوئی مٹّی کے پتھر پھینک رہے تھے، پھر اُن کا یہ حال کر دیا جیسے جانوروں کا کھایا ہوا بھوسا۔

سورہ الفیل کی آیت اور اس کا ترجمہ پچھلے چند دنوں سے بار بار میرے ذہن میں آ رہا ہے۔ اپنی بات شروع کرنے سے پہلے میں یہاں سورہ فیل کا مختصر پس منظر بتانا چاہوں گا۔ یمن کے ایک خود مختار حاکم ابرھہ نے کعبے کو ڈھانے کے ارادے سے مکہ کی جانب پیش قدمی کی۔ اس کے ساتھ ساٹھ ہزار کی فوج تھی جس میں ۱۳ یا ۹ ہاتھی بھی شامل تھے۔ جب یہ لشکر مکہ کے قریب پہنچا تو اس کے ہاتھیوں نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے بڑی کوشش کی کہ ہاتھی آگے بڑھیں لیکن ہاتھی نے خانہ کعبہ کی طرف جانے سے انکار کر دیا، ہاتھیوں کا رخ یمن یا کسی اور طرف موڑتے تو وہ چل پڑتے لیکن خانہ کعبہ کی طرف لیجانے کی کوشش کرتے تو وہ ٹس سے مس نہ ہوتے یا پھر بیٹھ جاتے۔ یہ صورتحال دیکھ کر لشکر نے پیدل ہی خانہ کعبہ کی طرف پیش قدمی کی اور پھر چشم فلک نے یہ منظر

دیکھا کہ اچانک پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ آ گئے، ان پرندوں کے چونچ اور پنجوں میں کنکریاں تھیں، پرندوں نے لشکر پر ان کنکریوں کی بارش کر دی۔ جس کو بھی یہ کنکری لگتی اس کا جسم گلنا شروع ہو جاتا۔ محمد بن اسحاق اور عکرمہ کی روایت ہے کہ یہ چیچک کا مرض تھا اور بلادِ عرب میں سب سے پہلے چیچک اسی سال دیکھی گئی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جس پر کوئی کنکری گرتی اسے سخت کھجلی لاحق ہو جاتی اور کھجاتے ہی اس کی جلد پھٹتی اور گوشت جھڑنا شروع ہو جاتا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت یہ ہے کہ گوشت اور خون پانی کی طرح بہنے لگتا اور ہڈیاں نکل آتی تھیں۔ خود ابرھہ کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ اس کا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر رہا تھا اور جہاں سے کوئی ٹکڑا گرتا وہاں سے پیپ اور لہو بہنے لگتا۔ افراتفری میں ان لوگوں نے یمن کی طرف بھاگنا شروع کیا۔ نفیل بن حبیب خشعمی کو، جسے یہ لوگ بدرقہ بنا کر بلادِ خشعم سے پکڑ لائے تھے، تلاش کر کے انہوں نے کہا کہ واپسی کا راستہ بتائے۔ مگر اس نے صاف انکار کر دیا اور کہا این المفر والا لہ الطالب ـ والاشرم المغلوب لیس الغالب اب بھاگنے کی جگہ کہاں ہے جبکہ خدا تعاقب کر رہا اور نکٹا (ابرھہ) مغلوب ہے، غالب نہیں ہے اس بھگدڑ میں جگہ جگہ یہ لوگ گر گر کر مرتے رہے۔ عطاء بن یسار کی روایت ہے کہ سب کے سب اسی وقت ہلاک نہیں ہو گئے بلکہ کچھ تو وہیں ہلاک ہوئے اور کچھ بھاگتے ہوئے راستے بھر گرتے چلے گئے۔ ابرھہ بھی بلاد خشعم پہنچ کر مرا۔ اللہ تعالیٰ نے حبشیوں کو صرف یہی سزا دینے پر اکتفا

نہ کیا بلکہ تین چار سال کے اندر یمن سے حبشی اقتدار ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ فیل کے بعد یمن میں ان کی طاقت بالکل ٹوٹ گئی، جگہ جگہ یمنی سردار علم بغاوت لے کر اٹھ کھڑے ہوئے، پھر ایک یمنی سردار سیف بن ذی یزن نے شاہ ایران سے فوجی مدد طلب کر لی اور ایران کی صرف ایک ہزار فوج جو چھ جہازوں کے ساتھ آئی تھی، حبشی حکومت کا خاتمہ کر دینے کے لیے کافی ہو گئی۔ (بحوالہ : تفہیم القرآن از مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی)

یہ سورہ فیل کا مختصر سا پس منظر ہے۔اس میں ہمیں یہ سبق ملا ہے کہ اللہ کے گھر کی حفاظت اللہ ہی کرتے ہیں، فرق صرف یہ ہے کہ پہلے پرندوں کو بھیجا گیا تھا، اب پرندے نہیں آتے لیکن اللہ تعالیٰ ایسے اسباب بناتے ہیں کہ اللہ کے گھر کو ڈھانے کی کوشش کرنے والے، اس کو جلانے والے یا اس کو ڈھانے اور جلانے کی کوشش کرنے والے اور اس کو ڈھانے ، جلانے اور گرانے کی ترغیب دینے والے نشانِ عبرت بن جاتے ہیں۔ جولائی ۲۰۰۷ میں جنرل مشرف نے اپنی طاقت کے نشے میں لال مسجد پر چڑھائی کر دی، جس وقت جنرل مشرف نے لال مسجد آپریشن کیا ، اس وقت وہ بہت مضبوط پوزیشن میں تھے کوئی انہیں چیلنج کرنے والا نہ تھا، اپوزیشن کی بات کو اہمیت دینے کو وہ تیار نہ تھے اور انہیں لگتا تھا کہ ان کے اقتدار اور وردی کو بقائے دوام حاصل ہو گئی ہے لیکن لال مسجد آپریشن کے بعد ہی ان

کے اقتدار کی نیا ڈولنا شروع ہو گئی، اور چند ماہ بعد ہی پہلے انہوں نے وردی اتاری اور پھر صدارت کے عہدے کی مدت ختم ہونے کے بعد وہ پاکستان سے باہر چلے گئے، اس طرح ان کے طویل دور اقتدار کا خاتمہ ہوا۔

سانحہ پشاور کے بعد متحدہ قومی موومنٹ کے قائد الطاف حسین نے بھی لال مسجد کو ڈھانے، گرانے اور جلانے کی باتیں کیں۔ انہوں نے عوام کو ترغیب دی کہ اس کو ڈھا دیا جائے، درباری قسم کے علما نے لال مسجد کو مسجد ضرار قرار دینے کے لیے قرآن و حدیث سے مثالیں پیش کیں۔ جس وقت الطاف حسین صاحب یہ ساری باتیں کر رہے تھے، وہ بھی بہت اچھی پوزیشن میں تھے، لندن میں بھی بظاہر سکون ہوگیا تھا۔ منی لانڈرنگ کیس کی گرد بیٹھ چکی تھی، عمران فاروق قتل کیس میں بھی کوئی پیش رفت نہیں ہورہی تھی، دوسری جانب متحدہ قومی موومنٹ مسلم لیگ ن سے عہد وپیان کرنے کی کوششوں میں مصروف تھی۔ اس کے علاوہ الطاف حسین صاحب آرمی چیف اور فورسز کی خوشامدوں میں مصروف تھے، بظاہر راوی چین ہی چین لکھ رہا تھا کہ اچانک نائن زیرو پر چھاپہ پڑا اور پھر سارا منظر تبدیل ہوگیا۔ الطاف حسین صاحب اس چھاپے کے بعد ہی بوکھلائے بوکھلائے پھر رہے ہیں، اس دن سے لیکر گزشتہ روز تک انہوں نے کئی متضاد قسم کے بیانات دیئے، کبھی وہ ایک بات کہتے ہیں کبھی دوسری بات، ان کے خلاف رینجرز نے ایف آر کٹوائی اور مقدمہ قائم کیا۔ رابطہ کمیٹی الطاف حسین صاحب کے کسی بیان کی بمشکل تمام

صفائی پیش کرتی ہے کہ وہ دوسرا بیان داغ دیتے ہیں۔ رابطہ کمیٹی دفاعی پوزیشن پر کھڑی ہے۔ نجی چینلز کی بہتات کے باعث اب لوگ جھوٹ اور سچ میں فرق محسوس کررہے ہیں۔ صولت مرزا کے بیان نے ہی کچھ کم طوفان کھڑا کیا تھا کہ اس دوران مبشر لقمان نے اپنے پروگرام میں نائن زیرو پر چھاپے کی فوٹیج پیش کرکے متحدہ کے بیانات کی نفی کردی۔ متحدہ ابھی اس سے سنبھلنے ہی نہ پائی تھی کہ الطاف حسین صاحب نے لگاتار دو طویل دورانیے کے خطاب کیے اور اس میں انہوں نے پارٹی کارکنوں (جس میں خواتین کی بھی بہت بڑی تعداد موجود تھی)کے سامنے عمران خان کے بارے میں شرمناک الفاظ استعمال کیے اور مغلظات بکیں۔ صبح انہوں نے یہ خطاب کیا اور رات کو صولت مرزا کی اہلیہ نے شاہ زیب خانزادہ کے پروگرام میں مزید اہم انکشافات کرکے رہی سہی کسر پوری کردی ہے۔ان ساری باتوں سے ایسا لگ رہا ہے کہ پاکستان بالخصوص کراچی کے عوام اب متحدہ کے جبر سے آزاد ہونے والے ہیں۔

میں یہاں مولانا عبدالعزیز کی وکالت نہیں کررہا، بحیثیت ایک انسان ان کے اندر بھی کمزوریاں اور خامیاں ہیں، انہوں نے جرم کیا ہے تو بے شک انہیں عدالتوں میں گھسیٹیں اور اگر وہ قاتل اور باغی ہیں تو انہیں پھانسی چڑھادیں لیکن اس کی آڑ میں مساجد، دین اسلام اور شعائر اسلام کو تو نشانہ نہ بنائیں۔ مولانا عبدالعزیز کی آڑ میں جس طرح جنرل مشرف اور الطاف حسین نے

مساجد اور شعائر اسلام کو نشانہ بنانے کی کوشش کی۔ اللہ تعالی کی بے آواز لاٹھی حرکت میں آئی اور اللہ کے گھر کو اپنے مذموم مقاصد اور دشمنان دین کو خوش کرنے کے لیے جلانے، گرانے اور ڈھانے کی کوشش کرنے والوں کو نشان عبرت بنادیا کہ دیکھو انہیں جو دیدہ عبرت نگاہ ہو۔

روہنگیا مسلم: آنسوؤں اور آہوں کی روداد

.برما کی سرزمین جہاں گزشتہ 40 برسوں سے روہنگیا مسلمانوں کی نسل کُشی کی جارہی ہے۔روہنگیا اراکان صوبے پر۔برما 1700ء میں قبضہ کیا۔ایسٹ انڈیا کمپنی نے بنگال ایڈمنسٹریشن کو اراکان تک توسیع دی اور اراکان کے درمیان کوئی سرحد موجود نہیں تھی۔دوسری جنگِ عظیم کے بعد انگریزوں نے اراکان پر قبضہ ختم کرلیا۔برٹش آرمی کے جانے کےبعد جاپانی فوج نے اراکان پر ہلہ بول دیا اور اور روہنگیا مسلمانوں کا قتل عام کیا جبکہ سینکڑوں خواتین کی عصمت دری کی گئی۔اس دوران چالیس ہزار مسلمان سرحد عبور کرکے برٹش علاقے میں داخل ہوگئے۔

.برما 1824 سے 1948 تک انگریزوں کے قبضے میں رہا اور 4 جنوری 1948 کو آزاد ہوا لیکن مسلمانوں نے یہاں الگ صوبے کی تحریک 1947 کے دوران ہی شروع کردی تھی۔یہ تحریک 1962 تک کافی منظم اور متحرک تھی لیکن 1962 میں فوجی جنرل نے وِن نے اقتدار پر قبضہ کرلیا اور جنرل نے وِن کے دورِ اقتدار میں اس تحریک کو کچلنے کے لیے ایک بار پھر مسلمانوں کا بے دردی سے قتل عام کیا گیا۔1978 میں روہنگیا مسلمانوں کے خلاف ”آپریشن ڈریگون“ کیا گیا۔اسی فوجی آپریشن کے دوران.برمی مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد ہجرت کرکے پاکستان

میں بھی آئی۔ 1982 میں ایک متنازع قانون کے ذریعے انہیں شہریت سے بھی محروم کر دیا گیا۔برما میں روہنگیا مسلم حکومت کے عتاب کا شکار رہے ہیں۔برما کیمختلف حکومتوں نے یہاں مسجدوں کی بے حرمتی کی، مساجد ومدارس کی تعمیر پر قدغن لگا دیا لاؤڈ سپیکر سے اذان ممنوع قرار دی گئی ، مسلم بچے سرکاری تعلیم سے محروم کیے گیے، ان، پر ملازمت کے دروازے بند کر دیئے گئے۔ان کے خانگی قوانین تبدیل کیے گئے۔لڑکیوں کی شادی کے لیے 25 سال اور لڑکوں کی شادی کے لیے30 سال عمر کی تحدید کی گئی ،
جب کہ شادی کے لیے حکومت سے اجازت لازمی قرار دی گئی۔تازہ ترین حکم نامہ یہ ہے کہ روہنگیا مسلم خاتون کو پابند کیا گیا ہے کہ ایک بچے سے دوسرے بچے کی پیدائش کے درمیان کم از کم تین سال کا وقفہ ہونا لازمی ہے۔

روہنگیا مسلمانوں پر تشدد کی تازہ لہر دراصل تین سال پہلے شروع ہوئی۔ جون 2012 میں ایک بدھسٹ لڑکی کو زیادتی کے بعد قتل کر دیا گیا، اور اس کا الزام مبینہ طور پر مسلمانوں پر لگایا گیا۔ اس واقعے کے منظر عام پر آتے ہیں آہنساکے پرچارک، بدھاکے پیروکار جو کہ اس لیے ننگے پاؤں چلتے ہیں کہ کہیں پاؤں کے نیچے کوئی چیونٹی یا کیڑا نہ آجائے ، انھوں نے اپنی کینچلی اتار دی اور دنیا نے بدھسٹوں کا ایسا بھیانک روپ دیکھا جو شاید پہلے کبھی سامنے نہ آیا تھا۔بی بی سی ،چینل فور اور دیگر ذرائع ابلاغ میں شائع ہونے

والی رپورٹس کے مطابق ان فسادات میں مسلمانوں کے 10ہزار سے زائد گھروں کو آگ لگادی گئی، گاؤں کے گاؤں جلا دیئے گئے۔ 80ہزار سے زائد مسلمانوں کو بے گھر کیا گیا۔ جبکہ ہزاروں کی تعداد میں مسلمانوں کی شہید کر دیا گیا ہے اور ان کی خواتین کی عصمت دری کی گئی ہے۔

برما کی حکومت روہنگیا مسلمانوں کو اپنا شہری تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہے۔ وہ انہیں غیر قانونی تارکین وطن قرار دیتی ہے۔ میانمار (برما) کی حکومت نے انہیں رجسٹرڈ کرنے کی یہ شرط عائد کی ہے وہ اپنے آپ کو روہنگیا مسلم نہیں بلکہ بنگلہ دیشی تارکین قرار دیدیں تو انہیں برما کی شہریت دی جاسکتی ہے، لیکن روہنگیا مسلم اپنی شناخت چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ بنیادی مسئلہ شناخت کا نہیں ہے بلکہ اصل بات یہ ہے کہ اس طرح انہیں تیسرے درجے کا شہری بنایا جائے گا، وہ مسلمان جو صدیوں سے اراکان صوبے کے رہائشی ہیں انہیں مہاجرین کا درجہ دیدیا جائے گا اور اس طرح وہ اپنی ہی سرزمین پر اجنبی بن جائیں گے۔

یہاں میں ضمنی طور پر اراکان صوبے کی مختصر تاریخ بھی بیان کرتا چلوں۔ اراکان میں خلیفہ ہارون الرشید کے دور میں مسلم تاجروں کے ذریعے اسلام کی دعوت پہنچی تھی ۔ مسلم تاجر تجارت کے ساتھ ساتھ دعوت و تبلیغ کا فریضہ بھی سرانجام دیتے رہے، مسلمان تاجروں کی ایمان داری ، خوش اخلاقی اور اسلام کی

سادہ اور فطری تعلیمات کے باعث وہاں آبادی کے بڑے حصے نے اسلام قبول کرلیا۔
1430 میں یہاں اسلامی سلطنت قائم کرلی گئی، یہاں کی کرنسی پر لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ اور نیچے چاروں خلفائے راشدین کے نام کندہ ہوتے تھے۔ مسلمانوں نے یہاں مساجد تعمیر کرائیں، مدارس و جامعات قائم کی گئیں۔ مسلمانوں کی یہ حکومت تقریباً 350 سال تک قائم رہی۔ 1784 میں بدھسٹوں نے اراکان صوبے پر حملہ کرکے اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی، اور اس کا نام بدل کر میانمار رکھ دیا اور اسے برما میں ضم کردیا۔

جون 2012 سے اب تک کم و بیش 80 ہزار روہنگیا مسلمانوں کو شہید کیا جاچکا ہے۔ جو مسلمان کسی نہ کسی طرح وہاں سے کشتیوں کے ذریعے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوئے تو انہیں ایک اور مشکل کا سامنا کرنا پڑا کہ پڑوسی ممالک نے انہیں اپنے ساحلوں پر اترنے کی اجازت نہیں دی، اس طرح درجنوں لوگ اپنے جان سے ہاتھ دھو بیٹھے، عالمی دباؤ پر انڈونیشیا نے انہیں مدد فراہم کی اور اپنے ملک میں عارضی کیمپوں میں پناہ دیدی۔

جب کہ مئی 2015 میں ہی یہ روح فرسا انکشاف بھی ہوا کہ انڈونیشیا اور تھائی لینڈ کے سرحدی جنگلات میں 30 سے زائد اجتماعی قبریں بھی دریافت ہوئی ہیں جن کے بارے میں کہا جارہا ہے کہ یہ ان روہنگیا مسلمانوں کی قبریں ہیں جن کو انسانی اسمگلروں نے حکام سے بچنے کی خاطر موت کے گھاٹ اتار دیا اور اجتماعی قبروں میں دفن کردیا۔

خیال کیا

جاتا ہے کہ ان قبروں میں تین سو سے زائد افراد کی میتیں دفن ہیں۔
مسلم حکمرانوں میں ترکی کے وزیر اعظم رجب طیب ایردوان اور ان کی اہلیہ نے پہلی بار وہاں کا دورہ کیا اور وہاں کے مسلمانوں سے اظہار یکجہتی کیا، اس موقع پر ترکی کی خاتونِ اول روہنگیا مسلمان کی خستہ حالت اور کسمپرسی کو دیکھ کر آبدیدہ ہوگئیں۔پاکستان میں مذہبی جماعتوں کے احتجاج کے باعث حکومتِ پاکستان بھی حرکت میں آئی، وزیر اعظم پاکستان اور وفاقی وزیر داخلہ نے اس حوالے سے بیانات دیئے، جبکہ ایک اعلیٰ سطح کا اجلاس بھی منعقد کرکے روہنگیا مسلمانوں کے مسئلے کو عالمی سطح پر اٹھانے اور ان کی مدد کرنے کا کا فیصلہ کیا گیا، دوسری جانب سعودی عرب اور متحدہ عرب امارات بھی خواب غفلت سے جاگے اور انھوں نے بھی روہنگیا مسلمانوں کے لیے مالی امداد کا ارادہ کرلیا ہے۔، جبکہ گذشتہ روز سینیٹ میں اس حوالے سے ایک متفقہ قرارداد بھی منظور کی گئ ہے، امیر جماعت اسلامی سراج الحق نے اسلام میں آباد میں اقوام متحدہ کے نمائندے سے ملاقات کی اور اس حوالے یادداشت پیش کی۔
یہاں عالمی بے ضمیری کا ذکر کرنا تو بے کار ہے کیوں کہ ان کے معیارات دہرے ہیں لیکن میانمار کی امن کا نوبل انعام پانے والی عالمی شہرت یافتہ خاتون رہنما آنگ سان سوچی کا ذکر ضرور کروں گا کہ امن کا نوبل انعام پانے والی ان

خاتون نے روہنگیا مسلمانوں کی نسل کُشی پر بیان جاری کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔
بہر حال روہنگیا مسلم ان وقت سخت اذیت اور عذاب کا شکار ہیں ، ہم ان کے لیے کچھ نہیں کر سکتے تو کم از کم ان کے لیے آواز تو بلند کر سکتے ہیں، اس حوالے سے حکمرانوں پر دباؤ تو ڈال سکتے ہیں، ان کے لیے دستِ دعا تو بلند کر سکتے ہیں۔

روہنگیا مسلمانوں کی فریاد

آنسوؤں اور آہوں کی روداد سُن
ربِ کونین میری بھی فریاد سن
آج میں دہر میں سب سے مظلوم ہوں
حق پے ہوتے ہوئے حق سے محروم ہوں
شامِ خوں رنگ ہوں ، صبحِ مغموم ہوں
جس پے چلتے ہیں خنجر وہ حلقوم ہوں

چارلی چیپلن کی حقیقت

چارلی چیپلن: ہالی ووڈ کا مشہور و معروف مزاحیہ کردار۔ خاموش فلموں اور بولتی فلموں کے ابتدائی دور کے اس کردار کو کون بھول سکتا ہے لیکن بہت کم لوگوں کو یہ بات معلوم ہوگی کہ چارلی چیپلن کا کردار درحقیقت ایڈ وولف ہٹلر سے خائف ہوکر، اس کا مضحکہ اڑانے، اس کا مذاق بنانے کے لیے تخلیق کیا گیا تھا۔ یہ اہل مغرب کا خاص طریقہء واردات ہے کہ جس کو مغلوب نہ کر سکیں، جسے شکست نہ دے سکیں، پھر اس کو پروپیگنڈے کے ذریعے کمزور کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔

اس کی سب سے بڑی مثال نبی مہربان صلی اللہ علیہ وسلم کے خاکے بنانے کی ناکام جسارت ہے اور دوسری مثال مجاہدین کے بارے میں بنائی جانے والی فلمیں، کارٹون اور مضحکہ خیز تصاویر ہیں۔ ہم ان فلموں ، ان کارٹونز کو دیکھتے ہیں اور ہنستے ہوئے نظر انداز کر دیتے ہیں لیکن ان کا یہ خاموش پروپیگنڈا ہمارے ذہنوں کو غیر محسوس انداز میں تبدیل کر رہا ہوتا ہے۔ علامہ اقبال نے کیا خوب ہی کہا ہے اہل مغرب کے بارے میں

میخانہ یورپ کے دستور نرالے ہیں
لاتے ہیں سُرور اوّل ، دیتے ہیں شراب آخر

جان کر جیو

نیکیوں کا موسمِ بہار

تمام پاکستانیوں اور دنیا بھر کے مسلمانوں کو نیکیوں کے موسم بہار کی آمد کی بہت بہت مبارک باد۔ رمضان المبارک کے بارے میں قرآن پاک میں ارشادِ ربانی ہے۔ ترجمہ:
"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم پر روزے فرض کر دیئے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے انبیاء کے پیروؤں پر فرض کیے گئے تھے۔ اس سے توقع ہے کہ تم میں تقویٰ کی صفت پیدا ہو گی" (سورہ البقرہ آیت ۱۸۳)

روزے کی فرضیت کا یہ حکم نبی مہربان صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ سے مدینہ ہجرت کے تقریباً ڈیڑھ سال بعد دیا گیا۔ مولانا مودودیؒ تفہیم القرآن میں لکھتے ہیں کہ ابتداء میں پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ہر ماہ کے تین روزے رکھنے کا حکم دیا تھا لیکن یہ حکم فرض نہ تھا، پھر ۲ ہجری کو روزوں کو رمضان کے روزوں کا حکم نازل کیا گیا۔

روزے کو عربی میں صوم اور روزہ دار کو صائم کہتے ہیں۔ اس صائم اس خاص گھوڑے کو بھی کہا جاتا ہے جس کو بھوکا پیاسا رکھ کر اس کی تربیت کی جاتی ہے، اسے سخت حالات سے گزارا جاتا ہے اور اپنے مالک کا وفادار اور مطیع بننے کی

تربیت دی جاتی ہے، جب وہ تربیت یافتہ ہو جاتا ہے، سخت حالات کا عادی اور اپنے مالک کا مطیع و وفادار ہو جاتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ اب صائم ہوگیا ہے یعنی مالک کا وفادار ہوگیا ہے۔ یہی کیفیت روزہ دار کی ہوتی ہے کہ ایک ماہ کی بھوک پیاس اور حلال چیزوں سے بھی پرہیز، فرائض کے ساتھ ساتھ نوافل عبادات کا اہتمام، ریاضت اور صدقہ و خیرات کے ذریعے اپنی جسمانی تربیت حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی روح کو بھی ترو تازہ کرکے اپنے مالک، اپنے آقا ربِ کائنات کی فرمانبرداری کی تربیت بھی حاصل کرتا ہے۔

ایک حدیثِ مبارکہ میں روزے کو ڈھال قرار دیا گیا ہے۔ جس طرح ڈھال انسان کو دشمن کے وار سے بچاتی اور دشمن سے بچاتی ہے ٹھیک اسی طرح روزہ بھی شیطانی وار، برائیوں سے انسان کی حفاظت کرتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ روزہ از خود کسی برائی کو روک لے گا، بلکہ انسان اپنے روزے کو برائیوں اور شیطان کے وسوسوں کے خلاف ڈھال کے طور پر استعمال کرے گا۔ اس کی وضاحت ایک اور حدیث پاک سے ہوتی ہے۔ متفق علیہ حدیث کا مفہوم ہے کہ '' اگر کوئی شخص روزہ دار سے گالی گلوچ کرے یا لڑے تو وہ اس سے کہہ دے کہ بھائی میں روزے سے ہوں''۔ لیکن اگر روزہ دار خود بھی جھگڑے، گالی گلوچ کرے یا اسی طرح کا جواب دے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس نے از خود اپنی ڈھال پھینک دی۔

رمضان کو نیکیوں کا موسم بہار کہا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس مہینے میں بندۂ مومن پورے سال سے زیادہ نیکیاں کرتا ہے۔ انفرادی اور اجتماعی نیکیاں بھی اسی مہینے میں سب سے زیادہ ہوتی ہیں۔ لیکن اس کی کیا وجہ ہے؟۔ وجہ بہت سادہ ہے، چونکہ رمضان المبارک روزوں اور تراویح کا اہتمام تمام دنیا کے مسلمان بیک وقت کرتے ہیں۔ ساری قوم ایک ہی وقت میں روزہ رکھتی اور افطار کرتی ہے، سارے لوگ ایک ہی وقت میں سحری کا اہتمام کرتے ہیں اور تراویح پڑھتے ہیں اور انفرادی عبادات و نوافل کا بھی اہتمام کرتے ہیں۔ اس طرح سارا معاشرہ مجموعی طور پر نیکی اور فلاح کی جانب راغب ہوتا ہے اور ایسا موحول پیدا ہوجاتا ہے جس میں نیکی کرنا آسان ہوجاتا ہے۔ اس ماہ میں زکوۃ اور فطرہ بھی ادا کیا جاتا ہے، جب کہ روزہ دار کو روزہ کرانے کا اجر الگ ہے۔ اس ماہ میں تمام عبادات خواہ وفرض ہو نفل ان کا اجر عام دنوں کی نسبت 70 گنا بڑھادیا جاتا ہے۔

رمضان کو قرآن کا مہینہ بھی کہا جاتا ہے۔ سورہ قدر میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ”ہم نے اس (قرآن) کو شبِ قدر میں نازل کیا اور تم کیا جانو کہ شب قدر کیا ہے؟ شب قدر ہزار مہینوں سے زیادہ بہت ہے“۔ (سورہ القدر) شب قدر رمضان المبارک کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں سے ایک رات کو کہتے ہیں۔ اسی رات میں قرآن پاک نازل ہوا، رمضان المبارک میں ہی اجتماعی اور انفرادی

طور پر سب سے زیادہ قرآن پاک پڑھا اور سنا جاتا ہے۔ دنیا بھر میں لاکھوں حفاظِ کرام تراویح میں قرآن سناتے ہیں اور کروڑوں مسلمان سنتے ہیں۔ اسی ماہ میں مسلمان انفرادی طور پر قرآن پاک کی تلاوت کا اہتمام کرتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ کم از کم ایک بار تو پورے قرآن کی تلاوت کرلی جائے۔

پھر یہ بات دیکھیں کہ جس رات میں قرآن نازل ہوا اس کو ہزار مہینوں سے افضل قرار دیا گیا ہے۔ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رمضان کا مہینہ آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" یہ مہینہ تمارے اوپر آیا ہے اور اس میں ایک رات ہے جو ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے، جو اس سے محروم رہ گیا وہ تمام کی تمام بھلائی سے محروم رہ گیا اور اس کی بھلائی سے محروم وہی رہتا ہے جو ہے ہی بے نصیب (ابنِ ماجہ) مولانا مودودیؒ ہزار مہینوں سے افضل رات کی تشریح کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہزاروں ماہ میں بھی بنی نوع انسان کی بھلائی کا وہ کام نہیں ہوا جو کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک نازل فرما کر انسانوں کے لیے کیا ہے۔

روزے کا مقصدہ محض انسان کو بھوکا پیاسا رکھنا نہیں ہے بلکہ اس کا اصل مقصد انسان کے اندر تقویٰ اور پرہیزگاری کی صفات پیدا کرنا ہے، اگر کوئی فرد روزے کا مقصد صرف صبح سے شام تک بھوکا پیاسا رہنا ہے تو وہ بہت بڑی غلطی

کرتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اگر کسی شخص نے جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر عمل کرنا نہ چھوڑا تو اللہ کو اس کی کوئی حاجت نہیں کہ وہ پنا کھانا اور پینا چھوڑ دے۔ (بخاری) یعنی اگر کوئی فرد روزے کی حالت میں جھوٹ بولنے اور اس پر عمل کرنے اور دیگر برائیوں سے باز نہیں آتا تو اللہ کو محض اس کے بھوکے پیاسے رہنے کی کوئی حاجت نہیں ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کتنے ہی روزہ دار اسے ہیں کہ جنھیں اپنے روزوں سے سوائے پیاس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا اور کتنے ہیں راتوں کو کھڑے ہو کر عبادت کرنے والے ایسے ہیں کہ جنھیں اس عبادت سے نیند کی محرومی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ (دارمی) اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اعمال کو نہیں بلکہ ہمارے اخلاص اور نیت کو دیکھتے ہیں ۔ اب اگر ایک شخص بظاہر پورا دن کچھ کھائے پیے نہیں اور بھوکا پیاسا رہے اور ساتھ ہی راتوں کو جاگ جاگ کر نوافل اور ذکر و اذکار بھی کرتا رہے لیکن اس کے ساتھ ہی وہ ہر قسم کے ناجائز اور غلط کام کرتا رہے تو اس کا روزہ اور ساری عبادات ظاہری طور پر تو پوری ہو جائیں گی لیکن درحقیقت اس کو بھوک اور پیاس اور رت جگے کے علاوہ کچھ حاصل نہ ہوگا۔

آخری بات:

سکتہ کے مریض کا آخری امتحان اس طرح لیا جاتا کہ اس کی ناک کے پاس آئینہ رکھتے ہیں ۔ اگر اس آئینے پر کچھ دھندلاہٹ پیدا ہو تو تو سمجھتے ہیں کہ ابھی جان باقی ہے، ورنہ اس کی زندگی کی آخری امید بھی منقطع ہو جاتی ہے۔ اسی طرح مسلمانوں کی بھی کسی بستی کا تمھیں امتحان لینا ہو تو اسے رمضان کے مہینے میں دیکھو۔ اگر اس مہینے میں اس کے اندر کچھ تقویٰ، کچھ خوفِ خدا اور کچھ نیکی کے ابھار کا جذبہ نظر آئے تو سمجھو ابھی زندہ ہے۔ اور اگر اس مہینے میں نیکی کا بازار سرد ہو، فسق و فجور کے آثار نمایاں ہوں اور اسلامی حِس مردہ نظر آئے تو انا للہ وَانا الیہ راجعون پڑھ لو۔ اس کے بعد زندگی کا کوئی سانس مسلمانوں کے لیے مقدر نہیں ہے۔ (سید ابوالاعلیٰ مودودی

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں اس ماہ مبارک میں سچے دل سے توبہ کرنے، جہنم سے نجات اور جنت حاصل کی توفیق عطا فرمائے، ہمیں ریاکاری سے بچاتے ہوئے خالص اللہ ہی کے لیے عبادات کرنے کی توفق عطا فرمائے اور اس ماہ مبارک کی برکت سے امتِ مسلمہ بالخصوص برما، فلسطین اور کشمیر کے مسلمانوں کی مشکلات اور پریشانی کا خاتمہ فرمائے۔ آمین

این جی اوز: آفتاب پر نگاہیں ، شفقت تھا نشانہ

گزشتہ چند ماہ سے ذرائع ابلاغ میں پھانسی کے منتظر قیدی شفقت حسین کا تواتر سے ذکر ہو رہا ہے۔ شفقت حسین کی پھانسی کی سزا چار بار مؤخر ہو چکی ہے۔ شفقت حسین جس کا تعلیم آزاد کشمیر ضلع مظفر آباد کی وادی نیلم سے ہے۔ شفقت حسین کو ایک سات سالہ بچے عمیر کو اغوا کے بعد زیادتی اور زیادتی کے بعد قتل کے جرم میں 2001 میں گرفتار کیا گیا تھا۔ جرم ثابت ہونے پر اسے پھانسی کی سزا سنا دی گئی لیکن پاکستان میں پھانسی کی سزا پر غیر اعلانیہ پابندی کے باعث اس کی سزا پر عملدرآمد نہیں ہوا تھا۔ دسمبر 2014 میں آرمی پبلک اسکول پر دہشت گردوں کے حملے کے بعد جب پھانسی کی سزاؤں پر عملدرآمد شروع کیا گیا تو شفقت حسین کی موت کا پروانہ Death warrant جاری کر دیا گیا۔ ابتدائی طور پر اس کو 14 جنوری کو پھانسی دی جانی تھی ، پھر 19 مارچ کی تاریخ مقرر کی گئی ، آخری بار اس کے لیے 9 جون کی تاریخ مقرر کی گئی لیکن تاحال وہ پھانسی سے محفوظ ہے۔

شفقت حسین کی پھانسی روکنے کے لیے حقوق انسانی کی غیر سرکاری تنظیموں (NGOs) نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہوا ہے۔ ان کی پوری کوشش ہے کہ اس کو کم عمر ثابت کرکے اس کی سزا ختم کرائی جاسکے۔ ان کا موقف ہے کہ شفقت حسین جرم کرتے

وقت نابالغ یا کم عمر تھا، اور جب اسے سزا سنائی گئی یعنی 2004 میں بھی اٹھارہ سال سے کم تھا۔ یہ بات پاکستان کے ہر طبقہ فکر کے لیے حیرت انگیز تھی کہ یہ این جی اوز کسی مفاد کے بغیر کسی بھی معاملے پر آواز نہیں اٹھاتی ہیں تو پھر اچانک شفقت حسین سے انہیں دس سال بعد ہمدردی کیوں پیدا ہو گئی۔

یہ گتھی کبھی سلجھ نہ پاتی اگر 10 جون 2015 کو لاہور جیل میں تہرے قتل کے مجرم آفتاب بہادر مسیح کو تختۂ دار پر نہ لٹکایا جاتا۔ آفتاب بہادر مسیح نے 1992 میں لاہور میں ایک خاتون اور اس کے دو کم سن بچوں کو فائرنگ کرکے قتل کر دیا تھا۔ جرم ثابت ہونے پر اسے پھانسی کی سزا سنادی گئی۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ اس وقت پاکستان میں کم عمری میں پھانسی کی سزا دی جاسکتی تھی۔ سن 2000 میں پھانسی کے لیے کم از کم عمر 18 سال مقرر کی گئی تھی۔ آفتاب بہادر مسیح کو جب سزا سنائی گئی تو اس وقت وہ 15 سال کا تھا لیکن قانوناً اس وقت پھانسی کی سزا کے لیے اٹھارہ سال کی قید نہیں تھی۔

جی تو اب سمجھ میں آیا کہ یہ سیو دی چلڈرن، یہ ایمنسٹی انٹرنیشنل، یہ ریپریو یہ حقوق انسانی کی نام نہاد چیمپئین تنظیمیں شفقت حسین کے لیے کیوں آواز اٹھا رہی تھیں؟ ان تنظیموں اور ان کے سرپرستوں نے بڑی ہوشیاری سے شفقت حسین کے کاندھے پر رکھ کر بندوق چلانے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے کہیں بھی، کسی

بھی جگہ آفتاب بہادر مسیح کا نام آنے نہیں دیا کہ کہیں کسی کو شک نہ ہو جائے۔ شفقت حسین کی آڑ میں برکت کے لیے راہ ہموار کی جاتی رہی، اگر عدلیہ شفقت حسین کو کم عمری کا فائدہ دے کر اس کی سزا منسوخ کر دیتی تو پھر سارے حقوق انسانی کے چیمپئن کھل کر آفتاب بہادر کے لیے آواز اٹھاتے اور اس کے لیے جواز شفقت حسین کے کیس کو بنایا جاتا لیکن 10 جون کو آفتاب بہادر مسیح کی سزائے موت پر عمل ہونے کے بعد ہمیں یقین ہے کہ اب شفقت حسین کے کیس میں ان کی دلچسپی ختم ہو چکی ہے اور اب شفقت حسین کے پھانسی کے معاملے کو زیادہ دیر تک نہیں روکا جاسکے گا۔ یہ بات بھی بتاتا چلوں کہ آفتاب بہادر مسیح کو پھانسی ہونے پر ایمنسٹی انٹرنیشنل نے مذمتی بیان جاری کیا تھا اور اسے انسانی حقوق کی خلاف ورزی قرار دیا تھا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا تین انسانوں کی جان لینا انسانی حقوق کی خلاف ورزی نہیں ہے؟ بہر حال شفقت حسین کی آڑ میں جو کھیل کھیلا جارہا تھا آفتاب بہادر مسیح کی پھانسی کے بعد اب وہ ختم ہو جائے گا۔ علامہ اقبال کے اس شعر کے ساتھ ہی اپنی بات ختم کروں گا کہ

اس کھیل میں تعیین مراتب ہے ضروری
شاطر کی عنایت سے تُو فرزیں، میں پیادہ
بیچارہ پیادہ تو ہے اک مہرہ ناچیز

فرزیں سے بھی پوشیدہ ہے شاطر کا ارادہ!

سوگوار عید

آج عید کا دن ہے۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں کے لیے ایک انعام۔ اللہ کے نیک بندے رمضان المبارک کے پورے مہینے نفس کشی کرتے رہے، دن کو بھوکے پیارے رہتے ، راتوں کو طویل عبادات کرتے، نوافل اور تلاوت کے ذریعے رب کو راضی کرنے کی کوشش کرتے رہے قیام الیل کرتے ہوئے رب سے کبھی سرگوشیوں میں اور کبھی آہ بہ آوازِ بلند آہ وزاری کرتے ہوئے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرتے رہے۔آج رب کی طرف سے انہیں ان کی عبادات ، صبر و شکراور نفس کشی کے دنیاوی انعام کے طور پر عید کا دن عطا کیا گیا ہے رہی آخرت کی بات تو نبی مہربان صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ روزہ میرے لیے ہے اور اس کا اجر میں دوں گا۔

آج ہر طرف خوشیاں ہیں۔ لوگ جوق در جوق عید گاہ کی طرف جاتے ہیں، نماز عید کے بعد ذوق و شوق سے ایک دوسرے سے گلے ملتے ہیں، اپنی کوتاہیوں، زیادتیوں کی ایک دوسرے سے معافی طلب کرتے ہیں۔آج کے دن تو برسوں کے روٹھے ہوئے بھی مان جاتے ہیں ۔ کتنی ہی آنکھوں میں آج بچھڑے ہوئے ، روٹھے ہوئے اپنوں سے ملنے کی خوشی کے آنسو ہیں۔خواتین کی ذمہ داری دہری ہے، انہوں نے خود بھی

تیار ہونا ہے لیکن اس سے پہلے تمام گھر والوں کی تیاری کا سامان مکمل کرنا ہے۔ کوئی پوچھتا آپی میری نئی چپل کہاں ہے؟ کہیں سے آواز آ رہی ہے امی نماز کے لیے جانا ہے خوشبو تو لگا دیں۔ اور لیجیے جناب شوہر نامدار کے کپڑے تو بیگم ہی استری کرتی ہیں اس لیے انہوں نے رات کو ہی یہ کام مکمل کرلیا ہے۔ چھوٹے بچوں کو نہلا دھلا کر صاف ستھرے کپڑے پہنا کر سجانا سنوارنا بھی ان خواتین کا ہی کام ہے۔ ان سب کاموں سے فارغ ہو کر اب انہیں باورچی خانہ بھی سنبھالنا ہے۔ آج تو بہت مہمان آئیں ہیں، ان کے لیے چائے، مشروبات، سویاں، شیر خرما، مٹھائی، بسکٹ، اور دیگر پکوان بنانے کا کام بھی خواتین ہی کرتی ہیں اور بڑی خوش اسلوبی سے کرتی ہیں۔ ان کی اس محنت ، مشقت کے لیے انہیں سلام پیش کرنا چاہیے۔ دیکھا جائے تو اگر صنفِ نازک ان تمام کاموں کا بوجھ نہ اٹھائے تو عید کا مزہ کرکرا ہو جائے ۔ شاعر مشرق نے ٹھیک ہی کہا تھا وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ۔ اسی لییخواتین کی محنت کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے میں محاورے میں تبدیلی کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ ہمتِ نسواں ۔ مددِ خدا

اصل عید تو بچوں کی ہوتی ہے۔امی ، ابو ، چچا، ماموں، تایا، دادا، دادی، نانا ، نانی، آپی بھائی جان الغرض کسی سے بھی عیدی مانگنے کا موقع جانے نہیں دیتے۔ بے فکری کی ، زندگی، تفکرات سے آزادی ۔انہیں اس بات سے کوئی غرض

نہیں ہے کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے، سیاسی حالات کیسے ہیں؟ موسم کتنا سخت ہے؟ بس یہ اپنی دنیا میں مست ہیں۔ لیجیے جناب انہوں نے عیدی پکڑی، آنکھوں پر رنگین عینکیں چڑھائیں اور اب اتراتے ہوئے، اکڑتے ہوئے ایک شان سے چلے جا رہے ہیں، دوستوں سے ملنا ہے، چاٹ کھانی ہے، آج تو جی بھر کے کولڈ ڈرنک بھی پی جائے گی۔

اور ہاں کئی علاقوں میں عید کے موقع پر چھوٹے موٹے میلے بھی تو لگ جاتے ہیں، وہاں بھی تو جانا ضرور ہے۔ آیئے ایک میلے کی سیر کرتے ہیں۔

یہ دیکھیے اونٹ والے اپنے اونٹ لیکر آ گئے ہیں، اب بچے بچیاں بڑے شوق سے اس کی سواری سے لطف اندوز ہو رہے ہیں، ویسے اونٹ کی سواری اتنی مزیدار نہیں ہے بلکہ جب وہ ہچکولے لیتا ہوا اٹھتا اور بیٹھتا ہے تو بچوں کو اسی میں زیادہ مزا آتا ہے۔ اوہو بھئی یہ دیکھیے، یہ گدھا گاڑی والا بھی آج میلے میں موجود ہے۔ یہ کیا کر رہا ہے؟ یہ بچوں کو، دس دس روپے میں گدھا گاڑی میں بٹھا کر تھوڑی سے سیر کر دیتا ہے۔ بچے بھی خوش، اور اس بیچارے کی عید بھی کچھ اچھی ہو جاتی ہے۔

جھولوں کے بغیر کبھی میلہ مکمل ہوتا ہے؟ نہیں نا۔ تو یہ جھولے والے بھی یہاں موجود ہیں۔ آج کا دن ان کے لیے بہت خاص ہے۔ آج انہیں بہت محنت کرنی ہے کیوں کہ بچے آج انہیں آرام نہیں کرنے دیں گے۔ ایک کے بعد دوسرا، دوسرے کے بعد

تیسرا اور اس طرح پے در پے کئی گروپ جھولوں میں بیٹھنے کے لیے تیار ہیں۔ ڈولی والا جھولا بچوں کے پسندیدہ جھولوں میں سے ایک ہے۔جب جھولا چلتا ہے تو ان کی زبان پر ایک ہی وِرد ہوتا ہے'' جھولے والے زور دو۔ کھانا پینا چھوڑ دو''۔ کشتی والے جھولے کے پاس بھی بہت رش ہے۔ بچے بچیاں اس میں بڑے شوق سے بیٹھے ہیں لیکن جب یہ جھولا چلتا ہے تو بچوں کی چیخیں بھی خوب نکلتی ہیں۔ اور یہ گول جھولا جس میں گھوڑا بھی ہے، ہاتھی بھی ہے، ڈولی بھی ہے۔ اس میں بھی بچے مزے کر رہے ہیں۔ارے یہ کیا! سارے جھولے والے تو خوب محنت کر رہے ہیں اور یہ جمپنگ کیسل والے صاحب تو بڑے سیانے ہیں۔ ان کا کام صرف اتنا ہے کہ بچوں سے پیسے لیکر انہیں جمپنگ کیسل پر چڑھا دیتے ہیں اور اب بچے خود ہی اچھل کود کر رہے ہیں۔ بھئی کام ہو تو ایسا جس میں کچھ کرنا نہ پڑے یعنی ہلدی لگے نہ پھٹکری اور رنگ چوکھا۔

اس طرف کیا ہو رہا ہے؟ یہاں بچے ائر گن سے نشانہ لگا کر لوہے کے ایک پتلے کو گرانے کی کوشش کر رہے ہیں تاکہ انعام حاصل کر سکیں۔ یا پھر ایک نشانہ لگا کر دو غباروں کو پھاڑ سکیں لیکن یہ دونوں کام بہت کم ہی ہوتے ہیں، اور اس کی ایک وجہ ہے لیکن ہم یہاں نہیں بتائیں گے ورنہ بہت سے غریبوں کا روزگار کم ہو جائے گا۔ارے یہ اس طرف بچوں کا رش کیوں ہے؟ بچے قطاریں بنا کر کیوں کھڑے ہیں؟ اوہو ہو بھئی ، یہاں تو بھوت بنگلہ ہے، ارے بھاگو بھیا کہیں کوئی بھوت

پکڑ نہ لے۔ عید کے میلوں میں لگنے والا بھوت بنگلہ بھی بچوں کے پسندیدہ آئٹمز میں سے ایک ہے۔ بچوں کو ڈر بھی لگ رہا ہے لیکن تجسس بھی ہے، بھوت بنگلے کے باہر کھڑے ہیں لیکن اندر سے خوفناک آوازیں سن کر خوفزدہ ہو رہے ہیں۔ سب کو ڈر لگ رہا ہے لیکن ایک دوسرے کے سامنے بہادر بنے کھڑے ہیں۔

یہ خوشیاں، یہ میلے، یہ عید کی گہما گہمی سب کو مبارک ہو۔ بچے تو معصوم ہوتے ہیں انہیں حالت و واقعات کا پتا نہیں ہوتا۔ لیکن ہمیں اس موقع پر بھولنا نہیں چاہیے کہ سانحہ پشاور کے معصوم شہداء کے والدین پہلی بار اپنے جگر گوشوں کے بغیر عید منائیں گے، عید کے دن جب کوئی ان سے عیدی مانگنے آئے گا تو انہیں اپنے بچوں کی یاد آئے گی، مائیں جب دوسرے بچوں کو سجا سنوار دیکھیں گی تو ان کے دل میں ہوک اُٹھے ی اور اپنے بچھڑے ہوئے لختِ جگر کو یاد کرکے دل بے قرار ہو جائے گا۔ ہاں روزِ قیامت اللہ تعالٰی ان معصوموں سے ضرور پوچھے گا کہ بتاؤں تمہیں کس جرم میں قتل کیا گیا؟۔ عید موقع پر سانحہ پشاور کے ان معصوم بچوں اور ان کے والدین کو بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ عید خوشی کا موقع ہے لیکن ملک کے سب سے بڑے شہر میں گرمی کی لہر سے جاں بحق ہونے والے دوہزار سے زائد لوگوں کے اہل خانہ کا غم تو ابھی تازہ ہے۔ ان کے دل لہو لہو ہیں۔ عید کے موقع پر اپنی دعاؤں میں انہیں بھی یاد رکھیے۔ یہ ورکنگ باؤنڈری پر شہید ہونے والوں کا تو شاید آج سوئم ہے، میں کس منہ سے ان

سب لوگوں کو عید کی مبارک باد دوں اور کہوں کہ اللہ آپ کو ایسی بے شمار عیدیں نصیب فرمائے۔

اللہ تعالٰی وطن عزیز کو اور اس میں رہنے والوں کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ دل غم سے بوجھل ہیں، آنکھیں نم ہیں لیکن اللہ کی رضا میں راضی رہنا ہی ایمان کی نشانی ہے۔ یہ عید تو سوگوار ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ انشا اللہ اب وطن عزیز میں آئندہ کوئی عید ایسی سوگوار نہیں گزرے گی۔ آمین

خبردار ! اسکول کھولنا منع ہے

جی ہاں بات یہی ہے۔ سندھ کی سوئی ہوئی سرکار نے طوفانی بارشوں اور سیلاب کے باعث سندھ بھر میں گرمیوں کی تعطیلات میں ایک ہفتے کا اضافہ کر دیا، اس طرح 3 اگست کو کھلنے والے اسکول اب 11 اگست بروز منگل کو کھلیں گے۔ نجی اسکولز کے مالکان کی تنظیم نے اس پر اپنا رد عمل ظاہر کرتے ہوئے 3 اگست کو ہی اسکول کھولنے کا اعلان کیا۔ انکا موقف یہ تھا کہ کراچی سمیت سندھ کے وہ اضلاع جو سیلاب سے متاثر نہیں ہے وہاں تو اسکول کھولے جاسکتے ہیں اور ان اضلاع میں تین اگست کو اسکول کھولنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ بس جناب سندھ سرکار کو اس اعلان میں اپنی سبکی محسوس ہوئی اور اس نے سوچا کہ چلو اچھا ہے اس بہانے ذرا سندھ کے عوام پر اپنا بھرم قائم رکھا جائے اور جناب سندھ کے سیکرٹری تعلیم نے اس اعلان پر غصے کا اظہار کرتے ہوئے اعلان کر دیا کہ ''سندھ حکومت نے اسکول بند رکھنے کا فیصلہ کیا ہے، جو اسکول اس فیصلے کی خلاف ورزی کریں گے ان کے خلاف کارروائی کی جائے گی، ان پر جرمانہ کیا جاسکتا ہے اور ان کی رجسٹریشن بھی منسوخ کی جاسکتی ہے۔''

بڑی عجیب سی بات ہے، یہاں سرکاری زمینوں اور سرکاری پارکس پر قبضے کیے

جا سکتے ہیں، کروڑوں اور اربوں روپے کی زمینیں کوڑیوں کے مول بیچی جا سکتی ہیں، ناجائز تجاوزات اور پتھارے لگانے کے لیے کسی این او سی ، کسی اجازت نامے کی ضرورت نہیں ہے، تارگٹ کلنگ کے لیے بھی کوئی اجازت درکار نہیں ہے،ایک ہی ہلے میں درجنوں بے گناہوں کو قتل کیا جاسکتا ہے، منشیات کا کاروبار کرنے کی آزادی ہے، کے الیکٹرک گھنٹوں گھنٹوں غیر اعلانیہ لوڈ شیڈنگ کر سکتی ہے ، ناجائز منافع خوری پر بھی سرکار کو کوئی اعتراض نہیں ہے ، سرکاری اسکولز اور کالجز میں نقل کا کاروبار جاری و ساری رہ سکتا ہے، لیکن قوم کے معماروں کا مستقبل بچانے کے لیے اسکول ایک ہفتہ پہلے نہیں کھولے جاسکتے ، ایسا کرنے والوں کو نشانِ عبرت بنا دیا جائے گا۔

سال میں 365 دن ہوتے ہیں لیکن ان 365 دنوں میں سے اسکول کتنے دن لگتے ہیں اس کا جائزہ لیتے ہیں۔ موسم گرما کی تعطیلات 60 ، موسم سرما کی تعطیلات 10 عیدین کی چھٹیاں 6، نو اور دس محرم کی 2 چھٹیاں، جمعۃ الوداع، 27 ویں شب کی ایک، ایک چھٹی، 14 اور 15 اگست کی چھٹیاں، شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ کے عرس کی چھٹی، عبداللہ شاہ غازیؒ کے عرس کی چھٹی۔ سالانہ امتحانات کے بعد کم از کم 10 دن کی مزید چھٹیاں یہ ہوئیں 94 چھٹیاں۔، اب ان میں 42 اتوار شامل کریں۔ (ویسے تو سال میں 52 اتوار ہوتے ہیں لیکن ہم سردیوں اور گرمیوں میں آنے والے اتوار کو یہاں شامل نہیں کر رہے۔) تو جناب یہ ہوئے 136 دن . . ان 136 دنوں کو

ساتھ کیا جائے۔

جاہلیت کے زمانے میں لوگوں کا طریقہ یہ تھا کہ ایک قوم یا قبیلے کے لوگ اپنے مقتول کے خون کو جتنا قیمتی سمجھتے تھے، اتنی ہی قیمت کا خون اس خاندان یا قبیلے یا قوم سے لینا چاہتے تھے جس کے آدمی نے اسے مارا ہو۔ محض مقتول کے بدلے میں قاتل کی جان لے لینے سے ان کا دل ٹھنڈا نہ ہوتا تھا۔ وہ اپنے ایک آدمی کا بدلہ بیسیوں اور سینکڑوں سے لینا چاہتے تھے۔۔۔۔ اور یہ حالت کچھ قدیم جاہلیت ہی میں نہ تھی۔ موجودہ زمانے میں جن قوموں کو انتہائی مہذّب سمجھا جاتا ہے، ان کے باقاعدہ سرکاری اعلانات تک میں بسا اوقات یہ بات بغیر کسی شرم کے دنیا کو سنائی جاتی ہے کہ ہمارا ایک آدمی مارا جائے گا تو ہم قاتل کی قوم کے پچاس آدمیوں کی جان لیں گے۔ اکثر یہ خبریں ہمارے کان سنتے ہیں کہ ایک شخص کے قتل پر مغلوب قوم کے اتنے یرغمالی گولی سے اڑائے گئے۔

ایک "مہذّب" قوم نے اِسی بیسویں صدی میں اپنے ایک فرد "سرلی اسٹیک" کے قتل کا بدلہ پوری مصری قوم سے لے کر چھوڑا۔ (جبکہ موجودہ زمانے میں ہی دنیا میں انتہائی مہذب کہلانے والے امریکہ نے ٹوئن ٹاورز کے واقعے میں دو ہزار افراد کی ہلاکت کا بدلہ افغانستان، عراق اور پاکستان کے ہزاروں افراد کو قتل کرکے لیا ہے اور اس کی آتش انتقام ابھی تک نہیں بجھی ہے۔ راقم) دوسری طرف اِن نام نہاد مہذب قوموں کی باضابطہ عدالتوں تک کا یہ

اسکولوں کا عملہ اور سرکاری و نجی اسکولوں کی عمارتیں استعمال ہوتی ہیں، ان کے لیے کم از کم تین سے چار دن مزید اسکول بند رہتے ہیں۔

اگر 199 دنوں میں لگنے والے اسکول میں ہونے والی سرگرمیوں اور پڑھائی کا جائزہ لیا جائے تو بات بہت طویل ہو جائے گی۔ 199 دنوں میں نصاب پڑھایا یا مکمل نہیں کرایا جاسکتا ہاں گزارا ضرور جاسکتا ہے، اور جب نصاب گزار دیا جاتا ہے تو ہم سوچتے ہیں کہ یہ نئی نسل کو کیا ہوگیا ہے، یہ پڑھائی میں کمزور کیوں ہے؟۔ ہمارا ملک ترقی کیوں نہیں کر رہا؟ نئی نسل بے راہرو کیوں ہے؟ سوچنے کی بات ہے کہ 365 دنوں میں سے صرف 199 اور 159 دن اسکول کھول کر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم قوم کی بہت بڑی خدمت کر رہے ہیں، ہمیں یہ زعم ہے کہ ہم ایشین ٹائیگر بن جائیں گے، ہم اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ دنیا کی قیادت کرلیں گے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ جن اضلاع میں ہنگامی صورتِ حال نہیں ہے وہاں اسکول کھولنے کی اجازت دیدی جائے۔ اس کے علاوہ بھی ہمیں چاہیے کہ ہم اسکولوں کی تعطیلات کم سے کم کریں اور ہنگامی و صوابدیدی چھٹیوں کی تو کوئی گنجائش ہی نہ رہنے دیں۔ جب ہمارا تعلیمی نظام درست ہوگا تو تب ہی ہم دنیا میں ترقی کرنے کے قابل ہو سکیں گے۔

بھنورا اور پروانہ

ایک دفعہ شام کے وقت ایک بھنورے اور ایک پروانے کی کہیں ملاقات ہو گئی۔ دونوں میں بات چیت ہونے لگی۔ دورانِ گفتگو بھنورے نے پروانے سے کہا کہ میں بھی تمہاری طرح شمع سے سچی محبت کرتا ہوں، پروانے نے کہا تم غلط کہتے ہو شمع کا سچا عاشق تو صرف میں ہوں۔ دونوں میں تکرار ہونے لگی، تصفیہ کرنے کے لیے ایک بزرگ کے پاس گئے، انہوں نے کہا اس کا فیصلہ میں بعد میں کرتا ہوں پہلے دونوں جاؤ اور ذرا دیکھ کر آؤ کہ کہیں کوئی شمع جل رہی ہے یا نہیں؟ دونوں شمع کی تلاش میں نکلے اور تھوڑی ہی دور انہوں نے دیکھا کہ ایک جھونپڑی میں شمع جل رہی ہے۔ جونہی پروانے نے شمع کو دیکھا تو وہ اس کے گرد منڈلانے لگا اور تھوڑی ہی دیر میں جلتی شمع پر اپنی جان قربان کر دی۔ جبکہ بھنورا شمع کو دیکھ کر واپس روانہ ہو گیا اور بزرگ کے پاس جا کر کہنے لگا کہ قریب ہی ایک جھونپڑی میں شمع جل رہی ہے۔ اب بتائیں کہ شمع کا سچا عاشق کون ہے؟ میں یا پروانہ۔ بزرگ نے کہا کہ تمہارا عشق کا دعویٰ انتہائی جھوٹا، لغو اور بے بنیاد ہے، اگر تم شمع کے پروانے ہوتے تو مجھے آ کر نہ بتاتے کہ شمع جل رہی ہے بلکہ تم اس شمع پر اپنی جان قربان کر دیتے۔

بظاہر تو یہ ایک چھوٹی سی کہانی ہے لیکن ہمارے لیے اس کہانی میں بہت بڑا پیغام ہے۔ ہم لوگ بھی تو شمع رسالتؐ کے پروانے ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن کیا ہم سچے پروانے کی طرح اپنی جان قربان کر سکتے ہیں، کیا اپنی خواہشاتِ نفس کو مار سکتے ہیں؟ کیا دنیا کی تمام محبتوں پر نبی کریمؐ کی محبت کو ترجیح دے سکتے ہیں؟ ہم زبان سے تو دین اسلام، اللہ اور رسول اللہؐ سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن درحقیقت ہم اپنی خواہشاتِ نفس کے پھولوں پر منڈلانے والے بھنورے ہیں، ہم غیر اسلامی تہذیب اور ثقافت کا رس چوسنے اس کا ذائقہ چکھنے کے لیے اس کے گرد منڈلانے لگتے ہیں، شیطانی کاموں میں زندگی بسر کرتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں عبداللہ ہونے کا۔

آیئے آج فیصلہ کرلیتے ہیں کہ بھنورے کی طرح محبت کا جھوٹا دعویٰ کرنے کے بجائے پروانے کی طرح شمع رسالتؐ اور احکام الٰہی پر اپنے نفس کو قربان کردیں، اپنی خواہشات نفس کو مار دیں اور دین میں پورے کے پورے داخل ہوجائیں، ورنہ ہمارے عشق کا دعویٰ بھنورے کی طرح جھوٹا، لغو اور بے بنیاد ہوگا۔ کہیں آخرت میں ہمارا یہ حال نہ ہو بقول پروفیسر عنایتؒ علی خان

یہ میری عقیدتِ بے بسر، یہ میری ریاضتِ بے ہنر
مجھے میری دعویٰ عشق نے نہ صنم دیا نہ خدا دیا

الطاف بھائی: قوم مشکل میں مشکل کُشا انگلینڈ میں

ہفتہ یکم اگست کی شب الطاف بھائی نے ایم کیو ایم امریکہ کے یوم تاسیس کی تین روزہ تقریب میں ٹیلیفونک خطاب کرتے ہوئے ایک بار پھر وطنِ عزیز پاکستان کے خلاف ہرزہ سرائی کی۔ ویسے یہ ان کی پُرانی عادت اور اصول ہے کہ جب تک ان کے مفادات پورے ہوتے رہتے ہیں تو اس وقت تک سب ٹھیک رہتا ہے لیکن جیسے ہی ان کے مفادات پر ضرب پڑتی ہے تو یہ فوراً پینترا بدل لیتے ہیں یعنی میٹھا میٹھا ہپ ہپ کڑوا کڑوا تھو تھو۔ ویسے تو اس کی کئی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں لیکن اس کی واضح مثال سابقہ پی پی پی حکومت میں ان کا حکومت میں آنا اور جانا ہے۔ جب تک ان کے بات مانی جاتی یہ حکومت کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملاتے رہتے، پی پی پی اور آصف علی زرداری کی تعریفیں کرتے رہتے لیکن جیسے ہی ان کے مفادات پر ضرب پڑتی تو یہ پی پی پی حکومت اور پی پی پی کے ارکان کے خلاف غلیظ ترین زبان استعمال کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے اور اب بھی یہی حال ہے۔ (یہ بات بھی واضح رہنی چاہیے کہ مفادات سے مراد اردو بولنے والوں یا مہاجروں کے مفادات نہیں بلکہ الطاف بھائی اور ایم کیو ایم کے رہنماؤں کے مفادات ہیں)

یہی الطاف بھائی کچھ عرصے پہلے تک مذہبی جماعتوں کے خلاف فوج کو اکساتے رہے

اور یہاں تک کہ کئی بار فوج کو اقتدار سنبھالنے کی دعوت تک دے ڈالی تھی۔ کراچی آپریشن شروع کرنے کے لیے تمام ہی سیاسی جماعتوں نے اتفاق کیا تھا اور اس آپریشن کی تحریک متحدہ قومی موومنٹ نے ہی دی تھی، ایم کیو ایم اور الطاف بھائی ہی فوج کو کراچی میں امن برقرار رکھنے کی دہائی دیتے رہے۔ان کا خیال تھا کہ آپریشن شروع ہوگا تو اس کا رخ آسانی کے ساتھ مخالفین کی جانب موڑ کر مخصوص مفادات حاصل کیے جاسکے گے۔

ایم کیو ایم کا خیال تھا کہ جنرل (ر) پرویز مشرف کی طرح جنرل راحیل شریف بھی ان کی باتوں میں آجائیں گے، اور نواز شریف بھی سندھ میں ایم کیو ایم کے ہاتھوں بلیک میل ہوجائیں گے لیکن ہوا اس کے برعکس ۔ قانون نافذ کرنے والے ادارے، سیاسی جماعتیں اور کراچی کا عام شہری اچھی طرح جانتا ہے کہ اس شہر ناپرسان میں سب سے پہلے دہشت گردی ، بھتہ خوری، مخالفین کی ٹارگٹ کلنگ کا آغاز ایم کیو ایم نے ہی کیا ،

اگرچہ بعد میں سنی تحریک، اے این پی پیپلز امن کمیٹی بھی ان کے نقش قدم پر چل پڑیں لیکن حقیقت تو یہی ہے کہ شہر کے امن کی بربادی کا آغاز 80 کی دہائی میں ایم کیو ایم کے بلدیاتی حکومت میں آتے ہی ہوگیا تھا۔

میاں نواز شریف نے حکومت سنبھالنے کے بعد دیگر امور کے ساتھ ساتھ ملک کی معاشی حب کراچی کی حالت سدھارنے کا بھی فیصلہ کیا۔ تمام سیاسی جماعتوں کو اعتماد میں لے کر اس آپریشن کا آغاز کیا گیا۔ مجھ سمیت کراچی کے 80 فیصد عوام اس آپریشن کی شفافیت اور اس کے نتائج سے مطمئن ہیں ۔ اس میں کوئی شک نہیں

کہ یہ آپریشن تمام ہی جرائم پیشہ افراد اور گروہوں کے خلاف ہو رہا ہے لیکن اس کو کیا کہا جائے کہ شہر کی بربادی میں سب سے بڑا حصہ متحدہ کا ہے چاہے واٹر بورڈ میں بے ضابطگیاں ہوں، کے ایم سی میں کرپشن ہو، محکمہ تعلیم ہو یا کراچی بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی ہر شعبے میں ان کی کرپشن نمایا ہے، اس کے علاوہ مسلح ونگز، ٹارگٹ کلنگ، پارٹی میں جرائم پیشہ افراد کی اکثریت، بھتہ خوری جبری چندہ وغیرہ، تو زیادہ گرفتاریاں بھی اسی کے لوگوں کی ہو رہی ہیں، جب کہ اس آپریشن میں کالعدم تنظیموں، اے این پی، سنی تحریک، پیپلز امن کمیٹی، لیاری گینگ وار اور پاسبان کے لوگوں کی بھی گرفتاریاں ہوئیں ہیں، ان کے دفاتر پر چھاپے پڑے ہیں اور رینجرز پوری دیانت داری کے ساتھ اپنا فرض انجام دے رہی ہے۔ اس پر ایم کیو ایم یہ گمراہ کن پروپیگنڈہ کرنے کی کوشش کر رہی ہے کہ یہ آپریشن صرف اس کے خلاف ہو رہا ہے اور ایم کیو ایم ایک بار پھر مہاجر کارڈ کھیلنے کی کوشش کر رہی ہے۔

اس پس منظر میں الطاف بھائی نے ڈیلاس میں خطاب کرتے ہوئے ایک بار پھر پاکستان کے خلاف ہرزہ سرائی کرتے ہوئے کارکنان کو اکسایا کہ وہ اقوام متحدہ اور نیٹو کو خط لکھیں اور نیٹو افواج کراچی بھیجنے کا مطالبہ کریں، اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے پاکستان کے ازلی دشمن بھارت کو بھی بزدلی کو طعنہ دیتے ہوئے کہا کہ بھارت بزدل اور بے غیرت ہے ورنہ پاکستان میں مہاجروں کا خون نہ

بہتا(دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ بھارت کو پاکستان کے خلاف ایکشن لینا چاہیے تھا اور پاکستان پر حملہ کر دینا چاہیے تھا)۔ اسکے ساتھ ہی انہوں نے لوگوں کو بے وقوف بناتے ہوئے کوٹہ سسٹم کی مثال دی کہ سندھ میں کوئی سسٹم نافذ ہے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ کوٹہ ایم کیو ایم خود کوٹہ سسٹم ختم نہیں کرنا چاہتی۔ اگر ایم کیو ایم مہاجروں یا کراچی والوں سے مخلص ہوتی تو جنرل مشرف اور اس کے بعد پی پی کی حکومت میں بہ آسانی کوٹہ سسٹم کو ختم کرایا جاسکتا تھا لیکن انہوں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا اور نہ ہی آئندہ کریں گے تاکہ اس کی بنیاد پر سیاست کی جاسکے۔

ہم پہلے بھی یہ بات کہتے رہے ہیں اور اب بھی اس پر قائم ہیں کہ الطاف حسین ہمیشہ سے پاکستان مخالف ہیں، مہاجروں کا نام لے کر انہوں نے اپنے مفادات حاصل کیے ہیں۔ امریکہ میں کیے گئے خطاب سے یہ بات واضح ہو گئی کہ الطاف حسین کی سوچ اور ذہنیت میں کوئی فرق نہیں آیا ہے، یہ وہی الطاف حسین ہیں جس نے جنرل ضیا الحق کے دور میں مزار قائد کے سامنے پاکستان کا پرچم نذرِ آتش کیا تھا، یہ وہی الطاف حسین ہیں جنہوں نے جناح پور کی سازش کی تھی، یہ وہی الطاف حسین ہیں جس نے انڈیا جاکر پاکستان کے قیام کو تاریخ کی بہت بڑی غلطی قرار دیا تھا، یہ وہی الطاف حسین ہیں جس نے انڈیا میں جاکر یہ کہا تھا کہ تقسیم ہند تاریخ کی بہت بڑی غلطی ہے اور اگر میں اس وقت ہوتا تو پاکستان کے

قیام کی مخالفت کرتا۔

آج الطاف حسین صاحب فوج، حکومت اور وطن کے خلاف ہرزہ سرائی کررہے ہیں اور نام لے رہے ہیں قوم کے حق میں بولنے کا لیکن حقیقت تو انہوں نے اپنے ڈیلاس کے خطاب میں بیان کردی کہ ''ہمارے اکاؤنٹس منجمد کردیے گئے ہیں اور میں بڑی مشکل سے گزارہ کررہا ہوں''۔ جی ہاں اصل بات یہی ہے کہ انہیں قوم کے مفاد سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، ان کے فنڈز، ان کی رقم، ان کے عیاشیاں رک رہی ہیں تو ان کو پریشانی ہورہی ہے۔ اگر انہیں قوم کا مفاد عزیز ہوتا، اگر انہیں اپنے لوگوں کی فکر ہوتی تو یہ وطنِ عزیز کے خلاف بولنے سے پہلے کم از کم دس دفعہ سوچتے کہ کہیں ایسا نہ ہو میرے کسی بیان سے میرے کارکنوں کو نقصان نہ پہنچ جائے، کہیں ایسا نہ ہو کہ میں کچھ بولوں اور ان کا نتیجہ میرے لوگوں کو بھگتنا پڑے، اگر ان کو قوم کی فکر ہوتی تو وہ سوچتے کہ میرے پارٹی کے رہنماؤں کو میری باتوں کی وضاحت کرنا مشکل ہوجائے گی، وہ لوگ مشکل میں آجائیں گے لیکن بنیادی طور پر وہ مفاد پرست ہیں اور انہیں صرف اپنی ذات اور اپنے مفادات ہی عزیز ہیں اس لیے لندن کے ٹھنڈے ماحول میں بیٹھ کر وہ کچھ بھی بول دیتے ہیں اور پھر انکے لوگ سوچتے ہیں کہ یار یہ قائد تحریک نے کس مشکل میں ڈال دیا ہے اب قوم چاہے کتنی ہی مشکل میں کیوں نہ ہو لیکن انہیں کوئی فکر نہیں ہے۔

الطاف حسین صاحب کے بارے میں شاعر نے ٹھیک ہی کہا

تھا کہ

کل ایک ورکر نے چپکے سے میرے کان میں کہا

قوم ہے مشکل میں اور مشکل کشا انگلینڈ میں

بہرحال دیکھتے ہیں کہ ایم کیو ایم کے کارکنان اب بھی اپنی عقل استعمال کرتے ہیں یا نہیں

۔

آخری بات کہ ایم کیو ایم کی ویب سائٹ پر الطاف حسین صاحب کی قیادت سے دستبرداری کے حوالے سے ایک سروے کیا گیا تھا جس کے نتائج صرف ایک ہی دن کے بعد ویب سائٹ سے ہٹا دیئے گئے، اور اس کی وجہ یہ تھی کہ سروے میں حصہ لینے والے 72 فیصد افراد نے دستبرداری کے حق میں رائے دی تھی، 26 فیصد نے ہرگز نہیں اور 2 فیصد نے معلوم نہیں کا آپشن استعمال کیا۔ ان نتائج کے بعد ایم کیو ایم کی ویب سائٹ سے یہ سروے ہٹا دیا گیا ہے۔

چوری اور سینہ زوری

اسپاٹ فکسنگ کیس میں سزا یافتہ پاکستانی کرکٹر محمد آصف نے اسپاٹ فکسنگ کے ذریعے دنیا بھر میں وطنِ عزیز کی بدنامی کرنے کے بعد حال ہی میں اپنی جہالت کا ثبوت دیتے ہوئے کہا ہے کہ ان کے جیل جانے پر بولنے والوں کو یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ سابق جنوبی افریقی صدر نیلسن منڈیلا کو جیل کی ہوا کھانی پڑی تھی۔ دل تو چاہتا ہے کہ محمد آصف کے اس بیان پر اسے ایک زوردار طمانچہ رسید کیا جائے۔ جہالت کی حد ہے کہ ایک سزا یافتہ مجرم جس پر اخلاقی جرائم اور منشیات کے حوالے سے بھی شبہ ظاہر کیا جاتا رہا، وہ دنیا کے ایک عظیم الشان لیڈر کی جرم بے گناہی کی سزا کو اپنے قبیح جرم کی سزا سے ملا رہا ہے۔ اس بیان سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ محمد آصف کو عظیم نیلسن مینڈیلا کے بارے میں ذرا سی بھی معلومات نہیں ہیں، ورنہ وہ اس جہالت کا ارتکاب کبھی نہ کرتا۔

محمد آصف کی معلومات کے لیے ہم یہ بتاتے چلیں کہ نوبل انعام یافتہ لیڈر نیلسن مینڈیلا کسی اخلاقی جرم یا کرپشن کے الزام میں قید نہیں ہوئے تھے بلکہ انہیں نسلی امتیاز کے خلاف اور اپنی قوم کی آزادی کے لیے جدوجہد

کرنیکے ” جرم “ میں گورے حکمرانوں نے 5 اگست 1962 کو قید کرلیا تھا، دورانِ اسیری انہیں کسی ایک جگہ نہیں رکھا گیا بلکہ انہیں مختلف جیلوں میں رکھا جاتا رہا، اپنی عمر عزیز کے قیمتی 27 سال، اپنی جوانی انھوں نے جرم بیگناہی کی سزا بھگتنے میں گزار دی۔ یہاں یہ بھی بتاتے چلیں کہ ان کے یہ 27 سال جیل مینول کے مطابق 54 سال بنتے ہیں کیوں کہ جیل میں 12 گھنٹے دن اور 12 گھنٹے رات دو دن شمار کیے جاتے ہیں۔

جیل سے رہا ہونے کے بعد عظیم مینڈیلا نے وسیع القلبی کا ایک اور ثبوت دیا اور کسی کے خلاف بھی انتقامی کارروائی نہ کرنے کا اعلان کرتے ہوئے آگے بڑھنے کے عزم کا اظہار کیا۔ نیلسن مینڈیلا کو 1988 میں شیخاروف ایوارڈ، 1990 میں بھارت کا سب سے بڑا سویلین ایوارڈ بھارت رتن اور 1993 میں امن کا نوبل انعام دیا گیا۔

اس عظیم الشان حریت پرست ، آزادی پسند رہنما اور عزم و ہمت و صبر استقامت کے پہاڑ سے محمد آصف نے اپنا موازنہ کرکے نہ صرف اپنی جہالت کا ثبوت دیا ہے بلکہ اس عظیم لیڈر کی بھی توہین کی ہے۔ اسلیے محمد آصف فوری طور اپنے اس بیان پر معافی مانگیں دوبارہ اپنے سنگین جرم کی سزا کو نیلسن مینڈیلا اور کسی بھی عظیم لیڈر سے موازنہ ، کرنے کی جرات نہ کریں۔ اس کے علاوہ ہم اس بلاگ

کے توسط سے آئی سی سی اور پی سی بی سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ محمد آصف کے اس بیان کا سخت نوٹس لے تاکہ آئندہ کوئی اور سزا یافتہ فرد اس قسم کی حرکت نہ کرے۔

ڈیلیٹ کیے گئے ایس ایم ایس واپس

شہیدِ محراب: عمرؓ ابن خطاب

اسلامی سال کے آغاز میں ہی خسر رسولؐ، مراد رسولؐ، خلیفہ ثانی شہید محراب حضرت عمر ابن خطاب کا یوم شہادت تمام اہل ایمان کو افسردہ کر دیتا ہے۔ آپؓ کا نام عمرؓ' لقب فاروق اور کنیت ابو حفص تھی والد کا نام خطاب تھا۔ آپؓ طاقتور، باوقار سردار گھرانے کے چشم و چراغ تھے' آپ کا خاندان مکہ میں ممتاز حیثیت رکھتا تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ کا سلسلہ نسب نسب آٹھویں پشت میں حضورؐ سے جا ملتا ہے۔ آپؓ نے سن ۶ نبوی میں ۳۳ سال کی عمر میں اسلام قبول کیا۔

حضرت عمر فاروقؓ کو مرادِ رسولؐ بھی کہا جاتا ہے کیوں کہ آپؓ کے لیے نبی اکرمؐ نے دعا فرمائی تھی کہ اے اللہ عمر بن خطاب یا عمر بن ہشام کے زریعے اسلام کو عزت دے''۔ آپؐ کی یہ دعا حضرت عمر بن خطابؓ کے حق میں قبول ہوئی۔ آپؓ کے قبول اسلام کا واقعہ بھی بہت مشہور ہے کہ آپؓ گھر سے تلوار لے کر رسول اللہؐ کے قتل کا ارادہ کر کے چلے تھے۔ راستہ میں ایک صحابی نے پوچھا کہ اس طرح تلوار لیے کہاں جاتے ہو؟ کہا اس شخص کے قتل کے لیے جا رہا ہوں کہ جس نے قریش میں تفرقہ ڈال رکھا ہے انھوں نے کہا اے عمر! پہلے اپنے گھر کی تو

خبر لو تمھاری بہن اور بہنوئی اسلام قبول کر چکے ہیں۔ ان کی بہن اور بہنوئی کو حضرت خبابؓ ان کو قرآن سکھاتے تھے، جس وقت آپؓ بہن کے گھر پہنچے تو وہ موجود تھے لیکن بہن نے ان کو اور قرآن پاک کے اجزا کو چھپا لیا، حضرت عمرؓ کے کانوں میں قرآن کی تلاوت کی آواز آچکی تھی ، انہوں نے بہن حضرت فاطمہؓ اور بہنوئی حضرت سعیدؓ کو خوب مارا یہاں تک کہ ان کی بہن لہو لہان ہو گئیں۔ بہن کا خون بہتا دیکھ کر آپؓ نرم پڑ گئے ہوئے اور کہا، یہ جو کاغذ تم پڑھ رہے تھے مجھے دو۔ بہن نے کہا تم نجس ہو قرآن کو ہاتھ نہیں لگا سکتے ہو چنانچہ آپؓ نے غسل کیا اسلام قبول کرنے کا ارادہ کرلیا اور سورہ طہ نے دل پہ اثر کیا' حضرت خبابؓ جو چھپے ہوئے تھے' وہ ظاہر ہو گئے اور کہا عمر مبارک ہو، اللہ کے رسولؐ کی دعا تمہارے حق میں قبول ہوئی ہے۔ پھر آپؓ کو آنحضرتؐ کی خدمت میں لائے اور آپؓ مسلمان ہو گئے۔

حضرت صہیب بن سنانؓ کہتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ اسلام لائے تو اسلام کو غلبہ نصیب ہوا' اسلام کی تبلیغ اعلانیہ شروع ہوئی' ہم حلقے باندھ کر کعبہ کے ارد گرد بیٹھنے لگے' بیت اللہ کا طواف کرنے لگے 'اب جو ہم پر زیاتی کرتا،اس سے ہم بدلہ لینے کے قابل ہو گئے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کا قبول اسلام' آپؓ کی ہجرت اور خلافت ہمارے لیے فتح 'نصرت اور باعث رحمت ثابت ہوئی اور خانہ خدا (کعبہ) میں سب سے پہلے اسلام کا نام آپؓ ہی نے بلند

کیا تھا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ہر شخص نے خفیہ ہجرت کی' لیکن حضرت عمرؓ نے ہجرت کا ارادہ کیا تو ایک ہاتھ میں تلوار لی' دوسرے میں تیر اور پشت پر کمان کو لگا کر خانہ کعبہ میں تشریف لائے' سات مرتبہ طواف کیا' دو رکعتیں مقام ابراہیم پر کھڑے ہو کر ادا کیں' پھر سرداران قریش کے حلقہ میں تشریف لائے اور ایک' ایک سے کہا جو شخص اپنی اولاد کو یتیم' بیوی کو بیوہ کرانا چاہتا ہے وہ آ کر میرا راستہ روک کر دکھائے' لیکن کسی میں جرات نہ ہوئی۔ قبول اسلام کے بعد آپؓ مکہ میں سات سال' مدینہ میں دس سال حضورؐ کے قریب رہے، ستائیس غزوات نبویؐ میں شریک ہوئے کسی بھی موقع پہ غیر حاضر نہ ہوئے۔

آپؓ کے متعلق نبی اکرمؐ نے متعدد ارشادات فرمائے جن میں سے چند یہ ہیں، آپؐ نے فرمایا اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمرؓ ہوتا۔ (ترمذی) ایک اور موقع پر آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ جس راستے سے عمر گزرتا ہے، شیطان وہ راستہ چھوڑ دیتا ہے۔ (بخاری و مسلم) آپؐ نے فرمایا'' عمرؓ کی زبان پر خدا نے حق جاری کر دیا ہے۔ (بیہقی حضرت امام سیدنا ابو بکر صدیقؓ کی وفات کے بعد 23 جمادی الثانی 13 ہجری بمطابق 634ء میں آپؓ کے کاندھوں پر خلافت کا بار ڈالا گیا۔ آپؓ نے دس سال

چھ ماہ دس دن تک 22 لاکھ مربع میل زمین پر اسلامی خلافت قائم کی۔آپؓ کے دور میں ایک ہزار چھتیس علاقے فتح ہوئے ۹ سو جامع مسجد اور ۴ ہزار چھوٹی مساجد تعمیر ہوئیں۔آپؓ کے زمانہ خلافت میں دین اسلام کو جو رونق اور سلطنت کو جو وسعت ملی تاریخ اسلام میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔شام' فلسطین 'مصر' عراق 'آذر بائی جان 'کرمانیستان' مکران' خراساں اور دیگر بلاد عجم عہد فاروقی میں ہی اسلامی جھنڈے کے ما تحت آئے۔بہت سی وہ پیشگوئیاں جن کی رسول اللہؐ کو اللہ تعالی نے بشارت دی تھی آپؓ کے ہاتھوں پوری ہوئیں۔ قیصر وکسری کی عظیم سلطنتوں پر اسلام کا پرچم لہرایاگیا۔ لیکن ان سب کے باوجود آپؓ انتہائی سادہ طرزِ زندگی اختیار کرتے تھے۔حضرن زیدؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آپؓ کے کرتے میں ۱۷ پیوند شمار کیے ایک کندھے سے دوسرے کندھے تک چار پیوند لگے ہوئے تھے۔علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں ''دنیا کی تاریخ میں کوئی ایسا حکمران مجھے دکھا سکتے ہو جس کی معاشرت یہ ہو کہ قمیض پر دس' دس پیوند لگے ہوں' کاندھے پر مشک رکھ کر غریب عورتوں کے ہاں پانی بھرتا ہو' فرش خاک پہ پڑا رہتا ہو' جہاں جاتا ہو تنہا جاتا ہو۔''

آپؓ نے جدید مدنیت کی بنیاد بھی رکھی۔ اسلام میں شورائی نظام کے قیام کا سہرا آپؓ کے سر ہے، کیوں کہ آپؓ نے ہی سب سے پہلے مہاجرین وانصار پر

مشتمل مجلس شوریٰ قائم کی۔ کئی نئے شہر مثلاً کوفہ، حیرہ، موصل فسطاط اور دیگر کی بنیاد رکھی۔ آپؓ نے پہلی بار باقاعدہ تنخواہ دار فوج قائم کی، مردم شماری کرائی گئی۔ صوبوں کا قیام، جیل خانے، سرائے، مہمان خانے اور فوجی چوکیاں قائم کیں، ڈاک کا نظام قائم کیا۔ زراعت کے فروغ کے لیے اقدامات کیے، نہری نظام بنایا، ڈیم اور تالاب بنوائے، باقاعدہ محکمہ آب پاشی قائم کیا۔

آپؓکے دور میں ہی روم اور ایران جیسی سپر طاقتوں کو شکست فاش دی گئی۔ مدینہ میں ایک مجوسی غلام ابو لؤلو فیروز تھا جو کہ چکیاں بنایا کرتا تھا، ایک دفعہ اس نے اپنے مالک مغیرہ بن شعیب کی شکایت لگائی کہ وہ مجھ سے بہت زیادہ مشقت لیتا ہے۔ آپؓ نے تحقیقات کرائیں تو اس کی بات غلط نکلی، جس پر آپؓ نے اس شکایت پر دھیان نہیں دیا۔ ابو لولو کو اس بات کا سخت رنج تھا اور اس نے یہ بات دل میں رکھ لی۔ ایک دفعہ آپؓ نے ابو لولو سے کہا سنا ہے تم چکیاں بناتے ہو، میرے لیے بھی اچھی سی چکی بنا دو، اس نے جواب میں کہا کہ ہاں ایسی چکی بناؤں گا کہ یاد رکھیں گے۔ یہ سن کر آپؓ نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ یہ مجھے قتل کی دھمکی دے کر گیا ہے۔ ۲۷ زی الحجہ کو جب آپؓ مسجد نبوی میں فجر کی نماز پڑھانے کھڑے ہوئے تو ابو لولو فیروز نے زہر میں بجھے ہوئے خنجر سے آپؓ پر حملہ کر دیا، جس سے آپؓ شدید زخمی ہو گئے اور تین دن کے بعد یکم محرم ۲۴ ہجری کو آپؓ شہید ہو گئے اور آپؓ کی وہ دعا پوری ہوئی کہ یا اللہ! مجھے نبیؐ

کے شہر میں شہادت نصیب فرما۔ شہادت کے وقت آپؓ کی عمر مبارک ۶۳ سال تھی۔ حضرت صہیبؓ نے آپؓ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت سیدہ عائشہؓ سے اجازت طلب کرکے پیارے نبیؐ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ساتھ آخری آرام گاہ بنائی گئی۔ حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ 'حضرت علیؓ 'حضرت عثمانؓ 'حضرت طلحہؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے قبر میں اتارا اور اس کے ساتھ ہی اسلام کے ایک سنہری دور اور تاریخ کا خاتمہ ہوگیا۔

حکمرانوں کا آبائی وطن کون سا ہے؟

سر سلیم مزہ آگیا، سندھ حکومت نے عید الاضحیٰ پر اسکولوں کی پانچ چھٹیوں کا اعلان کیا ہے۔ میں آرام سے اپنے گاؤں میں عید منا کر واپس آ جاؤں گا۔ ہمارے نئے اور نوجوان ساتھی خالد سیف اللہ صاحب نے انتہائی خوشی اور مسرت کے ساتھ مجھے بتایا۔ ہمارے یہی ساتھی محرم کی سرکاری اور اتوار کی تین چھٹیوں کے موقع پر بھی اپنے گاؤں کا چکر لگا کر آئے تھے۔

دیکھا جائے تو صرف کراچی نہیں بلکہ لاہور، اسلام آباد، پشاور اور ایسے بڑے شہر جہاں ملک کے دیگر حصوں سے روزگار کے سلسلے میں آنے والے افراد مقیم ہوتے ہیں، وہاں سرکاری تعطیلات کے موقع پر تمام ہی غیر مقامی (غیر مقامی سے مراد غیر ملکی نہیں بلکہ وہ لوگ جو اس شہر کے رہائشی نہیں ہوتے بلکہ روزگار کے سلسلے میں وہاں مقیم ہوتے ہیں) افراد کے کم و بیش یہی جذبات ہوتے ہیں۔ کسی بھی مذہبی اور قومی تہوار کے موقع پر ایسے لوگوں کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ وہ وپنے وطن، اپنے لوگوں کے درمیان ان تہواروں کی خوشیاں منائیں۔ اسی لیے ہر عید بقر عید کے موقع پر اسلام آباد ویران ہوجاتا ہے، جبکہ کراچی سے اندرون ملک جانے والی ٹرینوں میں تل دھرنے کی جگہ نہیں ہوتی۔ یہ صرف ان افراد کا معاملہ نہیں ہوتا بلکہ دراصل فطری طور پر ہر انسان کی یہ خواہش

ہوتی ہے کہ وہ خوشی اور غم کے موقع پر اپنے لوگوں کے درمیان موجود رہے، ان کے دکھ درد، شادی غمی میں شریک ہواور ان سے اپنے دکھ درد کہہ سکے۔

تمہید لمبی ہو گئی، میں اصل بات کی طرف آتا ہوں۔ اوپر دی گئی مثالوں کو سامنے رکھیں اور پھر ذرااس بات پر غور کریں کہ ہمارا حکمران طبقہ قومی اور مذہبی تہواروں کے موقع پر کہاں موجود ہوتا ہے؟ جواب ہے کہ وہ وان لوگوں کے درمیان ہوتے ہیں جن کو وہ اپنا سمجھتے ہیں۔ جی ہاں کوئی لندن میں ہوتا ہے، کوئی دبئی میں اور کوئی سعودیہ میں۔ عید الاضحیٰ کے موقع پر سابق صدر آصف علی زرداری صاحب اور ان کی پارٹی کے کئی اہم رہنما دبئی میں موجود تھے۔ عید الفطر کے موقع پر وزیر اعظم میاں نواز شریف صاحب سعودیہ میں تھے، ان کے بھائی وزیر اعلیٰ پنجاب لندن میں تھے۔ عید الاضحیٰ کے موقع پر وزیر اعظم میاں نواز شریف صاحب سلامتی کونسل کے اجلاس میں شرکت کے لیے مقررہ تاریخ سے کئی روز قبل ہی ملک سے روانہ ہوجاتے ہیں اور عید الاضحیٰ لندن میں مناتے ہیں۔ یومِ عاشورہ کے موقع بھی وزیر اعظم صاحب امریکہ کے دورے پر روانہ ہوتے ہیں اور اس دوران میں لندن میں دو دن رکنا ضروری سمجھتے ہیں۔ دورہ امریکہ مکمل کرنے کے بعد بھی وطن واپسی سے پہلے وہ لندن میں حاضری دینے کے لیے وہاں رک جاتے ہیں۔ ایک اور خود ساختہ جلا وطن رہنما 23 برسوں سے لندن میں مقیم ہیں۔

بات سمجھ میں آ رہی ہے۔ جی ہاں ہمارا حکمران طبقہ صرف حکومت کرنے کے لیے پاکستان آتا ہے، ورنہ یہ لوگ پاکستان اور یہاں کے عوام سے کوئی رابطہ رکھنا نہیں چاہتے۔ کئی مثالیں یہاں پیش کی جا سکتی ہیں، جنرل (ر) پرویز مشرف گیارہ سالہ دور اقتدار کے بعد امریکہ اور یورپ کے سیر سپاٹے پر روانہ ہو جاتے ہیں۔ وہ تو غلط فہمی میں مارے گئے ورنہ شائد وہ بھی کبھی واپس نہ آتے۔ نگران وزیر اعلیٰ معین قریشی، سابق وزیر اعظم شوکت عزیز، سابق صدر آصف علی زرداری وغیرہ اس کی واضح مثالیں ہیں۔ ایک اور صاحب بھی ہیں جو یورپ کے سرد موسم سے گھبرا کر پاکستان چلے آتے ہیں اور یہاں انقلاب کے نعرے لگاتے ہیں۔ ان تمام مثالوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عوام کے ان رہنماؤں کو عوام کا کتنا خیال ہے۔

گزشتہ روز پاکستان میں بدترین زلزلہ آیا، وزیر اعظم میاں نواز شریف اس وقت لندن میں موجود تھے، دوپہر تقریباً دو بجے زلزلہ آیا، اور وزیر اعظم میاں نواز شریف صاحب رات تقریباً دس بجے تک لندن ہی میں موجود تھے جبکہ وہاں ان کی کسی برطانوی حکام یا کابینہ سے کوئی سرکاری میٹنگ بھی نہیں تھی، صرف اپنی پارٹی کے لوگوں اور لندن کے دوستوں سے میل ملاقات کے لیے وہاں رہے، حالانکہ انہیں تو فوری طور پر وہاں سے روانہ ہو جانا چاہیے تھا۔ لگے ہاتھوں خادم اعلیٰ کا حال بھی سن لیجیے۔ خادم اعلیٰ جو پنجاب کی گڈ گورننس اور عوام

کی دی گئی سہولتوں کا راگ الاپتے رہتے ہیں لیکن اپنے طبّی معائنے کے لیے وہ اپنے ہی صوبے کے کسی بھی ہسپتال کو اس قابل نہیں سمجھتے اور اس کے لیے وہ لندن جاتے ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا کہ جس صوبے کا سربراہ جب اپنے ہی ہسپتالوں پر اعتماد نہ رکھتا ہو تو پھر وہ کس منہ سے عوام کو بہترین سہولیات دینے کا دعویٰ کرتے ہیں؟ میٹرو بس، میٹرو ٹرین کی تعریف میں رطب اللسان ہونے والے خود سفر کے لیے ہیلی کاپٹر استعمال کرتے ہیں۔

بات وہی ہے کہ چاہے یہ لوگ عوام کی محبت کا کتنا ہی زبانی دعویٰ کرتے ہوں لیکن حقیقت یہی ہے کہ چاہے پی پی پی ہو، ن لیگ ہو یا کوئی اور جماعت، یہ پاکستان اور پاکستانی عوام کو صرف حکمرانی کے لیے منتخب کرتے ہیں اور دور اقتدار پورا ہوتے ہیں اپنے اپنے آبائی وطن روانہ ہو جاتے ہیں اور انسان کا آبائی وطن وہی ہوتا ہے جہاں وہ اپنے مذہبی اور قومی تہوار گزارنا پسند کرتا ہو۔

45 سال سے تنہا رہنے والا جوڑا

انسان بنیادی طور پر ایک سماجی جاندار ہے اور مل جل کر رہنا پسند کرتا ہے۔ لیکن اسپین کے ایک خوبصورت گاؤں ''لا ایسٹریلا'' میں گزشتہ 45 برس سے صرف ایک جوڑا رہائش پذیر ہے۔ جان مارٹن اور سنفو روزا نامی یہ میاں بیوی یہاں 45 سال سے تنہا زندگی گزار رہے ہیں۔ اس گاؤں کی کل آبادی ان دو نفوس پر ہی مشتمل ہے اور اس گاؤں سے قریب ترین آبادی بھی 25 کلو میٹر دور ہے۔

یہ گاؤں ہمیشہ سے ایسا نہیں تھا بلکہ یہ امیر لوگوں کے لیے بسایا گیا تھا اور صرف با حیثیت افراد ہی یہاں رہائش رکھنے کا سوچ سکتے تھے۔اس کی آبادی کم وبیش ڈیڑھ لاکھ تھی۔ یہاں دو اسکول، گرجا گھر اور درجنوں دکانیں تھیں۔ مارٹن کے بقول یہاں کا ایک میئر، ایک شیرف تھا۔ اس گاؤں میں ایک گورکن اور ایک پادری بھی تھا۔ لیکن 1883 میں ایک تباہ کن سیلاب کے نتیجے میں اس گاؤں کی نصف سے زیادہ آبادی موت کا نشانہ بن گئی اور یہ گاؤں اجڑ گیا۔ آدھی سے زیادہ آبادی کے لقمہ اجل بن جانے کے بعد دیگر لوگوں نے یہاں سے نقل مکانی شروع کردی۔ آہستہ آہستہ لوگ یہاں سے جاتے رہے اور اب گزشتہ 45 برس سے یہاں صرف 97 سالہ جان مرٹن اور ان کی 82 سالہ رفیقۂ حیات سنفو روزا رہ رہے ہیں۔

ان دونوں کی پہلی ملاقات 70 برس قبل اسی گاؤں میں ہوئی تھی۔ دونوں کا بچپن ساتھ گزار اور جوانی میں دونوں نے ایک ساتھ ہی قدم رکھا۔یہیں ان دونوں کی شادی بھی ہوئی۔ ان کی ایک بیٹی بھی تھی جو کہ بد قسمتی سے صرف 12 برس کی عمر میں ان کو داغ مفارق دے گئی۔ زندگی کے دن یونہی گزرتے رہے لیکن ان دونوں کی محبت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی اور نہ ہی ان دونوں نے دیگر لوگوں کی طرح اس گاؤں کو چھوڑنے کا سوچا۔

اس گاؤں میں اب ان کے ساتھی انسانوں کے بجائے جانور ہیں۔ جی ہاں 3 کتے، 3 مرغیاں اور 25 بلیاں ان کے دکھ درد کی ساتھی ہیں۔ ہفتوں تک ان دونوں سے ملنے کوئی نہیں آتا لیکن اس کے باوجود یہ عمر رسیدہ جوڑابقول ان دونوں کے ایک دوسرے کے ساتھ خوش و خرم زندگی گزار رہا ہے۔

ہم بھی وہاں موجود تھے

جب سے ہماری ویب پر لکھنے لکھانے کا سلسلہ شروع ہوا ہے۔ اس وقت سے ہماری ویب کی ٹیم کے ساتھ بھی وقتاً فوقتاً ملاقات ہوتی رہتی ہے۔ کبھی ہم خود ان کے در پر پہنچ جاتے ہیں، کبھی ہمیں بلاوہ دے کر طلب کر لیتے ہیں۔ کبھی کبھی تبدیلی آب و ہوا کے لیے آرٹس کونسل یا کسی معروف ریسٹورینٹ میں بلا لیتے ہیں۔ ہمیں ہماری ویب کے در پر حاضری دینے میں کوئی تکلف نہیں ہے بس ڈر اس بات کا ہے کہ ایسا نہ ہو ہم کسی دن ان کے دفتر پہنچیں اور ان کی عمارت کی لفٹ کسی بھی وجہ سے بند ہو جائے۔ تو دس منزلیں سیڑھیوں کے ذریعے طے کرنے کا تصور ہی ہمیں لرزا دیتا ہے۔ لیکن بہر حال آج تک ایسا ہوا تو نہیں ہے کہ ہمیں لفٹ بند یا خراب ملی ہو۔

بہر حال ہماری ویب نے اپنے لکھاریوں کے لیے ایک رائٹرز کلب قائم کیاہے۔ کلب کی خاص بات یہ ہے کہ پروفیسر رئیس صمدانی، جناب منیز بن بشیر ، عطا محمد تبسم، محمد اعظم عظیم اعظم ،جناب ابراہیم خان ، شیخ خالد زاہد اور دیگر کئی علمی و ادبی شخصیات جن کی زندگی درس و تدریس، لکھنے لکھانے یا صحافت میں گزری ہے ،ان کے ساتھ ساتھ مجھ جیسے کم علم و بے مایہ لوگ بھی اس کلب کے ممبر ہیں۔ہماری ویب نے لکھاریوں کا جو گلدستہ سجایا ہے، اس میں ہر قسم کے پھول اپنی اپنی بہار اور خوشبو پھیلا رہے ہیں۔لکھاریوں کی اس کہکشاں میں کئی ستارے اپنی اپنی جگہ جھلملا کر دنیا کو اپنی موجودگی کا احساس دلارہے ہیں۔

ہماری ویب کے بانی ابرار احمد " تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہیے ''کے تحت موقع ڈھونڈ رہے تھے کہ حکومت نے پروفیسر سحر ؔ انصاری صاحب کی علمی و ادبی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں ستارہ امتیاز سے نواز۔ابرار صاحب، ہماری ویب کی ٹیم ،رائٹرز کلب کے صدرپروفیسر رئیس صمدانی اور عطا محمد تبسم صاحب نے اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے پروفیسر سحر انصاری صاحب کو ایک توصیفی

شیلڈ پیش کرنے کا پروگرام بنا لیا۔ یہ تقریب مقامی ہوٹل میں منعقد کی گئی۔

ہمیں بھی برقی خط کے ذریعے اس تقریب میں شرکت کی دعوت دی گئی۔ جو کہ ہم نے بخوشی قبول کرلی۔ کیوں کہ اس وقت تک ہمارے معمولات بالکل ٹھیک ٹھاک جارہے تھے۔ لیکن وہ جو کہتے ہیں کہ دو نوکریاں کرنا دراصل ایسا ہی ہے جیسے کہ کسی فرد کی دو بیویاں ہوں اور وہ دونوں کے درمیان ایک سینڈوچ بن کر رہ جاتا ہے۔ یہی معاملہ ہمارے ساتھ ہوا کہ ادھر ہم نے تقریب میں جانے کا مصمم ارادہ کیا، اگلے ہی دن ہمیں اسکول کی انتظامیہ کی جانب سے کہا گیا کہ نارتھ کراچی کے کیمپس میں ایک تربیتی نشست کا اہتمام کیا گیا ہے، جس میں لازماً شرکت کرنی ہے۔ اب بڑی مشکل آن پڑی کہ اس تربیتی ورکشاپ کا اختتام ٹھیک اسی وقت ہونا تھا جس وقت یہ تقریب شروع ہونی تھی۔ مجھ جیسے پیدل (عقل سے نہیں سواری کے لحاظ سے) شخص کے لیے نارتھ کراچی پاور ہاؤس چورنگی سے بغیر وقت ضائع کیے گلشن اقبال پہنچنا انتہائی مشکل کام تھا لیکن اللہ بھلا کرے ہمارے ایک ساتھی کا کہ جب ہم نے ان سے اپنی مشکل کا ذکر کیا تو انھوں نے ہمیں اپنی پھٹپھٹی (موٹر سائیکل) کی پچھلی نشست پر بٹھا کر مقررہ جگہ پہنچانے کی حامی بھر لی، اس طرح ہم بھاگتے دوڑتے، ہانپتے کانپتے ریسٹورینٹ تک پہنچ ہی گئے۔ ہال میں داخل ہونے سے پہلے ہی مصدق صاحب پر نظر پڑی جو کہ کاغذ قلم سنبھالے،

آنے والے مہمانوں استقبال کرنے کے لیے ہال کے مرکزی دروازے کے ساتھ ہی مورچہ سنبھالے بیٹھے تھے۔ صد شکر کہ ابھی تقریب شروع نہیں ہوئی تھی۔

ہال میں مختلف ساتھی مختلف نشستوں پر بیٹھے گپ شپ لگا رہے تھے، کچھ ہال میں ٹہل رہے تھے۔ ہمارا خیال تھا کہ پروفیسر صاحب ابھی تشریف نہیں لائے، لیکن جب تقریب کا آغاز ہوا تو معلوم ہوا کہ وہ تو بروقت تقریب میں موجود تھے البتہ شرکا ہی تاخیر سے آئے جس کے باعث تقریب کا آغاز مقررہ وقت سے قدرے تاخیر سے ہوا۔ رائٹرز کلب کے جنرل سیکرٹری جناب عطا محمد تبسم صاحب نے منتظمین کی اجازت سے تقریب کا باقاعدہ آغاز کیا۔ تقریب کا آغاز تلاوت کلام پاک سے کیا گیا اور اس کی سعادت ہماری ویب کے لکھاری جناب ڈاکٹر شیخ ولی المظفر کے حصے میں آئی۔ چونکہ کہ تقریب کا آغاز تاخیر سے ہوا اور پھر وقت بھی دوپہر کے کھانے کا تھا اس لیے عطا محمد تبسم صاحب نے وقت کی نزاکت اور شرکا کی حالت کا اندازہ کرتے ہوئے وقت ضائع کیے بغیر پروگرام کو آگے بڑھانا شروع کیا۔ ہماری ویب کے بانی اور رائٹرز کلب کے چیئر مین ابرار احمد صاحب نے خطبہ استقبالیہ پیش کرتے ہوئے مہمان خصوصی پروفیسر سحر انصاری صاحب، ہماری ویب کے لکھاریوں اور تقریب کے شرکا کا شکریہ ادا کیا۔ اس موقع پر دیگر باتوں کے علاوہ انہوں نے بجا طور پر ہماری ویب کی ٹیم کی کوششوں کو بھی سراہا جن کی انتھک محنت اور لگن کے باعث ہماری ویب اس وقت نہ صرف پاکستان

بلکہ دنیا بھر میں مقبول ہے اور اس کی مقبولیت میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

رائٹرز کلب کے صدر جناب رئیس صمدانی صاحب نے اپنے خطاب میں پرفیسر سحر انصاری صاحب کی شخصیت کا مختصراً تعارف رکھا اور ان کی علمی و ادبی کاوشوں اور ان کو ملنے والے اعزازت کے بارے میں مختصراً آگاہ کیا۔ پروفیسر سحرؔ انصاری صاحب کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ علمی و ادبی حلقوں میں ان کا مقام ہے۔ پروفیسر صاحب کو اس سے قبل2005میں حکومت کی جانب سے جانب سے تمغۂ امتیاز سے نوازا جاچکا ہے۔البتہ انسانی نفسیات سے آگاہی رکھنے والے پروفیسر رئیس صاحب نے حاضرین کو تسلی دیتے ہوئے کہا کہ چونکہ کہ کھانے کا وقت قریب ہے ، بھوک چمک اٹھی ہے اس لیے میں آپ کے اور کھانے کے درمیان

زیادہ دیر حائل نہیں رہوں گا۔ ان کی یہ بات صد فیصد درست بھی تھی کیوں کہ بھوک تو واقعی چمک اٹھی تھی اور شرکا میں سے اکثر کی نظریں بار بار کھانے کی جانب اٹھ رہی تھیں۔ (ویسے سب کی آڑ میں ہم نے اپنی ہی بات کی ہے کیوں کہ سب سے زیادہ ہماری ہی نظریں کھانے کی ٹیبل کی جانب اٹھ رہی تھیں، اور بیروں کی چلت پھرت ہماری ڈھارس بندھا رہی تھی) ۔ رئیس صمدانی صاحب نے اس موقع پر پروفیسر سحؔر انصاری صاحب سے درخواست کی کہ وہ ہماری ویب رائٹرز کلب کے نگرانِ اعلیٰ کی ذمہ داری قبول کریں تاکہ ہماری ویب کے لکھاری ان کی سرپرستی میں ، ان کے تجربات سے فائدہ اٹھائیں۔

پروفیسر سحؔر انصاری صاحب نے اپنے خطاب میں ہماری ویب کاوشوں کو سراہا، بالخصوص انہوں نے ہماری ویب کے بانی اور رائٹرز کلب کے چیئر مین ابرار احمد صاحب کو خراج تحسین پیش کیا اور کہا کہ ہماری ویب اور ابرار احمد صاحب صحیح معنوں میں اردو کی خدمت کر رہے ہیں۔ ستارۂ امتیاز سے نوازنے کے متعلق ان کا کہنا تھا کہ جب مجھے بتایا گیا کہ مجھے ستارہ امتیاز دیا جارہا ہے تو مجھے معلوم ہوا کہ ابھی بیوروکریسی میں شریف لوگ اور شرافت باقی ہے کیوں کہ میں کبھی کسی کے آگے پیچھے نہیں گھوما، کبھی کسی سے کچھ نہیں مانگا، کسی سے اپنے بچوں کی سفارش تک نہیں کرائی۔ کہا جاتا ہے کہ انسان کی سچائی اس کے الفاظ سے نہیں بلکہ اس کے لہجے سے ظاہر ہوتی ہے اور پروفیسر صاحب جب یہ بات

کر رہے تھے تو ان کی بھرّائی ہوئی آواز اور آنکھوں میں اتر آنے والی ہلکی سی نمی ان کی سچائی کی گواہی پیش کر رہی تھی۔

پروفیسر صاحب کے خطاب کے بعد ہماری ویب کے 15 لکھاریوں کی برقی کتب E books کی رونمائی کی گئی اور ان کو یادگاری شیلڈز پیش کی گئیں۔ اس کے بعد ہماری ویب رائٹرز کلب کے ذمہ داران کو رائٹرز کلب کا ممبر شپ کارڈ بھی دیا گیا اور پروفیسر سحرؔ انصاری صاحب نے انتہائی صبر و سکون سے ممبران کو اپنے ہاتھوں سے کارڈ پہنائے۔ اس کے بعد ہماری ویب کی ٹیم کے اہم رکن اور ہالی ووڈ کے ہیرو نظر آنے والے جناب رضوان شیخ صاحب نے شرکا کا شکریہ ادا کیا۔

اس کے بعد وہ لمحہ آ بھی آہی گیا جو کہ ہر تقریب کا سب سے اہم اور شرکا کا سب سے پسندیدہ ہوتا ہے، جی ہاں اس کے بعد پر تکلف کھانوں سے شرکا کی تواضع کی گئی۔ کھانے کے دوران شرکا ایک دوسرے سے گھل مل گئے، ایک دوسرے کے فون نمبر اور ای میل ایڈریسز کا تبادلہ کیا گیا۔ کھانے کے دوران ہم تو پروفیسر اعظم عظیم اعظم صاحب کے ساتھ بیٹھے تھے اور ان کے دلچسپ فقروں سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ عمران راجپوت صاحب حیدرآباد سے تشریف لائے تھے، ان سے بھی اچھی نشست رہی۔ شیخ خالد صاحب سے اس بار زیادہ بات نہ ہو سکی، دل تو چاہتا تھا کہ تمام لوگوں سے تفصیلی ملاقات کی جائے لیکن دوسری بیوی کا بلاوہ آ رہا

تھا یعنی دوسری نوکری پر بھی جانا تھا اس لیے نہ چاہتے ہوئے بھی کھانے کے فوراً بعد ابرار احمد صاحب اور مصدق صاحب سے مل کر رخصت کی اجازت چاہی اور ہم وہاں سے روانہ ہوگئے۔

ہماری ویب رائٹرز کلب ایک ایسا اچھوتا اور منفرد پلیٹ فارم جہاں ہر مزاج، ہر مکتبہ فکر کے افراد موجود ہیں۔ اس فورم پر کسی کی چھاپ نہیں ہے اور یہی اس کی سب سے اچھی بات ہے۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس گلدستے کا ہر پھول صدا مہکتا رہے، اس کہکشاں کے تارے یونہی جگمگاتے رہیں۔ آمین

کاش میں بھی اس طرح لکھ سکتا

اس میں تو کوئی دو رائے نہیں ہے کہ کراچی میں ہونے والے حالیہ بلدیاتی انتخابات میں جماعتِ اسلامی اور تحریکِ انصاف کے اتحاد کو بری طرح شکست سے دو چار ہونا پڑا۔ 210 یونین کونسلوں میں سے اس اتحاد کو محض 17 یا 18 نشستیں ملی ہیں۔ یہ انتہائی بری شکست ہے۔ لیکن کیا شکست کا مطلب یہ ہے کہ انتخابات کو بالکل شفاف قرار دے دیا جائے؟ کاش میں بھی گھر بیٹھے ٹی وی دیکھ کر جو کچھ ذرائع ابلاغ بتاتے رہے اس کے مطابق مضامین لکھ سکتا، کاش میں بھی میدانِ عمل میں اترے بغیر ڈرائنگ میں بیٹھ بیٹھ کر تبصرے تجزیے کر سکتا۔

لیکن میرا مسئلہ یہ ہے کہ میں صرف ایک لکھاری نہیں ہوں بلکہ ایک کارکن بھی ہوں۔ مئی 2004 کو ضمنی انتخابات کے موقع پر لوگوں کو ٹی وی کے ذریعے پتا چلا کہ شہر میں ہنگامے پھوٹ پڑے ہیں اور 12 سے زیادہ افراد جاں بحق ہو چکے ہیں، لیکن میں اس وقت ٹی وی کے سامنے نہیں بلکہ انتخابی کیمپ میں موجود تھا، میں تجزیے اور تبصرے سننے کے بجائے بطور پولنگ ایجنٹ پولنگ اسٹیشن کے دورے کر رہا تھا۔ 12 مئی 2007 کو جب لوگ ٹی وی پر قتل و غارت گری کے مناظر دیکھ رہے تھے، میں ان مناظر کا عینی شاہد تھا، میں ان مناظر کا حصہ تھا، میں گھر

میں بیٹھنے ے بجائے چھوٹی چھوٹی گلیوں اور ذیلی سڑکوں سے ہوتا ہوا ریلی میں پہنچنے کی جدوجہد کر رہا تھا۔حالیہ انتخابات میں بھی گھر بیٹھے ووٹنگ کی صورتحال دیکھنے کے بجائے انتخابی کیمپ میں موجود تھا، بحثیت امیدوار وائس چیئرمین میں پولنگ اسٹیشنز کے دورے کر رہا تھا، اور ان پولنگ اسٹیشنز پر ہونے والی بدعملی اور دھاندلیوں کا عینی شاہد رہا ہوں۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ایم کیو ایم انتخابات جیت چکی ہے۔ لیکن اس جیت کے بعد اپنے گھروں میں ٹی وی دیکھنے کر تجزیے اور تبصرے کرنے والوں نے ایسا تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی گویا کہ پورا شہر متحدہ قومی موومنٹ کی پشت پر کھڑا ہے۔حالانکہ ایسا نہیں ہے۔بحثیت ایک کارکن اور امیدوار وائس چیئرمین میں نے اپنے حلقے کے 80 سے 85 فیصد علاقے میں گھر گھر جا کر رابطہ کیا۔ایک ایک دروازہ کھٹکھٹایا، ہینڈ بل بانٹے، لوگوں سے بات چیت کی۔اور یہی سب کچھ ڈسٹرکٹ سینٹرل میں ہمارے دیگر ساتھیوں نے بھی کیا، اس لیے میں ان تجزیوں سے متفق نہیں ہوں۔

انتخابی مہم کے حوالے سے سب سے پہلے میں یہ کہنا چاہوں گا کہ رینجرز کے اقدامات کے باعث ایک طویل عرصے بعد ایسے انتخابات منعقد ہوئے جس میں تمام پارٹیوں کو اپنی مہم چلانے کا موقع ملا، اکا دکا واقعات ضرور بدامنی کے

ہوئے لیکن مجموعی طور پر یہ انتخابات پُرامن ماحول میں منعقد ہوئے اور اس کا سارا کریڈیٹ رینجرز کو جاتا ہے۔ ہمارے علاقے میں متحدہ قومی موومنٹ، جماعت اسلامی جے یو پی، آل پاکستان مسلم لیگ، پیپلز پارٹی مد مقابل تھے۔ ان تمام پارٹیوں میں سے جماعت اسلامی اور متحدہ نے انتخابی مہم بھرپور انداز میں چلائی۔ جبکہ دیگر جماعتوں کی مہم پول بینرز تک محدود رہی۔ متحدہ قومی موومنٹ نے رابطہ عوام کے لیے خواتین ونگ کو فعال کیا۔ جبکہ الیکشن کیمپس میں نوجوانوں کی ذمہ داریاں لگائی گئیں، اس کے علاوہ کارنر میٹنگز کا انعقاد کیا گیا۔ جماعت اسلامی نے بھی بھرپور رابطہ مہم چلائی، گھر گھر رابطے کیے، مساجد میں ہینڈل بلز بانٹے، پوسٹرز اور بینرز لگائے، اور کارنر میٹنگز کیں۔

حلقے کے ایک بڑے حصے میں ہمارے لگائے گئے پوسٹرز ''نامعلوم'' افراد نے پھاڑ دیئے۔ حلقے کے لوگوں نے ہمیں ان ''نامعلوم'' افراد کی نشاندہی بھی کردی تھی، اس کے علاوہ پول بینرز کو منظم طریقے سے ہٹایا جاتا رہا، یعنی ایک ساتھ سارے بینرز پھاڑنے کے بجائے نامعلوم افراد روزانہ رات کو پانچ چھے بینرز اتار دیتے تھے، اسی کا نتیجہ یہ نکلا کہ الیکشن والے دن تک دوسو بینرز میں سے صرف کوئی پچیس تیس بینرز ہی باقی رہ پائے، جو ابھی تک موجود ہیں۔ جیسا کہ میں نے بتایا کہ ہم نے حلقے کے 80 سے 85 فیصد ایریا میں گھر گھر

رابطے کیے تھے۔ بچ جانے والے تقریباً15 سے 20 فیصد ایریا میں سے ایک ایریا میں ہم وقت کی کمی کے باعث رابطہ نہ کرسکے، جب کہ ایک ایریا میں ہمیں مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا، وہاں جب ہم پہنچے تو ہینڈ بلز کی تقسیم کے دوران ہی ایم کیو ایم کے کارکنان وہاں جمع ہوگئے، پہلے تو صرف طنزیہ جملے کسے جاتے رہے لیکن پھر آہستہ آہستہ ان کا رویہ جارحانہ ہوتا چلا گیا، اس وجہ سے ایریا میں ہم کوشش کے باجود رابطہ نہ کرسکے۔

الیکشن سے ایک دن پہلے جب انتخابی عملہ پولنگ اسٹیشنز پر پہنچا تو متحدہ کے کارکنان و امیدواران رات ہی سے ان سے رابطے میں تھے، بلکہ ایک رات سے ہی ان لوگوں کی پولنگ اسٹیشنز پر آمد و رفت جاری تھی۔میڈیا پر یہ خبر بھی سنی کہ رینجرز کو مجسٹریٹ کے اختیارات دیئے ہیں، رینجرز پولنگ اسٹیشنز پر بھی تعینات ہونگی لیکن عملی طور پر ایسا نہیں تھا۔ عملی طور پر رینجرز نے صرف امن و مان برقرار رکھنے کی ذمہ داری پوری کی، ہاں عزیز آباد کے پولنگ اسٹیشنز پر رینجرز کی نگرانی زیادہ رہی اور وہاں رینجرز کا گشت بھی زیادہ تھا لیکن دیگر علاقوں میں ایسا کچھ نہیں تھا۔پولنگ والے دن کے آغاز میں رینجرز نے پولنگ اسٹیشنز پر ایک چکر لگایا اور اس کے بعد صرف باہر ہی گشت لگاتے رہے۔

پولنگ والے دن صبح 10 بجے کے بعد سے ہی متحدہ کے کارکنان نے اپنی کارروائیاں شروع کردی تھیں۔ مہر لگانے کے لیے مخصوص جگہ پر جانے کے بجائے پولنگ افسر کے سامنے ہی بیلٹ پیپر پر ٹھپے لگائے جاتے رہے۔ پولنگ اسٹیشن کے دروازوں پر متعین پولیس کا عملہ صرف یہ دیکھتا رہا کہ اندر جانے والوں کے شناختی کارڈ موجود ہے یا نہیں، اس سے انہیں کوئی سروکار نہیں تھا کہ فرد کے پاس موجود شناختی کارڈ اس کا اپنا ہے یا کسی اور کا؟ یا شناختی کارڈ اصل ہے یا رنگین کاپی؟ ان تمام چیزوں کو چیک نہیں کیا گیا۔اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہوتا رہا کہ پولنگ کا عملہ صرف ان لوگوں کے شناختی کارڈ چیک کرکے کو بیلیٹ پیپر جاری کرتا جس پر ایم کیو ایم کے لوگ اعتراض کرتے، ورنہ بغیر شناختی کارڈ چیک کیے بیلیٹ پیپر جاری کیے جاتے رہے۔ مجھے لوگوں نے نے بتایا کہ سال کے لڑکوں کو چار چار پانچ پانچ ووٹ کی چار پرچیاں دی گئیں اور انہوں نے 16 جا کر ووٹ ڈالے۔ میں جب پوچھا کہ کیا ان سے شناختی کارڈ چیک نہیں کیا گیا، تو ان کا جواب تھا کہ ایسا تو کچھ بھی نہیں تھا۔

پولنگ بوتھ میں ایک پولنگ ایجنٹ کے بجائے دو دو تین تین لوگ موجود تھے، اور یہ لوگ ووٹرز کو ہراساں کرتے رہے، بیلیٹ پیپر پر خفیہ طور پر مہر لگانے کے بجائے اپنے سامنے مہریں لگوائی جاتی رہیں۔اس طرح ہمارے متعدد ووٹرز کو خوفزدہ کرکے پتنگ پر مہریں لگوائی گئیں۔ بالخصوص خواتین کے پولنگ بوتھ پر تو

یہ کام زیادہ ہو رہا تھا۔ مردوں کے پولنگ بوتھ پر کچھ ووٹرز نے مزاحمت کی اور دباؤ کے باجود اپنی مرضی سے ووٹ دیا لیکن اکثریت کو خوفزدہ کیا گیا۔ جن ایریاز کے بارے میں شبہ تھا کہ یہاں سے مخالف ووٹ پڑ سکتا ہے، وہاں کے ووٹرز کو ایک پولنگ اسٹیشن سے دوسرے پولنگ اسٹیشن پر بھیجا جاتا رہا تاکہ وہ ووٹ نہ ڈال سکے۔ ہم ووٹنگ لسٹ کے مطابق پرچیاں بنا کر لوگوں کو بھیجتے لیکن کئی لوگوں کو گمراہ کرکے ایک سے دوسرے پولنگ اسٹیشن بھیج دیا۔ ایک صاحب کو تین دفعہ واپس بھیجا گیا، آخر میں جب کوئی جواز نہ بچا تو کہا گیا کہ پرچی پر خاندان نمبر نہیں لکھا ہوا، حالانکہ نادرا کی ایس ایم ایس سروس اور ووٹنگ لسٹ کے مطابق ووٹ ڈالنے کے لیے خاندان نمبر ضروری نہیں ہے بلکہ صرف کتاب نمبر اور سلسلہ نمبر ضروری ہوتا ہے۔

حلقے کے ایک علاقے سے ہمارے کارکنان پولنگ کیمپ سے پرچی بنا کر لوگوں کو روانہ کرتے اور پولنگ اسٹیشن کے قریب ان کو زبردستی روک کر کہا جاتا کہ پتنگ پر ہی مہر لگانی ہے۔ اس ایریا کے کچھ نوجوانوں کو پولنگ اسٹیشن پر بھی تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ پورا دن ایم کیو ایم کے کارکنان کے جتھے پولنگ اسٹیشنز پر دندناتے رہے، رینجرز کو اس حوالے سے مطلع کیا گیا بلکہ میں نے اور ہمارے ناظم انتخاب نے گشت پر معمور رینجرز کی موبائل میں موجود کیپٹن کی اس جانب توجہ مبذول کرائی، لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ میں ایک پولنگ

اسٹیشن پر اپنے پولنگ ایجنٹ کو بٹھانے کے لیے گیا تو وہاں پولنگ افسر اپنے سامنے ووٹ پر مہر لگوا رہا تھا، میں نے خود اس کو ٹوکا اور کہا کہ مہر لگانے کے لیے مختص جگہ پر ہی مہر لگوائی جائے ، لیکن ہمارے جانے کے بعد دوبارہ یہی سلسلہ شروع ہوگیا، اسی وجہ سے ہمارے پولنگ ایجنٹ اور ایم کیو ایم کے کارکنان کی تو تو میں میں بھی ہوئی اور ہمارے پولنگ ایجنٹ کو سنگین نتائج کی دھمکیاں بھی دی گئیں۔ پولنگ کا وقت ختم ہونے کے بعد بھی پولنگ اسٹیشنز پر لوگ ووٹ ڈالنے کے لیے جاتے رہے، جب کہ کچھ پولنگ اسٹیشنز پر چھے بجے تک باقاعدہ ٹھپے لگائے جاتے رہے۔

ان سارے عوامل کی موجودگی میں بھاری مینڈیٹ کا دعویٰ کرنا یا میڈیا پر ان کی جیت کو پورے کراچی کے عوام کا فیصلہ کہنا درست نہیں ہے۔ میں ایک بار پھر یہ بات واضح کردوں کہ میں یہ ساری باتیں محض مخالفت میں نہیں کر رہا اور نہ ہی محض ٹی وی اور اخبارات میں کیے گئے تبصروں کی بنیاد پر کر رہا ہوں بلکہ یہ ساری باتیں وہ ہیں جن کا میں عینی شاہد ہوں اور ان چیزوں کی شکایات بھی ہم نے متعلقہ حکام تک پہنچائیں۔ اس کے علاوہ گھر گھر جاکر رابطہ عوام مہم سے بھی ہمیں عوام کے موڈ کا اندازہ ہوگیا تھا۔ عوام نے جس طرح ہمیں خوش آمدید کہا، ہماری پذیرائی کی، اس سے ہمیں یہ یقین تھا کہ فتح ہماری ہوگی ، بصورت دیگر شکست بھی ہوگی تو سخت مقابلے کے بعد ہوگی ، لیکن ہم سے زیادہ

ایم کیوایم نے عوام کے موڈ کا اندازہ لگایا اور یہ سارے ہتھکنڈے استعمال کیے۔ بہر حال جیت کے سینکڑوں وارث ہوتے اور شکست لاوارث ہوتی ہے۔ اوپر بیان کی گئی تمام بے ضابطگیوں اور دھاندلیوں کے باوجود میں ایم کیوایم کو ان کی جیت پر مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ ہاں آخری بات کہ کاش میں بھی گھر بیٹھے ٹی وی دیکھ دیکھ کے تجزیے اور تبصرے کرلیتا، کاش میں بھی یہ کہہ سکتا کہ ایم کیوایم کی جیت سارے کراچی کے عوام کا فیصلہ ہے۔ کاش میں بھی کہہ سکتا کہ ایم کیوایم کو بھاری مینڈیٹ ملا ہے، لیکن میرا مسئلہ یہ ہے کہ میں فیلڈ میں موجود تھا اور جو کچھ دیکھا ہے اس کے بعد یہ نہیں کہہ سکتا۔ دیکھا تو انھوں نے بھی ہوگا جو اس فیصلے کو پورے کرچی کا فیصلہ کہہ رہے ہیں۔

ننھی بسمہ: کس جرم میں ماری گئی

وی آئی پی موومنٹ کے باعث ایک معصوم بچی اپنی جان سے گئی، ایک ماں کی گود اجڑ گئی، ایک باپ سے اس کی بیٹی جدا ہو گئی۔ یہ ایک الم ناک سانحہ ہے۔ لیکن سا نحے سے بھی بڑا سانحہ پی پی کے رہنماؤں کے وہ ظالمانہ بیانات ہیں جو انہوں نے اس سا نحے کے بعد میڈیا پر جاری کیے۔ پہلے تو اس سا نحے کا مختصر احوال بیان کرتا چلوں۔ سوال اسپتال میں ٹرام سینٹر کے افتتاح کے موقع پر وزیر اعلیٰ سندھ قائم علی شاہ اور پی پی کے شریک چیئرمین بلاول بھٹو زرداری موجود تھے۔ ان کی آمد کے باعث پروٹوکول کے باعث اسپتال میں لوگوں کی آمد و رفت روک دی گئی۔ لیاری کے رہائشی فیصل کی بیٹی دس ماہ کی بسمہ سردی اور ٹھنڈ کے باعث سینے کی تکلیف میں مبتلا تھی اور س کا سینہ جکڑا ہوا تھا، اس کی سانس رک رہی تھی۔ فیصل اپنی بچی کو سول اسپتال لے کر گئے لیکن دونوں وی آئی پیز کی آمد اور پروٹوکول کے باعث راستے بند تھے، کم و بیش ایک گھنٹے تک ٹریفک جام میں گاڑی میں انتظار کرنے کے بعد فیصل نے پیدل ہی اسپتال جانے کا فیصلہ کیا لیکن اسے اسپتال کے گیٹ سے واپس کر دیا گیا، وہ کہتا رہا کہ میری بچی کی حالت نازک ہے لیکن اس کی شنوائی نہیں ہوئی۔ بعد از خرابی بسیار جب وہ بچی کو اسپتال میں لے جانے میں کامیاب ہوا تو ڈاکٹر نے سے یہ روح فرسا خبر سنائی کہ اس کی ننھی بچی اب اس دنیا

مین نہیں ہے۔ ساتھ ہی ڈاکٹر نے یہ بھی کہا کہ اگر وہ صرف دس منٹ پہلے آجاتا تو اس کی بچی کی جان بچائی جاسکتی تھی۔

جب میڈیا پر اس سانحے کی خبر چلی تو کونسا دل ہے جو اداس نہ ہوا، ہر آنکھ اشک بار ہوگئی۔ لیکن عوام کے نام نہاد خادموں پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ بلکہ الٹا ان کے بیانات نے دکھی والدین کے زخموں پر نمک چھڑک دیا۔ سندھ کے سینئر وزیر تعلیم نثار کھوڑو صاحب فرماتے ہیں کہ بچی کے انتقال پر افسوس ہے لیکن ''بلاول کی زندگی سب سے زیادہ مقدم ہے۔'' ایک محترمہ کہتی ہیں کہ مرنے والا تو واپس نہیں آسکتا، اگر ہمارے استعفے سے بسمہ کی واپس آسکتی ہے تو میں اپنی پوری قیادت کی جانب سے معافی مانگتی ہوں۔ (واہ صاحب کیا مشروط معافی مانگی ہے۔

وزیر اعلیٰ سندھ اس سانحے کے بعد لیاری پہنچے لیکن غریب والدین کے گھر جانے کے بجائے نادیہ گبول کے گھر پر ان کو بلایا۔ وہاں بچی کے والد کو نوکری کی پیش کش کی۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ بچی بیمار تھی، اب اس کا انتقال ہوگیا تو یہ اللہ کی مرضی تھی۔ صوبائی وزیر صحت فرماتے ہیں کہ مرنا انسان کے بس میں نہیں ، یہ تو اللہ کی مرضی ہے اور یہ معمول کی بات ہے۔ ساتھ ہی انہوں نے بڑی ڈھٹائی کے ساتھ فرمایا کہ اسپتال میں کسی کے داخلے پر پابندی نہیں

تھی۔

یہ سارے بیانات دراصل اس ذہنیت کی عکاسی کرتے ہیں کہ ہمارے یہ نام نہاد رہنما عوام کو کیا سمجھتے ہیں۔ اب یہ عوام کو سوچنا چاہیے کہ وہ اپنی تقدیر کا مالک کسے بناتے ہیں۔ ان لوگوں کو جو ان کو بھیڑ بکریاں سمجھتے ہیں۔

شدت پسند جماعتِ اسلامی کے جرائم

جماعتِ اسلامی قیام پاکستان سے قبل ہی وجود میں آئی تھی۔ اس جماعت کے جرائم بہت سنگین ہیں۔ یہ جماعت معتدل ہونے کا دعویٰ کرتی ہے لیکن مخالفین کہتے ہیں کہ یہ شدت پسند جماعت ہے۔ ہم بھی اسی حوالے سے آج جماعتِ اسلامی کی شدت پسندی اور انتہا پسندی کے کچھ جرائم ثبوت کے ساتھ قارئین کے سامنے پیش کریں گے۔

قیام پاکستان کے فوراً بعد بانی پاکستان، قائد اعظم محمد علی جناحؒ نے اس جماعت کے بانی اور پہلے امیر سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کو ریڈیو پاکستان سے تقاریر کرنے کی درخواست کی، یہ درخواست اس مقصد کے لیے کی گئی کہ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ لوگوں کو اسلامی ریاست، اس کے بنیادی خدوخال، اس کے اصول و ضوابط کے حوالے سے لوگوں کو آگاہ کریں۔ یہ ایک بہت بڑا جرم ہے۔ لیکن اس جرم کے ساتھ ایک اہم بات اور بھی منسلک ہے۔ ریڈیو سے تقاریر کرنے کی درخواست قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ نے کی تھی، اس کا کیا مطلب یہ ہوا کہ قائد اعظمؒ بھی کوئی سیکولر یا لبرل پاکستان نہیں چاہتے تھے بلکہ وہ پاکستان کو ایک اسلامی ریاست کے روپ میں دیکھنا چاہتے تھے۔ اب سیکولر، لبرل طبقہ اس بات کو کتنا ہی جھٹلاتا رہے، قائد کی تقاریر کے من مانے حصے

لوگوں کے سامنے پیش کر کے لوگوں کو کتنا ہی گمراہ کرنے کی کوشش کرے لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ قائدِ اعظمؒ نے مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ سے سرکاری ریڈیو پر تقاریر کروائیں ہیں۔

قیام پاکستان کچھ عرصہ قبل جب فسادات شروع ہوئے، تو اس وقت یہ شدت پسند جماعتِ اسلامی تھی جس نے مشرقی پنجاب کے علاقے پٹھان کوٹ میں مسلمانوں کی حفاظت کے لیے پہرہ داری نظام قائم کیا، مہاجرین کے قافلوں کو بحفاظت پاکستان کی سرحدوں میں پہنچانے کا انتظام کیا۔ یہ کام بھی جماعت اسلامی کی شدت پسندی کو ظاہر کرتا ہے، بھلا کیا ضرورت تھی مسلمانوں کو بچانے کی، ان کے لٹے پٹے قافلوں کو اپنی حفاظت میں پاکستان کی حدود میں پہنچانے کی؟ پس ثابت ہوا کہ یہ بھی جماعتِ اسلامی کا ایک جرم ہے کہ وہ مظلوم مسلمان بھائیوں کی مدد کے لیے تیار رہتی ہے۔

آیئے ایک اور جرم دیکھیے۔ قیامِ پاکستان کے فوراً بعد جب مہاجرین قافلہ در قافلہ پاکستان آرہے تھے، ان کے رہن سہن کے انتظامات، اس کے علاوہ قافلوں کے ساتھ جو شہدا کی میتیں تھیں، ان کے کفن دفن کا انتظام ایک مسئلہ تھا، نوزائیدہ ریاست ابھی دیگر مسائل میں الجھی ہوئی تھی۔ اس صورتحال میں یہ جماعت اسلامی تھی جس نے پاکستان میں پہلی بار مہاجرین کی فلاح و بہبود

کے لیے کام کیا، لاشوں کے کفن دفن کا انتظام کیا، اس کے ساتھ ساتھ حتی الامکان مہاجرین کی مدد کرنے کی کوشش کی۔ بھلا یہ جرم کبھی معاف ہو سکتا ہے؟

صاحب جرائم کی ایک طویل تاریخ ہے جماعت اسلامی کی۔ کون کون سا جرم گنواؤں میں؟ چلیے ماضی بعید کے جرائم چھوڑ دیجیے۔ ذرا ماضی قریب کے جرائم تو دیکھیے۔ یہ جو شہر کراچی ہے، پاکستان کا سب سے بڑا شہر۔ اس شہر کی نظامت جماعتِ اسلامی کے ایک بوڑھے کارکن نعمت اللہ خان کے ناتواں کندھوں پر آگئی۔ اور پھر دنیا نے دیکھا کہ اس بوڑھے نے شہر میں کئی ترقیاتی منصوبے شروع کردیے۔ اپنے ساڑھے تین سالہ دور نظامت میں کم و بیش 32 کالجز قائم کیے، جن میں بچیوں کے کالجز قابل ذکر تعداد میں ہیں۔ (بھلا بتاؤ بچیوں کو پڑھانے کا جرم قابلِ معافی ہو سکتا ہے؟) ہاں اس کے بعد آنے والے ناظم شہر نے کوئی نیا کالج قائم نہیں کیا۔ اس شہر میں امراض قلب کا صرف ایک ہی مرکز تھا۔ اس بوڑھے نے فیڈرل بی ایریا میں امراض قلب کا ایک نیا مرکز قائم کرکے دکھایا۔ دنیا چاہے کچھ بھی کہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ 2005 کے اوائل میں اس ہسپتال میں پہلا آپریشن بھی ہو چکا تھا۔ اب چاہے کوئی کتنا ہی اس بات کا کریڈٹ لینا چاہے کہ یہ مرکز نعمت اللہ خان نے نہیں بلکہ ہم نے قائم کیا ہے لیکن وہ حقیقت کو جھٹلا نہیں سکتا۔

اسی بوڑھے بابے نے شہر میں ماحول دوست گرین بسیں متعارف کرائیں۔ اہل کراچی کے لیے گرین بسوں کے ساتھ ساتھ آرام دہ یوٹی ایس بسوں کا تحفہ دیا، وہ اہل کراچی جو ٹوٹی پھوٹی، کھٹارا بسوں کو اپنا مقدر سمجھ بیٹھے تھے، ان کے لیے یہ تحفہ ایک نعمت تھا۔ لیکن ہوا یہ ہے کہ اس بابے کی نظامت ختم ہوتے ہی یہ بسیں سڑکوں سے غائب کر دی گئیں، اور ایک ڈیڑھ سال کے وقفے سے وہی بسیں ، وہی روٹ اپنے نام سے جاری کر دیئے گئے۔

اور تو اور یہ جو سیکرل لبرل طبقہ مذہبی تعلیم ، مدارس کے نظام کے خلاف آواز اٹھاتا ہے، یہ جو بچیوں کے تعلیم کے شور مچاتا رہتا ہے، حقیقتاً اس نے بچیوں کی تعلیم اور ان کی فلاح و بہبود کے لیے سوائے شور کرنے کے عملی طور پر کچھ بھی نہیں کیا۔ لیکن اس بوڑھے شخص نے سٹی گورنمنٹ کے اسکولوں میں بچیوں کی تعلیم نہ صرف مفت کر دی بلکہ بچیوں کی تعلیم کے فروغ کے لیے، سٹی گورنمنٹ کی طرف سے بچیوں کے لیے ماہانہ بنیاد پر وظیفہ جاری کیا۔ یہ کام پاکستان کی تاریخ میں کبھی کسی نے نہیں کیا، ہاں یہ جرم بھی جماعتِ اسلامی کا ہے کہ اس نے بچیوں کی تعلیم کے لیے عملی طور پر یہ قدم اٹھایا۔

اور سنیے یہ ہمارے ارکان اسمبلی ہوتے ہیں، ہ وزیر مشیر ہر بجٹ میں اپنی تنخواہ اور مراعات بڑھانے کی بات کرتے ہیں، نہ صرف بات کرتے ہیں بلکہ

بڑھاتے بھی ہیں، ہر بجٹ میں ان کی تنخواہیں ار مراعات سو سو فیصد تک بڑھ جاتی ہیں۔ ایسے ماحول میں جماعتِ اسلامی سے تعلق رکھنے والا ایک صوبے کا وزیر خزانہ اور سینئر وزیر جب بجٹ پیش کرتا ہے تو کہتا ہے کہ ہماری تنخواہیں پہلے ہی زیادہ ہیں اس لیے ہم اپنی تنخواہیں نہیں بڑھائیں گے بلکہ اپنی تنخواہیں ایک ایک ہزار روپے کم کریں گے اور میں صوبے کا سینئر وزیر ہوں تو میری تنخواہ دو ہزار روپے کم کی جائے، اور یہ رقم عوام کی فلاح و بہبود کے لیے خرچ کی جائے گی۔ عزیزو ! یہ تو بہت بڑا جرم ہے۔ بھلا بتاؤ اگر وزیر، مشیر، ارکان اسمبلی اپنی تنخواہوں میں کمی کردیں، مراعات کم کردیں تو پھر اسمبلی کا ممبر بننے کا کیا فائدہ؟ اب جو لوگ ایسی ''غلط روایات'' کی طرح ڈالیں، ایسی خراب مثالیں'' قائم کریں تو ان کا ''جرم ''معافی کے قابل تو نہیں ہوگا نا۔ اس لیے'' ضروری ہے کہ ان کی ہر سطح پر بیخ کنی کی جائے، ان کو دہشت گرد، انتہا پسند، شدت پسند بنیاد پرست قرار دیا جائے تاکہ عوام ان سے دور رہیں اور سیکولر، لبرل، قوم پرستوں، کا کاروبار جاری و ساری رہے۔

غریبِ شہر تو فاقے سے مرگیا۔۔۔۔۔

گزشتہ ہفتے دو دنوں میں ہم نے تین تہوار بہت عقیدت واحترام اور دھوم دھڑاکے سے منائے، اول عید میلادالنبی ﷺ جو کہ 24 دسبر کو جب کہ 25 دسمبر کو کرسمس اور بابائے قوم حضرت قائداعظمؒ کی سالگرہ منائی گی۔ سنا ہے کہ اپنے میاں نواز شریف صاحب بھی اچانک 25 دسمبر کو پیدا ہونے لگے ہیں۔ خیر یہ ہمارا موضوع نہیں ہے۔ ہمارا موضوع تو عید میلادالنبی ﷺ کی تقریبات ہیں۔
تمام مسلمان خواہ وہ کس بھی مسلک سے تعلق رکھتے ہوں، نبی اکرم ﷺ سے محبت رکھتے ہیں۔ ہاں پیارے نبیؐ سے اپنی محبت کے اظہار کا طریقہ الگ الگ اختیار کرتے ہیں۔ کوئی درود وسلام کی محفلیں سجاتا ہے، کوئی اس دن نوافل کا اہتمام کرتا ہے، کوئی اس دن شکرانے کے طور پر اور خوشی کے اظہار لیے ایک دوسرے کا منہ میٹھا کرتے ہیں، ایک دوسرے کے گھر شیرینی، کوئی میٹھا پکوان یا بریانی وغیرہ بھیجتے ہیں، کوئی گھر اور شہر کو سجاتا ہے۔ یہ سارے عقیدت اور خوشی کے اظہار کے طریقے ہیں۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا نبی اکرمؐ کی ولادت باسعادت کی خوشی منا لینا ہی کافی ہے؟ کیا آقا ﷺ سے عقیدت کا

اظہار کرکے ہم اپنا فرض ادا کرلیتے ہیں؟

نہیں بلکہ سیرت النبیؐ کا پیغام یہی ہے کہ پیارے نبی ﷺ کی تعلیمات کو عام کیا جائے اور ان پر عمل کیا جائے۔ میرے اور آپ کے آقا ﷺ کی ولادت کا جشن منانے کا بھی درست طریقہ یہی ہے۔ اس وقت میرے سامنے دو خبریں ہیں۔ ایک تو یہ کہ ملتان میں جشن میلاد النبیؐ کے موقع پر 12 ہزار پونڈ وزنی کیک کاٹا گیا۔ اس کیک کی تیاری میں 22 سو کلو مکھن، 9 سو کلو چینی، 6 سو کلو میدہ، 2 ہزار 6 سو انڈے اور مربہ جات استعمال کیے گئے۔ خبر کے مطابق یہ کیک تاریخی تلوار سے کاٹا گیا، ہزاروں زائرین میں تبرک کے طور پر بانٹا گیا۔ دوسری خبر بھی ملتان سے ہی ہے اور انتہائی کرب ناک خبر ہے۔ اسی ملتان کے علاقے شریف پورہ کے رہائشی 45 سالہ مزدور اشفاق نے غربت اور فاقوں سے تنگ آکر اپنے چار بچوں اور بیوی کو قتل کرکے خودکشی کرلی۔ یہ مزدور انتہائی کسمپرسی کے حال میں زندگی گزار رہا تھا، غربت کے ہاتھوں ستایا ہوا تھا اور حالات سے تنگ آکر اس نے یہ انتہائی قدم اٹھایا۔

پیارے نبی ﷺ کی ایک حدیث مبارکہ کا مفہوم ہے کہ "وہ مومن نہیں جو خود تو پیٹ بھر کر کھائے اور اس کا پڑوسی بھوکا سوئے۔" یہاں تو بات بھوکا سونے سے بڑھ کر قتل اور خودکشی تک پہنچ گئی۔ یہ سوچنے کی بات ہے۔ پروفیسر عنایات

علی خان کے نعتیہ کلام پر اپنی بات ختم کروں گا۔

کسی غمگسار کی محنتوں کا یہ خوب میں نے صلہ دیا
کہ جو میرے غم میں گھلا کیا اسے میں نے دل سے بھلا دیا
جو جمالِ روئے حیات تھا، جو دلیل راہِ نجات تھا
اسی رہبر کے نقوش پا کو مسافروں نے مٹا دیا
میں تیرے مزار کی جالیوں ہی کی مدحتوں میں مگن رہا
تیرے دشمنوں نے تیرے چمن میں خزاں کا جال بچھا دیا
تیرے حسن خلق کی اک رمق میری زندگی میں نہ مل سکی
میں اسی میں خوش ہوں کہ شہر کے در و بام کو تو سجا دیا
تیرے ثور و بدر کے باب کے میں ورق الٹ کے گزر گیا
مجھے صرف تیری حکایتوں کی روایتوں نے مزا دیا
کبھی اے عنایتِ کم نظر! تیرے دل میں یہ بھی کسک ہوئی
جو تبسم رخ زیست تھا اسے تیرے غم نے رلا دیا
یہ میری عقیدت بے بسر، یہ میری ریاضت بے ہنر
مجھے میرے دعویٰ عشق نے نہ صنم دیا نہ خدا دیا

بلا عنوان

کبھی کبھی دل چاہتا ہے کہ آپ لوگوں کو اپنی زندگی کے تجربات میں شریک کیا جائے۔ آج صبر و تحمل،.برداشت اور عدم.برداشت کے حوالے سے کچھ تجربات آپ لوگوں کے سامنے رکھنا چاہوں گا۔دیکھا یہ گیا ہے کہ جو لوگ دوسروں کو رواداری، صبر اور .برداشت کا درس دیتے ہیں ، جب ان کے اپنے اوپر کوئی افتاد پڑے یا افتاد نہ بھی پڑے محض کوئی فرد اختلافِ رائے ہی کرلے تو ساری رواداری، صبر و تحمل اور.برداشت کا درس ختم ہوجاتا ہے اور اندر سے ایک دوسرا چہرہ.برآمد ہوتا ہے۔

میرے حلقہ احباب میں ایک صاحب ہیں ایک مخصوص مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے ہیں، اور اس کی تبلیغ بھی کرتے ہیں۔آج سے کم و بیش 14 سال پہلے جب امریکہ افغانستان پر حملہ آور ہوا تھا، اس وقت میڈیا پر یہی ایک معاملہ ہوتا تھا اور عوام بھی اسی پر بات کرتے تھے۔ظاہر ہے کہ ہماری بھی جب ملاقات ہوتی تھی توگھوم پھر کر اسی موضوع پر بات آجاتی تھی۔ میرا موقف یہ تھا اور ہے کہ اگر غیر مسلم فوج کسی مسلمان ملک پر حملہ آور ہوجائے تو پھر اس ملک کے مسلمانوں پر تو جہاد فرض ہوجاتا ہے، اس لیے جو مسلمان افغانستان میں

امریکہ افواج سے برسرپیکار ہیں، ان کا عمل بالکل درست ہے۔ جب کہ ان کا موقف یہ تھا کہ ہمیں صبر اور درگزر سے کام لینا چاہیے اور ہدایت کی دعا مانگنی چاہیے۔ جب ہم کہتے کہ بھئی امریکہ بحیثیت ریاست حملہ آور ہوا ہے، اس کے صدر نے یہ فیصلہ کیا ہے تو موصوف فرمانے لگے کہ بھئی آپ لوگ اللہ سے دعا کریں کہ بش بھی ایمان لے آئے۔ ان کو کئی بار یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ بھائی ہدایت کی دعا بھی ضرور کی جانی چاہیے لیکن پہلے ظالم کو ظلم سے روکیں، ، لیکن وہ درگزر، صبر اور ہدایت سے آگے نہیں بڑھتے تھے۔

اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ محلے میں ایک جھگڑا ہوا، اس جھگڑے کا ایک فریق ان کا دوست تھا، جھگڑے کے دوران یہ بیچ بچاؤ کی کوششیں کر رہے تھے۔ قصہ مختصر یہ کہ ان کے دوست نے ایک اور ساتھی کے ساتھ مل کے فریق مخالف کی ٹھیک ٹھاک چھینٹی لگائی۔ فریق مخالف کے گھر والوں نے کہا کہ ہم لڑائی جھگڑے کے بجائے قانونی کارروائی کریں گے، اور انہوں نے پولیس میں رپورٹ کر دی، اس رپورٹ میں موصوف کا نام بھی بطور فریق شامل کر دیا گیا۔ اب آپ لوگوں کا کیا خیال ہے کہ جب انہیں پتا چلا کہ میرا نام بھی لڑائی کرنے اور چھینٹی لگانے والوں میں آیا ہے تو کیا انہوں نے کسی کے لیے ہدایت کی دعا کی؟ کیا انہوں نے صبر کا اور رپورٹ میں نام دینے والوں کو معاف کر دیا؟ کیا انہوں نے درگزر کا معاملہ کیا؟

جی نہیں ایسا کچھ بھی نہیں ہوا۔ جب انہیں پتا چلا کہ ان کا نام بھی رپورٹ میں آیا ہے تو ساری ہدایت کی دعائیں، سارے درگزر کے معاملات اور صبر کی تلقین ایک طرف رہ گئی اور موصوف سرعام ماں بہن کی گالیاں بکتے تھے، جب بھی ملتے اور اس موضوع پر بات ہوتی تو ان کے منہ سے سوائے گالیوں اور بددعاؤں کے کچھ برآمد نہ ہوتا۔ اس واقعے سے یہ سبق ملا کہ دوسروں کو صبر، برداشت اور رواداری کی تلقین کرنا آسان ہے، خود اس پر عمل کرنا انتہائی مشکل ہے۔

یہی حال ہمارے سیکولر، لبرل طبقے کا بھی ہے۔ دوسروں کو دہشت گرد، عدم برداشت کا حامل، انتہا پسند اور شدت پسند کہتے نہیں تھکتے۔ نجی محافل، میڈیا، ذرائع ابلاغ غرض جہاں موقع ملے وہاں معاشرے میں پھیلی ہوئی عدم برداشت اور انتہا پسندی کا رونا روتے ہیں لیکن خود اپنے بارے میں کسی کی تنقید، کسی کی مخالفانہ کو سننے کے روادار نہیں ہیں۔ منطق، عقل اور دلیل کی بات کرتے ہیں، لیکن جب اپنے اوپر آئے تو ساری منطق، ساری دلیلیں چھوڑ کر طعنوں اور کوسنوں اور الزام تراشی پر اتر آتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو دورنگی اور منافقت سے بچائے۔

سچ بولنا ہی نہیں سچ سننا بھی سیکھیں

ہم بہت عجیب و غریب لوگ ہیں۔ ہم اکثر و بیشتر ایک دوسرے کو سچ بولنے کی تلقین کرتے ہیں۔ اساتذہ اور والدین بچوں کو، دوست ایک دوسرے کو، بلکہ مخالفین بھی ایک دوسرے کو سچ بولنے کی تلقین کرتے ہیں۔ لیکن یہ بڑا عجیب معاملہ ہے کہ ہم سچ سننا نہیں چاہتے چاہتے ہیں، نا عجیب سی بات! یا کم از کم کھری بات اور صاف گوئی ہمیں پسند نہیں آتی ہے اور جب کوئی فرد صاف، کھری بات کرے تو ہم اس کو بے - مروت، مغرور وغیرہ کے القابات سے نوازتے ہیں

چلیے اس بات کو میں اپنے تجربات کی روشنی میں بیان کرتا ہوں۔ میں ایک اسکول میں ملازمت کرتا ہوں۔ ابتدا میں اس اسکول کے استقبالیہ پر میری ذمہ داری تھی، روزانہ درجنوں افراد اسکول میں داخلے کی معلومات کے لیے آتے تھے۔ اسکول میں داخلے شروع ہوتے ہی اس تعداد میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ داخلے کے لیے آنے والے افراد سے ہم پوری معلومات حاصل کرتے کہ ان کی رہائش کہاں ہے؟ بچے کی تاریخ پیدائش، عمر وغیرہ کی معلومات حاصل کرکے ہم انہیں بتاتے تھے کہ ان کے بچے کا داخلہ ہوسکتا ہے یا نہیں۔ جن لوگوں کو ہم منع کرتے تھے ان میں سے 75 سے 80 فیصد کا یہ اصرار ہوتا تھا کہ ہم کچھ گنجائش نکالیں۔ جب ہم

انہیں بتاتے کہ ہم اسکول کی پالیسی اور طریقہ کار کے مطابق آپ کو درست معلومات دے رہے ہیں، تو پھر ایسے افراد کی خواہش ہوتی تھی کہ اچھا ہم انتظار کرلیتے ہیں شاید کچھ موقع مل جائے۔ ہم انہیں بڑی نرمی سے یہ بتاتے تھے کہ دیکھیں، ہم نے آپ کو بالکل درست اور ٹھیک بات بتا دی ہے۔آپ انتظار کرکے اپنا وقت ضائع کریں گے اور ایسا نہ ہو کہ آپ کے بچے کا کسی اور اسکول میں بھی داخلہ نہ ہو پائے۔ لیکن اس صاف اور سچی بات کو عموماً لوگ پسند نہیں کرتے اور ہمیں مغرور، بے مروت اور نخرے والا کے خطابات سے نوازتے۔

ایک دفعہ تو یہ بھی ہوا کہ ایک صاحب بچی کے داخلے کے لیے آئے، ان کی بچی کا فارم جمع کرکے اسسمنٹ وغیرہ کیا گیا اور ان کو صاف گوئی سے بتا دیا گیا کہ دیکھیں 80 فارم ہیں اور صرف 30 یا 32 داخلے ہونگے۔ اس لیے رجسٹریشن فارم داخلے کی ضمانت نہیں ہے۔ اتفاق سے ان کی بچی کا نام نہیں آیا۔ انہوں نے ہمیں کہا کہ آپ لوگ کوشش کریں، ہم نے انہیں اپنی مجبوری بتائی، انہوں نے ہمارے ایگزیکٹو ڈائریکٹر صاحب سے بات کرنے کی خواہش کی، ہم نے فون پر ان کی بات کروادی۔ ایگزیٹو ڈائریکٹر صاحب نے بھی ان کی پوری بات سنی اور پھر معذرت کرلی۔ لیکن انہوں نے از خود یہ کہا کہ ہم انتظار کرلیتے ہیں شاید کچھ گنجائش نکل آئے۔ ہم نے ان سے واضح طور پر کہا کہ آپ کی مرضی ہے ورنہ

ہمارے پاس اب گنجائش نہیں ہے۔ وہ صاحب چلے گئے لیکن مختلف ذرائع سے سفارشیں لگاتے رہے، قصہ مختصر کہ دو ماہ بعد جب سیشن کا آغاز ہونے والا تھا اس سے دو دن قبل وہ موصوف تشریف لائے اور کہا کہ ہمیں داخلہ فارم دیدیں اور آپ کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر صاحب سے ہماری بات ہو چکی ہے ،انھوں نے ہی کہا ہے کہ آپ فارم لے لیجیے۔ ہم نے سر سے بات کی تو انھوں نے اس بات کی تردید کی اور کہا کہ میں نے کسی کو بھی داخلہ فارم دینے کی کوئی ہدایت نہیں ہے۔ جب ہم نے ان سے یہ بات کہی تو آپ کو پتہ ہے موصوف کیا کہنے لگے ؟

وہ صاحب جو تین ماہ سے ہمارے پیچھے پڑے ہوئے تھے کہ بچی کا داخلہ اسی اسکول میں کرانا ہے اور جو ہر قسم کی سفارش لگا چکے تھے، اب موصوف فرمانے لگے کہ ''آپ کا اسکول اتنا اچھا بھی نہیں کہ یہاں بچے کو داخل کرایا جائے، اس کا نظام ٹھیک نہیں ہے، وغیرہ وغیرہ۔'' میں نے عرض کیا کہ ''صاحب یہ بات آپ اس لیے کہہ رہے ہیں کہ آپ کی بچی کا داخلہ نہیں ہوا، ورنہ ابھی آپ اسکول کی تعریفیں کر رہے ہوتے۔'' فرمانے لگے کہ جی نہیں میں بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ اتنے میں فون کی گھنٹی بجی اور میں فون سننے لگا تو کہنے لگے ''آپ اتنے مصروف بھی نہیں ہیں لیکن میرے سامنے اپنے آپ کو دکھا رہے ہیں اور خود کو مصروف ظاہر کر رہے ہیں، اور آپ نخرے دکھا رہے ہیں۔'' میں نے عرض کیا کہ جناب اب میں آپ کی کسی بات کا جواب نہیں دوں گا کہ کیوں کہ اب آپ بلاوجہ

الجھنے کی باتیں کر رہے ہیں۔ بہر حال کافی کچھ کہنے کے سنانے کے بعد وہ صاحب رخصت ہوئے۔

یہ ایک مثال ہے۔ اب دوسری جانب دیکھیں آپ کے ساتھ بھی اکثر و بیشتر یہ معاملہ ہوتا ہوگا کہ آپ کے کوئی دوست ، احباب، رشتہ دار آپ سے کسی کی نوکری، سفارش یا کسی کام کا کہتے ہونگے۔ اور یقیناً آپ حتی الامکان کوشش بھی کرتے ہونگے، یقیناً بہت سے لوگوں کو آپ کی ذات سے فائدہ بھی پہنچا ہوگا۔ لیکن بسا اوقات یہ ہوتا ہے کہ آپ سے کوئی ایسا کام کہہ دیا جاتا جو آپ کی بساط، آپ کی پہنچ سے دور ہوتا ہے۔ اب اگر آپ منع کریں تو بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ متعلقہ فرد آپ کی معذرت، آپ کا عذر قبول کرے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ آپ ازارہ انکساری ایسا کہہ رہے ہیں، حالانکہ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ جو توقع مجھ سے باندھی جارہی ہے، جو امید مجھ سے لگائی جارہی ہے، جو کام مجھ سے کہا جارہا ہے، میں وہ کام نہیں کرسکتا۔ لیکن جب آپ یہ بات.براہ راست اور صاف گوئی سے کہہ دیں تو کوئی یقین نہیں کرتا۔ کبھی سوچا ہے کہ اس کی وجہ کیا ہے؟ وجہ وہی ہے جو میں نے اوپر بیان کی ہے کہ ہم سچ سننا نہیں چاہتے۔ ہم صاف گوئی.برداشت نہیں کرپاتے ۔ یا پھر ہم اپنی توقع کے خلاف کوئی بات سن نہیں پاتے ہیں۔

اب تصویر کا دوسرا رخ دیکھیے۔ اوپر بیان کی گئی صورتحال میں اگر آپ کسی کو بھی صاف منع نہ کریں، بلکہ اسے آسرا دیں، اسے اپنے گھر اور دفتر کے چھے سات چکر لگوائیں، ہر ملاقات میں کہیں کہ یار بس میں کوشش میں لگا ہوا ہوں، بہت جلد تمھارا کام ہو جائے گا، اس کے بعد ہفتہ دس دن بعد اسے منع کر دیں تو یہ فرد مطمئن ہو جائے گا کہ آپ نے بڑی کوشش کی۔ حالانکہ سچ تو یہ ہے کہ آپ کو پہلے دن سے پتا تھا کہ آپ یہ کام نہیں کر سکتے لیکن یہ صاف گوئی، یہ سچائی بہت کم لوگ ہی برداشت کر پاتے ہیں۔

اب ایک اور بات دیکھیے۔ اساتذہ اور والدین بچے کو تلقین کرتے ہیں کہ ہمیشہ سچ بولو، چاہے کچھ بھی ہو جائے۔ بچہ والدین اور استاد کی یہ نصیحت پلے سے باندھ لیتا ہے۔ اب بچہ کوئی شرارت کرتا ہے، والدین یا اساتذہ پوچھتے ہیں کہ سچ سچ بتاؤ یہ کس نے کیا ہے؟ بچہ سچ بتا دیتا ہے، اور اس کے بعد کیا ہوتا ہے۔ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ اس موقع پر بچے کو کوئی سزا دیے بغیر محض نصیحت کر کے چھوڑ دیا جائے۔ ورنہ زیادہ تر مواقع پر اساتذہ اور والدین بچے کو دُھنک کر رکھ دیتے ہیں۔ ہمارے اس طرزِ عمل سے بچے کو کیا پیغام جاتا ہے؟ یہی کہ آئندہ سچ نہیں بولنا بلکہ شرارت کر کے الزام دوسروں پر لگا دینا چاہیے۔ اس طرح ہم غیر محسوس طور پر بچے کو جھوٹ کی ترغیب دیتے ہیں۔ وجہ یہی ہے کہ ہم صرف سچ بولنے کی تلقین کرنا جانتے ہیں، لیکن سچ سننا نہیں چاہتے۔ سچ سننا

زیادہ مشکل کام ہے۔ کوشش کریں کہ ہم یہ مشکل کام بھی کر سکیں۔

ایک وہ جنازہ تھا، ایک یہ جنازہ ہے

جی ہاں بات جنازوں کی ہو رہی ہے۔ ایک جنازہ 2011 میں ہوا تھا، پنجاب کے گورنر سلمان تاثیر کا جنازہ۔ سلمان تاثیر کے قتل کے بعد حکومت نے بھرپور کوشش کی کہ کسی جید اور نامور عالم دین سے سلمان تاثیر کی نمازِ جنازہ پڑھوائی جائے۔ اس مقصد کے لیے پہلے بادشاہی مسجد کے خطیب عبدالخبیر آزاد کا نام لیا گیا لیکن وہ اس کے لیے تیار نہ ہوئے اور راتوں رات لاہور سے باہر چلے گئے اور نمازِ جنازہ پڑھانے سے انکار کر دیا، اس کے بعد داتا دربار کی جامع مسجد کے خطیب رمضان سیالوی کو کہا گیا لیکن انہوں نے بھی معذرت کر دی۔ پھر جامع حنیفیہ کے خطیب قاری عارف سیالوی نے معذرت کی حتٰی کہ گورنر ہاؤس کی مسجد کے امام و خطیب قاری اسمٰعیل صاحب نے بھی نمازِ جنازہ پڑھانے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد مجبوراً پی پی پنجاب کے علما ونگ کے علامہ افضل چشتی نے گورنر کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔

نمازِ جنازہ پڑھانے سے جید علما کا گریز ہی دراصل یہ بتانے کے لیے کافی تھا کہ مقتول گورنر کا فعل مکروہ، ناپسندیدہ اور عام مسلمانوں کے لیے قابل قبول نہ تھا، جس کا اظہار انہوں نے نمازِ جنازہ نہ پڑھا کر کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھیے کہ گورنر پنجاب کے جنازے میں شرکا کی تعداد سینکڑوں میں

تھی جن میں اکثریت سرکاری عہدے داران اور پی پی کے رہنماؤں کی تھی، عام لوگوں کی شرکت میں بہت کم رہی ہے۔

دوسری جانب غازی ممتاز قادری شہید کا جنازہ تھا۔ ان کا جسدِ خاکی انتیس فروری کی شام سے ہی دیدار کے لیے رکھ دیا گیا تھااور اخباری اطلاعات کے مطابق یکم مارچ تک کم و بیش 80 ہزار لوگوں نے ان کے جسد خاکی کاآخری دیدار کیا تھا، جب کہ تدفین تک یہ تعداد لاکھوں تک پہنچ چکی تھی۔ نماز جنازہ کی جو تصاویر اوپر آپ دیکھ رہے ہیں اس میں ہر طرف سر ہی سر نظر آرہے ہیں اور بلا مبالغہ لاکھوں لوگ عاشقِ رسول ممتاز قادریؒ کی آخری رسومات میں شرکت کے لیے موجود تھے۔

یہ جنازے بھی تو ایک ریفرنڈم، ایک فیصلہ ہوتے ہیں۔ لاکھوں لوگوں نے شہید کے جنازے میں شرکت کرکے یہ فیصلہ دیدیا ہے کہ پاکستان کے غیور عوام لبرل ازم یا روشن خیالی کو مسترد کرتے ہیں اور ان کے دلوں میں آج بھی عشقِ مصطفیٰ کی شمع جل رہی ہے۔ اس روشن شمع کو بجھانے کے لیے بزدل حکمران، بے غیرت میڈیا اور نام نہاد روشن خیال و لبرل طبقہ ہر دور میں اپنی پوری کوشش کرتا ہے لیکن وہ عوام کے دلوں سے عشق مصطفیٰ کی شمع بجھا نہیں سکتے، ہاں یہ ضرور ہوتا ہے کہ وقتی طور پر اس کی لو مدہم ہو جاتی ہے لیکن جیسے ہی ناموسِ

رسالتؐ کا معاملہ آتا ہے تو یہ لو، یہ چنگاری ایک بھڑکتے شعلے میں تبدیل ہوجاتی ہے۔
امام احمد بن حنبلؒ نے کہا تھا کہ ہمارے جنازے فیصلہ کریں گے کہ کون حق پر تھا اور کون باطل پر۔ خلیفہ ہارون الرشید نے جب امام ابو حنیفہؒ کو جرمِ بے گناہی کی پاداش میں جیل میں ڈالا اور وہیں ان کا انتقال ہوا، ان کے انتقال کے بعد جب ان کا جنازہ لے جایارہا تھا، تو خلیفہ نے اپنے محل کی کھڑکی سے ان کا جنازہ دیکھا اور اس جنازے میں جب اس نے لاکھوں کا مجمع دیکھا تو بے اختیار کہہ اٹھا کہ " اصل حکمران تو ہیں جو لوگوں کے دلوں پر حکومت کرتے ہیں۔"
لبرل سیکولر طبقے نے حسبِ معمول اس موقع پر بھی اپنی خباثت کا ثبوت دیا اور ممتاز قادری شہید کی پھانسی کے فیصلے کو قانون کی بالادستی کہتے رہے۔ ان بے غیرتوں سے ہماری گزارش ہے کہ اگر پھانسی ہونا عدالتی فیصلہ اور قانون کی بالادستی ہے تو سب سے پہلے ذوالفقار علی بھٹو کو شہید کہنا چھوڑ دیں، پچھلے چالیس برسوں سے بھٹو کی نام نہاد شہادت پر لوگوں کو بیوقوف بنانے والے اپنے الفاظ کی لاج رکھیں اور ممتاز قادری شہیدؒ کے بارے میں جو موقف اختیار کیا گیا ہے وہی موقف ذوالفقار علی بھٹو کے بارے میں بھی اپنائیں۔ شہید ممتاز

قادری کے جنازے میں لاکھوں کے مجمع کی شرکت کے بعد اسی لبرل سیکولر طبقے نے کھسیانی بلی کھمبا نوچے کے مصداق سوشل میڈیا پر جنازے کے شرکا کی تعداد کو موضوعِ بحث بناتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ جنازے کے شرکا کی تعداد کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ اور اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے حضرت عثمان غنیؓ اور کچھ دیگر لوگوں کے جنازے کی مثال پیش کی۔ جب کہ وہ یہ بات بھول گئے کہ حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے وقت مدینہ منورہ پر باغیوں کا قبضہ تھا، ان کا جسدِ خاکی بے گور و کفن ان کے گھر میں پڑ رہا تا وقتیکہ کچھ صحابہ کرامؓ نے اپنی جان پر کھیل کر ان کی نمازِ جنازہ ادا کی اور کفن کے بجائے انہی خون آلود کپڑوں میں ان کی تدفین عمل میں لائی گئی۔ مصر میں امام حسن البنا شہید کی شہادت کے بعد سرکاری طور پر ان کے جنازے پر پابندی لگائی گئی حتیٰ کہ ان کے جنازے کو گھر کی خواتین نے کاندھا دیا۔ ایسی مثالیں پیش کرکے یہ طبقہ بھونڈے طریقے سے یہ ثابت کرنا چاہ رہا ہے کہ جنازے کے شرکا کی تعداد کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔

مغرب نواز میڈیا نے شہید ممتاز قادریؒ کی شہادت اور ان کی نمازِ جنازہ کے موقع پر روایتی بزدلی اور بے غیرتی کا ثبوت دیتے ہوئے ان کے حوالے سے بلیک آئوٹ کیا۔ جس وقت پوری قوم عاشق رسولؐ کے غم میں ڈوبی ہوئی تھی اس وقت بے غیرت میڈیا آسکر ایوارڈ کی تقریب کی خبریں جاری کر رہا تھا، اس وقت میڈیا

پر شرمین عبید چنائے کا چرچا ہو رہا تھا، جب وہ ختم ہوا تو اس کے بعد پاکستانی ٹیم کی یو اے ای جیسی کمزور ترین ٹیم سے فتح کا نام نہاد جشن منایا جاتا رہا۔ لیکن جب سوشل میڈیا پر انہوں نے عوام کا رد عمل اور عوامی سوچ کا رخ دیکھا تو پھر کچھ لوگوں نے گزشتہ روز مگر مچھ کے آنسو بہاتے ہوئے ایسا تاثر دینے کی کوشش کی کہ ان سے بڑی بھول ہوئی اور ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔ یہ شرمندگی کا اظہار نہیں بلکہ دراصل اپنی گرتی ہوئی ساکھ کو بچانے کی ایک ناکام کوشش تھی۔

بہر حال ممتاز قادریؒ سرخ رو ہو کر اپنے رب کے حضور جا چکے ہیں۔ان کی نمازِ جنازہ میں اگر محض دس لوگ بھی ہوتے تو بھی ان کے مقام و مرتبے میں کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن اصل ہیں تو یہ فرق ہے عاشقان رسول اور گستاخانِ رسول کے حامیوں کا، یہ فرق ہے کہ جو لوگ برائی کو ہاتھ سے نہ روک سکے انہوں نے اپنے عمل سے یہ گواہی دی کہ وہ بھی رسول اللہؐ اور ان کے عاشقوں سے عقیدت رکھتے ہیں، دوسری جانب وہ طبقہ ہے جس نے اپنے عمل سے یہ ثابت کیا کہ اس کا امت کے اجتماعی شعور سے کوئی تعلق نہیں ہے، جو ہر ہر معاملے پر اللہ اور رسول اللہؐ کے قانون اور ان کے عقیدت مندوں کے بجائے گستاخان رسول کے ساتھ ہیں۔ جنازے میں شرکت کرنے والے، جنازے میں شرکت نہ کرنے کا دکھ رکھنے والے اور ممتاز قادری کی حمایت کرنے والے شاید کوئی بہت بڑی تبدیلی نہ

لا سکیں لیکن کل روزِ محشر وہ اللہ کے سامنے یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ یا اللہ جب تیرے نبیؐ کی شان میں گستاخی کی جارہی تھی، جب گستاخانِ رسول کو سراہا اور عاشقان رسولؐ کو طنز و تنقید کا نشانہ بنایا جارہا تھا، جب عاشقان رسولؐ کو پھانسی پر چڑھایا جارہا تھا، تو اے اللہ ہم اس وقت گستاخان رسول کے بجائے عاشقان رسولؐ کے ساتھ تھے۔

کی محمد سے وفا تونے سے ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

ممتاز قادری تو پاگل تھا

ممتاز قادری کی پھانسی کے بعد مرکزی میڈیا پر تو نہیں لیکن سوشل میڈیا اور بلاگز پر ممتاز قادری کا ہی موضوع چھایا ہوا ہے۔ ممتاز قادری کی پھانسی سے بڑھ کر ان کے جنازے میں لاکھوں افراد کی شرکت نے ایک بحث کا دروازہ کھول دیا ہے۔ چونکہ کوئی بھی بحث جب شرع ہوتی ہے تو پھر وہ ایک مخصوص موضوع تک محدود نہیں رہتی، اسی طرح ممتاز شہید کی پھانسی سے شروع ہونے والی بحث ان کے جنازے کے شرکا کی تعداد سے لے کر پھر ایمانیات اور کفر و اسلام کے دائرے میں داخل ہو جاتی ہے۔

سوشل میڈیا پر ممتاز قادری شہید کو پسند کرنے والے اور ان کو خراج تحسین پیش والوں کے ساتھ ساتھ ان کے عمل کو غلط کہنے والے بھی سرگرم ہیں۔ کئی لوگوں نے ممتاز قادری شہید کے عمل کو پاگل پن اور ان کو جنونی کہا ہے۔ یہی ہمارا موضوع ہے اور ہم بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ واقعی ممتاز قادری ایک جنونی تھے۔ بھلا عشق اور عقل کبھی ایک ساتھ رہے ہیں۔ عشق تو ایک جنون ایک پاگل پن ہی کا تو نام ہے، ہاں ہم جیسے بزدل لوگ بھی ہیں جو دل پر عقل کو غالب رکھتے ہیں اور اپنی کم ہمتی اور بزدلی کو عقل مندی ، سمجھداری، مصلحت وغیرہ کے لبادے میں چھپا لیتے ہیں۔

عقل عیار ہے، سو بھیس بنالیتی ہے
عشق بے چارہ نہ ملا ہے نہ زاہد نہ حکیم !

میں کوئی ایسا فرد نہیں جو کہ عقل کے پیچھے لٹھ لے کر پڑا رہے۔ لیکن میرا محدود مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ جب کبھی جن وانس کو عشق اور عقل، اطاعت اور عقل سے یا یوں کہہ لیں کہ دل اور دماغ کی کشمکش سے دو چار ہونا پڑا تو معلوم ہوا کہ جس نے عقل کی تقلید کی وہ خسارے میں رہا اور جس نے دل کی مانی وہ فائدے میں رہا اور تاریخ میں امر ہو گیا۔ رب العالمین نے انسان کو تخلیق کیا، اس کے اندر روح پھونکی اور پھر تمام فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدمؑ کو سجدہ کریں، تمام فرشتے سجدے میں چلے گئے ماسوائے ابلیس کے اور وہ فرشتوں میں سے نہ تھا۔ اللہ تعالٰی نے جب اس سے پوچھا کہ تجھے کس چیز نے میرا حکم ماننے سے روکا؟ تو ابلیس نے اطاعت پر عقل کو ترجیح دی اور کہا میں اس سے برتر ہوں، اسے تو نے مٹی سے بنایا ہے جب کہ میں آگ سے بنا ہوں۔ اور پھر اللہ تعالٰی نے عزازیل کو جو اللہ کا انتہائی مقرب تھا، جو فرشتوں کا سردار اور ان کا معلم تھا، اسے مقرب کے درجے سے ہٹا کر معتوب اور راندہ درگارہ قرار دیا اور عزازیل کے بجائے اب اس کا نام ابلیس قرار پایا۔ غور کیجیے کہ ابلیس عقل کی تقلید کرنے کے باعث راندہ

درگاہ ہوا۔

ہزاروں برس گزرتے ہیں۔ عراق کے علاقے اُر میں ابراہیم نام کا ایک نوجوان ہے۔ یہ نوجوان اپنے ماحول پر غور کرتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ سارے معاشرے میں بت پرستی عام ہے، لوگ سورج کو بھی پوج رہے ہیں۔ ہاتھوں سے بنائے ہوئے بتوں کی بھی عبادت کررہے ہیں۔ عقل کا تقاضہ تو یہ ہے کہ جو چیز نظر آئے بس اسی کا وجود ہے اور جو نظر نہ آئے اس کا انکار کردو۔ لیکن یہ نوجوان سوچتا ہے کہ کوئی تو ایسی ہستی ہے جو ان تمام چیزوں کو چلا رہی ہے، اگرچہ وہ دکھائی نہیں دے رہی لیکن یہ نوجوان اسی نامعلوم اور نظر نہ آنے والی ہستی (اللہ تعالیٰ) کو اپنا رب مان لیتا ہے۔ چلیں مان لیا کوئی بات نہیں اب عقل یہ کہتی ہے کہ جس چیز کو تم نے دیکھا نہیں لوگوں کو اس کے بارے میں دعوت نہ دو، لیکن وہ پورے معاشرے کو چیلنج کردیتا ہے کہ یہ بت ، سورج ، چاند ستارے تمہارے خدا نہیں ہیں، رب تو وہ ہے جو ان سب کا خالق ہے، اور یہ تمام کائنات اسی کے حکم کے تابع ہے۔

پورا معاشرہ اس کا مخالف، اس کا دشمن بن جاتا ہے، بادشاہ کے دربار میں پیشی ہوتی ہے اور وہاں بھی یہ توحید کا پیغام دیتا ہے۔ بادشاہ جو خود کو رب بھی کہلوانا پسند کرتا ہے، وہ اس نوجوان کو (جو کہ اللہ کے برگزیدہ نبی حضرت

ابراہیم علیہ السلام ہیں) عبرت کانشان بنانے کے لیے صرف موت کی سزا دینے پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ انہیں زندہ جلانے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اب عقل اور مصلحت تو یہ کہتی ہے کہ وقتی طور پر ان لوگوں کی بات مان لی جائے، عقل کا تقاضہ ہے کہ زندگی ایک بار ملتی ہے، جسے کبھی دیکھا تک نہیں اس کے لیے یہ زندگی کیوں برباد کی جائے، اس لیے ان کی بات مان لو۔ لیکن رب کا عشق کہتا ہے کہ ہرگز نہیں ! اب چاہے کچھ بھی ہو جائے حق بات کہہ دی تو کہہ دی، اب چاہے سولی چڑھاؤ یا آگ میں ڈالو کوئی پروا نہیں۔ اور پھر دنیا نے دیکھا کہ ابراہیم علیہ السلام کے لیے آگ گلزار بن گئی۔

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشا لبِ بام ابھی

آیئے ایک اور منظر دیکھتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سفرِ معراج سے آنے کے بعد مکے میں اپنے سفر کی روداد بیان کرتے ہیں۔ عقل یہ تسلیم کرنے کو تیار نہیں کہ اس دور میں جب کہ سواری کے لیے محض اونٹ اور گھوڑے دستیاب ہوں، کوئی فرد مکے سے اٹھ کر بیت المقدس، وہاں سے ساتوں آسمان، جنت دوزخ اور سدرۃ المنتہیٰ سے ہو کر واپس بھی آجائے۔ آسمانوں کی سیر تو بہت دور کی بات ہے عقل تو یہ ماننے کو بھی تیار نہیں ہو سکتی کہ اونٹ یا گھوڑے پر بیٹھ کر محض ایک رات میں ہی مکے سے بیت المقدس اور وہاں سے واپسی کا سفر مکمل

ہو جائے۔ اس لیے مخالفین مذاق اڑاتے ہیں، ان کو تو ایک نیا موضوع مل گیا ہے نا۔ لوگ حضرت ابو بکرؓ کے پاس جاتے ہیں اور طنزیہ لہجے اور تضحیک آمیز انداز میں انہیں بتاتے ہیں کہ تمہارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) تو ایسی باتیں کر رہے ہیں، کیا تم اس پر یقین کر لوگے؟ انھوں نے صرف ایک بات پوچھی کہ کیا یہ باتیں تم لوگوں نے کسی سے سنی ہیں یا خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتایا ہے؟ انہیں بتایا جاتا ہے ہاں یہ باتیں خود محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کہی ہیں۔ آپؓ بلاتوقف کہتے ہیں کہ تو پھر میں اس کی تصدیق کرتا ہوں کیوں کہ آپؐ کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔ سوچیے اور غور کیجیے کہ عقل کا تقاضہ کیا ہے؟ ایسے موقع پر عقل کا مطالبہ کیا ہونا چاہیے؟ عقل تو یہ کہتی ہے کہ ایسا ممکن ہی نہیں ہے۔ لیکن عشق نے کہا کہ نہیں ایسا ہو سکتا ہے اور اس میں ذرہ برابر بھی شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اور پھر دنیا نے دیکھا کہ عقل کی بات کرنے خوار ہوئے جب کہ عشق کی پکار پر لبیک کہنے والے کو بارگاہ رسالتؐ سے صدیق کا لقب عطا ہوا، دنیا آج تک انہیں صدیقؓ اکبر کے نام سے یاد کرتی ہے۔

یہ کچھ مثالیں ہم نے پیش کی ہیں۔ ان تمام مثالوں پر غور کیجیے۔ یہ کوئی من گھڑت واقعات نہیں ہیں بلکہ ایک دنیا ان سے واقف ہے۔ ان تمام واقعات سے ہمیں یہی درس ملتا ہے کہ زندگی کے تمام معاملات میں انسان کو سمجھداری سے

اور عقل سے کام لینا چاہیے لیکن کچھ معاملات میں عقل کے بجائے عشق اور اطاعت کی دماغ کے بجائے دل کی بات ماننی چاہیے۔

اچھا ہے دل کے ساتھ رہے پاسبان عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

رہی بات مخالفین کی۔ رہی بات ان کی جو عقل کی بات کرتے ہیں، جو دلیل مانگتے ہیں تو ان کا حال بھی آپ کو بتاتے چلیں کہ آج کے دہریے اور کل کے دہریوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ کل بھی یہ لوگ ہٹ دھرمی پر تھے، آج بھی یہ لوگ ہٹ دھرم ہیں۔ کل بھی یہ عقل، دلیل اور منطق کی بات کرتے تھے لیکن جب ان کی خواہش کے مطابق ان کو قائل کرنے کی کوشش کی جائے تو کنی کترا جاتے تھے اور بحث.برائے بحث شروع کر دیتے تھے، آج بھی ان کا یہی حال ہے۔ انہی دہریوں کے آبا و اجداد نے حضرت صالح علیہ السلام سے دلیل مانگی کہ اگر اللہ کے سچے نبی تو سامنے پہاڑ میں سے ایک ایسی اونٹنی .برآمد کرکے دکھاؤ جو پورے دنوں کی حاملہ بھی ہو اور ہمارے سامنے بچہ جنے، اگر ایسا کر دیا تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ لیکن تاریخ بتاتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کی خواہش کے مطابق ان کو اونٹنی والا معجزہ دکھا دیا تو یہ لوگ ایمان تو پھر بھی نہیں لائے۔

اسی قبیلے کے افراد نے اپنی آنکھوں سے یہ معجزہ دیکھا کہ آگ حضرت ابراہیم

علیہ السلام کے لیے گلزار بن گئی، لیکن دلوں پر قفل لگے رہے۔آج کے ان ہی دہریوں کے آباؤ اجداد میں فرعون بھی شامل ہے کہ جس پر جب بھی کوئی مشکل وقت آتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مدد مانگتا، ایمان لانے کا وعدہ کرتا لیکن بعد میں مکر جاتا حتیٰ کہ اس کو موت نے آلیا۔انہی دہریوں کے قبیلے کے افراد تھے جنھوں نے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے چاند کو دو ٹکڑے کرنے کا معجزہ طلب کیا، آقائے دوجہاں نے اپنی انگلی کے ایک اشارے سے چاند کو شق کردیا، سب سے یہ معجزہ دیکھا لیکن دلوں پر جو زنگ لگے ہوئے تھے، اس لیے وہ ایمان تو پھر بھی نہیں لائے۔اس لیے ان لوگوں کی مخالفت سے نہ گھبرائیں۔ یہ کل بھی راندہ درگاہ تھے، یہ آج بھی راندہ درگارہ ہیں، یہ کل بھی گستاخ رسول تھے، یہ آج بھی گستاخ رسول ہیں، کل بھی ان کے دماغوں پر قفل اور دلوں پر مہر لگی ہوئی تھی آج بھی ان کا یہی حال ہے۔کل یہ انبیائے کرام کو بحث و مباحثے اور عقل و دلیل کی بحث میں الجھاتے تھے، آج یہ رسول کے امتیوں اور عاشقان رسول کو ان جالوں میں پھنسانے کی کوشش کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ممتاز قادری شہیدؒ کے درجات کو بلند فرمائے۔آمین

بوم بوم آفریدی میں تمھارے ساتھ ہوں

خدا خدا کرکے باآخر پاکستانی ٹیم ٹی 20 کرکٹ کے عالمی مقابلے میں شرکت کے لیے بھارت کے شہر کولکتہ پہنچ گئی۔ اصولی طور پر تو پاکستان کو ان مقابلوں سے کا مقاطعہ کرنا چاہیے ۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیوں کرنا چاہیے ؟ وجہ صاف ظاہرBoycott ہے کہ پاکستانی ٹیم کو ہندو انتہا پسندوں کی جانب سے دھمکیاں دی جارہی ہیں، کھلم کھلا کہا جارہا ہے کہ پاکستانی ٹیم کو کھیلنے نہیں دیا جائے گا۔ جہاں میچ ہوگا وہاں کی پچ اکھاڑ دی جائے گی۔

کولکتہ سے پہلے پاکستانی ٹیم کو ہماچل پردیش کے شہر دھرم شالہ میں جانا تھا لیکن انتہا پسندوں کی دھمکیوں اور ہماچل پردیش کے وزیر اعلیٰ کی جانب سے انتہا پسندوں کی حمایت کے باعث پاکستانی ٹیم کو دھرم شالہ کے بجائے کولکتہ بھیجا گیا۔ لیکن یہاں بھی صورتحال وہی ہے کہ انتہا پسندوں نے کسی بھی صورت میں میچ نہ ہونے کی دھمکی دی ہے۔

بھارتی حکومت اور کرکٹ بورڈ پاکستانی کھلاڑیوں کے تحفظ کے لیے کسی قسم کی تحریری یقین دہانی کے لیے تیار نہیں ہے، الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے کے مصداق

بھارتی بورڈ نے پاکستان کو ہی دھمکی دی کہ اگر پاکستانی ٹیم مقابلوں میں شرکت نہیں کرے گی تو اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی کی جائے گی۔ اس تمام صورتحال میں ضرورت اس بات کی تھی کہ پاکستانی ٹیم ان مقابلوں کا مقاطعہ کرتی۔ لیکن نجم سیٹھی جیسی بھارت نواز لوگ، نواز شریف جیسے کاروباری افراد اور جیو گروپ جیسے مفاد پرست میڈیا کے ذمہ داران جو کہ ہر حال میں بھارت کے آگے جھکنے کو تیار ہیں، جن کے لیے قومی غیرت اور کھلاڑیوں کی جان و مال اور عزت کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ ان کے نزدیک یہ ضروری ہے کہ پاکستان لازماً ان مقابلوں میں شرکت کرے۔

اس سارے دباؤ کے باعث کسی بھی قسم کی تحریری یقین دہانی کے بغیر پاکستانی ٹیم کو بھارت بھیج دیا گیا۔ وہاں پہنچ کر پاکستانی ٹیم کے کپتان شاہد خان آفریدی نے جو گفتگو کی بحیثیت ایک ذمہ دار فرد وہ بالکل ٹھیک تھی۔ شاہد آفریدی نے کیا غلط بات کہی ہے؟، اس نے یہی کہا نا کہ ہمیں انڈیا میں اتنا پیار ملا جتنا پاکستان میں نہیں ملتا۔ دیکھیں اگر میں صرف جذباتی ہو کر سوچوں تو مجھے اس بات سے بہت تکلیف ہوگی کہ ہماری ٹیم کے کپتان نے دشمن ملک جا کر ایسی بات کہی، یقیناً ہر محب وطن فرد کا دل اس بات سے دُکھا ہوگا۔

لیکن دوستو! ہم ان حالات اور عوامل پر بھی ذرا نظر ڈالیں جن کے پس منظر

میں بوم بوم آفریدی نے یہ بات کہی۔ انتہائی نامساعد حالات اور غیر یقینی صورتحال میں ہماری ٹیم وہاں پہنچی ہے۔ اگر دیکھا جائے تو اس وقت ٹیم شدید خطرات کی زد میں ہے۔ وہاں کسی بھی قسم کا غیر ذمہ دارانہ بیان کھلاڑیوں کے لیے انتہائی نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔ اس وجہ سے آفریدی نے ماحول کو سازگار اور دوستانہ بنانے کے لیے یہ بات کہی۔ یہ مت بھولیے کہ شاہد آفریدی کوئی سیاست دان نہیں ہے جو الفاظ کے الٹ پھیر سے لوگوں کو گھما دے۔ وہ ایک کھلاڑی ہے، اس نے جو بات مناسب سمجھی وہ کہی ۔ حیرت ہے کہ ہماری حکومت، ہمارے ادارے، پی سی بی تو بھارت کے آگے سرینڈر کردے، ٹیم کو موت کے منہ میں دھکیل دے اور ہم چاہتے ہیں کہ بیچارہ آفریدی وہاں جاکر انتہا پسندوں سے پنگا لے ۔ اس لیے.براہ مہربانی آفریدی کے بیان پر تنقید کے ٹوکرے برسانے کے بجائے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم ان کی حوصلہ افزائی کریں، ان کو یہ احساس دلائیں کہ ہم ان کے ساتھ ہیں۔

لیکن افسوس کہ میڈیا نے اس بات کو منفی انداز میں لیا، شاہد آفریدی کے بیان پر تنقید شروع کردی گئی۔ ایک چینل پر ایک "بدبخت" جو کہ اپنے دور میں کسی قابل ذکر کارکردگی کا مظاہرہ نہ کرسکے، اب یہاں مبصر بن کر شاہد آفریدی کے خلاف محاذ کھولے بیٹھے ہیں، ان کے خیال میں یہ ملک کے عزت و وقار کا معاملہ ہے، حالانکہ یہی صاحبان اور جس چینل پر یہ بیٹھے ہیں وہی چینل ہر

کرکٹ سیریز کے موقع پر بھارتی کھلاڑیوں کے ساتھ ٹاکرے کے نام پر انہیں پاکستانی ٹیم اور کھلاڑیوں کے خلاف کھل کر بات کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ محترم مبصر صاحب نے یہ نہیں دیکھا کہ جس چینل پر بیٹھ کر وہ ملکی وقار کی بات کر رہے ہیں، اسی چینل نے کم و بیش دو منٹ تک بھارتی اداکار عامر خان کی فلموں کے ٹوٹے دکھانے کے بعد اسے سالگرہ کی مبارک باد پیش کی ہے۔

کہنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ ذاتی مقاصد کے لیے شاہد آفریدی کی ذات کو نشانہ نہ بنائیں بلکہ اس کے بیان کو تمام سیاق و سباق اور حالات کے پس منظر میں دیکھیں۔ میں تو کہتا ہوں کہ بوم بوم آفریدی میں تمہارے ساتھ ہوں۔ کیا آپ بھی میری بات سے متفق ہیں؟

بزدل صحافیوں : اُس وقت تم کہاں تھے؟

مصطفیٰ کمال نے ایم کیو ایم سے بغاوت کرکے اپنی الگ پارٹی بنانے کا اعلان کیا ِکیا، ایم کیو ایم کی صفوں میں ہلچل سی مچ گئی ہے۔ دوسری جانب یکے بعد دیگرے ایم کیو ایم کے رہنمائوں کی مصطفیٰ کمال کے ساتھ شمولیت نے متحدہ کو وقتی طور پر ہلا دیا ہے۔ اس وقت تک رضا ہارون آخری رہنما ہیں جنھوں نے مصطفیٰ کمال کا ساتھ دینے کا اعلان کیا ہے۔ مصطفیٰ کمال سے لے کر رضا ہارون تک جتنے بھی منحرف رہنما ہیں، انہوں نے ایم کیو ایم کی سیاست اور الطاف حسین کے بارے میں کوئی نئی بات نہیں بتائی ہے۔ یہ باتیں تو گزشتہ بیس برسوں سے ہم کہتے آرہے ہیں، اور گزشتہ آٹھ برسوں میں یہی باتیں ہم نے تواتر کے ساتھ اسی ہماری ویب کے فورم پر کہی ہیں، ہم نے یہ باتیں اس وقت کہی ہیں جب کوئی یہ باتیں کہنے کا حوصلہ رکھتا تھا اور نہ ہی تصور کرسکتا تھا۔ خیر یہ تو ضمنی بات ہے۔ میں اصل بات کی طرف آتا ہوں۔ مصطفیٰ کمال کراچی کے ناظم رہے ہیں۔ اس دوران انہوں نے جو دو نمبر کیے ہم بار بار ان کی نشاندہی کرتے رہے۔ دنیا کے نمبر دو میئر کا معاملہ ہو یا نعمت اللہ خان صاحب کے منصوبوں پر اپنی تختیاں لگانے کا، گرین بس اور میٹرو بس روٹس کا معاملہ ہو

یا مصطفیٰ کمال کی عوام کے ساتھ بد تمیزی کی بات ہو، سوشل میڈیا (بلاگز، یو ٹیوب، فیس بک) پر یہ ساری باتیں موجود تھیں۔ لیکن کسی نام نہاد جرات مند، آزاد، بہادر میڈیا اور صحافی کو اتنی توفیق نہیں ہوتی تھی کہ الطاف حسین، ایم کیو ایم اور مصطفیٰ کمال کے خلاف کوئی بات کرکے دکھائے۔ شہر کراچی میں لاشیں گرتی رہیں، سب کو پتا ہوتا تھا کہ قاتل کون ہیں، لیکن سارے نام نہاد بہادر چوہے کی طرح بلوں دبکے رہتے اور نامعلوم افراد کے کھاتے میں ساری وارداتیں ڈال دی جاتی ۔ نعمت اللہ خان کے منصوبوں پر دن دیہاڑے ڈاکہ ڈالا جاتا، لیکن کوئی کچھ کہنے والا نہ تھا۔ سٹی ناظم کھلے عام کراچی والوں کو الو کے پٹھے کہتے، صحافیوں کو سوال پوچھنے پر ذلیل کرتے، کراچی ہارٹ ڈنہ۔نز سینٹر میں خاتون سے توہین آمیز سلوک کرتے رہے لیکن یہ سب صحافی، لہنکرز وغیرہ جان کے خوف سے زیادہ ہ مال نہ ملنے کے خوف میں مبتلا رہے اور یہ معاملات اٹھانے کی کسی نے زحمت نہیں کی۔

لیکن اب میں دیکھ رہا ہوں کہ ہر دوسرا چینل مصطفیٰ کمال کی پرانی تصاویر اور وڈیوز دکھا کر ان کے بارے میں بتا رہا ہے کہ یہ تو ایسے ہیں، ان کا کردار یہ رہا ہے، ان کو خواتین سے بات کرنے کی تمیز نہیں ہے۔ میرا سوال ان تمام نام نہاد بہادروں سے یہ ہے کہ جس وقت مصطفیٰ کمال یہ سب کر رہا تھا، اس وقت آپ کہاں تھے ؟ اس وقت آپ کی صحافتی اخلاقیات کہاں تھی ؟ اس وقت آپ کی

بہادری افیون کھا کر کیوں سوتی رہی؟ اس وقت آپ لوگوں نے یہ باتیں کیوں نہیں بتائیں، جس طرح آج بار بار مصطفیٰ کمال کی پرانی باتوں کے ٹوٹے چلا رہے ہیں، اس وقت کیوں نہیں چلاتے تھے؟۔ آج آپ لوگ ہارٹ ڈنرز سینٹر کی وڈیو دکھا کر لوگوں کو بتا رہے ہو کہ مصطفیٰ کمال ایسا ہے، تو جناب من یہ ویڈیو تو کم وبیش آٹھ سال سے یو ٹیوب پر موجود ہے، اور عوام اس کو بہت پہلے دیکھ چکے ہیں۔ آپ یہ بتائیں کہ آپ نے اس وقت یہ بات کیوں نہیں اٹھائی؟ جب مصطفیٰ کمال صحافی کو ڈانٹ رہے تھے، اس وقت آپ نے یہ کیوں نہیں سوچا کہ یہ صحافیوں کی تذلیل ہے۔

اگر مصطفیٰ کمال کا ضمیر اب جاگا ہے تو آپ کا ضمیر بھی تو اس وقت سویا ہوا تھا، ہاں لیکن بات یہ ہے کہ مصطفیٰ کمال نے چاہے کسی کے اشارے پر ہی سہی اب زبان کھولی ہے، لیکن آپ تو اب بھی خاموش ہیں۔ ہاں یاد آیا الطاف حسین کی انڈیا میں پاکستان مخالف تقریر بھی آپ لوگوں کو دکھانے کی ہمت نہیں ہوئی، تقریر دکھانا تو دور کی بات ہے، اس کی خبر تک آپ نے لوگوں نے نہیں چلائی، یہ ویڈیو بھی آپ لوگوں نے عمران خان کے کاندھے پر رکھ کر دکھائی۔ کراچی پریس کلب پر ایم کیو ایم حقیقی کے کارکنوں پر سر عام تشدد کیا گیا، ان کی خواتین کے دوپٹے کھینچے گئے، ان کی بے عزتی کی گئی، حقیقی کے کارکنوں کو لہو لہان کر دیا گیا، لیکن حیرت انگیز طور پر کسی بہادر صحافی نے یہ خبر

نہیں چھاپی۔ یہ خبر کراچی کے دو اخبارات کے علاوہ کسی کو چھاپنے کی توفیق نہ ہوئی۔ کراچی میں جعلی ووٹنگ ہوتی رہی، پولنگ اسٹیشنوں پر قبضے کیے جاتے رہے، عوام کے مینڈیٹ کو چرایا جاتا رہا لیکن صحافی خاموش رہے۔

اچھا قارئین آپ کو ایک دلچسپ بات بتائیں کہ ایک چینل پر "وفاق کی بات" کرنے والے ایک نام نہاد بہادر صحافی مصطفیٰ کمال کی پرانی ویڈیو دکھا کر سوال کر رہے تھے کہ دیکھیں مصطفیٰ کمال عورتوں سے اس طرح بات کرتے تھے، لیکن ستم ظریفی یہ کی کہ اس پر بات کرنے کے لیے ایم کیو ایم کے رہنما اور بلدیہ ٹاؤن کے سابق ناظم سلمان مجاہد بلوچ کو بلایا تھا۔ جناب سلمان مجاہد وہی ہیں جنہوں نے اپنی نظامت کے دور میں سٹی کونسل کے اجلاس میں مخالف گروپ کی خاتون کو بیلٹ سے مارا تھا۔ یقیناً یہ تصاویر اس باخبر صحافی نے بھی دیکھی ہونگی لیکن انتہائی ڈھیٹ بن کر سلمان مجاہد سے عورتوں کی عزت پر بات کر رہے تھے۔ ہے نا ستم ظریفی

ویسے بر سبیلِ تذکرہ گزشتہ روز ایم کیو ایم کے سابق ایم پی اے اور حالیہ منحرف کارکن رضا ہارون شاہ زیب خانزادہ کے پروگرام میں کہہ رہے تھے کہ "شاہ زیب بھائی ایم کیو ایم اردو بولنے والے سب افراد کی نمائندہ جماعت نہیں ہے۔" ساتھ ہی فرمانے لگے کہ "گزشتہ انتخابات میں ایم کیو ایم کے

خلاف آٹھ ساڑھے آٹھ لاکھ ووٹ پڑے ہیں۔'' قارئین یہی بات تو ہم ایک عرصے سے کہہ رہے ہیں۔ رضا ہارون نے تو صرف پی ٹی آئی کو ملنے والے آٹھ ساڑھ آٹھ لاکھ ووٹ کا ذکر کیا ہے، جب کہ یہاں سے پی پی پی، جماعت اسلامی مسلم لیگ اور دیگر جماعتوں کو ملنے والے ووٹ الگ ہیں۔ لیکن بات وہی ہے کہ جب ہم کہہ رہے تھے تو کوئی نہیں مانتا تھا، اب اندر کی گواہیاں آرہی ہیں۔

یاد رکھیے کہ ایم کیو ایم کو عفریت بنانے میں سب سے بڑا ہاتھ صحافیوں کا ہی تھا۔ اگر یہ لوگ ہمت دکھاتے، ایم کیو ایم کا چہرہ بے نقاب کرتے، ظلم کو ظلم کہتے، تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ ایم کیو ایم اپنی اوقات میں رہتی۔ کراچی اس طرح تباہ و برباد نہ ہوتا، یہاں ہزاروں بے گناہوں کا خون نہ بہتا، اگر یہ صحافی ایم کیو ایم کے جرائم پر پردہ نہ ڈالتے، ان کے لوگوں کو حد سے زیادہ اہمیت نہ دیتے تو آج کراچی کا نقشہ کچھ اور ہوتا۔ لیکن افسوس کہ ایسا نہیں ہوا، بلکہ اس وقت بھی جب کہ ایم کیو ایم اپنے منطقی انجام کی طرف گامزن ہے، یہ لوگ اپنے مفادات کے لیے اس کا تحفظ کر رہے ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ آج پس پردہ قوتوں کے ڈنڈے کے خوف سے ایم کیو ایم کے خلاف کچھ خبریں چلا دیتے ہیں، اور اسی قوت کے ڈر سے بھائی کے خطابات پر پابندی بھی لگی ہوئی ہے، ورنہ یہ وہی لوگ ہیں جو نشے میں بھائی کی نشے میں دھت ہو کر کی جانے والی گھنٹوں پر محیط تقاریر براہ راست دکھاتے رہے ہیں۔

آخری بات کہ گزشتہ ایک سال میں کراچی کی سیاسی فضا یکسر تبدیل ہوئی ہے۔ آج ہر دوسرا فرد ایم کیو ایم اور الطاف حسین کے خلاف آسانی سے بات کر رہا ہے، ایم کیو ایم کا خوف ختم ہوتا جارہا ہے، لیکن ایک سال پہلے تک کسی کی ہمت نہیں ہوتی تھی، اور جس وقت کسی کی ہمت نہیں ہوتی تھی اس وقت ہم اس ظلم کو ظلم کہتے تھے، جب ہر کوئی اس سیلاب کے آگے بے بس تھا، ہم اس کے آگے بند باندھ رہے تھے، جب اہل کراچی خوف ، اہل سیاست مصلحت اور اہل صحافت مفادات کا شکار تھے، تو اس وقت ہم تھے جو ان کے خلاف آواز بلند کرتے رہے، جانوں کے نذرانے پیش کرتے رہے۔ گزشتہ تیس برسوں میں ایم کیو ایم نے سب سے زیادہ اسلامی جمعیت طلبہ اور جماعت اسلامی کے کارکنوں کو شہید کیا ہے، لیکن ہم میدان میں ڈٹے رہے۔ لیکن صحافی حضرات سے سوال یہی ہے کہ جب کراچی میں یہ سب ہو رہا تھا اس وقت تم کہاں تھے؟

ہمارا لہو بھی شامل ہے تزئین گلستان میں
ہمیں بھی یاد رکھنا چمن میں جب بہار آئے

27 دن میں چہلم ؟ یہ بات سمجھ میں آئی نہیں

چہلم کا لفظ چالیس کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ جب کہ برصغیر میں عموماً کسی فرد کے مرنے کے چالیس دن بعد اس کے ایصال ثواب کے لیے قرآن خوانی و فاتحہ خوانی کی جاتی ہے۔ اس کو چہلم کہا جاتا ہے۔ یہ بات بتانے کی ضرورت اس لیے پیش آئی ہے کہ اتوار 27 مارچ کو ممتاز قادری کا چہلم منایا جارہا ہے۔

میں محو حیرت ہوں کہ ممتاز قادری کا چہلم اتوار کو کیوں منایا جارہا ہے۔ ممتاز قادری شہید کو 29 فروری کو پھانسی دی گئی ہے۔ اس لحاظ سے تو ان کا چہلم اپریل کی 9 تاریخ بروز ہفتہ ہونا چاہیے۔ ہاں یہ ضرور ہوسکتا ہے کہ اس کو 9 کے بجائے 10 اپریل بروز اتوار کیا جائے تاکہ لوگ بھرپور شرکت کرسکیں۔ لیکن 27 دن میں چہلم کا معاملہ کچھ سمجھ نہیں آرہا۔

13 دن پہلے چہلم منانا اور پھر شرکا کی جانب سے اسلام آباد میں ہنگامہ آرائی کرنا بہت عجیب و غریب سا معاملہ ہے۔ بادی النظر میں ایسا لگتا ہے کہ کسی نادیدہ قوت کے اشارے پر ایسا کیا جارہا ہے۔ لیکن اگر ہم تمام مفروضوں کو ایک طرف رکھ کر اس کا تجزیہ کریں تو واضح طور پر نظر آرہا ہے کہ اس طرح

کے کام کر کے ممتاز قادری شہید کے نام کو استعمال کیا جارہا ہے۔ دوسری جانب ایسا کرنے والے نادانستہ طور پر دنیا کو یہ پیغام دے رہے ہیں کہ وہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے عاری ہیں۔

اللہ کے بندو! یہ تو سوچ لو کہ چہلم تو وفات کے چالیسویں دن منایا جاتا ہے، 27 دن میں چہلم کیوں منایا جارہا ہے؟ جس نے چہلم منانے کا اعلان کیا اس سے پوچھو تو سہی کہ جناب کس منطق کے تحت یہ اعلان کیا گیا ہے؟ اس کے علاوہ یہ بھی سوچیے کہ ڈان کی رپورٹ کے مطابق 16 مارچ کو سٹی ڈسٹرکٹ گورنمنٹ پنڈی کو 16 مارچ کو جو درخواست دی گئی اس میں تو 27 مارچ کو لیاقت باغ میں چہلم منانے کی اجازت مانگی گئی تھی، لیکن یہ اچانک 25 مارچ سے چہلم کی تقریبات کا سلسلہ شروع کردیا گیا، اس کا کیا مقصد ہے؟ لیاقت باغ سے چہلم کے شرکاء کا اسلام آباد کی جانب مارچ اور پھر وہاں جاکر ریڈ زون میں داخل ہونے کی کوشش کرنا؟؟؟۔ یہ ساری چیزیں کیا اتفاقیہ ہیں؟ یا چہلم منانے والے کسی سازش کا حصہ ہیں؟

اوپر بتائی گئی ساری باتیں مذہبی جماعتوں اور ممتاز قادری شہید کے عقیدت مندوں کے کیس، ان کے موقف کو کمزور کررہی ہیں۔ اس پر سوچنا چاہیے اور جس فرد یا گروپ نے چہلم کا اعلان کیا ہے اس سے پوچھا جانا چاہیے کہ کس کے اشارے پر

وہ یہ کام کر رہا ہے؟ یہ کام کرکے وہ کس کے مقاصد کو پورا کر رہا ہے؟

اسکول رزلٹ ڈے : یہ بھی تربیت کا ذریعہ ہے

سالانہ امتحانات کے بعد کئی اسکولوں میں نتائج تیار ہو چکے ہیں اور کئی اسکول ابھی بچوں کے نتائج تیار کر رہے ہیں، 31 مارچ یا یکم اپریل کو اسکولوں میں نتائج کا اعلان کر دیا جائے گا۔ جب کہ بچے اس دوران دس دن کی تعطیلات کا لطف اٹھاتے ہیں۔ یہ دیکھا گیا ہے کہ بسا اوقات اسکول انتظامیہ اور اساتذہ امتحان کے نتیجے والے دن بچوں کی تربیت کے اس موقع سے بھرپور فائدہ نہیں اٹھا پاتے ہیں، حالانکہ اگر دیکھا جائے تو یوم آخرت، جزا و سزا اور اعمال کی جواب دہی کا احساس اور اس کا تصور نتیجے والے دن بہ آسانی بچوں کے ذہن میں راسخ کیا جا سکتا ہے اور اس موقع کو ان کی تربیت کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

عموماً اس دن کمرہ جماعت میں بچوں کو ان کا گوشوارہ نشانات Report Card دیا جاتا ہے۔ استاد کمرہ جماعت میں بچوں کا نام پکارتے ہیں اور ان کے نتیجے کے بارے میں بہ آواز بلند اعلان کرتے ہیں۔ اس کے بعد بچے اسکول میں کچھ وقت گزارنے کے بعد گھروں کو روانہ ہو جاتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس دن نتائج کے اعلان سے پہلے اگر اسکول کی اسمبلی میں ورنہ ہر استاد اپنی جماعت میں بچوں کو یہ بات بتائیں کہ ”آج آپ کے امتحان کا نتیجہ آپ کے سامنے

ہوگا، جس نے جتنی محنت کی ہوگی اس کے مطابق اس کا نتیجہ آیا ہے۔ آج کچھ بچے بہت خوش ہونگے، کچھ کم خوش ہونگے، جب کہ کچھ بچے اداس ہونگے۔

بچو! یہ دنیا کا امتحان تو ایک چھوٹا سا امتحان ہے، اس میں اگر کوئی کمی بیشی رہ جائے تو آپ اگلی دفعہ محنت کرکے اپنے نتیجے کو بہتر بنا سکتے ہیں، لیکن بچو! ایک امتحان اور بھی ہے، کیا آپ لوگوں کی اس کی تیاری کی ہے؟ جی ہاں وہ امتحان ہے آخرت کا امتحان۔ دنیا کے اس امتحان میں تو آپ کو کچھ اندازہ نہیں ہوتا کہ کون کون سا سوال آئے گا؟ کس سوال کے کتنے نمبر ہونگے؟ کون سا سوال لازمی ہے؟ اور اگر کبھی پرچہ آئوٹ ہوجائے تو فوراً دوسرا پرچہ تیار کردیا جاتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے 14 سو سال قبل ہی ہمارا پرچہ آئوٹ کردیا ہے۔ تمام سوالات ہمیں بتادیے ہیں۔ تین سوال تو قبر میں ہونگے۔

آپ لوگ جانتے ہیں نا کہ قبر میں کون سے سوال ہونگے؟ جی ہاں پہلا سوال: تمہارا رب کون ہے؟ دوسرا سوال تمہارا دین کیا ہے؟ تیسرا سوال پیارے نبی ﷺ سے متعلق ہوگا کہ پیارے نبی ﷺ کی شبیہ مبارک دکھا کر پوچھا جائے کہ ان صاحب کے بارے میں کیا جانتے ہو؟ بچو! ان سوالات کی تیاری ہمیں دنیا میں ہی کرنی ہے، یاد رکھیے کہ اس دنیا میں تو آپ کو دوبارہ موقع مل جاتا ہے لیکن آخرت

میں دوبارہ موقع نہیں ملے گا۔

اور پھر پیارے بچو! ہمارے پیارے رسول ﷺ کی یہ یاد حدیث بھی یاد رکھیے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " (قیامت کے دن انسان کے قدم (اپنی جگہ سے) ہٹ نہ سکیں گے یہاں تک کہ اس سے پانچ باتوں کے بارے میں سوال نہ کرلیا جائے: عمر کن کاموں میں گزاری، جوانی کہاں صرف کی، مال کہاں سے کمایا، مال کہاں خرچ کیا، جو علم اس کا حاصل ہوا، (اس پر کہاں تک عمل کیا۔ (الترمذی

بچو! عمر سے مراد یہاں زندگی ہے۔ یعنی انسان سے اس کی زندگی کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ زندگی کن کاموں میں گزاری؟ اچھے کاموں میں یا برے کاموں میں۔ اللہ کی بندگی میں یا اللہ کی نافرمانی میں؟ اللہ کے احکامات کی پابندی کرنے میں یا اللہ کے احکامات کے خلاف عمل کرنے میں۔ اگلا سوال جوانی سے متعلق ہے۔ بچو! بچپن اور بڑھاپے میں تو انسان اللہ کو بہت یاد کرتا ہے لیکن کیا جوانی میں بھی وہ اللہ کو یاد رکھتا ہے یا نہیں؟ اسی لیے خاص طور سے جوانی کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ جوانی کن کاموں میں گزاری؟

اور پھر تیسرا سوال تو بہت اہم ہے۔ مال سے متعلق ہے کہ مال کہاں سے، کیسے

کمایا؟ جائز طریقے سے کمایا تھا یا ناجائز طریقے سے ، حلال کمایا تھا یا حرام کمایا تھا، اپنی محنت سے حق حلال کی روزی کمائی تھی یا لوگوں کا حق مارا تھا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ساری زندگی ، فراڈ ، دھوکا، چوری ، ڈکیتی کے ذریعے مال کماتے اور عیش کرتے رہے۔

چوتھا سوال بھی مال ہی سے متعلق ہے۔ اب پوچھا جائے گا کہ چلو جو مال تم نے حلال طریقے سے کمایا تھا۔ اس کو کہاں خرچ کیا؟ فضول کاموں میں ، عیاشی میں اڑایا تھا یا یا جائز کاموں میں، اپنے ماں باپ، اولاد بہن بھائیوں پر خرچ کیا تھا۔ جو مال کمایا تھا اس میں اللہ کی راہ میں بھی کچھ خرچ کیا تھا یا نہیں؟ کہیں مال تو برائیوں کے لیے تو استعمال نہیں کیا۔

اور پھر آخری سوال بہت اہم ہے کہ جو علم حاصل کیا اس پر عمل کتنا کیا؟ ایسا تو نہیں کی ساری اچھی باتیں، قرآن ، حدیث، اقوال وغیرہ صرف سنے اور ان پر عمل نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو صلاحیتیں دی تھیں، ان کو اللہ کے راستے ، انسانیت کی بھلائی اور لوگوں کی فلاح کے لیے استعمال کیا تھا یا صرف اپنی ذات کو ہی فائدہ پہنچاتے رہے۔ تو عزیز بچو! یہ دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتا دیا کہ تم سے آٹھ سوال پوچھے جائیں گے۔ ان سوالات کے جواب دیدو تو کامیاب ورنہ ناکام۔ اگر ہم کامیاب ہو گئے تو جنت اور اس کی

نعمتوں کے حق دار ہونگے، اور خدانخواستہ ناکام ہوگئے تو جہنم اور اس کے عذاب ہمارے منتظر ہونگے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان سوالوں کے جواب کی تیاری کی توفیق عطا فرمائے۔ اور آپ لوگوں کو دنیا اور آخرت میں کامیاب کرے۔ آمین

قارئین کرام: رزلٹ ڈے کے حوالے سے یہاں ہم نے آپ سے کچھ باتیں شئیر کی ہیں۔ ضروری نہیں کہ سارے اساتذہ کرام ساری کی ساری باتیں ہماری ہی طرح بچوں سے بیان کریں بلکہ جس طریقے سے بھی آپ بچوں کی تربیت اور امتحانی نتیجے کے حوالے بچوں میں یومِ آخرت اور اعمال کی جواب دہی کا احساس پیدا کر سکتے ہیں۔ وہ ضرور کریں

۔

کیا ماں اور بہنیں ولن ہوتی ہیں؟

جی ہاں ! یہ بہت اہم سوال ہے کہ کیا واقعی ماں اور بہنیں اولاد اور بھائیوں کے لیے ولن ہوتی ہیں؟ یہ سوال ہمارے ذہن میں اس لیے آیا کہ گزشتہ کچھ عرصے سے پاکستانی نجی ٹی وی چینلز پر جو ڈرامے پیش کیے جا رہے ہیں، ان ڈراموں میں ماں اور بہنوں کو اپنی اولاد اور بھائی بہنوں کا دشمن، ان کے خلاف سازش کرنے والے اور ان کو برباد کرنے کے منصوبے تیار کرتے دکھایا جاتا ہے۔ ان ڈراموں میں مرکزی خیال یہ ہوتا ہے کہ ایک فرد اگر اپنی مرضی کی زندگی گزارنا چاہے تو اس راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ اس کی ماں اور بہنیں ہوتی ہیں اور جب کوئی فرد ان کی مرضی کے خلاف کوئی قدم اٹھائے تو پھر ماں اپنی ہی اولاد کی دشمن بن جاتی ہے، اس کی خوشیوں کو برباد کرنے کی کوششوں میں لگ جاتی ہے۔ کم و بیش یہی رویہ بہنوں کے حوالے سے بھی دکھایا جارہا ہے کہ بہنیں اپنے بھائیوں کی خوشیوں کی دشمن ہیں، وہ ان کے خلاف سازشیں کر رہی ہیں۔

ہم نے اس موضوع پر بہت سوچا اور پھر جو تجزیہ کیا وہ آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔

دراصل خاندانی نظام کو توڑنے کا عمل جو عرصہ پہلے شروع کیا گیا تھا، یہ اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ میں ذرا آپ لوگوں کو ماضی میں لے جانا چاہوں

گا۔ ابتدا میں ہمارے ڈراموں اور خواتین کے ناولز میں ساس اور نندوں کو ولن کے کردار میں پیش کیا جاتا تھا۔ اس چیز کو اتنی کثرت سے پیش کیا گیا کہ رفتہ رفتہ اس کے اثرات ہمارے معاشرے میں سرایت کرگئے، ساس کے اوپر لطیفے بنائے گئے۔ مزاحیہ ادب اور فکاہیہ مضامین میں ساس کا مذاق اڑایا گیا۔اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ساس اور بہو کے رشتے میں دراڑیں پڑ گئیں ، ساس اور بہو کے درمیان اعتماد کا جو رشتہ ہوتا تھا وہ ختم ہوگیا۔ (کیاآج واقعی یہ صورتحال نہیں ہے ؟

مغربی تہذیب میں رنگے میں میڈیا نے جب یہ دیکھا کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا ہے تو پھر دوسرا کام شروع کیا گیا۔ دوسرا کام یہ کیا گیا کہ باپ کو اولاد کی خوشیوں کا دشمن، سخت گیر اور بچوں کے جذبات سے ناواقف ، قدامت پرست اور بچوں کے جذبات سے ناواقف دکھایا جانے لگا۔ کئی ڈراموں میں اس طرح دکھایا گیا کہ اولاد کے بگاڑ میں باپ کی سختی کا بہت ہاتھ ہے اور والدین بالخصوص باپ کی سختی اور معاذ اللہ اولاد سے اس کی ضد کے باعث بچے غلط راستوں پر چل پڑتے ہیں۔ (یہی کچھ پاکستان یا اور انڈین فلموں میں بھی دکھایا جاتا رہا۔) نتیجہ یہ نکلا کہ بچے اپنے والدین بالخصوص والد کو اپنی خوشیوں کا دشمن، بے مروت اور احساس سے عاری انسان سمجھ کر اس سے دور ہوتے چلے گئے۔ باپ اور اولاد کے درمیان جب یہ خلیج پیدا ہو گئی تو پھر ہم نے دیکھا کہ

معاشرے میں نوجوانوں کی بے راہ روی کا طوفان آگیا۔آج ہم نوجوان نسل کے بگاڑ اور بے راہ روی کا رونا رو رہے ہیں لیکن اس کی بنیاد تو ہماری میڈیا، ہمارے ڈراموں اور فلموں نے رکھی تھی۔ (سوچیے ! کیا یہی بات نہیں ہے ؟

معاشرے میں کافی حد تک بگاڑ پیدا ہوا لیکن ایک ہستی ایسی ہے جو آج بھی اپنی آخری سانس تک اپنی اولاد کو جوڑے رکھتی ہے، جو تنکا تنکا کرکے بنائے گئے اپنے گھروندے کو اپنی زندگی میں اجڑنے نہیں دیتی ۔ جی ہاں میں دنیا کی عظیم ہستی ماں کی بات کر رہا ہوں۔ معاشرے میں سارے بگاڑ کے باوجود ماں کی اپنی اولاد سے محبت اور اولاد کے دل سے ماں کا احترام بہرحال نہیں نکالا جاسکا، اس کے ساتھ ہی بہن کی بھائی کے لیے محبت میں بھی کمی نہیں آئی ۔ اس لیے اب دجالی میڈیا نے ان رشتوں کو نشانے پر رکھ لیا ہے۔

میں دیکھا رہا ہوں کہ برتن دھونے کے ایک صابن کے اشتہار میں ماں کو منفی انداز میں پیش کیا جارہا ہے، وہی اشتہار جس میں نوجوان اپنی بیگم سے لانگ ڈرائیو پر جانے کی بات کرتا ہے اور ٹھیک اسی وقت نوجوان کی ماں یہ بات سن کر بہو کو کام پر لگا دیتی ہے۔ بہو جب کام ختم کرکے جانے لگتی ہے تو یہ دکھایا ماں پہلے ہی تیار ہو کر آجاتی ہے اور بیٹا اور بہو برا سے منہ بنا رہے ہیں۔ اسی طرح میں دیکھ رہا ہوں کہ دودھ کے ایک اشتہار میں بھی یہی کچھ

دکھایا گیا ہے کہ نوجوان چائے پیتے ہوئے یہ گمان کرتا ہے کہ یہ چائے اس کی والدہ نے بنائی ہے اور وہ والدہ کی تعریف کرتا ہے اور ماں کے ہاتھ کا بوسہ لیتا ہے تو اس کی بیوی اسے گھر سے نکال کر چھت پر سونے بھیج دیتی ہے۔ بظاہر تو یہ بڑے مزاحیہ اشتہار لگتے ہیں اور شاید ہی کسی نے اس کی سنگینی کو محسوس کیا ہو لیکن دراصل اس میں غیر محسوس انداز میں اولاد کو ماں سے دور کیا جا رہا ہے۔ اب یہ ٹرینڈ چل پڑا ہے میرا گمان ہے اس طرح کے مزید اشتہارات بھی بنیں گے۔

اسی طرح ڈراموں میں اب یہ دکھایا جا رہا ہے کہ ماں اپنی اولاد اور بہنیں اپنے بھائیوں کی خوشیوں کی دشمن ہیں۔ جو طریقہ پہلے ساس، پھر والد سے متنفر کرنے کے لیے اختیار کیا گیا، وہی طریقہ اب ماں اور بہنوں سے دور کرنے کے لیے اختیار کیا جا رہا ہے۔ اس مقصد خاندانی نظام کو تباہ کرنا ہے تاکہ خاندان ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائیں، آپس کی محبت اور اتفاق ختم ہو جائے اور ہر فرد صرف اور صرف اپنی ذات کے لیے سوچنے لگے۔ جب ہر فرد صرف اپنی ذات، اپنی خواہشات اور اپنی خوشی کو ترجیح دے گا تو پھر بے عملی پیدا ہوتی ہے، پھر انسان نفسا نفسی اور خود غرضی کا شکار بلکہ شاہ کار بن جاتا ہے۔ پھر معاشرے میں بگاڑ کو روکنے والا کوئی بھی نہیں بچتا کیوں کہ ہر فرد یہ سوچے گا کہ میں تو محفوظ ہوں نا۔ یا مجھے اس معاملے سے کوئی غرض نہیں ہے۔

سوچیے، غور کیجیے اور اس سیلاب کو روکنے کی کوشش کیجیے۔ اس سے پہلے کہ بہت دیر ہو جائے۔

ماں: یہ کامیابیاں، یہ عزت یہ نام تم سے ہے

انٹرویو دینے کے لیے گھر سے نکلا، موسم سرد تھا، مطلع بالکل صاف تھا۔ البتہ ٹریفک جام تھا۔ کافی دیر کے بعد مقررہ دفتر پہنچا، انٹرویو تو ہوگیا، انہوں نے کہا کہ آپ کو بعد میں اطلاع دیدی جائے گی۔ مجھے اب سخت بھوک لگ رہی تھی۔ لیکن جیب میں اتنی رقم نہ تھی کہ باہر سے کچھ کھا پی لیتا۔ اس لیے خاموشی سے بس اسٹاپ کی طرف چل پڑا۔ بس اسٹاپ تک پہنچتے پہنچتے موسم تبدیل ہونا شروع ہوگیا اور بادل چھا گئے۔ ابھی بس اسٹاپ پر کھڑا ہی ہوا تھا کہ موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ بچنے کی کوئی جگہ نہیں تھی، مجبوراً ٹھنڈ میں کھڑا بارش میں بھیگتا رہا۔ بارش کی وجہ سے ہر طرف پانی اور کیچڑ ہو گئی، جب کہ گاڑیاں بھی بند ہو گئیں۔ ناچار پیدل ہی گھر کی جانب چلا۔

سہ پہر کو چلا تھا اور بارش میں بھیگتا، ٹھنڈ سے کانپتا رات کو گھر پہنچا۔ بھائی نے دروازہ کھولا اور دیکھتے ہی کہا "بڑا شوق ہے نا تمھیں بارشوں میں بھیگنے کا، پتا بھی ہے کہ بارش ہو سکتی تھی لیکن کوئی چھتری یا برساتی لے جانے کی ضرورت محسوس نہیں کی"۔ اندر داخل ہوا تو والد صاحب یوں گویا ہوئے" میاں صاحبزادے ! آ گئے آوارہ گردی کرکے، تمھیں تو بارش ہو یا آندھی

طوفان بس گھر سے باہر رہنے اور آوارہ گردی میں ہی مزہ آتا ہے، اب بارش میں بھیگنے کا مزہ چکھو"۔ میری حالت سخت خراب تھی، ایک تو بارش، پھر ٹھنڈ اوپر سے صبح ناشتہ کرکے بھی نہیں گیا تھا اور اس وقت رات کے ساڑھے آٹھ بج رہے تھے، اس پر مستزاد بھائی اور والد صاحب کی جل کٹی باتوں نے مزید دل دُکھا دیا، میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں رو دوں۔

اتنے میں ماں ایک تولیہ لیکر بھاگتی ہوئی آئی، میرا سر پونچھا اور کھڑکی سے آسمان کی جانب دیکھتے ہوئے کہا" یہ بارش تھوڑی دیر رک نہیں سکتی تھی کہ میرا لعل گھر پہنچ جاتا، پھر بڑے مان اور پیار سے پوچھا ! بیٹا تونے سے صبح سے کچھ کھایا بھی ہے یا ابھی تک بھوکا ہے؟

ماں کی محبت اور شفقت کے حوالے سے یہ ایک چھوٹی سی کہانی ہم نے یہاں آپ لوگوں کے سامنے رکھی ہے۔ یہ چھوٹی سی کہانی ماں کی محبت، شفقت، اس کی رحمت اور اولاد کے لیے اس کی تڑپ کی عکاسی کرتی ہے۔اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اولاد سے سب سے زیادہ محبت ماں ہی کرتی ہے۔ ماں کے دل میں اللہ تعالیٰ نے اولاد کے لیے محبت، شفقت اور رحم کا جذبہ رکھ دیا ہیا گر یہ اللہ رب العزت ماں کے دل میں اولاد کے لیے یہ جذبات نہ رکھتے تو دنیا میں نسل انسانی کا پھیلاؤ ممکن نہیں ہوتا۔

اور پھر اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھیے کہ ایک بچہ رو رہا ہے، وہ بول نہیں سکتا، صرف رو یا ہنس سکتا ہے، عام لوگوں کے لیے بچے کا رونا محض رونا ہے، لیکن واحد ہستی ماں کی ہوتی ہے جو سمجھتی ہے کہ اس وقت بچہ بھوک کی وجہ سے رو رہا ہے، غلاظت بول و براز) کی وجہ سے بے چین ہے یا اسے کوئی تکلیف محسوس ہو رہی ہے۔ماں ہی) وہ واحد ہستی ہے جو بچے کی غوں غاں اور لایعنی آوازوں سے اندازہ لگاتی ہے کہ بچہ کیا کہنا چاہتا ہے۔ذرا غور کیجیے کہ ماں چاہے پڑھی لکھی ہو یا ان پڑھ لیکن وہ بچے کی ساری ان کہی باتیں سمجھ لیتی ہے جب کہ باپ چاہے پی ایچ ڈی، ماہر نفسیات یا ماہر تعلیم بھی ہو پھر بھی وہ اپنی ہی اولاد کی ان کہی باتوں اور لایعنی آوازں کا اندازہ لگانے میں دقت محسوس کرتا ہے۔

اولاد چاہے بوڑھی ہی ہوجائے لیکن ماں کے نزدیک وہ وہی بچہ ہوتا ہے جو کل تک اس کی گود میں ہمکتا، ہنستا کھیلتا دودھ کے لیے مچلتا رہتا تھا۔ماں کی اسی محبت، اولاد کے لیے اس کی قربانیوں کے باعث ہی اسے باپ سے زیادہ رتبہ عطا کیا گیا ہے۔۔ ایک متفق علیہ حدیث ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا تو عرض کیا: "اے اللہ کے رسول! "لوگوں میں سے میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟

آپ نے فرمایا: تمہاری ماں" اس نے پوچھا: "پھر کون؟" آپ نے فرمایا: تمہاری ماں اس نے کہا: "پھر کون؟" آپ نے فرمایا: تمہاری ماں۔ اس نے پوچھا: "پھر کون؟" آپ نے فرمایا: تمہارا باپ۔ (متفق علیہ"

اس حدیثِ مبارکہ سے یہ معلوم ہوا کہ ماں کا رتبہ باپ سے کم از کم تین درجے زیادہ ہے۔ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے کہ پیارے نبیؐ نے فرمایا'' جنت ماں کے قدموں تلے ہے۔''یعنی اولاد کو یہ بتایا گیا ہے کہ اگر جنت کا حصول مطلوب ہے تو والدین کی خدمت کرو بالخصوص ماں کی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ماں کو بلند رتبہ کیوں عطا کیا گیا ؟ جواب بہت آسان اور واضح ہے کہ یہ ماں ہی کی ہستی ہے جو اولاد کو نو ماہ اپنی کوکھ میں پالتی ہے، اپنا خونِ جگر پلاتی ہے، پوری دنیا بچے کو دنیا میں آنے کے بعد دیکھتی ہے لیکن ماں واحد ہستی ہے جو بچے کو اپنی کوکھ میں محسوس کرتی ہے، اس کی ایک ایک حرکت، ایک ایک ادا سے واقف ہوتی ہے۔پھر تکلیفیں اٹھا کر وہ ایک زندگی تخلیق کرتی ہے۔بات یہاں ختم نہیں ہوجاتی بلکہ اس کے بعد بھی کم از کم پندرہ سال تک وہ اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ اپنی اولاد کے لیے نچھاور کر دیتی ہے، کبھی غور کیا ہے کہ رات کے سناٹے میں جب پورا گھر خوابِ خرگوش کے مزے لے رہا ہوتا ہے، یہ ماں ہوتی ہے جو ایک آنکھ کھول کر سوتی ہے، بچہ اپنے بستر پر کروٹ لیتا ہے اور ماں کی آنکھ کھل جاتی ہے کہ کہیں میرا بچہ بستر سے گر نہ جائے، ساری رات

ایک کروٹ پر گزار دیتی ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو میرے کروٹ بدلنے سے میرا بچہ دب جائے۔ بچہ رات کو کسی بھی وجہ سے جاگ جائے، سب سے پہلے ماں ہی اٹھ کر اسے خاموش کراتی ہے، اگر وہ بھوکا ہے تو اس کی بھوک مٹانے کا اانتظام کرتی ہے، اگر اس نے کپڑے خراب کر دیے ہیں تو آدھی رات کو بھی اس کی صفائی کا اہتمام کرتی ہے۔

کیا دنیا کی کوئی اور ہستی اس طرح اولاد کے لیے اپنی زندگی تج سکتی ہے؟ ایک سوال اور بھی پیدا ہوتا ہے کہ کیا اولاد ماں باپ بالخصوص ماں کے حقوق ادا کر سکتی ہے؟ بہت پہلے ایک کہانی پڑھی تھا، اب یہ تو یاد نہیں کہ حکایتِ سعدی یا رومی میں یا کسی اور جگہ لیکن ماں کی محبت اور اس کے حق کے حوالے سے بہت سبق آموز ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ " ایک شخص نے اپنی بوڑھی اور معذور ماں کو اپنے کاندھے پر سوار کرکے حج کرایا، جب وہ حج کے تمام ارا کین ادا کرکے فارغ ہوگیا، تو اس نے گمان کیا کہ میں نے اپنی ماں کا حق ادا کر دیا ہے۔ اسی رات وہ سویا تو اسے خواب میں بزرگ یہ کہتے ہیں کہ " یاد کر تو بہت چھوٹا تھا، تیر ماں بہت غریب تھی، گھر میں ایک ہی بستر تھا، جاڑے کی ایک سرد ترین رات میں تونے اس بستر پر پیشاب کرکے اسے گیلا کر دیا۔ تیری ماں اس سرد ترین رات میں خود تو ٹھنڈے فرش پر سوتی رہی لیکن تجھے اپنے سینے پر سلائے رکھا کہ کہیں تجھے ٹھنڈ نہ لگ جائے۔ ارے نادان تونے اپنی ماں کی اس ایک

''رات کا ہی حق ادا نہیں کیا اور تُو سمجھتا ہے کہ ماں کا حق ادا کر دیا۔

ماں کی محبت اور اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ شاعر مشرق علامہ اقبال کی والدہ محترمہ کا جب انتقال ہوا تو انھوں نے اس موقع پر درد و غم میں ڈوبے ہوئے اشعار کے ذریعے اپنے جذبات کا اظہار کیا تھا۔

کس کو اب ہوگا وطن میں آہ! میرا انتظار؟

کون میرا خط نہ آنے سے رہے گا بے قرار؟

خاکِ مرقد پر تری لے کر یہ فریاد آؤں گا

اب دعائے نیم شب میں کس کو میں یاد آؤں گا

!آسمان تری لحد پر شبنم افشانی کرے

سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

ایک طرف اولاد کے لیے ماں کی یہ انمول محبت ہے، دوسری جانب اولاد کا رویہ والدین کے ساتھ کیا ہے؟ یہ بھی دیکھنے کے قابل ہے۔ جس اولاد کو ماں باپ ساری عمر علم و حکمت اور اپنے تجربے کی باتیں بتا کر دنیا میں رہنے کے قابل بناتے ہیں، وہی اولاد جوان ہو کر سب سے پہلے ماں باپ کو ہی کم عقل اور جدید دور کے تقاضوں سے ناآشنا سمجھتی ہے۔ماں باپ اولاد کے لیے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ تیاگ دیتے ہیں، اس کے آرام کے لیے اپنا آرام ختم کر دیتے ہیں،

اس کی تکلیف کو ختم کرنے کے لیے خود تکلیفیں اٹھاتے ہیں، وہی اولاد جب ماں باپ کو سنبھالنے کا وقت آتا ہے تو ان سے کنارہ کشی اختیار کرتی ہے، ان سے دور بھاگتی ہے۔ وہ ماں جو بچپن میں اپنی اولاد کی ایک ایک حرکت ، ایک ایک ادا پر واری قربان جاتی تھی، بڑھاپے میں اولاد کی ایک نظر کے لیے ترستی ہے۔ماں باپ ساری زندگی اولاد کو ایک ساتھ رکھنے کے لیے تگ و دو کرتے ہیں اور جب اولاد جوان ہوتی ہے تو وہ ماں باپ کو ہی اولڈ ہاؤس میں جمع کرادیتی ہے۔

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اولاد ایسا کیوں کرتی ہے؟ اس کا جواب بھی بالکل واضح اور سیدھا سادہ ہے۔ مغرب کی اندھی تقلید اور میڈیا کے اثرات کے باعث اب اولاد ماں باپ کو بوجھ سمجھنے لگی ہے۔ کیوں کہ مغربی معاشرے نے اجتماعیت کے بجائے انفرادیت اور ماں باپ بہن بھائیوں سے محبت کے بجائے اپنی ذات سے محبت اور خود غرضی کا پرچار کیا جاتا ہے۔ یہی چیز ہمارے معاشرے میں بھی در آئی ہے۔ اس سوچ کو پروان چڑھانے میں میڈیا کا سب سے بڑا ہاتھ ہے۔ میڈیا سے مراد صرف ٹی وی چینلز نہیں ہیں بلکہ اس میں ادب کا بھی ہاتھ ہے۔ایسے افسانے، کہانیاں تخلیق کی گئیں جن میں ماں باپ کو اولاد کی خوشیوں کا دشمن اور اس کے اوپر بوجھ اور اس کی خوشیوں کی راہ میں رکاوٹ دکھایا گیا۔ ٹی وی پر ایسے ڈرامے چلائے گئے، اشتہارات میں ماں کا مضحکہ اڑایا

جا رہا ہے۔ ان تمام عوامل کا نتیجہ ہے کہ آج ہمارے معاشرے میں بھی بزرگوں کی عزت و توقیر میں کمی ہوتی جارہی ہے اور اولاد بوڑھے ماں باپ کی خدمت کرنے اور ان کو سنبھالنے کے بجائے ان کو بوجھ سمجھتے ہوئے ان سے دور ہوتی جارہی ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ سال میں ماں یا باپ کا ایک دن منانے کے بجائے پورا سال ان کی خدمت کی جائے، ان کی ضروریات کا خیال رکھا جائے۔ بوڑھے ماں باپ ہمارے مال و دولت یا گھر کے نہیں بلکہ صرف محبت اور شفقت کی نظر کے طلب گار ہوتے ہیں۔ ان کے ساتھ کچھ وقت گزارا جائے، ان کی باتیں سنی جائیں تاکہ ان کے دل کا بوجھ ہلکا ہو، وہ خود کو تنہا نہ محسوس کریں۔ انہیں لگے کہ کوئی ان کی اہمیت کو محسوس کرتا ہے، کسی کو ان کی کمی محسوس ہوتی ہے، کوئی ان کی باتیں سننا چاہتا ہے۔ انہیں یہ احساس دلائیں کہ وہ عضو معطل نہیں بلکہ اب بھی آپ کے رہنما ہیں، آپ کو اب بھی ان کے مشورے اور ان کے سہارے کی ضرورت ہے۔ یہ احساس ان کے اندر مایوسی اور ڈپریشن کو ختم کرکے ان کے اندر جینے کی امنگ پیدا کردیتا ہے۔اور جب تک آپ کے بوڑھے والدین سلامت ہیں ان کے لیے صبح شام یہ دعا پڑھتے رہیں۔

(ربِّ ارْحَمْھُمَا کَمَا ربَّیٰنِیْ صَغِیْرًا۔ (سورہ بنی اسرائیل آیت ۲۴

یہ کامیابیاں عزت یہ نام تم سے ہے
خدا نے جو بھی دیا ہے مقام تم سے وے
تمھارے دم سے ہیں میرے لہو میں کھلتے گلاب
میرے وجود کا سارا نظام تم سے ہے
کہاں بساط جہاں اور میں کمسن و نادان
یہ میری جیت کا سب اہتمام تم سے ہے
جہاں جہاں ہے میری دشمنی سبب میں ہوں
جہاں جہاں ہے میرا احترام تم سے ہے . . . !
(سید وصی شاہ)

کراچی : صرف سحر اور افطار میں لوڈشیڈنگ نہیں ہوتی

رمضان المبارک کے بابرکت مہینے کی آمد سے پہلے وفاقی وزیر برائے بجلی و پانی خواجہ آصف صاحب نے عوام کو یہ نوید سنائی کہ کوشش کریں گے کہ رمضان المبارک میں سحر و افطار کے اوقات میں لوڈشیڈنگ نہ ہو۔ بھولے بھالے عوام خوش ہوگئے کہ چلو رمضان المبارک کے مہینے میں عوام کو کچھ تو سکون ملے گا۔ لیکن کے الیکٹرک نے موصوف کے اس بیان پر اس طرح عمل درآمد کیا ہے کہ اب صرف سحر و افطار کے اوقات میں لوڈشیڈنگ نہیں ہوتی باقی تمام دن بجلی کی آنیا جانیاں لگی رہتی ہیں بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ صرف جانیاں جانیاں لگی رہتی ہیں۔

صورتحال یہ ہے کہ فجر کے بعد صبح چھے بجے جو بجلی منقطع ہوتی ہے تو پھر کم و بیش تین ساڑھے تین گھنٹے کے بعد نو ساڑھے نو بجے آتی ہے۔ بجلی آنے سے سحری سے جاگے ہوئے عوام نیم غنودگی سے نکل کر فوراً پانی کی موٹریں چلانے کی کوشش کرتے ہیں کیوں کہ اس وقت سب سے اہم کام یہی ہوتا ہے۔) سب لوگ سوچتے ہیں کہ پتا (نہیں کب بجلی دوبارہ منقطع ہوجائے۔ خیر ابھی عوام بجلی کے آنے سے لطف اندوز ہونے کی کوشش کرتے ہیں کہ ایک سے ڈیڑھ گھنٹے کے بعد بجلی دوبارہ منقطع کردی جاتی ہے۔ ساڑھے دس گیارہ بجے منقطع ہونے کے بعد برقی رو

تقریباً دو بجے بحال کی جاتی ہے لیکن تین ساڑھے تین بجے دوبارہ منقطع اور اس کے بعد تقریباً چھے بجے بجلی آنے کے بعد عشا تک بلا تعطل بجلی فراہم کی جاتی ہے۔ (اس طرح عوام کو بتایا جاتا ہے کہ دیکھو ہم نے سحر اور افطار کے اوقات میں بجلی فراہم کردی تھی اس لیے یہ نہ کہنا کہ سحر و افطار میں لوڈ شیڈنگ ہوتی ہے۔) عشا کے بعد بجلی جانے کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔ چاہے تو رات دس سے بارہ کے درمیان بند کردی جائے، چاہے تو رات دو بجے سے ساڑھے تین بجے کے درمیان بند کردی جائے۔ کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔

کراچی کی یہ سب سے بڑی بدقسمتی ہے کہ جو لوگ خود کو کراچی کا وارث کہتے ہیں، جو کراچی کے مینڈیٹ کے نام نہاد حق دار ہیں انھوں نے ہی اس شہر کو تباہ و برباد کرکے رکھ دیا ہے۔ کراچی الیکٹرک سپلائی کارپوریشن سرکاری ادارہ تھا، جنرل مشرف کے دور میں اس کو نجی اداروں کو بیچ دیا گیا۔ اس کے بعد سے بجلی کے حوالے سے عوام کی بدقسمتی کا آغاز ہوا۔ سب سے پہلے پرانے میٹرز کی جگہ نئے ڈیجیٹل میٹرز کا ڈول ڈالا گیا۔ اس طرح عوام کے جیب پر اضافی بوجھ ڈلا گیا، کیوں کہ جہاں جہاں نئے میٹرز لگے وہاں کے تمام ہی لوگوں نے شکایت کی کہ یہ میٹرز پرانے میٹرز کے مقابلے میں بہت تیز رفتار ہیں اور یہ استعمال شدہ یونٹس سے زیادہ یونٹس ظاہر کرتے ہیں۔

اس کے بعد دوسرا کام یہ کیا گیا کہ کراچی جو ملک کی صنعتی و اقتصادی شہ رگ ہے، جو روشنیوں کا شہر کہلاتا ہے، جو ملک کا سب سے بڑا شہر ہے، اس میں آٹھ آٹھ گھنٹے کی طویل لوڈ شیڈنگ کا آغاز کیا گیا۔ جب عوام اس سے بلبلا اٹھے تو پھر کمال مہربانی سے عوام کو کہا گیا کہ اچھا اب غیر اعلانیہ اور طویل لوڈ شیڈنگ نہیں ہوگی بلکہ ہر دو ڈھائی گھنٹے بعد دو سے تین گھنٹے کی شیڈول لوڈ شیڈنگ کی جائی گی۔ عوام نے اس کو غنیمت جانا اور اس پر راضی ہوگئے، حالانکہ اس شہر کراچی میں پہلے لوڈ شیڈنگ صرف تین صورتوں میں ہوتی تھی نمبر ایک: اگر کہیں بجلی کے تار ٹوٹ کر گر جائیں اور ان کی مرمت ہونے تک بجلی منقطع رہے۔ نمبر دو: زیر زمین کیبل پھٹ جانے کے بعد بجلی منقطع ہو جائے یا پھر تیسری صورت برسات کے موسم میں حفظ ماتقدم کے طور پر بجلی منقطع کی جاتی تھی۔ لیکن اب عوام چوبیس گھنٹوں میں سے دس سے بارہ گھنٹے اور بعض اوقات سے بھی زیادہ وقت کی لوڈ شیڈنگ برداشت کر رہے ہیں۔

کے ای ایس سی کو نجی تحویل میں دینے کے بعد تیسرا عذاب کو کراچی کے شہریوں پر مسلط کیا گیا وہ اوور بلنگ کا ہے۔ جب تک کے ای ایس سی تھی تب تک یہ سلسلہ پھر بھی غنیمت تھا لیکن اس کو کے الیکٹرک کا نام دینے سے اور انتظامیہ تبدیل ہونے کے بعد اوور بلنگ ایک بدمعاشی اور غنڈہ گردی کی صورت اختیار کر گئی ہے۔ اب کے الیکٹرک کسی بھی صارف کو ہزاروں اور لاکھوں تک کا

بل بھیج دیتی ہے، جب وہ احتجاج کرے تو کہا جاتا ہے کہ پہلے بل ادا کریں اس کے بعد کوئی بات ہوگی۔ ریکوری اسٹاف کے نام پر چھٹے ہوئے بدمعاش اور لفنگے بھرتی کیے گئے جو کسی قسم کی بات سننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

افسوس اس بات کا ہے کہ کراچی کی نمائندگی کے دعوے دار محض پوائنٹ اسکورنگ اور عوام کو بیوقوف بنانے میں مصروف ہیں۔ انہیں اس بات سے کوئی غرض نہیں کہ عوام کس عذاب سے گزر رہے ہیں۔ ہاں جس طرح توہین رسالت سے زیادہ توہین الطاف پر احتجاج کیا جاتا تھا اسی طرح عوام کے مسائل سے صرف نظر کرکے فاروق ستار کے گھر پر چھاپے کے لیے احتجاج ضرور کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ رمضان المبارک میں عوام کو آسانیاں فراہم کرے کے الیکٹرک کے نام سے مسلط اس عذاب کو جلد از جلد کراچی کے عوام کو چھٹکارہ عطا فرمائے۔ آمین

ہماری آپ کی طرح مظلوم ہیں اور ملک کے کرپٹ نظام اور دھوکا دہی کلچر کا شکار ہوتے ہیں، وطن واپسی پر ائر پورٹ سے نکلتے ہیں ان کو پولیس اور دیگرا ایجنسی کے ارکان گھیر لیتے ہیں اور مختلف بہانوں سے ان سے رقم بٹوری جاتی ہے، اس کے بعد بھی ان کا پیچھا نہیں چھوڑا جاتا اور ان کے تعاقب کرکے گھر دیکھا جاتا ہے اور ایسے کئی واقعات ہوئے کہ ان اوورسیز پاکستانیوں کو وطن واپسی کے کچھ روز بعد ہی ڈکیتی کا سامنا کرنا پڑا۔ گذشتہ دنوں ایک انٹرنیشل اردو اخبار میں مسلسل ایک فیچر چھپتا رہا جس میں اسلام آباد اور لاہور سے تعلق والے کئی اوورسیز پاکستانیوں کے ساتھ یہ ظلم ہوا کہ وہ بچارے وہاں سے پیسہ پیسہ جوڑ کر یہاں پلاٹ لیکر مطمئن ہوگئے کہ وطن واپسی سے پہلے اس پلاٹ پر اپنا گھر بنائیں گے لیکن جب کچھ سالوں کے بعد انہوں نے وطن آنے کے بعد اپنے پلاٹ کا وزٹ کیا تو معلوم ہوا کہ وہ جگہ تو اب کسی اور کی ہوچکی ہے ان کی زمینوں پر منظم مافیاز نے قبضہ کرلیا ہے اور یہ بے چارے ان کا کچھ بگاڑ بھی نہیں سکتے ہیں۔ مقصد یہ کہ اوورسیز پاکستانی بھی ہماری آپ کی طرح ملکی کرپٹ نظام اور دھوکا دہی کا شکار ہوتے ہیں۔

ایک طرف یہ عام اوورسیز پاکستانی ہیں دوسری جانب وہ کرپٹ، مفاد پرست سرمایہ دار اور سیاست دان ہیں جو کہ حالات سازگار دیکھ کر یہاں آتے ہیں، کرپشن کرتے ہیں، مفادات حاصل کرتے ہیں، اور نا موافق حالات کو دیکھتے ہوئے دوبارہ

جواب ہے کہ جی نہیں ایسا بالکل بھی نہیں ہے۔ طالبان کو جماعت اسلامی نے نہیں بلکہ آپ کی نام نہاد جمہوری جماعت پاکستان پیپلز پارٹی نے تخلیق کیا ہے۔ مرحومہ بے نظیر بھٹو صاحبہ فخریہ یہ کہا کرتی تھیں کہ آیم مدر آف طالبان۔ جس دور میں طالبان کا ظہور ہوا، اس دور میں جماعت اسلامی طالبان کی واحد نظریاتی مخالف جماعت تھی اور ہے۔ 1996 میں جب اخبارات فتح کابل کی سرخیاں لگا رہے تھے، جماعت اسلامی اس وقت بھی طالبان کی مخالف تھی، (ہاں یہ ضرور ہے کہ جماعت اسلامی نے اندھا دھند فوج کشی کی ظالمانہ آپریشن کی مخالفت کی۔) سوال یہ ہے کہ جب طالبان کو تخلیق کرنے والی پی پی پی اور بے نظیر بھٹو ہیں تو اس حوالے سے آپ کا قلم خاموش کیوں ہو جاتا ہے؟ محض اس لیے کہ وہ ایک سیکولر سوشلسٹ جماعت ہے اور جماعت اسلامی ایک مذہبی جماعت ہے۔

دوسرا الزام کہ جماعت اسلامی ضیاء الحق اور جنرل مشرف کا ساتھ دے کر غداری کی مرتکب نہیں ہوئی؟ فاضل کالم نگار سے میرا سوال ہے کہ ضیاء الحق کے گیارہ سالہ دور اقتدار میں جماعت اسلامی کتنے عرصے اس کی حکومت کا حصہ رہی ہے؟ جواب ہے کہ صرف دس ماہ۔ جب کہ آج آپ کے جمہوریت کے چیمپین بننے والے میاں نواز شریف، یوسف رضا گیلانی، شاہ محمود قریشی اور دیگر ضیاء الحق کی کابینہ میں شامل رہے ہیں لیکن ان پر کوئی تنقید نہیں، ان پر کوئی گرفت نہیں کیوں کہ وہ مذہبی جماعت سے تعلق نہیں رکھتے نا۔ اس لیے گرفت صرف جماعت

اسلامی پر۔

رہی جنرل مشرف کی بات تو صاحب کچھ تو انصاف کی بات کریں۔ جماعت اسلامی نے بحیثیت پارٹی جنرل مشرف سے کوئی معاہدہ کیا؟ کوئی مفاد حاصل کیا؟ کوئی ڈیل کی ہو تو آپ بات کریں۔ جنرل مشرف کے دور میں ایم ایم اے کے پلیٹ فارم سے اتحادی جماعتوں کے ساتھ اسمبلیوں میں آئی تھی۔ ایم ایم اے کی قیادت نے جنرل مشرف سے ایک معاہدہ کیا جس کے تحت جنرل مشرف نے وعدہ کیا کہ وہ دسمبر 2004 تک فوجی عہدہ چھوڑ دیں گے۔ یہ ایم ایم اے کی کامیابی تھی کہ اس نے بے لگام جنرل مشرف کو پہلی بار ایک معاہدے کا پابند کیا۔ بعد ازاں جنرل مشرف اپنے اس وعدے سے مکر گئے اور اعلانیہ یہ کہا کہ میرا وعدہ کوئی قرآن و حدیث نہیں ہے۔ موصوف کے نزدیک ایک تسلیم شدہ جھوٹا شخص قابلِ گرفت نہیں ہے ہاں مذہبی جماعتیں ضرور قابل گردن زدنی ہیں۔ دوسری بات یہ کہ کیا جنرل مشرف کے دور میں واحد جماعت اسلامی تھی جو اسمبلیوں میں پہنچی تھی۔ اس دور میں ن لیگ کے رہنماؤں کی ایک بڑی تعداد مشرف کی چھتری تلے بننے والی ق لیگ میں شامل ہوکر حکومت کا حصہ بن گئی۔ متحدہ قومی موومنٹ نے مشرف کی کھل کر حمایت کی نہ صرف یہ بلکہ مشرف کی حمایت میں متحدہ قومی موومنٹ نے جسٹس موومنٹ کے خلاف کام کیا اور 12 مئی 2007 کا سانحہ رونما ہوا۔ وہ ساری جماعتیں آپ کے نزدیک قابل معافی ہیں، ان پر کوئی گرفت نہیں ہاں جماعت اسلامی اس کا جواب

ضرور دے کہ وہ مشرف کے دور میں اپوزیشن میں بھی کیوں شامل رہی؟

رہی بات افغانوں کی جو پاکستان کے مفاد کے خلاف کام کرتے ہیں، تو جناب عالی ان کو واپس بھیجنا حکومت کا کام ہے کسی سیاسی جماعت کا نہیں۔ جنرل مشرف، اس کے بعد پی پی پی، اس کے بعد موجودہ حکومت، یہ تو ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ افغانوں کو واپس بھیجے۔ بجائے اس کے کہ آپ اس کا جواب برسراقتدار پارٹیوں سے مانگتے، الٹا اس کا الزام بھی جماعتِ اسلامی کے سر ڈالتے ہیں۔ کیا یہ انصاف کی بات ہے؟

پھر آپ کہتے ہیں کہ " اس ملک میں تعلیم کے نظام کی خرابی کی ایک بڑی وجہ یہاں کے تعلیمی اداروں میں آپ کی جماعت کے اثر رسوخ کو بھی بڑا دخل ہے۔ ان کے اس اثر کے باعث یہ کالج اور یونیورسٹیاں پست درجے کے ادارے بن گئے ہیں جہاں تعلیم کے نام پر دھوکہ ملتا ہے۔" افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ یہاں بھی عبدالرؤف صاحب جماعت اسلامی سے اپنی کسی ذاتی پرخاش کے باعث تعلیمی نظام کی تباہی کا ذمہ داری بھی جماعت اسلامی کو گردانتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا کالج اور یونیورسٹیوں کا نصاب جماعت اسلامی بناتی ہے؟ کیا اسکول، کالج اور یونیورسٹیوں میں بھرتی ہونے والے اساتذہ جماعت اسلامی کے ارکان یا کارکنان ہوتے ہیں یا جماعتِ اسلامی انہیں بھرتی کرتی ہے؟ جواب ہے کہ ایسا

کچھ نہیں ہے۔ نصاب تعلیم کی تیاری سے لے کر تعلیمی اداروں میں اساتذہ کی بھرتی اور امتحانات تک کے نظام میں جماعت اسلامی کا ہاتھ نہیں ہوتا بلکہ اس میں بھی برسر اقتدار پارٹیاں اپنا اثر و رسوخ استعمال کرتی ہیں۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو تعلیمی نظام کی تباہی کے ذمہ دار بھی آپ کی یہی برسر اقتدار پارٹیاں یعنی پی پی پی، مسلم لیگ ن، ایم کیو ایم اور ق لیگ یا جنرل مشرف ہیں جماعتِ اسلامی نہیں۔ اس لیے تعلیمی اداروں کی تباہی کا ذمہ دار جماعت اسلامی کو ٹھہرانا انتہائی لغو بات ہے۔

اب میں آتا ہوں ان کے مضمون کے اس حصے کی طرف جس کا تعلق سابقہ مشرقی پاکستان یا موجودہ بنگلہ دیش سے ہے۔ عبدالرئوف صاحب کی اس حوالے سے لکھتے ہیں کہ ’’اس وقت یہ جماعت اگر باقی جماعتوں کے ساتھ مل کر یحیٰ خان کا ساتھ دینے کے بجائے جمہوری حکومت بننے میں مددگار ہوتی تو شاید بنگلہ دیش الگ نہیں ہوتا۔‘‘ اس جملے کو غور سے دیکھیں تو اس میں تضاد بیانی بھی ہے اور جھوٹ بھی۔ تضاد بیانی یہ کہ جب آپ خود کہتے ہیں دوسری جماعتوں کے ساتھ ملک کر یحیٰ خان کا ساتھ دینے کے بجائے یعنی آپ اس بات کو مانتے ہیں کہ دوسری جماعتیں بھی اس وقت اسٹیبلشمنٹ کا ساتھ دے رہی تھیں تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان جماعتوں کے خلاف آپ نے کبھی آواز کیوں نہیں اٹھائی؟ سانحہ سقوط مشرقی پاکستان کے سب سے اہم کردار تو پی پی پی کے بانی

سر براہ ذوالفقار علی بھٹو صاحب تھے جو کہ یحیٰ خان کے دست راست تھے، لیکن ان کے خلاف کبھی آپ نے کوئی مضمون نہیں لکھا لیکن جماعت اسلامی کے خلاف اپنی توپوں کا رخ موڑ دیا۔ جب کہ اس جملے یں جھوٹ یہ ہے کہ " یحیٰ خان کا ساتھ خان کا ساتھ دینے کے بجائے جمہوری حکومت بننے میں مددگار ہوتی"۔ جناب جماعت اسلامی نے کبھی بھی یحیٰ خان کا ساتھ نہیں دیا بلکہ پاکستان کا ساتھ دیا۔ جماعت اسلامی مشرقی پاکستان کی واحد جماعت تھی جس نے اپنی شکست کو کھلے دل سے تسلیم کیا اور اقتدار عوامی لیگ کو منتقل کرنے پر زور دیا، لیکن بھٹو صاحب کی ضد اور ہوسِ اقتدار نے ایسا نہیں ہونے دیا، یہ بھٹو صاحب ہی تھے جنہوں نے جب حالات درست ہوتے دیکھے تو کھلے عام دھمکی دی تھی کہ " مغربی پاکستان سے اگر پی پی پی کا کوئی رکن پارلیمنٹ کے اجلاس میں شرکت کے لیے مشرقی پاکستان گیا تو اس کی ٹانگیں توڑ دی جائیں گی۔" یقیناً عبدالرئوف صاحب اس سے اچھی طرح واقف ہونگے لیکن جانتے بوجھتے حق کو چھپا گئے۔

اس حوالے سے عبدالرئوف صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ "انھوں نے البدر اور الشمس ایسی تنظمیں بنائی جو بقول بعض بنگالی دانشوروں کے ان بنگالی مسلمانوں کے قتل میں ملوث جو پاکستان سے علیحدگی چاہتے تھے، اس نے مشرقی پاکستان میں امن کی فضا کو قائم نہیں ہونے دیا۔" یہاں پر بھی عبدالرئوف

صاحب نے تاریخی حقائق کو جھٹلاتے ہوئے جان بوجھ کر جماعت اسلامی پر جھوٹے الزامات لگائے ہیں۔ سب سے پہلی بات کہ یہاں بھی عبدالرئوف صاحب کی ہمدردیاں پاکستان کے مخالفین کی جانب ہیں پاکستان کی ہمدرد جماعت کی طرف نہیں۔ دوسری بات یہ کہ مشرقی پاکستان میں قتل عام کی داستانیں محض داستانیں ہی ہیں ان کو ثابت نہیں کیا جاسکا، اگر ایسا ہوتا تو جماعت اسلامی کے ارکان کو چالیس سال بعد مقدمات میں نہیں پھنسایا جاتا بلکہ اسی وقت جب معاملہ گرم تھا، سزائیں دے دی جاتیں۔ تیسری بات یہ کہ جماعت اسلامی کبھی بھی وہاں قتل و غارت گری میں ملوث نہیں رہی۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ جماعت اسلامی نے اس کٹھن وقت میں پاکستانی فوج کا ساتھ ضرور دیا تھا، جب اجنبی زمین، اجنبی زبان اور ناموافق حالات میں گھری ہوئی فوج کو سہارے کی ضرورت تھی، اس وقت جماعت اسلامی نے حب الوطنی کے تقاضے کے تحت پاکستانی فوج کا ساتھ دیا۔ (یہی صورتحال آج ہمارے قبائلی علاقوں میں بھی نظر آتی ہے جہاں طالبان کے خلاف فوج کی مدد سے مقامی لشکر تیار کیے گئے جو طالبان (کے خلاف فوج کی مدد کر رہے ہیں۔

حیرت انگیز بات ہے کہ عبدلرئوف صاحب خود اس بات کو تسلیم کر رہے ہیں کہ وہاں علیحدگی پسند قوتیں موجود تھیں لیکن ان قوتوں کے خلاف ملک کی فوج کا ساتھ دینے والوں کو وہ لعن طعن کا نشانہ بنا رہے ہیں۔ میرا سوال ان سے یہ ہے کہ

میرے منہ میں خاک اگر آج یہاں کوئی علیحدگی کی تحریک چل پڑے تو آپ کس کا ساتھ دیں گے، علیحدگی پسندوں کا یا فوج کا؟ ہر محب وطن کا جواب یہ ہوگا کہ وہ فوج کا ساتھ دے گا، یہی کام جماعتِ اسلامی نے کیا تو وہ باعث تنقید ہے۔ انتہائی افسوس کی بات ہے کہ اس وقت جماعت اسلامی کے ارکان بنگلہ دیش میں پاکستان سے محبت کے جرم میں تختہ دار پر لٹکائے جا رہے ہیں، پوری دنیا اس ناانصافی پر محو حیرت ہے اور عبدالرئوف صاحب اس وقت بھی جان بوجھ کر لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔

ہماری محترم عبدالرئوف صاحب سے گزارش ہے کہ البدر والشمس اور مشرقی پاکستان کے حوالے سے کرنل صدیق سالک کی کتاب ’’میں نے ڈھاکہ ڈوبتے دیکھا‘‘، پاکستانی فوج کے بھگوڑے افسر اور بعد ازاں مشرقی پاکستان میں پاک فوج کے خلاف مسلح جدوجہد کو منظم کرنے والے کرنل شریف الحق دالیم کی کتاب ’’بنگلہ دیش : ان کہی کہانی‘‘ اور ڈھاکہ یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر کی کتاب ’’شکست آرزو‘‘ کا مطالعہ کریں تو کافی بہتر ہوگا اور جماعت اسلامی کے خلاف جھوٹے پروپیگنڈے کے بجائے حقائق لوگوں تک پہنچائیں۔ شکریہ

پاکستانی ڈراموں میں ریپ کے مناظر

پاکستان میں پرائیوٹ چینلز کے آنے کے بعد ان پر چیک اینڈ بیلنس کا کوئی موثر نظام نہیں ہے۔ چاہے وہ نیوز چینل ہوں یا تفریحی چینلز۔ صورتحال یہ ہے جس کا جو دل چاہتا ہے وہ بلا روک ٹوک اس پر پروگرام بنا کر دکھا دیتا ہے۔ نیوز چینلز جس کی چاہیں پگڑی اچھال دیں، کسی بھی غیر اہم واقعے کو اہم ترین بنا دیں اور کسی اہم ترین واقعے کو سرے سے گول کر دیں، کوئی ان سے پوچھنے والا نہیں ہے۔ اسی طرح نام نہاد تفریحی چینلز جس طرح شرم و حیا کی دھجیاں بکھیر رہے ہیں وہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ہے۔ مارننگ شوز کے نام پر بے ہودگی کا بازار گرم کر دیا جاتا ہے۔

یہ سب باتیں اپنی جگہ تھیں اب قوم کو ایک اور چیز کی طرف دھکیلا جا رہا ہے۔ وہ ہے RAPE کے مناظر۔ ایک سال کے عرصے پاکستانی ڈراموں میں بڑھتے ہوئے زیادتی میں ایک کے بعد ایک کم و بیش چار ایسے ٹی وی ڈرامے پیش کیے گئے ہیں جن میں ریپ کے مناظر شامل تھے۔ ان میں سے دو ختم ہو چکے ہیں جب کہ دو ڈرامے ابھی جارہی ہیں۔ جو ختم ہو چکے ہیں ان میں ”چپ رہو“ اور ”عشق پرست“ شامل ہیں۔ جو ڈرامے اس وقت آن ائر ہیں ان کا نام میں قصداً نہیں لکھ رہا۔ اہم بات یہ ہے کہ یہ سارے ڈرامے ایک ہی چینل پر پیش کیے گئے ہیں، جس کے

باعث ہم یہ سمجھنے میں حق بجانب ہیں کہ یہ چینل باقاعدہ کسی ایجنڈے کے تحت ایسے ڈرامے بنا رہا ہے۔ یہ بھی بتاتا چلوں کہ اسی چینل پر انتہائی بے ہودہ اور لچر ڈرامے پیش کیے جاچکے ہیں جن میں ''قدوسی صاحب کی بیوہ'' ''برنس روڈ کی نیلوفر'' وغیرہ شامل ہیں۔ مذکورہ بالا ڈراموں میں بظاہر تو انتہائی تہذیب و شرافت دکھائی گئی ہے لیکن در حقیقت معاشرے میں لچر پن کو فروغ دیا گیا ہے۔

میں اپنے موضوع کی طرف آتا ہوں۔ سوال یہ ہے کہ ان ڈراموں کا مقصد کیا ہے؟ ایک ہی چینل ایسے مسلسل ایسے ڈرامے کیوں پیش کر رہا ہے؟ اس کے پیچھے کیا سوچ کارفرما ہے؟ اگر ذہن پر ذرا سا زور دیں تو بات سمجھ میں آجائے گی۔ جی ہاں ان تمام ڈراموں کا مقصد میری اور آپ کی، میرے اور آپ کے گھر والوں کی، میری اور آپ کی بہنوں، بیٹیوں اور گھر کی عفت ماب بیٹیوں کی شرم و حیا کو ختم کرنا ہے۔ معاشرے میں بے شرمی اور بے حیائی کو اتنا عام کرنا ہے کہ لوگ اس کو کوئی بہت بری چیز سمجھنے کے بجائے ایک معمول کی چیز سمجھیں۔ میں اپنی بات کو ایک اور طریقے سے سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں۔

برصغیر میں جب فلم سازی کا آغاز ہوا تو کچھ عرصے تک تو یہ صورتحال تھی کہ کوئی خاتون فلم انڈسٹری میں آنے کے لیے تیار نہ ہوتی تھی، اس لیے فلموں میں

عورت کا کردار بھی مرد ہی ادا کرتے تھے۔ پھر آہستہ آہستہ خواتین کا اس طرف رجحان ہوا لیکن ابتدا میں فلم انڈسٹری میں قدم رکھنے والی خواتین ایک مخصوص پس منظر سے تعلق رکھتی تھیں۔ عام گھرانوں کی خواتین اس میں کام کرنا انتہائی معیوب سمجھتی تھیں۔ پھر آہستہ آہستہ عام گھرانوں کی خواتین نے بھی اس جانب رخ کیا۔ ابتدا میں جب فلمیں بنائی جاتی تھیں تو ان میں سماجی مسائل اور گھریلو کہانیوں کو استعمال کیا جاتا تھا، ان میں عشق و محبت ایک ثانوی حیثیت رکھتا تھا، بنیادی طور پر کسی سماجی یا گھریلو مسئلے پر فلم بنائی جاتی تھی۔ پھر آہستہ آہستہ سماجی موضوعات پس منظر میں چلے گئے اور محض عشق و محبت ، تفریح اور لچر پن پر مبنی فلمیں بنائی جانے لگیں۔ ابتدا میں فلموں میں دکھائی جانے والی خواتین نہ صرف مکمل لباس بلکہ سر پر دوپٹہ اور گھونگٹ وغیرہ بھی دکھایا جاتا تھا، پھر پہلے دوپٹہ غائب ہوا، اس کے بعد کپڑوں کا سائز کم ہوتا گیا، ہیروئن شلوار قمیص، ساڑھی سے ہٹ کر پینٹ شرٹ، پھر سکرٹ اور ٹی شرٹ، اس کے بعد منی اسکرٹ اور اب صورتحال یہ ہے کہ مختصر بلائوز اور انڈر ویئر میں ملبوس ہیروئن سکرین پر ہیرو کے ساتھ بوس و کنار میں مشغول یا سڑکوں اور کلبوں میں رقص کر رہی ہوتی ہے۔

ابتدا میں جب کسی فلم میں ہیروئن کی شلوار پنڈلی تک پہنچتی تھی یا اس کا لباس چست ہوتا تھا، تو لوگ ایسی فلمیں گھر والوں کے ساتھ بیٹھ کر دیکھتے

ہوئے شرماتے تھے، لوگ فلم منگوانے سے پہلے ویڈیو سینٹر والے سے پوچھا کرتے تھے کہ ’’ بھائی اس میں کوئی ایسا ویسا سین تو نہیں ہے؟ گھر والوں کے ساتھ بیٹھ کر دیکھ سکتے ہیں نا! ‘‘ لیکن اب مختصر بلاؤز اور انڈر ویئر میں ملبوس ہیروئن، خواب گاہ کے مناظر، بوس کنار اور شہوت انگیز مناظر سے بھرپور فلمیں کیبل کے ذریعے دکھائی جارہی ہیں اور تمام گھر والے ساتھ بیٹھ کر نہ صرف ایسی فلمیں دیکھ رہے ہیں بلکہ ان پر تبصرہ بھی کررہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آہستہ آہستہ ایسے مناظر دکھا کر لوگوں کو عادی بنا لیا گیا ہے۔

اب یہی کام ٹی وی چینلز بھی کررہے ہیں۔ وہ ایسے مناظر دکھا دکھا کر لوگوں کو عادی بنا رہے ہیں۔ ایک وقت آئے گا کہ لوگ سمجھیں گے یہ کوئی ایسی بری بات نہیں ہے۔ شرم وحیا کا پردہ چاک کیا جارہا ہے۔ رشتوں تقدس پامال کیا جارہا ہے۔ اس کے خلاف آواز اٹھانے کی ضرورت ہے۔ پیمرا کو خط لکھیے۔ اخبارات کو مراسلے بھیجیں، بلاگز لکھیں، جہاں جہاں آپ کی رسائی ہے، وہاں اس کے خلاف آواز اٹھائیں تاکہ اس سیلاب کے آگے بند باندھا جاسکے۔۔

الطاف حسین: پرچم جلانے سے پاکستان مردہ باد تک

22 اگست کو الطاف حسین کی طرف سے میڈیا ہاؤسز پر حملوں اور اشتعال انگیز، نفرت آمیز اور پاکستان مخالف تقریر اور نعروں کے بعد ایم کیو ایم ایک بھونچال کا شکار ہے۔ ابتداء میں الطاف حسین کے بیان کی وضاحت کرنے کی کوشش کی گئی، لیکن اس دفعہ میڈیا اور رینجرز الطاف حسین کو کوئی رعایت دینے کے موڈ میں نہیں تھے۔ (یہاں ہم نے قصداً نواز شریف حکومت کا نام نہیں لیا کیوں کہ اگر معاملہ اس کے ہاتھوں میں ہوتا تو وہ اس بار بھی سیاسی مصلحتوں کے تحت صرف زبانی جمع خرچ کرتی اور چوہدری نثار دو گھنٹے کی تقریر کرکے عوام کا دماغ کھاتے۔) ایم کیو ایم کے بیرسٹر سیف، مصطفیٰ عزیز آبادی وغیرہ نے پوری کوشش کی کہ مظلومیت کا رونا رو کر عوام کی ہمدردی حاصل کی جائے لیکن یہ داؤ ناکام ہوگیا۔ اس کے بعد معلوم ہوا کہ الطاف حسین نے اپنی متنازع تقریر اور پاکستان مخالف نعروں پر معافی مانگ لی ہے۔ بعد ازاں فاروق ستار، خواجہ اظہار الحسن اور عامر لیاقت کی گرفتاری و رہائی کے بعد فاروق ستار نے پریس کانفرنس میں گول مول انداز میں ایم کیو ایم لندن اور لاطاف حسین سے لاتعلقی کا اعلان کیا، لیکن کچھ ہی دیر بعد لندن میں موجود واسع جلیل نے واضح کردیا کہ ایم کیو ایم لندن ہی فیصلہ ساز ہے اور الطاف حسین بھائی ہی ہمارے قائد ہیں اور وہی سارے فیصلوں کی

توثیق کریں گے۔ علاوہ ازیں واسع جلیل نے بھی مظلومیت کا رونا رونے کی کوشش کی اور کہا کہ الطاف بھائی ذہنی دباؤ میں تھے، تناؤ کا شکار تھے، اس کیفیت کو سمجھیں، ان کو انسان سمجھیں اور انسان سے غلطی ہوجاتی ہے۔واسع جلیل صاحب ان کی تقریر کو غلطی کہہ رہے تھے لیکن انہوں نے یہ بتانے کی زحمت نہیں کی کہ معافی مانگنے کے بعد الطاف حسین نے امریکہ میں ایک اور اشتعال انگیز اور پاکستان مخالف تقریر کی ہے۔

واسع جلیل سمیت وہ تمام لوگ الطاف حسین کی تقریر کا دفاع اور ان کی غلطی کہہ رہے ہیں وہ سب ایک غدارِ وطن کو بچانے کی کوشش کر رہے ہیں۔اس کے علاوہ عوام بھی ایک بنیادی نکتہ فراموش کرچکے ہیں۔ وہ نکتہ یہ ہے کہ الطاف حسین پاکستان مخالفت تھے، ہیں اور رہیں گے۔ ان کا دفاع کرنے والوں کی خدمت میں الطاف حسین کی پاکستان مخالف سرگرمیوں کا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔

الطاف حسین نے سیاسی زندگی کے آغاز ہی پاکستان کا پرچم جلانے سے کیا تھا۔ یہ بات ہے اگست 1979 کی، جب الطاف حسین نے مزار قائد پر احتجاج کرتے ہوئے پاکستان کا 14 پرچم جلادیا۔ اس جرم کی پاداش میں انہیں 9 ماہ کی سزا سنائی تھی۔وقت گزرتا رہا، الطاف حسین نے اب اے پی ایم ایس او سے مہاجر قومی موومنٹ کی طرف پیش رفت کی اور 1984 میں مہاجر قومی موومنٹ کا قیام عمل میں

لایا گیا۔ 1987 میں حیدرآباد میں جلسے کے دوران الطاف حسین نے ایک بار پھر قومی پرچم نظرآتش کیا اور کہا کہ پاکستان بنانا ایک بہت بڑی غلطی تھی۔ اس وقت کے حیدرآباد کے جے سی او سابق ڈی جی رینجرز میجر جنرل (ر) صفدر علی خان کا کہ تھا کہ میں نے اس وقت کمشنر حیدرآباد سے کہا کہ وہ الطاف حسین کے خلاف کارروائی کریں، تاہم کمشنر حیدرآباد نے جواب دیا کہ جنرل ضیا الحق کا حکم ہے کہ ابھی ان کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جائے۔ یہ دوسرا موقع تھا کہ الطاف حسین اپنے پاکستان مخالف خیالات کا سرعام اظہار کیا۔

نوے کی دہائی کے آغاز میں جناح پور کی سازش تیار کی گئی، اس کے پہلے مرحلے میں کراچی شہر کو ایک قلعے کی شکل دیدی گئی ، شہر کی ہر گلی چاہے وہ چھوٹی ہو یا بڑی اس پر مضبوط آہنی دروازے نصب کیے گئے اور ان کا کنٹرول ایم کیو ایم کے رکنان کے پاس ہوتا تھا۔ بظاہر اس کو شہریوں کی حفاظت کا ایک اقدام کہا گیا لیکن درحقیقت اس طرح شہر کو ایک جنگی قلعے کی صورت دیدی گئی جہاں قانون نافذ کرنے والے اداروں کا داخلہ نہ ہوسکے، اس کے بعد یہ ہوتا رہا کہ ایم کیو ایم کے دہشت گرد تخریبی کارروائیوں کرکے گلیوں میں داخل ہوکر فرار ہوجاتے اور ان کے ساتھی گلی کے دروازے بند کردیتے تھے۔ ان اقدامات کے خلاف نواز شریف حکومت نے آپریشن کا آغاز کیا لیکن اندرونی طور پر الطاف حسین کو شہر سے نکلنے کا موقع فراہم کیا گیا اور 19 جون 1992 کے آپریشن پہلے الطاف

حسین عمرے کے بہانے ملک سے فرار ہوگئے اور اس کے بعد سے وہ تاحال پاکستان واپس نہیں آئے ہیں۔اس دروان میں میجر کلیم کا مشہور واقعہ منظر عام پر آیا اور الطاف حسین نے پاکستان توڑنے کے منصوبے پر کام شروع کردیا۔ تاہم ان کی خواہش پوری نہ ہو سکی۔

نواز شریف کی حکومت کے خاتمے کے بعد بے نظیر حکومت نے بھی ان کے خلاف آپریشن جاری رکھا، اس دور میں شہر کراچی بدترین دہشت گردی اور تشدد کا شکار رہا۔ آئے روز شہر میں لاشیں ملنے لگیں جن میں خصوصی طور پر پنجاب، اندرونِ سندھ سے تعلق رکھنے والے لوگوں اور پولیس و فوج کے اہل کاروں کو خصوصی طور پر نشانہ بنایا جاتا رہا۔ایک ہی دن میں بارہ بارہ اجتماعی قتل تک کی وارداتیں کی گئیں، پنجاب سے تعلق رکھنے والے مزدروں کو اغواکے بعد قتل کیا جاتا رہا۔ بے نظیر بھٹوکے دوسرے دورِ حکومت میں الطاف حسین نے ایک بار پھر پاکستان دشمنی کا ثبوت دیتے ہوئے بھارت سے مدد مانگی۔بے نظیر بھٹوکے اسی دور میں فیڈرل بی ایریاکے صغیر سینٹر میں ایم کیو ایم کے کارکنان کی طرف سے پاکستانی پرچم نظرآتش کیا گیا۔ ان غداروں کو گرفتار بھی کیا گیا، ان پر مقدمہ بھی قائم کیا گیاتاہم ان پر الزام ثابت نہیں کیا جاسکا اور نہ ہی کوئی ان کے خلاف گواہی کے لیے پیش ہوا جس کے باعث یہ غدار رہا ہوگئے اور رہائی کے بعد صغیر سینٹر میں برملا یہ کہتے پائے گئے کہ ہمارا کسی نے

کیا بگاڑ لیا۔ یہ تیسرا موقع تھا کہ ایم کیو ایم کی جانب سے پاکستانی پرچم نظر آتش کیا گیا۔
نومبر 2004 میں الطاف حسین نے بھارت کا دورہ کیا اور وہاں ایک تقریب میں تقریر کرتے ہوئے قیام پاکستان کو تاریخ کی عظیم غلطی قرار دیا، ساتھ ہی یہ سوال نما مطالبہ بھی کیا کہ اگر ہم آپ سے مدد مانگیں تو کیا ہماری مدد کروگے، انہوں نے بار بار یہ سوال دہرایا لیکن شرکاء کے جانب سے کوئی رد عمل ظاہر نہ ہونے پر یہ کہتے ہوئے خاموش ہوگئے کہ شاید میں نے غلط سوال کردیا۔ یہ چوتھا موقع تھا کہ انہوں نے کھل کر پاکستان کے خلاف اپنی نفرت کا اظہار کیا۔ لیکن پرویز مشرف کی جانب سے انہیں مکمل حمایت حاصل تھی جس کے باعث ان کے خالف کوئی کارروائی نہ ہو سکی، کارروائی تو دور کی بات ہے نام نہاد آزاد میڈیا نے سرے سے یہ اتنی بڑی خبر ہی گول کردی۔
جنرل مشرف کے دور میں انہوں نے کھل کر پاکستان مخالف سرگرمیاں کیں، کراچی میں دہشت گردی کا بازار گرم کیے رکھا، مخالفین کو دیوار سے لگایا جاتا رہا، جنرل مشرف کے دور میں ہی بارہ مئی 2004، بارہ مئی 2007 پیش آیا۔ جنرل مشرف ہی کے دور میں الطاف حسین نے کھل کر اسلام مخالف تقاریر بھی کیں، قادیانیوں کے حق میں بیانات بھی دیئے اور ان کے خلیفہ کے مرنے پر تعزیت کا اظہار بھی

کیا، شعائرِ اسلام اور علمائے کرام کا مذاق اڑایا لیکن حکومت سرپرستی اور میڈیا میں ان کے لیے نرم گوشہ ہونے کے باعث یہ ساری باتیں چھپی رہیں۔
اب گزشتہ ہفتے ان کی جانب سے ایک بار پھر پاکستان مردہ باد کے نعرے لگائے گئے، پاکستان توڑنے کی بات کی گئی، رینجرز کے رد عمل کے بعد ایک نام نہاد معافی مانگی گئی لیکن اس کے فوراً بعد امریکہ میں ایک اور نفرت آمیز تقریر کرکے پاکستان توڑنے کی خواہش کا اظہار کیا گیا، امریکہ، انڈیا حتیٰ کہ اسرائیل تک سے مدد مانگنے کی بات کی گئی۔ان تمام باتوں کا سرسری جائزہ لینے کے بعد یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کی سیاست 38 برسوں میں پاکستان مخالفت سے شروع ہو کر پاکستان مخالفت پر ہی رکی رہی۔ان کی ذہنیت، ان کی ملک دشمنی، ان کی اسلام بیزاری اول روز سے آج تک ویسی ہی ہے۔البتہ اصل میں تو یہ ایم کیو ایم کے ذمہ داران و کارکنان کے سوچنے کی بات ہے کہ وہ ایک ملت اور ملک کے غدار کے ساتھ کیوں تھے؟ اگرچہ فی الوقت انہوں نے الطاف حسین سے لاتعلقی کا اعلان کیا ہے، لیکن معذرت کے ساتھ یہ کہنا چاہوں گا کہ ابھی ان پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا کیوں کہ جب تک ان سے نرمی برتی گئی، موقع دیا جاتا رہا انہوں نے الطاف حسین کی اسلام مخالف پاکستان مخالف سرگرمیوں کے باوجود ان سے لاتعلقی کا اعلان نہیں کیا لیکن جب ان سے سختی سے برتی گئی ہے، ان کے خلاف سنجیدگی سے کارروائی کی جارہی ہے تو اب یہ لاتعلقی کا اعلان ایک سیاسی چال سے زیادہ

نہیں ہے۔

ملا فضل اللہ کو صفائی کا موقع دینا چاہیے

کالعدم تحریک طالبان پاکستان کے مفرور سربراہ ملا فضل اللہ کے بارے میں اخباری اطلاعات یہ کہتی ہیں کہ وہ افغانستان میں موجود ہیں۔ ملا فضل اللہ نے سوات میں اپنی ریڈیو نشریات جاری کیں، اپنی عدالتیں قائم کیں، بعد ازاں سوات میں حالات انتہائی خراب ہوگئے، فوجی آپریشن کے بعد وہ وہاں سے فرار ہوگئے۔ ان کی تحریر و تقریر پر پابندی عائد ہے۔ برقی و کاغذی ذرائع ابلاغ پر ان کا بیان چھاپنے و نشر کرنے کی سختی سے ممانعت ہے۔

کالعدم تحریک طالبان کے سربراہ نے پاکستان میں دہشت گردی کی کارروائیاں کی ہیں۔ ان دہشت گردی کی وارداتوں میں سینکڑوں بے گناہ افراد اپنی جان سے گئے ہیں۔ اگرچہ یہ جرائم بہت سنگین ہیں، لیکن سوچنے کی بات ہے کہ وہ بھی انسان ہے۔ اس کی بات نہیں سنی جارہی ہے، اسے اپنا موقف پیش نہیں کرنے دیا جارہا ہے، جس کی وجہ سے وہ ذہنی دباؤ اور تناؤ کا شکار ہے۔ اس ذہنی دباؤ اور تناؤ کی وجہ سے اس نے پاکستان میں تخریبی کارروائیاں کی ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اسے بھی انسان سمجھا جائے اور انسان سے غلطی ہوجاتی ہے، اس لیے اس کی ساری تخریب کاری کو انسانی غلطی سمجھ کر درگزر کرلینا چاہیے۔

میں ملا فضل اللہ کی ساری دہشت گردی اور تخریب کاری کی وارداتوں کی اوران میں ہزاروں افراد کی شہادت کی مذمت کرتا ہوں۔ میں ہرگز ہرگز اس کی دہشت گردی کی وارداتوں کی حمایت نہیں کر رہا اور نہ ہی اس کے حق میں کوئی بات کرنا چاہتا ہوں لیکن انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ اسے اپنا موقف پیش کرنے دیا جائے، انصاف یہ کہتا ہے کہ جس کو آپ نے ملزم نامزد کیا ہے، اس ملزم کو بھی صفائی کو موقع دیا جانا چاہیے۔

آپ تمام لوگوں کے لیے اوپر بیان کیے گئے میرے الفاظ انتہائی تکلیف کا باعث ہونگے۔ یہ ں آپ سب کی دل آزاری کی معذرت چاہتا ہوں، لیکن جو بات میں کہنا اور سمجھانا چاہتا ہوں وہ اس کے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتی ۔جب ملا فضل اللہ کا کے کسی بھی فعل کی کوئی توجیہہ نہیں پیش کی جا سکتی، جب ملا فضل اللہ کے جرائم کی حمایت نہیں کی جا سکتی، جبملا فضل اللہ کی حمایت کرنا قابل مذمت فعل ہے، تو پھر ایک ایسا فرد جو گزشتہ 37 برسوں سے پاکستان کے خلاف کام کر رہا ہے، جو دو بار پاکستان کا پرچم جلا چکا ہے، جو کئی بار پاکستان کے خلاف انڈیا سے مدد کی اپیل کر چکا ہے، جو نہ صرف انڈیا بلکہ امریکہ اور اسرئیل تک سے پاکستان کے خلاف کارروائی کا مطالبہ کر چکا ہے، جو قیام پاکستان کو ایک جرم قرار دیتا ہے، جو کہتا ہے کہ ہندوئوں ہم سے غلطی ہو گئی

ہمیں معاف کردو۔ جو ملک کے سب سے بڑے شہر پر ایک مافیا کی طرح راج کرتا رہا ہو، جس کے مسلح جنگجوئں نے شہر کراچی کو یرغمال بنا کر رکھا ہو، جس نے روشنیوں کے شہر کو تاریکیوں میں دھکیل دیا ہو، جس نے اپنے دہشت گردوں کے ذریعے ہزاروں بے گناہوں کو قتل کرایا ہوں، جو جناح پور کی ناکام سازش کرچکا ہے، جو کہتا ہے کہ پاکستان دنیاکے لیے ایک ناسور ہے، جو کہتا ہے کہ مجھے پاکستان نہیں چاہیے، جو اعلانیہ طور پر پاکستان مردہ باد کے نعرے لگاتا ہو اور جس کے عقل کے اندھے کارکنان اس کی اندھی تقلید میں یہ سب عمل کریں تو کیا اس کے بارے میں یہ کہنا ٹھیک ہوگا کہ وہ ذہنی دباؤ کا شکار ہے، تناؤ کی وجہ سے اس نے یہ نعرے لگائے؟ کیا اس کے جرائم کی توجیہ پیش کرنا قابل قبول ہوگا؟ کیا ایک شخص 37 برسوں سے ذہنی دباؤ اور تناؤ کا شکار ہے جو وہ پاکستان کے خلاف ہرزہ سرائی کرتا ہے؟

مجھے بتائیے کہ اگر کوئی فرد یہ کہے کہ ملا فضل اللہ کے موقف پیش کرنے پر پابندی درست نہیں اور اسے بھی اپنا موقف پیش کرنے کا موقع دینا چاہیے اور اسے بھی صفائی پیش کرنے کا موقع دینا چاہیے، تو یقیناً آپ اس سے اتفاق نہیں کریں گے بلکہ آپ یہی کہیں کہ ایسا شخص درحقیقت ملا فضل اللہ کا ہی ساتھی ہے۔ تو پھر وطن کے ایک غدار کے لیے یہ کہنا کہ اسے بھی صفائی کا موقع دیا جانا چاہیے کیا درست ہوگا؟ اور کیا ہمیں یہی نہیں سمجھنا چاہیے کہ غدار

وطن کی حمایت کرنے ولا، اس کے لیے نرم گوشہ رکھنے والا درحقیقت اسی غدار کا ہی ساتھی ہے۔جب غدار وطن خود کو چھپانے کی ضرورت محسوس نہیں کررہا تو اس کی حمایت کیوں کی جارہی ہے۔ وقت آگیا ہے کہ قوم بالخصوص اہلِ سندھ ان غداروں اور اس کے ٹولے کو پہچانیں اور ان کے چنگل سے نکل جائیں۔ یہ غداروں کا ٹولہ اب بھی اپنے سرغنہ کو بچانے کی کوشش کررہا ہے۔یہ ٹولہ اب بھی قوم کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش میں مصروف ہے۔ لیکن قوم ہوشیار رہے اور اس سانپ کو اب دوبارہ پھن اٹھانے کا موقع نہ دے۔

مضمون کے آغاز میں بیان کیے گئے میرے الفاظ سے آپ لوگوں کو جو تکلیف پہنچی ہے اس کے لیے ایک بار پھر دست بستہ آپ سے معافی کی درخواست ہے۔

پاکستان زندہ باد

پاکستان پائندہ باد

گرتی ہوئی دیواروں کو

ایک دھکا اور دو

ملک کے غداروں کو

ایک دھکا اور دو

لبرل طبقہ اور پاکستان دشمنی کی تاریخ

دہشت گرد، صرف دہشت گرد ہوتا ہے۔ غدار صرف غدار ہوتا ہے۔ ہم کہتے تو یہی ہیں کہ دہشت گرد کا کوئی مذہب نہیں ہوتا لیکن اگر کوئی فرد مذہب کا لبادہ اوڑھ کر دہشت گردی کرے تو سارے دین بیزار اس ایک فرد کی آڑ میں سارے مذہبی طبقے کو معطون کریں، دین اسلام پر حملے کریں، تمام دینی و مذہبی جماعتوں کو تنقید کا نشانہ بنایا جائے لیکن جب کوئی لبرل اور سیکولر ذہن کا فرد دہشت گردی کرے، وہ ملک کے خلاف سازشیں کرے، اعلانیہ طور پر ملک دشمن سرگرمیاں کرے تو اس کو سیاسی لیڈر اور سیاسی مسئلہ کہہ کر اس کی حمایت کی جاتی ہے۔

مذہبی طبقے کی جانب سے آج تک علیحدگی کی کوئی تحریک نہیں چلائی گئی، کبھی ان کی طرف سے پاکستان کے خلاف کسی ملک سے مدد نہیں مانگی گئی، کبھی ان کی جانب سے پاکستان مردہ باد کا نعرہ نہیں لگایا گیا۔ لیکن سیکولر لبرل طبقہ اور سیکولر میڈیا اس کے بارے میں ایسا تاثر دیتا ہے کہ گویا کہ یہ ملک کے غدار ہیں، امت کے غدار ہیں، اور ملک کے سارے مسائل کی جڑ یہی ہیں۔ اس کے برعکس سیکولر لبرل طبقہ اول روز سے ہی اقتدار پر قابض ہے۔ ملکی خزانہ لوٹنے کی بات ہو، یا کرپشن کا معاملہ، مفاد پرستی کی سیاست ہو یا علیحدگی کی

تحریکیں ان سب کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ اس میں سیکولر اور دین بیزار لبرل طبقے کا ہاتھ رہا ہے۔ سندھو دیش کی تحریک چلانے والے جی ایم سید نام کے مسلمان لیکن نظریاتی اور عملی طور پر کمیونسٹ اور سیاسی طور پر علیحدگی پسند تھے۔ پاکستان کو دو لخت کرنے والے بنگلہ دیش کے بانی شیخ مجیب الرحمٰن بھی کسی مذہبی جماعت سے تعلق نہیں رکھتے تھے بلکہ وہ بھی سیکولر طبقے سے تعلق رکھتے تھے اور سیاسی طور پر علیحدگی پسند تھے۔ اِدھر ہم اُدھر تم کا نعرہ لگانے والے ذوالفقار علی بھٹو بھی سوشلسٹ نظریات کے حامل تھے۔ پاکستان سے فرار ہو کر برطانیہ میں بیٹھے ہوئے براہمداغ بگٹی کا تعلق بھی کسی مذہبی گروہ سے نہیں ہے بلکہ وہ بھی سیکولر نظریات کے حامل ہیں۔ بلوچستان میں علیحدگی کی تحریک چلانے والی بلوچ لبریشن آرمی بھی قوم پرست ہے، اس کا تعلق بھی کسی مذہبی یا دینی جماعت سے نہیں ہے۔ گریٹر پختونستان کے حامی باچا خان اور ان کے پیروکار بھی مذہبی طبقے سے نہیں بلکہ وہ بھی سیکولر طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ الطاف حسین بھی سیکولر اور لادین نظریات کے حامل ہیں، وہ اس وقت پاکستان میں لبرل طبقے کے روحانی باپ کا درجہ رکھتے ہیں، ان کی پاکستان دشمنی اور علیحدگی پسندگی اب کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں رہی، اپنی سیاست کے آغاز سے اب تک وہ علیحدگی اور پاکستان دشمنی پر قائم ہیں۔ گلگت بلتستان میں علیحدگی کی تحریک چلانے والے بابا جان کا تعلق بھی لبرل سیکولر طبقے سے ہے۔

یہاں ہم نے ان چیدہ چیدہ سیاستدانوں کے نام لکھے ہیں جن کی پاکستان دشمنی اور علیحدگی پسندی کسی سے بھی ڈھکی چھپی نہیں ہے۔جب کہ ان جیسے سینکڑوں اور بھی ہیں۔اس کے مقابلے میں آپ کسی بھی مذہبی ، دینی جماعت ، ان کی سیاست اور ان کے رہنمائوں کا جائزہ لیں تو ڈھونڈنے سے بھی کبھی ان کا پاکستان کے خلاف کوئی بیان، کوئی اقدام نظر نہیں آئے گا، نہ ہی ان کی جانب سے کبھی بھی علیحدگی کی بات کی گئ ہے۔ لیکن المیہ یہ ہے کہ ذرائع ابلاغ پر قابض دین بیزار طبقہ ان سارے افراد اور ان کے پیروکاروں کو تو سیاسی کارکنان، سیاسی رہنما، سیاسی قیدی کہہ کر ان کی حمایت کرتا ہے لیکن مذہبی طبقے اور دینی جماعتوں کے بارے میں ایسا تاثر دیتا ہے گویا کہ ملک کے سارے مسائل کے ذمہ دار یہی لوگ ہیں۔ میرے خیال میں اب یہ ڈرامہ بند ہونا چاہیے، عوام کو یہ سمجھنا چاہیے کہ کون ملک کے ساتھ مخلص ہے اور کون ملک کا غدار اور ملک دشمن ہے، ان غداروں، ان کے پیروکاروں اور ان کے حامیوں کو پہچانے اور ان کا محاسبہ کرے۔جب کہ لبرل طبقے سے ہماری گزارش ہے کہ اب دینی جماعتوں کے خلاف اپنا چورن بیچنا بند کریں، عوام کو آنکھوں میں دھول جھونکنے کے بجائے اب وہ لوگوں کو حقائق بتائیں کہ ملک کو تباہ و برباد کرنے والے اور کرپشن کی دلدل میں دھکیلنے والا مذہبی طبقہ نہیں ہے بلکہ یہی دین بیزار طبقہ ہے۔

حج: اللہ کے جانب سے اپنے دوست کے لیے تحفہ

ماہِ ذی الحج کا آغاز ہو چکا ہے۔ ۱۰ ذی الحج کو پوری دنیا کے مسلمان قربانی کی رسم ادا کریں گے۔ جب بھی حج اور قربانی کا ذکر آئے گا تو حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ کا ذکر ضرور آئے گا۔ البتہ لوگ اس حوالے سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر محض ان کے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی کے ذکر تک ہی محدود رہتا ہے۔ حالانکہ اگر دیکھا جائے تو پورا حج ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے دوست ابراہیم خلیل اللہ کی جانب سے دی گئی مختلف قربانیوں کی یادگار ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل اللہ کہا جاتا ہے۔ خلیل اللہ یعنی اللہ کا دوست۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ساری زندگی اللہ کی بندگی اور اللہ کی خاطر قربانیوں میں گزری ہے۔ ان کی قربانیوں کی وجہ سے ہی اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے دوست کا خطاب دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلی قربانی نوعمری میں ہی دی۔ ان کی پہلی قربانی اپنے عقائد و نظریات کی قربانی تھی۔ خاندان کی روایات اور آبائی مذہب سے بے زاری ان کی پہلی قربانی تھی۔ یہ قربانی بہت بڑی قربانی تھی کیوں کہ اول تو انسان کے لیے اپنے نظریات سے دستبردار ہونا بہت مشکل ہوتا ہے۔ خاندان اور معاشرے سے بغاوت کرنا بہت جرات کی بات ہوتی

ہے، لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ قربانی دی، انہوں نے ببانگ دہل یہ اعلان کیا کہ میں تمہارے ان معبودوں سے بے زار ہوں۔ پوری جرات سے یہ کہا کہ انسانوں کے ہاتھوں کے تراشے ہوئے بت انسان کو کوئی نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتے، ان کی عبادت کرنا چھوڑ دو۔

اس کے بعد دوسری قربانی انہوں نے اپنی جان کی دی۔ آپ لوگ حیران ہونگے کہ حضرت ابراہیم علیہ نے اپنی جان کی قربانی کب دی؟ یہ بات ابھی آپ لوگوں کو سمجھ آجائے گی۔ بات صرف مخالفت تک محدود نہیں رہی بلکہ اس سے بڑھ کر انہوں نے ایک اور قدم اٹھایا کہ ان جھوٹے معبودوں کو صرف زبان سے ہی جھوٹا نہیں کہا بلکہ عملی طور پر ان کو نقصان پہنچایا اور جب لوگوں نے حضرت ابراہیمؑ سے پوچھا کہ تم نے ہمارے معبودوں کو نقصان کیوں پہنچایا تو جواباً انہوں نے سوال کیا کہ یہ بات تم لوگ بڑے بت سے کیوں نہیں پوچھتے؟ کلہاڑا تو اس کے کاندھے پر ہے۔ یہ سن کر ان کی قوم کے لوگ بولے کہ ابراہیم (علیہ السلام) تم یہ کیسی باتیں کرتے ہو، یہ بت تو نہ بول سکتے ہیں، نہ سن سکتے، نہ دیکھ سکتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے جواب دیا کہ جو نہ بول سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں، نہ دیکھ سکت ہیں، جو اپنی حفاظت نہیں کر سکتے تو یہ تمھیں کیا نفع یا، نقصان پہنچائیں گے۔ بات تو معقول تھی لیکن عقل کے اندھے جب لاجواب ہوگئے تو انہیں بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا۔

بادشاہ نے پوچھا ابراہیم (علیہ السلام) تمھارا رب کون ہے؟ آپؑ نے جواب دیا کہ میرا رب وہ ہے جو زندوں کو مارتا ہے اور مردوں کو زندہ کرتا ہے۔ نمرود نے کہا یہ کام تو میں بھی کر سکتا ہوں۔ اس کے بعد اس نے سزائے موت کے ایک مجرم کو معاف کر دیا اور ایک بے گناہ شخص کو قتل کر کے کہا دیکھو جو مرنے والا تھا اسے میں نے زندگی دیدی اور جو زندہ تھا اسے میں نے مار دیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے کہا میرا رب تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے، اگر تو رب ہے تو اسے مغرب سے نکال کے دکھا۔ بات تو یہ بھی معقول تھی ، لیکن ہٹ دھرم اور نا معقول لوگ ایسے موقع پر مزید ضد میں آ جاتے ہیں ۔ نمرود نے ایک عظیم الشان آگ بھڑکانے کا حکم دیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس آگ میں ڈال دیا گیا۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جانب سے پیش کی گئی دوسری قربانی تھی۔ یہ ان کی قربانی جان کی قربانی تھی ۔ کیوں کہ ان کو آگ میں ڈالنے تک انہیں نہیں پتا تھا کہ آگے کیا ہوگا؟ انہوں نے اپنی جانب سے اللہ کی خاطر آگ میں جلنا گوارہ کرلیا، انہوں نے تو اپنی جانب سے اپنی جان اللہ کی راہ میں قربان کردی تھی، یہ تو رب کی رحمت تھی جس نے اپنے دوست کو اس آگ میں بھی محفوظ رکھا۔

جب آگ کا الاؤ ان کے لیے گلزار بن گیا اور وہ اس میں سے بحفاظت باہر آ گئے

تو ان کی قوم نے انہیں اپنے شہر میں رہنے نہیں دیا، انہیں مجبور کیا گیا کہ وہ اس شہر کو چھوڑ کر چلے جائیں۔ اپنے وطن کو چھوڑنا انسان کے لیے بہت مشکل کام ہوتا ہے۔ لیکن حضرت ابراھیم علیہ السلام نے رب کی خاطر یہ کام بھی کیا اور ایک بار پھر قربانی پیش کی۔ یہ قربانی عزیز واقارب، والدین، دوست احباب اور وطن کو چھوڑنے کی قربانی تھی۔ یہ کام انتہائی مشکل ہوتا ہے لیکن حضرت ابراھیم علیہ السلام نے یہ کام کیا۔ یہ ان کی جانب سے پیش کی گئی تیسری قربانی تھی۔

اب دیکھتے ہیں انہوں نے چوتھی قربانی کیسے پیش کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر بہت زیادہ ہو چکی تھی، لیکن کوئی اولاد نہیں تھی، انہوں نے رب سے اولاد کی دعا مانگی، دعا قبول ہوتی ہے، اللہ تعالٰی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی صورت میں انہیں ایک فرزند عطا کرتے ہیں۔ ابھی حضرت ابراہیم علیہ السلام شیر خوار ہی تھے کہ اللہ تعالٰی کی جانب سے حکم ہوتا ہے کہ ابراہیم اپنی بیوی اور بچے کو صحرا میں چھوڑ آؤ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک بار پھر سر تسلیم خم کرتے ہیں ۔ اپنی بیوی اور شیر خوار بچے کو ساتھ لیتے ہیں ایک بے آب گیاہ، لق ودق صحرا میں چھوڑ آتے ہیں۔ بیوی بھی ان کی طرح رب کی رضا میں راضی ہیں اور کوئی سوال کیے بغیر وہ صحرا میں بیٹھ جاتی ہیں۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جانب سے اللہ کی راہ میں پیش کی گئی چوتھی

قربانی تھی۔

وقت گزرتا رہا۔ وہ شیر خوار بچہ جسے اللہ کے حکم سے صحرا میں چھوڑ آئے تھے، اب ایک نو عمر لڑکا تھا، باپ کے بڑھاپے کا سہارا، اور دین کے کاموں میں ان کا مددگار تھا۔ لیکن اللہ کی طرف سے حکم ہوتا ہے کہ اپنی عزیز ترین چیز کو اللہ کی راہ میں قربان کر دو۔ حضرت ابراہیمؑ سمجھ جاتے ہیں کہ عزیز ترین چیز سے مراد ان کی اولاد ہے۔ وہ اطاعت گزار بیٹے سے اس بات کا ذکر کرتے ہیں۔ وفا شعار بیٹا کہتا ہے مرحبا ابا جان، اگر یہ اللہ کا حکم ہے تو پھر دیر نہ کیجیے۔ حضرت ابراہیمؑ بیٹے کو قربانی کے لیے لے کر روانہ ہوتے ہیں، راستے میں بار بار شیطان انہیں بہکاتا ہے اور اس کام سے باز رکھنے کی کوشش کرتا ہے لیکن حضرت ابراہیمؑ اس کو کنکریاں مار کر بھگا دیتے ہیں۔

اور پھر وہ وقت آیا کہ باپ نے اپنے عزیز اور چہیتے بیٹے کو قربان کرنے کے لیے لٹایا، زمین اور آسمان حیرت میں ہیں کہ ایسا منظر انہوں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ قربان جایئے ان باپ بیٹوں پر کہ باپ قربان کرنے کے لیے تیار ہے اور بیٹا کہتا ہے کہ ابا جان مجھے قربان کرنے سے پہلے میرے ہاتھ پاؤں مضبوطی سے باندھ لیجیے مبادا میں موت کے خوف سے مزاحمت کروں اور نافرمانوں میں شمار ہو جاؤں، اور اس کے بعد آپ اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ لیجیے کہ کہیں

شفقت پدری اللہ کے حکم پر غالب نہ آجائے اور میری صورت دیکھ کر آپ اپنے ارادے پر عمل نہ کر سکیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہی کام کیا۔ آنکھوں پر پٹی باندھ کر انہوں نے بیٹے کے سینے پر گھٹنا رکھا اور گردن پر چھری چلا دی، چھری چلانے کے بعد جب انہوں نے دیکھا تو معلوم ہوا کہ بیٹا تو سلامت ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی جگہ جنت سے ایک مینڈھا بھیج دیا تھا۔ یہ ان کی جانب سے پانچویں اور عظیم قربانی تھی۔ یہاں بہت سے لوگوں کو غلط فہمی ہو جاتی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے چھری پھیرنے کا ارادہ کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے نے مینڈھا بھیج دیا۔ یہ بات اسرائیلیات سے آئی ہے اور بالکل غلط ہے، کیوں کہ مینڈھے کو دیکھ کر اس کو قربان کرنا تو کوئی قربانی نہیں تھی، بلکہ انہوں نے نے آنکھیں بند کر کے بیٹے کی گردن پر چھری پھیر دی تھی، انہوں نے اپنی جانب سے رب کی رضا کے لیے اپنے بیٹے کو قربان کر دیا تھا۔ اس لیے یہ سمجھنا کہ ان کے چھری پھیرنے سے پہلے ہی مینڈھا بھیج دیا گیا تھا، بالکل غلط ہے۔ اس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پانچویں قربانی اپنے چہیتے بیٹے کی قربانی کی صورت میں پیش کی۔

وقت گزرتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کے حکم سے کعبے کی تعمیر کرتے ہیں۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ان کے ساتھ ساتھ ہیں۔ یہی کعبے بعد ازاں تمام دنیا کے لوگوں کے لیے عقیدت و احترام کا مرکز ٹھہرا اور زمانہ قدیم سے

ہی لوگ اس کی زیارت کے لیے آنے لگے۔ مسلمانوں کی عظیم الشان عبادت اور اسلام کا پانچواں رکن حج بھی یہیں ادا کیا جاتا ہے۔ اب آخر میں یہ جائزہ لیتے ہیں کہ حج و قربانی اللہ کی جانب سے اپنے دوست کے لیے انعام کیسے ہے؟

حج اور قربانی کے تمام ہی امور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے اہل خانہ کی جانب سے اللہ تعالی کی خوشنودی اور رضا کے لیے کیے گئے اعمال کی یادگار ہیں اور اللہ تعالی نے اسے قیامت تک کے لیے لوگوں کے لیے یادگار بنا دیا ہے۔ سب سے پہلے یہ دیکھیں کہ حج مکہ میں ادا کیا جاتا ہے جو کہ حضرت حاجرہ کو صحرا میں چھوڑنے کے بعد زم زم کا چشمہ جاری ہونے کے بعد رفتہ رفتہ آباد ہوا۔ قبیلہ بنی جرہم سب سے پہلے یہاں حضرت حاجرہ کی اجازت سے آباد ہوا۔

اس میں کعبے کا طواف کیا جاتا ہے، کعبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے تعمیر کیا تھا۔ حج ارکین میں صفا و مروہ کی سعی شامل ہے۔ یہ حضرت حاجرہ کے اس عمل کی یادگار ہے جب وہ پانی کی تلاش میں کبھی صفا پہاڑ پر چڑھ کر دیکھتیں کہ کہیں کوئی قافلہ، کوئی پانی کا نشان نظر آئے، اس کے بعد انہیں خیال آتا کہ بچہ اکیلا ہے کوئی صحرائی جانور اسے نقصان نہ پہنچا دے، یہ سوچ کر وہ نیچے آتیں، پھر دوسرے پہاڑ کر چڑھ کر دیکھتیں کہ شاید کہیں کوئی قافلہ، یا پانی کا کوئی نشان نظر آئے۔ اللہ

تعالیٰ نے ان کا عمل قیامت تک کے لوگوں کے لیے محفوظ کرلیا۔

حج کے دوران شیطان کو کنکریاں ماری جاتی ہیں۔ یہ اس عمل کی یادگار ہیں جب شیطان نے حضرت ابراھیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو قربانی سے باز رکھنے کے لیے بار بار بہکانے کی کوشش کی تھی اور انہوں نے اسے دھتکارا تھا۔ آخر میں حجاج کرام جانور کی قربانی کرتے ہیں۔ یہ تو سب جانتے ہیں کہ یہ عمل حضرت ابراھیم علیہ السلام کی جانب سے اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے کی یادگار ہے۔ حج کے موقع پر حاجی آب زم زم کو تبرک کے طور پر لاتے ہیں۔ زم زم وہ چشمہ ہے جو صحرا میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی جانب سے پیاس کی شدت سے ایڑیاں رگڑنے پراللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اپناپر مار کرجاری کیا تھا۔ یہ چشمہ بھی حضرت ابراھیم علیہ السلام کی طرف سے اللہ کے لیے پیش کی جانے والی قربانیوں میں سے ایک قربانی کی یادگار ہے۔

حضرت ابراھیم علییہ السلام کی قربانیوں کواللہ تعالیٰ نے رائیگاں نہیں جانے دیا بلکہ انہیں قیامت تک کے لیے محفوظ کرلیا۔ حضرت ابراھیم علیہ السلام کو خلیل اللہ کا اعزاز بخشا۔ اگر آج بھی ہم مسلمان حضرت ابراھیم علیہ السلام جیسا خالص اور بے لوث جذبہ قربانی پیدا کریں تو اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور

برکتیں ہم پر بھی نازل ہو سکتی ہیں لیکن ضرورت اخلاص نیت اور فنا فی اللہ کا جذبہ بیدار کرنے کی ہے۔

آج بھی ہو جو ابراہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

حق بھی خیرات کی طرح دیا جارہا ہے

جی ہاں ! اب پاکستان کے عوام کا یہی حال ہے کہ انہیں ان کا بنیادی حق بھی خیرات اور انعام کے طور پر دیا جاتا ہے۔ یہ بات کہنے ضرورت اس لیے پیش آئی کہ ۱۲ ستمبر کو عید الاضحیٰ سے ایک دن پہلے ایک ٹی وی چینل پر یہ خبر سنی کہ وزارتِ پانی و بجلی کی جانب سے یہ اعلان کیا گیا ہے کہ عید کے تینوں دن تک لوڈ شیڈنگ نہیں کی جائے گی اور عوام کو عید کے تینوں دن بلا تعطل بجلی فراہم کی جائے گی۔

یہ تو بعد کی بات ہے کہ اس پر کتنا عمل ہوتا ہے اور کتنے دن لوڈ شیڈنگ نہیں کی جاتی لیکن افسوس ناک بات یہ ہے کہ اب پاکستان کے عوام کو ان کا حق بھی انعام یا خیرات کے طور پر دیا جارہا ہے۔ اس خبر سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حکمرانوں کے نزدیک عوام کو بلا تعطل بجلی فراہم کرنا بھی گویا کہ کوئی عیاشی والی بات ہے اس لیے عوام کو یہ عیاشی فراہم کرنے کا باقاعدہ اعلان کیا گیا۔ پاکستان میں موجود ۲۰ سے ۲۲ سال کی عمر کے نوجوانوں نے تو بچپن سے ہی لوڈ شیڈنگ کا عذاب دیکھا ہوگا کیوں کہ پاکستان میں لوڈ شیڈنگ کا عذاب کم و بیش ۱۰ سال شروع ہوا جب یہ نوجوان بچے ہوں گے لیکن اس سے پہلے پاکستان میں لوڈ شیڈنگ کا نام و نشان نہیں تھا۔ عوام کو ۲۴ گھنٹے بلا تعطل

بجلی فراہم کی جاتی تھی اِلا یہ کہ کسی خرابی یا حادثے کی صورت میں بجلی منقطع ہو جائے۔ اس کے علاوہ بجلی بند نہیں کی جاتی تھی۔

لیکن جنرل مشرف کے دور میں بجلی کی لوڈ شیڈنگ شروع کی گئی۔ انہیں کے دور میں گیس کا پریشر کم کیا گیا، اسی دور میں گیس کی لوڈ شیڈنگ بھی شروع کی گئی جو کہ اب تک جاری ہے۔ عوام کو بڑے شاطرانہ طریقے سے لوڈ شیڈنگ کے لیے ذہنی طور پر تیار کیا گیا۔ سب سے پہلے اچانک لوڈ شیڈنگ شروع کر دی گئی اور یہ لوڈ شیڈنگ ایک یا دو گھنٹے کی نہیں بلکہ ۸، ۸ اور ۱۲، ۱۲ گھنٹے پر محیط ہوتی تھی۔ اس کے بعد عوام کے احتجاج، توڑ پھوڑ کے بعد انہیں یہ مژدہ سنایا گیا کہ فی الوقت لوڈ شیڈنگ میں کمی ممکن نہیں۔ یہ مژدہ جانفزا سن کر عوام نے خود ہی کہا کہ اچھا لوڈ شیڈنگ کریں لیکن کم از کم غیر اعلانیہ لوڈ شیڈنگ تو نہ کریں، اتنی زیادہ لوڈ شیڈنگ نہ کریں بلکہ کچھ کم کر دیں۔ اس کے بعد اب یہ صورتحال ہے کہ روزانہ کم از کم دس سے بارہ گھنٹے کی لوڈ شیڈنگ کی جا رہی ہے جب کہ بجلی کی عدم فراہمی کی صورت میں عوام نے اس کے متبادل کے طور پر یو پی ایس، جنریٹر اور ریچارج ایبل پنکھے اور لائٹس کا استعمال شروع کر دیا۔ اس طرح ایک طرف توان کی جیب پر اس کا بوجھ پڑا دوسری جانب ان آلات کو ری چارج کرنے کے لیے بجلی استعمال کرنے کی صورت میں بجلی کا خرچ بھی بڑھ گیا لیکن عوام اس کو اپنا مقدر سمجھ کر خاموش ہیں۔

سوئی گیس جنرل مشرف کے دور سے قبل بلا تعطل اور پورے پریشر کے ساتھ فراہم کی جاتی تھی لیکن جنرل مشرف کے دور میں اندھا دھند گیس اسٹیشنز کے لائسنس بانٹے گئے، جس کے نتیجے میں بجلی کے ساتھ ساتھ گیس کا بحران بھی پیدا ہوگیا۔ اگرچہ اس پر کافی حد تک قابو پالیا گیا لیکن گھریلو صارفین کے ساتھ یہ زیادتی کی گئی ہے کہ اب انہیں گیس کا پورا پریشر فراہم نہیں کیا جارہا ہے جب کہ دوسرا ظلم یہ ہے کہ جمعہ، اتوار اور سرکاری تعطیلات پر بالخصوص گیس کا پریشر مزید کم کردیا جاتا ہے جس کے باعث انہیں کھانا بنانے میں شدید مشکلات پیش آتی ہیں۔ گیس کی لوڈ شیڈنگ کے باعث عوام کو ایک اضافی خرچ ,برداشت کرنا پڑ رہا ہے اور وہ خرچ ہوٹلوں اور تندوروں سے روٹی منگوانا۔ کم از کم کراچی کی حد تک ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ عوام کے اوپر یہ اضافی خرچ ہے کیوں کہ گیس کی لوڈ شیڈنگ کے باعث جب کھانا پکانے میں دیر ہونے لگی ہے تو اب گھروں میں صرف سالن بنا کر روٹی باہر سے منگوائی جاتی ہے اور اس طرح عوام کو اب اس کا خرچ بھی ,برداشت کرنا پڑ رہا ہے۔

گزشتہ حکومت سے تو عوام کو کوئی امید نہیں تھی لیکن موجودہ حکومت کے انتخابی وعدوں میں سے ایک وعدہ بجلی کی لوڈ شیڈنگ کا خاتمہ بھی تھا لیکن ,بر سر اقتدار آنے کے بعد پہلے ایک سال میں لوڈ شیڈنگ ختم کرنے کا وعدہ کیا

گیا، پھر دو سال میں اور اب کہا جارہا ہے کہ ۲۰۱۸ میں لوڈ شیڈنگ ختم کر دی جائے گی۔
یاد رہے کہ ۲۰۱۸ میں ہی ان کی حکومت ختم ہو جائے گی، یعنی جب ۲۰۱۸ میں ان سے لوڈ شیڈنگ کے خاتمے کا کہا جائے گا تو اس وقت ان کی مدت ختم ہو جائے گی اور یہ عوام کو بے وقوف بناتے ہوئے دوبارہ اس بنیاد پر ووٹ لینے کی کوشش کریں گے۔
بہر حال ہماری حکومت سے گزارش ہے کہ اگر بجلی اور گیس کی لوڈ شیڈنگ ختم نہیں کر سکتے تو کم از کم اس طرح کے اعلانات کر کے ان زخموں پر نمک تو نہ چھڑکیں۔

یہ غدّار کون ہے؟ مذہبی یا لبرل سیکولر

گزشتہ دنوں ہم نے لبرلز کی پاکستان دشمنی کے حوالے سے ایک مختصر مضمون لکھا تھا۔ اس مضمون میں ایک نام براہمداغ بگٹی کا بھی تھا۔ براہمداغ بگٹی آزاد بلوچستان کی تحریک چلا رہے ہیں اور اس وقت ملک سے فرار ہیں۔ یہ علیحدگی پسند رہنما ہیں ۔ واضح رہے کہ براھمداغ بگٹی کا تعلق کسی مذہبی یا دینی جماعت سے نہیں ہے بلکہ یہ بھی قوم پرست رہنما ہیں اور سیکولر ذہن اور خیالات رکھتے ہیں۔اس کو واضح کرنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ سند رہے اور بوقتِ ضرورت کام آئے کیوں کہ لبرل سیکولر طبقہ ایک عرصے سے مذہبی طبقے کے خلاف اپنا چورن بیچ رہا ہے اور عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکتے ہوئے یہ دھوکا دینے کی کوشش میں مصروف ہے کہ پاکستان کے تمام مسائل کا ذمہ دارہ مذہبی طبقہ ہے جب کہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔

بلوچ ری پبلکن پارٹی کے خود ساختہ جلا وطن رہنما براہمداغ بگٹی 2006 میں اکبر بگٹی کے قتل کے بعد افغانستان فرار ہوگئے تھے، کم و بیش چار سال افغانستان میں گزارنے کے بعد اکتوبر 2010 میں وہ سوئٹزرلینڈ چلے گئے اور چند ماہ بعد فروری 2011 میں وہاں انہوں نے سیاسی پناہ کی درخواست دیدی تھی۔

جنوری 2016 میں براہمداغ بگٹی کی سوئٹزر لینڈ میں سیاسی پناہ کی درخواست مسترد ہونے کے بعد انہوں نے بھارت سے اپنے رابطے بڑھائے اور بھارتی حکام سے سلسلہ جنبانی شروع کیا گیا۔ پاکستان کا ازلی دشمن بھارت ایسے کسی موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتا، اس لیے اس نے براہمداغ بگٹی کو حمایت کا یقین دلایا۔ مودی حکومت نے اس کے بعد سے ہی بلوچستان میں اپنے رابطے بڑھائے۔ قارئین کو یاد ہوگا کہ چند ماہ قبل بلوچستان سے ہی انڈین نیوی کا ملازم ایک بھارتی جاسوس گرفتار بھی کیا گیا ہے۔ براھمداغ بگٹی سے معاملات طے ہونے کے بعد سے ہی اچانک کچھ عرصے سے بھارتی وزیراعظم نریندر مودی نے بلوچستان کے حوالے سے بیان بازی شروع کردی۔ دراصل اس بیان بازی کے پیچھے انہی غداروں کا ہاتھ تھا۔

اگرچہ براہمداغ بگٹی کی سوئٹزر لینڈ میں پناہ کی درخواست جنوری میں ہی مسترد ہو گئی تھی لیکن انہوں نے اس کو چھپایا اور یہ ظاہر کیا کہ یہ پاکستانی حکومت اور ایجنسیوں کا پروپیگنڈا ہے۔ اب تازہ ترین صورتحال یہ ہے کہ سوئٹزر لینڈ میں سیاسی پناہ کی درخواست مسترد ہونے کے بعد انہوں نے بھارت کو سیاسی پناہ کی درخواست دی ہے اور بھارت ان کو بھارتی شہریت دینے کا اصولی فیصلہ کرلیا ہے۔ بھارتی شہریت ملنے کے بعد یہ پوری دنیا میں آزادانہ طور پر سفر کرسکیں گے۔ ان کا بھارتی شہریت دینے کا مقصد یہ ہے کہ اس طرح وہ بھارت کے

پے رول پر کام کرتے ہوئے پوری دنیا میں پاکستان کے خلاف مہم چلا سکیں۔براہمداغ بگٹی کے بھارت سے تمام معاملات طے پاچکے ہیں۔ 18 یا 19 ستمبر کو وہ سوئٹزر لینڈ میں بھارتی مشن کو باضابطہ طور پر بھارتی شہریت اور پاسپورٹ کے لیے درخواست دیں گے۔ بھارتی حکومت ان کو بالکل اسی طرح استعمال کرے گی جس طرح چین کے خلاف دلائی لامہ کو استعمال کیا جارہا ہے۔

.براہمداغ بگٹی کے ساتھ ان کے 15 قریبی ساتھیوں کو بھی بھارتی شہریت اور پاسپورٹ سے نوازا جائے گا۔جو لوگ پاکستان کے ازلی دشمن بھارت سے مدد مانگیں کیا وہ لوگ پاکستان کے دوست یا خیر خواہ ہو سکتے ہیں؟ نہیں کبھی نہیں۔ لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ علیحدگی کی تحریکیں چلانے والے، پاکستان کو دولخت کرنے والے، پاکستان کی مخالفت کرنے والے، جناح پور، سندھو دیش اور گریٹر پختونستان کی تحریکیں چلانے والے، پاکستان مردہ باد کے نعرے لگانے والوں کا تعلق ہمیشہ قوم پرست، لبرل اور سیکولر طبقے سے ہی رہا ہے۔ یہ ایک تلخ حقیقت ہے لیکن افسوس کا مقام ہے یہ ہے کہ سیکولر لبرل طبقہ بڑی ہوشیاری سے پاکستان کے تمام مسائل کو مذہبی جماعتوں، مذہبی طبقے کے کھاتے میں ڈال دیتا ہے جب کہ کسی بھی مذہبی جماعت یا گروہ کی جانب سے کبھی پاکستان مردہ باد کا نعرہ نہیں لگایا گیا اور نہ ہی کسی مذہبی جماعت یا گروہ کی جانب کبھی کوئی علیحدگی کی تحریک چلائی گئی ہے۔ دوسری افسوس ناک بات یہ ہے کہ سیکولر میڈیا

نے اس اتنی بڑی خبر پر کوئی پروگرام نہیں کیا۔ نہ ہی اس خبر کو ہیڈ لائنز میں جگہ دی ہے۔ عوام اس بات کو دیکھیں، سوچیں اور سمجھیں کہ کون وطن کا غدار ہے اور کون محب وطن ہے۔